

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله الذي هدانا لهذا
ما كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله

شرح صحيح مسلم

تأليف
امام محمد بن اسماعيل بن حنبل
رحمه الله تعالى

ترجمه
امام محمد بن اسماعيل بن حنبل
رحمه الله تعالى

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْمَاءُ بَنَاتٍ لِّمَا فِي كِتَابِ اللَّهِ الْآيَاتُ ۚ وَمَنْ يَعْصِ أَمْرًا مِنْهُ يَتَأْتِهِ الْيُسْرَىٰ ۚ وَمَنْ يَعْصِ أَمْرًا مِنْهُ يَتَأْتِهِ الْيُسْرَىٰ ۚ وَمَنْ يَعْصِ أَمْرًا مِنْهُ يَتَأْتِهِ الْيُسْرَىٰ ۚ

شرح صحیح مسلم

(جلد خامس)

اقتضیٰ، لقطہ، جہاد، امارہ

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی ۳۸

ناشر

فریدی بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور ۲



جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : شرح صحیح مسلم (جلد خامس)
تصنیف : مفتی علامہ غلام رسول سعیدی
کتابت : دار الکتاب حضرت کیلی نوالہ گوجرانوالہ
صحیح : مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی
ایم۔ اے / ایل، ایل، بی، ای، ایڈ / فاضل علوم شرقیہ
تعداد : ایک ہزار
ہدیہ : ۳۳۰/- روپے
مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز، لاہور
الطبع الثامن : شوال ۱۴۳۱ھ / جنوری ۲۰۱۰ء
الطبع التاسع : شوال ۱۴۳۲ھ / جنوری ۲۰۱۱ء

WWW.NAFSEISLAM.COM

فرید بک سٹال (پرائیویٹ) لاہور

فون نمبر 042-7312173 ، فیکس نمبر 092-042-7224899

ای۔ میل نمبر Email: info@faridbookstall.com

ویب سائٹ Visit us at : www.faridbookstall.com



فرید بک سٹال

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۵۷	اہلیت قضاء کی شرائط	۱۸	۲۸	۱	افتتاحی کلمات
۵۸	مقدمات کے فیصلوں کی بناء اور معیار شرعی۔	۱۹	۳۰	۲	آراء و تاثرات
۵۹	فقہاء احناف کے نزدیک اہلیت اجتہاد کی شرائط۔	۲۰	۴۲		کتاب الاقنیۃ
۶۱	فقہاء شافعیہ کے نزدیک اہلیت اجتہاد کی شرائط۔	۲۱	۴۳	۳	قضاء کا لغوی معنی
۶۲	فقہاء حنبلیہ کے نزدیک اہلیت اجتہاد کی شرائط۔	۲۲	۴۴	۴	قضاء کا شرعی معنی
۶۳	مجتہد مطلق کی طرف منسوب ہونے والوں کی اقسام۔	۲۳	۴۴	۵	منصب قضاء کی فضیلت اور اہمیت
۶۳	عوام اور فقہاء کی تقلید کا فرق	۲۴	۴۵	۶	عہد رسالت میں قضاء کا نظام
۶۵	مجتہد عالم کا دلیل کی بناء پر امام سے اختلاف کرنا اور کے خلاف نہیں ہے۔	۲۵	۴۶	۷	عہد صحابہ میں قضاء کا نظام
۶۶	قاضی کے لیے اہلیت اجتہاد کی شرط میں مذاہب ائمہ۔	۲۶	۴۷	۸	آخرت میں قاضی کی سخت گرفت اور شدید کا سبب
۶۷	ایک قاضی مجتہد کا دوسرے قاضی مجتہد کی رائے پر فیصلہ کرنے کا جواز۔	۲۷	۴۹	۹	اند موأخذہ کے بارے میں احادیث اور آثار۔
۶۸	قاضی کو مقدمہ کی سماعت میں فریقین کے ساتھ عدل اور انصاف کی ہدایت میں احادیث اور آثار رسالت کا معنی۔	۲۸	۵۱	۱۰	سلف صالحین کا منصب قضاء کو قبول کرنے سے گریز
۶۹	قرآن مجید کی روشنی میں منصب قضاء قبول کرنے کا بیان۔	۲۹	۵۲	۱۱	قرآن مجید کی روشنی میں منصب قضاء قبول کرنے کا بیان۔
۷۰	احادیث اور آثار کی روشنی میں رثرت کا حکم۔	۳۰	۵۳	۱۲	احادیث کی روشنی میں منصب قضاء قبول کرنے کا بیان۔
۷۱	رثرت کی اقسام	۳۱	۵۴	۱۳	منصب قضاء قبول کرنے کا حکم۔
۷۲	قاضی اور دیگر افسروں کے ہدیہ قبول کرنے کی تحقیق	۳۲	۵۵	۱۴	عہدہ قضاء کی مذمت میں وارد احادیث کا محمل۔
		۳۳	۵۷	۱۵	عہدہ قضاء سے سلف صالحین کے گریز کی توجیہ
				۱۶	فرضیت قضاء کا بیان
				۱۷	قضاء کی اقسام

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	باب: ۵۶۲				
۳۴	مدعی علیہ پر قسم کا جواب	۴۶	۵۱	علامہ ابن قدامہ کے دیگر اعتراضات کے جواباً۔	۸۲
۳۵	مدعی علیہ پر قسم کے لزوم میں مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان اختلاف ضروری ہے یا نہیں۔	۴۳	۵۲	ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنے میں فقہاء احناف کا مسلک اور دلائل۔	۸۴
۳۶	مدعی پر گواہ اور مدعی علیہ پر قسم کے لزوم کی حکمت۔	۴۳	۵۳	ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کی احادیث کا ضعف۔	۸۴
۳۷	مدعی اور مدعی علیہ کی تفریق۔	۴۴	۵۴	ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کی حدیث کے راویوں کا ہونا۔	۸۴
۳۸	جائز اور حقی بات پر قسم کھانے کے استحسان پر دلائل۔	۴۴	۵۵	ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کی حدیث کا مروج قرآن کے خلاف ہونا۔	۸۵
۳۹	مذاہب ائمہ کی روشنی میں وہ مقدمات جن میں منکر سے قسم لینا جائز نہیں ہے۔	۴۵	۵۶	حدیث مذکور آئمہ ثلاثہ کے موقف کو مستلزم نہیں۔	۸۵
۴۰	بندہ کے حق کی پہلی قسم۔	۴۵	۵۷	حدیث مذکور کا صحیح محل۔	۸۵
۴۱	بندہ کے حق کی دوسری قسم۔	۴۵		باب: ۵۶۳	
۴۲	اللہ کے حق کی پہلی قسم۔	۴۵	۵۸	حاکم کا فیصلہ حقیقت و تعبیر کو تبدیل نہیں کرتا۔	۸۶
۴۳	اللہ کے حق کی دوسری قسم۔	۴۶	۵۹	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہری حجت کی بنا پر فیصلہ کا حکم دینے کی حکمت۔	۸۷
۴۴	وہ مقدمات جن میں فقہاء احناف کے نزدیک منکر سے قسم لینا جائز نہیں ہے۔	۴۶	۶۰	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر اور نہ ہونے کی تحقیق۔	۸۸
۴۵	مدعی علیہ کے انکار کے بعد مدعی پر قسم لوثانے میں مذاہب فقہاء۔	۴۸	۶۱	نبی کی حقیقت کا امام انسانوں کی حقیقت سے ممتاز ہونا۔	۸۹
۴۶	مدعی علیہ کے انکار کے بعد مدعی پر قسم لوثانے میں فقہاء احناف کا نظریہ۔	۴۸	۶۲	نبی کی خصوصیات۔	۹۰
	باب: ۵۶۳		۶۳	نبی کے چھ لبس امتیازات۔	۹۲
۴۷	ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ کرنا۔	۴۹	۶۴	نبی اور غیر نبی کا فرق۔	۹۳
۴۸	ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنے میں مذاہب ائمہ۔	۴۹	۶۵	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کا بیان۔	۹۵
۴۹	ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کے جائز میں اللہ ثلاثہ کے دلائل۔	۵۰	۶۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسی نورانیت اور حسن و جمال۔	۹۶
۵۰	ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کی حدیث کی فنی حیثیت۔	۵۰	۶۷	بشریت کا نورانیت سے افضل ہونا۔	۹۸
			۶۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثل ہونا۔	۹۹
			۶۹	قرآن مجید کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اول المخلوق ہونا۔	۱۰۰
			۷۰	احادیث کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اول المخلوق ہونا۔	۱۰۲
			۷۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اول المخلوق ہونے کے بارے میں علماء کے نظریات اور مصنف کا موقف۔	۱۰۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر شمار
۷۲	مخلوق کی طرف علم غیب کی نسبت کرنے کی تحقیق۔	۱۰۸	۸۵	نادہند کے مال سے بقدر حق وصول کرنے میں فقہاء اخاف کا موقف۔
۷۳	قرآن اور سنت کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت۔	۱۱۲	۸۶	سرکاری خزانہ سے اپنا حق وصول کرنے کی تفصیل حضرت ہند کی حدیث کے فرائد۔
۷۴	فقہاء اسلام کے اقوال کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت۔	۱۱۶	۸۷	باب: ۵۶۶
۷۵	تضاد کے ظاہر اور باطن نافذ ہونے میں مذاہب ائمہ۔	۱۱۹	۸۸	بجائز سوال کرنے اور مال فانی کرنے کی ممانعت۔
۷۶	تضاد کے ظاہر اور باطن نافذ ہونے میں فقہاء اخاف کا موقف۔	۱۱۹	۸۹	قبیل و قال سے ممانعت کی حکمت۔
۷۷	جن صورتوں میں فقہاء اخاف کے نزدیک تضاد ظاہر اور باطن نافذ ہو جاتی ہے۔	۱۲۰	۹۰	بجائز سوال کرنے سے ممانعت کی حکمت۔
۷۸	فقہاء اخاف کے نزدیک تضاد کے ظاہر اور باطن نافذ ہونے کی شرائط۔	۱۲۰	۹۱	مسجد میں سوال کرنے اور مسائل کو دینے کی تحقیق۔
۷۹	تضاد باطنی کے نفاذ میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل اور فقہاء اخاف کے دلائل کا تجزیہ۔	۱۲۱	۹۲	زیادہ خرچ کرنے کی تفصیل اور تحقیق۔
۸۰	حضرت ہند کے متعلق فیصلہ کرنے کا بیان۔	۱۲۵	۹۳	اسراف اور اتقار کا محمل۔
۸۱	نادہند کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر بقدر حق وصول کرنے میں مذاہب ائمہ۔	۱۲۶	۹۴	لذت اور اساتش کے لیے مال خرچ کرنا اسراف نہیں ہے۔
۸۲	نادہند کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر بقدر حق وصول کرنے کے عدم جواز میں فقہاء حنابلہ کے دلائل۔	۱۲۸	۹۵	مال باپ کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے۔
۸۳	نادہند کے مال سے بقدر حق وصول کرنے کے مسئلہ میں فقہاء حنابلہ کے دلائل کے جوابات۔	۱۲۹	۹۶	باب: ۵۶۷
۸۴	نادہند کے مال سے بقدر حق وصول کرنے کے مسئلہ میں جہور کے دلائل۔	۱۲۹	۹۷	حاکم صحیح فیصلہ کرے یا غلط اس کو اجتہاد کرنے پر اجازت ہے۔
			۹۸	عامی کا عالم اجتہاد مجتہد ہونا ضروری ہے۔
			۹۹	اجتہاد کی تعریف۔
			۱۰۰	اجتہاد کا طریقہ۔
			۱۰۱	مجتہدین اور مقلدین کے درجات۔
			۱۰۲	پیش آمد مسائل میں اہل فتویٰ کا اجتہاد۔
			۱۰۳	مسائل اجتہاد میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۱۰۳	حکم معین جتنا ہے یا نہیں؟ مسائل اجتہاد میں حکم کے معین ہونے یا نہ ہونے کے متعلق مصنف کا موقف۔	۱۴۹	شہادت کا لغوی معنی۔	۱۶۲
		۱۵۱	شہادت کا اصطلاحی معنی۔	۱۶۳
		۱۵۱	شہادت کی اقسام۔	۱۶۳
		۱۱۹	قرآن مجید کی روشنی میں شہادت کا بیان۔	۱۶۳
		۱۲۰	احادیث کی روشنی میں شہادت کا بیان۔	۱۶۴
		۱۲۱	شہادت کا حکم۔	۱۶۵
۱۰۴	حالت غضب میں قاضی کو فیصلہ کرنے کی ممانعت۔	۱۵۲	شہادت کی تعریف، رکن اور سبب وغیرہ کا بیان۔	۱۶۶
۱۰۵	کن حالات میں حاکم کو فیصلہ کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔	۱۵۳	تخل شہادت کی شرائط۔	۱۶۶
۱۰۶	حالت غضب میں فیصلے سے منع کرنے کی حکمت۔	۱۵۳	بملاحظہ شاہد ادائیگی شہادت کی شرائط۔	۱۶۶
۱۰۷	حالت غضب میں فیصلہ کرنے کا حکم۔	۱۵۴	عدالت کی تعریف۔	۱۶۷
۱۰۸	باب مذکور کی حدیث کے دیگر فوائد۔	۱۵۴	گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی تحقیق میں فقہاء اہل سنت کا نظریہ۔	۱۶۷
			گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی تحقیق میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ۔	۱۶۷
۱۰۹	احکام باطلہ کو ساقط کرنے اور جمعات کو ترک کرنے کا بیان۔	۱۵۴	گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی تحقیق میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ۔	۱۶۸
۱۱۰	احادیث کا لغوی اور شرعی معنی۔	۱۵۵	گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی تحقیق میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ۔	۱۶۹
۱۱۱	جن عبادات کی دین میں اصل ہے وہ محدث، مخیرع اور بدعت نہیں ہیں۔	۱۵۶	اصرار سے گناہ صغیرہ کے کبیرہ ہونے کی وجہ۔	۱۷۰
۱۱۲	فاتحہ، چیلیم اور عرس وغیرہ میں دنوں اور تاریخوں کی تعیین کی تحقیق۔	۱۵۷	نفیس شہادت کے اعتبار سے شرائط۔	۱۷۱
۱۱۳	قاسم بن محمد کے فتویٰ پر ایک اشکال کا جواب۔	۱۵۹	نصاب شہادت کی اقسام۔	۱۷۳
			جانب داری کی تہمت کی بنا پر جن کی شہادت قبول نہیں کی جاتی۔	۱۷۳
۱۱۴	بہترین گواہ کا بیان۔	۱۵۹	قرآن کی شہادت۔	۱۷۴
۱۱۵	بہتر سوال کے گواہی دینے کی ممانعت اور فضیلت کا تحمل۔	۱۶۰	قرآن اور واقعاتی شہادتوں سے شراب نوشی کا ثبوت۔	۱۷۵

نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۱۳۶	واقعاتی شہادات اور قرائن خارجیہ سے زنا کا ثبوت۔	۱۵۳	۵۷۱: باب	۲۰۳
۱۳۷	میڈیکل رپورٹ کی بناء پر زنا کا ثبوت۔	۱۵۴	مجتہدین کے اختلاف کا بیان۔	۲۰۴
۱۳۸	کیا زانی کے خلاف استغاثہ کرنے والی لڑکی پر حد قذف لگے گی۔	۱۵۵	حضرت سلیمان کا واقعاتی شہادت سے استدلال	۲۰۵
۱۳۹	قائل کے تعیین پر واقعاتی شہادت سے استدلال۔	۱۵۶	ایک مجتہد دوسرے مجتہد سے کب اختلاف کر سکتا ہے	۲۰۶
۱۴۰	کفار کی شہادت۔	۱۵۷	۵۷۲: باب	
۱۴۱	اچانک پیش آنے والے واقعات اور اضطراری امور میں مرد عورتوں کو گواہ بنانے کی بھینٹ۔	۱۵۸	دو فریقوں کے درمیان حاکم کے صلح کرنے کا استنباب۔	۲۰۸
۱۴۲	عورت کی شہادت کی تحقیق۔	۱۵۹	حکم کے فیصلہ کے متعلق فقہاء کی اڑاد۔	۲۰۸
۱۴۳	عورت کی شہادت کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات۔	۱۶۰	زمین خریدنے کے بعد اس میں دغینہ پٹنے کی تحقیق صورت میں بعد ان کے احکام۔	۲۰۹
۱۴۴	مالی معاملات میں ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی شہادت مقرر کرنے کی وجوہات۔	۱۶۱	کتاب اللقطہ	
۱۴۵	وہ امور جن میں صرف عورتوں کی گواہی معتبر ہے	۱۶۲	۵۷۳: باب	۲۱۱
۱۴۶	عورت کی شہادت کو نصف شہادت قرار دینے کی حکمتیں۔	۱۶۳	نقطہ کا لغوی معنی۔	۲۱۲
۱۴۷	اثبات زنا میں صرف مردوں کی گواہی پر قرآن مجید سے استدلال۔	۱۶۴	نقطہ کو اٹھانے کے حکم میں مذاہب فقہانہ۔	۲۱۲
۱۴۸	”اربعۃ منکم“ سے مردوں کی گواہی پر استدلال۔	۱۶۵	نقطہ کو اٹھانے کے حکم میں فقہاء و احناف کا موقف۔	۲۱۴
۱۴۹	”منکم“ سے مردوں کی گواہی پر استدلال۔	۱۶۶		
۱۵۰	اربعۃ شہداء سے مردوں کی گواہی پر استدلال۔	۱۶۷		
۱۵۱	اس بات کا جواب کہ نقطہ شاہد موجب کے لیے بھی مستقل ہے۔	۱۶۸		
۱۵۲	”ثمانیۃ ازواج“ سے اعتراض کا جواب۔	۱۶۹		

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱۶۶	نقطہ کی اقسام اور ان کے احکام۔	۲۱۸	پرائے جانور کے دودھ دوسرے کے متعلق	۲۳۵
۱۶۷	نقطہ کا اعلان کرنے کے مقدمات اور طریقہ	۲۱۹	دو متعارض حدیثوں میں تطبیق۔	۲۳۵
۱۶۸	نقطہ کے اعلان کی مدت میں مذاہب فقہاء۔	۲۲۰	بلا اجازت پر پرائے چیز لینے کے حکم جواز میں امام	۲۳۵
۱۶۹	آج کل کے فقہ میں نقطہ کے اعلان کا طریقہ کار۔	۲۲۱	احمد کا نظریہ اور ان کے دلائل۔	۲۳۵
۱۷۰	اعلان کی مدت پوری ہونے کے بعد نقطہ کے منہر	۱۸۳	بلا اجازت پر پرائے چیز لینے کے جواز میں جہود	۲۳۶
	میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ۔	۲۲۲	فقہاء اسلام کا نظریہ اور فقہاء حنبلیہ کے دلائل کے جوابات	۲۳۶
۱۷۱	اعلان کی مدت پوری ہونے کے بعد نقطہ کے منہر	۱۸۴	مزدت کے لیے پس انداز کرنا توکل کے	۲۳۸
	میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ۔	۲۲۳	خلاف نہیں ہے۔	۲۳۸
۱۷۲	اعلان کی مدت پوری ہونے کے بعد نقطہ کے	۱۸۵	قیاس سے استدلال کی دلیل۔	۲۳۸
	منہر میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ۔	۲۲۴	دودھ دینے والے جانور کو دودھ کے عرق	۲۳۸
۱۷۳	اعلان کی مدت پوری ہونے کے بعد نقطہ کے		فروخت کرنے میں مذاہب فقہاء۔	۲۳۸
	منہر میں فقہاء اخلاف کا نظریہ۔	۲۲۴		
۱۷۴	امام شافعی کے دلائل کے جوابات۔	۲۲۴		
۱۷۵	نقطہ کو صدقہ کرنے کے وجوب کے بارے	۱۸۷	باب: ۵۷۵	
	میں امارت۔	۲۲۶	مہمان فرازی کا بیان۔	۲۳۹
۱۷۶	نقطہ کو صدقہ کرنے کے وجوب کے بارے میں		مہمان کی ضیافت کرنے کے حکم میں مذاہب	۲۴۰
	آثار صحابہ و تابعین۔	۲۲۷	فقہاء۔	۲۴۰
۱۷۷	حضرت ابی کی حدیث کی وضاحت اور فقہاء احناف	۱۸۹	مہمان کی ضیافت اور غاظر و ملاقات کی تفصیل۔	۲۴۱
	کے جوابات کی تفصیل اور تنقیح۔	۱۹۰	مہمان کے زیادہ دیر ٹھہرنے کا حکم۔	۲۴۲
۱۷۸	ادب پڑھنے کے متعلق سوال کرنے پر رسول اللہ صلی	۱۹۱	اگر میزبان ضیافت نہ کرے تو کیا مہمان اس سے	۲۴۲
	اللہ علیہ وسلم کے ناراض ہونے کا وجہ۔	۱۹۲	بقدر ضیافت بزدلے سکتا ہے؟	۲۴۲
۱۷۹	حجاج کے نقطہ کو اٹھانے میں مذاہب فقہاء	۲۳۱	اگر خضدار کو اپنا حق حاصل کرنے کا موقع ملے	۲۴۲
	اور رعایت کی حکمت۔	۲۳۲	تو وہ عدالت کے بیڑ بھی اپنا حق لے سکتا ہے۔	۲۴۲
			باب: ۵۷۶	
۱۸۰	مالک کی اجازت کے بغیر دودھ دوسرے کے	۱۹۳	زائد مال کو مسلمانوں کی خیر خواہی میں خرچ کرنے	۲۴۳
	ممانعت۔	۲۳۳	کا استحباب۔	۲۴۳
			گھوڑے پر سوار سائل کو خیرات دینا۔	۲۴۳

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
	باب: ۵۷۸	۲۳۵	سائل کو بھیک دینے میں مستحق اور غیر مستحق کا فرق نہیں کرنا چاہیے۔	۱۹۵
۲۵۷	جن کفار کو دعوت اسلام دی جا چکی ہو ان کو دوبارہ دعوت ویسے بغیر جنگ کرنے کا جواز	۲۳۶	باب: ۵۷۷	۱۹۶
۲۵۸	جہاد کرنے سے پہلے کفار کو دعوت اسلام دینے میں مذاہب فقہاء۔	۲۳۵	جب کسی ہوتو سب کے زاد و راہ ملا دینے اور آپس میں غم گساری کرنے کا استحباب۔	۱۹۷
۲۵۹	جہاد کرنے سے پہلے کفار کو دعوت اسلام دینے میں فقہاء حنبلیہ کے مذاہب کی تفصیل۔	۲۳۶	مختور سے طعام کو زیادہ کرنا معجزہ ہے، اور طعام ابتداءً معدوم ہوتو اس کا موجود کرنا معجزہ کیوں نہیں ہے؟	۱۹۸
۲۶۰	جہاد کرنے سے پہلے کفار کو دعوت اسلام دینے میں فقہاء احناف کے مذاہب کی تفصیل۔	۲۳۷	معجزات کے ثبوت کے طریقے۔	۱۹۹
۲۶۱	جہاد میں کفار کی جان اور مال محترم نہیں ہے۔	۲۳۸	مل جل کر کھانے کی برکت۔	۲۰۰
۲۶۲	اگر جہاد میں کافر مسلمانوں کو اپنی ڈھال بنالیں تو ان کو قتل کرنا جائز ہے۔	۲۳۹	کتاب الجہاد والسیر	۲۰۱
	باب: ۵۷۹	۲۴۰	جہاد کا لغوی معنی۔	۲۰۲
۲۶۳	کسی شخص کو جہاد کا امیر بنانا اور اس کو آداب جہاد کی تعلیم دینا۔	۲۴۱	جہاد کا شرعی معنی۔	۲۰۳
۲۶۵	سرتیہ کا معنی۔	۲۴۲	فرصیت جہاد کے تدریجی مراحل۔	۲۰۴
۲۶۶	قتال کی کیفیت اور ان کافروں کا بیان جن کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔	۲۴۳	جہاد کی اقسام میں فقہاء احناف کا نظریہ۔	۲۰۵
۲۶۷	ذمہ کا لغوی معنی۔	۲۴۴	جہاد کی اقسام میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ۔	۲۰۶
۲۶۸	ذمہ کا اصطلاحی معنی۔	۲۴۵	جہاد کی اقسام میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ۔	۲۰۷
۲۶۹	عقد ذمہ کا رکن۔	۲۴۶	جہاد کی اقسام میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ۔	۲۰۸
۲۷۰	عقد ذمہ کی شرائط۔	۲۴۷	کن حالتوں میں جہاد فرض میں ہوتا ہے اور کن حالتوں میں فرض کفایہ۔	۲۰۹
۲۷۱	عقد ذمہ کے احکام۔	۲۴۸	جہاد کے مباح ہونے کی شرائط۔	۲۱۰
۲۷۲	عقد ذمہ کے وجوب کی شرائط۔	۲۴۹	جہاد کے وجوب کی شرائط۔	۲۱۱
۲۷۳	جزیرہ کی مقدار میں مذاہب فقہاء۔	۲۵۰	کتنی مدت کے بعد مسلمانوں پر جہاد کرنا واجب ہے۔	۲۱۲

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۲۹۰	حالیٰ جنگ میں دشمن کو دھوکا دینے اور جھوٹ بولنے کا حجاز۔	۲۴۲	ہجرت کی تحقیق۔	۲۲۷
۲۹۱	کن صدقوں میں جھوٹ بولنے کی اجازت ہے۔	۲۴۳	قیامت تک ہجرت باقی رہنے کے بارے میں احادیث۔	۲۲۸
۲۹۲	جان، مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنے کی اجازت۔	۲۴۴	ہجرت منقطع ہونے کے بارے میں احادیث۔	۲۲۹
۲۹۲	شہر اور مہاجر میں جھوٹ کا حجاز۔	۲۴۵	دارالکفر میں رہنے یا نہ رہنے کے بارے میں احادیث۔	۲۳۰
۲۹۳	قریبی اور دوریہ میں جھوٹ بولنے کا حجاز۔	۲۴۹	گناہوں سے ہجرت کرنے کے بارے میں احادیث۔	۲۳۱
۲۹۴	توریت کے سلسلہ میں فقہاء کی رائے۔	۲۵۰	ہجرت کی متعارض احادیث کے جوابات۔	۲۳۲
۲۹۶	خلافت مجتہد۔	۲۵۱	فج کہ کے بعد ہجرت کے منسوخ ہونے کی وجوہات۔	۲۳۳
		۲۵۲	دارالکفر میں مسلمانوں کی سکونت کا حکم۔	۲۳۴
		۲۵۳	ہجرت کی اقسام۔	۲۳۵
		۲۵۴	ہجرت الی اللہ کی تفسیر۔	۲۳۶
		۲۵۵	مال غنیمت اور مال فتنہ۔	۲۳۷
		۲۵۶	مشرکین سے محاصرہ اٹھانے کے لیے مسلمان اُن سے اللہ کی طرف سے معاہدہ کیوں نہ کریں۔	۲۳۸
		۲۵۷	عہد شکنی کی حرمت۔	۲۳۹
		۲۵۸	عہد کی اقسام اور عہد شکنی کی ممانعت کی حکمت۔	۲۴۰
		۲۵۹	انسان کا اللہ سے عہد۔	۲۴۱
		۲۶۰	انسان کا اپنے نفس سے عہد۔	۲۴۲
		۲۶۱	ایک انسان کا دوسرے انسان سے عہد۔	۲۴۳
		۲۶۲	علامہ اوس کی بیان کردہ عہد کی اقسام پر بحث و نظر۔	۲۴۴
		۲۶۳	باب: ۵۸۱	
		۲۶۴	جنگ میں دشمن کو دھوکا دینے کا حجاز۔	۲۴۵
		۲۶۵	باب: ۵۸۲	
		۲۶۶	جنگ میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۲۹۳	جنگی قیدیوں کے حکم کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات	۳۳۲	۳۰۹	فنی کا حکم۔	۳۶۱
۲۹۴	جنگی قیدیوں کو مال، یا مسلمان جنگی قیدیوں کے بدلہ میں رہا کرنے کی تحقیق۔	۳۳۳	۳۱۰	فنی کا لغوی معنی اور اس کی شرعی تفسیر۔	۳۶۰
۲۹۵	جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ اتھاناً اور احساناً رہا کرنے کی تحقیق۔	۳۳۳	۳۱۱	مال غنیمت اور مال فنی کو کفار کی ملکیت سے نکال کر مسلمانوں کو دینے کی وجہ۔	۳۶۱
۲۹۶	کیا موجودہ فذریں بھی جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا جائز ہے؟	۳۳۳	۳۱۲	مال غنیمت اور مال فنی کا فرق۔	۳۶۲
۲۹۷	بدر کے جنگی قیدیوں کو آزاد کرنے پر اعتراضات کے جوابات۔	۳۳۵	۳۱۳	قرآن مجید سے امرا ل فنی کے وقف ہونے پر دلائل۔	۳۶۳
۲۹۸	بدر کے قیدیوں کو آزاد کرنے پر امام رازی اور مصنف کے جوابات۔	۳۳۶	۳۱۴	احادیث، آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے امرا ل فنی کے وقف ہونے پر دلائل۔	۳۶۴
۲۹۹	مشرکین کو قتل کرنے کے عمومی حکم سے جنگی قیدیوں کو مستثنیٰ کرنے پر دلائل۔	۳۳۷	۳۱۵	سواد عراق اور دیگر مفتوحہ زمینوں کو وقف کرنے کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ۔	۳۶۸
۳۰۰	مال غنیمت کی تقسیم۔	۳۳۸	۳۱۶	عراق اور شام کی مفتوحہ زمینوں کو وقف کرنے کے متعلق حضرت عمر اور بعض صحابہ کا مباحثہ۔	۳۸۲
۳۰۱	غص کی تریف۔	۳۳۹	۳۱۷	سواد عراق کو وقف کرنے کے متعلق حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی رائے۔	۳۸۳
	باب: ۵۸۹		۳۱۸	امرا ل فنی کے متعلق امام ابو عبیدہ کا نظریہ۔	۳۸۴
۳۰۲	مقتول کے سلب پر قاتل کا استحقاق۔	۳۴۰	۳۱۹	مسلمانوں کی مقبرہ راضی مطلقاً فنی ہیں خواہ ان پر جنگ سے قبضہ ہوا ہو یا صلح سے۔	۳۸۵
۳۰۳	غزوہ حنین کا مختصر بیان۔	۳۴۱	۳۲۰	سواد عراق کے معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظریہ پر دلائل۔	۳۸۶
۳۰۴	سلب کا لغوی معنی۔	۳۴۲	۳۲۱	مفتوحہ علاقہ قرطبی زمینوں کے متعلق فقہاء کی آراء۔	۳۸۷
۳۰۵	سلب کی تفسیر میں مذاہب فقہاء۔	۳۴۳	۳۲۲	مسئلہ فک۔	۳۸۸
۳۰۶	سلب کے احکام اور شرائط میں فقہاء کے نظریات۔	۳۴۴	۳۲۳	فک کا لغوی معنی، جزائفا فی محل وقوع اور تاریخ۔	۳۸۹
۳۰۷	سلب کے حکم میں فقہاء احناف کے نظریات اور دلائل۔	۳۴۵	۳۲۴	علمائے شیعہ کا یہ دعویٰ کہ حضرت فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے فک کا مطالبہ کیا۔	۳۹۰
۳۰۸	جنگ بدر میں حضرت معاویہ بن عمر کو سلب کے ساتھ غاص کرنے کا سبب۔	۳۴۶	۳۲۵	حدیث لا نورث کو موضوع اللہ باطل قرار دینے کا مطالبہ کیا۔	۳۹۰
	باب: ۵۹۰				

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۳۲۶	پر علمائے شیعہ کے دلائل -	۳۹۸	۴۰۰	۳۲۱
۳۲۷	وراثت کے نقطہ سے علم اور نبوت کی وراثت	۳۹۹	۴۰۱	۳۲۲
۳۲۸	مرا لینا اسلوب قرآن کے مطابق ہے -	۴۰۱	۴۰۲	۳۲۳
۳۲۹	نقطہ وراثت سے وراثت نبوت مرا لینے پر	۴۰۲	۴۰۳	۳۲۴
۳۲۸	امہ اہل بیت کی روایات سے انبیاء کی وراثت	۴۰۳	۴۰۴	۳۲۵
۳۲۹	علی کا نبوت -	۴۰۴	۴۰۵	۳۲۶
۳۲۸	اس بات کا جواب کہ حضرت ابو بکر نے حضرت فاطمہ	۴۰۵	۴۰۶	۳۲۷
۳۲۹	کو وراثت نہ دے کر احکام میراث کی مخالفت	۴۰۶	۴۰۷	۳۲۸
۳۳۰	کی -	۴۰۷	۴۰۸	۳۲۹
۳۳۱	نبی کے ترکہ سے وراثت نہ ہونے کی وجہ -	۴۰۸	۴۰۹	۳۳۰
۳۳۱	کیا حضرت ابو بکر نے ذاتی مفاد اور خلافت کو محکم	۴۰۹	۴۱۰	۳۳۱
۳۳۲	کرنے کے لیے حدیث کا نوژن بیان کی تھی؟ -	۴۱۰	۴۱۱	۳۳۲
۳۳۲	کیا حضرت علی نے حدیث کا نوژن کی روایت میں	۴۱۱	۴۱۲	۳۳۳
۳۳۲	حضرت ابو بکر و عمر کو جوڑنا، عہد شکن، غائن اور	۴۱۲	۴۱۳	۳۳۴
۳۳۲	گنہگار گمان کیا تھا؟	۴۱۳	۴۱۴	۳۳۵
۳۳۳	کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور	۴۱۴	۴۱۵	۳۳۶
۳۳۳	حضرت فاطمہ کو حدیث کا نوژن پر مطلع نہیں	۴۱۵	۴۱۶	۳۳۷
۳۳۳	فرمایا تھا؟	۴۱۶	۴۱۷	۳۳۸
۳۳۴	حدیث کا نوژن روایت کرنے والے صحابہ	۴۱۷	۴۱۸	۳۳۹
۳۳۴	کرام کا نقد و تکتشر -	۴۱۸	۴۱۹	۳۴۰
۳۳۵	حدیث کا نوژن کا اہل تصحیح کی اسانید سے ثبوت	۴۱۹	۴۲۰	۳۴۱
۳۳۶	فدک میں وراثت جاری نہ ہونے پر قرآن مجید سے	۴۲۰	۴۲۱	۳۴۲
۳۳۶	استدلال -	۴۲۱	۴۲۲	۳۴۳
۳۳۷	علمائے شیعہ کا یہ دعویٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ	۴۲۲	۴۲۳	۳۴۴
۳۳۷	وسلم نے فدک حضرت فاطمہ کو ہبہ کر دیا تھا؟	۴۲۳	۴۲۴	۳۴۵
۳۳۸	فدک کے دعویٰ ہبہ کا قرآن مجید کی روشنی میں	۴۲۴	۴۲۵	۳۴۶
۳۳۸	۴۲۵	۴۲۶	۴۲۷	۳۴۷
۳۳۸	۴۲۶	۴۲۷	۴۲۸	۳۴۸
۳۳۸	۴۲۷	۴۲۸	۴۲۹	۳۴۹
۳۳۸	۴۲۸	۴۲۹	۴۳۰	۳۵۰
۳۳۸	۴۲۹	۴۳۰	۴۳۱	۳۵۱
۳۳۸	۴۳۰	۴۳۱	۴۳۲	۳۵۲
۳۳۸	۴۳۱	۴۳۲	۴۳۳	۳۵۳
۳۳۸	۴۳۲	۴۳۳	۴۳۴	۳۵۴
۳۳۸	۴۳۳	۴۳۴	۴۳۵	۳۵۵
۳۳۸	۴۳۴	۴۳۵	۴۳۶	۳۵۶
۳۳۸	۴۳۵	۴۳۶	۴۳۷	۳۵۷
۳۳۸	۴۳۶	۴۳۷	۴۳۸	۳۵۸
۳۳۸	۴۳۷	۴۳۸	۴۳۹	۳۵۹
۳۳۸	۴۳۸	۴۳۹	۴۴۰	۳۶۰
۳۳۸	۴۳۹	۴۴۰	۴۴۱	۳۶۱
۳۳۸	۴۴۰	۴۴۱	۴۴۲	۳۶۲
۳۳۸	۴۴۱	۴۴۲	۴۴۳	۳۶۳
۳۳۸	۴۴۲	۴۴۳	۴۴۴	۳۶۴
۳۳۸	۴۴۳	۴۴۴	۴۴۵	۳۶۵
۳۳۸	۴۴۴	۴۴۵	۴۴۶	۳۶۶
۳۳۸	۴۴۵	۴۴۶	۴۴۷	۳۶۷
۳۳۸	۴۴۶	۴۴۷	۴۴۸	۳۶۸
۳۳۸	۴۴۷	۴۴۸	۴۴۹	۳۶۹
۳۳۸	۴۴۸	۴۴۹	۴۵۰	۳۷۰
۳۳۸	۴۴۹	۴۵۰	۴۵۱	۳۷۱
۳۳۸	۴۵۰	۴۵۱	۴۵۲	۳۷۲
۳۳۸	۴۵۱	۴۵۲	۴۵۳	۳۷۳
۳۳۸	۴۵۲	۴۵۳	۴۵۴	۳۷۴
۳۳۸	۴۵۳	۴۵۴	۴۵۵	۳۷۵
۳۳۸	۴۵۴	۴۵۵	۴۵۶	۳۷۶
۳۳۸	۴۵۵	۴۵۶	۴۵۷	۳۷۷
۳۳۸	۴۵۶	۴۵۷	۴۵۸	۳۷۸
۳۳۸	۴۵۷	۴۵۸	۴۵۹	۳۷۹
۳۳۸	۴۵۸	۴۵۹	۴۶۰	۳۸۰
۳۳۸	۴۵۹	۴۶۰	۴۶۱	۳۸۱
۳۳۸	۴۶۰	۴۶۱	۴۶۲	۳۸۲
۳۳۸	۴۶۱	۴۶۲	۴۶۳	۳۸۳
۳۳۸	۴۶۲	۴۶۳	۴۶۴	۳۸۴
۳۳۸	۴۶۳	۴۶۴	۴۶۵	۳۸۵
۳۳۸	۴۶۴	۴۶۵	۴۶۶	۳۸۶
۳۳۸	۴۶۵	۴۶۶	۴۶۷	۳۸۷
۳۳۸	۴۶۶	۴۶۷	۴۶۸	۳۸۸
۳۳۸	۴۶۷	۴۶۸	۴۶۹	۳۸۹
۳۳۸	۴۶۸	۴۶۹	۴۷۰	۳۹۰
۳۳۸	۴۶۹	۴۷۰	۴۷۱	۳۹۱
۳۳۸	۴۷۰	۴۷۱	۴۷۲	۳۹۲
۳۳۸	۴۷۱	۴۷۲	۴۷۳	۳۹۳
۳۳۸	۴۷۲	۴۷۳	۴۷۴	۳۹۴
۳۳۸	۴۷۳	۴۷۴	۴۷۵	۳۹۵
۳۳۸	۴۷۴	۴۷۵	۴۷۶	۳۹۶
۳۳۸	۴۷۵	۴۷۶	۴۷۷	۳۹۷
۳۳۸	۴۷۶	۴۷۷	۴۷۸	۳۹۸
۳۳۸	۴۷۷	۴۷۸	۴۷۹	۳۹۹
۳۳۸	۴۷۸	۴۷۹	۴۸۰	۴۰۰
۳۳۸	۴۷۹	۴۸۰	۴۸۱	۴۰۱
۳۳۸	۴۸۰	۴۸۱	۴۸۲	۴۰۲
۳۳۸	۴۸۱	۴۸۲	۴۸۳	۴۰۳
۳۳۸	۴۸۲	۴۸۳	۴۸۴	۴۰۴
۳۳۸	۴۸۳	۴۸۴	۴۸۵	۴۰۵
۳۳۸	۴۸۴	۴۸۵	۴۸۶	۴۰۶
۳۳۸	۴۸۵	۴۸۶	۴۸۷	۴۰۷
۳۳۸	۴۸۶	۴۸۷	۴۸۸	۴۰۸
۳۳۸	۴۸۷	۴۸۸	۴۸۹	۴۰۹
۳۳۸	۴۸۸	۴۸۹	۴۹۰	۴۱۰
۳۳۸	۴۸۹	۴۹۰	۴۹۱	۴۱۱
۳۳۸	۴۹۰	۴۹۱	۴۹۲	۴۱۲
۳۳۸	۴۹۱	۴۹۲	۴۹۳	۴۱۳
۳۳۸	۴۹۲	۴۹۳	۴۹۴	۴۱۴
۳۳۸	۴۹۳	۴۹۴	۴۹۵	۴۱۵
۳۳۸	۴۹۴	۴۹۵	۴۹۶	۴۱۶
۳۳۸	۴۹۵	۴۹۶	۴۹۷	۴۱۷
۳۳۸	۴۹۶	۴۹۷	۴۹۸	۴۱۸
۳۳۸	۴۹۷	۴۹۸	۴۹۹	۴۱۹
۳۳۸	۴۹۸	۴۹۹	۵۰۰	۴۲۰
۳۳۸	۴۹۹	۵۰۰	۵۰۱	۴۲۱
۳۳۸	۵۰۰	۵۰۱	۵۰۲	۴۲۲
۳۳۸	۵۰۱	۵۰۲	۵۰۳	۴۲۳
۳۳۸	۵۰۲	۵۰۳	۵۰۴	۴۲۴
۳۳۸	۵۰۳	۵۰۴	۵۰۵	۴۲۵
۳۳۸	۵۰۴	۵۰۵	۵۰۶	۴۲۶
۳۳۸	۵۰۵	۵۰۶	۵۰۷	۴۲۷
۳۳۸	۵۰۶	۵۰۷	۵۰۸	۴۲۸
۳۳۸	۵۰۷	۵۰۸	۵۰۹	۴۲۹
۳۳۸	۵۰۸	۵۰۹	۵۱۰	۴۳۰
۳۳۸	۵۰۹	۵۱۰	۵۱۱	۴۳۱
۳۳۸	۵۱۰	۵۱۱	۵۱۲	۴۳۲
۳۳۸	۵۱۱	۵۱۲	۵۱۳	۴۳۳
۳۳۸	۵۱۲	۵۱۳	۵۱۴	۴۳۴
۳۳۸	۵۱۳	۵۱۴	۵۱۵	۴۳۵
۳۳۸	۵۱۴	۵۱۵	۵۱۶	۴۳۶
۳۳۸	۵۱۵	۵۱۶	۵۱۷	۴۳۷
۳۳۸	۵۱۶	۵۱۷	۵۱۸	۴۳۸
۳۳۸	۵۱۷	۵۱۸	۵۱۹	۴۳۹
۳۳۸	۵۱۸	۵۱۹	۵۲۰	۴۴۰
۳۳۸	۵۱۹	۵۲۰	۵۲۱	۴۴۱
۳۳۸	۵۲۰	۵۲۱	۵۲۲	۴۴۲
۳۳۸	۵۲۱	۵۲۲	۵۲۳	۴۴۳
۳۳۸	۵۲۲	۵۲۳	۵۲۴	۴۴۴
۳۳۸	۵۲۳	۵۲۴	۵۲۵	۴۴۵
۳۳۸	۵۲۴	۵۲۵	۵۲۶	۴۴۶
۳۳۸	۵۲۵	۵۲۶	۵۲۷	۴۴۷
۳۳۸	۵۲۶	۵۲۷	۵۲۸	۴۴۸
۳۳۸	۵۲۷	۵۲۸	۵۲۹	۴۴۹
۳۳۸	۵۲۸	۵۲۹	۵۳۰	۴۵۰
۳۳۸	۵۲۹	۵۳۰	۵۳۱	۴۵۱
۳۳۸	۵۳۰	۵۳۱	۵۳۲	۴۵۲
۳۳۸	۵۳۱	۵۳۲	۵۳۳	۴۵۳
۳۳۸	۵۳۲	۵۳۳	۵۳۴	۴۵۴
۳۳۸	۵۳۳	۵۳۴	۵۳۵	۴۵۵
۳۳۸	۵۳۴	۵۳۵	۵۳۶	۴۵۶
۳۳۸	۵۳۵	۵۳۶	۵۳۷	۴۵۷
۳۳۸	۵۳۶	۵۳۷	۵۳۸	۴۵۸
۳۳۸	۵۳۷	۵۳۸	۵۳۹	۴۵۹
۳۳۸	۵۳۸	۵۳۹	۵۴۰	۴۶۰
۳۳۸	۵۳۹	۵۴۰	۵۴۱	۴۶۱
۳۳۸	۵۴۰	۵۴۱	۵۴۲	۴۶۲
۳۳۸	۵۴۱	۵۴۲	۵۴۳	۴۶۳
۳۳۸	۵۴۲	۵۴۳	۵۴۴	۴۶۴
۳۳۸	۵۴۳	۵۴۴	۵۴۵	۴۶۵
۳۳۸	۵۴۴	۵۴۵	۵۴۶	۴۶۶
۳۳۸	۵۴۵	۵۴۶	۵۴۷	۴۶۷
۳۳۸	۵۴۶	۵۴۷	۵۴۸	۴۶۸
۳۳۸	۵۴۷	۵۴۸	۵۴۹	۴۶۹
۳۳۸	۵۴۸	۵۴۹	۵۵۰	۴۷۰
۳۳۸	۵۴۹	۵۵۰	۵۵۱	۴۷۱
۳۳۸	۵۵۰	۵۵۱	۵۵۲	۴۷۲
۳۳۸	۵۵۱	۵۵۲	۵۵۳	۴۷۳
۳۳۸	۵۵۲	۵۵۳	۵۵۴	۴۷۴
۳۳۸	۵۵۳	۵۵۴	۵۵۵	۴۷۵
۳۳۸	۵۵۴	۵۵۵	۵۵۶	۴۷۶
۳۳۸	۵۵۵	۵۵۶	۵۵۷	۴۷۷
۳۳۸	۵۵۶	۵۵۷	۵۵۸	۴۷۸
۳۳۸	۵۵۷	۵۵۸	۵۵۹	۴۷۹
۳۳۸	۵۵۸	۵۵۹	۵۶۰	۴۸۰
۳۳۸	۵۵۹	۵۶۰	۵۶۱	۴۸۱
۳۳۸	۵۶۰	۵۶۱	۵۶۲	۴۸۲
۳۳۸	۵۶۱	۵۶۲	۵۶۳	۴۸۳
۳۳۸	۵۶۲	۵۶۳	۵۶۴	۴۸۴
۳۳۸	۵۶۳	۵۶۴	۵۶۵	۴۸۵
۳۳۸	۵۶۴	۵۶۵	۵۶۶	۴۸۶
۳۳۸	۵۶۵	۵۶۶	۵۶۷	۴۸۷
۳۳۸	۵۶۶	۵۶۷	۵۶۸	۴۸۸
۳۳۸	۵۶۷	۵۶۸	۵۶۹	۴۸۹
۳۳۸	۵۶۸	۵۶۹	۵۷۰	۴۹۰
۳۳۸	۵۶۹	۵۷۰	۵۷۱	۴۹۱
۳۳۸	۵۷۰	۵۷۱	۵۷۲	۴۹۲
۳۳۸	۵۷۱	۵۷۲	۵۷۳	۴۹۳
۳۳۸	۵۷۲	۵۷۳	۵۷۴	۴۹۴
۳۳۸	۵۷۳	۵۷۴	۵۷۵	۴۹۵
۳۳۸	۵۷۴	۵۷۵	۵۷۶	۴۹۶
۳۳۸	۵۷۵	۵۷۶	۵۷۷	۴۹۷
۳۳۸	۵۷۶	۵۷۷	۵۷۸	۴۹۸
۳۳۸	۵۷۷	۵۷۸	۵۷۹	۴۹۹
۳۳۸	۵۷۸	۵۷۹	۵۸۰	۵۰۰
۳۳۸	۵۷۹	۵۸۰	۵۸۱	۵۰۱
۳۳۸	۵۸۰	۵۸۱	۵۸۲	۵۰۲
۳۳۸	۵۸۱	۵۸۲	۵۸۳	۵۰۳
۳۳۸	۵۸۲	۵۸۳	۵۸۴	۵۰۴
۳۳۸	۵۸۳	۵۸۴	۵۸۵	۵۰۵
۳۳۸	۵۸۴	۵۸۵	۵۸۶	۵۰۶
۳۳۸	۵۸۵	۵۸۶	۵۸۷	۵۰۷
۳۳۸	۵۸۶	۵۸۷	۵۸۸	۵۰۸
۳۳۸	۵۸۷	۵۸۸	۵۸۹	۵۰۹
۳۳۸	۵۸۸	۵۸۹	۵۹۰	۵۱۰
۳۳۸	۵۸۹	۵۹۰	۵۹۱	۵۱۱
۳۳۸	۵۹۰	۵۹۱	۵۹۲	۵۱۲
۳۳۸	۵۹۱	۵۹۲	۵۹۳	۵۱۳
۳۳۸	۵۹۲	۵۹۳	۵۹۴	۵۱۴
۳۳۸	۵۹۳	۵۹۴	۵۹۵	۵۱۵
۳۳۸	۵۹۴	۵۹۵	۵۹۶	۵۱۶
۳۳۸	۵۹۵	۵۹۶	۵۹۷	۵۱۷

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۳۵۲	حضرت ابو بکر کی خلافت پر حضرت علی کا قصہ۔	۳۵۲	۳۵۲	۳۵۲
۳۵۳	اہل تشیع کی تعائیف میں حضرت علی کے بیت کرنے کا نقش۔	۳۵۳	۳۵۳	۳۵۳
۳۵۴	تقیہ کا جواب۔	۳۵۴	۳۵۴	۳۵۴
۳۵۵	اہل تشیع کے اس اعتراض کا جواب کہ حضرت ابو بکر میں شجاعت کا کمی تھی۔	۳۵۵	۳۵۵	۳۵۵
۳۵۶	اہل تشیع کے اس اعتراض کا جواب کہ اسلام برائت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو امانت سے موزوں کر دیا تھا۔	۳۵۶	۳۵۶	۳۵۶
۳۵۷	من گنت مولاء فعلی مولاء سے استدلال کا جواب۔	۳۵۷	۳۵۷	۳۵۷
	باب: ۵۹۱			
۳۵۸	مجاہدین میں مال نفیت تقسیم کرنے کا طریقہ۔	۳۵۸	۳۵۸	۳۵۸
۳۵۹	گھوڑے کے دو حصہ دینے پر جمہور فقہاء کی امانت۔	۳۵۹	۳۵۹	۳۵۹
۳۶۰	گھوڑے کا ایک حصہ دینے پر امام ابو حنیفہ کی امانت۔	۳۶۰	۳۶۰	۳۶۰
۳۶۱	گھوڑے کا ایک حصہ دینے پر امام ابو حنیفہ کے عقلی دلائل۔	۳۶۱	۳۶۱	۳۶۱
۳۶۲	احادیث ابی حنیفہ پر جرح کا جواب۔	۳۶۲	۳۶۲	۳۶۲
۳۶۳	جمہور فقہاء کی احادیث پر جرح۔	۳۶۳	۳۶۳	۳۶۳
۳۶۴	امام ابو حنیفہ کے موثق پر علامہ عینی کے دلائل۔	۳۶۴	۳۶۴	۳۶۴
۳۶۵	علامہ المرفیانی کے دلائل اور خلاصہ بحث۔	۳۶۵	۳۶۵	۳۶۵
	باب: ۵۹۲			
۳۶۶	غزوہ بدر میں فرشتوں کی امداد اور مال نفیت کے مباح ہونے کا بیان۔	۳۶۶	۳۶۶	۳۶۶
۳۶۷	غزوہ بدر میں فرشتوں کے نزول کے متعلق مصنف کی تحقیق۔	۳۶۷	۳۶۷	۳۶۷
۳۶۸	بدر کا غسل وقوع۔	۳۶۸	۳۶۸	۳۶۸
۳۶۹	جنگ بدر کے دن اللہ تعالیٰ کے وعدہ فتح کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدت گرہ و زاری سے دعا کرنے کی حکمت۔	۳۶۹	۳۶۹	۳۶۹
۳۷۰	کیا جنگ بدر میں فرشتوں نے قاتل کیا تھا؟	۳۷۰	۳۷۰	۳۷۰
۳۷۱	غزوہ بدر میں فرشتوں کے نزول کے متعلق مصنف کی تحقیق۔	۳۷۱	۳۷۱	۳۷۱
۳۷۲	باب: ۵۹۳	۳۷۲	۳۷۲	۳۷۲
۳۷۳	تیدیوں کو گرفتار کرنے اور احسانا رہا کرنے کا جواز۔	۳۷۳	۳۷۳	۳۷۳
۳۷۴	اسلام قبول کرنے کے بعد غسل کرنے کے حکم میں مذاہب فقہاء۔	۳۷۴	۳۷۴	۳۷۴
۳۷۵	طالب اسلام کو کوہ پڑخانے میں تاخیر کرنا جائز نہیں، بلکہ حد شرع کفر ہے۔	۳۷۵	۳۷۵	۳۷۵
۳۷۶	باب: ۵۹۴	۳۷۶	۳۷۶	۳۷۶
۳۷۷	یہودیوں کو سرزمین حجاز سے نکال دینے کا بیان۔	۳۷۷	۳۷۷	۳۷۷
۳۷۸	ذمیوں کی عہد شکنی کی سزا۔	۳۷۸	۳۷۸	۳۷۸
۳۷۹	باب: ۵۹۵	۳۷۹	۳۷۹	۳۷۹
۳۸۰	عہد شکنی کرنے والوں کو قتل کرنے کا جواز اور اہل قلعہ کو کسی عادل شخص کے فیصلہ پر قتل سے انکار لینے کا جواز۔	۳۸۰	۳۸۰	۳۸۰
۳۸۱	مجلس میں آنے والے شخص کی تنظیم کے لیے کھڑے ہونے کے متعلق مذاہب فقہاء۔	۳۸۱	۳۸۱	۳۸۱

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۳۹۸	اسلام کے نظریات۔ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کے متعلق مصنف کی تحقیق۔	۳۹۳	۳۸۵	۳۷۸
۳۹۹		۳۸۶	۳۸۶	۳۷۹
	باب: ۵۹۹	۳۸۸	۳۸۸	۳۸۰
	دعوت اسلام کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہرقل کے نام مکتوب۔	۳۹۰	۳۹۰	۳۸۱
۵۰۰	۵۰۰		باب: ۵۹۶	
۵۰۳	۵۰۳	۳۹۵	۳۹۲	۳۸۲
	باب: ۶۰۰	۳۹۱	۳۹۱	۳۸۳
	دعوت اسلام کے لیے کافر بادشاہوں کے نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط۔	۳۹۲	۳۹۲	۳۸۴
۵۰۶	۵۰۶		باب: ۵۹۷	
۵۰۷	۵۰۷	۳۹۷	۳۹۷	۳۸۵
	باب: ۶۰۱	۳۹۲	۳۹۲	۳۸۶
۵۰۷	۵۰۷	۳۹۸	۳۹۸	۳۸۷
۵۱۲	۵۱۲	۳۹۹	۳۹۹	۳۸۸
	کفار اور شرکین سے ہدیہ قبول کرنے کی تحقیق۔	۴۰۰	۴۰۰	۳۸۹
۵۱۳	۵۱۳	۴۰۱	۴۰۱	۳۹۰
۵۱۴	۵۱۴	۴۰۲	۴۰۲	۳۹۱
۵۱۴	۵۱۴	۴۰۳	۴۰۳	۳۹۲
	باب: ۶۰۲	۴۰۴	۴۰۴	۳۹۳
۵۱۵	۵۱۵	۴۰۵	۴۰۵	۳۹۴
۵۱۵	۵۱۵	۴۰۶	۴۰۶	۳۹۵
		۴۰۷	۴۰۷	۳۹۶
		۴۰۸	۴۰۸	۳۹۷
		۴۰۹	۴۰۹	۳۹۸
		۴۱۰	۴۱۰	۳۹۹
		۴۱۱	۴۱۱	۴۰۰
		۴۱۲	۴۱۲	۴۰۱
		۴۱۳	۴۱۳	۴۰۲
		۴۱۴	۴۱۴	۴۰۳
		۴۱۵	۴۱۵	۴۰۴
		۴۱۶	۴۱۶	۴۰۵
		۴۱۷	۴۱۷	۴۰۶
		۴۱۸	۴۱۸	۴۰۷
		۴۱۹	۴۱۹	۴۰۸
		۴۲۰	۴۲۰	۴۰۹
		۴۲۱	۴۲۱	۴۱۰
		۴۲۲	۴۲۲	۴۱۱
		۴۲۳	۴۲۳	۴۱۲
		۴۲۴	۴۲۴	۴۱۳
		۴۲۵	۴۲۵	۴۱۴
		۴۲۶	۴۲۶	۴۱۵
		۴۲۷	۴۲۷	۴۱۶
		۴۲۸	۴۲۸	۴۱۷
		۴۲۹	۴۲۹	۴۱۸
		۴۳۰	۴۳۰	۴۱۹
		۴۳۱	۴۳۱	۴۲۰
		۴۳۲	۴۳۲	۴۲۱
		۴۳۳	۴۳۳	۴۲۲
		۴۳۴	۴۳۴	۴۲۳
		۴۳۵	۴۳۵	۴۲۴
		۴۳۶	۴۳۶	۴۲۵
		۴۳۷	۴۳۷	۴۲۶
		۴۳۸	۴۳۸	۴۲۷
		۴۳۹	۴۳۹	۴۲۸
		۴۴۰	۴۴۰	۴۲۹
		۴۴۱	۴۴۱	۴۳۰
		۴۴۲	۴۴۲	۴۳۱
		۴۴۳	۴۴۳	۴۳۲
		۴۴۴	۴۴۴	۴۳۳
		۴۴۵	۴۴۵	۴۳۴
		۴۴۶	۴۴۶	۴۳۵
		۴۴۷	۴۴۷	۴۳۶
		۴۴۸	۴۴۸	۴۳۷
		۴۴۹	۴۴۹	۴۳۸
		۴۵۰	۴۵۰	۴۳۹
		۴۵۱	۴۵۱	۴۴۰
		۴۵۲	۴۵۲	۴۴۱
		۴۵۳	۴۵۳	۴۴۲
		۴۵۴	۴۵۴	۴۴۳
		۴۵۵	۴۵۵	۴۴۴
		۴۵۶	۴۵۶	۴۴۵
		۴۵۷	۴۵۷	۴۴۶
		۴۵۸	۴۵۸	۴۴۷
		۴۵۹	۴۵۹	۴۴۸
		۴۶۰	۴۶۰	۴۴۹
		۴۶۱	۴۶۱	۴۵۰
		۴۶۲	۴۶۲	۴۵۱
		۴۶۳	۴۶۳	۴۵۲
		۴۶۴	۴۶۴	۴۵۳
		۴۶۵	۴۶۵	۴۵۴
		۴۶۶	۴۶۶	۴۵۵
		۴۶۷	۴۶۷	۴۵۶
		۴۶۸	۴۶۸	۴۵۷
		۴۶۹	۴۶۹	۴۵۸
		۴۷۰	۴۷۰	۴۵۹
		۴۷۱	۴۷۱	۴۶۰
		۴۷۲	۴۷۲	۴۶۱
		۴۷۳	۴۷۳	۴۶۲
		۴۷۴	۴۷۴	۴۶۳
		۴۷۵	۴۷۵	۴۶۴
		۴۷۶	۴۷۶	۴۶۵
		۴۷۷	۴۷۷	۴۶۶
		۴۷۸	۴۷۸	۴۶۷
		۴۷۹	۴۷۹	۴۶۸
		۴۸۰	۴۸۰	۴۶۹
		۴۸۱	۴۸۱	۴۷۰
		۴۸۲	۴۸۲	۴۷۱
		۴۸۳	۴۸۳	۴۷۲
		۴۸۴	۴۸۴	۴۷۳
		۴۸۵	۴۸۵	۴۷۴
		۴۸۶	۴۸۶	۴۷۵
		۴۸۷	۴۸۷	۴۷۶
		۴۸۸	۴۸۸	۴۷۷
		۴۸۹	۴۸۹	۴۷۸
		۴۹۰	۴۹۰	۴۷۹
		۴۹۱	۴۹۱	۴۸۰
		۴۹۲	۴۹۲	۴۸۱
		۴۹۳	۴۹۳	۴۸۲
		۴۹۴	۴۹۴	۴۸۳
		۴۹۵	۴۹۵	۴۸۴
		۴۹۶	۴۹۶	۴۸۵
		۴۹۷	۴۹۷	۴۸۶
		۴۹۸	۴۹۸	۴۸۷
		۴۹۹	۴۹۹	۴۸۸
		۵۰۰	۵۰۰	۴۸۹
		۵۰۱	۵۰۱	۴۹۰
		۵۰۲	۵۰۲	۴۹۱
		۵۰۳	۵۰۳	۴۹۲
		۵۰۴	۵۰۴	۴۹۳
		۵۰۵	۵۰۵	۴۹۴
		۵۰۶	۵۰۶	۴۹۵
		۵۰۷	۵۰۷	۴۹۶
		۵۰۸	۵۰۸	۴۹۷
		۵۰۹	۵۰۹	۴۹۸
		۵۱۰	۵۱۰	۴۹۹
		۵۱۱	۵۱۱	۵۰۰
		۵۱۲	۵۱۲	۵۰۱
		۵۱۳	۵۱۳	۵۰۲
		۵۱۴	۵۱۴	۵۰۳
		۵۱۵	۵۱۵	۵۰۴
		۵۱۶	۵۱۶	۵۰۵
		۵۱۷	۵۱۷	۵۰۶
		۵۱۸	۵۱۸	۵۰۷
		۵۱۹	۵۱۹	۵۰۸
		۵۲۰	۵۲۰	۵۰۹
		۵۲۱	۵۲۱	۵۱۰
		۵۲۲	۵۲۲	۵۱۱
		۵۲۳	۵۲۳	۵۱۲
		۵۲۴	۵۲۴	۵۱۳
		۵۲۵	۵۲۵	۵۱۴
		۵۲۶	۵۲۶	۵۱۵
		۵۲۷	۵۲۷	۵۱۶
		۵۲۸	۵۲۸	۵۱۷
		۵۲۹	۵۲۹	۵۱۸
		۵۳۰	۵۳۰	۵۱۹
		۵۳۱	۵۳۱	۵۲۰
		۵۳۲	۵۳۲	۵۲۱
		۵۳۳	۵۳۳	۵۲۲
		۵۳۴	۵۳۴	۵۲۳
		۵۳۵	۵۳۵	۵۲۴
		۵۳۶	۵۳۶	۵۲۵
		۵۳۷	۵۳۷	۵۲۶
		۵۳۸	۵۳۸	۵۲۷
		۵۳۹	۵۳۹	۵۲۸
		۵۴۰	۵۴۰	۵۲۹
		۵۴۱	۵۴۱	۵۳۰
		۵۴۲	۵۴۲	۵۳۱
		۵۴۳	۵۴۳	۵۳۲
		۵۴۴	۵۴۴	۵۳۳
		۵۴۵	۵۴۵	۵۳۴
		۵۴۶	۵۴۶	۵۳۵
		۵۴۷	۵۴۷	۵۳۶
		۵۴۸	۵۴۸	۵۳۷
		۵۴۹	۵۴۹	۵۳۸
		۵۵۰	۵۵۰	۵۳۹
		۵۵۱	۵۵۱	۵۴۰
		۵۵۲	۵۵۲	۵۴۱
		۵۵۳	۵۵۳	۵۴۲
		۵۵۴	۵۵۴	۵۴۳
		۵۵۵	۵۵۵	۵۴۴
		۵۵۶	۵۵۶	۵۴۵
		۵۵۷	۵۵۷	۵۴۶
		۵۵۸	۵۵۸	۵۴۷
		۵۵۹	۵۵۹	۵۴۸
		۵۶۰	۵۶۰	۵۴۹
		۵۶۱	۵۶۱	۵۵۰
		۵۶۲	۵۶۲	۵۵۱
		۵۶۳	۵۶۳	۵۵۲
		۵۶۴	۵۶۴	۵۵۳
		۵۶۵	۵۶۵	۵۵۴
		۵۶۶	۵۶۶	۵۵۵
		۵۶۷	۵۶۷	۵۵۶
		۵۶۸	۵۶۸	۵۵۷
		۵۶۹	۵۶۹	۵۵۸
		۵۷۰	۵۷۰	۵۵۹
		۵۷۱	۵۷۱	۵۶۰
		۵۷۲	۵۷۲	۵۶۱
		۵۷۳	۵۷۳	۵۶۲
		۵۷۴	۵۷۴	۵۶۳
		۵۷۵	۵۷۵	۵۶۴
		۵۷۶	۵۷۶	۵۶۵
		۵۷۷	۵۷۷	۵۶۶
		۵۷۸	۵۷۸	۵۶۷
		۵۷۹	۵۷۹	۵۶۸
		۵۸۰	۵۸۰	۵۶۹
		۵۸۱	۵۸۱	۵۷۰
		۵۸۲	۵۸۲	۵۷۱
		۵۸۳	۵۸۳	۵۷۲
		۵۸۴	۵۸۴	۵۷۳
		۵۸۵	۵۸۵	۵۷۴
		۵۸۶	۵۸۶	۵۷۵
		۵۸۷	۵۸۷	۵۷۶
		۵۸۸	۵۸۸	۵۷۷
		۵۸۹	۵۸۹	۵۷۸
		۵۹۰	۵۹۰	۵۷۹
		۵۹۱	۵۹۱	۵۸۰
		۵۹۲	۵۹۲	۵۸۱
		۵۹۳	۵۹۳	۵۸۲
		۵۹۴	۵۹۴	۵۸۳
		۵۹۵	۵۹۵	۵۸۴
		۵۹۶	۵۹۶	۵۸۵
		۵۹۷	۵۹۷	۵۸۶
		۵۹۸	۵۹۸	۵۸۷
		۵۹۹	۵۹۹	۵۸۸
		۶۰۰	۶۰۰	۵۸۹
		۶۰۱	۶۰۱	۵۹۰
		۶۰۲	۶۰۲	۵۹۱
		۶۰۳	۶۰۳	۵۹۲
		۶۰۴	۶۰۴	۵۹۳
		۶۰۵	۶۰۵	۵۹۴
		۶۰۶	۶۰۶	۵۹۵
		۶۰۷	۶۰۷	۵۹۶
		۶۰۸	۶۰۸	۵۹۷
		۶۰۹	۶۰۹	۵۹۸
		۶۱۰	۶۱۰	۵۹۹
		۶۱۱	۶۱۱	۶۰۰
		۶۱۲	۶۱۲	۶۰۱
		۶۱۳	۶۱۳	۶۰۲
		۶۱۴	۶۱۴	۶۰۳
		۶۱۵	۶۱۵	۶۰۴
		۶۱۶	۶۱۶	۶۰۵
		۶۱۷	۶۱۷	۶۰۶
		۶۱۸	۶۱۸	۶۰۷
		۶۱۹	۶۱۹	۶۰۸
		۶۲۰	۶۲۰	۶۰۹
		۶۲۱	۶۲۱	۶۱۰
		۶۲۲	۶۲۲	۶۱۱
		۶۲۳	۶۲۳	۶۱۲
		۶۲۴	۶۲۴	۶۱۳
		۶۲۵	۶۲۵	۶۱۴
		۶۲۶	۶۲۶	۶۱۵
		۶۲۷	۶۲۷	۶۱۶
		۶۲۸	۶۲۸	۶۱۷
		۶۲۹	۶۲۹	۶۱۸
		۶۳۰	۶۳۰	۶۱۹
		۶۳۱	۶۳۱	۶۲۰
		۶۳۲	۶۳۲	۶۲۱
		۶۳۳	۶۳۳	۶۲۲
		۶۳۴	۶۳۴	۶۲۳
		۶۳۵	۶۳۵	۶۲۴
		۶۳۶	۶۳۶	۶۲۵
		۶۳۷	۶۳۷	۶۲۶
		۶۳۸	۶۳۸	۶۲۷
		۶۳۹	۶۳۹	۶۲۸
		۶۴۰	۶۴۰	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	باب: ۴۰۳			
۴۰۵	غزوہ بدر -	۵۱۸		
۴۰۶	بدر کا لغوی معنی، جنس انسانی محل وقوع اور تاریخ -	۵۱۹		
۴۰۷	کون کہاں سرے گا؟ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم -	۵۲۰		
	باب: ۴۰۴			
۴۰۸	فتح مکہ کا بیان -	۵۲۰		
۴۰۹	مکہ کے جنگ سے فتح ہونے پر دلائل اور دیگر فوائد -	۵۲۵		
۴۱۰	برہان نام بدل دینا -	۵۲۶		
	باب: ۴۰۵			
۴۱۱	صلح حدیبیہ کا بیان -	۵۲۷		
۴۱۲	حدیبیہ کا جنس انسانی محل وقوع اور تاریخ -	۵۳۲		
۴۱۳	ادب حکم پر مقدم ہے یا حکم ادب پر؟ -	۵۳۲		
۴۱۴	کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھنا اور پڑھنا آپ کے اُمتی ہونے کے منافی ہے -	۵۳۳		
۴۱۵	اُمتی کے معنی کی تحقیق -	۵۳۴		
۴۱۶	اُمتی کے معنی سے متعلق ائمہ لغت کی تصریحات -	۵۳۵		
۴۱۷	اُمتی کے معنی کے متعلق مفسرین کا اُراء -	۵۳۶		
۴۱۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے اور پڑھنے پر قرآن مجید سے دلائل -	۵۳۷		
۴۱۹	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے پر یہ روایت -	۵۳۸		
	کے اعتراضات اور ان کے جوابات -	۵۳۹		
۴۲۰	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کے ثبوت	۵۴۰		
۵۴۱	میں احادیث -	۴۲۱		
۵۴۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کے بارے میں فقہاء اسلام کی عبارات -	۴۲۲		
	باب: ۴۰۶			
۵۴۳	عہد کو پورا کرنا -	۴۲۳		
۵۴۴	ضرورت کے وقت جھوٹ بولنے کی تفصیل -	۴۲۴		
۵۴۵	کفار کے ساتھ کیے ہوئے عہد کے پورا کرنے میں مذاہب فقہاء -	۵۲۰		
	باب: ۴۰۷			
۵۴۶	غزوہ احزاب (جنگ خندق)	۴۲۵		
۵۴۷	غزوہ احزاب کا مختصر بیان -	۴۲۶		
	باب: ۴۰۸			
۵۴۸	غزوہ اُحد کا بیان -	۴۲۷		
۵۴۹	غزوہ اُحد کا مختصر بیان -	۴۲۸		
	باب: ۴۰۹			
۵۵۰	جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل کریں اس پر غضب الہی کا نازل ہونا -	۴۲۹		
	باب: ۴۱۰			
۵۵۱	مشکوں اور منافقوں کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تکالیف پہنچیں -	۴۳۰		
۵۵۲	لفظ "سلی" کی تحقیق -	۴۳۱		
۵۵۳	ادب جہش کی کھانے کا حکم -	۴۳۲		

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۵۹۳	ان کے شر مگاہ ہونے کی تحقیق۔	۴۵۱	باب: ۶۱۱	
۵۹۴	خیبر کا تمام علاقہ صلح سے نفع ہوا تھا یا بعض؟	۴۵۲	ابو جہل کے قتل کا بیان۔	۴۳۳
۵۹۴	اللہ تعالیٰ کے لیے "میں خدا ہوں" کہنے کی توجیہ۔	۴۵۳	قتل ابو جہل کے سلسلہ میں مختلف روایات کا بیان۔	۴۳۴
		۵۹۷	ابو جہل کے قتل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا	۴۳۵
		۵۹۹	سجدہ شکر ادا کرنا۔	۴۳۶
	باب: ۶۱۲	۵۷۰	سجدہ شکر کی تحقیق۔	۴۳۷
۵۹۵	غزوہ خندق کے اہم واقعات۔	۴۵۴	سجدہ شکر کے متعلق احادیث۔	۴۳۸
		۵۷۱	سجدہ شکر کے متعلق آثار صحابہ۔	۴۳۹
	باب: ۶۱۵	۵۷۲	سجدہ شکر کے متعلق فقہاء غالبہ کی رائے۔	۴۴۰
۵۹۷	غزوہ ذی قرد وغیرہ۔	۴۵۵	سجدہ شکر کے متعلق فقہاء شافعیہ کی رائے۔	۴۴۱
۶۰۷	حضرت علیؓ کو حیدر کہنے کی تحقیق۔	۴۵۶	سجدہ شکر کے متعلق فقہاء اخلاف کی آراء۔	۴۴۲
	مرحب کو حضرت علیؓ نے قتل کیا تھا یا حضرت	۴۵۷	سجدہ شکر کے متعلق فقہاء مالکیہ کی آراء۔	۴۴۳
۶۰۷	محمد بن مسلمہ نے؟	۵۸۰	سجدہ شکر کے بارے میں عرب آخر۔	۴۴۴
	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار معجزات	۴۵۸	خارجہ شکر کا حکم۔	۴۴۵
۶۰۸	کا بیان۔	۵۸۱		
۶۰۸	دیگر فوائد حدیث۔	۴۵۹	باب: ۶۱۲	
			یہودیوں کے سردار کعب بن اشرف کے قتل	۴۴۶
	باب: ۶۱۶		کا بیان۔	
۶۰۹	اللہ تعالیٰ کا قول وهو الذی کف ایديهم عنکم	۴۶۰	کعب بن اشرف کی مختصر سوانح۔	۴۴۷
		۵۸۳	کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم دینے	۴۴۸
	باب: ۶۱۷		کی وجوہات۔	
۶۰۹	عورتوں کا مردوں کے ساتھ جہاد کرنا۔	۴۶۱		
۶۱۱	جہاد میں عورتوں کی شرکت کا بیان۔	۴۶۲	باب: ۶۱۳	
۶۱۲	ستر اور حجاب کی تحقیق۔	۴۶۳	غزوہ خیبر۔	۴۴۹
۶۱۲	عورت کے ستر کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۴۶۴	خیبر کا لغوی معنی، حضرانی غسل و قروح،	۴۵۰
	عورت کے ستر کے متعلق مفسرین اخلاف کا	۴۶۵	تاریخ اور غزوہ خیبر کے اہم واقعات۔	
۶۱۳	نظریہ۔	۵۸۸		

نمبر شمار	مضمون	نمبر شمار	مضمون	نمبر شمار
۴۶۶	عورت کے سر کے متعلق مفسرین شافعیہ کا نظریہ۔	۴۸۲	عورت کے سر کے متعلق مفسرین مالکیہ کا نظریہ۔	۴۶۶
۴۶۷	عورت کے سر کے متعلق مفسرین حنبلیہ کا نظریہ۔	۴۸۳	عورت کے سر کے متعلق مفسرین شافعیہ کا نظریہ۔	۴۶۷
۴۶۸	عورت کے سر کے متعلق مفسرین مالکیہ کا نظریہ۔	۴۸۴	عورت کے سر کے متعلق مفسرین حنبلیہ کا نظریہ۔	۴۶۸
۴۶۹	عورت کے سر کے متعلق احادیث۔	۴۸۵	عورت کے سر کے متعلق فقہاء اخاف کا نظریہ۔	۴۶۹
۴۷۰	عورت کے سر کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ۔	۴۸۶	عورت کے سر کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ۔	۴۷۰
۴۷۱	عورت کے سر کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ۔	۴۸۷	عورت کے سر کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ۔	۴۷۱
۴۷۲	عورت کے سر کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ۔	۴۸۸	عورت کے سر کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ۔	۴۷۲
۴۷۳	عورت کے سر کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ۔	۴۸۹	عورت کے سر کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ۔	۴۷۳
۴۷۴	عورت کے حجاب کی تحقیق۔	۴۹۰	عورت کے حجاب کی تحقیق۔	۴۷۴
۴۷۵	عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۹۱	عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۷۵
۴۷۶	احکام حجاب نازل ہونے کی تاریخ۔	۴۹۲	عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۷۶
۴۷۷	حجاب کی تحقیق۔	۴۹۳	عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۷۷
۴۷۸	چہرہ ڈھانپنے کی تحقیق۔	۴۹۴	عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۷۸
۴۷۹	عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۹۵	عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۷۹
۴۸۰	بررسی عورتوں کے حجاب میں تخفیف سے عمومی	۴۹۶	عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۸۰
۴۸۱	حجاب پر استدلال۔	۴۹۷	عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۸۱
۴۸۲	ازواج مطہرات کے حجاب کی تحقیق۔	۴۹۸	عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۸۲
۴۸۳	ازواج مطہرات کے حجاب سے عام مسلمان	۴۹۹	عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۸۳
۴۸۴	نوراتین کے حجاب پر استدلال۔	۵۰۰	عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۸۴
۴۸۵	عہد رسالت میں نقاب اور حجاب کا معمول۔	۵۰۱	عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۸۵
۴۸۶	عہد نبوت میں نقاب اور حجاب کا معمول۔	۵۰۲	عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۸۶
۴۸۷	عورتوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کی	۵۰۳	عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۸۷
۴۸۸	طرف دیکھنے کی ممانعت سے متعلق قرآن مجید	۵۰۴	عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۸۸
۴۸۹	کی آیات۔	۵۰۵	عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۸۹
۴۹۰	عورتوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کی	۵۰۶	عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۹۰
۴۹۱	طرف دیکھنے کی ممانعت سے متعلق احادیث۔	۵۰۷	عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۹۱
۴۹۲	عورتوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کی	۵۰۸	عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۹۲
۴۹۳	طرف دیکھنے کی ممانعت سے متعلق احادیث۔	۵۰۹	عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۹۳

نمبر شمار	مضمون	نمبر شمار	مضمون
۴۹۹	منہلی مفسرین کے نزدیک عورت کے گھر سے باہر نکلنے کا حکم۔	۵۱۳	عورت کی سربراہی کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء۔
۵۰۰	ماکی مفسرین کے نزدیک عورت کے گھر سے باہر نکلنے کا حکم اور واقعہ جلی میں حضرت عائشہ کے باہر نکلنے کی وضاحت۔	۵۱۴	عورت کے واقعہ سے عورت کی سربراہی پر استدلال کا جواب۔
۵۰۱	شافعی مفسرین کے نزدیک عورت کے گھر سے باہر نکلنے کا حکم۔	۵۱۵	جنگ جہل کے واقعہ سے عورت کی سربراہی پر استدلال کا جواب۔
۵۰۲	حنفی مفسرین کے نزدیک عورت کے گھر سے باہر نکلنے کا حکم اور واقعہ جلی میں حضرت عائشہ کے باہر نکلنے کی وضاحت۔	۵۱۶	ستر اور حجاب کے سلسلہ میں حرف آخر۔
۵۰۳	عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت کے متعلق احادیث۔	۵۱۷	باب: ۴۱۸
۵۰۴	مساجد میں عورتوں کے جانے کے متعلق احادیث۔	۵۱۸	جہاد میں شریک ہونے والی عورتوں کو مال غنیمت میں باقاعدہ حصہ دینے کی ممانعت اور کچھ عطیہ دینے کا حکم اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت۔
۵۰۵	مساجد میں عورتوں کے جانے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ۔	۵۱۹	خارجیوں کو عروسی کہنے کی وجہ۔
۵۰۶	مساجد میں عورتوں کے جانے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ۔	۵۲۰	جہاد میں شریک ہونے والے غلام اور عورت کو مال غنیمت سے حصہ دینے میں مذاہب فقہاء۔
۵۰۷	مساجد میں عورتوں کے جانے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ۔	۵۲۱	کم عقل والے بالغ شخص کو مال میں تصرف کرنے سے روکنے کے بارے میں مذاہب فقہاء۔
۵۰۸	مساجد میں عورتوں کے جانے کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ۔	۵۲۲	کم عقل والے بالغ شخص کو مال میں تصرف کرنے سے روکنے کے بارے میں فقہاء احناف کے نظریات۔
۵۰۹	عورتوں کے گھر سے نکلنے کے متعلق مصنف کی تحقیق۔	۵۲۳	باب: ۴۱۹
۵۱۰	اسلام کے عمومی احکام سے عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر استدلال۔	۵۲۴	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تعداد۔
۵۱۱	قرآن مجید سے عورت کی سربراہی کا عدم جواز۔	۵۲۵	غزوات اور سربراہی کی تحقیق۔
۵۱۲	احادیث سے عورت کی سربراہی کا عدم جواز۔	۵۲۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات کا تاریخی دار بیان۔

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۴۳۰	تمام عالم اسلام کے لیے ایک خلیفہ مقرر کرنے کے وجہ کے دلائل کا جائزہ۔	۵۴۲	باب: ۴۲۰	
۴۳۳	قرآن مجید کی مدنی میں طو کسیت کا حکم۔	۵۴۳	غزوۃ ذات الرقاع۔	۵۲۵
۴۳۵	طو کسیت سے متعلق احادیث۔	۵۴۴	غزوۃ ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ۔	۵۲۶
۴۳۷	سلطان کے متعلق احادیث۔	۵۴۵	نیک اعمال کے اغواء کا استیجاب۔	۵۲۷
۴۴۰	خلیفہ ملک اور سلطان کا فرق۔	۵۴۶	باب: ۴۲۱	
۴۴۳	جمہوری ملک کے صدر اور خلیفہ کا فرق۔	۵۴۷	جہاد میں کافر سے مدد لینے کی کراہت۔	۵۲۸
۴۴۴	تقرر خلیفہ کے وجہ کا محل۔	۵۴۸	جہاد میں کفار سے مدد حاصل کرنیکی تحقیق۔	۵۲۹
۴۴۸	امارت اور خلافت کے سلسلہ میں حرمت آخر۔	۵۴۹	کتاب الامارۃ	
	باب: ۴۲۲	۴۰۵	خلافت کا لغوی اور شرعی معنی۔	۵۳۰
۴۴۹	خلافت کا قریش کے ساتھ اختصاص۔	۵۵۰	آیت استخلاف کی تحقیق۔	۵۳۱
	خلافت کے قریش کے ساتھ اختصاص پر مزید احادیث۔	۵۵۱	خلافت کی تعریف۔	۵۳۲
۴۵۲	خلافت کے قریش کے ساتھ اختصاص میں فقہاء کے نظریات۔	۵۵۲	خلافت کی شرائط۔	۵۳۳
۴۵۴	بارہ خلفاء اور تیس سال تک خلافت کی احادیث کے تناظر کا جواب۔	۵۵۳	خلافت منقذ کرنے کے طریقے۔	۵۳۴
۴۵۵	بارہ خلفاء کی تفصیل اور تعیین۔	۵۵۴	خلیفہ کو منتخب کرنے والوں کے یہ شرط۔	۵۳۵
۴۵۶	بارہ خلفاء سے زیادہ خلفاء کی ترجیبات۔	۵۵۵	موجودہ مغربی جمہوریت اور اسلامی ریاست کا فرق۔	۵۳۶
۴۵۷	غیر قرشی خلفاء کی ترجیح۔	۵۵۶	خلافت کی تاریخ عہد بہ عہد۔	۵۳۷
۴۵۸	قریش کے ساتھ خلافت کے اختصاص کی حکمت اور بحث و نظر۔	۵۵۷	تمام مسلمانوں کے لیے ایک سربراہ ہونے کی بحث۔	۵۳۸
	باب: ۴۲۳	۴۲۳	ہر خطہ زمین میں مسلمانوں کا جماعت کے ساتھ رہنا اور ایک امیر کے ماتحت رہنا لازم ہے۔	۵۳۹
	خلیفہ بنانے اور اس کو ترک کرنے کا بیان۔	۴۲۴	اسلام دین کیسے ہے۔	۵۴۰
۴۵۸		۴۲۵	اسلامی ملکوں کی ایک فیڈریشن کا استحسان اور استیجاب۔	۵۴۱
		۴۳۰		

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	باب: ۴۳۱		باب: ۴۳۶	
۵۸۹	جس شخص کی خلافت پر پہلے بیعت کر لی جائے	۸۰۰	خلافت شرع ائمہ میں حکام کار و کرنا واجب	۸۱۳
۵۹۰	اس کو پورا کرنا واجب ہے۔	۸۰۲	ہے اور جب تک وہ ناز پر پڑھتے رہیں ان کے	
۵۹۱	سیاست کی تشریف	۸۰۳	خلافت جنگ کرنا منوع ہے۔	
۵۹۲	وہ غلیفوں کی بیعت کرنے کا حکم۔	۸۰۳	حکام کے خلاف شرع کاموں پر عوام کی کیا	۸۱۵
۵۹۳	تشریب کا ثبوت۔	۸۰۳	ذکر داری ہے؟	
	حضرت علی کی خلافت سے حضرت معاویہ کے	۸۰۵	ظالم اور فاسق خلفاء کے خلاف خروج نہ	۸۱۵
	اختلاف کی بحث۔		کرنے کی دلیل۔	
	باب: ۴۳۲		باب: ۴۳۷	
۵۹۴	حکام کے ظلم پر صبر کرنے کا حکم۔	۸۰۷	اچھے اور بُرے کاموں کا بیان۔	۸۱۶
	باب: ۴۳۳		باب: ۴۳۸	
۵۹۵	فقہ کے وقت مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ	۸۰۸	جنگ کے وقت مجاہدین سے بیعت لینے کا	۸۱۷
	رہنے کا حکم۔	۸۱۱	استحباب اور بیعت رضوان کا بیان۔	
۵۹۶	خیر اور شر کے اعتبار سے ادوار امت کی تقسیم	۸۱۲	حدیث میں صحابہ کی تعداد کے متعلق مختلف روایات	۸۲۱
۵۹۷	یزید کی بیعت کے سلسلے میں حضرت عبداللہ		میں تطبیق۔	
	ابن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف۔		حدیث میں بیعت کے متعلق مختلف روایات میں	۸۲۱
	باب: ۴۳۴		تطبیق۔	
۵۹۸	مسلمانوں کی جماعت میں تفریق کرنے والے کا	۸۱۳	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لہاب دہن سے	۸۲۲
	حکم۔		کنوئیں کے پانی کا زیادہ ہو جانا۔	
	باب: ۴۳۵		بیعت رضوان والے درخت کے مخفی ہو جانے	۸۲۲
۵۹۹	وہ غلیفوں سے بیعت کا حکم۔	۸۱۴	کی حکمت۔	
		ابن خلفہ کے بیعت لینے کی وضاحت۔	۸۲۲
			باب: ۴۳۹	
			ہجرت کے بعد پھر اس جنگ کو وطن بنانے کی ممانعت۔	۸۲۲

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۸۳۷	دوڑ کا مقابلہ (ریس) منع کرانے میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ	۸۲۳	ہجرت کے بعد وطن لوٹنے کا حکم۔	۴۱۱
۸۳۷	دوڑ کا مقابلہ منع کرانے میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ۔	۴۲۲		
۸۳۹	دوڑ کا مقابلہ منع کرانے میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ۔	۴۲۳		
۸۴۱	دوڑ کا مقابلہ منع کرانے میں فقہاء اخوان کا نظریہ۔	۴۲۴		
۸۴۱	ہوٹے کی تعریف۔	۴۲۵		
۸۴۲	ہوٹے کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔	۴۲۶		
۸۴۳	ہوٹے کے متعلق احادیث۔	۴۲۷		
۸۴۳	ہوٹے کے حکم میں فقہاء اخوان کی رائے۔	۴۲۸		
۸۴۴	ہوٹے کے حکم میں فقہاء شافعیہ کی رائے۔	۴۲۹		
۸۴۴	ہوٹے کے حکم میں فقہاء مالکیہ کی رائے۔	۴۳۰		
۸۴۵	ہوٹے کے حکم میں فقہاء حنبلیہ کی رائے۔	۴۳۱		
۸۴۵	موتہ لاشری اور سٹہ کا شرعی حکم۔	۴۳۲		
۸۴۶	بیمہ کیا چیز ہے؟	۴۳۳		
۸۴۶	بیمہ کی تاریخ اور انعقاد۔	۴۳۴		
۸۴۶	مجزرین بیمہ کے عقلی اور شرعی دلائل۔ حث	۴۳۵		
۸۴۸	مجزرین بیمہ کی طرف سے بیمہ میں منہر قرار دینے کا حکم	۴۳۶		
۸۵۳	انشورنس اور سود۔	۴۳۷		
۸۵۶	انشورنس کے سلسلے میں دوسری غریبوں کا احتمال۔	۴۳۸		
۸۵۹	بیمہ کے متعلق علامہ ابن عابدین شامی حنفی کی رائے	۴۳۹		
۸۶۰	بیمہ زندگی کے متعلق علمائے مصر کا نظریہ۔	۴۴۰		
۸۶۱	آنش زندگی اور دیگر ناگہانی آفات سے تحفظ	۴۴۱		
۸۶۱	کی خاطر بیمہ کرنے کے متعلق علمائے مصر کا نظریہ	۴۴۲		
۸۶۲	بیمہ کے متعلق اعلیٰ حضرت کا نظریہ۔	۴۴۳		
۸۶۳	بیمہ کے متعلق سید ہودہ دی کا نظریہ۔	۴۴۴		
۸۶۴	بیمہ کے متعلق علمائے شیعہ کا نظریہ۔	۴۴۵		
۸۶۵	بیمہ کے متعلق مصنف کی تحقیق اور بحث و نظر	۴۴۶		
۸۶۵	بیمہ کے موجودہ نظام کے شرعی مفاسد۔	۴۴۷		
			باب: ۴۲۰	
			فتح مکہ کے بعد اسلام، جہاد اور خیر پر جمعیت کرنا	۴۱۲
			اور فتح مکہ کے بعد ہجرت نہ ہونے کی تاویل۔	۴۱۳
			غیر اسلامی ملکوں میں رہنے کا حکم اور ہجرت کی تحقیق۔	۴۱۴
			باب: ۴۲۱	
			عورتوں کو جمعیت کرنے کا طریقہ۔	۴۱۵
			باب: ۴۲۲	
			حسب استطاعت احکام سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت۔	۴۱۶
			باب: ۴۲۳	
			سن بروج کا بیان۔	۴۱۷
			بروقت کے معیار میں مذاہب فقہاء۔	۴۱۸
			باب: ۴۲۴	
			کفار کے ساتھ لگنے کا ذمہ ہو تو قرآن مجید کو ارض کفار میں لے جانے کی ممانعت۔	۴۱۹
			ارض کفار میں قرآن کے ساتھ سفر کرنے اور کفار کو خطوط میں آیات قرآن لکھنے کے متعلق مذاہب فقہاء۔	۴۲۰
			باب: ۴۲۵	
			گھر دوڑ میں مقابلہ اور اس کی تیاری کا بیان۔	۴۲۱

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۸۸۳	کی تمنا کیوں جائز ہے؟	۸۶۶	کیا بیمہ قرار کر مستکرم ہے؟	۶۴۷
	باب: ۶۴۹		بیمہ کے موجودہ نظام کے لیے قابل عمل اصلاحی	۶۴۸
		۸۶۷	نظام -	
۸۸۴	اللہ کی راہ میں شہید ہونے کی فضیلت -	۶۴۳	مسلمانوں کی فلاح کے لیے حکومت کسی امر مباح کو	۶۴۹
	اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے کو شہید کہنے	۶۴۴	واجب کر سکتی ہے۔	
۸۸۶	کی وجوہات -		باہمی تعاون اور دوسروں کا بوجھ اٹھانے کی ہدایت	۶۵۰
	باب: ۶۵۰	۸۶۹	سے بیمہ پر استدلال -	
	صبح یا شام کو راہِ خدا میں نکلنے کی فضیلت -	۸۷۱	قتلِ خطا کی دیت سے - بیمہ کے جواز پر استدلال -	۶۵۱
۸۸۶		۸۷۱	دیت کی مقدار -	۶۵۲
	باب: ۶۵۱	۸۷۲	عائد کا مصداق -	۶۵۳
	جنت میں مجاہد کے درجات کا بیان -	۸۷۳	عائد پر دیت مقرر کرنے کی حکمت -	۶۵۴
۸۸۷		۸۷۵	بیمہ کے مسئلہ میں حرمتِ آخر -	۶۵۵
	باب: ۶۵۲		باب: ۶۴۶	
	جو شخص اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے اس کے قہر	۶۴۷	قیامت تک گھوڑوں کی پیشانیوں میں برکت کا	۶۵۶
۸۸۸	کے سوا تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔	۸۷۶	مركز ہونا -	
	باب: ۶۵۳		باب: ۶۴۷	
	شہداء کی ارواح جنت میں ہوتی ہیں اور شہداء	۶۴۸	گھوڑے کی بڑی قسمیں کون سی ہیں؟	۶۵۷
۸۹۰	نزدہ ہیں اور انھیں رزق دیا جاتا ہے۔	۸۷۹	باب: ۶۴۸	
	ارواح شہداء کے سبز پرندوں میں مشتمل ہونے	۶۴۹	اللہ کی راہ میں نکلنے اور جہاد کی فضیلت -	۶۵۸
۸۹۱	کی تحقیق -	۸۸۰	اللہ تعالیٰ پر جنت عطا کرنے کے وجوب کا محمل -	۶۵۹
	سبز پرندوں میں ارواح شہداء کے منتقل ہونے	۶۷۰	جنت کی بشارت میں شہداء کا عام مسلمانوں کے	۶۶۰
۸۹۱	پر تنازع کے اشکال کا جواب -	۸۸۳	امتیاز -	
۸۹۲	روح کی ماہیت میں فقہاء اسلام کے نظریات -	۶۷۱	نیکی یا بدی پر مرنے والوں کا حشر	۶۶۱
	حیات شہداء کے حیات حقیقی ہونے پر امام	۶۷۲	موت کی تنہا کی مسابقت کے باوجود شہادت	۶۶۲
۸۹۵	راز کی کے دلائل -	۸۸۳		

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۹۰۸	باب: ۴۵۹ مجاہدین کی عورتوں کی عزت اور ان میں خجاست کا گناہ۔	۸۹۷	۴۷۳ حیات شہداء کی کیفیت میں فقہاء اسلام کے نظریات	
		۸۹۸	۴۷۴ شہید اپنے دنیاوی جسم کے ساتھ زندہ ہوتا ہے یا جسم مثالی کے ساتھ یا سبز پرندوں کے جسم کے ساتھ؟	
۹۰۸	باب: ۴۶۰ مذہورین سے فرضیت جہاد کا ساقط ہونا۔	۸۹۹	۴۷۵ شہداء کی حیات جسمانی میں مصنف کا موقف اور بحث و نظر۔	
۹۰۹	باب: ۴۶۱ شہید کے لیے جنت کا ثبوت۔	۹۰۱	باب: ۴۵۴ ۴۷۶ مردوں پر پہرہ دینے اور جہاد کی فضیلت۔	
		۹۰۲	۴۷۷ شہر میں رہ کر اجتماعی اور تمدنی زندگی گزارنا افضل ہے یا پہاڑ کے دامنوں، گھاٹیوں اور وادیوں میں خلوت گزینی افضل ہے؟	
۹۱۳	باب: ۴۶۲ جو شخص دین کی سرغنہی کے لیے جہاد کرے اس کا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔	۹۰۳	باب: ۴۵۵ ۴۷۸ قاتل اور مقتول کے جنت میں داخل ہونے کا بیان۔	
۹۱۵	باب: ۴۶۳ دکھا مے اور نام و نمود کی خاطر جہاد کرنے والا جہنمی ہے۔	۹۰۴	باب: ۴۵۶ ۴۷۹ کافر کو قتل کرنے کے بعد نیک عمل پر قائم رہنا۔	
۹۱۶	قیامت کے دن کی لوگوں کا سب سے پہلے فیصلہ ہوگا۔	۹۰۵	باب: ۴۵۷ ۴۸۰ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مترے کرنے کی فضیلت۔	
۹۱۷	کیا قیامت کے دن بھی جھوٹ بولنا ممکن ہے؟		باب: ۴۵۸ ۴۸۱ فازی اور مجاہد کی سولاری وغیرہ کے ساتھ مدد کرنے کی فضیلت۔	
۹۱۷	کیا نیکی کرنے والا اپنی نیکی پر خوشی یا تعریف کی خواہش کر سکتا ہے؟		
۹۱۹	باب: ۴۶۴ جس فازی کو غنیمت ملی اور جس کو غنیمت نہیں ملی، دونوں کے فرق کا بیان۔	۹۰۵		

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	باب: ۶۶۵		۹۲۸ نہ کر سکے، اسی کے ثواب کا بیان۔	
۶۹۱	اعمال کا مدار نیت پر ہے، ان اعمال میں جہاد بھی شامل ہے۔	۹۲۰	۴۰۲ عبادات کے چھوٹ جانے پر حزن و ملال کا مرتبہ اور مقام۔	۹۲۸
۶۹۲	حدیث "انما الاعمال بالنیات" کی اہمیت اور عظمت۔	۹۲۱	باب: ۶۶۹	
۶۹۳	آیات نیت کرنا عمل کی صحت کے لیے ضروری ہے یا عمل کی فضیلت کے لیے؟	۹۲۱	۴۰۳ سمندر پار کر کے جہاد کرنے کی فضیلت۔	۹۲۹
۶۹۴	اگر نیت کے بغیر عبادات بجا لائے تو ان عبادات پر ثواب ہو گا یا نہیں؟	۹۲۳	۴۰۴ حضرت ام حرام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا رشتہ تھا؟	۹۳۱
۶۹۵	اگر ایک عمل میں متعدد اعمال کی نیت کر لی جائیں تو اس ایک عمل سے ان تمام اعمال کا ثواب مل جاتا ہے۔	۹۲۴	۴۰۵ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غیب کی خبریں دینا۔	۹۳۱
	باب: ۶۶۶		۴۰۶ سمندر کی سفر کے حکم میں مذاہب فقہار۔	۹۳۱
۶۹۶	شہادت فی سبیل اللہ طلب کرنے کا استنباب۔	۹۲۵	۴۰۷ اللہ کے راستے میں سرنایا قتل کیا جانا دونوں شہادت ہیں۔	۹۳۲
۶۹۷	اس سوال کا جواب کہ شہادت کی دعا تو کافر کے ہاتھوں مسلمان کے مرنے کی دعا ہے۔	۹۲۶	باب: ۶۷۰	
	باب: ۶۶۷		۴۰۸ خدا کے راستے میں پہرہ دینے کی فضیلت۔	۹۳۲
۶۹۸	اس شخص کی مذمت کا بیان جو جہاد یا اس کی تنہا کیے بغیر مر گیا۔	۹۲۷	باب: ۶۷۱	
۶۹۹	جہاد یا اس کی تنہا کیے بغیر مرنے والے کا حکم۔	۹۲۷	۴۰۹ شہیدوں کا بیان۔	۹۳۳
۷۰۰	نیت کے باوجود فعل کیے بغیر مرنے والے کا حکم۔	۹۲۷	۴۱۰ علامہ سیوطی کے متبع سے حکمی شہاد کی تعداد کا بیان۔	۹۳۵
	باب: ۶۶۸		۴۱۱ بعض مانگی علماء اور علامہ شامی کے متبع سے حکمی شہاد کی تعداد کا بیان۔	۹۳۵
۷۰۱	جو شخص بیماری یا کسی اور عذر کی وجہ سے جہاد	۹۲۸	۴۱۲ مصنف کے متبع سے حکمی شہاد کی تعداد کا احاد و آثار کے حوالوں سے بیان۔	۹۳۶
			۴۱۳ ہر مومن کا مل شہید ہے۔	۹۴۵
			۴۱۴ شہید کی وجہ تسمیہ	۹۴۷
			۴۱۵ حقیقی اور حکمی شہید کے غسل، نماز، جنازہ اور دیگر	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۹۵۶	کسی کی مخالفت سے نقصان نہیں ہوگا	۹۴۷	احکام میں فقہاء شافعیہ کا مسلک۔	۷۱۶
۹۵۹	قیامت تک حق پر قائم رہنے والا کونسا گروہ ہے	۷۲۲	حقیقی اور حکمی شہید کے غسل، نماز جنازہ اور دیگر	
۹۵۹	علمِ نفی کی تفصیلات۔	۷۲۳	۹۴۸ احکام میں فقہاء مالکیہ کا مسلک۔	۷۱۷
	باب: ۷۷۴		حقیقی اور حکمی شہید کے غسل، نماز جنازہ اور دیگر	
	سفر میں جانوروں کی رعایت کرنا اور اخیر شب	۷۲۴	۹۴۹ احکام میں فقہاء حنبلیہ کا مسلک۔	۷۱۸
۹۵۹	کو راستے میں اترنے کی ممانعت۔		حقیقی اور حکمی شہید کے غسل، نماز جنازہ اور دیگر	
	باب: ۷۷۵		۹۵۰ احکام میں فقہاء احناف کا مسلک اور ائمہ ثلاثہ کے	
	سفر مذاب کا ٹکڑا ہے اور فراغت کے بعد	۷۲۵	دلائل کے جوابات۔	۷۱۹
۹۶۰	جلد گھر کرے۔		مصیبت کے دوران اسباب شہادت سے	
	باب: ۷۷۶		مرنے اور مصیبت کے سبب سے مرنے کا فرق	
	رات کے وقت گھر واپس رہنے کی	۷۲۶	۹۵۱ اور مصیبت کی بحث و نظر۔	
۹۶۱	کراہت۔		باب: ۷۷۷	
۹۶۲	سفر سے رات کو گھر واپس آنے کی ممانعت کا محل۔	۷۲۷	تیر اندازی کی تفصیلات	۷۲۰
۹۶۳	اختتامی کلمات۔	۷۲۸	باب: ۷۷۸	
۹۶۵	ماخذ و مراجع۔	۷۲۹	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کہ میری	۷۲۱
			امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا ہے	

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

افتتاحی کلمات

اللہ تعالیٰ کا بے حد کرم ہے اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ عنایت ہے کہ ہم اس قابل ہوئے کہ شرح صحیح مسلم کی پانچویں جلد قارئین کے سامنے پیش کر سکیں، دوسری جلد سے پانچویں جلد تک یہ تسلسل رہا ہے کہ ایک سال کے وقفہ کے بعد ہر جلد تیار ہو کر آتی رہی تھی البتہ جلد سادس اس بار تقریباً تین چار ماہ کی تاخیر سے پیش کی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ۲۶ ستمبر ۱۹۹۰ء کو حضرت صاحبزادہ محمد حبیب الرحمان صاحب محبوبی مہتمم صفۃ الاسلام بریڈ فورڈ کی دعوت پر برطانیہ چلا گیا اور تقریباً تین ماہ تک طانیہ میں وعظ و تقریر کی سرگرمیوں میں مشغول رہا اور حرمین طیبین کی زیارت اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد یکم جنوری ۱۹۹۱ء کو واپس کراچی پہنچا۔

برطانیہ میں قیام کے دوران میں نے انگلینڈ، اسکاٹ لینڈ اور ویلز برطانیہ کے تینوں صوبوں میں اکتالیس خطابات کیے جنہیں طور پر لندن، برمنگھم، مانچسٹر، لیڈز اور بریڈ فورڈ میں زیادہ تقریریں ہوئیں، حضرت صاحبزادہ حبیب الرحمن محبوبی ریڈنہم بریڈ فورڈ کے ملازم مولانا محمد عارف سیدی (لندن) مولانا بشیر احمد سیالوی (اولڈ ٹام) صاحبزادہ دلشاد احمد قادری (لیڈز) مولانا گل رحمان (برمنگھم) قادری عبدالجید (برشل) حافظ فضل احمد (ڈربی) پیرزادہ امدا حسین (ملٹن کینز) مولانا شاہ محمد نشتر (بریڈ فورڈ) مولانا ظفر احمد فراشوہی (مانچسٹر) مفتی محمد عبداللہ (بریڈ فورڈ) اور خاص طور پر حافظ محمد طارق (بریڈ فورڈ) اور حافظ عبدالغفور (ہیکنڈ ٹاٹیک) نے نہایت خلوص اور محبت کے ساتھ میری خدمت کی اور اس دیار غیر میں مجھے انجمنیت کا احساس نہیں ہونے دیا۔ حضرت صاحبزادہ محبوبی صاحب ان کے صاحبزادگان عزیزہ عارفانہ محبت اور عزیزہ یزیم انصاری اور عارفہ عبدالغفور صاحب حرمین طیبین میں بھی میرے ساتھ آئے، ان احباب نے یہاں بھی میری بہت خدمت کی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام دوستوں کو ہمیشہ خوش رکھے، انہیں دنیا اور آخرت میں ہر رنج و الم سے محفوظ رکھے اور دین و دنیا کی ہر نعمت اور سعادت سے بہرہ مند فرمائے (آمین)۔

ہر چند کہ برطانیہ میں دوستوں سے ملاقات اور تعلیمی اجتماعات کی شدید مشغولیات تھیں۔ اس کے باوجود بھی میں شرح صحیح مسلم کی تسمیہ کے کام میں لگا رہا۔ اس کام کے سلسلہ میں حضرت صاحبزادہ محبوبی صاحب کے وسیع کتب خانہ سے ہی استفادہ ہوا۔ شرح صحیح مسلم جلد سادس کے باب نمبر ۴۷ سے لے کر ۸۸ تک کا کام بریڈ فورڈ میں مکمل ہوا۔ برشل اور بریڈ فورڈ میں تقاریر کے بعد علمی مذاکرے اور سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی البتہ اس بات سے سخت رنج اور افسوس ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق اور محبت کے دھوے دار ہونے کے باوجود ہمارے بعض بنیاد پرست لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث صریحہ اور صحابہ کرام کے صحیح آثار پر بعض متاخرین علماء کے اقوال کو ترجیح دیتے ہیں! بہر حال سفر برطانیہ میں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی

کہ وہاں کے اکثر علماء اور خطباء کے پاس شرح صحیح مسلم، مقالات سعیدی، تذکرۃ المحدثین، ترویج البیان اور میری دیگر تصانیف تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا بے حد و حساب شکر ہے کہ اس نے میری کتابوں کو اس قدر مقبولیت عطا فرمائی اور پھر کرم بالائے کم یہ کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے اور اپنے حبیب کے دربار پر حاضر ہونے کی توفیق دی۔ میں ان علماء کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے شرح صحیح مسلم کے متعلق اپنے تاثرات لکھ کر مجھے ارسال فرمائے۔ جن میں سے بعض تاثرات کو اس جلد کے شروع میں شائع کیا جا رہا ہے۔

شرح صحیح مسلم جلد خامس میں جن ابواب کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں: کتاب الاقصیہ، کتاب اللقطہ، کتاب الجہاد اور کتاب اللامۃ۔ شرح صحیح مسلم جلد خامس میں جن مسائل اور موضوعات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے وہ یہ ہیں: قضاء اور اجتہاد کے مباحث، عوام اور فقہاء کی تقلید کا فرق، رشوت کی تفصیل اور تحقیق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر اور نور ہونے کی تحقیق، نبی کی خصوصیات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اول خلق ہونے کی بحث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی تحقیق، سرکاری خزانے سے اپنا حق وصول کرنے کا مسئلہ، لذت اور آسائش کے لیے مال خرچ کرنے کی بحث، گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی بحث، عورت کی شہادت کی تحقیق، آیا عورت کی شہادت نصف ہے یا کامل؟، ہجرت کی تفصیل، دار الکفر میں سکونت اختیار کرنے کا حکم، حدیث زوشمس کی تحقیق، جنگی قیدیوں کے تبادلہ یا ان کو بلا عوض احساناً چھوڑنے کی تحقیق، مسئلہ فذک اور علماء شیعہ کے اعتراضات کے جوابات، مسئلہ خلافت، حضرت ابوبکر کی خلافت پر اعتراضات کے جوابات، غزوہ بدر میں فرشتوں کے قاتل کی بحث، قیام تنظیم کی بحث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری روز کا مسئلہ، آپ کے لکھے اور پڑھنے کی مکمل تحقیق، بیحد مشکوک مسئلہ، عورت کے حق اور حجاب کی تحقیق، خلافت اسلامیہ موجودہ دور کی اسلامی حکومتوں کی تحقیق، جوئے کی تعریف اور لائری اور شر وغیرہ کا شرعی حکم، بیمہ کی تحقیق، بیعت شہداء کی بحث، حکمی شہداء کی تعداد کا بیان اور دیگر بیعت سے مباحات۔

سید محمد امجد صاحب مالک فرید پک سٹال کی ہمت اور عرصہ قابل داد اور لائق ستائش ہے وہ بیک وقت کئی ضخیم کتابوں کی جلدوں کو تسلسل کے ساتھ منظر عام پر لا رہے ہیں اور یقیناً قارئین کرام کو یہ پڑھ کر خوشی ہوگی کہ شرح صحیح مسلم کی پہلی جلد کا دوسرا ایڈیشن قریب النہم ہے دوسری جلد کا دوسرا ایڈیشن چھپ گیا ہے اور میری جلد کا دوسرا ایڈیشن عنقریب چھپنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو دن بدن زیادہ سے زیادہ مقبولیت عطا فرمائے، اس کے مصنف، ناشر، کاتب، مطبع، معاونین اور قارئین کو داریں کی رحمتوں سے نوازے۔ دنیا میں علم نافع اور اعمال صالحہ اور آخرت میں اپنے خصوصی رعم و کرم اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ریاست، شفاعت اور قرب خاص سے مالا مال فرمائے۔ اللہ الظہین مجھے اس کتاب کی تصنیف میں مدد حق دکھانا اور نزل سے محفوظ رکھنا اس کتاب کو ناقیامت باقی رکھنا اور اس کو میرے لیے صدقہ جانیہ بنا دے۔۔۔ اسے بابر اللہ اس کتاب کے طفیل میری میرے والدین کی میرے اساتذہ اور شاگرد کی میرے تلامذہ اور احباب کی میرے معاونین و قارئین کی اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمادے دایین کی ساداتوں، کرامتوں اور کامرائیوں کو ہم سب کا مقدر کر دے آمین۔ یارب العالمین بچا جیبک محمد سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و صحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلما وملتہ من المحدثین والمفسرین والاشیخۃ المعتمدین والعلماء الراغبین اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

غلام الحدیث دارالعلوم نعیمیہ، بلاک ۱۵، فیڈرل بی ایریا کراچی ۷۴۲۰۰

ٹیلیفون نمبر: ۳۳۲۲۳۳۹-۳۳۱۴۵۰۸

یکم شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ، ۱۷ فروری ۱۹۹۱ء

آراء و تاثرات

از حضرت استاذنا علماء مولانا سید حسین الدین صاحب الطفقہ، مہتمم جامعہ رضویہ ضیاء العلوم و لیسٹری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على اشرف الانبياء والمرسلين رحمة للعالمين خاتمة النبيين وعلى آله واصحابه اجمعين -

مطالعہ غلام رسول سیدی شیخ الحدیث مدظلہ صاحب تصانیف کثیرہ ان غرض نصیبوں میں شامل ہیں جنہیں تمام اہل نے اپنے حبیب حبیب باعث تخلیق کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا فیض دوسروں تک پہنچانے اور ان کے مفایم و مطالب عالیہ کو سہل انداز میں پیش کر کے عامۃ المسلمین کو بہرہ افروز کر کے کی سعادت پر مامور کر دیا ہے۔

علامہ سیدی صاحب کے بعض رسائل و مقالات کے مطالعہ اور ان سے استفادہ کے باعث آپ سے ایک گونہ تعارف تو عمر سے ہو چکا تھا مگر غور و مولانا سے علمی مجلس اور ان کی مشہور تصنیف شرح صحیح مسلم کے مطالعہ کا موقع میسر نہ ہوا تھا۔ اتفاقاً ایک تنظیمی کام کے سلسلہ میں کراچی جانے کا اتفاق ہوا تو حضرت مولانا کی زیارت و ملاقات کے ساتھ علامہ کی مجلس میں بعض مسائل پر تبادلہ خیال کا موقع بھی ملا اور آپ کے انداز گفتگو، طرز بحث سے بالمشافہ آگاہ ہونے کا لمحہ بھی ملتا آیا۔

حضرت مولانا کے زجر اور تشریح کو دیکھ کر یہ تاثر قائم ہوا کہ آپ منشاء رسالت کو اردو کی صورت میں منتقل کرتے ہیں، مفایم احادیث کو اپنے خیالات کے مطابق نہیں ڈھالتے بلکہ اپنی فکر اور قلم کو ان کی ترجمانی کے لیے استعمال کرتے ہیں، خود کوئی دعویٰ ایجاد کر کے اس کے لیے احادیث کو استعمال نہیں کرتے بلکہ احادیث سے جو کچھ آشکارا ہوتا ہے ان فوائد و نکات کو اصلاح امت کے لیے پیش کرتے ہیں۔ اتنے بڑے کارنامہ کی انجام دہی میں خطا کا واقع ہونا ممکن ہی نہیں بلکہ متوقع ہے مگر غلامی نیت سے حق کی تلاش میں اجتہاد و سعی کرتے ہوئے خطا کا سرزد ہو جانا کوئی گناہ نہیں بلکہ تلاش حق کی محنت کا ثمرہ خیر پھر بھی مل جاتا ہے۔ ان نااہلی و گریں کا کچھ جلدی سے کام لینا اور اپنے مضمومات کے مطابق قرآن و حدیث کو ڈھالنا بہت بڑا جرم ہے۔ الحمد للہ حضرت مولانا کا قلم اس جرم سے پاک اور اظہار حق میں سرگرداں ہے۔

حضرت مولانا کا انداز تحریر سہل اور عام فہم ہے۔ آپ بہترین ادیب قلم برداشتہ لکھنے کے عادی اور اسالیب کلام پر قادر ہیں مگر اس کتاب میں الفاظ کی کثرت و تمکنت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ مطالب حدیث کو ہر طبقہ کے لوگوں کے فہم کے قریب لانا چاہئے ہیں، کیونکہ الفاظ کی تمکنت کے زور پر پھیلا یا مواعظ ذہن کو توجہ بخش سکتا ہے مگر قلب کو متاثر نہیں کر سکتا۔ وہ ترکیبی مصلح کے اعلاص و سوز کے ساتھ پیش کیے ہوئے اصلاحی پیغام سے ہی متاثر ہوتا ہے۔ آپ کی کتاب جہاں مدرسین کے لیے

رہنائے تدریس ہے وہاں طالبان علم کے لیے مینارۂ نور اور عام پڑھے لکھے لوگوں کے لیے بھی فیض بخش ہے۔ اسلام کی ابدی روشن تعلیمات زمینی اور زمانی وسعتوں پر پھیلی ہوئی ہیں اور ماضی و حال کی طرح مستقبل کے لیے بھی رہبر و رہنما اور ذریعہ نجات و فلاح ہیں۔ اسلام کی تعلیمات ایسی جامع اور کامل ہیں جو ہر دور کے مسائل کامل پیش کرتی ہیں اور ہر روز پیش آنے والے مسائل و واقعات و حادثات کا حکم شرعی رجال امت اسلامی اصولوں کی روشنی میں پیش کرتے رہے ہیں اور پیش کرتے رہیں گے لیکن ان احکام کے لیے علل و اسباب کی تعیین تو کچھ مسائل کے لیے تشیل و تشبیہ اور وجوہات کی تلاش میں اختلاف کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے اختلاف امت کے اسباب پر نظر رکھنے والا اور فقہاء اسلام کی کادشوں سے آشناد انسان جانتا ہے کہ جب بھی کوئی نئی مشکل پیش آئی جس نے عامۃ المسلمین کو مشکلات میں مبتلا کر دیا۔ ایسا عمل جو بادی النظر میں غلط نظر آیا مگر عدم بروی کی سی صورت اختیار کر لی تو علماء امت نے ارشاد ربانی "ما جعل علیکم فی الدین من حرج"۔ یرید اللہ بکرم الیسر ولا یؤید بکرم العسر۔ یا شارع اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "الما یعتنم میسرین وما یعتنم معسرین"۔ یا متمم مکام اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سنت "ما خیر بین امرین الا اخذ الیسرهما"۔ یا لہ یکن اشما۔ یہ نظر رکھتے ہوئے ان مشکلات کے حل میں غور کرتے رہے ہیں کہ ائمہ سے بچتے ہوئے کس حد تک اور کس حالت میں سہولت کی اجازت ہے۔ کسی نے زیادہ احتیاط کا پہلو اختیار کیا اور کسی نے شرعاً ملکی حد تک سہولت کی جانب میلان کیا تو جواز عدم جواز، اولیٰ غیر اولیٰ، کراہت و اباحت پر قابلِ صدا احترام فقہاء کرام نے مختلف فتوے دیے جن نیت و استدلال کے ہوتے ہوئے اختلاف آزاد نہ کوئی عیب ہے و جرم بلکہ عہد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر تا حال پایا جاتا ہے اور افراد و جزئیات کے اضافہ کے ساتھ بڑھتا ہی رہے گا۔ صحابہ کبار اور ائمہ مجتہدین مخلصین کے اختلافات، منشاء اختلاف کو دیکھ کر یہ کہنا بجا ہوگا۔

گل اپنے رنگا رنگ سے ہے رونق میں

اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف

کیونکہ اختلاف آزاد میں امتثال و انصاف کا ترازو ملتا ہے۔ تو ایسا اختلاف امت کے حق میں رحمت ہے بایہم اھتدیتھم اھتدیتھ۔ کی سہولت ہے۔ اسلام کے اصولوں کے تابع غیر مخصوص مسائل کا مخصوص احکام سے شرعی حکم تلاش کرنے کا نقطہ نظر سے اختلاف مسلمہ مسائل سے انحراف نہیں ان سے موافقت ہے اسی لیے دیکھا گیا ہے کہ حلت و حرمت، جواز و عدم جواز، کراہت و اباحت کے اختلافات کے باوجود متلاشیان حق کی باہمی الفت و محبت، احترام و شفقت میں کوئی فرق نہیں آیا، عمل اپنے نزدیک رائج رائے پر کیا مگر دوسری رائے پر عمل کرنے والوں کی تفصیل و تفسیق نہیں کی گئی۔ اہل اچھاں پر اصولوں سے روگردانی پائی۔ "مدہنت فی الدین" اور تقریریں کا اثر دیکھا تو اسے مٹانے کی پوری کوشش کی۔ فردی مسائل میں اختلافات آزاد فطرت کا تقاضا ہے اہل علم اور صاحب صلاحیت لوگوں کا مالانہ، دیا متدار نہ اختلاف جو اختلاف رائے کے باوجود ایسکات کو برقرار رکھے عداوت و حسد کا ظلمت سے پکائے رکھے، باعث رحمت ہے، جن مسائل پر نفس مریخ الدلالات نہ ہوا ان میں غور و فکر اور تحقیق کرنے والوں کے درمیان اختلاف ہونا تفاوت اذہان کا نتیجہ ہے۔ علامہ سعیدی صاحب کے طرز اختلاف کے بارے میں میری رائے کچھ یوں ہے۔

مولانا نے جن حضرات کی آزاد سے اختلاف کیا ہے ان میں بزرگ بھی شامل ہیں اور معاصر و مخالف بھی۔ علماء اہلسنت کی علمی و باہمت تحقیقی ثقاہت اور دیانت و امانت پر مکمل اعتماد کرنے کے باوجود خود ان اعیان العلم کے مختلف اقوال یا ان

کے قول پر قائم کیے گئے۔ دلائل کے کھد آنے کی وجہ سے ملتے میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ ان بزرگوں کی تعظیم و تکریم کرتے ہوئے انہیں علم و فضل کا سربراہ گردانتے ہوئے اپنے نقطہ نظر کا اظہار کر دینا کوئی جرم نہیں، خود اہل علم کا اپنے سے پہلے والوں سے یہ معاملہ رہا ہے۔

حضرت مولانا مستعدین ملار سے کسی مسئلہ میں اختلاف رائے کی صورت میں اپنی سوچ کا امانتدارانہ اظہار کرتے ہیں۔ بزرگوں کی تعظیم و توقیر میں فرق نہیں آنے دیتے اور نہ ہی نقلی وادعا کا مظاہرہ کرتے ہیں گویا وہ صرف احتیاطاً ہر کرنا چاہتے ہیں کہ دلائل کا مفہوم جرمیں سمجھتا ہوں، اس کی وجہ سے میری رائے یہ ہے یا یوں سمجھے بزرگوں کے خیرین علم سے خوشہ چینی کرنے والے کا کچھ گناہ ناز ہے۔ برتری کا دعویٰ نہیں اور خدا نخواستہ کسی شخص میں رعوت و نقلی کا داعیہ پیدا ہو جانے کو اس کا فیض جاری نہیں رہ سکتا بلکہ اس کے ہلاک ہونے کا خدشہ لاحق ہو جاتا ہے۔

۷۔ از خدا خواہیم توفیق ادب

حضرت مولانا کو جن لوگوں سے اعتقادی و مسلکی اختلاف ہے ان پر بھی گرفت کرتے ہوئے ان کی اصلاح اور ان کے پیروں کو راہِ خطر سے محفوظ کرنے کا مذہب آشکارا ہوتا ہے اس موقع پر اعتدال کا دامن چھوٹنے نہیں دیتے بلکہ تنقید و تدبیر کے فرق کو پیش نظر رکھتے ہیں اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے ہم مسلک معاصرین سے اظہار اختلاف کے وقت آپ کا کیا انداز ہوگا۔

مولانا صاحب سے ایک مذاکرہ کے بعد میری رائے ہے کہ آپ غیر جارمانہ تنقید اور علمی اعتراض کو خندہ پیشانی سے سنتے ہی نہیں بلکہ دلی میں وزن دیکھیں تو اپنے قول سے رجوع کرنے میں عاجز بھی نہیں سمجھتے۔ جو صاحب تحقیق و دسروں کا مواخذہ کرے اسے ذمہ اپنے آپ کو احتساب کے لیے پیش کرنا چاہیے بلکہ اپنے قول کے خطا ہونے کے امکان کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ تنقید پر دوست ظفری سے نظر ڈالے اور اللہ تعالیٰ بخیر و ید صیب۔ "کو پیش نظر رکھے۔ ناقدین کے لیے بھی ضروری ہے کہ اصلاح و اطلاع علی الخطا کے جذبے کا اظہار کریں۔ دلائل کی روشنی میں علمی مواخذہ کریں اور ممانعت نہ تنقید و تحقیر سے اجتناب کریں۔ معاصرانہ چشمک دیرینہ مرض ہے مگر حضرت علامہ کا اسلوب تحریر بیان غلات حل مشکلات، بیان مذاہب و احتمالات اور ترجیح راجح اور نئے مسائل پر تبصرے ایسے اسباب ہیں جن سے عام علماء کے علاوہ خادمانِ حدیث بھی استفادہ کریں گے اور آنے والے دور کے لیے قویہ و ستاد بنیں گے۔ بعض لوگوں کو ہم عصری دوسرے کی عظمت کا اعتراف نہیں کرنے دیتی مگر علم کے قدردان اور وسیع الطول افراد اس سے بہت حد تک محفوظ رہتے ہیں اور علمی تحقیقات کو قد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں چاہے ان سے کم عمر یا کم شہرت پائے والے شخص کا کام ہی کیوں نہ ہو۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو مضامین کی چوری تو جائز سمجھتے ہیں مگر اعتراض سے گریز کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں مسلم شریف کی اردو شرحوں میں یہ کتاب مبہن اختلافات کے باوجود ان شاء اللہ قبول مام حاصل کرے گی اور اس سے استفادہ کیا جائے گا۔

دعا۔

اے ارحم الراحمین! یہ تیرا محض کرم ہے جو سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ تیرا بندہ جب تجھ سے کرم کی بھیک مانگنے کے لیے آتا اٹھاتا ہے تو انہیں غالی بات نہ فرماتا ہے۔ اے کریم! میں محض برکات اور یمن گنبد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کر کے التجا کرتا ہوں کہ مولانا کے علم نافع اور عمل صالح میں برکت دے، صحت و توانائی، نعت

دسکون کے ساتھ ساتھ سنت نبوی کی خدمت مقبولہ کی توفیق عطا فرما۔ میرے گناہوں کو بخش دے، میرے والدین کریمین کے ساتھ کرام پرغاص کرم نازل فرما اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امت پر رحم فرما۔
وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و مولانا محمد و علی
آلہ و اصحابہ اجمعین

ابوالخیر حسین الدین شاہ سلطانپوری

علوم جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، راولپنڈی
۳۰ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
۱۶ فروری ۱۹۹۱ء



WWW.NAFSEISLAM.COM

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صاحبزادہ مولانا محمد حبیب الرحمن مجبونی، مہتمم صُفَّة الاسلام بریڈ فورڈ برطانیہ

میں بنیادی طور پر علومِ دینیہ کا ایک طالب علم ہوں اور دس نظامی کی تکمیل اور دورہ حدیث شریف سے بہرہ مند ہونے کے بعد بھی گزشتہ پندرہ سال سے میرا پسندیدہ مشغلہ کتبِ دینی ہے اور میری دل چسپی کا محور و مرکز تفسیر، حدیث، فقہ اور کتبِ سیرت کا مطالعہ اور اکابر کے فیوضِ علمیہ کی خوشہ چینی ہے۔

پاک و ہند میں گزشتہ ایک صدی میں علومِ دینیہ پر بہت زیادہ تحقیقی کام ہوا ہے اور اب ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ عربی زبان کے بعد اسلامی لٹریچر اور دینی و علمی سرمائے کے اعتبار سے اردو زبان دنیا کی کسی بھی زبان سے کسی بھی طور پر کم تر نہیں ہے۔ بلاشبہ اسلام کے دینی، علمی، تاریخی و ادبی سرمائے کو عربی سے اردو زبان میں منتقل کرنے میں علماءِ اہلسنت کا contribution بہت نمایاں ہے اور بعض جہتوں سے تو اس حد تک تحقیقی کام ہوا ہے جو بجائے خود ماخوذ کے ماخذ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ اس سلسلے میں امام اہل سنت مجدد ملت علامہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز، صدر الافاضل مولانا سید محمد نسیم الدین ملو آبادی اور صدر الشریعہ مولانا امجد علی اور دیگر اکابرِ اہلسنت کے بارِ احسان تلے ہماری گردن سپاسِ امترا ہمیشہ جھکی رہے گی۔

تاہم اس امر کا اعتراف کرنے میں ہمیں تامل نہیں کرنا چاہیے کہ تفسیر و شرح حدیث کے عنوان سے جس قدر علمی و تحقیقی کام ہونا چاہیے تھا، وہ ہمارے ہاں نہیں ہو سکا۔ دیگر وجوہ کے علاوہ اس کا ایک متوکل سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے اکابر کی بیشتر ترجیح عصری فتوؤں کی سرکوبی کی جانب مرکوز رہی۔ اور اگر وہ اپنے عہد کے تفاضلوں کا بروقت ادراک کر کے لادینیت، دہریت، انکارِ ختم نبوت، انکارِ حدیث اور توہینِ رسالت ایسے ہیبت فزون کا قلعِ قمع نہ کرتے تو ناکام بدین آج ہمارے عقائدِ استغدر مصطفیٰ و مرکزِ انشکل میں محفوظ نہ ہوتے اور نہ جانے کس کس نوع کی بدعتیہ گروہوں کی آلائش سے ہمارے عقائدِ طوط ہو چکے ہوتے اور طرح طرح کے دہم ہرنگ زمین میں اس طرح چھن چکے ہوتے کہ اس سے نکلنے کا راستہ بھی سمجھائی نہ دیتا۔

اللہ الحمد کہ اب وہ سب نکتے اپنی موت آپ مر چکے ہیں، قادیانیت کو اب پاکستان میں آئینی و قانونی طور پر کفر قرار دیا جا چکا ہے اور توہینِ رسالت پر مبنی کتب کے مصنفین کے پیروکار اب خود ہی اس گندگی کو غسل کے صد در صد غلافوں میں پیٹ کر چھپانے پر مجبور ہیں اور ”جاء الحق وذاحق الباطل ان الباطل کان نہ ہوقباً“ کا علمی نمونہ ہم اپنی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں، بس خدا اس کے مشاہدے کے لیے بہیم بصیرت واہوتی چاہیے۔

کرم بالائے کرم یہ کہ اب ہمارے مقتدر و محقق علماء کو غور و خوض کی سی فرصت ملی ہے اور امید واثق ہے کہ انشاء اللہ قلیل عرصے میں تفسیر و حدیث پر واقع تحقیقی کام کا وافر ذخیرہ ہمارے علمی ورثے میں شامل ہو جائے گا اور اس سلسلے میں محقق العصر علامہ غلام رسول سیدی

کاہم انشاء اللہ علامہ کے اس قافلے کے سرخیل و سالار کے طور پر تاریخ میں ہمیشہ ثبت رہے گا اور انہیں بقا و دوام نصیب ہو گا۔
اب ہم نہایت فز و انبساط کے ساتھ بجا طور پر یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ حضرت علامہ نے شرح صحیح مسلم تصنیف فرما کر خدمتِ حدیث کا حق ادا کر دیا ہے، اس کتاب کو پڑھ کر ہماری تمام تنائیں پروری ہو گئیں، سارے خوابِ بزمندہ تعبیر ہو گئے اور اب اس سلسلہ میں کوئی حسرت نہیں رہی۔ اس شرح کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ صرف احادیث کی شرح ہی نہیں ہے بلکہ حنفی مذاہب پر دلائل کا عظیم فقہی سفر بھی ہے اور عصری مسائل پر ایک عظیم اجتہادی شاہکار ہے، اس کتاب میں حضرت مصنف عم فیضانہ نے احادیث پر فنی بحث کے ساتھ ساتھ قدیم و جدید مسائل اعتقادیہ و فقہیہ پر موانعین و مخالفین کے تمام دلائل عقلیہ و نقلیہ کو بیان کیا اور پھر خدا واد اجتہادی تبصیر سے روز روشن کی طرح اپنے موقف کو واضح کر دیا۔ دلائل عقلیہ و نقلیہ کے اس حسین، جامع اور کابل امتزاج کی وجہ سے حضرت مصنف عم فیضانہ صاحب ہدایہ کے ہم طرز و ہم رکاب نظر آتے ہیں، یقیناً واثق ہے کہ اس شرح کی تکمیل کے بعد شاہد ہی کوئی ایسا مسئلہ ہو گا جس پر اس کتاب میں سیر حاصل بحث نہ کر لی گئی ہو۔

شرح صحیح مسلم کی تکمیل کے بعد میں مصنف محترم کی توجہ ایک اور اہم کام کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ ہے قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ اور اس کی جامع تفسیر، ہر چند کہ اس وقت مارکیٹ میں مختلف اردو تراجم اور تفاسیر موجود ہیں اور وہ بہت حد تک مفید اور مقبول بھی ہیں، تاہم اردو پڑھنے والوں کا ایک خاصا طبقہ ہنوز تشنگی محسوس کرتا ہے۔ اردو ادب کے موجودہ اسلوب، سادگی اور سلاست کے ساتھ دراز و دراز زبان میں دینی موضوعات پر تحریر کی جو چاشنی شرح صحیح مسلم کی عبارت میں ہے وہ کسی اور کتاب میں نظر نہیں آتی۔ بعض کتابوں میں ناموس اور متروک محاورات اور ترکیبات ہیں اور بعض کتابوں میں حد سے زیادہ تقاطعی اور ہماری بھر کم جملات ہیں اور بعض مصنفین نے علمی مضامین کو افسانوی زبان اور نثری شاعری کے رنگ میں نکھا ہے اور بعض علامہ کی عبارات ادق الفاظ اور ثقیل علمی اصطلاحات کے برجستے دلی ہوتی ہیں۔ ————— الغرض علمی اور دینی مضامین کی تقسیم کے لیے زبان کی جس سادگی و روانی آدھے سانچگی کی ضرورت ہے۔ اس سے ہماری دینی کتابیں اور ہمارے اردو تراجم اور تفاسیر کا ذخیرہ تہی دامن ہے اس لیے اردو پڑھنے والوں کے ایک بہت بڑے طبقہ کی نگاہیں حضرت مصنف کی طرف لگی ہوئی ہیں کیونکہ شرح صحیح مسلم کے مطالعہ کے بعد صرف اور صرف آپ ہی کی ذات سے یہ توقع وابستہ ہے کہ اس اسلوب نگارش کے ساتھ آپ قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیر کی خدمت پر بھی کمر بستہ ہوں، اللہ کرے تو قلم اور زیادہ!

ہمارے دینی مدارس کی کثیر تعداد اور ان کی گراں قدر خدمات کے باوجود ابھی تک ہمیں قحطِ البرجال سے نجات نہیں مل سکی اور کوئی نہیں جانتا کہ آئندہ چند سالوں تک ہماری زبوں حالی کہاں تک پہنچ چکی ہوگی۔ ہمارے دینی مدارس سے فارغ التحصیل علماء کی اکثر تعداد ایسی ہوتی ہے جنہیں جدید دینی مسائل اور ضروریات کا صحیح ادراک نہیں ہوتا، ان کے حل کا سلیقہ ہوتا ہے۔ اس کا ایک سبب محنت کی کمی اور نصاب کی طوالت ہے۔ ————— دوسری وجہ یہ ہے کہ علوم دینیہ کا اکثر سرمایہ عربی زبان میں ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک کسی زبان کی لغت اور گرامر پر مکمل عبور نہ ہو اس زبان کے علمی ذخیرے سے کما حقہ استفادہ نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے ایک دور میں علماء و کرام نے علوم عربیہ کو فارسی میں منتقل کیا کیونکہ اس وقت عام لوگوں کی پہنچ فارسی زبان تک ہی تھی۔ شیخ عبدالمحیٰ محدث دہلوی نے فارسی میں اثنیۃ العشرات، شرح سہر السعادت اور مدارج النبوت لکھیں۔ شیخ نورالمحیٰ دہلوی نے فارسی میں صحیح بخاری کی شرح تیسیر القاری لکھی، شاہ دلی اللہ نے فارسی میں ترجمہ قرآن نکھلا اب اس دور کا تقاضا یہ ہے کہ ان علوم کو اردو میں منتقل کیا جائے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر برصغیر کے علماء نے عربی اور فارسی کے علمی زخائر کو اردو میں منتقل کرنا شروع کر دیا ہے۔

لہذا اب لڑو زبان میں بھی کافی علمی ذخیرہ بنایا ہو چکا ہے۔ اگر موجودہ فارغ التحصیل علماء نے اب بھی ان علوم سے استفادہ نہ کیا تو یہ بڑی حیرت اور افسوس کا مقام ہو گا۔ میں دینی مدارس کے ہمتیوں اور اساتذہ کی خدمت میں یہ تجویز پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ وہ شرح صحیح مسلم کو ایک اضافی اور اضافی کتاب کی حیثیت سے باقاعدہ اپنے نصاب میں شامل کریں اور دومہ حدیث کی تعلیم کے دوران طلبہ کو اس شرح کے علمی اور فقہی مباحث کا مطالعہ کرائیں اور انہیں یہ ہدایت کی جائے کہ وہ اس کی ابجائٹ میں مندرج حوالہ جات کو اصل کتابوں میں تلاش کریں تاکہ ان میں تحقیق و تجسس کی صلاحیت اب جاگ رہے ہو اس تجویز پر عمل کرنے سے ایک بہت بڑی کمی پوری ہو جائے گی۔

میں انھیں رب ذوالجلال کے حضور اقدس میں برصغیر و اخلاص یہ التجا کرتا ہوں کہ وہ اپنے حبیب کریم رحمتہ اللعالمین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل حضرت علامہ سعیدی مدظلہ کا سایہ اہل سنت پر صحت کا طہر کے ساتھ تادیر قائم رکھے اور اسی سیرت کے ساتھ انھیں قرآن مجید، حدیث شریفہ فقہ اسلامی کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ اس راہ میں ان کی رکاوٹیں دور فرمائے اور ان کو دافر سہولتیں عطا فرمائے اور ان کے دینی، علمی اور فنی سرمایہ کو صدیوں تک اہلسنت اور عامۃ المسلمین کے لیے سرمایہ انتہا بنا دے اور ان کی تعاضیف دین اسلام اور میراث علم و حکمت و نبوت کا ایسا سرچشمہ اور منبع قرار پائیں جن سے علم و حکمت کے سوتے تاقیامت پھوٹتے رہیں اور مجھے اور جملہ تشنگان علم اور طلبکاران ہدایت کو ان سے مستفید و مستفیض فرمائے، آمین۔ "وما ذلک علی اللہ بعزیزانہ علی کل شیء مقدر و انہ یفعل ما یشاء و انہ ھو فعال لما یرید انہ سمیع حبیب الدعوات ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم وتب علينا انک انت الثواب الرحيم بجاء حبیبك محمد سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔"

(عاجزادہ) محمد حبیب الرحمن محبوبی فیض پوری،

متم صفۃ اسلام بریڈ فورڈ، برطانیہ

(154, Sunbridge road Bradford York, England, U.K.)

۱۵ دسمبر ۱۹۹۰ء

WWW.NAFSEISLAM.COM



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مفتی محمد زبیر تقیسم، نادرہ

آج سے تقریباً پندرہ برس قبل اہلسنت کے بے باک ترجمان ماہنامہ ضیائے حرم لاہور کے میزبان مولانا علی احمد علیہ وسلم قبر میں حضرت علامہ مولانا غلام رسول سعیدی صاحب کا ایک مضمون پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کے بعد حضرت مولانا سعیدی صاحب کی کئی تصنیفات خصوصاً ضیائے حرم میں چھپنے والے مضامین پڑھ کر بے ساختہ مولانا کی درازی عمر کے لیے دعائیں کیں۔ بلاشبہ فاضل جبل نگہ بلند سخن و نواز جاں پر سونے کا مرقع زیرِ بادِ عصر حاضر میں اہلسنت کا عظیم سرمایہ ہیں۔ مبدا فیاض نے انھیں بے شمار تحریروں سے نوازا ہے۔ علمی و ادبی حلقوں میں علامہ سعیدی کی تصنیفات ترویجِ اہلبیان، ذکرِ باجبر، مقالاتِ سعیدی، تذکرۃ المحدثین کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ حال ہی میں ماہنامہ ضیائے حرم لاہور کے کئی شماروں میں شرح صحیح مسلم کی چار جلدیں چھپ جانے کا جب علم ہوا تو بڑی خوشی ہوئی۔ چند دن قبل ہی ضیاء القرآن پبلیکیشنز سے منگوائیں۔ بعض مقامات کے مطالعہ کا موقع ملا۔ الحمد للہ اردو کی قلمی جس طرح اس وقت منظر عام پر آچکی ہیں ان میں یہ شرح منفرد مقام رکھتی ہے۔ مسلک اہلسنت کی دلائل کے ساتھ جس طرح حقانیت واضح کی گئی ہے اس کو پڑھ کر فاضل مصنف کے لیے دل کی اتھاہ گھڑیاں سے دعا نکلتی ہے۔ علامہ سعیدی صاحب نے بڑے حسین انداز میں باقاعدہ اردو ترجمہ، احادیث کی مختصر تشریح، فقہ حنفی کی غفلت پر دلائل اور اختلافی مسائل پر گفتگو کے ساتھ ساتھ جدید دور کے بعض اہم مسائل مثلاً برادریٹنٹ، فڈ پریکٹ، اعضاء کی پیوند کاری، عطیہ خون و انتقال خون کا حجاز، ضبطِ تولید، ٹیسٹ ٹیوب بے بی، جنک فوڈ کی تحقیق، دنیا کا کرنسی فوٹ اور دیگر کئی موضوعات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

اگرچہ بعض مقامات پر مولانا سعیدی صاحب سے اختلاف ممکن ہے لیکن ان کی اس کاوش پر داد نہ دینا نا انصافی ہوگی۔ یہ جان کر کہ حضرت فاضل مصنف مختلف تکلیف دہ امراض کا شکار ہیں دکھ ہوا، دعا ہے کہ رب لم یزل اپنے محبوب تو حسین و دنی کے تاجدار سب نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (فدا کا ابی و امی) کے فیضانِ پاک کے تصدیق میں حضرت مصنف کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین اور انھیں عمر دراز عطا فرمائے تاکہ وہ اپنے قلم مجزوم سے یہ جہاد جاری رکھ سکیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

عبدہ المذنب

مفتی محمد زبیر تقیسم، نادرہ
 (پاکستان)
 حال خطیب غوثیہ مسلم سوسائٹی رجسٹرڈ نادرہ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مولانا افتخار علی ہشتی لائبریری ہالینڈ

صحیح مسلم سید المحدثین حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی مسرکہ اولاد اور شہرہ آفاق تصنیف ہے۔ کتب احادیث میں اس کا مقام جمہور اہل علم کے نزدیک صحیح بخاری کے بعد ہے۔ جبکہ بعض علماء کرام نے متعدد وجوہ کی بناء پر اس کو بخاری شریف پر بھی ترجیح دی ہے۔

صحیح مسلم احادیث طیبہ کا ایک صحیح ترین مجموعہ ہے۔ قول و فعل اور پسند و ناپسند کی عظمت و حکمت قائل و فاعل کے مقام و مرتبہ کی عظمتوں اور فضول کے مطابق ہوتی ہے کلام المملوک مملوک الکلام۔ حدیث مصطفیٰ صلی ماحیہ التہیہ والثناء کی فہم حقیقی صرف اس کو بخاطر ہوتی ہے جو مقام مصطفیٰ کی عظمتوں اور تقدس سے باخبر اور اس کا دل حب مصطفیٰ کی سرمدی دولت سے مالا مال اور سرشار ہو۔

اردو برصغیر پاک و ہند کی ایک انتہائی علمی زبان ہے۔ مسلم شریف کی عربی زبان میں متعدد مشروح موجود ہیں لیکن ضرورت اس امر کی تھی کہ اس کی ایک جامع شرح اردو میں بھی کی جائے تاکہ عربی سے نا بلند اور اوروں دان طبعہ بھی حدیث رسول کے نور سے اپنے دل و دماغ کو منور کر سکے۔

کارکنان قضا و قدر نے یہ سعادت عظمیٰ دنیائے اسلام کے ممتاز اسکالر اور محقق حضرت علامہ غلام رسول صاحب سعیدی شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی کے لیے روز اول سے ہی مقرر کر رکھی تھی۔ علمی حلقوں میں تو پہلے ہی حضرت موصوف کے لیے تذکرۃ المحدثین، توضیح البیان، مقالات سعیدی، مقام ولایت و نبوت اور تاریخ نجد و حجاز جیسی بلند پایہ علمی و تحقیقی تصانیف کی بناء پر محبت و عقیدت اور ممنونیت کے جذبات پائے جاتے تھے لیکن شرح مسلم (رحمۃ اللہ تعالیٰ بطنیل اپنے حبیب پاک اس مقدس کام کو جلد پایہ تکمیل تک پہنچائے آمین) علامہ موصوف کی وہ تصنیف ہے جو رہتی دنیا تک ان کے مستفیضین و محبتین میں روز افزوں اضافے کا سبب بنتی رہے گی۔ اور انھیں راہ ہدایت کی پُر نور اور مدلی نشانہ ہی کرتی رہے گی۔

ملت اسلامیہ حضرت موصوف کی اس دینی و علمی خدمت پر بجا طرد پر آپ کی شکر گزار ہے۔ اور خداوند عالم جل و علا کے حضور دست بردار ہے کہ وہ حضرت علامہ کو عمر دواز اور صحت و سلامتی عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبک الکریم علیہ افضل الصلوٰات والتعلیمات۔

افتخار علی ہشتی، ایم۔ ای۔ ایل۔ ایل

ناضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف۔

امام جامع مسجد القصر طیبہ پاکستان اسلامک سینٹر اور سٹرڈیم ہالینڈ

جلد خامس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرت علامہ محبت اللہ نوری شیخ الحدیث دارالعلوم حنفیہ فزیلہ فیہ فیہ زید جہم

سید المحدثین حضرت امام مسلم علیہ الرحمۃ کی شہرہ آفاق تصنیف صحیح مسلم "صدیوں سے اہل علم میں متداول اور مدارس اسلامیہ میں داخل نصاب ہے۔ اس کی متعدد شروحات لکھی گئیں۔ زیر تبصرہ "شرح صحیح مسلم" (اردو) ابن شروح میں ایک گراں قدر اضافہ ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اپنے مواد تحقیق و تدقیق، فنی مباحث، نگراں فرقوں کے نزد مسابک الطبیعت کی بادلانی تائید اور مسائل عصریہ پر گفتگو کے اعتبار سے آج تک دنیائے حدیث میں ایسی کوئی کتاب تحریر نہیں کی گئی، تو بے جا نہ ہوگا۔

اس کتاب کے مصنف فاضل جلیل علامہ غلام رسول سعیدی شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی کا نام علمی و ادبی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ آپ توضیح البیان، ذکر بالجہر، مقام ولایت و نبوت، تاریخ نجد و حجاز، مقالات سعیدی، اور تذکرۃ المحدثین، ایسی متعدد علمی و تحقیقی تصانیف کے ذریعے اپنا اورا مناجا چکے ہیں۔ علامہ سعیدی صاحب وہ متبحر اور محقق اسکالر ہیں جو کسی بھی مسئلے پر ظلم اٹھاتے ہیں تو اسے علم نشر کیے بغیر نہیں چھوڑتے۔ زیر نظر کتاب ان کا بہترین علمی شاہکار ہے۔

شرح صحیح مسلم کی اب تک چار جلدیں چھپ چکی ہیں۔ پہلی جلد میں ناشر کی خواہش کے مطابق ایک باز و اختصار سے کام لینا پڑا۔ جبکہ دوسری، تیسری اور چوتھی جلدیں نہایت مفصل ہیں۔ یہ کتاب کئی خصوصیات کی حامل ہے۔ متن احادیث کا بڑا سلیس، عمدہ اور روا ترجمہ، حدیث پر فنی بحث، قرآن و احادیث، آثار و اقوال، تابعین سے استدلال، انداز لہجہ کے علاوہ دیگر فقہی مذاہب کی توضیح و تشریح کے بعد فقہ حنفی کی ترجیح پر زبردست دلائل اس انداز سے پیش کیے ہیں کہ قاری کو دل کی گہرائیوں سے یہ یقین ہو جائے کہ فقہ حنفی قرآن و حدیث کا صحیح ترجمان ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ توضیح مسابک اصل متون اور بنیادی مآخذ سے لگتی ہے۔ علامہ سعیدی کی جو بات بطور خاص پسند آئی وہ آداب رسالت اور عشق و محبت مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پاشنی ہے۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ بڑے بڑے نامور علماء بھی جب بطور محدث کسی حدیث پر بحث کرتے ہیں تو بعض ایسی باتیں ان کے قلم سے نکل جاتی ہیں جن سے اعتراض تو شاید نظر ظاہر میں رفع ہو جائے مگر عظیم رسالت کا اہتمام کو جھل ہو جاتا ہے مگر علامہ موصوف ایسے نازک مقامات پر اس انداز سے گفتگو کرتے ہیں کہ حدیث کی روح بھی نکھر کر سامنے آ جاتی ہے اور عظمت مصطفیٰ بھی مزید آ جا کر ہو جاتی ہے۔

اس شرح کو دیگر شروح میں جو چیز متاثر کرتی ہے وہ عصری مسائل پر سیر حاصل گفتگو ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ علامہ سعیدی نے نزاکت و وقت کا احساس کرتے ہوئے مسائل عصریہ پر بحث کر کے وقت کی اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ آپ نے دور حاضر کے جدید مسائل پر جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ان کے محاسن کے لیے علیحدہ ایک مبسوط تحقیقی مقالے کی ضرورت ہے جو اہل علم کا کام ہے، جن عصری مسائل پر موصوف نے دلائل تحقیق دی ہے، ان میں سے چند موضوعات کی جھلک ملاحظہ فرمائیں:

ریل گاڑی اور جہاز پر ناز اور غرور میں جبہ العباد پر بحث، پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ، اوس بڈنگ فنانس کارپوریشن کے قرضوں اور دیگر معیادی قرضوں کے زکوٰۃ پر اثر انداز ہونے کا مسئلہ، پوسٹ مارٹم، ایلوپیتھک دواؤں سے علاج، عطیہ خون و انتقال خون کا جواز، اعضا کی پیوند کاری، فوٹو کے جواز کا مسئلہ، حرمت غنا و موسیقی، ریڈیو، ٹی وی، اور آڈیو ویڈیو کیسٹ ریکارڈ وغیرہ کے استعمال اور جواز کی بحث (شرح مسلم جلد دوم)، اجتہاد و تقلید، وحی ختمی، رویت، ہلال کا اعلان، امراض متعدیہ کی شرعی حیثیت، تعدد ازواج، صورت منہ ضبط تولید، ٹیسٹ ٹیوب بے بی، مصنوعی تولید، استنطاق محل، حکم ایک مجلس خیرین، قون کا حکم، ملکی طلاق کا شرعی حیثیت (شرح مسلم جلد ثالث)، غلامی کے خاتمے کے بارے میں اسلامی قانون کی اولیت و فوقیت، سود، ذخیرہ اندوزی، سٹہ، انعامی بانڈ، قمار (جواز)، دستاویز کی بیع، حقوق کی بیع، گجڑی، ہنڈی کی بیع، محکموں کی بیع، امپورٹ لائسنس، روٹ پر مٹ کی بیع، کتابوں پر رائٹس، ظہر و صلاحیت سے پہلے باطن کے پھلوں کی بیع، پکھنے سے پہلے پھلوں کی بیع، باغات کے پھلوں کی مدوجہ بیع، زمین کو کرائے پر دینا، مزارعت، کتوں کی قیمت، فاحشہ اور بخومی کی اجرت، بلی کی بیع، گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنا، منہیات کی بیع، جیلہ کی تحقیق، بیک نوٹ کی تحقیق، دنیا کا کرنسی نظام، شفعہ، وصیت بعد وفات، ایصال ثواب، وقت کا بیان، نذر، ذکو اور مرد کے احکام، قصاص، دیت، زنا، بوطیت، رجم، قذف، (شرح مسلم جلد رابع) وغیرہ ایسے متعدد علمی، فکری اور تحقیقی عصری مسائل پر سیر مامل گفتگو کی گئی ہے۔

مولانا کی تحقیقات سے بعض مقامات پر اختلاف ممکن ہے مگر تامل اور فکری جبر کے اس دھند میں اس تحقیقی اور اجتہادی کاوش پر داد دینا بخل اور نا انصافی ہوگی۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف مولانا سے محترم کو صحت و سلامتی کے ساتھ عمر خضر سے فرائزے اور تحقیق و اجتہاد کے اسلوب کو برقرار رکھتے ہوئے بقیہ جلدوں کی تکمیل اور مزید علمی و فکری کاموں کی توفیق عطا فرمائے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیضانِ پاک کے تصدیق اس شرح کو قبولیت و دام نصیب فرمائے۔

فرید بک سٹال لاہور نے شرح صحیح مسلم کو جس اعلیٰ ذوق کے ساتھ شائع کیا ہے وہ طبع قابل ستائش ہے۔ علامہ سیدی صاحب کی یہ شرح علامہ مدد حسین، محققین اور دین سے وابستگی رکھنے والے حضرات کے لیے نعمت مرقبہ سے کم نہیں بلکہ



WWW.NAFSEISLAM.COM

۱۔ یہ تبصرہ محب گرامی علامہ محب اللہ صاحب نور سی شیعہ، محدث و دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور زید جہیم نے لکھا ہے جو پہلے ماہنامہ نور الحبیب بصیر پور (مارچ ۱۹۹۸ء) میں شائع ہوا۔ بعد میں یہی تبصرہ مہفت روزہ احوال کراچی ۲۲ مئی تا ۲۸ جون ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا اور اس کے بعد اسی تبصرہ کو ماہنامہ منیانے حرم لاہور (اگست ۱۹۹۰ء) نے شائع کیا، اس کی افادیت اور جامعیت کے پیش نظر اب ہم نے اس کو شرح صحیح مسلم جلد خامس میں شامل کر دیا ہے۔ (غلام رسول سیدی غفرلہ)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مولانا محمد خان قادریؒ، منہاج القرآن لاہور

محترم و مکرم محقق و دوراں مازی زماں علامہ غلام رسول سیدیؒ است کا ہم
اسلام علیکم۔ مزاج گرامی

بندہ نے اس سے پہلے بھی آپ کی کتب ذکر بالجہر، مقالات سیدی، مذکرۃ المحدثین، توضیح البیان سے استفادہ کیا۔ آپ کی تحقیقات پر محرک دل سے دعائیں نکلیں کہ اسے اللہ ایسے شخص کو مزید ترقی عطا فرما۔
ان دنوں شرح صحیح مسلم کی چار جلدیں طبع ہو کر آئی ہیں، ان کا متعدد مقامات سے مطالعہ کیا اس کے بعد ہی چاہا کہ آپ کی محنت و عظمت کو تحریری سلام عرض کر دوں۔
میرے نزدیک آپ کا یہ کام برصغیر کی تاریخ میں پہلا کام ہے۔ اتنی محنت، تحقیق کے ساتھ کسی شخص نے جن مسائل حاضرہ پر گفتگو نہیں کی۔ آپ نے جس احسن انداز کے ساتھ مختلف مسائل کو بطریق اعتدال بیان فرمایا ہے یہ آپ ہی کا حصہ ہے؛ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

انشاء اللہ کسی وقت تفصیلاً نقطہ بکھوں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے۔ دنیا و آخرت میں اپنی خصوصی رحمتوں سے نوازے۔ حضور علیہ السلام کی شفقتیں نصیب ہوں اور علم دین کی مزید خدمت کی توفیق نصیب ہو، آمین بجاہ سید المرسلین علیہ السلام۔

والسلام

محمد خان قادری



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله حمد الشاكرين والصلوة والسلام على خاتم
النبيين سيد الانبياء والمرسلين اكرم الاولين والاخرين
حامل لواء الحمد يوم الدين اول الشافعين والمشفعين
صاحب المقام المحمود بين المحشورين الذي نطقه وحي
رب العالمين والذي خلقه معيار للحسن في الاولين والاخرين
رحمة للعالمين حبيب رب العالمين سيدنا محمد وعلى اله الطيبين
الطاهرين واصحابه الراشدين المهديين وازواجه الطاهرات
المطهرات امهات المؤمنين واولياء ائمتهم الواصلين الكاملين
وعلماء ائمتهم الراسخين من المفسرين والمحدثين والائمة
المجتهدين اجمعين

WWW.NAFSEISLAM.COM

کتاب الاقضية

قضاء کا لغوی معنی علامہ اسماعیل بن حماد الجوهری لکھتے ہیں: قضاء کا معنی ہے ”حکم“ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وقضی ربك الا تعبدوا الا اياه ”اپ کے رب نے یہ حکم دیا کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو“ اور یہ منظور اہانت کے معنی میں بھی مستقل ہے قضیت حاجتی ”میں اپنے کام سے فارغ ہو گیا“ اور قضی تجبہ کے معنی ہیں ”مر گیا“ اور کرنے اور پہنچانے کے معنی میں بھی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وقضینا الیہ ذلک الامر ”ہم نے اس تک یہ حکم پہنچا دیا“ قضیت دینی ”میں نے اپنا فرض ادا کر دیا“ اس کا معنی بنانا اور مقدر کرنا بھی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”ققضھن سبع سموات فی یوم مین“ اللہ تعالیٰ نے دودن میں سات آسمانوں کو بنا دیا“ وغیرہ وغیرہ ۱۵

علامہ سید زبیدی نے بھی تقریباً بیست نام معانی ذکر کیے ہیں لکھتے ہیں قضاء کا معنی ہے حکم میں فیصلہ کرنا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولولا اجل مسعی لقضی بینہم ”اگر وقت مقرر نہ ہوتا تو ان کے درمیان حکم کا فیصلہ کر دیا جاتا“ اور حتی امر کرنے کا معنی بھی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ثم قضی ۱۰ اجلا ”مجھے موت مقرر کر دی“ وغیرہ وغیرہ ۱۶

علامہ ابن منظور لغریقی لکھتے ہیں: ال مجاز نے کہا ہے کہ لغت میں قاضی اس شخص کو کہتے ہیں جو معاملات میں فیصلہ کرنے والا اور حکم نافذ کرنے والا ہو، صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہذا اما قاضی علیہ محمد ”یہ وہ ہے جس کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا“ زہری نے کہا ہے کہ قضا لغت میں متعدد معانی میں مستقل ہے اور ان سب کا رجوع کسی شئی کے منقطع اور پرکھ

۱۵۔ علامہ اسماعیل بن حماد الجوهری متوفی ۳۹۸ھ البصاح ج ۶ ص ۲۲۶، مطبوعہ دارالعلم بیروت، ۱۴۰۲ھ

۱۶۔ سید محمود نقی ”معینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ“ تاج المعرفہ شرح الفاہوس ج ۱ ص ۲۹۶، مطبوعہ المطبعة الخیریہ، ۱۳۰۶ھ

ہونے کی طرف ہوتا ہے، ہر وہ چیز جس کو حکم کر دیا جائے، غم کر دیا جائے، ناقص کر دیا جائے، گزار دیا جائے، اس کے لیے قضاء کا نفع مستقل ہوتا ہے۔ لہ۔

قضاء کا شرعی معنی | فتاویٰ مالکیہ میں لکھا ہے القضاء قول ملزم یصدر عن ولایۃ عامۃ جس شخص کو ولایت عامہ حاصل ہو اس کا وہ حکم جو کسی پر کسی چیز کو لازم کر دے اس کو قضاء کہتے ہیں۔ لہ

ابن فرحون نے قضاء کی یہ تعریف کی ہے ہوا لاخبار عن حکم شرعی علی سبیل الاکزام۔ کسی حکم شرعی کو لازم اور واجب کرنے کے لیے بیان کرنا (تبصرۃ المحکم ج ۱ ص ۱۲)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں: نفع القدر میں قضاء کی تعریف الزام (کسی چیز کو لازم کرنا) کے ساتھ کی گئی ہے۔ محیط میں لکھا ہے جھگڑوں کو ختم کرنا اور منکحات کا فیصلہ کرنا قضاء ہے، بدائع الصنائع میں لکھا ہے لوگوں میں حق کے ساتھ حکم کرنا قضاء ہے اور حق کی تفسیر یہ ہے کہ پیش آمدہ واقعہ میں وہ حکم دیا جائے جو کتاب اللہ، سنت متواترہ، سنت مشہورہ یا اجماع سے ثابت ہو یا اس طور کا اس کے نزدیک کتاب یا سنت سے (خواجہ احمد نور) یا قیاس سے اس حکم پر ایسی دلیل قائم ہو گئی ہو جس سے غلبہ ظن حاصل ہو جائے۔ اگر اس کے نزدیک دلیل قطعی سے ایک حکم ثابت ہو جائے اور وہ اس کے خلاف فیصلہ کرے تو یہ قضا باطل ہے۔ اسی طرح مسائل اجتہادیہ میں اگر اس نے ایسا فیصلہ کیا جو کسی امام کا مذہب نہیں ہے تو وہ قضاء بھی باطل ہے کیونکہ حنفی اکثر اربعہ کی آراء سے باہر نہیں ہے، اور اگر اس نے نص صریح کے خلاف اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا تو یہ قضا بھی باطل ہے کیونکہ نص کے مقابلہ میں قیاس کرنا باطل اور فاسد ہے اور جس مسئلہ میں نص نہ ہو تو جو قاضی مجتہد ہے وہ اپنی رائے سے فیصلہ کرے دوسرے کی رائے سے فیصلہ نہ کرے اور اگر وہ کسی فقیہ کا مقلد ہو تو امام اعظم کے نزدیک وہ پھر بھی اجتہاد کر سکتا ہے اور صاحبین متفق کرتے ہیں اور ایک قول میں اختلاف اس کے برعکس ہے۔ اور جب کسی مسئلہ میں اشکال واقع ہو تو اپنی رائے سے کام لے اور بہتر ہے کہ فقہاء سے مشورہ کرے اور اگر ان سے اختلاف ہو تو اپنی رائے پر عمل کرے لیکن قضاء میں جلدی نہ کرے۔ اگر قاضی اجتہاد کا اہل نہیں ہے تو اگر اس کو صحابہ کے اقوال یا دہوں توحین قولی پر اس کا دل مطمئن ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے ورنہ اس شہر میں ہمارے فقہاء (فقہا احناف) کے فتویٰ کے مطابق عمل کرے اور اگر اس شہر میں مرث ایک فقیہ ہو تو اس کے قول پر بھی عمل کر سکتا ہے، اور اگر اس نے جان بوجھ کر دوسرے امام کے مذہب پر فیصلہ کیا تو یہ قضا باطل ہے لہذا اس وقت ہے جب قاضی خود اجتہاد کا اہل نہ ہو اور جب وہ خود اجتہاد کا اہل ہو تو دوسرے امام کے مذہب کے مطابق بھی فیصلہ کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کا اجتہاد اس امام کے اجتہاد کے موافق ہو) اور اگر اس نے نیا نیا یہ فیصلہ کیا تو وہ اس کو باطل کر سکتا ہے۔ اور بعض روایات میں یہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک اسی کا قضاء صحیح ہے اور صاحبین کا اس میں اختلاف ہے۔ لہ

منصب قضاء کی فضیلت اور اہمیت | شمس اللہ مشرقی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد حق کے ساتھ فیصلہ کرنا سب سے اہم فرض ہے اور یہ سب سے افضل عبادت ہے کیونکہ اس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنایا اور فرمایا: اخی جاعل فی الارض خلیفۃ ہم زمین میں اپنا خلیفہ

لہ۔ - علامہ جمال الدین محمد بن محترم ابن منظور مصری از لغت متنی ۱۱، ۱۲، لسان العرب ج ۱۵ ص ۱۸۶، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران، ۱۳۰۵ھ

لہ۔ - لانظام الدین متنی ۱۵، ۱۶، فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۳۰۶، مطبوعہ مطبعہ امیر یہ کبریٰ بمصر ۱۳۱۰ھ

لہ۔ - علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متنی ۹، ۱۰، البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۵ - ۲۵۴، مطبوعہ مکتبہ علیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

بنائے دے ہیں: (البقرہ: ۲۰) اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض۔
 "اے داؤد تم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنادیا" (ص: ۲۲) اور اللہ تعالیٰ نے ہر نبی اور رسول کو حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم دیا حتیٰ کہ خاتم الانبیاء
 علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی ارشاد فرمایا: انا انزلنا التورۃ فیہا ہدیٰ ونفویٰ حکم لہم النبیین "ہم نے قرآن اور انجیل نازل کی ہیں
 میں ہدایت اور نور ہے جس کے ساتھ انبیاء و حکم دیتے ہیں" اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا حکم بینہم بما انزل اللہ ولا تتبعہم اھواءہم۔
 "اللہ تعالیٰ نے جہاں حکم نازل کیے اس کے مطابق ان میں فیصلہ کیجئے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے" (المائدہ: ۴۸) اور یہ حکم ایسے ہے کہ حق کے
 ساتھ فیصلہ کرنے کی وجہ سے عدل کا اظہار ہو سکتا ہے اور عدل کے سبب سے آسمان اور زمین قائم ہیں نیز ہر صاحب عقل یہ چاہتا ہے کہ
 ظلم کو دور کیا جائے، ظالم سے مظلوم کا بدلہ لیا جائے اور ہر حق دار کو اس کا حق پہنچا دیا جائے اور یہی حکم دیا جائے اور برائی سے روکا جائے
 اسی مقصد کے لیے انبیاء اور رسول علیہم الصلوٰۃ کی بعثت کی گئی تھی اور خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اسی مشن کی تکمیل میں لگے رہے۔
 امام محمد نے کتاب القضاء کے شروع میں اسامہ بن زید سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی
 اللہ عنہ کی طرف لکھ کر یہ جامعہ و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو قضاء و فیصلہ حکم اور سنت متبہ ہے۔ فریقہ حکم سے ان کا مادہ یہ تھی کہ یہ فرضی قطع سے اس
 میں نسخ کا احتمال نہیں ہے، نہ تخصیص اور تاویل کی گنجائش ہے اور سنت متبہ سے ان کا مادہ ہے احکام دینیہ پر عمل کرنے کا وہ طریقہ جس کی
 اتباع کرنا ہر حال میں واجب ہے۔ لہ

عہد رسالت میں قضاء کا نظام | عہد رسالت میں تمام مقدمات کے فیصلے خود جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم انجام دیتے تھے،
 لیکن بعض اوقات آپ مجاہد کی تربیت کی خاطر صحابہ کرام کو بھی قضاء کرنے کا حکم دیتے تھے جیسا کہ
 آپ نے مزدور کے رنک کے واقعہ میں فرمایا ہے: ایس جاؤ اگر مزدور کی مالکہ افزان کو سے تو اس کو رقم کر دینا اور اس سے بھی واضح یہ حدیث
 ہے: امام احمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عمرو بن العاص جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم خصمان يختصمان فقال لعمرو واقض بينهما يا عمرو فقال انت اولي بذلك معي يا رسول الله قال وان كان قال فاذا قضيت بينهما فمالي قال ان انت قضيت بينهما فاصبت القضاء فلك عشر حسنات وان انت اجتهدت فاختطأت فلك حسنة۔
 حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں دو آدمی
 نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اپنا مقدمہ پیش کیا، آپ
 نے حضرت عمرو سے کہا: اے عمرو! ان کے درمیان فیصلہ کر دو، حضرت
 عمرو نے کہا یا رسول اللہ یہ فیصلہ کرنا تو میرے بجائے آپ کا منصب
 ہے، آپ نے فرمایا ہر چند کہ ایسا ہی ہے، حضرت عمرو نے کہا اگر میں
 ان کے درمیان فیصلہ کر دوں تو مجھے کیا اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: اگر
 تم نے ان کے درمیان صحیح فیصلہ کیا تو تم کو دس نیکیاں ملیں گی، اور اگر
 تم کو صحیح فیصلہ کرنے کی کوشش کے باوجود غلط راجح ہو تو تم کو ایک
 نیکی ملے گی۔

بیز امام احمد روایت کرتے ہیں:

۱۔ شمس الارض محمد بن احمد بن محمد بن مرقی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۲ ص ۶۰-۵۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ

۲۔ امام ابوہنبل مرقی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

عن عقبۃ بن عامر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فان اجتهدت فاصبت القضاء فلك عشرة اجور وان اجتهدت فاطعت فلك اجر واحد۔ ۱۷

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کی مثل روایت بیان کی ہے البتہ اس میں یہ ہے کہ اگر تم نے اجتہاد سے صحیح فیصلہ کیا تو تم کو دس اجر ملیں گے اور اگر تم نے اجتہاد کے بعد غلطی کی تو تم کو ایک اجر ملے گا۔

حضرت عمر بن العاص اور حضرت عقبہ بن عامر کے ان واقعات کو امام دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے۔ ۱۸

جب اسلام کی سرحدیں پھیل گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مشغولیات بڑھ گئیں تو آپ نے اسلامی علاقوں میں حضرات صحابہ کرام کو حاکم مقرر کر کے بھیجا اس وقت قضا کا علیحدہ شعبہ نہیں تھا اور علاقہ کے حاکم کے ہی ذمہ قضا کے فرائض بھی ہوتے تھے۔ آپ نے حضرت علی ابن ابیطالب، حضرت ساد بن جبل، حضرت ابو موسیٰ اشعری کو میں بھیجا اور حضرت علاء بن حضری کو بحرین کا قاضی مقرر کیا (المطالب العالیہ ج ۲ ص ۲۳۷) حضرت متعل بن یسار بھی ان میں تھے (مسند احمد ج ۵ ص ۲۶) حضرت قتاد بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا قاضی مقرر کیا (ادب القاضی للامام ذہبی ج ۱ ص ۱۳۱) حضرت دحیہ بن کومین کے ایک علاقہ کا قاضی مقرر کیا (ادب القاضی ج ۱ ص ۱۳۲) اور حضرت عمر بن الخطاب، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاضیوں میں شمار ہوتا تھا (ترتیب الاماریہ ج ۱ ص ۲۵۸)۔

عہد صحابہ میں قضا کا نظام | علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں: انکار اسلام میں خلفاء خود فیصلے کرتے تھے اور منصب قضا کی اور کو نہیں تفویض کرتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ منصب دوسروں کے سپرد کیا، آپ نے مدینہ میں حضرت ابو الدرداء کو زبیرہ میں شریح کو ارد گرد میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو قاضی مقرر فرمایا۔ حضرت عمر نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو فیصلہ کرنے کے بارے میں ایک خط لکھا آپ کا یہ خط بہت مشہور ہے اور احکام قضا کے سلسلے میں ایک اساسی دستور ہے۔ حضرت عمر لکھتے ہیں:

حمد و صلوة کے بعد واضح ہو کہ فیصلہ کرنا ایک اہم فرائض ہے اور یہ وہ سنت ہے جس کی پیروی کرنا واجب ہے، جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ لایا جائے تو اس کا ایسا فیصلہ کرنا ہے جو وہ ہے جس کو نافرمانہ کیا جاسکے، مجلس قضا میں لوگوں کے درمیان مساوات رکھو تاکہ اس پر تمہاری بے جا حاکمیت کی امید نہ رکھے اور غریب تمہارے انصاف سے ناامید نہ ہو، مدعی کے ذمہ ثبوت پیش کرنا ہے اور مدعی علیہ پر قسم لازم ہے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح کرنا جائز ہے البتہ ایسی صلح جائز نہیں ہے جو علم کو حلال اور حلال کو حرام کر دے، اگر کل تم کوئی فیصلہ کر چکے اور آج اس میں غور کے بعد تم پر حق واضح ہو گیا ہے تو کل کا کیا رہا فیصلہ تمہیں حق کی طرف رجوع کرنے سے رکاوٹ نہ بنے کیونکہ حق قدیم ہے اور باطل میں جو ہے حق کو اختیار کرنا واجب ہے، جس چیز کی تکذیب تمہیں قرآن اور سنت میں نہ ملے تو اس کے ابطال اور نظائر پر غور کرو اور ان نظائر پر قیاس کر کے اس چیز کا فیصلہ کرو، اگر مدعی کسی غیر موجود حق کا یا کسی مبادی ثبوت کا دعویٰ کرے تو مقدمہ کا تاریخ ڈال دو اور اگر ثبوت ملے اُسے تو اس کا حق اس کے حوالے کر دو ورنہ اس کے خلاف فیصلہ کر دو، کیونکہ شک اندامہام کو دور کرنے کی اس سے بہتر اور کوئی صورت نہیں ہے۔ سب مسلمان آپس میں ایک اور عدل میں ماسوا اس شخص کے جس پر حد جاری ہو چکی ہو یا جس کی جھوٹی شہادت ثابت

۱۷۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ہ، مسند احمد ج ۴ ص ۲۰۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ۔

۱۸۔ امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۸۵، سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۰۳، مطبوعہ نشر السنۃ عمان۔

ہو چکی ہو یا جو شخص نسب یا ذلاد میں متہم ہو۔ سفر امتدادات کا فیصلہ کرتے وقت پریشانی اور آکاہٹ کرنے دینا اور مقدمہ کرنے والوں پر ان کے کرنا کیونکہ حق پر عمل کرنے کی وجہ سے آخرت میں اجر عظیم ملتا ہے اور دنیا میں تحسین ہوتی ہے۔

ہر چند کہ قضاء مختلفہ کی ذمہ داری تھی کیونکہ سیاست عامہ کے فرائض غرضاً ہی انجام دیتے تھے تاہم خلفاء دوسروں کو قاضی بناتے تھے۔ کیونکہ ان کے مشاغل بہت زیادہ تھے مثلاً جہاد کا انتظام کرنا، مفتوحہ علاقوں کی دیکھ بھال کرنا، سرحدوں کی حفاظت کرنا اور ملک میں امن قائم رکھنا۔ اور ان اہم کاموں کو دوسروں کے سپرد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ قضا کی شرائط اور احکام کتب فقہ میں مکرماً اور کتب احکام سلطانہ میں خصوصاً مذکور ہیں۔

آخرت میں قاضی کی سخت گرفت اور شدید محاسبہ اور مواخذہ کے بارے میں احادیث اور آثار ::

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن عبد الله بن موهب ان عثمان قال لابن عمر اذهب فاقض بين الناس قال او تعافيني يا امير المؤمنين قال فما تكراه من ذلك وقد كان ابوك يقضي قال اني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من كان قاضياً فقصي بالعدل فبالحرى ان ينقلب منه كفافاً فما ارجو بعد ذلك

عبد اللہ بن موهب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا جاؤ لوگوں کے درمیان فیصلے کرو۔ حضرت ابن عمر نے کہا اے امیر المؤمنین آپ مجھے اس سے معاف رکھیں۔ حضرت عثمان نے کہا تم کس وجہ سے اس کو ناپسند کرتے ہو جانکے تمہارے والد قضاء کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص قاضی بنا اور اس نے انسان سے فیصلے کیے تو وہ اس بات کا سزاوار ہے کہ اس کا ساق برابر برابر کر دیا جائے۔ حضرت ابن عمر نے کہا: کیا اس حدیث کو سننے کے بعد میں قضا کی خواہش کروں گا؟

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ولی القضاء وجعل قاضیا بین الناس فقد ذبح بغير مسکین۔
اس حدیث کو امام ابو داؤد نے بھی کئی اسانید سے روایت کیا ہے، نیز اس حدیث کو امام دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں شخص کو منصب قضا سونپا گیا یا فرمایا جو شخص لوگوں کا قاضی بنایا گیا اس کو نیز چھری کے ڈبچہ کر دیا گیا۔

۱۔ علامہ عبد الرحمن بن عابد بن متوفی ۸۰۸ھ، مقدمہ ابن عابد بن مترجم ج ۲ ص ۳۵-۳۴، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی طبع ۱۹۸۰ء

۲۔ امام ابویوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۰۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۱۰، مطبوعہ نوز محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۳۔ جامع ترمذی ص ۲۱۰

۴۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۰۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۲۷، مطبوعہ مطبع مجتہدی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

۵۔ امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۰۴، مطبوعہ نشر السنۃ عمان

عن بریدۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
قال القضاء ثلاثة واحد في الجنة واثنان في النار
فاما الذي في الجنة فوجل عرف الحق فقضى
به ورجل عرف الحق فجار في الحكم فهو في النار
رجل قضى للناس على جهل فهو في النار

ماظہ الیمنی بیان کرتے ہیں:

عن عائشة قالت سمعت رسول الله صلى
الله عليه وسلم يقول ليا تين على القاضي
العدل يوم القيمة ساعة يتسدى انهما لم يقض
بين اثنين في ثمرة قط (سواة احمد و
اسناد حسن وسواة الطبراني في الاوسط)

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ
وسلم قال ما من امیر عشرة الا یوقی بہ يوم
القيمة مغلولاً لا یفکھ الا العدل - رواہ احمد
ورجالہ رجال الصحیح

عن عبد الله بن عمر قال قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم من كان قاضياً
فقضى بجهل كان من اهل النار ومن كان
قاضياً عالماً فقضى بحق او بعدل سأل
تقلب كفافاً فما ارجوا بعد هذا - رواہ
الطبراني في الكبير والاوسط والبیہار
واحمد كلاهما باختصار ورجالہ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا: قاضیوں کی تین قسمیں ہیں ایک جنت میں ہوگا اور دوسرے میں
ہوں گے جنت میں وہ شخص ہوگا جس کو حق کا علم ہوگا اور وہ اس کے
مطابق فیصلہ کرے گا اور جس شخص کو حق کا علم ہو اور پھر وہ فیصلہ میں ظلم
کرے وہ جہنم میں ہوگا اور جو شخص بیوقوف کے لوگوں کے فیصلے کرے
وہ بھی جہنم میں ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن قاضی
عادل پر یقیناً ایک ایسی گھڑی آئے گی جس پر دینا کرے گا کہ کاش اس
نے دو آدمیوں کے درمیان ایک کھجور کا بھی فیصلہ نہ کیا ہو۔ اس
حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے اور اس
کو امام طبرانی نے بھی "اوسط" میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا سو شخص دس آدمیوں کا بھی امیر رہا ہوگا اس کے گئے
میں قیامت کے دن طوق ڈال کر لایا جائے گا اور اسے دھل کے سوا کوئی
نہیں چمڑا سکے گا، اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور
اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قاضی ہو اور بیوقوف کے فیصلے
کرے وہ جہنم میں سے ہے اور جو قاضی عالم ہو اور عدل سے
فیصلہ کرے وہ یہ سوال کرے گا کہ اس کے ساتھ برابر ہو رہا ہے یا نہیں
دیا جائے۔ حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ اس حدیث کو سننے کے بعد میں
تقاضا کی خواہش نہیں کرتا۔ امام طبرانی نے اس کو معجم کبیر اور اوسط میں
روایت کیا ہے اور امام احمد اور امام بیہار نے اس کو اختصار سے

۱۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث مترقی ۲۷۵، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۳۷، مطبوعہ مطبع مہتابی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

۲۔ حافظ ذوالدین علی بن ابی بکر الہیثمی مترقی ۷۰۷، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۹۲، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ

۳۔ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۹۲-۱۹۳،

ثقات ۱۰

روایت کیا ہے اور اس کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

عن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من حاكم يحكم بين الناس الا جاء يوم القيمة وملك آخذ بقفاة ثم يرفعها من السماء فان قال القه القاء في مهواة اربعين حريقاً ۱۰

اس حدیث کو امام دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے۔ ۱۱

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

عن ابي سعيد الخدري قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يقضى القاضى الا وهو سبعان ريان ۱۲

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے گا قیامت کے دن ایک فرشتہ اس کا گتہ کر پکڑ کر لائے گا پھر اس کا سر اس کی طرف بند کرے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کو پھینک دو تو وہ اس کو چالیس سال کی گہرائی تک جہنم کے گڑھے میں پھینک دے گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قاضی شکم سیر اور سیلاب ہو صرف اسی وقت فیصلہ کرے۔

سلف صالحین کا منصب قضاء کو قبول کرنے سے گریز ان احادیث کی بناء پر اکثر سلف صالحین سے منقول ہے کہ وہ منصب قضاء کو قبول کرنے سے گھبراتے تھے اور

نہ اردن مشتق اور مصر میں بر داشت کرتے لیکن قضاء کا عہدہ قبول نہیں کرتے تھے، امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے روز عادل قاضی کو (خدا کے حضور) پیش کیا جائے گا جس کو اپنے محنت حساب و کتاب کا سامنا ہوگا۔ وہ یہ تنا کرے گا کہ کاش اس نے فریقین میں کوئی فیصلہ نہ کیا ہوتا۔ اس حدیث میں عادل قاضی کے خوف حساب کا ذکر ہے اور جب عادل قاضی کا یہ حال ہوگا تو ظالم قاضی کا کیا حشر ہوگا؟

امام حسان ذکر کرتے ہیں کہ حضرت مسعود بن صوحان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مقام ذی قارب (پیار کی چوٹی) پر کھڑے ہو کر ہمارے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا: لوگو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: قیامت کے دن ہر ملکہ اور قاضی کو ٹی صراط پر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ پھر فرشتے رطایا اور ماتحت لوگوں کے ساتھ اس کے طرز عمل کے بارے میں اس کے نام اعمال کا اعلان کریں گے۔ خواہ وہ ملکہ یا قاضی عادل ہو یا ظالم اور وہ مجمع عام میں اس کا اعمال نامہ پڑھ کر سنائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ویوم یقوم الاشهاد (مؤمن ۵۱) جس دن گواہ گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوں گے اگر وہ ملکہ یا قاضی عادل تھا تو اس کے بدل و انصاف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو نجات دے گا اور اگر وہ ظالم تھا تو پل صراط اس کی وجہ

۱۰۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی متوفی ۸۵۰ھ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۹۳۔ مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۳۰۲ھ

۱۱۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۶۸، مطبوعہ مطبعہ مجتہدانی پاکستان لاہور، ۱۳۰۴ھ

۱۲۔ امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۰۵، مطبوعہ نشر السنۃ عمان

۱۳۔ سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۰۶

۱۴۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۶ ص ۷۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

سے اس قدر لرزے لگا کہ اس کے جسم کے اعضاء بکھر کر سو سو میل کے فاصلوں پر جا گریں گے۔
اس مضمون کی حدیث علامہ علی نقی نے امام طبرانی کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ لہٰذا اور حافظ ذہبی نے بھی اس مضمون کی حدیث امام طبرانی کے حوالے سے بیان کی ہے۔

اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ منصب قضاء سے گریز کرنا چاہیے۔ امام بیہقی نے بیان کیا ہے کہ ابو ظلابہ کو منصب قضاء سے منع کرنے کی دعوت دی گئی تو وہ شام کی طرف بھاگ گئے اتفاق سے انہی دنوں وہاں کے قاضی صاحب بھی معزول ہوئے تھے، وہاں سے بھاگ کر یامہ پہنچے، یامہ پہنچ کر انہوں نے کہا: "قاضی دریا میں تیرے والے کی مادی ہے، ہو سکتا ہے وہ تیرے تیرے دریا میں غرق ہو جائے"۔ لہٰذا ابو ظلابہ کے اس قول کی تشریح یہ ہے کہ بالعموم دریا میں تیرے والے کا انجام ہلاکت ہوتا ہے، سلامتی اور نجات تو شاذ و نادر ہوتی ہے، اس طرح منصب قضاء قبول کرنے والا بھی بالعموم ہلاک ہو جاتا ہے اور شاذ و نادر ہی نجات پاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو ابو ظلابہ کا یہ قول پہنچ گیا تھا کیونکہ انہوں نے بھی امام ابو یوسف سے کہا تھا: اگر مجھے تیرے والد کو دیا عبور کرنے کے لیے کہا جائے تو کیا میں ایسا کر سکتا ہوں۔

امام دیکھ لکھتے ہیں: حکم بن ابی ب نے منصب قضاء پر مامور کرنے کے لیے ایک جماعت کو حکم نامہ لکھا، ابو الشثاء جابر بن زید بن عمرو کہتے ہیں کہ انہوں نے مجھے خط لکھا اودیہ ذکر کیا کہ ان میں میرا بھی نام ہے، ابو الشثاء نے کہا اس دنیا میں میری ساری چوکنجائی یہ گدھ ہے اگر واقعی انہوں نے مجھے قاضی مقرر کیا ہے تو میں اس گدھے پر سوار ہو کر رو پرش ہو جاؤں گا۔

علامہ سرخسی لکھتے ہیں کہ قاضی شریک نے کہا قضا تو انگڑے کی مانند ہے، دو کڑیوں (یعنی دو گواہوں) کی مدد سے اس کو دوڑ کر دے اس کی تشریح یہ ہے کہ جب فریقین مؤدب ہو کر قاضی کے سامنے بیٹھتے ہیں تو آگ کی آچ قاضی کی طرف بڑھتی ہے اس کو چاہیے کہ وہ دو گواہوں کی مدد سے اپنی ذات کو اس سوزن نش دحرارت سے محفوظ رکھے۔ اگر اس نے گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر فیصلہ کیا تو اس نے اپنی ذات کو جلنے سے بچایا اور اگر اس نے اس کے برعکس فیصلہ کیا تو اس نے اپنی ذات کو جلا دیا۔

عبد الرحمن بن غنم اشعری فرماتے ہیں کہ زمین کے حاکم پر قوت ہے جو اس دن سے نہ ڈرے جب آسمان کا حاکم اس کو جہنم میں ڈالے گا۔ البتہ (روز قیامت) ایسا حاکم (قاضی) بھی ہو گا جس نے دل و انصاف اختیار کر کے حق کے مطابق فیصلہ کیا، نفسانی خواہشات اور قربت داری کو پیش نظر نہیں رکھا اور نہ ہی پانچ اور عروت کی وجہ سے فیصلہ کیا بلکہ اللہ کی کتاب کو پیش نظر رکھا۔

سفیان ثوری کو منصب قضاء کے لیے بلایا گیا تو وہ بعصر میں جا کر چھپ گئے اور وہیں فوت ہو گئے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو کورسے لگائے گئے اور تین بار قید میں ڈالا گیا لیکن آپ نے منصب قضاء قبول نہیں کیا حتیٰ کہ قید خانہ میں ہی آپ فوت ہو گئے۔

۱۔ علامہ علی نقی بن حزام الدین ہندی بریلوی چندی متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۷ ص ۲۰۔ مطبوعہ مکتبۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۵ھ

۲۔ حافظ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، نصب اللہ ج ۲ ص ۶۶، مطبوعہ مجلس ملی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ

۳۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۱ ص ۱۰۷، مطبوعہ مکتبۃ النشر السنۃ عمان

۴۔ امام دیکھ تاجی محمد بن خلف ثخان متوفی ۳۰۶ھ، اخبار العتبات ج ۱ ص ۲۳-۲۲، مطبوعہ الاستقامۃ قاہرہ، ۱۹۴۷ھ

۵۔ شمس الدین محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱ ص ۶۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ

۶۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۱ ص ۱۱۷، مطبوعہ مکتبۃ النشر السنۃ عمان

قرآن مجید کی روشنی میں منصب قضاء قبول کرنے کا بیان | اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

يَا دَاوُدَ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْاَرْضِ
فَاَحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى

(ص: ۲۶۱)

وَاِنْ حَكَمْتَ
بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يَحِبُّ الْمَقْسُطِيْنَ

(مائتہ و ۲۲)

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ
بِالْقِسْطِ - (نساء: ۱۳۵)

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَنْ
لَّا تَعْدِلُوْا اَعْدِلُوْا هُوَ اقْرَبُ لِلتَّقْوٰى -

(مائتہ و ۸۰)

وَاقْسُطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يَحِبُّ الْمَقْسُطِيْنَ

(ہجرات: ۸۱)

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى

(انعام: ۱۵۲)

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا

(نساء: ۵۸)

بِالْعَدْلِ -

”اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے تو تم
لوگوں میں حق اور انصاف کے ساتھ فیصلے کرو اور غواہشات کی پیروی
نہ کرو

اور اگر آپ اللہ کے درمیان فیصلہ کریں تو عدل کے ساتھ
فیصلہ کریں سبے شک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں کو محبوب
رکھتا ہے۔

اے ایمان والو! انصاف پر اچھی طرح قائم رہنے والے
ہو جاؤ۔

کسی قوم سے عداوت تم کو اس پر برا سمجھنا نہ کرے کہ تم عدل
نہ کرو تم (میں سے) عدل کرتے رہو کیونکہ وہ خدا خوفی کے زیادہ
قریب ہے۔

اور انصاف کرو سبے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں
کو بہت محبوب رکھتا ہے۔

اور جب تم کچھ کو تو حق بات کہو خواہ تمہارا قریبی رشتہ دار
ہو۔

اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ
فیصلہ کرو۔

احادیث کی روشنی میں منصب قضاء قبول کرنے کا بیان | امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا فِىْ اِثْنَتَيْنِ رَجُلٌ اَتَاهُ
اللّٰهُ مَا لَا فِىْ سُلْطَةٍ عَلَيْهِ فَاَحْكُمَ فِى الْحَقِّ وَرَجُلٌ
اَتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةُ فَهُوَ يَقْضِىْ بَيْنَهُمَا وَيَعْلَمُهَا بَيْنَهُمَا

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا جائز
ہے ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ اس کو حق کے
راستوں میں خرچ کرتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا
وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔

عن ابي ايوب قال قال رسول الله صلى
الله عليه وسلم يد الله مع القاضى حين يقضى
ويد الله مع القائم حين يقسم له

حضرت البراء بن ربیع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قاضی فیصلہ کرتا ہے تو اس پر اللہ کا لہقہ جوتا ہے اور جب قاسم تقسیم کرتا ہے تو اس پر اللہ فتالی کا لہقہ جوتا ہے۔

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن معقل بن يسار عن النبي في قال امرني
رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اقصي بين
قوم فقلت ما احسن ان اقصي يا رسول الله
قال يد الله مع القاصي ما لم يحف عمداً
رواه احمد والطبراني في الكبير والاوسط

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قوم کے درمیان فیصلہ کرنے کا حکم دیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اچھی طرح فیصلہ نہیں کر سکتا! آپ نے فرمایا جب تک قاضی عدل ظلم نہ کرے اس پر اللہ کا ہاتھ جوتا ہے۔ اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

عن ابى هريرة رضى الله تعالى عنه
قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
من ولي من امر المسلمين ولايته وكانت
بنية الحق وكل الله به ملكين يوقفانه
ويرشدانه ومن ولي من امر المسلمين
شيئا وكانت نيته غير الحق وكل
الله الى نفسه رواه الطبراني في الاوسط
والبيزار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی وہ ان کا ایکہ اس کی نیت حق کے مطابق کام کرنے کی تھی تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ دو فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو اس کو بہتلاتے ہیں اور اس کی حق کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، اور جس شخص کو مسلمانوں کا کوئی عہدہ دیا گیا وہ ان کا ایکہ اس کی نیت حق کے مطابق کام کرنے کی تھی تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے نفس کے سپرد کر دیتا ہے اس حدیث کو امام طبرانی اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

ہر چند کہ حافظ الہی شفی نے لکھا ہے کہ مؤخر الذکر دونوں حدیثوں کی سند ضعیف ہے تاہم فضائل و اعمال میں جو کچھ حدیث ضعیف بھی حجت ہوتی ہے اسی لیے ہم نے ان حدیثوں کو مدور استدلال میں ذکر کیا ہے۔
نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: سبعة يظلهم الله في ظله يوم لا

حضرت البہرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دن اللہ کے سایہ (رحمت) کے سوا کسی کامات

۱۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۲، مطبعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ۔

٤٥ - حافظ زور الدين علي بن أبي بكر الجيوشي متوفى ٨٠٤ هـ، مجمع الزوائد ج ٢ ص ١٩٣، مطبوعه دار الكتب العربيه، ١٣٠٢ هـ

" " " " " جمع الزوائد ج ٢ ص ١٩٢ " " "

ظل الاظلم، الامام العادل، وشاب نشأ
بعیادۃ اللہ، ورجل قلبہ معلق فی المساجد
ورجلان تمحبا فی اللہ عز وجل اجتماعا
علیہ وتفرقا علیہ ورجل دعوتہ امرأتہ
ذات منصب وجمال، فقال انی اخاف
اللہ ورجل تصدق فافقأها حق لا تعلم
یمینہ ما تتفق شہالہ۔ ۱۷

نہیں ہوگا اس دن ملت شخص اللہ کے سامنے میں ہوں گے، انعام
کرنے والا امام، وہ نوجوان میں کی نشوونما اللہ کی عبادت میں ہوئی۔
وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہے، وہ دو آدمی جو اللہ کی وجہ سے
آپس میں محبت رکھتے ہوں، اللہ کی وجہ سے ملتے ہوں اور اس کی
وجہ سے جدا ہوتے ہوں، وہ شخص جس کو کسی حسین اور با اختیار عورت
نے گناہ کی دعوت دی اور اس نے کہا میں اللہ سے ڈرتا ہوں وہ
شخص جس نے چپا کر صدقہ کیا حتیٰ کہ دائیں ہاتھ کو تپانہ چلا کر بائیں
ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

ما نفل ذمی لبرالی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:
عن ابن عباس قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یوم من امام عادل
افضل من عبادۃ ستین سنۃ وحد
یقام فی الارض بحقہ ازکی فیہا من مطر
اربعین یوما۔ ۱۸
امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انعام کرنے والے امام کا ایک
دن ساڑھے سال کی عبادت سے افضل ہے اور زمین پر حد قائم کرنا
چالیس سال کی بارش سے زیادہ پاکیزگی اور صفائی کرنے والا
ہے۔

عن عبد اللہ بن عمرو ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان المقسطین
فی الدنیا علی منابر من نور، عن یمین
الرحمان وکلتا یدیه یمین الذین
یعدلون فی حکمهم واهلهم وما
وتوا۔ ۱۹

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا میں عدل و انعام کرنے والے
(قیامت کے دن) رحمان کی دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں
گے اور اللہ کے دونوں دائیں ہاتھ میں، یہ وہ لوگ ہیں جو حکم کرتے
وقت انعام کرتے ہیں، اپنے اہل و عیال اور جو کام ان کے سپرد
ہوں۔ ان میں انعام سے کام لیتے ہیں (یعنی کسی کی مدد و حمایت نہیں
کرتے)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:
عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم ان احب الناس الی اللہ یوم

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک

۱۷۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۱، مطبوعہ نذر محمد اصح المطابع کراچی، الطبعة الاولیٰ ۱۳۸۱ھ

۱۸۔ حافظ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف ذمینی متوفی ۷۲۲ھ، نصب الایہ ج ۲ ص ۶۷، مطبوعہ مجلس علمی سورۃ بند، ۱۳۵۷ھ

۱۹۔ امام ابو نعیم مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۱، مطبوعہ نذر محمد اصح المطابع کراچی، الطبعة الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

القيمة وادناهم مجلساً امام عادلاً وابعض
الناس الى الله وابعدهم منه مجلساً امام
جائزاً

سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ اسی کے قریب وہ شخص
ہوگا جو انصاف کرنے والا حاکم ہو اور اللہ کے نزدیک سب سے محبوب
اور سب سے دور وہ شخص ہوگا جو ظلم کرنے والا حاکم ہو۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قاضی کے لیے ایک دن کے عادلانہ فیصلہ کرنے کا اجر اس شخص کے اجر سے زیادہ دھڑکھڑکے
جواپنے گھر میں ساٹھ یا ستر سال ناز پر مختار ہے۔ نیز حضرت حسن بصری فرماتے ہیں قاضی کے انصاف کی وجہ سے مسلمانوں کے گھروں میں خیر
اور بھلائی پہنچ جاتی ہے کیونکہ عدل و انصاف کی وجہ سے ان پر باران رحمت کا نزول ہوتا ہے جبکہ قاضی کے ظلم کی وجہ سے وہ قحط کا شکار
ہو جاتے ہیں اس لیے قضا کے عادلانہ فیصلہ کا ثقیل جملہ مسلمانوں کے ساتھ ہے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عادلانہ فیصلہ خلق
کی فریادوں کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے سے روک لیتا ہے۔ اور غیر عادلانہ فیصلہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تک براہ راست شکایات کا سلسلہ برپا
ہوتا ہے۔

منصب قضا قبول کرنے کا حکم امام خصاف فرماتے ہیں ہمیں بہت سی ایسی احادیث ملتی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ منصب قضا
قبول کرنا ایک ناپسندیدہ امر ہے، بعض صالح اور نیک حضرات نے اس منصب کو قبول کیا
اور کچھ صالح و نیک حضرات ایسے ہی جنہوں نے اس سے اجتناب کیا مگر اس منصب کو قبول کرنا دین و دنیا میں بھلائی کا موجب ہے۔
اور ان میں سے کچھ یہ منصب قبول کر لیں تو پھر امام خصاف کا یہ قول اس صورت پر محمول ہے جب کسی شہر میں بہت سے نیک اور صاحب علم
حضرات موجود ہوں اگر ان میں سے کوئی ایک شخص یہ منصب قبول نہ کرے تو وہ گنہگار نہ ہوگا اور اگر کچھ شہر میں صرف ایک اہل شخص ہو
جو نیک اور صاحب علم ہو اور پھر بھی وہ اس منصب کو قبول نہ کرے تو وہ گنہگار ہوگا۔

اگر کسی شہر میں بہت سے نیک اور صاحب علم لوگ ہوں اور وہ سب اس منصب کو قبول کرنے سے انکار کر دیں اور حاکم وقت
بھی بذات خود مقدمات کے فیصلے نہ کرتا ہو تو وہ سب لوگ گنہگار ہوں گے، کیونکہ اس صورت میں احکام الہی کی تعمیل نہیں ہوگی اور اگر سب
لوگ اس منصب سے کنارہ کشی کرتے ہوئے ایک جاہل آدمی کو یہ منصب تفویض کر دیں تو یہ سب لوگ گنہگار ہوں گے کیونکہ جاہل
شخص احکام الہی کی دعیمیاں بکھیر دے گا۔ علامہ ابن ہمام نے بزاز پر کے حوالے سے لکھا ہے کہ منصب قضا کو قبول کرنا فرض کفایہ ہے۔

عہدہ قضا کی مذمت میں وارد احادیث کا محمل علامہ ابو الحسن علی بن غیل کھتے ہیں: منصب قضا کو قبول کرنا فرض
کفایہ ہے اور امت کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ قضا کو قائم
کرنا واجب ہے، اور اگر شہر میں صرف ایک شخص قضا کا اہل ہو جس میں قضا کی شرائط پائی جاتی ہوں تو اس پر اس منصب کو قبول کرنا واجب
ہے اور اگر وہ قضا قبول نہ کرے تو اس کو قضا قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

اکثر علماء اور مصنفین نے منصب قضا سے احتراز کر بیان کرنے میں بہت مبالغہ کیا ہے اور منصب قضا سے اعراف اور فرائض
بہت فضیلت بیان کی ہے مگر یہ سب کچھ بہت سے فقہاء اور صاحبین کے دماغوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جس نے منصب قضا کو قبول کر لیا
اس کا دین خطہ میں پر ڈال دیا اور اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال لیا یہ بات بالکل غلط ہے اور اس سے رجوع اور توبہ کرنا واجب ہے

۱۔ امام ابو یوسف محمد بن یوسف ترمذی متوفی ۲۴۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۱۱-۲۱۰، مطبوعہ دار فائدہ تجارت کتب کراچی

۲۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۲۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۳۵۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھ

بلکہ اس عظیم منصب کی تنظیم کرنا ضروری ہے، انبیاء علیہم السلام کی پشت کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مظلوم تک اس کا حق پہنچایا جائے، اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کیا جائے اور عدل و انصاف کو بھیلایا جائے اور اس عدل و انصاف کی وجہ ہی سے زمین و آسمان قائم ہیں، قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں تضاد کی بہت تفصیلات بیان کی گئی ہے (جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں) اور جن احادیث میں قاضیوں پر وعید کا ذکر ہے وہ ظالم اور جاہل قاضیوں سے متعلق ہیں اور جس حدیث میں ہے: "مَنْ شَخْصٍ كَرِهَ قَاضِيًا بَدَا لِيْكَ اِسِيْرٌ" (جو شخص کو قاضی بنا دیا گیا اس کو بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔ (ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارقطنی و غیرہ) بعض علماء نے کہا اس حدیث میں منصب تضاد کو قبول کرنے سے اجتناب اور احتراز کی ہدایت دی گئی ہے اور بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث منصب تضاد کی غلطی اور تفصیلات کی دلیل ہے کیونکہ جو شخص منصب تضاد کو قبول کرتا ہے وہ اپنے نفس اور اپنی عوامی اشیاء سے جہاد کرتا ہے اور جو شخص حق اور انصاف کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ گویا راہ حق میں بغیر چھری کے ذبح کر دیا جاتا ہے کیونکہ جو شخص حق اور انصاف کے مطابق فیصلہ کرتا ہے تو اہل ہوا اور باطل پرست اس کے دشمن ہو جاتے ہیں کبھی قاضی کا فیصلہ کسی بہت مالدار اور صاحب اثر و رشور کے خلاف ہوتا ہے اور کبھی اس کا فیصلہ حکومت وقت کے خلاف ہوتا ہے اور ان کے خلاف فیصلہ کرنا اپنی جان، مال اور عزت کو خطرہ میں ڈالنا ہے اور انکار دہی سے کیلتا ہے، پس قاضی حق اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کر کے راہ حق میں ذبح ہو کر شہداء کے ساتھ واصل ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی ابن ابیطالب، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت متقی بن یسار رضی اللہ عنہم کو قاضی مقرر کیا پس سنا تضاد سے بچنے کے بارے میں جو احادیث ہیں وہ ظالمانہ فیصلے اور مراءش نفس کی پیروی کرنے والوں کے بارے میں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: قاضیوں کی تین قسمیں ہیں، دو قسم کے قاضی جہنم میں جائیں گے اور ایک قاضی جنت میں جائے گا، جو قاضی حق کے مطابق فیصلہ کرے گا وہ جنت میں جائے گا، اور جو قاضی عداً حق سے انحراف کر کے ظالمانہ فیصلہ کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اور جو قاضی جہالت سے فیصلہ کرے گا اور اہل علم سے پرچنے میں عار محسوس کرے گا وہ بھی جہنم میں جائے گا۔ یہ حدیث ظالم اور جاہل قاضی کے متعلق ہے لیکن جو شخص حق اور انصاف کے مطابق فیصلہ کرنے کی کوشش کرے اور کوشش کے باوجود اس کو فیصلہ میں غلطی لاحق ہو جائے وہ مجرم نہیں ہے بلکہ اس کو بھی اپنی کوشش کرنے کا ایک اجر ملے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حاکم اجتہاد کرے اور صحیح فیصلہ پر پہنچ جائے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر وہ غلط فیصلہ پر پہنچے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَدَاؤُدُ وَسُلَيْمَانُ إِذْ يَحْكُمُونَ فِي الْحَرَّةِ
إِذْ نَقِشَتَ فِيهِ غَنَمَ الْقَوْمِ وَكُنَّا لَحَكَمِهِمْ
شَاهِدِينَ فَقَوْمُهُمْ سُلَيْمَانُ وَكَلا
إِتَيْنَاهُمَا حُكْمًا وَعِلْمًا۔
(انبیاء: ۷۸، ۷۹)

اور ہم نے ان دونوں کو نبوت اور علم سے نوازا تھا۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ
سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ۔
(العنکبوت: ۶۹)

وہ لوگ جو ہماری رضا جوئی میں جدوجہد کرتے ہیں، ہم ضرور ان کو اپنے راستے دکھائیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ ضرور نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

عہدہ قضاء سے سلف صالحین کے گریز کی توجیہ | یعنی ائمہ مذاہب نے یہ کہا ہے کہ منصب قضاء ایک آزمائش ہے اور جس شخص نے عہدہ قضاء کو قبول کر لیا اس نے اپنے آپ کو ہمت

کے لیے پیش کر دیا، کیونکہ جو شخص اس میں مبتلا ہو جائے اس کا نجات پانا بہت مشکل ہے اور ابوظلابہ نے کہا کہ جو قاضی عالم ہوا اس کی مثال سمندر میں تیرنے والے کی طرح ہے اور کم لوگ ہی تیر کر سمندر کو عبور کر سکتے ہیں، اور بعض ائمہ نے کہا کہ متعین کا شاہد عہدہ قضا سے دوسرا ہے اور ایک جماعت کو جب عہدہ قضاء تفویض کیا گیا تو وہ اپنا شہر چھوڑ کر بھاگ گئے اور منصب قضاء قبول کرنے کی بجائے انہوں نے اذیتیں برداشت کرنے کو اختیار کر لیا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے بہت تکلیفوں، صعوبتوں اور اذیتوں کو برداشت کیا اور عہدہ قضاء قبول نہیں کیا اور ابوظلابہ اپنا شہر چھوڑ کر بھاگ گئے اور عہدہ قضاء قبول نہیں کیا۔ ان تمام بزرگوں کے اقوال کا مہمل حصہ ہے کہ جس شخص میں صنعت ہو اور جو پیام دہی سے اپنی دلتے کا اظہار نہ کر سکتا ہو اور جو شخص مستقل مزاجی سے فرائض قضاء کو انجام نہ دے سکتا ہو وہ شخص عہدہ قضاء کو قبول نہ کرے اسی طرح وہ شخص بھی اس عہدہ کو قبول نہ کرے جو علی وجہ البعیرت یہ سمجھتا ہو کہ وہ عہدہ قضاء کا اہل نہیں ہے خواہ لوگ اس کو اس عہدہ کا اہل سمجھتے ہوں۔ ۱۰

فرضیت قضاء کا بیان | ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی کہتے ہیں: قاضی کو مقرر کرنا فرض ہے کیونکہ قاضی کو ایک فرض کے قائم کرنے کے لیے مقرر کیا جاتا ہے اور وہ فرض قضاء ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا:

يَا دَاوُدُ اَنَا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْاَرْضِ
فاحكم بين الناس بالحق (ص ۲۶۱)
اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے تو تم لوگوں میں حق اور انصاف کے ساتھ فیصلے کرو۔

فاحكم بينهم بما اُنزل الله (مائدہ: ۴۸) آپ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب یعنی قرآن مجید کے مطابق فیصلے کیجئے اس سبب سے فرض کو قائم کرنے کے لیے قاضی کو مقرر کرنا فرض ہے نیز اس میں اتفاق ہے کہ سربراہ مملکت کا تقرر کرنا فرض ہے، کیونکہ اس کی فرضیت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے، کیونکہ احکام نافذ کرنے، ظالم سے مظلوم کا حق دلانے اور مقتدات کا فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے اور ان امور کو سربراہ مملکت ہی قائم کر سکتا ہے اور یہ چیز بدانتہ معلوم ہے کہ سربراہ مملکت خود تمام مقدمات کا فیصلہ نہیں کر سکتا اور نہ تمام علاقوں کا خود بنفس نفیس انتظام کر سکتا ہے اس لیے ان امور کو قائم کرنے کے لیے اس کے نائب اور قائم مقام کی ضرورت ہے۔ اور وہ قاضی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف شہروں میں قاضیوں کا تقرر فرماتے تھے۔ سو آپ نے حضرت مساذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا اور حضرت غناب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کا قاضی مقرر فرمایا پس قاضیوں کا تقرر کرنا امام کی ضروریات میں سے ہے اس لیے یہ فرض ہے، امام محمد نے اس کو فریضہ منکر فرمایا ہے کیونکہ اس حکم کے منسوخ ہونے کا احتمال نہیں ہے کہ اس حکم کا وجوب عقل سے ہے اور حکم عقلی منسوخ ہونے کا احتمال نہیں رکھتا۔ ۱۱

۱۰۔ علامہ ملاذ الدین ابو الحسن علی بن فضال طرابلسی حنفی، مبین الکلام ص ۹۰، مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر، ۱۳۱۰ھ

۱۱۔ ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۵، ص ۲، مطبوعہ ایچ، ایم سید انڈیا کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

قضاء کی اقسام | فتاویٰ مالکیہ میں ہے قضاء اصل میں ایک محکمہ فریضہ اور لائق اتباع سنت ہے، محابہ اور تابعین نے عہدہ قضاء کو قبول کیا اور سلف صالحین کا اس پر عمل رہا ہے لیکن یہ فریضہ کفایہ ہے (کافی) قضا کی پانچ اقسام ہیں:

(۱) اگر قضا کی صلاحیت رکھنے والا صرف ایک شخص ہو اور اس کے علاوہ کوئی اور شخص نہ ہو تو وہ شخص قضا کے لیے متین ہے اور اس پر عہدہ قضاء کو قبول کرنا واجب ہے۔

(ب) اگر قضا کی صلاحیت رکھنے والے متعدد شخص ہوں لیکن ایک شخص ان سب میں زیادہ صلاحیت رکھتا ہو تو اس پر قضا کو قبول کرنا مستحب ہے۔

(ج) اگر قضا کی صلاحیت اور اس منصب کو قائم کرنے میں سب برابر ہوں تو ان کے لیے قضا کو قبول کرنا مباح ہے، ان میں سے کوئی شخص قضا کو قبول کرے یا نہ کرے کوئی حرج نہیں ہے۔

(د) اگر ایک شخص قضا کی صلاحیت رکھتا ہو لیکن دوسرا اس سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہو تو اس کے مقابلہ میں قضا کو قبول کرنا مکروہ ہے۔

(۴) ایک شخص کو علم ہو کہ وہ منصب قضا کو قائم کرنے سے عاجز ہے اور چونکہ وہ خواہش نفس کا پیروکار ہے اس لیے انصاف کے تقاضے پر اسے نہیں کر سکتا اور لوگوں کو اس کا علم نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے قضا کو قبول کرنا حرام ہے۔ (خزانة المفتین)۔ بلکہ ایک علامہ علامہ کاسانی نے اہلیت قضا کے لیے حسب ذیل شرائط ذکر کی ہیں:

اہلیت قضا کی شرائط | (۱) عقل (۲) بلوغ (۳) اسلام (۴) حریت (۵) بصر (۶) نطق یعنی گونگا نہ ہو (۷) اس شخص پر حد نقد نہ لگی ہو پس مجنون بچے، اسافر، غلام، اندھے، گونگے، اور جس شخص کو تہمت لگانے کی وجہ سے حد نقد لگ چکی ہو اس کو قاضی مقرر کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ قاضی ایک عظیم ولی (متصرف فی الامور) ہوتا ہے (کیونکہ جو شخص کسی علاقے کا قاضی ہوتا ہے وہ اس علاقہ میں متصرف ہوتا ہے اور اس کے احکام اس علاقہ میں نافذ ہوتے ہیں)۔ اور جس شخص میں یہ شرائط نہ ہوں وہ تو اس سے کم درجہ کی اہلیت یعنی شہادت دینے کا بھی اہل نہیں ہوتا پھر جائیکہ وہ قضا کا اہل ہو۔ اور ذکور (یعنی مرد ہونا) عہدہ قضا تفویض کرنے کے جواز کی شرط نہیں ہے کیونکہ عورت بھی فی الجملہ شہادت کی اہل ہے مگر عورت حدود اور قصاص میں عہدہ قضا کی اہل نہیں ہے کیونکہ حدود اور قصاص میں عورت کی شہادت جائز نہیں ہے اور قاضی وہی شخص ہو سکتا ہے جو شہادت دے سکتا ہو۔

ایسا حلال اور حرام اور باقی احکام شریعہ کا علم بھی عہدہ قضا کو تفویض کرنے کے جواز کی شرط ہے؛ سو ہمارے نزدیک یہ جواز کی شرط نہیں ہے بلکہ مذہب اور استنباط کی شرط ہے، اور محدثین کے نزدیک نہ صرف احکام شریعہ کا علم ہونا بلکہ غیر مفہوم مسائل میں اجتہاد کی اہلیت رکھنا بھی عہدہ قضا کی تفویض کے جواز کی شرط ہے اسی طرح ان کے نزدیک سہ براہ مملکت کے تقرر کے لیے بھی یہ اہلیت شرط ہے اور ہمارے نزدیک سہ براہ مملکت کے تقرر کے لیے احکام شریعہ کے علم اور اہلیت اجتہاد کی شرط نہیں ہے کیونکہ یہ جائز ہے کہ وہ اہل علم سے فتاویٰ حاصل کر کے ان کے مطابق عمل کرے، اس طرح قاضی کے تقرر کے لیے بھی علم اور اجتہاد کی شرط نہیں ہے، اس کے باوجود جو شخص احکام شریعہ سے جاہل ہو اس کو منصب قضا نہیں سونپنا چاہیے، کیونکہ جو شخص جاہل ہو گا وہ اصلاح کی بجائے فساد زیادہ کرے گا اور اکثر لاعلمی کی وجہ سے غلط اور باطل فیصلے کرے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث مروی ہے کہ

تقاضیوں کی تین قسمیں ہیں ایک قاضی جنت میں جائے گا اور دوسرے جہنم میں۔ جو شخص صاحب علم ہو اور وہ اپنے علم کے مطابق فیصلے کرے وہ جنت میں جائے گا اور جو شخص علم کے باوجود علم کے خلاف فیصلے کرے وہ جہنم میں جائے گا اور جو شخص جاہل ہو اور جہالت سے فیصلے کرے وہ جہنم میں جائے گا۔ البتہ ہمارے نزدیک جاہل کو قضاء کا منصب تفویض کرنا فی نفسہ جائز ہے کیونکہ وہ علماء سے فتاویٰ حاصل کر کے حق اور انصاف کے مطابق فیصلے کر سکتا ہے لیکن یہ قبیح وغیرہ ہے اسی طرح ہمارے نزدیک وہ ظالم اور جائز جو شرع سے متجاوز نہ ہو اس کا تقرر بھی جائز ہے اور اس کے فیصلے نافذ ہو جائیں گے اور ہمارے نزدیک اس کی مثال بیع فاسد کی طرح ہے۔

ہمارے نزدیک منصب قضاء کے لیے عدالت (یعنی اور پر ہیئر گاری) بھی شرط نہیں ہے البتہ یہ کمال اور انتخاب کی شرط ہے لہذا ناسن کو منصب قضاء کی تفویض کرنا جائز ہے اور اس کے فیصلے نافذ ہو جائیں گے بشرطیکہ وہ عد شرع سے متجاوز نہ ہو اور امام شافعی کے نزدیک ناسن شخص کو قاضی بنا کر جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک ناسن شخص شہادت کا اہل نہیں ہے اس لیے وہ قضاء کا بھی اہل نہیں ہے اور ہمارے نزدیک ناسن شخص چونکہ شہادت کا اہل ہے اس لیے وہ قضاء کا بھی اہل ہے لیکن ناسن شخص کو یہ منصب سونپنا نہیں چاہیے کیونکہ قضاء بہت بڑی امانت ہے۔ لوگوں کے اموال، عزتیں اور جانیں یہ سب قاضی کی امانت میں ہوتی ہیں۔ اس لیے ان امانتوں کے حقوق دی شخص ادا کر سکتا ہے جو تقویٰ اور پر ہیئر گاری میں کامل ہو۔ البتہ فی نفسہ ناسن کی قضاء جائز ہے اس لیے اگر اس کو قاضی بنا دیا گیا تو اس کے فیصلے نافذ ہوں گے لیکن یہ قبیح وغیرہ ہے۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں مذکور بالا شرائط اہلیت قضا کے جواز کی شرائط ہیں اور فضیلت اور کمال قضا کی شرط یہ ہے کہ قاضی عادل اور حلال اور تمام احکام شریعہ کا عالم ہو، اور اس کا علم مدد اجتہاد کو پہنچا ہوا ہو، نیز وہ لوگوں کے عروت اور معاملات کو جاننے والا ہو، نیک اور پر ہیئر گار ہو، اس پر کسی قسم کی تہمت نہ ہو اور وہ کسی قسم کا لالچہ نہ رکھتا ہو کیونکہ لوگوں کے درمیان حق اور انصاف کے ساتھ فیصلے کرنے کا نام قضاء ہے اور جو شخص ان اوصاف کا حامل ہو گا وہ حق اور انصاف کے ساتھ ہی فیصلے کرے گا۔

ہم نے منصب قضا کی جو شرائط بیان کی ہیں وہ فرائض میں ملگم بنانے کی بھی وہی شرائط ہیں اللہ عزوجل فرماتا ہے: فابعثوا حکماء من اہلہ وحکماء من اہلہا ایک ملگم مرد کی طرف سے بھیجو اور ایک ملگم عورت کی طرف سے، سو ان دو ملگموں کا حکم قاضی کے درجہ میں ہے البتہ یہ حسب ذیل صورتوں میں قاضی سے مختلف ہے:

(ا) حدود اور قصاص میں ان کا حکم صحیح نہیں ہے۔
(ب) حکم دینے سے پہلے ان کی حاکمیت لازم نہیں ہے البتہ حکم دینے کے بعد ان کا فیصلہ لازم ہو جاتا ہے۔
(ج) اگر کسی اجتہادی مسئلہ میں حکم دیں اور قاضی کے پاس وہ حکم لے جایا جائے تو قاضی اپنے اجتہاد سے ان کا حکم فتح کر سکتا ہے۔
مقدمات کے فیصلوں کی بنا اور معیار شرعی

ہو۔ علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

مقدمہ کا فیصلہ یا تو دلیل قطعی پر مبنی ہو یا اس طور پر اس کی بناء قرآن مجید کی نص مریج یا حدیث متواتر، حدیث مشہور، یا اجماع پر ہو یا وہ فیصلہ ایسی دلیل سے کیا جائے جو قرآن مجید کی کسی آیت یا حدیث متواتر یا حدیث مشہور، خبر واحد یا قیاس شرعی سے مستفاد ہو، یہ بناء ان مقدمات کے لیے ہے جو مسائل اجتہادیہ سے متعلق ہوں لیکن اگر کوئی ایسا مقدمہ ہے جس کے بارے میں فقہاء کا کوئی قول منقول نہیں

۱۔ مکمل العلماء علامہ ابو بکر بن سعد کاسانی حنفی متروکی ۵۸۷ھ، جامع الصنائع ج ۷ ص ۴۴، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

ہے اس کا اگر اس نے کوئی ایسا فیصلہ کیا جو دلیل قطعی کے خلاف ہو تو یہ فیصلہ باطل ہوگا۔ اسی طرح اگر اس نے مسائل اجتہاد میں کسی مسئلہ کا ایسا فیصلہ کیا جو مذاہب فقہاء سے خارج ہو تو اس کا یہ فیصلہ مردود ہوگا کیونکہ حق اتاویل فقہاء سے متجاوز نہیں ہے سو ہر وہ فیصلہ جو اتاویل فقہاء سے خارج ہو باطل ہوگا اسی طرح جس مسئلہ میں قرآن مجید کی نص صریح ہو اور اس کا فیصلہ قرآن مجید کے خلاف ہو یا سنت کے خلاف ہو تو اس کا یہ فیصلہ ناجائز اور باطل ہوگا کیونکہ نص کے مقابلہ میں قیاس اور اجتہاد باطل اور ناجائز ہے خواہ نص قطعی ہو یا ظنی ہو البتہ جن مسائل میں نص نہیں ہے اور نہ ہی ان میں اجماع منقول ہے ان میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ ۱۷

چونکہ فقہاء احناف کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ ایسے شخص کو قاضی مقرر کیا جائے جو مجتہد ہو اس لیے ہم اجتہاد کی شرائط بیان کر رہے ہیں تاکہ یہ مسئلہ مکمل طور پر واضح ہو جائے۔

فقہاء احناف کے نزدیک اہلیت اجتہاد کی شرائط | علامہ ابوالحسن مرغینانی صاحب ہدایہ اجتہاد کی شرط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان یکون صاحب حدیث لمعرفة
بالفقه او صاحب فقه لمعرفة بالحدیث
لئلا يشتغل بالقیاس فی المنصوص
علیه وقیل ان یکون مع ذلك صاحب
قریحة یعرف بها عادات الناس
لان من الاحکام ما یبتنی علیها۔ ۱۸

یہ کہ وہ شخص حدیث میں ماہر ہو اور اس کو فقہ کی معرفت ہو
یا وہ شخص فقہ میں ماہر ہو اور اس کو حدیث کی معرفت ہو تاکہ وہ منصوص
مسائل میں قیاس نہ کرے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے
ساتھ ساتھ وہ ذہین اور طباع ہو (یعنی قیاس صحیح کر سکتا ہو)۔
لوگوں کے عرف اور عادات کو پہچانتا ہو کیونکہ بہت سے احکام
عرف پر مبنی ہوتے ہیں (مثلاً حمام کو کرلے پر دنیا قیاساً جائز
نہیں ہے لیکن عرفاً جائز ہے یا گندھے ہوئے آٹے کو
قرم لینا قیاساً جائز نہیں ہے اسی طرح کار بگرے سے کوئی چیز
بنوانا قیاساً جائز نہیں ہے لیکن عرفاً جائز ہے۔ عیا یہ دیکھائیے)۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ اجتہاد میں حدیث اور فقہ دونوں میں مہارت کی ضرورت ہے تاکہ اس کا قیاس نص حدیث کے معارض
ہو نہ اتاویل فقہاء کے خلاف ہو، خلاصہ یہ ہے کہ مجتہد وہ شخص ہے جو کتاب اور سنت کی عبارت النص، اشارۃ النص، دلالت النص
اور اقتضاء النص کا عالم ہو اور کتاب اور سنت کے ناسخ اور منسوخ کو جاننے والا ہو اور شرائط قیاس اور مسائل اجماعیہ اور اقوال صحابہ
کو جاننے والا ہو تاکہ وہ اقوال صحابہ یا اجماع پر قیاس کو مقدم نہ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ذہین اور طباع ہو اور لوگوں کے عرف
اور عادات کو جانتا ہو، جو شخص ان تمام شرائط کا جامع ہو وہ اجتہاد کرنے کا اہل ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے اجتہاد پر عمل کرے
(پھر اجتہاد کی تعریف میں لکھتے ہیں) ان مذکور الصدور دلائل سے کسی حکم شرعی کو حاصل کرنے کے لیے کوشش سے غور و فکر کرنا حتیٰ کہ اس حکم

۱۷۔ مکمل العلماء ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بذائع الصنائع ج ۲، ص ۴، مطبوعہ ایچ۔ ایم سید ایڈکیشن، ۱۳۰۰ھ۔

۱۸۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ افرین ص ۱۳۲، مطبوعہ مکتبہ شرکتہ طبعہ لبنان۔

۱۹۔ کیونکہ اس کی تحدید نہیں ہو سکتی کہ نہانے والا کتنی دیر حرام کو استعمال کرے گا اسی طرح گندھے ہوئے آٹے میں شلیمت غیر مقصور ہے اور منفعت
مردوم چیز ہے اور قیاس کا تقاضا ہے کہ معدوم چیز کی بیع نہ کی جائے لیکن ان تمام چیزوں پر مسلمانوں کا تعالٰیٰ ہے۔

پر غلبہ ظن ہو جائے اور اس حکم شرعی میں وہ کسی کی تقلید نہ کرے۔ ۱۷

علامہ طرابلسی لکھتے ہیں: مجتہد کے لیے واجب ہے کہ وہ کتاب اور سنت کی تصریحات اور اجماع اور قیاس کا جاننے والا ہو، سلف صالحین نے مجتہد کے لیے صرف اسی شرط کا ذکر کیا ہے اور ائمہ اور مجتہدین نے اپنے اجتہاد سے جن مسائل فرعیہ کا استخراج کیا ہے ان کو جاننے کی اس میں شرط نہیں لگائی اور بعض علماء نے یہ شرط بھی لگائی اور کہا ہے کہ اجتہاد کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسے مثلاً امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے مسائل فرعیہ کا علم ہو کیونکہ جس شخص کو ان مسائل پر مہر ہوگا وہ اجتہاد کا اہل ہوگا۔ شمس الانوار شری نے لکھا ہے کہ جس شخص نے امام محمد کی مبسوط اور مذہب متقدمین کو حفظ کر لیا وہ اجتہاد کا اہل ہے۔ اور جو شخص اس حد تک پہنچ جائے اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے اجتہاد پر عمل کرے اور اس پر دوسرے شخص کی تقلید نہ کرنا حلال ہے۔ ۱۸

علامہ زین الدین ابن نجیم نے اجتہاد کی چودہ شرائط بیان کی ہیں:

۱) اسلام (۲) بلوغ (۳) عقل (۴) فقیہ النفس ہونا یعنی طباع اور ذہین ہو اور اس کو استدلال اور استنباط کا کلمہ ہو (۵) لغت عربیہ کا علم ہو (۶) صرف کا علم ہو (۷) نحو کا علم ہو (۸) علم مانی کا علم ہو (۹) علم بیان کا علم ہو (۱۰) وجہ قیاس کا علم ہو (۱۱) احکام سے متعلق کتاب اللہ کی آیات کا علم ہو (۱۲) احکام سے متعلق احادیث کا تثنیٰ اور سند کا علم ہو اور کتاب اور سنت کے نسخ اور منسوخ کو جانتا ہو (۱۳) اجماع کی معرفت ہو (۱۴) لوگوں کے عرف اور عادت کو جانتا ہو۔ ۱۹

فقہاء نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ مجتہد کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ ان چودہ علوم کا عالم ہو اس سے ان تمام علوم کی معلومات کا زبانی یاد ہونا لازم نہیں ہے، نہ یہ مراد ہے کہ اس کو احکام سے متعلق تمام آیات اور احادیث زبانی یاد ہوں نہ اقوال فقہاء اور آثار صحابہ کا زبانی یاد ہونا مراد ہے بلکہ یہ ضروری ہے کہ اس میں یہ اہلیت ہو کہ وہ بوقت ضرورت قرآن مجید سے اور احادیث اور فقہاء اور ابواب سے پیش آمدہ آیت اور حدیث کو تلاش کر کے حاصل کر سکے اسی طرح حدیث کی سند کی کتب رجال سے تحقیق کر سکے اور جن علوم کا مجتہد کے لیے ذکر کیا ہے ان علوم میں اس کا متبحر ہونا بھی ضروری نہیں ہے بلکہ اس کو ان علوم میں دسترس ہونی چاہیے تاکہ بوقت اجتہاد ان علوم پر اس کی نظر ہو غرض یہ ہے کہ ان علوم کی شرط سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ان علوم میں ماہر اور متبحر ہو، اور قرآن مجید، احادیث، آثار اور اقوال فقہاء کا حافظ ہو اور احادیث کی تمام اسانید اس کو زبانی یاد ہوں اور ان کی جرح اور قبول بھی حفظ ہو حتیٰ کہ مجتہد کا وجود عنقاد کی طرح بالکل نایاب اور ناپید ہو جائے اس کے برخلاف فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ مجتہد میں یہ اہلیت ہونی چاہیے کہ وہ ان چودہ علوم کے مضامین کو متعلقہ کتب کے ابواب سے بوقت ضرورت تلاش کر کے حاصل کر سکے۔

علامہ زین الدین ابن نجیم لکھتے ہیں:

ولا يشترط حفظه لجميع القرآن ولا	مجتہد کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ تمام یا بعض
لبعضه عن ظهر القلب بل يكفي ان يعرف	قرآن کا حافظ ہو، بلکہ یہ کافی ہے کہ وہ یہ جانتا ہو کہ پیش آمدہ
مضان احكامها في ابوابها فيراجعها وقت	مسائل کن ابواب میں ہیں اور بوقت ضرورت ان کی طرف رجوع کر

۱۷۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۳۶۲، مطبوعہ مکتبہ فقیہ رضویہ مکہ

۱۸۔ علامہ علاء الدین ابوالحسن علی بن غلیل طرابلسی حنفی، مبین الاحکام ص ۲۹، مطبوعہ مطبعہ مبینہ مصر، ۱۳۱۰ھ

۱۹۔ علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۰۰ھ، البحر الرائق ج ۶ ص ۲۶۵، مطبوعہ مطبعہ علیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

الحاجة ولا يشترط التبصر في هذه العلوم.
علامہ بدر الدین علی بن حنفی کہتے ہیں:

واما المجتهد الذي ذكره اهل الاصول
فهو ان يكون عالماً بالنصوص من الكتاب
والسنة مما يتعلق به الاحكام الشرعية ولا
يشترط ان يكون عالماً بجميع ما في
الكتاب والسنة وهذا عزيز والفرصة
ذلك ان يكون بحال يمكنه طلب الحادثة
الواقعة من النصوص التي تتعلق بها الاحكام الشرعية.
ڈاکٹر مہر رحیل کہتے ہیں:

ولا يشترط ان يكون الفقيه محيطاً بكل القرآن
والسنة ولا ان يحيط بجميع الاخبار الواردة ولا
ان يكون مجتهداً في كل المسائل بل يكفي معرفته
ما يتعلق بموضوع البحث.

فقہاء شافعیہ کے نزدیک اہلیت اجتہاد کی شرائط

کے اور اس کے لیے ان علوم میں ماہر اور متبحر ہونا بھی ضروری نہیں

مہولین نے مجتہد کی جو تعریف کی ہے اس کے لحاظ سے مجتہد کو
احکام شرعیہ سے متعلق کتاب اور سنت کی تصریحات کا عالم ہونا
چاہیے اور اس کے لیے یہ ضروری شرط نہیں ہے کہ وہ تمام کتاب
اور سنت کا عالم ہو کیونکہ یہ ایک نادر امر ہے اور اس میں رخصت
یہ ہے کہ وہ پیش آمدہ مسئلہ کی احکام شرعیہ سے متعلق تصریحات کو
دکتاب و سنت سے تلاش کر سکے۔

مجتہد کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ مقام قرآن اور
سنت تمام احادیث اور آثار مذہب کا عالم ہو اور نہ یہ ضروری ہے
کہ وہ تمام مسائل میں مجتہد ہو بلکہ یہ کافی ہے کہ جو مسئلہ پیش آیا
ہے اس سے متعلق احکام کا اسے علم ہو۔

علامہ فردی شافعی نے اس مسئلہ کو بہت وضاحت اور تفصیل سے
بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں:

اہلیت اجتہاد چند امور کو جاننے سے حاصل ہوتی ہے، ان میں سے ایک کتاب اللہ کا علم ہے، اور تمام قرآن مجید کا جاننا شرط نہیں
ہے بلکہ احکام سے متعلق آیات کا جاننا ضروری ہے اور ان آیات کو یاد کرنا ضروری نہیں ہے، بعض اصحاب کا کلام بظاہر اس کے خلاف ہے مگر
امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا علم ہے اور اس میں بھی جمیع احادیث کو جاننا ضروری نہیں بلکہ احکام سے متعلق احادیث کا جاننا کافی ہے
اور ان میں عام، خاص، مطلق، مقید، مجمل، متین، ناسخ، منسوخ، خبر متواتر، خبر واحد، مرسل، متصل اور مادیوں کے احوال کی جرمات اور تعدیلات
ہونی چاہیے اور عمیر امر یہ ہے کہ فقہاء صحابہ اور بعد کے فقہاء کی معرفت ہونی چاہیے اور یہ جاننا چاہیے کہ کس مسئلہ میں ان کا اتفاق ہے
اور کس میں اختلاف ہے، اور جو قیاس امر قیاس ہے پس قیاس علی اور قیاس فاسد کی معرفت ہونی چاہیے اور قیاس صحیح اور قیاس فاسد میں
تغیر ہونی چاہیے اور پانچوں لغت عربیہ پس لغت عرب اور صرف لغت عربہ کو جاننا چاہیے۔

علامہ فردی فرماتے ہیں ہمارے اصحاب (فقہاء شافعیہ) نے یہ کہا ہے کہ اہلیت اجتہاد کے لیے ان علوم میں تبحر اور مہارت کی شرط
نہیں ہے بلکہ اجمالی طور پر ان علوم کی معرفت کافی ہے، امام غزالی نے اس میں تخفیفات کا ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ: تمام متفرق اور منتشر

۱۔ علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۷۶۰ھ، البحر الرائق ج ۶ ص ۳۶۴، مطبوعہ مطبعہ علیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

۲۔ علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ شرح الہدایہ للجزء ثالث ص ۲۶۸، مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد

۳۔ ڈاکٹر مہر رحیل، الفقہ الاسلامی وادلہ ج ۲ ص ۴۸۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

احادیث کے متبع کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ کافی ہے کہ معتبد کے پاس احکام سے متعلق جمیع احادیث صحیحہ کا کوئی مجموعہ ہو جیسے سنن ابوداؤد ہے اور یہ کافی ہے کہ اس کو ہر باب کے عنوان کی معرفت ہو اور جب کسی مسئلہ میں اجتہاد کی ضرورت ہو تو اس حدیث کو متعلقہ باب میں تلاش کرے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ سنن ابوداؤد کی مثال دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں احکام سے متعلق کل احادیث میں نہ اکثر احادیث ہیں اور جس شخص کو علم حدیث میں معمولی درجہ بھی ہو اس کے لیے یہ بالکل غلط بات ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں احکام سے متعلق کتنی احادیث ہیں جو سنن ابوداؤد میں نہیں ہیں اور جامع ترمذی اور سنن نسائی اور دوسری کتب معتدہ میں جو احکام سے متعلق احادیث ہیں ان کی کثرت اور شہرت کے بیان کی ضرورت نہیں ہے۔

راقم المحروف یہ کہتا ہے کہ صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، مسند امام اعظم، سنن کبریٰ طبری، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ اور مجمع الزوائد میں احکام سے متعلق تمام احادیث اور آثار موجود ہیں پس اگر مجتہد کسی مسئلہ میں اجتہاد کے وقت ان کتابوں کے متعلقہ ابواب میں احادیث اور آثار کو تلاش کرے تو اس کو تسلی اور اطمینان ہو جائے گا، کیونکہ ان کتب احادیث سے خارج حکم شرعی سے متعلق کوئی حدیث اور اثر نہیں ہے، مسائل کے متبع اور چھان بین کے دوران مصنف کو اس کا بار بار تجربہ ہوا ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں: تمام اجماعی مسائل اور تمام اختلافی مسائل کا جانا ہمیں مجتہد کے لیے شرط نہیں ہے بلکہ اس کے لیے یہ کافی ہے کہ جس مسئلہ میں وہ فتویٰ دے رہا ہے اس میں اس کا قول اجماع کے خلاف نہ ہو، یا اس طور کہ اس کو یہ علم ہو کہ اس کا یہ قول بعض متقدمین کے خلاف ہے یا اس کو اس پر غلطی غالب ہو کہ یہ مسئلہ متقدمین کے سامنے پیش نہیں آیا بلکہ یہ مسئلہ اس کے زمانہ میں پیدا ہوا ہے، ناسخ اور منسوخ کی معرفت کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔ اور جس حدیث کے قبول کرنے پر سلف کا اجماع ہو یا جس راوی کی عدالت تو اترے ثابت ہو اس کی عدالت پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے علاوہ راویوں کی عدالت کے لیے جرح اور تعدیل کے کسی مشہور امام کی تصریح کافی ہے۔ ان علوم کا مجتمع ہونا مجتہد مطلق میں شرط ہے جو تمام ابواب شرعیہ میں فتویٰ دیتا ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ عالم کے لیے صرف کسی ایک باب میں منصب اجتہاد ہو۔ ہمارے اصحاب نے طہیت اجتہاد میں اصول اعتقاد کی معرفت کی شرط بھی عائد کی ہے، امام غزالی فرماتے ہیں کہ مجتہد کے لیے متکلمین کے طریقہ پر اعتقاد کے دلائل کو جانا ضروری نہیں ہے۔ لہ

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک اہل بیت اجتہاد کی شرائط

مجتہد و شخص ہے جو کتاب اور سنت کے حقیقت اور مجاز کی معرفت رکھتا ہو اور اس پر نہی، یتقن، بحمل، بحکم، و متشابہ، انام، خاص، مطلق، منقید، ناسخ، منسوخ، مستثنیٰ، امہ، کاظم رکھتا ہو اور احکام سے متعلق کسب اور ضیغ اور متواتر اور احاد و احادیث کو جانتا ہو اور قیاس اور اس کی شرائط اور استنباط کے طریقہ کو جانتا ہو اور حجاز اور شام اور عراق میں متداول عربیت کو جانتا ہو اور کثر فقہ کو جانتا ہو وہ فتویٰ دینے (یعنی اجتہاد کرنے) کیونکہ مفتی وہی ہوتا ہے جو مجتہد ہو۔ سیدی غفرلہ (اور قضا کا اہل ہے۔ ابو محمد جوزی نے کہا جو شخص فقہ کے اصول اور فروع کو جانتا ہو وہ مجتہد ہے اور وہ کسی شخص کی تقلید نہ کرے۔

۷۔ علامہ یحییٰ بن شرف فراہی متوفی ۶۷۷ھ، روحۃ المطہین وعلیہ السلام ج ۱ ص ۹۶-۹۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ

۵۔ علامہ شمس الدین مقدسی ابو عبد اللہ محمد بن منہج ضحلی ترمذی ۶۳۱ھ، کتاب الفردوس ج ۲ ص ۳۲۵، محبوب عالم اکٹیب پیرت، ۱۳۸۸ھ

مجتہد مطلق کی طرف منسوب ہونے والوں کی اقسام

علامہ زین الدین ابن نجیم لکھتے ہیں:

عوام ہیں جو محض مقلد ہوتے ہیں، دوسرے وہ علماء ہیں جو خود بھی مجتہد ہوتے ہیں اگر ان کا اجتہاد امام کے موافق ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر ان کا اجتہاد امام کے اجتہاد کے خلاف ہو تو یہ اپنے اجتہاد پر عمل کریں گے، (مثلاً امام محمد، امام ابو یوسف، امام زفر، امام طحاوی، علامہ ابوبکر جصاص، قاضی خاں، علامہ ابن عمامہ وغیرہم) اور تیسری قسم ان علماء کی ہے جو غیر منصوص مسائل کو منصوص مسائل پر قیاس کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں لیکن رتبہ اجتہاد پر فائز نہیں ہوتے، اگر کسی حکم کے بارے میں امام کی نص صریح ہو تو یہ اس حکم کی علت کا استنباط کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام کے مذہب کے مطابق یہ حکم اس طرح ہے اور اگر امام کی نص نہ ہو تو اس کے مشابہ حکم سے تحریر کیا کرتے ہیں۔ (علامہ شامی، علامہ طحاوی اسی مسئلہ کے فقہاء تھے۔ سیدی غفرلہ)۔ ۱

علامہ یحییٰ بن شرف فراوی شافعی لکھتے ہیں:

جو شخص امام شافعی، یا امام ابو حنیفہ یا امام مالک کے مذہب کی طرف منسوب ہو اس کی تین قسمیں ہیں:-

- (۱) عوام ان کا مثلاً امام شافعی کی تقلید کو نامیت کی تقلید پر مبنی ہے۔
- (۲) وہ علماء جو حسب اجتہاد تک پہنچ چکے ہیں اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کرتا اور یہ علماء مثلاً امام شافعی کی طرف اس لیے منسوب ہیں کہ یہ اپنے اجتہاد اور دلائل کی ترتیب میں امام شافعی کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں اور اکثر اوقات ان کا اجتہاد اپنے امام کے اجتہاد کے موافق ہوتا ہے اور اگر بعض اوقات ان کا اجتہاد اپنے امام کے مخالف ہو تو یہ اس کی پڑا ہ نہیں کرتے۔

(۳) متوسطین: یہ وہ لوگ ہیں جو اصول شرع میں درجہ اجتہاد تک تو نہیں پہنچے لیکن تمام ابواب فقہیہ میں اپنے امام کے اصول سے واقف ہوتے ہیں اور غیر منصوص مسائل کو منصوص مسائل پر قیاس کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور یہ علماء بھی عوام کی طرح امام کے مقلد ہوتے ہیں اور عوام بھی ان کے اقوال پر عمل کر کے امام ہی کے مقلد ہوتے ہیں اور یہ بھی نامیت کی تقلید پر مبنی ہے (الی قول) اور جب حکم اور علت میں امام کی نص موجود ہو تو یہ اس علت کی وجہ سے غیر منصوص کو منصوص کے ساتھ لاحق کر دیتے ہیں اور اگر امام نے صریح حکم بیان کرنے پر اقتصار کیا ہو تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا اس حکم کی علت کو مستنبط کر کے غیر منصوص مسئلہ کو اس حکم کی طرف لاحق کرنا جائز ہے یا نہیں اور اضراب الحق یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔ ۲

عوام اور فقہاء کی تقلید کا فرق

آج کل ہمارے زمانے میں دو قسم کے مقلد ہیں ایک تو عوام ہیں جو امام کے محض مقلد ہوتے ہیں اور ایک وہ علماء ہیں جو فقہی مسائل اور ان کے دلائل پر بصیرت رکھتے ہیں اور مسائل عصریہ کا حل کتاب وسنت اور اصول کی روشنی میں تلاش کرتے ہیں۔ پہلی قسم کے مقلد صرف تقلید کرتے ہیں اور دوسری قسم کے مقلد امام کی اتباع کرتے ہیں۔ تقلید کے معنی میں دلائل سے قطع نظر کر کے کسی امام کے قول پر عمل کرنا اور اتباع سے یہ مراد ہے کہ کسی امام کے قول کو کتاب وسنت کے موافق پا کر اور دلائل شرعیہ سے ثابت جان کر اس قول کو اختیار کر لینا۔ سو تقلید صرف عوام کے لیے ہے جو دلائل شرعیہ سے

۱۔ علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۷۰۰ھ، البحر الرائق ج ۲ ص ۲۶۷، مطبوعہ مکتبہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

۲۔ علامہ یحییٰ بن شرف فراوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، رد المحتار المطبوعہ وجمہ المقتیین ج ۱۱ ص ۱۰۲-۱۰۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ

بے خبر ہوتے ہیں اور اہل علم اور اہل فتویٰ حضرات کے لیے تقلید محض جائز نہیں ہے۔ علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں: فقہاء نے ہمارے اثر سے یہ نقل کیا ہے کہ کسی مفتی کے لیے ہمارے قول پر فتویٰ دینا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ ہمارے قول کا ماخذ کیا ہے؟ حتیٰ کہ سر اجیر میں ہے کہ یہی وجہ ہے کہ علامہ عصام، امام کی مخالفت کرتے تھے اور کثیر مسائل میں امام کے قول کے خلاف فتویٰ دیتے تھے کیونکہ ان پر امام کی دلیل ظاہر نہیں ہوئی بلکہ دلائل سے امام کے قول کے برعکس ثابت ہوا پس وہ اپنے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ لہ

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں فتاویٰ ظہیرہ میں ہے امام ابو حنیفہ سے یہ مروی ہے کہ کسی مفتی کے لیے اس وقت تک ہمارے قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کو ہمارے ماخذ کا علم نہ ہو اور اگر وہ اہل اجتہاد سے نہیں ہے تو اس کے لیے فتویٰ دینا جائز نہیں البتہ وہ اقوال فقہاء کی حکایت کر سکتا ہے۔ (الی قولہ) تا مدو یہ ہے کہ مفتی اور قاضی کو امام ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ دینا چاہیے اور ان کے قول پر فیصلہ کرنا چاہیے اور جس مسئلہ میں ہمارے مشائخ نے امام ابو حنیفہ کے علاوہ کسی اور کے قول کو ترجیح دی ہے وہی اس ترجیح کو اختیار کرنا چاہیے اور جس جگہ امام ابو حنیفہ کے قول کو بلا ترجیح نقل کیا گیا ہے وہاں پر عرف، لوگوں کی عادت اور تعامل کے لحاظ سے امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے قول میں جس کا قول سن اور تعامل کے زیادہ موافق ہو اس پر فتویٰ دینا چاہیے اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے اور زمانہ کبھی لیے اہل علم سے خالی نہیں ہوگا جو ان اقوال میں سے راجح کو متبیر نہ کر سکیں اور جو ترجیح نہیں دے سکتے انھیں ان علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو ترجیح دے سکتے ہیں۔ ہم یہاں پر اہل علم کے استغاثہ کے لیے علامہ شامی کی اصل عبارت نقل کر رہے ہیں۔

اگر تم یہ کہو کہ مشائخ حنفیہ کبھی اقوال ائمہ کو ترجیح دیے بغیر نقل کر دیتے ہیں اور کبھی ان کی تصحیح میں اختلاف ہوتا ہے تو میں کہوں گا کہ اس صورت میں وہی عمل کیا جائے جو عمل وہ خود کرتے ہیں یعنی عرف اور لوگوں کے احوال کے تغیر کو دیکھ کر جس قول پر عمل کرنا آسان ہو اس کو ترجیح دی جائے اور اس قول کو ترجیح دی جائے جس پر لوگوں کا تعامل ہو اور جس کی دلیل قوی ہو اور زمانہ کبھی ایسے علماء سے خالی نہیں ہوگا جو اس چیز کی حقیقتہً تمیز کر سکیں اور جو علماء اس کی تمیز نہیں کر سکتے ان پر لازم ہے کہ وہ ان علماء کی طرف رجوع کریں جو اس کی تمیز کر سکتے ہیں تاکہ وہ بری الذمہ ہو جائیں۔ (علامہ شامی نے علامہ ابن شہابی کے فتاویٰ سے یہ عبارت نقل کی ہے۔)

فان قلت قد يحكون اقوالا بلا ترجيح
وقد يختلفون في التصحيح قلت يعمل
بمثل ما عملوا من اعتبار تغير العرف
واحوال الناس وما هو الا وفق وما
ظهر عليه التعامل وما قوي وجهه ولا
ينحلوا الوجود لمن يميز هذا حقيقة
لا ظنا وعلى من لم يميز ان يرجع
لمن يميز لبراءة ذمتهم اهـ۔ لہ

علامہ ابن نجیم اور علامہ ابن عابدین کی ان عبارات سے یہ واضح ہو گیا کہ اہل علم اور اہل فتویٰ حضرات علماء کی طرح اپنے امام کے متقلد محض

لہ۔ علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۰ھ، البحر الرائق ج ۲ ص ۲۶۹، مطبوعہ مطبعہ مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ھ

لہ۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، مسند الخاق علی اسن البحر الرائق ج ۶ ص ۲۶۹، مطبوعہ مطبعہ مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ھ

نہیں ہوتے بلکہ وہ امام کے بیان کردہ اقوال پر اس لیے عمل کرتے ہیں کہ وہ دلائل شرعیہ کے مطابق ہوتے ہیں اور جو قول دلیل شرعی کے مطابق نہ ہو اس قول کو چھوڑ کر وہ دوسرے امام کے اس قول پر عمل کرتے ہیں جو کتاب وسنت اور دلائل شرعیہ کے مطابق ہوتا ہے جیسا کہ بہت سے مسائل میں امام اعظم کے قول کو چھوڑ کر صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے اور مسائل عصریہ میں وہ خود اجتہاد کرتے ہیں اور دلائل شرعیہ کی روشنی میں مسائل عصریہ کا حکم شرعی تلاش کرتے ہیں جیسے اختلاف خون، پوسٹ مارٹم، اعضاء کی ہینڈ کاری، ضبط ترقید، مصنوعی طریقہ ترقید اور میسٹ ٹیوب جے بی ایسے مسائل کا حکم شرعی بیان کرنا اور ظاہر ہے کہ یہ علماء علوم کی طرح محض متعلقہ نہیں ہیں جو دلائل سے قطع نظر کر کے امام کے قول کی تقلید کرتے ہیں بلکہ یہ علماء ائمہ کے اقوال کو دلائل شرعیہ کے مطابق پا کر ان ائمہ کی اتباع کرتے ہیں اس لیے متعلقہ نہیں بلکہ مطہین ہیں اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں یہ بعض مسائل میں امام سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔

مجتہد عالم کا دلیل کی بناء پر امام سے اختلاف کرنا ادب کے خلاف نہیں ہے | جو عالم مسائل میں اجتہاد کا مال ہو وہ بعض مسائل

میں دلائل کی بناء پر امام سے اختلاف بھی کر سکتا ہے۔ یہ امام سے عقیدت اور اس کے ادب کے خلاف نہیں ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے: امام محمد کہتے ہیں:

ایک شخص نے اپنی نابالغ باندی کو نکاح کیا تو یہ مکاتبت جائز ہے اگر وہ اس نابالغ باندی کا اس کی اجازت کے بغیر نکاح کر دے تو یہ نکاح ناجائز ہے (یعنی یہ نکاح اس باندی کی اجازت پر موقوف ہوگا کیونکہ مکاتبت کی وجہ سے وہ بالغ کے حکم میں ہوگی۔ سعیدی) مگر وہ باندی نکاح کو مسترد نہ کرے اور بدل کتابت کو ادا کر دے اور آزاد کر دی جائے تو اب یہ نکاح موقوف ہوگا، اگر اس باندی کا کوئی ولی اقرب نہیں ہے اور مولیٰ نے اس نکاح کی اجازت دے دی تو نکاح جائز ہو جائے گا اور باندی کو نیکار برون حاصل ہوگا یعنی آزاد ہونے کے بعد یہ نکاح مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہوگا اور آزاد ہونے سے یہ نکاح نافذ نہیں ہوگا۔

علامہ ابن ہمام نے اس مسئلہ میں امام محمد سے اختلاف کیا ہے ان کے نزدیک آزاد ہونے کے بعد یہ نکاح نافذ ہو جائے گا۔ وہ کہتے ہیں: لیکن قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس نابالغ مکاتبت کے آزاد ہونے کے بعد اس کا نکاح اس کے سابق مولیٰ کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا بلکہ اس کے آزاد ہونے سے ہی یہ نکاح نافذ ہو جائے گا، کیونکہ فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ جب کوئی غلام اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اور مولیٰ اس غلام کو آزاد کر دے تو وہ نکاح نافذ ہو جائے گا کیونکہ اگر یہ نکاح موقوف ہو تو یہ مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہوگا اور یہ اس لیے غلط ہے کہ آزاد ہونے کے بعد اس غلام پر اس مولیٰ کی ولایت نہیں رہی اور یا غلام کی اجازت پر موقوف ہوگا اور یہ اس لیے غلط ہے کہ غلام نے تو خود نکاح کیا تھا اب اس کی اجازت پر ترقف ایک واپسی بات ہے۔ اسی طرح اس نابالغ مکاتبت کے مسئلہ میں اس کے مولیٰ کا کیا ہوا نکاح اس مکاتبت کی اجازت پر اس لیے موقوف تھا کہ وہ ولی مجبر تھا (یعنی لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرنا غلط) اور عقد کتابت کی وجہ سے یہ نکاح اس لڑکی کی اجازت پر موقوف تھا اور آزاد ہونے کے بعد یہ مانع زائمی ہو گیا (یعنی عقد کتابت) لہذا مولیٰ کی طرف سے نکاح نافذ ہو گیا اور اصل نکتہ یہی ہے اور بہت سے وہ لوگ جن کو سہولاتی ہوتا ہے وہ ان لوگوں کی تقلید کرتے ہیں جن کو اس مسئلہ میں سہو ہو گیا۔

۱۔ امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، الجامع البکیر ص ۹۸، مطبوعہ دارالسلامت النعمانیہ لاہور، ۱۴۱۱ھ

۲۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۳ ص ۲۶۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھ

علامہ زین الدین ابن نجیم نے علامہ ابن ہمام کی امام محمد کے خلاف اس تحقیق کی جسارت کو بے ادبی پر عمل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: علامہ ابن ہمام کی یہ بحث سود ادب اور غلط ہے کیونکہ امام محمد نے اس مسئلہ کی جامع کبیر میں تصریح کی ہے پس امام محمد اور ان کے مقتدرین کی طرف سے کس طرح منسوب کیا جائے گا۔ ثانیاً اس لیے کہ امام محمد نے یہ نکاح مولیٰ کی اجازت پر اس لیے موقوف کیا ہے کہ باندی کے آزاد ہونے کے بعد مولیٰ کو اس باندی پر ولادت عتاق حاصل ہوگی اور اب وہ اس کا مولیٰ بالعتق ہے اور یہ اس وقت ہے کہ جب اس کا کوئی اور دل اقرب نہ ہو لہذا یہ نکاح نافذ نہیں ہوگا اور مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: علامہ مقتدی نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ علامہ ابن ہمام نے جو بحث کی ہے وہی قیاس کا تقاضا ہے۔ امام حسی نے جامع کبیر کی شرح میں یہ تصریح کی ہے کہ جو تحقیق قیاس کے مطابق ہو اس کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ غلط اور سود ادب ہے۔ علاوہ ازیں جو شخص رتبہ اجتہاد تک پہنچا ہو اس پر یہ کہے کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے تو وہی قیاس کا تقاضا ہے اور علامہ ابن ہمام پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ ان کا قیاس منقول کے خلاف ہے کیونکہ علامہ ابن ہمام نے دلیل مقبول کی اتباع کی ہے۔ لے جو شخص فقہ کا گہرا مطالعہ کرتا ہے اس پر یہ امر غنی نہیں ہوگا کہ جہ کے فقہاء نے بہت سے مسائل میں ائمہ سے اختلاف کیا ہے اور اپنی رائے کو دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے اس لیے ایک مجتہد عالم یا قاضی کسی مسئلہ یا کسی معاملہ میں اللہ سے اختلاف کرے اور اپنی رائے کو قنات اور دلائل کے ساتھ پیش کرے تو اس کی رائے قابل قبول ہوگی بشرطیکہ اس کی رائے کتاب و سنت کی تصریحات اجماع اور سبیل مسلمین کے خلاف نہ ہو۔

قاضی کے لیے اہلیت اجتہاد کی شرط میں مذاہب ائمہ | ڈاکٹر وہب زحیلی لکھتے ہیں: فقہاء مالکیہ، فقہاء شافعیہ،

فقہاء حنبلیہ اور بعض فقہاء حنفیہ کے نزدیک قاضی کے لیے مجتہد ہونا شرط ہے، لہذا جو شخص احکام شرعیہ سے جاہل ہو یا بعض متعلقہ ہوا اس کو منصب قضاہ سونپا جائے کیونکہ ایسا شخص فتویٰ دینے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا۔ چہ جائیکہ اس کو قاضی بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَانِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ**۔ "لوگوں کے درمیان قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کیجئے۔ یہ نہیں فرمایا کہ دوسروں کی تقلید کر کے فیصلہ کریں؛ نیز فرمایا: **لَتَحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ**۔ "تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس فہم سے فیصلہ کریں جو آپ کو اللہ نے سوجھائی ہے" نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ**۔ "اگر تمہارا کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول (کے احکام) کی طرف رونا دو" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جہالت سے فیصلہ کرے وہ جہنمی ہے (سنن ابن ماجہ، سنن ابو داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، مستدرک دیگر) اور اگر غیر مجتہد عامی کو حاکم بنایا گیا تو وہ جہالت سے ہی فیصلہ کرے گا، اور اگر دوسرے مجتہد سے فتویٰ لے کر فیصلہ کرے گا تو خود اس کو شرح صدر نہیں ہوگا کہ یہ حکم صحیح ہے یا نہیں، نیز ان تمام آیات سے واضح ہوتا ہے کہ قاضی کو عالم اور مجتہد ہونا چاہیے۔ لے

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ قاضی میں اہلیت اجتہاد کی شرط اولویت اور استحباب

لے۔ علامہ زین الدین ابن نجیم صغریٰ متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۲ ص ۱۱۸، مطبوعہ مطبعہ علیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

لے۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۲ ص ۵۲۰، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

لے۔ ڈاکٹر وہب زحیلی، الفقہ الاسلامی دلائل ج ۶ ص ۴۸۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعة الثانیة، ۱۴۰۵ھ

کے لیے ہے، جواز کی شرط نہیں ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ جواز کی شرط ہے صاحب شرح الاقطع کا اسی طرف میلان ہے اور وجیز الشافعیہ میں ہے کہ قاضی کے لیے مجتہد ہونا ضروری ہے اور جہاں اور مقلد کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے لہذا ہم محمد نے اس میں ذکر کیا ہے کہ مقلد کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے اور خصائص نے ذکر کیا ہے کہ اگر قاضی صاحب رائے ہے تو اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر وہ صاحب رائے نہیں ہے تو کسی فقیہ سے پرچہ کر فیصلہ کر دے۔ ۱۷

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی نے لکھا ہے: کہ قاضی کے لیے اجتہاد شرط ہے لہذا جو شخص احکام شریعہ اور اس کے دلائل سے ناواقف ہو اور دوسروں کی تقلید کا محتاج ہو اس کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے۔ ۱۸

علامہ مقدسی منبلی لکھتے ہیں: قاضی میں اہلیت اجتہاد کی شرط پر اجماع ہے اور فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ مکمل اور منہج کے لیے کسی شخص کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے اس کو صرف اپنی رائے سے فیصلہ کرنا چاہیے۔ ۱۹

ایک قاضی مجتہد کا دوسرے قاضی مجتہد کی رائے پر فیصلہ کرنے کا جواز | ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: کہ اگر قاضی مجتہد ہو تو وہ دوسرے

مجتہد کے مذہب کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے اور اس کا یہ فیصلہ بالاجماع صحیح ہوگا کیونکہ اس فیصلہ پر یہ مادیق نہیں آئے گا کہ وہ مجسّم گیا بلکہ یہ فیصلہ اس پر محمول ہوگا کہ اس کے اجتہاد میں دوسرے مجتہد کا اجتہاد صحیح تھا لہذا اس نے اس مجتہد کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا لہذا یہ فیصلہ اس کے اپنے اجتہاد سے ہے اس لیے صحیح ہے۔ ۲۰

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ قاضی کے فیصلہ کی صحت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ فیصلہ قاضی کے مذہب کے مطابق ہو خواہ قاضی مجتہد ہو یا مقلد اس لیے اگر اس نے اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کیا تو صحیح نہیں ہوگا لیکن بدائع الصنائع میں ہے کہ جب مجتہد قاضی نے مذہب غیر پر فیصلہ کیا تو یہ صحیح ہوگا کیونکہ یہ فیصلہ اس پر محمول ہوگا کہ اس کے اجتہاد میں اس مجتہد کا اجتہاد صحیح تھا قریب اس کا اپنا اجتہاد ہو گیا (بدائع الصنائع کی عبارت کا ترجمہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ سعیدی) اور اس کی تائید علامہ قاسم کے رسالہ سے ہوتی ہے جنہوں نے اس مسئلہ پر سیر کبیر سے استدلال کیا ہے۔ اور اس سے صاحب البحر الرائق کا بدائع الصنائع کی عبارت پر تعقب وعدہ ہوجاتا ہے۔ ۲۱

قاضی کو مقدمہ کی سماعت میں فریقین کے ساتھ عدل اور انصاف کی ہدایت میں احادیث اور

آثار

انصاف کے تقاضے پر رے کرنے کے لیے قاضی کو فریقین کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے؟ حسب ذیل احادیث اور آثار

- ۱۷۔ علامہ بدرالدین ابو محمد محمد بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، بنیہ شرح ہایہ طبع انٹارٹس ۲۶۶، مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد
- ۱۸۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، رد منہ الطالین وجملة المنقین ج ۱ ص ۹۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ
- ۱۹۔ علامہ شمس الدین مقدسی ابو عبد اللہ محمد بن مصلح منبلی متوفی ۷۲۳ھ، کتاب الفروع ج ۶ ص ۲۲۱، مطبوعہ عالم الکتب بیروت ۱۳۸۸ھ
- ۲۰۔ ملک العلماء علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۵ ص ۵، مطبوعہ ایتھ۔ ایم سعید اینٹرپرائز کراچی، ۱۴۰۰ھ
- ۲۱۔ علامہ سعید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۳ ص ۲۶۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

میں اس کی ہدایت دی گئی ہے۔

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مسلمانوں کا قاضی بنایا گیا ہو اس کو مقدمہ کے فریقین کو دیکھنے میں ان کی طرف اشارہ کرنے اور ان کو جہانے میں بدل کرنا چاہیے۔ ۱۰

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ ابو رواحہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ فرمان کھویا: حق پہنچانے میں لوگوں کے ساتھ مساوی سلوک کرو، قریب کے ساتھ بعید کی طرح، اور بعید کے ساتھ قریب کی طرح سلوک کرو۔ رشوت لینے اور خوامش نفس پر عمل کرنے سے بچو، غضب کے وقت فیصلہ نہ کرو، اور حق اور انصاف کو قائم کرو، خواہ دن کی ایک ساعت میں، ۱۱ امام بیہقی شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کے درمیان کسی چیز میں مناقشہ تھا۔ حضرت ابی نے حضرت عمر پر دعویٰ کیا اور حضرت عمر نے اس کا انکار کیا۔ پھر دونوں نے اپنے درمیان حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا اور دونوں حضرت زید کے گھر گئے۔ جب دونوں ان کے پاس گئے تو حضرت عمر نے حضرت زید سے کہا ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپ ہمارے درمیان ایک جگہ سے فیصلہ کر دیں، حضرت زید نے حضرت عمر سے کہا اے امیر المومنین! یہاں صدر مجلس میں تشریف رکھیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت زید سے کہا (تم نے میری رعایت کر کے) نا انصافی سے کام لیا، میں اپنے فریق کے ساتھ بیٹھوں گا، پھر دونوں حضرت زید کے پاس بیٹھ گئے۔ حضرت ابی نے دعویٰ کیا اور حضرت عمر نے انکار کیا، (قاعدہ کے مطابق حضرت عمر پر قسم لازم آتی تھی کیونکہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو ملکہ قسم کھاتے ہیں) لیکن حضرت زید بن ثابت نے حضرت ابی سے کہا تم امیر المومنین کو قسم کھانے سے صاف رکھو! میں امیر المومنین کے علاوہ اور کسی شخص کے ساتھ رعایت نہیں کرتا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو بار قسم کھا کر یہ فرمایا: بخدا! اس وقت تک زید بن ثابت قضا کے اہل نہیں ہوں گے۔ جب تک ان کے نزدیک عمر اور ایک عام مسلمان برابر نہ ہوں! ۱۲

امام بیہقی تیم بن سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن ابی عصفیر قاضی شریعہ کے پاس گئے، انھوں نے ایک شخص کے خلاف مقدمہ کیا تھا، وہ جا کر قاضی شریعہ کے پاس مسند پر بیٹھ گئے، قاضی شریعہ نے کہا! اللہ اور جا کر اپنے فریق کے پاس بیٹھو۔ کیونکہ تمہارا یہاں بیٹھنا اس کو شک میں مبتلا کرے گا، ابن ابی عصفیر ناراض ہو گئے لیکن قاضی شریعہ نے دوبارہ کہا جاؤ جا کر اپنے فریق کے ساتھ بیٹھو! ۱۳

امام بیہقی شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بازار گئے۔ وہاں دیکھا کہ ایک نعرانی ایک زہرہ فروخت کر رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس زہرہ کو پہچان لیا اور فرمایا یہ تو میری زہرہ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان مسلمانوں کا قاضی فیصلہ کرے گا اور اس وقت شریعہ مسلمانوں کے قاضی تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شریعہ کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کیا۔ جب شریعہ

۱۰۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۵، مطبوعہ نشر السنۃ عمان

۱۱۔ سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۶-۱۳۵، " " " " " "

۱۲۔ سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۶، " " " " " "

۱۳۔ سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۶، " " " " " "

نے امیر المؤمنین حضرت علیؑ کو دیکھا تو اپنی منہ سے اٹھے اور حضرت علیؑ کو اپنے پاس بٹھایا اور شریح اُٹھ کر ان کے سامنے نصرانی کے برابر بیٹھ گئے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: اسے شریح! اگر میرا خنقم (فریق مخالف) مسلمان ہوتا تو میں اس کے ساتھ فریق مخالف کو جگہ بیٹھتا لیکن آپ یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے: (ان غیر مسلموں سے مصافحہ نہ کرو، ذان سے سلام میں پہل کرو، ذان کے بیماروں کی عیادت کرو، ذان کی ناز جانہ پر حوا، ان کو تنگ راستہ میں چلنے پر مجبور کرو اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق کی ہے اس طرح ان کی تخلیق کرو، اب اسے شریح میرے اور اس کے درمیان فیصلہ کرو۔ شریح نے کہا: امیر المؤمنین آپ کا کیا دعویٰ ہے؟ حضرت علیؑ نے فرمایا یہ میری زرہ ہے کافی دونوں سے یہ گم ہو چکی تھی، شریح نے کہا میرا خیال ہے کہ یہ زرہ اس کے قبضہ سے نہیں نکل سکتی، آپ کے پاس کوئی گواہ ہے؟ حضرت علیؑ نے فرمایا اسے شریح تم نے یہ فیصلہ کیا! اور تب اس نصرانی نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ انبیاء کے فیصلے ہیں، امیر المؤمنین قاضی کے پاس مقدمہ لے کر جاتے ہیں اور قاضی امیر المؤمنین کے خلاف فیصلہ نہ دیتا ہے، حالانکہ بعد اسے امیر المؤمنین یہ آپ کی زرہ ہے، یہ زرہ آپ کے چکبے اونٹ سے گر پڑی تھی تو میں نے اس کو اٹھایا (پھر وہ نصرانی شریح کے غیر جانبدار فیصلہ اور حضرت علیؑ کے اپنے خلاف فیصلہ قبول کرنے سے اس قدر متاثر ہوا کہ کہنے لگا) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی اور عبادت کا مستحق نہیں ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، حضرت علیؑ نے فرمایا اب جبکہ تم مسلمان ہو چکے ہو تو میں یہ زرہ تم کو مہر کرتا ہوں پھر حضرت علیؑ نے اس کو ایک عمدہ گھوڑے پر سوار کر دیا۔ شبی کہتے ہیں پھر میں نے اس شخص کو مشرکین کے خلاف جہاد کرتے ہوئے دیکھا۔ ۱۷

فقہاء کے احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ قاضی رشوت نہ لے اس لیے اب رشوت کا معنی اور اس کا حکم شرعی بیان کر رہے ہیں۔

رشوت کا معنی | علامہ سید محمد رفیع زبیدی رشوت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الرِشْوَةُ هُوَ مَا يُعْطِيهِ الشَّخْصُ الْحَاكِمَ او غَيْرَهُ لِيُحْكِمَ لَهُ اَوْ يَحْكُمَ عَلَيْهِ عَلَى مَا يَرِيدُ۔
 علامہ ابن شبرکت لکھتے ہیں: الرِشْوَةُ الْوَصْلَةُ إِلَى الْحَاجَةِ بِمَصْنُوعَةٍ۔
 علامہ زبیدی لکھتے ہیں کہ رشوت اصل میں رشاد سے ماخوذ ہے اور رشاد اصل میں ڈول کی اس رسی کہہتے ہیں جس کے ذریعہ کنوئیں سے پانی نکالا جاتا ہے اور راشی وہ شخص ہے جو کسی باطل چیز کو حاصل کرنے کے لیے کسی کی مدد کرتا ہے اور مرتشی رشوت لینے والے کو کہتے ہیں اور رائش اس شخص کو کہتے ہیں جو راشی اور مرتشی کے درمیان رشوت کا معاملہ طے کرانا ہے، اور جو چیز حق کو حاصل کرنے کے لیے دی جائے یا ظلم کو دور کرنے کے لیے دی جائے وہ رشوت نہیں ہے اور ائمہ تابعین سے منقول ہے کہ اپنی جان اور مال کو ظلم سے بچانے کے لیے رشوت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ۱۸

۱۷۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عقیق متوفی ۲۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۱، ص ۱۳۶، مطبوعہ نشر السنۃ لمطان

۱۸۔ سید محمد رفیع حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۱۰، ص ۱۵۰، مطبوعہ المطبعة الخیرہ مصر، ۱۳۰۶ھ

قرآن مجید کی روشنی میں رشوت کا حکم

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبُطْءِ وَتَذَلُّوا
بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِنَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ
بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ - (بقرہ ۱۸۸)

اپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، اور نہ (بطور
رشوت) وہ مال ماکول تک پہنچاؤ، تاکہ تم لوگوں کے مال کا کچھ
حصہ گنہ کے ساتھ کھاؤ مالاں کہ تم جانتے ہو (کہ یہ فعل ناجائز ہے)

اکلون السحت -

(مائمہ: ۴۲)

بہت عظیم خور، (رشوت کھانے والے)

احادیث اور آثار کی روشنی میں رشوت کا حکم

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن عبد الله بن عمر وقال لعن رسول
الله صلى الله عليه وسلم الراششي و
المرتشي له

حضرت عبد اللہ بن عمر و رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور
رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

عن مسروق قال سئل عبد الله عن
السحت فقال هي الرشاة فقال في الحكم فقال
عبد الله ذلك الكفر وتلا هذه الآية ومن لم
يحكم بما أنزل الله فاولئك هم
الكاferون - ۱۰

مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے
پوچھا گیا کہ سحت کا کیا معنی ہے؟ انھوں نے کہا رشوت، پھر
سوال کیا کہ فیصلے پر رشوت لینے کا کیا حکم ہے؟ انھوں نے کہا یہ کفر
ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکام)
کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔

ان احادیث میں فیصلہ کے لیے رشوت دینے اور باطل کام کرانے کے لیے رشوت دینے کو حرام قرار دیا ہے، اللہ
حسب ذیل احادیث اور آثار میں ظلم اور فساد سے بچنے کے لیے کچھ دینے کو جائز قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ رشوت نہیں ہے۔
علامہ ابوبکر حبیبی بیان کرتے ہیں:

روى ان النبي صلى الله عليه وسلم
لما قسم غنائم خيبر وأعطى تلك العطايا
الجزيلة أعلی العباس بن مرداس شيئا
فسخطه فقال شعرا فقال النبي صلى الله
عليه وسلم أقطعوا غنائمنا فزادوه

روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کا مال غنیمت
تقسیم کیا اور بڑے بڑے عطایا دیے۔ ابوباس بن مرداس
کو بھی کچھ مال دیا تو وہ اس پر ناراض ہو گیا اور شعر پڑھنے لگا،
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ اور مال دے کر (ہمارے متعلق
اس کی زبان بند کر دو۔ پھر اس کو کچھ اور مال دیا معنی کہ وہ راضی

۱۰۔ امام ابوبکر حبیبی بن علی بیہقی مشرقی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۹، مطبوعہ نشر السنۃ عمان

۱۱۔ سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۹، " " " " " "

حتی رضی۔ ۱۷

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ لما اتی ابن
الحبشة اخذ بشیء فتعلق به فاعطی دینارین
حتی نعلی سبیلہ ۱۸

ہو گیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ
مبشہ کی سرزمین پر پہنچے قرآن سے کچھ سلاں چھینا گیا۔ انھوں نے
اس سامان کو اپنے پاس رکھا اور دو دینار دے دیے پھر ان کو چھوڑ
دیا گیا۔

دوسرے بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جس کام میں رشوت دینے
والا گنہگار ہوتا ہے یہ وہ نہیں ہے جو اپنی جان اور مال سے ظلم
اور ضرر کو دور کرنے کے لیے دے گا۔ رشوت وہ چیز ہے جس
میں دینے والا گنہگار ہوتا ہے یا جس کو رکھ کر تم اس چیز کے لیے
رشوت دو جس پر تمہارا حق نہیں ہے۔

عن وهب بن منبه قال ليسيت الرشوة
التي يأثم فيها صاحبها بان يرشوفيدفع
عن ماله ودمه انما الرشوة التي تأثم
فيها ان ترشوا لتعطى ما ليس لك ۱۹

علامہ قاضی خاں اور جندی کہتے ہیں: جب قاضی رشوت دے کر منصب قضاہ کو حاصل کرے تو وہ

قاضی نہیں ہوگا اور قاضی اور رشوت لینے والے دونوں پر رشوت حرام ہوگی، رشوت کی چار قسمیں ہیں:-

- ۱۔ پہلی قسم یہی ہے یعنی منصب قضاہ کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا، اس رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔
- ۲۔ کوئی شخص اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لیے قاضی کو رشوت دے، یہ رشوت جائز نہیں ہے، خواہ وہ فیصلہ حق اور
انصاف پر مبنی ہو یا نہ ہو، کیونکہ فیصلہ کرنا قاضی کی ذمہ داری اور فرض ہے، (اسی طرح کسی افسر کو اپنا کام کرانے کے لیے رشوت
دینا یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ وہ کام کرنا اس افسر کی ذمہ داری ہے۔ سیدی فخر لہ)
- ۳۔ اپنی جان اور مال کو ظلم اور ضرر سے بچانے کے لیے یہ رشوت دینا یا لینے والے پر حرام ہے دینے والے پر حرام نہیں ہے اسی
طرح اپنے مال کو حاصل کرنے کے لیے بھی رشوت دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔
- ۴۔ کسی شخص کو اس لیے رشوت دی کہ وہ اس کو بادشاہ یا حاکم تک پہنچا دے تو اس رشوت کا دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔

رشوت کی یہ چار اقسام قاضی خاں کے حوالے سے علامہ ابن ہمام، علامہ بدر الدین عینی، علامہ زین الدین ابن نجیم اور علامہ ابن مابین شامی

۱۷۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص سن۱۰۷۰ھ، احکام القرآن ج ۲ ص ۴۳۴، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

۱۸۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی سن۱۰۷۸ھ، سنن کبریٰ ج ۱ ص ۱۳۹، مطبوعہ نشر السنۃ عمان۔

۱۹۔ سنن کبریٰ ج ۱ ص ۱۳۹،

۲۰۔ علامہ حسن بن منصور اور جندی (قاضی خاں سن۱۰۷۵ھ، فتاویٰ قاضی خاں علی امین الہندی ج ۲ ص ۳۶۳-۳۶۴، مطبوعہ مطبعہ امیر بلاق مصر، ۱۳۱۰ھ

۲۱۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام سن۱۰۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۳۸۵، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ مکہ

۲۲۔ علامہ محمد بن احمد عینی سن۱۰۵۵ھ، بنیہ شرح ہدایہ للہجہ ثالثہ ص ۲۶۹، مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد

۲۳۔ علامہ زین الدین ابن نجیم سن۱۰۹۰ھ، البحر الرائق ج ۶ ص ۲۶۲-۲۶۱، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

نے بھی بیان کی ہیں۔ علامہ ابوبکر جمہاس نے بھی رشوت کی یہ چار قسمیں بیان کی ہیں۔ ۱۔

تقاضی اور دیگر سرکاری افسروں کے ہدیہ قبول کرنے کی تحقیق | شمس الائمہ سرسی لکھتے ہیں کہ تقاضی ہدیہ اور تحفہ کو قبول نہ کرے، ہر چند کہ شریعت میں ہدیہ قبول

کرنا مستحب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لیک دوسرے کو ہدیہ دو اور ایک دوسرے سے محبت کرو"۔ لیکن ہدیہ لینے کا یہ جواز اس شخص کے لیے ہے جو مسلمانوں کے اعمال میں سے کسی عمل کے لیے متین نہ ہو اور جو شخص کسی عمل کے لیے متین ہو گیا جیسے تقاضی اور حاکم وغیرہ ان پر لازم ہے کہ یہ کسی سے ہدیہ قبول نہ کریں خصوصاً اس شخص سے جو اس منصب پر مقرر ہونے سے پہلے انھیں ہدیہ نہ دیتا ہو، کیونکہ ہدیہ دینے والا کسی کام یا قضاء کو اپنے حق میں کرنے کے لیے ہدیہ دیتا ہے اور یہ بھی رشوت اور سخت کی ایک قسم ہے ادا کی اصل یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن القتیبیہ کو مسلمانوں سے صدقات وصول کرنے کے لیے مقرر فرمایا جب وہ صدقات لے کر آیا تو کہنے لگا کہ یہ تبار مال ہے اور یہ مجھے لوگوں نے ہدیہ دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جن کو ہم کسی جگہ کا عامل بنا کر بھیجتے ہیں اور وہ واپس آکر یہ کہتے ہیں کہ یہ تبار مال ہے اور یہ ہمیں ہدیہ ملا ہے، یہ لوگ اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ گئے پھر یہ دیکھا جاتا کہ ان کو کوئی ہدیہ دیتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کسی جگہ کا عامل بنایا۔ ان کے پاس کافی مال جمع ہو گیا۔ حضرت عمر نے ان سے پوچھا کہ ہمارے پاس یہ مال کہاں سے آیا انھوں نے کہا گھوڑوں کی نسل بڑھی اور لوگوں نے تحفے دیے۔ حضرت عمر نے فرمایا: اے اللہ کے دشمن! تم اپنے گھر میں کیوں نہ بیٹھ گئے پھر ہم دیکھتے کہ تم کو کوئی ہدیہ دیتا ہے یا نہیں؟ اور وہ مال بیت المال میں داخل کر لیا، اس حدیث اور اثر سے یہ معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کو کسی منصب کی جہت سے کوئی ہدیہ ملے تو وہ رشوت ہے۔ لہذا جو لوگ تقاضی کو منصب قضاء پر فائز ہونے سے پہلے تحفے دیتے تھے ان کے سوا کسی اور شخص سے تقاضی کو ہدیہ اور تحفہ قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ ۲۔

بَابُ الْيَمِينِ عَلَى الْمَدْعَى عَلَيْهِ

۴۳۵۶ - حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرٍو بْنُ سَرْجٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ ابْنِ أَبِي مُثَيْنَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَا دَعَى الْيَمِينِ عَلَى الْمَدْعَى عَلَيْهِ -

مدعی علیہ پر قسم کا وجوب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگوں کے دعووں کے مطابق ان کا فیصلہ کر دیا جائے تو لوگ دوسرے لوگوں کی جانوں اور اموال پر دعویٰ کر بیٹھیں گے لیکن مدعی علیہ پر یمن (قسم) لازم ہے۔

۱۔ علامہ سید محمد امین ابن طاہرین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۴ ص ۴۲۱-۴۲۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

۲۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جمہاس متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۲ ص ۴۳۴، مطبوعہ سہیل اکیمیڈی لاہور، ۱۴۰۰ھ

۳۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرسی متوفی ۴۸۳ھ، البیہود ج ۱۶ ص ۸۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعة الثالثة، ۱۳۹۸ھ

۴۳۵۷ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ تَائِصِ بْنِ عُمَرَ
عَنِ ابْنِ أَبِي مَلِيكَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى
بِالْيَمِينِ عَلَى الْمُتَدَلِّي عَلَيْكَ -

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی علیہ پر قسم کا فیصلہ کیا ہے۔

مدعی علیہ پر قسم کے لزوم میں مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان اختلاط ضروری ہے یا نہیں؟ اس حدیث میں احکام

میں سے ایک اہم قاعدہ بیان کیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ کسی انسان کا قول صرف اس کے دعویٰ کی وجہ سے قبول نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے
قبول ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ یا تو وہ اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کرے یا مدعی علیہ اس کے دعویٰ کی تصدیق کر دے، اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے یہ بیان فرما دیا ہے کہ بعض کسی شخص کے دعویٰ کی وجہ سے اس کو اس کا حق نہیں دیا جائے گا کیونکہ اگر ایسا ہو تو ہر قوم دوسری
قوموں کی جانوں اور اموال پر اپنے حق کا دعویٰ کرے گی، اور مدعی علیہ کی جان اور مال کی حفاظت ممکن نہیں رہے گی، اور مدعی کی حفاظت
گوارہی کے ذریعہ ممکن ہے، نیز اس حدیث میں اہم شافعی اور مجہور فقہاء اسلام کے اس موقف پر دلیل ہے کہ ہر وہ شخص جس کے خلاف دعویٰ
کیا جائے اس پر قسم کھانا لازم ہے عام ازیں کہ اس کے اور مدعی کے مابین کوئی اختلاط اور میل ملاپ ہو یا نہ ہو، اس کے برخلاف
اہم مالک، مجہور فقہاء مالکیہ اور فقہاء مدینہ کی یہ رائے ہے کہ ہر مدعی علیہ پر قسم کھانا لازم نہیں ہے ورنہ اہل غرض اور جیلا شرفاء پر جو بڑے
دعویٰ کر کے ایک دن میں ان پر کئی کئی قسمیں لازم کر دیں گے۔ اس لیے مدعی علیہ پر قسم کے لزوم کے لیے یہ شرط لگائی گئی ہے کہ مدعی
اور مدعی علیہ میں کسی قسم کا کوئی ربط اور اختلاط ہو جس کی وجہ سے دعویٰ کی صحت کا گمان ہو سکے (ورنہ ادبائش لوگ بلاوجہ کسی شریف آدمی پر
دعویٰ کریں گے کہ اس نے ہماری فلاں چیز دینی ہے ورنہ یہ قسم کھائے۔ سیدی غفرلہ) اختلاط کی تفسیر میں فقہاء مالکیہ کا اختلاف ہے
ایک قول یہ ہے کہ ایک یا دو آدمیوں کی شہادت سے یہ ثابت ہو کہ ان کے درمیان کوئی معاملہ یا قرعہ کا لین دین ہے، اور ایک قول
یہ ہے کہ معاملہ کا صرف شبہ بھی کافی ہے اور مجہور فقہاء اسلام کی دلیل اس باب کی حدیث ہے جس کی رو سے مطلقاً ہر مدعی علیہ پر قسم لازم
ہے خواہ ان کے درمیان کسی قسم کا اختلاط اور ربط ہو یا نہ ہو اور کتاب، سنت اور اجماع میں اختلاط کی اصل پر کوئی دلیل نہیں ہے لہذا

مدعی پر گواہ اور مدعی علیہ پر قسم کے لزوم کی حکمت مدعی پر گواہ لازم کرنے کی ایک حکمت تو وہ ہے جس کا خود اس

تصدیق کر دی جائے تو ہر شخص دوسرے شخص کی جان اور مال پر دعویٰ کرے گا اس لیے ضروری ہے کہ مدعی اپنے دعویٰ کے صدق پر
گواہ پیش کرے، اور مدعی علیہ جو کہ اس دعویٰ کا منکر ہو تا ہے اس لیے اس پر لازم ہے کہ وہ قسم کھا کر اپنی برادرت کو ثابت کرے
دوسری وجہ یہ ہے کہ مدعی کی جانب ضعیف ہوتی ہے کیونکہ وہ اس چیز کا دعویٰ کر رہا ہے جو دوسرے شخص کے قبضہ میں ہے اور
ظاہر حال کا تقاضا یہ ہے کہ چیز اسی کی ہے جس کے قبضہ میں ہے اس لیے مدعی کی جانب ظاہر حال کے خلاف ہونے کی وجہ سے ضعیف
ہے اس وجہ سے اس پر گواہ پیش کرنا لازم ہے اور مدعی علیہ کی جانب قوی ہوتی ہے، کیونکہ ظاہر حال اس کا موید ہے اس وجہ سے

اس کے لیے تم کھانا کافی ہے۔

مدعی اور مدعی علیہ کی تعریفات علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں کہ مدعی اور مدعی علیہ کی تعریفات میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ مدعی وہ شخص ہے جو بغیر حجت اور دلیل کے اپنے دعویٰ کا مستحق نہ ہو سکے دوسرا

قول یہ ہے کہ مدعی وہ ہے جو ظاہر حال کے خلاف دعویٰ کرے تیسرا قول یہ ہے کہ مدعی ایک ایسی پرشیدہ چیز کا ذکر کرنے جو ظاہر کے خلاف ہو چرچا قول یہ ہے کہ مدعی وہ شخص ہے جو اگر اپنے دعویٰ کو چھوڑ دے تو اس کو چھوڑ دیا جائے اور یہ تعریف احسن ہے کیونکہ یہ جامع اور مانع تعریف ہے، اور مدعی علیہ وہ شخص ہے جو بغیر حجت کے اپنی چیز کا مستحق ہوتا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ مدعی علیہ وہ ہے جو ظاہر کے ساتھ متعلق ہو اور تیسرا قول یہ ہے کہ مدعی علیہ وہ شخص ہے کہ اگر وہ مقدمہ کو چھوڑنا چاہے تو اس کو نہ چھوڑا جائے بلکہ مقدمہ پر مجبور کیا جائے۔ لے

علامہ ابو عبد اللہ دشتانی مالکی لکھتے ہیں: مدعی علیہ وہ شخص ہے جس کا دعویٰ اصل کے مطابق ہو اور اصل یہ ہے کہ اس کے خلاف کوئی مقدمہ اور معاملہ نہ ہو، اور مدعی وہ شخص ہے جو اس اصل کو اپنی طرف منتقل کرنے کی سعی کرے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی بچہ یا بڑا شخص حریت الاصل (اصل میں آزاد) ہونے کا دعویٰ کرے اور دوسرا شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ اس کا ملک ہے تو اس شخص کے قول کا اعتبار کیا جائے گا جو حریت الاصل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کیونکہ اصل میں تمام انسان آزاد ہیں اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ وہ شخص اس کا ملک اور غلام ہے اس سے کہا جائے گا کہ تم گواہ پیش کرو۔ علامہ ابن حاجب نے یہ ذکر کیا ہے کہ مدعی وہ شخص ہے جس کا دعویٰ کسی معصوق سے خالی ہو اور مدعی علیہ وہ شخص ہے جس کا قول صرف اصل سے مزید ہو، النہی یہ تمام تعریفات اس تعریف کی طرف جمع کرتی ہیں کہ مدعی علیہ وہ شخص ہے جو اصل کا دعویٰ کرے اور مدعی وہ شخص ہے جو اس اصل کو اپنی طرف منتقل کرنے کا دعویٰ کرے لے

جائز اور حق بات پر تم کھانے کے استحسان پر دلائل اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو

اس کے لیے تم کھانا مباح ہے اور اس تم کھانے سے اس پر کوئی گناہ ہوگا نہ کوئی وبال ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تم کھانے کو مشروع کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی حرام چیز کو مشروع نہیں فرماتا، قرآن مجید میں تین مقامات پر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حق بات پر تم کھانے کا حکم دیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابی کے سامنے ایک کھجور کے درخت پر تم کھائی پھر وہ ان کو بہہ کر دیا، اور یہ فرمایا اگر میں نے تم نہ کھائی تو مجھے یہ خوف ہے کہ لوگ اپنے حق پر تم کھانا چھوڑ دیں گے اور تم نہ کھانا سنت ہو جائے گا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: تم کھانے میں دو فائدے ہیں ایک تر مال خائے ہونے سے محفوظ رہتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال خائے کرنے سے منع فرمایا ہے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ تمہارا مسلمان بھائی جو ظلم کر کے تمہارا حق مارنا چاہتا ہے تم تم کھا کر اس کو اس ظلم سے باز رکھتے ہو اور اس کو ناحق مال غیر کھانے سے بچاتے ہو۔ یہ ظلم کی خیر خواہی ہے اور اس کو ظلم سے روکتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ انسان تم کھا کر اپنا حق لے لے۔

۱۔ علامہ بدر الدین ابو محمد محمد بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، حاشیہ القاری ج ۱ ص ۸۵، ۸۴، مطبوعہ دار الفکر للطباعة والنشر بدمشق ۱۳۲۸ھ

۲۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن غفران دشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال الکمال العلم ج ۵ ص ۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

اگر کوئی شخص تم کھانے سے بچے اور اپنا جائز حق چھوٹے مدعی علیہ پر چھوڑ دے تو اس میں ظالموں اور غنائوں کی وصلہ افزائی ہو گی بلکہ ایک طرح ظلم پر مدد اور معاونت ہوگی اور یہ جائز نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (مائدہ: ۲) نگاہ اور سرکشی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو یہ لے

مذاہب ائمہ کی روشنی میں وہ مقدمات جن میں منکر سے قسم لینا جائز نہیں ہے | علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ حقوق کی دو قسمیں ہیں ایک اللہ کا حق ہے اور دوسرا بندے کا حق ہے اور دونوں حقوق کی دو دو قسمیں ہیں:

بندے کے حق کی پہلی قسم | جو چیز مال ہو یا اس چیز سے مال مقصود ہو، اہل ظلم کے نزدیک اس میں قسم کھانا مشروع ہے اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، اگر مدعی نے اس حق پر دو گواہ پیش کر دے تو اس کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا ورنہ مدعی علیہ قسم کھا کر بری ہو جائے گا۔

بندے کے حق کی دوسری قسم | جس چیز کا مقدر ہے وہ نہ تو مال ہو اور نہ اس سے مال مقصود ہو جیسے حد قذف، نکاح، طلاق، رجعت، عتی، نسب، استیلاء، فلاح وغیرہ امام احمد کے اس میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس میں مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی نہ اس پر قسم پیش کی جائے گی، امام احمد کہتے ہیں کہ میں نے متقدمین میں سے کسی سے یہ نہیں سنا جو اموال اور ساند سامان کے سوا کسی چیز میں قسم لینے کو جائز قرار دیتا ہو، امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ نکاح اور رجعت پر قسم لینا صحیح ہے، ایلام میں رجوع، طلاق اور نسب وغیرہ ان میں قسم طلب نہیں کی جائے گی، کیونکہ ان چیزوں کا بدل نہیں ہے اور قسم اس چیز میں طلب کی جاتی ہے جس کا بدل ہو، اور اس میں مدعی علیہ کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ قسم کھائے یا مدعی کے دعویٰ کو تسلیم کرے۔ اور چونکہ یہ امور دو گواہوں کے بغیر ثابت نہیں ہوتے اس لیے ان میں مدعی علیہ پر قسم نہیں پیش کی جاتی۔ امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ طلاق، قصاص، اور قذف میں قسم طلب کی جائے گی، غرق نے کہا ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا میں نے تجھ سے رجوع کر لیا تھا اور عورت یہ کہے کہ تیرے رجوع سے پہلے میری عدت پوری ہو چکی تھی تو عورت سے قسم لے کر اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا اور جب چار ماہ کی عدت میں مرد اور عورت کا اختلاف ہو تو قسم کے ساتھ مرد کے قول کا اعتبار کیا جائے گا یہ عدت ایلام سے متعلق ہے۔ سیدی مغیرہ اور اس قول کے تقاضے سے بندے کے ہر حق پر قسم طلب کی جائے گی، امام شافعی امام محمد اور امام ابو یوسف کا یہی قول ہے، کیونکہ امام مسلم نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر دو گروں (کے حقوق) ان کے دعویٰ کے مطابق دے دیے جائیں تو ہر قسم دوسری قوم کی جانوں اور اموال پر دعویٰ کرے گی لیکن مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہر قسم کے دعویٰ کو شاک ہے اور یہ فرمان قصاص کے دعویٰ کو بھی شامل ہے کیونکہ آدمی کے حق میں قصاص کا دعویٰ صحیح ہے لہذا مال کی طرح مدعی علیہ سے جان پر قسم لینا بھی جائز ہے۔

اللہ کے حق کی پہلی قسم | یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں ان میں قسم مشروع نہیں ہے اور ہمارے ظلم کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، لہذا اگر کسی شخص نے کسی جرم (مثلاً زنا) کا اقرار کیا اور پھر اس اقرار سے رجوع کر لیا تو اس کے رجوع کو قبول کر لیا جائے گا اور اس سے قسم نہیں لی جائے گی اور اس کو چھوڑ دیا جائے گا، کیونکہ اسی کا پردہ رکھنا مستحب ہے اس لیے

اس کو رجوع کی تلقین کی جاتی ہے اور گواہوں کے لیے بھی یہ مستحب ہے کہ وہ ستر کریں جیسا کہ حضرت ماعز کے قصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہزال سے فرمایا تھا اگر تم اس کا پردہ رکھتے تو بہتر تھا۔

اللہ کے حق کی دوسری قسم | یہ حقوق مالیہ ہیں مثلاً عامل زکوٰۃ کسی شخص پر یہ دعویٰ کرے کہ اس کا نصاب زکوٰۃ مکمل ہو گیا ہے، امام احمد کہتے ہیں کہ اس معاملہ میں مالک نصاب کا قریب تر قسم کے معتبر ہے اور لوگوں سے ان کے صدقات پر حلف نہیں لیا جائے گا، امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد یہ کہتے ہیں کہ لوگوں سے ان کے صدقات کے متعلق حلف لیا جائے گا کیونکہ اس دعویٰ کی سماعت کی جاتی ہے اور یہ آدمی کے حق کے مشابہ ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ حقوق اللہ ہیں اور حد کے مشابہ ہیں نیز صدقات کا ادا کرنا عبادت ہے اس لیے اس پر قسم نہیں لی جائے گی جیسا کہ نماز پر قسم نہیں لی جاتی اور اگر کسی شخص پر یہ دعویٰ کیا جائے کہ اس پر قسم کا یا ظہار کا کفارہ ہے یا اس پر کسی حد کے نذر ہے تو اس میں بغیر قسم کے اس شخص کے قول کا اعتبار کیا جائے گا اور اس معاملہ میں دعویٰ کی سماعت جہیں کی جائے گی اور نہ کسی اور حد میں دعویٰ کی سماعت کی جائے گی کیونکہ اس معاملہ میں کسی مدعی کا حق نہیں ہے اور نہ کسی شخص کی اس پر ولایت ہے اس لیے اس دعویٰ کی سماعت نہیں ہوگی ہاں اگر کسی معاملہ میں اللہ کے حق کے ساتھ بندے کا حق بھی متضمن ہو جائے تو پھر اس دعویٰ کی سماعت ہوگی مثلاً کسی شخص پر یہ دعویٰ کیا جائے کہ اس نے اس کا مال چور یا بے تالا اس سے وہ اپنا مال برآمد کرے یا اس کو اس مال کا ضامن کرے یا کسی شخص پر یہ دعویٰ کرے کہ اس نے اس کی باندی سے زنا کیا ہے تاکہ اس شخص سے باندی کا ہر وصول کیا جاسکے تو اس دعویٰ کی سماعت کی جائے گی وہ مقدمات جن میں فقہاء احناف کے نزدیک منکر سے قسم لینا جائز نہیں ہے | علامہ ابو الحسن مرغینانی لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ

کے نزدیک حسب ذیل صورتوں میں منکر سے قسم نہیں لی جائے گی:

- (۱) نکاح: مثلاً ایک شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس کا اس عورت سے نکاح ہے اور عورت انکار کرے یا اس کے برعکس ہو۔
- (۲) رجعت: مثلاً طلاق کی عدت گزرنے کے بعد مرد یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لیا تھا اور عورت منکر ہے یا اس کے برعکس ہو۔
- (۳) ایلا: (یعنی چار ماہ تک عورت سے عمل ازدواج نہ کرنے کی قسم کھانا، اگر یہ مرد قسم پوری کرے تو چار ماہ بعد عورت باندہ ہو جائے گی) میں رجوع کا دعویٰ کرنا مثلاً چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد مرد یہ دعویٰ کرے کہ اس نے عدت کے اندر عمل ازدواج کر لیا تھا اور عورت منکر ہو یا اس کے برعکس ہو۔
- (۴) غلام ہونے کا دعویٰ: مثلاً کسی مجہول النسب شخص کے بارے میں کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ میرا غلام ہے اور وہ شخص منکر ہو یا اس کے برعکس ہو۔
- (۵) ام ولد ہونے کا دعویٰ: مثلاً کوئی عورت اپنے مولیٰ پر دعویٰ کرے کہ وہ اس کی ام ولد ہے، اس کا عکس متصور نہیں ہے۔
- (۶) ولاد: مثلاً کسی مجہول النسب شخص کے بارے میں کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ اس کا مولیٰ ہے اور اس نے اس کو آزاد کیا تھا اور وہ شخص منکر ہو یا اس کے برعکس ہو۔ یا یہ صورت ولاد موالات میں ہو۔

(۷) - نسب: مثلاً کسی مجہول النسب کے بارے میں کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ اس کا بیٹا ہے یا اس کا فائدہ ہے اور وہ شخص منکر ہو یا اس کے برعکس ہو۔

(۸) - حدود: مثلاً کوئی شخص دوسرے شخص پر ایسے جرم کا دعویٰ کرے جس پر حدود میں سے کوئی حد لازم آتی ہو اور وہ شخص منکر ہو۔

(۹) - لعان: مثلاً عورت اپنے شوہر پر یہ دعویٰ کرے کہ اس کے شوہر نے اس کو ایسی تہمت لگائی ہے جس سے لعان واجب ہوتا ہے (یعنی زنا کی تہمت لگائی ہے) اور شوہر اس کا منکر ہو۔

امام ابو یوسف اور امام محمد پر گہکتے ہیں کہ حدود اور لعان کے سوا ان تمام صورتوں میں منکر سے قسم لی جائے گی، مابقی کی دلیل یہ ہے کہ مدعی علیہ کا قسم کھانے سے انکار کرنا دعویٰ کا اقرار کرنا ہے، اور یہ انکار اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دعویٰ کا انکار کرنے میں جھوٹا ہے کیونکہ اگر وہ جھوٹا نہ ہوتا ترجیح اور حق پر قسم کھا لیتا اور جو چیز واجب ہے اس کو ثابت کرتا، لہذا اس کا قسم کھانے سے انکار کرنا دعویٰ کا اقرار یا اس کا بدلہ ہے۔ لیکن یہ ایسا اقرار ہے جس میں شبہ ہے اور حدود و شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں اور لعان بھی مکمل حد ہے اس لیے حدود اور لعان میں تو منکر سے قسم نہیں لی جائے گی اور باقی صورتوں میں منکر سے قسم لی جائے گی۔

امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ منکر کا قسم سے انکار کرنا "بدل" ہے یعنی وہ منازعت اور جھگڑے کو ترک کر رہا ہے اور اس سے اعراض کر رہا ہے نہ یہ کہ مدعی کے دعویٰ کو تسلیم کر رہا ہے اور بدل کے ساتھ قسم کا انکار دعویٰ کے ثبوت کے لیے موجب نہیں رہتا اور منکر کے انکار کو "بدل" پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے تاکہ یہ لازم نہ آئے کہ وہ دعویٰ کے انکار میں کاذب تھا جمعی تو قسم کھانے سے انکار کر رہا ہے (کیونکہ جہاں تک ممکن ہو مسلمان کو کذب سے بچانا چاہیے) اور ان امور میں "بدل" جاری نہیں ہوتا (مثلاً ایک مرد ایک عورت پر نکاح کا دعویٰ کرے عورت اس نکاح کی منکر ہو لیکن وہ قسم نہ کھائے اور کہے کہ میرا تہار سے ساتھ نکاح نہیں ہوا لیکن میں قسم کھانے کی بجائے اپنے آپ کو تہار سے حلال کر دیتی ہوں تو عورت کا یہ بدل صحیح نہیں ہے، اسی طرح جس شخص پر کسی نے اپنے غلام ہونے کا دعویٰ کیا ہے وہ کہے میں اصل میں آزاد ہوں لیکن میں قسم کھانے کے بجائے اپنے آپ کی تہاری غلامی میں دیتا ہوں تو اس کا یہ بدل صحیح نہیں ہے، اس طرح جس شخص پر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ اس کا بیٹا ہے وہ کہے میں دراصل فلاں شخص کا بیٹا ہوں لیکن یہ دعویٰ مجھے مضرت ہے اس لیے میں اپنا نسب اس کے لیے مباح کرتا ہوں تو یہ بدل صحیح نہیں ہے) اور منکر سے قسم لینے کا فائدہ یہ ہے کہ قسم سے انکار کا بناء پر مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے اور جب یہاں مدعی کے حق میں فیصلہ نہیں ہو سکتا تو منکر سے قسم بھی نہیں لی جائے گی۔ البتہ قسم سے انکار کرنا منازعت اور خصومت کو دلیل کرنے کے لیے بدل کرنا ہے اس وجہ سے اگر کوئی شخص مکاتب یا عبد مازون ہونے کا دعویٰ کرے اور مالک منکر ہو اور بدل کرتے ہوئے قسم نہ کھائے تو وہ شخص مکاتب یا عبد مازون قرار دیا جائے گا، کیونکہ اس میں ان کی معمولی رعایت ہے اور اگر کوئی شخص کسی پر قسم کا دعویٰ کرے اور مدعی علیہ بدل کرتے ہوئے قسم نہ کھائے تو اس پر قرعہ ادا کرنا لازم ہوگا، کیونکہ یہ مال کا معاملہ ہے، ایک شخص اپنا مال دوسرے پر مباح کر سکتا ہے لیکن کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنا نفس دوسرے پر مباح کر دے۔ اس لیے کوئی عورت قطع منازعت کی خاطر بدل کرتے ہوئے کسی غیر شخص پر اپنا نفس مباح نہیں کر سکتی اس وجہ سے امام ابو حنیفہ نے ان تمام صورتوں میں بدل کا اعتبار نہیں کیا لہذا ان کے نزدیک ان تمام صورتوں میں منکر سے قسم نہیں لی جائے گی۔ ۱۷

مدعی علیہ کے انکار کے بعد مدعی پر قسم لوٹانے میں مذاہب فقہاء | علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اگر مدعی علیہ یہ کہے کہ میں قسم نہیں کھاتا یا خاموش رہے اور

کسی بات کا ذکر نہ کرے تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ آیا دعویٰ مال کا ہے یا اس دعویٰ سے مال مقصود ہے یا نہیں؟ اگر مال کا دعویٰ ہو یا اس سے مال مقصود ہو تو قسم سے انکار کی بناء پر مدعی علیہ کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا اور مدعی پر قسم نہیں لوٹائی جائے گی۔ امام احمد بن حنبل نے اس کی تصریح کی ہے انہوں نے کہا ہے کہ میں مدعی پر قسم لوٹانے کو جائز نہیں کہتا اگر مدعی علیہ نے حلف اٹھایا تو فیہا درہ مدعی کو اس کا حق دے دیا جائے گا، امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابو الخطاب کا مختار یہ ہے کہ اگر مدعی علیہ قسم نہ کھائے تو قاضی مدعی پر قسم لوٹا سکتا ہے اور مدعی کے حلف کے بعد اس کے دعویٰ کے مطابق فیصلہ کر دے۔ ابو الخطاب نے کہا ہے کہ امام احمد نے اسی قول کو اجماع صحیح کہا ہے، اور کہا ہے کہ یہ میرا از حق نہیں ہے، یہی اہل مدینہ کا قول ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی روایت ہے اور شریح شعبی، نخعی، ابن سیرین اور امام مالک کا بھی خصوصاً اہل میں یہی قول ہے۔ امام شافعی کا تمام قسم کے دعاوی میں یہی قول ہے کیوں کہ نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا کہ اس لیے کہ جب مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو مدعی کا صدق ظاہر ہو گیا اور اس کی جانب قری ہو گئی۔ پس اس کے حق میں بھی مدعی علیہ کی طرح قسم شروع ہو جائے گی۔ نیز اس لیے کہ کبھی مدعی علیہ اس لیے قسم نہیں کھاتا کہ وہ صورت حال سے ناواقف ہو رہا ہے اور جس کی اس کو پوری تحقیق نہیں ہے اس پر قسم کھانے سے بچتا ہے یا قسم کے اخروی انجام کے خوف سے قسم نہیں کھاتا یا دعویٰ کے انکار میں اپنے صادق ہونے کے یقین کے باوجود تہمت سے بچنے کے لیے قسم نہیں کھاتا تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ اس نے جھوٹی قسم کھائی ہے اس لیے مدعی علیہ کے ضمن قسم نہ کھانے سے مدعی کا صدق ظاہر نہیں ہوتا اس لیے بغیر دلیل کے مدعی کے حق میں فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہے اور جب مدعی نے اپنے دعویٰ پر قسم کھالی تو مدعی کے صدق پر دلیل قائم ہو گئی اور اب اس کے حق میں فیصلہ کرنا صحیح ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں کہ امام احمد کے قول پر ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لیکن مدعی علیہ پر قسم ہے“ اس حدیث میں آپ نے قسم کا مدعی علیہ میں حصر کر دیا ہے، نیز آپ نے فرمایا: ”مدعی پر گواہ پیش کرنا لازم ہے“ اور مدعی علیہ پر قسم لازم ہے؟ اس حدیث میں آپ نے جنس گواہ کا مدعی میں حصر کر دیا اور جنس قسم کا مدعی علیہ میں حصر کر دیا نیز حضرت ابن عمر پر دعویٰ کیا گیا کہ انہوں نے ایک غلام میں عیب معلوم ہونے کے باوجود اس کو فروخت کر دیا حضرت عثمان نے حضرت ابن عمر سے کہا تم قسم کھاؤ کہ تم کو بیع کے وقت اس عیب کا علم نہیں تھا، حضرت ابن عمر نے قسم کھانے سے انکار کیا تو حضرت عثمان نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر کے غلام ان کو واپس کر دیا۔ اور امام شافعی کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اگر مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کرے تو اس کو قید کر لیا جائے گا حتیٰ کہ یا تو وہ دعویٰ کے صدق کو مان لے یا اس کے خلاف قسم کھائے اور سنن دارقطنی کی جس روایت سے استدلال کیا گیا ہے وہ ضعیف ہے اور حضرت عثمان کے فیصلہ کو حضرت ابن عمر کا تسلیم کرنا اس کے ضعف کو مزید ظاہر کرتا ہے۔ ۱۷

مدعی علیہ کے انکار کے بعد مدعی پر قسم لوٹانے میں فقہاء احناف کا نظریہ | علامہ ابو الحسن مرعشی

ہیں۔ جب مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کرے تو اس کے انکار کی بناء پر مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا اور

امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ مدعی کے حق فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ مدعی پر قسم لٹائی جائے گی اگر مدعی نے اپنے دعویٰ پر قسم کھائی تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ مدعی علیہ کے قسم کھانے سے انکار کرنے میں دو احتمال ہیں ایک یہ ہے کہ اس نے جھوٹی قسم سے اعتراف کیا بنا پر قسم سے انکار کیا ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس نے تہمت سے بچنے کے لیے سچی قسم کھانے سے بھی انکار کیا تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ اس نے جھوٹی قسم کھائی۔ اسی وجہ سے حضرت عثمان نے ایک مقدمہ میں قسم نہیں کھائی تھی۔ پھر اس وجہ سے انکار کیا کہ اس پر صورت حال مقتبہ تھی اور اس احتمال کی بنا پر صرف مدعی علیہ کا قسم سے انکار کرنا، مدعی کے صدق کی دلیل نہیں ہے اور جب مدعی قسم کھائے گا تو اس کے دعویٰ کا صدق ظاہر ہو جائے گا پھر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ہمارا دلیل یہ ہے کہ مدعی علیہ کا قسم کھانے سے انکار کرنا اس کے بذل پر دلالت کرتا ہے یعنی وہ محاممت اور تنازعت کو ترک کرنے کے لیے قسم نہیں کھاتا یا اس کا انکار اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے مدعی کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ قسم کھاتا اور اپنے آپ کو نقصان سے بچاتا نیز منکر پر قسم کھانا واجب ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ قسم کھاتا اس لیے اس کے انکار کی وجہ سے مدعی کے صدق کی جانب راجع ہو گئی اور مدعی پر قسم لٹانے کی اس لیے ضرورت نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی پر صرف گولہ پیش کرنے کو واجب کیا ہے اور مدعی علیہ پر قسم لازم کہ ہے اور مدعی پر قسم لٹانا اس تقسیم کے منافی ہے۔ لہ

ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ کیا۔

بَابُ الْقَضَاءِ بِالْيَمِينِ وَالشَّاهِدِ

۲۳۵۸ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا زَيْدٌ وَهُوَ ابْنُ حُبَابٍ حَدَّثَنَا ثَعْلَبَةُ بْنُ سَيْفٍ بْنُ سُلَيْمَانَ أَخْبَرَنَا قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بِيَمِينٍ وَشَاهِدٍ

علامہ یحییٰ بن شرف نوادی لکھتے ہیں: اس باب کی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مدعی اپنے

ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنے میں مذاہب ائمہ

دعویٰ پر ایک گواہ پیش کرے اور (دوسرے گولہ کی جگہ) قسم کھائے تو اس کے حق میں فیصلہ کرنا جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے امام ابو حنیفہ، فقہاء کوفہ، شافعی، حنبل، مالکی، لیسٹ اور اندلس کے فقہاء، مالکیہ یہ کہتے ہیں: ایک گواہ اور قسم کی بنا پر کسی قسم کا فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے اور صحابہ کرام تابعین و ائمہ اور مجاہد فقہاء اسلام کا یہ مسلک ہے کہ اموال اور بدن چیزوں سے اموال کا قصہ کیا جاتا ہے، ان میں ایک گواہ اور قسم کی بنا پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا بھی یہی نظریہ ہے، عمر بن عبد العزیز، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، فقہاء مدینہ، فقہاء حجاز اور دیگر شہروں کے فقہاء کا بھی یہی مسلک ہے، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت زید بن ثابت، حضرت جابر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عمارہ بن حزم، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت معمر بن شیبہ رضی اللہ عنہم سے اس مسئلہ کی بکثرت احادیث مروی ہیں اور ائمہ حدیث نے بیان

کیا ہے کہ اس باب میں صحیح ترین روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں کسی نے جرح نہیں کی اور ائمہ فقیہ حدیث کے نزدیک اس حدیث کی صحت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت جابر وغیرہما کی احادیث حسن ہیں۔ ۱۵

ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کے جواز میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل | علامہ ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ مقربات

نکاح، طلاق اور ان کے عوارض اور لازم یعنی ایلاء، طلاق اور ظہار وغیرہ میں نزدیک گواہ ضروری ہیں لیکن مالیات میں ایک گواہ اور مدعی کی قسم سے بھی مدعا ثابت ہو جاتا ہے۔ ۱۶

علامہ ابن قدامہ منبلی کہتے ہیں: امام محمد بن حسن شیبانی نے کہا ہے کہ ایک گواہ اور مدعی کی قسم کی بنیاد پر فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأَسْتَشْهَدُ وَأَشْهَدُ مِنْ رَجُلَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ أَوْ مَعَهُ زَكَاةٌ أَوْ مَعَهُ قَرْضٌ أَوْ مَعَهُ كَيْفَ يَكُونُ الرَّجُلَانِ (البقرة: ۲۸۲)

اور جس شخص نے اس حکم پر زیادتی کی اس سے نفس قرآن پر زیادتی کی اور نفس میں زیادتی کرنا اس نفس کو منسوخ کرنا ہے نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مدعی پر گواہ پیش کرنا لازم ہے اور منکر پر قسم کھانا واجب ہے، اس حدیث میں قسم کا مدعی علیہ میں حصہ ہے جیسا کہ گواہ پیش کرنے کا مدعی میں حصہ ہے۔

علامہ ابن قدامہ، امام محمد کے استدلال کے جواب میں کہتے ہیں کہ ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کی بنیاد پر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کر دیا اور اس سے اس آیت کے حکم کا منسوخ ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ حکم اس وقت منسوخ قرار دیا جاتا جب دو گواہوں کی بنیاد پر فیصلہ کرنا ناجائز ہو جائے تاہم اس آیت میں دو گواہوں کی شرط شہادت کی ادائیگی کے لیے نہیں ہے بلکہ شہادت کے مکمل یعنی حصول شہادت کے لیے یہ ضروری ہے کہ دو گواہ ہوں۔ اور جو حدیث امام محمد نے پیش کی ہے (مدعی پر گواہ لازم ہیں اور مدعی علیہ پر قسم) وہ حدیث ضعیف ہے علاوہ ازیں قسم کا مدعی علیہ میں حصہ نہیں ہے کیونکہ قسم لگانا، قسامت اور اختلاف فی البیع کی صورت میں بھی مشروع ہے اور ان صورتوں میں صرف مدعی علیہ پر قسم نہیں ہوتی۔ اور امام محمد کا یہ کہنا کہ ایک گواہ اور مدعی کی قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہے، اس قول کو متفحص ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بعد خلفائے راشدین نے جو ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کیے ہیں وہ فیصلے صحیح نہ ہوں اور محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہے وہ محمد بن حسن شیبانی کے فیصلہ سے افضل ہے جو آپ کا مخالف ہے۔ ۱۷

ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کی حدیث کی فتنی حیثیت | ایک گواہ اور مدعی کی قسم کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کے جواز پر ائمہ ثلاثہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

۱۵۔ علامہ یحییٰ بن شرف ذہبی شافعی متوفی ۶۷۲ھ، شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴، مطبوعہ دارالمنہج، کراچی، ۱۳۷۵ھ

۱۶۔ علامہ موقی الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ منبلی متوفی ۶۲۰ھ، المنہج ج ۱۲ ص ۹-۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ

۱۷۔ علامہ موقی الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ منبلی متوفی ۶۲۰ھ، المنہج مع الشرح ج ۱۲ ص ۱۲-۱۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ

کی جس روایت سے استدلال کیا ہے حافظ ذہبی نے اس کے دو جواب دیے ہیں: پہلا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے، امام ترمذی نے علل کثیر میں لکھا ہے کہ میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا عمرو بن دینار نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نہیں سنا، (حافظ ذہبی کہتے ہیں:) اس کی دلیل یہ ہے کہ حافظ ذہبی نے عمرو بن دینار کی روایت کو حضرت ابن عباس سے طاؤس کے واسطے سے روایت کرتے ہیں، نیز اس حدیث میں دوسرا انقطاع یہ ہے کہ اس کا سند میں قیس بن سعد کی عمرو بن دینار سے روایت ہے حالانکہ قیس بن سعد کی عمرو بن دینار سے کوئی روایت نہیں ہے جیسا کہ امام طحاوی نے فیہ کی تصریح کی ہے۔ غرض اس حدیث میں دو انقطاع ہیں۔ ابن القفلان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ہر چند کہ امام مسلم نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں از قیس بن سعد از عمرو بن دینار از ابن عباس روایت کیا ہے لیکن اس میں ان دونوں جگہ انقطاع ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ امام بخاری نے کہا ہے کہ عمرو بن دینار نے حضرت ابن عباس سے اس حدیث کو نہیں سنا، امام طحاوی کہتے ہیں کہ قیس بن سعد نے عمرو بن دینار سے کسی حدیث کو نہیں سنا۔ امام دارقطنی نے اس حدیث کو از طاؤس از ابن عباس روایت کیا ہے لیکن اس سند میں ایک راوی عبد اللہ بن محمد بن ربیعہ مترک ہے۔

اس حدیث کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض ہم اس حدیث کی سند کو صحیح بھی تسلیم کر لیں تب بھی یہ مفید محکم نہیں ہے۔ امام فخر الدین نے کہا ہے کہ جب صحابی یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز سے منع فرمایا یا اس چیز کا فیصلہ فرمایا تو یہ محکم کا قاعدہ نہیں دیتا کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ صحابی نے کسی خاص واقعہ کی حکایت کی ہو، اور اس حدیث کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنس شاہد یا جنس یمنین (قسم) کی بنا پر فیصلہ کیا ہو، بہر صورت بر تقدیر صحت اس حدیث میں کسی خاص واقعہ کا بیان ہے اور یہ عام قاعدہ نہیں ہے۔ ۱۷

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں: علامہ کافی نے کہا ہے کہ امام شافعی کا یہ نظر یہ ہے کہ جب مدعی ایک گواہ پیش کرے اور دوسرا گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو تو پھر مدعی پر قسم دہانی ہونے لگی، اگر اس نے قسم کھائی تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا اور اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو پھر اس کے حق میں مطلقاً فیصلہ نہیں کیا جائے گا، امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کر دیا، لیکن یہ حدیث غریب ہے اور جو حدیث ہم نے بیان کی ہے (یعنی مدعی پر گواہ پیش کرنا لازم ہے اور منکر پر قسم کھانا لازم) یہ حدیث مشہور ہے جس کو امام احمد نے قبول کیا ہے حتیٰ کہ یہ حدیث متواتر کے درجہ میں ہے۔ اس لیے وہ حدیث جو غریب ہے وہ اس حدیث کے معارض نہیں ہو سکتی جو مشہور بلکہ متواتر ہے۔ علاوہ ازیں یحییٰ بن یحییٰ نے اس کو رد کر دیا ہے۔ اور امام ذہبی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ یحییٰ بن یحییٰ نے اس کو رد کر دیا ہے۔ نیز اس حدیث کو ربیعہ نے سہل بن ابی صالح سے روایت کیا ہے اور سہل نے اس کا انکار کیا ہے اور جب راوی کسی روایت کا انکار کر دے تو وہ روایت تحت جنس رہتی چہ جائیکہ وہ حدیث مشہور کے معارض ہو سکے۔ نیز اس حدیث کے معنی میں یہ احتمال بھی ہے کہ کبھی آپ نے جنس گواہ کی بنا پر فیصلہ کیا اور کبھی آپ نے جنس یمنین (قسم) کی بنا پر فیصلہ کیا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ زید گھوڑے اور فخر پر حمار ہوا یعنی کبھی گھوڑے پر اور کبھی فخر پر اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیں کہ اس حدیث میں ایک ہی وقت کا فیصلہ مراد ہے تو یہ کب لازم ہے کہ اس حدیث میں قسم سے مدعی کی قسم مراد ہو، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ مدعی علیہ کی قسم مراد ہو اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ایک گواہ کا اقبال نہیں کیا جاتا اور چرک اس کا وجود اور عدم برابر ہے اس لیے آپ نے مدعی علیہ کی قسم پر فیصلہ کر دیا۔ اس صورت میں یہ حدیث اس حدیث مشہور (مدعی پر گواہ لازم)

اور مدعی علیہ پر قسم کھانا ہے) کے معارض بھی نہیں ہوگی بلکہ موافق ہو جائے گی۔ لہ
اشد اکبریہ وہ حدیث ہے جو سنداً و درجہ سے مستقطع ہے، اور محدثین کی تصریح کے مطابق ضعیف اور مردود ہے اور
اس کی بناء پر علامہ ابن قدامہ المہم محمد بن حسن شیبانی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا الزام عائد کر رہے ہیں، حالانکہ
امام محمد قرآن مجید کی آیت اور حدیث مشہور کے مطابق عمل کرتے ہیں اور باوجود ضعف اور انقطاع کے اس حدیث کی
حدیث مشہور کے مطابق تاویل اور ترجیح کرتے ہیں جیسا کہ علامہ ابن ہمام نے امام ذہبی سے نقل کیا ہے۔

علامہ ابن قدامہ کے دیگر اعتراضات کے جوابات | علامہ ابن قدامہ امام مسدک دلی کے خلاف لکھتے ہیں کہ اگر
ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کر دیا جائے تو واستشهدوا
مشہدین "دو گواہوں کو طلب کرو" کا منسوخ ہونا لازم نہیں آتا۔ سورہ بھی غلط ہے کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت
میں گواہی کا عام قاعدہ یہ بیان کیا ہے کہ ہر زامی معاملہ میں دو گواہ طلب کیے جائیں، اگر کسی ایک مقدمہ میں بھی صرف ایک گواہ اور مدعی
کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا تو گواہی کا یہ قاعدہ کلیہ فرٹ جائے گا اور اس قاعدہ کا علم منسوخ ہو جائے گا اور وہ حدیث جس میں ایک سے
زیادہ منقطع راوی ہوں وہ قرآن مجید کے کسی عمومی حکم کو منسوخ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ باقی را علامہ ابن قدامہ کا یہ کہنا کہ قرآن
مجید میں دو گواہوں کی شرط مکمل شہادت کے لیے ہے گواہی دینے کے لیے نہیں ہے، سورہ بھی غلط ہے کیونکہ مکمل شہادت
کا مقصد گواہی دینا ہوتا ہے اور جب کسی معاملہ پر گواہ بننے کے لیے دو گواہوں کی شرط ہے تو گواہی دینے کے لیے دو
گواہوں کی شرط بدرجہ اولیٰ ہوگی۔

علامہ ابن قدامہ کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ حدیث البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر (مدعی پر گواہ اور منکر پر
قسم ہے) ضعیف ہے بلکہ یہ قول جاہل کے خلاف ہے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے، امام بیہقی نے
اس کو سنن کبریٰ میں روایت کیا ہے اور امام دارقطنی نے اس کو اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ ابن عدی نے اس کو دو سندوں سے روایت
کیا ہے اور امام داؤد نے اس کو کتاب المغازی میں روایت کیا ہے۔ لہ
یہ حدیث اس قدر اسانید کثیرہ سے مروی ہے کہ اس کو کما متواتر قرار دیا گیا ہے اور اس حدیث کے مشہور ہونے میں
سب کا اتفاق ہے۔

ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنے میں فقہاء اخلاف کا مسلک اور دلائل | علامہ ابوبکر جصاص
حنفی لکھتے ہیں:

ایک گواہ اور مدعی کی قسم میں فقہاء اخلاف یہ ہے، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور ابن شبر مہ کا یہ نظریہ
ہے کہ نیز دو گواہوں کے فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہے اور مدعی کے ایک گواہ اور اس کی قسم پر کوئی فیصلہ کرنا بھی صحیح نہیں ہے اور امام
مالک اور امام شافعی (اسی طرح امام احمد) کہتے ہیں کہ احوال میں ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنا صحیح ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص
کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

لہ۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۱ ص ۱۶۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ کھ

لہ۔ حافظ جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف ذہبی حنفی متوفی ۷۴۲ھ، نصب الرایہ ج ۲ ص ۱۶، مطبوعہ مجلس علمی سعادت ہند، ۱۳۵ھ

واستشهدوا شہیدین من رجائکم فان
لہ یكونا رجلین فرجل وامواتان ممن توفون
من الشہداء - (البقرہ ۲۸۲)

یہ آیت ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنے کو باطل قرار دیتی ہے، کیونکہ اس آیت کا سیاق یہ ہے کہ قرض پر دو گواہ بنائے جائیں تاکہ اگر کوئی فریق انکار کرے تو حاکم کے سامنے دو گواہوں کو پیش کر دیا جائے اور حاکم پر لازم ہے کہ وہ دو گواہوں کی بنیاد پر فیصلہ کرے۔ اس آیت میں امر کا صیغہ ہے جو وجوب کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مدققت میں فرمایا: فاجلدا وھما ثمانین جلدۃ - ان کو اتنی کوڑے مارو اور مدعنا میں فرمایا: فاجلدا واکل واحد منھما مائتۃ جلدۃ میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ سو جس طرح مدققت میں اتنی کوڑوں سے کم مارنا جائز نہیں ہے اور مدعنا میں سو کوڑوں سے کم مارنا جائز نہیں ہے اسی طرح نصاب شہادت میں دو گواہ سے کم کو پیش کرنا یا دو سے کم گواہوں پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے گواہوں کے متعلق دو چیزیں بیان کی ہیں ایک عدد اور ایک صفت۔ عدد میں دو گواہوں کو بیان فرمایا اور صفت میں فرمایا وہ تہلہ سے پسندیدہ گواہ ہوں یعنی آزاد اور نیک چال چلن کے گواہ ہوں۔ پس جس طرح غیر عادل کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے اسی طرح دو سے کم کو گواہ بنانا بھی جائز نہیں ہے، نیز اگر صرف ایک مدعنا گواہ پیش کرے تو اس کے ساتھ صرف ایک عورت پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا تاکہ دعویٰ کی صداقت پر کسی قسم کا شک اور شبہ نہ ہو تو صرف ایک مدعنا گواہ کے ساتھ اگر مدعی کی قسم کو ملا کر فیصلہ کر دیا جائے تو یہ فیصلہ مشکوک ہوگا اور جس حکمت کے پیش نظر ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کو لایا گیا تھا یہ اس حکمت کے خلاف ہو گیا۔

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان کو گواہ بناؤ جن کو تم پسند کرتے ہو اور مدعی کی قسم پر گواہ ہونا ساقی نہیں آتا اور نہ کوئی شخص اس کو پسند کرے کہ مدعی اپنی قسم سے اپنے دعویٰ کو ثابت کرے ان وجوہ سے یہ ظاہر ہو گیا کہ ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنا اس آیت کے خلاف ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدعی پر گواہ پیش کرنا ہے اور مدعی علیہ پر قسم ہے۔ ہر چند کہ یہ حدیث صحیحہ و اعلیٰ اقام سے ہے لیکن چونکہ اس حدیث کو تمام امت نے قبول کر لیا ہے اس لیے یہ حکم متواتر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگوں کے حقوق محض ان کے دعووں سے دب دیے جائیں تو ہر شخص دوسرے کی جان اور مال پر دعویٰ کرے گا، یہ حدیث دو طرح سے اس بات کے مخالف ہے کہ ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کیا جائے، اول اس لیے کہ مدعی کی قسم اس کا دعویٰ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محض کسی کے دعویٰ کی بناء پر اس کا حق نہیں دیا جائے گناہی اس لیے کہ مدعی کی قسم اس کا قول ہے اور محض کسی شخص کو اس کے قول کی بناء پر اس کا حق نہیں دیا جائے گا۔ نیز اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ حضرمی اور کنذی کا ایک زمین میں نزاع ہوا حضرمی نے کنذی پر زمین کا دعویٰ کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو تم دو گواہ پیش کرو یا اس کی قسم پر فیصلہ ہوگا اس کے سوا اور کوئی صہبت نہیں ہے، اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی کے حق کے ثبوت کے لیے صرف یہ فرمایا ہے کہ دو گواہ پیش کرے ورنہ اس کا دعویٰ ثابت نہیں ہوگا اگر ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر بھی فیصلہ جائز ہوتا تو آپ اس طرح نہ فرماتے۔

بعض احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کیا، علامہ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ ان احادیث کو

قبول کرنے سے پانچ ائمہ مانع ہیں:

(۱) ان احادیث کی اسانید ضعیف ہیں۔

(ب) ان احادیث کے راویوں نے ان روایات کا انکار کیا۔

(ج) یہ احادیث قرآن مجید کی نص صریح کے خلاف ہیں۔

(د) سند کے فساد سے مراد نظر کر کے بھی یہ احادیث ائمہ ثلاثہ کو مقید نہیں ہیں۔

(و) یہ بھی احتمال ہے کہ یہ احادیث کسی خاص صورت پر عمل ہوں۔

ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کی احادیث کا ضعف | عمر بن دینار نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کیا، یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ مرد

بن دینار کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع نہیں ہے۔ اسی طرح سہیل نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ کے ساتھ قسم پر فیصلہ کیا، لیکن سہیل کا حافظہ خراب ہو گیا تھا اور وہ اپنی روایات بھول گئے تھے، سلیمان کہتے ہیں کہ میری سہیل سے ملاقات ہوتی میں نے ان سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا میں اس حدیث کو نہیں پہچانتا، سلیمان نے کہا میں نے رمیدہ سے سنا وہ اس حدیث کو آپ سے روایت کر کے بیان کرتے ہیں سلیمان نے کہا اگر تم نے رمیدہ سے یہ حدیث سنی ہے تو رمیدہ سے روایت کر دو مجھ سے روایت کر دو۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ یہ حدیث روایت کرنے کے بعد بھول گئے یا ان کو دم لاقی ہو گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے ان کو جلد بھول لیا ہو یا وہ ابتداً بھول گئے ہوں اور جس چیز کو انہوں نے نہ سنا ہو اس کو روایت کر دیا ہو، خصوصاً اس صورت میں جبکہ انہوں نے آخر میں اس کا انکار کر دیا اسی طرح جعفر بن محمد سے بھی یہ حدیث مروی ہے لیکن وہ روایت مرسل ہے۔ عبداللہ ابی نے اس کا موازنہ ذکر کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ بہر حال ان ائمہ کی وجہ سے اس حدیث کی اسانید مجروح اور ضعیف ہیں اور یہ حدیث لائق استدلال نہیں ہے۔

ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کی حدیث کے راویوں کا انکار | امام عبدالرزاق نے ایک گواہ اور قسم کے فیصلے کے بارے

چیز ہے جس کو لوگوں نے گھڑ لیا ہے وہ گواہوں کے سوا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ حماد بن خالد خیا ط کہتے ہیں میں نے ابن ابی ذئب سے سوال کیا ایک گواہ اور قسم کے متعلق زہری کیا کہتے ہیں انہوں نے کہا یہ بدعت ہے سب سے پہلے اس کو معاویہ نے جاری کیا، اور محمد بن حسن نے ابن ابی ذئب سے روایت کیا۔ میں نے زہری سے ایک گواہ اور مذہبی کی قسم پر فیصلہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ بدعت ہے سب سے پہلے حضرت معاویہ نے اس پر فیصلہ کیا تھا۔ اور زہری اپنے زمانے میں مدینہ کے سب سے بڑے عالم تھے اگر یہ حدیث ثابت ہوتی تو ان سے مخفی نہ ہوتی اور زہری کی تعریک سے یہ معلوم ہو گیا کہ ایک گواہ اور ایک قسم پر سب سے پہلے حضرت معاویہ نے فیصلہ کیا تھا اور یہ بدعت ہے۔ حضرت معاویہ سے تو یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے مدنی سے قسم لے بغیر مرتب ایک خاتون کی شہادت پر فیصلہ کر دیا تھا، امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ علقمہ ابن ابی وقاص سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے محمد بن عبداللہ بن زہیر اور ان کے بھائیوں کے حق میں یہ شہادت دی کہ رمیدہ بن ابی ایوب نے اپنے بھائی زہیر بن ابی ایوب کو اپنے صدر میں سے چھتائی دے دیا ہے، ام المؤمنین کے علاوہ کئی لوگ اس پر شہادت نہیں دی تھی، حضرت امیر معاویہ نے اس شہادت پر فیصلہ کر دیا۔ سو اگر حضرت امیر معاویہ کے فیصلہ کی بنا پر ایک گواہ اور مذہبی کی قسم پر فیصلہ کرنا جائز ہو تو ان کے فیصلہ کی بنا پر

پر بغیر قسم کے صرف ایک عورت کی شہادت پر فیصلہ کرنا ناجائز ہونا چاہیے حالانکہ یہ قرآن اور سنت کی تصریحات کے بڑا متضاد خلاف ہے۔ امام عبدالرزاق نے ابن جریر کے روایت کیا ہے کہ عطاء یہ کہتے تھے کہ قرض ہو یا کوئی اور معاملہ دو گواہوں سے کم کسی گواہی پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ حتیٰ کہ عبدالملک بن مروان نے اپنے دور خلافت میں ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کیا۔ علامہ ابو بکر حباصی نے اس قسم کے اور آثار بیان کرنے کے بعد کہا ان آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنا حضرت معاویہ اور عبدالملک بن مروان کی سنت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہوتی تو فقہاء تابعین سے مخفی نہ ہوتی، نیز سہیل نے اس روایت کا انکار کیا اور ربیعہ نے کہا کہ یہ حدیث کتاب میں نہیں ہے اور فقہاء تابعین نے تصریح کی کہ یہ معاویہ اور عبدالملک کی بدعت ہے۔

ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کی حدیث کا صریح قرآن کے خلاف ہونا | ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کی روایت اگر سند صحیح سے بھی مروی ہوتی اور سلف

صحابین نے اس پر انکار نہ کیا ہوتا اور اس کو بدعت نہ کہا ہوتا تب بھی یہ روایت قرآن مجید کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود تھی، کیونکہ صحیح خبر واحد سے بھی قرآن مجید کو منسوخ کرنا جائز نہیں ہے۔ جس طرح حدیث میں اسی کو رد دلالت کم ماننا جائز نہیں ہے اور حدیث میں سو کڑوں سے کم ماننا جائز نہیں ہے اسی طرح نصاب شہادت میں دو گواہ منصوص ہیں اور اس سے کم گواہی پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جب کہ قرآن مجید میں دو گواہوں پر فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے اور ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنا مختلف فیہ ہے تو پھر اس حکم کو قرآن مجید سے منسوخ قرار دینا چاہیے۔

حدیث مذکور ائمہ ثلاثہ کے موقف کو مستلزم نہیں | اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ گواہ اور قسم کی حدیث صحیح ہے اور اس بات سے صرف نظر کر لیا جائے کہ یہ قرآن مجید کے معارض ہے تب

بھی یہ حدیث عموم کا موجب نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کرنا واجب ہے، بلکہ اس میں ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کیا، اور اس حدیث میں اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ قسم سے مراد مدعی علیہ کی قسم ہو تاکہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ مدعی علیہ سے قسم اس وقت لی جاتی ہے جب مدعی کے پاس کوئی گواہ نہ ہو اور اگر مدعی کے پاس ایک گواہ ہو تو پھر مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جاتی، پس حدیث میں اس گمان کا رد کر دیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی کے پاس ایک گواہ ہونے کے باوجود مدعی علیہ کی قسم پر فیصلہ کیا تھا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ گواہ اور قسم سے مراد جنس گواہ اور جنس قسم ہر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدعی کے) گواہوں پر بھی فیصلہ کیا اور مدعی علیہ کی قسم پر بھی فیصلہ کیا اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ اس حدیث میں حضرت خزیمہ بن ثابت کے خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی گواہی پر فیصلہ کیا تھا اور ہو سکتا ہے اس وقت منکر نے آپ سے قسم کا بھی مطالبہ کیا ہو، اور ان اختلافات صحیحہ کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ قسم سے مدعی کی قسم مراد ہے صحیح نہیں ہے۔

حدیث مذکور کا صحیح محل | بعض محدثوں میں جب کسی چیز پر صرف ایک گواہ مستقر ہو اور دوسرا گواہ شرعاً غیر مستقر ہو تو ہم بھی کہتے ہیں کہ اس صورت میں ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنا صحیح ہے مثلاً ایک شخص

نے باندی خریدی اور اس کی شرکاء میں کوئی عیب دیکھا اور اس عیب پر وہی شخص گواہ ہے اور دوسرا گواہ بنانا جائز نہیں ہے اس لئے اس کی گواہی اور اس کی قسم پر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا اور بیع منقطع کر دی جائے گی پس ہو سکتا ہے کہ اس حدیث

میں اس قسم کی صورت کی طرف اشارہ ہو۔ لہ

بَابُ بَيَانِ أَنَّ مُحْكَمَ الْحَاكِمِ لَا يَغْيَرُ

الْبَاطِنُ

۴۳۵۹ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ

أَخْبَرَنَا أَبُو مَعَاذٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ

عَنْ أَبِيهِ عَنْ نَائِبِ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكُمْ تَخْتَصِمُونَ

إِلَى وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ الْخَوْنُ

يُحْجِثُهُ مِنْ بَعْضٍ فَأَقْبَضِي لَهُ عَلَى نَحْوِ

مِمَّا أَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ قَطَعَتْ لَهُ مِنْ

حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْهُ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ

لَهُ بِهِ قِطْعَةً مِّنَ الشَّيْءِ

۴۳۶۰ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا

ابْنُ نُمَيْرٍ كُلَاهُمَا عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ

۴۳۶۱ - وَحَدَّثَنِي حَزْرَمَةُ بْنُ يَحْيَى

أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهَبٍ أَخْبَرَنِي

يُونُسُ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي يُمْرُوَةُ

بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ نَائِبِ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ وَفِيٍّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ سَمِعَهُ جَلْبَةً خَضَمٍ بِسَابِ

مُجَرَّتِهِمْ فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ إِنَّمَا أَنَا

بَشَرٌ وَإِنَّمَا يَأْتِيَنِي الْخَضَمُ فَلَعَلَّ بَعْضَهُمْ

أَنْ يَكُونَ أَبْلَغُ مِنْ بَعْضٍ فَأَخْشَيْتُ أَنَّ صَادِقٌ

حاکم کا فیصلہ حقیقت واقعہ کو تبدیل نہیں کرتا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے پاس مقدمات سے کر آتے ہو اور ہر مسئلہ کے حاکم میں سے کوئی شخص اپنے موقف کو دھڑکے کی برنسبت زیادہ دلائل کے ساتھ پیش کرے اور اس سماعت کے اعتبار سے میں بالفرض اس کے حق میں فیصلہ کر دوں سو جس شخص کو میں اس کے بھائی کا حق دے دوں وہ اس کو نہ لے کیونکہ میں اس کو آگ کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں۔

امام مسلم نے اس حدیث کی دو اور سندیں بیان کی ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرہ کے دروازہ پر کسی شخص کے جھگڑنے کی آواز سنی، آپ ان کے پاس گئے اور فرمایا میں صرف ایک بشر ہوں اور میرے پاس کوئی شخص مقدمہ لانا ہے اور ہر مسئلہ کے حاکم میں سے کوئی شخص اپنے دعویٰ کو دھڑکے کی برنسبت زیادہ اچھی طرح پیش کرے اور میں اس کو سچا گمان کر لوں پھر بالفرض میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ پس جس شخص کے لیے میں دوسرے مسلمان کے حق کا فیصلہ کر دوں تو وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے وہ اس کو اٹھائے یا چھوڑ دے۔

فَأَقْضَىٰ لَهُ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ
فَأَتَمَّاهُ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ فَلْيَحْمِلْهَا
أَوْ يَدْمِهَا

۴۳۶۲- وَحَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ النَّاقِدِ
حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ابْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا
أَبِي عَنْ صَالِحٍ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ
حُمَيْدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَنَا
مَعْمَرٌ يَكْلَاهُمَا عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الْأَسْنَادِ
كَتَبُو حَدِيثَ يُونُسَ وَفِي حَدِيثِ مَعْمَرٍ
قَالَتْ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَجِبَةَ تَحْضِيهِ بَبَابِ أُقْرَسْتَمَةَ .

امام مسلم نے دو اور سندوں سے اس حدیث کو روایت
کیا ہے اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام
سلمہ رضی اللہ عنہا کے (جھوٹے) دروازہ پر کسی شخص کے جھگڑنے
کی آواز سنی۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی | اس حدیث کی شرح میں

لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا: میں صرف بشر ہوں، اس میں حالت بشریہ پر تنبیہ کرنا ہے اور اس بات پر متنبہ کرنا
ہے کہ بشر کو غیب کا علم نہیں ہوتا، وہ بالطنی امور کو نہیں جانتے البتہ میں پیغمبر پر اللہ تعالیٰ انھیں مطلع کرتا ہے، اس کا انھیں علم ہو جاتا ہے،
اور اس بات پر تعبیر کرنا بھی کہ جو احکام امت کے لیے مباح ہیں وہ آپ کے لیے بھی جائز ہیں اور یہ کہ آپ لوگوں کے درمیان باقیات
ظاہر کے فیصلے کرتے ہیں اور حقیقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے، اس لیے آپ گواہوں اور قسم کی بناء پر فیصلہ کرتے ہیں جب کہ یہ
ممکن ہے کہ واقعہ میں حقیقت ظاہر کے خلاف ہو لیکن آپ کو ظاہر کے مطابق فیصلہ کرنے کا مکلف کیا گیا ہے، جس طرح رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: جب تک لوگ کالہ الا اللہ کا اقرار نہ کریں مجھے ان سے جگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جب اس حکم کا
اقرار کریں گے تو وہ اپنی جانوں اور اپنے ماؤں کو میری طرف سے محفوظ کر لیں گے البتہ میں چیز کا ان کی جان اور مال پر حق ہو گا اس کو وصول کیا جائے
گا اور ان کا حساب اللہ کے ہاتھ ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فریقین کے باطنی معاملہ پر مطلع فرما دیتا، اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کسی شہادت اور قسم کے بغیر اپنے ذاتی یقین کی بناء پر فیصلہ فرماتے لیکن اللہ تعالیٰ نے چونکہ آپ کی امت کو آپ کے اقوال اور
آپ کے افعال کی اتباع کا حکم دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے باطنی امور کی ناواقفیت میں آپ کو بھی ایک عام حکم کے ماتحت کر دیا تاکہ امت پر آپ
استماع آسان ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے احکام ظاہر کے مطابق جاری کیے تاکہ آپ کی امت بھی آپ کی طرح
ظاہر کے مطابق فیصلہ کر سکے اور آپ کی اقتداء کر سکے اور لوگ باطن کی طرف متوجہ نہ رہیں بغیر خوشی کے ساتھ احکام ظاہر پر عمل کر
سکیں اور آپ کی اطاعت کر سکیں۔ اگر یہ امتراہن ہو کہ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر کے مطابق
حکم کر دیتے ہیں اور وہ باطن کے خلاف ہوتا ہے حالانکہ اصولیین کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام میں غلطی پر ہونا
نہیں رکھا جاتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اور اصولیین کے قاعدہ میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ اصولیین کی مراد یہ
ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے جو حکم دیں اس میں غلطی پر ہونا نہیں رہتا۔ اکثر علماء اس کے قائل ہیں کہ آپ

اجتہاد میں خطا ہوتی ہے اور بعض علماء اجتہادی کے قائل نہیں ہیں اور جو قائل ہیں ان کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ اس خطا پر قائم نہیں رہتے بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح فیصلہ پر مطلع فرمادیتا ہے۔) اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ بغیر اپنے اجتہاد کے محض شہادت یا قسم کی بناء پر جو فیصلہ کریں اور اس ظاہر شہادت کی وجہ بالغرض باطن کے خلاف فیصلہ کر دیں اس فیصلہ کو غلط اور خطا نہیں کہا جائے گا بلکہ آپ کو جس بنیاد پر فیصلہ کرنے کا مکتبہ کیا گیا ہے وہ شہادت یا قسم ہے اور اس لحاظ سے یہ فیصلہ صحیح ہے اور اگر گواہوں نے جھوٹی شہدائی دی تو یہ ان کا گناہ ہے، فیصلے میں کوئی قصور نہیں ہے لہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر اور نور ہونے کی تحقیق | اس باب کی حدیث نمبر ۴۳۶۱ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: **انما انا بشر** میں صرت ایک بشر ہوں، یعنی میں عادی صفات نہیں رکھتا کہ خود بخود کسی مقدمہ کی حقیقت باطنی اور غیب کو جان لوں۔ علامہ بدر الدین عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ای لا اعلم الغیب و بواطن الامور کما
هو مقتضى الحالة البشرية۔ کہ
میں غیب اور باطنی امور کو نہیں جانتا جیسا کہ حالت بشریہ کا تقاضا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **انما انا بشر** میں صرت ایک بشر ہوں، اس مناسبت سے ہم یہاں انبیاء علیہم السلام کے انسان اور بشر ہونے کی حیثیت پر تفصیل سے گفت کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام جنس بشر اور نوع انسان سے پیدا ہوئے ہیں لیکن کیا انبیاء علیہم السلام کی حقیقت صرف انسان اور بشر ہے یہ بات تفصیل طلب ہے۔

کہا جاتا ہے کہ انسان کی حقیقت حیران ناطق ہے، حیوان ہونے میں باقی حیوانات بھی انسان کے شریک ہیں اور ناطق (مدرک الکلیات والجزئیات) ہونے کی وجہ سے وہ باقی حیوانات سے متماز ہوتا ہے اور نطق وہ فصل ممیز ہے جس کی وجہ سے انسان اور باقی حیوانات میں امتیاز اور فرق ہوتا ہے، انبیاء علیہم السلام کی حقیقت میں اس سے ایک نامزد چیز ہے اور وہ ہے وحی کی استعداد اور صلاحیت، اسی صلاحیت کی وجہ سے نبی اور غیر نبی میں امتیاز ہوتا ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام میں یہ چیز مشترک ہے کہ وہ سب نبی عالی وحی تھے اور جس طرح نطق کی وجہ سے انسان کا حیوانات سے امتیاز ہوتا ہے، اسی طرح استعداد وحی کی وجہ سے نبی کا غیر نبی سے امتیاز ہوتا ہے اور جس طرح انسان کی حقیقت میں نطق داخل ہے اور وہ اس کے لیے فصل ممیز ہے اسی طرح نبی کی حقیقت میں استعداد وحی داخل ہے اور وہ اس کی فصل ممیز ہے اور جس طرح انسان کلیات اور جزئیات کے ادراک کی صلاحیت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے لیکن اس کا ظہور ایک خاص مدت کے بعد ہوتا ہے اسی طرح نبی وحی کی استعداد کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور اس کا ظہور ایک خاص مدت کے بعد ہوتا ہے۔

۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نراوی متوفی ۶۴۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۵، مطبوعہ محمد سعید اربع المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
۲۔ علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۵، مطبوعہ دارۃ الطباعة المنیریہ مصر، ۱۳۵۸ھ

نبی کی حقیقت کا عام انسانوں کی حقیقت سے ممتاز ہونا | اب ہم آپ کے سامنے قرآن مجید کی وہ آیات پیش کر
بشر محض نہیں ہوتا بلکہ نبی وہ بشر ہے جس پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے اور جو اللہ سے ہم کلام ہوتا ہے۔
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیاً
او من وراء حجاب او یوحی رسولا فیه وحی
بأذنہ ما یشاء۔ (شوری، ۵۱)
اور کسی بشر کے یہ لائق نہیں کہ وہ اللہ سے ہم کلام ہو مگر
وہ وحی سے یا پردہ کی لٹ سے یا اللہ اس پر کوئی فرشتہ بھیج دے
جو اللہ کی اجازت سے اس پر وہ وحی کرے جو اللہ چاہے۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عام بشر اور نبی میں فرق بیان فرما دیا ہے کہ عام بشر اللہ سے ہم کلام نہیں ہو سکتا اور نبی اللہ سے ہم کلام
ہوتا ہے اور نبی کا اللہ سے ہم کلام ہونا براہ راست وحی الہی سے ہوتا ہے یا پردہ کی لٹ سے یا فرشتہ کی وساطت سے اس پر وحی
کی جاتی ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:
قل احمداً انا بشر مثلكم یوحی الی انما الھم
الواحد۔ (کہف، ۱۱۰)
آپ فرمادیجئے میں (الہمیت کا مدعی نہیں بلکہ مبرودہ
ہونے میں) تم جیسا ہی بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے
کہ میرا اور تمہارا مبرود ایک ہی مبرود ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بشر محض نہیں ہیں بلکہ ایسے بشر ہیں جو عامل وحی ہیں اور وحی
ہی وہ وصف ہے جس کی وجہ سے عام انسان اور بشر کا نبی سے امتیاز ہوتا ہے اور جس طرح انسان کو حیوانات کے مقابلہ میں عقل
اور ادراک کی خصوصیت حاصل ہے نبی کو اس خصوصیت کے علاوہ استعداد وحی کی خصوصیت بھی حاصل ہے جس سے وہ عام انسان
اور بشر سے ممتاز ہوتا ہے۔
امام غزالی اس حقیقت کو واضح کرنے، سوئے بکھتے ہیں:

وہاء العقل طورا آخر تنفتح فیہ
عین اخرى یمصر بہا الغیب وما سیکون
فی الغیب واما وہاء اخر العقل معزول عنہا
کعزل قوۃ التمییز عن ادراك المعقولات
وکعزل قوۃ الحسن عن مدارکات التمییز
وکما ان الممییز لو عن صنت علیہ مہرکات
العقل لا باہا واستبعدھا فکذلک
بعض العقلاء ابوامدارکات النبوة و
استبعد وھا، وذلك عین الجھل۔
اور عقل کے مادہ ایک اور عالم ہے جس میں ادراک
کی ایک اور آنکھ کھلتی ہے جس سے انسان غیب کا ادراک کرتا
ہے اور مستقبل میں ہونے والے امور غیبیہ اور بہت سے امور
کو جان لیتا ہے جن تک عقل کی رسائی نہیں ہے۔ جیسے قوت
تمیز، معقولات کا ادراک نہیں کر سکتی اور جس طرح حواس قوت
تمیز کے مدارکات کو نہیں پاسکتے۔ (اسی طرح عقل، قوت ادراک
غیب کے مدارکات کو نہیں پاسکتی، اور جس طرح صاحب تمیز کے
سامنے عقل کے سامنے مدارکات پیش کیے جائیں تو وہ ان کو بید بھوک ان کا
انکار کرتا ہے اسی طرح بعض عقل والوں کے سامنے نبوت
کے مدارکات پیش کیے گئے تو انہوں نے ان کا انکار کر دیا۔ اور یہ

خالص جہالت ہے۔

امام غزالی نے اس عبارت میں یہ واضح کر دیا ہے کہ جس طرح حواس کے بعد تمیز کا مرتبہ ہے اور تمیز کے بعد عقل کا مرتبہ ہے، اسی طرح عقل کے بعد نبوت کا مرتبہ ہے اور جس طرح قوت عقلیہ سے مقولات کا ادراک ہوتا ہے اسی طرح نبوت کی قوت سے منیبات کا ادراک ہوتا ہے۔ اور جس طرح عام حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے حواس کی قوت عطا کی ہے اور انسان کو اس سے ایک زائد قوت عطا کی ہے اور وہ عقل اور تمیز ہے اسی طرح نبی کو اللہ تعالیٰ نے ان قوتوں سے دائرہ ایک قوت عطا کی ہے جس قوت سے وہ طیب کا ادراک کرتا ہے اور جس طرح انسان عالم محسوسات میں ظہری چیزوں کو دیکھتا ہے اور ان کی آوازیں سنتا ہے، حیوانات اور انسانوں کو دیکھتا ہے اور ان کی آوازیں سنتا ہے اسی طرح نبی غیب کی مخفی چیزوں کو دیکھتا ہے فرشتوں اور جنات کو دیکھتا ہے ان کی آوازیں سنتا ہے اور ان سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی اپنی حقیقت میں عام بشر اور انسان سے ممتاز ہوتا ہے اور جس طرح انسان عام حیوانوں سے خاص ہے نبی عام انسانوں سے خاص ہوتا ہے۔

نبی کی خصوصیات | امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

وذكر الحلي في كتاب المنهاج ان
الانبياء عليهم الصلوة والسلام
يكون مخالفين لغيرهم في القوى الجسمية والقوى الروحانية مختلفة
بما هو لازم من ذلك من اختلافها في القوى الجسمية والقوى الروحانية مختلفة
بما هو لازم من ذلك من اختلافها في القوى الجسمية والقوى الروحانية مختلفة
بما هو لازم من ذلك من اختلافها في القوى الجسمية والقوى الروحانية مختلفة

قوت باصرہ | قوت باصرہ کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کا یہ دلیل ہے کہ آپ نے فرمایا: میرے لیے تمام روئے زمین سمیٹ دی گئی اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۰ سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۸ بحوالہ الترمذی ج ۶ ص ۵۸۷) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی صفیں قائم کرو اور مل کر کھڑے ہو کہو کہ میں تم کو پس پشت بھی دیکھتا ہوں۔

اس قوت کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے فرمایا: وكن لك نوري ابراهيم ملكوت السموات والارض۔ "اور اسی طرح ہم (حضرت) ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی نشانیاں دکھاتے ہیں" اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی بغیر کوئی کر دیا حتیٰ کہ حضرت ابراہیم نے اعلیٰ سے لے کر اسفل تک تمام نشانیاں دیکھ لیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجلی لی ما فی السموات والارض۔ "میرے لیے تمام آسمان اور زمین منکشف ہو گئے" مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۱ اور ایک روایت میں ہے فعلت ما فی السموات والارض۔ "میں نے تمام آسمانوں اور زمین کو جان لیا" مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۸، سعیدی غفر لہ۔

۱۔ امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ، المنقذ من الضلال ص ۵۲، مطبوعہ مئیتہ الاوقاف لاہور، ۱۹۷۱ء

۲۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعة الثانیة ۱۳۹۸ھ

قوت سامعہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت تمام انسانوں سے زیادہ تھی کیونکہ آپ نے فرمایا آسمان پر چراتا ہے اور اس کا پر چراتا بجاتا ہے، آسمان میں ایک قدم کی جگہ بھی نہیں ہے مگر اس میں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ ریز ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کے چرچرانے کی آواز سنی۔ نیز آپ نے فرمایا ایک پتھر جہنم میں گرایا بار بار ہے جو ابھی تک جہنم کی تہ تک نہیں پہنچا آپ نے اس کی آواز سنی۔ اس قوت کی نظیر حضرت سلیمان کو بھی عطا کی گئی کیونکہ انھوں نے چیرنٹی کی آواز سنی، قرآن مجید میں ہے: **قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ**۔ ایک چیرنٹی نے کہا: اے چیرنٹیا! اپنے بھروسے میں داخل ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو چیرنٹی کا کلام سنایا اور اس کے منی پر مطلع کیا، اور یہ قوت ہی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل تھی کیونکہ آپ نے بھیڑیے اور اڈٹ سے کلام کیا۔

قوت شامہ | نبی کی قوت شامہ کی خصوصیت پر حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ دلیل ہے، کیونکہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یکم دیا کہ میری قمیص لے جاؤ اور حضرت یعقوب کے چہرے پر ڈال دو اور قافلہ وہ قمیص لے کر روانہ ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: **إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ**۔ مجھے حضرت یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو کئی دن کی مسافت کے فاصلے سے سونگھ لی۔

قوت ذائقہ | نبی کے پکھنے کی قوت کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کا ایک ٹکڑا اچکھا تو فرمایا: اس میں نہ ہر ملا ہوا ہے۔

قوت لامسہ | نبی کی قوت لامسہ کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ آگ ان پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو گئی۔

اور حواس باطنہ میں قوت حافظة ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **سَنُقَرِّبُكَ فَلَا تَنفَسِي**۔ ہم منقریب آپ کو پڑھائیں گے پس آپ نہیں بھولیں گے اور قوت ذکاوت ہے، حضرت علی فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے علم کے ایک ہزار باب سکھائے اور میں نے ہر باب سے ہزار باب مستنبط کیے، اور جب ولی کی ذکاوت کا یہ حال ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذکاوت کا کیا عالم ہوگا! اور قوت محرکہ کی خصوصیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج پر جانا دلیل ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ چڑھتے آسمان پر جانا، اور حضرت ادریس اور ایسا علیہما السلام کا آسمان پر جانا اس کی دلیل ہے۔

ایما علیہم السلام کی روحانی اور عقلی قوتیں بھی انتہائی کامل ہوتی ہیں، علامہ ربیعہ نے کہ نفس قدسیہ نبویہ اپنی ماجیت میں باقی نفس سے مختلف ہوتا ہے اور نفس نبویہ کے لوازم سے یہ ہے کہ اس کی ذکاوت، ذہانت اور عزت انتہائی کامل ہو اور وہ جسمانیات اور شہوانیات سے منزہ ہو اور جب نبی کی روح غایت صفا اور شرف میں ہوگی تو اس کا بدن بھی انتہائی صاف اور پاکیزہ ہوگا اور اس کی قوت مددکہ اور قوت محرکہ بھی انتہائی کامل ہوگی، کیونکہ یہ قوتیں ان انوار کے قائم مقام ہیں جو انوار جو ہر روح کے صادر ہوتے ہیں اور نبی کے بدن سے واصل ہوتے ہیں اور جب فاعل (روح) اور قابل (بدن) انتہائی کامل ہوں گے تو ان کے آثار بھی انتہائی کامل، مشرف اور صاف ہوں گے۔

نبی کے چھیالیس امتیازات | حافظ ابن حجر مستطانی لکھتے ہیں کہ علامہ علی بن ابی طالب علیہ السلام کے چھیالیس خواص ذکر کیے ہیں، یہ وہ خواص ہیں جن کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام عام انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں ان خواص کی تفصیل درج ذیل ہے :-

- ۱۔ بحوالہ قرآن سے بلا واسطہ کلام کرتا ہے۔
- ۲۔ بغیر کلام کے نبی پر الہام ہوتا ہے، بلکہ نبی اپنے نفس میں بغیر تقدم اور تاخر کے ایک معنی پاتا ہے جس کو محسوس نہیں کیا جاسکتا۔
- ۳۔ فرشتہ کو دیکھ کر اس سے وحی سنا ہے اور اس سے کلام کرتا ہے۔
- ۴۔ فرشتہ نبی کے قلب پر وحی القاء کرتا ہے اور یہ القاء احکام، وعدہ اور وعید پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ اولیاء اللہ کے قلب پر جو واردات ہوتی ہیں وہ حوادث اور واقعات کی اطلاعات پر مشتمل ہوتی ہیں۔
- ۵۔ نبی کی عقل کامل ہوتی ہے اور اس کی عقل کو کبھی کوئی مارضہ لاحق نہیں ہوتا۔
- ۶۔ نبی کی قوت حافظہ غیر معمولی ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ طویل ترین سورت کو صرف ایک مرتبہ سن کر حفظ کر لیتا ہے اور اس کا ایک لفظ بھی نہیں بھرتا۔
- ۷۔ نبی اپنے اجتہاد میں خطا سے محفوظ رہتا ہے (یعنی وہ خطا پر برقرار نہیں رہتا۔ سیدی غفرلہ)
- ۸۔ نبی کی ذکاوت غیر معمولی ہوتی ہے اور اس کا استنباط بھی غیر معمولی ہوتا ہے۔
- ۹۔ نبی کی بصیرت بہت تیز ہوتی ہے اور وہ زمین کے ایک حصے سے دوسرے حصے کی چیز دیکھ لیتا ہے۔
- ۱۰۔ نبی کی سماعت بہت تیز ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ زمین کے ایک حصے سے دوسرے حصے کی آواز سن لیتا ہے جس کو دوسرا نہیں سن سکتا۔
- ۱۱۔ نبی کی قوت شائدہ غیر معمولی ہوتی ہے جیسا کہ حضرت یعقوب کا دور سے حضرت یوسف کی قمیص کی خوشبو سونگھ لینا۔
- ۱۲۔ نبی کا جسم بہت قوی ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ ایک رات میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتا ہے (بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ سیدی غفرلہ۔)
- ۱۳۔ نبی کا آسمانوں پر جانا۔
- ۱۴۔ گھنٹی کی آواز کی صورت میں وحی کو پا لینا۔
- ۱۵۔ بکریوں سے کلام کرنا۔
- ۱۶۔ نباتات سے کلام کرنا۔
- ۱۷۔ درخت کے تنا (شہیر) سے کلام کرنا۔ (یہی استن حناہ)
- ۱۸۔ پتھروں سے کلام کرنا۔
- ۱۹۔ بمیڑیہ کی آواز سے اس کا مطلب سمجھ لینا۔
- ۲۰۔ اونٹ کی بلبلاہٹ کو سمجھ لینا۔
- ۲۱۔ منکلم کو دیکھ کر بغیر اس کی آواز سنا۔

- ۲۲ - جنات کا مشاہدہ کرنا۔
- ۲۳ - اظہار غائبہ کی مثالوں کا نبی پر پیش کیا جانا، جیسا کہ معراج کے موقع پر آپ کے سامنے بیت المقدس کی مثال پیش کی گئی۔
- ۲۴ - کسی حادثہ سے اسی کی عاقبت کر جان لینا، جب آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تو فرمایا اس کو اس ذات نے روک لیا جس نے اونٹنیوں کو روک لیا تھا۔
- ۲۵ - کسی نام سے نال نکالنا کیونکہ جب سہیل بن عمرو آیا تو آپ نے فرمایا اب اللہ نے تمہارا معاملہ سہل کر دیا ہے۔
- ۲۶ - کسی آسمانی چیز کو دیکھ کر زمین کے حادثہ پر استدلال کرنا جیسا کہ فرمایا یہ بادل جو کعبہ کی مدد کا اعلان کر رہا ہے۔
- ۲۷ - پس پشت دیکھنا۔
- ۲۸ - کسی شخص کی موت سے پہلے اسی کے حال پر مطلع ہونا، جیسا کہ حضرت علقمہ کے بارے میں فرمایا میں نے دیکھا فرشتے اسی کو غسل دے رہے ہیں اور وہ حالت جنابت میں شہید ہوئے۔
- ۲۹ - مستقبل کی فتح کا آپ پر اظہار کر دینا جیسا کہ غزوہ خندق میں ہوا۔
- ۳۰ - دنیا میں جنت اور دوزخ کو دیکھ لینا۔
- ۳۱ - فراست۔
- ۳۲ - درخت کا آپ کے حکم کی اطاعت کرنا حتیٰ کہ آپ کے بلانے پر درخت جڑوں اور ٹہنیوں سمیت آیا اور آپ کے حکم سے واپس چلا گیا۔
- ۳۳ - ہرنی کا آپ سے شکایت کرنا۔
- ۳۴ - بغیر غلطی کے خواب کی تعبیر بیان کرنا۔
- ۳۵ - کجور کے درخت کے پائے میں صحیح اندازہ لگانا کہ اس میں اتنے حق کجور ہیں ہر ایک۔
- ۳۶ - احکام کی ہدایت دینا۔
- ۳۷ - دین اور دنیا کے انتظام اور سیاست کی ہدایت دینا۔
- ۳۸ - عالم کی ریشمت اور ترکیب کی ہدایت دینا۔
- ۳۹ - بدن انسان سے متعلق طبی امور کی ہدایت دینا۔
- ۴۰ - عبادت کی ہدایت دینا۔
- ۴۱ - صنعتوں کی ہدایت دینا۔
- ۴۲ - ماسکون (امور مستقبلہ) پر مطلع ہونا۔
- ۴۳ - ماکان (امور ماضیہ) پر مطلع ہونا (جن کو پہلے کسی نے بیان نہ کیا ہو)۔
- ۴۴ - لوگوں کی پوشیدہ باتوں اور بصیروں پر مطلع ہونا۔
- ۴۵ - استدلال کے طریقوں کی تعلیم دینا۔
- ۴۶ - حسن معاشرت کے طریقوں پر مطلع ہونا۔
- علامہ علی بن ابی حمزہ نے لکھا ہے کہ یہ نبوت کے چھالیس معانی ہیں، ہر چہ کہ ان میں سے بعض اوصیاء غیر نبی کو بھی حاصل ہوتے

ہیں لیکن یہ اوصاف نبوت کے خصائص آس وجہ سے ہیں کہ ان میں نبی کو اصلاً خطا نہیں ہوتی جب کہ غیر نبی کو ان میں خطا لاحق ہو جاتی ہے۔ لہ

نبی اور غیر نبی کا فرق | علامہ علمی کی عبارت نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر مستطانی خصائص نبوت بیان کرتے ہوئے احیاء العلوم سے امام غزالی کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ ہم تاریخین کے سامنے احیاء العلوم سے امام غزالی کی اصل عبارت پیش کر رہے ہیں:

نبوت ان اوصاف کو کہتے ہیں جو نبی کے ساتھ خاص ہوں اور ان اوصاف کی وجہ سے نبی اپنے غیر سے ممتاز ہو، اور یہ کئی قسم کے خصائص ہیں، نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، فرشتوں اور افرات کے حقائق کو اس طرح جانتا ہے جس طرح ان کو کوئی نہیں جانتا، کیونکہ نبی کو ان کی حقیقی معلومات ہوتی ہیں اور ان پر قنایا یقین ہوتا ہے اور حقیقی تحقیق ہوتی ہے کسی اور کو نہیں ہوتی۔ اور نبی کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ میں طرح غیر نبی کو افعال امتیاز پر قدرت ہوتی ہے اسی طرح نبی کو افعال عارضہ (یعنی معجزات) پر قدرت ہوتی ہے، اور نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ فرشتوں کو دیکھتا ہے اور عالم ملکوت کا مشاہدہ کرتا ہے جس طرح ہم میں جینا اور نابینا کا فرق ہے، اور نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ مستقبل میں ہونے والے امور غیرہ کا ادراک کر لیتا ہے اور روح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے۔ جس طرح انسان میں ذہانت کی صفت ہوتی ہے اور اس صفت سے وہ بے وقوف شخص سے ممتاز ہوتا ہے۔

امام غزالی، امام رازی، علامہ علمی اور حافظ ابن حجر مستطانی کی ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ نبی کی حقیقت عام انسانوں سے مختلف ہوتی ہے اور ہر چند کہ نبی انسان اور بشر ہوتا ہے لیکن اس کی حقیقت میں استعداد و صلاحیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے اور یہی میں ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ دوسرے انسانوں سے اس طرح ممتاز ہوتا ہے جس طرح دیکھنے والا اندھے سے اور ذکی جنی سے متمیز ہوتا ہے۔

ان النبوة عبارة عما يختص به النبي و يفارق به غيره و هو يختص بأنواع من الخواص منها انه يعرف حقائق الامور المتعلقة بالله و صفاته و ملائكته و الدار الآخرة لا كما يعلمه غيره بل عنده من كثرة المعلومات و زيادة اليقين و التحقيق ما ليس عند غيره و له صفة تتم له بها الافعال انخراصة للعادات كالصفة التي بها تتم لغيرة المركبات الاختيارية، و له صفة يبصر بها الملائكة و يشاهد بها الملكوت كالصفة التي يفارق بها البصير الاعشى و له صفة بها يدرك ما سيكون في الغيب و يطلع بها ما في الدوح المحفوظ كالصفة التي يفارق بها الذكي البليد

لہ۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر مستطانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۶۷-۳۶۸، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ
 ۲۔ امام محمد بن سعد غزالی متوفی ۵۰۵ھ، احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۱۹۰-۱۸۹، مطبوعہ دار الکتب العربیہ مصر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کا بیان

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قد جاءكم من الله نور وكتاب مبين
يهدى به الله من اتبعه رضوانا
سبيل السلام

(ماخذ ۱۵، ۱۶ - ۱۵)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق کیا ہے۔ کیونکہ بعض معتزلہ کہتے ہیں کہ تمام متقدمین اور متاخرین مفسرین نے کہا ہے کہ نور سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

امام بخاری، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

وكان يقول في دعائه اللهم اجعل في
قلبي نوراً و في بصرى نوراً و في سمعى نوراً
و عن يمينى نوراً و عن يسارى نوراً و فوقى
نوراً و تحتى نوراً و امامى نوراً و خلفى
نوراً و اجعل لى نوراً - ۱۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نار تجدد کی) دعائیں فرماتے تھے، اے اللہ! میرے دل میں نور کر دے اور میری بصر میں نور کر دے اور میری سماعت میں نور کر دے اور میرے دائیں اور بائیں نور کر دے اور میرے اگے اور پیچھے نور کر دے اور میرے لیے نور کر دے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ ۱۵

حافظ ابن حجر مستطانی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں: علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن انوار کی دعا کی ہے ان انوار سے نور جسمی بھی مراد لیا جاسکتا ہے، گویا آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اعضاء میں ایسا نور پیدا کر دے جس سے روز قیامت کے اند میری دل میں روشنی ہو، جو روشنی آپ کو، آپ کے متبعین کو اور جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے سب کا حاصل ہوگی، علامہ قرطبی نے کہا کہ اولیٰ یہ ہے کہ نور سے مراد علم اور ہدایت کا ارادہ کیا جائے۔ علامہ مستطانی فرماتے ہیں کہ تحقیق یہ ہے کہ نور کی جس عضو کی طرف نسبت ہے اس عضو کا اس کے مناسبات کے لیے مظہر ہونا مراد ہے۔ بمع کافور یہ ہے کہ وہ سموعات کا مظہر ہو جائے اور بعصر کافور یہ ہے کہ وہ جبروت کے لیے کاشف ہو جائے اور قلب کافور یہ ہے کہ وہ معلومات کے لیے کاشف ہو جائے اور اعضاء کافور یہ ہے کہ ان سے عبادات صادر ہوں۔ علامہ طیبی نے کہا کہ اعضاء کے لیے نور کی دعا کا معنی یہ ہے کہ آپ کے اعضاء معرفت الہی اور عبادات کے انوار سے روشنی ہو جائیں اور ان میں معرفت اور عبادت کے علاوہ کچھ نہ ہو، کیونکہ شیطان چھ جہتوں سے دوسرے کے لیے علم آور ہوتا ہے تو اس سے بچنا اس طرح ممکن ہوگا کہ ان چھ جہات (دائیں، بائیں، اوپر، نیچے، اگے، پیچھے) میں ایسے انوار ہوں جو شیطان کو عملہ سے روک سکیں۔ علامہ طیبی نے

۱۵۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ۲۵ ص ۹۳۵-۹۳۴، مطبوعہ دار محمد صالح المنجد کراچی، ۱۴۲۱ھ

۱۶۔ امام ابو حنین مسلم بن حجاج القشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۱، ۲۶۲، مطبوعہ دار محمد صالح المنجد کراچی، ۱۳۷۵ھ

کہا ان افراد سے مراد ہدایت اور حق کی روشنی ہے۔ ۱۵

علامہ بدر الدین عینی نے بھی علامہ قرطبی اور علامہ طیبی کی عبارات کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ ۱۶

شیخ شبیر احمد عثمانی نے بھی حافظ ابن حجر کے حوالے سے علامہ قرطبی کی عبارت نقل کی ہے۔ ۱۷

(علامہ قرطبی نے اس دعائیہ نور کو نور حسی پر بھی محمول کیا ہے اور نور ہدایت پر بھی ہر چند کہ اولیٰ نور ہدایت کو قرار دیا۔)

علامہ قاری نے لکھا ہے کہ اس دعائیہ نور کے دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں، یعنی نور حسی بھی اور نور ہدایت بھی۔ ۱۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے لیے نور کی دعا کی ہے اس سے اجتناب علماء اسلام نے نور حسی اور نور ہدایت دونوں مراد لیے ہیں اور بعض دیگر احادیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نور حسی کا ذکر کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسی نورانیت اور حسن و جمال | ہر چند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسان اور بشر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسی نورانیت

بھی عطا فرمائی ہے جیسا کہ ان احادیث سے ظاہر ہے۔ ۱۹

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں:

عن ابن عباس قال: كان رسول الله

صلى الله عليه وسلم اخضر الشيتين وكان

اذا تكلم ردوى كالنور بين ثناياه۔ ۲۰

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کئے دو دانتوں میں

بھری (غلام) تھی، جب آپ گھٹکے فرماتے تو آپ کے سامنے کے

دانتوں سے نور کی طرح نکلنا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

امام دارمی نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ۲۱

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ ۲۲

حافظ البیہقی نے بھی اس کو طبرانی فی الاوسط کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام طبرانی کی سند میں عبد الصمد بن ابی ثابت ضعیف راوی ہے۔ ۲۳

علامہ یوسف نبھانی نے اس حدیث کو امام ترمذی، امام بیہقی، امام طبرانی کے علاوہ ابن حصار کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے۔ ۲۴

۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر مستطانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱ ص ۱۱۸، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

۲۔ حافظ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدة القاری ج ۲ ص ۲۲۵، مطبوعہ دار الفکر للطباعة والنشر بیروت، ۱۳۴۰ھ

۳۔ شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ، فتح البیہق ج ۲ ص ۳۲۵، مطبوعہ مکتبۃ المہاجر کراچی

۴۔ علامہ ابن سلیمان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مناقب ج ۲ ص ۱۲۵، مطبوعہ مکتبۃ امداد عمان، ۱۳۹۰ھ

۵۔ امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۴۹ھ، شمائل ترمذی ج ۱ ص ۵۹۹، مطبوعہ فرح محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۶۔ امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۳۵ھ، سنن دارمی ج ۱ ص ۲۳، مطبوعہ نشر السنۃ عمان

۷۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۱۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت، الطبعة الاولى

۸۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی متوفی ۸۰۰ھ، مجمع الودائع ج ۸ ص ۲۴۹، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ بیروت، ۱۴۰۲ھ

۹۔ علامہ یوسف بن اسماعیل نبھانی متوفی ۱۳۵۰ھ، حجة اللہ علی العالمین ص ۶۸۱، مطبوعہ مکتبۃ نور دیر رحویہ لاہور

اس حدیث کو علامہ سیوطی نے ابن نعیم کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ ۵۷

امام دارمی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

علامہ ریاض نبہانی نے بھی اس حدیث کو سنن دلائی کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ ۴۷

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں،

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو مدینہ میں اندھیل ہو گیا، حتیٰ کہ ہم ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکے، اور انا تو کراتھ نہیں بھائی دیتا تھا۔ ہم آپ کو دفن کر کے غار میں آگے سے قریب دوسرے کو نہیں پہچان پا رہے تھے۔

۷۔ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، عصا نقشبندی ج ۱ ص ۶۷ مطبوعہ مکتبہ فریدیہ رحومہ لاہور

۵۔ علامہ رحمت بن اسماعیل نہانی متوفی ۱۳۵۰ھ، مجتہد ائمہ علیہ السلام میں ۱۶۸۹ء مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لاہور

٤- دلائل القبرۃ ج ٤ ص ٢٦٥

اس حدیث کو علامہ سیوطی نے ابن سعد، حاکم اور بیہقی کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ لہ
علامہ ابن جوزی بیان کرتے ہیں:

عن ابن عباس: لم یکن لرسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم ظل، ولم یقم مع الشمس
قط الا غلب ضوء الشمس ولم یقم
مع ما ارج قط الا غلب ضوءه لا علی ضوء
السماء ۱۰

علامہ سیوطی، ابن مساکر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

عن عائشة قالت کنت اخیط فی السحر
نسقطت منی الابرة فطلیتھا فلم اقدر
علیھا فدخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم فتبینت الابرة بشعاع نور وجهه
فاخبرته فقال یا حمیراء الویل ثم الویل
ثلاثا لمن حرم النظر الی وجهی۔ ۱۱

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، آپ جب بھی سورج کے سامنے
کھڑے ہوتے آپ کا نور سورج کی روشنی پر غالب رہتا، اور آپ
جب بھی چراغ کے سامنے کھڑے ہوتے آپ کا نور چراغ کے
نور پر غالب رہتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں سحری
کے وقت سی رہی تھی، مجھ سے سوئی گر گئی میں نے اس کو ڈھونڈا
لیکن وہ مجھے نہیں ملی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے
آئے اور آپ کے چہرہ کے نور کی شعاع سے وہ سوئی لی گئی میں
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا، آپ نے فرمایا اے حمیرا!
افسوس! ہر پھر تین بار فرمایا اس شخص کے لیے افسوس! ہر پھر
چہرہ دیکھنے سے محروم رہا (یعنی میں نے باوجود زیارت پر
قدرت کے میری زیارت نہیں کی)۔

علامہ نجاشی نے بھی اس حدیث کو ابن مساکر کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ ۱۲

مولانا عبدالحی کھنوی لکھتے ہیں کہ یہ روایت روایت اور درایت ثابت نہیں ہے۔ (الانوار المرفوعہ ص ۲۷۵)

قرآن مجید کی نصوص قطعیہ سے جو چیز مرامت کے ساتھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے انسان اور
بشر ہیں جس پر وحی آتی ہے اور نور بھی ہے، نور ہدایت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور حق سے بھی وافر حصہ عنایت فرمایا ہے جیسا کہ
مذکورہ بالا حدیث سے واضح ہوتا ہے اور یہ آپ کی دیگر خصوصیات کی طرح ایک خصوصیت ہے۔

بشریت کا نورانیت سے افضل ہونا
ہر چند کہ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حق نورانیت کی تصریح ہے
اور یہ آپ کی خصوصیت ہے لیکن اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے
کہ نورانیت افضل ہے اور بشریت منقول ہے اور نہ یہ سمجھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام انسانوں کی طرح بشر ہیں۔ عام

۱۰۔ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۷۸، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لاہور۔

۱۱۔ علامہ ابوالفرج عبد الرحمن بن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ، الوفا باحوال الصلوات ص ۴۰۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ۔ لاہور، ۱۳۸۲ھ

۱۲۔ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۳-۶۴، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لاہور۔

۱۳۔ علامہ ربیع بن اسماعیل نہانی متوفی ۱۳۵۰ھ، حجتہ اللہ علیہ ص ۶۸۱، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لاہور۔

انسانوں کی طرح جو بشری کائناتیں اور مادی غلاظتیں ہوتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام ان تمام سے منزہ ہوتے ہیں نہ صومانی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کائنات میں سب سے اعلیٰ اور افضل بشریت ہے اور ہر قسم کی مادی آلائش اور جسمانی کثافت سے پاک ہے، بشریت یوں بھی نورانیت سے افضل ہے کتب عقائد میں کھلے کہ رسل بشر رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور عوام بشر عوام ملائکہ سے افضل ہیں یہی ہے جو بشریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کا جزو ہے۔ اسی کے افضل خلایق ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے، درجہ ہوا کوئی اور منہر تخلیق، آپ کے مادہ خلقت سے کسی چیز کو کیا نسبت ہے۔ اصل میں منشاء نفیلت آپ کی ذات ہے۔ بشر بھی اس پر افضل ہے کہ آپ بشر بنی، اگر آپ بشر نہ ہوتے تو بشریت کا یہ مقام نہ ہوتا اور اگر آپ انسان نہ ہوتے تو انسانیت کو یہ عروج نہ ہوتا انسانیت کا احترام بھی آپ سے ہے اور بشریت کی عزت بھی آپ سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثل ہونا

انی اری ما لا ترون - (ترمذی ص ۲۲۶) میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے یہ فرمایا واللہ ما ینحی علی دیکو حکم ولا خشوعکم وانی اراکم من وما اعظمہری (بخاری ج ۱ ص ۱۱۲) بخدا مجھ پر تمہارا دگر بخفی ہے نہ شرم مخفی ہے اور بے شک میں تم کو اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں یہ نیز فرمایا میں جوں کوڑ کو دیکھ رہا ہوں یہ آپ نے نماز کسوف (سورج گرہن کی نماز) پڑھاتے ہوئے جنت اور دوزخ کو دیکھا۔ جن کی نظر کی جولانی کا یہ عالم ہے کہ اوپر نظر آٹھائی تو سات آسمان ان کی نظر کے لیے حجاب نہیں اور نیچے نظر فرمائیں تو سات زمینیں ان کی نظر کے لیے رکاوٹ نہیں۔ آسمان اور زمین، جنت اور دوزخ بلکہ دنیا و آخرت کی تو کیا حقیقت ہے جس ذات کو کوئی نبی اور رسول نہیں دیکھ سکا آپ نے اس ذات کو دیکھا۔

حسن الوصیت کو بے حجاب دیکھا اور اس طرح دیکھا کہ دکھانے والے نے بھی داد دی اور کہا ہاذا سخر المبصر وما طغی نظر بہکی نہ کچ ہوئی یہ یہ آنکھیں ایسی ہیں کہ جاگیں قدیاضت اور سوئی ترمادت! فرمایا میری آنکھیں سو جاتی ہیں اور صلی نہیں سوتا، یہی تو نہیں کہا تھا: انی لست کہیئتککہ میں تمہاری مثل نہیں ہوں! یہ

سماعت دیکھئے! فرمایا انی اسمع ما لا تسمعون میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے، فرشتوں کی باتیں سنتے ہیں سیرات اور جنات کا کلام سنتے ہیں، حتیٰ کہ شجر و حجر کی آواز بھی سنتے ہیں، یہ سب چیزیں الگ الگ ہیں غالبی کائنات کا کلام سنتے ہیں اس کلام کو سنتے ہیں جو اگر پہاڑ پر نازل ہو تو پہاڑ پھٹ جیسے! انھی کو کہا تھا کہ ایک ہشتالی گھ "تم میں مجھو عیسا کون ہے؟" حجاب دہن کر دیکھئے! یہ حجاب حضرت علی کی دیکھتی ہوئی آنکھوں میں پہنچا تو ایسی عجیب برائی کہ پھر بھی دیکھنے نہ آئی، ایک جنگ میں حضرت قتادہ بن نعمان کا آنکھ کا ڈھیلا نکل گیا، آپ نے لعاب دہن لگا کر وہ ڈھیلا اپنی جگہ رکھا۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ پیدائشی آنکھ سے آٹا نہیں دکھائی دیتا تھا جتنا آپ کے ہاتھ سے لگائی ہوئی آنکھ سے دکھائی دیتا تھا، حضرت سلمہ بن اکوع کی پٹری کو اسی گنا

۱۔ علامہ سعد الدین قناری متوفی ۷۹۲ھ، شرح القناری ص ۱۷۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۲۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۳۔ امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۳۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۴۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

سے جزا، حضرت رافع کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ اسی لعاب سے جوڑ دی، حضرت ابوبکر کی زہر خورہ ایڑی میں یہ لعاب لگایا تو زہر کا اثر جاتا ہوا، حضرت جابر کی ہتھیلیاں لعاب ڈالا تو ایسی برکت ہوئی کہ تھوڑا سا کھانا تمام لشکر کے لیے کافی ہو گیا، کھانے کنوئیں میں یہ لعاب ڈالا تو میٹھا ہو گیا، نقط پانی کا فائدہ نہیں بدلا زمین کی مابیت بدل گئی۔!

صرف زمین کی مابیت نہیں بدلی، لوگوں کے دل و دماغ بدل دیے، فکر و نظر میں انقلاب پیدا کر دیا، یزید بان کی تاثیر تھی اور یہ نظر کا فیضان ہے کہ چوروں، ڈاکوؤں، خائنوں اور شیروں کو لوگوں کی جان و مال اور عزت و اکبر و کائنات میں محفوظ بنا دیا، جو گلابانی کے آداب سے ناواقف تھے انہیں جہانگیر اور جہاں بان بنا دیا، بت پرست بت شکن ہو گئے، ریگ زار عرب کے وہ بدو جو رہن ہیں کے آداب سے ناواقف تھے، ایک عالم کو تہذیب اور تمدن کا سبق سکھانے لگے!

یوں تو آپ کی بہت فضیلتیں ہیں، آپ کا بول بھرا ہوا ہر تھا، آپ کے تمام فضائل طیب تھے، جس نے آپ کا پیشاب پی لیا اس کی بیماری جاتی رہی، جس نے فصد لگانے کے بعد آپ کا نکلا براغون پی لیا اس پر فصد حل ہو گئی، آپ کا پسینہ خوشبودار تھا، آپ کے جسم پر بھی نہیں بیٹھتی تھی، زمین پر سایہ نہیں پڑتا تھا، دھوپ میں ابھریا کرتا تھا، اشارے سے سورت پلٹ آتا تھا اور چاند شوق ہو جاتا تھا، کوڑی کو کہیں غوار ہو جا، تو غار ہو جاتی تھی، لیکن آپ کا اصل فضیلت اور کمال یہ ہے کہ آپ نے سب نبیوں کے کم تبلیغ کا زمانہ پایا اور سب سے زیادہ پیروکار چھوڑے، اور اپنے مشن اور نصب العین کو سب سے زیادہ پروکھا۔ دوسرے نبیوں نے معجزات کے سہارے لوگوں کو مسلمان کیا۔ آپ نے اپنی پاکیزہ زندگی اور میرت طیبہ سے لوگوں کو مسلمان کیا۔ اعلان نبوت سننے ہی فوراً کسی دلیل اور معجزے کے بغیر حضرت خدیجہ الکبریٰ اسلام لائیں، یہ آپ کی زندگی تھی، حضرت ابوبکر صدیق مسلمان ہوئے، یہ آپ کے دوست تھے اور حضرت زید بن حارثہ مسلمان ہوئے یہ آپ کے غلام تھے۔ ان میں سے کسی نے کوئی معجزہ نہیں دیکھا کوئی دلیل نہیں طلب کی۔ یہ صرف آپ کی میرت کا اعجاز تھا، یہ آپ کی پاکیزہ زندگی کا کثرت تھا، جیسے جیسے آپ کی میرت کا اثر پھیلتا گیا، جیسے جیسے لوگ آپ کی شخصیت سے واقف ہوتے گئے، اسلام پھیلتا گیا، بڑا دون ہی اور رسول آئے اور تبلیغ کے چلے گئے لیکن کسی نبی اور رسول کی اصل تعلیم اور پیغام باقی نہیں ہے، کسی کی لائی ہوئی کتاب کا اصل متن تک موجود نہیں ہے مگر آج چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی آپ کی تعلیم اور آپ کا پیغام باقی ہے اور آپ کا مشن جاری ہے اور انشاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا یہی آپ کا فائدہ ہے اور اسی قدر کو پھیلانے کی ضرورت ہے۔

قرآن مجید کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اول الخلق ہونا علامہ اہل سنت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے آپ کی خلقت کے تالی میں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اجسام سے قبل عالم ہر میں ذوات انبیاء علیہم السلام کا موجود ہونا نص قرآن سے ثابت ہے جس کا مقتضی یہ ہے کہ ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بطریق اولیٰ عالم ارواح میں موجود ہو، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَضُكُمْ وَآخِذْتُكُمْ عَلَىٰ ذَلِكُمْ أَصْرًا قَالُوا

اور جب اللہ نے نبیوں سے یہ عہد لیا کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور حکمت سے دوں پھر تمہارے پاس وہ منظم رسول آجائے جو اس چیز کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے تو تم اس پر ضرور ایمان لانا اور ضرور بہ ضرور اس کی مدد

اقرارنا قال فاشهدوا وانا معكم من
الشاهدين فمن تولى بعد ذلك فاولئك
هم الفاسقون - (ال عمران : ۸۱)
واذا اخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذریعتهم
واشهد هم على انفسهم الست بربكم
قالوا بلی شهدنا۔

فرمایا: کیا تم نے اقرار کر لیا، اور اس شہد پر میرے عہد کو قبول کر لیا؟ سبب
نے کہا: ہم نے اقرار کر لیا، فرمایا: تو اب گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ
میں سے ہوں پھر جو اس (عہد) کے مہاجر جانے تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔
اور جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پیٹھوں سے ان
کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان کی جانوں پر (یہ) اقرار کرایا کہ کیا
میں تمہارا رب نہیں ہوں، انہوں نے کہا: کیوں نہیں؟ (بے شک
تو ہمارا رب ہے!) ہم نے اقرار کیا۔

(اعراف : ۱۷۲)

تمام نفوس بنی آدم سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس قدسی نے جلی کہہ کر اللہ تعالیٰ کی روبرو بیعت کا اقرار فرمایا اور باقی تمام
نفوس بنی آدم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرار پر اقرار کیا، اس واقعہ کا مقتضی بھی یہی ہے کہ ذات پاک مصطفویٰ علیہ التیۃ والثناء مخلوق ہو کر
ہم سے وجود میں ہو، مگر ہو چکی تھی، نیز فرمایا:

واذا اخذنا من النبیین میثاقهم
ومنك ومن نوح و ابراهیم وموسی و
عیسی ابن مریم واخذنا منهم میثاقاً غلیظاً (احزاب : ۷۲)

اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا اقرار لیا اور آپ سے
اور نوح سے اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے
ان سے پکا اقرار لیا۔

اس آیت میں بنی عہد اور اقرار کا بیان ہے وہ تبلیغ رسالت پر ہے، اللہ تعالیٰ نے جہاں دیگر انبیاء علیہم السلام سے تبلیغ
رسالت پر عہد لیا وہاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ عہد و اقرار کرایا یہ واقعہ بھی عالم ارواح کا ہے، ظاہر ہے
کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خلقت اس وقت نہ ہو گئی ہوتی تو اس عہد و اقرار کا ہونا کس طرح متصور ہوتا۔
راقم یہ کہ خلقت محمدی تمام کائنات اور خصوصاً جمیع انبیاء کرام علیہم السلام کی خلقت سے پہلے ہے تو اس مضمون کی طرف قرآن کی
بعض آیات میں واضح اشارات ملتے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وما ارسلناک الا رحمة للعالمین۔

(اے محمد مصطفیٰ!) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے
لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

(انبیاء : ۱۰۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا استثناء تمام عالمین کے لیے رحمت ہیں اور عالم ماسوا اللہ کو کہتے ہیں تو یہ بات بخوبی روشن ہو
گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرد عالم کے لیے رحمت ہیں اور حضور کے رحمت ہونے کے یہی ہیں کہ مرتبہ ایجاد میں تمام عالم کا موجود ہونا بواسطہ
وجود ستیہ الموجودات کے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصل ایجاد ہیں، حضور کے بغیر کوئی فرد ممکن موجود نہیں ہو سکتا، وجود نعمت ہے اور
عدم اس کی ضد، کل موجودات نعمت وجود میں حضور کے واسطے رحمت سے وابستہ ہیں، ظاہر ہے کہ جو ذات کسی کے وجود کا سبب اور
واسطہ ہو وہ یقیناً اس کے لیے رحمت ہے، رحمت کی حاجت ہوتی ہے اور میں چیز کی حاجت ہو وہ محتاج سے پہلے ہوتی ہے
چونکہ تمام عالمین اپنے وجود میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج ہیں اس لیے سب سے پہلے حضور کا وجود ضروری ہو گا۔ نیز یہ کہ جب حضور
صلی اللہ علیہ وسلم عالمین کے وجود کا سبب اور ان کے موجود ہونے میں واسطہ ہیں تو اس وجہ سے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عالمین
سے پہلے موجود اور مخلوق ہونا ضروری ہے کیونکہ سبب اور واسطہ ہمیشہ پہلے ہوا کرتا ہے، علاوہ ازیں اسی آیت سے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل کائنات ہونا بھی ثابت ہے اور سبب ملنے میں کہ اصل کا وجود فردی سے پہلے ہوتا ہے۔

اس لیے ذات پاک محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی خلقت اصل کائنات ہونے کی حیثیت سے کل موجودات اور عالمین سے پہلے ہے۔ اللہ عز وجل خوب واضح ہو گیا کہ خلقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تمام موجودات عالم سے پہلے ہے۔

دوسری آیت جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولیت خلقت کی طرف واضح اشارہ پایا جاتا ہے یہ ہے:

اننا اول المسلمین (انعام: ۱۶۳)

میں سب سے پہلا مسلم ہوں۔

صاحب عرائس البیان فرماتے ہیں اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک اور ہر مقدس جمیع کون یعنی تمام ماسوی اللہ پر مقدم ہے (عرائس البیان ج ۱ ص ۲۳۸)

ظاہر ہے کہ اختیاری یا غیر اختیاری اسلام سے تو عالم کا کوئی فرقہ خالی نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وله اسلم من فی السموات ومن فی الارض طوعا وکرها والیہ یرجعون"۔ پھر اسلام لانے والوں سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت ہو سکتے ہیں جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے پہلے ہوں، لہذا اس آیت سے بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلقت تمام کائنات سے پہلے معلوم ہوئی۔ لہ

احادیث کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اول الخلق ہونا | امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابی ہریرۃ قال، قالوا یا رسول اللہ متی وجبت لك النبوة قال و آدم بین الروح والجسد بلہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا جس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث کو امام ابن نسیم نے بھی روایت کیا ہے۔ لہ

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن میسرۃ الفجر قال قلت یا رسول اللہ! متی کنت نبیاً؟ قال و آدم بین الروح والجسد بلہ

حضرت میسرۃ الفجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کس وقت نبی تھے؟ فرمایا جس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ لہ

امام احمد نے اس حدیث کو بھی ابن ابی شیبہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روایت کیا ہے۔ لہ

۱۔ ملا سید احمد سعید کاشفی متوفی ۱۴۰۶ھ، مقالات کاظمی ج ۱ ص ۵۳-۵۹، مطبوعہ مکتبہ فریدیہ ساہیوال، ۱۳۹۷ھ

۲۔ امام ابو یوسف محمد بن یسعی ترمذی متوفی ۲۴۹ھ، جامع ترمذی ص ۵۱۹، مطبوعہ مکتبہ دارالافتاء کتب کراچی۔

۳۔ امام ابن نسیم احمد بن عبد اللہ اصہبانی متوفی ۴۳۰ھ، دلائل النبوة ج ۱ ص ۴۸، مطبوعہ دارالانفاس

۴۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوة ج ۲ ص ۱۲۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۵۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۵۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

۶۔ مسند احمد ج ۲ ص ۶۶، ج ۵ ص ۳۷۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

عن عرياض بن سارية صاحب رسول
الله صلى الله عليه وسلم قال سمعت رسول الله
صلى الله عليه وسلم يقول: اني عبد الله
وخاتم النبيين وابي مفضل في طيبتة
وما خيركم عن ذلك دعوة ابي ابراهيم
وبشارة عيسى وراؤيا ابي التي رأت وكذلك
امهات النبيين يرين .

حافظ الہدیشی نے اس حدیث کو امام احمد، امام طبرانی اور امام بزار کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ امام احمد نے اس حدیث کی جو سند بیان کی ہے اس کے راوی صحیح ہیں، البتہ ایک راوی سعید بن سعید میں کلام ہے لیکن امام ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے شیخ اشرف علی تھانوی نے ذکر کرتے ہیں:

یہ امرت کی عاصی دوسرے ہیں؛
 شہسوی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ذکر کیا: یا رسول اللہ! آپ کب نبی بنائے گئے؟ آپ نے فرمایا کہ آدم اس وقت یروج
 اور جہد کے درمیان تھے جبکہ مجھ سے میثاق (نبوت کا) لیا گیا، کما قال تعالیٰ وَاِذَا اخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ
 وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ الْاٰیٰتۃ۔ روایت کیا اس کو ابن سعد نے جابر جعفی کی روایت سے ابن رجب کے ذکر کے
 موافق۔ ۴۴

نیز شیخ صفائی ذکر کرتے ہیں:

حضرت علی بن الحسین (یعنی امام زین العابدین) سے روایت ہے وہ اپنے باپ حضرت امام حسین اہل ولایت کے جدِ امجد یعنی

- ۱۔ امام ابو بکر احمد بن حسین سیبکی متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوت ج ۲ ص ۱۳۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
 ۲۔ دلائل النبوت ج ۲ ص ۱۳۲، ج ۱ ص ۸۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
 ۳۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۸-۱۲۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ
 ۴۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، مستدرک ج ۲ ص ۶۰۰، مطبوعہ دارالباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ
 ۵۔ علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۸۴۸ھ، تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۶۰۰،
 ۶۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی متوفی ۸۰۰ھ، معجم الزوائد ج ۸ ص ۲۲۳، مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ
 ۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، نشر الطیب ص ۸، مطبوعہ تاج کیمپنی لنیڈز کراچی

حضرت علی سے نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار برس پہلے اپنے پروردگار کے حضور میں ایک نور تھا۔ لے

اس حدیث کو علامہ سیوطی نے بھی ابواب القلآن کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ لے
علامہ ابن جوزی کرتے ہیں:

عن كعب الاحبار قال، لما اراد الله تعالى ان يخلق محمداً صلى الله عليه وسلم امر جبرئيل عليه السلام ان ياتيه فاتاه بالقبضة البيضاء التي هي موضع قبور رسول الله صلى الله عليه وسلم فجئت بها التسليم، ثم غمست في انهار الجنة وطيف بها في السموات والارض، فعرفت الملائكة محمداً قبل ان تعرف آدم، ثم كان نور محمد صلى الله عليه وسلم يورى في غرة جبهة ادم وقيل له هذا سيد ولدك من الانبياء والمرسلين لے

کعب احبار سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو مٹی لانے کا حکم دیا، جبرئیل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی جگہ سے سفید مٹی لے کر آئے اس مٹی کو تسنیم (جنت کی نہر) کے پانی سے گوندھا گیا، پھر اس کو جنت کی نہروں میں غوطہ دیا گیا اور آسمانوں اور زمینوں میں اس مٹی کو گھبلا گیا، پس فرشتوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو آدم (علیہ السلام) کے بچپانے سے پہلے جان لیا، پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور آدم کی پیشانی میں دکھائی دیتا تھا اور آدم علیہ السلام سے کہا گیا کہ یہ تمہاری اولاد میں سے انبیاء اور مرسلین کے سردار ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اول الخلق ہونے کے بارے میں علماء کے نظریات اور مصنف

کا موقف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اول خلق ہونے کے بارے میں اکثر علماء اسلام کا اتفاق ہے لیکن اس میں علماء اسلام کی آراء مختلف ہیں کہ اول خلق کا مصداق کیا ہے؟ علامہ شہاب الدین خاکی کی رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پیدا کی گئی، علامہ ابن جوزی کی رائے یہ ہے کہ حضرت آدم کی خلقت سے پہلے سفید نورانی مٹی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا گیا، علامہ قسطلانی کی رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا کیا گیا۔ علامہ سیوطی کی رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ کی روح یا آپ کی حقیقت کو پیدا کیا گیا۔ علامہ سبکی نے بھی یہی کہا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ مختلف نظریات اس وجہ سے ہیں کہ قرآن مجید کی کسی نص صریح یا کسی حدیث میں اس کی تصریح اور تعیین نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے کس مادہ سے پیدا کیا گیا۔ اور قرآن اور حدیث نے اس چیز سے اس لیے تعین نہیں کیا کہ مہادی

۱۔ شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، نشر الطیب ص ۹، مطبوعہ تاج کتبہ لمیٹڈ کراچی

۲۔ علامہ بلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ و مکتبہ لاٹمپور

۳۔ علامہ ابراہیم العزج عبدالرحمان بن الجوزی متوفی ۵۹۰ھ، الوفاة باحوال المصطفیٰ ج ۱ ص ۳۵-۳۴، مطبوعہ مکتبہ نوریہ و مکتبہ لاٹمپور

ذیادوی فوز و فلاح اہل آخری سادت کا مدار اس چیز پر نہیں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مادہ خلقت کو جانیں! اس لیے اس میں بحث کرنے کے بجائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اول خلق ہونے کا کیا مصداق تھا؟ ہماری ترجمہ اس پر مبذول رہنی چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے پاس بھیجنے کا کیا مقصد ہے؟ اور آپ کی تعلیمات کیا ہیں؟ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور افضلیت باری کے لیے یہ چیز کافی ہے کہ حدیث صحیحہ میں ہے کہ آپ کے لیے نبوت اس وقت واجب ہوئی جب حضرت آدم جہم اور روح کے درمیان تھے اور اس بحث میں پڑنا اور یہ موشگافیاں کہنا غیر ضروری ہے کہ اس وقت آپ کا جسم مٹی سے بنایا گیا تھا یا در سے یا اس جسم کی حقیقت مجہول ہے، کیونکہ یہ تمام اُراد اور نظریات کسی قطعی دلیل پر مبنی نہیں ہیں۔ تاہم اگر یہ کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سب سے پہلے پیدا کی گئی اور جب آپ کی ولادت ہوئی تو آپ کا جسم پیدا کیا گیا تو یہ ظاہر قرآن اور حدیث کے اصرام اصول فطرت کے مطابق ہے۔ اب ہم قارئین کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اول خلق ہونے کے مصداق کے بارے میں مدار اسلام کے نظریات پیش کر رہے ہیں۔ اختصار کے پیش نظر ہم صرف ترجمہ کر رہے ہیں۔

علامہ احمد قسطلانی لکھتے ہیں:

شیخ تقی الدین سبکی نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اجسام پیدا کرنے سے پہلے ارواح کو پیدا کیا اور کثرت نبیا سے آپ کی روح شریفہ کی طرف اشارہ ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوگا علامہ قسطلانی اور علامہ سبکی کے نزدیک اول خلق سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ ہے۔ علامہ قسطلانی لکھتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے اور رزق کو مفقہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے حضرت اعدیہ میں انوار صمدیہ سے حقیقت محمدیہ کو ظاہر کیا پھر تمام علوی اور سلفی عالموں کو ان کی صورتوں کے اقتدار سے اپنے علم کے مطابق اس حقیقت سے نکالا پھر اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو یہ بتایا کہ وہ نبی ہے اور اس کو رسالت کی بشارت دی یہ اس وقت ہوا جب ہوز آدم پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ روح اور جسم کے درمیان تھے جیسا کہ ارشاد رسالت ہے۔ پھر آپ سے ارواح صافیہ کا ظہور ہوا اس وقت ملاطی میں آپ کا ظہور ہو چکا تھا اور آپ ان کے لیے (فیض کا) چشمہ شیریں بن چکے تھے۔ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اجناس کے لیے جنس عالی اور تمام موجودات اور لوگوں کے لیے اب اکبر ہیں۔ ۱۷

اس کے بعد علامہ قسطلانی لکھتے ہیں :

عارف ربانی عبداللہ بن ابی جبرہ نے اپنی کتاب ہیجۃ النفوس میں اور ان سے پہلے ابن سبع نے شفاء الصدور میں کتب احبار کے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حسب اللہ تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو جبریل کو حکم دیا کہ زمین سے اس مٹی کو لے کر آئیں جو زمین کا قلب ہو اور سب سے اچھی مٹی اس کو منور کردوں، پھر جبریل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی جگہ کی مٹی لی وہاں حالیکہ یہ سفید اور روشن تھی اس مٹی کو جنت کی نہروں کے پانی سے گوندھا گیا حتیٰ کہ یہ چمکدار موتی کی طرح ہو گئی اور اس کی منظم شاخیں تھیں، پھر فرشتے اس مٹی کو لے کر عرش، کوہی، آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں

١٤٠ - علامہ احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب قسطلانی متوفی ٩٥٠ھ، المصنف اللدنی ج ١ ص ٤، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔

٢- . " " ، التواهب اللدني ج اص ٥ ، " "

اور محمد رسول میں گئے اور تمام فرشتوں اور تمام مخلوق نے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی فضیلت کو آدم علیہ السلام سے پہلے جان لیا۔ یعنی فرشتوں نے پہلے آپ کو جانا اور پھر حضرت آدم کو جانا) اور ایک قول یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین سے فرمایا: خوشی اور ناخوشی سے میرے پاس آؤ! فرشتوں نے کہا: ہر شے اللہ کے مقابل آسمان نے کہا: ہم خوشی سے آتے ہیں اور حضرت ابن عباس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی کی اصل مکہ میں زمین کی ناث ہے۔ بعض علما نے کہا اس میں یہ اشارہ ہے کہ زمین کے جس حصہ نے جواب دیا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل کا قدرہ تھا اور کعبہ کی جگہ کو پھیلا کر زمین بنائی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سکون کی اصل ہیں اور باقی کائنات اس کے تابع ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کو آئی اس لیے کہا جاتا ہے کہ مکہ ام القریٰ ہے اور آپ کا قدرہ مکہ سے دیا گیا، اگر یہ اعتراض ہو کہ کسی شخص کی مٹی اس کے مدفن سے لی جاتی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن مکہ ہو کیونکہ آپ کی مٹی مکہ سے لی گئی ہے صاحب عوارف المعارف نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جب پانی کا طوفان آیا تو پانی کی موجوں سے وہ قدرہ اس جگہ پہلا گیا جہاں مدینہ میں آپ کا مدفن ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی اور مدفن بھی۔ لے

علامہ قسطلانی نے جو عبارت نقل کی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک آپ کا اول خلق ہونا باہمی معنی ہے کہ آپ آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا کیے گئے اور آپ کا مادہ خلقت مٹی ہے۔
اس کے بعد علامہ قسطلانی لکھتے ہیں:

عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر میرے ملل باپ خدا ہوں یہ بتلائیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ آپ نے فرمایا: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا پھر یہ نور قدرتِ الہی سے جہاں اللہ نے چاہا سیر کرتا رہا اس وقت لوحِ تعالیٰ نہ قلم، نہ فرشتہ، نہ آسمان، نہ زمین، نہ سمندر، نہ چاند نہ جنت نہ جہنم نہ تھا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کیے پہلے حصہ سے قلم پیدا کیا، دوسرے حصہ سے لوح، تیسرے حصہ سے عرش پھر چوتھے حصہ کے چار ٹکڑے کیے پہلے حصہ سے عالمین عرش کر پیدا کیا، دوسرے سے کہ زمین کو تیسرے حصہ سے باقی ملائکہ کو، چوتھے حصہ کے پھر چار حصے کیے پہلے حصہ سے آسمان دوسرے سے زمین تیسرے سے جنت اور دوزخ اور چوتھے حصہ کے پھر چار حصے کیے پہلے حصہ سے فرشتوں کی آنکھوں کا نور دوسرے حصہ سے ان کے دلوں کا نور اور وہ معرفتِ الہی ہے اور تیسرے حصہ سے دلوں کا آئین یعنی کہ قومید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پیدا کیا۔ الحدیث۔ ۱۱۱

علامہ قسطلانی نے جوہر روایت (۲) نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اشیاء کے اعتبار سے اول خلق ہیں اور آپ کا مادہ خلقت نور ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی اس بحث میں لکھتے ہیں:

اگر یہ افترا من ہو کہ نبوت ایک وصف ہے اور اس کا موصوف موجود ہونا چاہیے اور نبوت سے چالیس سال کے بعد تصاف

۱۵۔ علامہ احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ، المراسیم اللدنیہ ج ۵، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

٤- المراسم الدينية ج ٩ ، ٥

ہو تاہم توحید صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے سے پہلے آپ کا نبوت سے موصوف ہونا کیسے صحیح ہو گا اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اجسام سے پہلے ارواح کو پیدا کیا ہے اور کثرت نبیاً میں آپ کی روح شریفہ کی طرف اشارہ ہے یا آپ کی حقیقت کی طرف اشارہ ہے اور عقائد کے ادراک سے ہماری عقل تامل میں عقائد کا ادراک صرف ان عقائد کا کافی ہی کر سکتا ہے۔ لہ

فر فرمائیے امام بیہقی کے نزدیک کثرت نبیاً کا معنی ہے میں اللہ کے علم اور تقدیر میں نبی قات

_____ اور علامہ قسطلانی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اول خلق ہونے کے بارے میں یہ نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے آپ کی روح کو خلق کیا گیا، آدم علیہ السلام سے پہلے آپ کو مٹی سے بنایا گیا، آپ کو نور سے بنایا گیا اور آپ جنس عالی ہیں اور علامہ سیوطی اور علامہ سبکی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت آدم سے پہلے آپ کی روح کو پیدا کیا گیا یا آپ کی حقیقت کو پیدا کیا گیا جس کے ادراک سے ہماری عقل قاصر ہیں اور علامہ ابن جوزی نے کتب اجار کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت آدم کی خلقت سے پہلے آپ کو مٹی سے بنایا گیا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی خطیب کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کو مٹی سے بنایا گیا۔ (فتاویٰ افریقیہ ص ۱۰۰-۹۹، مطبوعہ مدینہ پبلیشنگ کمپنی کراچی۔)

ان نام اقوال کو پرچہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان میں سے کوئی چیز قطعی نہیں ہے وہ اس میں اس قدر اختلاف نہ ہوتا اس لیے مرت اس پر یقین رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا، راہیکہ آپ کا مادہ خلقت کیا ہے؟ اور آپ کو کسی چیز سے پیدا کیا گیا؟ تو چونکہ یہ کسی حدیث صحیح یا یقینی دلیل سے ثابت نہیں اور نہ اس کے ساتھ دین اور شریعت کی کوئی فرض واجب ہے اور نہ اس کا خلق ہمارے عقائد اور اعمال سے، نہ ہم سے آخرت میں اس پر باز پرس ہوگی کہ تم نے یہ کیوں نہیں جانا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے تمہارے نبی کو کس چیز سے پیدا کیا گیا؟ اس لیے اس بحث میں نہیں الجھنا چاہیے۔ تاہم اگر کوئی شخص اس کے جاننے پر اصرار کرتا ہے تو ہمارے نزدیک سلامتی کی راہ اس قول میں ہے کہ سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پیدا کی گئی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا عام اصول ہے کہ وہ اجسام سے پہلے ارواح کو پیدا کرتا ہے اور ظاہر قرآن اور حدیث میں بھی اس کی تائید ہے۔

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی نے اس مسئلہ پر نفیس بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح سے پہلے آپ کی روح کو پیدا کیا، اور اس کو نبوت کی خلعت سے مشرف کیا اور جبکہ نبوت آپ کی روح کی صفت ہے تو معلوم ہوا کہ آپ وفات کے بعد بھی نبی اور رسول ہیں، اور روحی اور احکام کا منقطع ہونا اس میں مضرت نہیں ہے کیونکہ آپ کا دین مکمل ہو چکا ہے اسی تکلف کو حفظ کر لو کیونکہ یہ بہت نفیس ہے اور ابن القلان نے جو روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے چودہ ہزار سال پہلے آپ کے نور کو پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے کہ نور ملائکہ کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرتا تھا" اس نور سے بھی آپ کی روح مراد ہے۔ لہ

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلے علم امر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ پیدا کی گئی اور ہر چند کہ آپ کی ولادت جس بشر سے ہوئی ہے لیکن چونکہ آپ کی حقیقت میں وحی کی استعداد اور دیگر خصوصیات ہیں اس وجہ سے آپ علم فرائض

۱۔ علامہ ملال الدین سیوطی مترقی ۹۱۱ھ، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۵-۴، مطبوعہ مکتبہ فروریہ رضویہ لاہور

۲۔ علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مترقی ۱۰۶۹ھ، نسیم الایمان ج ۲ ص ۲۰۱-۲۰۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت

سے ممتاز ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور ہدایت کے ساتھ ساتھ نور حسی بھی عطا فرمایا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کا چہرہ اقدس انتخابی روشن اور نورانی تھا اور زمین پر آپ کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔

میں نے یہ تمام کوشش صرف اس لیے کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور آپ کی حقیقت کے بارے میں جو لوگ افراط اور تفریط پر مبنی نظریات کے شکار ہیں ان کی اصلاح ہو جائے، اللہ العالین میری اس تحریر کو لوگوں کے لیے مؤثر اور نافع بنا اور میری مسرت فرما اور مجھے دارین کی سعادت عطا فرما، مجھے اس شرح کو مکمل کرنے کی توفیق دے اور اس شرح کو قبول دوام عطا فرما۔ والحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی محمد خاتم النبیین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماہ ملتہ اجمعین۔

مخلوق کی طرف علم غیب کی نسبت کرنے کی تحقیق | علامہ نووی، علامہ کرمانی، علامہ مستقلانی، علامہ مینی اور دیگر علماء

بر تعاضد بشریت غیب کا علم نہیں تھا۔ اس مسئلہ میں علماء اہل سنت کا یہ وقت ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو غیب کا علم عطا فرماتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے زیادہ غیب کا علم عطا فرمایا ہے لیکن مطلقاً یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم ہے "وہ وجہ سے درست نہیں ہے اول اس لیے کہ یہ قول ظاہر قرآن کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید نے اللہ کے غیر سے مطلقاً علم غیب کی نفی ہے اور دوسرے اس وجہ سے کہ جب مطلقاً علم کا ذکر کیا جائے تو اس سے مراد علم بالذات ہوتا ہے۔ اس لیے یوں کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب سے وافر حصہ عطا فرمایا ہے یا یوں کہا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کو بعض علوم غیبیہ عطا کیے گئے اور کسی مخلوق کی طرف مطلقاً علم غیب کی نسبت کرنا درست نہیں ہے اسی طرح کسی کو عالم الغیب کہنا بھی صحیح نہیں ہے۔

امام احمد رضا قادری فرماتے ہیں:

علم جب کہ مطلق ہو لاجائے خصوصاً جبکہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔ اس کی تشریح حاشیہ کشاف پر میر سید شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کر دی ہے اور یہ یقیناً حق ہے، کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔ لہ

اعلیٰ حضرت کی اس عبارت کا صحت اور صریح مطلب یہ ہے کہ جب مطلقاً علم غیب ہو لاجائے تو اس سے ذاتی علم غیب مراد ہوتا ہے اور قرآن اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاں علم غیب کی نفی کی گئی ہے اس سے ذاتی علم غیب مراد ہے، اور چونکہ مطلقاً علم غیب سے ذاتی علم غیب مراد ہوتا ہے اس لیے مطلقاً یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بسن علوم غیبیہ پر مطلع فرمایا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی نے مسئلہ علم غیب کی نفیس تحقیق کی ہے، قارئین کی علمی ضیافت کے لیے ہم اسی کو یہاں بیان کر رہے ہیں: علامہ شامی لکھتے ہیں: فقہاء احناف نے اپنی منند کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ جس شخص نے اپنے لیے علم غیب کا دعویٰ کیا وہ کافر ہو گیا، فتاویٰ غامیہ میں ہے "جس شخص نے اتو کی آواز سن کر کہا ایک آدمی مر جائے گا اس کے متعلق بعض فقہاء نے کہا وہ

کافر ہو گیا اور بعض نے کہا وہ کافر نہیں ہوا، کیونکہ اس نے اس آواز سے بد شکونی کی ہے، اسی طرح کوئی شخص سفر کے لیے نکلا اور عققین برل پڑا اور وہ پلٹ آیا تو اس میں بھی یہی اختلاف ہے۔ "عاصم ہدیس نے عنادات النوازل میں لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ان کے مسئلہ میں تکفیر نہیں کی جائے گی، بزاز یہ میں ہے کہ جس شخص نے یہ کہا کہ میں چوری کی ہوئی اشیاء کو جانتا ہوں وہ کافر ہو گیا، اسی طرح جس نے کہا میں جن جن کی خبری دیتا ہوں وہ بھی کافر ہو گیا کیونکہ جنات بھی انسانوں کی طرح غیب نہیں جانتے اور جو شخص جنوں کی خبر کی تصدیق کرے وہ بھی کافر ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کاہن کے پاس گیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کی اس نے عسدر (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل شدہ دین سے کفر کیا" اسی طرح جامع الفصولین میں مذکور ہے کہ جس شخص نے بنبر گواہوں کے نکاح کیا اور کہا کہ اللہ اور اس کا رسول گواہ ہیں یا فرشتے گواہ ہیں اس کی تکفیر کی جائے گی کیونکہ اس نے یہ اعتقاد کیا کہ رسول یا فرشتوں کو غیب کا علم ہے پھر اس پر یہ اشکال وارد کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی خبریں دی ہیں۔ اسی طرح حضرت عمر اور دیگر سلف صالحین نے بھی غیب کی خبریں دی ہیں تو اس کا یہ جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین

سے جس علم غیب کی نفی کی جاتی ہے وہ علم مستقل ہے (یعنی وہ علم جو بتلائے بنبر حاصل ہوا) یا علم یقینی ہے اور جو علم آپ کے لیے ثابت ہے وہ علم غیر مستقل ہے (جو علم بتانے سے حاصل ہو یعنی عطا کی) یا آپ کے لیے جو علم حاصل ہے وہ علم ظنی ہے۔ اور اس مسئلہ میں یہ ہے کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا "اتجعل فیہا من یفسد فیہا" کیا تو زمین میں اس کو خلیفہ بنا گا جو زمین میں فساد کرے گا؟ "فرشتوں نے یہ غیب کی خبر دی تھی اور انہوں نے یہ خبر یا برنامہ ظن دی تھی یا اللہ کے بتلانے سے لہذا جو شخص بنبر کسی کے بتلانے علم غیب کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے اور جو یہ کہے کہ اس کو نیند میں بتلایا گیا یا بیلادی میں اس نے کشف سے جان لیا اس وجہ سے اس کو غیب کا علم ہو گیا تو وہ کافر نہیں ہو گا کیونکہ اس کے دعویٰ میں اور قرآن مجید کی اہلیت میں کوئی تضاد اور تعارض نہیں ہے۔

علامہ رافعی نے اتر حنفیہ سے نقل کر کے یہ کہا کہ کسی شخص سے یہ پرچھا گیا کہ کیا تم کو غیب کا علم ہے؟ اس نے کہا ہاں! تو وہ کافر ہو گیا اور جو شخص سفر کے لیے نکلا اور عققین کی آواز سن کر لوٹ آیا اس کے کفر میں اختلاف ہے، روضۃ الطالبین میں علامہ نووی نے لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ان دونوں مسکوں میں وہ کافر نہیں ہو گا، علامہ نووی کے جواب پر یہ اعتراض ہے کہ جو شخص غیب جانتے کا دعویٰ کرتا ہے وہ قرآن مجید کی اس آیت کی تکذیب کر رہا ہے وعندہ مفاخر الغیب لا یعلمہا الا هو۔ در غیب کی پابیاں اللہ ہی کے پاس ہیں اللہ کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا "نیز اتر قتالی نے فرمایا: عالم الغیب فلا ینظہر علی غیبہ احداً الا من ارقت من راسہ" (وہ غیب جانتے والا ہے) تو اپنے غیب پر کسی کو درکامل اطلاع نہیں دیتا مگر جنہیں پسند فرمایا جو اس کے (سب) رسول ہیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے علم غیب کی نفی میں رسولوں کے سوا کسی کا استثناء نہیں کیا۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس شخص کا یہ قول قرآن مجید کی بعض کی مخالفت اور تکذیب کر سکتا ہے نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو علم مختص ہے وہ تمام اشیاء کا علم ہے اور ہر ہی مفاخر الغیب ہے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے ان الذین عندہ علم الساعة وینزل الغیث الا یہ۔ اللہ تعالیٰ کے پاس ہی قیامت کا علم ہے اور وہی بادشاہ نازل فرماتا ہے اس لیے جو شخص کسی ایک چیز یا چند چیزوں کے بارے میں غیب کے علم کا دعویٰ کرتا ہے وہ قرآن مجید کا مذب یا مخالفت نہیں ہے اور اس دعویٰ سے وہ کافر نہیں ہو گا، اور جس شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ تمام چیزوں کے غیب کا علم رکھتا ہے وہ کافر ہو جائے گا۔

علامہ یحییٰ بن شریک تراوی متوفی ۲۷۲ھ، روضۃ الطالبین و مدۃ المفتقین ج ۱ ص ۶۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ

(علامہ شامی کہتے ہیں) پھر میں نے دیکھا کہ علامہ اضلعی نے بھی علامہ فودی کی طرح لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ کوئی شخص مطلقاً یہ کہنے سے (یعنی غیب) بائتا ہوں "کا فرہش ہوگا۔"

علامہ ابن حجر مکی شافعی سے یہ سوال کیا گیا کہ "اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مومن غیب کو جانتا ہے" تو کیا ان دو آیتوں کے انکار کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا؟ علامہ ابن حجر مکی نے فتاویٰ حدیثہ میں اس سوال کے جواب میں یہ لکھا کہ چونکہ اس شخص کے کلام میں تاویل ہے اس لیے اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی جیسا کہ روضۃ الطالبین وغیرہ میں ہے۔ علامہ رافعی نے کہا اس شخص سے پرہیزنا چاہیے کہ بتا رہے اس قول (یعنی غیب کو جانتا ہے) سے کیا مراد ہے اگر وہ اس کے جواب میں یہ کہے کہ میری مراد یہ ہے کہ بعض اولیاء اللہ کو کبھی اللہ تعالیٰ بعض غیب کا علم عطا فرماتا ہے تو اس کا یہ قول قبول کر لیا جائے گا کیونکہ یہ عقلاً جائز ہے اور عقلاً ثابت ہے کیونکہ غیب کو جانتا اولیاء اللہ کی جملہ کرامات میں سے ہے، بعض اولیاء کشف کے ذریعے غیب کو جان لیتے ہیں اور بعض پر روح محفوظ منکشف کر دی جاتی ہے اللہ وہ اس کو دیکھ لیتے ہیں۔ قرآن مجید میں حضرت نضر کا جو واقعہ ہے وہ اس پر کافی دلیل ہے، کیونکہ حضرت نضر بعض علماء کی تصریح کے مطابق دہلی میں ہر چند کہ جمہور علامہ اہل عارفین کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ حضرت محض نبی ہیں۔ اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کے محل کے بارے میں یہ خبر دی جو ساریہ کی قیادت میں لڑ رہا تھا، اور عبد کے دن خطبہ دیتے ہوئے برسر منبر کہا: یا ساریۃ الجہیل "اے ساریہ! اپنا لڑکی اوٹ میں ہو جاؤ" اور حضرت ساریہ کو دشمنوں کے حملے سے خبردار کیا۔ اسی طرح حدیث صحیح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کے بارے میں فرمایا وہ محدث ہیں (یعنی ان کو الہام کیا جاتا ہے) اور امام قشیری نے اپنے رسالہ میں اللہ شیخ سہروردی نے علوف المعارف میں اور دیگر عارفین اور صلحاء نے اپنی تصانیف میں اولیاء اللہ کی وہی غیب کی خبروں کا ذکر کیا ہے اور اولیاء اللہ کو جو غیب کا علم ہوتا ہے وہ قرآن مجید کی ان دو آیتوں کے خلاف نہیں ہے جن میں غیب کے علم کا اللہ کے ساتھ مخصوص ہونا بیان کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو بغیر علم ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے غیب کا علم ہوتا ہے اور اولیاء اللہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے غیب کا علم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ماکان و مایکون کی تمام جزئیات کو محیط ہے اس کا علم صفت واحدہ ہے جو تمام معلومات کے لیے مبداء انکشاف ہے اور اس کا علم قدیم ہے وہ بدیہی ہے دیکھی، نہ اس میں کسی نقص یا کمی کا شائبہ ہے اور یہ علم اسی کے ساتھ خاص ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ عندہ مغفاتی الغیب لا یعلمہا الا هو۔ میں اسی علم کی طرف اشارہ ہے اس کے علاوہ باقی جزئیات کا اگر مخلوق کو علم ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے ہے۔ اور اس صورت میں یہ مطلقاً نہیں کہا جائے گا کہ اولیاء کو غیب کا علم ہے، کیونکہ اولیاء کو ایسی کوئی صفت حاصل نہیں جس سے ان کو مستقلاً غیب کا علم ہو، ان کو جو کچھ علم ہوتا ہے وہ بتلانے سے ہوتا ہے، نیز ان کو غیب مطلق کا علم نہیں دیا جاتا۔ اور انبیاء اور اولیاء کو جو غیب کا علم دیا جاتا ہے وہ کسی وجہ سے بھی محال کو مستلزم نہیں ہے اس لیے اس کا انکار کرنا عقائد کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ انبیاء اور اولیاء کو جو غیب کا علم ہوتا ہے اس سے ان کا اللہ تعالیٰ کے

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کسی شخص کی طرف مطلقاً علم غیب کی نسبت کرنا کفر ہے یا نہیں، ہر چند کہ صحیح یہ ہے کہ یہ کفر نہیں ہے تاہم مخلوق کی طرف مطلقاً علم غیب کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ علم غیب جب مطلقاً بولا جائے تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے جیسا کہ ہم امام احمد رضا قادری کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔

ساتھ شریک ہونا کسی وجہ سے لازم نہیں آتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو جمیع اور غیر متناہی معلومات کا علم ہے اور اس کا علم بذاتہ اور مستقل ہے، قدیم اور واجب ہے اور متعین الزوال ہے اور انبیاء اور اولیاء کو بعض اور متناہی معلومات کا علم ہوتا ہے اور ان کا علم غیر مستقل ہے اور اللہ کے بتلانے سے حاصل ہوتا ہے اور یہ علم حادث اور ممکن ہے اس علم کا حصول بھی ممکن ہے اور اس کا زوال بھی ممکن ہے، اس آیت کی تشریح میں ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے، علامہ ندوی نے بھی اپنے فتاویٰ میں اس کی تفسیر کی ہے انہوں نے لکھا ہے کہ تمام غیر متناہی غیوب کا استغناء اعمالہ کرنا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، البتہ معجزات اور کرامات اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور خبر دینے سے واقع ہوتے ہیں لیکن مفتی ابراہیم السعدی نے بھی عائذ الغیب فلا ینظہر علی غیبہ احداً کی تفسیر میں اسی طرح لکھا ہے وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے غیب پر اس کے رسولوں کے سوا کسی کو ایسی اطلاع کامل نہیں ہوتی جس سے ایسا انکشاف تمام حاصل ہو جو موجب یقین ہو، کیونکہ جن غیوب کے علم کا قطع رسالت سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان غیوب پر اپنے رسولوں کو مطلع فرماتا ہے یا اس وجہ سے کہ وہ غیوب رسول کی رسالت کے مبادی ہوتے ہیں یعنی وہ ایسے معجزے ہوتے ہیں جو رسول کی رسالت پر دلالت کرتے ہیں یا ان غیوب کا تعلق رسالت کے احکام اور ارکان سے ہوتا ہے جیسے عام احکام شرعیہ اور ان پر آخرت میں مرتب ہونے والے جزا و ثواب کا بیان۔ اور وہ غیوب جن کا ان دو چیزوں سے تعلق نہ ہو جیسے قیامت کے قائم ہونے کا وقت تو اس پر اللہ تعالیٰ کسی کو مطلع نہیں فرماتا کیونکہ اس غیب کا بتلادینا حکمت تشریح کے خلاف ہے اور اس آیت میں اولیاء اللہ کی کرامت کی نفی نہیں ہے، کیونکہ یہ کرامات اولیاء اللہ کو کشف سے حاصل ہوتی ہیں اور یہ کشف اس سے بہت کم درجہ کا ہے جو رسولوں کو بذریعہ وحی حاصل ہوتا ہے، رسولوں کا کشف قطعی اور یقینی ہے اور اولیاء کشف ظنی ہے۔ علامہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس غیب مطلق کے ساتھ مندرجہ جو جمیع معلومات کے ساتھ مستقل ہے اور اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ اپنے رسولوں کو ان بعض علوم غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے جو رسالت کے ساتھ مستقل ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ کو بعض حوادث غیبیہ پر الہام یا کشف کے ذریعہ مطلع فرماتا اس کے خلاف نہیں ہے، اس لیے اگر کسی صاحب کرامت والے نے کسی غیب جاننے کا دعویٰ کیا تو اس کا دعویٰ کرنا جائز اور ملوث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیب مطلق مختص ہے اور بندہ جس غیب کا دعویٰ کرتا ہے وہ حقیقتہً غیب نہیں ہے بلکہ بندے کو اس کا علم اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے ہوتا ہے۔

اسی طرح بعض علامات یا آلات کے ذریعہ مستقبل کے کسی واقعہ کی پیش گوئی کرنا جیسے حکمرانوں کی ہلاکت اور بادشاہ کی ہلاکت یا جیسے سائنس دان سورج گرہن اور چاند گرہن کی پیش گوئی اطلاع دیتے ہیں) جائز ہے، کیونکہ علامہ مرعشی نے ان علامات و انوار میں لکھا ہے کہ علم نجوم فی نفسہ منس ہے کیونکہ اس کی دو قسمیں ہیں ایک علم تو حساب اور ریاضی پر مبنی ہے اور یہ حق ہے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ یعنی سورج اور چاند کی گردش ایک مین حساب سے ہے اور ایک علم استدلالی ہے اور یہ علم ستاروں کی رفتار اور حرکت افلاک سے حوادث پر استدلال سے عبارت ہے سورہ علم بھی جائز ہے، جیسے طبیب نبض سے مریض کے مرض پر استدلال کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا منکر ہو اور ذاتی علم غیب کا مدعی ہو دینی اس کو بنفسہ انکشاف ہوتا ہے۔ (تو پھر کافر ہے۔)

ہم نے فقہاء کی جو عبارات پیش کی ہیں اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ معجزہ، کرامت یا آلات اور علامات سے بعض اُمور غیبیہ پر مطلع ہونا جائز ہے، البتہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس کو کسی سبب کے بغیر بنفسہ غیب منکشف ہو جاتا ہے یا یہ دعویٰ

کرسے کہ اس کو جنات حبیب کی خبر دیتے ہیں یا جو شخص ستاروں کی تاثیر کا قائل ہو سو ایسا شخص کافر ہے۔ لہ
قرآن اور سنت کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ
 زیادہ علم عطا فرمایا ہے اور آپ کا یہ علم، غیب اور شہادت و دوزن کر محیط ہے اور یہ علم تدبیری ہے، اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کے علم میں تاحیات اضافہ فرماتا رہا۔ اسی علم کو طہار، الطہقت علم کلی اور علم ماکان و مایکون سے تعبیر کرتے ہیں۔ علم کلی کا مطلب
 یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کل معلومات الہیہ کا علم ہے کسی مخلوق کے لیے اس علم کو ماننا نہ صرف محال ہے بلکہ شرک ہے۔
 امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں: کسی علم کی حضرت عزوجل سے تخصیص اور اس کی ذات پاک میں حصہ اور اس کے غیر سے مطلقاً نفی
 چند وجہ پر ہے :-

- اولیٰ : علم کا ذاتی ہونا کہ بذاتِ خود بے عطاء غیر ہو۔
- دوم : علم کا عین کسی اکمل جہ سے و تدبیر فکر و نظر و امتیازات و انفعالات کا اصلاً محتاج نہ ہو۔
- سوم : علم کا سرمدی ہونا کہ لڈلاً ابداً ہو۔
- چہارم : علم کا وجوب کہ کسی طرح اس کا سلب ممکن نہ ہو۔
- پنجم : علم کا اثبات و استمرار کہ کبھی کسی وجہ سے اس میں تغیر، تبدل، فرق اور تفاوت کا امکان نہ ہو۔
- ششم : علم کا اقصی غایت کمال پر ہونا کہ معلوم کی ذات، ذاتیات، اعراف، احوال لازمہ، مفارقت، ذاتیہ، اضافیہ، ماضیہ
 آتیہ (مستقبلہ) موجودہ، ممکنہ سے کوئی فرقہ کسی وجہ پر ممکن نہ ہو سکے۔
- ان چھ وجہ پر مطلق علم حضرت احدیت علی و ملا سے خاص اور اس کے غیر سے مطلقاً منفی، یعنی کسی کو کسی ذرہ کا ایسا علم جو ان
 چھ وجہ سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو حاصل ہونا ممکن نہیں ہے جو کسی غیر الہی کے لیے عقلی مفارقت ہوں خواہ نفوس ناطقہ ایک ذرہ
 کا ایسا علم ثابت کرے یقیناً اجمالاً کافر مشرک ہے۔ لہ
- نیز امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں :-

میں نے اپنی کتابوں میں تصریح کر دی ہے کہ اگر تمام اولین و آخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علم الہی سے وہ نسبت
 ہوگی نہیں ہو سکتی جو ایک قطرہ کے کرڈروں حصہ کو سمندر سے ہے، کیونکہ یہ نسبت متناہی کی متناہی کے ساتھ ہے اور وہ غیر
 متناہی کی متناہی سے۔ لہ

غلام صبح ہے کہ تمام مخلوقات کے علوم کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ایسا ہے جیسے قطرہ کے مقابلہ میں سمندر
 ہو اور اللہ کے علم کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وہ نسبت بھی نہیں ہے جو قطرہ اور سمندر میں ہوتی ہے۔
 کیونکہ قطرہ اور سمندر میں متناہی کی نسبت متناہی کی طرف ہے اور آپ کے علم کی اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف نسبت متناہی کی نسبت

۱۔ امام سید محمد امین بن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۳۱۶-۳۱۱، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۶ھ

۲۔ امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ، الصمصام ص ۶

۳۔ امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ، المفلوظ ج ۱ ص ۶۶، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور ان تمام چیزوں کا علم دے دیا جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے۔ اور یہ اللہ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مہر و مہنی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان ایک عیس میں کھڑے ہوئے پھر آپ نے ابتدا و خلق سے خبریں بیان کرنا شروع کیں، حتیٰ کہ یختیروں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے اور چہنیروں کو اپنے ٹھکانوں تک جانے کی خبریں بیان کیں جس شخص نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو جھلا دیا اس نے اس کو جھلا دیا۔

عن حذيفة قال لقد خطبنا النبي
صلى الله عليه وسلم خطبة ما ترك فيها
شيئاً الى قيام الساعة الا ذكره علمه من علمه
وجعله من جهله الحديث - رحمه الله

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے ہم میں ایک تقریر فرمائی ادا اس میں قیامت
سنگ کے برتنے والے تمام اُمم و بیان فرمائیے میں شخص نے
اسے جان لیا اس نے جان لیا اور میں نے نہ جانا اس نے
نہ جانا۔

عن أبي زيد قال صلى بنا رسول الله
صلى الله عليه وسلم الفجر وصعد المنبر
فخطبنا حتى حضرت الظهر فنزل فصلى

حضرت ابو زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھانی اور
منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر کا وقت

" " " " " یک بخاری ج ۲ ص ۹۷۷

ثم صعد المنبر فخطبنا حتى حضرت العصر
ثم نزل فصلى ثم صعد المنبر فخطبنا
حتى غربت الشمس فاعبونا بما كان
وبما هو كائن فاعلمنا احفظنا لله

اگیا پھر منبر سے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی اللہ پھر منبر پر رونق افروز
ہوئے اللہ ہمیں عطیہ دیا حتیٰ کہ عصر کا وقت آگیا پھر آپ منبر سے
اترے اللہ عصر کی غلط پڑھائی، پھر آپ نے منبر پر چڑھ کر ہمیں
خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا پھر آپ نے ہمیں تمام سال کا
دعا یوں کی خبر دی جو جو ہم میں زیادہ ملاحظہ والا تھا اس کو
ان کا زیادہ علم تھا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ابی سعید الخدری قال صلی بنا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما صلوة العصر
بنهار ثم قام خطیباً فلم یدع شیئاً یکون
الی قیام الساعة الا اخبونا به حفظه
من حفظه ونسیه من نسیه ۱۰
(الحديث)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عصر کی نماز
پڑھائی پھر آپ خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور آپ نے قیامت
تک ہر نہی و حکم ہر واقعہ اللہ ہر چیز کی ہمیں خبر دے دی جس
نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا
دیا اس نے بھلا دیا۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ان اللہ ذوی لی الا دخی فرایت
مشارقها ومغاربها ۱۰

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمام روگے
زمین کو میرے لیے لپیٹ دیا اور میں نے اس کے تمام
مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے نیز امام ابو داؤد، امام احمد نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔
امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن معاذ بن جبل قال احتیس عنا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات غداۃ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک
دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں آنے کے

- ۱۔ امام ابو الحسن مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۰، مطبوعہ دار محمد امجد المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
- ۲۔ امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ج ۱ ص ۳۱۹، مطبوعہ دار محمد امجد کراچی
- ۳۔ امام ابو الحسن مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۰، مطبوعہ دار محمد امجد المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
- ۴۔ امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، دلائل النبوت ج ۲ ص ۵۸۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۵۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۲۸، مطبوعہ مطبعہ مجتبیٰ پاکستان لاہور، ۱۳۷۵ھ
- ۶۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

یہ دیر کی سختی کہ قریب تھا کہ ہم سورج کو دیکھ لیتے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے آئے اور غازی انامت کہی گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر ناز پڑھا، پھر آپ نے سلام پھیر کر باواز بلند ہم سے فرمایا جس طرح اپنی صفوں میں بیٹھے ہو بیٹھے ہو، پھر ہماری طرف مڑے اور فرمایا میں اب تم کو یہ بیان کروں گا کہ مجھے صبح کی ناز میں آنے سے کیوں دیر ہوگئی، میں رات کو اٹھا اور وضو کر کے میں نے اتنی رکعت ناز پڑھی جتنی میرے لیے مقدر کی گئی تھی پھر مجھے ناز میں اونگھ آئی، پھر مجھے گہری نیند آگئی، اچانک میں نے اچھی صورت میں اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا، اس نے فرمایا: اے محمد! میں نے کہا اے میرے رب میں حاضر ہوں، فرمایا ملا اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا، آپ نے کہا: میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا اور اس کے پوروں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی پھر ہر چیز مجھ پر مشکفت ہو گئی اور میں نے اس کو جان لیا۔ الحدیث۔ امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث من صحیح ہے، میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے (غواب میں) اپنے رب کو حسین صورت میں دیکھا، میرے رب نے کہا اے محمد! میں نے کہا حاضر ہوں یا رب! فرمایا ملا اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں، میں نے کہا اے میرے رب! میں نہیں جانتا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی پھر میں نے جان لیا جو کچھ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔

۱۔ امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۴۹ھ، جامع ترمذی ص ۴۶۶، مطبوعہ دار غار تجارت کتب کراچی

۲۔ جامع ترمذی ص ۴۶۶،

من صلوة الصبح حتی کدنا نترأی عین الشمس فخرج سريعا فتوب بالصلوة فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتجنون فی صلواتہ فلما سلم دعا بصوتہ فقال لانا علی مصافکم کما انتم ثم انفتل الینا فقال اما فی ساجدکم ما حبسنی عنکم الغداة فی قمت من اللیل فتوضأت فصلیت ما قدر لی فتعست فی صلواتی فاستثقلت فاذا بری تبارک وتعالی فی احسن صورة فقال یا محمد قلت رب لیک قال فیما یختصم الملاء الاعلی قلت لا ادری رب قالها ثلاثا قال فرائت وضع کفہ بین کتفی قد وجدت برود اناملہ بین ثدی فتجلا فی کل شیء وعرفت الحدیث الی ان قال، قال ابو عیسیٰ هذا حدیث حسن صحیح سالت محمد ابن اسماعیل عن هذا الحدیث فقال هذا صحیح یلہ

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اتانی ربی فی احسن صورة فقال یا محمد قلت لیک ہدی وسعدیک قال فیم یختصم الملاء الاعلی قلت ربی لا ادری فوضع یدہ بین کتفی حتی وجدت برودھا بین ثدی فجعلت ما بین المشرق والمغرب الحدیث یلہ

۳۔

فاشهد ان الله لا رب غيره
میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں
وانك مأمون على كل غائب
اور آپ اللہ تعالیٰ کے ہر غیب پر امین ہیں۔

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اشعار سن کر مجھ سے بہت خوش ہوئے، آپ کے
چہرہ انکس سے خوشی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے اور آپ نے فرمایا: اذلحت يا سواد "اے سواد تم کا میلہ ہو
گئے" اس حدیث کو کثرت علماء اسلام نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے، بعض علماء کے اسناد یہ ہیں: امام ابو نعیم، امام ابوبکر احمد
بن حسین بیہقی رحمہ اللہ، علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ، سیوطی رحمہ اللہ، علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ، علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ، علامہ جلال الدین
سیوطی رحمہ اللہ، علامہ علی بن شیح عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی رحمہ اللہ
علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

وعلمك ما لم تكن تعلم من خير الاولين
والاخرين وما كان وما هو كائن
اولین اور آخرین کی خبروں اور ماسکان و مایکون میں
سے جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے وہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ کو
بتلا دیا۔

خاصی عیاض کہتے ہیں:

واما تعلق عقدة من ملكوت السموات
والارض وخلق الله وتعيين اسماء الحسنی
وآياته الكبرى وامور الآخرة واشراط
الساعة واحوال السعداء والاشقياء
وعلم ما كان وما يكون مما
آسمانوں اور زمینوں کی نشانیاں، اللہ تعالیٰ کی مخلوق
اللہ تعالیٰ کے اسماء کی تعیین، آیات کبریٰ، امور آخرت، علامات
قیامت، اچھے اور برے لوگوں کے احوال اور ماسکان و مایکون
یہ کون کا علم اس قبل سے ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

- ۱۔ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی متوفی ۴۳۰ھ، دلائل النبوة ج ۱ ص ۱۱۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۲۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوة ج ۲ ص ۲۵۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۳۔ علامہ ابومر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ، استیعاب علی امش الامام ج ۲ ص ۱۲۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۴۔ علامہ ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبد اللہ سیوطی متوفی ۵۸۱ھ، الروض الاثنت ج ۱ ص ۱۴۰، مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ لبنان
- ۵۔ علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ، الوفاء باحوال المصطفی ج ۱ ص ۱۵۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لاہور
- ۶۔ حافظ ابوالفداء اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۴۲ھ، المستدرک النبی ج ۱ ص ۳۴۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۷۔ علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، حجة القاری ج ۱ ص ۸، مطبوعہ ادارۃ الطباعة المیسریہ، مصر ۱۳۴۸ھ
- ۸۔ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۱۰۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لاہور
- ۹۔ علامہ علی بن بریلان الدین عینی متوفی ۱۰۴۴ھ، انسان النبیون ج ۱ ص ۲۲۴، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ ابائی علی واولادہ مصر ۱۳۸۴ھ
- ۱۰۔ شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی متوفی ۱۲۴۲ھ، مختصر سیر الرسول ص ۶۹، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور
- ۱۱۔ علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان ج ۵ ص ۲۷۵، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ ابائی واولادہ مصر ۱۳۸۲ھ

ان علمہ (صلی اللہ علیہ وسلم) محیط
بہ الکلیات والجزئیات علیہ
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلیات اور جزئیات
کرمیٹ ہے۔

الثانية والاربعون اطلاع على
ما سيكون الثالثة والاربعون اطلاع
على ما كان مما لم ينقله احد قبله
علامه سيد محمد اكرامی لکھتے ہیں :

نجات کا یہ الیوس صفت یہ ہے کہ ان کو پاسیکرن (اُمور مستقبلہ) کا علم ہو، اور تینا الیوس صفت یہ ہے کہ ان کو ماکان (اُمور ماضیہ) کا علم ہو جن کو ان سے پہلے کسی نے نہ بیان کیا ہو۔

(انزلہ بعلمہ) ای متلیسا بعلمہ المحيط
الذی لا یعزب عنه مثقال ذرة فی السموات
والارض ومن ههنا علم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم ما کان وما هو کائن
میز علامہ اوسی لکھتے ہیں :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت تک وصال
نہیں ہوا جب تک کہ آپ نے ہر اس چیز کو نہیں جان لیا جس
کا علم ممکن ہے۔

فلم يقبض النبي صلى الله عليه وسلم
حتى علم كل شيء يمكن العلم به -

شیخ اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مجاز شیخ مرتضیٰ حسین پامد پوری لکھتے ہیں:

حاصل یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم مغیبات اسی قدر دیا گیا تھا کہ خدیا کے تمام علوم میں اگر ملائے جائیں تو آپ کے ایک علم کے برابر نہ ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت پر تفصیلی دلائل جاننے کے لیے ہماری کتاب ”مقام ولایت و نبوت“ کا مطالعہ فرمائیے۔

- [illegible]

قضاء کے ظاہر اور باطناً نافذ ہونے میں مذاہب ائمہ | علامہ یحییٰ بن شرف نراوی کہتے ہیں: صحابہ کرام، فقہاء تابعین، امام شافعی، امام احمد اور جہر فقہاء اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ حاکم کا حکم باطن میں کسی چیز کو حلال کرتا ہے نہ حکم کرتا ہے لہذا جب دو جھوٹے گواہ کسی کے حق میں مال کی گواہی دیں اور حاکم اس گواہی کی بناء پر مدعی کے حق میں مال کا فیصلہ کرے تو مدعی کے لیے اس مال کو لینا جائز نہیں ہے اور اگر دو جھوٹے گواہ کسی شخص کے خلاف دیں گواہی دیں کہ اس شخص نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے تو اگر دلی مقتول کو یہ علم ہو کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں تو ان کے لیے عوالم کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر دو شخص کسی کے خلاف یہ جھوٹی گواہی دیں کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا ہے اور قاضی نے اس گواہی کی بناء پر تفریق کر دی ہے تو جس شخص کو علم ہو کہ یہ گواہی جھوٹی ہے اس کے لیے اس عدوت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ قاضی کے حکم سے عدوت تو حلال ہو جاتی ہے مال حال نہیں ہوتا۔ لہذا ان کے نزدیک اس صورت میں نکاح جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ کا یہ قول اس حدیث صحیح اور اجماع متقدمین کے خلاف ہے، اسی طرح ان کا یہ قول خردان کے اور جہر کے اس قاعدہ کے بھی خلاف ہے کہ عدوت سے دلی کے معاملہ میں نکاح کی بہ نسبت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ ۱۷

علامہ ابو عبد اللہ رشکانی ماکلی کہتے ہیں: علامہ مادرسی ماکلی نے کہا ہے کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ جان، مال اور عدوت اگر حرام ہو تو وہ قاضی کے حکم سے حلال نہیں ہوگی اور امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ قاضی کے حکم سے عدوت حلال ہو جاتی ہے۔ پس اگر دو گواہ کسی شخص کے خلاف یہ جھوٹی گواہی دیں کہ اس شخص نے اپنی عدوت کو طلاق دے دی تو جس شخص کو یہ علم ہو کہ انھوں نے جھوٹی گواہی دی ہے اس کے لیے بھی اس عدوت سے نکاح کرنا حلال ہے۔ اس قول کی وجہ سے امام ابوحنیفہ پر سے دے کے لگتی کہ انھوں نے مال کی مخالفت کی اور عدوت کی مخالفت نہیں کی حالانکہ عدوت کی مخالفت مقدم ہے، ہمارے اصحاب نے اس حدیث کے موم سے استدلال کیا ہے۔ ۱۸

قضاء کے ظاہر اور باطناً نافذ ہونے میں فقہاء احناف کا موقف | علامہ ملاؤ الدین حصکفی حنفی نے اس سلسلہ میں فقہاء احناف کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: جھوٹے گواہوں سے ظاہراً اور باطناً قضاء نافذ ہو جاتی ہے، بشرطیکہ عمل اس حکم کا قابل ہو (یعنی محرم میں سے کسی پر دھوی نہ ہو) اور قاضی کو گواہوں کے جھوٹے ہونے کا علم نہ ہو، یہ قضاء مقننہ (شائیں اور نکاح) اور قسوع (شلاً اقالہ اور طلاق) دونوں میں نافذ ہو جاتی ہے، کیونکہ حضرت مسی نے اس صورت سے فرمایا تھا کہ تمہارے گواہوں نے تمہارا نکاح کر دیا، اور امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں صرف ظاہراً قضاء نافذ ہوتی ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔ ۱۹

علامہ شامی کہتے ہیں کہ امام طحاوی نے نقل کیا ہے کہ امام محمد کا قول بھی امام ابوحنیفہ کی طرح ہے، نیز علامہ شامی بیان کرتے ہیں کہ قبرستان ابراہیم الہامی میں حقائق اور ابراہیم سے منقول ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے لیکن فتح القدیر میں ہے

۱۷۔ علامہ یحییٰ بن شرف نراوی شریفی ۶۷۹ ح ۲ ص ۵۰-۴۹، مطبوعہ نور محمد اچ المطابع السراپی، ۱۳۷۵ھ

۱۸۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ رشکانی ابی ماکلی شریفی ۸۲۸ ص ۸، اکمال اکمال المسلم ج ۵ ص ۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۹۔ علامہ ملاؤ الدین حصکفی حنفی شریفی ۱۰۸۸ ص ۱، درمختار علی دمشقی روائع ج ۲ ص ۲۲۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

کہ امام اعظم کا قول ہی مستبر ہے اور علامہ قاسم نے بھی اسی کی تائید کی اور عام متون میں بھی امام اعظم کا قول مذکور ہے یہ جن صورتوں میں فقہاء اخلاف کے نزدیک قصاص ظاہر اور باطناً نافذ ہو جاتی ہے۔ علامہ شامی نے جہوں

گواہی کی بنا پر عود اور قسح میں قاضی کے حکم کی حسب ذیل مثالیں بیان کی ہیں:

(۱) - ایک باندی نے کسی شخص پر یہ دعویٰ کیا کہ اس شخص نے اس باندی کو اتنے روپوں میں خریدا ہے، اس شخص نے اس دعویٰ کا انکار کیا، قاضی نے اس کو قسم کھانے کا حکم دیا اس نے قسم کھانے سے انکار کیا اور قاضی نے اس انکار کی بنا پر اس شخص کے خلاف فیصلہ کر دیا تو اب وہ باندی اس شخص پر دیا ستہ اور قضا دونوں طرح حلال ہے۔

(۲) - ایک شخص نے کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور اس کے ثبوت میں دو جھوٹے گواہ پیش کر دیے، قاضی نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

(۳) - ایک عورت نے کسی شخص پر نکاح کا دعویٰ کیا اور اس کے ثبوت میں دو جھوٹے گواہ پیش کر دیے اور قاضی نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا تو ان دونوں صورتوں میں مرد کے لیے عورت سے وطی کرنا اور عورت کا اس کو وطی کا موقع دینا جائز ہے۔

(۴) - ایک عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے شوہر نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں، شوہر منکر ہے، عورت نے دو جھوٹے گواہ پیش کر دیے اور قاضی نے اس جہوں گواہی کے پیش نظر ان کے درمیان تفریق کا فیصلہ کر دیا اور عدت گذر جانے کے بعد عورت نے کسی اور شخص سے نکاح کر لیا تو اس دوسرے شخص کا اس عورت سے وطی کرنا جائز ہے خواہ اس کو گواہوں کے جھوٹے ہونے کا علم ہو اور گواہوں میں سے بھی کوئی ایک اس سے نکاح کر سکتا ہے اور وطی بھی کر سکتا ہے، اور پہلا شوہر اب وطی نہیں کر سکتا نہ عورت اس کو وطی کا موقع فراہم کر سکتی ہے۔

(۵) - ایک باندی پر دعویٰ کرے کہ اس کے مالک نے اس کو آزاد کر دیا ہے اور مالک منکر ہو، باندی اس پر دو گواہ پیش کرے اور قاضی اس کے آزاد ہونے کا فیصلہ کر دے تو اب وہ باندی کسی شخص سے نکاح کر سکتی ہے اور اس شخص کا اس باندی سے وطی کرنا اور باندی کا اس کو وطی کا موقع فراہم کرنا جائز ہے عملاً اس شخص کو علم ہو کہ گواہ جھوٹے تھے۔

(۶) - ایک شخص نے کسی مکان کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ اس کے مالک نے اس کو وقت کر دیا تھا مالک منکر ہے اس شخص

نے اس وقت پر دو جھوٹے گواہ پیش دے اور قاضی نے فیصلہ کر دیا تو مدعی کا اس جگہ پر وقت کے اجماع لا کر کرنا صحیح ہے۔ کسی شے کو کرایہ پر حاصل کرنے کا دعویٰ کیا اور اس پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا تو مدعی کے لیے اس شے میں تصرف کرنا جائز ہے۔

فقہاء اخلاف کے نزدیک قصاص کے ظاہر اور باطناً نافذ ہونے کی شرائط

کے ظاہر اور باطناً نافذ ہونے کی حسب ذیل شرائط ہیں:

۱۔ علامہ سید محمد امین ابن مابین شامی حنفی مترن ۱۲۵۲ھ رد المحتار ج ۴ ص ۴۶۲، مطبوعہ مطبعہ مشائیر استنبول ۱۳۲۴ھ

۲۔ رد المحتار ج ۴ ص ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱

- (۱) - قاضی کو یہ علم نہ ہو کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں۔
- (۲) - مدعی نے ملک مطلق کا دعویٰ نہ کیا ہو بلکہ ملکیت کا سبب بھی بیان کیا ہو، قرین کا بھی یہی حکم ہے اگر کسی شخص پر مطلقاً قرین کا دعویٰ کیا تو باطل تھا ناقد نہیں ہوگی جب تک کہ یہ نہ بتائے اس پر فلاں سبب سے قرین ہے، کسی شخص پر وراثت کے دعویٰ کرنے کا بھی یہی حکم ہے اس میں بھی باطل تھا ناقد نہیں ہوگی۔
- (۳) - مدعی نے جس چیز پر دعویٰ کیا ہے وہ اس کے دعویٰ کا مکمل بننے کی صلاحیت بھی رکھتی ہو، اگر اس میں اس کے دعویٰ کی صلاحیت نہیں ہے تو اس میں باطل تھا ناقد نہیں ہوگی مثلاً منکوحہ غیر یا معتدہ غیر کے بابت میں یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کی بیوی ہے اور اس پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دے تو اس میں ظاہراً قضاء ناقد ہوگی نہ باطل تھا۔ مرتدہ اور دیگر محارم کا بھی یہی حکم ہے۔
- (۴) - مدعی کا دعویٰ اس چیز کے متعلق ہو جس میں انشاء ممکن ہو انشاء سے مراد ان کلمات کو بولنا ہے جن سے کسی چیز کو واقع کیا جائے مثلاً "میں نے یہ چیز خریدی کہہ کر بیع کو واقع کیا جیسے عقد بیع، فسخ بیع، نکاح اور طلاق اور جس چیز میں انشاء ممکن نہ ہو اس میں باطل تھا قضاء ناقد نہیں ہوگی جیسے وراثت، کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں اور اس پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دے۔
- (۵) - قاضی یہ فیصلہ منکر کی قسم پر نہ کرے اگر قاضی نے منکر کی قسم پر فیصلہ کر دیا تو یہ قضاء باطل تھا ناقد نہیں ہوگی مثلاً ایک عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے شوہر نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں، اس کے پاس گواہ نہیں ہیں، قاضی نے شوہر سے قسم طلب کی، شوہر نے جھوٹی قسم کھائی کہ اگر عورت کو یہ علم ہے کہ شوہر تین طلاقیں دے چکا ہے تو اس عورت کے لیے اس کو وطی کا موقع دینا جائز نہیں ہے اور مرد کے لیے بھی اس عورت سے وطی کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں انشاء نکاح نہیں ہے بلکہ برنکاح پہلے سے قائم تھا قاضی نے اس کے برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے اس وجہ سے یہاں باطل تھا قضاء ناقد نہیں ہوگی، علامہ یہ ہے کہ باطل تھا قضاء اس وقت ناقد ہوتی ہے جب وہ قضاء گواہی کی بناء پر ہو یا انکار قسم کی بناء پر ہو اور وہ فیصلہ کسی عقداً فسخ کے انشاء پر مبنی ہو اور محل انشاء بننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔
- (۶) - جن گواہوں کی بناء پر قاضی نے فیصلہ کیا ہے وہ مسلمان، آزاد اور عادل ہوں، اگر وہ گواہ کافر، غلام یا محدود فی الوقت ہو تو باطل تھا قضاء ناقد نہیں ہوگی بلکہ

قضاء باطلی کے نفاذ میں فقہاء احناف کے دلائل اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا تجزیہ

شمس الانارہ سرخس حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہ کے نزدیک عقود، فسخ، نکاح، طلاق اور عتاق میں جھوٹے گواہوں سے بھی قاضی کا فیصلہ ظاہراً اور باطل تھا ناقد ہو جاتا ہے۔ پہلے امام ابو یوسف کی بھی یہی رائے تھی۔ امام ابو یوسف کے دوسرے قول اور امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک ان صورتوں میں قاضی کا فیصلہ صرف ظاہراً ناقد ہوتا ہے باطل تھا ناقد نہیں ہوتا، حتیٰ کہ جب کسی شخص نے ایک عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور نکاح کے ثبوت میں دو جھوٹے گواہ پیش کر دیے اور قاضی نے نکاح کا فیصلہ کر دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس شخص کے لیے اس عورت سے وطی کرنا جائز ہے، امام ابو یوسف کا پہلا قول بھی یہی تھا، البتہ امام ابو یوسف کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس شخص کے لیے اس عورت سے وطی کرنا جائز نہیں ہے، امام محمد اور امام شافعی

کا بھی یہی قول ہے۔

اللہ جلّ و علاہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتَذَلُّوا
بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لَتَأْكُلُوا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ
بِالْإِثْمِ وَانْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (بقرہ ۱۸۸)

ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ، اور نہ بطور
شرحت) وہ مال حکام تک پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ
تم گناہ کے ساتھ (ناجائز طریقہ سے کھانے کو حرام کر دیا ہے، لہذا یہ ثابت اس

پر نص صریح ہے کہ اگر قاضی نے جھوٹے گواہوں کی بناء پر کسی چیز کا فیصلہ کر دیا تو اس چیز کا لینا ناجائز ہوگا۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: تم میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے
موقف کو دوسرے کی بہ نسبت زیادہ حربہ دہانی اور ملاحقت کمانی سے پیش کرے پس اگر میں دیکھتا ہوں جنت کی بناء پر کسی شخص
کے لیے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دوں تو میں (درحقیقت) اس کے لیے آگ کے ایک ٹکڑے کا فیصلہ کر رہا ہوں وہ چاہے
اس کو سے یا چھوڑ دے (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فیصلہ کی بناء پر ایک سبب باطل پر ہے اس لیے یہ
فیصلہ بالظن نافذ نہیں ہوگا جس طرح قاضی غلام اکبر یا محمد بنی القنفذ کی گواہی پر فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بالظن نافذ نہیں ہوتا۔
اور اس فیصلہ کی بناء پر جھوٹی گواہی پر ہے اور یہ ایک باطل سبب ہے کیونکہ جھوٹی گواہی گناہ کبیرہ ہے اور قضا کی جنت ایک
امر شرعی ہے اور گناہ کبیرہ اس کی ضد ہے اور جب جھوٹ کی نصیحت کی وجہ سے گواہی مقبول نہیں ہوتی اور وہ گواہی فیصلہ کی جنت نہیں بن
سکتی تو حقیقتاً جھوٹی گواہی بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگی، نیز قاضی نے جس چیز کا فیصلہ کیا ہے اس کا واقعہ میں کوئی وجود نہیں ہے
لہذا یہ قضا باطل ہوگی جیسا کہ اگر قاضی جھوٹے گواہوں کی بناء پر کسی کے لیے منکوحہ غیر کا فیصلہ کر دے تو وہ فیصلہ باطل ہوتا ہے
نیز اس فیصلہ کو انشاء مقدمہ قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ قاضی انشاء عقد کا قصد نہیں کرتا، بلکہ مدعی نے جس عقد کا دعویٰ کیا
تھا قاضی اس کو ثابت کرتا ہے۔

امام ابوحنیفہ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عدالت میں ایک شخص نے ایک عورت
پر نکاح کا دعویٰ کیا اور اس کے ثبوت میں دو گولہ پیش کر دیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان نکاح کا فیصلہ کر دیا،
اس عورت نے کہا: اے امیر المؤمنین! اگر اس نکاح کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے تو پھر آپ میرا اس سے نکاح کر دیجئے کیوں کہ
ہمارے درمیان نکاح نہیں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے گواہوں نے تہا نکاح کر دیا۔ دیکھئے اس عورت نے
زنا سے بچنے کے لیے عقد نکاح کا مطالبہ کیا لیکن حضرت علی نے اس کا مطالبہ پورا نہیں کیا، سو کہتا ہے کہ کوئی یہ کہے کہ حضرت
علی نے ان کے درمیان نکاح کا مطالبہ اس لیے پورا نہیں کیا کہ اس کا خاوند راضی نہیں تھا لیکن یہ غلط خیال ہے کیونکہ اس کا خاوند
نکاح پر راضی تھا، اسی وجہ سے وہ نکاح کا دعویٰ کر رہا تھا اور عورت بھی راضی تھی کیونکہ اس نے کہا تھا کہ میرا اس سے نکاح کر
دیجئے اور حضرت علی کے لیے ان کا نکاح کرنا آسان تھا کیونکہ خاوند کو اس میں رضیت تھی اس کے باوجود حضرت علی نے نکاح
نہیں کیا بلکہ یہ بیان فرمایا کہ ان کے فیصلہ سے ان کا مقصود حاصل ہو گیا۔ اور یہ فرمایا کہ تمہارے گواہوں نے تہا نکاح کر دیا
یعنی ان گواہوں نے تمہارے درمیان نکاح کا فیصلہ مجھ پر لازم کر دیا، لہذا اس فیصلہ سے نکاح ثابت ہو گیا اور حضرت علی کا یہ
اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مرفوعہ کے حکم میں ہے، کیونکہ اس حکم کو عقل اور قیاس سے مانتا ممکن نہ تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید کی آیت (کلیب دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ) اور حدیث اگر میں (ظاہری محبت) کا بناء پر کسی شخص کے لیے اس کے بجائی کے حق کا فیصلہ کروں تو میں اس کے لیے آگ کے ٹکڑے کا فیصلہ کروں گا۔ اہلک مرسلہ (بغیر سبب ملکیت، جائے میسر کسی چیز پر ملکیت کا دعویٰ کرنا) کے بارے میں وارد ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اس کے قائل ہیں۔ اور اس کی علت یہ ہے کہ امیر قحالی نے جن معاملات میں قاضی کو انشاء کی ولایت دی ہے، قاضی نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان معاملات میں فیصلہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ فیصلہ حقیقتاً نافذ ہو گا، کیونکہ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ قاضی کو فیصلہ کرنے کا حکم دے مگر اس فیصلہ کے فساد کو روک دے۔ قاضی اس بات کا مکلف تھا کہ علی الاعلان اور خفیہ طریقہ سے گواہوں کی عدالت کے بارے میں معلومات حاصل کرے اور جب اس نے تزکیہ شہود کر لیا اور اس کے نزدیک گواہوں کی عدالت ثابت ہو گئی تو اس گواہی کے مطابق اس پر فیصلہ کرنا واجب ہے، حتیٰ کہ اگر اس نے یہ فیصلہ نہیں کیا تو وہ گنہگار ہو گا اور اس کو اس کے عہدہ سے معزول کر دیا جائے گا۔ اس لیے ہم کو یہ معلوم ہو گیا کہ قاضی فیصلہ کرنے پر مامور ہے اور حقیقت میں کئی گواہ کے صدق یا کذب کو جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اور جس چیز کی حقیقت کو جاننے کا کوئی شرعی طریقہ ہر قاضی اس کے جاننے کا شرعاً مکلف بھی نہیں ہے، کیونکہ انسان کو اس کی دست اور طاقت کے اعتبار سے مکلف کیا جاتا ہے اور قاضی کی دست میں صرف اتنا ہی تھا کہ وہ گواہوں کے احوال کی جانچ پڑتال کرے اور جب اس نے اچھی طرح تزکیہ شہود کر لیا تو وہ اپنے عہدہ سے بری الذمہ ہو گیا اور اس پر لازم ہو گیا کہ وہ گواہوں کی گواہی کے اعتبار سے فیصلہ کر دے اور قاضی کے فیصلہ پر ظاہراً اور باطناً عمل کرنا واجب ہے ورنہ قاضی کو فساد پر مامور کرنا عیبت ہو گا اور اس صورت میں فساد کے دو طریقے تھے ایک نکاح کا اظہار کرنا، دوسرا عقد نکاح کر دینا، اور جب ان کے درمیان عقد نکاح نہیں تھا تو اس فیصلہ سے نکاح کا اظہار کرنا متعذر ہے، اس لیے اب انشاء نکاح متعین ہو گیا، کیونکہ اور کوئی طریقہ نہیں ہے لہذا دلیل شرعی کہ اس نوع سے قاضی کے لیے ولایت انشاء ثابت ہوگی اور جس طرح اور نرائی معاملات میں قاضی کی ولایت انشاء سے فیصلہ نافذ اہل ہوتا ہے اس صورت میں بھی قاضی کا فیصلہ نافذ اہل ہو گا بلکہ یہاں زیادہ اولیٰ ہے۔

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ جب شہر اور بیوی آپس میں مان کرتے ہیں تو قاضی کو انشاء تفریق کی ولایت حاصل ہوتی ہے اور وہ اس اعتبار سے زوجین کے درمیان تفریق کر دیتا ہے۔ اسی طرح قاضی ولایت انشاء تزویج سے نابالغ بچہ اور نابالغ بچی کا نکاح کر دیتا ہے، لہذا اس صورت میں بھی اس کو ولایت انعقاد عقد نکاح حاصل ہے تاکہ وہ عورت کو زنا سے محفوظ رکھے اور قاضی کا یہ فیصلہ عورت کو زنا کا موقع دینے سے بچاتا ہے۔ جب دو فریق مان کرتے ہیں تو ایک فریق یقیناً کاذب ہوتا ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ یہ جانتا ہے کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے اور باوجود اس حقیقت کے کہ ان میں سے کوئی ایک کاذب ہے اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے قاضی کو ولایت انشاء تفریق حاصل ہوتی ہے اور قاضی ان کے درمیان تفریق کر دیتا ہے اسی طرح یہاں بھی گواہوں کے جھوٹے ہونے کے باوجود قاضی کو انشاء نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے کیونکہ وہ شرعاً فساد کرنے پر مامور ہے نہ

علامہ ابو بکر جصاص حنفی لکھتے ہیں: حضرت علی، حضرت ابن عمر اور امام شافعی اسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کی طرح موقف

ہے۔ امام ابو یوسف نے عمرو بن مہذام سے روایت کیا ہے کہ ایک قبیلہ کے ایک شخص نے ایک ایسی عورت کو نکاح کا پیغام دیا جو شرف اور مرتبہ میں اس سے زیادہ تھی اس عورت نے اس شخص سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا، اس شخص نے یہ دعویٰ کر دیا کہ اس کا عورت سے نکاح ہو چکا ہے اور حضرت علی کی عدالت میں اس پر دو گراہ پیش کر دیے۔ اس عورت نے کہا میرا اس شخص سے نکاح نہیں ہوا، حضرت علی نے فرمایا ان دو گراہوں نے تمہارا نکاح کر دیا، امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ شبیر بن حجاج، زید سے روایت کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے ایک شخص کے غلامان جھوٹی گواہی دی کہ اس نے اپنی عورت کو طلاق دے دی ہے قاضی نے ان کے درمیان تفریق کر دی پھر ان گواہوں میں سے ایک شخص نے اس عورت سے نکاح کر لیا شبی نے کہا یہ جائز ہے اور حضرت ابن عمر نے ایک غلام کو میب سے میراث قرار دے کر فروخت کر دیا، عمر بن عبد اللہ اس غلام کو حضرت عثمان کی عدالت میں لے گیا، حضرت عثمان نے حضرت ابن عمر سے کہا کیا تم اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ سکتے ہو کہ جب تم نے اس کو فروخت کیا تھا تو تم نے اس کی بیلادی کو نہیں چھپایا تھا، حضرت ابن عمر نے قسم کھانے سے انکار کیا، حضرت عثمان نے وہ غلام ان کو واپس کر دیا اور بعد میں حضرت ابن عمر نے وہ غلام زیادہ نفع کے ساتھ فروخت کر دیا۔ اس مسئلہ میں حضرت ابن عمر نے غلام کی بیع کو جائز قرار دیا حالانکہ ان کو علم تھا کہ باطل میں ایسا نہیں ہے اور باطل کا حکم ظاہر کے خلاف ہے (کیونکہ انہوں نے بری الذمہ ہو کر غلام کو فروخت کیا تھا اس وجہ سے باطل میں اس غلام کو واپس کرنا منع نہیں تھا) اگر حضرت عثمان کو بھی حضرت ابن عمر کی طرح اس بات کا علم ہوتا تو وہ بیع کو رد نہ کرتے اس واقعہ سے مسلم ہوا کہ حضرت ابن عمر کا بھی یہ مذہب تھا کہ اگر حاکم کسی عقد کو منسوخ کر دے تو وہ باطل کی ملک میں آجاتا ہے، اگرچہ باطل میں حقیقت اس کے برعکس ہو۔

امام ابو حنیفہ کے قول کی صحت پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ اور اس کی بیوی کے درمیان مان کر لیا پھر فرمایا اگر اس عورت کے ہاں اس طرح کا بچہ ہوا تو وہ ہلال بن امیہ کا ہے اور اگر دوسری شکل و صورت کا ہوا تو وہ شریک بن سحاء کا ہو گا جس کے ساتھ ہلال بن امیہ کی بیوی کو منہم کیا گیا تھا، پھر اس عورت کے ہاں ناپسندیدہ صفت پر بچہ پیدا ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ان کے درمیان معان نہ ہو چکا ہو تو پھر میں اس عورت کو دیکھتا ہاں ہلال بن امیہ کا صدق اور اس کی بیوی کا کذب ظاہر ہو گیا اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تفریق کو باطل نہیں کیا جو مان کی وجہ سے ہوئی تھی اور یہ اس کی دلیل ہے کہ حاکم جب کسی عقد کو منسوخ کر دے تو وہ ظاہر اور باطن نافذ ہو جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہ کے قول پر اس سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ جب ملک کے پاس ایسے گواہ گواہی دیں جن کا ظاہر حال صدق ہو تو حاکم پر واجب ہے کہ ان کی گواہی کے اعتبار سے فیصلہ کرے اور اگر اس نے گواہی کے بعد فیصلہ کرنے میں توقف کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا تارک اور گنہگار ہو گا کیونکہ اس کو ظاہر کا منکف کیا گیا ہے اور اس کو اس علم باطل کا منکف نہیں کیا گیا جو اللہ تعالیٰ کا منیب ہے۔

علامہ بامرتی حنفی اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اگر یہ اعتراف کیا جائے کہ جو چیز پہلے ثابت ہو اس کا اظہار قضا ہوتا ہے اور جو چیز پہلے نہ ہو اس کا اثبات قضا نہیں ہوتا اور نکاح پہلے ثابت نہیں تھا تو پھر کس طرح قضا باطن نافذ ہو گی، اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح بطریقہ اقتضا مقدم ہے گویا کہ قاضی نے اس عورت سے کہا میں نے اس شخص سے تیرا نکاح کر دیا اور تم مدنوں کے درمیان نکاح کا حکم کر دیا تاکہ ان کے درمیان نزاع نہ رہے اور وہ شخص اس عورت کے ساتھ دلی

کر سکے۔ لیکن علماء نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ نزاع ختم کرنے کے لیے یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ تمام اس شخص سے کہتا کہ تم اس صورت کو طلاق دے دو، اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق سے کیا مراد ہے طلاق مشروع یا طلاق غیر مشروع؟ طلاق غیر مشروع کا تو کوئی اعتبار نہیں ہے اور طلاق مشروع اس کی مقتضی ہے کہ اس سے پہلے نکاح ثابت ہو نا چاہیے لہذا ہر حال میں نکاح کا قائل کرنا پڑے گا یہ

بَابُ قَضِيَّةِ هِنْدٍ

۴۳۶۳۔ حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ جُرَّاجٍ السَّعْدِيُّ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلْتُ هِنْدًا بِحُثٍّ عُكْبَةَ امْرَأَتِ أَبِي سُفْيَانَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ لَا يُعْطِينِي مِنْ الشَّهْقَةِ مَا يَكْفِينِي وَيَكْفِي بَنِي الْأَمَةِ أَخَذْتُ مِنْ مَالِهِ بغيرِ علمٍ فَهَلْ عَلَى فِي ذَلِكَ مِنْ جُنَاحٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذِي مِنْ مَالِهِ بِالشَّعْرِ وَفِي مَا يَكْفِيكَ وَيَكْفِي بَنِيكَ.

۴۳۶۴۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ

عَبْدِ اللَّهِ بْنُ كَثِيرٍ وَأَبُو كُرَيْبٍ كِلَاهُمَا عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ كَثِيرٍ وَكَثِيرٍ عَنْ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي قُدَيْكٍ أَخْبَرَنَا الصَّخَالِيُّ يَعْنِي ابْنَ عُثْمَانَ كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ.

۴۳۶۵۔ وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ

حضرت ہند کے متعلق فیصلہ کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابرسفیان کی بیوی ہند بہت متبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! ابرسفیان بخیل شخص ہے وہ مجھے اتنا طرح نہیں دیتا جو مجھے اور میرے بچوں کو کافی ہو لایہ کہ میں اس کی لاعلمی میں اس کے مال سے کچھ سے لوں تو کیا اس صورت میں مجھ پر کوئی گرفت ہوگی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کے مال سے دستور کے مطابق اتنا لے سکتی ہو جو تمہیں اور تمہارے بچوں کو کفایت کرے۔

امام مسلم نے اس حدیث کی تین سندیں ذکر کیں اور بتایا ان سندوں سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں ہند نے آکر عرض کیا، یا رسول اللہ! بخدا
(پہلے) مجھے روئے زمین پر آپ کے اہل خانہ سے زیادہ کسی کے
گھر کی ذلت اور غوری محبوب نہیں تھی اور اب روئے زمین پر
آپ کے اہل خانہ سے زیادہ کسی گھر کی عزت میرے نزدیک زیادہ
پسندیدہ نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور قسم
اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے ابھی یہ محبت
اور بڑھ گئی پھر ہند نے کہا: یا رسول اللہ! بلاشبہ اوسفیان ایک کنجوس آدمی ہے،
اگر میں اس کی اجازت کے بغیر اس کے مال سے کچھ لے کر اس
کی اولاد پر خرچ کر دوں تو کیا مجھ پر گرفت ہوگی؟ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا اگر تم دھرم کے مطابق اس کی اولاد پر خرچ کرو
تو اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہند حضرت
عقبہ بن ربیعہؓ آئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ! مجھے آپ کے اہل
خانہ سے زیادہ روئے زمین پر کسی کے گھر کی ذلت اور غوری
محبوب نہیں تھی اور اب روئے زمین پر آپ کے اہل خانہ
سے زیادہ کسی گھر کی عزت میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ نہیں
ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور قسم اس ذات کی
جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے ابھی یہ محبت اور بڑھ گئی
پھر ہند نے کہا: یا رسول اللہ! بلاشبہ اوسفیان ایک کنجیل شخص ہے، اگر میں اس کے
مال سے اپنے بچوں کو کچھ کھلا دوں تو مجھ پر کوئی گناہ تو نہیں؟
آپ نے فرمایا نہیں البتہ دستہ کے مطابق (کھلانا)

أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ
عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ هِنْدُ
إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا
رَسُولَ اللَّهِ وَاللَّهِ مَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ
أَهْلٌ خَيْرًا وَأَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ
يُنْزِلَهُ اللَّهُ مِنْ أَهْلِ خِبَائِكَ وَمَا
عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَهْلٌ خَيْرًا وَأَحَبَّ
إِلَيَّ مِنْ أَنْ يُعَزَّاهُمْ اللَّهُ مِنْ أَهْلِ
خِبَائِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَأَيْضًا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ
ثُمَّ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ
رَجُلٌ مُسِيكٌ فَعَلَّ عَلَى حَرْجٍ أَنْ
أُنْفِقَ عَلَى عِيَالِهِ مِنْ مَالِهِ بِغَيْرِ
إِذْنِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ لَا حَرْجَ عَلَيْكَ أَنْ تُنْفِقَ
عَلَيْهِمْ بِالْكَفَرِ وَفِي

۴۳۶۶ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ
حَدَّثَنَا يَحْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا
ابْنُ أَبِي الزُّهْرِيِّ عَنْ عَمِّهِ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ
بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ
هِنْدُ بِذَاتِ عَتَبَةَ بِنِ رُبَيْعَةَ فَقَالَتْ يَا
رَسُولَ اللَّهِ وَاللَّهِ مَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ
خَيْرًا وَأَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَنْزِلَهُ اللَّهُ
أَهْلٌ خَيْرًا وَأَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ
يُعَزَّاهُمْ اللَّهُ مِنْ أَهْلِ خِبَائِكَ فَقَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَيْضًا
وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ثُمَّ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ
إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ مُسِيكٌ فَعَلَّ عَلَى

حَرَجَ قِنَّ أَنْ أَطْعَمَ مِنَ الَّذِي لَهُ عِيَالًا
فَقَالَ لَهَا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ بِاتَّقِ وَفِ

نادھند کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر بقدر حق وصول کرنے میں مذاہب ائمہ **باب اس**

احادیث میں ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہند کو اتنا خرچ نہیں دیتے تھے جو ان کے بچوں کی ضروریات کے لیے کافی ہوتا، ہند نے پوچھا کیا میں حضرت ابوسفیان کے مال سے بقدر ضرورت لے لیا کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم دستور کے مطابق ابوسفیان کے مال سے اپنی ضروریات کے لیے لے لو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں اس مسئلہ پر بحث کی گئی ہے کہ کسی شخص نے ایک شخص سے اپنا مال وصول کرنا ہو اور وہ شخص (مقدور من) اس (دائن) کو اس کا مال نہ دیتا ہو تو کیا دائن بقدر قرض مدیون کے مال سے اس کے علم اور اجازت کے بغیر لے سکتا ہے؟ فقہار اخان کا مسلک یہ ہے کہ اگر مدیون کا مال قرض تک جنس سے ہے تو دائن لے سکتا ہے ورنہ نہیں اور فقہار شافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ دائن اپنے قرض کی مقدار مدیون کے مال سے ہر حال میں وصول کر سکتا ہے خواہ مدیون کا مال قرض کی جنس سے ہو یا نہیں، متاخرین فقہار اخان نے بھی امام شافعی کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ فقہار حنبلیہ کا مسلک یہ ہے کہ دائن کو اپنے حق کو مدیون کے مال سے لینا جائز نہیں ہے علاوہ اس کا حق مدیون کے مال کی جنس سے ہو یا نہ ہو، اور فقہار مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر صاحب حق اس شخص کا مقدور من نہیں ہے تب تو وہ اپنے حق کے برابر مال اس شخص کے مال سے لے سکتا ہے اور اگر صاحب حق اس شخص کا مقدور من ہے تو نہیں لے سکتا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ جب ایک شخص کا دوسرے شخص پر کوئی حق ہو اور وہ شخص اس حق کا اقرار بھی کرتا ہو اور حق ادا بھی کرتا ہو تو صاحب حق کے لیے اس شخص کے مال سے بقدر حق مال لینا جائز نہیں ہے اور اگر اس نے اس کی اجازت کے بغیر مال لیا تو اس کو واپس کرنا لازم ہو گا خواہ وہ مال اس کے حق کی جنس سے ہو یا نہ ہو، اور اگر مدیون کو دائن کا حق ادا کرنے سے کوئی مانع ہو مثلاً وہ مہلت طلب کرتا ہو یا اس کے پاس پیسے نہ ہوں تب بھی اس کے مال سے اپنا حق یا اس کی مقدار کو لینا جائز نہیں ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور اگر مدیون ناقص النکار کرتا ہو اور صاحب حق حاکم یا سلطان کے پاس استغاثہ دائر کر کے اپنا حق وصول کر سکتا ہو تب بھی مدیون کے مال سے اپنا حق یا اس کی مقدار لینا جائز نہیں ہے، اور اگر مدیون دائن کے حق کا منکر ہو اور صاحب حق کے پاس گواہ نہ ہوں اور وہ عدالت کے ذریعہ اپنا حق نہ لے سکتا ہو اور دیکھی طرح اس کو ادائیگی پر مجبور کر سکتا ہو تب بھی (حالبہ کا) مذہب یہ ہے کہ اس کے لیے مدیون کے مال سے بقدر حق لینا جائز نہیں ہے، امام مالک سے بھی ایک یہی روایت ہے: علامہ ابن قیمیل مالکی نے کہا ہے کہ ہمارے اصحاب حدیث نے یہ کہا ہے کہ مدیون کے مال سے اپنا حق لینے کی بھی ایک دلیل ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند سے فرمایا کہ اپنے اور بچوں کے لیے دستور کے مطابق لے لو اور ابو الخطاب نے کہا کہ مدیون کے جس مال پر قدرت ہو اگر وہ اس کے حق کی جنس سے ہے تو لے لے اور اگر وہ مال اس کے حق کی جنس سے نہیں ہے تو وہ اس کی قیمت میں غنور و نکر اور اجتہاد کرے جیسا کہ ہند کی حدیث میں ہے۔ اور امام احمد نے کہا ہے کہ جس کے پاس سولہی رہن رکھی جائے وہ سواری پر سوار ہو اور اپنے خرچ کے مطابق جانور کا دودھ دودھ لے اور عورت اپنے خرچ کے مطابق لے لے اور دیوالیہ کے مال سے سودا

بیچنے والا اس کی رضا کے بغیر مال سے ہے۔

امام شافعی نے کہا ہے کہ کوئی شخص اگر بعینہ اپنا حق وصول کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ بقدر حق مدیون کے مال سے لے سکتا ہے عواہ مدیون کا مال اس کے حق کی منہ سے ہر یا نہ ہو اور اگر اس کے حق پر گواہ ہوں اور وہ اپنا حق وصول کرنے پر قادر ہو تو اس میں امام شافعی کے دو قول ہیں۔ اور امام مالک کے مذہب میں مشہور قول یہ ہے کہ اگر اسی کا دوسرے شخص پر حق نہیں ہے تب وہ بقدر حق اس کے مال سے لے سکتا ہے اور اگر اس کا دوسرے پر حق ہو تو پھر اس کے مال سے نہیں لے سکتا۔

امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص کا دوسرے شخص پر حق ہے اور وہ حق کوئی مبین چیز ہے یا چاندی ہے یا اس کے حق کی منہ سے مال ہے تو وہ بقدر حق اس مال سے لے سکتا ہے اور اس کا مال کوئی سامان ہے تو پھر وہ بقدر حق نہیں لے سکتا کیونکہ اپنے حق کے بدلہ میں سامان لینا عرص ہے اور کسی عرص کو بغیر فریقین کی رضا کے لینا جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (الا ان تکون تجارۃ عن تواض منکم النساء ۲۹)۔ البتہ یہ کہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔ اور جنہوں نے لینے کو جائز کہا ہے انہوں نے حضرت ہند کی حدیث سے استدلال کیا ہے کیونکہ حضرت ہند نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا: یا رسول اللہ! بلاشبہ ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے، وہ مجھے میری اور بچوں کی ضروریات کے مطابق خرچ نہیں دیتا، آپ نے فرمایا تم دستور کے مطابق اس کے مال سے بقدر ضرورت لے لو (صحیح بخاری، صحیح مسلم) اور جب حضرت ہند کے لیے یہ جائز ہوا کہ وہ اپنی ضروریات کے مطابق حضرت ابوسفیان کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر لے لیں تو جس شخص کا دوسرے پر حق ہے اسی کے لیے بھی جائز ہے کہ اگر وہ اسی کا حق شد سے اور جائز طریقے سے لینے کی کوئی اور سہیل نہ ہو تو وہ اس کے مال سے بقدر حق لے لے۔

مادہ ہند کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر بقدر حق وصول کرنے کے عدم جواز میں خیالہ کے دلائل

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل جامع ترمذی کی یہ حدیث ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذالامانتہ الی من ائتمنک ولا تقعن من خانک۔ ”جس شخص نے تمہارے پاس امانت رکھوائی ہے اس کی امانت ادا کرو اور جس شخص تمہارے ساتھ خیانت کرے اس کے ساتھ خیانت نہ کرو واجب وہ کسی شخص کے مال سے اس کے علم اور اجازت کے بغیر اپنے حق کے برابر نکال لے گا تو یہ اس کی نیابت ہے اور یہ اس حدیث کی ممانعت کے عموم میں داخل ہے نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یحل مال امرئ مسلم الا عن طیب نفس منہ۔ ”کسی شخص کی رضامندی کے بغیر اس کا مال لینا جائز نہیں ہے“ نیز جب اس نے کسی شخص کے مال سے بقدر حق لے لیا تو یہ بغیر رضامندی کے ممانعت لینا ہے۔

حضرت ہند کی حدیث کا امام احمد نے یہ جواب دیا ہے کہ ان کا حق اپنے شرہ ہر ہر وقت واجب تھا جبکہ قرعہ کا ادا کرنا ہر دن اور ہر وقت واجب نہیں ہوتا، علامہ ابوبکر نے اس میں ایک اور فرق کیا ہے وہ یہ کہ کسی عورت کا زوجہ ہر نا بیتہ کے قائم مقام ہے اور اس میں ایک اور فرق یہ ہے کہ عورت کے لیے غاوند کے مال میں تصرف کرنا عادیہ مباح ہوتا ہے اور اس کو دستور کے مطابق غاوند کے مال میں خرچ کی اجازت ہوتی ہے جبکہ کسی اجنبی کے مال میں دوسرے شخص کو اس طرح تصرف کی اجازت

نہیں ہوتی، دوسرا فرق یہ ہے یہی کا اپنے اور بچوں کے کھانے پینے کے لیے نفقہ لینا جان بچانے کے لیے ہے اور اپنے آپ اور اپنے بچوں کو زندہ رکھنے اور پرورش کرنے کے لیے جس خرچ کی ضرورت ہے اس پر مبرا نہیں کیا جاسکتا اور اس خرچ کو چھوڑنے کی کوئی سبیل نہیں ہے لہذا اس خرچ کو بقدر ضرورت لینا جائز ہے اس کے برخلاف جس شخص سے خرمن لینا ہو اس کے یہ احکام نہیں ہیں نادھند کے مال سے بقدر حق وصول کرنے کے مسئلہ میں فقہاء مخالفہ کے دلائل کے جوابات۔

فقہاء مخالفہ کے یہ دلائل غایت متانت میں ہیں لیکن جمہور کی طرف سے اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ فقہاء متنبیہ نے امام ترمذی کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ امانت میں خیانت نہ کرنے کے بارے میں ہے اور جو شخص کسی نادھند سے بقدر حق لے رہا ہے وہ خیانت نہیں کرتا، خیانت اس وقت ہوتی جب وہ اپنے حق سے زائد لیتا اسی طرح جس حدیث میں ہے کہ کسی شخص کا مال اس کی رضامندی کے بغیر مدت کو سو یہ حدیث بھی علم احوال پر محمول ہے جب کوئی شخص دوسرے شخص کو اس کی چیز یا اس کے حق کا عرصہ دے رہا ہو تو اس کی رضامندی کے بغیر عرصہ نہ لیا جائے لیکن جب کوئی شخص دوسرے کی چیز یا اس کا حق دینے سے منکر ہو اور اس سے اپنا حق وصول کرنے کی کوئی اور سبیل نہ ہو تو وہ اس حدیث کے تحت داخل نہیں ہے بلکہ اس صورت میں نادھند کے مال سے اس کے علم اور اجازت کے بغیر بقدر حق مال نکال لینا قرآن مجید کے مطابق ہے۔

نادھند کے مال سے بقدر حق وصول کرنے کے مسئلہ میں جمہور کے دلائل | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وجزاء سیئة سیئة مثلهما۔

اور بُرائی کا بدلہ اس کی مثل بُرائی ہے۔

(تہذیب: ۳۰)

والذین کسبوا السیئات جزاء سیئة

اور جنہوں نے بُرے کام کیے تو بُرائی کا بدلہ اسی کی مثل ہو گا۔

مثلهما۔ (یونس: ۲۴)

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل

تو جو تم پر زیادتی کرے سو تم بھی اس پر اتنی زیادتی

ملا اعتدی علیکم۔ (بقرہ: ۱۹۴)

کر و جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔

کسی شخص کا حق ادا نہ کرنا اور اس کا قرض نہ دینا اور بلا وجہ شرعی (مثلاً تنگ دستی یا طلب مہلت) ادائیگی سے انکار کر دینا ایک بُرائی اور زیادتی ہے اور کسی شخص کے مال سے اس کے علم اور اس کی اجازت کے بغیر اپنا حق نکال لینا یہ بھی بُرائی اور زیادتی ہے لیکن بُرائی اور زیادتی کا اتنا ہی بدلہ لینا اذروئے قرآن مجید جائز ہے اس لیے کسی نادھند شخص کے مال سے اس کے علم اور اجازت کے بغیر اپنا حق نکال لینا قرآن مجید کی ان آیات کی روشنی میں جائز ہے۔

جمہور کی طرف سے دوسری دلیل یہ ہے کہ امام احمد بھی مرتہن کے لیے رہن سے فائدہ اٹھانے کو جائز قرار دیتے ہیں کہ وہ رہن رکھی ہوئی سواری پر سوار ہو سکتا ہے اور رہن رکھے ہوئے جانور کا دودھ دودھ سکتا ہے کیوں کہ ان جانوروں کے کھانے

علامہ شامی لکھتے ہیں:

سہارا دی نذرانہ سے اپنا حق وصول کرے گی۔

قذیہ میں علامہ دہری سے نقل کر کے لکھا ہے کہ جس شخص کا بیت المال میں حصہ (حق) ہو اور اس کو بیت المال سے اپنا حصہ اٹھانے کا موقع ملے تو وہ دینا نہ اپنا حصہ اٹھا سکتا ہے، یہ دینا نیز کی عبارت ہے، اور بزازیر میں ہے کہ امام حلوانی نے یہ کہا ہے کہ جب کسی شخص کے پاس کسی کی امانت ہزاروں امانت رکھوانے والا فوت ہو جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو ہمارے زمانے میں امین کے لیے جائز ہے کہ وہ اس امانت کو اپنے مصرف میں لے آئے کیونکہ اگر اس نے اس امانت کو بیت المال میں داخل کیا تو وہ ضائع ہو جائے گا کیونکہ اب حکام بیت المال کی دولت کو اس کے مصارف میں خرچ نہیں کرتے، پس اگر وہ امین مصرف کا اہل ہے تو اس کو اپنے اور خرچ کرے ورنہ اس مال کو اس کے مصرف میں خرچ کرے، علامہ شامی کہتے ہیں شارح نے کتاب الزکوٰۃ کے باب العشر میں لکھا ہے: جس شخص کا بیت المال میں مثلاً فقیر یا عالم ہونے کی وجہ سے حصہ ہو اور اس نے ایسے مال کو پایا جس کو بیت المال میں داخل کرنا چاہیے تھا تو وہ اس مال میں سے دینا نہ لے سکتا ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ اس مال کا تعلق بیت المال کے اس شعبہ سے ہو جس میں اس کا حق ہے کیونکہ اگر یہ قید لگا دی جائے تو لادم آئے گا کہ کوئی مستحق بیت المال سے اپنا حق نہ لے سکے، کیونکہ ہمارے زمانہ میں بیت المال غیر منظم ہے اور اس کے شعبہ جات مرتب نہیں ہیں اور اگر اس نے (مثلاً لا وارث کے مال یا گری پڑی چیز کو) بیت المال میں داخل کر دیا تو اس کا ضائع ہونا لادم آئے گا، کیونکہ اب بیت المال کے مال کو اس کے مصارف میں صرف نہیں کیا جاتا جیسا کہ ہم کتاب الزکوٰۃ کے باب العشر میں بیان کر چکے ہیں، سو اس بنا پر اگر کسی شخص نے مال غنیمت سے باندی خریدی اور وہ باندی درحقیقت مال غنم کی تھی (جو بیت المال کا حصہ ہوتا ہے) تو اس شخص کے لیے اس باندی کو اپنے مصرف میں صرف کرنا جائز ہے، کیونکہ مال غنم میں سے وہ بھی مستحق ہے۔ اور اگر وہ شخص خود مستحق نہ ہو مثلاً وہ مالدار عالم ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ باندی کسی فقیر کی ملک کر دے اور پھر اس فقیر سے اس باندی کو خرید لے اور ایک قول یہ ہے کہ مال غنیمت اور غنم بیت المال میں جمع ہونے کے بعد مشترک ہو جاتا ہے اور اس میں شرکت خاصہ نہیں رہتی اور یہ بیت المال کے ان اموال کے حکم میں ہو جاتا ہے جو عام مسلمانوں کے حقوق میں سے ہیں اس لیے جس شخص کا بیت المال کے مال میں حق ہو اور اس کو اس مال کے لینے کا موقع ملے تو وہ دینا نہ اپنے حق کے مطابق مال لے سکتا ہے۔ ۱۰

کتاب الزکوٰۃ کے باب العشر میں علامہ ملاؤ الدین عسکری لکھتے ہیں :

میں شخص کا بیت المال میں حق (حصہ) ہوا اور اس کو اپنے حصہ کے مطابق بیت المال سے اٹھانے کا موقع ملے تو وہ اپنے
بیت المال سے اپنے حصہ کے مطابق لے سکتا ہے۔ ۳۵

۱۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۳ ص ۲۳۰-۲۳۹، مطبوعہ دار الکتب العربیہ مصر، ۱۳۲۴ھ

٥٢- " " " اردو المختار ج ۳ ص ۲۶۶ - ۲۷۰ " " "

٣٥. علامه ملاؤالدین مصطفیٰ شافعی متوفی ۱۰۸۸ھ، درمختار علی بامشرد المحتار ج ۲ ص ۶۱، مطبوعه دارالکتب العربیه مصر ۱۳۲۴ھ

علامہ شامی لکھتے ہیں: جن لوگوں کا بیت المال کے مال میں حصہ ہے وہ قاضی، عامل، عالم، لڑنے والے سپاہی اور ان کی اولاد ہیں اور ان کے لیے بیت المال سے اتنی مقدار کر لینا جائز ہے جو ان کی ضروریات کے لیے کافی ہو، معصفت نے کہا ہے کہ دینی طالب علم واعظ اور معلم بھی ان میں شامل ہیں، اور فقہاء کی ظاہر عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیت المال کے جس شعبہ سے بھی ان کو اپنا حق حاصل کرنے کا موقع ملے وہ اس کو حاصل کر سکتے ہیں خواہ بیت المال کا وہ شعبہ ان کے لیے مختص نہ ہو، اور جس مسئلہ میں ہماری گفتگو ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے لیے اپنے مخصوص شعبہ سے اپنا حق لینا ممکن ہے تو اس کے لیے دوسرے شعبہ سے اس حق کو لینا جائز نہیں ہے اور اگر یہ ممکن نہیں ہے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ہے تو دوسرے شعبہ سے بھی اپنا حق لینا جائز ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں بیت المال کے الگ الگ شعبہ بات نہیں ہیں سوا گریہ قید گدا دی جائے تو کسی شخص کے لیے اپنے حق کو حاصل کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ لہ

حضرت ہند کی حدیث کے فوائد | اس حدیث کے دیگر فوائد حسب ذیل ہیں:

- (۱) - بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے۔
- (۲) - چھوٹے اور ضرورت مند بچوں کا نفقہ باپ پر واجب ہے۔
- (۳) - بیوی اور بچوں کا نفقہ بقدر کفایت واجب ہے۔
- (۴) - فتویٰ دیتے وقت یا مقدمہ کا فیصلہ کرتے وقت اجنبی صورت سے بات کرنا اور اس کی بات سنا جائز ہے دیگر ضروری اور ناگزیر حالات میں بھی یہی حکم ہے۔
- (۵) - بیوی کا کسی ضرورت کی بناء پر گھر سے باہر نکلنا جائز ہے بشرطیکہ اس کو معلوم ہو کہ اس پر اس کا شوہر ناراض نہیں ہوگا۔
- (۶) - فتویٰ معلوم کرنے کے لیے یا مقدمہ میں شکایت کرنے کے لیے پس پشت کسی انسان کا عیب بیان کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت ہند نے کہا کہ حضرت ابرہہ بیان بخیل ہیں۔
- (۷) - جس شخص کا کسی دوسرے شخص پر حق ہو اور وہ معروف طریقہ سے اس شخص سے اپنا حق وصول کرنے سے عاجز ہو تو وہ اس شخص کے علم اور اس کی اعبادت کے بغیر اس کے مال سے بقدر حق لے سکتا ہے اس کی تفصیل اور مذاہب کا بیان گذر چکا ہے۔
- (۸) - مفتی کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ اگر ایسا ہو تو یہ حکم ہے بلکہ وہ صورت مسئلہ کے پیش نظر مطلقاً فتویٰ دے سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر ابرہہ بیان بخیل ہوں تو ان کے مال سے لینا بلکہ مطلقاً فرمایا وہ مورد کے مطابق حسب ضرورت ان کے مال سے لے لو۔
- (۹) - بچوں کی پردہ نشی اور نگہداشت میں عورت کا دخل ہوتا ہے۔
- (۱۰) - جس چیز کی بشرطیت نے کوئی حد نہیں بیان کی اس میں عورت اور عادت پر اعتماد ہوتا ہے، مثلاً بچوں کی پردہ نشی کے لیے کس قدر نفقہ کی ضرورت ہے؟ اس کا مدار عورت پر ہے۔

(۱۱)۔ بعض فقہا شافعیہ نے اس حدیث سے قضاہ غائب پر استدلال کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابرہہؓ اس وقت مکہ میں موجود تھے اور یہ واقعہ مکہ میں پیش آیا تھا صرف اس مجلس میں حاضر نہیں تھے اور قضاہ علی الغائب کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ شخص اس شہر سے غائب ہو، دوسرے یہ کہ اس حدیث میں قضاہ کا نہیں فتویٰ کا ذکر ہے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ كَثْرَةِ السُّؤَالِ بِكَثْرَةِ سَوَالِ كَرْنِے اور مال ضائع کرنے کی ممانعت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری تین باتوں کو پسند کرتا ہے اور تمہاری تین باتوں کو ناپسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور سب علی اللہ (کے دین) کی رتی مضبوطی سے پکڑو اور افتراق نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ، فضول بھٹ کرنے، بکثرت سوال کرنے اور مال ضائع کرنے کو ناپسند کرتا ہے۔

امام مسلم نے کہا ہے کہ ایک اور سند سے اس حدیث کی مثل مروی ہے، البتہ اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تین باتوں سے ناراض ہوتا ہے اور اس میں یہ نہیں ہے کہ تم افتراق نہ کرو۔

حضرت منیر بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ حکم کر دیا ہے کہ تم میں، مائول کی نافرمانی کرنا، بیٹیوں کو زندہ دگر کرنا، حق نہ دینا، ناحق مانگنا اور تین حکم مکروہ کیے ہیں، فضول بھٹ کرنا، بکثرت سوال کرنا اور مال ضائع کرنا۔

۲۳۶۷۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ سَهِيلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ يُرْضِي لَكُمْ ثَلَاثًا وَيَكْرَهُ لَكُمْ ثَلَاثًا فَلَا تَأْكُلُوا فَيْزَ ظُلْمٍ لَكُمْ أَنْ تَعْبُدُوا وَلَا تَنْشُرُوا بِهْ شَيْئًا وَأَنْ تَحْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَيَكْرَهُ لَكُمْ قِيلٌ وَقَالَ وَكَثْرَةُ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةُ الْمَالِ۔

۲۳۶۸۔ وَحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سَهِيلٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ وَتَسْخَطُ لَكُمْ ثَلَاثًا وَلَكُمْ يَدُ كَرٍّ وَلَا تَفَرَّقُوا۔

۲۳۶۹۔ وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنِ الْمُشَعْبِيِّ عَنْ وَرَادٍ مَوْلَى الْمُعَاوِيَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأَمْهَاتِ وَأَوْدَ الْبَنَاتِ وَمُسَاعَاةَ هَاتِ وَكَرَهُ لَكُمْ ثَلَاثًا قِيلَ وَقَالَ وَكَثْرَةُ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةُ الْمَالِ۔

۴۳۶۰۔ وَحَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ زَكْرِيَّا
حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى عَنْ شَيْبَانَ
عَنْ مَنْصُورٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ عَمْرٍو
أَنَّهُ قَالَ وَحَرَّمَ عَلَيْكُمْ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكُمْ يَقُولُ إِنَّ
اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ

۴۳۶۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ خَالِدِ
الْحَدَّادِ وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَشْوَحَ عَنِ الشَّعْبِيِّ
حَدَّثَنِي كَاتِبُ الْمَغِيرَةِ بْنُ شُعْبَةَ قَالَ
كُتِبَ مُعَاوِيَةَ إِلَى الْمَغِيرَةِ أَكْتُبُ إِلَيْ
بَشِيٍّ وَسَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُتِبَ إِلَيَّ إِنْ سَمِعْتُ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا قِيلَ وَ
قَالَ لِمَا عَثَرَ السَّالَ وَكَثُرَ السُّؤَالُ

۴۳۶۲۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا
مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَرَارِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ
بْنِ سُوْقَةَ أَخْبَرَ قَامُحًا عَنْ عَبْدِ اللَّهِ
الْحَقْفِيِّ عَنْ وَثَّادٍ قَالَ كُتِبَ الْمَغِيرَةُ إِلَى
مُعَاوِيَةَ سَلَامٌ عَلَيْكَ أَفْنَا بَعْدَ فَنَاءِي
سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَقُوقَ الْوَالِدِ وَالْوَأْدِ
الْبَنَاتِ وَالْوَهَاتِ وَكَهَى عَنْ مَثَلِ
قِيلَ وَقَالَ وَكَثُرَ السُّؤَالُ طَاضَاعِي
السَّالِ

امام مسلم نے کہا ہے کہ ایک اور سند سے بھی اس حدیث
کی مثل مروی ہے البتہ اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے یہ کام تم پر حرام کر دیے ہیں اور یہ نہیں ہے کہ اللہ
تعالیٰ نے تم پر یہ کام حرام کیے ہیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے کاتب کہتے ہیں کہ
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو
خط لکھا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیث سنی
ہو وہ مجھے لکھ کر مجھ پر حضرت مغیرہ نے لکھا کہ میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ تین کاموں
کو ناپسند کرتا ہے: فضول بحث کرنا، مال ضائع کرنا اور
بکثرت سوال کرنا۔

حضرت مغیرہ نے حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) کی
طرف لکھا: سلام علیک، اس کے بعد واضح ہو کر میں نے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ
نے تین کاموں کو حرام کیا ہے اور تین کاموں سے منع فرمایا
ہے واللہ کی نافرمانی کرنا، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا اور حق
کو روکنا اور ناحق لکھنا حرام ہے، اور فضول بحث کرنے، بکثرت سوال
کرنے اور مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

قیل وقال سے ممانعت کی حکمت | اس باب کی احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیل وقال کرنے، بکثرت سوال کرنے
اور مال ضائع کرنے کو ناپسند فرماتا ہے۔ فضول بحث کی شرح میں علامہ
برادین مینی لکھتے ہیں: علامہ غطابی نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے غیر متعلق اور غیر مقصود اقوال بیان کرنا، یا امور دین

میں غیر محتاط اقوال نقل کرنا، علامہ ابن جوزی نے کہا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کی صحت جانے بغیر اس کو بیان کرنا، امام مالک نے کہا ہے کہ اس سے بے متعدد باتیں کرنا مراد ہے۔^۱

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں اس سے زیادہ باتیں کرنا مراد ہے کیونکہ زیادہ باتوں کا نتیجہ کسی خطا پر پہنچتا ہے دوسرا معنی یہ ہے کہ اس سے لوگوں کی باتیں نقل کرنا مراد ہے کیونکہ لوگوں کی باتیں نقل کرتے ہوئے انسان ایسی باتیں بیکار دیتا ہے جن کا بیان کرنا صاحب معاملہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتا ہے اور تعمیرامنی یہ ہے کہ ائمہ دین میں جو تحقیق اقوال نقل کرنا اور اس کی تائید صحیح مسلم کی اس حدیث سے ہوتی ہے کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کر دے۔^۲

بکثرت سوال کرنے سے ممانعت کی حکمت | اس حدیث میں بکثرت سوالات کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے، اس میں علما کا اختلاف ہے کہ اس ممانعت سے مل کا سوال کرنا مراد ہے یا کسی شکل

اور پیچیدہ مسئلہ کے مل کا سوال کرنا مراد ہے یا ان دونوں سے عام سوال مراد ہے؟ اولیٰ یہ ہے کہ اس ممانعت کو عموم پر محمول کیا جائے۔ لیکن علامہ نے یہ کہا ہے کہ اس سے واقعات اور حادثات کے متعلق سوال کرنا مراد ہے یا کچھ خاص انسان کے حالات کے متعلق سوالات کرنا مراد ہے کیونکہ یہ امر بسا اوقات اس شخص کو ناپسند ہوتا ہے، امام ابو داؤد نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کسی شخص پر بھیجنا سنت ڈالنا ممنوع ہے اور جن چیزوں کا وقوع عادتاً محال ہو یا جو ائمہ نادہ جہول ان کے متعلق سوال کرنا بھی مکروہ ہے اور یہ اس لیے ممنوع ہے کہ جو شخص اس قسم کے سوالات کرے گا وہ اپنے کلام میں غیر معمولی مبالغہ آلودی کرے گا اور ظن تخمین سے کام

لے گا اور اس کا کام خطا سے خالی نہیں ہوگا۔ اور تہد اکن مجید میں جو ہے لا تسئلوا عہم اشیاء ان تبدل لکم تسوئکم (ما بعدہ: ۱۰۱) وہ باتیں نہ پوچھو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو بُری لگیں، سو یہ زمانہ نبوت کے ساتھ خاص ہے، نیز کسی سے مل کا سوال کرنے کی مذمت بھی ثابت ہے اور ان لوگوں کی مدح کی گئی ہے جو گڑا کر مل کا سوال نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لا یسئلون الناس الحاقاً (البقرہ: ۲۳۵) جو لوگوں سے گڑا کر سوال نہیں کرتے، صحیح

بخاری میں ہے جو شخص ہمیشہ سوال کرتا ہے وہ جب قیامت کے دن آئے گا تو اس کے چہرے پر گشت کا ٹکڑا نہیں ہوگا۔^۳ اور صحیح مسلم میں ہے ثمر بن محرز میں سوال کرنا جائز ہے۔ بہت زیادہ فقر میں، ایسے قرض میں جو فہل کرنے والا ہو اور کسی ناگہانی آفت اور مصیبت میں، اور سنن ابو داؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو، اور سنن ابو داؤد میں ہے: اگر تجھے چار دن چار سوال کرنا ہو تو نزدیک لوگوں سے سوال کر۔^۴ علامہ نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ علامہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بلا ضرورت سوال کرنا ممنوع ہے، اور جو شخص کمالے کی طاقت رکھتا ہو اس کے سوال کرنے کے حکم میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے، ظاہر قول یہ ہے کہ یہ حرام ہے جیسا کہ امام دیلمی کا مقتضی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مکروہ تشریفی ہے۔ جائز سوال کی تین شرطیں ہیں: ۱۔ گڑا کر سوال نہ کرے، ۲۔ نفس سوال پر پذیرا نہ ہو کہ اسے اور مسئلہ کو ایذا نہ پہنچائے۔ اگر ان شرطوں میں ایک شرط بھی نہ ہو تو سوال کرنا حرام ہے۔ علامہ ناگہانی نے کہا ہے کہ کچھ اس شخص پر تعجب برتا ہے جو مطلقاً سوال کرنے کو مکروہ کہتا ہے، مالاکھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور سلف صالحین کے دور میں لوگ سوال کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی مکروہ کام کو بڑا زور نہیں دیکھ سکتے۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ مکروہ سے مراد

۱۔ علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد صنی متوفی ۸۵۵ھ، مدۃ الفاریح ج ۱ ص ۶۱، مطبوعہ ادارۃ الطبائۃ النیریہ مصر ۱۳۳۸ھ

۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن مسلم بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱ ص ۴۰، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

خلافت اولیٰ ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ حاجت مند بہ کے وقت سوال کرتے تھے اور سوال کرنے کی کراہت پر دلیل وہ احادیث ہیں جن میں سوال کرنے کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ یہ تمام بحث اس صورت میں تھی جب کوئی شخص اپنے لیے سوال کرے لیکن جب کوئی شخص دوسرے کے لیے سوال کرے تو اس کا حکم حالات کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔ لے

علامہ بدر الدین صبیحی لکھتے ہیں: اس حدیث میں جو بکثرت سوال کرنے سے منع کیا گیا ہے یا تو اس سے مراد ہے کہ لوگوں سے ان کے اموال کا بکثرت سوال نہ کیا جائے یا اس سے مراد یہ ہے کہ دین میں جو چیزیں متشابہات میں سے ہیں جن کے تعلق سوال کرنے سے شریعت میں منع کر دیا گیا ہے ان کے بارے میں سوال نہ کیا جائے یا یہ مراد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا ضرورت سوال نہ کیے جائیں۔ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ سوال کی ایک قسم قابل ترمیم ہے یعنی جب کسی ضرورت کی بنا پر مسئلہ دریافت کرنے کے لیے سوال کیا جائے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: **وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا ابْتَغَيْنَا** (بقراءۃ ۲۱) وہ آپ سے پوچھتے ہیں کیا فرج کریں؟ اور سوال کی دوسری قسم مذموم ہے یعنی جب بلا ضرورت سوال کیے جائیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: **وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ** (اسراء ۸۵) **رُفُفٌ** یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں؟ علامہ فردی نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص سے اس کے علالت اور کلام کے بارے میں بکثرت سوالات نہ کیے جائیں کیونکہ بعض اوقات انسان اپنے علالت اور معاملات کی تفصیلات دوسروں سے مخفی رکھنا چاہتا ہے اس لیے اس قسم کے سوالات اس کے لیے ناگہاری کا باعث بن سکتے ہیں۔ علامہ صبیحی لکھتے ہیں اس حدیث میں بکثرت سوال کرنے سے منع فرمایا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کم سوال کرنا بلا کراہت جائز ہے خصوصاً اس صورت میں جب سوال کرنے کی وجہ سے انسان کو اپنی ہولکت کا عرشہ جو اس صورت میں اس پر سوال کرنا طویب ہے کیونکہ جب انسان کے پاس اپنی جان بچانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو اس کے لیے اپنے آپ کو ہولکت میں ڈالنا جائز نہیں ہے۔ لے

مسجد میں سوال کرنے اور مسائل کو دینے کی تحقیق | مولانا امجد علی لکھتے ہیں: مسجد میں سوال کرنا حرام ہے اور اس مسائل کو دینا بھی منع ہے۔ لے

علامہ ملاؤ الدین حسکفی لکھتے ہیں: مسجد میں مسائل کو دینا مکروہ ہے، لیکن اگر وہ سوال کے وقت لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے تو پھر اس کو دینا بلا کراہت جائز ہے جیسا کہ اعتبار اور مولانا صاحب الرحمان میں ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حالت نماز میں اپنی انگلی کو صدقہ کیا تو اشرقتائی نے ان کی مدح میں یہ آیت نازل فرمائی: **وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ لَا يَكْعُونَ** (مائتہ ۵۵) اور وہ لوگ جو حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ لے

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: ”کتاب الاختیار“ میں ہے کہ اگر مسائل نمازیوں کے درمیان سے گزرتا ہے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہے تو اس کو دینا مکروہ ہے۔ کیوں کہ یہ لوگوں کو ایذا دینے پر معاونت ہے۔ حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ اس صورت میں ایک پیسہ دینے کا کفارہ سو پیسوں کے دینے سے بھی ادا نہیں ہوتا۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مسائل کا مطلقاً پھلانگنا موجب

لے۔ حافظ شباب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱ ص ۲۰۸-۲۰۹، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۳۰۱ھ

لے۔ حافظ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد صبیحی متوفی ۸۵۵ھ، حمدۃ القاری ج ۹ ص ۶۲-۶۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعة المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

لے۔ مولانا امجد علی متوفی ۱۳۶۴ھ، بہار شریعت ج ۲ ص ۱۵۰، مطبوعہ شیخ علام علی ایڈمنسٹرکراچی

لے۔ علامہ ملاؤ الدین حسکفی صنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، حدیثت اعلیٰ اشرف رد المحتار ج ۵ ص ۲۶۸، مطبوعہ مطبعہ شامیہ استنبول، ۱۳۲۴ھ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں سوال کرنے اور سائل کے دینے کو برقرار رکھا بلکہ یہ چیز حضرت ابو بکر کے فضائل سے شمار ہوتی ہے۔ سعیدی غفرلہ۔) اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سبک غطفانی کو جب کے دن خطبہ کے دوران ناز پڑھنے کا حکم دیا تاکہ لوگ ان کو دیکھ کر ان کو صدقہ اور خیرات دیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر سے لوگوں کو اس پر صدقہ کرنے کا حکم دیا ملا علی قاری لکھتے ہیں اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ وہ شخص سائل تھا۔ اور بحث اس میں ہے، کہ بعض سلف نے یہ کہا ہے کہ مسجد میں سائل کو دینا جائز نہیں ہے کیونکہ بعض احادیث میں ہے کہ قیامت کے دن یہ ندا کی جائے گی ”جی لوگوں پر اللہ کا غضب ہے وہ کھڑے ہو جائے“ تو مسجد میں سوال کرنے والے کھڑے ہو جائیں گے۔ اور بعض علماء نے یہ فرق کیا ہے کہ جو سائل سوال کرتے ہوئے لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر ایذا دے تو اس کو دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ معصیت پر فساد ہے اور جو شخص لوگوں کو ایذا نہ دے تو اس کو دینا مسنون ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہر میں لوگ مسجد میں سوال کرتے تھے حتیٰ کہ روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رکع کی حالت میں انگوٹھی صدقہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح میں یہ آیت نازل فرمائی: ”يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ“ ملا علی قاری اس دلیل پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس آیت اور اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ انگوٹھی مسجد میں دی تھی۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ اس دور کے سائلین کا حکم ہے اور اس دور کا حکم اوس ہے۔

ملا علی قاری کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کیونکہ علامہ آرسی نے حاکم اور ابن مردودہ کے حوالے سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت علی نے سائل کو انگوٹھی مسجد میں دی تھی اسی طرح خود ملا علی قاری نے جو حدیث بیان کی ہے اس میں تصریح ہے کہ حضرت ابو بکر نے سائل کو روٹی کا ٹکڑا مسجد میں دیا تھا، اس حدیث کو علامہ ابن حجر مکی نے مسند بزار کے حوالے سے بیان کیا ہے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل پر (اس کے ساتھ اور نیک افعال بھی تھے) حضرت ابو بکر کو جنت کی بشارت دی، اور جس فعل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہو اس کو ممنوع کہنا (جیسا کہ مولانا امجد علی نے بہار شریعت میں لکھا ہے) نامناسب ہے اور سہو کا نتیجہ ہے۔ غالباً یہ حدیث ان کے پیش نظر نہیں تھی۔

یہ بحث اس سائل کے بارے میں ہے جو اپنے لیے سوال کرے اور کسی دوسرے ضرورت مند شخص کے لیے مسجد میں سوال کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں..... کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ ہم دن کے ابتدائی حصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ناگاہ آپ کے پاس لوگوں کی ایک جماعت آئی جن کے پیر رنگے بدن تھے، گلے میں چڑے کی کفیاں یا عباث پہنے ہوئے اور تلواریں لٹکانے ہوئے تھے، ان میں اکثر بلکہ سب قبیلہ مضر سے متعلق تھے، ان کے فقر و فاقہ کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور متغیر ہو گیا، آپ اندر گئے پھر باہر آئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی پھر اقامت کہی، آپ نے نواز پڑھائی پھر خطبہ دیا، اور فرمایا: اسے لوگ اپنے رب سے ڈرو جس نے ہمیں ایک نفس سے پیدا کیا۔ (یہ پوری آیت پڑھی) اور سورہ شمر کی یہ آیت پڑھی (ترجمہ) انسان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کئی آخرت کے لیے کیا بیج ربا ہے، لوگ درجہ دنیا دار اپنے کپڑے گیہوں

۱۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری ہر دی مرقی ۱۰۱۲ھ، مرقات ج ۲ ص ۲۰۰-۱۹۹، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ عمان، ۱۳۹۰ھ

۲۔ علامہ احمد بن حجر بیہقی مکی سنہ ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقة ص ۷۲، مطبوعہ مکتبۃ القاهرة مصر، الطبعة الثانية، ۱۳۷۵ھ

اور نصاب جہود صدقہ کریں، حتیٰ کہ کجور کے ایک ٹکڑے کو صدقہ کریں۔ راوی کہتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص متیلی سے کرکے جس کو انھانے سے ان کا ہاتھ تھکا جاتا تھا، اس کے ہر دوگوں کا تانا بند ہو گیا، یہاں تک کہ میں نے کھانے اور کپڑے کے دو ڈبیر دیکھے، حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ (نوشی سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوٹتا رہتا تھا، یوں گستاخا جیسے آپ کا چہرہ سونے کی قلی ہو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کرے اس کو اپنی نیکی کا بھی اجر ملے گا اور بعد میں عمل کرنے والوں کے عمل کا بھی اجر ملے گا اور ان عاملین کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی، اور جس شخص نے اسلام میں کسی بُرے عمل کی ابتداء کی اسے اپنے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور بعد میں عمل کرنے والوں کے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور ان عاملین کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی ضرورت مند شخص کی مدد کے لیے مسجد میں اعلان کرنا اور اس کے لیے چندہ کرنا جائز اور مستحسن ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور کسی ضرورت مند شخص کا اپنے لیے مسجد میں سوال کرنا جائز ہے اور مسجد میں سائل کو دینا بھی جائز ہے اور حضرت ابوبکر اور حضرت علی کی سنت ہے، بشرطیکہ وہ سائل لوگوں کی گزربین پہلا ننگ کر انھیں ایذا نہ دے اور جن فقہانے علی الاطلاق مسجد میں سوال کرنے والے کو دینے سے منع کیا ہے اس سے ایسا ہی سائل مراد ہے۔

زیادہ خرچ کرنے کی تفصیل اور تحقیق | مافظ ابن عمر مستطانی کہتے ہیں، زیادہ خرچ کرنے کی تین صورتیں ہیں:-
(۱) جو کام شرعاً مذہب میں ان میں مال خرچ کرنا ناجائز ہے۔

(۲) جو کام شرعاً محمود ہیں ان میں زیادہ مال خرچ کرنا محمود ہے بشرطیکہ اس میں زیادہ خرچ کرنے سے اس سے زیادہ اہم دینی کام متاثر نہ ہو۔

(۳) مباح کاموں میں زیادہ خرچ کرنا مثلاً نفیس کے آرام اور آسائش اور اس کے اتذاذ کے لیے خرچ کرنا اس کی دو قسمیں ہیں:
(۱) خرچ کرنے والا اپنے مال اور اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے تو یہ اسراف نہیں ہے۔

(۲) خرچ کرنے والا اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرے، اس کی پھر دو قسمیں ہیں اگر وہ کسی موجود یا متوقع ضرر اور خطہ کو دور کرنے کے لیے زیادہ خرچ کرتا ہے تو جائز ہے اور اگر دلیع ضرر کے بغیر اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرتا ہے تو جہود کے نزدیک یہ اسراف ہے۔ اور بعض شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ یہ اسراف نہیں ہے کیونکہ وہ اس سے بدن کے آرام اور آسائش کے حصول کا قصد کرتا ہے اور یہ غرض صحیح ہے اور جبکہ یہ کسی معصیت میں خرچ نہیں ہے تو مباح ہے۔ ابن دقیق العید، تاجی حسین، علام غزالی اور علامہ رافعی نے کہا ہے کہ یہ تہذیب ہے اور ناجائز ہے، عمر میں ہے کہ یہ تہذیب نہیں ہے، علامہ نووی کی بھی یہی رائے ہے۔ اور زیادہ راجح ہے کہ اگر زیادہ خرچ کرنے سے کوئی غلابی لادم نہیں آتی مثلاً لوگوں سے سوال کرنے کی نوبت نہیں آتی تو پھر زیادہ خرچ کرنا جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔

اپنے تمام مال کو رافہ عدا میں صدقہ کرنا اس شخص کے لیے جائز ہے جو تنگی اور فقر میں مبتلا ہو، علامہ باجی مالکی نے لکھا ہے کہ تمام مال کو صدقہ کرنا ممنوع ہے اور دنیاوی مصلحتوں میں زیادہ مال خرچ کرنا مکروہ ہے، البتہ کبھی کبھی زیادہ خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے عید یا ولیمہ کے موقع پر، اور اس پر اتفاق ہے کہ قدر ضرورت سے زیادہ مکان پر خرچ کرنا مکروہ ہے۔

اسی طرح اگر انش اور نہ پائش پر زیادہ خرچ کرنا بھی مکروہ ہے اور مال کو ضائع کرنا گناہ کے کاموں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ مال کسی نا تجربہ کار کے حوالہ کر دینا اور جواہر نفیسہ پر مال خرچ کر دینا بھی اس میں داخل ہے۔

علامہ سبکی نے لکھا ہے کہ مال کو ضائع کرنے کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر مال خرچ کرنے سے کوئی دینی اور دنیاوی غرض نہ ہو تو اس میں مال خرچ کرنا حرام قطعاً ہے، اور اگر دینی یا دنیوی غرض ہو اور اس جگہ مال خرچ کرنا مصیبت نہ ہو اور خرچ اس کی حیثیت کے مطابق ہو تو یہ قطعاً جائز ہے۔ امدان دونوں مرتبوں کے درمیان بہت سلی صورتیں ہیں جو کسی ضابطہ کے تحت داخل نہیں ہیں۔ بہر حال مصیبت میں خرچ کرنا حرام ہے، اور اگر مال اسائن اور نفسانی لذتوں کے حصول کے لیے مال خرچ کرنے میں تفصیل اور اختلاف ہے۔ لہ

اسراف اور اقرار کا مجمل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ إِذَا انْفَقُوا مِمَّا رَزَقُوا وَلَهُمْ

يَقْتَرُوا دَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا۔

(فرقان ۶۷)

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر فرمائی کہ:

وہ لوگ جو خرچ کرتے وقت نہ فضل خرچ کرتے ہیں اور نہ تنگی سے کام لیتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا زیادتی اور کمی کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

۱۔ خرچ کرنے میں اعتدال سے کام لیا جائے، فلو ہو نہ تقصیر میں طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ

اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اور نہ اسے پوری طرح

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا (نور ۳۹) کھول دے کہ بیٹھا رہے حالت کیا ہوا تھا مال۔

۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ کی مصیبت میں خرچ کرنا اسراف ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہ کرنا اقرار ہے، محابہ نے کہا اگر پہاڑ کے برابر ہونا اللہ تعالیٰ کی اعانت میں خرچ کہے تو اسراف نہیں ہے اور اگر ایک صاع (چار کلو گرام) بھی اللہ کی مصیبت میں خرچ کہے تو اسراف ہے۔ حسن بھری نے کہا کبھی ناک کر ادا نہ کرنا تقصیر ہوتا ہے اور کبھی مستحب کر ادا نہ کرنا بھی تقصیر ہوتا ہے مثلاً اگر مالدار آدمی اپنے غریب رشتہ داروں کی کفالت نہ کرے تو یہ بھی تقصیر ہے۔

۳۔ دنیا کے عیش اور آسائش میں حد سے گزرنا اسراف ہے خواہ یہ عیش مال حلال سے ہو پھر بھی مکروہ ہے، کیونکہ یہ تکبر اور اقرار کا سبب ہے۔ اگر کوئی شخص اس قدر زیادہ سیر ہو کر کھائے جس کی وجہ سے عبادت نہ کر سکے تو یہ اسراف ہے اور اگر بقدر ضرورت سے کم کھائے تو اقرار ہے اور اعتدال یہ ہے کہ بقدر ضرورت کھائے اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی صفت ہے جو لذت کے لیے جس کھاتے تھے اور نہ جمال اور نہ نیت کے لیے پہنتے تھے وہ بس اتنا کھاتے تھے جس سے بھوک دفع ہو جاتی اور اس سے ان کو عبادت کرنے کی طاقت حاصل ہوتی اور اتنا لباس پہنتے جو ستر عورت کے لیے کافی ہوتا اور ان کو گرمی اور سردی سے بچا سکتا۔ لہ

لہ۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱ ص ۴۰۹-۴۰۸، مطبوعہ دار نشر المکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

لہ۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۵۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ

لذت اور آسائش کے لیے مال خرچ کرنا اسراف نہیں ہے | امام رازی نے جو لکھا ہے کہ صحابہ لذت کے لیے نہیں پینتے تھے یہ ان بعض صحابہ کا حال ہے جن پر زہر کا قلعہ تھا۔ وہ نہ تحقیق یہ ہے کہ صاحبِ میثیت کے لیے رزقِ حلال سے لذت کھانے کھانا، نمی پکڑے پینا اور دیگر ریائش اور آسائش کی اشیاء حاصل کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ موجب اجر و ثواب ہے بشرطیکہ وہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرے اور ان چیزوں کے حصول میں مال خرچ کرنے سے کوئی مالی عبادت فوت ہو نہ کسی کا حق تلف ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ (بقرہ: ۱۶۲)
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْمُوا طَيِّبَاتِ مَا آتَاكُم - (مائیدہ: ۸۷)
قُلْ مَن حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالتَّيْبَاتِ مِنَ الرِّقِّ -
(اعراف: ۳۲)

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو تمہیں تم کو دی ہیں اللہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔
اے ایمان والو! ان پاک چیزوں کو حرام نہ کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کر دی ہیں۔
اُپ فرمائیے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لیے جو زینت پیدا کی ہے اس کو کس نے حرام کیا ہے؟ اور اللہ کے رزق سے پاک اور لذتیز چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے؟

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ قَالَ رَجُلٌ إِنَّ الرِّجْلَ يَحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبًا حَسَنًا وَفَعَلَهُ حَسَنَةً قَالَ إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يَحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبَرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمَطُ النَّاسِ لَهُ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے کہا ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی جوتی اچھی ہو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حسین ہے اور حسن کو پسند کرتا ہے، تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر ماننا ہے۔

امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے۔
اور امام احمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ رَجُلٍ يَمُوتُ حِينَ يَمُوتُ وَفِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس حال میں مرے کہ مرتے وقت اس کے دل میں ایک لائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر

۱۔ امام ابوالمحسن مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۵، مطبوعہ دار محمد ارج المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
۲۔ امام ابوالمحسن مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، جامع ترمذی ص ۲۹۳، مطبوعہ دار محمد ارج المطابع کراچی

من خردل من کبر تحل له الجنة ان يريح
ريحها ويروها فقال رجل من قريش يقال
له ابو ريحانة والله يا رسول الله اني
لاحب الجمال واشتهي حتى اني لاجبه
في علاقة سوطي وفي شرالك نعلي قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس ذاك
الكبر ان الله عن وجل جميل يحب الجمال ولكن
الكبر من سفه الحق وغمص الناس بعينه
امام ابو داؤد در روایت کرتے ہیں:

ہو تو اس کے لیے جنت کی خوشبو سونگھنا اور جنت کو دیکھنا حلال
نہیں ہے۔ قریش کے ایک شخص نے کہا جس کا نام ابو ریحانہ
تھا: یا رسول اللہ! میں تم سے محبت کرتا ہوں، حتیٰ کہ
میں پسہ کرتا ہوں کہ میرے چابک کا دستہ اور میری جوتی کا تسمہ
بھی خوبصورت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تکبر
نہیں ہے، اللہ تعالیٰ حسین ہے اور میں سے محبت کرتا ہے
البتہ حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر نظروں سے دیکھنا تکبر
ہے۔

عن ابی ہریرۃ ان رجلا اتی النبی صلی
اللہ علیہ وسلم وكان رجلا جمیلا فقال یا
رسول اللہ! انی رجل حبیب الی الجمال و
اعطیت منه ما تراہ حتی ما احب ان
یفوقنی احد اما قال بشرک نعلی و
اما قال بشسع نعلی افعین الکبر ذلک قال
لاولکن الکبر من بطر الحق وغمط الناس
فی قدر موضع الاثر اریہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور وہ خوبصورت شخص
تھا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں ایسا شخص ہوں کہ مجھے من و جمال
بہت پسند ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں کتنا حسین ہوں،
حتیٰ کہ مجھے یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ کسی شخص کی جوتی کا تسمہ میرے تسمہ
سے اچھا ہو کیا یہ تکبر ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
نہیں! البتہ حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو ذرا سا حقیر ماننا بھی
تکبر ہے۔

امام احمد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اور اس میں فی قدر موضع الاثر کے الفاظ نہیں ہیں۔ ۳۵
امام بخاری روایت کرتے ہیں:

ثم سأل رجل عمر فقال اذا وسع
الله فاعسعوا۔ ۳۶

ایک شخص نے حضرت عمر سے (دو کپڑے پہن کر ناز
پڑھنے کے متعلق) پوچھا تو حضرت عمر نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ
نے تمہیں وسعت دی ہے تو وسعت اختیار کرو۔

امام ابو داؤد در روایت کرتے ہیں:

۳۵۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

۳۶۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۱۰، مطبوعہ مطبعہ مجتہبی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

۳۷۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۴۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

۳۸۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳، مطبوعہ نور محمد مع المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۳۹۔ موضع الاثر اس چادر باندھنے کی جگہ کو کہتے ہیں اندوہ بہت غمزدگی کی جگہ ہوتی ہے سو اس میں یہ کہہ کر کسی کو خوش اساقیہ ماننا بھی تکبر ہے

عن ابی الاحوص عن ابيه قال
اتيت النبي صلى الله عليه وسلم في ثوب دون فقال
الله مال قال نعم قال من اى المال قال قد اتاني الله
من الابل والغنم والخيول والرقيق قال فاذا
اتاك الله مالا فليدثر نعمته الله عليك وكوامته
اس حديث كرامت نساى نے بھی روایت کیا ہے۔
امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

ابوالاحوص کے والد (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں: میں نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں معمولی کپڑوں میں گیا آپ نے فرمایا تمہارے پاس مال
ہے؟ میں نے کہا جی ہاں یا کون سا مال ہے؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے
بکریاں گھوڑے، خیل، غنم دیے ہیں، آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے تم کو مال دیا ہے
تو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور کرامت کا اثر تم پر دکھائی دینا چاہیے۔

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده
قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله
يحب ان يورى اثر نعمته على عبده۔
امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے
روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ
تعالیٰ اپنے بند سے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھنے کو پسند کرتا ہے۔

عن جابر بن عبد الله قال اتانا رسول
الله صلى الله عليه وسلم فواى رجلا شعثا قد
تفرق شعرة فقال اما كان هذا يجد ما ليسكن
به شعرة وراى رجلا اخر عليه ثياب وسخة
فقال اما كان هذا يجد ما يغسل به
ثوبه۔
نکہ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں
کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ
نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے، آپ
نے فرمایا کیا اس شخص کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے اپنے بالوں
کو ٹھیک کر سکے، ایک اور شخص کو آپ نے دیکھا جس نے نیلے
کپڑے پہنے ہوئے تھے آپ نے فرمایا کیا اس کو ایسی چیز دستیاب
نہیں جس سے اپنے کپڑے دھو سکے۔

ہم نے قرآن مجید کی آیات اور احادیث مجید سے یہ واضح کر دیا ہے کہ رزقِ حلال سے لذیذ کھانے کھانا اور قیمتی کپڑے پہنا
بھی مستحسن اور مستحب ہے بشرطیکہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے اور مستحقین کے حقوق ادا کیے جائیں۔ باقی امام مازنی
نے جو یہ لکھا ہے کہ صحابہ لذت کے لیے نہیں کھاتے تھے اور رزقِ حلال کے لیے کپڑے نہیں پہنتے تھے تو جو کہتا ہے کہ یہ ان معنی
صحابہ کا حال جو جن پر زہد کا غلبہ تھا وہ نہ عام صحابہ کرام سے یہ کیسے منظور ہو سکتا ہے کہ وہ قرآن مجید کی ان آیات اور مریخِ امادیت سے
مروت نظر کر لیتے؟ اور اگر کسی شخص کو یہ وہم ہو کہ جو کہ جھوک مٹانا اور شرم گاہ چھپانا تو ضروری ہے اس لیے جھوک مٹانے کے لیے کھانا اور
ستر پوشی کے لیے پہنا تو ابر و ثواب کا باعث ہوگا لیکن لذت کے لیے اچھے کھانے کھانا اور زیبائش کے لیے قیمتی کپڑے پہننا کس

۱۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۴۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۰۶، مطبوعہ مطبعہ مجتہباتی پاکستان لاہور، ۱۳۰۵ھ

۲۔ امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۵۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۳۔ امام ابو یوسف محمد بن یوسف ترمذی متوفی ۲۴۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۰۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۴۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۴۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۰۶، مطبوعہ مطبعہ مجتہباتی پاکستان لاہور، ۱۳۰۵ھ

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

اس حدیث کو امام احمد نے بھی مستند و اسانید کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ۴۷

ماں باپ کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے | حدیث نمبر ۴۳۶۹ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماؤں کی نافرمانی کرنے سے منع فرمایا ہے اور کثرتِ امارت صحیحہ میں ہے کہ اگر کسی نافرمان

حدیث نمبر ۴۲۲ میں باپ کا نافرمانی کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔ تاہم یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ماں اور

۵۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۴ ص ۱۶۸ و ۱۶۹ و ۱۷۱ و ۱۵۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

باپ کی نافرمانی اس وقت گناہ کبیرہ ہے جب وہ کسی ایسی چیز کا حکم نہ دیں جو شریعت کے خلاف ہو اور اگر وہ کسی ایسے کام کا حکم دیں جو شریعت کے خلاف ہو تو اس وقت ان کی اطاعت حرام ہے اور اس صورت میں بھی ان کے ساتھ نرمی اور ملاطفت سے پیش آنا چاہیے اور ان کو شرعی احکام کی اہمیت سمجھانا چاہیے۔

بَابُ بَيَانِ أَجْرِ الْحَاكِمِ إِذَا اجْتَهَدَ
فَأَصَابَ أَوْ أَخْطَأَ!

۳۳۷۳ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ
أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ يَزِيدَ
ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ بَسْرِ بْنِ سَعِيدٍ
عَنْ أَبِي قَتَيْبٍ مَوْلَى عُمَرَ وَبْنِ الْعَاصِ عَنْ
عُمَرَ وَبْنِ الْعَاصِ أَنَّ سَمَةَ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَحْكَمَ
الْحَاكِمُ فَأَجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرٌ
أَجْرَانِ وَإِذَا أَحْكَمَ فَأَجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ
۳۳۷۴ - وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ
وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ كِلَاهُمَا عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ
بْنِ مُحَمَّدٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِنْكَ وَمَا دَفِي عَقِبَ
الْحَدِيثِ قَالَ يَزِيدُ فَقَدْ ثَبَتُ هَذَا الْحَدِيثُ
أَبَا بَكْرٍ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عُمَرَ وَبْنِ حَزْمٍ فَقَالَ
هَكَذَا أَحَدُ ثَنِي أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ -
۳۳۷۵ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ
الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ أَخْبَرَنَا مَرْوَانُ يَعْنِي
ابْنَ مُحَمَّدٍ اللَّيْثِيُّ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ
سَعْدٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ
بْنِ إِسْمَاعِيلَ بِهَذَا الْحَدِيثِ مِثْلَ
مَا دَاوُدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ مُحَمَّدٍ
بِالْإِسْنَادِ بَيْنَ جَمِيعَةٍ -

حاکم فیصلہ صحیح کرے یا غلط اس کو اجتہاد
کرنے پر اجرت ملتا ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حاکم اجتہاد سے
فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ (عند اللہ) صحیح ہو تو اس کو دو اجر
ملتے ہیں اور اگر وہ اجتہاد سے فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ
(عند اللہ) غلط ہو تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند حضرت
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے۔ البتہ حدیث کے
آخر میں یہ اضافہ ہے کہ یزید کہتے ہیں میں نے یہ حدیث ابو بکر بن محمد
سے بیان کی تو انہوں نے کہا مجھے ابو سلمہ نے اسی طرح ابو ہریرہ
سے روایت کی ہے۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

قاضی کا عالم اور مجتہد ہونا ضروری ہے | علامہ فردی لکھتے ہیں: تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ حدیث اس حکم کے متعلق ہے جو عالم ہو اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اگر اس کا فیصلہ صحیح ہے تو اس کو دواجر ملیں گے ایک اجر اس کے اجتہاد کا ہو گا اور ایک اجر اس کی اصابت رائے کا اور اگر اس کا فیصلہ غلط ہے تو اس کو صرف اپنے اجتہاد کا اجر ملے گا۔ اور اس حدیث میں عبارت مخذون ہے اصل عبارت اس طرح ہے جب حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور اس کا فیصلہ صحیح ہو تو اس کو دواجر ملیں گے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ جو شخص اجتہاد کی اہلیت نہ رکھتا ہو اس کے لیے فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کسی نا اہل شخص نے فیصلہ کیا تو اس کو اجر نہیں ملے گا۔ بلکہ وہ گنہگار ہو گا اور اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہو گا خواہ اس کا فیصلہ صحیح ہو یا غلط، کیونکہ اس کے فیصلہ کا صحیح ہونا اتفاقی ہے اور اس کا فیصلہ کسی دلیل شرعی پر مبنی نہیں ہے اس لیے وہ اپنے تمام فیصلوں میں گنہگار ہو گا خواہ وہ صحیح ہوں یا نہ ہوں اور اس کو معذور نہیں قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ کتب سنن میں یہ حدیث ہے: قاضی تین قسم کے ہیں ایک قاضی مبتدی ہے اور دوقاضی دوزخی ہیں۔ ایک قاضی وہ ہے جس کو حق کا علم ہوتا ہے اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ مبتدی ہے، دوسرا قاضی وہ ہے جو باوجود علم کے حق کے خلاف فیصلہ کرتا ہے وہ دوزخی ہے اور تیسرا قاضی وہ ہے جو بغیر علم کے فیصلہ کرتا ہے وہ بھی دوزخی ہے۔^۱

اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ حاکم کا مجتہد ہونا ضروری ہے، ہر چند کہ ہم اس کتاب کی جلد ثالث اور کتاب الاقضية کے شروع میں اجتہاد کی تعریف اور اس کی شرائط بیان کر چکے ہیں تاہم اس حدیث کی وضاحت کے لیے چند مزید حوالہ جات کے ساتھ اس بحث کو ذکر کر رہے ہیں تاکہ اس حدیث کے پڑھنے والوں کو اجتہاد کی تعریف اور اس کی شرائط پر آگاہی ہو اور محققین کے لیے مزید حوالہ جات کا مواد فراہم ہو۔

اجتہاد کی تعریف | قاضی بیضاوی اجتہاد کی تعریف میں لکھتے ہیں:

استفراغ الجهد في ذلك الاحكام الشرعية۔^۲
 علامہ جمال الدین اسنوی لکھتے ہیں کہ علامہ ابن ماجہ نے اجتہاد کی یہ تعریف کی ہے:
 الاجتهاد استفراغ الفقيه الوسع لتحصيل ظن بحكم شرعي۔^۳
 علامہ ابن ہمام اجتہاد کی تعریف میں لکھتے ہیں:
 الاجتهاد لغة بذل الطاقة في تحصيل ذي كلفة واصطلاحاً ذلك من الفقيه في احكام شرعية كماله في معرفة ما هو عليه في كل مسألة من مسائل الدين۔^۴
 اجتہاد کا لغوی معنی ہے کسی مشقت طلب کام کو حاصل کرنے کے لیے طاقت صرف کرنا، اور اصطلاحی معنی ہے

۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف فردی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۷۹، مطبوعہ دار محمد صالح الطابع کراچی، الطبعة الاولیٰ ۱۳۷۵ھ
 ۲۔ قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی متوفی ۶۸۵ھ، منهاج الوصول الی علم الاصول ج ۳ ص ۲۸۲، مطبوعہ امیر یہ کبریٰ بلاق مصر ۱۳۱۶ھ
 ۳۔ علامہ جمال الدین اسنوی متوفی ۷۴۲ھ، نہایت السؤل علی ما مشی التقریر والتجیر ج ۳ ص ۲۸۶، مطبوعہ امیر یہ کبریٰ بلاق مصر ۱۳۱۶ھ

تحصیل حکم شرعی ظنی

کسی حکم شرعی غلطی کو حاصل کرنے کے لیے غصہ کا اپنی علمی صلاحیتوں کو مرت کرنا۔

علامہ دشتانی ماکھی نے قاضی عیاض ماکھی سے اجتہاد کی یہ تعریف نقل کی ہے،

الاجتهاد بذل الوسع في طلب الحق

والصواب في النأذلة - ٤٤

یہ اپنی علمی صلاحیت کو مرن کرنا اجتہاد ہے۔

اجتہاد کا طریقہ | علامہ دشتانی لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: جب مجتہد کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا جائے تو پہلے وہ اس کے حل کے لیے نص قرآن تلاش کرے اگر قرآن مجید میں اس کا حکم تلاش نہ کر سکے تو پھر اس کا حکم اخبار متواترہ میں تلاش کرے، اگر اخبار متواترہ میں اس کا حکم نہ مل سکے تو پھر اخبار آحاد میں اس کا حکم تلاش کرے اور اگر قرآن اور حدیث میں اس کا حکم نہ مل سکے تو پھر مذاہب مجتہدین میں اس کا حکم تلاش کرے، اگر اس حکم کے متعلق علماء کا اجماع مل جائے تو اس اجماع پر عمل کرے ورنہ قیاس سے اس مسئلہ کا حکم معلوم کرے۔

علامہ دہشتانی، امام غزالی اور علامہ ابن عبد السلام سے نقل کر کے لکھتے ہیں اجتہاد کے لیے قرآن مجید کی صرف ان آیات کو جان لینا کافی ہے جن کا تعلق احکام سے ہے اور علم حدیث قراب بہت آسان ہو چکا ہے کیونکہ ہر حدیث کی صحت اور ضعیف کے بارے میں محققین نے تحقیق کر دی ہے اور اب احادیث کی اس قدر تصنیفات شائع ہو چکی ہیں جن کے بارے میں اندازہ ہے کہ امام مالک کے سامنے بھی اس قدر احادیث نہیں تھیں، اور جن مسائل پر اجماع ہے ان کی بھی کتابوں میں تصریح موجود ہے اس لیے اب اجتہاد کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ ۳

یہ ایک اچھا اور بہت اعلیٰ درجے کا ہے۔

مجتہدین اور مقلدین کے درجات

علامہ ابن امیر الحاج لکھتے ہیں: علامہ زرکشی نے "بکر" میں لکھا ہے علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علم ہے جس کی معرفت میں عام اور خاص مشترک ہیں یہ ضروریات دین کی معرفت ہے جن کا علم قرآن سے ہوا اس میں کسی کی تقلید جائز نہیں ہے، مثلاً غاروں اور رکعات کی تعداد ماؤں اور بیٹیوں سے نکاح کا حرم ہونا، نما اور رطبت کی حرمت کیونکہ یہ وہ امور ہیں جن کی معرفت عام آدمی پر دشوار نہیں ہے اور مذاہن کی معرفت اس کے لیے کسی کام سے خارج ہے اور بعض وہ امور ہیں جن کی معرفت خواص کے ساتھ مختص ہے، اور اس میں لوگوں کے تین طبقات ہیں:

طبقتہ اولیٰ پہلا طبقہ شخص عام لوگوں کا ہے اور جمہور کے نزدیک ان پر واجب ہے کہ وہ تمام احکام شرعیہ فرعیہ میں کسی مجتہد کی تقلید کریں، اور اگر ان میں سے کسی شخص کو قرآن اور حدیث کا علم ہو لیکن وہ قرآن اور حدیث سے مسائل کا استنباط نہ کر سکتا ہو تو اس کا یہ علم ناکافی ہے اور وہ تقلید سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

۱۳۱۶ھ - علامہ کمال الدین ابن حمام متوفی ۸۶۱ھ، التعمیر ج ۳ ص ۲۹۱، مطبوعہ مطبعہ امیر یحییٰ کبریٰ بمبلاق مصر، ۱۳۱۶ھ

۲۵۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ دشتالی ماکی مترقی ۸۲۸ ص اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۱۵ مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت

۱۵- اکمال اکمال المسلم ج ۵، ص ۱۶-۱۵، مطبوعه دارالکتب العمیه بیروت

طبقة ثانیہ | دوسرا طبقہ ان علماء کا ہے جن کو بعض علوم معتبرہ حاصل ہوں لیکن وہ درجہ اجتہاد تک نہ پہنچتے ہوں۔ علامہ ابن عاصم وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ علماء عام مقلدین کی طرح ہیں کیونکہ یہ اجتہاد کرنے سے عاجز ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ ان کے لیے تقلید کرنا جائز نہیں ہے اور ان پر احکام شرعیہ کو ان کے مآخذ سے حاصل کرنا واجب ہے کیونکہ وہ دوسروں کے برخلاف احکام کو مستنبط کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، علامہ زركشي نے کہا ہے کہ ان کو پہلے طبقہ کے ساتھ لاحق کرنے پر اعتراض ہے، علامہ ابن میسر نے کہا ہے کہ مختار یہ ہے کہ یہ مجتہد ہیں اور انہوں نے اس کا التزام کیا ہے کہ یہ کوئی نیا مذہب نہیں بنائیں گے، یہ مجتہد اس وجہ سے ہیں کہ ان میں مجتہدین کے اوصاف پائے جاتے ہیں اور کسی نئے مذہب کا ایجاد نہ کرنا اس وجہ سے ہے کہ ائمہ اربعہ نے تمام قواعد کا استنباط کر لیا ہے اور تمام احکام فرعیہ کے لیے ایسے اہل عمل اور قواعد کو وضع کرنا جو ائمہ اربعہ کے قواعد سے مختلف ہوں بے حد دشوار ہے، ہاں یہ کسی امام کے قاعدہ کی اتباع کر سکتے ہیں اور جب کسی مسئلہ میں اپنے امام کے علاوہ کسی اور امام کے قاعدہ کی صحت ان پر مشکوک ہو جائے تو ان کے لیے اپنے امام کی تقلید جائز نہیں ہے لیکن اس کا وقوع مستبعد ہے۔

علامہ یہ ہے کہ دوسرا طبقہ ان علماء کا ہے جو اجتہاد مطلق کی صلاحیت تو نہیں رکھتے لیکن آمدہ مسائل میں اجتہاد کر سکتے ہیں اور احکام شرعیہ کے دلائل سے واقف ہوتے ہیں اور ان کے استنباط کی اہلیت رکھتے ہیں۔ یہ پہلے طبقہ کی طرح محض مقلد نہیں ہیں انہیں اپنے احکام کے مستنبط کیے ہوئے مسائل کے دلائل کا علم ہوتا ہے اس وجہ سے یہ ان مسائل میں اپنے امام کی اتباع کرتے ہیں۔

طبقة ثالثہ | تیسرا طبقہ ان علماء کا ہے جو درجہ اجتہاد (مطلق) جیسے ائمہ اربعہ کا درجہ تک نہ پہنچ چکے ہوں۔ لہ

پیش آمدہ مسائل میں اہل فتویٰ کا اجتہاد | علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ: اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص کا علم، اجتہاد اور عدالت (نیک چلنی) معروف ہو اور لوگ اس کی تعظیم کرتے ہوں اور اس سے مسائل دریافت کرتے ہوں اس سے فتویٰ طلب کرنا اور اس کا منصب افتاء پر فائز ہونا جائز ہے اور اہل فتویٰ میں یہ شرائط ہوں اس سے فتویٰ طلب کرنا جائز نہیں ہے، نیز علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ اگر کوئی غیر مجتہد (مطلق) کسی مجتہد کے مذہب پر فتویٰ دے اور اس کے پاس اس مجتہد کا مذہب منقول نہ ہو لیکن وہ اس مجتہد کے احکام کے مآخذ پر مطلع ہو اور اس مجتہد کے قواعد کے مطابق احکام مآخذ سے مستنبط کر سکتا ہو تو اس کا اس مجتہد کے مذہب پر فتویٰ دینا جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ کسی مجتہد کے مذہب پر فتویٰ دینا مطلقاً جائز ہے خواہ مفتی اس کے مآخذ پر مطلع ہو یا نہ ہو، (علامہ ابن امیر الحاج نے لکھا ہے کہ صاحب بدیع کا یہی مختار ہے اور اگر علماء کا یہی مذہب ہے) یہ قول مسترد کیے جانے کے لائق ہے۔ اور ابو الحسن نے کہا ہے کہ غیر مجتہد (مطلق) کا مجتہد کے مذہب پر فتویٰ دینا مطلقاً جائز نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ غیر مجتہد (مطلق) کا کسی مجتہد کے مذہب پر فتویٰ دینا بلا تکثیر واقع ہے کیونکہ اصحاب مذاہب کے متبع علماء ہمیشہ دوسرے ائمہ کے مذاہب پر فتویٰ دیتے رہے ہیں اگرچہ وہ اجتہاد مطلق کے درجہ پر فائز نہیں ہوتے تھے اور ان فتوؤں کا کبھی انکار نہیں کیا گیا اور جو شخص کسی

مذہب کا غیر متحرک عالم ہو تو اس کے فتویٰ کا انکار کیا جاتا ہے پس کسی مذہب کے مقلد اور متبع عالم کے فتویٰ کے قبول کرنے اور غیر متحرک عالم کے فتویٰ کے نہ قبول کرنے پر اجماع ہو گیا ہے، اگر یہ امر اہل حق کیا جانتے کہ یہ اجماع تو غیر مجتہدین کا ہے اور غیر مجتہدین کا اجماع حجت نہیں ہوتا اس لیے اس فتویٰ کا جواز ضرورت کی بناء پر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ یہ علماء مجتہد مطلق تو نہیں ہیں لیکن ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ پیش آمدہ مسائل میں جزوی اجتہاد بھی مسمیٰ ہو چکا ہے کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ اگر باب افتاء اگرچہ مجتہد مطلق نہیں ہوتے لیکن ان کا پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کرنا جائز ہے، اس بناء پر مفتی بھی مجتہد ہوتے ہیں اور کسی غیر مجتہد مطلق مفتی کا کسی مجتہد مطلق کے مذہب پر فتویٰ دینا ان مجتہدین کے اجماع سے بھی ثابت ہے اور یہ ضرورت کا بھی تقاضا ہے یہ

مسائل اجتہاد یہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک حکم معین ہوتا ہے یا نہیں؟ [علامہ جمال الدین اسحاقی لکھتے ہیں، علماء کا اس

پر اتفاق ہے کہ عقیدات میں حکم واحد ہوتا ہے، جس شخص نے اس حکم کو پایا اس نے صحت اور صواب کو پایا، اور جس نے اس حکم کو نہیں پایا اس نے خطا کی اور وہ گناہ گار ہو گا، اور مسائل فقہیہ کے اجتہاد میں علماء کا اختلاف ہے، آیا اس میں حکم واحد ہوتا ہے یا مختلف احکام ہوتے ہیں اگر حکم واحد ہوتا ہے تو جس مجتہد نے اس حکم کو پایا وہ حق اور صواب کو پہنچا اور اس کے لیے دو اجر ہیں اور جس نے اس حکم کو نہیں پایا وہ خطا پر ہے لیکن وہ معذور ہے اور اس کو اجتہاد کا ایک اجر ملے گا۔ اگر احکام متعدد اور مختلف ہیں تو تمام مجتہدین صحت اور صواب کو پہنچ گئے۔

جس مسئلہ میں نص صریح نہ ہو اس میں علماء کے مدقول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مجتہد کے اجتہاد سے پہلے اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم معین نہیں ہے بلکہ اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم مجتہد کے ظن کے تابع ہے (العیاذ باللہ) اور اہل روگوں کا یہ نظریہ ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے، اس نظریہ کے قائلین اشعری، قاضی اور اشاعرہ اور معتزلہ کے جہور متکلمین ہیں، پھر ان میں اختلاف ہے، بعض یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کوئی حکم نازل کرتا تو وہی حکم نازل کرتا جو مجتہد کا ظن ہے اور یہی قول ائمہ بالحق ہے اور بعض نے کہا ہر مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک حکم معین ہوتا ہے، اور اس میں تین نظریات ہیں، بعض فقہاء اور متکلمین کا یہ نظریہ ہے کہ یہ حکم کسی دلالت اور علامت کے بغیر حاصل ہوتا ہے جیسے کسی طالب کو اتفاقاً کوئی دینہ مل جائے سو جس شخص نے یہ حکم حاصل کر لیا اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جس نے اس حکم کو حاصل کرنے میں خطا کی اس کو ایک اجر ملتا ہے، دوسرا نظریہ یہ ہے کہ اس حکم پر کوئی علامت بھی دلیل قطعی ہوتی ہے اس میں پھر اختلاف ہے فقہاء حنفیہ اور فقہاء شافعیہ کا یہ قول ہے کہ چونکہ یہ دلیل نہایت خفی اور غامض ہوتی ہے اس لیے مجتہد اس صحیح حکم کو حاصل کرنے کا مکلف نہیں ہوتا اس وجہ سے اس میں غلطی بھی معذور اور مایوس ہوتا ہے، اور بعض نے کہا کہ مجتہد اس حکم کو حاصل کرنے کا مکلف ہوتا ہے اگر اس کو اجتہاد میں صفاً لاحق ہو جائے تو تکلیف بدل جاتی ہے اور اس پر یہ واجب کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ظن کے تقاضے پر عمل کرے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس معین حکم پر دلیل قطعی ہوتی ہے اور مجتہد اس دلیل کو حاصل کرنے کا مکلف ہوتا ہے اس نظریہ کے قائلین میں بھی اختلاف ہے جہور کا یہ نظریہ ہے کہ اگر اس کو خطا لاحق ہو گئی تو وہ گناہ گار نہیں ہو گا اور نہ اس کا فیصلہ غلط قرار دیا جائے گا اور بشرطی کا مذہب یہ ہے کہ وہ گناہ گار ہو گا اور اس کا فیصلہ مسترد کر دیا جائے گا۔

ان اختلافات میں ہماری رائے یہ ہے کہ ہر مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک معین حکم ہوتا ہے اور اس پر دلیل ظنی ہوتی ہے اور اگر مجتہد اس حکم کو حاصل کرنے میں عطا کردہ سے تودہ گناہ گار نہیں ہوتا اور نہ اس کا فیصلہ رد کیا جاتا ہے بلکہ عطا کی صورت میں بھی اس کو اجتہاد پر ایک اجر عطا ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم معین کو حاصل کر لے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں ایک اجتہاد کا اور ایک اصابت رائے کا، امام شافعی سے بھی یہی منقول ہے اور قاضی بیضاوی نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ لے

علامہ دشتستانی ماکلی کہتے ہیں کہ قاضی عیاض ماکلی نے کہا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا دونوں جانبوں میں حق ہوتا ہے اور ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے یا حق صرف ایک جانب میں ہوتا ہے اور صرف ایک مجتہد مصیب ہوتا ہے؟۔

اور ہر فریق نے اسی باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے پہلے فریق نے یہ کہا ہے کہ مخطی کے لیے بھی اجر کا وعدہ ہے اگر اس کی رائے صحیح نہ ہوتی تو اس کو اجر نہ دیا جاتا اور دوسرے فریق نے کہا اس کو مخطی کہنا اس کی دلیل ہے کہ اس کی رائے صحیح نہیں تھی اور پہلے فریق نے کہا کہ اس نے نص سے عطا کی یا اس کو نص سے ذہول ہو گیا اور جو شخص کسی ایسے مسئلہ میں اجتہاد کرتا ہے جس میں کوئی نص ہے نہ اجماع تو اس کے متعلق یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس نے عطا کی، اور بعض علماء کے اس قول کی طرف التفات نہیں کرنا چاہیے کہ ہر مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک معین حکم ہوتا ہے جو مجتہد اس حکم پر مطلع ہو جائے وہ مصیب ہے اور جو اس حکم پر مطلع نہ ہو وہ مخطی ہے کیونکہ یہ غیر محققین کا قول ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن پیش آمدہ مسائل میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر کوئی نص نہیں ہے، نہ اس حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے اور نہ اس حکم پر علماء کا اجماع ہے سو اس مسئلہ کا اب تک کوئی حکم نہیں ہے، اور مجتہدین اپنے اجتہاد سے اس مسئلہ کا جو حکم معلوم بیان کریں گے وہی اس کا حکم ہے مثلاً امام شافعی کسی مسئلہ میں ایک شخص پر جواز کا حکم لگائیں اور امام مالک اسی مسئلہ میں دوسرے شخص پر عدم جواز کا حکم لگائیں یا امام ابوحنیفہ کسی معاملہ میں ایک شخص پر تعزیر کا حکم لگائیں اور امام مالک ایسے ہی مسئلہ میں دوسرے شخص پر قتل کا حکم دیں تو اللہ تعالیٰ کو ازل میں ان کے اختلاف کا علم تھا اور اس کو معلوم تھا کہ اس مسئلہ میں ایک شخص کے متعلق ایک مجتہد کا یہ حکم ہوگا اور ایسے ہی مسئلہ میں دوسرے شخص کے متعلق دوسرے مجتہد کا یہ حکم ہوگا اور یہ اجماع نقیض نہیں ہے کیونکہ ایک ہی شخص پر قتل کرنے اور قتل نہ کرنے کا حکم نہیں لگایا گیا بلکہ ایک مسئلہ میں مثلاً امام شافعی ایک شخص پر قتل کا حکم صادر کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ اس جیسے مسئلے میں دوسرے شخص پر قتل کا حکم نہیں صادر کرتے اور اللہ تعالیٰ کا حکم وہی ہے جو ان مجتہدین نے حکم دیا ہے پس جس مسئلہ تو ایک ہے لیکن اس کے تعلقات الگ الگ ہیں۔

علامہ دشتستانی لکھتے ہیں: اصولیں کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا مسائل اجتہاد میں ظنیہ ہیں اللہ تعالیٰ کا ایک حکم معین ہوتا ہے یا نہیں، اور اگر ایک حکم معین ہوتا ہے تو مجتہد اس کا مکلف ہوتا ہے کہ اس حکم کو حاصل کرے اگر اس نے اس حکم کو حاصل کر لیا تو اس کا اجتہاد صحیح ہے ورنہ نہیں اور اگر ان مسائل میں اللہ تعالیٰ کا ایک حکم معین نہیں ہے تو پھر ان مسائل میں اللہ تعالیٰ کا حکم مجتہدین کے ظن کے تابع ہے، قاضی نے اسی نظر پر اختیار کیا ہے، بعض متاخرین نے اس تفسیر پر اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو مجتہدین کے ظن کے تابع قرار دینا سود ادب ہے اور مجتہد کا ظن حادث ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم قدیم ہے اور قدیم حادث کے تابع کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو مجتہدین کے ظن کے تابع قرار دینے سے ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ زماناً اس حکم کا وجود مؤخر ہے اور وہ حکم مجتہد کے ظن کے بعد ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا حادث ہونا لازم آئے بلکہ ان کی مراد

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ فلاں مسئلہ میں فلاں مجتہد کا یہ قول ہوگا اور اسی مسئلہ میں فلاں مجتہد کا یہ قول ہوگا اس لیے اللہ تعالیٰ کا اس مسئلہ میں فلاں مجتہد کے اعتبار سے یہ حکم ہے اور فلاں مجتہد کے اعتبار سے یہ حکم ہے۔ ۱۵

مسائل اجتہادیہ میں حکم کے معین ہونے یا نہ ہونے کے متعلق مصنف کا موقف

جن علماء نے یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ مسائل اجتہادیہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام متعدد ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے یہ متعدد احکام مجتہدین کے احکام کے تابع ہوتے ہیں، ہمارے نزدیک یہ بد صرف سرِ ادب ہے بلکہ مراءۃ غلط ہے، مثلاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک گروہ کا کھانا مکروہ تحریمی ہے اور امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک گروہ کا کھانا بلا کر ہت جائز ہے، اس قاعدہ سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گروہ کا کھانا مکروہ ہو اور مکروہ نہ ہو، اسی طرح امام ابوحنیفہ کے نزدیک مچلی کے سوا تمام سمندری جانوروں کا کھانا حرام ہے اور امام مالک کے نزدیک تمام دریائی جانوروں کا کھانا جائز ہے، اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک میٹھک اور گرچھ کے سوا تمام دریائی جانوروں کا کھانا جائز ہے، ابوعلی نجار کے نزدیک جو جانور خشکی میں حرام ہے اس کی نظیر سمندر میں بھی حرام ہے جیسے کتہ، خنزیر اور انسان۔ اور اس قاعدہ سے لازم آئے گا کہ دریائی جانور اللہ کے نزدیک حرام بھی ہوں اور حلال بھی ہوں۔ بل ہذا القیاس اور یہی حکم نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے احکام کو تقاض اور تضاد پر عمل کرنا صحیح نہیں ہے۔ نیز اجتہاد سے منظور یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے نزدیک کسی چیز کا جو حکم ہے اس کو مستحکم کیا جائے جس کا مقتضی یہ ہے کہ مجتہد کا اجتہاد اللہ کے حکم کے تابع ہے اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ اللہ کا حکم مجتہد کے اجتہاد کے تابع ہے مزید برآں یہ کہ یہ ایک حقیقت ثابت ہے کہ مجتہد کو اجتہاد میں خطا بھی لاحق ہوتی ہے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے اجتہادی فیصلوں میں اس کی واضح مثال ہے اور اس نظریہ کی بناء پر یہ لازم آئے گا کہ اللہ کے احکام بھی معنی برعطاء ہوں اور اللہ کے احکام کو بھی خطا قرار دیا جائے۔ البتہ اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ کسی مسئلہ میں اجتہاد کرنے کے بعد کہتے تھے کہ اگر یہ حکم حق ہے تو اللہ کی جانب سے ہے اور اگر باطل ہے تو یہ میری عقل اور فہم کا قصور ہے۔

علامہ ابن ہمام کہتے ہیں:

والمختار حکم معین اوجب طلبه فمن
أصابه المصیب ومن لا المخطئ ونقل عن الأئمة
الاربعة ثم المختار ان المخطئ ما جود

مذہب مختار یہ ہے کہ جن مسئلہ میں اجتہاد کیا جاتا ہے
اس میں ایک حکم معین ہوتا ہے، جس کو اجتہاد سے طلب کرنا
واجب کیا گیا ہے، جن مجتہد نے اجتہاد سے اس حکم کو حاصل
کر لیا وہ مصیب ہے اور جس نے حاصل نہیں کیا وہ مخطئ
ہے اور اگر وہ بھی یہی مذہب منقول ہے اور پھر یہ مختار
ہے کہ اجتہاد میں خطا واقع ہونے پر بھی مجتہد کو اجر ملتا ہے

علامہ ابن امیر الحاج کہتے ہیں: امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد سے یہی مذہب منقول ہے۔ علامہ سبکی نے لکھا
ہے کہ اگر اللہ رب سے یہی نقل صحیح ہے بلکہ علامہ کرطی نے لکھا ہے کہ ہمارے تمام فقہاء کا یہی مذہب ہے۔ علامہ قرانی نے اس کے

۱۵۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ دشتستانی متوفی ۸۶۸ھ، اکمال الکمال العظمیٰ ج ۵ ص ۱۷-۱۶، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت

۱۶۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، التحریر ج ۲ ص ۳۰۶، مطبوعہ مطبعۃ امیرہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۶ھ

علامہ امام مالک کا اور کوئی مذہب نہیں نکھا۔ علامہ سبکی نے لکھا ہے کہ امام شافعی نے اسی کو تحریر کیا ہے، علامہ ابن السمانی نے لکھا ہے کہ جس شخص نے امام شافعی کی طرف کسی اور مذہب کو منسوب کیا ہے اس نے خطا کی۔ ۱۷

علامہ ابن حجر عسقلانی نے علامہ مازری مالکی کے حوالے سے لکھا ہے کہ فقہاء اور متکلمین میں سے اکثر اہل تحقیق کا مذہب یہ ہے کہ حق دونوں جانبوں میں ہے اور یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے ہر چند کہ ائمہ اربعہ سے اس کے خلاف بھی منقول ہے۔ اس کے بعد علامہ ابن حجر نے لکھا کہ میں کہتا ہوں کہ امام شافعی کا مذہب پہلا ہے۔ یعنی واقعہ میں ایک حکم معین ہوتا ہے۔ ۱۸

علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس مسئلہ میں تحقیق نہیں کی ورنہ صرف علامہ مازری کا قول نقل کر کے بات ختم نہ کر دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کا مذہب یہ ہے کہ مسئلہ اجتہاد یہ نظریہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک حکم معین ہوتا ہے اور اسی حکم کو حاصل کرنے کا مجتہد مکلف ہوتا ہے اگر اس نے اس حکم کو حاصل کر لیا تو اس کا اجتہاد صحیح ہے ورنہ غلط ہے۔ قاضی بیضاوی، علامہ اسنوی، علامہ ابن ہمام اور علامہ ابن امیر الحاج کی یہی تحقیق ہے اور انہوں نے تصریح کی ہے کہ یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے اور ائمہ اربعہ اس سے بری ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو مجتہدین کے اجتہاد کے تابع قرار دیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام میں تناقض اور تضاد کا قول کریں اور اس کے احکام کو جلاء کے ساتھ متعسف کریں۔

میں نے اس مسئلہ میں زیادہ تفصیل اور تحقیق اس لیے کی ہے کہ امام علامہ علامہ دشتانی، علامہ مازری اور علامہ ابن حجر کی عبارات کو دیکھو ائمہ اربعہ سے بدگمان نہ ہوں یا اس نقل کو دیکھ کر یہ عقیدہ پہلے نہ باندھ لیں کہ مسائل اجتہاد میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک احکام متعدد ہوتے ہیں اور اس کے احکام مجتہد کے اجتہاد کے تابع ہوتے ہیں۔ الیاذ اللہ!

حالت غضب میں قاضی کو فیصلہ کرنے کی ممانعت

عبدالرحمن بن ابی بکرہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے بعید اللہ بن ابی بکرہ قاضی سجستان کو گھوایا اور میں نے لکھا کہ دو آدمیوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ مت کر، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص جس کی غصہ کی حالت میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔

بَابُ كَرَاهَةِ قَضَاءِ الْقَاضِي وَهُوَ غَضَبَانِ

۲۳۷۶ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ كَتَبَ أَبِي وَكَتَبْتُ لَهُ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ دَهْرًا قَاضٍ بِسِجِسْتَانَ أَنْ لَا يَحْكُمَ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَأَنْتَ غَضَبَانِ قِيَايَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَحْكُمُ أَحَدٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضَبَانِ -

۱۷۔ علامہ ابن امیر الحاج مترقی ۸۷۹ھ، التقرير بدوالتجیر ج ۲ ص ۲۰۶، مطبوعہ مطبعہ امیر یہ کبری بولاق مصر ۱۳۱۲ھ

۱۸۔ علامہ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی مترقی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۳ ص ۳۲۰، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

٢٣٤٤ - وَحَدَّثَنَا هُشَيْمٌ ح وَحَدَّثَنَا شَيْبَانُ
بُن قُرَّةٌ وَنَحْنُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ ح
وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا
وَكَيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ
الْمُعْتَمِدِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ح وَ
حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي
بِإِسْنَانٍ عَنْ شُعْبَةَ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو
كَرَيْبٍ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ
تَرَاوِدَةَ كُلُّ هَؤُلَاءِ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ
بْنِ عَمِيرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي
بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ أَبِي عَوَّانَةَ -

امام مسلم نے اس حدیث کی چھ مختلف سندیں بیان کیں، ان سب اسانید میں حضرت ابو بکرہ کی بھی صلی اللہ علیہ وسلم سے مثل سابق روایت ہے۔

عن علیہ وسلم یمنیٰ حدیث اچھا عوالدہ

کن حالات میں حاکم کو فیصلہ کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے؛

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں:

حالات غضب کے ساتھ ہر وہ حالت

لاحق ہے جس حالت کی وجہ سے حاکم صحیح خور و فکر نہ کر سکے اور اس کا مزاج اعتدال پر نہ ہو مثلاً اس کو بہت زیادہ بھوک اور

پایس لگی ہو یا بہت زیادہ غم ہو یا کسی بات پر بہت زیادہ خوشی ہو یا اس کا دل و دماغ کسی معاملہ میں الجھا ہوا ہو تو اس قسم

کے احوال میں حاکم کا فیصلہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس حال میں غلط فیصلہ کر دے اور اگر اس نے فیصلہ کر دیا تو

اس کا فیصلہ صحیح ہوگا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شراج حشرۃ (ایک زمین میں پانی کی نالی) کا فیصلہ حالت غضب میں کیا

تھا، اسی طرح ایک شخص نے نقطہ کے بارے میں سوال کیا کہ اگر کسی شخص کو گم شدہ اونٹ مل جائے تو وہ اس کا کیا کرے؟ تو آپ

نے عقد سے جواب دیا تبھی اس سے کیا سروکار؟

حالت غضب میں فیصلے سے منع کرنے کی حکمت ————— حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: مسئلہ

رہا جو اسی طرح ہر وہ کیفیت جس کا اس کے دل و دماغ پر غلبہ ہو، اور حدیث میں صرف حالت غضب پر اس وجہ سے اکتفا کیا گیا ہے کہ غصہ اور غضب کا انسان کے نفس پر زیادہ غلبہ ہوتا ہے اور دوسرے عوارض کی بہ نسبت اس کا روکنا زیادہ مشکل ہے امام بیہقی نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابو سعید سے مروی روایت بیان کی ہے کہ قاضی صرف اسی وقت فیصلہ کرے جب وہ شکم سیر ہو (یعنی اس کو بھوک اور پیاس نہ لگی ہو)۔ امام شافعی نے لکھا ہے کہ بھوک، پیاس، تھکاوٹ اور جب دل کسی کام میں مشغول ہو تو حاکم کا فیصلہ کرنا مکروہ ہے۔

حالت غضب میں فیصلہ کرنے کا حکم علامہ ابن حجر لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص اس حکم کی مخالفت کرے اور حالت غضب میں کسی مقدمہ کا فیصلہ کر دے تو جہد کے نزدیک ہر چند کہ یہ فعل مکروہ ہے لیکن اس کا فیصلہ صحیح اور ناقد العمل ہوگا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں حالت غضب میں فیصلہ کیا تھا جب کہ حضرت زبیر کے فریق نے شراج حرہ (نالی سے پانی دینے کے معاملہ) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غضبناک کر دیا تھا، البتہ اس حدیث سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر کے لیے حالت غضب میں فیصلہ کرنا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم محض ہیں اور حال غضب میں بھی حال رضا کی مثل حکم دیتے ہیں، البتہ ہمارے حق میں حالت غضب میں فیصلہ کرنا مکروہ ہے، حدیث لفظ کی تشریح میں علامہ نووی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

امام الحرمین اور علامہ لبزوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ اگر اللہ کے لیے غضب ہو تو فیصلہ کرنا مکروہ نہیں ہے اور اگر غیر اللہ کے لیے غضب ہو تو فیصلہ کرنا مکروہ ہے، علامہ رویانی اور دوسرے علما نے اس تفصیل کو مستبعد قرار دیا ہے کیونکہ ظاہر حدیث میں مطلقاً حالت غضب میں فیصلہ کرنے سے منع کیا ہے، اور بعض صلیبی غنڈا نے کہا ہے کہ حالت غضب میں کیا ہوا فیصلہ ناقد نہیں ہوگا، کیونکہ حدیث میں اس سے منع کیا ہے اور ممانعت فساد کا تقاضا کرتی ہے۔ اور بعض علما نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر حاکم پر مقدمہ کا حکم مکشوف ہو گیا اور اس کے بعد اس کو کسی پر غصہ آیا تو اب فیصلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر مقدمہ پر غور و فکر کرنے سے پہلے غصہ آ گیا تو پھر دیکھیں گے کہ وہ اللہ کے لیے غصہ ہے یا نہیں!

باب مذکور کی حدیث کے دیگر فوائد اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ حدیث کو کھنڈا بھی کسی شیخ نے

حدیث کو کھنڈے کا نام رواج تھا اور یہ کہ کسی فتویٰ پر حدیث سے استدلال کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت ابو بکر نے اپنے بیٹے کو حالت غضب میں فیصلہ سے منع کیا اور اس پر حدیث سے استدلال کیا، نیز اس میں باپ کی اولاد پر شفقت اور اس کو برائتوں سے روکنے کا بیان ہے اور علم کی نشر و اشاعت کا ذکر ہے اور یہ کہ اگر عالم سے کسی چیز کا سوال نہ کیا جائے تو اس کو پھر بھی اپنے علم سے لوگوں کو مستفید کرنا چاہیے۔

بَابُ نَقْضِ الْأَحْكَامِ الْبَاطِلَةِ وَمَا دَرَجَتْ تَحْتَ الْأُمُورِ
أَحْكَامُ بَاطِلَةٍ كَوَسَاطَةِ كَرْنِ وَأَبْدَعَاتِ كَوَسَاطَةِ كَرْنِ
مُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ

۲۳۷۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَوْنٍ السَّهْلَانِيُّ جَمِيعًا عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ قَالَ ابْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَخَذَتْ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَاۓٍ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہمارے دین میں کوئی ایسی عبادت ایجاد کرے جس کی اصل دین میں نہ ہو تو وہ مردود ہے۔

۲۳۷۹۔ وَحَدَّثَنَا اسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ جَمِيعًا عَنْ أَبِي عَاصِمٍ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ ابْنُ عَمْرِو حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ قَالَ سَأَلْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ تَرْجُلٍ لَهَا ثَلَاثَةُ مَسَاكِينَ فَأَوْضَى بِثَلَاثِ مَسْكِنٍ مِثْقَالَ يَوْمِئِذٍ قَالَ يَجْمَعُ ذَلِكَ كُلُّهُ فِي مَسْكِنٍ وَاحِدٍ ثُمَّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَائِشَةُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَاۓٍ

سعد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد سے اس شخص کے متعلق پوچھا جس کے پاس رہائش کے تین مکان تھے اور وہ ہر مکان میں سے ایک تہائی (دہ) کی وصیت کرے تو کیا یہ جائز ہے؟ انھوں نے کہا کہ سب کو ایک مکان میں جمع کیا جائے گا پھر کہا کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ایسا عمل کیا جس کی اصل ہمارے دین میں نہیں ہے وہ مردود ہے۔

احداث کا لغوی اور شرعی معنی اس باب کی دونوں حدیثوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہمارے دین میں کوئی ایسی عبادت ایجاد کرے جس کی اصل اس دین میں نہ ہو تو وہ مردود ہے۔

اس حدیث میں احداث (دین میں کسی چیز کو گھڑ لینا) کا لفظ ہے، علامہ ابن منظور افریقی حدیث کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: احداث الا مراء۔ کامنی ہے کوئی چیز واقع ہوئی اور احداثات الا مراء۔ کامنی ہے: ایسے کام جن کو بند گمان ہوا (دین کے مقابلہ میں اپنی خواہشات پر عمل کرنے والے لوگ) نے گھڑ لیا ہو، شلک صالحین کا ان پر عمل نہ ہو، حدیث میں ہے: ایسا کہ وہ احداثات الا مراء۔ ”من گھڑت کاموں سے بچو“ اور یہ وہ کام ہیں جو کتابا سنت اور اجماع میں مردود نہ ہوں، حدیث میں ہے: ”ہر حدیث بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے“ اور احداث سے مراد وہ بلا کام ہے جو سنت میں مردود اور معمول نہ ہو۔ (حاشیہ صفحہ ۱۵۴ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو)۔

علامہ زبیدی نے بھی بعینہ یہی لکھا ہے۔ لہ

علامہ ابن اثیر جہزی لکھتے ہیں:

حَدَّثَ اِسِي سَنَے اور بُرے کام کو کہتے ہیں جو سنت میں معروف اور معمول نہ ہو اور مُحَدَّث اِسِي شَخْص کو کہتے ہیں جو کسی بُرے کام کرنے والے کو پناہ دینے والا ہو اور مُحَدَّث کسی میں گھڑت کام کو کہتے ہیں اور مُحَدَّثَات الامور سے مراد وہ کام ہیں جو کتاب، سنت اور اجماع میں معروف نہ ہوں۔ لہ

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

جو امر کتاب اور سنت میں نہ پایا جائے اس کو دین میں گھڑ لینا اِحداث ہے۔ لہ

جن عبادات کی دین میں اصل ہے وہ مُحَدَّث، مُخْتَرَع اور بِدْعَت نہیں ہیں | حافظ ابن حجر مستطانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث اسلام کے اصول اور قواعد میں سے شمار کی جاتی ہے، کیونکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو شخص دین میں کسی ایسے کام کو گھڑے جس کی اصول دین میں کوئی دلیل نہ ہو وہ کام قابل اعتبار نہیں ہے، علامہ زبیدی نے کہا ہے کہ اس میں حکمران کے ابطال پر استدلال کیا جاتا ہے، طرقی نے کہا ہے کہ یہ حدیث دلائل شرعیہ کا نصف ہے، کیونکہ دلیل صغریٰ اور کبریٰ دو مقدموں سے مرکب ہوتی ہے اور یہ حدیث مقدمہ کبریٰ ہے مثلاً ہم کہتے ہیں جس پانی سے وضو کرنے کی دین میں اصل نہیں ہے اور جس کام کی دین میں اصل نہ ہو وہ باطل ہے سو جس پانی سے وضو کرنا باطل ہے۔ اور اس کا مفہوم مخالفت یہ ہے کہ جس کام کی دین میں اصل ہو وہ صحیح ہے اور یہ بھی قیاس کا کبریٰ ہے مثلاً ہم کہتے ہیں کہ وضو میں نیت کرنے کی دین میں اصل ہے۔ اور جس کام کی دین میں اصل ہو وہ صحیح ہے سو وضو میں نیت کرنا صحیح ہے۔ لہ

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی دین میں اصل ہے (کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے) لہذا کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنا صحیح ہے البتہ اس کو واجب اور لازم سمجھنا بدعت ہے۔ اسی طرح اذان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر انگوٹھے چڑھنے کی دین میں اصل ہے کیونکہ یہ حضرت ابوبکر کی سنت ہے، اسی طرح الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنے کی دین میں اصل ہے کیونکہ نمازیں ایہا النبی کہا جاتا ہے اور جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پیڑ سن ہو گیا تو انھوں نے پیچ کر کہا یا محمد اے اللہ اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سوائے بغیر از خود سن لیتے

(حاشیہ صفحہ سابقہ ملاحظہ ہو) لہ۔ علامہ جمال الدین محمد بن محرم ابن منظور افریقی مترنی ۱۱، ح ۱، لسان العرب ج ۲ ص ۱۳۱،

مطبوعہ نشر ادب المحرقہ قم ایران، ۱۴۰۵ھ

لہ۔ سید محمد رفیع حسینی زبیدی حنفی مترنی ۱۴۰۵ھ، تاج الروس ج ۱ ص ۶۱۳، مطبوعہ المطبوعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

لہ۔ علامہ محمد بن اثیر الجہزی مترنی ۶۰۲ھ، نہایہ ج ۱ ص ۳۵۱، مطبوعہ مرسسہ مطبوعاتی ایران، ۱۳۶۳ھ

لہ۔ حافظ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی مترنی ۸۵۵ھ، ممدۃ الفکر ج ۲ ص ۲۷۴، مطبوعہ ادارۃ الطباعة المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

لہ۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر مستطانی مترنی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۵ ص ۳۰۳-۳۰۲، مطبوعہ دار الفکر لکتاب اسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

یہ تو یہ عقیدہ شرک ہے اور مسلمان کے حال سے یہ عقیدہ بہت بعید ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ڈوب کر یا رسول اللہ کہنے کو علماء دیوبند نے بھی جائز لکھا ہے اور آپ کو مستقل سامع نہ سمجھتے ہوئے یا رسول اللہ کہنے کو بھی جائز لکھا ہے یہ البتہ استناد اور استقامت صرف اللہ سے کرنی چاہیے تمام انبیاء اور رسول نے یہی تعلیم دی ہے کہ اللہ سے سوال کرو اور اسی سے مدد مانگو، اور یہی صحابہ کرام، تابعین، عظام اور سلف صالحین کا طریقہ ہے تاہم اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر مستقل اور مدد الہی کا مظہر سمجھتے ہوئے اغثنی یا رسول اللہ یا یا رسول اللہ المدد کہہ دیتا ہے تو یہ شرک نہیں ہے۔ اسی طرح محفل میلاد منقذ کرنا صحیح ہے کیونکہ محفل میلاد کی اصل دین میں ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا ذکر فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ولادت کا ذکر کیا اور تمام سلف صالحین کا اس پر عمل رہا ہے، البتہ اس کو لازم اور واجب سمجھنا بدعت ہے اور اس میں اسرار کرنا اور منکرات کو داخل کرنا گناہ ہے۔

فاتحہ، چہلم اور عرس وغیرہ میں دُلوں اور تاریخوں کی تعیین کی تحقیق فاتحہ، چہلم، عرس اور اہلسنت کے دیگر تمام مولات کا رجوع اس

طرح ہوتا ہے کہ کسی فعلی عبادت کے لیے عرق وقت میں کر لیا جاتا ہے، یہ تعیین شرعی نہیں ہے اور ان میں اوقات کے علاوہ بھی ان کاموں کو کرنا جائز ہے اور اگر کوئی شخص ان میں اوقات میں ان عبادت کو کرنا شرعاً لازمی اور ضروری سمجھتا ہے تو یہ بدعت ہے اور گناہ ہے۔ رہا یہ کہ کوئی فعلی عبادت جو کسی وقت بھی کی جاسکتی، سو اس کے لیے کسی خاص وقت کو معین کرنے پر کیا دلیل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعیین احادیث سے ثابت ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یأتی مسجد قبا کل سبت ماشیا وراکبا وکان عبد اللہ رضی اللہ عنہ یفعلہ۔
حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وفی هذا الحدیث علی اختلاف طرقہ دلالة علی جواز تخصیص بعض الايام ببعض الاعمال الصالحة والمداومة علی ذلك۔
علامہ بدر الدین مینی لکھتے ہیں:

فیه دلیل علی جواز تخصیص بعض الايام بنوع من القرب وهو کذا لک کافی الاوقات
اس حدیث میں بعض ایام کو بعض عبادت کے ساتھ خاص کر لینے کے جواز پر دلیل ہے اور یہ امر جائز ہے ماسوا

۱۔ شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ، فتاویٰ رشیدیہ ص ۶۸، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

۲۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۲ ص ۶۹، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

المنہی عنها کالذہی عن تخصیص لیلة الجمعة من بین الیالی او تخصیص یوم الجمعة بصیام من بین الایام۔ ۱۷

ان اوقات کے جن میں کسی عبادت کی تخصیص سے منع کر دیا گیا ہے۔ جیسے جمعہ کی رات کو نوافل کے قیام کے ساتھ خاص کہلینے سے منع کیا گیا ہے یا جمعہ کے دن کو روزے کے ساتھ خاص کر لینے سے منع کیا گیا ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

ہر دو حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی مقصود مباح یا کسی طاعت کے لیے تعین یوم اگر باعتقاد قربت ہو بلکہ کسی مباح مصلحت کے لیے ہو جائز ہے، جیسے مدارس و طبیعی میں اسباق کے لیے گھنٹے تعین ہوتے ہیں اور اگر باعتقاد قربت ہو مخفی عنہ ہے، پس عرس میں جو تاریخ تعین ہوتی ہے اگر اس تعین کو قربت دیکھیں بلکہ اور کسی مصلحت سے یہ تعین ہو مثلاً سہولت اجتماع تاکہ تداعی کی صورت یا بعض اوقات اس کی کماہت کے شبہ سے مامون رہیں اور خود اجتماع اس مصلحت سے ہو کہ ایک سلسلہ کے اہباب باہم ملاقات کر کے حب فی اللہ کو ترقی دیں اور اپنے بزرگوں کو آسانی سے اور کثیر مقدار میں جو کہ اجتماع میں حاصل ہے ثواب پہنچانا بے تکلف میسر ہو جائے نیز اس اجتماع میں طالبوں کو اپنے لیے شیخ کا انتخاب بھی سہل ہوتا ہے یہ تو ظاہری مصالح ہیں جو مشاہدہ ہیں یا کوئی باطنی مصلحت داعی ہو جیسا میں نے بعض اکابر اہل ذوق سے سنا ہے کہ میت کو اپنے یوم وفات کے عود سے وصول ثواب کے انتظار کی تجدید ہوتی ہے اور یہ مصلحت محض کشفی ہے جس کا کوئی مکذب عقلی یا نقلی موجود نہیں اس لیے صاحب کشف کو یا اس صاحب کشف کے معتقد کو بدرجہ ظن اس کی رعایت کرنا جائز ہے البتہ جزم جائز نہیں۔ بہر حال اگر ایسے مصالح سے یہ تعین فی نفع ہو تو جائز ہے، لیکن اگر کوئی اور عارضی موجب منع اس میں منضم ہو جائے مثلاً سماع غلات شرائط یا اختلاط امارد و فساد یا مجمع کے جمع کرنے کا اہتمام خصوص فساد دنیار کے شریک کرنے کا اہتمام یا شرکت کے بعد بلا ضرورت ان کا احترام یا احتمال فساد عقیدہ عوام تو ان عوارض سے بچ رہا ہو مباح بھی ممنوع ہو جائے گا اور قطعاً وہ عرس واجب ترک ہو جائے گا۔ جیسا اس زمانہ میں اکثر اعراس کی حالت ہو گئی پس قدامت مشائخ سے جو اعراس منقول ہیں اگر سند نقل صحیح ہو ان میں کوئی منکر ثابت نہیں پس ان کے فعل میں کوئی اشکال نہیں۔ ۱۸

شیخ تھانوی نے ان موائل میں مجمع جمع کرنے کا اہتمام اور احتمال فساد عقیدہ عوام کا جو ذکر کیا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔

شیخ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہفتہ کے دن مسجد قبا تشریف لے جانا اتفاقیات سے ہے، اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں اتفاق امور کی بر سبیل اتفاق پیر دی کرنا سنت ہے اور اس کو دائمی معمول نہ لینا سنت نہیں ہے اور میرا خیال ہے کہ ملا نے اس رائے کو پسند نہیں کیا۔ ۱۹

نقلی عبادات کے لیے کسی وقت کو معین کرنے پر دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

۱۷۔ حافظ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، حمدۃ القاری ج ۲، ص ۲۵۹، مطبوعہ ادارۃ المطابع النیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

۱۸۔ شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، برادر نوادر ص ۲۵۸، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۶۲ء

۱۹۔ شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ، فیض الباری ج ۲ ص ۲۳۲، مطبوعہ مطبع مجازی مصر، ۱۳۵۰ھ

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی وائل قال کان عبد اللہ یذکر الناس فی کل خمیس الحدیث - ۱۷
ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ہر جمعہ

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ کسی نفل عبادت کے لیے ہفتہ کے یام میں سے کسی ایک دن کو معین کر لینا جائز ہے۔ فلہذا اسلم
پہلے عمر، گیارہویں، بارہویں وغیرہ کے ایسے دنوں اور تارخیوں کی تعیین کرنا جائز ہے۔ البتہ اس تعیین کو لازم اور ضروری
بجائے حدیث ہے، واپس سوال کو آپ سے ان تارخیوں میں ان کاموں کا کرنا ثابت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ سے
ان دنوں میں ان کاموں سے منع کرنا بھی ثابت نہیں ہے۔

قاسم بن محمد کے فتویٰ پر ایک اشکال کا جواب | اس باب کی پہلی حدیث میں قاسم بن محمد کا یہ قول

مذکور ہے کہ ایک شخص کے اگر تین مکان ہوں تو وہ
ہر مکان کے ایک ثلث کی وصیت کرے بلکہ سب کو جمع کر کے ایک ثلث کی وصیت کرے اس قول پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر
اس نے ہر مکان میں سے ایک ثلث کی وصیت کر دی تو اس میں کیا غلطی ہے؟ حافظ ابن حجر نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ
اس وصیت میں کوئی اور زائد چیز متی جس کا اس روایت میں ذکر نہیں ہے اسی وجہ سے قاسم بن محمد نے اس کی تفسیل کی۔ ۱۸
علامہ دمشقانی ماکھی لکھتے ہیں: قاسم بن محمد نے اس اشکال کے جواب میں یہ کہا ہے کہ اگر مکانات ایک دوسرے سے
دور ہوں تو ان کی تقسیم میں سنت یہ ہے کہ ہر مکان کا الگ الگ حصہ کیا جائے اور اگر مکانات ایک دوسرے کے قریب ہوں
تو پھر ان کی تقسیم میں سنت یہ ہے کہ ان کو تقسیم میں جمع کیا جائے اور قاسم بن محمد نے اس صورت کے پیش نظر یہ کہا تھا کہ ان کو جمع
کیا جائے اس صورت میں یہ مکان ایک دوسرے کے قریب تھے اور چونکہ یہ تقسیم خلاف سنت متی اس لیے انھوں نے مسئلہ ہی بتلایا
اور حدیث بھی سنائی۔ ۱۹

باب بیان خیر الشہود بہترین گواہ کا بیان

حضرت دید بن خالد بن جبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو بہترین گواہ نہ
بتلاؤں؟ اور وہ (بہترین گواہ) یہ ہے جو سوال کرنے سے
پہلے گواہی دے دے۔

۸۰۳۸۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ
قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي
بَكْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ
عُثْمَانَ عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَرَ أَنَّ الْأَنْصَارِيَّ عَنِ
زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ

۱۷۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۶، مطبعہ نور محمد امج المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۱۸۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۵ ص ۲۶، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

۱۹۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلف دمشقانی ماکھی متوفی ۸۲۸ھ، اکال اکال السلم ج ۵ ص ۲۲، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت

الشَّهَادَاتِ يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ
أَنْ يُسْأَلَ لَهَا

بغیر سوال کے گواہی دینے کی ممانعت اور فضیلت کا محمل | اس باب کی حدیث میں اس گواہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے جو بغیر طلب اور سوال کے گواہی دے۔ یہ

حدیث حضرت زبیر بن خالد جہنی سے مروی ہے اس کے برعکس حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے اس میں بغیر سوال کے گواہی دینے کی مذمت بیان کی گئی ہے اور یہ دونوں حدیثیں متعارض ہیں، پہلے ہم حضرت عمران بن حصین کی روایت بیان کرتے ہیں اس کے بعد اس تعارض کو دور کریں گے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عمران بن حصین قال قال النبي صلى الله عليه وسلم خيركم قرائي ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم قال عمران لا ادرى اذكر النبي صلى الله عليه وسلم بعد قرنين او ثلاثة قال النبي صلى الله عليه وسلم ان بعدكم قوما يخنون ولا يؤتمنون ويشهدون ولا يستشهدون وينذرون ولا يفون و يظهر فيهم السمون

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے زمانہ کے لوگوں میں سب سے بہترین میرے زمانہ کے لوگ ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں، حضرت عمران نے کہا مجھے یاد نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زمانہ یا تین زمانہ کے بعد فرمایا: تمہارے زمانہ کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو بیعت کریں گے اور ان کو ایمن نہیں بنایا جائے گا وہ از خود گواہی دیں گے وہاں حاکم ان سے گواہی نہیں طلب کی جائے گی وہ نذر مانیں گے اور اس کو پورا نہیں کریں گے اور وہ بہت مومنین (یعنی بسیار خور) ہوں گے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن عمران بن حصین قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول خير الناس قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثلاثا ثم يبعث قوم من بعد هم يتسمنون ويحبون السمون يعطون الشهادة قبل ان يسألوها

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین لوگ میرے زمانہ کے لوگ ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں (تین بار فرمایا) پھر ان کے بعد ایک بسیار خور قوم آئے گی جو بسیار خودی کو پسند کرے گی یہ لوگ طلب اور سوال سے پہلے شہادت دیں گے۔

۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۲، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ کراچی، ۱۳۸۱ھ

۲۔ امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۳۲، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ کراچی

(د) کوئی شخص کسی کے جنتی یا دوزخی ہونے کی قطعی گواہی دے۔ لے
علامہ عینی نے بھی مذکور الصدر ترجیحات میں سے بعض بیان کی ہیں اور یہ نکاح ہے کہ بعض علماء نے حضرت عمران بن حصین کی
روایت کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس پر امام بخاری اور امام مسلم کا اتفاق ہے اور حضرت زید بن خالد کی روایت میں امام مسلم منفرد ہیں
اس باب کی حدیث میں بہترین شاہد کا بیان کیا گیا ہے۔ اس مناسبت سے ہم شہادت کے متعلق ضروری ابجاث کا ذکر کر رہے
ہیں۔ فنقول بحمد اللہ المتوفیق وبہ الاستعانة بلیق۔

شہادت کا لغوی معنی | امام عیسیٰ بن احمد کہتے ہیں:

والشهادة ان تقول استشهد فلان
فهو شهيد۔ ۳
شہادت یہ ہے کہ تم یہ کہو کہ فلاں شخص کو گواہ
بنایا گیا، سو وہ گواہ ہے۔

علامہ ابن اثیر الجزیری کہتے ہیں:
اصل الشهادة الاخبار بما شاهد و
شہد ۴۔ ۴
جس چیز کا مشاہدہ کیا ہو یا جس پر کوئی شخص حاضر ہو
اس کی خبر دینا لغت میں شہادت ہے۔
علامہ رافعی الاصفہانی کہتے ہیں:

والشهادة قول صادر عن علم
حصل بمشاهدة بصيرة او بصيرة۔ ۵
بعیترت سے یا آنکھوں کے ساتھ دیکھنے سے جس چیز کا علم حاصل
ہو اس کی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں۔
شہادت کا اصطلاحی معنی | فقہاء شافعیہ میں سے شارح مہذب کہتے ہیں:

والشهادة خبر قطع بما حضر وعاین
ثم قد يكون بما علم واستفاض۔ ۶
جو شخص کسی جگہ حاضر ہو یا اس نے کسی چیز کو دیکھا ہو
اس کی یقینی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں اور کبھی اس چیز کی
خبر کو شہادت کہتے ہیں جس کا اس کو یقین ہو یا وہ چیز مشہور ہو
علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی کہتے ہیں:

الشهادة اخبار صدق لاثبات حق بلفظ
کسی حق کو ثابت کرنے کے لیے میں گواہی دیتا

- ۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۷۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ۔
- ۲۔ علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۱۴، مطبوعہ ادارة الطباعة النیرية مصر، ۱۳۴۸ھ۔
- ۳۔ امام ابو عبد الرحمن النخعی بن احمد الفراء ہندی متوفی ۷۵۵ھ، احکام ابی الین ج ۳ ص ۲۹۸، مطبوعہ دار الهجرة قم ایران، ۱۴۰۵ھ۔
- ۴۔ علامہ محمد بن اثیر الجزیری متوفی ۷۰۶ھ، نہایہ ج ۲ ص ۵۱۴، مطبوعہ مکتبۃ مطبوعات ایران، ۱۳۶۴ھ۔
- ۵۔ علامہ حسین بن محمد رافعی الاصفہانی متوفی ۵۰۲ھ، المفردات ص ۲۶۸، مطبوعہ مکتبۃ مرتضویہ ایران، ۱۳۴۲ھ۔
- ۶۔ شرح المہذب ج ۲ ص ۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت

الشهادة في مجلس القضاء

ہوں کے الفاظ کے ساتھ مجلس قضاء میں سچی خبر دینا شہادت

علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے کہ اشد کا لفظ اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ قسم کو مستغن ہے گویا کہ گواہ یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کی قسم کرتا ہوں کہ میں نے یہ واقعہ اس طرح دیکھا ہے اور اب میں اس کی خبر دے رہا ہوں۔

شہادت کی اقسام (الف) عینی شہادت: یعنی گواہ آنکھوں سے دیکھے ہوئے کسی واقعہ کو بیان کرے، یہی شہادت کی اقسام (ب) سمعی شہادت: یعنی گواہ کسی چیز کو سن کر اس کی شہادت دے، جن اُمور کا تعلق سموعات سے اور ان میں کمی شہادت اتنی ہی مستبرہ ہوتی ہے جتنی عینی شہادت ہے (ہدایہ اخیرین ص ۱۵۹)

(ج) شہادت علی الشہاد: اصل گواہ کسی شخص کو اپنی شہادت پر شاہد بنائے تب یہ گواہ اصل کی شہادت دے سکتا ہے۔ (ہدایہ اخیرین ص ۱۵۸)

قرآن مجید کی روشنی میں شہادت کا بیان شہادت کے ساتھ دو حکم متعلق ہوتے ہیں ایک تحمل شہادت ہے اور دوسرا اداء الشہادت۔ تحمل شہادت کا مطلب ہے کسی وقوم کا معائنہ کر کے اس کو سمجھ کر منضبط کرنا اور اداء الشہادت کا مطلب ہے اس شہادت کو نفاذی کے سامنے ادا کرنا۔ تحمل شہادت کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

واستشهدوا شہیدین من رجالکم
فان لم یکنوا رجلین فرجل وامراتن
من ترضون من الشہداء۔ (بقرہ ۲۸۲)
واشہدوا اذا تبايعتم۔ (بقرہ ۲۸۲)
واشہدوا ذری عدل منکم۔ (طلاق ۲۱)
اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ بناؤ پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں۔ ان گواہوں میں جن کو تم پسند کرتے ہو۔

اور جب تم خرید و فروخت کرو تو گواہ بناؤ۔
اور اپنوں میں سے دو عادل (نیک) شخصوں کو گواہ بناؤ۔
اور اشد کی خاطر شہادت ادا کرو۔
اور جب گواہوں کو (گواہی کے لیے) بلایا جائے تو انکار نہ کریں۔
اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپاتا ہے تو بیشک اس کا دل گنہگار ہے۔
اور اقسام الشہادۃ اللہ۔ (طلاق ۲)
ولا یأب الشہداء اذا ما دعوا۔ (بقرہ ۲۸۲)
ولا تکتبوا الشہادۃ ومن یکتمها فانه اثم قلبه۔ (بقرہ ۲۸۲)

۱۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۲ ص ۴۳۶، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ مکرمہ

۲۔ ڈاکٹر مدبر رحیل، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۲ ص ۵۵۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ
بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ
وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ
بِهِمَا تَقْدِرُونَ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ إِنْ تُعْدِلُوا وَإِنْ
تَلَوْا أَوْ تَعْرَضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ
خَبِيرًا - (نساء: ۱۳۵)

اے ایمان والو! انصاف پر سختی سے قائم رہنے والے
ہو جاؤ اور اللہ کے لیے گواہ بن جاؤ، خواہ یہ گواہی تمہاری اپنی
ذات، تمہارے والدین یا تمہارے رشتہ داروں کے خلاف
ہو، (فریق معاملہ) گواہ امیر ہو یا غریب، اللہ ان کا زیادہ خیر خواہ
ہے، لہذا تم خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور
اگر تم گواہی کی بات کہو گے یا (شہادت سے) پہلو ہچاڑو گے تو اللہ
لوگ) اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

احادیث کی روشنی میں شہادت کا بیان

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال
ذكر عند رسول الله صلى الله عليه وسلم الرجل
يشهد بشهادة فقال يا ابن عباس لا تشهد
الا على ما يضيء لك كضياء الشمس و
او ما رسول الله صلى الله عليه وسلم
بيدك الى الشمس هذا حديث صحيح
الاسناد ولم يخرجاه .
امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی شخص کے شہادت دینے
کا ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا اے ابن عباس! صحت اس چیز پر
گواہی دو جو تمہارے لیے سورج کی روشنی کی طرح روشن ہو
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے
سورج کی طرف اشارہ فرمایا۔ یہ حدیث صحیح السند و درجہ
نے اس کو روایت نہیں کیا۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده ان النبي
صلى الله عليه وسلم قال في خطبته البينة
على المدعى واليمين على المدعى عليه .
امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده روایت کرتے ہیں
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: مدعی پر
بیعت (گواہ) لازم ہیں اور مدعی علیہ پر قسم لازم ہے۔

ان الاشعث بن قيس خريج اليناء فقال
ما يصح تكلم ابو عبد الرحمن فحدثنا به بما قال
فقال صدق لقي تولت كان بيني وبين رجل
خصومة في شيء فاحتصمنا الى النبي صلى الله
عليه وسلم فقال شاهدك او يمينته

حضرت اشعث بن قیس ہمارے پاس آئے اور کہا
حضرت عبد اللہ بن مسعود نے تمہیں کیا حدیث بیان کی ہے؟
ہم نے انہیں حدیث بیان کی۔ انہوں نے کہا حضرت ابن مسعود
نے یہ کہا یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے: ایسے
اور ایک شخص کے درمیان کسی چیز میں جھگڑا تھا ہم نے نبی صلی

۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری ۲۵۵ھ، المستدرک ج ۲ ص ۹۹-۹۸، مطبوعہ دار الباز للنفیر والتوزیع مکہ مکرمہ۔

۲۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۵۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۱۲، مطبوعہ محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

الحديث - ۱۷

اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا مقدمہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: یا تم دو گواہ لاؤ ورنہ یہ قسم کھائے گا۔

شہادت کا حکم | علامہ ابن تدارہ منبلی کہتے ہیں کہ تحمل شہادت اور ادا شہادت دونوں فرض کفارہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا يَأْبَى الشَّهَادَةُ إِذَا مَا دَعُوا "اور جب گواہوں کو گواہی کے لیے بلا یا جائے تو وہ انکار نہ کریں" نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ أَتَمَّ قَلْبِهِ (بقرة ۲۸۳) "اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپائے تو بے شک اس کا دل گنہگار ہے" نیز اس لیے کہ شہادت ایک امانت ہے اور باقی امانتوں کی طرح اس کا ادا کرنا لازم ہے۔ ۱۷

علامہ ابو الحسن مرغینانی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں شہادت کا ادا کرنا فرض ہے، اور جب مدعی شاہد کر بلائے تو شہادت کو چھپانا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا يَأْبَى الشَّهَادَةُ إِذَا مَا دَعُوا (بقرة ۲۸۳) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ (الآیت ۲۸۳ - بقرة ۲۸۳) اور مدعی کا گواہ کو طلب کرنا اس لیے شرط ہے کہ یہ مدعی کا حق ہے سو باقی حقوق کی طرح یہ بھی طلب پر موقوف ہے، اور حدود میں شہادت دینے پر گواہ کو اختیار ہے کہ عواہ ستر کرے عواہ اظہار کرے کیونکہ دونوں چیزوں میں ثواب ہے پردہ پرشی میں بھی اور اقامت حدود میں بھی اور ستر افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہزال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کاش تم اپنے کپڑے سے اس کا ستر کر لیتے (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۴۵) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان کی پردہ پرشی کی اللہ تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت میں پردہ پرشی کرے گا (بخاری ج ۱ ص ۳۳۰) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے حدود ساقط کرنے کے بارے میں جو روایات منقول ہیں ان سے ستر کا افضل ہونا ملاحظہ معلوم ہوتا ہے۔ ۱۸

علامہ مرغینانی کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً ستر افضل ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اگر کوئی شخص گناہ کرنے کے بعد اس پر نادم ہو تو اس کی پردہ پرشی کرنا افضل ہے اور جو شخص علی الاعلان بدکاری کرتا ہو جس سے حدود الہیہ کا خاتمہ مجروح ہوتا ہو تو پھر اس کے خلاف شہادت دینا افضل ہے۔

علامہ ابن مہام کہتے ہیں کہ تحمل شہادت میں مسلمان کے حق کا تحفظ ہے اور مسلمان کے حق کا تحفظ کرنا اولیٰ ہے اور تحمل شہاد سے انکار کرنا خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی ہے اور قرآن مجید کی جن آیات میں شہاد کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ادا شہادت کرنے والا ہے کیونکہ شہادت تحمل کرنے والے کو شاہد مجاز کہا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب شاہد کو مدعی بلائے تو شہادت ادا کرنا فرض ہے اور تحمل شہادت کرنا مستحب ہے۔ ۱۹

۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۷، مطبوعہ نور محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۸۷ھ

۲۔ علامہ ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن تدارہ منبلی متوفی ۶۲۰ھ، المنہج ج ۱ ص ۳۵۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

۳۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیر بن ص ۱۵۲، مطبوعہ مکتبہ شرکتہ علیہ عمان

۴۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۲ ص ۲۴۷-۲۴۶، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

شہادت کی تعریف، رکن اور سبب وغیرہ کا بیان | مجلس قضا میں کسی شخص کے حق کو ثابت کرنے کے لیے لفظ اشہد (میں گواہی دیتا ہوں) کے ساتھ سچی خبر بیان کرنا شہاد

ہے۔ (فتح القدیر)

شہادت کا رکن لفظ اشہد ہے۔ یعنی میں گواہی دیتا ہوں۔ (تبیین الحقائق)

شہادت کو ادا کرنے کا سبب یہ ہے کہ مدعی گواہ سے شہادت طلب کرے یا مدعی از خود گواہی دے جبکہ گواہ کو یہ علم ہو کہ مدعی کو اپنے حق پر شہادت کا علم نہیں ہے اور اس کے گواہی نہ دینے کی صورت میں مدعی کے حق کے ضائع ہونے کا خطر ہو۔ شہادت کا حکم یہ ہے کہ شہادت کے بعد قاضی پر واجب ہے کہ اس شہادت کے مطابق فیصلہ کرے (عنایہ)۔

تخل شہادت کی شرائط | شہادت کی شرائط دو قسم کی ہیں، تخل شہادت (حصول شہادت) کی شرائط اور ادائیگی شہادت کی شرائط۔ تخل شہادت کی شرائط یہ ہیں کہ جس وقت گواہ کسی قوم کو دیکھ رہا ہے اور گواہی کو حاصل کر رہا ہے تو وہ شخص مجنون نہ ہو، نا سمجھ بچہ نہ ہو اور یہ شخص بصیر ہو لہذا اندھے کا تخل شہادت کرنا جائز نہیں ہے، نیز مشہور ہو (جس چیز کی گواہی دینی ہے) کا وہ خود مشاہدہ کرے کسی اور کے مشاہدہ کا تخل نہ کرے البتہ بعض اشیاء میں تو گول سن کر تخل شہادت کرنا بھی جائز ہے (بدائع الصنائع)۔ تخل شہادت کے لیے بلوغ، حریت، اسلام اور عدالت (بیک عینی) شرط ہیں ہے سچی کہ اگر تخل شہادت کے وقت وہ سمجھ دار بچہ ہو یا غلام ہو یا کافر ہو یا فاسق ہو پھر بچہ بالغ ہو جائے یا غلام آزاد ہو جائے یا کافر مسلمان ہو جائے یا فاسق توبہ کر لے اور پھر وہ قاضی کے پاس شہادت دے تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی (البحر الرائق)۔

بمعاظ شاہد ادائیگی شہادت کی شرائط | شہادت ادا کرنے کے لیے شاہد میں عقل، بلوغ، حریت، بصر اور

شرط اخلاف کے نزدیک ہے) اور یہ کہ وہ محض اللہ کے لیے شہادت دے اور اس شہادت سے اس کا مقصد نہ کسی نفع کو حاصل کرنا ہو اور نہ کسی ضرر کو دور کرنا ہو اور یہ کہ اس مقدمہ میں وہ شخص خود فریق نہ ہو، اور یہ کہ ادا شہادت کے وقت اس کو شہودیت کا علم ہو اور وہ اس کو یاد ہو۔ (یہ شرط امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے، صاحبین کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے)۔ (بدائع الصنائع)۔

عدالت کی تعریف | گواہوں کا عادل (بیک) ہونا قاضی پر واجب قبول کے لیے شرط ہے نفس شہادت کے جواز کے لیے گواہوں کا عادل ہونا شرط نہیں ہے۔ (البحر الرائق) امام ابو حنیفہ کے نزدیک ظاہر یہ

شرط ہے اور عدالت حقیقیہ جو تزکیہ شہود اور تہذیب سے ثابت ہوتی ہے وہ امام اعظم کے نزدیک شرط نہیں ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک عدالت حقیقیہ شرط ہے۔ (بدائع الصنائع)۔ اس زمانہ میں فخری صاحبین کے قول پر ہے (کافی)۔ امام ابو یوسف سے جو عدالت کی تفسیر منقول ہے وہ یہ ہے کہ شہادت میں عدل یہ ہے کہ شاہد کبار سے مجتنب ہو اور ضائر پر اصرار کرنے والا نہ ہو اور اس کی نیکیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں اور اس کی درست باتیں اس کی غلط باتوں سے زیادہ ہوں، یہ عدالت کی سب سے بہترین تفسیر ہے (نہایہ)۔

گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی تحقیق میں فقہاء اخلاف کا نظریہ | علامہ ابن عمام حنفی لکھتے ہیں کہ خلافت الفادی میں ہے کہ مصیبت کبیرہ وہ فعل ہے جس پر نفس

کتاب سے حد واجب ہو، لیکن ہمارے فقہاء نے اس کو اختیار نہیں کیا بلکہ یہ کہا ہے کہ گناہ کبیرہ میں تین اُمور معتبر ہیں: (۱) ہر وہ فعل جو مسلمانوں میں مصیوب سمجھا جاتا ہو اور اس میں اشرقتائی کے احکام کی بے وقعتی ہو۔ (ب) ہر وہ فعل جو مروت اور حسن اخلاق کی خلاف ہو، بلکہ بد اخلاقی پر مشتمل ہو، (ج) گناہ پر اصرار کرے۔ علامہ ابن ہمام نے اس تعریف پر اترام کیا ہے کہ تعریف غیر مضبوط ہے اور غیر صحیح ہے۔ علامہ بابر قی حنفی لکھتے ہیں اہل حجاز اور محدثین نے کہا ہے کہ گناہ کبیرہ وہ سات گناہ ہیں جن کا حدیث مشہور میں ذکر ہے وہ یہ ہیں: (۱) اشرک کے ساتھ شریک کرنا (۲) میدان جہاد سے بھاگنا۔ (۳) والدین کی نافرمانی کرنا۔ (۴) کسی انسان کو بے گناہ قتل کرنا۔ (۵) مسلمان پر بیتان باندھنا (۶) زنا کرنا۔ (۷) خمر (انگوری شراب) پینا۔ اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جو مصیبت حرام معینہ ہو وہ مصیبت کبیرہ ہے۔

علامہ جلال الدین خوارزمی حنفی لکھتے ہیں مصیبت کبیرہ کی تعریف میں اختلاف ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ وہ سات گناہ ہیں جن کا حدیث مشہور میں ذکر ہے یہ اہل حجاز اور محدثین کا قول ہے اور بعض علماء نے ان سات گناہ پر اصرار وغیرہ اور یتیم کا مال ناحق کھانے کا بھی اضافہ کیا ہے۔ اور بعض علماء نے کہا کہ جو مصیبت حرام معینہ ہو وہ گناہ کبیرہ ہے اور قول وہ ہے جو شمس الائمہ حلوانی سے منقول ہے کہ جو کام مسلمانوں میں مصیوب ہو اور جس میں دین کی تحقیف اور بے وقعتی ہو وہ گناہ کبیرہ ہے اسی طرح گناہ پر مدد کرنا اور گناہ پر اُبھارنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے گناہ کبیرہ کی تفسیر میں وہ احادیث ذکر کیں جن میں ان سات اُمور کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے اور شمس الائمہ حلوانی کا قول ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ لکھا ہے کہ شیخ الاسلام غلام آزاد نے فتاویٰ صغریٰ میں بیان کیا ہے کہ جو گناہ حرام محض ہو وہ گناہ کبیرہ ہے خواہ اس کو شریعت میں فاحشہ کہا جائے جیسے زنا یا دنیا میں اس کی کوئی سزا مقرر ہو جیسے چوری، زنا اور قتل ناحق یا اس گناہ پر آخرت میں عذاب کی وعید، ہر جیسے ناحق مال یتیم کھانا اور ہمسن نے کہا ہے کہ جس گناہ پر حد ہو وہ گناہ کبیرہ ہے بعض نے کہا جو گناہ حرام معینہ ہو وہ گناہ کبیرہ ہے، ایک قول یہ ہے کہ جس گناہ پر بندہ اصرار کرے وہ گناہ کبیرہ ہے اور جس گناہ پر استغفار کرے وہ گناہ صغیرہ ہے اور زیادہ بہتر وہ تعریف ہے جو حکمین نے ذکر کی ہے کہ ہر گناہ اپنے مافوق کے اعتبار سے صغیرہ ہے اور ماتحت کے اعتبار سے کبیرہ ہے۔

گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی تحقیق میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ | علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں، گناہ صغیرہ ہے کہ کوئی گناہ صغیرہ نہیں ہوتا۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، گناہ کبیرہ کی چار تعریفات ہیں۔

- (۱) جس مصیبت سے حد واجب ہوتی ہے وہ گناہ کبیرہ ہے۔
- (۲) جس مصیبت پر کتاب اور سنت میں وعید شدید ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

- ۱۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۲ ص ۲۸۴، مطبوعہ مکتبہ نوریدہ رضویہ سکھر۔
- ۲۔ علامہ اکمل الدین محمد بن محمود بابر قی حنفی متوفی ۷۸۶ھ، سنایہ علی امش فتح القدیر ج ۲ ص ۲۸۶، مطبوعہ مکتبہ نوریدہ رضویہ سکھر۔
- ۳۔ علامہ جلال الدین خوارزمی حنفی، کفایہ علی امش فتح القدیر ج ۲ ص ۲۸۵-۲۸۴، مطبوعہ مکتبہ نوریدہ رضویہ سکھر۔
- ۴۔ علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد حنفی عینی متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ شرح ہدایہ لمجربا ثالث ص ۲۳۴، مطبوعہ ملک منیر فیصل آباد۔

- (۳) امام نے ارشاد میں لکھا ہے کہ جس گناہ کو لاپرواہی کے ساتھ کیا گیا ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔
 (۴) جس کام کو قرآن مجید نے حرام قرار دیا ہو یا جس کام کی جنس میں قتل وغیرہ کی سزا ہو یا جو کام علی الغرر فرض ہو اس کو ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

علامہ نووی نے دوسری تعریف کو ترجیح دی ہے، پھر علامہ نووی لکھتے ہیں کہ یہ گناہ کبیرہ کی منضبط تعریفات ہیں، بعض میں نے گناہ کبیرہ کو تفصیلاً شمار بھی کیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے: قتل، زنا، لواطت، شراب پینا، چوری، قذرت (نہت رگاتا) جھوٹی گواہی دینا، مال غصب کرنا، میدان جہاد سے بھاگنا، سود کھانا، مال یتیم کھانا، والدین کی نافرمانی کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عداوت جھوٹ باندھنا۔ بلا قدر شہادت کو چھپانا، رمضان میں بلا قدر روزہ نہ رکھنا، جھوٹی قسم کھانا، قطع رحم کرنا، ناپ اور تول میں خیانت کرنا، نماز کو وقت سے پہلے پڑھنا، بلا قدر نماز قضاء کرنا، مسلمان کو ناحق مارنا، صحابہ کرام کو سب و شتم کرنا، رشتہ لینا، دیرینی (ناحشہ عورتوں کے لیے گاہک لانا)، حاکم کے پاس چلی کھانا، زکوٰۃ نہ دینا، نیکی کا حکم نہ دینا، باوجود قدرت کے بُرائی سے نہ روکنا، قرآن مجید بھلانا، حیوان کو بھلانا، عورت کا بلا سبب محارم کے پاس نہ جانا، اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا، اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا، عطا کی توہین کرنا، ظہار، بلا قدر عنقریب یا مکرہ دار کا گوشت کھانا، مبادو کرنا، حالت حیض میں وطی کرنا، اور چٹل کھانا۔ یہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔

علامہ نووی نے گناہ صغیرہ کی تفصیل میں ان گناہوں کو لکھا ہے: اجنبی عورت کو دیکھنا، نیت کرنا، ایسا جھوٹ جس میں حد ہے نہ ضرر، لوگوں کے گھروں میں بھانکنا، تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے قطع تعلق کرنا، زیادہ ڈرنا جھگڑنا اگرچہ حق پر ہو، غیبت پر سکوت کرنا، مردہ پر جن کرنا، مصیبت میں گریہ بان پاک کرنا اور پلانا، اترا اتر کر چلنا، ناستقوں سے دوستی رکھنا اور ان کے پاس بیٹھنا، اوقات مکروہ میں نماز پڑھنا، مسجد میں خرید و فروخت کرنا، بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں لانا، جس شخص کو لوگ کسی عیب کی وجہ سے ناپسند کرتے ہوں اس کا امام بننا، نماز میں جھٹ کام کرنا، جمعہ کے دن لوگوں کی گزریں پھلانگنا، قبلہ رخ بول دروازہ کرنا، عام راستہ پر بول و براز کرنا، جس شخص کو غلبہ شہوت کا غطرہ ہو اس کا روضہ میں برسر لینا، صوم وصال رکھنا، استمناء، بغیر جماع کے اجنبیہ سے مباشرت کرنا، یعنی بوس و کنار اور نفل گیر ہونا، بغیر کفار سے کے مظاہر کا اپنی عورت سے جماع کرنا، اجنبی عورت سے خلوت کرنا، عورت کا بغیر محرم اور خاوند کے سفر کرنا یا بغیر ثقہ عورتوں کے سفر کرنا۔ (یہ مذہب شافعی کے ساتھ خاص ہے) بخش، احتکار، مسلمان کی بیع پر بیع کرنا، اسی طرح مسلمان کی قیمت پر قیمت لگانا اور منگنی پر منگنی کرنا، شہری کا دیہاتی سے بیع کرنا، دیہاتی کا قلعہ سے بیع کے لیے ملاقات کرنا، تصریہ (بیع کے لیے تختوں میں دو دھروک لینا) بغیر عیب بیان کیے ہوئے عیب دار چیز فروخت کرنا، بلا ضرورت کٹار کھنا، مسلمان کا کافر کو قرآن مجید اور دینی کتابیں کو فروخت کرنا، بلا ضرورت نجاست کو بدن پر لگانا اور بلا ضرورت خلوت میں اپنی شرمگاہ کھولنا۔ عدالت (ذبح چلنی) میں سنار سے ہانکنا، اختیار کرنا شرط نہیں ہے لیکن صغیرہ پر اصرار یعنی بلا توبہ بار بار صغیرہ کا ارتکاب کرنا، صغیرہ گناہ کو کبیرہ بنا دینا ہے۔

گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی تحقیق میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ علامہ شمس الدین مقدسی حنبلی لکھتے ہیں: گناہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر حد ہو یا اس پر وعید ہو، یا اس پر غضب ہو یا لعنت ہو، یا اس فعل کے مرتکب سے ایان کی نفی کی گئی ہو، جس طرح حدیث میں ہے: من غش فلیس مسلماً۔ جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ یعنی یہ وہ کام ہے جو ہمارے احکام میں سے نہیں ہے، یا ہمارے اخلاق میں سے نہیں ہے، یا ہماری سنت میں سے نہیں ہے اور اصول، غنیہ اور مستوجب میں ہے کہ غیبت اور جھوٹی منافی میں سے ہے اور تافہی نے مسمت میں کہا ہے کہ کبیرہ وہ ہے جس کا عقاب زیاں ہو اور صغیرہ وہ ہے جس کا عقاب کم ہو، ابن حامد نے کہا ہے کہ صغائر خواہ کسی نوع کے ہوں وہ تکرار سے کبیرہ ہو جاتے ہیں اور ہمارے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ تکرار سے صغیرہ کبیرہ نہیں ہوتا، جیسا کہ جو امور غیر تکرار ہوں وہ تکرار سے کفر نہیں ہوتے۔ ۱۷

علامہ بھوقی حنبلی لکھتے ہیں: گناہ کبیرہ وہ ہے جس پر دنیا میں حد ہو اور آخرت میں وعید ہو، جیسا کہ سود کھانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور شیخ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ جس فعل پر غضب ہو یا لعنت ہو یا اس فعل کے مرتکب سے ایان کی نفی ہو۔ جھوٹ بولنا گناہ صغیرہ ہے بشرطیکہ اس پر درام اور استمرار نہ ہو، البتہ جھوٹی گواہی دینا، نبی پر جھوٹ باندھنا یا کسی پر جھوٹی تہمت لگانا گناہ کبیرہ ہے اور صلح کرانے کے لیے، بیوی کو راضی کرنے کے لیے اور جنگی چال کے لیے جھوٹ بولنا مباح ہے، علامہ ابن جوزی نے کہا ہے کہ ہر وہ نیک مقصد جس کو جھوٹ کے بغیر حاصل نہ کیا جاسکتا ہو اس کے لیے جھوٹ بولنا مباح ہے، غیبت میں اختلاف ہے، علامہ قرطبی نے اس کو کبائر میں سے شمار کیا ہے اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ یہ صغیرہ ہے، صاحب الفصول، صاحب الغنیہ اور صاحب المستوجب کی یہی تحقیق ہے۔ امام ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مسلمان شخص کی عزت پر ناحق ظلم کرنا، کبیرہ گناہوں میں سے ہے، اور پیشاب کے قطرہوں سے نہ بچنا گناہ کبیرہ ہے، اشتہائی کی ذات اور صفات کے متعلق بلا علم کچھ کہنا گناہ کبیرہ ہے ضرورت کے وقت علم چھپانا گناہ کبیرہ ہے، فخر اور غرور کے لیے علم حاصل کرنا گناہ کبیرہ ہے، جاندار کی تصویر بنانا گناہ کبیرہ ہے، کافران اور نجومی کے پاس جانا اعدان کی تصدیق کرنا گناہ کبیرہ ہے غیر اللہ کو سجدہ کرنا، بدعت کا دعوت دینا، خیانت کرنا، بظاہر کافرانوں کے برتنوں میں کھانا، وصیت میں زیادتی کرنا، خمر، بیچارہ سودی معاملہ رکھنا اور سود پر گواہی دینا گناہ کبیرہ ہے، دو چہروں والا ہونا یعنی بظاہر دوستی رکھنا اور باطن دشمنی رکھنا گناہ کبیرہ ہے، عموماً کسی اور نسب کی طرف منسوب کرنا، جانور سے بد فعلی کرنا، بلا عذر جبہ ترک کرنا، نشر اور اشہاد استعمال کرنا، بیگی کر کے احسان جتلانا، لوگوں کی مرضی کے بغیر ان کی باتیں کان گنا کر سننا، کسی پر بلا استحقاق لعنت کرنا، غیر اللہ کی قسم کھانا یہ تمام امور گناہ کبیرہ ہیں، اور جو مسائل اجتہادیہ ہیں ان کو کسی مجتہد کی اتباع میں کرنا، معصیت نہیں ہے مثلاً امام ابو حنیفہ کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح کرنا جائز ہے اور امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں ہے اور امام مالک کے نزدیک بغیر گواہوں کے نکاح جائز ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک جائز نہیں۔ علامہ بھوقی حنبلی کے ذکر کردہ کبیرہ گناہوں میں سے ہم نے ان گناہوں کو حذف کر دیا جن کو اس سے پہلے ہم علامہ نووی کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔

۱۷۔ علامہ شمس الدین مقدسی ابو عبد اللہ محمد بن مفلح حنبلی متوفی ۷۲۳ھ، کتاب الفروع ج ۶ ص ۵۶۵-۵۶۴ مطبوعہ عالم الکتب بیروت ۱۳۸۸ھ

۱۸۔ علامہ منصور بن یزید بن ادریس بھوقی حنبلی - ۱۰۲۶ھ، کشف القناع ج ۲ ص ۴۲۲-۴۱۹، مطبوعہ عالم الکتب بیروت۔

گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی تحقیق میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ | علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں: بعض علماء نے یہ غور کر دیا کہ کسی ذات کی نافرمانی کر رہے ہو اور اس اعتبار سے تمام گناہ، گناہ کبیرہ ہیں، قاضی ابو بکر بن طیب، استاد ابواسحق اسفہانی ابو المالی، ابو نصر عبد الرحیم قشیری وغیرہم کا یہی قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ گناہوں کو اضافی طور پر صغیرہ اور کبیرہ کہا جاتا ہے مثلاً زنی کفر کی بہ نسبت صغیرہ ہے اور بوس و کنار زنی کی بہ نسبت صغیرہ ہے اور کسی گناہ سے اجتناب کی وجہ سے دوسرے گناہ کی مغفرت نہیں ہوتی بلکہ تمام گناہوں کی مغفرت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت داخل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء۔ ”اللہ تعالیٰ شرک کے گناہ کو نہیں بخشے گا اور شرک کے سوا تمام گناہوں کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔“ اور یہ جو قرآن مجید میں ہے ان تجتنبوا کبائر ما تنهون عنه نکفر عنکم سبائاً تکم (نساء: ۳۱) اس آیت میں کبائر سے مراد انواع کفر ہیں، یعنی اگر تمام انواع کفر سے بچو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا، نیز صحیح مسلم اور دوسری کتب حدیث میں حضرت ابوالہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قسم کھا کر کسی مسلمان شخص کا حق ملا، اللہ تعالیٰ اس آدمی پر دوزخ واجب کر دے گا اور اس پر جنت حرام کر دے گا، ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! ہر چند کہ (اس شخص کا حق) نفوڑی سی چیز ہو؟ آپ نے فرمایا: ہر چند کہ وہ پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو! پس معمولی معصیت پر بھی ایسی شدید وعید ہے جیسی بڑی معصیت پر وعید ہے۔

علامہ قرطبی مزید لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے کہا ہے کہ جن چیزوں سے منع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس ممانعت کو جہنم یا غضب یا لعنت یا عذاب کے ذکر پر ختم کیا ہے وہ گناہ کبیرہ ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا سورۃ نسا کی تینتیس (۲۳) آیتوں میں جن چیزوں سے منع کیا ہے اور پھر فرمایا ہے ”ان تجتنبوا کبائر ما تنهون عنه“ وہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔ ملاؤ کس کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ کیا کبائر سات (۷) ہیں فرمایا یہ ستر کے قریب ہیں اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کیا کبائر سات ہیں فرمایا یہ سات سو کے قریب ہیں البتہ استغفار کے بعد کوئی کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار سے کوئی گناہ صغیرہ نہیں رہتا (بلکہ کبیرہ ہو جاتا ہے) گناہ کبیرہ کی تعداد اور ان کے حصہ میں علماء کا اختلاف ہے کیونکہ ان میں آثار مختلف ہیں، میں یہ کہتا ہوں کہ گناہ کبیرہ کے متعلق صحیح اور حسن بکثرت احادیث ہیں اور ان سے حصہ مقصور نہیں ہے، البتہ بعض گناہ بعض دوسرے گناہ سے زیادہ بڑے ہیں اور شرک سب سے بڑا گناہ ہے جس کی مغفرت نہیں ہو سکتی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے باہر ہونا ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید تکذیب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ورحمتی وسعت کل شیء۔ ”میرا رحمت ہر چیز کو محیط ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انه لا یأبئ من دوح الله الا القوم الکفار ون۔“ ”میری رحمت سے کافروں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا۔“ اس کے بعد تمیز اور جہ اللہ قلنے کے مذاب سے بے خوف ہونا ہے کہ بعدہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر تکیہ کر کے بے غمی سے گناہ کرے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے افامنوا مکروا الله فلا یامن مکروا الله الا القوم الخاسرون (اعراف: ۹۹) ”کیا یہ اللہ تعالیٰ کی غصہ تمہارے بے خوف ہیں؟ تو اللہ کی غصہ تمہارے صرنا تباہ ہونے والے ہی بے خوف ہوتے ہیں۔“ اس کے بعد چوتھے درجہ پر قتل سب سے

بڑا گناہ ہے اور اس کے بعد موافقت ہے، پھر زنا ہے، پھر شراب نوشی ہے پھر ناز اور اذان کا ترک کرنا ہے پھر جھوٹی گواہی دینا ہے۔ اور ہر وہ گناہ جس پر مذاب شدید کی وجہ سے یا اس کا ضرر عظیم ہے وہ گناہ کبیرہ ہے اور اس کا ماسوا گناہ صغیر گناہ میں نے گناہ کبیرہ کے متعلق ان تمام اقوال اور تعریفات پر غور کیا میرے نزدیک جامع مانع اور منضبط تعریف یہ ہے: جس گناہ کی دنیا میں کوئی سزا ہو یا اس پر آخرت میں وعید شدید ہو یا اس گناہ پر لعنت یا غضب ہو وہ گناہ کبیرہ ہے اور اس کا ماسوا گناہ صغیر ہے اور اس سے بھی زیادہ آسان اور واضح تعریف یہ ہے کہ فرضی کا ترک اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ صغیر ہے، نیز کسی گناہ کو معمولی سمجھ کر بے خونی سے کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے علامہ فردی شافعی اور علامہ بھوئی حنبلی نے جو گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی مثالیں دی ہیں ان پر یہ تعریض صادق آتی ہیں اس لیے گناہ صغیرہ اور کبیرہ کو سمجھنے کے لیے ان تعریفات کی روشنی میں ان مثالوں کو ایک بار پھر پڑھ لیا جائے۔ اس بحث میں یہ نکتہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ فرضی کے ترک کا مذاب واجب کے ترک کے مذاب سے اور حرام کے ارتکاب کا مذاب مکروہ تحریمی کے مذاب سے شدید ہوتا ہے اور اصولیین کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فرضی اور واجب کے ترک کا مذاب ایک جیسا ہوتا ہے اور ان میں صرف ثبوت کے لحاظ سے فرق ہے۔

اصرار سے گناہ صغیرہ کے کبیرہ ہونے کی وجہ | علامہ شامی اور دوسرے فقہاء نے لکھا ہے کہ گناہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے وہ گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے ۳۷

ایک علمی مجلس میں مجھ سے ایک فاضل دوست نے سوال کیا کہ صغیرہ پر اصرار کرنا دوبارہ اسی گناہ کا ارتکاب کرنا ہے اس لیے یہ اسی درجہ کی مصیبت ہونی چاہیے اور جب یہ پہلے صغیرہ تھا تو دوبارہ اس کو کرنے سے یہ گناہ کبیرہ کیسے ہو گیا؟ میں نے اس کے جواب میں کہا: اگر گناہ صغیرہ کرنے کے بعد انسان نادم ہو اور اس پر استغفار کرے اور پھر دوبارہ شامت نفس سے وہ صغیرہ گناہ کرے تو یہ اصرار نہیں ہے بلکہ گناہ صغیرہ کرنے کے بعد نادم اور تائب نہ ہو اور بلا توبہ اس گناہ کا اعادہ کرے تو پھر یہ اصرار ہے اور یہ کبیرہ اس وجہ سے ہو گیا کہ اس نے اس گناہ کو معمولی سمجھا اور اس میں الحکام شرعی کی تخفیف اور بے وقعتی ہے اور شریعت کی تخفیف اور بے وقعتی گناہ کبیرہ ہے، جبکہ شریعت کی توہین کفر ہے۔ فرضی اور واجب تو دور کی بات ہے جو فعل مسنون ہو اس کی تخفیف اور بے وقعتی بھی گناہ کبیرہ ہے اور اس کی توہین کفر ہے۔ الیاذہلک!

اس کے بعد اس بحث کو سمجھتے وقت جب میں نے اس سوال پر غور کیا تو مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ قرآن اور حدیث میں مصیبت پر اصرار کرنے کو کبیرہ قرار دیا ہے عوام وہ کسی درجہ کی مصیبت ہو مصیبت پر نفس امارت گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

والذین اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انقسم
ذکروا اللہ فاستغفروا الذنوب ہم ومن یغفر

اور جب وہ لوگ بنے جیلانی کا کام یا اپنی جانوں پر
ظلم کریں تو اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی طلب

۱۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۸۵ھ، احکام القرآن ج ۵ ص ۱۶۱-۱۵۹، ملخصاً انتشارات مرسد ایران، ۱۳۸۷ھ

۲۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار ج ۱ ص ۲۲۵ مطبوعہ مطبع عثمانیہ ۱۳۲۷ھ

۳۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار ج ۲ ص ۵۲۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

سید حسین الدین شاہ صاحب، اسلام آباد - منہ

الذَّوْبُ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يَصِرْ مَا فَعَلُوا وَهُمْ
يَعْلَمُونَ أُولَٰئِكَ جَزَاءُ هُم مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ
وَجَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
فِيهَا وَنَعَمَ أَجْرَ الْعَامِلِينَ

(آل عمران: ۱۳۶-۱۳۵)

کریں اور اللہ کے سوا کوئی گناہوں کو بخشتا ہے اور وہ لوگ
جان بوجھ کر اپنے کیے (یعنی گناہوں) پر اصرار نہ کریں۔
ایسے لوگوں کی جزا ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور
وہ جنات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ان میں
ہمیشہ رہیں گے۔ اور (ایک) کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا
بدلہ ہے!

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور آخری انعامات کو عدم اصرارِ معصیت پر مرتب فرمایا ہے اس کا لازمی مفہوم یہ
ہے کہ معصیت پر اصرار کرنا آخری عذاب کو مستلزم ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ مرید کی یہ آیت ہے:

عَفَا اللَّهُ عَنْمَا سَلَفٌ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ
مِنْهُ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ -
(مائتہ: ۵: ۹۵)

جو ہر چکا اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا، اور
جس نے دوبارہ یہ کام کیا تو اللہ اس سے بدلہ لے گا اور
اللہ بڑا غالب ہے بدلہ لینے والا۔

ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اصرار پر وعید فرمائی ہے اور وعید گناہِ کبیرہ پر ہوتی ہے۔ امام احمد روایت کرتے
ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر بن عاص رضی اللہ عنہما بیان
کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں
کے لیے عذاب ہو جو اپنے کیے برے (گناہ) پر بان
بوجھ کر اصرار کرتے ہیں۔

عن عید اللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ
عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ویل للمصرین الذین علی ما فعلوا وہم
یعلمون۔
امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے گناہ پر
استغفار کر لیا تو یہ اس کا اصرار نہیں ہے خواہ وہ دن میں ستر
مرتبہ گناہ کرے۔

عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اصر من
استغفر وان عاد فی الیوم سبعین مرة۔
اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ گناہ کے بعد استغفار کر لیا جائے تو یہ تکرار ہے اور گناہ کے بعد پھر گناہ کرے اور توبہ
نہ کرے تو پھر یہ اصرار ہے جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا:

کبیرۃ مع استغفار ولا صغیرۃ مع

استغفار کے ساتھ گناہِ کبیرہ نہیں رہتا، اور اصرار

۱۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۲۱۹، ۱۶۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

۲۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۴۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۱۲، مطبوعہ مطبعہ مجتبیٰ پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

اصرار - ۱۴
امراء کے ساتھ گناہ کبیرہ ہوتا ہے اس پر یہ حدیث مراحۃ دلالت کرتی ہے، علاوہ کسی امام نہایتی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

عن ابن عباس موقوفاً کلی ذنب اصرا
علیہ العبد کبیر و یس بکبیر ما تاب
منہ العبد - ۱۵
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت ہے کہ جس گناہ پر بندہ امراء کے (یعنی گناہ کے بد تو بہ نہ کرے) وہ گناہ کبیرہ ہے اور جب بندہ کسی گناہ پر توبہ کرے تو وہ گناہ کبیرہ نہیں ہے۔

قرآن مجید کی آیات، احادیث اور ائمہ سے یہ واضح ہو گیا کہ گناہ پر امراء کرنا (یعنی گناہ کے بد تو بہ نہ کرنا) اس گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے خواہ وہ گناہ کسی درجہ کا ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ گناہ کرنے کے بد تو بہ نہ کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ شخص اس گناہ کو معمولی اور بے وقعت سمجھتا ہے اور اس کا یہ عمل اس بات کا مظہر ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ کرنے کو اہمیت نہیں دیتا اور ان احکام کی پرواہ نہیں کرتا اور شریعت کو معمولی اور بے وقعت سمجھتا اور اس سے لاپرواہی برتنا یہی گناہ کبیرہ ہے۔

گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی تفصیل اور تحقیق میں کلام طویل ہو گیا۔ اب ہم پھر اصل بحث یعنی شہادت کی شرائط کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

نفس شہادت کے اعتبار سے شرائط (۱) مدعی یا اس کے نائب کی جانب سے شہادت دی جائے۔ (ج) شہادت دعویٰ کے موافق ہو۔

(ج) شاہدین متفق ہوں۔

(د) شاہدوں کا عدد نصاب کے مطابق ہو۔

(۴) حدود میں گواہی دینے والے مرد اور مسلمان ہوں۔

(۵) جب مدعی علیہ مسلمان ہو تو گواہ بھی مسلمان ہوں۔ (البحر الرائق)

(۶) مشہور و معلوم ہو کہ کسی مجہول چیز کی شہادت دینا جائز نہیں ہے، نہ مجہول شخص کے حق میں شہادت جائز ہے۔

(۷) ذنا پر شہادت: اس میں چار مردوں کی شہادت معتبر ہے۔

نصاب شہادت کی اقسام (۱) بقایا حدود اور قصاص میں شہادت: اس میں دو مردوں کی شہادت

معتبر ہے اور اس میں عورتوں کی شہادت معتبر نہیں ہے۔ (ہدایہ)

(۳) ولادت، بکارت اور عورتوں کے عیوب سے متعلق امور پر شہادت، جن امور پر مرد مطلع نہیں

ہو سکتے: ان میں ایک مسلمان، آزاد، عادلہ عورت کی شہادت بھی قبول کی جاتی ہے اور اگر دو عورتیں ہوں تو بہتر

۱۴۔ علامہ ابو مسدد احمد بن محمد بن احمد مالکی قرطبی ترمذی ۶۸۵ھ، احکام القرآن ج ۵ ص ۱۵۹، مطبوعہ انتشارات نامہ سرور ایران، ۱۳۸۷ھ

۱۵۔ علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسی ترمذی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۲ ص ۲۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

ہے۔ (فتح القدیر) ان امور میں اگر کوئی مرد گواہی دے اور کہے کہ اچانک میری نظر پر گمنی حق تو اس کی شہادت قبول کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ عادل ہو۔ (مسوطی)۔ یہ امر ایک آدمی کی شہادت سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ (نہایہ)۔

(۴) بغیر حدود اود قصاص کے وہ امور جن پر حدود مطلع ہوتے ہیں: اس میں دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت شرط ہے۔ عام ازیں کہ حق مال ہو یا غیر مال ہو جیسا کہ نکاح، طلاق، وکالت، وصیت وغیرہ جو مال نہیں ہیں۔ (تبیین الحقائق) اور وہ امور جن پر کامل سزا موتوں ہوتی ہے یعنی احسان، سو چارے نزدیک احسان بھی ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہو جاتا ہے۔ لہ

جانب داری کی تہمت کی بناء پر جن کی شہادت قبول نہیں کی جاتی | والدین کی شہادت اپنی اولاد یا اولادِ ذر اولاد کے حق میں قبول نہیں ہوتی، شوہر کی بیوی کے حق میں اور بیوی کی شوہر

کے حق میں شہادت قبول نہیں ہوتی (حادی) مالک کی شہادت اپنے غلام کے حق میں قبول نہیں ہوتی خواہ غلام کامل ہو یا ناقص، جو شخص کسی کا ملازم ہو خواہ اس کا مشاہدہ یرمیدہ ہو، مالانہ ہو یا سالانہ اس کی مالک کے حق میں شہادت، استسنا قبول نہیں کی جائے گی، مالک کی فکر کے لیے کام کے بارے میں شہادت قبول نہیں کی جائے گی، کسی خاص گارگیر کی اپنے استاد کے حق میں شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ کہ

قرآن کی شہادت | واقعاتی شہادت یا قرآن کی شہادت کی اس زمانے میں بہت اہمیت ہے۔ اسلام میں بھی قرآن کی شہادت کو ایک گہرے اہمیت دی گئی ہے، اگر کوئی اور شہادت دستیاب نہ ہو تو قرآن کی شہادت پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے اور بعض دفعہ قرآن اور واقعاتی شہادتیں دیگر شہادت کے لیے تائید اور تقریت کا باعث بنتی ہیں واقعات اور قرآن کی شہادت کی اصل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اس عورت کے گمراہوں میں سے ایک گمراہ نے
یہ گمراہی دی کہ اگر ان کا کڑتا اُگے سے پھٹا ہے تو عورت
سچی ہے اور وہ (حضرت یرسف) غلط کہنے والوں میں سے
ہیں، اور اگر ان کا کڑتا پھچے سے پھٹا ہے تو اس عورت
نے جھوٹ بولا ہے اور وہ سچوں میں سے ہیں، پھر جب ان
کا کڑتا پھچے سے پھٹا ہوا دیکھا تو کہنے لگا تو بے شک یہ تم
عورتوں کی گمراہی چال ہے۔ یقیناً تم عورتوں کی فریب کاری بہت
بڑی ہے۔

و شهد شاهد من اهلها ان كان
قبیصہ قدم من قبل فصدقت وهو من
الکاذبین ۵ وان كان قبیصہ قدما من دبر
فکذبت وهو من الصدّیقین ۵ فلما را
قبیصہ قدم من دبر قال انه من کیدکن
ان کیدکن عظیم -
(یوسف: ۲۸ - ۲۹)

اور چونکہ قرآن اور سنت میں اس طاقاتی شہادت کی کار دہ نہیں کیا گیا اس لیے ہماری شریعت میں بھی اس کا جنت ہونا برقرار ہے۔

[illegible]

قرآن اور واقعاتی شہادتوں سے شراب نوشی کا ثبوت

اسلام میں قرآن اور واقعاتی شہادتوں کا اعتبار کیا جاتا ہے اور اس پر احکام مرتب ہوتے ہیں، اگر کسی شخص کے منہ سے شراب کی بڑا کر ہی ہو تو خواہ اس کے عملات و درمیان مرد و گواہی نہ دیں تب بھی محض شراب کی بڑا کر سے اس کا شراب پینا ثابت ہو جائے گا اور اس کو سزا دی جائے گی، اسی طرح اگر اس کو شراب کی تے کرتے ہوئے دیکھا گیا تب بھی اس کا شراب پینا ثابت ہو جائے گا اور اس کو شراب کی سزا دی جائے گی، صحابہ میں سے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم نے ان واقعاتی شہادت کی بناء پر شراب کی حد جاری کی ہے۔ فقہاء میں سے امام احمد کے نزدیک شراب کی بڑا کر ثبوت پر مد لازم ہوگی (امام احمد کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں) امام مالک کے نزدیک اگر دو گواہوں سے شراب کی بڑا کر ثابت ہو گی تو اس پر شراب نوشی کی حد ہوگی، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک شراب کی بڑا کر بناء پر حد تو نہیں ہے لیکن وہ اس پر تفسیر لازم کرتے ہیں۔ پہلے ہم اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے آثار صحابہ پیش کریں گے اور پھر اقوال فقہاء بیان کریں گے۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

سائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی

عن السائب بن یزید ان عمر کان

یضرب فی الریح۔

اللہ عنہ شراب کی بڑا کر مارتے تھے۔

مالک بن عمیر حنفی بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس

عن مالک بن عمیر الحنفی قال اتی عمر

بأین مفلعون قد شرب خمرًا، فقال: من

ابن مفلعون کو اس الزام میں لایا گیا کہ اس نے شراب پی ہے،

شہودك؟ قال فلان وفلان وغیاث

حضرت عمر نے پوچھا تمہارے گواہ کون ہیں، اس نے کہا

بن سلمة وکان یسعی غیاث الشیخ

فلان، فلاں اور غیاث بن سلمہ غیاث کو سچا کہا جاتا تھا،

الصدوق فقال: آیتہ یقیہا ولم یرا

اس نے کہا میں نے اس کو شراب کی تے کرتے ہوئے

یشربها فیجلده عمر الحد۔

دیکھا ہے، شراب پیتے ہوئے نہیں دیکھا۔ حضرت عمر نے

اس پر شراب کی حد جاری کر دی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی قرآن کی شہادت کے قائل تھے جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے،

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

علقہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود

عن علقمة قال اتی عبد اللہ الشام فقال له

ناس من اهل حمص اقرأ علینا فقرأ علیهم

رضی اللہ عنہ تلاوت شام گئے، آپ سے مجلس داروں نے کہا ہمیں

سورة یوسف فقال رجل من القوم والله

قرآن جمید سنائیں، آپ نے ان پر سورہ یوسف تلاوت کی، ان

ما هکذا ۱۱ نزلت فقال عبد اللہ ویحک واللہ

لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: بخدا یہ سورت اس طرح نازل

لقد قرأتها علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ

نہیں ہوئی ہے! حضرت ابن مسعود نے کہا تجھ پر انہوں نے

وسلم هکذا فقال احسنت فبینا هو یراجعه

بخدا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس سورت

۱۷۵۔ حافظ ابوبکر عبد اللہ بن محمد ابی شیبہ عینی مترقی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۳۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

۱۷۶۔ حافظ ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ عینی مترقی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۳۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

اذ وجد منه ريح الخمر فقال انتشراب الوجس
وتكذب بالقراءان والله لا تراولني حتى
اجلدك فجلده الحد - ۱۷۹

کو اسی طرح پڑھا تھا تو آپ نے فرمایا: تم نے اچھی قرأت کی، جس وقت یہ بحث ہو رہی تھی اچانک اس کے منہ سے خر (شراب) کی بو آئی، حضرت ابن مسعود نے فرمایا: تم ناپاک شراب پیتے ہو اور قرآن کی تکذیب کرتے ہو؛ بھلا! میں تم کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ تم پر حد نہ لگا دوں، پھر حضرت ابن مسعود نے اس پر حد لگا دی۔

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ۱۸۰

اس حدیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی شراب کی بو کی بنا پر حد جاری کر دیتے تھے۔ اور یہ واقعاتی شہادت کا اعتبار کرنے پر واضح دلیل ہے۔

آخرا صحابہ پیش کرنے کے بعد اب ہم اس مسئلہ پر اقوال فقہاء کا ذکر کریں گے۔ امام احمد کے ایک قول کے مطابق شراب کی بو کے ثبوت سے حد لازم ہو جاتی ہے، امام مالک کے نزدیک اگر دو گواہوں سے شراب کی بو ثابت ہو جائے تو حد ہوگی اور امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک محض بو کے ثبوت سے حد لازم نہیں ہوگی۔ اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ واقعاتی شہادت کی بنا پر شراب کی حد لگائی جاسکتی ہے۔

پھر چند فقہاء احناف کے نزدیک محض شراب کی بو پائی جانے سے یا کسی کو شراب کی تہ کرتے دیکھنے سے اس پر حد لازم نہیں ہوتی جب تک کہ وہ شراب پینے کا اقرار نہ کرے یا دو گواہ اس کے شراب پینے کی گواہی نہ دیں لیکن فقہاء احناف کے نزدیک بھی ایسے شخص کو تنزیہی سزا دی جاسکتی ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں کہ:

لا احتمال انہ شربھا مکرھا او مضطرا

فلا یجب الحد بالشك و اشار الى انہ لو

وجد سکران لا یحد من غیر اقرار و لا

بینة لا احتمال ما ذکرنا و انہ سکر من

المباح بحولکنہ یعزس بمجود الريح

او السکر كما فی القهستانی - ۱۸۱

کیونکہ یہ احتمال ہے کہ اس کو جبراً شراب پلائی گئی ہو یا اس نے مجبوراً شراب پی ہو لہذا اس شک کی بنا پر حد واجب نہیں ہوگی، مصنف نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اگر کوئی شخص نشہ میں پایا گیا اور اس کے شراب پینے پر گواہی قائم ہوئی اور اس نے اقرار کیا تو اس احتمال کی وجہ سے اس پر حد نہیں ہوگی اور الجملہ الاثنی میں ہے کہ یہ احتمال بھی ہے کہ اس کو کسی مباح چیز کے پینے سے نشہ ہو گیا ہو، لیکن قہستانی میں ہے کہ شراب کی بو پائی جانے سے یا نشہ میں پائے جانے سے اس کو تنزیہی سزا لگائی جائے گی۔

۱۷۹۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۵-۲۲۳-۳۷۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

۱۸۰۔ حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المعنف ج ۱ ص ۳۸، مطبوعہ ادارة القرآن کراچی ۱۴۰۲ھ

۱۸۱۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۲ ص ۲۲۶، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

علامہ ابن رشد مالکی نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک مرنے کی شراب کی بڑے ثبوت سے مد لازم نہیں ہے لیکن امام مالک کے نزدیک اس پر حد ہے بشرطیکہ دو گواہ اس بات کی گواہی دیں کہ اس شخص کے منہ سے شراب کی بڑا کر ہی ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ امام احمد کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ ایک قول امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کی طرح ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اگر شراب کی بڑا کر ہی ہو یا اس کو شراب کی تہ کرتے ہوئے دیکھا جائے تو اس پر حد ہے۔ کیونکہ شہی سے روایت ہے کہ علقمہ انصاری نے قدامہ کے خلاف حضرت عمر کے سامنے شہادت دی کہ انہوں نے اس کو شراب کی تہ کرتے دیکھا ہے، حضرت عمر نے فرمایا جس شخص نے شراب کی تہ کی اس نے شراب کو پیا اور اس پر شراب کی حد لگا دی۔ اسی طرح حضرت عثمان کے سامنے ولید بن عقبہ کے خلاف ایک شخص نے شراب پینے کی گواہی دی اور دوسرے نے شراب کی تہ کرتے ہوئے دیکھنے کی گواہی دی، حضرت عثمان نے فرمایا جب تک شراب پینے کا نہیں اس کی تہ کیے کرے گا اور حضرت علی سے کہا اس پر حد لگائیں، حضرت علی نے حضرت عبداللہ بن جعفر سے حد لگانے کے لیے کہا اور انہوں نے حد لگا دی۔ (صحیح مسلم) مذکورہ اعداد وحوالہ بات سے واضح ہو گیا کہ صحابہ میں سے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود واقعاتی شہادت کی بنا پر حد لگا دیتے تھے، امام مالک کا یہی مسلک ہے اور امام احمد کا ایک قول بھی یہی ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر تہذیر ہے۔

واقعاتی شہادت اور قرآن خارجہ کے زنا کا ثبوت | زنا کا ثبوت جس طرح گواہی اور اقرار سے ہوتا ہے اسی طرح قرآن سے بھی زنا کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ ان قرآن میں سب سے واضح ترین عورت کا بغیر نکاح کے حاملہ ہونا ہے۔ احادیث میں حمل کو بھی زنا کے ثبوت کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔ امام مالک روایت کرتے ہیں:

عن عبد اللہ بن عباس قال سمعت عمر بن الخطاب يقول الرجل والنساء اذا احصن اذا قامت البينة او كان الحبل او الاعتراف۔ ۳۷

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مرد اور عورتوں میں سے جو شادی شدہ شخص بھی زنا کرے اس کے لیے قرآن مجید میں رجم کا حکم ہے، بشرطیکہ گواہوں سے زنا ثابت ہو یا (بغیر نکاح کے) حمل ہو یا ذاتی اعتراف کر لیں۔

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔

- ۳۷۔ قاضی ابوالوہید محمد بن احمد بن رشد مالکی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت۔
 ۳۸۔ علامہ سرفی الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، السنن ج ۹ ص ۱۲۹، ۱۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ۔
 ۳۹۔ امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ، مؤطا امام مالک ص ۲۸۵، مطبوعہ مطبع مجتہد پاکستان لاہور۔
 ۴۰۔ امام ابوالحسن مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۵، مطبوعہ نوریہ محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر عورت کو بغیر نکاح کے حمل ہو جائے تو یہ اس کے زنا کی واقعاتی شہادت ہے مگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کو رجم کر دیا جائے گا اور اگر کنواری ہے تو اس کو سو کوڑے لگائے جائیں گے۔

علامہ نووی شافعی اس مسئلہ میں بیان مذاہب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عمر، امام مالک اور ان کے تابعین کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی عورت، حاملہ ہو جائے اور اس کا شوہر یا مالک نہ ہو اور نہ یہ ثابت ہو کہ اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا تھا تو اس پر حد لازم ہو جائے گی الا یہ کہ وہ مسافرہ ہو یا وہ یہ دعویٰ کرے کہ اس کا کوئی شوہر یا مالک ہے، فقہاء مالکیہ نے کہا ہے اگر اس نے زنا بالجبر کے خلاف، استغاثہ نہیں کیا تھا تو ظہور حمل کے بعد جبر کا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور مجہور علماء یہ کہتے ہیں کہ فقط ظہور حمل سے حد لازم نہیں آتی خواہ اس کا شوہر یا مالک ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ مسافرہ ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ جبر کا دعویٰ کرے یا نہ کرے یا خاموش رہے حد صرف اقرار یا گواہوں سے لازم آتی ہے۔ ۱۔

علامہ ابو عبد اللہ عثمانی مالکی لکھتے ہیں کہ اگر ظہور حمل سے پہلے ایسی ملاقات پائی جائے جو حاملہ کے ساتھ زنا بالجبر پر دلالت کرتی ہوں مثلاً وہ چٹنی چلائی ہو یا خون آلودہ ہو یا ردق از رو میخی ہوئی آئی ہو اور پھر ظہور حمل کے بعد وہ زنا بالجبر کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ مستنا جائے گا ورنہ اس کا دعویٰ جبر غیر مسموع ہو گا اور اس پر حد لازم ہوگی ۲۔

امام مالک نے روایت کیا ہے کہ ایک شادی شدہ عورت کے ہاں چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہو گیا، حضرت عثمان نے اس کو رجم کرنے کا حکم دے دیا۔ بعد میں حضرت علی نے کہا قرآن مجید میں ہے وحملہ وفضلہ ثلثون شهراً (احقاف ۱۵) "عورت کا حمل اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ میں ہے" اور اس سے انھوں نے اس پر استدلال کیا کہ کم از کم مدت حمل چھ ماہ میں ہے، کیونکہ مدت رضاعت دو سال ہے۔ حضرت عثمان نے اس سے اتفاق کر کے اپنے پہلے فیصلہ سے رجوع کر دیا، مگر اس عورت کو رجم کیا جا چکا تھا۔ ۳۔

بر چند کہ حضرت عثمان نے اپنے فیصلہ سے رجوع کر دیا لیکن اس سے یہ بہر حال ثابت ہو گیا کہ ان کے نزدیک صرف ظہور حمل بھی رجم کا موجب ہے۔ اور واقعاتی شہادت کی بناء پر رجم کیا جاسکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر، حضرت عثمان اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک واقعاتی شہادت اور قرآن محدود وغیرہ میں معتبر ہیں۔

میڈیکل رپورٹ کی بناء پر زنا کا ثبوت | اگر ایک انبئی مرد اور عورت ایک کمرے سے پکڑے جائیں اور ان کے کپڑے مٹی سے آلودہ ہوں اور پکڑے جاتے وقت ان کے چہروں پر گہرا بٹ اور خجالت کے آثار ہوں اور میڈیکل ٹیسٹ کے ذریعہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ مٹی انھیں دونوں کی ہے تو کیا اس واقعاتی شہادت سے ان پر حد لازم ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں ہر چند کہ ثبوت زنا پر قوی قریب موجود ہے لیکن ان پر حد نہیں جاری کی جائے گی بلکہ ان کو تعزیری سزا دی جائے گی۔

۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۷۴۲ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۶۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۲۔ علامہ ابو عبد اللہ عثمانی مالکی متوفی ۴۲۸ھ، اکمال الکمال المسلم ج ۳ ص ۴۲۹، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت

۳۔ امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ، مؤطا امام مالک ص ۶۸۶، مطبوعہ مطبع مجتہد پاکستان لاہور۔

کیا زانی کے خلاف استغاثہ کرنے والی لڑکی پر حد قذف لگے گی؟ ایک وحشت زدہ کنہاری لڑکی جس کا

باس تار تار اور خون آلود ہے روتی اور آنسو بہاتی ہوئی پولیس کے پاس پہنچتی ہے اور کہتی ہے کہ فلاں شخص نے اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا ہے۔ اس شخص کو فوراً موقع وارطات پر گرفتار کر لیا جاتا ہے اور میڈیکل رپورٹ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اس لڑکی سے دخول کیا گیا ہے اور اس شخص کی منی اس لڑکی کے اندام نہانی میں موجود ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس قرینہ کی وجہ سے اس شخص پر زنا کی حد لازم ہو گی یا بغیر چارم دگواہوں کے اس شخص کی طرف زنا کی نسبت کرنے کی وجہ سے اس لڑکی پر حد قذف لگائی جائے گی؟ اس کا حل یہ ہے کہ ثبوت زنا کے لیے یقیناً یہ قوی قرینہ ہے لیکن اس شخص پر حد لگانے کے بجائے اس کو تہنیراً سزا دی جائے جیسا کہ فقہاء شراب کی بڑک بڑ پر شراب کی حد تو نہیں جاری کرتے لیکن تہنیراً سزا دیتے ہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ بغیر چارم دگواہوں کے کسی شخص کی طرف زنا کی نسبت کرنا قذف ہے اور اس کو تہمت لگانا ہے اس لیے اس لڑکی پر حد قذف لگنی چاہیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قذف اس وقت ہوگا جب کوئی شخص کسی کو مستہم اور بدنام کرنے کی حیثیت سے اور مسلمانوں میں ایک فحش بات کو پھیلانے کی غرض سے اس پر زنا کی تہمت لگائے، اس کے علاوہ اگر کسی غرض سے کسی شخص کسی کی طرف زنا کی نسبت کرے تو یہ قذف نہیں ہے مثلاً ایک شخص حاکم کے سامنے اعتراف جرم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اس لیے مجھ پر حد جاری کی جائے۔ اب اس کے اعتراف سے اس پر تو زنا کی حد لازم ہو جائے گی لیکن اس کے اعتراف سے اس عورت پر اس وقت تک حد لازم نہیں ہوگی جب تک کہ وہ عورت خود اعتراف نہ کرے اور اس شخص نے جو اعتراف جرم کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اس نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اور اس عورت کی طرف زنا کی نسبت کی ہے یہ قذف نہیں ہے اور نہ ان کلمات سے اس شخص پر حد قذف لازم ہوگی کیونکہ ان کلمات سے اس شخص کا مقصد اپنے جرم کا اعتراف کرنا ہے نہ کہ کسی کو بدنام اور مستہم کرنا مقصود ہے۔ اس کی نظیر یہ حدیث ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن ابی ہریرۃ وزید بن خالد الجہنی
انہما قالان رجلا من الاعراب اقی رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ
انشدک الاقصیت لی بکتاب اللہ فقال
الخصم الآخر وهو افقہ منہ نعم فاقض
بیننا بکتاب اللہ وأذن لی فقال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قل قال ان ابنی
کان عسیفا علی هذا فزنی بامرأتہ وانی
انحیرت ان علی ابنی الرجم فافتدیت
منہ بمائة شاة وولیدة فسالته اهل العلم
فاخبرونی انما علی ابنی جلد مائة

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید بن خالد جہنی رضی
اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے پاس ایک دیہاتی نے آکر کہا: یا رسول اللہ! میں
آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ میرا فیصلہ صرف کتاب اللہ
سے کریں، دوسرا شخص جو اس سے زیادہ سمجھ دار تھا اس
نے کہا: آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ
کر دیجئے اور مجھے (واقعہ) عرض کرنے کی اجازت دیجئے
آپ نے فرمایا بیان کرو، اس نے کہا میرا بیٹا اس شخص
کے ہاں مزدور تھا اور اس نے اس شخص کی بیوی سے
زنا کیا، مجھے بتایا گیا کہ میرے بیٹے کو رجم کیا جائے گا،
میں نے اپنے بیٹے کی طرف سے ایک باغی اور سو

وتعريب عام وان على امرأة هذا الرجم
فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم والذي
نفسى بيده لا قضين بينكما بكتاب الله
الوليدة والغنم رد وعلى ابنك جلد مائة
وتعريب عام اغديا انيس الى امرأة
هذا فان اعترفت فارجمها قال فعدا
عليها فاعترفت فامر بها رسول الله
صلى الله عليه وسلم فوجمت - ۱۷۰

بکریاں فدیہ دیں، پھر میں نے علماء سے پوچھا انہوں نے کہا
میرے بیٹے کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لیے جلا وطن
کیا جائے گا، اور اس شخص کی بیوی کو رجم کیا جائے گا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے
قبضہ و قدرت میں میری جان ہے۔ میں تمہارے درمیان
کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ باہمی اور بکریاں تم کو واپس
کر دی جائیں گی، اور تمہارے بیٹے کو سو کوڑے لگائے جائیں گے
اور ایک سال کے لیے جلا وطن کیا جائے گا، اے انیس!
صبح اس شخص کی بیوی کے پاس جانا اگر وہ (زنا کا) اعتراف
کرے تو اس کو رجم کر دینا، حضرت انیس صبح گئے اس عورت
نے اعتراف کر لیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کو رجم کر دیا گیا۔

اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ مرد کے والد نے کہا تیرے بیٹے نے اس شخص کی بیوی سے زنا کیا ہے، لیکن
چونکہ اس کا مقصد اپنے بیٹے کی سزا کو منہدم کرنا تھا، اس عورت کو منہدم کرنا یا اس کو سزا دلوانا مقصود نہیں تھا اس لیے
اس قول کو قذف نہیں قرار دیا گیا اور نہ صرف اس کے کہنے سے اس عورت کو رجم کیا گیا بلکہ اس عورت کے اعتراف کی بناء
پر اس کو رجم کیا گیا۔ اسی طرح جو لڑکی اظہار شکایت کے لیے یہ کہتی ہے کہ فلاں شخص نے اس کے ساتھ ظلم اور جبر
زنا کیا ہے اس کا مقصد اپنی مظلومیت کا بیان ہے، اس شخص کو بدنام کرنا اس کا مقصد نہیں ہے اس لیے اس کو مدقظ
لگے گی اور نہ صرف اس کے اس قول کی وجہ سے اس شخص کا زانی ہونا ثابت ہوگا تا وقتیکہ اس کے خلاف دوسرے دلائل
مقام ہو جائیں۔

صحیح مسلم کی اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ مطلق کسی کی طرف زنا کی نسبت کرنا قذف نہیں ہے، اس لیے استثناء
اور اظہار شکایت کے طور پر کسی مظلوم لڑکی کا یہ کہنا کہ فلاں شخص نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے قذف نہیں ہے۔ اور
اس پر دوسری دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

لا یحب الله الجهر بالسوء من القول الا
من ظلم۔ (نساء ۱۲۸)
علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عن مجاهد ان الداء لا یحب الله
سبحانه ان یندم احدا احدا او یشکوہ۔ الا
من ظلم فیجوز له ان یشکو ظالمه ویظهر
مجاہد بیان کرتے ہیں کہ اس آیت سے مراد یہ
ہے کہ کسی کی کسی کے مذمت کرنے یا اس کی شکایت کرنے
کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے لیکن مظلوم کے لیے ظالم

امروا وینکوه بسوء ما قد صنعہ وعن الحسن
والسدی وهو العروی عن ابی جعفر رضی
اللہ عنہ - ۱۰

کی شکایت کرنا اور اس کے ظلم کو ظاہر کرنا جائز ہے اور مظلوم یہ بیان کرے
کہ ظالم نے اس کے ساتھ کیا ظلم کیا ہے اور حسن اور سدس نے بیان کیا
ہے کہ ابو جعفر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔

شیخ ابن حزم متوفی ۴۵۶ھ کہتے ہیں: امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک شاید اور قاذف میں فرق نہیں ہے اور ابو ثور اور سلیمان اور
ہمارے جمیع اصحاب کے نزدیک شاید اور قاذف میں فرق ہے لہذا زنا کے شاہد پر حد نہیں لگائی جائے گی خواہ وہ اکیلا ہو یا نہ ہو، ہماری دلیل یہ
ہے کہ قرآن اور سنت میں شاید اور قاذف میں فرق کیا گیا ہے اور حد صرف قاذف پر لازم کی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ**
تُحَرِّمُوْنَ عَلَيْهِنَّ مَتَاعَ زَوْجِهِنَّ وَمَالَهُنَّ فِي الْبُيُوتِ وَهُنَّ فِي الْيَدِ وَلَا يَمْلِكْنَ شَيْءًا۔ جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور پھر چار گراہ
لائیں تو ان پر تہمت لگانے والوں کو اسی کوڑے مارو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہمت لگانے والے سے فرمایا: **الْبَيْتَةُ وَالْاِحْدَى فِي ظَهْرِكَ**
”گراہ لاؤ ورنہ تمہاری پشت پر کوڑے لگائے جائیں گے“ پس بلا شک و شبہ قرآن مجید کی نص قطعی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح ارشاد سے ثابت
ہو گیا کہ حد قاذف اور تہمت لگانے والے پر ہے، شاید اور بیعت پر حد نہیں ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **تَبَاهُ سَعْدُ** خنہ سے سوال
تمہاری عورتیں اور تمہاری کھالیں ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں جس طرح اس مہینہ میں اس دن کی حرمت ہے اور گراہ کی کھال بلا شک و شبہ حرام
ہے اور قرآن اور سنت نے گراہ اور تہمت لگانے والے میں فرق کیا ہے اس لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ایک کا حکم دوسرے پر لاگو کیا جائے یہی چیز قرآن
اور سنت سے ثابت ہے۔ اور یہی چیز اجماع سے ثابت ہے، کیونکہ بغیر کسی اختلاف کے تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ جب ایک شخص کسی کے خلاف
زنا کا گواہی دے پھر دوسرا پھر تیسرا اور پھر چوتھا قرآن چاروں پر حد نہیں ہے مگر ان کو گواہی دیتے وقت ہر ایک نے تنہا گواہی دی تھی اور کوئی پتا نہیں تھا کہ بد
میں باقی گراہ اس کی موافقت کریں گے یا نہیں! اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ اگر ایک ہندو نیک آدمی کسی کے خلاف زنا کی تہمت لگائیں اور گراہ پیش
دکری قرآن پر حد لگ جائے گی، اس اجماع سے بھی یہ ظاہر ہو گیا کہ شاید اور قاذف کے حکم میں فرق ہے۔

اور بطریق قیاس ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر شاید اور قاذف کا حکم ایک ہو تو شہادت سے زنا کبھی ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ جب ایک شخص گواہی دے گا تو وہ قاذف
قرار پائے گا اور اس پر حد لگ جائے گی اور جب دوسرا گواہی دے گا تو وہ بھی قاذف قرار پائے گا اور علیٰ ہذا القیاس، لہذا شاید اور قاذف دونوں کو ایک قرار دینا
قرآن مجید حدیث، اجماع اور قیاس جلی کے خلاف ہے۔ (رہطی ج ۱ ص ۲۶۱-۲۶۰، مطبوعہ مطبعة دار الفکر الطباعة المنيرة مصر ۱۳۵۲ھ)

شاید اور قاذف کے فرق کی بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قذف یہ ہے کہ ایک آدمی کسی شخص کو مستہم اور بدنام کرنے کی حیثیت سے
اور مسلمانوں میں ایک فحش بات پھیلانے کے سبب سے اس پر زنا کی تہمت لگائے اور اگر کسی اور شخص صحیح کی بنا پر کسی شخص کی طرف زنا کی نسبت کی جائے تو یہ قذف
نہیں ہے جس طرح حضرت امیر نے اپنے نفس پر زنا کا قول کیا اور اپنے اور پھر جاری کرنے کا مطالبہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ تم ایک
عقیقہ پر زنا کی تہمت لگا رہے ہو یا جب عیسیٰ (مزدور) کے باپ نے کہا کہ میرے بیٹے نے اس شخص کی بیوی سے زنا کیا ہے تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے اس شخص
کی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی ہے، اس سے واضح ہو گیا کہ مطلقاً کسی کی طرف زنا کی نسبت کرنا قذف نہیں ہے سراسر اصول پر ہم یہ کہتے ہیں کہ
اگر کسی عورت کے ساتھ جبراً اور ظلماً زنا کیا گیا ہو اور قرائن سے اس کا مظلوم ہونا ثابت ہو تو اس کے استثناء کو قذف نہیں قرار دیا جا
جائے گا یہ اور بات ہے کہ محض اس عورت کے قول کی بنا پر اس شخص کو زانی نہیں قرار دیا جائے گا ہاں اگر دیگر قرائن اور دلائل سے اس کا جرم
ثابت ہو جائے تو اس کو تہذیباً سزا دی جا سکتی ہے، چونکہ ہم نے اپنی تقریر میں اس عورت کی مظلومیت کے مدلل ہونے کی قید لگائی ہے اس لیے

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ پھر تو ہم عورت جس مرد سے دشمنی رکھے اس کے خلاف عدالت میں زنا بالجبر کا مقدمہ دائر کر سکتی ہے۔
امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن اشعث عن الحسن انه سئل عن المرأة تعلق بالرجل فتقول: فعل بي، فقال الحسن: قد فت رجلا من المسلمين، عليها الحد قال: وقال ابراهيم هي طالبة حق، كيف تقول - له

اشعث بیان کرتے ہیں کہ حسن بصری سے سوال کیا گیا کہ ایک عورت نے کہا کہ ایک مرد نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے، حسن نے کہا اس لیے ایک مسلمان مرد پر تہمت لگائی ہے اس پر حد تفت ہوگی۔ ابراہیم نخعی نے کہا کہ وہ اپنی حق کا مطالبہ کر رہی ہے، تم کیا کہہ رہے ہو یعنی اس پر حد تفت کس طرح لازم کرتے ہو؟

اس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم نخعی کے نزدیک بھی یہ تفت کی ضرورت نہیں ہے ناس طور پر ایسے شکل میں جبب، قرائن غازیہ اور واقعاتی شہادتیں بھی عورت کی مظلومیت پر دلالت کرتی ہوں، نیز اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ قرآن اور سنت میں جہاں زنا کے ثبوت کے لیے چار مرد گواہوں کی شرط لگائی گئی ہے وہ سب ایسے واقعات ہیں جہاں ایک تیسرا شخص کسی مرد اور عورت کے بارے میں یہ تہمت لگانے کے انھوں نے باہمی رضامندی سے زنا کیا ہے۔ قرآن مجید یا کسی صحیح حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ کسی عورت کے ساتھ ظلم اور جبر کے ساتھ زنا کیا گیا ہو اور ایسی صورت میں بھی وہ عورت حاکم سے اپنی مظلومیت کو مزید چار مرد گواہوں کے بیان نہیں کر سکتی اور اپنی دادرسی کے لیے کوئی چارہ اختیار نہیں کر سکتی اور اس سائنٹنگ اور ترقی یافتہ دور میں جب کہ میڈیکل رپورٹ کے ذریعہ اس عورت کے بیان کی تصدیق ہو جائے تو اس مرد کو تفریری سزا دی جانی چاہیے اور اس عورت پر حد تفت نہیں ہوگی۔
بعض دیگر فقہاء نے بھی شاید اور قاذوف میں بھی فرق کیا ہے ہاں طور کہ بڑے شہادت دینے سے ایسے ہی کی طرف زنا کی نسبت کرتا ہے اس کو قاذوف نہیں کہا جائے گا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے لکھا ہے کہ ابوہریرہ نے اس میں دو روایتیں ذکر کی ہیں اور امام شافعی کے بھی اس میں دو قول ہیں (المختار ج ۹ ص ۳۳) امام راوی لکھتے ہیں:

لو شهد على الزنا اقل من اربعة لا يثبت الزنا وهل يجب حد القذف على الشهود فيه قولان احد هما لا يجب لانهم جاؤا مبعوثا بالشهود ولانا لوحد ونا لاشد باب الشهادۃ على الزنا لان كل واحد لا يامن ان لا يوافق صاحب فيلزمه الحد - له

اگر چار مردوں سے کم زنا پر گواہی دی تو زنا ثابت نہیں ہوگا لیکن کہا گواہوں پر حد تفت لازم ہوگی اس میں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ نہ واجب نہیں ہوتا کیونکہ وہ بطور گواہ ہیں اور اس لیے کہ اگر ہم ان پر حد تفت لازم کر دیں تو نہ پر تہمت ہوگا نہ دلائل ہوں گے نہ تہمت ہوگی اور اس کی موافقت نہ کرتی اور اس پر حد تفت لازم نہ ہوتی ہے۔

۱۔ امام ابوہریرہ رحمہ اللہ بن محمد بن ابی شیبہ ترمذی ۲۳۵ھ، مسند ج ۱ ص ۱۰۹، مجموعہ درۃ القرآن کراچی ۱۴۰۰ھ

۲۔ امام فخر الدین محمد بن قیام الدین مراد بن ابی شیبہ ترمذی ۴۰۰ھ، مشیخہ کبیر ج ۱ ص ۲۳۱، طبعہ دار عکبر بیروت ۱۳۹۸ھ

امام رازی کے اس اقتباس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاید کو تاذن اس لیے نہیں قرار دیا جائے گا کہ اس کا مقصد صرف ایک واقعہ کی حاکم کے سامنے شہادت ادا کرنا ہے، کسی شخص کو زنا کی قیمت لگا کر بدنام کرنا اور ایک فحش بات کو مسلمانوں کے درمیان پھیلا کر اس کا مقصد نہیں ہے، اسی طرح جو مظلوم لڑکی اپنے اوپر کیے ہوئے ظلم کا اظہار کرنے کے لیے حاکم کے سامنے بیان کرتی ہے کہ فلاں شخص نے اس کے ساتھ جبراً زنا کیا ہے اس کو بھی تاذن نہیں قرار دیا جائے گا، کیونکہ اس کا مقصد بھی صرف اپنی مظلومیت کا اظہار ہے۔

بجز جس طرح دوسری حد و شک اور شبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں تو شک اور شبہ کی بناء پر حد تاذن میں ساقط ہو جاتی ہے اور جس صورت سے جبراً زنا کیا گیا ہے اور وہ اپنا حق طلب کرنے کے لیے لایحب الجہر بالسوء من القول الا من ظلمہ۔ کی بناء پر استناد کرتی ہے اور بغیر چار گواہوں کے اپنا مقدمہ پیش کرنے سے تر اس آیت سے اس صورت کو شبہ کا فائدہ بہر حال ملتا ہے سو اس سے حد تاذن ساقط ہو جاتی ہے۔

دیکھیے محرم سے نکاح کر کے وطنی کرنا مکمل بوزنا ہے لیکن امام ابوحنیفہ اس کو زنا نہیں قرار دیتے، کیونکہ اس نے بغیر نکاح کے وطنی نہیں کی بلکہ نکاح کر کے وطنی کی ہے، اور ہر چند کہ محرم سے نکاح باطل ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ اس شخص کو یہ شبہ ہو کہ نکاح کی بناء پر محرم کی وطنی حلال ہو گئی۔ اس وجہ سے امام اعظم امام ابوحنیفہ اس کو زنا نہیں قرار دیتے اور اس شبہ کی بناء پر اس سے حد زنا ساقط کر دیتے ہیں جو مظلوم لڑکی اس آیت لایحب الجہر بالسوء من القول الا من ظلمہ کی بناء پر اپنی مظلومیت کا اظہار کرنے کے لیے یہ بیان کرتی ہے کہ فلاں شخص نے اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا ہے تو وہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس سے حد تاذن ساقط کر دی جائے، اس لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ اول تو اس لڑکی کا یہ قول تاذن نہیں ہے لیکن اگر اس کو بالعرض تاذن مان نہیں لیا جائے تو چونکہ وہ اس آیت کی بناء پر اپنی مظلومیت کا اظہار کر رہی ہے اس لیے اس کو شک کا فائدہ ملے گا اور اس سے حد تاذن ساقط ہو جائے گی لیکن وہ لڑکی جس شخص کے بارے میں یہ کہتی ہے کہ اس شخص نے اس لڑکی کے ساتھ جبراً زنا کیا ہے صرف اس لڑکی کے کہنے کی وجہ سے اس شخص کا زنا ثابت نہیں ہوگا جب تک کہ دوسرے دلائل مہیا نہ کیے جائیں۔

میں نے فریادی لڑکی سے حد تاذن کے ساقط ہونے پر بڑی تفصیل سے بحث اس لیے کی ہے کہ میں نے دیکھا کہ بعض ملحد اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ دیکھو اگر کسی لڑکی سے کوئی شخص جبراً زنا کرے تو وہ عدالت میں آکر اپنی مظلومیت بیان بھی نہیں کر سکتی، کیونکہ اس کے پاس چار مرد گواہ نہیں ہیں اور اگر بیان کرے گی تو اس پر حد تاذن لگے گی۔ سر میں نے اسلام کے دفاع میں یہ سطور لکھی ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ (آمین)۔

قاتل کے تعین پر واقعاتی شہادت سے استدلال بعض واقعاتی شہادتیں اور خارجی قرائن ایسے ہوتے ہیں جن سے قاتل متین ہو جاتا ہے،

مثلاً کوئی شخص کسی غالی مکان سے اس حال میں باہر نکلا کہ اس کے ہاتھ میں خون آلود چھری تھی اور وہ گھبراہٹا ہوا تھا اس کے ہاتھ میں ماکہ دیکھا گیا کہ مین اسی وقت ایک شخص ذبح کیا ہوا پڑا ہے تو اب اس بات میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ قاتل

وہی مکان سے نکلنے والا شخص ہے، اس صورت میں اس وہم کی طعن توجہ نہیں کرنی چاہیے کہ ممکن ہے اس شخص نے غرر کٹی کر لی ہو اسی طرح ایک شخص ایک مکان سے گھرائی ہوئی حالت میں باہر آیا اس کے پاس سے ایک پستول برآمد ہوا جس سے بارود کی برائری مٹی اور اس مکان میں ایک شخص پستول کی گولی سے مرہا ہوا پایا گیا اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے ثابت ہو گیا کہ اسی پستول کی گولی سے اس شخص کو ہلاک کیا گیا ہے مزید یہ کہ پستول پر اس شخص کی انگلیوں کے نشان تھے اور کسی شخص کا کوئی نشان نہیں تھا تراب اس شخص کے قاتل ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ اسی طرح بال، خرن اور انگلیوں کے نشانات سے بھی قاتل کے تعین میں مدد مل سکتی ہے، یہ سب قرائن اور واقعاتی شہادت ہیں اور اسلام میں مستبر ہیں الا یہ کہ ملزمان کسی نسبت زیادہ قوی شہادت سے اپنی برادرت ثابت کر دیں۔

علامہ ابن قیم جو زیہ لکھتے ہیں کہ شارع کا یہ مقصود نہیں ہے کہ اموال حدود اور قصاص میں کسی شخص کے دہوی کا ثبوت صرف عدم دگواہوں کے پیشین کرنے پر موقوف ہے بلکہ خلفائے راشدین اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے عمل کی بنا پر حد و ناجاری کی ہے اور شراب کو حلال دہنے کا وجہ سے شراب نوشی کا مدعاری کا ہے، اسی طرح اگر چوری شدہ مال کسی شخص کے پاس سے برآمد ہو جائے تو وہ اس کے چوری کرنے پر حمل اور شراب کے لئے کرے سے زیادہ بڑا قرینہ ہے، اور جو تاویلات اور احتمالات چوری کی نفی میں بیان کیے جائیں گے وہ سب احتمالات حمل اور شراب کی تھے میں بھی بیان کیے جا سکتے ہیں، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان شہادت کی طرقت توجہ نہیں کی جن سے صریح مشاہدہ کی تکذیب ہوتی ہے۔ لہذا امام احمد بن حنبل اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک انظار اری صورت میں کفار کو گواہ بنانا جائز ہے،

کفار کی شہادت خلا سفر میں جب کوئی مسلمان شخص موجود نہ ہو اور کسی کو وصیت پر گواہ بنانا ہو تو دو بیک خصمت کافروں کو بھی گواہ بنانا جائز ہے، امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔ امام احمد کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنَكُمْ إِذَا

حَضَرَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ

ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ إِخْوَانٌ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ

الْتَمَضَ بِتَمُ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ

(ماثد ۱۰۶: ۱۵)

مسلموں سے ہی دو گواہ بنائیے جائیں۔

علامہ شمس الدین ابن تہامہ منبلی لکھتے ہیں: اہل کتاب میں سے جب دو ذمی گواہ کسی ایسے مسافر کی وصیت پر گواہی دیں جو وفات سفر فوت ہو گیا ہو تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی اور ان سے عمر کی نماز کے بعد حلفت یا جلعے گا، ابن خلدون نے کہا ہے کہ اکثر متقدمین کا یہی قول ہے، شریک، غنمی، انزاعی اور یحییٰ بن حمزہ نے اس کی تصریح کی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما اسی کے مطابق فیصلہ کرتے تھے، امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی نے کہا ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ جن کی گواہی وصیت کے علاوہ قبول نہیں کی جاتی ان کی گواہی وصیت میں بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ اور جب اس صورت میں فساد کی گواہی قبول نہیں کی جاتی تو کفار کی گواہی بطریق اولیٰ نہیں قبول کی جائے گی اور اس آیت کے جواب میں انہوں نے کئی تاویلات کی ہیں، ایک تاویل یہ ہے کہ اس آیت سے تحمل شہادت مراد ہے۔

۱۔ علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر المردت باب القیم المجزئہ مرقی ۵۱، حوالہ اعلام المؤمنین ج ۱ ص ۱۰۳ مطبوعہ مارة حریک لبنان۔

اداد شہادت مراد نہیں ہے، دوسری تاویل یہ ہے کہ من غیر کم سے وہ مسلمان شخص مراد ہیں جو مسافر کے رشتہ دار نہ ہوں، اور ایک تاویل یہ ہے کہ شہادت سے مراد قسم ہے۔ علامہ ابن قدامہ کہتے ہیں اور ہماری دلیل سورہ مائدہ (۱۰۶) کی زیر بحث آیت کا ظاہری معنی ہے۔ لے

علامہ قرطبی مالکی کہتے ہیں اس آیت کی تفسیر میں تین قول ہیں:

قول اول اس آیت میں حکم کی تعمیر سے مسلمان مراد ہیں و اخوان من غیر کم سے کافر مراد ہیں اس تفسیر کی بناء پر سفر میں وصیت کے متعلق اہل کتاب کی شہادت جائز ہے اور آیت کے سیاق اور احادیث کی روشنی میں یہی تفسیر زیادہ صحیح ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ بن قیس (علامہ قرطبی نے عبداللہ بن قیس ہی لکھا ہے لیکن صحیح عبداللہ بن مسعود ہے۔ سیدی) اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی موقف ہے، اور فقہاء تابعین میں سے سید بن المسیب، یحییٰ بن یمر، سعید بن جبیر، ابو مجلز، ابراہیم، شریک، عبیدہ سلمانی، ابن سیرین، مجاہد، قتادہ اور سدی وغیرہم کا بھی نظریہ ہے۔ اور بعد کے فقہاء میں سے سفیان ثوری، ابو عبیدہ القاسم بن سلام اور امام احمد بن حنبل کا بھی مسلک ہے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا جب مسلمان نہ ہوں تو ذی کافروں کو مسلمانوں پر گواہ بنانا جائز ہے، کیونکہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت مسلمان صرف مدینہ میں تھے اور وہ ذی کافروں، بت پرستوں اور دوسری قسم کے کافروں کے ساتھ سفر کرتے تھے حضرت ابو موسیٰ اور شریک وغیرہ کے مذہب پر یہ آیت حکم ہے۔ (یعنی منسوخ نہیں ہے)۔

قول ثانی زید بن اسلم، یحییٰ، امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ وغیرہم کا یہ نظریہ ہے کہ ”و اخوان من غیر کم“ منسوخ ہے البتہ امام ابو حنیفہ یہ کہتے ہیں کہ کفار کی آپس میں گواہی جائز ہے۔ ان فقہاء نے ممن ترضون من الشہداء - ”جن گواہوں کو تم پسند کرو“ اور واشہدوا ذوی عدل منکم ”اپنوں میں سے نیک لوگوں کو گواہ بناؤ“ سے استدلال کیا ہے یہ کہتے ہیں کہ آیت مزینہ (جس میں ممن ترضون من الشہداء ہے) سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے اور یہ سورہ مائدہ کی اس آیت (۱۰۶) کی ناسخ ہے۔ اور نیز اس لیے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ فساق کی شہادت جائز نہیں ہے اور کفار فساق ہیں اس لیے ان کی شہادت جائز نہیں ہے۔

علامہ قرطبی جہور کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ہر چند کہ جہور کے دلائل صحیح ہیں لیکن مفسرین وصیت کے متعلق ذمیوں کی مسلمانوں کے بارے میں شہادت جائز ہے اور یہ خاص اس صورت میں ہے جب مسلمان گواہ نہ مل سکیں تو ضرورت کی بناء پر اہل ذمہ کو گواہ بنانا جائز ہے، اور جب مسلمان گواہ میسر ہوں تو پھر جائز نہیں ہے۔ اور اس آیت کے نزول کے موقع پر جو صحابہ حاضر تھے ان میں سے کسی نے سورہ مائدہ کی آیت کے منسوخ ہونے کا قول نہیں کیا۔ اور تین صحابہ نے یہ تصریح کی ہے کہ سفر میں جب مسلمان نہ ملیں تو وصیت کے بارے میں کافروں کو گواہ بنانا جائز ہے۔ اور ان صحابہ کے نظریہ کی تقویت اس سے ہوتی ہے کہ سورہ مائدہ سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے اور حضرت ابن عباس اور حسن بصری وغیرہما نے کہا ہے کہ سورہ مائدہ کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی ہے۔ جہور نے اس آیت کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ کسی آیت کے منسوخ ہونے کا قول اس وقت کیا جاتا ہے جب وہ ایک دوسرے کے اس طرح متضامی ہوں کہ ان کو جمع کرنا ممکن

لے۔ علامہ شمس الدین عبدالرحمن بن ابی عمر محمد بن احمد بن قدامہ مثلی متوفی ۶۸۲ھ الشرح الکبیر ج ۱۲ ص ۳۶-۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ

نہ ہو جبکہ ان آیات کو جمع کرنا ممکن ہے کیونکہ معن ترضون من الشہداء اور و الشہدوا ذوی عدل منکم مالت۔
اختیار پر غمخول ہیں یعنی جب سفر اور ضرورت کا موقع نہ ہو اور مکررہ مائدہ کی یہ آیت سفر میں مالت ضرورت پر محمول ہے۔ نیز اس
لیے کہ کبھی کوئی کافر مسلمان کے نزدیک قابل اعتماد اور پسندیدہ ہوتا ہے، لہذا وہ ممن ترضون کے خلاف نہیں ہے اور یہ
ثابت نہیں ہوا کہ ممن ترضون من الشہداء۔ سورہ مائدہ کی اس آیت کے لیے نا صحیح ہے۔

قول ثالث زہری، حسن اور عکرمہ نے کہا ہے کہ سورہ مائدہ کی یہ آیت (۱۸۶) منسوخ نہیں ہے لیکن منکم اور اذ اتحوا ان
من غیر کم میں مضاف محذرت ہے یعنی من غیر کم، اور اتحوا من غیر کم، اور اتحوا من غیر کم اور
آیت کا صحیح اس طرح ہے: ”جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور وہ وصیت کرنا ہو تو اس کا نصاب شہادت یہ ہے کہ
تمہارے رشتہ داروں میں سے دو ذی بک آدمی گواہ بنائے جائیں اور اگر وہ سفر میں ہو اور اس کی موت کی مصیبت، آپہنچے تو رشتہ دار
کے غیر سے ہی دو گواہ بنالیں۔“ لیکن اس تفسیر پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
یا ایہا الذین آمنوا۔ اے ایمان والو! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منکم اور غیر کم سے مسلم اور غیر مسلم
ہی مراد ہیں۔ لہ

اچانک پیش آنے والے واقعات اور اضطراری امور میں دو عورتوں کو گواہ بنانے کی بحث

علامہ قرطبی مالکی کے اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء حنبلیہ کی طرح علامہ قرطبی مالکی بھی اس کے قائل ہیں کہ اضطراری
مورت اور مجبوری کی حالت میں کسی معاملہ پر کفار کو بھی گواہ بنایا جاسکتا ہے اور جب ایسی صورت میں دو کافروں کو گواہ بنایا
جاسکتا ہے تو دو مسلمان عورتوں کو گواہ بنانا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

علامہ باجوری لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے معاملات میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا جو حکم دیا ہے وہ امتیازی
امور ہیں جن میں انسان اپنی پسند کے گواہ بناتا ہے اور سورہ بقرہ کا اس آیت (۲۸۲) کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اچانک پیش آنے
والے حادثات اور قلعے میں بھی عورتوں کو گواہ نہیں بنایا جاسکتا، کیونکہ اگر اچانک
پیش آنے والے واقعات میں عورتوں کو گواہ بنانا جائز نہ ہو تو لوگوں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے اور جب کہ سفر میں وصیت
کے موقع پر دو کافروں کو گواہ بنایا جاسکتا ہے تو دو مسلمان عورتوں کو گواہ بنانا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا لہٰذا مصنف کے نزدیک
یہ اسلام کے اس عام اصول کے مطابق ہے کہ حالت اختیار میں جو شرائط ہوتی ہیں وہ حالت اضطرار میں لاگو نہیں ہوتیں۔ اس لیے
اچانک پیش آنے والے واقعات اور اضطراری امور میں دو عورتوں کو گواہ بنانا جائز ہے۔

عورت کی شہادت کی تحقیق حدود اور قصاص میں عورت کی شہادت جائز نہیں ہے اور کاروباری میں دین اور قرض
کے معاملات میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں سے کم کی گواہی جائز نہیں ہے، اس

۱۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۸۵ھ، المجامع لاحکام القرآن ج ۶ ص ۳۵۱-۳۵۹، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو دہلی، ۱۳۸۴ھ

۲۔ علامہ جمال الدین محمد مفتی رسول الباجوری المرأة فی نکاح الاسلامی ج ۲ ص ۵۵-۵۴، مطبوعہ مطابع جامعہ الموصل بغداد، ۱۹۸۶ھ

وجہ سے منافقین، اسلام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے حدود اور قصاص میں عورت کی شہادت کا اعتبار نہ کر کے عورت کی حق تلفی کی ہے اور معاملات میں عورت کی شہادت کو نصف قرار دے کر عورت کو اوصاف انسان قرار دیا ہے مگر یا اسلام کے نزدیک عورت مکمل انسان نہیں ہے اور حدود اور قصاص میں چونکہ اس کی شہادت اصلاً جائز نہیں ہے اس لیے ان مقدمات کے لحاظ سے عورت کا درجہ نصف انسان ہونے سے بھی ساقط ہو گیا !

اس سوال کا جواب دیے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ عورت کی شہادت کی متعلق فقہاء اسلام کے مذاہب کو تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیں تاکہ قارئین کرام اسلام کے نقطہ نظر کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکیں۔

عورت کی شہادت کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

(۲)۔ علامہ ابن ہمام حنفی، علامہ یحییٰ بن شرف نورانی اور علامہ ابن رشد مالکی نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔
 (۲)۔ بقیۃ حدود اور قصاص میں کم از کم دو آزاد اور مسلمان مردوں کی گواہی ضروری ہے، اور عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا یہی نظریہ ہے۔

(۳)۔ عطا اور حاد سے منقول ہے کہ تین مردوں اور دو عورتوں کی گواہی سے بھی زنا ثابت ہو جائے گا اسی طرح عطا اور حاد کہتے ہیں کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی بقیہ حدود اور قصاص کے اثبات کے لیے کافی ہے۔ یہ حضرات حدود اور قصاص کو بھی اموال پر قیاس کرتے ہیں۔ ۷۶

(۴)۔ شیخ ابن حزم نے فقہاء اربعہ کے اجماع کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حدود اور قصاص میں عورت کی شہادت مطلقاً مقبول ہے۔ چنانچہ آٹھ عورتوں کی گواہی سے زنا ثابت ہو جائے گا اور بقیہ حدود اور قصاص میں ایک مرد اور دو عورتیں یا چار عورتیں گواہی دیں تو وہ ثابت ہو جائیں گے۔

(۵)۔ تمام ملازمین کا اس پر اجماع ہے کہ قرض اور کاروباری معاملات میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت جائز

علامہ مرفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ مغنلی متوفی ۶۲۰ ھ الممتحن ج ۱ ص ۱۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ ھ

۵۷۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۹۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۴۵، مطبوعہ مکتبہ نورید رضویہ سکر۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین وعلیۃ المتقین ج ۱۱ ص ۲۵۲ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعة الثالثة، ۱۴۰۵ھ

۵۰۔ قاضی ابوالوہید محمد بن احمد بن رشد ماکلی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ، بداية المجتهد ج ۲ ص ۳۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت

۵۔ علامہ سرفراز الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ عنہ علی متوفی ۶۲۰ھ/المسنی ج ۱ ص ۱۵۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

٥٤- " " " " " ، السنن ج ١ ص ١٥٢ - ١٥٥

ث۔ شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ، المحمل ۹۵ ص ۳۹۶-۳۹۵، مطبعة احیاء الطباعة المیزب، ۱۳۳۹ھ

ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اس کی تصریح کی ہے۔

(۵)۔ علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک مالی حقوق کے علاوہ میں مثلاً نکاح، طلاق، وصیت، عدۃ، حوالہ، وقف اور صلح وغیرہ میں بھی ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت جائز ہے۔ (یعنی حدود اور قصاص کے سوا تمام معاملات میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کو گواہ بنانا جائز ہے اور امام مالک اور شافعی کے نزدیک ان معاملات میں عورت کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے اور امام احمد کے اس میں دو قول ہیں۔

(۶)۔ وہ تمام ائمہ جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے مثلاً حیض، عدت، رضاعت، ولادت، بکارت اور عورتوں کے عیوب وغیرہ ان میں صرف ایک عورت کی گواہی بھی جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن چیزوں کو دیکھنے کی مرد استطاعت نہیں رکھتے ان میں عورتوں کی گواہی جائز ہے۔ (مصنف عبدالرزاق)۔ علامہ مرغینانی مفتی تھے، شارح المہذب شافعی تھے علامہ ابن قدامہ حنبلی تھے اور علامہ ابن رشد مالکی تھے وغیرہم نے اس کی تصریح کی ہے۔

مالی معاملات میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی شہادت مقرر کرنیکی وجوہات

عورتوں کی شہادت کے متعلق فقہاء اسلام کے مذاہب بیان کرنے کے بعد ہم دو چیزوں کی وضاحت کریں گے۔ ایک یہ کہ قرآن کے لین دین اور کاروباری معاملات میں ایک مرد کی گواہی کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی کو کیوں مشروع کیا گیا ہے اور دوم یہ کہ حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی کا کیوں اعتبار نہیں کیا گیا۔

سب سے پہلے یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ جس بات میں دوم دھیر نہ آنے کی صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا ہے۔ یہ اختیاری شہادت کا بیان ہے۔ یعنی یہ وہ صورت نہیں ہے کہ جب کسی ہنگامی، ناگہانی یا اضطرر واقعہ میں کسی مالی معاملہ یا کسی انسانی حق میں موقع پر موجود کسی شخص کی گواہی کو اس معاملہ یا حق کے ثبوت میں پیش کرنا ہر ایسے کسی ہنگامی اور ناگہانی واقعہ میں ایک مسلمان عورت تو الگ رہی، کفار کی شہادت سے بھی وہ معاملہ یا حق ثابت ہو جائے گا۔ قرآن مجید کی زیر بحث جس آیت میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے اس میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جب تم اپنے قصد اور اختیار سے اپنے کسی کاروباری معاملہ یا قرآن کے لین دین پر گواہ بنانا چاہو تو اپنی پسند اور مرضی سے گواہ بناؤ۔ اور وہ دو مسلمان مرد ہیں یا ایک مسلمان مرد اور دو مسلمان عورتیں ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ توسع اور اختیار کی حالت میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتیں کیوں رکھی گئی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عدالت میں مدعی علیہ کے خلاف گواہی دینا بہت بڑی جرات، حوصلہ اور دلیری کی بات ہے، کیونکہ جس فریق کے خلاف

۱۔ علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المنی ج ۱ ص ۱۵۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

۲۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۲۵۱، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۳۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۱۵۵، مطبوعہ مکتبہ شریعت علیہ عثمان

۴۔ شرح المہذب ج ۲ ص ۲۵۶۔ مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

۵۔ علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المنی ج ۱ ص ۱۶۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

۶۔ قاضی ابو الوہید محمد بن احمد بن رشد مالکی المتوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ الجہت ج ۲ ص ۳۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت

گواہی دی جاتی ہے، فطری طور پر وہ فریق اس گواہ کا دشمن ہو جاتا ہے، اصرارِ فریقِ مخالف، گواہ کو ڈراتا اور دھمکاتا ہے اور مختلف ہتھکنڈوں سے اس کو مرعوب اور متاثر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ عورتیں جب گواہی دینے کے لیے آتی ہیں تو روئے لگتی ہیں یا کو سنا شروع کر دیتی ہیں یا دکیلِ مخالف کے اعتراضات سے گھبرا کر بے ربط اور اول قول باتیں کرنا شروع کر دیتی ہیں۔

یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ عورتیں مردوں سے فطرۃً کمزور ہوتی ہیں اور ان میں مردوں کی بہ نسبت جرأت اور حوصلہ بہت کم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو سپہ سالار جنرل اور کمانڈر نہیں بنایا جاتا، امریکہ میں صدر دسے چند عورتیں پائلٹ ہیں اور بالعموم ساری دنیا میں عورتوں کو پائلٹ نہیں بنایا جاتا، غرض ہمت، ذہنی اور شجاعت کے تمام کام مردوں کے سپرد کیے جاتے ہیں اور عورتوں کو ان کاموں سے الگ رکھا جاتا ہے۔ چونکہ فریقِ مخالف کے خلاف گواہی دینا بہت جرأت اور حوصلہ کا کام ہے، اس وجہ سے اسلام نے یہ کلامِ اصالیہ اور بالذات دومردوں کے سپرد کیا ہے اور اگر کسی عقد اور معاملہ کے وقت دومردیں نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا ہے، کیونکہ عین ممکن ہے کہ عدالت میں فریقِ مخالف کی حیرت یا اس کے خوف سے عورت اپنی طبعی کمزوری سے گھبرا کر کچھ کا کچھ کہہ دے تو دوسری عورت اس کو صحیح بات یاد دلا دے اسی وجہ سے اشتراک نے فرمایا ہے:

ان تفضل احداہما فتدکر احداہما (بقرہ: ۲۸۲) دلا دے۔

علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں ضلال کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والضلال عن الشہادۃ انما ہونسیان جزء منہا و ذکر جزء و یتقی المرء حیوان بعد ذلک ضلالاً۔ اور دوسری یاد دہ رہے اور انسان سرگشتہ و حیران ہو۔ و کلام بیان کرتے ہیں کہ پچانوے فی صد مقدمات میں جب عورت گواہی کے لیے پیش ہوتی ہے تو ریاور پڑتی ہے یا گھبرا کر اول قول باتیں کرتی ہے یا کو سنا شروع کر دیتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں مرد فطرۃً قوی، جرأت مند اور دلیر ہوتا ہے اور فریقِ مخالف کے دباؤ سے مرعوب اور متاثر نہیں ہوتا اس لیے وہ عدالت میں حوصلہ ہارے بغیر ٹھیک ٹھیک گواہی پیش کرتا ہے۔ اسلام نے جو نظام حیات پیش کیا ہے وہ چونکہ فطرتِ تقاضوں سے ہم آہنگ ہے اس وجہ سے اس نے ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی رکھی ہے تاکہ گواہی کے موقع پر ان دونوں عورتوں کو ایک دوسری سے طمانیت خاطر رہے اور ڈھارس بندھی رہے اور جب عورت جو کھلا جائے اور گھبراہٹ میں کچھ کا کچھ کہنے لگے تو دوسری عورت اس کو صحیح بات یاد دلا دے۔

ایک مرد کی گواہی کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی کو مقرر کرنے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ تجارتی مال کی پیچیدگیوں میں دین کی باریکیوں اور قرض کی حرمی شرائط اور قیود سے عام طور پر مرد پوری طرح واقف ہوتے ہیں اس کے برخلاف عورت چونکہ فطری اور شرعی طور پر صرف امورِ خانہ داری کی ماہر ہوتی ہے اور عام دنیاوی معاملات میں وہ بلاہ راست ملوث

نہیں ہوتی اور نہ اس کی باریکیوں سے کما حقہ واقف ہوتی ہے۔ اس وجہ سے کسی عین دین اور معاہدہ کے وقت فریق مخالف یہ چاہتا ہے کہ اس کے معاملہ پر زیادہ سے زیادہ تجربہ کار اور اہل شخص گواہی دے اس لیے وہ چاہتا ہے کہ اولین مرحلہ میں دو مردوں کو گواہ بنایا جائے اور اگر دوم دیتسرنہ آسکیں تو ایک مرد یا دو عورتوں کو گواہ بنادیا جائے تاکہ اس کے معاہدہ پر زیادہ سے زیادہ بہتر گواہی پیش کی جاسکے اور اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لیے اس نے انسانی فطرت کے قریب گواہی کا یہ معاملہ منفر کیا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ عورت چونکہ فطرۃً منقصل مزاج ہوتی ہے اس لیے فریق مخالف کے دکیل کی جرح کے موقع پر اس کا اصل موقف سے پھسل جانا اور فریق مخالف کے دلائل سے متاثر ہو جانا زیادہ ممکن ہے اس لیے اس کو اصل موقف پر قائم رکھنے کے لیے ایک اور گواہ کی ضرورت ہے تاکہ جب وہ منقصل یا متاثر ہو کر اصل موقف سے پھسلے گئے تو دوسری گواہ اس کو سنبھال سکے اور اس کو بروقت اصل موقف یاد دلادے۔

دو امور جن میں صرف عورتوں کی گواہی معتبر ہے | مذكر المصدر بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ مالیات کے اختیار معاملات میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی مشروع اور مقرر کرنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اسلام کے نزدیک عورت آدمی انسان سے بادلہ حقیر یا کم درجہ کی مخلوق ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فطرۃً منقصل مزاج ہے یا مرد کے مقابلہ میں جرأت اور حوصلہ کم رکھتی ہے۔ یا اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ عاۃً فطرۃً گھریلو معاملات اور امور خانہ داری میں ماہر ہوتی ہے اور مالیاتی نظام کی باریکیوں اور کاروباری نزاکتوں سے واقف اور ان امور کی ماہر نہیں ہوتی اس لیے ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی مشروع اور مقرر کی گئی ہے درجن معاملات پر اس کی دسترس ہوتی ہے یعنی عورتوں سے متعلق معاملات ان میں تنہا ایک عورت کی گواہی ہی مشروع اور مقرر کی گئی ہے۔ اگر اسلام کے نزدیک عورت آدمی انسان ہوتی یا ساقط الاعتبار ہوتی تو عورتوں کے مخصوص معاملات میں صرف ایک عورت کی گواہی کو کیوں کافی قرار دیا جاتا؟ اب ہم تاریخ کے سامنے ایسی احادیث پیش کر رہے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ عورتوں کے مخصوص معاملات میں صرف عورتوں کی گواہی کافی ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عقبۃ بن الحارث قال تزوجت امرأة فجاءت امرأة فقالنا انما ارضعتكما فاتیت فذکوت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال وکیف وقد قیل دعھا عنک

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے شادی کی ایک اور عورت نے آکر کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے! میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر یہ واقعہ عرض کیا، آپ نے فرمایا: تم اس عورت کو اب نکاح میں کس طرح رکھ سکتے ہو جبکہ یہ شہادت ہو چکی ہے۔ اس عورت کو طلاق دے دو۔

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ صرف ایک عورت نے یہ شہادت دی کہ اس نے حضرت عقبہ بن عارض رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ کو دودھ پلایا ہے اور صرف اس ایک عورت کی شہادت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ بن عارض کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں، ہر چند کہ فقہاء اخاف اور دیگر ائمہ کے نزدیک یہ حدیث استنباب پر معمول ہے، اور رضاعت میں صرف ایک عورت کی شہادت پر فیصلہ کرنا واجب نہیں ہے تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رضاعت میں ایک عورت کی شہادت پر فیصلہ کر دیا۔

بیز جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مرد جن امور کو دیکھنے کے شرعاً مجاز نہیں ہیں ان امور میں تنہا عورتوں کی شہادت پر فیصلہ کر دیا جائے گا بلکہ صرف ایک عورت کی شہادت پر بھی فیصلہ کر دیا جائے گا۔ امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

قال ابن جريج: قال ابن شهاب مضت السنة في ان تجوز شهادة النساء ليس معهن رجل فيما يلين من ولادة المرأة، واستهلال الجنين، وفي غير ذلك من امر النساء الذي لا يطلع عليه ولا يليه الا هن، فاذا شهدت المرأة المسلمة التي تقبل النساء فما فوق المرأة الواحدة في استهلال الجنين جازت بـ

ابن جريج بیان کرتے ہیں کہ ابن شہاب نے کہا: اس بات پر سنت کے مطابق عمل ہوتا ہے کہ عورتوں کے بچہ جننے، نومود کے روئے اور عورتوں کے ان معاملات میں جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے اور صرف عورتیں ہی ان معاملات کی گہبان ہوتی ہیں، ان میں صرف عورتوں کی شہادت جائز ہے پس جب بچہ جننے والی ایک مسلمان عورت گواہی دے یا ایک عورت سے زیادہ عورتیں نومود کے روئے کی گواہی دیں تو یہ شہادت جائز ہے۔

نیز امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں کہ:

عن ابن شهاب ان عمر بن الخطاب اجاز شهادة امرأة في الاستهلال بـ

ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے نومود کے روئے میں ایک عورت کی شہادت کو جائز قرار دیا۔

عن القعقاع بن حكيم عن ابن عمر قال: لا تجوز شهادة النساء الا على ما يطلع عليه الا هن من عورات النساء وما يشبه ذلك من حملهن وحيضهن بـ

قعقاع بن حکیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تنہا عورتوں کی شہادت حمل اور حیض وغیرہ صرت ان امور میں جائز ہے جن پر مرد ہی مطلع ہوتی ہیں۔

عن الشعبي والحسن قال: تجوز شهادة المرأة الواحدة فيما لا يطلع عليه الرجال بـ

امام شعبی اور حسن بدی نے کہا کہ جن امور پر مرد مطلع نہیں ہوتے ان میں ایک عورت کی شہادت بھی جائز ہے۔

۱۔	امام عبد الرزاق بن ہمام صنفی مترقی ۲۸ ص ۳۳۳، المصنف ج ۸ ص ۳۳۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ۔				
۲۔	”	”	”	”	”
۳۔	”	”	”	”	”
۴۔	”	”	”	”	”

عورت کی شہادت کو نصف شہادت قرار دینے کی حکمتیں!

سے یہ واضح ہو گیا کہ جو امور مردوں کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں، ان میں صرف ایک عورت کی شہادت پر بھی فیصلہ کرنا جائز ہے اس لیے یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کہ مالی معاملات کی اختیاری گواہی میں چونکہ ایک مرد کی گواہی کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی رکھی گئی ہے اس لیے اسلام نے عورت کو آدھا انسان قرار دیا ہے یا اس کی گواہی کو کمتر قرار دیا ہے اگر اسلام کے نزدیک عورت آدھا انسان ہوتی یا وہ ذلیل اور حقیر ہوتی تو ان معاملات میں صرف ایک عورت کی گواہی پر فیصلہ کا مدار کیوں رکھا جاتا؟

اگر مرد پر اعتراض کریں کہ بعض نسوانی معاملات میں ان کی شہادت اصلاً مستبر نہیں ہے، جبکہ ان معاملات میں عورتوں میں سے ایک عورت کی گواہی قبول کر لی جاتی ہے تو مردوں کو اسلام نے بالکل سا قتلہ اعتبار کر دیا اور ان کو آدھے انسان کا درجہ بھی نہیں دیا تو کیا مردوں کا یہ اعتراض درست اور معتدل ہو گا؟ نہیں! بلکہ یہی کہا جائے گا کہ جن دنیاوی معاملات میں مردوں کو شہادت کی اہلیت ہے وہاں مردوں کی شہادت قبول کی جاتی ہے اور جن نسوانی معاملات میں عورتیں شہادت کی اہل ہیں وہاں عورتوں کی شہادت قبول کی جاتی ہے، اسلام نے جس صنف کی شہادت کا جس جگہ اعتبار کیا ہے وہ عین حکمت اور فطرت کے مطابق ہے سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

مزید غور فرمائیے کہ اثبات زنا میں دو کے بجائے چار مردوں کی گواہی مقرر کی گئی ہے اب کیا مرد یہ کہہ سکتے ہیں کہ جناب ہماری گواہی تو آدمی کر دی گئی ہے کیونکہ باقی حدود اور معاملات میں دو مردوں کی گواہی کافی ہوتی ہے اور اب زنا میں بجائے دو کے چار مردوں کی گواہی ضروری قرار دی گئی ہے تو گویا دو مردوں کو ایک کے قائم مقام کیا ہے اور یہ مرد کو آدھا انسان قرار دینا ہے! اس کے جواب میں بھی یہی کہا جائے گا کہ چونکہ زنا کی سزا بہت سخت رکھی گئی ہے جس میں شادی شدہ زانی کو رجم کر دیا جاتا ہے اس لیے اس کے ثبوت کی بھی کڑی شرط رکھی ہے اور ثبوت زنا کو چار مسلمان مردوں کی گواہی پر موقوف کیا گیا ہے۔

پھر یہ چیز بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ شہادت دینا کوئی حق یا انعام نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو عورتیں کہہ سکتی تھیں کہ ہمارا حق کم کر دیا گیا ہے، عدالت میں جا کر نہایتی مخالفت کے خلاف گواہی دینا اور اس کی دشمنی مول لینا یہ تو ایک ابتلا اور معیبت ہے، بعض اوقات شہادت دینے کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر جانا پڑتا ہے اور سفر کی مصائب اٹھانی پڑتی ہیں، اسلام نے صنف نازک پر جیسے اور احسانات کیے ہیں کہ اس پر معاشی اور بچوں کی کنالٹ کا بوجھ نہیں رکھا، ایام حیض میں نمازوں کا مکلف نہیں کیا، حالت حیض، حمل اور رضاعت میں روزے قضا کرنے کی سہولت دی ہے اسی طرح اسلام کا عورتوں پر یہ بھلا احسان اور انعام ہے کہ اس پر شہادت ادا کرنے کا بوجھ کم سے کم رکھا ہے، حدود اور قصاص کے معاملات جن کی گواہی دینے میں زیادہ نطوہ اور مشقت ہے ان میں اس کو شہادت کا بالکل مکلف نہیں کیا اور مالی معاملات میں اس کے بوجھ کو کم کر دیا ہے اور جو بوجھ ایک مرد پر ڈالا جاتا ہے وہ دو عورتوں پر تقسیم کر دیا، الحمد للہ علی احسانہ و انعامہ۔

کیا اصلہ صفت ایک عورت گواہ ہوتی ہے اور دوسری محض اس کی معاون ہوتی ہے؟

عورت کی نصف شہادت پر مخالفین اسلام کے اعتراضات سے تنگ اگر بعض علماء نے یہ کہہ دیا کہ مالی معاملات

میں عورت کی شہادت مرد کی شہادت کے برابر ہے۔ اور دو عورتوں کو مقرر کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ دونوں عورتیں گواہ ہوتی ہیں۔ دراصل گواہ صرف ایک عورت ہوتی ہے اور دوسری عورت اسی گواہ کی محض معاون ہوتی ہے اور اس آیت سے قرآن مجید کا یہ منشاء نہیں ہے کہ لازمی طور پر دو عورتوں کو گواہ بنایا جائے۔ اس لیے اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اور عورت کی گواہی مرد کی گواہی کی نصف ہوتی ہے۔ یہ جواب قرآن مجید کی خالص تحریر سے اور سنت سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ قرآن مجید کی نص صریح سے ثابت ہے کہ دونوں عورتیں گواہ ہوتی ہیں اس لیے صرف ایک عورت کو گواہ کہنا نص قرآن کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فوجل وامواتن معن ترضون من الشہداء۔ (بقرہ ۲۸۲)

ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو۔

اس آیت میں ایک مرد اور دو عورتوں پر شہداد (گواہوں) کا اطلاق کیا گیا ہے، اور یہ دونوں عورتیں امائدہ گواہ ہیں۔ اس کے بعد اس آیت کے اگلے حصہ میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کو مقرر کرنے کی حکمت بیان کی ہے تاکہ ایک عورت گھبرا کر بھول جائے یا غلط بیان کرے تو دوسری عورت اس کو یاد دلادے۔

چنانچہ اس فکر کے مورث اعلیٰ جناب غلام احمد پر ویز بھی اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اور ایسے معاملات کے وقت اپنے میں سے دوسرے بطور گواہ بلا لیا کرو۔ اگر کسی وقت دوسرے موجود نہ ہوں تو ان میں سے جن پر فریقین رضامند ہوں، ایک مرد اور دو عورتیں بطور گواہ بلا لیا کرو۔

جناب غلام احمد پر ویز نے بھی دونوں عورتوں کو گواہ قرار دیا ہے، اس لیے یہ کہنا کہ ایک عورت گواہ ہے اور دوسری اس کی معاون ہے اور شہادت میں ایک مرد کے ساتھ صرف ایک عورت گواہ ہوتی ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت کے سراسر خلاف ہے۔

نیز بحکوت احادیث صریحہ میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے کہ عورت کی شہادت مرد کی شہادت کا نصف ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی سعید الخدری قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اضحیٰ او فطر الی المصلیٰ فمر علی النساء فقال یا معشر النساء تصدقن فانی اریتم اهل النار فقلن ویم یا رسول اللہ قال تکثرن اللعن وتکفرن العشیر ما رايت من ناقصات عقل و دین اذهب للب

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں عورتوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو! کیونکہ میں نے تم کو دوزخ میں دیکھا ہے! عورتوں نے کہا کس وجہ سے؟ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تم بکثرت لعنت کرتی ہو اور عافذ کی نافرمانی کرتی ہو، میں نے تم سے زیادہ کسی

الرجل الحازم احدكن قلن وما نقصان ديننا وعقلنا يا رسول الله قال اليس شهدا دة المرأة مثل نصف شهادة الرجل قلن بلى قال فذلك نقصان عقلها اليس اذا حاضت لم تصل ولم تصم قلن بلى قال فذلك من نقصان دينها - ۱۷

ناقص العقل والدين کو نہیں دیکھا جو مرد وانا کی عقل پر غالب آنے والی ہو! عورتوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے دین اور عقل میں کیا کمی ہے؟ آپ نے فرمایا کیا عورت کی شہادت مرد کی شہادت کی نصف نہیں ہے؟ عورتوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا یہ عورتوں کی عقل کی کمی ہے، اور فرمایا کہ جب عورتوں کو حیض آتا ہے تو وہ (ایام حیض میں) غاڑ اور روزہ نہیں چھوڑتیں؟ عورتوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا یہ ان کے دین کی کمی ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تصریح کر دی ہے کہ عورت کی شہادت مرد کی شہادت کی نصف ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب العیدین ج ۱ ص ۱۳۱، کتاب الزکوة ج ۱ ص ۱۹، کتاب الصوم ج ۱ ص ۲۶۱ اور کتاب الشہادت ج ۱ ص ۲۶۲ میں بھی بیان کیا ہے۔ امام بخاری کے علاوہ اس حدیث کو امام مسلم ثلث، امام حرمدی ثلث، امام ابو داؤد ثلث، امام ابن ماجہ ثلث، امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری ثلث، امام ذہبی ثلث، امام احمد ثلث، امام دارمی ثلث اور امام بیہقی ثلث نے بھی مختلف اسانید کے ساتھ روایت کی ہے۔ اور یہ حدیث حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

یہ حدیث چار عظیم صحابہ سے مروی ہے اور ہم نے اس حدیث کو دس اجتہاد محدثین کے حوالوں سے بیان کیا ہے، اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے ذکر کردہ اصول کے مطابق یہ حدیث حکماً متواتر ہے ورنہ اس حدیث کے مشہور ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے اور اس حدیث سے یہ ثابت ہے کہ (اختیاری مالی معاملات میں) عورت کی شہادت مرد کی شہادت کی نصف ہوتی ہے لہذا اس کا انکار کرنا کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

- ۱۷۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
- ۱۸۔ امام ابو محسن مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
- ۱۹۔ امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۴۹ھ، جامع ترمذی ص ۴۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۸۱ھ
- ۲۰۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۴۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۸۷، مطبوعہ مطبع مجتہد پاکستان لاہور، ۱۳۵۰ھ
- ۲۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۲۸۸-۲۸۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
- ۲۲۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۲ ص ۱۹۰، مطبوعہ دار البیاض للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ
- ۲۳۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۸۴۸ھ، تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۱۹۰،
- ۲۴۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۶۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعة الثانیة، ۱۳۹۸ھ
- ۲۵۔ امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ، سنن دارمی ج ۱ ص ۱۹۰، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان
- ۲۶۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۱ ص ۳۰۸، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

اثبات گناہ میں صرف مردوں کی گواہی پر قرآن مجید سے استدلال | زنا کو ثابت کرنے کے لیے چار مسلمان

کی گواہی سے زنا ثابت نہیں ہوتا ہم اثبات زنا کے نصاب شہادت کو قرآن مجید، احادیث، آثار، اجماع فقہاء اور عقل سلیم کی روشنی میں ہمیشہ کریں گے۔ سب سے پہلے اس نصاب کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات پیش کرتے ہیں۔ اللہ جلالت کبریاء کا ارشاد ہے:

۱) وَالَّتِي يَاتِيَنِ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهَدُوا عَلَيْهِنَ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ (نساء: ۱۵)
۲) وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلُدُوهُنَّ ثَمَانِينَ جَلْدَةً (نور: ۳۴)

تہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان کے خلاف اپنے مردوں میں سے چار مردوں کی گواہی طلب کرو۔
جو لوگ پاکدامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں پھر چار مرد گواہ پیش نہ کریں تو ان کو اسی گورے مارو۔

۳) لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَادْعُ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ (نور: ۱۳)

تہمت لگائے دے (یعنی تہمت پر چار مرد گواہ کیوں نہ لائے؟) سو جب دھرم گواہ دلا سکے تو (جان لو کہ) وہی لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔

سورہ نساء کی آیت (۱۵) میں اللہ تعالیٰ نے اربعۃ منکم فرمایا ہے اور اس میں مرد گواہ طلب کرنے پر دو دلیلیں ہیں اول یہ کہ عربی قواعد کے مطابق اسم عدد ثلاثہ سے لے کر عشرہ تک مذکر کے لیے قنات کے ساتھ اور مؤنث کے لیے بنیر قنات کے استعمال ہوتا ہے لہذا چار مردوں کے لیے اربعۃ کا لفظ ہوگا اور چار عورتوں کے لیے اربع کا لفظ ہوگا۔ لہٰذا اور چونکہ اس آیت میں اربعۃ کا لفظ ہے اس لیے فاستشہدوا علیہن اربعۃ کا معنی ہے: ان کے خلاف چار مرد گواہ طلب کرو۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اربعۃ منکم فرمایا ہے اور کم مخاطب مذکر کی ضمیر ہے اور آیت کا معنی ہے اپنے مردوں میں سے چار مردوں کی گواہی طلب کرو۔

سورہ نور کی آیت نمبر تین اور تیرہ میں اللہ تعالیٰ نے اثبات زنا کے لیے اربعۃ شہداء کو ضروری قرار دیا ہے اور اس میں بھی گواہوں کے مرد ہونے پر دو دلیلیں ہیں ایک یہ کہ عربی قواعد کے مطابق ثلاثہ سے لے کر عشرہ تک کی تیز مذکر ہوتی ہے اس لیے اربعۃ کی تیز مذکر ہوگی اور دوسری دلیل یہ ہے کہ شہاد شاہد کی جمع ہے اور شاہد مذکر کا صیغہ ہے۔ لہذا عربی

لے مظهر نحوی ملازم ابوالیمان اندلسی سن ۵۲۷ھ کہتے ہیں: ومن ثلثة الى عشرة على خلاف القياس اعني للمذكور بالتاء تقول ثلثة رجال الى عشرة رجال وللؤنث بدونها تقول ثلث نسوة الى عشر نسوة ثلثة سے لے کر عشرہ تک تیز غلات قیاس ہے مذکر کے لیے قنات کے ساتھ ثلاثہ رجال سے لے کر عشرہ رجال تک اور مؤنث کے لیے بنیر قنات کے ساتھ ثلاثہ نسوة سے لے کر عشرہ نسوة تک (مجاہد، مطبوعہ مطبع خیر کثیر کراچی) ایضاً (شرح جامی ص ۲۴۳ مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی)

قواعد کے مطابق ان دو وجہوں سے اربعہ شہداد کا معنی ہے چار مرد گواہ۔ اور مفسرین، محدثین اور فقہاء مذاہب اربعہ نے انہی نکاح کی بنیاد پر از روئے قرآن اثبات زنا کے لیے چار مردوں کی گواہی کو لازمی شرط قرار دیا ہے اور اثبات زنا میں عورتوں کی گواہی کو ناجائز کہا ہے۔

اربعۃ منکم سے مردوں کی گواہی پر استدلال | سورہ نسا کی آیت نمبر ۵ کی تفسیر میں اربعۃ منکم کی بنیاد پر مفسرین کو ہم نے اثبات زنا کے لیے جو چار مردوں کی گواہی کی شرط ذکر کی ہے پہلے ہم اس کا بیان کریں گے اسی کے بعد سورہ نور کی آیات کے حوالوں کو بیان کریں گے۔ مشہور نحوی علامہ ابو الحیاء اندلسی مترقی ۵۲، دیکھتے ہیں:

والظاہر انه یختص بالذکور المؤمنین لقوله اربعۃ منکم ۱۷
ظاہر یہ ہے کہ یہ گواہی مسلمان مردوں کے ساتھ خاص ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اربعۃ منکم فرمایا ہے۔
قاضی میضادی مترقی ۶۸۵، اربعۃ منکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
فاطلبوا من قذفین اربعۃ من رجال المؤمنین تشہد علیہن ۱۸
جن لوگوں نے عورتوں پر زنا کی تہمت لگائی ہے ان میں سے چار مسلمان مردوں کی ان کے خلاف گواہی طلب کر دو۔

علامہ غارن مترقی ۲۵، اربعۃ منکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
ویشترط فی ہذا الشہادۃ العدالۃ والذکور ۱۹
اس گواہی میں مردوں کی اور نیک مسلمانوں کی شرط ہے
علامہ ابوسعود مترقی ۹۸۲، اربعۃ منکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
فاطلبوا ان یشہد علیہن بآتیانہا اربعۃ من رجال المؤمنین ۲۰
ان چار مسلمان مردوں کی گواہی طلب کر دو جو ان عورتوں کے خلاف زنا کی گواہی دیں۔
علامہ آلوسی مترقی ۱۲۰، اربعۃ منکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
ای اربعۃ من رجال المؤمنین واحواہم ۲۱
یعنی چار مسلمان اور آزاد مردوں کی گواہی طلب کر دو۔

علامہ طنطاوی جوہری اربعۃ منکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
فاطلبوا من قذفین اربعۃ من الرجال ۲۲
عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے والے مردوں میں

- ۱۔ علامہ ابو الحیاء محمد بن یوسف اندلسی غرناطی مترقی ۵۵، البحر المحیط ج ۳ ص ۱۹۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ
- ۲۔ قاضی ابوالخیر عبد اللہ بن عمر میضادی شیرازی مترقی ۶۸۵، انوار التقری علی ما مشن منایۃ القاضی ج ۳ ص ۱۱۶، مطبوعہ دار صادر بیروت
- ۳۔ علامہ علی بن محمد غارن مترقی ۲۵، تفسیر غارن، ج ۱ ص ۳۵، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت
- ۴۔ علامہ ابوسعود محمد بن محمد عمادی مترقی ۹۸۲، تفسیر ابوسعود علی ما مشن التفسیر الکبیر ج ۳ ص ۹۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت

۱۳۹۸ھ۔

۵۔ علامہ ابو الغضنفر شہاب الدین محمود آلوسی مترقی ۱۲۰، روح المعانی ج ۲ ص ۲۳۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

سے اسی کے خلاف چار مردوں کی شہادت طلب کرو۔

تشہد علیہن۔

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

ان چار مسلمان اور آزاد مردوں کی گواہی طلب کرو جو ان عورتوں کے خلاف زنا کی گواہی دیں۔

فاطلبوا ان یشہد علیہن باتیاً نہا
اربعة من رجال المؤمنین و احراراً ہم۔
علامہ ابو جعفر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عورتوں کے زنا کے خلاف اپنے مسلمان مردوں میں سے چار مردوں کی گواہی طلب کرو۔

يقول افاستشهدوا علیہن بما اتین به من
الفاحشة اربعة رجال من رجالکم یعنی من المسلمین
شیخ محمد عبده لکھتے ہیں:

اربعہ کے مفہوم چار مردوں پر اطلاق کیا جاتا ہے اس لیے اس سے چار مرد مراد ہیں۔

لفظ الاربعة يطلق علی الذکور فالمراد اربعة
من رجالکم۔
علامہ احمد مصطفیٰ مراغی لکھتے ہیں:

یعنی مسلمانوں میں سے چار آزاد مردوں کی گواہی طلب کرو۔

ای اطلبوا شہادۃ اربعة رجال احرار منکم۔

تم مسلمانوں میں سے چار عاقل بالغ عادل مردان عورتوں کے خلاف گواہی دیں۔

شیخ حسین احمد عینی اربوۃ منکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
چہار مرد عاقل بالغ عادل از شمار مؤمنانید تبار ایشان گواہی
دہند۔

منکم سے مردوں کی گواہی پر استدلال
متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

منکم سے مراد ہے تمہارے مردوں میں سے۔

والمراد بقولہ منکم ای من رجالکم۔
تاجی البرکبر ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

منکم سے اس آیت میں صرت مرد مراد ہیں، نہ کہ عورتیں۔

قوله تعالیٰ منکم المراد به هنا الذکور دون
الاناث۔

۱۔ علامہ حکیم شیخ طنطاوی بوسری — البحر فی تفسیر القرآن، ج ۲ ص ۲۶، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ

۲۔ علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ، روح البیان ج ۲ ص ۱۶۶، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ، الطبعة الثانیہ، ۱۹۷۲ء

۳۔ علامہ ابو جعفر محمد بن حمزہ طبری متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان ج ۳ ص ۲۹۲، مطبوعہ مطبعۃ البابي دار الادب بصرہ، ۱۳۷۳ھ

۴۔ شیخ محمد عبده، تفسیر المنار ج ۲ ص ۲۳۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعة الثانیہ

۵۔ علامہ احمد مصطفیٰ مراغی، تفسیر المراغی ج ۲ ص ۲۰۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، الطبعة الثانیہ، ۱۳۹۲ھ

۶۔ علامہ نظام الدین حسن بن محمد بن حسین قنی نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ، غرائب القرآن ج ۲ ص ۲۰۳، مطبوعہ مطبعۃ البابي دار الادب بصرہ

علامہ قرطبی متوفی ۶۸۵ھ کہتے ہیں:
ولا بد ان يكون الشهود ذكورا لقول "منكم" له

گواہوں کا مرد ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے
منکم فرمایا ہے۔

علامہ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کہتے ہیں:
منكم اي من رجال المسلمين له

یعنی مسلمان مردوں سے۔

اربعة شهداء سے مردوں کی گواہی پر استدلال
اور سورہ قصص میں اربعة شہدائے الفاضلہات زنا میں گواہوں

کے مرد ہونے کی دلیل ہیں۔ علامہ مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ کہتے ہیں:

والشهادة في الزنا يعتبر فيها اربعة من
الرجال لقوله تعالى واللاق يا تين الفاحشة من
نساءكم فاستشهدوا عليهن اربعة منكم ولقوله تعالى
ثم لهما تو اباً ربعة شهداء له

زنا میں چار مردوں کی شہادت معتبر ہے کیونکہ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا ہے واللاق يا تين الفاحشة من نساءكم
فاستشهدوا عليهن اربعة منكم۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ثم لهما تو اباً ربعة شهداء۔

اس کی تشریح میں علامہ بابر ترقی حنفی متوفی ۸۶۲ھ کہتے ہیں:-
ولفظ اربعة نص في العدد والذكورة له

اربعة کا لفظ عدد اور ذکر ہونے کے بیان
میں نص ہے۔

علامہ ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ اس کی شرح میں کہتے ہیں:

ولان النص اوجب اربعة رجال بقوله تعالى
اربعة منكم فقبول امرأتين مع ثلاث مخالف
لما نص عليه من العدد والمعدود له

اللہ تعالیٰ کے قول اربعة منكم کی وجہ سے چار
مردوں کا واجب ہونا منصوص ہے، لہذا تین مردوں کے ساتھ
دو عورتوں کی گواہی میں اعتبار کرنا عدد اور معدود کی صریح
نص کے خلاف ہے۔

علامہ حوارزمی حنفی اس کی شرح میں کہتے ہیں:

فان قيل في هذا النص بيان جواز العمل بهذا
العدد وليس فيها بيان نفى ذلك بدون العدد

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عدد کی ان تصریحات سے
یہ ثابت ہوا کہ اس عدد کے ساتھ عمل جائز ہے لیکن اس میں

۱۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۸۵ھ البیان لاحکام القرآن ج ۵ ص ۸۲، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸ھ

۲۔ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، تفسیر جلالین ص ۷۲، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ لاہور

۳۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہارے اخیر ص ۱۵۲، مطبوعہ مکتبہ شریعت علیہ السلام

۴۔ علامہ محمد بن محمود بابر ترقی حنفی ۸۶۲ھ، عنایہ علی الشیخ فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۵۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

قلنا المقادير في الشرع لمنع الزيادة او
النقصان وهذا التقدير لا يمنع الزيادة
فلو لم يفد منع النقصان لم يبق لهذا
التقدير فائدة - ۱۰

یہ تصریح قر نہیں ہے کہ اس عدد سے کم کی گواہی جائز نہیں ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں عدد کی قیمن زیادتی یا کمی سے
منع کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ یہاں گواہوں کا زیادہ ہونا تو
منوع نہیں ہے اس لیے لا محالہ چار سے کم گواہوں کا ہونا
منوع ہوگا ورنہ اس عدد کی قیمن کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:
لفظ اربعة نص في العدد والذکور والایقبل
فيه الا اربعة رجال عدول مسلمين وهم
احرار - ۱۱

اربعة کا لفظ عدد اور مذکر ہونے کے بیان میں نص
ہے اور زنانہ میں صرف چار نیک اور آزاد مسلمانوں کی گواہی قبول
کی جائے گی۔

علامہ ذیلی حنفی متوفی ۷۴۳ھ، سورہ نسا کی آیت نمبر ۲ اور سورہ نور کی آیت نمبر ۱۳ تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:
هذه الالفاظ موضوعة للمذكورين المؤنثين
یہ الفاظ مذکر کے لیے موضوع ہیں نہ کہ مؤنث کے لیے۔

علامہ ابن نجیم حنفی متوفی ۷۶۰ھ ان آیات کو تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:
ولفظ اربعة نص في العدد والذکور - ۱۲
اربعة کا لفظ عدد اور مرد ہونے کے بیان
میں نص ہے۔

علامہ مسکین حنفی متوفی ۹۵۴ھ سورہ نسا کی آیت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:
واشتراط الاربعة مع وصف الذکور ان يحقق
معنى السترة - ۱۳
علامہ خیر حنفی متوفی ۸۸۵ھ لکھتے ہیں:

ونصابها للزنا اربعة رجال لقوله تعالى واللاق
ياتين الفاحشة من نسائك فاستشهدوا
عليهن اربعة منكم وقوله تعالى ثم لعلن يا توبوا لاربعة
شهداء - ۱۴

زنا کی گواہی کا نصاب چار مرد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا ہے: واللاق یاتین الفاحشة من نسائك ثم لعلن
فاستشهدوا علیہن اربعة منکم اور اللہ
تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثم لعلن یا توبوا لاربعة شہداء۔

- ۱۔ علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ مع فتح القدیر ج ۶ ص ۴۵۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
- ۲۔ علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ شرح الہدایہ ج ۳ ص ۳۱، مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد۔
- ۳۔ علامہ عثمان بن علی ذیلی حنفی متوفی ۷۴۳ھ، تبیین الحقائق ج ۴ ص ۲۰۸، مطبوعہ مکتبہ املادیہ لبنان
- ۴۔ علامہ زین الدین ابن نجیم سری حنفی متوفی ۷۶۰ھ، البحر الرائق ج ۴ ص ۱۲۰، مطبوعہ مطبعہ علیہ مصر، ۱۳۱۱ھ
- ۵۔ علامہ مسکین الدین ابی ہریر العزیز بلامسکین متوفی ۹۵۴ھ، شرح الکفر ج ۲ ص ۵۳، مطبوعہ جمعية المعارف المصرية مصر، ۱۲۸۸ھ
- ۶۔ علامہ ابن خلدون مصر متوفی ۸۸۵ھ، درر الحکام فی غرر الاحکام ج ۲ ص ۳۴۱، مطبوعہ مطبعہ عامر مصر، ۱۳۰۴ھ

علامہ قاری حنفی متوفی ۱۰۱۲ھ کہتے ہیں:

ونصاب الشهادة للزنا اربعة رجال، فلا يقبل فيه شهادة النساء لقوله تعالى لولا جاء وعليه باربعة شهداء وقوله ثم لم يأتوا بأربعة شهداء وقوله واللاتي يأتين الفاحشة من نسائكم فاستشهدوا عليهن اربعة منكم والمتاء لا يدخل على العدد الا اذا كان معدوداً مذكراً۔^۱

اثبات زنا کا نصاب شہادت چار مرد ہیں، لہذا اس میں عورتوں کی گواہی بالکل قبول نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لولا جاء وعليه باربعة شهداء اور فرمایا ثم لم يأتوا بأربعة شهداء۔ نیز فرمایا واللاتي يأتين الفاحشة من نسائكم فاستشهدوا وعليهن اربعة منكم۔ اور قاء عدد پر صرف اس وقت داخل ہوتی ہے جب اس کا عدد مذکور ہو۔

علامہ مرفی الدین ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ کہتے ہیں:

اجمع المسلمون على انه لا يقبل في الزنا اقل من اربعة شهود وقد نص الله تعالى عليه بقوله سبحانه لولا جاء وعليه باربعة شهداء فاذا لم يأتوا بالشهداء فاولئك عند الله هم الكذبيون۔

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ زنا میں چار مردوں سے کم کی گواہی قبول نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چار مردوں پر نص کی ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: لولا جاء وعليه باربعة شهداء فاذا لم يأتوا بالشهداء فاولئك عند الله هم الكذبيون۔

اس کے بعد علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں: عطا اور حماد نے تین مردوں اور دو عورتوں کی گواہی کو بھی جائز کہا ہے ولنا ظاهر الايتما۔ اور ہمارا استدلال اس آیت کے ظاہر سے ہے۔^۲ علامہ شمس الدین ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۸۲ھ نے بھی اسی آیت سے چار مردوں پر استدلال کیا ہے اور عطا اور حماد کا اسی آیت سے رد کیا ہے۔^۳

گیارہویں صدی کے فقیہ علامہ بھوق حنبلی کہتے ہیں:

الامر الثاني ان يشهد على الزنا اربعة رجال مسلمين عدول لقوله تعالى والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا بأربعة شهداء۔^۴ دسویں ہجری کے فقہاء میں سے علامہ شمس الدین شافعی کہتے ہیں: ويشترط للزنا اربعة رجال لقوله تعالى والذين

اثبات زنا کے لیے دوسرا امر یہ ہے کہ چار مسلمان نیک مرد زنا پر گواہی دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا بأربعة شهداء۔ اثبات زنا کے لیے چار مردوں کی گواہی شرط ہے

۱۔ علامہ بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ، شرح النفاہ ج ۲ ص ۳۱۲، مطبوعہ ایچ۔ ایم معین ایڈ کمپنی کراچی

۲۔ علامہ مرفی الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۱ ص ۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

۳۔ علامہ شمس الدین ابو عمر محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۸۲ھ، الشرح الكبير ج ۱۲ ص ۸۵-۸۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ

۴۔ علامہ منصور بن یونس بن ادہیس بھوق حنبلی، کشاف القتل ج ۲ ص ۱۰، مطبوعہ عالم الکتب بیروت۔

یرمون المحصنات ثم لم یأتوا بأربعة
شهداء۔ ۱۔
کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: والذین یرمون المحصنات
ثم لم یأتوا بأربعة شهداء۔

نصاب الشهادة فی حد الزنا اربعة لقول الله تعالى
والذین یأتین الفاحشة من نساءکم فاستشهدوا
عليهن اربعة منکم وقوله تعالى والذین یرمون
المحصنات ثم لم یأتوا بأربعة شهداء وقوله
تعالى لولا جاء و عليه بأربعة شهداء۔ ۲۔
سید سابق لکھتے ہیں:

علامہ سید بکری دہلوی شافعی لکھتے ہیں:

اربعة من الرجال۔ ای لقوله تعالى والذین یرمون
المحصنات ثم لم یأتوا بأربعة شهداء۔ ۳۔
چار مرد اس لیے شرط ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا بأربعة شهداء۔
سورہ نسا کی آیت نمبر تین
اور تیسرہ میں اللہ تعالیٰ نے

اس بات کا جواب کہ لفظ شاہد مونث کے لیے بھی مستعمل ہے

اربعة مشہدات کو ضروری قرار دیا ہے۔ اور ان آیتوں کے مرد ہونے پر دو دلیلیں ہیں ایک دلیل اربعہ کا لفظ ہے عربی قواعد کے
اقتباس سے اس کے بعد مذکور متعدد کا ذکر ہونا چاہیے اور دوسری دلیل شاہد کے لفظ ہے اور شاہد شاہد کی جمع ہے اور شاہد مذکر
کا صیغہ ہے اور یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ گواہ مذکر ہونے چاہیے۔

بعض افاضل نے یہ اعتراض کیا ہے کہ شاہد کا لفظ مذکر اور مونث دونوں میں مشترک ہے اس لیے اس لفظ سے گواہوں
کا مرد ہونا ثابت نہیں ہوگا۔ اور شاہد کے مذکر اور مونث میں مشترک ہونے پر دلیل یہ ہے کہ علامہ ابن منظور افریقی نے لکھا

ورجل شاهد وکنالک الانثی لان
اعرف ذلک انها هو فی المذکر۔ ۴۔
یہ ہے کیونکہ یہ لفظ مذکر میں زیادہ معروف ہے۔

اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ صفت علامہ ابن منظور افریقی کا شذوذ ہے باقی نفا میں شاہد کو مونث
کے لیے مستعمل نہیں لکھا، چنانچہ صراح، قاموس، صحاح، مفردات، نہایہ، مجمع بحار الانوار، منہج الادب، تہذیب الاسماء

- ۱۔ علامہ خضر بنی خطیب شافعی، منہج المحتاج ج ۴ ص ۴۲۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۲۔ علامہ سید سابق، فقہ السنۃ، ج ۲ ص ۴۲۶، مطبوعہ شرکت دار القبلة للثقافة الاسلامیہ جدہ
- ۳۔ علامہ سید ابی بکر المشہور بالسید البکری، امانۃ الطالبین ج ۴ ص ۲۴۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۴۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۳ ص ۲۳۹، مطبوعہ نشر ادب الحوقۃ قم ایران، ۱۴۰۵ھ

واللغات، لغات الحدیث، اقرب الموارد تاج الودع لاروس، منجد اصحاب اللغات یہ سب معرّات اور مستند اور تداول لغات میں اور ان میں سے کسی میں یہ نہیں لکھا کہ شاہد مومن کے لیے بھی مستقل ہوتا ہے اور جو چیز خلّات اصل اور خلّات قاعدہ ہو اس کی اہل سان سے نقل ضروری ہے صرف علامہ ابن منظور افریقی کے کہہ دینے سے کوئی چیز قاعدہ اور اصل کے خلّات ثابت نہیں ہو گی جب تک کہ باقی تمام لغات سے اس کی تائید نہ ہو، دیکھیے جس غریب کا شومہ موجود ہو اس کو خلّات قاعدہ امراۃ مشہد کہا جاتا ہے اور اس کو تمام لغات نے نقل کیا ہے اس لیے امراۃ مشہد باوجود خلّات اصل اور خلّات قاعدہ ہونے کے ثابت مانا جائے گا۔ لیکن امراۃ شاہد کسی لغت میں نہیں ہے اس لیے اس کو علامہ ابن منظور کا شدوذ کہا جائے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ علامہ ابن منظور افریقی کے برعکس علامہ شرتقی نے لکھا ہے:

(الشاہدۃ) مومن الشاہدۃ شاہدہ، شاہد کی مومن ہے۔

اور چونکہ یہ اصل کے موافق ہے اس لیے یہی صحیح ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ چونکہ مذہب اربعہ کے جید فقہاء اور محدثین نے اربعہ مشہد سے گواہی کے مرد ہونے پر استدلال کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور یہ تمام فقہاء علم اور فضل میں علامہ افریقی سے کہیں زیادہ اور ان پر مقدم ہیں اس لیے ان کا یہ استدلال اس پر دلیل ہے کہ لفظ شاہد اپنی اصل پر مذکور ہے اور علامہ افریقی کا کذلک الانشی لکھنا صحیح نہیں ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ طباعت کی غلطی ہے، علامہ ابن منظور کی عبارت میں وليس (حرف نفی) چھپنے سے رہ گیا ہے کیونکہ اس کے بعد انھوں نے دلیل دیتے ہوئے کہا ہے ”کیونکہ یہ لفظ مذکر میں معرّات ہے“ اور یہ اس کی دلیل ہے کہ شاہد مومن میں مستقل نہیں ہے نہ کہ شاہد کے مومن میں مستقل ہونے کی دلیل ہے۔ اور ”لیس“ کے بغیر یہ عبارت بے ربط ہے۔ ”لیس“ کے بعد یہ عبارت اس طرح ہوگی:

ورجل شاہد وليس کذلک الانشی لان اعرف ذلك انما هو في المذکر۔

مرد شاہد (کہا جاتا ہے) اور اس طرح مومن نہیں ہے۔

یہ مان لینے کے بعد کہ یہاں ”لفظ لیس“ چھپنے سے رہ گیا ہے نہ صرف یہ کہ علامہ منظور کی عبارت مربوط ہو جائے گی بلکہ ان کی یہ عبارت اصل اور قاعدہ کے مطابق اور باقی لغات کے موافق ہو جائے گی، میرے نزدیک یہ بہترین جواب ہے۔

ثمانیۃ ازواج سے اعتراض کا جواب ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے: **وانزلکم من الانعام ثمانیۃ ازواج** (نہ مصرعہ ۶) ”اور اللہ نے تمہارے

لیے چوپایوں میں سے آٹھ نر و مادہ (جوڑے) اتارے“ یہاں ثمانیۃ کے بعد خاص مذکور کا ذکر نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ ثلاثہ سے عشرۃ تک کا عدد، محدود مذکور کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی چیز قاعدہ کلیہ کے

لہ۔ علامہ سعید غوری شرتقی لبنانی، اقرب الموارد ج ۱ ص ۶۱۴، مطبوعہ مکتبۃ آیت اللہ العظمیٰ امیران، ۱۴۰۳ھ

سے ہر و فیسر شیخ احمد رضا ستونی ۱۴۲۸ھ نے جمع متن اللغۃ ج ۲ ص ۳۸۵ میں امراۃ شاہد لکھا ہے، لیکن ان کا لکھنا کوئی حجت نہیں ہے یہ میری صدی عیسوی کے ایک کالج کے پروفیسر ہیں کوئی لغت کے امام نہیں ہیں، انھوں نے عرب کے کسی محاورے سے استشہاد کیا ہے نہ کوئی حوالہ نقل کیا ہے اس لیے تمام معتبر اور مستند لغات کے خلّات ان کا شدوذ کوئی دلیل نہیں ہے۔ سیدی غفرلہ

جملہ خاص

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

فإن المسلمين اتفقوا على أنه لا يثبت الزنا
بأقل من أربعة عدول ذكور بله

مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ چار ذریعہ مردوں

سے کم کی گواہی سے زنا ثابت نہیں ہوتا۔

حدود اور قصاص میں عورتوں کو گواہ نہ بنانے کی عقلی وجوہات | حدود اور قصاص میں شہادت کا تحمل اور

کا تقاضا کرتا ہے کہ ظاہر حوصلہ مند اور جبری ہو اور اس کو بلا روک ٹوک ہر جگہ آنے جانے کی قدرت حاصل ہو، اور عورت چونکہ فطرتاً رقیق القلب ہوتی ہے اور قتل اور خورنیزی کے مناظر دیکھنے کی تاب نہیں رکھتی اور نہ ہی ڈرائی ٹھیکڑوں کے مواقع پر عورت عاوضہ موجود ہوتی ہے، اسی لیے اس سے یہ توقع نہیں ہے کہ وہ قاتل کے قتل کرنے کی تمام کیفیات اور جزئیات کو محفوظ رکھ سکے اور پھر جرأت اور حوصلہ کے ساتھ عدالت میں اس کو بیان کر سکے۔ نیز جس شخص کو پچاسی کی سزا دی جانی ہے اور وہ عدالت میں کھڑا موت کا منتظر ہے ہو سکتا ہے اس وقت اس کی بے چارگی پر عورت کو اپنی فطری رقت قلبی کی وجہ سے رحم آجائے اور وہ اپنا بیان بدل دے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مخالفت وکیل کے تاثر توڑ اعتراضات سے گھبرا کر الٹ سلیٹ کہہ دے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مخالفت پارٹی کے دباؤ میں آکر وہ اپنا بیان بدل دے کیونکہ قتل کے مقدمہ میں گواہی دینے کے لیے مضبوط حوصلہ اور نہایت قوت ارادہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ قوت صرف مرد ہی کو حاصل ہے۔ ایام حیض میں عورت کا ذہن منتشر رہتا ہے اور ان ایام میں اس سے صحیح جواب دی کی توقع نہیں کی جاسکتی، عمل کے ایام میں بعض اوقات عورت کا گھر سے باہر نکلنا اور سفر کرنا طبی اعتبار سے ممنوع ہوتا ہے، ہو سکتا ہے کہ جن تاریخوں میں اس کی پیشی ہو ان تاریخوں میں اس کی زندگی ہو یا عمل کے تکلیف دہ ایام ہوں، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عورت کو اس کا مکلف نہیں کیا کہ وہ حدود اور قصاص کی کڑی ذمہ داری کا بوجھ اٹھائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ قصاص اور حد زنا کے گواہوں کی گواہی کی بناء پر ایک مسلمان شخص کی زندگی اور موت کا مدار ہوتا ہے اس وجہ سے اسلام نے اس کی گواہی ہر قسم کے شکوک اور شبہات سے بالا تر رکھی ہے۔ کافر پر یہ اعتماد نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مسلمان کا غیر خواہ ہو گا اور یہ ممکن کیا جاسکتا ہے کہ اس نے مسلمان کی بدخواہی کے لیے غلط شہادت دی ہو اس وجہ سے اس باب میں کافر کی شہادت کا اعتبار نہیں کیا گیا اور عورت کی گواہی چونکہ نصف ہوتی ہے۔ اور اس کے بھولنے بھگنے اور غلطی کرنے کا امکان ہے اس وجہ سے اس کی شہادت کا بھی اعتبار نہیں کیا گیا اور مسلمان کا زیادہ حد کی شہادت کا اعتبار کیا گیا ہے۔ شہادت کے باب میں میں نے بہت تفصیل اور تحقیق کی ہے اور بہت غور و غوض کیا ہے ان گفت گتوں کی چھان بین کی ہے معاصرین علماء سے مذاکرات اور بحث و تحقیق کی اور بہت چھان بین کر لکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ لوگ عورت کی شہادت کے نصاب اور حدود و قصاص میں عورت کی شہادت کا اعتبار نہ کرنے کی وجہ سے اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو آدھا انسان قرار دیا ہے اور حدود و قصاص میں چونکہ اس کی شہادت اصلاً نہیں ہے تو گویا وہ آدھا انسان بھی نہیں ہے اس بناء پر میں نے اسلام کی حقائق واضح کرنے کے لیے شہادت کے تمام پہلوؤں کو واضح کیا تاکہ اسلام کے نظام شہادت کا فلسفہ نئی نسل کے تلامذہ میں پھر

لہ۔ تاجی ابو الوید محمد بن احمد ابن رشد مالکی شریف ۵۹۵ھ، ۱۱۹۵ھ، مجتہد ج ۲ ص ۳۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت

واضح ہو سکے اور مستتر میں کو قتل بخش جواب دے با سکیں۔
 الہ العالمین میری اس تحریر کو نفع اور بنا، مخالفین کے لیے ہدایت اور موافقین کے لیے استقامت کا سبب بنا اور میری
 اس کتاب کو میرے لیے ترشہ آخرت اور صدمہ جاریہ کر دے آمین وأخود عواناً ان الحمد للہ رب العالمین و
 الصلوٰۃ والسلام علی محمد خاتم النبیین سید المرسلین اول الشافعیین والمشفعین وعلی
 الہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امته وعلماہ ملتہ اجمعین۔

مجتہدین کے اختلاف کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو
 عورتیں اپنے اپنے بچے کو ساتھ لے کر جا رہی تھیں، اتنے
 میں بھیڑیا اُکراں میں سے ایک کے بچے کو لے گیا،
 ایک عورت نے دوسری سے کہا بھیڑیا تمہارے بچہ کو لے
 گیا ہے، دوسری نے کہا نہیں، تمہارے بچہ کو لے گیا
 ہے وہ دونوں حضرت داؤد کے پاس اپنا مقدمہ کر گئیں
 انھوں نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا، پھر وہ دونوں
 حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے پاس گئیں اور ان
 کو راجا بنایا، حضرت سلیمان نے فرمایا پھر یہی لاؤ میں اس
 بچہ کے دو کڑے کر کے تم دونوں کو دے دیتا ہوں، چھوٹی
 نے کہا نہیں، اللہ تم پر رحم کرے وہ اسی کا بچہ ہے، پھر
 حضرت سلیمان نے چھوٹی کے حق میں اس بچہ کا فیصلہ کر دیا،
 حضرت ابوہریرہ نے کہا بخدا! (چھری کے لیے) سکیں،
 کاٹط میں نے اسی دن سنا ہے۔ ہم اس سے پہلے تدبیر
 کہتے تھے۔

امام مسلم نے اس حدیث کی دو سندیں اور بیان کی ہیں
 اور کہا ان سندوں سے بھی اسی طرح روایت ہے۔

بَابُ بَيَانِ اخْتِلَافِ الْمُجْتَهِدِينَ

۴۳۸۱ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ
 حَدَّثَنَا شَبَابَةُ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنْ أَبِي
 الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ
 النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا
 امْرَأَتَانِ مَعَهُمَا ابْنَاهُمَا جَاءَ الذِّئْبُ
 فَذَهَبَ بِأَبْنٍ أَحَدَاهُمَا فَقَالَتْ هَذِهِ
 لِصَاحِبَتِيهَا إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكَ أَنْتِ وَ
 قَالَتِ الْأُخْرَى إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِي
 فَتَحَاكَمَتَا إِلَى دَاوُدَ فَقَضَى بِهِ لِلْكُبْرَى
 فَخَرَجَتَا عَلَى سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ عَلَيْهِمَا
 السَّلَامُ فَأَخْبَرَتَاهُ فَقَالَ اثْنُونِي
 بِالْبَيْكَيْنِ أَشْعُهُ بَيْنَكُمَا فَقَالَتِ الصُّغْرَى
 لَا يَرْحَمُكَ اللَّهُ هُوَ ابْنَاهُ فَقَضَى بِهِ
 لِلصُّغْرَى قَالَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ وَاللَّهِ إِنْ
 سَمِعْتُ بِالْبَيْكَيْنِ قَطُّ إِلَّا يَوْمِيذٍ مَّا
 كُنَّا نَقُولُ إِلَّا الْمُدْيَةَ۔

۴۳۸۲ - وَحَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ
 حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ يَعْنَى ابْنُ مَيْسَرَةَ الْقَنْعَانِيُّ
 عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ ح وَحَدَّثَنَا أُمِّيَّةُ
 بَنُ سَطَّامٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ مَرْثُوحٍ
 حَدَّثَنَا رَوْحٌ وَهُوَ ابْنُ الْقَاسِمِ عَنْ مُحَمَّدِ
 بْنِ عَجَلَانَ جَمِيعًا عَنْ أَبِي الزِّنَادِ بِهَذَا

اَلْاِسْنَادُ مِثْلُ مَعْلٰی حَدِیْثٍ وَرَمَقَاۗءَ۔

اس باب کی حدیث میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس بچے کا بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا، اس بچہ یہ سوال ہے کہ حضرت داؤد نے کس قرینہ کی بناء پر بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت داؤد کے خیال میں وہ بچہ بڑی عورت کے مشابہ ہو اور اس مشابہت کی بناء پر انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہو، یا بچہ بڑی عورت کے اہل حق میں دیکھ کر یہ فیصلہ کر دیا ہو۔

حضرت سلیمان کا واقعاتی شہادت سے استدلال | حضرت سلیمان نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان دونوں سے کہا کہ میں چھری سے اس بچے کے دو ٹکڑے کر دیتا ہوں تاکہ یہ دیکھیں کہ یہ فیصلہ کس پر دشوار ہوتا ہے اور جس عورت پر بچے کے دو ٹکڑے کرنے کا فیصلہ شاق ہوگا وہی عورت حقیقت میں بچے کی ماں ہوگی، اور جب بڑی عورت بچے کے ٹکڑے کرنے پر راضی ہو گئی اور چھوٹی عورت نے بچے کی جان بچانے کے لیے کہا کہ نہیں، یہ اسی کا بچہ ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ بچہ حقیقت میں چھوٹی عورت کا ہے، اور انہوں نے چھوٹی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ درحقیقت اس مسئلہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے واقعاتی شہادت اور قرینہ خارجہ سے استدلال کیا ہے کیونکہ یہاں اور گواہی نہیں تھی۔ اور علماء نے کہا ہے کہ حکام کو اس قسم کے معاملات میں واقعاتی شہادتوں سے استدلال کرنا چاہیے۔

ایک مجتہد دوسرے مجتہد سے کب اختلاف کر سکتا ہے؟ | ایک سوال یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کے بعد اسی مقدمہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیوں فیصلہ کیا، اور ان کے فیصلہ کو کیوں تبدیل کیا، حالانکہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کے فیصلہ کو تبدیل نہیں کرتا؟ اس کے متعدد جواب ہیں:

- (۱)۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس فیصلہ پر یقین نہیں تھا۔
 - (۲)۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فتویٰ تھا، فیصلہ نہیں تھا۔
 - (۳)۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں یہ بائز ہو کہ جب دوسرے حاکم کے پاس مقدمہ پہنچے تو وہ پہلے حاکم کے خلاف فیصلہ کر دے۔
 - (۴)۔ حضرت سلیمان نے جب حیلہ سے یہ معلوم کر لیا کہ بچہ چھوٹی عورت کا ہے تو انہوں نے بڑی عورت سے اقرار کر لیا اور اقرار محنت ٹکڑے سے ہے، کیونکہ جب اس نے حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کے خلاف خود ہی اقرار کر لیا کہ حق چھوٹی عورت کا ہے تو اب حضرت سلیمان پر فیصلہ تبدیل کرنے کا اعتراض نہیں ہے۔
- اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک مجتہد کا دوسرے مجتہد سے اختلاف کرنا جائز ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اجتہاد کرتے ہیں اور بعض اوقات انبیاء علیہم السلام سے اجتہادی خطا بھی ہو جاتی ہے، جیسا کہ اس سند میں حضرت داؤد علیہ السلام سے اجتہادی خطا ہو گئی، لیکن وہ اجتہادی خطا پر برقرار نہیں رہتے اللہ تعالیٰ ان پر حق واضح کر دیتا ہے۔

بَابُ اسْتِحْبَابِ اِصْلَاحِ الْحَاكِمِ بَيْنَ الْخَصَمَيْنِ

۳۲۸۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا
عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ
مُثَنَّبٍ قَالَ هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ
عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَدْ كَرَّ أَحَادِيثُ مِنْهَا وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرَى رَجُلٌ
مَنْ رَجُلٍ عَقَارًا لَهُ فَوَجَدَ الرَّجُلُ الَّذِي
لِشْتَرَى الْعَقَارَ فِي عَقَارِهِ جَذَّةً فِيهَا
ذَهَبٌ فَقَالَ لَهُ الَّذِي اشْتَرَى الْعَقَارَ
خُذْ ذَهَبَكَ مِنِّي إِنَّمَا اشْتَرَيْتُ مِنْكَ
الْأَرْضَ وَلَمْ أَبْتَغِ مِنْكَ الذَّهَبَ فَقَالَ
الَّذِي اشْتَرَى الْأَرْضَ إِنَّمَا بَعَثْتُكَ الْأَرْضَ
وَمَا فِيهَا قَالَ فَتَحَّا كَمَا إِلَى رَجُلٍ فَقَالَ
الَّذِي تَحَا كَمَا إِلَيَّ الْكُفَا وَلَكِنَّهُ قَالَ
أَحَدُهُمَا لِي غُلَامٌ وَقَالَ الْآخَرُ لِي جَارِيَةٌ
قَالَ انْكُحُوا الْغُلَامَ الْجَارِيَةَ وَانْفِقُوا
عَلَى أَنْفُسِكُمَا مِنْهُ وَتَصَدَّقَا -

دو فریقوں کے درمیان حاکم کے صلح کرانے کا استحباب

ہمام بن منبہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی کئی احادیث بیان
کیں ازاں جملہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ بیان
کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص نے
دوسرے شخص سے زمین خریدی، جس شخص نے زمین خریدی
نئی اس کو اس زمین میں سونے سے بھرا ہوا ایک گھڑا ملا،
زمین خریدنے والے شخص نے زمین واسے سے کہا اپنا
سونے لور میں نے تو تم سے فقط زمین خریدی تھی، اور
تم سے سونا نہیں خریدا تھا، زمین بیچنے والے نے کہا میں نے
تم کو زمین اور جو کچھ اس زمین میں ہے فروخت کر دیا ہے،
پھر ان دونوں نے ایک شخص کو اپنا منصف بنایا، منصف
نے پوچھا کیا تمہاری اولاد ہے؟ ایک نے کہا میرا لڑکا ہے
دوسرے نے کہا میری لڑکی ہے، منصف نے کہا لڑکے
اور لڑکی کی شادی کر دو اور یہ سونا اپنے اوپر خرچ کر دو اور
صدقہ کر دو۔

حکیم کے فیصلہ کے متعلق فقہاء کی آراء | اس حدیث میں یہ ہے کہ دونوں فریقوں نے ایک شخص کو حاکم بنایا، علامہ
دشتانیؒ ابی مالکی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص
حکومت کا مقرر کردہ حاکم نہیں تھا، اور ان دونوں فریقوں نے اس کو اپنا حاکم بنایا تھا۔ امام مالک بھی یہی کہتے ہیں کہ کسی شخص کو
حاکم بنانا صحیح ہے اور اگر وہ شخص فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس کا فیصلہ لازم ہو جائے گا اور اس کا فیصلہ غلط نہیں
قرار دیا جائے گا خواہ قاضی شہر کی رائے اس کے موافق ہو یا مخالف، اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس حاکم کا فیصلہ قاضی شہر
کی رائے کے موافق ہے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا ورنہ نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں ایک قول امام مالک
کی مثل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا فیصلہ لازم اور نافذ نہیں ہوگا اولیٰ کا قول فتویٰ کی طرح ہوگا۔ لہ

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے بھی اسی طرح غلط فہم بیان کیے ہیں۔ تھ

زمین خریدنے کے بعد اس میں دفتینہ ملنے کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام | علامہ دشتانی مالکی لکھتے ہیں کہ علامہ خطابی نے

کہا ہے کہ اس حاکم نے وہ مال ان دونوں میں سے کسی ایک کو نہیں دیا بلکہ ان کی اولاد پر تقسیم کر دیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مال خائن تھا اور ان میں سے کسی شخص نے اس مال کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور شاید وہاں بیت المال نہیں تھا، اس لیے اس حکم نے یہ سوچا کہ چونکہ یہ دونوں نیک آدمی ہیں اس لیے دوسروں کی بر نسبت یہ دونوں اس مال کے زیادہ حق دار ہیں۔ علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں کہ جس مال کے دو شخص دعویٰ دار ہوں وہ مال ان دونوں پر تقسیم کر دیا جاتا ہے اس طرح جس مال کا دونوں انکار کریں اس کو بھی دونوں پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ (علامہ ابی مالکی کا بیان کردہ یہ قاعدہ کلیہ صحیح نہیں ہے، البتہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ جس مال کے دو شخص دعویٰ دار ہوں اور کسی کے دعویٰ کو دوسرے پر ترجیح اور فریث نہ ہو تو پھر وہ مال دونوں پر تقسیم کر دیا جائے گا، اسی طرح اگر ایک مال دو شخصوں سے متعلق ہو اور ان کے علاوہ کسی اور کی ملکیت اس سے متعلق نہ ہو اور وہ دونوں اس سے انکار کرتے ہوں تو وہ مال دونوں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ (سیدی غفرلہ)

علامہ مازری مالکی لکھتے ہیں: اگر کسی شخص نے زمین بیچی اور پھر خریدار کو اس زمین میں دفتینہ ملا تو ہمارے نزدیک اس میں اختلاف ہے کہ وہ بائع کی ملکیت ہے یا مشتری کی؟ اور اس میں فقہاء مالکیہ کے دو قول ہیں۔ علامہ خطابی لکھتے ہیں کہ اختلاف اس وقت ہے جب وہ دفتینہ چھوڑے اور سنگ مرمر کی طرح زمین کی جنس سے ہو۔ لیکن جو چیز زمین کی جنس سے نہ ہو جیسے سونا اور چاندی تو اگر وہ زمانہ جاہلیت کے دفتینوں سے ہے تو وہ رکاز ہے۔ اور اگر وہ مسلمانوں کے دفتینوں میں سے ہے تو وہ نقطہ ہے (اگر سونے اور چاندی کے ان سکڑوں پر جنوں کی تصویریں ہیں تو وہ دفتینہ جاہلیت ہو گا اور اس کا پانچواں حصہ بیت المال کے لیے ہو گا اور باقی حصہ مالک زمین کا ہو گا یہ رکاز کا حکم ہے اور اگر ان سکڑوں پر مسلمانوں کی حکمرانوں کی علامتیں ہوں تو پھر وہ مال نقطہ ہے، نقطہ کا حکم آئندہ ابواب میں آ رہا ہے۔ سیدی غفرلہ)۔ اور اگر سونے اور چاندی کے ان سکڑوں کا کچھ تپانہ چلے تو پھر وہ مال خائن ہے اور اس کو بیت المال میں محفوظ کر دیا جائے گا اور اگر وہاں بیت المال نہ ہو تو پھر اس مال کو فقراء میں اور مسلمانوں کے مفاد عامہ میں خرچ کر دیا جائے گا۔

علامہ دشتانی ابی مالکی لکھتے ہیں: اگر وہ دفتینہ رکاز قرار دیا جائے تو امام ابن القاسم کے نزدیک وہ خریدار کی ملکیت ہے اور امام مالک کے نزدیک وہ بائع کی ملکیت ہے اور اگر اس کو نقطہ قرار دیا جائے تو پھر وہ بلا اختلاف بائع کا ہے۔ اور بعض فقہاء مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر وہ قدیم زمانہ کا دفتینہ ہے تب اس کو نقطہ قرار دیا جائے اور اگر وہ زمانہ قریب کا دفتینہ ہے تو وہ بائع یا اس کے اولاد کی ملکیت ہے اور زمانہ کے قرب اور بعد کا تعین قرائن سے کیا جائے گا۔ تھ

دفتینہ کے بارے میں علامہ بدرالدین عینی حنفی نے بھی علامہ مازری مالکی کے بیان کردہ اقوال نقل کیے ہیں اور اس مسئلہ میں انھوں نے امام مالک کے قول کو حق قرار دیا ہے۔ تھ

تھ۔ علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، مدۃ القاری ج ۱ ص ۵۸، مطبوعہ دارۃ الطباعة المنیریہ مصر ۱۳۲۸ھ

تھ۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن غفران دشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکال اکمال المسلم ج ۵ ص ۲۹-۲۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

تھ۔ علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، مدۃ القاری ج ۱ ص ۵۸، مطبوعہ دارۃ الطباعة المنیریہ مصر ۱۳۲۸ھ

برکات میں فقہاء احناف کے مذہب کی تفصیل ہم نے پہلی جلد میں بیان کر دی ہے۔
 "درمخرم الحرام" کے کتاب الاقیقۃ ختم ہو گئی، واللہ اعلم بالصواب، اسے بار الذی مجھے صحیح مسلم کی باقی کتب اور ابواب کی
 شرح کی توفیق بھی عنایت کر اور صحت و عافیت قائم رکھ اور اس کے لیے مزید قوت، توانائی اور وسائل عطا فرما اور اس کتاب
 کو اپنی بارگاہ میں مقبول اور مشکور فرما اور اس کو تاقیامت تمام مسلمانوں کے لیے نافع بنادے اور میرے لیے اس کو صدقہ
 جاریہ اور بخشش کا فرمایا بنادے۔ آمین و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام
 علی محمد خاتم النبیین، سید المرسلین اول الشافعیین والمشفعین وعلی آلہ واصحابہ وانا واجہ
 واولیاء عامتہ وعلماؤ ملتہ من المحدثین والمفسرین والائمة المجتہدین اجمعین۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
کتاب اللقطة
گرلی پڑی چیزوں کے احکام

باب ۵

۴۳۸۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ تَرَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُتَّبِعِ عَنْ تَائِدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنِ اللَّقْطَةِ فَقَالَ ائْخِرْ عِفَّا صَهَا وَوَكَاةَ هَا ثُمَّ عَرَّ فَهَا سَنَةً فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَشَأْنُكَ بِهَا قَالَ فَضَالَةٌ الْغَنَمِ قَالَ لَكَ أَوْ لِإِخِيكَ أَوْ لِلدَّيْثِ قَالَ فَضَالَةٌ الْإِبِلِ قَالَ مَالِكٌ وَلَهَا مَعَهَا يَسْقَاؤُهَا وَحَذَاؤُهَا تَرُدُّ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا قَالَ يَحْيَى أَحْسِبُ قَرَأْتُ عِفَّا صَهَا۔

۴۳۸۵۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالَ ابْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْأَخْرَانِ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنْ تَرَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُتَّبِعِ عَنْ تَائِدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے لقطہ (گم شدہ چیز) کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا اس (بھلی) کے باندھنے کی ڈھنی اور اس بھلی کی پہچان کر یا درکھو، پھر ایک سال تک اس کا اعلان کرو، اگر اس کا مالک آجائے تو فباوندہ اس کو تم رکھ لو، اس شخص نے کہا اور گم شدہ بکری کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ تمہاری ہے یا تمہارے بھائی کی یا بھیرنے کی، اس نے کہا اور گم شدہ اونٹ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا تمہیں اس سے کیا مطلب؟ اس کے ساتھ اس کی مشک (پیٹ کا پانی) ہے اور اس کا جوتا بھی اس کے ساتھ ہے، وہ پانی (کے گھاٹ) پر جانے کا اور درختوں کے پتے کھانے کا حتیٰ کہ اس کا مالک آکر اس کو پکڑے گا۔

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا تم اس کا ایک سال تک اعلان کرو، پھر اس کے سر بند اور اس بھلی کو پہچان کر یا درکھو، پھر اس کو خرچ کر لو، اور اگر اس کا مالک آئے تو وہ اس کو دے دو! اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ! گم شدہ (بھلی) بھلی بکری کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا اس کو دے دو وہ تمہاری ہے۔

عَنِ اللَّقْطَةِ فَقَالَ عَرَفْتُهَا سَنَةً ثُمَّ
اَعْرِفْ وَكَأَنَّهَا وَعِيفَا صَهَا ثُمَّ اسْتَفِيقَ
بِهَا فَإِنْ جَاءَ تَرَبُّهَا قَا وَهَا الْبَيْتَ فَقَالَ
يَا رَسُولَ اللَّهِ قَضَا لَكَ الْغَنَمُ قَالَ خُذْهَا
فَاتِمَاهِي لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلَّذِ ثَبَّ قَالَ
يَا رَسُولَ اللَّهِ قَضَا لَكَ الْإِذِلَّ قَالَ لَقَعِصِبَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى
أَحْمَرَّتْ وَجَنَّتَا هُ أَوْ أَحْمَرَّ وَجْهَهُ ثُمَّ قَالَ
مَا لَكَ وَلَهَا مَعَهَا حِذَا أَوْهَا وَسَقَا وَهَا
حَتَّى يَلْقَاهَا رُبُّهَا -

۳۳۸۶ - وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَخْبَرَنَا
عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهَبٍ أَخْبَرَنِي سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ
وَمَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَعُمَرُ بْنُ الْحَارِثِ
وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي نَجِيحَةَ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ الرَّحْمَنِ
حَدَّثَهُمْ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَفِي حَدِيثِ
مَالِكٍ غَيْرَ أَنَّهُ تَرَادَّ قَالَ أَنِّي رَأَيْتُ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَأَنَا مَعَهُ فَسَأَلَهُ عَنِ اللَّقْطَةِ قَالَ
وَقَالَ عُمَرُ فِي الْحَدِيثِ فَإِذَا لَمْ
يَأْتِ لَهَا طَالِبٌ فَاسْتَنْفَقَهَا -

۳۳۸۷ - وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ
بْنُ حَكِيمٍ الْأَوْدِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ
حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ وَهُوَ ابْنُ يَزِيدَ عَنْ
رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ الرَّحْمَنِ عَنْ يَزِيدَ
مَوْلَى الْمُتَنَبِّعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
الْجُحَيْتِ يَقُولُ أَنِّي رَجُلٌ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ
إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ فَأَحْمَرَّتْ
وَجْهَهُ وَجَنَّتَا وَغَضِبَ وَتَرَادَّ بَعْدَ

یا تہد سے بھائی کی ہے، یا بھیر ہے کی، اس شخص نے کہا یا رسول اللہ!
اگر تم نے اونٹ کا کیا حکم ہے؟ (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم غضب ناک ہو گئے حتیٰ کہ آپ دھما دھما کر ہو گئے، یا چہرہ
سرخ ہو گیا، پھر آپ نے فرمایا: تمہیں اونٹ سے کیا مطلب ہے؟
اس کے ساتھ اس کا بڑا اور مشک ہے (وہ چرتا پھرتے گا)
حتیٰ کہ اس کا مالک اس سے آٹے گا۔

ایک اور سند سے یہ حدیث مروی ہے اس میں ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا درآن مالیک
میں بھی اس کے ساتھ تھا اس شخص نے آپ سے لقطہ کے
متعلق دریافت کیا اور اس حدیث کے آخر میں ہے جب اس
چیز کا کوئی مانگنے والا نہ آئے تو اس کو خرچ کر ڈالو۔

حضرت یزید بن خالد جعفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔ اس کے
بعد بعثہ حدیث حسب سابق ہے، اور اس میں یہ ہے کہ آپ
کی پیشانی اور چہرہ مبارک سرخ ہو گیا، اور آپ غضب ناک
ہو گئے اور اس کے بعد آپ کا یہ ارشاد ہے کہ پھر ایک سال
تک اس کا اعلان کرو اور اگر اس کا مالک نہ آیا تو وہ چیز تہا
پاس امانت رہے گی۔

قَوْلِهِ ثُمَّ عَرَفَهَا سَنَةً فَإِنْ لَمْ يَجِدْ صَاحِبَهَا كَانَتْ وَدِيعَةً عِنْدَكَ۔

۴۳۸۸ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ
بْنِ قَعْنَبٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بَغِيٍّ ابْنُ بِلَالٍ
عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى
الْمُنْبَعِثِ أَنَّهُ سَمِعَ نَزِيدَ بْنَ خَالِدٍ
الْجُهَنِيِّ صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَقُولُ سُمِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللُّقْطَةِ الذَّهَبِ أَوْ
الْوَرَقِ فَقَالَ أَعْرِفُوا كَأَنَّهُمْ هَا وَ
عِفَا صَهَا ثُمَّ عَرَفَهَا سَنَةً فَإِنْ لَمْ
تَعْرِفْ فَاسْتَنْفِقْهَا وَتَكُنْ وَدِيعَةً
عِنْدَكَ فَإِنْ جَاءَ طَالِبُهَا يَوْمًا مِنَ
الدَّهْرِ فَأَدَّهَا إِلَيْهِ وَسَأَلَهُ عَنْ صَالَتِهِ
الْإِبِلِ فَقَالَ مَا لَكَ وَلَهَا دَعُوهَا فَإِنْ
مَعَهَا جَدَاءُهَا وَسِقَاءُهَا تَرُدُّ الْمَاءَ
وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتَّى يَجِدَ هَاتِرًا بِهَا
وَسَأَلَهُ عَنِ الشَّاةِ فَقَالَ خُذْهَا فَإِنَّمَا
هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلدَّائِي

۴۳۸۹ - وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ
أَخْبَرَنَا حَبِيبُ بْنُ هِلَالٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ
بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَ
رَبِيعَةُ الرَّائِي بْنُ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ
عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ نَزِيدِ
بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَالَتِهِ
الْإِبِلِ نَزَادًا رَبِيعَةَ فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّتْ
وَجَسَّاهُ وَاقْتَصَّ الْحَدِيثَ بِمَنْحُو حِدِيثِهِمْ
وَنَزَادَ فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَعَرَفَ
عِفَا صَهَا وَغَدَّهَا وَكَأَنَّهَا فَاعْطَاهَا إِيَّاهُ وَلَا فَهِيَ لَكَ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت زید بن
خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی
اللہ علیہ وسلم سے سونے یا چاندی کے لقطہ (گم شدہ چیز) کے
مطلع سوال کیا، آپ نے فرمایا اس کا سر بند اور اس کی ٹھیلی
پہچان کر یاد رکھو اور اس کا ایک سال تک اعلان کرو، پھر
بھی اگر وہ شناخت نہ کی جائے تو تم اس کو خرچ کر دو لیکن وہ
چیز تمہارے پاس امانت رہے گی، پھر جب کسی دن اس
کا مالک آجائے تو وہ چیز اس کو دے دو، پھر اس شخص
نے گم شدہ اونٹ کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا
تہلہ اس سے کیا تعلق ہے اس کو چھوڑ دو، کیونکہ اس کے ساتھ
اس کی بہن اور مشک ہے، وہ پانی پر جائے گا اور نہت
کے پتے کھائے گا حتیٰ کہ اس کا مالک اس کو پائے گا، پھر
اس نے آپ سے بکری کے بارے میں پوچھا، آپ نے
فرمایا اس کو لے کر کیونکہ یہ تو تمہارے لیے ہے یا تمہارے
بھائی کے لیے یا بھیلرے کے لیے ہے۔

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گم شدہ اونٹ کے
بارے میں سوال کیا، رہمیک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ
پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے حتیٰ کہ آپ کے
رعسہ مبارک سرخ ہو گئے اور اس روایت میں یہ زیادہ ہے
کہ اگر اس کا مالک آئے اور اس ٹھیلی کے (پیسوں کے) درد
اور سر بند کو پہچان لے تو وہ اس کو دے دو، ورنہ وہ تمہارے
لیے ہے۔

۴۳۹۰۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو الْقَاسِمِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سُرَّجٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهَبٍ حَدَّثَنَا ثَنِي الصَّغَالَةَ عَنْ عُثْمَانَ عَنْ أَبِي النَّضْرِ عَنْ بَسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ خَالِدٍ الْجَهَنِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللَّفْطَةِ فَقَالَ عَمَّا سَمِعْتُ فَإِنْ لَمْ تُعْتَرَفْ فَأَعْرِفْ عَمَّا صَرَّهَا وَوَكَّاءَ مَا تَمَّ كُلُّهَا فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ۔

۴۳۹۱۔ وَحَدَّثَنَا ثَنِي الصَّغَالَةَ أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ الْحَتَفِيُّ حَدَّثَنَا الصَّغَالَةَ عَنْ عُثْمَانَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ فِي الْحَدِيثِ فَإِنْ أُعْتَرِفْتَ فَأَدِّهَا وَإِلَّا فَأَعْرِفْ عَمَّا صَرَّهَا وَوَكَّاءَ مَا وَعَدَكَ هَا۔

۴۳۹۲۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ كَافِيَةَ وَالْأَفْطُ لَهُ حَدَّثَنَا عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سَكَمَةَ بْنِ كَهْمَلٍ قَالَ سَمِعْتُ سُوَيْدَ بْنَ غَفْلَةَ قَالَ خَرَجْتُ أَنَا وَتَمِيمُ بْنُ صَوْحَانَ وَسَمَانُ بْنُ مَرْبُوعَةَ غَارًا مِنْ قَوْمِ جَدِّكَ سَوَاطِلَ فَأَخَذْتُهُ فَقَالَ لِي دَعُهُ فَقُلْتُ لَا وَلَكِنِّي أَعْرِفُهُ فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهُ وَإِنْ اسْتَمْتَعْتُ بِهِ قَالَ فَأَبَيْتُ عَلَيْهِمَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ غَارَاتِنَا قَضَى لِي أَرْنِي حَاجِبَتُ فَأَتَيْتُ الْمَدِينَةَ فَلَقَيْتُ أَبَا بَكْرٍ كَعْبَ فَأَخْبَرْتُهُ بِشَأْنِ السَّوْطِ وَبِقَوْلِهِمَا فَقَالَ إِنِّي وَجَدْتُ صِدْقَةً فِيهَا مِائَةُ دِينَارٍ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعہ کے بارے میں دریافت کیا گیا، آپ نے فرمایا اس کا ایک سال تک اعلان کرو، پھر بھی اگر وہ نہ پہچانی جائے تو اس کی تھیلی اور سر بند کی پہچان کو یاد رکھو، پھر اس کو کھالو اور اگر اس کا مالک آئے تو وہ چیز اس کو ادا کر دو۔

ایک اور سند سے یہ روایت ہے، اور اس میں یہ ہے کہ اگر وہ چیز پہچانی نہ جائے تو اس کو دسے دو، ورنہ اس تھیلی اس کے سر بند اور اس کے مدد کی شناخت کو یاد رکھو۔

حضرت سدید بن غفلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور حضرت زید بن صوحان اور حضرت سلمان بن مریب جہاد کے لیے گئے، مجھے ایک چابک پڑا ہوا ملا، میں نے اس کو اٹھا لیا، ان دونوں نے مجھ سے کہا: اس کو چھوڑ دو، میں نے کہا نہیں، میں اس کا اعلان کروں گا اگر اس کا مالک آگیا تو مجھ پر درندہ میں خود اس سے غائدہ اٹھاؤں گا، اور میں نے ان دونوں کی بات نہیں مانی، جب ہم جہاد سے واپس آئے تو میں خوش قسمتی سے حج کے لیے چلا گیا اور پھر میں مدینہ آیا میری ملاقات حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ہوئی میں نے ان کو چابک اٹھانے اور ان دونوں کے منہ کھانے کا قصہ سنایا، انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مجھے ایک تھیلی ملی تھی جس میں سو دینار تھے، میں اس کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا اس کا ایک سال تک اعلان کرو، انھوں نے کہا پھر میں نے اس کا اعلان کیا، لیکن اس کی شناخت کسی نے نہ کی تھی، میں دوبارہ

فَاتَّبَعْتُ بِهَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَالَ عَمْرٍو فَمَا حَوْلُهَا قَالَ فَعَرَفْتُهَا فَلَمْ
أَجِدْ مَنْ يَتَّبِعُهَا ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقَالَ عَمْرٍو فَمَا
حَوْلُهَا فَعَرَفْتُهَا فَلَمْ أَجِدْ مَنْ يَتَّبِعُهَا
ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقَالَ عَمْرٍو فَمَا حَوْلُهَا فَعَرَفْتُهَا
فَلَمْ أَجِدْ مَنْ يَتَّبِعُهَا فَقَالَ أَحْقِظْ عَدَدَهَا
وَوَعَاَهَا وَوَكَّأَهَا فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا
وَالْأَقَا سَمِعْتُمْ بِهَا فَاسْتَمْتَعْتُ بِهَا
فَكَهَيْتُهُ بَعْدَ ذَلِكَ بِمَكَّةَ فَقَالَ لَأَذْهَبَ
بِشِدَائَةِ أَحْوَالٍ أَوْ حَوْلٍ وَاحِدٍ -

آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا ایک سال تک اس
کا اعلان کرو، انھوں نے کہا: میں نے پھر اس کا اعلان کیا اور
کوئی اس کی شناخت کے لیے نہیں آیا میں پھر رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا ایک سال
تک اس کا اعلان کرو، انھوں نے کہا میں نے اعلان کیا اور اس
کی شناخت کے لیے کوئی شخص نہیں آیا پھر آپ نے فرمایا ان کے
دردہ ان کی پھیلی اور سر نہد کی شناخت کو یاد رکھو، اگر اس کا
مالک آجائے تو نہا دردہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ پھر میں نے
ان سے فائدہ اٹھایا، سوید بن غفلہ کہتے ہیں اس کے بعد میری
حضرت ابی سے کہ میں ملاقات ہوئی، انھوں نے کہا مجھے یاد
نہیں تین سال تھے یا ایک سال۔

حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں
اور حضرت زید بن صوان اور حضرت سلمان بن ربیعہ ایک سفر پر
گئے مجھے ایک چابک پڑا ہوا ملا، اس کے بعد میں نے
اس سے فائدہ اٹھایا، تک حسب سابق حدیث ہے بشرہ
کہتے ہیں کہ میں دس سال بعد ان سے ملا تو وہ کہتے تھے
ایک سال تک اعلان کرو۔

۲۳۹۳ - وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ
بَشِيرٍ الْعَبْدِيُّ حَدَّثَنَا بِهِرُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ
أَخْبَرَنِي سَلَمَةُ بْنُ كَهَيْلٍ أَوْ أَحَبَرُ الْقَوْمِ
وَأَنَا فِيهِمْ قَالَ سَمِعْتُ سُؤَيْدَ ابْنَ
غَفْلَةَ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ زَيْدِ بْنِ مَوْحَانَ
وَسَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ فَوَجَدْتُ مَسْوَطًا
وَأَقْتَصَّ الْحَدِيثَ بِمِثْلِهِ إِلَى قَوْلِهِ
فَاسْتَمْتَعْتُ بِهَا قَالَ شُعْبَةُ فَسَمِعْتُ
بَعْدَ عَشْرِ سِنِينَ يَقُولُ عَمْرٍو فَمَا عَامًا
وَاحِدًا -

امام مسلم نے اس حدیث کی چار سندیں بیان کیں، حماد
بن سلمہ کی روایت کے علاوہ تمام روایات میں تین سال تک
اعلان کرنے کا ذکر ہے اور حماد کی روایت میں دو سال یا
تین سال کا ذکر ہے، اور سفیان اور زید بن ابی اسیر اور
حماد بن سلمہ کی روایت میں ہے اگر کوئی شخص اسے اور وہ
اس چیز کی تعداد، پھیلی اور سر نہد کی پہچان تلاش کرے تو تم اس کو
وہ چیز دس سے دو اور کیسے کی روایت میں یہ زائد ہے کہ
دردہ پھر تبار سے مال کی طرح ہے اور ابن خیر کی روایت

۲۳۹۴ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ
حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ ح وَحَدَّثَنَا
أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح
وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي جَمِيعًا
عَنْ سَفْيَانَ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ
حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ الرَّاقِي حَدَّثَنَا
عُبَيْدُ اللَّهِ يَعْنِي ابْنَ عَمْرٍو عَنْ نَائِدٍ
بْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ ح وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ

میں ہے درہم پھر تم اس سے نفع حاصل کرو۔

بْنُ بَشِيرٍ حَدَّثَنَا بَهْرٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ
سَكَمَةَ كُلُّهُ هُوَ لَا إِسْنَادَ عَنْ سَكَمَةَ ابْنِ
كُثَيْلٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوُ حَدِيثِ
شُعْبَةَ وَفِي حَدِيثِهِمْ جَمِيعًا ثَلَاثَةً
أَحْوَالِ إِلَّا حَمَّادُ بْنُ سَكَمَةَ فَإِنَّ فِي
حَدِيثِهِمْ عَامِينَ أَوْ ثَلَاثَةً وَفِي حَدِيثِ
سُفْيَانَ وَتَرِيدُ بْنُ أَبِي أُنَيْسَةَ وَحَمَّادُ
بْنِ سَكَمَةَ فَإِنْ جَاءَ أَحَدٌ يُخْبِرُكَ
بِعَدِّهَا وَوَعَائِثُهَا وَكَائِثُهَا فَأَعْطِهَا
إِيَّاهُ وَتَرَادُ سُفْيَانَ فِي رِوَايَةٍ وَكُثَيْلٌ
وَأَلَا فَهِيَ كَسَيْلِ مَالِكٍ وَفِي رِوَايَةٍ
ابْنِ ثَمِيرٍ وَالْأَخَرُ فَاسْتَمْتِعْ بِهَا.

۴۳۹۵ - حَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ وَيُونُسُ
بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَا أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ
بْنُ وَهَبٍ أَخْبَرَنِي عَنْ وَثْنِ الْحَارِثِ
عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْأَشَجِّ عَنْ
يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَاطِبٍ عَنْ
عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ أَنَّ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى
عَنْ لُقْطَةِ الْحَارِثِ.

۴۳۹۶ - وَحَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ وَيُونُسُ
بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ
بْنُ وَهَبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَنْ وَثْنِ الْحَارِثِ
عَنْ بُكَيْرِ بْنِ سَوَادَةَ عَنْ أَبِي سَالِمٍ الْجَيْشَانِيِّ
عَنْ تَرِيدِ بْنِ حَالِدٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ
مَنْ أَدَّى صَالَةً فَهُوَ صَالٍ مَالَهُ
يَعْرِفُهَا.

حضرت عبد الرحمن بن عثمان تیمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجیوں کی گری پریشی
چیز اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے
کسی گم شدہ چیز کو رکھ دیا تو وہ شخص گمراہ ہے جب تک
کہ وہ اس کا اعلان نہ کرے۔

لَقْطَةُ كَالْفَوَىٰ مَعْنَى علامہ زبیدی کہتے ہیں کہ لَقْطَةُ بِرُوزْنِ تَزْوِیْتِهِ سے اور لَقْطَةُ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی کو راستہ میں پڑی مل جائے اور لَقْطَةُ اس شخص کو کہتے ہیں جو گری پڑی چیز کو اٹھانے والا ہو، انہ۔ اور راستہ میں کوئی بچہ پڑا ہوا مل جائے تو اس کو لَقِیْطُ کہتے ہیں۔ ۱۷

لَقْطَةُ كَوَاتِحَانِ كَالْحَمْبِ فَتَهَابُ علامہ موفق الدین ابن قدامہ منبلی کہتے ہیں: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ لَقْطَةُ كَوَاتِحَانِ اَفْضَلُ ہے، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابرؓ، ابن زبیدؓ، ربیع بن خثیمؓ اور عطاء کا بھی یہی نظریہ ہے، قاضی شریک نے ایک مضمون لکھا اور اس سے کوئی تعلق نہیں کیا۔ امام شافعیؒ اور ابو الخطاب کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی چیز ایسی جگہ پڑی ہے جہاں اس کے خاتم ہونے کا خطرہ ہو اور اس شخص کو اپنے اوپر یہ اطمینان حاصل ہو کہ وہ اس چیز میں خیانت نہیں کرے گا تو اس شخص کے لیے اس چیز کو اٹھانا افضل ہے۔ امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس شخص پر اٹھانا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاُ بَعْضٍ** (توبہ، ۱۶) ”مسلمان مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ولی ہیں“ اور جب مسلمان ایک دوسرے کے ولی ہیں تو ان پر ایک دوسرے کے چیزوں کی حفاظت واجب ہے۔ سید بن متیبؒ، حسن بن صالح اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی لَقْطَةُ كَوَاتِحَانِ واجب ہے (امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک لَقْطَةُ كَوَاتِحَانِ واجب نہیں، مستحب ہے۔ سید بن خفصہؒ)۔ حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت سید بن غفیرؒ رضی اللہ عنہما نے لَقْطَةَ كَوَاتِحَانِ اَفْضَلُ کہا، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اہم اور قیمتی چیز ہو تو اس کو اٹھانا مستحب ہے اور وہ اٹھا کر اس کا اعلان کرے، کیونکہ اس میں مسلمان کے مال کی حفاظت ہے اور یہ اس کو خاتم کرنے سے بہتر ہے۔

علامہ ابن قدامہ منبلی کہتے ہیں ہماری دلیل حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؒ رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور محابہ میں سے کسی نے ان کے قول کی مخالفت نہیں کی۔ نیز لَقْطَةُ كَوَاتِحَانِ اپنے آپ کو حرام کہنے اور اعلان نہ کر کے ترک واجب کے خطرہ میں ڈالتا ہے۔ اس لیے زیادہ محفوظ اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ لَقْطَةُ كَوَاتِحَانِ اَفْضَلُ ہے، جس طرح قیم کے مال کا ولی زینا بہتر ہے، اور یہ خیال کہ لَقْطَةُ كَوَاتِحَانِ سے ایک مسلمان کے مال کے خاتم ہونے کا خطرہ ہے اس لیے سود مند نہیں ہے کہ بھولے بھٹکے اونٹ وغیرہ کو بھی لے جانا جائز نہیں ہے۔ حالانکہ مال خاتم ہونے کا خطرہ اس میں بھی ہے۔

لَقْطَةُ كَوَاتِحَانِ كَالْحَمْبِ فَتَهَابُ امام شافعیؒ کہتے ہیں: لَقْطَةُ كَوَاتِحَانِ اَفْضَلُ ہے، بعض فلسفی کے حکم میں علامہ کا اختلاف ہے، بعض فلسفی علامہ یہ کہتے ہیں کہ لَقْطَةُ كَوَاتِحَانِ جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بلا اجابت غیر کے مال کو اٹھانا ہے، اس لیے اس پر اٹھانا جائز نہیں ہے، اور بعض متقدمین ائمہ تابعین نے یہ کہا ہے کہ ہر چند کہ لَقْطَةُ كَوَاتِحَانِ جائز ہے لیکن اس کو نہ اٹھانا افضل ہے، کیونکہ جس شخص کی چیز گری ہے وہ اس کو اسی جگہ دھو کر لے گا جس جگہ وہ چیز گری تھی اور جب اس چیز کو اٹھایا نہیں جائے گا تو اس کا مالک اسی جگہ سے آکر اپنی چیز اٹھا لے گا، دوسری وجہ یہ ہے کہ چیز اٹھانے کے بعد یہ خطرہ موجود ہے

۱۷۔ علامہ سید محمد رفیع زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ تاج العروس ج ۵ ص ۲۱۶، مطبوعہ المطبعة الخيرية مصر ۱۳۰۶ھ

۱۸۔ علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ منبلی متوفی ۶۲۰ھ، المنقح ج ۵ ص ۲۱۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ

کو اٹھانے والے کی نیت بدل جائے اس لیے لفظ کو اٹھانا اپنے آپ کو فتنہ میں ڈالنے کے مترادف ہے اس لیے لفظ کو نہ اٹھانا افضل ہے۔

شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں: ہمارے فقہاء رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ لفظ کو اٹھانا اس کے نہ اٹھانے سے افضل ہے، کیونکہ اگر وہ اس کو نہیں اٹھائے گا تو اس کا غرضہ ہے کہ کوئی شخص اس کو اٹھا کر مالک سے چھپائے گا، اور جب وہ اس کو اٹھائے گا تو اس کا اعلان کر کے اس چیز کو اس کے مالک تک پہنچا دے گا، نیز وہ اس لفظ کو اٹھا کر امانت کی طرح اس کی حفاظت کرے گا اور امانت کی ادائیگی کا التزام کرنا فرض ہے اور اس کو اس میں وہی ثواب ملے گا جو امانت کو ادا کرنے کا ملتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **ان الله يامر كعدان تودوا الا مانات الى اهلها** اذنا، اللہ ہے شک اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچا دو۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنا ثواب کا موجب ہے۔ لہ

لفظ کی اقسام اور ان کے احکام | شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں: لفظ کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے جس کے بارے میں یہ علم ہوتا ہے کہ اس کا مالک اس چیز کا مالک اس چیز کو طلب کرے گا (جیسے قیمتی اشیاء)۔

قسم اول کا حکم یہ ہے کہ اس کا اٹھانا اور اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ البتہ اگر اس چیز کے مالک نے اس چیز کو اٹھانے والے کے ہاتھ میں دیکھ لیا تو وہ اس سے لے سکتا ہے کیونکہ مالک کا اس چیز کو چھپک دینا اٹھانے والے کے لیے نفع حاصل کرنے کی حاجت کا سبب تھا اس کی طرف سے تنہیک نہیں تھی، کیونکہ مجبوری کے مالک بنا نا صحیح نہیں ہوتا۔ اور حاجت کے بعد بھی مالک کی ملکیت اس چیز سے منقطع نہیں ہوتی، البتہ جس شخص کو مباح چیز ملی ہے وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن مالک کی ملکیت اس چیز کے ساتھ قائم رہتی ہے اور وہ جب چاہے اس چیز کو لے سکتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے مال کو بیہوش پایا وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ امام ابو یوسف سے یہ روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک مردار بکری چھپک دی اور کسی شخص نے اس کا اُٹن اُتار دیا تو وہ اس سے نفع حاصل کر سکتا ہے اور اگر بکری کے مالک نے اس کے ہاتھ میں اُٹن دیکھ لیا تو وہ اس کو لے سکتا ہے۔ اور اگر کسی شخص نے اس بکری کی کھال اُتار کر اس کو رنگ یا ثواب بھی اس کا مالک اس کھال کو لے سکتا ہے لیکن اس کو رنگنے کے پیسے دینے پڑیں گے۔

لفظ کی دوسری قسم جس کے بارے میں یہ علم ہو کہ اس کا مالک اس کو طلب کرے گا، اس کا حکم یہ ہے کہ جو شخص اس چیز کو اٹھائے اس پر اس کی حفاظت کرنا واجب ہے اور اس پر اس کا اعلان کرنا لازم ہے تاکہ وہ اس چیز کو اس کے مالک تک پہنچا سکے۔ امام محمد نے ابراہیم سے روایت کیا کہ لفظ کا ایک سال تک اعلان کرے، اگر اس کا مالک آجائے تو فہما دور نہ اس چیز کو صدقہ کر دے، صدقہ کے بعد اگر اس کا مالک آگیا تو اس کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو اس صدقہ کو برقرار رکھے اور اگر چاہے تو وہ لفظ اٹھانے والے کو اس صدقہ کا ضامن کر دے۔ امام محمد نے ابراہیم حنفی کے اس قول کو بطور

دلیل کے ذکر نہیں کیا، کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تابعین کی تقلید نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے ہم رجال ونحن رجال۔ وہ بھی انسان ہیں اور ہم بھی انسان ہیں۔ لیکن اصل سبب یہ ہے کہ ابراہیم نخعی اپنے فتاویٰ میں حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے اقوال پر اعتماد کرتے تھے اور اہل کوفہ کی فقہ کا مدار انہی حضرات پر تھا، ابراہیم نخعی باقی فقہاء کی بہ نسبت حضرت علی اور حضرت ابن مسعود کے اقوال کو زیادہ جانتے والے تھے، یہی وجہ ہے کہ امام محمد کی کتاب ابراہیم نخعی کے اقوال سے بھری ہوئی ہے۔ بہر حال اس حدیث میں ہے کہ اٹھانے والا لقطہ کا اعلان کرے اور ہر چیز میں ایک سال کی مدت لازم نہیں ہے، چیز کا اٹھانے والا خود اعلان کرے کہ اس کا مالک کتنی مدت تک اس چیز کو ڈھونڈتا رہے گا، اتنی مدت تک وہ اس چیز کا اعلان کرتا رہے اور اس کا اعلان اس چیز کی قیمت اور حیثیت سے ہو گا حتیٰ کہ فقہاء کہتے ہیں کہ دس درہم بھی اہم اور قیمتی ہیں کیونکہ دس درہم کی چوری کے عوض چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ اور اگر لقطہ دس درہم ہے کم ہوتا تو تین درہم تک ایک ماہ اعلان کرے اور اگر تین درہم سے کم ہوتا تو ایک درہم تک ایک ہفتہ اعلان کرے اور ایک درہم سے کم میں ایک دن اعلان کرے اور اگر ایک پیسہ کی چیز ہو تو دواہیں بائیں مالک کو دیکھنے اور پھر وہ چیز کسی فقیر کے ہاتھ پر رکھ دے۔ ان مدتوں میں سے کوئی مدت بھی لازم نہیں ہے کیونکہ لاشے سے کسی مدت کو معین نہیں کیا جاسکتا، لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ اعلان اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ اس چیز کا مالک اس چیز کو طلب کرے گا اور ہمارے پاس یہ جانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ اس چیز کا مالک اس کو کب تک طلب کرتا رہے گا؟ اس لیے کسی چیز کے بارے میں ملقطہ اپنی غالب لاشے سے فیصلہ کرے، یعنی وہ یہ سوچے کہ اگر ایسی چیز گم ہو جائے تو اس کا مالک کتنی مدت تک اس چیز کو تلاش کرنا ہے گا اور جتنی مدت پر اس کا غلبہ ظن ہو اتنی مدت تک اعلان کرتا رہے۔ ۱۰

لقطہ کا اعلان کرنے کے مقامات اور طریقہ کار | علامہ ابن قدامہ منبلی کہتے ہیں کہ لقطہ کا اعلان بازاروں میں، عام مساجد کے دروازوں اور جامع مسجدوں

کے دروازوں پر ان اوقات میں کیا جائے جن اوقات میں لوگ بکثرت جمع ہوتے ہیں، اسی طرح جن محالوں میں لوگ جمع ہوتے ہیں وہاں بھی اعلان کیا جائے، کیونکہ مقصود اس چیز کا اظہار ہے کہ فلاں چیز گم ہو گئی ہے تاکہ اس کے مالک کو پتہ چل جائے اس لیے لوگوں کے جمع ہونے کی محالوں کو تلاش کرنا چاہیے۔ یہ اعلان مساجد میں نہ کیا جائے کیونکہ مساجد اس لیے نہیں بنائی گئی ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں شخص نے کسی آدمی کو مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے سنا اس کو چاہیے کہ یوں کہے کہ اشد قہاری اس چیز کو واپس نہ کرے، کیونکہ مساجد اس لیے نہیں بنائی گئیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لقطہ اٹھانے والے شخص سے فرمایا اس کا مسجد کے دروازہ پر اعلان کرو۔

لقطہ اٹھانے والا خود بھی لقطہ کا اعلان کر سکتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس کے لیے کسی اور شخص کو مقرر کرے، اگر کوئی شخص از خود ملقطہ کی طرف سے اعلان کرے تو یہاں وہ نہ ملقطہ خود اعلان کرے، کیونکہ اصل میں اعلان کرنا لقطہ اٹھانے والے پر واجب ہے۔ اور اگر وہ اجرت دے کر کسی سے اعلان کرائے تو یہ بھی جائز ہے۔ اس میں امام احمد، امام شافعی، امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۱۰۔ شمس الارض محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۱ ص ۳۰۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعة الثانیة ۱۳۹۸ھ

اعلان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ صرف نقطہ کی جنس کا ذکر کرے مثلاً یوں کہے کہ کسی شخص کا سونا گم ہو گیا ہے یا چاندی یا دھرم یا دینار علیٰ ہذا القیاس۔ اس چیز کی صفات اور علامات نہ بتلائے تاکہ کوئی غیر شخص اس کو حاصل کرنے کی جرات نہ کرے۔

لفظہ کے اعلان کی مدت میں مذاہب فقہاء | علامہ ابن تہامہ منبلی لکھتے ہیں کہ لفظہ کے اعلان کی مدت ایک سال اور چار مہینے اور چار روز ہیں۔

رضی اللہ عنہم سے یہ روایت ہے۔ ابن مسیب، شعبی، امام مالک، امام شافعی اور اصحاب رائے کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عمر سے دوسری روایت یہ ہے کہ تین ماہ تک اعلان کرے اور ایک اور روایت ہے کہ تین سال تک اعلان کرے، کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تین سال تک ایک سو دنیا کے اعلان کرنے کا حکم دیا تھا۔

علامہ ابن قتادہ کہتے ہیں کہ ہمدانی دلیل یہ ہے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن خالد کو ایک سال اعلان کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور حضرت ابی بن کعب کی روایت کا جواب یہ ہے کہ راوی نے کہا مجھے پتا نہیں کہ تین سال کہا تھا یا ایک سال ، امام ابو داؤد نے کہا کہ راوی کو اس میں شک ہے ۔ ۵۷

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں، نقطہ کارانوں میں اور مساجد کے دروازوں وغیرہ پر ایک سال تک اعلان کرے، پہلے ہفتہ ہر دن صبح و شام اعلان کرے، پھر ہر دن میں ایک مرتبہ پھر ہر ہفتہ میں پھر ہر مہینہ میں اور صحیح یہ ہے کہ جو چیز حقیر ہو اس کا اعلان ایک سال نہ کیا جائے بلکہ اتنی مدت تک اعلان کیا جائے جتنی مدت میں یہ گناہ ہو جائے کباب مالک نے اس سے اعراض کر دیا ہو گا۔ ۳۵

تقاضی اور الوید مالکی لکھتے ہیں کہ جو چیز قیمتی ہو اس کا اعلان ایک سال تک کیا جائے بشرطیکہ وہ مال غنیمت سے نہ ہو۔ علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ سے یہ روایت ہے کہ اگر لفظ درود درہم ۳۶ (۶۱۲ گرام چاندی) یا اس سے زیادہ کی مالیت ہو تو ایک سال اعلان کیا جائے اور اگر درود درہم سے کم مالیت ہو تو دس درہم (۶۱۸ ع ۳۰۶ گرام چاندی) تک ایک ماہ اعلان کیا جائے اور اگر دس درہم سے کم مالیت کی چیز ہو تو چھ مہینہ مناسب سمجھے اعلان کرے اور ایک روایت یہ ہے کہ تین درہم (۶۱۸ ع ۳۰۶ گرام چاندی) سے کم دس درہم (۶۱۸ ع ۳۰۶ گرام چاندی) تک دس اعلان کرے۔ اور ایک درہم (۶۱۸ ع ۳۰۶ گرام چاندی) سے لے کر تین درہم (۶۱۸ ع ۳۰۶ گرام چاندی) تک تین دن اعلان کرے اور اگر ایک دانق یعنی درہم کا چھٹا حصہ ۵۱۰۳ ع ۶۰ گرام چاندی) یا اس سے زیادہ ہو تو ایک درہم تک ایک دن اعلان کرے اور اگر ایک دانق سے کم ہو تو دایں بائیں دیکھ کر کسی فقیر کے ہاتھ پر رکھ دے۔ علامہ سرخسی نے کہا ہے کہ یہ نصاب لازم نہیں ہے بلکہ قبلی بھی اپنی صواب دید کے مطابق اعلان کرے۔ علامہ سرخسی نے گویا امام اعظم کی پہلی روایت کو

علامہ مرفی الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ ضلی متوفی ۴۲۰ھ، الفنی ج ۶ ص ۵۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

٥٢ - المفتي ٢٤ ص ٢٢

۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف نوری شافعی متوفی ۶۷۶ھ، منہج المحتاج ج ۲ ص ۴۱۲-۴۱۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۵۔ قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی متوفی ۵۹۵ھ، بداية المجتهد ج ۲ ص ۲۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت

یہ ہے۔ اور ظاہر الروایۃ جس کو امام محمد نے کتاب الاصل میں ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ قلیل اور کثیر میں فرق کے بغیر ایک سال اعلان کرے اور بھی امام مالک، امام شافعی (اور امام احمد) کا قول ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی تفصیل اور فرق کے بیان فرمایا: **من التقط شيئاً فليعرف مسنة**۔ "جس کو کوئی چیز ملی ہو وہ اس کا ایک سال اعلان کرے" اور حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن عباس سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اور امام ابو حنیفہ سے جو پہلی روایت ہے کہ دو سو درہم یا زیادہ سے لے کر دس درہم تک ایک سال اعلان کرے اور دس درہم سے کم میں جتنی مدت تک مناسب سمجھے اعلان کرے اس کی دلیل یہ ہے کہ جن روایات میں ایک سال اعلان کرنے کا ذکر ہے وہ اس نقطہ کے بارے میں ہیں جو ایک سو دینار تھا جو ایک ہزار درہم کے مساوی ہے اور دس درہم یا اس سے زیادہ کی مالیت کی وجہ یہ ہے کہ مہر کا کم از کم مقدار نصاب سرقہ یعنی دس درہم ہے، یعنی دس درہم شرعاً قیمتی مال ہے، کیونکہ اس کے عوض چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور فرج حلال ہو جاتی ہے اس لیے دس درہم کی مالیت کے حکم کو بھی ایک ہزار درہم کے حکم کے ساتھ لاحق کر دیا اور دس درہم سے کم کا چور کو یہ مرتبہ نہیں ہے اس لیے اس کے اعلان کی مدت ایک سال نہیں رکھی بلکہ اس کو اعلان کرنے والے کی صواب دید پر چھوڑ دیا۔ ۱۷

آج کل کے دور میں نقطہ کے اعلان کا طریقہ کار | بہر چند کہ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو حنیفہ سے ظاہر الروایۃ یہی ہے کہ دس درہم یا اس سے زیادہ کی مالیت

کا ایک سال اعلان کرنا چاہیے لیکن چونکہ اس پر عمل کرنا دشوار ہے اس لیے امام ابو حنیفہ کی اس روایت پر عمل کرنا چاہیے جس کو علامہ ابن ہمام نے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ ایک دانق سے ایک درہم تک ایک دن اور ایک درہم سے تین درہم تک تین دن اور تین درہم سے لے کر دس درہم تک دس دن اعلان کرے اور دس درہم سے دو سو درہم تک ایک ماہ اعلان کرے اور دو سو درہم یا اس سے زائد ہر ایک سال اعلان کرے اور اس روایت کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ایک ہزار درہم کی مالیت کے نقطہ کے بارے میں ایک سال اعلان کا حکم ہے اور دو سو درہم چور کو نصاب زکوٰۃ ہے اس لیے دو سو درہم کی مالیت کو بھی اس کے ساتھ لاحق کیا ہے اور دو سو درہم سے کم مالیت کو اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا اور اس کی اپنے اجتہاد سے مدت مقرر کی ہے نیز طبرانی میں کم چیز کے لیے تین دن اور چھ دن تک اعلان کا بھی ذکر ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۴۹)

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ فقہاء نے سمجھا ہے کہ جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں وہاں اعلان کیا جائے اور آج کل لوگ بازاروں میں مارکیٹوں میں اور تقریباً گاہوں میں زیادہ جمع ہوتے ہیں، جب فقہاء نے یہ مسئلہ سمجھا تھا اس وقت بہت چھوٹے چھوٹے شہر تھے اور زندگی اس قدر مصروف نہیں تھی اور اب کراچی ایسے شہر ہیں جو کئی ہزار مربع کلومیٹر رقبہ پر محیط ہے اور تقریباً ایک کروڑ انسانوں کی آبادی پر مشتمل ہے، ایک آدمی کے لیے یہ بہت مشکل ہے کہ وہ ایک سال یا ایک ماہ یا ایک ہفتہ تک روزانہ مارکیٹوں اور بازاروں میں جا کر کسی گم شدہ چیز کا اعلان کرتا پھرے۔

آج کل کے دور میں نقطہ کے اعلان اور شہیر کی آسان اور قابل عمل صورت یہ ہے کہ جس شخص کو کوئی چیز ملی ہو وہ اس کا اعلان اخبارات، ریڈیو اور ٹی۔ وی میں کر دے اور یہ ابلاغ عام کا بہت مؤثر ذریعہ ہے۔ مثلاً کسی شخص کو کسی راستہ میں کوئی

قیمتی پین یا قیمتی گھڑی پڑی ملی ہے تو وہ یہ اعلان کر دے کہ مجھے فلاں دن فلاں جگہ اتنے وقت پر ایک پارکر، شیفر یا کرس کا پین پڑا ہوا ملا ہے جس شخص کا وہ پین ہو وہ اس کی علامات اور نشانیاں بتا کر مجھ سے ملے جائے۔ جب میں لاہور میں تھا تو ہمارے مدرسہ کے ایک طالب علم کو مسجد کے پاس ایک پارکر پڑا ہوا ملا، مجھے علم ہوا تو میں نے فوراً ایک طالب علم کے ذریعہ جنگ اخبار میں اس کا اعلان مجھوا دیا دوسرے دن اس کا مالک آیا اور نشانیاں بتلا کر اپنا پین لے گیا۔ اگر ایک بار اعلان کے بعد نقطہ کا مالک نہ آئے تو سال میں کئی بار وقفہ وقفہ سے اعلان کرایا جاسکتا ہے یا یوں کرے کہ پہلے شہر میں شائع ہونے والے تمام اخبارات میں ایک ایک کر کے اعلان بھیجے مثلاً پہلے جنگ اخبار میں اعلان بھیجے، پھر نوائے وقت میں پھر مشرق میں ملی نوا اقباس۔ اگر اس کا نتیجہ نہ نکلے تو پھر ریڈیو کی سٹی سروس میں اعلان کرائے اور اس کا نتیجہ نہ نکلے تو پھر ٹی۔ وی کی سروس سے اعلان کرائے۔ اور یہ بہت بعید ہے کہ ان تمام ذرائع ابلاغ سے اعلان کے بعد بھی مالک نقطہ کو وصول کرے کہ یہ نہ آئے اور اعلان کرنے والے کو چاہیے کہ ایک سال میں وقفہ وقفہ کے ساتھ ان تمام ذرائع سے اعلان کرائے تاکہ فساد حدیث صوری اور ممنوعہ دونوں طرح سے پورا ہو جائے اور اس کی محنت تمام ہو جائے اور ایک سال کے بعد بھی اگر مالک نہ آئے تو پھر وہ اس کو صدقہ کر دے۔

اعلان کی مدت پوری ہونے کے بعد نقطہ کے مصرف میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ | علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ: جب

ایک شخص نے ایک سال تک اعلان کیا اور اس کے مالک کا پتہ نہ چلا تو اب وہ نقطہ اس کی ملکیت ہو گیا خواہ وہ شخص فقیر ہو یا غنی، حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت عائشہ سے اسی طرح روایت ہے (رمحا الشرح) حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی نظریہ ہے۔ علامہ اسحاق، ابن منذر اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک، حسن بن صالح، ثوری اور فقہاء حنبلیہ نے یہ کہا ہے کہ وہ نقطہ کو صدقہ کر دے اور جب اس کا مالک آئے تو اس کو یہ اختیار دے کہ وہ چاہے تو اس صدقہ کو برقرار رکھ کر اجر حاصل کرے اور چاہے تو اس صدقہ کا جرمانہ وصول کرے اور منقطع اس کو نقطہ کا بدلہ ہتیا کرے، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقطہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ایک سال تک اعلان کرے اور ایک روایت میں تین سال ہے پھر اگر اس کا مالک آجائے تو نہ ہادار اس چیز کو صدقہ کر دے فاذا اجاء ربها فرضی بالاجور والاخر مہا۔ اگر اس کا مالک اس صدقہ کے اجر پر راضی ہو تو نہ ہادار نہ اٹھانے والا اس کا تادم ہر عینی مالک کو اس صدقہ کا بدلہ ہتیا کرے۔ اور اس پر عقلی دلیل یہ ہے کہ نقطہ ایک مال مضموم ہے یعنی اس کی حفاظت واجب ہے اور اس کی لوٹ مار حرام ہے اور مالک اس نقطہ سے اپنی ملکیت نائل کرنے پر راضی نہیں ہے اور نہ زوال ملکیت کا کوئی سبب اور مقتضی ہے اس لیے مالک سے اس کی ملکیت نائل نہیں ہوگی۔ اور منقطع کے لیے اس کو اپنی ملک میں لینا جائز نہیں ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ اگر نقطہ اٹھانے والا غریب ہو اور اس کا کوئی رشتہ دار نہ ہو تو پھر وہ اس کو لے سکتا ہے کیونکہ امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو نقطہ ملا وہ اس پر ایک نیک آدمی یا کئی نیک آدمیوں کو گواہ کرے نہ اس کو چھپانے نہ غائب کرے اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو واپس کر دے ورنہ وہ اللہ کا مال ہے وہ جس کو چاہے عطا کر دے اور جس مال کی اللہ کی طرف نسبت ہو اس مال کا صدقہ کا مستحق مالک ہو سکتا ہے۔ بعض فقہاء حنبلیہ نے کہا ہے کہ امام احمد کا یہ بھی ایک قول ہے اور بعض نے اس سے

اختلاف کیا ہے۔

علامہ ابن قدامہ منبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل حضرت زید بن خالد جہنی کی روایت ہے جس میں آپ کا ارشاد ہے: فان لم تعرف فاستنقها۔ ”اگر نقطہ کے مالک کا پتا نہ چلے تو اس کو خرچ کر لو اور ایک روایت میں ہے: والا فہی کسبیل مالک۔ ”وہ زندہ نہا کے مال کی طرح ہے۔“ اور ایک روایت میں ہے: ثم کلھا ”پھر تم اس کو کھا لو اور ایک روایت میں ہے: فانتفع بها۔“ اس سے نفع اٹھاؤ۔“ اور ایک روایت میں ہے: فشا ذلک بها۔“ اس کا تم جو چاہو کر لو۔“ اور حضرت ابی بن کعب کی حدیث میں ہے: فاستنقها۔ ”اس کو خرچ کر دو۔“ اور ایک روایت میں ہے: فاستمتع بها۔ ”اس سے فائدہ حاصل کر دو۔“ اور یہ حدیث صحیح ہے اور اس لیے کہ جو شخص مقروض ہو وہ غریب کی طرح نقطہ کا بھی مالک ہو جاتا ہے اور جس شخص کے لیے نقطہ کا اٹھانا جائز ہو وہ اعلان کے بعد فقیر کی طرح اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ اور فقہاء اخلاف نے حضرت ابو ہریرہ کی جو روایت بیان کی ہے اس کا حدیث کی کسی متحد کتاب میں بحرہ نہیں ہے اور ان کا یہ کہنا کہ جس چیز کی اللہ کی طرف نسبت ہو وہ مستحقین صدقہ کا حق ہوتی ہے، بلا دلیل ہے بلکہ باطل ہے، کیونکہ تمام اشیاء کی مملکت اور ملکاً اللہ ہی کی طرف نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: واتوهم من مال الله الذي انا له (النور: ۳۲) ”اور (بدل ملکاتیت ادا کرنے کے لیے) انہیں اللہ کے اس مال سے دو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا ہے۔“

اعلان کی مدت پوری ہونے کے بعد نقطہ کے مصرف میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی لکھتے

ہیں: جب مستقط ایک سال تک اعلان کر دے اور اس کا مالک نہ اُٹے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس چیز کو اس کے مالک کے لیے ہمیشہ محفوظ رکھے، اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس نقطہ کو اپنی ملکیت میں لے لے خواہ وہ امیر ہو یا غریب۔ جب مستقط اس کو اپنی ملکیت میں لینا چاہے تو وہ اس کا کس وقت مالک ہو گا؟ اس میں فقہاء شافعیہ کے کئی قول ہیں، زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ جب تک وہ یہ نہیں کہے گا کہ میں نے اس کو اپنی ملکیت میں لے لیا اس وقت تک اس چیز کا مالک نہیں ہو گا، دوسرا قول یہ ہے کہ جب تک بیع اور شراہ کی طرح اس میں مالکانہ تصرف نہیں کرے گا اس کا مالک نہیں ہو گا، تیسرا قول یہ ہے کہ اس کے لیے ملکیت کی نیت کر لینا کافی ہے یہ کہنا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ قول یہ ہے کہ سال گزرتے ہی وہ اس کا مالک ہو جائے گا، نیت کی بھی ضرورت نہیں ہے اور اگر ملکیت میں لینے کے بعد اس کا مالک آگیا تو مالک متصرف زیادتی سے لے گا اور متصرف زیادتی نہیں لے گا (مثلاً مرغی کا بچہ تھا اب وہ پر مار مرغ بن گیا ہے تو اس کو لے لے گا اور اگر مرغی کے بچے ہو گئے ہیں تو وہ بچے نہیں لے گا۔ سیدی) اور اگر ملکیت میں لینے کے بعد وہ چیز ضائع ہو گئی تو ہمارے اور جہود کے نزدیک اس کا بدل ادا کرنا لازم ہو گا اور دائرہ ظاہری کے نزدیک بدل ادا کرنا لازم نہیں ہے۔

۱۔ علامہ موقی الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ منبلی متوفی ۶۲۰ھ، المئذی ج ۱۱ ص ۸۔ ۲۔ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ

۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۸۸، مطبوعہ نفع محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

اعلان کی مدت پوری ہونے کے بعد لفظ کے مصرف میں فقہاً مالکیہ کا نظریہ | قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: تمام شہروں کے

فقہاء، امام مالک، ثوری، اوزاعی، امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد، ابو حنیفہ اور ابو ثور اس پر متفق ہیں کہ جب مدت پوری ہو جائے تو غریب شخص کے لیے لفظ کو اپنے مصرف میں لانا جائز ہے اور اگر وہ غنی ہے تو اس کو صدقہ کر دے، پھر اگر اس کا مالک آجائے تو مالک کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو اس صدقہ کو برقرار رکھے اور صدقہ کا ثواب حاصل کرے اور اگر چاہے تو ملحق سے صدقہ کرنے کے تاوان میں اس چیز کو وصول کرے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ سال پورا ہونے کے بعد آیا غنی بھی اس چیز کو کھا سکتا ہے یا نہیں؟ امام مالک اور امام شافعی کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے اور امام ابو حنیفہ یہ کہتے ہیں کہ غنی کے لیے لفظ کو کھانا یا اس کو صرف میں لانا جائز نہیں ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اس لفظ کو صدقہ کر دے۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے، امام اوزاعی یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ مال زیادہ ہے تو اس کو بیت المال میں رکھ دیا جائے۔ امام مالک اور امام شافعی کی دلیل حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے اقوال ہیں اور اہل ظاہر (غیر تقلیدین) کے سوا یہ تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ اگر ملحق کے کھانے کے بعد مالک آگیا تو ملحق اس کا ضامن ہوگا۔

اعلان کی مدت پوری ہونے کے بعد لفظ کے مصرف میں فقہاء احناف کا نظریہ | شمس الائمہ علامہ سرخسی

لکھتے ہیں: اعلان کے بعد مالک آجائے تو ملحق لفظ کو اس کے حوالے کر دے، کیونکہ اعلان سے جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا، اور اگر مالک نہ آئے تو اس کو اختیار ہے خواہ لفظ کو مالک کے انتظار میں محفوظ رکھے، خواہ اس کو صدقہ کر دے کیونکہ اس کو محفوظ رکھنا عزیمت ہے اور ایک سال کے اعلان کے بعد اس کو صدقہ کر دینا نصحت ہے اور ملحق کو نصحت اور عزیمت میں سے کسی ایک پر عمل کرنے میں اختیار ہے، صدقہ کرنے کے بعد اگر مالک آگیا تو پھر مالک کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو صدقہ کو برقرار رکھے اور اس کا ثواب مالک کو ہوگا اور اگر چاہے تو صدقہ کے تاوان میں لفظ کا بدل لے۔ اور یہ تاوان پہلے تو ملحق سے وصول کرے اور چاہے تو اس مسکین سے وصول کرے جس کو صدقہ دیا گیا ہے اور جو بھی ضامن ہوگا وہ دوسرے سے اس کا تاوان وصول نہیں کرے گا، (یہ حکم اس وقت ہے جب ملحق غنی ہو) اور اگر ملحق غریب ہو تو وہ ایک سال کے اعلان کے بعد اس کو خود خرچ کر سکتا ہے کیونکہ اس کو یہ اختیار تھا کہ وہ اس لفظ کو کسی غریب پر صدقہ کر دے اور جب کہ وہ خود غریب ہے تو وہ لفظ کو اپنے نفس پر بھی صدقہ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ملحق غنی ہو تو ہمارے نزدیک وہ اس لفظ کو اپنے نفس پر خرچ نہیں کر سکتا اور امام شافعی کہتے ہیں کہ امیر بھی مدت گزرنے کے بعد اس کو اپنے اوپر خرچ کر سکتا ہے لیکن یہ اس کے اوپر قرض ہے اگر مالک آگیا تو اس کو وہ چیز دینا ہوگی۔

امام شافعی کے دلائل کے جوابات | امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب غنی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ اگر ایک سال اعلان کے بعد

۱۔ قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی متوفی ۵۹۵ھ، بیایۃ المجتہد ج ۲ ص ۲۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

۲۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، البسوط ج ۱ ص ۷، مطبوعہ دار المسرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ۔

مالک نہ آئے تو لقطہ کو خرچ کر لینا اور ان کے غنی پر دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لقطہ کو اپنے مال کے ساتھ ملاؤ اس سے ثابت ہوا کہ وہ مالدار تھے۔ ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے ان پر لوگوں کے اس قدر ترس ہوں کہ مالدار ہونے کے باوجود حکماً فقیر ہوں اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ لقطہ کو اپنے مال کے ساتھ ملا لیں۔ امام عطاء دی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابی بن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد غنی ہوئے تھے اور اس سے پہلے وہ فقیر (غریب) تھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اپنی زمین صدقہ کرنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا یہ زمین اپنے غریب رشتہ داروں کو دو۔ سوانحوں نے وہ زمین حضرت حسان اور حضرت ابی بن کعب کو دے دی۔ علامہ ماری نے لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو امام بیہقی نے باب الوصیۃ للقرابۃ میں ذکر کیا ہے اور امام بخاری نے اس حدیث کو تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ (الجوہر المنقح ج ۶ ص ۱۸۶) اس سے واضح ہو گیا کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ لقطہ کو اپنے مال کے ساتھ ملا لیں اس وقت وہ غریب تھے اور ان پر صدقہ جائز تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ لقطہ کسی عربی کافر کا مال ہو جس کی حفاظت کی مسلمانوں پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور چونکہ اس مال پر حضرت ابی کے ہاتھ نے سبقت کی تھی اس لیے آپ نے ان کو اس کا زیادہ حقدار قرار دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: رفاق ساقہ اللہ الیک "یہ وہ رفق ہیں جو اللہ نے تمہاری طرف بھیجا ہے" اور اس کے باوجود آپ نے ایک سال تک اس کے عدد اور تحویل کے سر نہد کی پہچان کو یاد رکھنے کا احتیاطی حکم دیا تاکہ اگر یہ مال محترم ہو تو وہ اس کو ادا کر سکیں۔ علامہ سرخسی لکھتے ہیں اس مسئلہ میں ہماری دلیل یہ ہے کہ بکثرت امارت اور آثار میں یہ وارد ہے کہ ایک سال اعلان کے بعد لقطہ کو صدقہ کر دیا جائے۔ (ہم معتریب ان امارت اور آثار کو بیان کریں گے۔ سیدی فخر) نیز اصل مقصود یہ ہے کہ لقطہ کا ثواب اس کے مالک کو پہنچا دیا جائے۔ اگر غنی نے اس مال کو اپنے اوپر خرچ کر لیا تو یہ مقصود حاصل نہیں ہوگا بلکہ جب غنی اس مال کو اپنے اوپر خرچ کرے گا تو اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ وہ اس لقطہ کو اپنے لیے اٹھانے والا تھا اور اپنے لیے لقطہ کو اٹھانا اس کے لیے شرعاً ناجائز ہے۔ پس جیسا کہ ابتداءً اس پر لازم تھا کہ وہ اس لقطہ میں اپنے تصرف کی نیت نہ کرے اس طرح انتہاؤ بھی اس پر لازم ہے کہ اس میں اپنے تصرف کی نیت نہ کرے۔

اس مسئلہ میں امام شافعی نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضرت علی کو ایک دینار پڑا ہوا ملا، انہوں نے اعلان کے بعد اس کا طعام خرید لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم سب نے اس طعام کو کھایا۔ اگر لقطہ کو صدقہ کرنا ضروری ہو تا تو مستقطاً اس کو اپنے اوپر خرچ نہ کر سکتا تو یہ حضرات اس طعام کو نہ کھاتے کیونکہ ان پر صدقہ حلال نہیں تھا۔ اس روایت کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی کو جو دینار پڑا ہوا ملا تھا وہ لقطہ نہیں تھا۔ اس دینار کو ایک فرشتہ نے اس لیے گرایا تھا کہ حضرت علی اس کو اٹھالیں، کیونکہ ان حضرات کو کئی دنوں سے کھانا نہیں ملا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کو وحی سے جان لیا تھا، اسی وجہ سے ان سب نے اس کھانے کو کھایا تھا ورنہ صدقہ واجبہ تو ان پر حلال نہیں تھا، اسی وجہ سے حضرت علی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دینار سے طعام خریدنے کی اجازت لی تھی۔ لے

لے۔ شمس الامۃ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، البسوط ج ۸ ص ۸-۶، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ

نقطہ کو صدقہ کرنے کے وجوب کے بارے میں احادیث

ہے، اگر منقطع غریب ہے تو وہ اس کو اپنے اوپر صدقہ کر سکتا ہے لیکن اگر منقطع امیر ہے تو وہ اس اپنے اوپر صرف نہیں کر سکتا اور اس پر نقطہ کو صدقہ کرنا واجب ہے، فقہاء احناف کا استدلال حسب ذیل احادیث سے ہے:-

ما حفظ نور الدین البیہقی ذکر کرتے ہیں:

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن اللقطة فقال تعرف ولا تغيب ولا تكتف فان جاء صاحبها والا فهو مال الله يؤتية من يشاء رواه البخاري ومسلم

حضرت البرہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لفظ کے بارے میں سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا اس کا اعلان کرو، اس کو غائب کرو اور نہ چھپاؤ، اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو دے دو ورنہ یہ اللہ کا مال ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمائے۔ اس حدیث کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

فقہاء احناف نے مال اللہ اللہ کے مال سے استدلال کیا ہے، کیونکہ اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ اللہ کا مال اس مال کو کہتے ہیں جو فقراء کو دیا جاتا ہے اور صدقہ کیا جاتا ہے، اور اگر کسی دیگر مجازاً اس قاعدہ کے خلاف اطلاق ہو جیسے و اتوہم من مال اللہ الذی اقلک (النور: ۳۳) میں ہے تو یہ اس قاعدہ کے خلاف نہیں ہے۔ اس لیے اس قاعدہ پر علامہ ابن قدامہ کا اعتراض صحیح نہیں ہے۔

علامہ الہیثمی ذکر کرتے ہیں:

عن يعلى بن مرة عن النبي صلى الله عليه وسلم من التقط لقطه يسيرة ثوباً أو شبيهه فليعرفه ثلاثة ايام ومن التقط اكثر من ذلك ستة ايام فان جاء صاحبها و الا فليتصدق بها فان جاء صاحبها فليخيره رواه الطبراني في الكبير وفيه عبد الله بن يعلى وهو ضعيف .
عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تحل اللقطة من

حضرت یحییٰ بن مرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو کوئی معمولی نقطہ کپڑا یا اس کی مثل کوئی چیز ملی تو اس کا تین دن اعلان کرے اور جس کو اس سے زیادہ کوئی چیز ملی وہ اس کا چھ دن اعلان کرے۔ پھر اگر اس کا مالک آجائے تو وہ اس کو صدقہ کر دے۔ ورنہ اگر اس کے بعد اس کا مالک آئے تو وہ مالک کو اختیار ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نقطہ ملال نہیں ہے، جس شخص

۱۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۶۷، مطبعہ دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ

٢٤ " " مجمع الزوائد ج ٣ ص ١٦٩

صاحبها ، والا تصدق بها ، فان جاء
صاحبها بعد ما يتصدق بها غيره ، فان
اختار الاجر كان له ، وان اختار المال كان
له مال - له

کرے، اگر اس کا مالک آجائے تو فیہا ورنہ اس کو صدقہ
کر دے اور اگر صدقہ کرنے کے بعد اس کا مالک آجائے
تو اس کو اختیار دینا اگر وہ اجر کو اختیار کرے تو اس کی مرضی
اور اگر وہ مال کو اختیار کرے تو اس کی مرضی۔

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ۵۲

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔
 امام عبد الرزاق نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی یہ قول نقل کیا ہے کہ ایک سال اعلان کے بعد بھی اگر
 مالک نہ آئے تو غنہ کو صدقہ کر دیا جائے۔

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے ۴۷

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن عبد العزيز بن ربيع قال: حدثني

ابی قال: وجدت عشرۃ دفنانیر فاتیت ابن

عباس فسالته عنها فقال عرفها على الحجر

سنتہ، فان لم تعرف فتصدق بها فان

جاء صاحبها فخيره الاجرا و الغرام

عبدالعزیز بن رفیع بیان کرتے ہیں کہ میرے والد

نے بتایا کہ ان کو دس دن فار پڑھے ہوئے ملے امیں نے

حضرت ابن عباس سے ان کے بارے میں مسئلہ معلوم

کما، انھوں نے فرمایا اس کا حلیم کعبہ میں ایک سال اطلاق

کر دیکھ بھی اگر اس کے مالک کا پتہ نہ چلے تو ان کو صدقہ

کر دے اور اگر اس کے بعد ان کا مالک آجائے تو اس کو اجاب

لینے یا تاوان لینے کا اختیار دو۔

روایت کہ اسے کہ اعلان کے بعد لقمہ کو صدقہ کر دیا جائے۔

عبدالرحمن بن حراکہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب

سے لفظ کے متعلق سوال کیا، انھوں نے کہا کہ اس کا ایک سال

ایک اعلان کروں اگر اس کا پہچاننے والا آجائے تو اس کو

وے دو، درینہ اس کو صدقہ کر دو، اور اس کے بعد وہ

اے مجھے تو اس کرم صدقہ کا اجر لینے یا نقطہ (کا بدل)

عن عبد الرحمن بن حرملة

قال : سألت سعيد بن المسيب

عن اللقطة فقال: عن فرها سنة فأنشد

ذکرھا، فان جاء من یرفعها فاعطاها

آيَاہ والا فتصدق بها فان جاء فتخيرة

۱۳۹۰ھ امام عبدالرزاق بن ہمام حسنی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ۱۰۵ھ، ۱۳۹ھ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

۴۵۔ امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۶ ص ۴۵۲، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

۳۔ امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۱۳۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ

٤٥- الإمام أبو بكر الشَّجَرِيّ بن محمد بن أبي شبيب مَوتَ في ٢٣٥ هـ ، المصنَّف ٦٥ من ٤٥٠-٤٤٩ هـ ، مطبوعه امانة القرآن الكريم ١٣٠٦ هـ

المصنف ج ٤ ص ٢٢٩

٢- المصنف ج ٦ ص ٣٥١ - ٣٥٠

بین الاجر واللقطة . لہ

لینے کا اختیار دے دو۔

حضرت ابی کی حدیث کی وضاحت اور فقہاء اخاف کے جوابات کی تفصیل اور تنقیح ان تمام احادیث اور آثار سے

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نظریہ کی تائید اور تقویت ہوتی ہے کہ اعلان کے بعد لقطہ کا صدقہ کرنا واجب ہے اور غنی کے لیے اسے اپنے نفس پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ نے حضرت ابی بن کعب کی جن روایات سے استدلال کیا ہے: وہ مؤول ہیں اور تاویل یہ ہے کہ حضرت ابی اس وقت خود صدقہ کے مستحق تھے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لقطہ کو خرچ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ علامہ بدر الدین عینی حنفی نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اگر بالفرض حضرت ابی اس وقت امیر ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں خرچ کی اجازت دینا اس پر محمول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ لقطہ بطور قرض دیا تھا اور امام کا لقطہ کو بطور قرض دینا جائز ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو یا حضرت ابی کی خصوصیت ہو۔ اور خصوصیت پر محمول کرنے کی دلیل یہ ہے کہ دوسری احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملقط کے لیے لقطہ کے خرچ کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے اور حضرت عمرؓ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ایسے فقہاء صحابہ نے لقطہ کے صدقہ کرنے کو واجب کہا ہے اور ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے یہ اپنی رائے سے نہیں کہا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور آپ کی حدیث کی بناء پر کہا ہے۔

اسی طرح حضرت زبیر بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل سے فرمایا: ایک سال کے بعد اگر مالک نہ آئے تو تم اس کو خرچ کر لینا اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ کا مطلوب اس وقت ثابت ہو گا جب یہ ثابت ہو جائے کہ وہ سائل غنی تھا اور یہ ثابت نہیں ہے، اس لیے اس حدیث سے ان کا استدلال ثابت نہیں ہے، حضرت ابی بن کعب کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے ائمہ ثلاثہ نے حضرت ابی کے غنا کو ثابت کرنے کے لیے اس سے استدلال کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا "اس کو اپنے مال کے ساتھ ملاؤ" اس کے جوابات ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک جواب یہ ہے کہ مان لیا کہ حضرت ابی کے پاس مال تھا لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ وہ مال بقدر نصاب تھا جس سے ان کا غنی ہونا ثابت ہو جاتا ہے اس لیے حضرت ابی کی روایت سے بھی ان کا غنا ہونا ثابت نہیں ہوتا اور جب تک ان کا غنی ہونا ثابت نہ ہو ائمہ ثلاثہ کا مدلول ثابت نہیں ہو گا۔

ائمہ ثلاثہ نے حضرت ابی کو لقطہ کے خرچ کرنے کی اجازت سے جو استدلال کیا ہے اس کے جوابات کا خلاصہ یہ ہے کہ اولاً تو حضرت ابی کا غنا ثابت نہیں، کیونکہ ان کے پاس مالی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مال بقدر نصاب ہو، ثانیاً حضرت ابی زماذ نبوی میں عزیز اور صدقہ کے مستحق تھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ حضرت ابی پر بھی زمین صدقہ کریں، جیسا کہ صحیح بخاری اور سنن بیہقی میں ہے، ثالثاً اگر بالفرض وہ مالدار اور غنی ہوں تو ہو سکتا ہے کہ وہ اتنے مقررین ہوں کہ خود صدقہ کے مستحق ہوں، رابعاً ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان کو وہ لفظ بطور قرض دیا ہو، خاصاً ہو سکتا ہے کہ وہ لفظ کسی کافر عربی کا مال ہو اس لیے ان کو خرچ کی اجازت دی ہو۔
سادساً یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ان کی خصوصیت ہو یا بحیثیت امام آپ کی خصوصیت ہو، سابعاً دوسری احادیث اور آثار صحابہ
میں غنی پر لفظ کے خرچ کی ممانعت ہے اور حضرت ابی کی روایت میں اس کی اجازت ہے اور جب تحریم اور اجازت میں
تعارض ہو تو تحریم کو ترجیح ہوتی ہے۔

اس حدیث کی اس طرز سے جو تشریح کی گئی ہے اساتذہ ثلاثہ کی دلیل کے جو عبارات ذکر کیے گئے ہیں اس سے فقہ
حنفی کی گہرائی اور گیرائی کا اندازہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فقہ حنفی کو زیادہ سے زیادہ فردخ عطا فرمائے۔ والحمد للہ
سب العالمین۔

اونٹ پکڑنے کے متعلق سوال کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناراض ہونے کی وجہ

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب سائل نے گم شدہ چیز کا حکم معلوم کر یا تو پھر سوال کیا
اگر بھولا بھٹکا اونٹ مل جائے تو اس سوال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہونے لگے کہ آپ کے دونوں رخسار
مبارک سرخ ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ میں آنے کی علامتیں مختلف وجوہات بیان کی ہیں۔ حافظ
ابن حجر نے لکھا ہے کہ چونکہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے لینے سے منع فرمادیا تھا اور اب اس نے اونٹ
کا سوال کیا اس لیے آپ ناراض ہوئے، یا اس لیے کہ سائل نے صحیح قیاس نہیں کیا اور جب لفظ کا لینا مبین ہے اس
پر اس کو قیاس کیا جس کا لینا مبین نہیں ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ آپ کو سائل کی کم فہمی پر غصہ آیا کیونکہ وہ لفظ اٹھانے کی اصل وجہ کو نہیں سمجھا اور ایک
چیز کو اس پر قیاس کیا جو اس کی نظیر نہیں تھی، کیونکہ لفظ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی شخص سے گمراہی اور یہ
پتہ نہ چلے کہ اس کا مالک کہاں ہے۔ اور اونٹ اس طرح نہیں ہے کیونکہ وہ اسم اور صفت کے اعتبار سے لفظ کا متاثر ہے
کیونکہ اس میں ایسی صلاحیت ہے کہ وہ از خود مالک تک پہنچ سکتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اس کے بکثرت سوال کرنے کی وجہ سے ناراض ہوئے ہوں، کیونکہ سائل کسی حقیقی پیش آمدہ مسئلہ کا حل نہیں پرچھ رہا تھا بلکہ
محض فرضی صورتوں کا سوال کر رہا تھا۔

امہ حجاز نے یہ کہا ہے کہ اونٹ، گائے اور گھوڑے میں افضل یہ ہے کہ ان کو چھوڑ دیا جائے حتیٰ کہ وہ اپنے
مالک کے پاس پہنچ جائیں۔ علامہ ابن ہمام نے کہا ہے کہ اس زمانے میں ان جانوروں کو بے جا نا افضل ہے کیونکہ اب
ایسا زمانہ ہے کہ اگر کوئی نیک آدمی ان کو مالک کے پاس پہنچانے کے لیے لے کر نہیں گیا تو کوئی چور اچکان کو لے کر چلا
جائے گا۔ علامہ سرخسی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کو لے جانے کے لیے جو منع فرمایا تھا
یہ حکم اس زمانے میں تھا جب عام طور پر لوگ نیک اور امانت دار تھے لیکن اس زمانہ میں یہ اطمینان نہیں ہے کہ وہ اونٹ
محفوظ رہے گا اور کوئی غائن شخص اس کو لے کر چلا نہیں جائے گا اس لیے اب اونٹ کو لے جانے میں اس کی حفاظت
ہے اور اس کے مالک کے حق کو محفوظ رکھنا ہے۔

حجاج کے نقطہ کو اٹھانے میں مذاہب فقہاء اور ممانعت کی حکمت | حدیث نمبر ۴۲۹۵ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے حجاج کی گری پڑی چیزوں کے اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔ علامہ شربینی شافعی نے لکھا ہے کہ عام نقطہ اور حجاج کے نقطہ میں فرق ہے، عام نقطہ کو کوئی شخص بھی اٹھا سکتا ہے اور حجاج کے نقطہ کو صرف وہی شخص اٹھا سکتا ہے جو اعلان کے لیے مقرر ہو، اور حجاج کے نقطہ کے لیے صرف ایک سال اعلان کرنے کی حد نہیں ہے بلکہ اس کا ہمیشہ اعلان کرنا ہوگا ورنہ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ حرم مکہ مکرمہ مسلمانوں کے ٹوٹ کر آنے کی جگہ ہے، مسلمان یہاں بار بار آتے رہتے ہیں (اللہ تعالیٰ ہمیں بھی مکہ کی زیارت سے مشرف فرمائے) اس لیے ہو سکتا ہے کہ اس چیز کا مالک دوبارہ وہاں آئے اور اپنی گم شدہ چیز کی تلاش کرے یا کسی شخص کو اس چیز کی تلاش میں بھیجے اس لیے منقطع اس کا ہمیشہ اعلان کرتا رہے۔ ۱۔

جہور کا نظریہ یہ ہے کہ حرم اور غیر حرم میں نقطہ کا حکم واحد ہے اور اس میں اختلاف نہیں ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ، ابن مسیب، امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا بھی یہی نظریہ ہے۔ امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ حرم کے نقطہ کو ملکیت کے لیے اٹھانا جائز نہیں ہے، اس کی صرف مالک کے لیے حفاظت کرنا جائز ہے اور اگر اس کو اٹھا لیا ہے تو پھر ہمیشہ اس کا اعلان کرتا رہے، ابو یوسف بن مہدی، ابو عبیدہ اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے جہور کے موقف پر استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نقطہ امانت ہے اور اس کا حکم حرم اور غیر حرم میں مختلف نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ حرم کے نقطہ کا اٹھانا صرف اعلان کرنے والے کے لیے جائز ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایک سال اعلان کر سکتا ہو وہی شخص حرم کے نقطہ کو اٹھائے اور یہ تخصیص تاکیدی کے لیے ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کی گم شدہ چیز جہنم کی آگ ہے حالانکہ ذمی کی گم شدہ چیز کا بھی یہی حکم ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی تخصیص تاکیدی فرمائی ہے۔ ۲۔

علامہ لکھنوی نے جہور کے موقف پر دیگر احادیث کے عدم اور اطلاق سے استدلال کیا ہے اور حرم مکہ کی تخصیص کا یہ جواب دیا ہے کہ اس کی تاویل یہ ہے کہ مکہ کا نقطہ وہی شخص اٹھائے جو اس کے اعلان کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اور حرم کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ حرم میں مسافر بکثرت آتے ہیں اس لیے وہاں اعلان ضرور کرنا چاہیے۔ علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ آپ نے حرم کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ کسی شخص کو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ جو مکہ حرم میں مسافر بکثرت آتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ جس کی چیز ہو وہ شخص جا چکا ہو اس لیے وہاں اعلان کرنے کا کیا فائدہ ہے۔ اس لیے آپ نے اس پر تنبیہ کی کہ حرم جو یا غیر حرم ہر جگہ نقطہ کا اعلان کرنا ضروری ہے۔ بعض علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس حدیث سے ایک سال اعلان کرنے کی تاکید مراد ہے تاکہ کوئی شخص یہ نہ سمجھوے کہ حرم مکہ میں صرف ایام حج میں اعلان کرنا کافی ہے ۳۔

۱۔ علامہ محمد رشید بنی الخلیف، منہی المحتاج ج ۲ ص ۴۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

۲۔ علامہ مونی الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۷۲۰ھ، المنہی ج ۲ ص ۱۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ۔

۳۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۲۵۷، مطبوعہ مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر۔

علامہ ابن قیم نے یہ لکھا ہے کہ حرم اور غیر حرم کے لفظ میں یہ فرق ہے کہ مکہ سے لوگ روانہ ہوتے رہتے ہیں اس لیے وہاں ایک سال تک لفظ کا اعلان کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے مکہ میں صرف اس شخص کے لیے لفظ اٹھانا جائز ہے جو لوگوں کے روانہ ہونے سے پہلے اس کا فوراً اعلان کر دے، جبکہ دوسرے شہروں میں لفظ اٹھانے کے لیے یہ شرط نہیں ہے۔ مکہ اور دوسری جگہ کے لفظ میں فرق کی ایک یہ وجہ بھی ہے کہ مکہ میں حجاج صرف اپنی ضرورت کا سامان لے جاتے ہیں لہذا اگر ان کی کوئی چیز گم ہو گئی تو وہ فوراً اس جگہ جائیں گے جہاں وہ چیز گم ہوئی تھی اور اگر وہ چیز بڑی ہوگی تو اس کو اٹھا لیں گے۔ اس وجہ سے آپ نے حجاج کے لفظ کو اٹھانے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ حجاج کو ایک جگہ تو قرار نہیں ہوتا، حجاج کہیں پھر رہے ہوں گے اور مستحق کہیں اعلان کر رہا ہوگا۔ اس لیے حجاج کی چیزوں کو وہیں رہنے دیا جائے تاکہ وہ اپنی چیز کو خود اٹھا لیں تاکہ یہ خطرہ ہو کہ اگر وہ چیز بڑی رہی تو ضائع ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں اس کو ایسا شخص اٹھائے جو ایک سال تک اس کا اعلان کر سکتا ہو۔

علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ حجاج کا لفظ اٹھانے سے آپ نے اس لیے منع فرمایا ہے کہ اگر حجاج کی چیز اپنی جگہ پڑی رہی تو حجاج کو آسانی سے مل جائے گی لیکن اگر آج کل وہ چیز بڑی ہی تو لوگ کہیں گے ارد گرد مکہ میں چوریاں کرنا شروع کر دیں گے، اس لیے اس فساد سے بچنے کے لیے لفظ کو اٹھا لینا چاہیے، کیونکہ جو احکام کسی شرط کے اعتبار سے شروع ہوں پھر یہ ہوتا چلے کہ اس شرط کی وجہ سے اس میں کوئی فساد لازم آتا ہے تو پھر وہ حکم منقطع ہو جاتا ہے اس کے برخلاف جو احکام کسی سبب پر مبنی ہوں وہ احکام برقرار رہتے ہیں مثلاً طواف میں رمل کرنا اظہار قوت کے سبب سے مشروع ہے قریہ حکم باقی رہے گا۔

علامہ ابن ہمام نے یہ بھی لکھا ہے کہ جن احادیث میں لفظ کو اٹھا کر ایک سال تک اعلان کرنے کا حکم ہے وہ احادیث عام ہیں اور صحیح مسلم کی جس حدیث میں حجاج کے لفظ کو اٹھانے سے منع فرمایا ہے یہ حدیث خاص ہے اور عام خاص پر مقدم ہوتا ہے اس لیے دوسری احادیث کو اس پر ترجیح ہوگی۔ لہٰذا مصنف کی رائے یہ ہے کہ مکہ کے لفظ کے بارے میں دو حدیثیں ہیں ایک یہ کہ حجاج کے لفظ کو اٹھا لیا جائے اور ایک حدیث میں یہ ہے کہ مکہ کے لفظ کو صرف اعلان کرنے والا ہی اٹھائے، ان دونوں حدیثوں کو بخیر دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ مکہ کے لفظ کو بالکل نہ اٹھا لیا جائے بلکہ آپ کا مقصد یہ ہے کہ ہر شخص حجاج کا لفظ اٹھانے میں سبقت نہ کرے کیونکہ حجاج اپنی ضرورت کا محدود سامان لے جاتے ہیں اگر ان کو بروقت چیز ملے تو وہ پریشان ہوں گے، اب مثلاً کسی شخص نے اس اطمینان سے حجاج کا لفظ اٹھا لیا کہ اعلان کی مدت تو سال بھر ہے میں کسی وقت بھی اعلان کر دوں گا اور اس نے اس وجہ سے فی الغدا اعلان نہ کیا تو حجاج کو پریشانی کا سامنا ہوگا کیونکہ سفر میں ان کو ان کی ضرورت کی چیز آسانی سے نہیں مل سکتی اس لیے حجاج کے لفظ کو صرف وہی شخص اٹھائے گا جو پوری ذمہ داری سے ایک سال اعلان کرنے کا عزم رکھتا ہو اور علی الفور اس کا اعلان کرنا شروع کر دے تاکہ حجاج کو بروقت اپنی گم شدہ چیز مل جائے۔

بَابُ ٥٤ تَحْرِيمِ حَلْبِ الْمَاشِيَةِ بِغَيْرِ

إِذْنِ مَالِكِهَا

٢٣٩٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ تَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحْلِبَنَّ أَحَدٌ مَاشِيَةً أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِهِمْ أَيْ حَيْثُ أَحَدُكُمْ أَنْ تَوَدِّيَ مَشْرُوبَةً فَتُكْسَرَ خِزَانَتُهُ فَيُنْتَقَلَ طَعَامُهُ إِنَّمَا تَحْرُونَ لَهُمْ ضُرُّوهُ عَمَّا وَاشْتَبَهُمْ أَطْعِمْتَهُمْ فَلَا يَحْلِبَنَّ أَحَدٌ مَاشِيَةً إِلَّا بِإِذْنِهِمْ -

٢٣٩٨ - وَحَدَّثَنَا أَبُو قَتَيْبَةَ أَبُو سَمْعِيٍّ وَمُحَمَّدُ بْنُ زُمَيْرٍ جَمِيعًا عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي يَكْلَاهُمَا عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ وَحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ وَأَبُو كَامِلٍ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادٌ وَحَدَّثَنَا هَيْوَةُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ يَعْنِي ابْنَ عَدِيٍّ جَمِيعًا عَنْ أَيُّوبَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ تَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ أَيُّوبَ وَابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ مُوسَى كُلُّهُ هُوَ لَكَ عَنْ تَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ مَالِكٍ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِهِمْ جَمِيعًا فَيُنْتَقَلَ إِلَّا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ فَإِنَّ فِي حَدِيثِهِ فَيُنْتَقَلَ

مالک کی اجازت کے بغیر دودھ دوسے کی ممانعت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص دوسرے کے جانور کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر نہ دوسے کی ممانعت میں سے کوئی شخص اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کی کوٹھی میں گھسا جائے اس کا خزانہ توڑا جائے اور اس کا فلد نکال یا جائے، وجہ یہ ہے کہ جانوروں کے تھنوں میں ان کا طعام ذخیرہ کیا جاتا ہے، پس کوئی شخص کسی کے جانور کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر نہ دوسے۔

امام مسلم نے اس حدیث کی سات سندیں ذکر کی ہیں لیث بن سعد کی روایت کے سوا تمام روایتوں میں فینتقل کا لفظ ہے اور اس کی روایت میں فینتقل طعام کا لفظ ہے

طَعَامُهُ كِرْوًا يَتِمَّ مَالِكٌ -

پرائے جانور کا دودھ دوسرے کے متعلق دو متعارض حدیثوں میں تطبیق | اس باب کی احادیث میں ہے:

اس کی اجازت کے بغیر نہ دوسرے اور موطا کی بعض شروحات میں ہے کہ "کوئی شخص اپنے بھائی کے جانور کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر نہ دوسرے" اس دوسری روایت کی بناء پر بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس باب میں مسلمان اور ذمی کے درمیان فرق ہے۔ مسلمان کے جانور کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر دینا جائز نہیں ہے اور ذمی کے جانور کا دودھ دوسرے کے لیے اس کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ذمیوں سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ ان کو مسلمانوں کی حیثیت کرنی ہوگی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ امر صحیح کے ساتھ ثابت ہے۔ ابن دہب نے ذکر کیا ہے کہ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسافر کسی ذمی کے ہاں شیر سے تو اس کی اجازت کے بغیر اس کی کوئی چیز نہ لے۔ امام مالک سے کہا گیا کہ ذمیوں پر تو مسلمانوں کی حیثیت لازم ہے، امام مالک نے فرمایا پہلے اس مسئلہ میں تخفیف کی جاتی تھی اب نہیں ہے۔ امام طاہری نے کہا ہے کہ کِرْوًا کے مرضی ہونے سے پہلے ذمیوں پر مسلمانوں کی حیثیت واجب تھی اور کِرْوًا کے مرضی ہونے کے بعد حیثیت کا یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ علامہ بدرالدین مینی لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غنوں میں جمع شدہ دودھ کو گھر کے خزانہ میں جمع شدہ طعام کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ کسی شخص کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کسی چیز کو لینا جائز نہیں ہے خواہ وہ دودھ ہو یا کئی اور چیز ہو۔ ۱۵

بلا اجازت پر اپنی چیز لینے کے جواز میں امام احمد کا نظریہ اور ان کے دلائل | علامہ بدرالدین

علامہ ابو عمر نے کہا ہے کہ اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ میں چیز کے لینے سے کوئی شخص ناخوش ہو وہ چیز اس کی اجازت کے بغیر نہ لی جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "کسی مسلمان شخص کا مال اس کی مرضی کے بغیر لینا جائز نہیں ہے۔" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری جانیں، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ اس حدیث میں دودھ کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا ہے کہ لوگ دودھ کے معاملے میں بہت تساہل کرتے ہیں، اور اس باب میں دودھ اور کھجور وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ جمہور فقہاء اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ کسی شخص کی مرضی کے بغیر اس کے جانور کا دودھ یا کھجور وغیرہ کو لینا جائز نہیں ہے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کو کسی شخص کی مرضی اور اجازت کے بغیر بھی لینا جائز ہے، کیونکہ امام ابو داؤد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جب کسی برائی کے پاس جلتے تو اگر اس کا مالک وہاں موجود ہو تو اس سے (دودھ دوسرے کی) اجازت سے لے لے۔ اور اگر مالک موجود نہ ہو تو تین بار آواز دے اگر وہ جواب دے تو اس سے اجازت لے لے اگر وہ اجازت دے دے تو نہا ورنہ اس کا دودھ دوسرے کو لے لے لیکن دودھ ساتھ لے کر نہ جلتے۔ ۱۶

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عمرہ کی یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے، بعض اہل علم اس حدیث پر عمل کرتے ہیں، امام احمد اور اسحاق کا یہی مذہب ہے اور علی بن مدینی نے کہا ہے کہ حسن کا حضرت عمرہ سے سماع صحیح ہے (اس حدیث کو حضرت عمرہ سے حسن نے روایت کیا ہے) اور بعض ائمہ حدیث نے حضرت عمرہ سے حسن کی روایت پر تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ حسن حضرت عمرہ کے صحیفہ سے روایت کرتے تھے۔ ان علماء نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے: امام ابن ماجہ سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم کسی چیز کو دے (کے نوشی) کے پاس جاؤ تو اس کو تین مرتبہ آواز دو، اگر وہ تم کو جواب دے دے تو فہما وردہ اس کا دودھ پانی نوینک خائض نہ کرنا، اور جب تم کسی شخص کے باغ میں جاؤ تو اس کو تین بار آواز دینا اگر وہ جواب دے تو فہما وردہ (اس باغ کے پھل) کھا لینا لیکن خائض نہ کرنا“ ان علماء نے جامع ترمذی کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دخت پر لگی ہوئی کھجوروں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اگر ان کھجوروں کو کسی ضرورت مند نے کھایا اور وہ ان کو کپڑے میں باندھ کر نہیں لے گیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ان علماء نے ہجرت کی رات کے اس واقعہ سے بھی استدلال کیا ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک چرواہے کی بکری سے دودھ دو کر پیا۔ سوان اعماد حدیث کے پیش نظر امام احمد، اسحق اور بعض علماء کا یہ مسلک ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کو کسی شخص کی اہانت اور اس کی مرضی کے بغیر بھی کینا جائز ہے۔

بلا اجازت پرانی چیز لینے کے عدم جواز میں جمہور فقہاء اسلام کا نظریہ اور فقہاء حنبلیہ کے دلائل کے جوابات

امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، دیگر شہروں کے فقہاء اور جمہور علماء کا یہ موقف ہے کہ کسی شخص کے باغ سے اس کی اجازت کے بغیر پھل توڑ کر کھانا جائز نہیں ہے اسی طرح کسی شخص کی اجازت کے بغیر اس کے جانور سے دودھ ورمنا جائز نہیں ہے۔ اور امام احمد اور اسحق وغیرہ نے جامع ترمذی، سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ کی جن روایات سے استدلال کیا ہے ان کے جمہور فقہاء اسلام نے حسب ذیل جوابات دیے ہیں:

- (۱)۔ جن احادیث میں مسلمان کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر کھانے کی ممانعت ہے وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث ہیں اور جن میں بلا اجازت مسلمان کا مال کھانے کی اجازت ہے وہ سنن کی روایات ہیں اور بخاری اور مسلم کی روایات ان سے زیادہ صحیح ہیں اس لیے ممانعت کی احادیث کو ترجیح حاصل ہے اور ان پر عمل کرنا واجب ہے۔
- (۲)۔ قرآن مجید، احادیث صحیحہ مشہورہ اور قراءہ قطعیہ سے ثابت ہے کہ مسلمان کا مال بلا اجازت کھانا جائز نہیں ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے: لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِإِلْطَافٍ (توبہ ۳۴) آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور جواز اور اباحت کی احادیث اخبار اہل بیت اور جب دلائل قطعیہ اور ظنیہ میں تضاد ہو تو دلائل قطعیہ کو ترجیح ہوتی ہے۔
- (۳)۔ جن آیات اور احادیث میں مال غیر کھانے کی ممانعت ہے وہ عام ہیں اور اباحت کی احادیث خاص ہیں اور عام کو

خاص پر ترجیح ہوتی ہے۔

(۳) - جو آیات اور احادیث مانعیت پر دلالت کرتی ہیں وہ محترم ہیں اور اباحت کی احادیث بیعیج ہیں اور اصول میں یہ مقرر ہے کہ جب محترم اور بیعیج میں تعارض ہو تو محترم کو بیعیج پر ترجیح ہوتی ہے۔

بعض علماء ان حدیثوں میں تطبیق دے کر جواب دیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) - اباحت اس صورت کے ساتھ خاص ہے جب کھانے والے کو یہ علم ہو کہ اس کے کھانے سے مالک ناخوش نہیں ہوگا، اور حمانعت اس وقت ہے جب یہ علم نہ ہو۔

(۲) - بلا اجازت کھانے کی اباحت ان کے لیے ہے جو مسافر ہوں، یا حالت اضطراب میں ہوں یا ان کو سخت بھوک لگی ہو۔

(۳) - علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ بلا اجازت کھانے کی یہ اباحت صرف زمانہ رسالت کے ساتھ مخصوص تھی۔

(۴) - جن احادیث میں مانعیت ہے وہ اس صورت کے ساتھ خاص ہیں جب مالک راہ گیروں سے زیادہ ضرورت مند

اور محتاج ہو کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اچانک ہم نے چند اونٹیاں دیکھیں جن کے تھن باندھے ہوئے تھے، ہم دوڑ کر ان کے پاس پہنچے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ان مسلمانوں کی اونٹیاں ہیں جن کی غذا کا عذر انھیں اونٹنیوں پر ہے، کیا تم

کو یہ پسند ہے کہ جب تم اپنے گھر واپس جاؤ تو تم کو اپنے ترشہ دان خالی ملیں؟ ہم نے عرض کیا نہیں، آپ نے فرمایا یہ بھی اسی طرح ہے (مسند احمد و ابن ماجہ)۔ اس وجہ سے مانعیت کی حدیث اس صورت پر محمول ہے جب مالک

محتاج ہو اور اباحت کی حدیث اس صورت پر محمول ہے جب مالک غنی ہو۔

(۵) - بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اباحت اس وقت ہے جب کہ تھن باندھے ہوئے نہ ہوں اور جب تھن باندھے ہوئے ہوں

تو اس صورت میں حمانعت ہے جیسا کہ مسند احمد کی اس حدیث کا تقاضا ہے۔ لیکن امام احمد کی دوسری روایت میں یہ ہے کہ اگر تم کو سخت ضرورت ہو تو دودھ پی لو لیکن بے کرد جاؤ۔ اور یہ قید نہایت ضروری ہے۔

(۶) - یہ اجازت صرف مجاہدین کے لیے ہے اور غیر مجاہدین کے لیے حمانعت ہے۔

(۷) - اہل ذمہ کے مویشیوں سے دودھ دوہنے کی اجازت ہے اور مسلمانوں کے جانوروں سے دودھ دوہنے کی نہایت ہے۔

(۸) - یہ اجازت فرضیت زکوٰۃ سے پہلے تھی فرضیت زکوٰۃ کے بعد یہ اجازت منسوخ ہو گئی۔

(۹) - جس باغ کے گرد چار دیواری ہو اس میں کھانے کی حمانعت ہے اور جس کے گرد چار دیواری نہ ہو اس میں اجازت ہے۔

(۱۰) - امام طحاوی نے کہا ہے کہ ابتدائے اسلام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافریں کی ضیافت کرنے کو واجب کیا تھا یہ حکم اس وقت کے ساتھ مخصوص ہے بعد میں یہ وجوب منسوخ ہو گیا۔

بہر حال اللہ تبارک و تعالیٰ اور جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک بلا اجازت مسلمان کا مال کھانا جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے جو ہجرت کی نذر بکری کا دودھ پیا تھا اس پر بحث کرتے ہوئے علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ ان بکریوں کے

مالک کی طرف سے چرواہے کو یہ اجازت تھی کہ راہ گیروں کو دودھ پلا دیں، اور آپ جانتے تھے کہ یہ آپ کے لیے سب سے

بایہ کافر عربی کا مال تھا جس کی اسلام میں کوئی حفاظت نہیں ہے اور علامہ داؤدی نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور

حضرت ابوبکر مسافر تھے اور مسافروں کے لیے برقت ضرورت دودھ پینا جائز ہے۔

ضرورت کے لیے پس انداز کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے | علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ اس حدیث

اس کو ضرورت کے لیے پس انداز کرنا جائز ہے، اس کے برخلاف غالی قسم کے زائد مطلقاً جمع کرنے سے منع کرتے ہیں علامہ ابن حجر مستطانی شافعی نے بھی علامہ قرطبی مالکی کے حوالے سے یہی لکھا ہے کہ۔ میں نے آجکل تصوف کے مدعی زاہدوں سے سنا ہے کہ جمع کرنا توکل کے خلاف ہے اور توکل کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ انسان صبح کھائے اور شام کے لیے نہ رکھے حالانکہ مستقبل کی فکر نہ کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کے خلاف ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارحاً جاتے تھے ترکئی کئی دن کا زاد راہ لے جاتے تھے، اور امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرخیہ کی نصف پیداوار دی باقی تھی جو پھلوں اور زرعی فصلوں پر مشتمل ہوتی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے ہر سال ازدواج مطہرات کو ایک سو دو سق دیتے تھے، اتنی دقت کبجوسی اور میں دقت جو اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ازدواج مطہرات کو اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو زمین اور پانی لے لیں اور کاشت کر لیں اور چاہیں تو حسب دستور غلہ لے لیں، پھر بعض ازدواج نے حسب دستور غلہ کو پسند کیا اور بعض نے زمین اور پانی کو پسند کیا۔

قیاس سے استدلال کی دلیل | اس حدیث کے بقیہ فوائد بیان کرتے ہوئے علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوں میں جمع شدہ دودھ کو جمع شدہ

طعام پر قیاس کیا ہے، اور یہ قیاس کی دلیل ہے اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ صحت قیاس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ فرع با نکیہ اصل کے مساوی ہو بلکہ اصل اور فرع کا اصل صفت میں مشترک ہونا کافی ہے خواہ اصل میں کوئی زیادتی ہو جو فرع میں نہ ہو، کیونکہ حقوں میں جو دودھ ہوتا ہے ان پر قفل نہیں لگایا جاتا اس کے برخلاف خزانہ میں جو مال جمع ہوتا ہے اس پر قفل لگایا جاتا ہے۔ اس کے باوجود شارع علیہ السلام نے خزانہ کا حکم حقوں پر عائد کیا اور ہر ایک کا بلا اجازت استعمال حرام قرار دیا، نیز اس حدیث میں انہما و تہمیم کے لیے محال دینے کا بھی ثبوت ہے۔

دودھ دینے والے جانور کو دودھ کے عوض فروخت کرنے میں مذاہب فقہاء | علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں کہ دودھ دینے

والی بکری کو دودھ اور طعام کے عوض فروخت کرنے میں علماء کا اختلاف ہے، امام مالک اور ان کے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ اگر دودھ دینے والی بکری کے حقوں میں دودھ نہ ہو تو اس کو دودھ کے عوض فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ نقد

۱۔ علامہ بدرالدین ابوعبد محمد بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدة القاری ج ۱۲ ص ۲۷۸، مطبوعہ دارالطباعۃ النیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

۲۔ علامہ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر مستطانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۵ ص ۹۰، مطبوعہ دار نشر المکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

۳۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ نور محمد ص ۱۳۷، مطابع کراچی ۱۳۷۵ھ

۴۔ علامہ بدرالدین ابوعبد محمد بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدة القاری ج ۱۲ ص ۲۷۹، مطبوعہ دارالطباعۃ النیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

فردخت کیا جائے اور اگر اس کے قنوں میں دودھ ہے تو پھر اس کو دودھ کے عوض فردخت کرنا جائز نہیں ہے، اگر بکری دودھ دینے والی نہیں ہے تو اس کو نقد اور ادھار ہر طرح فردخت کرنا جائز ہے۔ اور امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ دودھ دینے والی بکری کو طعام کے عوض ادھار فردخت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک دودھ دینے والی بکری کے قنوں میں اگر دودھ ہے تو اس کو دودھ کے عوض نقد اور ادھار کسی طرح فردخت کرنا جائز نہیں ہے بلکہ

بَابُ الصِّيَافَةِ

مہمان نوازی کا بیان

حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے اپنے کانوں سے سنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کا اللہ تعالیٰ پر اور رخصت قیامت پر ایمان ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور اس کی خاطر داری کرے، صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کی خاطر داری کب تک کرے؟ آپ نے فرمایا ایک دن اور ایک رات تک اور تین دن تک اس کی معافی کرے، اس کے بعد بھی اگر ہے تو وہ اس پر صدقہ ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور روزِ آخرت پر یقین رکھتا ہو وہ بھلائی کی بات کرے یا خاموش رہے۔

۴۳۹۹ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْعَدَوِيِّ أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ أَدُنَايَ دَا بَصْرَةَ عَيْنَيَّ حِينَ تَكَلَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتَهُ قَالُوا وَمَا جَائِزَتُهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ يَوْمُهُ وَلَيْلَتُهُ وَالصِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ فَمَا كَانَ دَرَاءَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةً عَلَيْهِ وَقَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُقِلْ خَيْرًا أَوْ لِيَضْمَتْ -

حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مہمانی تین دن تک ہے اور خاطر و طرقات ایک دن ایک رات تک ہے اور کسی مسلمان شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرے کہ اس کو گناہ گار کر دے۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ اس کو کیسے گناہ گار کرے گا؟ آپ نے فرمایا ایک شخص کسی کے گھر (اتنی دیر) ٹھہرے کہ اس کے پاس مہمان نوازی کے لیے کچھ نہ رہے۔

۴۴۰۰ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَكِيمِ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي شُرَيْحٍ الْعَدَوِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَجَائِزَتُهُ يَوْمُهُ وَلَيْلَتُهُ وَلَا يَجِلُّ لِرَجُلٍ مُسْلِمٍ أَنْ يَقْبِلَهُ عِنْدَ أَخِيهِ حَتَّى يُؤْثِمَهُ قَالُوا

يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ يُؤْتِيهِ قَالَ
يُعْتِمِدُ عِنْدَكَ وَلَا شَيْءَ لَكَ يَقْرِيهِ

۴۴۰۱ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى
حَدَّثَنَا أَبُو يَكْرِبٍ يَعْنِي الْحَنْفِيَّ حَدَّثَنَا
عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا سَعِيدُ
الْمَقْبُرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا شَرِيحَةَ الْخُوَارِجِيِّ
يَقُولُ سَمِعْتُ أَدْنَاهُ وَبَصَرَ عَيْنِي وَوَعَاةَ
قَلْبِي حِينَ تَكَلَّمَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ
الْكَثِيبِ وَذَكَرَ فِيهِ وَلَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ كُفْرُ
أَنْ يُعْتِمِدَ عِنْدَ آخِيهِ حَتَّى يُؤْتِيَهُ بِمِثْلِ
مَا فِي حَدِيثِ وَكِيعٍ -

حضرت ابو شریحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے
کانوں نے سنا اور میری آنکھوں نے دیکھا اور میرے دل نے یاد رکھا کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے اور
اس میں یہ بھی ہے کہ تم میں سے کسی شخص کے لیے یہ جائز
نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے پاس اتنی دیر ٹھہرے
کہ اس کو گناہ گار کر دے، جیسا کہ وکیع کی روایت میں ہے۔

۴۴۰۲ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ
حَدَّثَنَا كَيْثُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُفَيْعٍ
أَخْبَرَنَا الْكَثِيبُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ
عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقَيْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّهُ
قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّكَ تَبْعُهُنَا
فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ فَلَا يَقْرَؤُنَا فَمَا تَرَى
فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ إِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَأَمَرُوا لَكُمْ
بِمَا يَنْبَغِي لِلضَّيْفِ فَأَقْبِلُوا فَإِنْ لَمْ
يَفْعَلُوا فَخُذُوا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ
الَّذِي يَنْبَغِي لَهُمْ -

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں کہیں بھیجتے ہیں، پھر
ہم کسی قوم کے پاس جا کر ٹھہرتے ہیں اور وہ لوگ ہماری
ضیافت نہیں کرتے، سو اس سلسلے میں آپ کا کیا حکم
ہے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا جب
تم کسی قوم کے پاس ٹھہرو اور وہ تمہاری ایسی ضیافت
کریں جیسے ایک مہمان کی ضیافت کی جاتی ہے تو اس کو قبول
کر لو، اور اگر وہ تمہاری ایسی ضیافت نہ کریں تو ان سے
اس قدر ضیافت کا سامان وصول کرو جتنا ان پر ایک مہمان
کا حق ہے۔

ف: یہ حکم حالت اضطرار میں ہے اور اگر اضطراب نہ ہو تو پھر یہ منسوخ ہے۔

مہمان کی ضیافت کرنے کے حکم میں مذاہب فقہاء
علاوہ نجاشی بن شریک نودی لکھتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا
اس پر اجماع ہے کہ مہمان کی ضیافت کرنا اسلام میں
ایک امر مؤکد ہے، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے کہا ہے کہ مہمان کی ضیافت کرنا سنت مؤکدہ ہے

الی العوالب ہے، کیونکہ تین دن کے بعد مہمان پر خرچ کرنا صدقہ اور مستحب ہے، اس لیے تین دن تک مہمان داری کرنا مستحب سے قوی ہو کر ناچاہیے اور جب کہ اس کا وجوب مراحت سے ثابت نہیں ہے تو وجوب اور استحباب کے درمیان سنت مؤکدہ ہی متوسط حکم ہے۔

مہمان کے زیادہ دیر ٹھہرنے کا حکم | حدیث نمبر ۴۴۰۰ میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرے کہ اس کو گنہگار کر دے، صحابہ نے پوچھا، یا رسول اللہ وہ اس کو گنہگار کیسے کرے گا؟ آپ نے فرمایا ایک شخص کسی کے ہاں اتنی دیر تک ٹھہرے کہ اس کے پاس مہمان نوازی کے لیے کچھ نہ رہے۔
 علامہ نووی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: مہمان کے لیے کسی شخص کے پاس تین دن سے زیادہ ٹھہرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے زیادہ قیام کی وجہ سے میزبان اس کی فیضیت کرنے لگے، یا اس کے معمولات میں حرج واقع ہو جس سے مہمان کو تکلیف ہو یا میزبان، مہمان کے متعلق بدگمانی میں مبتلا ہو جائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم (حجرات: ۱۳) ”زیادہ گمان کرنے سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں“ سو مہمان کے لیے قیام کی وجہ سے میزبان کے گناہ میں مبتلا نہ ہونے کا غور ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب خود میزبان مہمان سے زیادہ قیام کے لیے نہ کہے اور جب میزبان خود مہمان سے زیادہ قیام کی خواہش کرے یا مہمان کو کسی قوی ترین سے اس کا علم ہو یا گمان ہو تو پھر اس کا تین دن سے زیادہ ٹھہرنا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ ممانعت اس وجہ سے سختی کہ اس کے زیادہ قیام کی وجہ سے میزبان تنگ ہو گا اور جب میزبان اس کے زیادہ قیام پر خوش ہو تو پھر اس کا زیادہ قیام کرنا جائز ہے، اور اگر مہمان کو شک ہو کہ پتا نہیں میزبان اس کے زیادہ قیام پر خوش ہے یا نہیں؟ تو اس ظاہر حدیث کے مطابق اس کا زیادہ قیام کرنا جائز نہیں ہے۔

اگر میزبان ضیافت نہ کرے تو کیا مہمان اس سے بقدر ضیافت بزورے سکتا ہے؟

حدیث نمبر ۴۴۰۰ میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی قوم کے پاس ٹھہرو اور وہ تمہاری ایسی ضیافت کریں جو ایک مہمان کی، اکی جاتی ہے تو اس کو قبول کرو، اور اگر وہ تمہاری ایسی ضیافت نہ کریں تو ان سے اس قدر ضیافت کا سامان وصول کرو جتنا ایک مہمان کا حق ہے۔

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہمان کی مہمان داری کرنا میزبان پر واجب ہے، امام احمد اور فقہ لیث نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے، جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک ضیافت سنت مؤکدہ ہے، واجب نہیں ہے انھوں نے اس حدیث کے حسب ذیل جوابات دیے ہیں:

- (۱) یہ حدیث ان لوگوں کے حق میں ہے جو حالت اضطرار میں ہوں، ان کی ضیافت کرنا واجب ہے اگر لوگ ان کی ضیافت نہ کریں تو ان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ان کے مال سے بقدر ضرورت لے لیں۔
- (۲) اگر کوئی شخص کسی مہمان کی ضیافت نہ کرے تو مہمان کے لیے جائز ہے کہ وہ اس شخص کی خدمت کرے اور اس کا بخل بیان کرے۔

(۲) حدیث کا یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا جب ایک دوسرے کی نگہبازی واجب تھی جب اسلام میں دوست ہو گئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ یہ تاویل ضعیف ہے۔

(۴) پہلے اہل ذمہ پر واجب تھا کہ ان کے ملاقب سے جو مسلمان گذریں وہ ان کی ضیافت کریں، اس حدیث سے یہی مراد ہے، علامہ نووی نے لکھا ہے کہ یہ جواب بھی ضعیف ہے کیونکہ یہ حضرت عمر کے زمانہ کا معمول تھا۔

(۵) یہ حکم ان عمال کے ساتھ مخصوص ہے جن کو امام صدقات کے وصول کرنے کے لیے بھیجا ہے، اور جن لوگوں کے پاس امام کسی عامل کو بھیجے ان لوگوں پر اس عامل کی ضیافت کرنا واجب ہے۔ علامہ غطابی نے کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت تھا جب مسلمانوں کا بیت المال نہیں تھا اور اب جب کہ مسلمانوں کا بیت المال موجود ہے تو عمال کا خرچ بیت المال سے واجب ہے۔

اگر حقدار کو اپنا حق حاصل کرنے کا موقع ملے تو وہ عدالت کے بغیر بھی اپنا حق لے سکتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں اس حدیث سے ”مسئلہ ظفر“ پر استدلال کیا گیا ہے، امام شافعی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص عدالت کے ذریعہ اپنا حق لینے پر قادر نہ ہو، مثلاً مقروض منکر ہو اور قرض خواہ کے پاس کوئی گواہ یا کوئی دلیل نہ ہو تو اس شخص کے لیے جائز ہے کہ اپنے حق کے برابر مالیت اس شخص کے مال سے لے لے اور اس میں ظلم اور زیادتی نہ کرے، اور اگر عدالت کے ذریعہ لینا ممکن ہو تو فقہاء شافعیہ کے نزدیک پھر بھی اس کا لینا جائز ہے، اور فقہاء مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے، اور فقہاء اخلاف یہ کہتے ہیں کہ مثلاً اشیاء کو لینا جائز ہے اور جن چیزوں کی مثل نہ ہو ان کو لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ خدشہ ہے کہ کہیں قیمت لگانے میں زیادتی نہ ہو جائے (مثلاً کسی شخص کا پانچ مکتب فٹ کا بیشکل کا فرج کوئی شخص لے گیا اور وہ واپس نہیں دے رہا۔ بعد میں اس کے ہاں اسی سائز اور اسی کمپنی کا کوئی اور سیٹ مل گیا تو اس شخص کو اگر اس سیٹ کے لینے پر قدرت ہو تو لے سکتا ہے لیکن اگر کوئی شخص بکرا یا گائے لے گیا تھا اور اب اس کے ہاں وہ بکرا یا گائے نہیں ہے کوئی اور بکرا یا گائے لے سکتا کیونکہ جافر ایک دوسرے کی مثل نہیں ہیں اور قیمت لگانے میں کمی اور زیادتی کا احتمال ہے۔ سیدی)۔ اور اس پر علامہ کا اتفاق ہے کہ قدرت کے وقت اپنی چیز یا اس کی مثل لینے کا جواز اموال میں ہے، عقوبات بدنیہ میں نہیں ہے۔ (یعنی اگر کسی شخص نے کسی کا دانت توڑ دیا ہے اور عدالت کے ذریعہ وہ اپنا بدلہ لینے پر قادر نہیں ہے تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ از خود جاکر دانت توڑنے والے کا دانت توڑ دے) اور اموال میں بھی اپنے مال کے بدلہ میں کوئی چیز لینا اس وقت جائز ہے جب اس کو یہ اطمینان ہو کہ اس پر چوری کی تہمت نہیں لگے گی۔

یہاں ہم نے ”مسئلہ ظفر“ کا اجمالی ذکر کیا ہے کیونکہ اس کی تفصیل اور تحقیق ہم (باب: ۵، ۷) میں بیان کر چکے ہیں۔

۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۸۰، مطبوعہ نور محمد دایرہ المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
 ۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۵ ص ۱۰۹، مطبوعہ دار نشر کتب الاسلامیہ لاہور، ۱۳۰۱ھ

بَابُ اسْتِحْبَابِ الْمَوَاسَاتِ بِفُضُولِ الْمَالِ

۴۴۰۳ - حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ قَالَ
نَا أَبَا الْأَشْهَبِ عَنِ أَبِي نَضْرَةَ
عَنِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ بَيْنَمَا
نَحْنُ فِي سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلَى رَاحِلَةٍ
لَهُ قَالَ فَجَعَلَ يَصْرِفُ يَمِينَنَا وَشِمَالَنَا
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلٌ ظَهَرَ
فَلْيُعْذِبْهُ عَلَى مَنْ لَا ظَهَرَ لَهُ وَمَنْ كَانَ
لَهُ فَضْلٌ مِمَّنْ نَرَاهُ فَلْيُعْذِبْهُ عَلَى مَنْ لَا
نَرَاهُ لَهُ قَالَ فَذَاكَ مِنْ أَصْنَانِ الْمَالِ
مَا ذَكَرَ حَتَّى رَأَيْنَا أَنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ
مِمَّنَا فِي فَضْلٍ

زائد مال کو مسلمانوں کی خیر خواہی میں خرچ کرنے کا استحباب

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں جا
رہے تھے، ناگاہ ایک شخص اونٹنی پر سوار ہو کر آیا اور دائیں
بائیں گھومنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس
شخص کے پاس فالتو سواری ہو وہ فالتو سواری اس شخص کو دے
دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس شخص کے پاس
فالتو زاد راہ ہے وہ اس شخص کو زاد راہ دے دے جس
کے پاس زاد راہ نہیں ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے مال کی اقسام اتنی تفصیل سے بیان کیں کہ یوں گناہگار
ہم میں سے کسی کا اپنی فالتو چیز میں حق نہیں ہے۔

گھوڑے پر سوار سائل کو خیرات دینا

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: اس حدیث میں مدد پر براہیگی کو کرنے
سخاوت کرنے، لوگوں کے ساتھ نیکو ساری اور خیر خواہی کرنے اور اپنے
ساتھیوں کے ساتھ نیکی کرنے کا ذکر ہے اور یہ کہ جو شخص قوم کا امیر ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو کسی ضرورت مند
کی خیر خواہی اور غم گساری کی تلقین کرے۔
اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت مند کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے آپ کو عطار کے لیے پیش کر
دے اور سوال نہ کرے جیسا کہ اس حدیث میں ہے وہ سوار اگر دائیں بائیں گھومنے لگا، اور اس کا دائیں بائیں کا جائزہ لینا
اس قصد سے تھا کہ ان میں سے کوئی اس کی مدد کرنے والا ہے یا نہیں؟ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت مند
مسافر کی مدد اور اس کی خیر خواہی کرنا چاہیے خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو اور اچھا لباس پہنے ہوئے ہو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ
اس کے اپنے وطن میں اس کے پاس پیسے ہوں اور وہ مالدار ہو اور یہاں سفر میں اس کو کسی افتاد کی وجہ سے ضرورت
کا سامنا ہو، اسی وجہ سے مسافر کو زکوٰۃ بھی دی جاتی ہے اور غالباً اسی وجہ سے آپ نے فرمایا ہے تم پر سائل کا حق ہے
خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آیا ہو۔ ... (حاشیہ صفحہ ۴۴۱ آیتہ صفحہ پر ملاحظہ ہو) ...

سائل کو بھیج دینے میں مستحق اور غیر مستحق کا فرق نہیں کرنا چاہیے | جب کسی سائل کا ظاہر حال امیر اور ہر

مکان ہر تو یہ خیال کر کے اس کی مدد سے ہمت نہیں روکنا چاہیے کہ یہ تو امیر آدمی ہے اس کو سوال کی کیا ضرورت ہے! کیونکہ ہر مکان ہے وہ مکان کر کے کا ہو یا قرض میں گروی رکھا ہوا ہو یا وہ کسی کے مکان میں عارضی طور پر رہتا ہو۔ اور ہر حال میں مسلمان سے حسن ظن رکھنا چاہیے اور یہ بھی خیال کرنا چاہیے کہ یہ شخص یقیناً سوال کا مستحق ہے بھی تو سوال کر رہا ہے۔ ایک بار ایک سائل نے آکر سوال کیا میں نے اس کے ہمت پر کچھ پیسے رکھ دیے، میرے ساتھ ایک دوست کھڑے تھے انہوں نے کہا آپ کو پتا ہے یہ لوگ بھیج مانگ کر ہیر و تن اور چرخس پیتے ہیں اس لیے ان پیشہ ور بھکاریوں کے سوال پر نہیں دینا چاہیے اس کے بجائے آپ کے محلہ میں کوئی سفید پوش غریب آدمی رہتا ہو تو اس کی حسبِ مقدار مدد کر دینی چاہیے۔ اس لیے آپ اس سائل کو دیں جو مستحق ہو اور غیر مستحق کو صحت دیں۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ جو ہم کو ان گنت قسم قسم کی نعمتیں عطا فرماتا ہے، ہم کب ان نعمتوں کے مستحق ہیں، ہم دن رات اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہیں اور ہم کب ان دعاؤں کے مستجاب ہو رہے ہیں، سو! اللہ تعالیٰ بندوں کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہے جو ہم اس کے بندوں کے ساتھ سلوک کرتے ہیں، اگر کسی سائل کے بارے میں تم کو یقینی دلیل سے معلوم ہے کہ وہ ان پیسوں کی جا کر روٹی نہیں کھائے گا بلکہ چرخس یا ہیر و تن پیسے گا تو بے شک اس کو خیرات مت دو لیکن کسی سائل کی پیشانی پر یہ نہیں کھنا ہوتا کہ وہ اس خیرات کا کیا کرے گا اس لیے تم مستحق اور غیر مستحق کی تحقیق اور تفتیش مت کرو اور اگر دے سکتے ہو تو جو سائل بھی سوال کرے اس کو دے دو کیونکہ اگر تم نے تفتیش اور تحقیق کر کے غیر مستحقین کے سوال کو رد کرنا شروع کر دیا تو جس سائل کو تم نے رد کر دیا ہے وہ تمہارے علاوہ کسی اور شخص کے دروازے سے جا کر بھیج دے گا لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے بھی تمہیں غیر مستحق قرار دے کر رد کر دیا تو تم کس کے دروازے سے بھیج دو گے!

بَابُ اسْتِجَابِ خَلِطِ الْاَزْوَادِ اِذَا قَلَّتْ وَالْمُؤَاسَاةُ فِيْهَا

جب کسی ہو تو سب کے زاد راہ کو ملا دینے اور پس میں غم گساری کرنے کا استجاب۔

ابن مسعود اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنگ میں گئے وہاں ہم کو تنگی کی شکایت ہوئی حتیٰ کہ ہم نے اپنی بعض سواروں کو ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا، نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ ہم اپنے اپنے زاد راہ کو جمع کریں، پھر ایک چمڑے کا دسترخوان بچھا یا

۴۴۰۴ - حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ الْإِسْطَاقِيُّ قَالَ نَأَى الْكُتَيْبِيُّ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ الْيَمَامِيُّ قَالَ نَأَى عِكْرَمَةُ وَهُوَ ابْنُ عَمَّتَيْنَا قَالَ نَأَى إِيَّاسُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ فَأَصَابَنَا جَهْدٌ حَشِي
هَمَمْنَا أَنْ نَتَخَرَّ بَعْضُ ظَهْرِنَا فَأَمَرَ
نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَمَعْنَا
مَزَاوِدَنَا فَبَسَطْنَا لَهَا نِطْعًا فَأَجْتَمَعَ
زَادُ الْقَوْمِ عَلَى النِّطْعِ قَالَ فَتَطَاوَلْتُ
لَا تُخْزِيكُمْ هُوَ فَخْزِيكُمْ ثُمَّ كَرُّ بَضِيَّةٍ
الْعَشْرُ وَنَحْنُ أَرْبَعَةَ عَشَرَ مِائَةً
قَالَ فَأَكَلْنَا حَتَّى شَبِعْنَا جَمِيعًا ثُمَّ
حَشَوْنَا جُرْبَنَا فَقَالَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مِنْ وَضْوءٍ
قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ بِأَدْوَةٍ لَهُ
فِيهَا نُطْفَةٌ فَأَفْرَقَهَا فِي قَدَحٍ فَتَوَضَّأْنَا
كُلُّنَا نُدْغِفُهَا دَغْفِقَةً أَرْبَعَةَ عَشَرَ مِائَةً
قَالَ ثُمَّ جَاءَ بَعْدَ ذَلِكَ ثَمَانِيَةٌ فَقَالُوا
هَلْ مِنْ طَهُوْرٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرِغَ الْوُضْوءُ

گیا جس پر سب کے زادہ جمع کیے گئے۔ راوی کہتے
ہیں کہ میں اس چمڑے کے ٹکڑے کا اندازہ کرنے کے
لیے آگے بڑھا تو میرے امانت کے مطابق وہ ایک
بکری کے بیٹھنے کی جگہ کے برابر تھا، اس وقت لشکر میں
ہم چودہ سو تھے، ہم سب نے اس کھانے کو کھایا حتیٰ کہ
ہم سیر ہو گئے، پھر ہم نے اپنے اپنے کھانے کے
تھیلوں کو بھریا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا دمنو کا
پانی ہے؟ ایک شخص روٹے میں تھوڑا سا پانی لے کر آیا،
آپ نے اس پانی کو ایک پیالے میں ڈال دیا اور ہم سب
نے اس سے اچھی طرح دھو لیا اور چودہ سو آدمیوں نے
خوب اچھی طرح پانی بہایا، پھر اس کے بعد آٹھ آدمی گئے
اور پوچھا کیا دمنو کا پانی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا دمنو سے فراغت ہو چکی ہے۔

تھوڑے طعام کا زیادہ کرنا معجزہ ہے اور طعام ابتداءً معدوم ہو تو اس کا موجود کرنا معجزہ کیوں
نہیں ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نوری کہتے ہیں: اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو معجزے ظاہر ہوئے ایک طعام کا
زیادہ ہونا اور دوسرا پانی کا زیادہ ہونا، علامہ مازری نے اس معجزے کی تفصیل میں لکھا ہے کہ جب بھی طعام کا ایک جز کھایا
جاتا تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک اور جز پیدا کر دیتا اسی طرح جب پانی کا ایک گھونٹ پیا جاتا تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک اور گھونٹ پیدا
کر دیتا۔ لے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانے اور پینے کی اشیاء میں جب بھی برکت کا ظہور ہوا ہے اس کی یہی صورت
تھی کہ پہلے کچھ کھانے اور پینے کی چیزیں لائی گئیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر دعا کی یا اس میں سے کچھ تناول فرمایا

لے۔ علامہ یحییٰ بن شرف نوری متوفی ۶۷۶ھ، شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۵۵ھ

یا ان کے گرد چکر لگایا تو اس میں اضافہ ہو گیا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی چیز پہلے ہرے سے نہ ہو اور پھر وہ آپ کی برکت سے موجود ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کو عدم سے موجود کرنا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے معجزات میں کسی معجزہ کی چیز کے زیادہ ہر جانے کی تو مثالیں ہیں لیکن کسی معدوم چیز کے موجود ہونے کی مثال نہیں ہے۔

معجزات کے ثبوت کے طریقے | علامہ نووی لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی دو قسمیں ہیں ایک قسم قرآن مجید ہے جو قرآن سے منقول ہے دوسری قسم یہ ہے کہ مثلاً کھانے پینے کی چیزوں کو زیادہ کر دینا، اور اس کا ثبوت دو طریقوں سے ہے ایک تو یہ معجزات قرآن سے منقول ہیں، جیسے حاتم کی سخاوت اور احنف بن قیس کا علم قرآن سے منقول ہے، اسی طرح عرقِ حارثی کی عادت کے یہ واقعات بھی قرآن سے منقول ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب ایک صحابی نے اس قسم کا عجیب واقعہ تمام صحابہ کے سامنے بیان کیا اور کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا تو یہ ان سب کی طرف سے تصدیق ہو گئی جو اس کی مطابقت کے صحیح ہونے کا علم ایمنین ہے۔

بل جل کر کھانے کی برکت | اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب کھانے پینے کی چیزیں کم ہوں تو ان سب کو جمع کر لیا چاہیے اور ہر شخص اپنے طعام کو اپنے ساتھیوں کے لیے مباح کر دے اور یہ خیال نہ کرے کہ اس نے دوسروں سے کم کھایا ہے یا زیادہ خصوصاً طعام کی قلت کے موقع پر ایثار اور قربانی سے کام لینا چاہیے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سب کے بل کر کھانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ برکت نازل فرمائے۔

المحمد علی احسانہ آج ۱۹ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ (۲۲ اگست ۱۹۸۹ء) بروز منگل کتاب القنطاریہ ختم ہو گئی ہے، !
اللہ العالمین مجھے صحیح مسلم کی باقی کتب اور الجواب کی شرح مکمل کرنے کی سعادت بھی عطا فرما۔ میری تمام کوتاہیوں، لغزشوں اور گناہوں کو معاف فرما، میرے والدین اساتذہ اور مشائخ کی مغفرت فرما، اس کتاب کو قبول دوام عطا فرما اور اس کتاب کو میرے لیے تاقیامت صدقہ جاریہ اور توشیح آخرت کر دے۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوة والسلام علی محمد خاتم النبیین سید المرسلین اول الشافعیین والمشفعین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلیٰ ملتہ اجمعین۔



WWW.NAFSEISLAM.COM

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب الجہاد والسیار

جہاد کا لغوی معنی علامہ سید زبیدی لکھتے ہیں جَہَد اور جُہْد کا معنی طاقت، وسعت اور کسی کام میں مبالغہ کرنا ہے اور جُہْد کا معنی مشقت ہے علامہ ابن اثیر جہدی نے کہا ہے کہ حدیث میں جُہْد اور جُہْد کا لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے، جُہْد کا معنی مشقت اور جُہْد کا معنی وسعت ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ دونوں لفظ وسعت اور طاقت کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں، لیکن مشقت کے معنی میں صرف جُہْد ہی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: وَالَّذِينَ لَا يُجِدُونَ إِلَّا جُہْدَهُم (التوبہ، ۹۱) ”وہ لوگ جو صرف اپنی مشقت سے کٹائی حاصل کرتے ہیں“ قرآن نے کہا ہے کہ اس آیت میں جُہْد طاقت کے معنی میں ہے کہا جاتا ہے کہ ہذا جُہْدی ”یہ میری طاقت ہے“

جہاد دشمن سے قتال کرکے ہے: ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ (حج: ۸) ”اللہ کی راہ میں دشمنوں سے اس طرح قتال کرو جو قتال کا حق ہے“ کہا جاتا ہے ”جَاهِدُ الْعَدُو“ اس نے دشمن سے قتال کیا، اور حدیث میں ہے لَا هَجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ ”فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت ہے اور جہاد کا معنی ہے دشمنوں سے جنگ کرنے میں اپنی پوری طاقت اور وسعت کو خرچ کرنا اور نیت اللہ کے لیے اخلاص عمل کو کہتے ہیں۔ علامہ راغب اصفہانی نے بیان کیا ہے: جہاد کی حقیقت یہ ہے کہ خواہش کے فلاح اپنی طاقت اور وسعت کو خرچ کیا جائے، اور اس کی تین قسمیں ہیں، ظاہری دشمن سے جہاد کرنا، شیطان سے جہاد کرنا اور نفس سے جہاد کرنا اور یہ تینوں قسمیں اس آیت میں داخل ہیں وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ (حج: ۸) لہ

جہاد کا شرعی معنی علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: جہاد کا شرعی معنی ہے: اعلام کلمۃ اللہ کے لیے (یعنی اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے) کفار سے جنگ میں اپنی پوری طاقت اور وسعت کو خرچ کرنا اور جہاد فی اللہ کا معنی ہے: احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے لیے نفس کو تھکانا اور اتباع شہوات اور میلان لذات میں نفس کی مخالفت کرنا۔ علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: جہاد کا شرعی معنی ہے: اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کے لیے جان، مال اور زبان کو انتہائی وسعت اور طاقت سے خرچ کرنا۔ لہ

- ۱۔ سید محمد تقی عینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس شرح القاموس ج ۲ ص ۳۳۰، مطبوعہ المطبعة الخيرية مصر، ۱۳۰۶ھ
- ۲۔ علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، مدۃ القاری ج ۱۲ ص ۷۸، مطبوعہ ادارة الطباعة المریة مصر، ۱۳۴۸ھ
- ۳۔ ملک السلطان ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۹۷، مطبوعہ ایتچ۔ ایم سید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

علامہ بابر قی حنفی کہتے ہیں: دین حق کی طرف دعوت دینا اور جو اس دعوت کو قبول نہ کرے اس کے ساتھ جان اور مال کے ساتھ جنگ کرنا جہاد ہے۔ ۱۔

علامہ ابن ہمام حنفی نے بھی جہاد کی یہی تشریح کی ہے۔ ۲۔
حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کہتے ہیں: کفار سے جنگ کرنے میں اپنی طاقت اور وسعت کو صرف کرنا شرعاً جہاد ہے، اور نفس، شیطان اور فاسقوں سے مجاہدہ کرنے کو بھی جہاد کہتے ہیں، ائمہ دین کا ظلم حاصل کرنا پھر اس پر عمل کرنا اور اس کی تعلیم دینا مجاہدہ نفس ہے، شیطان کے شبہات کو دفع کرنا اور اس کی مزین کردہ چیزوں سے بچنا مجاہدہ شیطان ہے۔ جان، مال، زبان اور دل سے کفار کے ساتھ جنگ کرنا مجاہدہ کفار ہے۔ اور فاسقوں سے، زبان سے اور دل سے فاسقوں کی مخالفت کرنا مجاہدہ فاسق ہے۔ ۳۔

علامہ دستغابی ابی ناگی کہتے ہیں: دین کی سر بلندی کے لیے مسلمان کا کافر غیر ذمی سے جنگ کرنا یا میدان جنگ میں حاضر ہونا یا ارض کفار میں داخل ہونا جہاد ہے۔ جو شخص جنگ کرنے کے لیے میدان جنگ یا ارض کفار میں جانے اور اس کو جنگ کا موقع نہ ملے وہ بھی مجاہد ہے۔ ۴۔
علامہ بھوقی حنبلی کہتے ہیں: بالخصوص کفار سے قتال کرنے کو جہاد کہتے ہیں، مسلمان باغیوں اور ڈاکروں سے قتال کو جہاد نہیں کہتے۔ ۵۔

فرضیت جہاد کے تدریجی مراحل
شمس الائمہ عسری حنفی کہتے ہیں: مشرکین کو دین اسلام کی دعوت دینا واجب ہے اور جو مشرکین اس دعوت کو قبول نہ کریں، ان سے قتال کرنا واجب ہے کیونکہ تمام آسمانی کتابوں میں اس امت کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ یہ امت نیکی کی دعوت دیتی ہے اور بُرائی سے روکتی ہے، اسی بناء پر اس امت کو خیر الائم قرار دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر۔
سب سے بہترین امت ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے روکتے ہو۔
(آل عمران: ۱۱۰)

اور سب سے بڑی نیکی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے، اس لیے ہر مومن پر لازم ہے کہ وہ نیکی کی دعوت دے اور نیکی کا حکم دے اور سب سے بڑی بُرائی شرک ہے خصوصاً وہ لوگ جو عناداً شرک کرتے ہوں، اس لیے ہر مومن پر لازم ہے کہ وہ سب استطاعت لوگوں کو شرک سے روکے۔

- ۱۔ علامہ محمد بن محمود بابر قی حنفی متوفی ۷۸۹ھ، عنایہ علی الماشی فتح القدر ج ۵ ص ۱۸۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
- ۲۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدر ج ۵ ص ۱۸۴، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
- ۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۳، مطبوعہ دار نشر المکتب الاسلامیہ لاہور
- ۴۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلف دستغابی ابی ناگی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال الکمال العلم ج ۵ ص ۴۳-۴۴، مطبوعہ دار المکتب العلمیہ بیروت
- ۵۔ علامہ منصور بن یونس بن ادریس بھوقی حنبلی، کشاف القناع ج ۳ ص ۳۳، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداءً مشرکین سے اعراض کرنے اور ان سے درگزر کرنے کا حکم دیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
 فأصفح الصفح الجمیل (حجرات: ۸۵) ”آپ حسن و خیر کے ساتھ ان سے درگزر کیجیے“ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
 واعرض عن المشرکین (حجرات: ۹۲) ”اور آپ مشرکین سے اعراض کیجیے“ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ آپ حکمت کے
 ساتھ نصیحت کر کے لوگوں کو دین کی طرف بلائیے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ادع الی صبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ
 الحسنۃ وجادلہم بالتی ہی احسن۔
 حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اپنے رب کے
 راستہ کی طرف بلائیے اور ان پر احسن طریقہ سے حجت قائم
 کیجیے۔ (فصل: ۱۲۵)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ اگر مشرکین جنگ کی ابتداء کریں تو ان سے ملاخانہ جنگ کی جائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
 فان قاتلوکم فاقتلوہم۔
 (بقرہ: ۱۹۱) اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تم بھی ان سے جنگ
 کرو۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
 فان جنحوا للسلم فاجنح لہا۔
 (انفال: ۶۱) اگر وہ دکان (صلح کی طرف) مائل ہوں تو آپ صلح کی طرف
 مائل ہو جائی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابتداءً مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اور ارشاد فرمایا:
 وقاتلوہم حتی لا تكون فتنۃ و
 یکون الدین للہ۔
 (بقرہ: ۱۹۳) اور ان (کفار) سے جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ فتنہ
 (کا زور) نہ رہے اور صرف اللہ کے دین (کا نظام قائم) ہو جائے۔

فاقتلو المشرکین حیث وجدتموہم۔ (توبہ: ۵) منہم جہاں بھی مشرکین کو پاؤ ان کو قتل کر دو۔
 اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جب تک لوگ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کر لیں میں ان سے
 جنگ کرتا رہوں، اور جب وہ اقرار کر لیں گے تو وہ اپنی جان اور مال کو مجھ سے محفوظ کر لیں گے البتہ جو ان پر حق ہو گا (وہ دھول
 کیا جائے گا) اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ اس کے بعد مشرکین سے جہاد کی فرضیت برقرار رہی اور قیامت تک کے
 لیے جہاد فرض ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے اس وقت سے کہ
 جب تک میری امت و جہاں سے جنگ کرے گی جہاد جاری رہے گا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے قیامت تک
 کے لیے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے اور میرا ہتھیار نیزوں کے سنانے میں ہے اور جو شخص میری مخالفت کرے گا اس
 کے لیے ذلت اور محکومیت ہے، اور جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا اسی قوم میں شمار ہو گا، سفیان بن عیینہ نے اس
 کی یہ تفسیر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار تلواروں کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ ایک وہ تلوار ہے
 جس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت پرستوں کے ساتھ جہاد کیا، ایک وہ تلوار ہے جس کے ساتھ حضرت ابوبکر
 رضی اللہ عنہ نے ترہین کے ساتھ جہاد کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فتقاتلوہم وایسلموہ (فتح: ۱۶) ”تم ان سے
 جنگ کرتے رہو گے حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے یا تمہاری وہ تلوار ہے جس کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجوس اور

اہل کتاب کے ساتھ جنگ کی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (توبہ: ۲۹) "ان لوگوں سے جہاد کرو جو اللہ پر ایمان نہیں لائے" چوتھی وہ تلواریں ہیں جن کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غار جیوں، معاہدہ توشے والوں اور حق کی مخالفت کرنے والوں سے جہاد کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَقَاتِلُوا الَّذِينَ تَبِعُوا حَتَّى تَقْتُلُوا أَوْ يَمُوتُوا (ہجرات: ۹) "جو قوم باغی ہو اس سے اس وقت تک جنگ کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف واپس آجائے۔"

جہاد کی اقسام میں فقہاء احناف کا نظریہ | اندر اربعہ کے نزدیک جہاد کی دو قسمیں ہیں فرض میں اور فرض کفایہ اسلام کو نہ قبول کریں تو پھر ان سے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے، اور اگر کسی اسلامی شہر پر کافر حملہ کریں تو اس شہر کے مسلمانوں پر اپنے شہر کے دفاع کے لیے جہاد کرنا فرض میں ہے اور اگر اس شہر کے مسلمان اپنا دفاع نہ کر سکیں تو اس کے قریب کے شہر والوں پر جہاد کرنا فرض میں ہو جائے گا علیٰ ہذا التیاس اگر ایک اسلامی ملک اپنے دفاع کی استطاعت نہ رکھے تو اس کے قریب کے ملک پر اس ملک کے دفاع کے لیے جہاد کرنا فرض میں ہوگا۔

شمس الائمہ رحمہ اللہ حنفی کہتے ہیں: پھر فریضہ جہاد کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم فرض میں ہے جب کفار پر حملہ کرنے کا عام حکم ہو تو ہر شخص پر اپنی قوت اور طاقت کے اعتبار سے جہاد کرنا فرض میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نَظَرُوا نَظْرًا وَنُفَرُوا نَفْرًا (توبہ: ۲۱)

یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ انْزِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَثَأْ قُلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ارْضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۚ أَلَا تَتَفَرَّوْنَ عَنْكُمْ عَذَابَ اللَّهِ عَظِيمًا (توبہ: ۲۹-۳۰)

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چٹ کر رہ گئے، کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کو پسند کر لیا ہے؟ آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کی متاع تو محض قلیل ہے، اگر تم (راہ خدا میں) نہ نکلتے تو اللہ تعالیٰ تم کو دردناک عذاب دے گا۔

اور دوسری قسم فرض کفایہ ہے، جس میں بعض مسلمانوں کے جہاد کرنے سے باقی بعض مسلمانوں سے جہاد ساقط ہو جاتا ہے، کیونکہ جہاد کی وجہ سے مشرکین کی شرکت ٹوٹ جاتی ہے اور دین کو غلبہ حاصل ہوتا ہے اور جہاد سے یہی مقصود ہے، نیز اس لیے کہ اگر جہاد کو نہ ہر وقت ہر شخص پر فرض کیا جاتا تو اس سے حرج واقع ہوتا کیونکہ مقصود توبہ ہے کہ مسلمان دین اور دنیا کی اچائیوں کو آزادی اور بے عوفی سے حاصل کر سکیں اور اگر ہر شخص جہاد میں مشغول ہو گیا تو دنیا کے دیگر اصلاحی اور تعمیری کام انجام نہیں پاسکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جہاد میں بغض نہیں تشریف لے جاتے تھے اور کبھی دوسروں کو بھیجتے تھے حتیٰ کہ آپ نے فرمایا: شیری یہ خواہش ہے کہ کوئی جنگی قافلہ یا لشکر روانہ نہ کیا جائے مگر میں بھی اس میں شریک ہوں، لیکن میرے پاس سب کے لیے سولیاں نہیں ہیں اور میرے بغیر یہ خوش نہیں ہوں گے، اور میری بڑی تنہا یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا رہوں حتیٰ کہ میں شہید کر دیا جاؤں اور میں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر شہید کیا جاؤں" اس

حدیث میں یہ بھی جمل ہے کہ جہاد اور مرتبہ شہادت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتبہ رسالت حاصل کرنے کے بعد جہاد کی تنہا کی ہے اور حضرت امیر پرہ ریحی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو دن کو روزہ رکھے اور رات قیام، رکوع اور سجود میں گزرتے ہوئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں صبح کو نہایا شام گزارنا دنیا اور مایہا سے بہتر ہے جہاد کے بارے میں بکثرت احادیث اور آثار ہیں حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کو دین کا کوئلہ فرمایا ہے اور مسلمانوں کے امیر پر یہ لازم ہے کہ وہ جہاد کے لیے کوشش کرتا رہے یا خود جہاد کے لیے نکلے یا کسی لشکر کو روانہ کرے۔ ملک اللہ علامہ کا سانی صنفی کہتے ہیں: اگر جہاد کے لیے روانہ ہونے کا مسلمانوں کو عام حکم دیا جائے تو جہاد فرض میں ہے اور اگر عام حکم نہ ہو تو جہاد فرض کفایہ ہے اور بعض مسلمانوں کے جہاد کرنے سے باقی مسلمانوں سے جہاد کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَضْلُ اللَّهِ الْمَجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ
عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكَلَّا وَعَدَ اللَّهُ الْحَسَنَىٰ
وَفَضْلُ اللَّهِ الْمَجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ
أَجْرًا عَظِيمًا۔

(نساء، ۹۵)

اگر ہر مسلمان پر جہاد فرض ہوتا تو جہاد نہ کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ اچھی عاقبت کا وعدہ نہ فرماتا اور جہاد کے موقع پر بیٹھے رہنا حرام ہوتا۔ نیز جہاد اس لیے فرض کیا گیا ہے کہ اسلام کی دعوت دی جائے اور دین حق کو سر بلند کیا جائے اور کفار کے شر اور ان کے قہر کو دفع کیا جائے اور یہ مقصد بعض مسلمانوں کو جہاد کے لیے روانہ کرنے سے پورا ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی لشکر روانہ کر دیتے اور خود تشریف نہیں لے جاتے تھے اگر جہاد فرض میں ہوتا تو آپ لشکر کو روانہ کرنے کے بعد بھی خود بیٹھے نہ رہتے اور نہ کسی مسلمان کو جہاد چھوڑ کر بیٹھے رہنے کی اجازت دیتے۔

اور جب کہ جہاد فرض کفایہ ہے تو مسلمانوں کے امیر پر لازم ہے کہ وہ کفار سے جہاد کرنے کے لیے تمام اسلامی سرحدوں پر مجاہدین کو روانہ کرے اور جب یہ مجاہدین کفار سے جہاد کریں گے تو باقی مسلمانوں سے جہاد ساقط ہو جائے گا اور جب کسی سرحد پر مجاہدین کمزور پڑ جائیں اور ان پر دشمن کے غلبہ کا خطرہ ہو تو اس شہر کے مسلمانوں پر ان کی مدد کے لیے روانہ ہونا واجب ہے اور سوار لیں، اسلحہ اور مال سے ان کی مدد کرنا واجب ہے۔

نیز علامہ کا سانی فرماتے ہیں: جب جہاد کسی لیے روانہ ہونے کا عام حکم دیا جائے یا یہ طور کہ دشمن کسی شہر پر حملہ کر دے تو پھر جہاد فرض میں ہے اور افراد مسلمین میں سے ہر مسلمان پر جہاد کو نافرض نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ جہاد پر قادر ہو، کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْمَدِينَةِ وَلَا رِجَالٍ كَرِهُوا جِهَادَ اللَّهِ أَنْ يَقُولُوا سَاعِدْهُمُ اللَّهُ نَحْنُ أَعْلَمُ بِالْمَدِينَةِ وَلَا يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔

شمس اللہ محمد بن احمد سرخسی صنفی متوفی ۴۸۳ھ، البیہقوی ۱۰ ص ۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ۔

چاہیے تھا کہ وہ (جہاد میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ جاتے اور نہ یہ کہ وہ رسول کی جان سے زیادہ اپنی جان کے رعبت کرتے، تاکہ انھیں اللہ کی راہ میں بھوک، پیاس اور مشقت نہ پہنچے۔

الاعراب ان یتخلفوا عن رسول اللہ ولا یزغبوا بانفسہم عن نفسه ذلک بانہم لا یصیبہم ظمأ ولا نصب ولا مخمصة فی سبیل اللہ (توبہ: ۱۲۰)

سوائے صومرت میں نماز روزے کی طرح ہر مسلمان پر جہاد کرنا فرض عین ہو گا۔ لہ علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں: "ذخیرہ" میں لکھا ہوا ہے کہ جب جہاد کے لیے روانہ ہونے کا بگل نجا جائے تو جو لوگ دشمن کے قریب ہوں اور جہاد کرنے کی طاقت رکھتے ہوں ان پر جہاد کے لیے روانہ ہونا فرض عین ہے اور جو لوگ دور ہوں ان پر جہاد کرنا فرض کفایہ ہے حتیٰ کہ اگر ان کی ضرورت نہ پڑے تو ان کا جہاد نہ کرنا جائز ہے لیکن اگر ان کی ضرورت پڑ جائے یاں طور کہ قریب والے مسلمان دشمن سے مقابلہ میں کمزور پڑ جائیں یا وہ کسی سختی کی وجہ سے جہاد نہ کریں تو پھر جو مسلمان ان مسلمانوں سے قریب ہوں ان پر نماز اور روزے کی طرح جہاد فرض عین ہو جائے گا۔ لہ

علامہ باری حنفی لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور بہت سے صحابہ کو مدینہ میں چھوڑ جاتے تھے اس سے یہ معلوم ہوا کہ جہاد صرف اسی وقت فرض عین ہوتا ہے جب جہاد کے لیے روانہ ہونے کا عام حکم دیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

بلا قدر (جہاد سے) بلٹھو رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ (کافروں سے) جہاد کرنے والے مسلمان برابر نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والے مسلمانوں کو بیشمار حصے والے مسلمانوں پر وجہ میں فضیلت دی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھی عاقبت کا وعدہ کیا

لا یتوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضر والمجاہدون فی سبیل اللہ بأموالہم وانفسہم فضل اللہ المجاہدین بأموالہم وانفسہم علی القاعدین درجۃ وکلًا وعد اللہ الحسنی۔ (نساء: ۹۵)

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جہاد نہ کرنے والوں سے بھی اللہ تعالیٰ نے اچھی عاقبت کا وعدہ کیا ہے اور اگر جہاد فرض عین ہوتا تو جہاد نہ کرنے والے اچھی عاقبت کے وعدہ کے بجائے عذاب کی وعید کے مستحق ہوتے، اسی سے معلوم ہوا کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔ البتہ جس وقت جہاد پر روانہ ہونے کا عام حکم ہو جائے تو جو مسلمان دشمن کے قریب ہوں اور جہاد پر قادر ہوں ان پر جہاد کرنا فرض عین ہو جاتا ہے اور جو مسلمان دشمن سے دور ہوں ان پر جہاد فرض نہیں ہوتا، ہاں اگر قریب والے مسلمانوں کو کسی وجہ سے ان کی ضرورت پڑے تو پھر ان پر بھی جہاد فرض ہو جاتا ہے اور اگر ان کو بھی ضرورت پڑے تو پھر ان کے قریب مسلمانوں پر جہاد فرض ہو گا و علیٰ ہذا القیاس سائرہ بکمال اہل اسلام پر جہاد فرض عین

لہ۔ ملک العلماء ابو بکر بن مسعود کا سنی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷، ص ۹۸، مطبوعہ راجہ ایم سید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

لہ۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵، ص ۱۹۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکس

ہو جائے گا۔ ۱۷

جہاد کی اقسام میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ | علامہ دشتانی ابی مالکی کہتے ہیں: علامہ ابن قحطان وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ جو شخص جہاد پر قادر ہو اس پر جہاد کرنا فرض کفایہ ہے۔ اور علامہ مازری مالکی نے کتاب کبیر میں لکھا ہے کہ جہاد فرض عین بھی ہے اور فرض کفایہ بھی ہے۔ جو مسلمان دشمن اسلام کے قریب اور جہاد پر قادر ہوں ان پر جہاد کرنا فرض عین ہے اور جو مسلمان دور ہوں ان پر جہاد کرنا فرض کفایہ ہے۔ اسی طرح اگر کسی علاقہ کے مسلمانوں پر کفار حملہ کریں تو ان پر جہاد کرنا فرض عین ہے اور جن پر حملہ نہ کریں ان پر فرض کفایہ ہے۔ اسی طرح اگر کسی علاقہ کے مسلمانوں پر دشمن حملہ کرے اور وہ اس سے دفاع کی طاقت نہ رکھتے ہوں پھر بھی ان پر جہاد کرنا فرض عین ہے۔ ۱۸

جہاد کی اقسام میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ | علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی کہتے ہیں کہ عہد رسالت میں جہاد صرف

القاعدون الآية (نساء: ۹۵) (علامہ باری رحمہ اللہ کے حوالے سے اس آیت سے استدلال کا بیان گندہ چکا ہے)۔ لیکن اب جہاد کی قسمیں ہیں ایک یہ ہے کہ کفار اپنے شہروں میں ہوں اس وقت ان سے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے اگر کوئی مسلمان بھی ان سے جہاد نہ کرے تو وہ تمام مسلمان گناہ گار ہوں گے جن کو جہاد نہ کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ ۱۹ علامہ نووی شافعی کہتے ہیں: جہاد کی دوسری قسم فرض عین ہے اور یہ اس وقت ہے جب کفار مسلمانوں کے شہروں کو روند رہے ہوں یا مسلمانوں پر حملہ کرنے کے قصد سے مسلمانوں کے شہروں کی سرحدوں پر جمع ہو جائیں اس وقت ان سے جہاد کرنا فرض عین ہے۔ ۲۰

جہاد کی اقسام میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ | علامہ ابن قحطان حنبلی کہتے ہیں: عام حالات میں جہاد کرنا فرض کفایہ ہے اور حسب ذیل صورتوں میں جہاد کرنا فرض عین ہے۔

(۱)۔ جب جنگ ہو رہی ہو اور دونوں طرف سے فوجیں صف آرا ہوں تو پھر مسلمانوں کا میدان جنگ سے بھاگنا اور پیٹھ دکھانا حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا الْقِيَمَةُ نُفِثَتْ فَأْتِبَتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ - (انفال: ۲۵۱)

اے ایمان والو! جب تہارا دشمن کی فوج سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو، تاکہ تم کامیاب ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا الْقِيَمَةُ نُفِثَتْ فَأْتِبَتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ - (انفال: ۲۵۱)

اے ایمان والو! جب میدان جنگ میں تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان سے پیٹھ نہ پھیرنا، اور جو شخص

۱۷۔ علامہ اکمل الدین محمد بن محمود باری رحمہ اللہ، حنفی متوفی ۸۶۶ھ، عنایہ علی الامش فی القدر ج ۵ ص ۱۹۲، مطبوعہ مکتبہ نوربہ رضویہ سکس

۱۸۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلیفہ دشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال السلم ج ۵ ص ۴۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۹۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین و مدقۃ المقتیین ج ۱ ص ۲۰۸، مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ

۲۰۔ روضۃ الطالبین و مدقۃ المقتیین ج ۱ ص ۲۱۴

یولہم یومئذ دبرہ الامتحرراً لقتال
او متحیناً الی فئۃ فقد بآء بغضب من
اللہ وما دبر جہنم وبتئس المصیر۔
(انفال ۱۵، ۱۶)

جنگی چال کے سوا یا فوج کے کسی دوسرے لاحق ہونے کے
تصد کے بغیر اس دن کافروں سے بیٹھ پھیرے گا تو بلاشبہ
وہ اللہ کے غضب میں گھر جائے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور
وہ کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

۲۔ جب مسلمانوں کے کسی شہر پر کفار حملہ آور ہوں تو اس شہر کے مسلمانوں پر ان سے جنگ کرنا اور ان کا جنگنا فرض عین
۳۔ جب الامیر یا امیر مملکت کسی قوم کو جہاد کے لیے بلائے تو ان پر جہاد کے لیے جانا فرض عین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ
کا ارشاد ہے:

یا ایہا الذین امنوا اذا قیل لکم انفروا
فی سبیل اللہ اثأقلتم الی الاارض
ارضیتم بالحدیثۃ الدنیا من الاخرۃ۔
(توبہ ۳۸)

اے ایمان والو! انہیں کیا ہو گیا! جب تم سے اللہ
کا راہ میں نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چپٹ کر رہ
گئے! کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کو پسند کر
لیا ہے؟

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اذا استنفرتم فأنفروا" جب تم کو جہاد کے لیے طلب کیا جائے
تو فوراً چلے آؤ۔

کن حالتوں میں جہاد فرض عین ہوتا ہے اور کن حالتوں میں فرض کفایہ | فقہاء احناف، فقہاء مالکیہ، فقہاء
شافعیہ اور فقہاء حنبلیہ کے نزدیک

جن صورتوں میں کفار سے جہاد کرنا فرض عین ہے وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ جب جہاد کے لیے رواد ہونے کا عام حکم دیا جائے یعنی جب کسی مسلمان ملک کا امیر ملک کے ہر شہری کو جہاد کے
لیے رواد ہونے کا حکم دے خواہ وہ شہری فوجی ہو یا غیر فوجی اس وقت اس ملک کے ہر مسلمان پر جہاد کرنا فرض عین ہے۔
اسی طرح اگر کسی شہر کا مسلمان امیر حکم دے کہ تمام شہر کے لوگ جہاد کے لیے رواد ہوں تو اس شہر کے ہر مسلمان پر جہاد
کے لیے رواد ہونا فرض عین ہے البتہ جو لوگ جہاد کرنے سے معذور ہوں وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

۲۔ جس علاقہ کے لوگ دشمن اسلام سے قریب ہوں اور اس سے جہاد کرنے پر قادر ہوں ان پر اس سے جہاد کرنا
فرض عین ہے۔

۳۔ مسلمانوں کے جس شہر کا سرحدوں پر کفار حملہ کرنے کے قصد سے جمع ہو جائیں اس شہر کے مسلمانوں پر ان کفار
سے جہاد کرنا فرض عین ہے اور اگر ان کو اپنے دفاع میں دوسرے شہر کے مسلمانوں کا ضرورت ہو تو پھر ان پر
بھی جہاد فرض عین ہے۔

۴۔ جب (الایاۃ باللہ) کافر مسلمانوں کے کسی شہر کو روند رہے ہوں تو اس شہر کے مسلمانوں پر جہاد کرنا فرض عین ہے۔
اور جب انھیں دوسرے مسلمانوں کا مدد کی ضرورت ہو تو ان پر بھی جہاد فرض عین ہے۔

ان صورتوں کے علاوہ عام حالات میں جب کافر اپنے اپنے ملکوں میں ہوں تو جو مسلمان ان سے جہاد کرنے پر قادر ہوں ان پر تبلیغ دین اور اسلام کی سر بلندی کے لیے کافروں سے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے اور اگر کسی ملک کے مسلمان بھی کافروں سے جہاد نہ کریں تو پھر دنیا کے تمام مسلمان گنہگار ہوں گے۔

جب تک دنیا میں مسلم اقوام تبلیغ دین اور اعلا کلمۃ الحق کے لیے کفر اور باطل قوتوں سے جہاد کرتی رہیں وہ دنیا میں عزت اور سر بلندی کے ساتھ زندہ رہیں اور جب انھوں نے جہاد چھوڑ دیا اور عیش و طرب کی زندگی اختیار کر لی، مسلمان مشقت، جانفشانی اور سخت کوشی کی جگہ سہولت، آرام اور تن آسانی کی زندگی بسر کرنے لگے تو ذلت اور محکومی ان کا مقدر ہو گئی، اسپین میں مسلمانوں کا عروج اور زوال، ہندوستان میں سلاطین غلیہ کی سر بلندی اور ہستی اور عربوں کی اسرائیلیوں سے فتح اور شکست کا لازمی ایک نکتہ میں مضمر ہے۔

آج پاکستان کی قوم بھی تہذیب اور کلچر کے نام پر سینا اور دی۔ سی۔ آر پر پاکستانی اور ہندوستانی ملکوں کے دیکھنے کے وفور شرقی میں مبتلا رہے اور میڈرک کے شہر میں خودی ہوئی ہے اور ملکوں میں جوفاشی اور نیم عربی تہذیب دکھائی جاتی ہے اس کو ملٹی زندگی میں آرٹ اور فیشن کے نام پر فروغ دے رہی ہے یہی وجہ ہے کہ سقوط مشرقی پاکستان کے موقع پر نوے ہزار زنجیوں نے ہتھیار ڈال کر مسلمانوں کی عسکری تاریخ کی بدترین مثال قائم کی۔

جہاد کے مباح ہونے کی شرائط | جہاد کے مباح ہونے کی دو شرطیں ہیں: ۱۔ دشمن دین اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دے اور مسلمانوں اور شہریوں کے درمیان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ نہ ہو۔

(۲)۔ مسلمانوں کو یہ توقع اور امید ہو کہ جنگ میں مسلمانوں کو کفار پر غلبہ حاصل ہوگا اگر مسلمانوں کو یہ توقع اور امید نہ ہو تو پھر ان کے لیے کفار سے جنگ کرنا ہاتھ نہیں ہے کیونکہ جب مسلمانوں کو جنگ کی قوت اور سامان حرب میں برتری حاصل نہ ہو تو پھر ان کا کفار سے جنگ کرنا خود کشی کے مترادف ہے۔ لہٰذا

جہاد کے وجوب کی شرائط | جہاد کے واجب ہونے کی سات شرطیں ہیں: ۱۔ اسلام۔ ۲۔ بلوغ۔ ۳۔ عقل۔ ۴۔ آزاد ہونا۔ ۵۔ مرد ہونا۔ ۶۔ مستور نہ ہونا۔ ۷۔ ضروریات کا خرچ موجود ہونا۔

اسلام کی شرط اس لیے ہے کہ کافر پر جنگ میں اعتماد نہیں کیا جاسکتا، عقل کی شرط اس لیے ہے کہ مجنون جہاد نہیں کر سکتا اور بلوغ کی شرط اس لیے ہے کہ بچہ کمزور ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب میری عمر چودہ سال تھی تو میں نے اپنے آپ کو جنگ اُمد کے لیے پیش کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور آزاد ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آزاد شخص سے اسلام اور جہاد کی بیعت لیتے تھے اور غلام سے صرف اسلام کی بیعت لیتے تھے جہاد کی بیعت نہیں لیتے تھے اور مرد ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ کیا عورتوں پر جہاد فرض ہے؟ آپ نے فرمایا ان پر ایسا جہاد فرض ہے جس میں جنگ نہیں ہے اور وہ حج اور عمرہ ہے۔ غیر مستور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ

شخص اندھا، نگلڑا اور بیمار نہ ہو اور یہ اس لیے شرط ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لیس علی الاعرج حوج ولا علی الاعرج حوج ولا علی المریض حوج (فتح : ۱۷) ”بہادار نہ کرنے کی وجہ سے (اندھے پر کوئی گناہ نہیں اور نہ نگلڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے۔“ اور خرچ موجود ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لیس علی الضعفاء ولا علی المرضى
ولا علی الذین لا یجدون ما ینفقون حرج
اذا نصحوا لله ورسوله - (توبہ: ۹۱)
اگر جہاد مسافت قصر سے کم پر ہو تو مدت جہاد میں اہل و عیال کا خرچ ضروری ہے اور ہتھیاروں کا ہونا بھی ضروری
ہے اگر جہاد مسافت قصر پر ہو تو اس کے ساتھ ساتھ سواری بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا علی الذین اذا ما اتوا لتحملهم
قلت لا اجد ما احملکم علیہ تولوا واعینہم
تفیض من الدمع حزنا لا یجدوا ما
ینفقون -

(توبہ: ۹۲)

یہ شرائط علامہ ابن قدامر حبشی نے بیان کی ہیں۔ اے

کتنی مدت کے بعد مسلمانوں پر جہاد کرنا واجب ہے۔ تبلیغ دین کے لیے سال میں ایک مرتبہ مسلمانوں کی عددی تعداد کم ہو یا ان کے پاس سامان حرب کی کمی ہو یا جہاد کے راستہ میں کوئی رکاوٹ ہو یا مسلمانوں کو یہ توقع ہو کہ اگر کفار سے جنگ میں تاخیر کی تو شاید وہ اسلام قبول کر لیں۔ اے

بَابُ جَوَازِ الْإِفَارَةِ عَلَى الْكُفَّارِ الَّذِينَ
بَلَغَتْهُمْ دَعْوَةُ الْإِسْلَامِ مِنْ غَيْرِ تَقَدُّمِ
إِعْلَامِهَا لِإِفَارَةٍ

جن کفار کو دعوت اسلام دی جا چکی ہو ان کو
دوبارہ دعوت دیے بغیر جنگ کرنے کا
جواز

۴۲۰۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ
ابن عون بیان کرتے ہیں کہ میں نے نافع کو لکھ کر

[illegible]

حَدَّثَنَا سُلَيْمُ بْنُ أَحْصَةَ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ
قَالَ كَتَبْتُ إِلَى نَافِعٍ أَسْأَلُهُ عَنِ الدُّعَا
قَبْلَ الْقِتَالِ قَالَ فَكُتِبَ إِلَيَّ إِنَّمَا كَانَ
ذَلِكَ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ قَدْ أَغَارَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَنِي
الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَائِرُونَ وَأَنعَا لَهُمْ تُسْقَى
عَلَى الْمَاءِ فَقَتَلَ مَقَاتِلَهُمْ وَسَبَى سَبْيَهُمْ
وَاصْطَابَ يَوْمَئِذٍ قَالَ يَحْيَى الْحُسَيْبِيُّ
قَالَ جَوَيْرِيَّةٌ أَوْ قَالَ الْبَيْتَةُ ابْنَتُ
الْحَارِثِ وَحَدَّثَنِي هَذِهِ الْحَدِيثُ عَبْدُ اللَّهِ
ابْنُ عُمَرَ وَكَانَ فِي ذَلِكَ الْجَيْشِ -
۴۴۰۶ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى
حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ
بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ وَقَالَ جَوَيْرِيَّةٌ
بْنَتُ الْحَارِثِ وَلَمْ يَشْكُ -

جنگ سے پہلے کفار کو دین کی دعوت دینے کے متعلق سوال
کیا، نافع نے لکھا یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا، کیونکہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق پر بے خبری میں حملہ کیا وہاں
حاکم ان کے مویشی پانی پی رہے تھے، آپ نے ان کے
جنگجو مردوں کو قتل کر دیا اور باقی کو قید کر لیا اور اسی دن
حضرت جویریہ آپ کے ہاتھ لگیں، راوی کہتا ہے یا عمارت
کی بیٹی۔ یہ حدیث مجھ کو حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کی
اور وہ اس لشکر میں تھے۔

یہ حدیث ایک اور سند سے منقول ہے اور اس
میں بغیر کسی شک کے جویریہ بنت الحارث کا لفظ ہے۔

جہاد کرنے سے پہلے کفار کو دعوت اسلام دینے میں مذاہب فقہاء
علامہ یحییٰ بن شرف نوری لکھتے ہیں: اس حدیث میں یہ دلیل
ہے کہ جن کفار کو پہلے اسلام کی دعوت دی جا چکی ہے ان پر بغیر اعلان جنگ اور بغیر دعوت اسلام کے حملہ کرنا جائز ہے۔
علامہ مائری اور قاضی نے اسی مسئلہ میں تین مذاہب بیان کیے ہیں:

- ۱۔ امام مالک وغیرہ نے کہا ہے کہ جنگ سے پہلے دعوت اسلام دینا مطلقاً واجب ہے لیکن یہ مذہب ضعیف ہے
- ۲۔ جنگ سے پہلے دعوت اسلام دینا اصلاً واجب نہیں ہے، یہ مذہب باطل ہے۔
- ۳۔ امام مالک کا صحیح مذہب امام شافعی کا قول جدید، امام ابوحنیفہ، امام اوزاعی اور جہور فقہاء اسلام کا مذہب یہ ہے کہ اگر
کفار پہلے اسلام کی دعوت نہیں دی تو ان کو جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینا واجب ہے، اور اگر ان کو پہلے
اسلام کی دعوت دی جا چکی ہے تو جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینا مستحب ہے۔ بہکثرت احادیث صحیحہ اس
مذہب کی مؤید ہیں، کتب بن اشرف اور ابوالمحقق کو قتل کرنے کی حدیثوں میں بھی اس کی تائید ہے اور اس باب کی
حدیث بھی اسی کی مؤید ہے۔ لہ۔

جہاد کرنے سے پہلے کفار کو دعوت اسلام دینے میں فقہاء حنبلیہ کے مذہب کی تفصیل ! !

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں دعوت اسلام کو پہنچا دیا گیا ہے اور وہ تمام دنیا میں شائع ہو چکی ہے، لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ رومیوں اور ترکوں کے مابین کوئی ایسی قوم ہو جس کو دعوت اسلام نہ پہنچی ہو، سو ایسی قوم سے دعوت اسلام دیے بغیر جنگ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو لشکر کا امیر بناتے تو اس کو بالخصوص اور اس کے باقی ساتھیوں کو بالعموم اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیتے اور فرماتے تھے: تبارا مشرکین سے مقابلہ ہو تو ان کو تین چیزوں میں سے کسی ایک کی طرف دعوت دینا، وہ ان تین میں سے جس کو بھی مان لیں تو تم قبول کر لینا، اور جنگ سے رگ جانا، ان کو اسلام کی دعوت دینا، اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کا اسلام قبول کرنا اور ان سے جنگ نہ کرنا، اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کریں تو ان کو جزیہ دینے کی دعوت دینا، اگر وہ جزیہ دینے پر تیار ہوں تو ان کی یہ پیش کش قبول کرنا اور ان سے جنگ نہ کرنا، اور اگر وہ جزیہ دینے سے انکار کریں تو پھر اللہ کی مدد کے ساتھ ان کے خلاف جہاد شروع کر دینا، (مسلم و ابوداؤد)۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حکم ابتداء اسلام کا ہو جب دعوت اسلام شائع نہیں ہوئی تھی اور دین اسلام کا ظہور نہیں ہوا تھا، لیکن اب دعوت اسلام شائع ہو چکی ہے اس لیے اب جنگ کے وقت کسی کو دعوت اسلام دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنگ شروع کرنے سے پہلے اسلام کی دعوت دیتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو ظاہر کر دیا اور اسلام کو غلبہ عطا فرمایا، اور میں نہیں جانتا کہ آج کوئی شخص کسی کو اسلام کی دعوت دیتا ہو، کیونکہ ہر شخص کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے، رومیوں کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے اور وہ جانتے ہیں کہ ان سے کس چیز کا مطالبہ ہے۔ اسلام کی دعوت دینا صرف ابتداء اسلام میں ضروری تھا اور اگر اب بھی دعوت دی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے مصطفیٰ کی بے خبری میں ان پر حملہ کیا، وہ ان کا لیکہ ان کے ادب پانی پی رہے تھے، آپ نے ان کے لڑنے والے افراد کو قتل کر دیا اور بچوں کو گرفتار کر لیا (بخاری و مسلم) اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو امیر بنایا پھر ہم نے مشرکین کے ایک گروہ سے جنگ کی اور ان پر شب خون مارا۔ (ابوداؤد) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت بریدہ کی حدیث میں جو جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینے کا حکم ہے وہ استیجاب پر محمول ہو اور بلاشبہ یہ دعوت ہر حال میں مستحب ہے، کیونکہ امام بخاری نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ یمین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صہبائے کرام سے فرمایا اور ان کو اہل یمین سے جنگ کے لیے بھیجا تو ان کو اسلام کی دعوت دینے کا حکم دیا حالانکہ اہل خیبر کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی (صحیح بخاری) اور جب طلحہ اسدی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو حضرت خالد بن ولید نے اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے یہ دعوت قبول نہ کی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت خالد کو اس پر غالب کر دیا۔ اور حضرت سلمان نے اہل فارس کو اسلام کی دعوت دی۔

اس وضاحت کے بعد یہ جاننا چاہیے کہ اگر اہل کتاب یا مجوسیوں سے جہاد کرنا ہو تو پہلے ان کو اسلام کی دعوت دی جائے، اگر وہ انکار کریں تو ان کو جزیہ دینے کی دعوت دی جائے اور اگر وہ اس کا بھی انکار کریں تو پھر ان سے جنگ کی

جائے، اور اگر ان کے غیر سے جنگ ہو تو ان کو اسلام کی دعوت دی جائے اور اگر وہ انکار کریں تو پھر ان سے جنگ کی جائے اور جو دعوت اسلام سے پہلے قتل کر دیا گیا اس کے خون کی کوئی ضمانت نہیں ہے، کیونکہ اس سے کوئی معاہدہ ہے نہ اس کو امان ہے۔ لے

جہاد کرنے سے پہلے کفار کو دعوت اسلام دینے میں فقہاء و اخاف کے مذہب کی تفصیل!

مک الملک علامہ کا سانی حنفی کہتے ہیں: اگر کفار کو پہلے دعوت اسلام نہ پہنچی ہو تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ پہلے ربانی اسلام کی دعوت دیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ادع الی سبیل ربک بالحکمة و
الموعظة الحسنة و جادلہم بالی حق احسن۔
(نحل: ۱۲۵)

اور دعوت اسلام سے پہلے ان لوگوں سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ دعوت اسلام سے پہلے موت عقل کی وجہ سے اگرچہ ان پر ایمان لانا واجب ہو چکا تھا اور وہ ایمان نہ لانے کی وجہ سے قتل کے مستحق تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی طرف رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام بھیجنے اور ان کو تبلیغ کرنے سے پہلے ان سے قتال حرام کر دیا ہے، اور یہ ان پر محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے تاکہ ان کا کوئی گناہ باقی نہ رہے، ہر چند کہ حقیقت میں ان کا کوئی عذر نہیں ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی ذات پر ایسے قائل عقیدہ قائم کر دیے ہیں کہ اگر وہ ان دلائل پر صحیح طریقہ سے غور کریں تو ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے گی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور احسان سے رسول کو بھیجا صلوات اللہ علیہ وسلم (عین) تاکہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بارے میں کوئی شبہ باقی نہ رہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

و لو انّا اهلکنا ہم بعد اب من قبلہ
لقلوا ربنا لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع
ایاتک من قبل ان نذل و نخزی۔
(طہ: ۱۳۲)

جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جہاد بحیثیت جہاد فرض نہیں ہے بلکہ جہاد دعوت اسلام کی وجہ سے فرض ہے اور جنگ کی بہ نسبت بیان اور تبلیغ سے اسلام کی دعوت دینا زیادہ سہل اور آسان ہے، اس لیے جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب پہلے انھیں اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو اور اگر ان کو اس سے پہلے اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے تو تجدید دعوت کے بغیر بھی ان سے جنگ کرنا جائز ہے لیکن اس کے باوجود جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینا افضل اور مستحب ہے، کیونکہ ان کے اسلام قبول کرنے کی امید بہر حال قائم ہے اور روایت ہے کہ جن لوگوں کو کئی مرتبہ اسلام کی دعوت دی جائیگی جو ان سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعوت اسلام دینے کے بعد جنگ کرتے تھے۔

اگر کفار نے دعوت اسلام کے بعد دین اسلام قبول کر لیا تو ان سے جگہ نہ کی جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مجھے اس وقت تک لگوں سے جگہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ لیں اور جب وہ یہ کلمہ پڑھ لیں تو ان کی جان اور مال مجھ سے محفوظ ہو جائیں گے ماسوا اس چیز کے جس پر کسی کا کوئی حق ہو۔ اور اگر وہ اسلام نہ قبول کریں تو مشرکین عرب اور مرتدین کے سوا باقی لوگوں پر جزیہ پیش کریں اگر وہ جزیہ قبول کر لیں تو ان سے جگہ نہ کریں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اگر یہ لوگ ذمیوں کا عہد قبول کر لیں تو ان کے لیے مسلمانوں کے حقوق ہوں گے اور ان پر مسلمانوں کی سزا لیں ہوں گی۔ اور اگر وہ جزیہ کا انکار کریں تو اللہ کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے ان پر حملہ کر دیں اور جب مسلمان اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں، آپس میں اختلاف نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو فتح اور نصرت سے ہمکنار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُتِلْتُمْ فَمَنْ
فَاتَّبَعْتُمْ وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ
وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا قَتَلْتُمْ
وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ
الصَّابِرِينَ
(انفال: ۲۶-۲۵)

اے ایمان والو! جب تمہارا دشمن کی فوج سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اور مسلمانوں کے لیے دعوت اسلام دیے بغیر بھی کفار پر حملہ کرنا جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (توبہ: ۵)

مشرکین سے ہر وقت جہاد کرنا جائز ہے خواہ اٹھ چھو (حضرت دالے ہمیں ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور جب) ہوں یا نہ ہوں کیونکہ ان ہمسروں میں جہاد کرنے کی ممانعت اس آیت اور جہاد کی دوسری آیات سے منسوخ ہو چکی ہے۔

جہاد میں کافر کی جان اور مال محترم نہیں ہے | جہاد میں کفار کو قتل و غارت کرنے، لوٹ مار کرنے اور

شب خون مارنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح ان کے درخت کاٹنا بھی جائز ہے خواہ وہ درخت پھلدار ہوں یا نہ ہوں اور ان کے کھیتوں کو بلیا میٹ کرنا بھی جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً
عَلَىٰ أَصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْزِيَ الْفَاسِقِينَ
(حشر: ۵)

تم لوگوں نے کھجوروں کے جو درخت کاٹے یا جن کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، یہ سب اللہ ہی کے ان کے لیے تھا تاکہ اللہ تعالیٰ ناسقوں کو ذلیل و خوار کرے۔

کفار کے قلعوں کو جلا کر پانی سے غرق کرنا ان کے قلعوں کو گرانا اور ان پر متعین نصب کرنا یہ سب جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَخْرَبُون بِيُوتِهِمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي

وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں

المؤمنین (حشر: ۲/۸۱) کے ہاتھوں سے ویران کر رہے تھے۔
یہ تمام امور اس لیے جائز ہیں کیونکہ یہ سب امور جنگ کے لوازم ہیں، نیز مال کی حرمت جان کی حرمت کے تابع ہے اور جب کفار کی جان محترم نہیں ہے تو ان کا مال کیسے محترم ہو گا۔

اگر جہاد میں کافر مسلمانوں کو اپنی ڈھال بنالیں تو ان کو قتل کرنا بھی جائز ہے | کفار پر تیر اندازی کرنا بھی جائز ہے خواہ وہ مسلمان قیدیوں یا تاجروں کو اپنی ڈھال بنالیں اور یہ بھی جنگی ضرورت کی بناء پر ہے کیونکہ کفار کے قلموں میں کہیں نہ کہیں مسلمان بھی ہوتے ہیں، لیکن مسلمان مجاہدین اس صورت میں اپنے حملوں سے کافروں کو قتل کرنے کا قصد کریں اسی طرح اگر کافر مسلمان بچوں کو اپنی ڈھال بنالیں تو ان کو قتل کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ اس کے بغیر فریضہ جہاد ادا نہیں ہوتا لیکن مسلمان اس حملے سے کافروں کو قتل کرنے ہی کا قصد کریں۔ لے۔

بَابُ تَأْمِيرِ الْإِمَامِ الْأَمْرَاءِ عَلَى
الْبُعُوثِ وَوَصِيَّتِهِ إِيَّاهُمْ بِأَدَابِ الْغَزْوِ
کسی شخص کو جہاد کا امیر بنانا اور اس کو آداب
جہاد کی تعلیم دینا

سلیمان بن بریدہ اپنے والد (یعنی الشرح) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو کسی بڑے یا پھر ٹے لشکر کا امیر بناتے تو اس کو بالخصوص اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتے اور اس کے ساتھی مسلمانوں کو میلی کی وصیت کرتے، پھر آپ فرماتے اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں جہاد کرو، جو شخص اللہ کے ساتھ کھڑے اس کے ساتھ جنگ کرو، خیانت نہ کرو، عہد شکنی نہ کرو، کسی شخص کے اعضاء کاٹ کر اس کی شکل نہ بنادو اور کسی بچہ کو قتل نہ کرو، جب تمہارا اپنے مشرکین دشمنوں کے ساتھ مقابلہ ہو تو ان کو تین چیزوں کی دعوت دینا وہ ان میں سے جس کو بھی مان لیں اس کو قبول کر لینا۔ اور جنگ سے ٹک جانا۔ پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کا اسلام قبول کر لو اور ان سے جنگ نہ کرو اور ان سے یہ کہو کہ وہ اپنا شہر چھوڑ کر مہاجرین کے

۲۴۰۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعُ بْنُ الْجَرَّاحِ عَنْ سُفْيَانَ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَدَمَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ أَمَلَا عَلَيْنَا إِمْلَاءَ ح وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ هَاشِمٍ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ يَعْنِي ابْنَ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَرَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ أَوْ سَرِيَّةٍ أَوْ صَاةٍ فِي حَاضِرَتِهِ يَتَقَوَّى اللَّهُ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ تَحِيًّا ثُمَّ قَالَ اْعْزُؤْ إِيَّاهُمْ اللَّهُ فِي مَبِيلِ اللَّهِ قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللهِ

لے۔ ملک العلماء علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی صفحہ ۵۸۷، بدائع الصنائع ج ۱، ص ۱۰۱-۱۰۰، مطبوعہ ریح ایم سید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

أَعْرُؤًا وَلَا تَغْلُوا وَلَا تَعْدُوا وَلَا تَمْتَلُوا
وَلَا تَقْتُلُوا وَلَيْدًا وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ
مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلَى ثَلَاثِ
خِصَالٍ أَوْ خِلَالٍ فَإِنْ تَبَتُّهُمْ مَا أَجَابُوكَ
فَأَقْبَلْ مِنْهُمْ وَكَفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ
إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَجَابُوكَ فَأَقْبَلْ مِنْهُمْ
وَكَفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّخَوُّلِ مِنْ
دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ وَأَخْبِرْهُمْ
أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذَلِكَ فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِينَ
وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ فَإِنْ أَبَوْا
أَنْ يَتَخَوَّلُوا مِنْهَا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ
كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ يَجْرِي عَلَيْهِمْ حُكْمُ
اللَّهِ الَّذِي يَجْرِي عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَكُونُ
لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا
مَعَ الْمُسْلِمِينَ فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَسَلِّهِمُ
الْجَزْيَةَ فَإِنْ هُمْ أَجَابُوكَ فَأَقْبَلْ مِنْهُمْ
وَكَفَّ عَنْهُمْ فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْتَعِزْ
بِاللَّهِ وَقَاتِلْهُمْ وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ
حِصْنٍ فَأَمَّا أُولَئِكَ أَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةً
اللَّهُ وَذِمَّةَ نَبِيِّهِ فَلَا تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةً
اللَّهُ وَلَا ذِمَّةَ نَبِيِّهِ وَلَكِنْ اجْعَلْ
لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَذِمَّةَ أَصْحَابِكَ فَإِنَّكُمْ أَنْ
تُخْفِرُوا ذِمَّتَكُمْ وَذِمَّةَ أَصْحَابِكُمْ أَهْوَنُ
مِنْ أَنْ تُخْفِرُوا ذِمَّةَ اللَّهِ وَذِمَّةَ رَسُولِهِ
وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَمَّا أُولَئِكَ أَنْ
تُنْزِلَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللَّهِ فَلَا تُنْزِلَهُمْ
عَلَى حُكْمِ اللَّهِ وَلَكِنْ أَنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِكَ
فَإِنَّكَ لَا تَذَرِي أَنْ تُصِيبَ حُكْمَ اللَّهِ
فِيهِمْ أَمْ لَا قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ هَذَا

شہر میں آجائیں اور ان کو یہ بتاؤ کہ اگر انہوں نے ایسا کر لیا تو ان
کو وہ سہولتیں ملیں گی جو مہاجرین کو ملتی ہیں اور ان پر وہ
فرد واریاں ہوں گی جو مہاجرین پر ہیں اور اگر وہ مہاجرین کے
شہر میں آنے سے انکار کریں تو ان کو یہ خبر دے دو کہ پھر ان پر
دیہاتی مسلمانوں کا حکم ہوگا، ان پر مسلمانوں کے احکام جاری
ہوں گے لیکن ان کو مال غنیمت اور مال فے سے جہاد کے
بیز کوئی حصہ نہیں ملے گا، اگر وہ لوگ اس دعوت کو قبول نہ
کریں تو پھر ان سے جزیہ کا سوال کرو، اگر وہ اس کو تسلیم کریں
تو تم بھی اس کو قبول کرو اور ان سے جنگ کے عوض اس کا انکار کریں تو
پھر اللہ کی مدد کے ساتھ ان سے جنگ شروع کر دو، اور
جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرو اور قلعہ واسے اللہ اور اس کے
رسول کو (کسی عہد پر) ضامن بنانا چاہیں تو تم اللہ اور اس کے
رسول کو ضامن نہ بنانا، بلکہ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو
ضامن بنانا، کیونکہ تمہارے لیے اپنے اور اپنے ساتھیوں
کے عہد سے پھر جانا اس سے آسان ہے کہ تم اللہ اور اس
کے رسول کے عہد کو توڑ دو، اور جب تم کسی قلعہ والوں کا
محاصرہ کرو، اور ان کا یہ ارادہ ہو کہ تم ان کو اللہ کے حکم کے
مطابق قلعہ سے نکالو تو تم ان کو اللہ کے حکم کے بموجب نہ
نکالو بلکہ ان کو اپنے حکم کے مطابق نکالو، کیونکہ تم اس بات کو
نہیں جانتے کہ تمہاری رائے اور اجتہاد اللہ کے حکم کے مطابق
ہے یا نہیں؟ عبد الرحمن نے کہا یہ یا اس کی مثل ہے، اور اسحاق
کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ میں نے اس حدیث کا مقال
بن حیان سے ذکر کیا۔ انہوں نے کہا مجھ سے مسلم بن ہشیم نے
نہان بن مقرن کے واسطے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
اس کی مثل روایت کی ہے۔

أَوْ نَحْوَهُ وَنَادَا سَاحِقُ فِي آخِرِ حَدِيثِهِ
عَنْ يَحْيَى بْنِ أَدَمَ قَالَ فَذَكَرْتُ هَذَا
الْحَدِيثَ لِمُقَاتِلِ بْنِ حَيَّانَ قَالِ يَحْيَى
يَعْنِي أَنَّ عَلْقَمَةَ يَقُولُهُ لَا بِنَ حَيَّانَ
فَقَالَ حَدَّثَنِي مُسْلِمُ بْنُ هَيْصَمٍ عَنْ
الْغَمَّانِ بْنِ مَقْرِنٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.

حضرت ابو بکریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب امیر یا کسی لشکر کو بھیجتے تو
اس کو وصیت کرتے۔

۴۴۰۸ - وَحَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ
حَدَّثَنِي عَبْدُ الظَّمَدِ بْنِ عَبْدِ الْوَارِثِ
حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنِي عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ
أَنَّ سُلَيْمَانَ بْنَ بَرْيَدٍ حَدَّثَهُ عَنْ
أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ أَمِيرًا أَوْ سَرِيَّةً
دَعَاهُ فَأَوْصَاهُ وَسَاقِ الْحَدِيثِ يَتَعْنَى
حَدِيثِ سُفْيَانَ -

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی

۴۴۰۹ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ حَدَّثَنَا
مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ الْفَرَّاءُ عَنْ
الْحُسَيْنِ بْنِ الْوَلِيدِ عَنْ شُعْبَةَ بِهَذَا -

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے صحابہ میں سے کسی شخص کو کسی
مہم پر روانہ کرتے تو اس سے ارشاد فرماتے لوگوں کو خوش
کرو، ان کو متفرقت کرو اور فرماتے آسان احکام بیان کرو۔
مشکل احکام مت بیان کرو۔

۴۴۱۰ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
وَأَبُو كُرَيْبٍ وَاللَّفْظُ لِأَبِي بَكْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا
أَبُو سَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ
أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ كَانَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا
بَعَثَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِهِ فِي بَعْضِ
أَمْرٍ قَالَ بَشِّرُوا وَلَا تُنْفِرُوا وَلَا تَسْرُوا

وَلَا تُعَسِّرُوا - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَهُ وَمَعَهُ إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ يَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَأَوْبَشِرْ وَلَا تُنْقِرْ وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلَفَا - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ وَحِيدٍ عَنْ زَكْرِيَّا بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي خَلْفٍ عَنْ زَكْرِيَّا بْنِ عَدِيٍّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ عَنْ تَمِيمِ بْنِ أَبِي أَنَسٍ كَلَاهُمَا عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ شُعْبَةَ وَكَيْسَ فِي حَدِيثِ تَمِيمِ بْنِ أَبِي أَنَسٍ وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلَفَا -

حضرت ابو موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجا اور فرمایا تم دونوں لوگوں کے لیے آسانی کرنا اور اٹھیں مشکل میں نہ ڈالنا، ان کو خوش کرنا اور متنفر مت کرنا اور آپس میں اتفاق رکھنا اور اختلاف نہ کرنا۔

امام مسلم نے ایک اور سند سے حضرت ابو موسیٰ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شعبہ کی طرح روایت بیان کی اس حدیث میں تطاوعا ولا تختلفا کے الفاظ نہیں ہیں۔

۲۶۱۳ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّارِ عَنْ أَنَسٍ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ كَلَاهُمَا عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي التَّيَّارِ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَاسْكُنُوا وَلَا تُنْقِرُوا -

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر آسانی کرو اور ان کو مشکل میں نہ ڈالو، لوگوں کو آرام پہنچاؤ اور ان کو متنفر مت کرو۔

اس حدیث میں ہمیش اور سہیہ کے الفاظ ہیں ہمیش لشکر کو کہتے ہیں اور سہیہ لشکر کے ایک حصہ کو کہتے ہیں علامہ نووی لکھتے ہیں: ابراہیم حربی نے بیان کیا ہے کہ چار سو گھوڑے کے ٹولہ کو سہیہ کہتے ہیں اس

کو مہر یہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ رات میں چلتا ہے اور سو سو سیویں گامنی رات میں سفر کرتا ہے۔ لہ
قتال کی کیفیت اور ان کافروں کا بیان جن کو قتل کرنا جائز نہیں ہے | اس حدیث میں مثلاً کرنے (اعضاء
 کو قتل نہ کرنے کا ذکر ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ عہد شکنی نہ کریں، نہ خیانت کریں اور نہ شک کریں
 (ہلایا کسی عورت، بچے اور مجنون کو قتل نہ کریں، اور نہ کسی شیخ فانی (بہت بوڑھا شخص) کو قتل کریں اور نہ کسی اندھے
 اور نوٹے کو، ہاں اگر ان میں سے کوئی شخص جنگی تدابیر کا ماہر ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے یا اگر عدوت سر دار یا ملکہ ہو تو اس
 کو بھی قتل کر دیا جائے اسی طرح اگر کافروں کا سردار کوئی چھوٹا بچہ ہو تو اس کو قتل کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے،
 (جوہرہ نیرہ) اگر کوئی عورت مالدار ہو اور وہ اپنے مال سے لوگوں کو جنگ پر ابھار رہی ہو تو اس کو بھی قتل کر دیا جائے۔
 (محیط) اسی طرح جن کا استثناء کیا گیا ہے اگر ان میں سے کوئی جنگ کر رہا ہو تو اس کو بھی قتل کر دیا جائے۔ (ہلایہ)۔
 جس شخص کے ہاتھ اور پیر مخالف جانہوں سے کٹے ہوئے ہوں اس کو بھی نہ قتل کیا جائے، اور جس شخص کا دہانہ
 ہاتھ کٹا ہوا ہو اس کو بھی نہ قتل کیا جائے، جس کا ہاتھ سوکھا ہوا ہو اس کو بھی نہ قتل کیا جائے، اور اگر یہ جنگ کر رہے
 ہوں تو ان کو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، (قاضی خاں) اگر کسی مسلمان شخص کے رشتہ دار کافر ہوں تو وہ ان کو
 قتل کر سکتا ہے لیکن کوئی شخص اپنے والد، والدہ اور دادا، دادی کو قتل نہ کرے البتہ ناگزیر صورت میں ان کو قتل
 کرنا جائز ہے (محیط)۔ کسی راہب کو اس کے گرجے میں نہ قتل کیا جائے اور اگر وہ لوگوں میں ہل چل کر رہتا ہو تو
 پھر کوئی حرج نہیں ہے (قاضی خاں) لہ

فقہاء اخلاف نے جہاد میں جن کافروں کے قتل سے منع کیا ہے ان کی اصل حسب ذیل احادیث ہیں۔
 حافظ نور الدین الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن ابن کعب بن مالک عن عمہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین بعثہ الی ابن ابی الحقیق بن خیبر نہی عن قتل النساء والصبیان رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح۔ لہ	ابن کعب بن مالک اپنے چچا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں ابن ابی الحقیق کی طرف بھیجا تو انہیں عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے سے منع فرمایا، اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔
عن ایوب قال سمعت رجلاً من یحدث عن ابیہ قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سریة کنت فیہا فہماً نا	ایوب کہتے ہیں میں نے اپنے ایک شخص سے سنا وہ اپنے والد سے یہ حدیث بیان کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک لشکر میں بھیجا اور ہمیں مزدوروں اور

لہ۔ علامہ یحییٰ بن شریک نووی متوفی ۶۷۲ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۸۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعة الاولى، ۱۳۷۵ھ
 لہ۔ ملا نظام الدین متوفی ۱۱۵۷ھ، فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۱۹۴، مطبوعہ مطبع امیر کبری بلاق مصر، ۱۳۱۰ھ
 لہ۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۱۵، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۲ھ

ان نقتل العسفاء والوصفاء- رواه احمد
وفيه رجل لم يسم- له

غلاموں کے قتل کرنے سے منع کیا اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک شخص مجہول ہے۔

عن عوف بن مالك قال قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم لا تقتلوا النساء رواه
البزار وفيه محمد بن عبد الله بن ثمران
وهو ضعيف

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کو موت قتل
کردہ۔ اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس
کی سند میں محمد بن عبد اللہ بن ثمران ضعیف راوی ہے۔

عن ابن عباس قال كان رسول الله
صلى الله عليه وسلم اذا بعث جيوشه
قال اخرجوا بسم الله تقا تلون في سبيل
الله من كفر بالله لا تغدروا ولا تغفلوا
ولا تمثلوا ولا تقتلوا الولدان ولا اصحاب
الصوامع وفي رواية ولا امرأة ولا شيئا
رواه احمد وابو يعلى والبخاري والطبراني في
الكبير والاوسط وفي رجال البزار
ابراهيم بن اسماعيل بن ابي حنيفة وثقه
احمد وضعفه الجمهور

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو روانہ کرتے تو فرماتے بسم اللہ پڑھ کر نکلو اور کافروں سے قتال کرو، عہد شکنی نہ کرنا، خیانت نہ کرنا اور کسی کا شہ نہ کرنا اور نہ بچوں کو قتل کرنا اور نہ گرجے کے راہبوں کو قتل کرنا، اور ایک روایت میں ہے اور نہ کسی عورت اور بوڑھے کو قتل کرنا، اس حدیث کو امام احمد، امام ابو یعلیٰ، امام بزار اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے، بزار کی سند میں ابراہیم بن اسماعیل بن ابی حمیہ ایک راوی ہے اس کی امام احمد نے توثیق کی ہے اور جہور نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ذمہ کا لغوی معنی اس حدیث میں جزیہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے، اور جزیہ ذمیوں پر لگایا جاتا ہے، اس لیے ہم یہاں پر اختصار کے ساتھ ذکر کا لغوی معنی اور اصطلاحی معنی اس کے امکان شرائط اور جزیہ کی مقدار کو بیان کریں گے۔

فَتَقُولُ بِإِذْنِ اللَّهِ التَّوْفِيقِ وَبِهِ الِاسْتِعَانَةُ يَلِيقُ -

فَمَقُولٌ وَبِاللَّهِ التَّوَكُّلُ وَبِهِ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لِيَاسِي -
 ذمہ کا لغوی معنی ہے۔ امان، ضمان اور کفالت علامہ زبیدی لکھتے ہیں رجل ذمی مینی جس شخص کا معاہدہ ہو، جو ہر ہی
 کہا اہل ذمہ اہل عقد ہیں، یہ وہ مشرکین ہیں جو جزیہ ادا کرتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ جزیہ کا معنی امان ہے اور ذمی کو
 ذمی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی امان میں داخل ہوتا ہے اور ذمی کا معنی کفالت اور ضمانت بھی ہے کیونکہ ذمیوں کے
 جزیہ لینے کے بعد مسلمان ان کی جان اور مال کے ضامن ہو جاتے ہیں۔ گھ

١٤- حافظ نوري الدين علي بن أبي بكر الهيثمي متوفى ٨٠٤هـ، مجمع الزوائد ج ٥ ص ٣١٥، مطبوعه دار الكتاب العربي بيروت، ١٣٠٢هـ

٥٢- " " " " " مجمع الزوائد ج ٥ ص ٣١٧

[illegible]

۵۴۔ سید محمد تقی ربیدی حسی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج الفروس ج ۸ ص ۳۰۱، مطبوعہ مطبعہ الخیر مصر، ۱۳۰۶ھ

ذمہ کا اصطلاحی معنی ڈاکٹر دہبہ زحلی کہتے ہیں: علامہ ابن مہام نے ذمہ کی تعریف میں لکھا ہے: جزیہ کے بدلہ میں کفار کو مسلمانوں کے ملک میں رکھنے کا التزام کرنا، ان کی حفاظت کرنا اور ان کی طرف سے مدافعت کرنا، اور ان کا مسلمانوں کی اطاعت کرنا۔ ذمہ کا عقد صرف مسلمانوں کا امیر یا ان کا نائب کر سکتا ہے، کیونکہ ذمہ میں وہ سیاسی مصلحتیں ہوتی ہیں جن کو صرف امام یا اس کا نائب ہی بخور و فکر سے حاصل کر سکتا ہے۔ علامہ بھوتی حنبلی علیہ السلام بشری شافعی نے بھی ذمہ کی یہی تعریف کی ہے۔

عقد ذمہ کا رکن ذمہ کا عقد کرتے وقت مراعات عہد کا لفظ ذکر کرنا چاہیے یا کوئی ایسا فعل ہو جو عقد پر ولایت کرے مثلاً کوئی حربی دارالاسلام میں داخل ہو تو امام کو چاہیے کہ اپنی صواب دید سے اس کے قیام کے لیے ایک مدت معینہ مقرر کر دے اور اس سے کہے کہ اگر تم اس مدت سے زیادہ ٹھہرے تو تم ذمی ہو جاؤ گے اور جب وہ اس مدت معینہ سے زیادہ قیام کرے گا تو ذمی ہو جائے گا۔

عقد ذمہ کی شرائط ملک السلام علامہ کا سانی حنفی نے عقد ذمہ (کافروں کو اپنی پناہ میں لینے کا معاہدہ) کی حسب ذیل شرائط بیان کی ہیں:

پہلی شرط: مشرکین عرب سے عقد ذمہ نہیں ہو سکتا، ان سے صرف اسلام قبول کیا جائے گا یا پھر ان کے ساتھ تلوار سے جہاد ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوا حِصْرًا وَهُمْ ذَا قَعْدٍ وَالْمَالُ كُلُّهُ مَصْرُوفٌ اَنْ تَاْتُوا وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ (توبہ: ۵)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین عرب کو قتل کرنے اور گرفتار کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے ان کو اس وقت تک نہ چھوڑو جب تک کہ وہ اسلام قبول نہ کر لیں، اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین عرب کو جزیہ دے کر چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ اور اہل کتاب کے ساتھ عقد ذمہ جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (توبہ: ۲۹)

ان اہل کتاب سے جنگ کرو جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان نہیں لاتے اور جو اللہ اور اس کے رسول کے حرام کیے ہوئے کو حرام نہیں قرار دیتے اور دین حق کو قبول نہیں کرتے (ان سے اس وقت تک جنگ کرو)۔ یہاں تک کہ وہ رسوائی کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کے اہل کتاب سے جزیہ لینا جائز ہے خواہ وہ عرب ہوں یا عجم کیونکہ قرآن مجید کی یہ

۱۔ ڈاکٹر دہبہ زحلی، الفقہ الاسلامی وادلہ، ج ۶ ص ۴۶۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

۲۔ علامہ منصور بن یونس بن ادریس بھوتی، کشاف القناع ج ۳ ص ۹۲، مطبوعہ عالم الکتب بیروت۔

۳۔ علامہ محمد شریف بنی الخطیب، مفتی المتعاج ج ۴ ص ۲۴۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۴۔ ملک السلام علامہ ابوبکر بن مسعود کا سانی حنفی متون، ۵۸ ص، بذلئے الفوائد ج ۱، ۱۱۰، مطبوعہ ایچ، ایم سعید انڈیا پرائیویٹ کراچی، ۱۴۰۰ھ

آیت عام ہے، اور مجوسیوں سے جزیہ لینا بھی جائز ہے کیونکہ مجوسی اہل کتاب کے ساتھ لائق ہیں کیونکہ روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب کی طرح سلوک کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کیا تھا، انھوں نے عراق کے مجوسیوں پر جزیہ مقرر کیا اور ان کی زمینوں پر خراج مقرر کیا۔

مشرکین عرب اور باقی مشرکین اور اہل کتاب میں فرق یہ ہے کہ باقی مشرکین اور اہل کتاب سے اس لیے جزیہ نہیں لیا جاتا کہ مسلمانوں کو ان کے پیسوں کی ضرورت ہے بلکہ جزیہ کے ذریعہ ان سے عقد ذمہ کرنے میں ان کا اسلام مطمح نظر ہوتا ہے، کیونکہ جب وہ مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہیں گے اور شریعت اسلام اور اس کے محاسن پر غور کریں گے تو پھر ان کو اسلام لانے میں رغبت ہوگی اور وہ دین اسلام قبول کر لیں گے اور اگر مشرکین عرب سے عقد ذمہ کیا جاتا تو یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا کیونکہ وہ از خود غور و فکر کر کے زمانہ جاہلیت کی عادات اور اپنے آباؤ و اجداد کی تقلید کو نہیں چھوڑ سکتے تھے اس لیے ان کے لیے صرف دو چیزیں ہیں تلوار یا اسلام، یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین عرب سے جزیہ قبول نہیں فرمایا۔ اور مشرکین عجم کو اس حدیث کی بناء پر اہل کتاب کے ساتھ لائق کر دیا ہے۔ لے

علامہ المرغینانی حنفی کھتے ہیں کہ عجم کے بت پرست بھی اہل کتاب کے ساتھ لائق ہیں مگر ان سے بھی جزیہ لینا جائز ہے اسی کے برخلاف امام شافعی کے نزدیک ان سے قتال کرنا واجب ہے۔ فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب سے اذروئے قرآن جزیہ لینا جائز ہے اور مجوسیوں سے اذروئے حدیث جزیہ لینا جائز ہے اس کے بعد جو باقی لوگ بچے ان کو اصل پر محمول کر دیا۔ لے

دوسری شلوط: مرتد سے عقد ذمہ (کافروں کو اپنی پناہ میں لینے کا سادہ) کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ مرتد جزیہ سے بھی اسلام یا تلوار کے سوا اور کوئی چیز قبول کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

ستدعون الی قوم اولی بائس شدید
تقاتلونہم اولی مسلمون -
(فتح ۱۶)

یہ آیت بر حنیفہ کے مرتدین کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلوا دیا ہے کہ مرتدین اسلام قبول کر لیں ورنہ ان سے جنگ کی جائے گی کوئی تیسری شکل نہیں ہے نیز عقد ذمہ کو اسلام کی امید کی بناء پر مشروع کیا گیا ہے اور عقد ذمہ مرتد کے اسلام کا وسیلہ نہیں بن سکتا کیونکہ جو شخص اسلام کے محاسن اور اس کے احکام شریعی کی حکمتوں کو جان چکا ہو پھر وہ دین اسلام کو ترک کر دے تو یہ اس کی طبعی شقاوت اور اس کی کج فکری ہما کی وجہ سے ہو سکتا ہے اس لیے اس کی فلاح کی کوئی امید نہیں رہی، اس لیے اس کے حق میں عقد ذمہ اور جزیہ کو قبول کرنا اسلام کا وسیلہ نہیں بن سکتا۔ باقی رہے صاحبین (ستارہ پرست) تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان سے بھی عقد ذمہ کرنا جائز ہے، صاحبین کی تفسیر میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ اہل کتاب کا ایک گروہ ہے جو جوہر کی تفاوت کرتا ہے اور امام ابو یوسف

لے علامہ ابو بکر بن مسعود کا سانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بلائع العنائع ج ۱، ص ۱۱۱۔ الہ مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ
لے۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۵۵، ۵۴۔ مطبوعہ مکتبہ المدنیہ عمان

اور امام محمد کے نزدیک یہ ستارہ پرست ہیں اس لیے یہ بت پرستوں کے حکم میں ہیں اور اگر یہ غیر عرب ہوں قرآن سے فدیہ لینا جائز ہے۔

تیسویں شرط: عقد ذمہ (کافروں کو اپنی پناہ میں لینے کا معاہدہ) مؤبد اور دائمی ہونا چاہیے کیونکہ عقد ذمہ کی بنیاد پر جان اور مال کی اسی طرح حفاظت کی جاتی ہے جس طرح اسلام قبول کرنے کے بعد جان اور مال کی حفاظت کی جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ عقد ذمہ اسلام کا نائب اور خلیفہ ہے اور جس طرح عقد اسلام مارضی اور مؤقت نہیں ہو سکتا اسی طرح عقد ذمہ بھی مارضی اور مؤقت نہیں ہو سکتا۔

عقد ذمہ کے احکام | ملک العلماء کا سانی حنفی عقد ذمہ کے احکام کے بیان میں لکھتے ہیں: کافروں سے عقد ذمہ کر لینے کے بعد ان کی جان محفوظ ہو جاتی ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ جب تک یہ جزیرہ نہ دیں اس وقت تک ان سے جنگ کرتے رہو، (توبہ: ۲۹ مصلیٰ) اور یہ آیت اس کو مستلزم ہے کہ جزیرہ ادا کرنے کے بعد مسلمان ان سے جنگ نہیں کریں گے اور اس کا تعارض یہ ہے کہ مسلمان ان کی جان کی حفاظت کریں گے۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ عقد ذمہ کے بعد کافروں کا مال بھی محفوظ ہوگا کیونکہ مال جان کے تابع ہے اور حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عقد ذمہ کو صرف اس لیے قبول کیا ہے کہ ان کی جانیں ہماری جانوں کی طرح اور ان کے اموال ہمارے اموال کی طرح محفوظ ہو جائیں۔

عقد ذمہ کے وجوب کی شرائط | علماء کا سانی حنفی لکھتے ہیں: عقد ذمہ کے وجوب کی شرائط یہ ہیں:

۲۔ بلوغ

۱۔ مرد ہونا۔ اس لیے عورتوں، بچوں اور مجنونوں پر عقد ذمہ واجب نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جزیرہ ان لوگوں پر واجب کیا ہے جو اہل قتال ہوں (توبہ: ۲۹) اور عورتیں، بچے اور مجنون اہل قتال نہیں ہیں اس لیے ان پر جزیرہ واجب نہیں ہے۔

۲۔ چوتھی شرط صحت ہے کیونکہ جو شخص ساڑھے سال بیمار رہے وہ لڑنے کا اہل نہیں ہے اور جزیرہ اسی پر واجب ہے جو لڑنے کا اہل ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جب تک یہ جزیرہ نہ دیں اس وقت تک ان سے جنگ نہ کرو، (توبہ: ۲۹ مصلیٰ) اور جو شخص سال کے اکثر حصہ میں بیمار رہے وہ بھی پورا سال بیمار رہنے والے کے حکم میں ہے۔

۳۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ لگڑا، لولا، اندھا اور بہت بوڑھا نہ ہو پس جو لوگ لگڑے، لولے، اندھے اور بہت بوڑھے ہوں ان پر جزیرہ واجب نہیں ہے۔

۴۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ شخص مالدار ہو یا مال کمانے پر قادر ہو لہذا جو شخص فقیر ہو یا جو کمانے پر قادر نہ ہو اس

۱۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کا سانی حنفی متوفی ۵۸ھ، بدائع الصنائع ج ۲، ص ۱۱۱، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۳۰ھ

۲۔ ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود کا سانی حنفی متوفی ۵۸ھ، بدائع الصنائع ج ۲، ص ۱۱۱، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۳۰ھ

۳۔ " " " " " " بدائع الصنائع ج ۲، ص ۱۱۱، " " " " " "

۱۔ جزیہ واجب نہیں ہے، البتہ گرجے کے مابدول پر جزیہ واجب ہے، کیونکہ وہ کمانے پر قادر ہیں۔
 ۲۔ ساتویں شرط حریت ہے، اس لیے غلام پر جزیہ واجب نہیں ہے کیونکہ وہ مالدار ہونے کا اہل نہیں ہے۔
 جزیہ کی مقدار میں مذاہب فقہاء جزیہ ہر سال کے شروع میں واجب ہوتا ہے اور ایک سال کے لیے ان کافروں سے جزیہ لیا جاتا ہے جن پر جزیہ واجب ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ امیر آدمی سے ۴۸ درہم ۹۶۶ ۱۶۶۶ گرام چاندی جزیہ لیا جائے گا اور متوسط سے چوبیس درہم ۴۸۳ ۳۶ گرام چاندی جزیہ لیا جائے گا اور فقیر سے بارہ درہم ۴۱۶ ۲۶ گرام چاندی جزیہ لیا جائے گا۔ یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے اور امام مالک کہتے ہیں کہ غنی سے چوبیس درہم ۴۸۳ ۳۶ گرام چاندی لیے جائیں گے اور فقیر سے دس درہم ۶۱۸ ۲۶ گرام چاندی لیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ سے بھی یہی ایک روایت ہے۔ اور امام شافعی کہتے ہیں کہ ہر شخص پر ایک دینار ۳۷۴ ۶ گرام سونا واجب ہے، کیونکہ منن ابو داؤد میں روایت ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ ہر حال میں کافروں سے ایک دینار لیا جائے، البتہ مستحب یہ ہے کہ کافروں کے مین طبقات کرنے چاہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے تاکہ اختلاف نہ رہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کرنا اولیٰ بالاتباع ہے۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں، ہماری دلیل حضرت عمرؓ کی حدیث ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اور صحابہ کرام میں مشہور ہے اس کی صحت اور شہرت میں کوئی شک نہیں ہے اور کسی شخص نے اس کا انکار نہیں کیا اور نہ اس کی طعن و لغت کی ہے اور حضرت عمرؓ کے بعد کے خلفاء نے اس پر عمل کیا ہے اس لیے اس پر اجماع ہو گیا اور یہ ایسا اجماع ہے جس میں خطا نہیں ہے اور خود امام شافعی بھی اس پر عمل کرنے کو مستحب کہتے ہیں۔ حضرت معاذؓ کی روایت کے دو جواب ہیں: پہلا جواب یہ ہے کہ یہ ان پر غلبہ فقر کی وجہ سے ہے جیسا کہ حضرت مجاہدؓ نے کہا یہ ان پر آسانی کی وجہ سے ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ جزیہ کو معین کرنا واجب نہیں ہے بلکہ یہ امیر کی رائے اور اجتہاد پر موقوف ہے کیونکہ جزیہ بطور سزا واجب ہوا ہے یا بطور تحقیر اور سزا لوگوں کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، بعض کو قتل کیا جاتا ہے اور بعض کو غلام بنالیا جاتا ہے۔ ۱۷

امام شافعی نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے، وہ منن ابو داؤد، جامع ترمذی، مستدرک اور مصنف عبد الرزاق میں ہے، اور مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تو انہیں حکم دیا کہ ہر بالغ مرد اور عورت سے ایک دینار وصول کریں۔ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ علامہ ابو عبیدہؓ نے کہا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے، کیونکہ ابتداء اسلام میں مشرک عورتوں اور بچوں کو بھی مردوں کے ساتھ قتل کر دیا جاتا تھا اس لیے ہر سکتا ہے کہ اس وقت عورتوں سے بھی جزیہ لیا جاتا ہو اور جب عورتوں کو قتل کرنے کی ممانعت ہو گئی تو عورتوں کے جزیہ لینے کا حکم بھی منسوخ ہو گیا۔ ۱۸

۱۷۔ ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷، ص ۱۱۱، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی ۱۴۰۰ھ

۱۸۔ علامہ موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۹، ص ۲۶۸-۲۶۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

۱۹۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵، ص ۲۹۰-۲۸۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں کہ جزیہ کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جس کی مقدار صلح کے بعد باہمی رضامندی سے مقرر کی جاتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بخران سے ایک ہزار دو سو سطوں پر صلح کی اور دوسری قسم وہ ہے جس کو امیر اپنی صواب دید سے جزیہ دینے والوں پر مقرر کرتا ہے اس میں ان کی مرضی کا دخل نہیں ہوتا، باہمی طور پر مسلمانوں کا امیر کفار کے کسی ملک پر غلبہ حاصل کرے اور دہاں کے لوگوں کو ان کی املاک پر برقرار رکھے اور ان لوگوں کو اہل ذمہ قرار دے۔

جزیہ کی دوسری قسم کے تین مراتب ہیں، کیونکہ اہل ذمہ تین قسم کے ہیں، غنی، متوسط، اور فقیر، غنی پر ایک سال میں اڑتالیس درہم سالانہ ہیں اور متوسط پر چوبیس درہم سالانہ ہیں اور کام کاج کرنے والے غریب لوگوں پر بارہ درہم سالانہ ہیں، کیونکہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن حنیف کو سواد عراق میں بھیجا تو اسی طرح حکم دیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم بکثرت مہاجرین اور انصار صحابہ کی موجودگی میں دیا تھا اور کسی صحابی نے اس سے اختلاف نہیں کیا تو گویا کہ سب کا اس پر اجماع ہو گیا۔ نیز حضرت عمر جزیہ کی اس رقم کا تین اپنی رائے سے ہیں کر سکتے تھے کیونکہ اعداء و شمار کا تین تو قیفی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع پر موقوف ہے اس کو محض عقل اور قیاس سے نہیں جانا جاسکتا، پس گویا کہ انھوں نے اس عدد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔

غنی، متوسط اور فقیر کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ جو شخص دو سو درہم (۲۰۰) گرام چاندی) کا مالک نہ ہو وہ فقیر ہے اور جو دو سو درہم چاندی کا مالک ہو وہ متوسط ہے اور جو چار ہزار درہم یا اس سے زیادہ کا مالک ہو وہ غنی ہے، کیونکہ حضرت سیدنا علی اور حضرت عبداللہ بن سیدنا عمر رضی اللہ عنہم نے فرمایا چار ہزار درہم یا اس سے کم نفقہ ہے اور اس سے زیادہ خزانہ ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جو دو سو درہم سے کم چار ہزار درہم تک کا مالک ہو وہ متوسط ہے اور جو دس ہزار درہم سے زیادہ کا مالک ہو وہ غنی ہے اور جو دو سو درہم سے کم کا مالک ہو وہ فقیر ہے۔

ہجرت کی تحقیق | حدیث نمبر ۲۴۰ میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (پہلے) ان کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کا اسلام قبول کر لو، اور ان سے جگہ نہ کرو، اور ان سے یہ کہو کہ وہ اپنا شہر چھوڑ کر مہاجرین کے شہر میں آجائیں۔

شمس اللہ سرخسی اس کی شرح میں لکھتے ہیں یہ حکم فتح مکہ سے پہلے تھا جب ہجرت فرض تھی، اس وقت ہر مسلمان پر ہجرت کر کے مدینہ جانا فرض تھا تا کہ وہ دین کے احکام سیکھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لیے مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کرے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَمُوجِرُوا مَالَهُمْ مِنْ
وَلَا يَتَّبِعُهُمْ شَيْءٌ حَتَّى يَمُوجِرُوا -
(انفال، ۷۲)

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت نہیں کی تو ان سے تمہاری ولایت (ریاست کا عہد) کے حقوق کی حفاظت کرنا) کا اس وقت تک کوئی تعلق نہیں ہے

۱۔ علامہ ابوبکر بن سعد کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ بمطابق ۱۱۸ھ - ۱۱۱ھ، مطبوعہ راجہ ایم سید ایڈکیشن کراچی، ۱۴۰۰ھ

جب تک کہ وہ ہجرت نہ کر لیں! یعنی ہجرت کر کے دارالاسلام
میں نہ آجائیں)

اس کے بعد ہجرت کی فرضیت کا حکم منسوخ ہو گیا، کیونکہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔

ہجرت کے متعلق مختلف احادیث ہیں، بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت قیامت تک باقی رہے گی اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت منسوخ ہو گئی اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت صرف گناہوں کا ترک کرنا ہے، اس لیے پہلے ہم ہجرت کے بارے میں ان مختلف احادیث کا ذکر کریں گے اور اس کے بعد یہ بیان کریں گے کہ فقہاء اسلام کے نزدیک ہجرت کا کیا حکم ہے اور ہجرت کی کتنی اقسام ہیں پھر یہ بیان کریں گے کہ موجودہ دور میں مسلمانوں کے حالات میں رہنے کا کیا حکم ہے۔ فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة یلیق۔

قیامت تک ہجرت باقی رہنے کے بارے میں احادیث | امام ابو داؤد و روایت کرتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک توبہ منقطع نہیں ہو گی اس وقت تک ہجرت منقطع نہیں ہو گی۔

حضرت ابن السعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تک دشمن سے مقابلہ ہوتا رہے گا ہجرت منقطع نہیں ہو گی۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہجرت کی دو قسمیں ہیں ایک قسم گناہوں سے ہجرت کرنا یعنی ان کو ترک کرنا ہے اور دوسری قسم یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرو، اور جب تک توبہ قبول کی جائے گی، ہجرت منقطع نہیں ہو گی اور توبہ قبول ہوتی رہے گی حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے گا، اور جب سورج مغرب

عن معاویة قال صنعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا تنقطع الهجرة حتى تنقطع التوبة - ۱۷

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

عن ابن السعدی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تنقطع الهجرة ما دام العدو و یقاتل - ۱۸

عن عمرو بن العاص ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان الهجرة نجعلتان احدهما ان تهجر السيئات والاخرى ان تهاجر الى الله ورسوله ولا تنقطع الهجرة ما قبلت التوبة ولا تزال التوبة مقبولة حتى تطلع الشمس من المغرب فاذا طلعت طبع على كل قلب بما فيه - ۱۹

۱۷۔ علامہ شبیب الدین محمد بن احمد قرطبی متوفی ۴۵۱ھ، المبسوط ج ۴ ص ۶، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ

۱۸۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث مسجانی متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۳۶، مطبوعہ مطبعہ مجتہبی پاکستان لاہور، ۱۴۰۶ھ

۱۹۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

سے طلوع ہو گا تو ہر دل پر مہر لگا دی جائے گی۔ یہ
حافظ نور الدین ابیثمی نے اس حدیث کو مسند احمد کے علاوہ مسند بزار اور معجم طبرانی کی سند سے بھی بیان کیا ہے اور کہا
ہے کہ امام احمد کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ یہ
حافظ نور الدین ابیثمی بیان کرتے ہیں:

عن جنادة بن أبي اسية ان رجلا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قال بعضهم الهجرة قد انقطعت فاختلقوا في ذلك فانطلقت الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت يا رسول الله ان فاسا يقولون ان الهجرة قد انقطعت فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الهجرة لا تنقطع ما كان الجهاد وما امة احمد من جنات رجال الصحيح

حضرت جنابہ ابی اسیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہجرت کے بارے میں بحث کر رہے تھے، بعض صحابہ نے کہا ہجرت منقطع ہو چکی ہے پھر ان کا اس میں اختلاف ہو گیا، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور میں نے کہا: یا رسول اللہ! بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہجرت منقطع ہو گئی ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک جہاد ہے، ہجرت منقطع نہیں ہو گی، اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی صحیح ہیں۔

ہجرت منقطع ہونے کے بارے میں احادیث

عن ابن عباس قال قال النبي صلى الله عليه وسلم يوم فتح مكة لا هجرة بعد الفتح ولكن جهاد ونية إذا استنفرتهم فانفروا۔
 عن مجاشع بن مسعود قال جاء مجاشع بن مجالد بن مسعود الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال هذا مجالد يبيعك على الهجرة فقال لا هجرة بعد فتح مكة ولكن ابايعه على الاسلام۔

۱۵ - امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ هـ، مسند احمد ج ۲، ص ۱۹۲، مطبوعه مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ هـ

۳۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی متوفی ۸۰۰ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۵۱، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ

[illegible]

۱۳۸۱ھ۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، حج بخاری ج ۱ ص ۲۳۳، مطبوعہ دار الفکر، جامع المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۱۱۱۔ امیر عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۱۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۴۲، طبعیہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

بیعت کر دی گئی۔

عطاء کہتے ہیں کہ میں عبید بن عمیر کے ہمراہ حضرت عائشہ کے پاس مزدلفہ میں گیا وہاں مالکیر وہ پہاڑ بغیر کے پاس مقیم تھیں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ فتح کرنے کے بعد ہجرت متقطع ہو گئی۔ عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبید بن عمیر لیش کے ہمراہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کی، ہم نے آپ سے ہجرت کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا اب ہجرت نہیں ہے، پہلے مسلمان اپنے دین کی وجہ سے اللہ اور رسول کی طرف بھاگتے تھے، کیونکہ انھیں یہ خوف تھا کہ وہ اپنے دین کی وجہ سے کسی آزمائش میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ لیکن اب اللہ تعالیٰ اسلام کو غلبہ عطا فرما چکا ہے، اب مسلمان جہاں چاہیں اپنے رب کی عبادت کریں۔ البتہ جہاد اور نیت باقی ہے۔

حضرت عباس بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ہجرت پر بیعت کرنے لگا آپ نے فرمایا: ہجرت تو ہجرت والوں کے ساتھ گزر گئی۔ تاہم اسلام، جہاد اور خیر پر بیعت کرو۔

عن عطاء يقول ذهب مع عبید بن عمیر الى عائشة وهي بمجاورة بفسير فقالت لنا انقطعت الهجرة منذ فتح الله على نبيه صلى الله عليه وسلم فكتة - ثم
عن عطاء بن ابی رباح قال نزلت عائشة مع عبید بن عمیر الى ميثي فسلت اها عن الهجرة فقالت لا هجرة اليوم وكان المؤمنون يغزوا بعد دينه الى الله ورسوله فخافوا ان يفتن عليه لما ما اليوم فقد اظهر الله الاسلام واليوم يبعدن ربهم حيث شاء ولكن جهاد و نية - ثم

عن مجاشع بن مسعود سلمى اتيت النبي صلى الله عليه وسلم اباعه على الهجرة فقال ان الهجرة قد مضت لاهلها ولكن على الاسلام والجهاد والخير - ثم

یہ حدیث صحیح بخاری اور مسند احمد بن حنبل میں بھی ہے۔

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

عن الفرزدق بن حبان قال خرجت انا وعبید الله بن حید في طريق الشام فمرونا بعبید الله بن عمرو بن العاص فقال جاء رجل

فرزدق بن حبان بیان کرتے ہیں کہ میں اور عبید اللہ بن حید شام کے راستہ پر گئے، ہمارا حضرت عبید اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے گئے، انھوں نے کہا تم دونوں

جلد ۱ - امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۵ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۲، مطبوعہ ندر محمد امجد المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

جلد ۲ - امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۱-۵۵۲، مطبوعہ ندر محمد امجد المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

جلد ۳ - امام ابو الحسن مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۰، مطبوعہ ندر محمد امجد المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۱۰

ایک راوی ہے جس کو میں نہیں جانتا۔

گناہوں سے ہجرت کرنے کے بارے میں احادیث | امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عبد الله بن عمرو عن النبي صلى الله عليه وسلم لما جرم من هجر ما نهى الله عنه .
 حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہا جرم وہ ہے جو اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں سے ہجرت کرے۔ (اصنیٰ جھوڑ دے۔)

اس حدیث کو امام ابو داؤد و ترمذی و نسائی و ابوداؤد و امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

عن عبد الله بن حبشي الخشعي ان النبي صلى الله عليه وسلم سئل اي الاعمال افضل قال طول القيام قيل فاي الصدقة افضل قال جهد المقل قيل فاي الهجرة افضل قال من هجر ما حرم الله عليه الحديث .
 حضرت عبداللہ بن حبشی الخشعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ فرمایا: نماز میں لمبا قیام کرنا، پھر کہا گیا کہ کون سا صدقہ سب سے افضل ہے؟ فرمایا: غریب آدمی کا مشقت اٹھا کر صدقہ کرنا، پھر سوال کیا گیا کہ کون سی ہجرت سب سے افضل ہے؟ فرمایا: جو شخص ان کا حق سے ہجرت کرے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔

امام احمد روایت کرتے ہیں:
 عن انس بن مالك ان النبي صلى الله عليه وسلم قال المهاجر من هجر السوء .
 حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہا جرم وہ شخص ہے جو برائی ترک کر دے۔

حضرت فضال بن عیینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور ہا جرم وہ شخص ہے جو غلط کاموں اور گناہوں کو ترک کر دے۔

۱۔ حنفیہ: ابن ابی بکر البیہقی متوفی ۸۰۰ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۵۵، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، بیروت، ۱۴۰۲ھ
 ۲۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۶، مطبوعہ دار محمد امجد المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
 ۳۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۳۶، مطبوعہ مطبعہ محبتی پاکستان لاہور، ۱۴۰۶ھ
 ۴۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، سنن نبائی ج ۲ ص ۴۳۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
 ۵۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۶، ۲۰۵، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ
 ۶۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۵-۳۴، مطبوعہ مطبعہ محبتی پاکستان لاہور، ۱۴۰۶ھ
 ۷۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ
 ۸۔ مسند احمد ج ۶ ص ۲۲-۲۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

ہجرت کی متعارض احادیث کے جوابات | ہجرت سے متعلق جن احادیث کا اجماع نے ذکر کیا ہے، ان میں سے بعض احادیث میں یہ صراحت ہے کہ ہجرت کبھی منقطع نہیں ہوگی اور بعض میں یہ وضاحت ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت منقطع ہو جائے گی، بعض احادیث میں ہے کہ مسلمان زمین پر کہیں بھی قیام کر سکتے ہیں اور بعض میں مشرکین کے ساتھ قیام کی ممانعت ہے اور بعض احادیث میں یہ تصریح ہے کہ ہجرت تو صرف گناہوں کو ترک کرنا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی نے ان متعارض احادیث کے حسب ذیل جوابات ذکر کیے ہیں:

- ۱۔ جن احادیث میں فتح مکہ کے بعد ہجرت منقطع ہونے کا بیان ہے وہ صحاح کی احادیث ہیں اور جن احادیث میں قیام تک ہجرت باقی رہنے کا ذکر ہے وہ سنن کی روایات ہیں اور صحاح کی احادیث کو سنن کی روایات پر ترجیح ہے۔
- ۲۔ علامہ خطاب نے کہا ہے کہ ابتداء اسلام میں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرض تھی، اب یہ فرضیت منسوخ ہو گئی اور جو ہجرت قیامت تک باقی رہے گی وہ مستحب ہے۔
- ۳۔ علامہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ ہجرت کی دو قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ ایک شخص اپنے وطن، اہل و عیال اور مال سے ہجرت کر کے مدینہ چلا جاتا اور پھر کبھی ان چیزوں کی طرف واپس نہ پڑتا اس ہجرت پر اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ فتح مکہ کے بعد یہ ہجرت منسوخ ہو گئی، ہجرت کی دوسری قسم یہ ہے کہ کھلا کہہ ملاقات سے ہجرت کر کے مسلمانوں کے علاقہ میں آجائے اور اس میں ہجرت کی پہلی قسم کی طرح شدت نہیں ہے۔
- ۴۔ کھلا کہہ ملاقات سے مسلمانوں کے علاقہ کی طرف ہجرت منسوخ ہو گئی اور جو ہجرت باقی ہے وہ گناہوں سے ہجرت کرنا اور ان کو ترک کرنا ہے۔

۵۔ جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے ساتھ رہنے سے بیزاری کا اظہار فرمایا ہے اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں رہنے سے مسلمانوں کو اپنے دین، جان، مال اور عزت و آبرو کی بربادی کا خطرہ ہو، جہاں اسلامی شائر، فراتھن اور واجبات کی امانگی سے ممانعت ہو یا جہاں کی تہذیب، کچھ اور سوسائٹی کے بُرے اثرات سے مسلمانوں کے عقائد اور معمولات محفوظ نہ رہیں اور یہی ہے جس جگہ میں مسلمانوں کے عقائد کو خطرہ نہ ہو، اور وہ آئندہ کے ساتھ وہاں اپنی عبادات کو انجام دے سکیں وہاں مسلمانوں کے رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فتح مکہ کے بعد ہجرت کے منسوخ ہونے کی وجوہات | حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ خطاب و غیرہ ہجرت کرنا فرض تھا، کیونکہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور انھیں جمعیت کی ضرورت تھی، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مکہ کو فتح کر دیا اور لوگ فتح و رفیع اسلام میں داخل ہونے لگے تو مدینہ کی طرف ہجرت منسوخ ہو گئی اور تبلیغ اسلام اور دشمن سے مدافعت کے لیے جہاد کی فرضیت باقی رہی۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابتداء میں مدینہ منورہ ہجرت کرنا اس لیے بھی فرض تھا کہ جو شخص اسلام قبول کرتا تھا اس کو کفار

ایضا دیکھتے تھے اور اس وقت تک اس پر ظلم کرتے رہتے تھے جب تک کہ وہ (امیاء و بنی امیہ) اسلام کو چھڑ نہیں دیتا اور انہی لوگوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی:

ان الذین توفیہم المملکۃ ظالمی انفسہم
 قالوا فیم کتبتہم قالوا انما مستضعفین فی الارض
 قالوا لعل تکن ارض اللہ وامنعہ فتہاجروا
 فیہا قالوا لک ما وادھم جہنم و سباعت
 مصیرہ الا المستضعفین من الرجال والنساء
 والولدان لا یستطیعون حیلۃ ولا یجتہون
 سبیلہ فاولئک عسی اللہ ان یعفو عنہم
 وکان اللہ عفوا غفورا۔
 (نساء: ۹۹-۱۰۰)

بے شک جن لوگوں کا جانیں فرشتے اسی حال میں قبض
 کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے تو فرشتے ان
 سے کہتے ہیں تم کیا کرتے رہے؟ وہ کہتے ہیں ہم زمین
 میں بے بس تھے! فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ
 تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے
 اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے! البتہ مردوں، عورتوں اور بچوں
 میں سے جو (واقعی) بے بس (اور مجبور) ہیں، جو کسی تدبیر
 کی استطاعت رکھتے ہیں اللہ کہیں کا راستہ جانتے ہیں،
 تو قریب ہے کہ اللہ ان لوگوں سے درگزر فرمائے اور
 اللہ بہت مہربان فرمانے والا اور بے حد بخشنے والا ہے

جو شخص دار الکفر میں اسلام لائے اور اس سے نکلنے پر قادر ہو اس کے حق میں ہجرت اب بھی باقی ہے کیونکہ سنن
 نسائی میں حضرت سلویہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مشرک کے اسلام قبول کرنے
 کے بعد اس کے کسی عمل کو اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ کفر کین سے علیحدہ نہ ہو جائے۔ اور سنن ابوداؤد
 میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں
 جو مشرکین کے درمیان رہتا ہے۔ یہ حدیث ان لوگوں پر محمول ہے جن کو یہ حدیث ہو کہ اگر وہ دار الکفر میں رہے تو ان
 کا دین خطرہ میں پڑ جائے گا۔

دار الکفر میں مسلمانوں کی سکونت کا حکم | حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: لا ہجرۃ بعد الفتح، فتح کے
 بعد ہجرت نہیں ہے، کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ مطلقاً فتح کے بعد ہجرت

نہیں ہے خواہ کہ کفر مد فتح ہو یا کوئی اور شہر، لہذا اب اگر مسلمان کسی شہر کو فتح کر لیں تو ان پر ہجرت واجب نہیں ہے، لیکن
 اگر کسی شہر کو مسلمانوں نے فتح نہیں کیا تو وہاں کے رہنے والوں کے تعلق عین قتل ہیں:

(۱) پہلا قول | جو شخص دار الکفر میں دین کا اظہار نہ کر سکتا ہو اور فرائض اور واجبات کو ادا نہ کر سکتا ہو اور وہ دار الکفر سے
 نکلنے کی استطاعت رکھتا ہو اس پر ہجرت کرنا واجب ہے۔

(۲) دوسرا قول | مسلمان دار الکفر میں فرائض اور واجبات کو ادا کر سکتے ہوں اور ہجرت کرنے کی بھی استطاعت
 رکھتے ہوں پھر بھی ان کے لیے دار الکفر سے ہجرت کرنا مستحب ہے تاکہ دارالاسلام میں مسلمانوں
 کی کثرت اور جمعیت برآمد وہ برقت ضرورت مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شامل ہو سکیں اور دار الکفر میں کفار کی بد عہدی

اور فتنہ سے محفوظ رہیں اور کافروں کی تہذیب اور ثقافت اور ان کے معاشرے کی بد راہ روی سدِ علقی اور فحاشی کے بُرے اثرات سے مامون رہیں اور کفار اپنے دین کی اشاعت اور مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنے کی جو کوششیں کرتے ہیں ان کے خطرات سے مسلمان محفوظ رہیں۔

(۳) تیسرا قول | جو مسلمان قید، مرض یا کسی اور غرض کی بناء پر دارِ الکفر سے ہجرت نہ کر سکتا، وہ اس کے لیے دارِ الکفر میں رہنا جائز ہے، اس کے باوجود اگر وہ تکلیف اور مشقت اٹھا کر ہجرت کرے تو باوجود ہر گناہ

ہجرت کی اقسام | علامہ بدرالدین عینی صنفی نے ہجرت کی حسب ذیل اقسام ذکر کی ہیں:

(۱) - دارِ الخوف سے دارِ الامن کی طرف ہجرت، جیسا کہ مسلمانوں نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی، یا اب ہندوستان کے مسلمان ہندوؤں کے مظالم سے تنگ آکر انگلینڈ، امریکہ یا مغربی جرمنی کی طرف ہجرت کر جائیں۔
(۲) - دارِ الکفر سے دارِ الاسلام کی طرف ہجرت کرنا، جیسا کہ فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، یا اب جہاد سے پاکستان کی طرف ہجرت کرنا، اسی طرح جو شخص دارِ الکفر میں ظالمین پر قابض ہو اس کا دارِ اسلام کی طرف ہجرت کرنا۔
(۳) - قرب قیامت میں فتنوں کے ظہور کے وقت مسلمانوں کا شام کی طرف ہجرت کرنا، چنانچہ سنن ابوداؤد میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مقرب ایک ہجرت کے بعد دوسری ہجرت ہوگی، سو روئے زمین کے اچھے لوگ حشرِ براہیم کی ہجرت کی جگہ (شام) میں پہلے جائیں گے اور باقی زمین پر بدترین لوگ رہ جائیں گے۔"

(۴) - برائوں اور گناہوں سے ہجرت کرنا۔ ۵۔ ایک اور قسم کا بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے:

(۵) - ماسوا اللہ کو ترک کر کے اللہ کی طرف ہجرت کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی ہے۔" (بخاری)

ہجرت الی اللہ کی توضیح | اللہ کی طرف ہجرت کرنے سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو رخائے الہی میں اس طرح ڈھالے کہ اس کے دل میں ہر کام کا محرک اور داعی اللہ کا حکم ہو، اور طبعی تقاضے شرعی تقاضوں کے مظہر ہو جائیں حتیٰ کہ وہ اس منزل پر آجائے کہ اس کا کھانا پینا بھی اس نیت سے ہو کہ چونکہ اللہ نے کھانے پینے کا حکم دیا ہے اس لیے وہ کھانا پیتا ہے ورنہ اس کو لاکھ بھوک اور پیاس گنتی وہ کھانے پینے کی طرف التفات نہ کرتا، اس نظام کا خلاصہ یہ ہے کہ بندے کے ہر کام کی نیت اور جذبہ یہ ہو کہ چونکہ یہ اللہ کا حکم ہے اس لیے وہ اس کام کو کر رہا ہے اور اگر اللہ کا حکم نہ ہوتا تو خواہ کچھ ہوتا وہ اس کام کو نہ کرتا۔ اسی مرتبہ کہ اللہ تعالیٰ نے صبیغۃ اللہ سے تعبیر فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مقام کی طرف اس حدیث میں ہدایت دی ہے:

"اللہ کی صفات سے متصف ہو جاؤ یہ اقبال نے اسی منزل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔"

در دشت جزا من جبرلی زبوں میدے

یزدواں بکند آدر اسے بہت مردانہ

۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تلخ الباری ج ۲ ص ۳۸، مطبوعہ دار الفکر لکھنؤ، ۱۳۰۱ھ

۲۔ حافظ بدرالدین ابو محمد محمد بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۵، مطبوعہ مطبعہ مائتہ و اربعین، ۱۳۰۸ھ

یعنی انسان کے لیے کھوتی صفات اپنا ناسٹی کہ مظہر جبرائیل ہونا بھی کمال نہیں ہے۔ اس کا مقام تو یہ ہے کہ وہ الہی صفات اپنا کر اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں رنگ لے اور مظہر رب جبرائیل ہو جائے۔ چنانچہ بندہ اگر کسی پر رحم کرے تو اس لیے کہ اس کا رب رحیم ہے اور اگر کسی پر غضب ناک ہو تو اس لیے کہ اس کا رب قہار ہے اور انھیں پر رحم کرے جن پر اس کا رب رحیم کرنا چاہتا ہے اور انھیں پر غضب ناک ہو جن پر اس کا رب اس سے غضب ناک ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ اسی طرح ہجرت الی الرسول کا مطلب بھی یہ ہے کہ اپنی سیرت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تابع کرے اور چونکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اور حکم الگ الگ اور متاخر نہیں ہیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنا اللہ کو راضی کرنا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنا ہی اللہ کی طرف ہجرت کرنا ہے۔

مال غنیمت اور مال فتنے اس باب کی حدیث میں ہے کہ اگر انھوں نے ایسا کر لیا (یعنی ہجرت کی دعوت قبول کر لی) تو ان سے قبول کر لو اور ان سے جنگ نہ کرو اور اگر انھوں نے ہجرت کی دعوت قبول نہیں کی تو ان کو یہ خبر دو کہ پھر ان پر دیہاتی مسلمانوں کا حکم ہو گا، ان پر مسلمانوں کے احکام جاری ہوں گے، لیکن ان کو مال فتنے اور مال غنیمت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

شمس الائمہ سرحدی حنفی لکھتے ہیں یہ حکم اس وقت تھا جب ہجرت فرض تھی، اس لیے آپ نے یہ حکم دیا کہ ان کو یہ بتلایا جائے کہ چونکہ انھوں نے دین حق کی اطاعت اور التزام کر لیا ہے، اس لیے ان پر اللہ تعالیٰ کے احکام جاری ہوں گے، لیکن جب تک وہ جہاد اور دین کی نصرت نہیں کریں گے اور احکام دین کو سیکھنے میں مشغول نہیں ہوں گے ان کو مال فتنے اور مال غنیمت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا، اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مال فتنے اور مال غنیمت سے ان مسلمانوں کو حصہ ملتا ہے جو جہاد کریں یا احکام دین کی تعلیم حاصل کریں۔

اللہ کے نام کی سرحدی اور دین کے غلبہ کے لیے کیا جانے والی جنگ سے جو مال حاصل ہو اس کو مال غنیمت کہتے ہیں اور جو مال کفار سے جنگ کے بغیر حاصل ہو اس کو فتنے کہتے ہیں جیسے جو یہ اور خراج۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وما افاء الله على رسوله منهم فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُنْزِلُ رِيسْلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ مَا افاء الله على رسوله من اهل القرى فذلك لله وللرسول ولذی القربى و الیثمی والمسلکین و ابن السبیل کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم۔

(حشر: ۱-۶)

اپنے رسول پر نازل دیا ہے تم نے قرآن پر گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ، لیکن اللہ تعالیٰ میں پر چاہتا ہے اچھے رسولوں کو غلبہ عطا فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ تعالیٰ نے جو مال ان یسیتوں والوں سے (لکال کر) اپنے رسول پر نازل دیا ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں اور رسول کے قرابت داروں اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہیں، تاکہ یہ اموال تمہارے مالدار

مشرکین سے محاصرہ اٹھانے کے لیے مسلمان ان سے اللہ کی طرف سے معاہدہ کیوں نہ کریں؟

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر وہ جزیہ ادا کرنا مان میں تو تم اس کو ان سے قبول کر لو، اور جنگ سے اجتناب کرو، اور حبس تم کسی قلعہ والوں کا یا کسی شہر کا محاصرہ کرو اور وہ یہ چاہیں کہ تم اللہ کے حکم کے مطابق یہ محاصرہ ختم کرو تو تم اس شرط پر محاصرہ ختم کرو کیونکہ تم نہیں جانتے اس کے متعلق اللہ کا کیا حکم ہے۔

اہم مسئلہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ کے حکم بدلے بغیر ختم کرنا جائز نہیں ہے لہذا امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت کے ساتھ نازل ہوا تھا کیونکہ وحی نازل ہوتی رہتی تھی اور احکام بدلتے رہتے تھے، اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منکر رہتے تھے وہ نہیں جانتے تھے کہ بعد میں اللہ کے کیا احکام نازل ہونے ہیں، لیکن اب تمام احکام نازل ہو چکے ہیں اور شریعت مکمل ہو چکی ہے اور اب کوئی اور حکم نازل نہیں ہوگا۔ اور یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ مشرکین سے جہاد کرنے کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ان کو اسلام کی دعوت دی جائے اور جب وہ اس دعوت کو قبول کر لیں تو پھر ان کو چھوڑ دیا جائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ
وَخُذُواهُمْ وَاحْصِرُوهُمْ وَاقْبَضُوا لَهُمْ
مِرْصَدًا فَاِنْ تَابُوا وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ
وَآتَوْا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ (تر: ۵)

تم مشرکوں کو جہاں پاؤ، اہیں قتل کر دو، ان کا غاصرو
کر لو، اور ان کی تاک میں ہر گھاس کا جگہ بیٹھو، اور اگر وہ توبہ
کر لیں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو پھر ان کا
راستہ چھوڑ دو۔

اور اگر وہ قبول اسلحہ سے انکار کریں تو ان کو جزیہ قبول کرنے کی دعوت دی جائے اور اگر وہ اس کا بھی انکار کریں تو پھر ان کے جنگجو لوگوں کو قتل کیا جائے اور بچوں کو قید کر لیا جائے۔

اور امام محمد کہتے ہیں کہ اس حدیث کے مطابق اللہ کے حکم پر ان کا محاصرہ نہ ختم کیا جائے، اور امام ابو یوسف نے جو حکم بیان کیا ہے وہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جن پر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جائے، لیکن جو لوگ قلعہ میں محصور ہیں اور وہ اللہ کے حکم سے قلعہ سے نکلنا چاہتے ہیں تو یہ کسی کو معلوم نہیں ہے کہ ان کے بارے میں اللہ کا کیا حکم ہے؟ آیا محاصرہ ختم کر کے انہیں نکلنے دیا جائے یا نہیں؟

اس حدیث میں اہل سنت و جماعت کی یہ دلیل ہے کہ مجتہد کبھی خطا کرتا ہے اور کبھی صواب کو پہنچتا ہے کیونکہ آپ نے فرمایا تم انہیں جانتے کہ محصورین کے متعلق اللہ کا کیا حکم ہے؟ اور اگر ہر مجتہد کا اجتہاد صحیح ہوتا تو وہ لامحالہ جان لیتا کہ ان کے متعلق اللہ کا حکم کیا ہے۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: تم اپنے حکم سے مشرکین کو قلعہ سے باہر نکالو پھر اپنی راستے کے مطابق مشرکین کے متعلق فیصلہ کرو، اگر مجتہد کا اجتہاد برحق نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محصورین کے نکلنے کو ہمارے اجتہاد پر موقوف نہ کرتے کیونکہ آپ خطا پر مبنی فیصلہ کو جاری کرنے کا حکم نہیں دے سکتے بلکہ آپ کی شان یہ ہے کہ آپ صحیح فیصلہ کو جاری کرنے کا حکم دیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ مجتہد کا فیصلہ لامحالہ غلط ہوتا ہے، بلکہ مجتہد صحیح حکم حاصل کرنے کی توقع پر اجتہاد کرتا ہے اور اپنی علمی استطاعت کے مطابق صحیح حکم معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے اس وجہ سے ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ محصورین کو قلعہ سے نکلنے یا نہ نکلنے کے بارے میں ہم اپنی راستے اور اجتہاد سے فیصلہ کریں۔

نیز اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی قلعہ والوں کا یا شہر والوں کا محاصرہ کرو اور وہ یہ کہیں کہ تم انہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ دو تو تم ان کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ مت دو، کیونکہ اگر تم نے اپنے عہد اور ذمہ کو پورا نہ کیا تو وہ لیا نہ آسان ہے، اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مسلمانوں کو مشرکوں سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ بعض اوقات ان کو اپنا عہد توڑنے کی ضرورت ہوتی ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کہے ہوئے عہد کو توڑنا جائز نہیں ہے، اسی وجہ سے آپ نے فرمایا تم ان سے اپنا معاہدہ کرو۔

عہد شکنی کی حرمت

بَابُ تَحْرِيمِ الْغَدَارِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اولین اور آخرین کو جمع فرمائے گا تو ہر عہد شکن کے لیے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔

۴۲۱۴ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى وَآبُو أُسَامَةَ ح وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعَبِيدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ يَحْيَى أَبَا هُرَيْرَةَ الشَّامِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى وَهُوَ الْعَقَّانُ كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ ح وَ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شُمَيْرٍ
وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا آدِفٌ حَدَّثَنَا
عُبَيْدُ اللَّهِ عَنْ كَافِرٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِذَا جَمَعَهُ اللَّهُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرْفَعُ لِكُلِّ هَادٍ وَلَوَاءُ
فَقِيلَ حَدَّثَنَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
سے یہی حدیث روایت کی ہے۔

۴۴۱۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ
حَدَّثَنَا حَمَّادٌ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ
حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ
الْأَسَدِيُّ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا صَعْرُ
بْنُ جُوَيْرِيَةَ كَلَّا هَذَا عَنْ كَافِرٍ عَنْ
ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ بِهَذَا الْوَحْدِ يَث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عہد شکن کے
لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور
کہا جائے گا کہ یہ بڑے ظالم شخص کی عہد شکنی ہے۔

۴۴۱۶۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَ
قُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ عَنْ إسماعيل بن
جعفر عن عبد الله بن ابن ديناير أن
سمِعَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَادِيَ
يُنْصَبُ اللَّهُ لَهُ لَوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
فَيُقَالُ لَا هَذَا وَهَذَا وَهَذَا فُلَانٌ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں
کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے
سنا کہ قیامت کے دن ہر عہد شکن کا ایک جھنڈا ہوگا۔

۴۴۱۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَزْمَةَ عَنْ يَحْيَى
أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنْ
ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حَمَّادٍ وَاسْمَاعِيلَ ابْنِ
عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ
سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَقُولُ لِكُلِّ عَادٍ لَوَاءٌ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ

۲۴۱۸ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى
كَاتِبُنَا بِشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ
ح وَحَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ أَخْبَرَنَا
مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقَى ابْنُ جَعْفَرٍ كِلَاهُمَا عَنْ
شُعْبَةَ عَنْ سَلِيمَانَ عَنْ أَبِي وَائِلٍ
عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ التَّيْمِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ غَادِرٍ لَوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
يُقَالُ هَذِهِ غَدْرُهُ فُلَانٍ -

حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ہر عہد شکن کا ایک جھنڈا
ہر گاہ اور یہ کہا جائے گا کہ یہ غلام شخص کی عہد شکنی ہے۔

۲۴۱۹ - وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ
إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا النَّضْرُ بْنُ شَمِيلٍ ح
وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا
عَبْدُ الرَّحْمَنِ جَمِيعًا عَنْ شُعْبَةَ فِي هَذَا
الْإِسْنَادِ وَكَانَ فِي حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ
يُقَالُ هَذِهِ غَدْرُهُ فُلَانٍ -

امام مسلم نے اس حدیث کی دو سندیں بیان کیں اور
کہا کہ عبدالرحمن کی روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ "یُقَالُ
هذه غدرة فلان"۔

۲۴۲۰ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي
شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا عَنْ يَزِيدَ
بْنِ عَبْدِ الْعِزِّ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ شُعْبَةَ
عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ غَادِرٍ لَوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
يُعْرَفُ بِهِ يُقَالُ هَذِهِ غَدْرُهُ فُلَانٍ -

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ہر عہد شکن
کا ایک جھنڈا ہوگا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔

۲۴۲۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَ
عَبِيدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ
بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَابِطٍ
عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ غَادِرٍ لَوَاءٌ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ يُعْرَفُ بِهِ -

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ہر عہد شکن
کا ایک جھنڈا ہوگا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔ اور یہ
کہا جائے گا یہ غلام شخص کی عہد شکنی ہے۔

۲۴۲۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَعَبِيدُ
اللَّهُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ
حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خَلِيدٍ عَنْ أَبِي

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ہر عہد شکن
کی سرزمین (مقعد) کے ہر ایک جھنڈا ہوگا۔

نَضَرَ لَهُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ بَيْنَ النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ غَادِرٍ
لِوَأَى وَعَدَ إِسْتِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن
ہر عہد شکن کا ایک جھنڈا ہو گا جس کو اس کی عہد شکنی کے
بقدر بلند کیا جائے گا، بلور کو! امیر مملکت سے بڑھ
کر کسی شخص کی عہد شکنی نہیں ہے۔

۲۳۲۳ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا
عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا
الْمُسْتَمِرُّ بْنُ الذَّيَّانِ حَدَّثَنَا أَبُو نَضْرَةَ
عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَأَى
يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُزْفَرُ كَذَا بَقْدِ رَا
عَدْرَاهُ آ لَا وَلَا غَادِرًا آ عَظُمَ عَدْرَاهُ
مِنْ أَمْرِ عَامَّةٍ

عہد شکنی کی ممانعت کی حکمت | علامہ ردی کہتے ہیں: لو اء اس بڑے جھنڈے کو
کہتے ہیں جو سپہ سالار کے پاس ہوتا ہے، ”ہر عہد شکن
کا ایک جھنڈا ہو گا۔“ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ ہر عہد شکن کی ایک علامت ہوگی جس سے وہ لوگوں میں مشہور ہوگا،
اور اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ عہد شکن کی عہد شکنی مشہور کرنے کے لیے گیلوں اور بازاروں میں جھنڈے نصب کر
دیتے تھے۔

غادر (عہد شکن) اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی چیز کا وعدہ کرے اور اس کو پورا نہ کرے، ابن اعدادیث میں عہد شکنی
کی حرمت بیان کی گئی ہے، خصوصاً امیر لشکر یا امیر مملکت کی عہد شکنی کی حرمت زیادہ شدید ہے، کیونکہ اس کی عہد شکنی
سے بکثرت لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے، نیز اس لیے کہ امیر دوسرے لوگوں کی بہ نسبت ایفاء عہد پر زیادہ قادر ہوتا ہے
اس لیے اس کی عہد شکنی کی حرمت زیادہ سنگین ہوگی۔

مشہور یہ ہے کہ یہ حدیث امام کی عہد شکنی کی مذمت میں وارد ہے تاہم مباحثی میں نے دو احتمال ذکر کیے ہیں ایک
یہ ہے کہ اسی حدیث میں امیر مملکت کو عوام مسلمین یا کفار کے ساتھ عہد شکنی کرنے سے منع فرمایا ہے یا ابے عوام مسلمین کی
امانتوں میں خیانت کرنے سے منع کیا ہے اور اس پر لازم کیا ہے کہ وہ عوام کے حقوق کی حفاظت کرے، اور جب
وہ یہ حقوق ادا نہیں کرے گا یا ان کے مفادات کا تحفظ نہیں کرے گا یا ان کے ساتھ نرمی نہیں کرے گا تو وہ عوام
کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو توڑنے کا مرتکب ہوگا اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس حدیث میں عوام کو حکم دیا ہے
کہ وہ اپنے امیر سے غداری نہ کریں اور اس کے خلاف بغاوت کر کے مسلمانوں کی جمعیت اور وحدت نہ توڑیں،
لیکن پہلا احتمال صحیح ہے۔ (حاشیہ صفحہ ۲۸۷) (حاشیہ صفحہ ۲۸۷) (حاشیہ صفحہ ۲۸۷) (حاشیہ صفحہ ۲۸۷) (حاشیہ صفحہ ۲۸۷)

انسان کا اپنے نفس سے عہد انسان اپنے نفس سے جو عہد کرتا ہے یعنی کسی ایسے کام کرنے کا التزام کر لیتا ہے جس کو شریعت نے اس پر لازم نہیں کیا اس کی چار قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جو انسان عبادت کی قدر مانتا ہے مثلاً کہے کہ اگر میرا آٹھ گھنٹہ کا کام ہو گیا تو میں روزہ رکھوں گا اس قسم کو پورا کرنا واجب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ (حج: ۲۹) اور اپنی عہدوں کو پورا کرو۔
 دوسری قسم وہ ہے جو انسان کسی مباح کام کو ترک کرنے کی قسم کھاتا ہے اس عہد کو پورا کرنا بھی واجب ہے (یعنی علماء نے اس کو مستحب سمجھا ہے) اگر قسم کھا کر توڑ دی تو اس کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
 وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلَهُ اللَّهُ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا (نحل: ۹۱) اور قسموں کو ٹٹا کرنے کے بعد نہ توڑو۔ جب قسم کھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس قسم کو اپنے اور اپنے آپ پر نگہبان بنا چکے ہو۔
 تیسری قسم یہ ہے کہ کسی مستحب کام کو ترک کرنے کی قسم کھائے اس قسم اور اس عہد کو توڑنا مستحب ہے مثلاً یہ قسم کھا لے کہ میں دوستوں کی دعوت نہیں کھروں گا یا مدفنہ اور خیرات نہیں کروں گا، اس کے متعلق یہ حدیث ہے:
 لَمْ يَسْلَمْ رِوَايَتُكَ تَسْلِيَةً

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خلف علی یمین فرای غیرہا خیرا منها فلیات الذی ہو غیر ولیکفر عن یمینہ۔
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی چیز کی قسم کھائے پھر اس کے خلاف کرنے کو بہتر پائے وہ اس قسم کو کھانے کو کھائے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔
 اپنے نفس سے کیے ہوئے عہد کی چوتھی قسم یہ ہے کہ انسان کسی حرام کام کو کرنے کی قسم کھا لے مثلاً یہ کہ میں فلاں مسلمان شخص کو قتل کروں گا اس قسم کا پورا کرنا حرام ہے اور اس عہد کو توڑنا فرض ہے۔
 اپنے نفس سے کیے ہوئے عہد کی یہ چار قسمیں شرعی ہیں اسی طرح اس عہد کی یہ چار قسمیں عقلی بھی ہیں۔

ایک انسان کا دوسرے انسان سے عہد عہد کی تیسری قسم بھی باقرباء التزام ہے یعنی ایک انسان کسی دوسرے انسان سے کام کے کرنے کا عہد کرے اس عہد کا پورا کرنا بھی لازم ہے بشرطیکہ وہ عہد کسی معصیت اور گناہ کا نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الَّذِينَ عَاهَدُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُواكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ (حدّٰ) فَأَتُوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مَدِينَتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ

(توبہ: ۴) اور وہ اپنا عہد ان کے عہد کا منسوخ نہ کرے۔
 (اسراء: ۳۲) ماسواں مشرکوں کے جن سے تم نے عہد کیا تھا اور انھوں نے تمہارے ساتھ (عہد پورا کرنے میں) کچھ کمی نہیں کی اور تمہارے خلاف کسی کی پشت پناہی نہیں کی تو ان سے ان کا عہد ان کی مدت (یعنی) تک پورا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ پر مینر گاروں کو پسند کرتا ہے۔ اور عہد پورا کرو، بے شک عہد کے متعلق پورا چھاننے گا۔

والذین ہم لا ملئتهم و عهد ہم را عون۔ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں۔ (مؤمنون: ۸)

عہد کی اس تیسری قسم میں بھی چار قسموں (وجوب، استحباب، کراہت اور تحریم) کا اعتبار ہو سکتا ہے اگر کسی شخص نے مثلاً بیوی کو نان نفقہ دینے کا یا قرض خواہ کو اس کا قرض واپس کرنے کا عہد کیا تو اس عہد کا پورا کرنا فرض ہے اور اگر مہمان سے غلط مدارات یا ملازم سے تخرابہ بڑھانے کا عہد کیا تو اس کا پورا کرنا مستحب ہے اور اگر کسی شخص سے اس کو رشوت دینے کا عہد کیا تو اس کا پورا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر کسی شخص کے ساتھ شراب پینے یا جوار کھیلنے کا عہد کیا تو اس کا پورا کرنا حرام ہے۔

عہد کی دوسری قسم جو انسان اپنے نفس سے عہد کرے (اور تیسری قسم جو انسان کسی دوسرے شخص سے عہد کرے) کی شرعاً بھی یہ چار قسمیں ہیں اور عقلاً بھی چار قسمیں ہیں۔ اس اعتبار سے عہد کی سولہ اقسام ہو گئیں۔

علامہ آلوسی کی بیان کردہ عہد کی اقسام پر بحث و نظر | علامہ آلوسی نے عہد کی مذکورہ اقسام میں وجوب، استحباب، کراہت اور تحریم کو عہد کی تینوں قسموں (اللہ سے عہد، اپنے نفس سے عہد اور دوسرے انسان سے عہد) میں ضرب دی اور ہر تینوں کی عقلی اور شرعی اعتبار سے کل چوبیس قسمیں کیں۔ یہ علامہ آلوسی کی اس تقسیم پر یہ اعتراض ہوتا ہے۔

اللہ سے عہد کے علاوہ اپنے نفس اور دوسرے شخص سے کیے ہوئے عہد میں تو وجوب، استحباب، کراہت اور تحریم کی چار قسمیں ہو سکتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرنا ہر حال میں فرض ہے، اس میں استحباب، کراہت اور تحریم کا تصور نہیں ہے، کیونکہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے جو اس کی عبادت اور اطاعت کا عہد کیا ہے، اس عہد کا پورا کرنا ہر حال میں فرض ہے اس کو مستحب نہیں کہہ سکتے اور اس کو مکروہ یا حرام کہنے کا تو کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ہم نے اللہ سے اس کی اطاعت کا جو عہد کیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہم فرائض اور واجبات کو ضرور کریں گے اور محرمات اور مکروہات تحریمیہ سے ضرور اجتناب کریں گے اور مستحبات کو اچھا سمجھتے ہوئے کریں گے اور مکروہات کو بُرا سمجھتے ہوئے ترک کریں گے، اور ان کا فعل اور ترک فرض کے فعل اور حرام کے ترک کی طرح ہو گا کہ نہیں ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ سے کیا ہوا عہد بھی مکروہ یا حرام ہو سکتا ہے مثلاً کوئی شخص یہ التزام کرے کہ وہ اللہ کے لیے حرام کام کرے گا تو اس عہد کا پورا کرنا حرام ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قسم ثانی ہے یعنی بندے کا اپنے نفس سے عہد کرنا اور کسی کام کے کرنے کا التزام کرنا۔ اللہ سے کیا ہوا عہد وہ ہے جس کی تفصیل قرآن اور سنت میں ہے، علامہ آلوسی نے بھی اللہ سے کیے ہوئے عہد کی یہی تفسیر کی ہے کہ یہ وہ عہد ہے جس کو شریعت نے واجب کیا ہے اور جس کی تفصیل قرآن اور حدیث میں موجود ہے، یعنی تمام احکام شرعیہ کا التزام کرنا اور قرآن اور حدیث میں اللہ کے کسی ایسے عہد کا بیان نہیں ہے جس کا پورا کرنا مکروہ یا حرام ہو۔

علامہ آلوسی کی طرف سے اس اعتراض کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اللہ سے کیا ہوا عہد بھی بہ اعتبار التزام مکروہ یا حرام ہو سکتا ہے مثلاً کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرے کہ وہ اسی کے لیے مکروہ یا حرام کام کرے گا تو اس عہد کا پورا کرنا مکروہ یا حرام ہے اور بندہ اپنے نفس سے جو عہد کرتا ہے اس میں وہ اپنے نفس سے یہ عہد کرتا ہے کہ وہ فلاں مکروہ یا حرام کام کرے گا اسی اعتبار سے ان دونوں قسموں میں اعتباری فرق ہوگا، اس لحاظ سے عہد اللہ کی تفسیر یہ ہوگی کہ بندہ اللہ سے عہد کرے کہ وہ فراتھن ادا کرے گا تو اس کا پورا کرنا فریضہ ہے اور یہ عہد کرے کہ وہ مستحبات ادا کرے گا تو اسی کا پورا کرنا مستحب ہے اور مکروہ یا حرام کا عہد کرے تو اسی کا پورا کرنا مکروہ یا حرام ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ بہ اعتبار التزام کے عہد اللہ کی چار قسمیں ہیں وجوب، استحباب، کراہت اور تحریم اور یہ عقلی بھی ہیں اور شرعی بھی اسی طرح اٹھ قسمیں ہو گئیں اور اسی طرح اپنے نفس سے عہد کی آٹھ قسمیں ہیں اور اسی طرح دوسرے سے عہد کی بھی آٹھ قسمیں ہیں تو کل چوبیس قسمیں ہو گئیں اور اللہ کا جو عہد ابتداء لازم ہے وہ اتباع شریعت ہے اس کا پورا کرنا فریضہ ہے قرآن اور حدیث سے یہی عہد ظاہر ہے۔

جنگ میں دشمن کو دھوکہ دینے کا جواز

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگ دھوکا ہے۔

بَابُ جَوَازِ الْخَدَاْعِ فِي الْحَرْبِ

۲۲۲۳ - وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خُزَيْمَةَ الشَّعْبِيُّ وَعَمْرُو بْنُ النَّاقِدِ وَنُحَيْلُ بْنُ حَرْبٍ وَالتَّفَظُّ لِعَلِيٍّ وَنُحَيْرُ قَالَ عَلِيُّ أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْأَخْرَانِ حَدَّثَنَا سَفْيَانُ قَالَ مَعْمَرُ عَمْرُو جَابِرًا يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَرْبُ خَدَاْعٌ

۲۲۲۵ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّسْمِ بْنِ سَهْمٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ مُكَيْبٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَرْبُ خَدَاْعٌ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگ دھوکا ہے۔

حالت جنگ میں دشمن کو دھوکا دینے اور جھوٹ بولنے کا جواز | علامہ یحییٰ بن شریف نووی لکھتے ہیں: فقہار کا اس پر اتفاق ہے کہ جنگ

میں جس طرح بھی کھار کو دھوکا دینا ممکن ہو ان کو دھوکا دینا جائز ہے البتہ اس طرح دھوکا دینا جائز نہیں ہے جس میں ان سے کیا ہوا عہد توڑنا یا ان کو دی ہوئی امان کے خلاف کرنا لازم آئے۔ اور حدیث صحیح میں ہے کہ تین مواقع پر جھوٹ بولنا جائز ہے، ان مواقع میں سے ایک جنگ کا موقع ہے، علامہ طبری نے کہا ہے کہ جنگ میں حقیقتہً جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے جنگ میں دھوکا دینے کے لیے توریہ اور تفریض سے کام لینا چاہیے (توریہ اور تفریض کا مطلب یہ ہے کہ ایک

عقظ کے دو معنی ہوں ایک قریب اور ایک بعید، متکلم معنی بعید مراد لے اور مخاطب کو معنی قریب کے دہم میں مبتلا کرے علامہ طبری کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے، ظاہر یہ ہے کہ جنگ میں حقیقتاً جھوٹ بولنا بھی جائز ہے لیکن توہم اور توہین پر اکتفا کرنا زیادہ افضل ہے۔

علامہ بدر الدین ابی حنفی لکھتے ہیں: جنگ میں حیلوں اور چالوں سے بکثرت کام لیا جاتا ہے گریا جنگ بعینہ حیل اور چال ہے اس لیے آپ نے فرمایا: الحروب خداعۃ۔ جنگ دھوکا ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا: الحج عرفة۔ حج عرفہ ہے۔ غدار کا معنی ہے باطن کے خلاف کسی چیز کو ظاہر کرنا۔ کذب بالاجماع حرام ہے، البتہ جنگ میں اللہ اور اس کے رسول نے کذب کی اجازت دی ہے اور بعض صحابہ نے منافقین سے جنگ میں اس رخصت سے فائدہ اٹھایا ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کذب بن اشرف کو قتل کرے گا؛ کیونکہ اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی ہے، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اس کو قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، پھر حضرت محمد بن مسلمہ، کعب بن اشرف کے پاس آئے اور کہا: اس شخص (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم کو بہت تھکا دیا ہے اور ہم سے صدقہ کا سوال کیا ہے کعب نے کہا ابھی تو یہ تم کو اور تھکاتیں گے، حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا ہم نے ان کی اتباع کی ہے اور اب ان کے چھوڑنے کو ناپسند کرتے ہیں ساد فقیہ ہم یہ دیکھ لیں کہ ان کا انجام کار کیا ہوتا ہے، پھر حضرت محمد بن مسلمہ اس سے سسل باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ اس پر قابو پا کر اس کو قتل کر دیا۔

کن کن صورتوں میں جھوٹ بولنے کی اجازت ہے؟ جیسا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ کذب حرام ہے لیکن

میں ہیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے حلال کر دے اور جس چیز کو چاہے حرام کر دے، اللہ اور اس کے رسول نے کذب کو حرام قرار دیا ہے لیکن بعض مواقع پر اللہ اور اس کے رسول نے کذب کی اجازت دی ہے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین صورتوں کے سوا جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے۔ (۱) ایک شخص اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لیے جھوٹ بولے۔ (۲) جنگ میں جھوٹ بولنا (۳) لوگوں میں صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا۔

عن اسماء بنت یزید قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل الکذب الا فی ثلاث یحدث الرجل امر متما یرضیہا والکذب فی الحرب والکذب لیصلح بین الناس۔

۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۸۳، مطبوعہ نوریہ المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۲۔ علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، حمة القاری ج ۱ ص ۲۷۵، مطبوعہ ادارۃ المطابع المینیہ مصر ۱۳۳۸ھ

۳۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۵، مطبوعہ نوریہ المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۴۔ امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۸۷، مطبوعہ نوریہ المطابع کراچی

جان مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنے کی اجازت

اور کذب و دھوکے سے حاصل کیا جاسکتا ہو اس میں جھوٹ بولنا حرام ہے اور اگر کسی بیک مقصد کو صرف جھوٹ بولنے سے حاصل کیا جاسکتا ہو اور وہ مقصد مباح ہو تو اس کے لیے جھوٹ بولنا مباح ہے اور اگر کسی بیک مقصد کو صرف جھوٹ بولنے سے حاصل کیا جاسکتا ہو اور وہ مقصد واجب ہو تو اس کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے مثلاً کسی شخص نے دیکھا کہ ایک ظالم کسی بے گناہ مسلمان کو قتل کر رہا ہے یا ایذا پہنچا رہا ہے اور وہ جھوٹ بول کر اس کو بچا سکتا ہے تو اس صورت میں جھوٹ بولنا واجب ہے، اسی طرح اگر ظالم اس سے کسی مسلمان کی امانت چھیننا چاہتا ہے تو اس کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے اسی طرح بھائی میں صلح کرانے کے لیے اور کسی مظلوم کی دلجوئی کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے چھپ کر زنا کیا یا شراب پی یا حاکم اس کے متعلق سوال کرے تو اس کے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ یہ کام میں نے نہیں کیا، کیونکہ یہ کام ہر چند کہ بے حیائی ہے لیکن اس کا اظہار کرنا ایک اور بے حیائی ہے، اسی طرح اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کا مالز بتانے سے انکار کرے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ جھوٹ بولنے پر جو خرابی مرتب ہو رہی ہے آیا وہ سچ پر مرتب ہو رہی ہے یا خرابی سے زیادہ ہے یا نہیں اگر جھوٹ بولنے سے زیادہ خرابی مرتب ہو تو جھوٹ نہ بولے ورنہ جھوٹ بول سکتا ہے۔ اگر جھوٹ بولنے سے انسان کا اپنا حق ضائع ہوتا ہے تو عزیمت یہ ہے کہ جھوٹ نہ بولے اور اگر دوسرے مسلمان کا حق ضائع ہوتا ہے تو پھر اس پر واجب ہے کہ وہ جھوٹ بولے اور دوسرے مسلمان کے حق کی حفاظت کرے۔ غلام یہ ہے کہ مسلمان کا اپنی جان، مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے اور دوسرے مسلمان کی جان، مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے۔

شعرا اور مبالغہ میں جھوٹ کا حوالہ پاس ہزار بار گیا ہوں، یعنی بار بار گیا ہوں، مبالغہ کے حوالہ پر اس حدیث صحیح میں دلیل ہے اما ابو جہم فلا یضع عصاه عن عاقبہ۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۳، مطبوعہ امج المطابع کراچی) لیکن ابو جہم تو اپنے کمرے سے لاٹھی اٹارتا ہی نہیں، یعنی وہ بیوی کو بہت مارتا ہے اسی طرح شری میں بھی جھوٹ جائز ہے جبکہ اس کو مبالغہ پر نہ محمول کیا جاسکے، جیسا کہ یہ شعر ہے:

انا ادعوك ليلاً ونهاراً ولا اخلى مجلساً عن شكرك
میں دن رات تمہارے لیے دعا کرتا ہوں اور ہر مجلس میں تمہارا شکر ادا کرتا ہوں۔

علامہ رافعی اور علامہ نوری نے ان دونوں صورتوں کو جائز رکھا ہے۔ ۲۷

ہر چند کہ علامہ شامی نے علامہ راضی اور علامہ نووی کے حوالے سے شرعی بغیر مبالغہ کے بھی جھوٹ ہونا جان لکھا ہے لیکن ہمارے نزدیک اگر مبالغہ نہ ہو تو پھر شرعی جھوٹ ہونا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مبالغہ کے لیے تو حضرت ابوہریرہؓ

۱۔ علامہ سید محمد امین ابن حادیدین شافعی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۲۷۷، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[illegible]

حدیث اصل ہے اور شعر میں جھوٹ کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

تعریف اور تور یہ میں جھوٹ بولنے کا جواز | جمہور فقہاء اسلام نے تعریف اور تور یہ کے طور پر جھوٹ بولنا
تور یہ میں اس قدر وسعت ہے کہ اگر تعریف اور تور یہ سے کام لیا جائے تو پھر حقیقت جھوٹ بولنے کی کبھی ضرورت
نہیں ہوگی، اس پر دلائل دینے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ تعریف اور تور یہ کی تعریفات ذکر کر دیں تاکہ عام قارئین اس
بحث سے مستفید ہو سکیں۔

تعریف کا لغوی معنی ہے ”دوسرے پر ڈھال کر بات کرنا، (المجد)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: تعریف تصریح ذکر کرنے کو کہتے ہیں اور معارف کا معنی ایک چیز کا دوسری
چیز سے تور یہ (کنایہ) کرنا ہے، حضرت عمران بن حصین بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
معارف میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا معارف میں مسلمان کو جھوٹ سے مستثنیٰ کر
دیجا میں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا مجھے معارف میں سرخ اور سفید سے زیادہ پسند ہیں۔ اگر کسی عورت کو اس کی عدت میں
نکاح کا پیغام دینا ہو تو اس کی تصریح نہ کرے اور تعریفاً کہے ”تم بہت خوبصورت ہو“ یا کہے ”مجھے نکاح کی ضرورت
ہے“ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ۱۱
وسادۃ تعریف ”تمہارا تکبر بہت چوڑا ہے“ اور تکبر سے ان کی نیند کا ادا کیا یہی تم بہت سوتے ہو، حدیث
میں ہے:

من عرض عارضتنا، ومن مشی علی
الکلا القینا، فی النہر۔
جو شخص تعریف کرے گا تو ہم بھی اس کے ساتھ
تعریف کریں گے اور جو شخص دیا کے کنارے چلے گا
ہم اس کو دریا میں ڈال دیں گے۔

اس کی تفسیر یہ ہے کہ جو شخص کسی مسلمان پر تعریفاً تہمت لگائے گا تو ہم اس کو تعریفاً سزا دیں گے یعنی ایسی سزا
دیں گے جو حد سے کم ہوگی اور جو شخص کسی پر مباحہ تہمت لگائے گا اور تہمت کی کشتی پر سوار ہو کر دریا میں چلے گا ہم
اس پر حد جاری کریں گے اور اس کو ”حد“ کے دریا میں ڈبو دیں گے۔ ۱۲
علامہ تفتازانی تعریف کی تعریف میں لکھتے ہیں: کلام کو ایک ایسی جانب کی طرف پھیرنا جو مقصود پر دلالت کرے
تعریف ہے، یعنی جب اشارہ ایک جانب کیا جائے اور مراد دوسری جانب ہو تو یہ تعریف ہے۔ ۱۳
خلاصہ یہ ہے کہ جب کلام میں صراحتاً ایک شخص کی طرف کسی فعل کا اسناد ہو اور اشارہ اور مراد کوئی دوسرا شخص ہو
تو یہ تعریف ہے مثلاً کوئی بڑا افسر دیر سے دفتر میں آتا ہو جس سے لوگوں کے کاموں میں دشواری آتی ہو اور اس کو
صراحتاً بتدبیر کہنا اس کے وقار اور مرتبہ کے خلاف ہو تو کوئی شخص اس سے کہے کہ دفتر کا شاف یا کلرک وغیرہ دیر سے
دفتر آتے ہیں اور اس سے بڑا حرج ہوتا ہے۔

۱۴۰۵ھ

۱۔ علامہ جمال الدین محمد بن محمد ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۷، ص ۱۸۳-۱۸۴، مطبوعہ نشر ادب الحوقۃ قم ایران

۲۔ علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۲ھ، مختصر المسانی ص ۴۴۱-۴۴۰، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، کراچی

توریر کا معنی چھاپنا اور کتاب کرنا ہے۔ علامہ زبیدی لکھتے ہیں: "وَدَّی الخبر توریتا" کا معنی ہے اصل خبر کو چھپا کر کچھ اور ظاہر کیا، حدیث میں ہے کہ کان اذا اراد السفر وسای بغیرہ یعنی جب آپ سفر کا ارادہ کرتے تو سفر کو چھپا کر یہ وہم ڈالتے کہ آپ کسی اور چیز کا ارادہ کر رہے ہیں۔ لہ

علامہ تفتازانی توریر کی تعریف میں لکھتے ہیں توریر کو ابہام بھی کہتے ہیں اور اس کی تعریف یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں قریب اور بعید اور بستے والا کسی شخص کی تربہ کی بناء پر اس لفظ کا بعید معنی مراد لے اور مخاطب اس سے قریب سمجھے لے قرآن مجید اور احادیث میں توریر اور تعریف کی مثالیں بھی ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ۔ حضرت ابراہیم نے کہا میں بیمار ہوں۔

(صفت ۱، ۸۹)

سقیم کا قریب معنی ہے جسمانی بیمار اور بعید معنی ہے روحانی بیمار، حضرت ابراہیم جسمانی بیمار نہ تھے انہوں نے اس لفظ سے توریر کر کے روحانی بیماری مراد لی، یعنی قوم کی بہت پرستی کی وجہ سے ان کی روح بیمار تھی یا مستقبل میں بیمار ہونا مراد لیا۔

قَالُوا اَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِالْهَتٰی اَبٰ
ابراہیمہ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ کَبِیْرٌ هُمْ هٰذَا
فَسَلُوْهُمْ اِنْ کَانُوْا یَنْطِقُوْنَ۔
انہوں نے کہا اسے ابراہیم کیا آپ نے ہمارے
ممبروں کے ساتھ یہ کام کیا ہے؟ ابراہیم نے کہا بلکہ ان
کے اس بڑے (بت) نے یہ کام کیا ہے، اگر یہ بستے
ہیں تو تم ان سے پوچھو۔ (الانبیاء: ۶۳-۶۲)

اس آیت میں کبیر ہم ہذا کا قریب معنی ہے "اس بڑے بت نے" اور اس کا بعید معنی ہے قوم کے اس بڑے شخص نے، لوگوں نے نہ ہی سمجھا کہ آپ کبہ رہے ہیں کہ اس بڑے بت نے باقی بتوں کو توڑا ہے حالانکہ آپ کی مراد یہ تھی کہ قوم کے اس بڑے شخص یعنی خود حضرت ابراہیم نے ان بتوں کو توڑا ہے اور آپ نے اس بڑے بت کی طرف اسناد کا ابہام اس لیے کیا ہے کہ ان کی قوم خود گمبہ کریم بت قبل چل بھی نہیں سکتے بتوں کو کس طرح توڑ سکتے ہیں اور ان کے خلاف حجت قائم ہو جائے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی ہریرۃ قَالَ بَیْنَا هُوَ ذَاتِ یَوْمٍ
وَسَادَۃً اِذَا قٰی عَلٰی جَبَارٍ مِّنَ الْجَبَابِرَةِ فَقِیْلَ لَّہٗ
اِنْ هٰہُنَا رَجُلًا مَّعَ امْرَاۃٍ مِّنْ اَحْسَنِ النَّاسِ
فَارْسِلْ اِلَیْہِ فَسَالَہُ عَنْہَا قَالَ مِّنْ هٰذَہٗ قَالَ
اِخْتٰی الْحَدِیثَ۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک
دن حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ ایک ظالم بادشاہ کے
ملک میں گئیں۔ اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ اس ملک میں ایک
شخص آگیا ہے اس کے ساتھ ایک عورت ہے جو تمام لوگوں
سے زیادہ خوبصورت ہے، بادشاہ نے حضرت ابراہیم کو

۱۔ علامہ سید محمد رفیع مسینی زبیدی معنی مترقی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۱۰ ص ۳۸۹، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ، مصر ۱۳۰۶ھ

۲۔ علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۲ھ، مختصر المنانی ص ۲۵۷-۲۵۶، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی

بولایا اور پوچھا کہ یہ عورت کون ہے؟ حضرت ابراہیم نے
کہا یہ میری بہن ہے۔

انہی کے دو معنی ہیں قریب معنی ہے نسبی بہن اور عید معنی ہے دینی بہن، بادشاہ نے اس لفظ سے نسبی بہن بجا اور حضرت
ابراہیم نے دینی بہن کا ارادہ کیا اور یہی توحید ہے۔
نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن انس بن مالك جاء رجل الى
النبي صلى الله عليه وسلم يستعمله فقال
انا حاملك على ولد ناقه قال يا رسول
الله ! وما اصنع بولد ناقه ؟ فقال رسول
الله صلى الله عليه وسلم وهل تلد الا بل الا
النوق۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اگر ایک
شخص نے سواری طلب کی آپ نے فرمایا میں تم کو اونٹ
کے بچہ پر سوار کروں گا، اس شخص کے کہایا رسول اللہ
میں اونٹ کے بچے کا کیا کروں گا، آپ نے فرمایا جو اونٹ
پیدا ہوتا ہے وہ اونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد و امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن انس مات ابن لابي طلحة فقال كيف
الغلام قالت ام سليم هَذَا نَفْسِ وَاَرْجُو اَنْ
اَكُوْنَ قَدْ اَمْسَتْ رَاحَ وَطَنِ اِنْهَا صَادِقَةٌ۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا فوت ہو گیا، انہوں نے
(یہی ہے) کہاڑ کے کی طبیعت کیسی ہے؟ حضرت ام
سلیم نے کہا وہ پُر سکون ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کو
اُٹھ کر ملے گی۔ اور حضرت ابو طلحہ نے ان کی بات کو سچ
سمجھا۔

حضرت ام سلیم نے جو کہا کہ بیٹا پُر سکون ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کو راحت مل گئی ہے اس کا قریب معنی یہ تھا
کہ اس کو بیماری سے شفا مل گئی ہے اور بعید معنی یہ تھا کہ وہ فوت ہو گیا اور اس کو ابدی راحت مل گئی، حضرت ام سلیم نے اسی معنی
کا ارادہ کیا تھا کیونکہ حضرت ابو طلحہ اسی وقت سفر سے آئے تھے اور وہ ان کو آتے ہی کوئی تکلیف دہ بات نہ سنانا نہیں
پاہتی تھیں۔

۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۷۲، مطبوعہ نور محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۲۔ الادب المفرد ص ۷۷، مطبوعہ مکتبۃ اثریہ ساکنہ بل

۳۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۲۶، مطبوعہ مطبعہ مجتہبی پاکستان لاہور، ۱۳۰۲ھ

۴۔ امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۹۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۵۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۱۷، مطبوعہ نور محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ابی ہریرۃ قال قالوا یا رسول اللہ
انک تداعبتنا قال ان لا اقول الا
حقاً۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے
ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ ہم سے خوش طبعی
کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں حق کے سوا اور کچھ نہیں
کہتا۔

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔

تور یہ کے سلسلے میں فقہاء کی رائے علامہ شامی لکھتے ہیں غرض صحیح کے لیے تور یہ اور تعریف ہائے شامی
مزاح میں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جنت میں کوئی بڑھیا
نہیں جائے گی" یعنی بڑھیا بحیثیت بڑھیا نہیں جائے گی بلکہ جوان ہو کر جائے گی نیز فرمایا "تیرے شوہر کی آنکھ میں سہید
ہے" نیز فرمایا "ہم تم کو اونٹ کے بچہ پر سوار کریں گے" (کیونکہ ہر اونٹ کسی اونٹ کا بچہ ہوتا ہے)۔
خلاصہ بحث قرآن مجید کی آیات، احادیث، آثار صحابہ اور فقہاء کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ جس جگہ کسی مصلحت
سے جھوٹ بولنا پڑے تو صراحتہ جھوٹ بولنے کے بجائے تور یہ اور تعریف سے کام لینا چاہیے
تاہم بعض مواقع پر صراحتہ جھوٹ بولنے کی بھی گنجائش ہے جیسا کہ ہم نے امام غزالی اور علامہ شامی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے
کہ مسلمان کے لیے اپنی جان، مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے لیکن یہ رخصت ہے اور عزیمت اس
کے برعکس ہے اور دوسرے مسلمان کی جان، مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے اور ان مواقع
پر بھی تور یہ مستحسن ہے۔

فقہاء کرام نے اپنی جان اور دوسرے مسلمان کی جان بچانے کے سلسلے میں جو جواز اور وجوب کا فرق کیا ہے اس
کا وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے معاملہ میں تو رخصت کو چھوڑ کر عزیمت پر عمل کر سکتا ہے لیکن دوسرے شخص کے معاملہ میں
اس کو یہ اختیار نہیں ہے۔

بَابُ كَرَاهَةِ تَمَيُّيْ لِقَاءِ الْعَدُوِّ وَ
الْأَمْرِ بِالصَّبْرِ عِنْدَ اللَّقَاءِ
وَدُشْمَنِ سَمَّاكَ لِقَاءِ الْعَدُوِّ وَ
الْأَمْرِ بِالصَّبْرِ عِنْدَ اللَّقَاءِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دشمن سے مقابلہ کی

۴۲۲۶ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحَنَافِيُّ
وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ

۱۔ امام ابویوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۴۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۹۳-۲۹۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۲۔ امام مسدد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، الادب المفرد ص ۷۷، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل

۳۔ علامہ سید محمد امین ابن مابین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۳۷۸، مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

تنامت کرو اور جب ان سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو

الْعَقْدِيُّ عَنِ الْمُغِيرَةِ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ
الرَّحْمَنِ الْحِزَامِيُّ عَنْ أَبِي الزُّنَادِ عَنْ
الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَمُوتُوا لِقَاءَ الْعَدُوِّ
فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا -

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے
ہیں کہ جب عمر بن عبید اللہ مقام حروریہ میں گئے تو انہوں
نے عمرو کو خط لکھ کر یہ حدیث بیان کی کہ میں دلوں میں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمنوں سے مقابلہ ہوا تو آپ نے
انتظار کیا حتیٰ کہ سورج ڈھل گیا، پھر آپ نے ان اصحاب میں کھڑے
ہو کر فرمایا اسے لوگو دشمن سے مقابلہ کی تمامت کرو اور
اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو اور جب تمہارا دشمن
سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور یاد رکھو جنت تلواروں
کے سائے میں ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے
ہو کر دعا کی! اے اللہ! اے کتاب کے نازل فرمانے
والے، اے بادلوں کو چلانے والے، اے لشکروں
کو شکست دینے والے! ان کو شکست دے اور ہم کو
ان پر غالب کر دے۔

۴۲۲۷ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَائِدٍ
حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي خُبَيْرٍ نَابِئُ جُرَيْجٍ
أَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ أَبِي النَّضْرِ
عَنْ كِتَابِ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْقُرْبَاءِ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لَهُ
عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أَوْفَى فَكَتَبَ إِلَى عُمَرَ بْنِ
عَبِيدٍ أَنَّ اللَّهَ حِينَ سَارَ إِلَى الْحَرِّ وَرَأَيْتُهُ يُخَيِّرُهُ
أَنْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ
فِي بَعْضِ أَيَّامِهِ الْيَوْمِ لَقِيَ فِيهَا الْعَدُوَّ وَبَنَتْهُ
حَتَّى إِذَا مَالَتِ الشَّمْسُ قَامَ فِيهِمْ
فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَمُوتُوا لِقَاءَ
الْعَدُوِّ وَاسْأَلُوا اللَّهَ الْعَافِيَةَ فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ
فَاصْبِرُوا وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ
ظِلِّ الشَّيْوَفِ ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اللَّهُمَّ مَنِّزْ لِي الْكِتَابَ
وَجْعَلْ فِي السَّعَابِ وَهَلِيمَ الْأَخْزَابِ أَهْلًا مِنْهُمْ
وَانْصُرْ قَائِمِيهِمْ -

دشمن سے مقابلہ کی تمنا کرنے کی ممانعت کی حکمت | حدیث نمبر ۴۲۲۷ میں ہے، دشمن سے

نبردی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن سے مقابلہ کرنے کی تمنا کرنے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ اس تمنا
میں اپنے نفس پر اعتماد، اپنی طاقت پر بھروسہ اور صوریہ تکبر ہے اور یہ بھی بناوٹ کی ایک نوع ہے اور اللہ تعالیٰ نے
باغیوں کے خلاف نصرت کی ضمانت دی ہے، اور جو شخص یہ تمنا کرے گا وہ دشمن کو حقیر سمجھے گا اور اس سے جگمگ
زیادہ تیاری نہیں کرے گا، اور یہ جزم اور احتیاط کے خلاف ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث کو ایک خاص صورت پر
محمل کیا ہے یعنی دشمن سے مقابلہ کرنے کی تمنا اس وقت منع ہے جب دشمن سے مقابلہ میں ضرر کا خطرہ ہو اور اس

سے جنگ کرنا مصلحت کے خلاف ہو، ورنہ کافروں سے جنگ کرنا ہر صورت میں فضیلت کا باعث اور عبادت ہے، لیکن صحیح پہلی تشریح ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا: اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو اور بکثرت احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عافیت کی دعا کرنے کا حکم دیا ہے، عافیت کی دعا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے بدن، روح، ظاہری اور باطنی حالات، دین، دنیا اور آخرت میں عافیت کی دعا کرے اور یوں دعا کرے کہ اسے اللہ مانجھے، میرے دوستوں کو اور تمام مسلمانوں کو دین اور دنیا کے تمام امور میں عافیت عطا فرما۔ لے

آداب جہاد اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں ثابت قدم رہنے کا حکم دیا ہے، اور جہاد میں ثابت قدم رہنا جہاد کے اہم ارکان میں سے ایک رکن ہے، اللہ تعالیٰ آداب جہاد بیان کرتا ہوا فرماتا ہے: یا ایہا الذین امنوا اذا القیتم فضاۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب دیحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین ولا تکنوا کالذین خرجوا من دیارہم بطرا وءئلء الناس ویصدون عن سبیل اللہ واللہ بما یعملون محیط۔ (انفال، ۴۷-۴۵)

اے ایمان والو! جب تمہارا دشمن کی فرج سے مقابلہ ہو تو نہایت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہمت اکھڑ جائے گی جیسا کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو اپنے گمروں سے اترتے ہوئے اللہ لوگوں کو اپنے (کارنامے) دکھانے ہوئے نکلے اور وہ اللہ کے راستے سے روکتے تھے اور اللہ ان کے سب کاموں کو اپنے علم کے ساتھ مجبوظ ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد میں ثابت قدم رہنے، اللہ کا ذکر کرنے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے اور اختلاط کرنے، بزدلی کرنے، اترانے، بیا کرنے اور اللہ کے راستے سے روکنے سے منع کیا ہے۔ دشمن سے مقابلہ میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ جہاد کی مشقتوں اور صعوبتوں کو غرض دلی سے برداشت کیا جائے۔

اللہ کا بکثرت ذکر کرنے کے دو مطلب ہیں، ایک یہ کہ دل سے اللہ کو یاد کریں اور زبان سے اللہ کا ذکر کریں، حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ شدید سے شدید مصائب میں بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہیں تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ مسلمان کے دل اور زبان کو کسی وقت بھی یاد الہی سے غافل نہیں رہنا چاہیے اور اگر کوئی شخص مشرق سے مغرب تک سخاوت کرتا ہوا چلا جائے اور کوئی شخص مغرب سے مشرق تک تلوار سے جہاد کرتا ہوا پہنچ جائے تب بھی اللہ کے ذکر میں مشغول رہنے والا مسلمان ان سے بڑھ کر ہوگا۔

بکثرت ذکر کرنے کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مدد و نفع کی دعا بکثرت کی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی

مرد کے بغیر فتح اور نصرت حاصل نہیں ہو سکتی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ”تاکہ تم کو کامیابی حاصل ہو“ کیونکہ کفار سے جنگ اگر اعلانِ کلمۃ اللہ کے لیے اور اس کی رضا جوئی کے لیے ہے تو یہی عبودیت کا سب سے عظیم مقام ہے، اگر اس جنگ میں مسلمان دشمن پر غالب آگئے تو دنیا میں مال، نعمت اور آخرت میں ثواب حاصل ہوگا اور اگر مغلوب ہو گئے تو شہادت حاصل ہوگی، اور اگر یہ جنگ شہرت اور نام آوری کے لیے اور طلبِ نفیت کے لیے ہو تو پھر یہ کامیابی اور فلاح کا ذریعہ نہیں ہوگی۔

اس آیت میں ان کے لیے منع کیا ہے، اس کی تحقیق یہ ہے کہ جب کسی انسان کو اللہ تعالیٰ کی زیادہ نعمتیں حاصل ہوں تو اگر وہ انسان ان نعمتوں کو ان کے عمل اور معرفت میں خرچ کرے اللہ یہ سمجھے کہ اس پر یہ نعمتیں محض اللہ کا فضل اور انعام ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور اگر ان نعمتوں کے اپنے معاصرین اور احباب پر غر کرے تو یہ بطلہ یعنی اترانا ہے۔ اس آیت میں ریاکاری سے بھی منع کیا ہے ریاکاری کا معنی ہے عیبوں کا اظہار نہ ناخالصی، باطن بُرائی ہو اور نفاق کا معنی اظہار ایمان اور باطن کفر، اور دنیا میں اطاعت کا اظہار اور باطن میں مصیبت ہے۔

قرآن مجید کی از اول تا آخر دعوت کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان علاقہ دینہ سے منقطع ہو کر قربِ الہی کے لیے کوشش کرے، راہِ حق کی سبوتوں کو خوش دلی سے برداشت کرے، اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھے، اس کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرے اور اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرے اس آیت میں بھی یہی پیغام دیا گیا ہے کہ جہاد کی سختیوں میں اللہ سے دعا کرے اور فتح و کامرانی کے وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، جہاد کی تکالیف کو دیکھ کر جنگ سے منہ نہ موڑے پامردی، استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ دشمن سے مقابلہ جاری رکھے اور آخری فتح کے لیے جدوجہد کرتا رہے۔

بَابُ اسْتِجَابِ الدُّعَاءِ بِالنَّصْرِ
عِنْدَ لِقَاءِ الْعَدُوِّ
 دشمن سے مقابلہ کے وقت فتح کی دعا کرنے کا انتخاب

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب (کفار کے گروہوں) کے خلاف دعائے نذر کی آئے اللہ! اے کتاب کے نازل کرنے والے، اے ہر عت حساب دینے والے! احزاب کو شکست دے، اے اللہ! ان کو شکست دے اور ان کو مترزل کر۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (احزاب کے خلاف) دعائے نذر کی یہ حدیث مثل سابق ہے البتہ اس میں اے احزاب کو شکست دینے والے ہے اور اللہ نہیں ہے۔

۴۴۲۸ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ دَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْأَحْزَابِ فَقَالَ اللَّهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيعَ الْحِسَابِ اهْزِمِ الْأَحْزَابَ اللَّهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَتَرْتِزْهُمْ

۴۴۲۹ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعُ بْنُ الْجَوَّارِ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي أَوْفَى يَقُولُ دَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ خَالِدٍ غَيْرَ
أَنَّهُ قَالَ هَانَا مَا لَا خِزَابَ وَلَمْ يَذْكُرْ
قَوْلَهُ اللَّهُمَّ

۴۴۲۰ - وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ

وَأَبْنُ أَبِي عُمَرَ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ
عَنِ إِسْمَاعِيلَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَنَادَا ابْنُ
أَبِي عُمَرَ فِي يَأْوِائِهِمْ بِمِثْلِ الشَّعَابِ

۴۴۲۱ - وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ

حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ عَنْ

ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ يَوْمَ أُحُدٍ

اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَنشَأُ لَا تُعْبَدُ فِي الْأَرْضِ

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی
اس میں "بادلوں کے چلانے والے" کا اضافہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احد کے دن فرما رہے تھے
"اے اللہ! اگر تو چاہے تو زمین میں تیری عبادت نہیں
کی جائے گی۔"

اس باب کی احادیث میں مشرکین کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا
فرما کا بیان ہے، آپ نے دعا فرمائی اے اللہ کفار کی فوجوں کو شکست
دے اور ان کو متزلزل کر دے یعنی ان کو سکون اور قرار نہ ہو اور ہم کریم لڑ سکیں، علامہ داؤدی نے کہا ہے یعنی ان کی عقلیں
لکھش میں آئیں اور مقابلہ کے وقت ان کے قدم اکھڑ جائیں۔

اس دعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کلمات استعمال فرمائے وہ سب ہم وزن اور ہم قافیہ ہیں یعنی منزل
الکتاب، سر یع الحساب، اھزم الاحزاب، اس کو عربی میں صحیح کلام کہتے ہیں، اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں صحیح کلام استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہاں آپ نے خود صحیح کلمات
استعمال فرمائے، علامہ بدر الدین عینی حنفی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ آپ کے ان کلمات کا ہم وزن اور ہم قافیہ ہونا اتفاقی
امر تھا اور آپ نے جوش سے فرمایا ہے وہ دعائیں قصہ اور اختیار سے صحیح کلمات کو لانا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو بددعا کہنے کا عدم جواز | حاکم ابن حرم غسانی نے لکھا ہے کہ اس حدیث
میں کفار کے خلاف بددعا کرنے کی دلیل

ہے جو واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احزاب کی شکست اور ان کے قدم اکھڑنے کی دعا فرمائی ہے اس کو بددعا
کہنا جائز نہیں ہے اور ایسا کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت ترین ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول یا فعل
"بد" نہیں ہے، قرآن مجید میں ہے:

۱۔ علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، حجة القاری ج ۱ ص ۲۰۲، مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية مصر، ۱۳۸۸ھ

۲۔ علامہ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۱۰۷، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ بے شک اللہ کے رسول میں تمہارے لیے حسین نمونہ

(احزاب: ۲۱)

اللہ تعالیٰ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کو حسین فرماتے اور کوئی شخص آپ کا امتی ہو کر آپ کے کسی فعل کو بد نہ کہے یہ نہایت بے ادبی اور سخت تہذیب ہے، جس شخص نے بھی آپ کی کسی دعا کو بد کہا اس کو توبہ کرنی چاہیے۔ اسی قسم کی دعاؤں کے لیے باہم دعاؤں کے مکرر کہنا چاہیے یا بالخصوص ترجمہ کیا جائے مثلاً آپ نے دعا فرمائی اللہم علیک باہی جہل ترین ترجمہ کیا جائے آپ نے دعا فرمائی اے اللہ ابو جہل کو پکڑ یا آپ نے ابو جہل کی گرفت کے لیے دعا فرمائی اسی طرح یہاں یہ ترجمہ کیا جائے کہ آپ نے مشرکین کی جماعتوں کی شکست کی دعا کی۔ عام طور پر مترجمین اس قسم کے کلمات کا ترجمہ "بد دعا" کرتے ہیں بعض معاصرین نے بھی اس قسم کے کلمات کا ترجمہ بد دعا کیا ہے، البیاض باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول اور فعل بد ہونے سے پاک اور بری ہے۔ بعض معاصرین لکھتے ہیں:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے لیے بد دعا فرمائی تھ

نیز لکھتے ہیں:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے روز مشرکوں کے لیے بد دعا کی۔ تھ

اور لکھتے ہیں:

ابو جہل بن ہشام، عقبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عقبہ، ابی بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کے لیے بد دعا کی تھ بعض معاصرین اور ایسے تمام مترجمین پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال حسد کو بد کہنے سے توبہ کریں اور اپنی تصانیف سے ان کلمات کو نکال دیں۔

رہا یہ اعتراض کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمتہ للعالمین ہیں پھر آپ کا کفار کے لیے دعا کرنا کس طرح آپ کی رحمتہ للعالمین کے مناسبت ہو گا سو اس کا جواب ہم نے شرح صحیح مسلم کی جلد ثانی، باب ۲۲۱ اور ۲۲۲ میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے، شائقین اس کا مزہ مطالعہ کریں۔

دو مختلف حدیثوں میں تطبیق اس باب کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ اگر تو چاہے تو زمین میں تیری عبادت نہیں کی جائے گی " علامہ لودی لکھتے ہیں: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو تسلیم کرنے کا بیان ہے اور غالی قسم کے منکرین تقدیر کا رد ہے جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شر اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے، اور اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ فتح اور نصرت کے لیے مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ سے ہی دعا کرنی چاہیے۔

اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ اُحد کے دن یہ کلمات فرمائے تھے، اور اس کے بعد کے باب میں یہ ہے کہ آپ نے یہ کلمات جنگِ بدر کے دن فرمائے تھے اور میر اور مناری کی کتابوں میں یہی مشہور ہے

۱۔ مولانا غلام رسول رضوی، تقسیم البخاری ج ۴ ص ۴۸۱، مطبوعہ مطبع ریاض حسین

۲۔ تقسیم البخاری ج ۴ ص ۴۸۲-۴۸۳، مطبوعہ مطبع ریاض حسین

۳۔ تقسیم البخاری ج ۴ ص ۴۸۳، مطبوعہ مطبع ریاض حسین

بَابُ تَحْرِيمِ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصَّبِيَّانِ جنگ میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی

مہمانت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی جہاد میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل کو بُرا گردانا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کسی جہاد میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمادیا۔

یہیں: اس حدیث پر تمام فقہاء اسلام کا اجماع ہے اور سب کے نزدیک جنگ میں عورتوں اور بچوں کا قتل حرام ہے بشرطیکہ وہ جنگ نہ کر رہے ہوں۔ اور اگر وہ جنگ کر رہے ہوں تو جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک ان کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور بوڑھے کافر اگر جنگ کی مہارت اور تجربہ رکھتے ہوں تو ان کو بھی قتل کر دیا جائے گا ورنہ ان میں اور راء مبہوں میں اختلاف ہے، امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان کو قتل نہیں کیا جائے گا اور امام شافعی کا زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے گا۔ ۱۷

جلد خامس

شمس الامۃ رضی عنہی کہتے ہیں: چھوٹے بچوں کو قتل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ جنگ نہیں کرتے، اور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، نیز حدیث میں ہے کہ بڑے مشرکوں کو قتل کر دو اور ان کے اتباع یعنی عورتوں اور بچوں کو زندہ رہنے دو، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ابی سفیان کو یہ وصیت کی کہ شیخ فانی اور اس چھوٹے بچے کو قتل نہ کرنا جنگ نہ کرنا ہو۔ ۱۵

علامہ شمس الدین مقدسی حنبلی کہتے ہیں: بچہ اور عورت کو قتل کرنا حرام ہے۔ راہب کو قتل کرنا بھی حرام ہے، ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ جو راہب لوگوں سے بل بکل کر نہ رہتا ہو اس کو قتل کرنا حرام ہے، شیخ فانی، بچے (اپا بچ جس کے اعضاء متعلق ہوں یا بعض اعضاء نہ ہوں) اور اندھے کو قتل کرنا بھی حرام ہے۔ "لمنہی" میں ہے غلام اور کاشتکار کو قتل کرنا حرام ہے۔ ارشاد "میں ہے عالم کو قتل کرنا بھی حرام ہے" الا یہ کہ وہ جنگ کا تجربہ رکھتا ہو اور جنگ پر اُتے ہو، منہی میں ہے اگر عورت مسلمانوں کے سامنے آئے اور ان کو گایاں دے تو اس پر تیر مارے جائیں لیکن مذہب حنبلی کی ظاہر نصوص اس کے خلاف ہیں۔ مرد زنی نے نقل کیا ہے کہ کم عقل لوگوں کو قتل نہیں کیا جائے گا، ان اگر کفار ان کو اپنے لیے ڈھال بنالیں تو پھر ان کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور اگر جنگ کے وقت کفار مسلمانوں کو اپنے لیے ڈھال بنالیں تو ان کو بھی کفار کو قتل کرنے کے قصد سے قتل کر دیا جائے گا بشرطیکہ ان کو قتل نہ کرنے سے مسلمانوں کو اپنی جان کا خطرہ ہو اور جنگ نہ ہو تو پھر مسلمان کو قتل کرنا حرام ہے اور جب مسلمان کا قتل حرام نہ ہو اور اس کو قتل کر دیا جائے تو کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا، اور اس کی دیت نہیں ہے۔ ۱۶

علامہ خطاب مالکی کہتے ہیں: اگر کفار کی عورتیں مسلمانوں کو ایذا نہ دیں اور اپنے گھروں کے اندر رہیں تو ان کو قتل کرنا اتفاقاً حرام ہے اور اگر وہ کافروں کو جنگ پر ابھادیں اور ہتھیاروں سے مسلح ہوں تو پھر ان کو قتل کرنا جائز ہے۔ ۱۷

علامہ ابوالقاسم السبکی مالکی کہتے ہیں: بہت بڑے کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، علامہ ابن قاسم نے کہا عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، امام مالک نے کہا ہے کہ دشمن کی سرزمین پر بہت بڑے، عورت اور راہب کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر بہت بڑے حاشیہ جنگ کا تجربہ رکھتا ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے، بچے، اپا بچ، اندھے، لنگڑے اور جس کے اعضاء مثل ہوں ان کو بھی قتل نہیں کیا جائے گا اسی طرح نا تجربہ کار کو بھی نہیں قتل کیا جائے گا۔ ۱۸

باب جَوَازِ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصَّبِيَّانِ

شبخون میں بلا قصد عورتوں اور بچوں کے مارے جانے کا جواز

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت مصعب بن جہام

فِي الْبَيَّاتِ مِنْ غَيْرِ تَعَمُّدٍ

۴۴۴۴ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى

۱۵۔ شمس الامۃ محمد بن احمد رضی عنہی متوفی ۴۸۳ھ، مبسوط ج ۱ ص ۶۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ۔

۱۶۔ علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن مفلح مقدسی متوفی ۷۴۳ھ، کتاب الفروع ج ۶ ص ۲۱۱-۲۱۰، مطبوعہ مکتبۃ السارف ریاض ۱۴۰۲ھ۔

۱۷۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن عبد الرحمن منزلی الخطاب مالکی متوفی ۹۵۴ھ، مرآۃ البیاض ج ۲ ص ۳۵۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ۔

۱۸۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف السبکی مالکی متوفی ۸۹۰ھ، التاج والاکلیل ج ۲ ص ۲۵۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ۔

رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا اگر شب خون مارتے وقت مشرکین کے بچے اور عورتیں مارے جائیں (تو کیا حکم ہے؟) آپ نے فرمایا وہ انہیں میں سے ہیں۔

وَسَعِيدُ بْنُ مَنصُورٍ وَعَمْرُو النَّاقِدُ جَمِيعًا عَنْ ابْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ يَحْيَى أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الصَّغْبِ بْنِ جَحْثَمَةَ قَالَ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الذَّرَارِيِّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ يَصْنَعُونَ قَبَائِلَ مِنْ تَسْلِيمٍ وَ ذَرَارِيَهُمْ فَقَالَ هُمْ مِنْهُمْ

حضرت مصعب بن جثامہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! شب خون مارتے وقت ہمارے اہل قتل مشرکین کے بچے بھی مارے جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ بھی انہی میں سے ہیں۔

۴۴۳۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْبَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الصَّغْبِ بْنِ جَحْثَمَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا نَصْنَعُ فِي الْبَيَاتِ مِنَ ذَرَارِيِ الْمُشْرِكِينَ قَالَ هُمْ مِنْهُمْ

حضرت مصعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا اگر فوج کا کوئی دستہ شب خون مارے اور مشرکین کے بچے بھی مارے جائیں تو؟ آپ نے فرمایا وہ بھی اپنے اہل (یعنی مشرکین) میں سے ہیں۔

۴۴۳۶ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ أَنَّ ابْنَ شَهَابٍ أَخْبَرَنِي عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْبَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الصَّغْبِ بْنِ جَحْثَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيلَ لَهُ لَوْ أَنَّ نَحِيلًا آخَرًا مِمَّنِ الْكَيْلِ فَأَصَابَتْ مِنْ آبَائِ الْمُشْرِكِينَ قَالَ هُمْ مِنْ آبَائِهِمْ

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ شب خون میں اگر مشرکین کے بچے اور عورتیں

ماری جائیں تو ان کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا وہ اپنے آباء سے ہیں یعنی اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ مشرکین کی اولاد پر میراث، نکاح، قصاص اور دیات وغیرہ میں مشرکین کا حکم جاری ہوتا ہے۔ لہذا یہ کہ اس سے پہلے باب کی حدیث میں مشرکین کے

بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلا ضرورت اور قصد اور اختیار سے مشرکین کے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنا ممنوع ہے اور ضرورت کی بناء پر بلا قصد اور بلا اختیار ان کو قتل کرنا جائز ہے۔

امام شافعی، امام ابوحنیفہ، امام مالک اور مجتہد فقہاء اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ جب دلت کو کافروں پر حملہ کیا جائے اور رات کے اندھیرے میں مردوں، عورتوں اور بچوں میں امتیاز نہ ہو سکے لہذا وہ اچانک حملے کے دوران مارے جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جن مشرکوں کو دعوت اسلام پہنچ چکی ہو ان پر بے خبری میں حملہ کرنا جائز ہے اور یہ کہ دنیاوی معاملات میں مشرکین کی اولاد اپنے آباء کے حکم میں ہے لیکن آخرت میں جب اولاد مشرکین بلوغت سے پہلے فوت ہو جائے تو ان میں تین مذہب ہیں صحیح یہ ہے کہ وہ جنت میں ہوں گے، دوسرا مذہب یہ ہے کہ وہ جہنم میں ہوں گے اور تیسرا مذہب یہ ہے کہ ان میں سے کسی چیز پر یقین نہیں ہے یعنی ان کا حال صرف اللہ کو معلوم ہے۔ لہذا آخرت میں اولاد مشرکین کے حکم کی تفصیل ہم انشاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔

جن مسلمانوں کو کفار ڈھال بنا لیں ان کو قتل کرنے کے حکم میں مذاہب فقہاء | علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: جب کسی قلعہ میں مشرکین کے بچے یا مسلمان قیدی ہوں تو اس قلعہ پر منجنیق سے پتھر برسائے اور اسی طرح اس پر توپ سے گولہ باری کرنے) میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے کہا ہے کہ جس قلعہ میں مشرکین کے بچے یا مسلمان قیدی ہوں اس پر تیر اندازی نہ کی جائے اس طرح جس بھاری جہاز میں مسلمان قیدی ہوں اس کو نہ ڈوبایا جائے اور امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ جب کفار مسلمان بچوں کو ڈھال بنا لیں تو ان پر تیر اندازی کی جائے اور جس جہاز میں مسلمان قیدی ہوں اس کو نہ جلایا جائے اور امام قسری، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق نے یہ کہا ہے کہ اگر بچوں اور عورتوں کو قتل کیے بغیر مشرکوں کو قتل کرنا ممکن نہ ہو تو بچہ ان کو بھی قتل کرنا جائز ہے۔ علامہ ابن عمر نے کہا امام ابوحنیفہ ان کے اصحاب اور ثوری یہ کہتے ہیں اگر مشرکین کے قلعوں میں مسلمان قیدی ان کے بچے اور مشرکوں کے بچے ہوں تو ان کے قتل پر تیر اندازی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح اگر کسی جہاز میں مسلمان قیدی یا اطفال مشرکین ہوں تو مشرکین کو ہلاک کرنے کے قصد سے اس جہاز کو جلانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر اس حملہ سے مسلمان ہلاک ہو جائیں تو اس میں دیت ہے نہ کفارہ اللہ ثوری نے کہا کہ اس میں کفارہ ہے لیکن دیت نہیں ہے۔ لہذا

آخرت میں اطفال مشرکین کے ٹھکانے کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات | اس باب کی احادیث میں اطفال مشرکین کا دنیاوی حکم بیان کیا گیا ہے کہ ان کو جہاد میں قتل نہیں کیا جائے گا، اہل مناسبت سے ہم یہاں ان کا آخری حکم بیان کرنا چاہتے ہیں، علامہ بدرالدین عینی حنفی اور علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں اس مسئلہ میں علماء کا شروع سے اختلاف رہا ہے اور اس میں

۱۔ علامہ یحییٰ بن حریف ندوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۸۵-۸۴، مطبوعہ دار محمد صالح المنجد کراچی، ۱۴۲۵ھ

۲۔ علامہ بدرالدین ابو محمد عماد بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، حدة القاری ج ۱۳ ص ۲۶۲، مطبوعہ دارۃ الطباعة المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

علماء کے متعدد اقوال ہیں، ان اقوال کی تفصیل حسب ذیل ہے:

- ۱۔ حاد بن سلمہ، حاد بن زید، عبد اللہ بن مبارک اور اسحاق کا مسلک یہ ہے کہ اطفال مشرکین کا حشر آخرت میں اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت پر موقوف ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے: "اللہ! علہ بما کانوا عاملین" اللہ ہی جاننے والا ہے کہ اطفال مشرکین کیا عمل کرنے والے تھے "امام بیہقی نے اس مسلک کو امام شافعی سے جو نقل کیا ہے۔
- ۲۔ انزرقہ (مجلس کا ایک فرقہ) کا یہ نظریہ ہے کہ آخرت میں تمام اطفال اپنے آباء کے تابع ہوں گے اس لیے مسلمانوں کی اولاد جنت میں ہوگی اور مشرکین کی اولاد جہنم میں ہوگی، ان کا استدلال اس آیت سے ہے:

حضرت فروح علیہ السلام نے دعا کی:

وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذِرْ عَلٰی الْاَرْضِ
مِنَ الْكَافِرِيْنَ دِيَارًا اِنَّكَ اَنْتَ تَذَرُھُمْ
يُضْلُوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجُوْا كَغَادِرًا۔
اور مجھ نے دعا کی اے میرے رب زمین پر کافروں
میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ، بے شک تو نے اگر ان کو
چھوڑا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور ان کی اولاد
موت پر کار اور شدید کافر ہوگی۔ (نوح ۲۴-۲۶)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر کی اولاد کافر ہی ہوتی ہے اس وجہ سے اطفال مشرکین جہنم میں ہوں گے لیکن یہ استدلال مردود ہے کیونکہ یہ حکم حضرت فروح علیہ السلام کی قوم کے ساتھ خاص تھا اور حضرت فروح علیہ السلام کو یہ اس لیے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ وحی کی تھی: اِنَّ لَّنْ يُّؤْتِيْ مِنْ قَوْمِكَ اِلًا مِّنْ قَدِّ اَمِّن۔ "تمہاری قوم سے صرف وہی لوگ ایمان لائیں گے جو ایمان لائے ہیں" اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ صحیح بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ھُوَ مِنْ اَبَائِ شَعْر۔ "یہ اپنے آباء میں سے ہیں" اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث حالت جنگ پر معمول ہے جیسا کہ تفصیل سے ہم بیان کر چکے ہیں اگر یہ سوال ہو کہ امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کی اولاد کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جہنم میں ہوگی اور اگر تم چاہو تو میں تم کو ان کے جہنم میں چلانے کی آوازیں سنواؤں؟ میں کہتا ہوں یہ حدیث بہت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں نہیہ کا مولیٰ ابو عقیل ہے اور وہ متروک راوی ہے۔

- ۳۔ بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ اطفال کفار جنت اور دوزخ کے درمیان برزخ میں ہوں گے کیونکہ انہوں نے کوئی نیکی نہیں کی جس کی وجہ سے وہ جنت میں جا سکیں اور وہ انہوں نے کوئی گناہ کیا جس کی وجہ سے وہ جہنم میں داخل ہوں۔
- ۴۔ بعض علماء کا یہ مسلک ہے کہ وہ اہل جنت کے خدام ہوں گے کیونکہ سنن ابوداؤد، طحاوی، مسند بزار اور مسند ابوالحسن میں حضرت عمرؓ سے مرفوعاً ایک حدیث ضعیف مروی ہے "مشرکین کی اولاد اہل جنت کی خدام ہوگی"۔

- ۵۔ بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ اطفال مشرکین کا آخرت میں امتحان لیا جائے گا یا جس طرح کہ ان کو آگ دکھائی جائے گی جو اس میں داخل ہوگا اس پر وہ سلامتی کے ساتھ ٹھنڈک ہو جائے گی اور جو اس میں داخل ہونے سے انکار کرے گا اس کو ظلم دیا جائے گا۔ امام بزار نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے حضرت ابوسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا گمان ہے کہ جو شخص ایام فترت میں فوت ہوگا اس کی پاگل کو اور چھوٹے بچے کو بلایا جائے گا، فترت میں نہ رنے والا کہے گا میرے پاس کوئی کتاب آئی نہ کوئی رسول آیا، اور پاگل کہے گا:

اسے میرے رب! تو نے مجھے عقل مند نہیں بنایا جس سے میں خیر اور شر کا ادراک کرتا اور چھوٹا بچہ کہے گا میں نے عمل کرنے کا زمانہ نہیں پایا، پھر ان کے لیے آگ بلند کی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا اس میں داخل ہو جاؤ پھر جو اللہ کے علم میں نیک ہو گا یا نیک عمل کرنے والا ہو گا وہ اس آگ میں داخل ہو جائے گا اور جو اللہ کے علم میں عمل کا زمانہ پانے کے بعد بڑا کرنے والا ہو گا وہ رک جائے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم تم میری نافرمانی کر رہے ہو، میرے رسولوں کی نافرمانی کیے ذکر کرتے۔ امام بزار نے کہا کہ ہم حضرت ابو سعید کی اس حدیث کو صرف فضیل سے پہچانتے ہیں، امام طبرانی نے اس حدیث کو حضرت مساذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ فترت میں مرنے والے اللہ کے نبیوں کا امتحان اسنا سمجھ سے ثابت ہے، امام بزار نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن چار شخصوں کو لایا جائے گا، بچہ، مجنون اور ایام فترت میں مرنے والا اور شیخ فانی اور ان میں سے ہر شخص اپنی حجت پیش کرے گا پھر اللہ تعالیٰ جہنم سے فرمائے گا "ظاہر ہو" اور ان سے فرمائے گا میں نے اپنی طرف سے تمہارے پاس رسول بھیجے اور اب میں خود تمہاری طرف اپنا رسول ہوں اس جہنم میں داخل ہو جاؤ، پس جس شخص کی تقدیر میں شقاوت ہو گی وہ کہے گا کیا تو میں جہنم میں داخل کر رہا ہے حالانکہ ہم اس سے بھاگتے تھے اور جس شخص کی تقدیر میں سعادت ہو گی وہ دور کر جہنم میں داخل ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ (ان سے) فرمائے گا تم نے میری نافرمانی کی ہے تو تم میرے رسولوں کی تو اس سے زیادہ کذیب اور نافرمانی کرتے، پھر ان کو اپنی جہنم میں داخل ہونے والوں کی جنت میں داخل کر دے گا اور ان کو جہنم میں داخل نہیں ہوئے تھے) جہنم میں داخل کر دے گا۔ حضرت اسود بن سریع نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک ہرے کو پیش کیا جائے گا جس کو بالکل سائی نہ دیتا ہو اور ایک بے وقوف کو، ایک بوڑھے کو اور ایک اس شخص کو جو ایام فترت میں فوت ہوا ہو، پہلے کہے گا اسے میرے رب! اسلام آیا لیکن میں کچھ نہیں سن سکتا تھا، امت کہے گا اسلام آیا لیکن میں کچھ سمجھ نہیں سکتا تھا اور فترت میں فوت ہونے والا کہے گا، اسے میرے رب میرے پاس تیرا کوئی رسول نہیں آیا، اللہ تعالیٰ ان سے پختہ عہدے گا پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس ایک پیام بھیجے گا اور وہ کہے گا جہنم میں داخل ہو جاؤ، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں عہد کی جان ہے اگر وہ جہنم میں داخل ہوں گے تو جہنم ان پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جائے گی۔ امام بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں یہ نقل کیا ہے کہ مجنون اور ایام فترت میں مرنے والوں کے لیے امتحان منعقد ہونا مذہب صحیح ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ آخرت دار تکلیف نہیں ہے اس لیے وہاں کوئی عمل ہے نہ امتحان۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جنت اور دوزخ میں دخول اور استقرار کے بعد کوئی آزمائش نہیں ہو گی لیکن میدان قیامت میں امتحان اور آزمائش سے کوئی مانع نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَوْمَ يَكْشِفُ عَنِ سَاقٍ وَيَدْعُو إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهُقُهُمْ ذُلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يَدْعُونَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ**

جس دن ساق کی تکی (ظاہر کی جائے گی اور وہ (ناظر) سمجھ سکے لیے بلانے جائیں گے تو وہ سجدہ نہ سکیں گے۔ (ماتے خوف کے) ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چائی ہوئی ہو گی اور بے شک اس سے پہلے دنیا میں) وہ سجدہ کے لیے بلائے جاتے تھے اور وہ صحیح سالم (ہونے کے باوجود سجدہ سے انکار کرتے تھے)

(قلم: ۲۲-۲۲)

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ لوگوں کو مسجد کا حکم دیا جائے گا تو منافق کی پشت طہاق کی طرح سیدھی (یعنی بے لچک) ہو جائے گی اور وہ مسجد نہیں کر سکے گا۔

- ۶۔ بعض علماء کا نظریہ ہے کہ اطفال مشرکین مٹی ہو جائیں گے، یہ تمامہ بن اشرس سے مروی ہے۔
- ۷۔ قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ وہ جہنم میں ہوں گے اور شیخ ابن تیمیہ کا یہ کہنا غلط ہے کہ یہ امام احمد کا مسلک نہیں ہے بلکہ ان کے بعض اصحاب کا مسلک ہے۔
- ۸۔ بعض علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ترقف کرنا چاہیے۔
- ۹۔ بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ اس مسئلہ میں امساک کرنا چاہیے اور ان دونوں نظریوں میں بیت باریک فرق ہے۔
- ۱۰۔ علامہ فروبی نے لکھا ہے کہ مذہب صحیح اور بخاری پر تمام محققین کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ اطفال مشرکین جنت میں ہوں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْهَتَ رَسُولًا
 (اسراء: ۱۵) جب تک ہم رسول نہ بھیج دیں ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں۔

اور جب صاحب عقل کو اس وجہ سے عذاب نہیں دیا جائے گا کہ اس تک دعوت نہیں پہنچی تو غیر عاقل کو بطریق اولیٰ عذاب نہیں دیا جائے گا۔

اور حدیث صحیح میں بھی اس پر دلیل ہے کیونکہ امام بخاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخر میں ہے:

وَأَمَّا الرَّجُلُ الطَّوِيلُ الَّذِي فِي الْوُضْئَةِ
 فَأَنَّ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَمَّا الْوَلَدَانِ الَّذِينَ حَوْلَهُ
 فَكُلُّ مَوْلُودٍ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ قَالَ فَقَالَ بَعْضُ
 الْمُسْلِمِينَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَأَوْلَادُ الْمُشْرِكِينَ فَقَالَ رَسُولُ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْلَادُ الْمُشْرِكِينَ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۴) وہ طویل القامت شخص جو باغ میں تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور ان کے گرد جو بچے تھے یہ وہ بچے تھے جو فطرت پر فطرت ہو گئے، بعض مسلمانوں نے پوچھا یا رسول اللہ مشرکین کی اولاد بھی (اس باغ میں ہوگی؟) فرمایا میں مشرکین کی اولاد بھی!

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطفال مشرکین کو بھی آخرت کے حکم میں اولاد مسلمین کے ساتھ لاحق کر دیا، اور میں حدیث میں ہے "وہ اپنے آباد کے ساتھ لاحق ہیں وہ دنیا میں حالت جنگ کے حکم پر محمول ہے۔"

باقی رہا یہ کہ صحیح بخاری میں ہے: اللہ اعلم بما کانوا عاملین "اللہ ہی زیادہ جانتے والا ہے کہ وہ کیا کرنے والے تھے؟ اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اطفال مشرکین کے جہنمی ہونے کی تصریح نہیں ہے نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث اس غیاب دیکھنے سے پہلے فرمائی ہو کیونکہ آپ کا علم ہمدردی کی ہے۔ قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ ثواب اور عذاب کا مدار اعمال پر نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ مسلمانوں کے بچے نہ جنت میں ہوں نہ دوزخ میں، بلکہ جنت کا موجب طہت ربانی ہے اور جہنم کا موجب اس طہت سے محرومی ہے اس لیے اس مسئلہ میں ترقف واجب ہے پس جس کی تقدیر میں جنتی ہونا ہے وہ جنتی ہوگا اور جس کی تقدیر میں جہنمی ہے وہ جہنمی

ہوگا۔ لہ

قاضی بریصاوی کا اطفال شریکین کی نہات میں توقف کرنا غلاف تحقیقی ہے اور قرآن مجید کی نص صریح اور صحیح بخاری کی اس صریح حدیث کے خلاف ہے۔

بَابُ جَوَازِ قَطْعِ أَشْجَارِ الْكُفَّارِ وَتَحْرِيقِهَا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نخلستان بربیرہ میں بنو نضیر کے درخت جلا دیے، قتیبہ اور ابن رمح کی روایت میں یہ زیادہ ہے پھر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: (ترجمہ) جن درختوں کو تم نے کاٹا یا انھیں ان کی جڑوں پر کھرا ہوا چھوڑ دیا یہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تھا تاکہ اللہ تعالیٰ ناسقوں کو رسوا کرے۔

۴۲۳۷ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمَيْحٍ قَالَا أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ تَائِفٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّقَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَقَطَعَ وَهِيَ الْبُؤَيْرَةُ إِذَاقُتَيْبَةُ وَإِنَّ رُمَيْحَ فِي حَدِيثِهِمَا قَالَا نَزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مَا قَطَعْتُمْ قَنْ لَيْسَ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کے درخت کھرا کر جلا دیے، حضرت حسان نے اس موقع پر ایک شعر کہا: (ترجمہ) بنی نضیر کے سرداروں کے نزدیک بربیرہ میں آگ لگا دینا معمولی بات ہے اور اسی واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: (ترجمہ) جن درختوں کو تم نے کاٹا یا انھیں ان کی جڑوں پر کھرا ہوا چھوڑ دیا سو وہ اللہ کی اجازت سے تھا۔

۴۲۳۸ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَهَذَا دُبُّنُ الشَّرِّ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ الْأُمَبَارِ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ تَائِفٍ عَنِ ابْنِ عَمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطَعَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَحَرَّقَ دَلَهَا يَقُولُ حَسَنًا

لے۔ علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد صلی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۱۳-۲۱۴، مطبوعہ ادارۃ المطابع المشرقیہ مصر ۱۳۲۸ھ
ایضاً۔ علامہ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۳ ص ۲۴۷-۲۴۸، مطبوعہ دار نشر المکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

وَهَٰذَا عَلَى سَوَاطِئِ بَنِي لُؤَيٍّ
حَرِيقُ بَابِ بُؤَيْرٍ مُسْتَطِيرٌ
وَفِي ذٰلِكَ نَزَلَتْ مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوهَا
فَآثِمَةٌ عَلَى اُصُولِهَا الْاَيَةُ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کے وزعت جلا دیے۔

۴۴۳۹۔ وَحَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ عَشْمَانَ
أَخْبَرَنِي عَنْ عُبَيْدِ بْنِ خَالِدٍ السَّكَوْنِيِّ عَنْ
عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ تَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ
عُمَرَ قَالَ حَقَّقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْلَ بَنِي النَّضِيرِ۔

مدینہ منورہ میں اقامت کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار کے طرز عمل کی اقام۔

ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار کی تین قسمیں تھیں، ۱۔ یہود کے تین گروہوں بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع
نے آپ سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ آپ سے جنگ کریں گے نہ آپ کے خلاف آپ کے دشمن کی مدد کریں گے، (۲) کفار قریش
نے آپ سے جنگ کی اور آپ کے خلاف دشمنی کا مجازہ قبول دیا۔ (۳) اور تیسری قسم میں عرب کے باقی قبائل تھے یہ قبائل غاموش
اور منظر تھے یہ لوگ ہمارے کس طرح دیکھ رہے تھے، بنو خزاعہ دل میں آپ کا ظہور اور ظہور چاہتے تھے اور بنو بکر آپ سے عداوت
رکھتے تھے اور آپ کی ہزیمت کے منتظر تھے اور منافقین بظاہر آپ کے رفیق اور حلیف تھے اور باطن آپ سے عداوت
رکھتے تھے۔

سب سے پہلے یہود میں بنو قینقاع نے معاہدہ توڑ دیا اور واقعہ بدر کے بعد شوال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
ان سے جہاد کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر وہ قلعہ سے نکل آئے آپ نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ عبداللہ بن ابی
نے ان کی جان بخشی طلب کی کیونکہ وہ اس کے حلیف تھے پھر آپ نے ان کو مدینہ سے نکال دیا اور ان کو شام کے علاقہ
ازرعات میں جلا وطن کر دیا گیا۔ ۱۷

بنو قینقاع کے خلاف جنگ کا پس منظر

طرح کچی ہے کہ ایک انصاری کی بیوی مدینہ کے بازار میں
ایک یہودی کی دکان میں (نصاب پہنے ہوئے) آئیں، یہودیوں نے ان کی بے حرمتی کی (ان کی نقاب اتار پھینکی) ایک مسلمان
یہ دیکھ کر غیرت سے بے قابو ہو گیا اور اس نے یہودی کو قتل کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان واقعات کا علم
ہوا تو آپ یہودیوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا خدا سے ڈرو، ایسا نہ ہو کہ تم پر اہل بدر کی طرح عذاب آئے یہودیوں
نے کہا ہم قریش نہیں ہیں جب ہم سے جنگ ہوگی تو ہم دکھا دیں گے کہ لڑائی کس چیز کا نام ہے۔ چنانچہ بنو قینقاع کی

۱۷۔ علامہ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۳، ص ۳۲۰، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

طرف سے نقص عہد اور اعلان جنگ ہو گیا تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مجبوراً جنگ کی بنو قینقاع تکمہ بند ہو گئے اور پندرہ دن تک محاصرہ جاری رہا بالآخر وہ اس پر راضی ہو گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں جو فیصلہ کریں گے وہ ان کو منظور ہوگا، عبد اللہ بن ابی ان کا حلیف تھا اس نے درخواست کی کہ ان کو جلاوطن کر دیا جائے چنانچہ ان کو شام کے علاقہ ازیمعات میں جلاوطن کر دیا گیا، شوال ۲، ہجری میں یہ غزوہ برپا ہوا۔ ۱۷

بنو نضیر کے خلاف جنگ کا پس منظر حافظ ابن حجر عسقلانی نے غزوہ بنو نضیر کا پس منظر اس طرح دکھا ہے کہ عمر بن امیہ نے قبیلہ عامر کے دو آدمی قتل

کر دیے تھے ان کا خون بہا اب تک واجب الادا تھا۔ اس کا ایک حصہ معاہدہ کی رو سے یہود بنو نضیر پر واجب الادا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مطالبہ کے لیے بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے، انھوں نے بظاہر یہ مطالبہ منظور کر لیا لیکن درپردہ یہ سازش کی کہ ایک شخص چپکے سے بالاخانہ پر چڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر گرا دے، کیونکہ اس وقت آپ اتفاق سے بالاخانہ کی دیوار کے سامنے تلے کھڑے تھے۔ عمر بن جحاش نام کا ایک یہودی اس ارادے سے کوشش پر چڑھا کہ آپ پر پتھر گرا دے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ پر اس کے دل کا حال منکشف کر دیا اور آپ فوراً مدینہ واپس چلے آئے۔ ۱۸

اس واقعہ کو علامہ زرقانی نے بھی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ۱۹ علامہ زرقانی لکھتے ہیں: پھر حبیب بنی سلمی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی واپسی میں دیر ہو گئی تو یہود آپ کو ڈھونڈنے لگے جی نے کہا ہم تو ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مطالبہ پورا کرنا چاہتے تھے اور ان کی ضیافت کرنا چاہتے تھے، اور یہود اپنے کیے پر پشیمان ہوئے، کنانہ بن صوریانے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیوں آٹھ کر چلے گئے؟ یہودیوں نے کہا بھلا ہم جانتے ہیں تم جانتے ہو، کنانہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہی و مہلکگی پر مطلع کر دیا تم خود فریبی میں نہ رہو، بخلاؤ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں اسی واقعہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُورَ وَنِعْمَةُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ
أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاللَّهُ عَلَى
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ۔
اے ایمان والو! اتم پر جو اللہ کا احسان ہے اس کو یاد کرو، جب ایک قوم نے تم کو ضرر پہنچانے کے قصد سے تمہاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائے تو اللہ تعالیٰ نے تم سے اس کا ہاتھ روک لیا، اور اللہ سے ڈرو، اور مومن اللہ پر ہی توکل کرتے ہیں۔ (ما شد ۵: ۱۱)

بنو نضیر کی شکست اور جلاوطنی علامہ زرقانی غزوہ بنو نضیر کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: امام عبد الرزاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جنگ بدر سے پہلے

۱۷۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۴، ص ۳۳۱-۳۳۰، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۹۹ھ

۱۸۔ علامہ محمد عبد الباقی زرقانی متوفی ۱۴۲۲ھ، شرح المصابیح للذہبی ج ۱ ص ۴۵۸-۴۵۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعة الثانیہ ۱۳۹۳ھ

۱۹۔ علامہ محمد عبد الباقی زرقانی متوفی ۱۴۲۲ھ، شرح المصابیح للذہبی ج ۲ ص ۸۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعة الثانیہ ۱۳۹۳ھ

عبداللہ بن سلام کو درخت کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت ابوموسیٰ نے عجرہ (ایک قسم کی کھجور) کے درخت کاٹے اور حضرت ابن سلام نے لینہ کے درخت کاٹے۔ جب بتوفیق کی صورتوں میں یہ درخت کٹے ہوئے دیکھے تو انہوں نے فرط غم سے اپنے کپڑے پھاڑ لیے اور منہ پر تھپڑ مارے اور چیخ و پکار کرنے لگیں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض درختوں کو جلوا دیا اس وقت یہودیوں نے چلا کر کہا اے محمد! آپ تو فلاں سے روکتے ہیں اور اس کی خدمت کرتے ہیں پھر آپ نے یہ درخت کیوں کاٹے اور کیوں جلوائے، اس وقت بعض مسلمانوں کے دل میں بھی آپ کے اس فعل کے خلاف شبہ پیدا ہو گیا تب یہ آیت نازل ہوئی: ۱۷

ما قطعتم من لينة أو تركتموها قائمة
على أصولها فبإذن الله وليخزي الفاسقين -
(الحشة: ٥)

جن دھتوں کو تم نے کٹا یا ان کو ان کی جڑوں پر
چھوڑ دیا تو یہ اللہ کی اجازت سے تھا تاکہ اللہ تعالیٰ ناسقوں
کو مسوا کرے۔

(الحشر: ۵) علامہ آوسی لکھتے ہیں کہ درختوں کے کاٹنے میں ان کی رسوائی اس وجہ سے ممتی کہ وہ درخت ان کے لمبھوں سے

۱۰۔ علامہ محمد عبدالباقی زرقانی مترقی ۱۱۲۲ھ، شرح المراسم الطلیعی ج ۲ ص ۸۲، مطبوعہ دارالفکر بیروت، الطبعة الثانیہ ۱۳۹۳ھ

شرح المواهب اللدنية ج ٢ ص ٨٢

مکمل کر ان کے دشمنوں یعنی مسلمانوں کے قبضہ میں جا رہے تھے اور جو درخت باقی رکھے گئے انھیں دیکھ کر وہ حسرت میں رہ جاتے کہ اب وہ ان درختوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے بلکہ ان کے دشمن ان درختوں سے فائدہ اٹھائیں گے بلکہ وہ ان کو کہتا ہوں کہ درختوں کا جلانا بھی ان کی ذلت اور رسوائی کا سبب تھا کیونکہ وہ اپنی محنت اور مشقت سے لگائے ہوئے درختوں کو تباہ و برباد ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

بعض علماء نے درخت کاٹنے اور جلانے کی حکمت بیان کی ہے کہ ان درختوں کے جھنڈ سے کین گاہ کا کام لیا جاسکتا تھا اور آپ نے وہ درخت اس لیے صاف کرادیے تاکہ محاصرہ میں کوئی چیز حاصل نہ ہو۔

دشمن کے درختوں کے کاٹنے اور جلانے میں مذاہب فقہاء | امام ترمذی فرماتے ہیں بعض علماء کا قول اس حدیث کے مطابق ہے وہ دشمن

کے درختوں کو کاٹنے اور ان کے قلعوں کو منہدم کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، امام اوزاعی نے اس کو مکروہ کہا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق نے کسی پھلدار درخت کے کاٹنے اور کسی عمارت کو منہدم کرنے سے منع کیا ہے اور آپ کے بعد کے مسلمانوں نے آپ کے قول پر عمل کیا ہے، امام شافعی نے کہا ہے کہ دشمن کی سرزمین پر آگ لگانے اور درختوں اور پھلوں کے کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور بعض اوقات جنگی مصلحتوں کے پیش نظر دشمن کی زمین میں آگ لگانے یا درخت کاٹنے کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہوتا البتہ کھیل اور مشغلہ کے طور پر آگ نہیں لگانی چاہیے۔ فقہ اسحاق نے کہا ہے کہ اگر دشمن کی زمین پر آگ لگانے سے دشمن پر غلبہ حاصل ہو تو ہر آگ لگانا سنت ہے۔ ۱۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی کہتے ہیں: بعض اہل علم نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جلانے کے لیے درخت کٹوا دیے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: **وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ** (تاکہ اللہ تعالیٰ ناسقوں کو رسوا کرے) پس گویا کہ درختوں کو کاٹنا اور جلانا ان کی رسوائی تھا، علامہ فردی نے لکھا ہے کہ جنگی حکمت کے پیش نظر ائمہ بعدہ اور جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک دشمن کے درختوں کو کاٹنا اور جلانا جائز ہے۔ علامہ بطال نے لکھا ہے جب فتح کی امید ہو اور یہ گمان ہو کہ یہ علاقہ مسلمانوں کے ہاتھ آجائے گا تو پھر درختوں کا باقی رکھنا بھی جائز ہے۔

اگر یہ اعتراض ہو کہ امام نسائی نے حضرت عبداللہ بن جہش رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے پیر کے درخت کو کاٹا اللہ تعالیٰ اس کا سر جہنم میں جھکا دے گا اور عروہ سے بھی یہ حدیث الفاظ مختلفہ سے منقول ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عروہ خود اپنی زمین سے پیر کے درختوں کو کاٹتے تھے اور جب راوی کا عمل روایت کے خلاف ہو تو وہ اس روایت کے مطعون یا منسوخ ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اگر یہ حدیث صحیح ہو تو پھر اس سے مکہ مکرمہ کے درخت مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مدینہ منورہ کے درخت مراد ہیں کیونکہ وہاں کے درخت لوگوں اور زائرین کے لیے اُنس اور سامنے کا سبب ہیں، اسی وجہ سے عروہ اپنی زمین سے درخت کاٹ دیتے تھے اور ان جگہوں سے درختوں کو نہیں کاٹتے تھے جہاں لوگ درختوں سے اُنس اور مسافر سایہ حاصل کرتے تھے اور جانور ان کی

۱۔ علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آکوسی لہجاری حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۲۸ ص ۴۳ مطبوعہ دارالاحیاء التراث العربی بیروت

۲۔ امام ابویوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۴۲ مطبوعہ دار محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

بَابُ تَحْلِيلِ الْغَنَائِمِ لِهَذِهِ
الْأُمَّةِ خَاصَّةً

مالِ غنیمتِ حلال ہونے کی اس اُمت کے
ساتھ خصوصیت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء سابقین میں سے ایک نبی نے جہاد کیا، اور اپنی قوم سے یہ کہا کہ جس شخص نے ابھی نکاح کیا ہو اور اس نے ہنوز شب زفاف نہ گذاری ہو اور وہ یہ عمل کرنا چاہتا ہو وہ میرے ساتھ نہ جائے، اور نہ وہ شخص جائے میں نے مکان بنایا ہو اور اس نے ہنوز چھت بلند نہ کی ہو اور نہ وہ شخص بلے جس نے بکریاں اور گائیں اور شیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچہ دینے کا منتظر ہو، پھر اس نبی (علیہ السلام) نے جہاد کیا اور عصر کی نماز کے وقت یا اس کے قریب وہ ایک دیہات میں پہنچے تو انھوں نے سورج سے کہا تم بھی حکم الہی کے ماتحت ہو اور میں بھی حکم الہی کے تابع ہوں۔ اسے اللہ! اس سورج کو تھوڑی دیر میری خاطر روک دے۔ پھر سورج روک جایا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا کی آپ نے فرمایا پھر انھوں نے مال غنیمت جمع کیا پھر اس مال کو کھانے کے لیے ایک آگ آئی لیکن اس نے مال کو نہ کھایا، اس نبی نے فرمایا تم میں سے کسی شخص نے نیابت کی ہے، سوہم قبیلہ کا ایک شخص مجھ سے بیعت کرے، پھر سب نے بیعت کی اور ایک شخص کا ہاتھ نبی کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ نبی نے فرمایا نیابت کرنے والا تمہارے قبیلہ میں ہے لہذا اب تمہارا پورا قبیلہ میری بیعت کرے، انھوں نے بیعت کی آپ نے فرمایا پھر دو یا تین آدمیوں کا ہاتھ چنیر کے ہاتھ سے چمٹ گیا، نبی نے فرمایا تمہارے اندر نیابت ہے بالآخر وہ لوگ

كُلَّ قَبِيلَةٍ رَجُلٌ قَبَا يَعُوهُ فَلَصِقَتْ
بِهِ رَجُلٌ بِيَدِهِ فَقَالَ فِيكُمْ الْغُلُولُ
فَلْتَبَا يَغْنِي قَبِيلَتُكَ قَبَا يَعُوهُ قَالَ
فَلَصِقَتْ بِيَدِهِ رَجُلَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ
فَقَالَ فِيكُمْ الْغُلُولُ أَنْتُمْ غَلَلْتُمْ قَالَ
فَأَخَذُوا لَهَا مِثْلَ رَأْسِ بَقَرَةٍ مِنْ
ذَهَبٍ قَالَ فَوَضَعُوهُ فِي الْمَالِ وَهُوَ
بِالصَّبْعَيْنِ فَأَقْبَلَتِ النَّارُ فَأَكَلَتْهُ
فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَاءُ لَكُمْ لَا أَحَدٌ مِنْ قَبِيلَتَا
ذَلِكَ بَانَ أَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى رَأَى ضَعْفَنَا
وَعَجْزَنَا فَطَيَّبَهَا لَنَا

کھس کے برابر سونا نکال کر لائے، نبی نے فرمایا اس کو مال
غنیمت میں اونچی جگہ پر رکھ دو پھر آگ نے آکر اس مال کو
کھا لیا، آپ نے فرمایا سو مجھ سے پہلے کسی کے لیے بھی
مال غنیمت حلال نہیں تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ہمارا ضعف
اور عجز دیکھا تو ہمارے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا۔

انبیاء سابقین علیہم السلام کے لیے رشمس کے واقعات کی تفصیل اور تحقیق | اس باب کی حدیث نمبر ۴۴۲

سے جس نبی علیہ السلام کی دعا سے سورج کے ٹھہرنے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جاحظ ابن جحر مستقلانی اس کے متعلق لکھتے ہیں
اس سے مراد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں جیسا کہ امام حاکم نیشاپوری نے کتب احبار سے روایت کیا ہے، اور اس
کی اصل ایک حدیث صحیح ہے جس کو امام احمد بن حنبل نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورج کو یوشع بن نون کے سوا کسی بشر کے لیے نہیں ٹھہرایا گیا اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے
کہ خطیب بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک قوم نے حضرت یوشع
سے سوال کیا کہ وہ انھیں لوگوں کے پیدا ہونے اور مرنے کے اوقات سے مطلع کر دیں، حضرت یوشع علیہ السلام نے
ان کو بارش کے پانی میں وہ تلخ پانی دکھادیں۔ سو ان میں سے ہر شخص کو یہ علم تھا کہ وہ کب مرے گا اور وہ اس کیفیت پر قائم رہے یہاں تک کہ حضرت داؤد علیہ
السلام نے ان کے کفر کی بناء پر ان سے جہاد کیا تو ان لوگوں نے حضرت داؤد علیہ السلام سے لڑنے کے لیے ان لوگوں کو بھیجا جن کی موت ابھی نہیں آئی تھی، سو اس
جنگ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھی قتل ہو جاتے تھے اور وہ لوگ قتل نہیں ہوتے تھے۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سورج
کے ٹھہرنے کی دعا کی اور سورج ٹھہر ادا گیا اور دن بہت بڑا ہو گیا اور پھر دن پر دن اور رات کا حساب مشتبہ ہو گیا کیونکہ دن اور
رات غیر متوازن ہو گئے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج کو حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے بھی ٹھہرایا گیا
تھا اور یہ اس حدیث کے خلاف ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت یوشع بن نون کے سوا کسی بشر کے لیے سورج کو نہیں ٹھہرایا
گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خطیب کی اس روایت کی سند بہت ضعیف ہے اور امام احمد نے جو حضرت ابو ہریرہ سے
حضرت یوشع بن نون کے متعلق حدیث روایت کی ہے وہ اس سے اولیٰ ہے کیونکہ اس حدیث کے راوی وہ ہیں جن سے
صحاح میں بھی روایات ہیں، اس لیے صحیح اور معتد یہ ہے کہ حضرت یوشع بن نون کے سوا اور کسی شخص کے لیے سورج کو نہیں
ٹھہرایا گیا، البتہ اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت

موسیٰ کو یہ حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کے ساتھ جا کر حضرت یوسفؑ کا تابوت لائیں۔ تو حضرت موسیٰؑ اس تابوت کو تلاش کرتے رہے حتیٰ کہ طلوع فجر کا وقت قریب آگیا اور انھوں نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا تھا کہ وہ طلوع فجر ہوئے ہی اس تابوت کو لے آئیں گے اس وقت حضرت موسیٰؑ علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ دعا کی کہ وہ طلوع فجر کو مؤخر کر دے حتیٰ کہ وہ حضرت یوسفؑ علیہ السلام کے معاملہ سے فارغ ہو جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کے لیے بھی سورج کو ٹھہرایا گیا تھا پھر حضرت یوشعؑ کے حق میں یہ حکم کس طرح صحیح ہوگا کہ صرف ان کے لیے سورج کو ٹھہرایا گیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوشعؑ بن نونؑ علیہ السلام کے لیے تو نفس سورج کو ٹھہرایا گیا تھا اور حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کے لیے طلوع فجر کو مؤخر کیا گیا تھا اور یہ اس حکم کے متافی نہیں ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے لیے بھی سورج کو ٹھہرایا گیا ہے، چنانچہ ثعلبی اور ابنوری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم نے قرآن مجید میں حضرت سلیمان کا قول نہیں پڑھا ردوھا علی (۳۸/۳۳) ”ان گھوڑوں کو میرے پاس ڈالیں لاؤ“ میں نے کہا مجھ سے کعب نے بیان کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر چودہ گھوڑے پیش کیے گئے تھے اور ان کی ناز عصر سے پہلے سورج غروب ہو گیا پھر انھوں نے گھوڑوں کو دالیں کرنے کا حکم دیا اور ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلواروں سے دار کر کے ان کو ہلاک کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے چودہ دن ان کی حکومت دالیں سے لی کیونکہ انھوں نے گھوڑوں کو قتل کر کے ان پر ظلم کیا تھا، حضرت علیؑ نے فرمایا کعب نے جھوٹ بولا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے دشمن سے جہاد کا ارادہ کیا، ان پر گھوڑے پیش کیے گئے تو ان کے معائنہ میں مشول ہو گئے حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اور عصر کی ناز چلی گئی، پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان فرشتوں سے کہا جہانم کے اذن سے سورج پر منوکل ہیں کہ ”سورج کو میرے لیے ٹوٹا دو“ ان فرشتوں نے سورج کو ٹوٹا دیا حتیٰ کہ آپؑ نے عصر کی ناز اپنے وقت میں پڑھ لی، انبیاء علیہم السلام خود کسی پر ظلم کرتے ہیں اور نہ کسی پر ظلم کا حکم دیتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ اس اثر کا مدار اس پر ہے کہ ”ردوھا علی“ میں ہا ضمیر سورج کی طرف نوٹے اور اس کا سنی یہ ہو کہ ”سورج کو مجھ پر ٹوٹا دو“ لیکن جو مفسرین صحابہ اور بعد کے لوگوں کی روایات کے عالم میں ان میں سے کسی نے اس ضمیر کو سورج کی طرف نہیں لٹایا بلکہ گھوڑوں کی طرف لٹایا ہے اور اس روایت کو اکثر مفسرین نے نقل کیا ہے لیکن اس کی صحت پر بحث نہیں کی، یہ روایت حضرت ابن عباس سے ثابت ہے نہ کسی اور سے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے روشمس کا واقعہ ثابت نہیں ہے اور انبیاء سابقین میں سورج کو روکنے کا واقعہ صرف حضرت یوشع بن نونؑ علیہ السلام کے لیے واقع ہوا اور حضرت یوسفؑ علیہ السلام کے تابوت کی تلاش میں حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کے لیے طلوع فجر کو مؤخر کیا گیا۔

ردوھا کی ضمیر کو روشمس کی طرف لٹا کر حضرت سلیمان کے لیے روشمس کو ثابت کرنے کا اجتہاد مفسرین نے بھی نہ کیا ہے۔

ہم پہلے قرآن مجید کی اس مکمل آیت کو بیان کرتے ہیں اس کے بعد مفسرین کلام کے دلائل کو پیش کریں گے۔
حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے روشمس کا واقعہ ثابت نہ ہونے پر دلائل | اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

اذ عرض علیہ بالعیسیٰ الصفنت الجیادہ
 فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر سائی
 حتی توادت بالحبجابہ ردوہا علی
 فطفق مسحا بالسوق والاعتناق۔
 (ص: ۳۳-۳۱)

جب (حضرت) سلیمان پر کچھلے پیر (مصر کے وقت)
 نہایت اہمیل اور تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے تو آپ
 نے فرمایا بے شک میں نے صرت اپنے رب کے ذکر
 کی وجہ سے اس مال سے محبت کی ہے یہاں تک کہ وہ
 گھوڑے پس پردہ چھپ گئے (پھر حکم دیا) انہیں میرے
 پاس واپس لاؤ پھر ان کی پٹلیوں اور گردنوں پر اٹھ پیر لے

علامہ لازلی لکھتے ہیں جو علماء حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے روشمس کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ قنات اور
 مردوہا، کی ضمیر شمس کی طوت روشنی ہیں اور اس آیت کا معنی یہ ہے: حتی کہ ہمدردی پر دے کی اوٹ میں غروب ہو گیا اور انہوں
 نے کہا سورج کو روٹاؤ، کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب گھوڑوں میں مشغول ہو گئے تو سورج غروب ہو گیا اور ان کی
 عصر کی نازت ہو گئی پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے سورج کو روٹانے کا سوال کیا اس لیے ان کا قول ”ردوہا“ سورج کو روٹنا
 کا سوال ہے، میرے نزدیک یہ قائل بعید ہے اور اس کی حسب ذیل وجہ یہ ہے:
پہلی وجہ | قرآن مجید کی اس آیت میں صافات (گھوڑوں) کا حراختہ ذکر ہے اور شمس کا ذکر نہیں ہے اور مذکور کو چھوڑ کر
 غیر مذکور کی طوت ضمیر روٹانا بعید ہے۔

دوسری وجہ | اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کی گھوڑوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے ناز قضا ہو گئی تھی تو ان کا یہ کہنا بے معنی
 ہو گا انی احببت حب الخیر عن ذکر سائی بے شک میں نے صرت اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے اس
 مال سے محبت کی ہے، کیونکہ اس محبت کا تقاضا یہ تھا کہ ناز کو قضا نہ ہونے دیتے۔
تیسری وجہ | اگر حضرت سلیمان گھوڑوں میں مشغول رہنے کی وجہ سے ناز صرت ترک کر دیتے تو آپ اس فعل پر نادم ہوتے
 اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے اور روتے اور گڑ گڑاتے نہ کہ اللہ رب العالمین سے بہ سبیل عظمت یہ کہتے کہ
 ”سورج مجھ پر روٹاؤ“ اس قسم کا فعل تو کسی عام آدمی سے بھی متصور نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایسے اور الوہ
 نبی سے اس کا صدور ہو۔

چوتھی وجہ | اللاک اور کوکب کو متحرک کرنے پر صرت اللہ عزوجل قادر ہے تو حضرت سلیمان کو واحد کے صیغہ کے ساتھ
 روٹھا علی کہنا چاہیے تھا نہ کہ جمع کے صیغہ کے ساتھ ”ردوہا علی“ کہتے، اگر یہ کہا جائے کہ جمع کا صیغہ
 تنظیم کے لیے لائے ہیں تو ہم کہیں گے کہ ”سورج کو مجھ پر واپس لاؤ“ میں تو انتہائی امانت کا اظہار ہے، اس نقطہ سے تنظیم
 کیسے متصور ہوگی۔

پانچویں وجہ | اگر سورج غروب ہونے کے بعد دوبارہ روٹایا جاتا تو اس کا تمام دنیا والے مشاہد کرتے اور اگر ایسا ہوتا تو

اس واقعہ کے نقل کے فوائد بہت کثیر ہوتے اور تواتر کے ساتھ یہ خبر ہم تک پہنچتی اور جب کسی ایک شخص نے بھی یہ خبر نہیں دی تو مسلم ہر اک یہ خبر جھوٹی ہے۔

امام ربیع کے بیان کردہ ان وقائع پر واضح ہو گیا کہ قرآن مجید سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے رد شمس کا آیات انتہائی ضعیف اور رکیک ہے اور غلطی اور لغوی نے اس سلسلے میں جو حدیث بیان کی ہے اس کی سند بھی نہایت درجہ تکمیل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رد شمس کا ثبوت | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی محدثین نے رد شمس کا معجزہ بیان کیا ہے، چنانچہ امام ابو عبد اللہ

حاکم میشاپوری اور امام احمد بن حنبل نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر کی ناز قضا ہو گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو سورج لوٹ آیا، حضرت علی نے ناز عصر پڑھ لی تو پھر سورج غروب ہو گیا۔
اس حدیث پر امام احمد کی اس روایت سے اعتراض کیا جاتا ہے:

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الشمس لمرقحبس علی بشر الا لیوشع لیالی سائر الی بیت المقدس۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت یوشع کے سوا کسی بشر کے لیے سورج کو نہیں ٹھہرایا گیا، جن دنوں میں حضرت یوشع بن نون نے بیت المقدس کی طرف سفر کیا تھا۔

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں سورج کو روکنے کا حصر بیان کیا گیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج کو روکا یا ٹھہرایا نہیں گیا تھا بلکہ سورج کو پٹایا گیا تھا اور سورج کو پٹانا اور روکنا سورج کو روکنے اور ٹھہرانے کی نفی کے منافی نہیں ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حصر انبیاء سابقین کے اقتدار سے ہے یعنی انبیاء سابقین میں یوشع کے سوا اور کسی نبی کے لیے سورج کو نہیں ٹھہرایا گیا۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رد شمس کا ثبوت اس حدیث کے حصر کے منافی نہیں ہے۔

حدیث رد شمس پر علامہ ابن جوزی اور شیخ ابن تیمیہ کے اعتراضات کے جوابات !!

علامہ آلوسی بغدادی کہتے ہیں: جو لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے رد شمس کے قائل ہیں وہ اسی طرح حضرت یوشع کے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی رد شمس کے قائل ہیں، جب مراجع سے واپسی کے بعد قافلہ میں تاخیر

۱۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر ربیع متوفی ۶۰۲ھ، تفسیر کبیر ج ۲، ۱۹۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ۔

۲۔ حافظ شباب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶، ۲۲۲-۲۲۱، مطبوعہ دار نشر المکتب الاسلامیہ لاہور۔

۳۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲، ۳۲۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ۔

کے موقع پر سورج کو روک دیا گیا اور جب یوم خندق کو نماز عصر قضاء ہو گئی اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور سورج کو ٹوٹا یا گیا کیونکہ حضرت اسامہ بن جندب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی تھی وہاں حاکم آپ کا سر اندر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا اور حضرت علی نماز پڑھنے کے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی! تم نے نماز پڑھ لی؟ انہوں نے کہا نہیں! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! یہ تیری اور میرے رسول کی اطاعت میں تھا، اس پر سورج کو ٹوٹا دے، حضرت اسامہ کہتی ہیں میں نے سورج کو غروب ہوتے دیکھا اور پھر سورج کو غروب کے بعد طلوع ہوتے دیکھا یہ واقعہ جنگ خیبر میں صہبا کے موقع پر ہوا۔ (علامہ آئوسی سمجھتے ہیں) اس حدیث کی صحت میں اختلاف ہے ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں ذکر کیا ہے اور تصریح کی ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، اس حدیث کی سند میں ایک راوی احمد بن داؤد ہے امام دارقطنی نے اس کے متعلق کہا کہ یہ منزوک الحدیث اور کذاب ہے اور امام ابن حبان نے کہا یہ حدیثیں گھڑ متا تھا، علامہ ابن جوزی نے کہا یہ حدیث باطل ہے جس شخص نے اس کے موضوع ہونے کی طرف توجہ نہیں کی اس نے صرف اس کی ظاہر فضیلت کو دیکھا اور یہ نہیں دیکھا کہ اس حدیث کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ سورج غروب ہونے کے بعد نماز قضاء ہو گئی اور سورج کے ٹوٹانے سے وہ ادا نہیں ہوگی۔

شیخ ابن تیمیہ نے روافض کے رد میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اس رسالہ میں اس حدیث کی تمام اسانید اور راویوں کا ذکر کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، امام احمد نے کہا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے، امام طحاوی اور قاضی عیاض نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، امام طبرانی نے معجم کبیر میں اس حدیث کو سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، اسی طرح شیخ الاسلام ابن العزاقی نے شرح الترمذی میں اس کو سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ قدرے مختلف ہیں اور ابن مردودہ نے اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور احمد بن صالح یہ کہتے تھے کہ جو شخص علم بالحدیث حاصل کرنا چاہتا ہو وہ حضرت اسامہ کی حدیث سے فاضل نہ رہے کیونکہ یہ نبوت کی علامات میں سے ہے، اسی طرح یوم خندق کے موقع پر رؤس کی حدیث میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ موضوع ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کی صحت کا دعویٰ کیا ہے اسی طرح تافلہ سراج کے موقع پر سورج کے ٹھہرانے میں بھی انہوں نے صحت کا دعویٰ کیا ہے۔ (علامہ آئوسی کہتے ہیں) میرا گمان یہ ہے کہ تافلہ کی حدیث کی صحت کے متعلق اختلاف ہے اور یہ صراحۃً مردود نہیں ہے، کیونکہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج کرائی گئی، اور آپ نے قوم کو اس کی خبر دی اور تافلہ کی علامات بتائیں تو لوگوں نے پرچا تافلہ کب آئے گا تو آپ نے فرمایا بدھ کو تافلہ آئے گا اس دن کفار قریش تافلے کا انتظار کر رہے تھے، دن چھپنے لگا اور تافلہ آیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو دن کا کچھ وقت بڑھا دیا گیا اور سورج کو ٹھہرا دیا گیا اور سورج کو ٹھہرانا اور بات ہے اور اس کو پٹانا اور چیز ہے اور اگر اس موقع پر سورج پٹا یا جاتا تو قریش اس دفعہ بھی یہی کہتے جہاں انہوں نے جائز شق ہوئے کے موقع پر کہا تھا۔ حالانکہ ان کا ایسا قول منقول نہیں ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ زمانہ میں برکت تھی جس کو صوفیاء بشر زمان کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اگرچہ اکثر لوگ اس کو نہیں سمجھتے، حضرت یوشع علیہ السلام کا واقعہ بھی اسی طرح تھا جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ مرنے یوشع بن نون کے لیے سورج کو ٹھہرا دیا گیا تھا اور یہ قصہ مشہور

ہے اور یہ حدیث سب کے نزدیک صحیح ہے اور یہ رد شمس کے باقی واقعات کے معارضی ہے۔
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو سورج ٹھہرانے یا لوٹانے کے واقعات ہیں ان پر جو حضرت یوشی کی حدیث سے اعتراض ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوشی کی حدیث کی تاویل یہ ہے کہ میرے علاوہ کسی نبی کے لیے سورج کو نہیں ٹھہرایا گیا یا سورج حضرت یوشی علیہ السلام کے یا یہ جالب دیا جائے گا کہ حکم علوم کلام میں داخل نہیں ہوتا۔ علامہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تردد شمس ثابت نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ فی نفع متع ہے سے مہیا کہ فلاسفہ کہتے ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور قرآن مجید کی آیت کو رد شمس پر غور کرنا صحیح نہیں ہے مہیا کہ امام رازی نے دلائل سے واضح کیا ہے۔

علامہ ابن حجر ہمتی نے تحفہ میں لکھا ہے کہ اگر غروب کے بعد سورج لوٹ آئے گا تو وقت بھی لوٹ آئے گا جیسا کہ علامہ ابن عماد نے ذکر کیا ہے، علامہ زرکشی نے اس سے اختلاف کیا ہے لیکن بہترین ترجیح علامہ ابن العماد کی ہے اور وقت کا لوٹ آنا معجزہ کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ سورج کا لوٹ آنا ہی آپ کا معجزہ ہے اور سورج کے لوٹ آنے سے وقت کا باقی رہنا حکم شرع سے ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غارِ اودا کے پڑھنے پر سورج کو لوٹایا ہی اس لیے گیا تھا کہ آپ کی یہ نماز ادا ہو جائے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ فقہاء احناف کے نزدیک وقت کے لوٹ آنے سے نماز ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ یہ مجھے اس وقت مستحضر نہیں ہے البتہ میں نے علامہ شہاب الدین خضاجی حنفی کی تفسیر میں یہ دیکھا ہے کہ وقت لوٹ آنے سے نماز ادا ہوتی ہے اور وہ فقہاء احناف کے بہت بڑے عالم ہیں، وقت لوٹنے کے بعد نماز ادا ہوتی ہے یا قضا اس میں فقہاء نے بہت بحث کی ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ لہ

معجزہ رد شمس کے متعلق مفسرین کی آراء | سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

لائے جانے کا ذکر ہے، غزوہ خندق کے موقع پر بھی حضور کے لیے وہ واپس لایا گیا، اور حضرت علی کے لیے بھی جبکہ حضور ان کی گود میں سر رکھے ہوئے سو رہے تھے اور ان کی نماز عصر قضا ہو گئی تھی، حضور نے صلح کی واپسی کے لیے دعا فرمائی تھی اور وہ پلٹ آیا تھا، لیکن ان روایات سے استدلال اس تفسیر سے بھی زیادہ کمزور ہے جس کی تائید کے لیے انہیں پیش کیا گیا ہے، حضرت علی کے متعلق جو روایات بیان کی جاتی ہیں اس کے تمام طرق اور رجال پر بحث کر کے ابن تیمیہ نے اس کو موضوع ثابت کیا ہے اور ابن جوزی کہتے ہیں کہ بلا شک و شبہ موضوع ہے۔ غزوہ خندق کے موقع پر سورج کی واپسی والی روایت بھی بعض محدثین کے نزدیک ضعیف اور بعض کے نزدیک موضوع ہے۔ لہ

معجزہ رد شمس کو رد کرنے کے لیے سید ابوالاعلیٰ مودودی نے وہی دلائل ذکر کیے ہیں جن کو علامہ آلوسی نقل کر کے ان کا جواب لکھ چکے ہیں، ہم اس مسئلہ کی مکمل وضاحت کے لیے علامہ قرطبی کی رائے نقل کر رہے ہیں:

۱۔ علامہ شہاب الدین ابوالفضل محمد بن علی مرقی، ۱۲۷۰ھ، مدح المصنف ج ۲۳ ص ۱۹۴-۱۹۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔
 ۲۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی مرقی، ۱۳۹۴ھ، تفسیر القرآن ج ۲ ص ۳۳۲، مطبوعہ ادارۃ ترجمان القرآن لاہور، مارچ ۱۹۸۳

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی رد شمس کا واقعہ پیش آیا ہے، امام طحاوی نے مشکل الحدیث میں دو سندوں کے ساتھ حضرت اسامہ بنت عیس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دھج ہو رہی تھی اور آپ کا سر حضرت علی کی گردن میں تھا، حضرت علی نے نماز عصر نہیں پڑھی حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟ انھوں نے کہا نہیں! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! یہ تیری ادب سے رسول کی طاعت میں تھا، اس پر سورج ٹوٹا دے۔ حضرت اسامہ کہتے ہیں میں نے سورج کو غروب ہونے دیکھا تھا پھر میں نے دیکھا کہ سورج پہاڑوں اور زمین پر طلوع ہوا، یہ واقعہ خیبر میں مقام مہیا پر پیش آیا امام طحاوی نے کہا یہ دونوں حدیثیں ثابت ہیں اور ان کے راوی ثقہ ہیں۔ ۱۷

میں کہتا ہوں کہ امام طحاوی کی توثیق کے بعد علامہ ابن جوزی اور شیخ ابن تیمیہ کی ہرج کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔
معجزہ رد شمس کے متعلق محدثین کی آراء | حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ابن اسحاق کی منازی میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ معراج کی صبح کو جب کفار قریش کو یہ خبر دی کہ آپ نے ان کا قافلہ دیکھا ہے اور وہ طلوع آفتاب کے ساتھ آجائے گا پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ قافلہ آئے تک سورج ٹھہرا رہا، یہ حدیث منقطع ہے لیکن امام طبرانی کی اوسط میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو حکم دیا تو وہ کچھ دیر متاخر ہو گیا، اس حدیث کی سند حسن ہے اور سند احمد میں جو روایت ہے کہ حضرت یوشع کے سوا اہ کسی کے لیے سورج نہیں ٹھہرایا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء سابقین میں سے اور کسی کے لیے سورج نہیں ٹھہرایا گیا اور اس حدیث میں اس بات کی نفی نہیں ہے کہ حضرت یوشع کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج ٹھہرایا گیا ہو، اور امام طحاوی، امام طبرانی، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت اسامہ بنت عیس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی کے زانو پر سر رکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے اور حضرت علی کی نماز عصر فوت ہو گئی تو سورج ٹوٹا دیا گیا حتیٰ کہ حضرت علی نے نماز پڑھ لی اور اس کے بعد سورج غروب ہو گیا اور یہ آپ کا بہت عظیم معجزہ ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ ابن جوزی اور ابن تیمیہ نے اس حدیث کو موضوع قرار دینے میں خطا کی ہے واللہ اعلم۔ البتہ تاضی عیاض نے جو یہ نقل کیا ہے کہ یوم خندق کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج کو ٹھہرایا گیا تھا حتیٰ کہ آپ نے عصر کی نماز پڑھ لی تو اگر یہ ثابت ہو تو پھر یہ آپ کے لیے رد شمس کا تیسرا واقعہ ہے۔ ۱۸

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قافلہ آنے کی خبر دی تو سورج کو ٹھہرایا گیا، اور تاضی عیاض نے یوم خندق کو بھی رد شمس کا واقعہ نقل کیا ہے اور امام حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی رد شمس کا واقعہ اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور امام طحاوی نے مشکل الآثار میں لکھا ہے کہ احمد بن صالح

۱۷۔ علامہ ابو سعید اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۸۵ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۱۹۵، مطبوعہ انتشارات ناصر و امیران، ۱۳۸۴ھ

۱۸۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۲ ص ۲۲۲-۲۲۱، مطبوعہ دار نشر کتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

کہتے تھے کہ اہل علم کو حضرت اسامہ کی اس روایت کے حفظ سے غافل نہیں رہنا چاہیے کیونکہ یہ عظیم علامت نبوت ہے اور یہ حدیث متصل ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ابن جوزی نے جو اس حدیث پر تنقید کی ہے اس کی طرف توجہ نہ کی جائے۔ ۱۷

علامہ ابو عبید اللہ وشتانی اہل مالکی کہتے ہیں کہ روایت ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دو مرتبہ سورج کو ٹھہرایا گیا ایک مرتبہ جب یوم خندق کو کفار سے جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے نماز عصر فوت ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے سورج کو ٹھہرایا حتیٰ کہ آپ نے عصر کی نماز پڑھ لی اس واقعہ کو امام طحاوی نے نقل کیا ہے اور اسی کے راوی ثقہ ہیں دوسری مرتبہ معراج سے واپسی کے موقع پر جب آپ نے فرمایا تھا کہ سورج نکلنے کے ساتھ قافلہ اُجائے گا۔ ۱۸

علامہ ابن جوزی، شیخ ابن تیمیہ اور شیخ ابن قیم وغیرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ روشنی کا انکار کیا ہے اور علامہ آلوسی اور علامہ قرطبی وغیرہ نے اس کو ثابت مانا ہے اور علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدر الدین عینی وغیرہ نے ابن تیمیہ اور ابن جوزی کا رد کیا ہے اور یہی حق اور صواب ہے کیونکہ معجزہ روشنی خلاف عادت ہے محال عقلی نہیں ہے اور جب کہ یہ معجزہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور محققین نے اس کی سند کو صحیح تسلیم کیا ہے تو اس کا انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اس امت کے لیے مال غنیمت حلال ہونے کی تحقیق | حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مال غنیمت کا حلال ہونا اس امت کی خصوصیت ہے، اور اس کی ابتداء غزوہ بدر سے ہوئی اور اسی کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا۔ (انفال: ۶۹) کھاؤ اور اُن مال کیجیہ وہ حلال اور طیب ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو حلال قرار دیا ہے اور یہ حدیث صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ثابت ہے۔ نیز امام بخاری نے یہ روایت بیان کی ہے کہ غزوہ بدر سے دو ماہ پہلے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جو لشکر روانہ کیا گیا تھا اس سے پہلے مال غنیمت حاصل کیا گیا تھا، ان میں تطہین اس طرح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ کے مال غنیمت کی تقسیم کو مؤخر کر دیا تھا اور غزوہ بدر سے واپسی کے بعد آپ نے غزوہ بدر کے مال غنیمت کے ساتھ اس کو تقسیم کیا تھا۔

اس باب کی حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پچھلی امتوں میں مسلمان جہاد کرتے تھے اور مال غنیمت کو حاصل کرتے تھے لیکن وہ اس میں تعریف نہیں کرتے تھے اور اس کو ایک جگہ جمع کر کے رکھ دیتے تھے اور ان کے جہاد کی

۱۷۔ علامہ بدر الدین ابو محمد محمد بن احمد عینی منقح منقذی ۸۵۵ھ، عمدة القاری ج ۱ ص ۴۳، مطبوعہ دار الفکر المشرقیہ ۱۳۴۸ھ

۱۸۔ علامہ ابو عبید اللہ محمد بن عبد اللہ وشتانی مالکی منقذی ۸۲۸ھ، الکمال الکمالی العلم ج ۵ ص ۵۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

مقبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے آگ نازل ہو کر اس مال غنیمت کو کھا لیتی تھی اور آگ کا نازل نہ ہونا اس جہاد کی عدم مقبولیت کی علامت تھی، اور عدم مقبولیت کی ایک وجہ اس مال غنیمت میں خیانت کرنا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس امت پر اپنا فضل اور احسان فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس امت پر مال غنیمت حلال کر دیا، اور اب اگر کوئی شخص مال غنیمت میں خیانت کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر سزا فرماتا ہے اور اس کی پرہیزگار فرماتا ہے اور آسمانی آگ کی وجہ سے اس کی شرمندگی اور رسوائی نہیں ہوتی سوائے نعمتوں پر اللہ تعالیٰ ہی کی حمد و ثناء ہے۔

مال غنیمت میں قیدی بھی شامل ہوتے ہیں اور بنظر ہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ ان کو بھی کھا جاتی تھی لیکن یہ بات بعید ہے کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ آگ بچوں اور جنگ نہ کرنے والی عورتوں کو بھی کھا جاتی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مستثنیٰ ہوں اور استثناء کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل کے لوٹنے اور غلام ہوتے تھے اگر جنگ میں ان کے قیدی نہ ہوتے تو لوٹنے اور غلام کیسے ہو سکتے تھے البتہ اس پر یہ اشکال ہے کہ ان کی شریعت میں جو رکوب بھی غلام بنایا جاتا تھا اس لیے لوٹنے اور غلامی کا ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ قیدیوں کو باقی رکھا جاتا ہو۔ علامہ نے لکھا ہے کہ سابقہ امتوں میں مال غنیمت کو آگ اس لیے کھا لیتی تھی تاکہ ان کا جہاد مال غنیمت کے لیے نہ ہو بلکہ خالص اللہ کے لیے ہو اور اس امت پر مال غنیمت اس لیے حلال کیا ہے کہ اس امت میں غلوص غالب ہے۔

اس باب کی حدیث کے دیگر فوائد | اس حدیث میں اس کا بھی ثبوت ہے کہ بعض نادانوں کے نقل سے پڑی جماعت کو سزا ملتی ہے اور یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعض احکام ہر باطن پر مبنی ہوتے ہیں جیسا کہ اس حدیث میں ہے کیونکہ مال غنیمت سے چورس کرنے والے کے خلاف کوئی ظاہری شہادت اور ثبوت نہیں تھا اور کبھی انبیاء علیہم السلام کے احکام ظاہری جنت پر مبنی ہوتے ہیں جیسا کہ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے تم میرے پاس مقدمات سے کر آتے ہو الحدیث۔ علامہ ابن بطال نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ مشرکین کے احوال کو جملانا جائز ہے اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ حکم شریعت سابقہ میں تھا اور اس امت کے لیے مال غنیمت حلال ہونے کے حکم سے یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات سلام ابن بطال پر بھی معنی نہیں تھی ان کے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ جب مال غنیمت کو آگ کھا سکتی ہے تو جب ان کے مال کو حاصل کرنے کی کوئی سبیل نہ ہو تو اس کو جملانا جائز ہے اور اس کے منسوخ ہونے پر کوئی تصریح نہیں ہے بلکہ احوال بنو نضیر کو جملانے میں اس کی تائید ہے۔

علامہ دمشقی ابی مالک نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ احمد مجاہد ان لوگوں کے سپرد کرنے چاہیں جو دنیاوی معاملات میں مشغول نہ ہوں اور ان کا دل دماغ گھر بیرونہ داریوں اور ازدواجی معاملات میں الجھا ہوا نہ ہو بلکہ

- ۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر مستطانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۴-۲۲۳، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور۔
- ۲۔ حافظ بدر الدین ابو عبد محمد بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، مصنفہ القاری ج ۱۵ ص ۴۴-۴۵، مطبوعہ دارۃ الطباعة المنیریہ مصر ۱۳۳۸ھ۔
- ۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر مستطانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۴، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ۔
- ۴۔ حافظ ابو عبد اللہ محمد بن خلف دمشقی ابی مالک متوفی ۸۲۸ھ، اکمال الکمال المعلم ج ۵ ص ۵۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔

بَابُ الْاَنْفَالِ ۵۸۸

غنیمت کا بیان

مصعب بن سعد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے مال خمس میں سے ایک تلوار نکالی اور اس کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا مجھے یہ تلوار بہرہ کر دیجئے، آپ نے اس سے انکار فرمایا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: (ترجمہ) آپ سے یہ لوگ انفال کے بارے میں پوچھتے ہیں: آپ کہیے انفال اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔

مصعب بن سعد کے والد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے متعلق چار آیات نازل ہوئی، ایک مرتبہ میں نے ایک تلوار پائی میں اس کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ! یہ تلوار مجھے عنایت فرمادیں آپ نے فرمایا اس کو رکھ دو پھر جب میں کھڑا ہوا تو آپ نے فرمایا اس کو وہی رکھ دو جہاں سے اٹھائی تھی، پھر میں کھڑا ہوا اور میں نے کہا یا رسول اللہ! یہ تلوار مجھے دے دیجئے آپ نے فرمایا اس کو رکھ دو، میں نے پھر کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! یہ مجھے دے دیجئے اکیا میں ان لوگوں کی طرح کیا جاؤں گا جن کا اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس تلوار کو وہی رکھ دو جہاں سے اس کو اٹھایا تھا، پھر یہ آیت نازل ہوئی: یہ لوگ آپ سے انفال کے متعلق دریافت کرتے ہیں، آپ کہیے انفال اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی جانب ایک نہر تیر (چوٹا نالہ) بھیجا جس میں میں بھی تھا، انھیں دہل مال غنیمت میں بہت سے اونٹ ملے، ہر ایک کے حصہ میں بارہ بارہ یا گیارہ

۲۲۴۱ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو نَعْوَانَةَ عَنْ سَمَاءِ بْنِ عَنْتٍ مَصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَخَذَ أَبِي مِنَ الْخُمْسِ سَيْفًا فَأَتَى بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَبْ لِي هَذَا أَفَأَبِي قَالَ نَزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ يَسْأَلُكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ -

۲۲۴۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ وَالْكَفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَمَاءِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ مَصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ نَزَلَتْ فِيَّ آيَةُ بَعْثِ آيَاتٍ أَصَبْتُ سَيْفًا فَأَتَى بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ لِقَلْبِي فَقَالَ ضَعُهُ ثُمَّ قَامَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعُهُ مِنْ حَيْثُ أَخَذْتَهُ ثُمَّ قَامَ فَقَالَ لِقَلْبِي يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ ضَعُهُ فَقَامَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَقْلِبْنِيهِ أَوْ اجْعَلْ كَمَنْ لَا عَنَاءَ لَهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعُهُ مِنْ حَيْثُ أَخَذْتَهُ قَالَ فَتَنَزَّلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ يَسْأَلُكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ -

۲۲۴۳ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَوَّاتٌ عَلَى مَالِكٍ عَنْ تَائِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ الْأَخِيِّ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَهْمًا قَاتَانَا فِيهِمْ قَبْلَ نَجْدٍ فَغَنِمُوا

گیارہ اونٹ آئے اور ایک ایک اونٹ زائد ملا۔

إِبِلًا كَثِيرَةً فَكَانَتْ سُهُمًا نُهْمًا اثْنِي عَشَرَ
بَعِيرًا أَوْ أَحَدَ عَشَرَ بَعِيرًا وَتَقْلُوا
بَعِيرًا بَعِيرًا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی جانب ایک سیرتہ روانہ کیا
اس میں ابن عمر بھی تھے، اس میں ان کے حصہ میں بارہ بارہ
اونٹ آئے اور اس کے علاوہ ایک اونٹ زائد ملا،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تقسیم میں کوئی تغیر اور
تبدیل نہیں کیا۔

۲۲۴۴۔ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ
حَدَّثَنَا لَيْثٌ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ
أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ قَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بَعَثَ سَرِيَّةً قَبْلَ تَجْدٍ وَفِيهِمْ ابْنُ
عُمَرَ وَآلُ سُهُمَانَهُمْ بَلَغَتْ اثْنِي عَشَرَ
بَعِيرًا وَتَقْلُوا سِوَى ذَلِكَ بَعِيرًا فَلَمْ يُعَيِّرْهُ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف ایک سیرتہ روانہ کیا،
میں بھی اس کے ساتھ گیا، وہاں ہم کو بہت سے اونٹ اور
بکریاں ملیں، ہمارے حصے میں بارہ بارہ اونٹ آئے،
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک ایک اونٹ
زائد دیا۔

۲۲۴۵۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ وَعَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ
سُلَيْمَانَ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ قَافِعٍ
عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً إِلَى تَجْدٍ فَخَرَجَتْ
فِيهَا فَأَصْبَحْنَا إِبِلًا وَغَنَمًا
فَبَلَغَتْ سُهُمَانُنَا اثْنِي عَشَرَ
بَعِيرًا اثْنِي عَشَرَ بَعِيرًا وَتَقْلُنَا رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعِيرًا بَعِيرًا۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

۲۲۴۶۔ وَحَدَّثَنَا مُزَاهِرٌ عَنْ حَرْبٍ
وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى
وَهُوَ الْقَطَّانُ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بِهَذَا
الْإِسْنَادِ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی تین اور سندیں بیان کیں۔

۲۲۴۷۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو الزُّبَيْرِ وَأَبُو
كَامِلٍ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ ح
وَحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي
عَدِيٍّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ قَالَ كَتَبْتُ إِلَى
نَافِعٍ أَسْأَلُهُ عَنِ الثَّقَلِ فَكَتَبَ

إِلَى أَنْ ابْنُ عَمَرَ كَانَ فِي سَرِيكَيْهِ ح
وَحَدَّثَنَا ابْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ
أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي مُوسَى ح
حَدَّثَنَا هُرُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ حَدَّثَنَا
ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي أَسَامَةُ ابْنُ سَيْدٍ
كُلُّهُمْ عَنْ تَافِعٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوُ
حَدِيثِهِمْ

۴۲۴۸ - وَحَدَّثَنَا سُرَيْجُ بْنُ يُونُسَ
وَعَمْرُو بْنُ الْقَاقِدِ وَالتَّفَظُّظُ لِسُرَيْجٍ قَالَا
حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ رَجَاءٍ عَنْ يُونُسَ
عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ
نَقَلْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
تَغْلًا سَوِيًّا فَصَيِّمْنَا مِنَ الْخُمْسِ فَأَصَابَنِي
شَارِبٌ وَالشَّارِبُ الْمُسْنُ الْكَبِيرُ

۴۲۴۹ - وَحَدَّثَنَا هُتَاؤُ بْنُ السَّرِيِّ
حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ ح وَحَدَّثَنِي حَزْمَلَةُ
بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ كِلَاهُمَا
عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شَهَابٍ قَالَ بَلَغَنِي
عَنِ ابْنِ عَمَرَ قَالَ نَقَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً يَنْخِرُ حَدِيثُ

۴۲۵۰ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ ابْنُ
شُعَيْبٍ بَنِي الْكَيْثِ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي
قَالَ حَدَّثَنِي عَقِيلُ بْنُ عَمَلِدٍ عَنِ ابْنِ
شَهَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كَانَ
يَنْقِلُ بَعْضَ مَنْ يَتَّبَعُكَ مِنَ السَّرَايَا
لَا تُفْسِدُهُمْ خَاصَّةً سَوِيًّا قَسَمَ عَامَّةً
الْجَيْشِ وَالْخُمْسُ فِي ذَٰلِكَ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے
ہیں کہ مال غنیمت کے خمس میں سے جو ہر ایک حصہ نکلتا تھا،
اس کے علاوہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مال
عطا فرمایا میرے حصہ میں ایک "شارف" آیا اور شارف
بڑی عمر کا اونٹ ہوتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیرتہ کو مال غنیمت دیا
باقی حدیث ابن رجاہ کی روایت کی طرح ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیرتہ کے بعض مجاہدین کو
مال غنیمت میں سے ان کے حصہ کے علاوہ خصوصیت کے
ساتھ بھی کچھ عنایت فرماتے تھے اور پورے لشکر کے
لیے خمس واجب تھا۔

وَأَجِبْتُ كُلَّهُ -

اس باب کی احادیث میں نفل اور غنیمت کا ذکر آگیا ہے اس لیے ہم غنیمت اور نفل کی تفصیل اور تحقیق بیان کر رہے ہیں۔
نفل کا لغوی معنی علامہ ابن اثیر حذری لکھتے ہیں: احادیث میں نفل اور انفال کا ذکر بکثرت آیا ہے، اس کا معنی زیادتی ہے، نفل عبادات کو نوافل اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ فرائض پر زائد ہوتی ہیں حدیث میں ہے لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل "بندہ نوافل کے ساتھ ہمیشہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے" اور تراویح کا حدیث میں ہے لو نفلتہنا بقیۃ لیلة هذا "کاش آپ اس رات کبایت حصہ میں ہم کو نفل نماز پڑھاتے" ایک اور حدیث میں ہے:

ان المغانم کانت محرمة علی الامم قبلنا
 فنقلہا اللہ تعالیٰ ہذا الامة -
 ہم سے پہلی امتوں پر مال غنیمت حرام تھا اللہ تعالیٰ نے اس امت کو مال غنیمت کی زیادتی عطا فرمائی ہے۔
 نفل (فائدہ کے سکون کے ساتھ) کا معنی زیادتی ہے اور کبھی نفل (فائدہ کا زبر) کا معنی بھی زیادتی ہوتا ہے اور نفل کا معنی مال غنیمت ہے۔
نفل کا اصطلاحی معنی بعض مجاہدین کو مال غنیمت سے بالخصوص کچھ زیادہ مال (بطور عطیہ یا انعام) دینا نفل ہے، اگر یا لشکر کا امیر کہے جس نے فلاں چیز کو حاصل کر لیا اس کو اس چیز کا چوتھا حصہ یا تیسرا حصہ ملے گا یا وہ چیز اس کو مل جائے گی، یا جس نے کسی شخص کو قتل کر دیا تو اس سے چھینا ہوا مال اس کو مل جائے گا، یا کسی لشکر سے کہے جو مال تم نے حاصل کیا وہ تمہارا ہے، یہ نفل ہے اس کو نفل اس لیے کہتے ہیں کہ یہ حصہ مال غنیمت پر زائد ہوتا ہے۔

تفصیل میں مذاہب فقہاء
 تفصیل کے جواز پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ
 اے نبی! ایمان والوں کو (کافروں سے) قتال پر براہیگختہ کیجئے (انفال: ۶۵)

تمام اموال میں تفصیل جائز ہے خواہ سونا، چاندی ہو یا سلب ہو، مقتول کا مال، مثلاً اس کے کپڑے، اس کے ہتھیار اور اس کی سواری بالاتفاق سلب ہیں اور اگر دوسری سواری پر مقتول کا غلام ہو یا دوسری سواری پر اس کے ساتھ اور اموال ہوں تو فقہاء حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ مال غنیمت ہے، فقہاء مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک سلب حاصل کرنے کے لیے امام کی اجازت ضروری ہے اور فقہاء شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک قاتل مقتول کے مال کو ہر حال میں حاصل کرے گا کیونکہ حدیث میں ہے: امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن ابی قتادة قال قال رسول اللہ صلی
 حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

۱۔ علامہ محمد بن اثیر الحذری متوفی ۶۰۶ھ، نہایت ج ۵ ص ۹۹، مطبوعہ مژستہ مطبعات ایران، ۱۳۶۲ھ

۲۔ ڈاکٹر دسمبر زحلی الفقه الاسلامی وادلتہ ج ۶ ص ۲۵۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ

اللہ علیہ وسلم من قتل قتیلًا لہ علیہ
بینۃ فلہ سلبہ ۔ ۱۷
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی (کافر) کو قتل کیا اور اس کے پاس اس پر شہادت ہو تو اس کا سلب اس کو ملے گا۔

ان دونوں فریقوں میں اختلاف کا منشا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے: جو شخص کسی (کافر) کو قتل کرے اس کو اس کا سلب ملے گا۔ کیا آپ نے یہ حکم بحیثیت امیر دیا تھا یا یہ آپ نے ایک شرعی حکم بیان کیا ہے؟
فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ قاتلوں کو مقتولین کا سلب صرف یوم حنین کو دیا گیا تھا، اس لیے بعض مجاہدین کی سلب کے ساتھ خصوصیت امام کے اجتہاد پر موقوف ہے، اور یہ صرف امیر کی سیاست کی جہت سے ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت امیر کے جو تصرفات کیے ہیں اس قسم کے تصرفات میں ہر زمانہ کے امیر کی اجازت ضروری ہے۔

فقہاء شافعیہ اور خابلیہ یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب کو جو بطور انعام دیا ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شرعی حکم بیان کیا ہے اور بحیثیت امیر یہ حکم نہیں دیا اور ہر وہ حکم جس کو آپ نے یہ طریق فتویٰ اور تبلیغ بیان کیا ہو اس میں قاتلی کی تضاد اور امام کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے: ”جس شخص نے کسی غیر آباد زمین کو کاشت کیا وہ اس کا مالک ہے“ اس میں بھی یہی اختلاف ہے فقہاء احناف اور مالکیہ کے نزدیک کوئی شخص امیر کی اجازت کے بغیر اس زمین کا مالک نہیں ہوگا اور فقہاء شافعیہ اور خابلیہ کے نزدیک محض کاشت کرنے سے وہ شخص اس زمین کا مالک ہو جائے گا۔

تنفییل کی شرائط | فقہاء احناف اور مالکیہ کے نزدیک تنفییل اس قتل میں جاری ہوتی ہے جو مباح ہو اس لیے اگر کوئی شخص غیر جنگجو افراد مثلاً بچہ، عورت، مجنون وغیرہ کو قتل کر دے تو وہ نفل کا مستحق نہیں ہوگا۔

تنفییل کے جولہ کی یہ شرط ہے کہ مجاہدین کے ہاتھوں میں مال غنیمت پہنچنے سے پہلے ان کو نفل (انعام) دیا جائے اور اگر مال غنیمت تقسیم کر دیا گیا تو اب صرف خس سے ان کو انعام دیا جاسکتا ہے۔

تنفییل کا حکم | تنفییل کا حکم یہ ہے کہ قتل کرنے والا مجاہد اس عطیہ یا انعام کے ساتھ خاص کر دیا جاتا ہے اور باقی مجاہدین اس میں شریک نہیں ہوتے لیکن امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جب مسائل دارالاسلام میں پہنچ جائے تب مال پر ملکیت مکمل ہوتی ہے اور امام محمد کے نزدیک دارالاسلام میں مال پہنچنے سے پہلے ہی ملکیت مکمل ہو جاتی ہے۔ ۱۸

تنفییل میں فقہاء احناف کا نظریہ | ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: تنفییل یہ ہے کہ امام یہ کہے کہ جس شخص یا سرتیہ نے فلاں چیز کو حاصل کر لیا تو اس کو

۱۷۔ امام مسلم بن حجاج قشیری مترقی ۲/۲۷۱ ص صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۷، مطبوعہ دار محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۱۸۔ ملک العلماء علامہ ابو بکر بن محمد کاسانی حنفی مترقی ۵/۵۸۷، بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۷۵، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

اس چیز کا جتنا ملے گا یا تھائی ملے گا یا وہ چیز مل جائے گی یا کہ جس نے کسی شخص کو قتل کر دیا تو اس کا سلب اس کے لئے گوارہ اس لیے جائز ہے کہ یہ قتال پر براہِ گنجہ کرنے کی تخصیص ہے اور یہ شریعت میں مستحب ہے، اللہ عز و شانہ فرماتا ہے: **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ** ۱۱ اسے نبی! مسلمانوں کو جنگ پر براہِ گنجہ کیجئے، ”العبۃ الامم“ کو یہ سزاوار نہیں کہ وہ جنگ سے حاصل شدہ تمام مال کو بطور انعام (تغلیل) دینے کا اعلان کر دے کیونکہ اس میں دوسرے مجاہدین کی حق تلفی ہے لیکن اس کے باوجود اگر کسی وقت یہ جنگی مصلحت کا تقاضا ہو تو پھر جائز ہے۔

تغلیل کے دو حکم ہیں ایک یہ کہ نفل صاحب نفل کے ساتھ مختص ہوتا ہے یعنی جس مجاہد کو کسی کا نامہ کی وجہ سے انعام دیا گیا ہے اس انعام میں دوسرے افراد شریک نہیں ہوتے، دوسرا حکم یہ ہے کہ نفل میں غنس واجب نہیں ہوتا کیونکہ غنس اس مال غنیمت میں واجب ہوتا ہے جو تمام مجاہدین میں مشترک ہوتا ہے اور نفل کو امام کسی ایک شخص کے ساتھ مختص کرتا ہے۔ ۱۲

فے کا لغوی اور شرعی معنی | علامہ ابن اثیر الجہزی کہتے ہیں فے کا معنی ہے لوٹنا اور پلٹنا، اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے اموال کفار میں سے جو مال مسلمانوں کو بغیر جنگ اور جہاد کے حاصل ہوا ہو ۱۳ ڈاکٹر مدبر رحیلی کہتے ہیں: فے وہ مال ہے جو حربیوں سے بغیر جنگ کے حاصل ہوا، جو مال صلح سے حاصل ہو ۱۴ جزیرہ اور خراج وہ بھی مال فے ہے۔ مال فے میں تصرف کو نارسل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے، قرآن مجید میں:

وَمَا آفَاءُ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رَاكِبٍ وَلَا حُمْلٍ وَلَا يَسْطُرُ رِجَالًا عَلَى رِجَالٍ وَلَا تَتْلُونَ الْقُرْآنَ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَفُوا عَلَىٰ مَا قُضِيَ لَهُمْ مِنْ شَيْءٍ بِقَدِيرٍ ۚ وَمَا آفَاءُ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُؤْتِي
من اهل القرائ فله وللرسول ولذي القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل لا كى لا يكون دولتا بين الاغنياء منكم ۝

(حشر: ۶-۷)

اور جو اموال اللہ تعالیٰ نے ان (کافروں) سے نکال کر) اپنے رسول پر پلٹا دیے تم نے قرآن پر اپنے گھوڑے دھڑائے تھے نہ اونٹ، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جن پر چاہے غلبہ عطا فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جو چاہے اس پر قاضی ہے، اللہ تعالیٰ نے جو (اموال، ان بستیوں والوں سے نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیے تو وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں اور (رسول کے) قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہیں تاکہ وہ اموال تمہارے ملداروں کے درمیان گردش کرتے رہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بغیر نصیر کے اموال اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور فے عطا فرمائے تھے۔ اُنہی میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں تھے، آپ ان اموال میں سے اپنے اہل و عیال کے لیے ایک سال کا خرچہ دیتے تھے اور باقی مال کو جنگی سولہوں کے لیے خرچ کرتے تھے۔ ۱۵

۱۱۔ مک الملاء علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۰ھ، بدائع المعانی ج ۲، ص ۱۱۵، مطبوعہ ایچ ایم سید، اینڈ کمپنی، کراچی ۱۴۰۰ھ

۱۲۔ علامہ محمد بن اثیر الجہزی متوفی ۶۷۰ھ، نہایہ ج ۲، ص ۲۸۳۔ مطبوعہ مکتبۃ مطبوعات قادیان، ایران، ۱۳۶۲ھ

۱۳۔ ڈاکٹر مدبر رحیلی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۶، ص ۴۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۲ھ

فے کے حکم میں فقہاء احناف کا نظریہ | ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: فے اس مال کو کہتے ہیں

اموال مسلمانوں کے امیر کی طرف سفارت کے ذریعے بھیجے جاتے ہیں یا وہ اموال جو اہل حرب سے کسی عہد کی بناء پر لیے جاتے ہوں۔ اس مال سے غنم نہیں لیا جاتا، کیونکہ غنم اس مال سے لیا جاتا ہے جو کفار سے ہذریہ جنگ حاصل کیا گیا ہو۔

مال فے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات کے ساتھ خاص ہے خواہ آپ اپنے اوپر خرچ کریں یا جن لوگوں پر آپ خرچ کرنا چاہیں ان کے اوپر خرچ کر دیں۔ اسی وجہ سے اموال فکد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھے کیونکہ ان کے حصول کے لیے محابہ نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے، کیونکہ روایت ہے کہ جب اہل فکد کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خیبر سے جلا وطن کرنا چاہتے ہیں تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاہدہ پر صلح کر لی کہ وہ دہان کی زمینوں پر کاشت کاری کریں گے اور پیداوار کا نصف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد کے حکام میں یہ فرق ہے کہ یہ اموال فے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خرچ کے لیے ہوتے تھے اور بعد کے ائمہ کے پاس جو اموال فے آتے ہیں وہ عام مسلمانوں پر خرچ کے لیے ہوتے ہیں، کیونکہ یہ فتوحات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب اور ہیبت کی وجہ سے عقیں ہیا کہ آپ نے فرمایا: میری اس چیز سے مدد کی گئی ہے کہ دو ماہ کی مسافت تک میرا رعب طاری کر دیا گیا ہے۔

مذکورہ الصندرقاعدہ کا بناء پر یہ اختلاف ہے کہ اگر کوئی حربی (اس سے مطلقاً کافر و ذلیل) ان مال کے بغیر دارالاسلام میں داخل ہو جائے جس کو کوئی مسلمان پکڑے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس سے حاصل شدہ مال جماعت مسلمان کے لیے ہوگا اور اس کو پکڑنے والے کے ساتھ خاص نہیں ہوگا اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک وہ مال پکڑنے والے کے ساتھ محقق ہوگا، حاجبیں کی دلیل یہ ہے کہ اس مال کی ملکیت کا سبب اس حربی کو پکڑنے والے کے ساتھ خاص ہے۔ اس لیے اس سے حاصل شدہ مال بھی اسی کے ساتھ خاص ہونا چاہیے اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ عام مسلمانوں کی ملکیت کے ثبوت کا ایک سبب اس جگہ متحقق ہو گیا جو ملکیت کی استقامت رکھتا ہے اور وہ عمل مباح ہے لہذا حربی کا یہ مال تمام مسلمانوں کی ملکیت ہوگا، جیسا کہ ملک جماعت کی کسی شکار کو پکڑے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ حربی دارالاسلام میں داخل ہوا تو اس پر تمام دارالاسلام کے مسلمانوں کا قلبی ثابت ہو گیا کیونکہ دارالاسلام ان سب کے قبضہ میں ہے اور جو چیز دارالاسلام میں آجائے اس پر ان سب کا قبضہ ہوگا۔ اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ جب تک اموال کفار دارالاسلام میں ہوں اس وقت تک ان پر غنائم کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی، تاہم جبکہ ان اموال کو دارالاسلام میں منتقل کر دیا جائے یا غنائم کی تمام تحصیل، تحقیق اور بیان مذاہب باب نمبر ۵۹۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مال غنیمت کا لغوی معنی اور شرعی تفسیر | غنیمت کا لغوی معنی ہے کسی چیز کا بغیر محنت اور مشقت کے حاصل

ذریعہ گھوڑے اور اونٹ دوڑا کر حربیوں کا جو مال حاصل کیا ہو اس کو مال غنیمت کہتے ہیں۔ لے

۱۔ ملک العلماء ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بذیل المصنوع ج ۲ ص ۱۱۴، مطبوعہ ایچ۔ ایم سید رائے لکھنؤ کراچی ۱۳۰۰ھ

۲۔ علامہ عبد بن اشیر الحدادی متوفی ۶۰۶ھ، نہایت ج ۳ ص ۳۸۹، مطبوعہ مژدہ سنہ ۱۳۶۲ھ، مطبوعاتی بیروت ۱۳۶۲ھ

ڈاکٹر و مہر زبیلی لکھتے ہیں: اہل حرب کا جو مال جنگ سے حاصل کیا جائے وہ مال غنیمت ہے۔ ۱۔
 ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: جو سامان اہل حرب کو مغلوب کر کے حاصل کیا جائے وہ سامان ہمارے نزدیک
 مال غنیمت ہے، اور زور اور غلبہ صرف قوت جنگ سے متعلق ہوتا ہے، یا تو حقیقتہً قوت جنگ ہو یا حکماً ہو اور وہ امیر
 کی اجازت ہے امام شافعی کے نزدیک اہل حرب سے جس طرح بھی مال حاصل کر لیا جائے وہ مال غنیمت ہے، ان کے
 نزدیک اس میں عسکری طاقت اور قوت جنگ کا ہونا شرط نہیں ہے۔ مثلاً ایک جماعت اسلحہ کے ساتھ دارالحرب
 میں داخل ہوئی اور انھوں نے حربیوں کا مال حاصل کر لیا تو اس مال میں سے مال غنیمت کو اجمالاً نکالا جائے گا خواہ وہ امام
 کی اجازت سے داخل ہوئے ہوں یا امام کی اجازت کے بغیر کیونکہ انھوں نے اسلحہ کے بل پر غالب آکر مال حاصل کیا
 ہے اور اسلحہ حقیقتہً فوج کے قائم مقام ہے اور ظاہر الروایہ کے مطابق کم از کم فوج کی تعداد چار سے کیونکہ نبی صلی
 اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین اصحاب چار ہیں اور امام ابو یوسف سے روایت ہے۔ اور اگر کوئی شخص بغیر ہتھیاروں
 کے امام کی اجازت سے دارالحرب میں داخل ہوا تو اس کا حاصل کیا ہوا مال ظاہر الروایہ کے مطابق مال غنیمت ہوگا۔
 کیونکہ امام کی اجازت عسکری طاقت اور فوجی قوت کے قائم مقام ہے، اور اگر کوئی شخص امام کی اجازت اور اسلحہ کے بغیر
 دارالحرب میں داخل ہوا تو اس کا حاصل کیا ہوا مال، مال غنیمت نہیں ہوگا کیونکہ اس کے پاس قوت جنگ اور غالب آنے
 کی طاقت اصلاً نہیں ہے، اس کے پاس بافضل اسلحہ ہے نہ اس کو امیر کی اجازت اور تائید و حمایت حاصل ہے۔ اور
 امام شافعی کے نزدیک یہ مال بھی مال غنیمت ہے، لیکن ہمارا قول صحیح ہے کیونکہ غنیمت کا معنی ہے وہ مال جس کو اہل
 حرب سے حاصل کیا جائے اور اس مال کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اپنے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے ہوں قرآن
 مجید کی اشارۃ النقص سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا
 أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ
 (حشر: ۶)

اور جو اموال اللہ تعالیٰ نے ان (کافروں) سے
 (نکال کر) اپنے رسول پر پٹا دیے تم نے تو ان پر اپنے
 گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ،

اس آیت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ جب تک مسلمان کسی مال کے حصول کے لیے گھوڑے
 اور اونٹ نہ دوڑائیں اس وقت تک یہ مال، مال غنیمت نہیں ہوگا، اور اہل حرب کے مال کو گھوڑے اور اونٹ دوڑا
 کر حاصل کرنا صرف جنگی اور دفاعی قوت کے ذریعہ ہی ممکن ہے اور جب دفاعی قوت حقیقتہً ہونہ حکماً تو پھر کسی
 مال کو تہر اور غلبہ سے حاصل کرنا ممکن نہیں ہے اور اس کے بغیر حاصل کیا ہوا مال، شکار کی طرح مال مباح ہوگا۔ لہ
 مفتوحہ علاقہ کی زمینوں اور ساز و سامان کا حکم ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: جب مسلمانوں
 مفتوحہ امور تین چیزیں ہیں ساز و سامان، زمین اور جنگی قیدی۔ ساز و سامان میں سے خمس (پانچواں حصہ) نکالا جائے

۱۔ ڈاکٹر و مہر زبیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۲ ص ۲۵۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۲ھ
 ۲۔ ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۴ ص ۱۱۸-۱۱۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۲ھ

گواہ اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیے جائیں گے اور ان میں امیر کا کوئی اختیار نہیں ہے، اور زمین میں امیر کا اختیار ہے اگر وہ چاہے تو زمین کا حصہ نکال کر باقی مجاہدین میں تقسیم کر دے اور چاہے تو ان زمینوں کو خراج کے عوض ان کے مالکوں کے پاس رہنے دے اور زمین کے مالکوں کو ذاتی بنا دے (بشرطیکہ وہ اہل ذمہ ہوں یعنی وہ اہل کتاب ہوں یا عجم کے مشرکین ہوں) اور ان لوگوں پر شخصی طور پر جزیہ عائد کرے اور ان کی زمینوں سے خراج وصول کرے، یہ ہمارا اور امام شافعی کا مذہب ہے اور امام مالک یہ کہتے ہیں کہ زمین کو خراج پر دینا جائز نہیں ہے بلکہ محابوں پر تقسیم کرنا واجب ہے۔

امام کی مالک کی دلیل یہ ہے کہ اس زمین کو مجاہدین نے غلبہ سے حاصل کیا ہے اور ان کے مالکوں کو زمین دینے سے مجاہدین کی حق تلفی ہوتی ہے پس جس طرح امیر کو مفتوحہ سارو سامان پر اختیار نہیں ہے اسی طرح امیر کو مفتوحہ زمینوں پر بھی اختیار نہیں ہے۔ (علامہ کا سانی نے امام مالک کا یہ قول صحیح نقل نہیں کیا۔ بلکہ یہ ہے کہ امام مالک کے نزدیک ان اراکین کو مجاہدین پر تقسیم نہیں کیا جائے گا۔)

ہماری دلیل یہ ہے کہ زمین کو خراج کے عوض دینے پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب سوا عراق (عراق کے دیہات اور بستیاں) کو فتح کیا تو آپ نے ان زمینوں کو ان کے سابق مالکوں کی ملک میں رہنے دیا اور ان لوگوں پر جزیہ مقرر کیا اور ان کی زمینوں پر خراج مقرر کیا آپ نے تمام صحابہ کی موجودگی میں یہ فیصلہ کیا اور کسی صحابی نے اس سے اختلاف نہیں کیا سوا اس فیصلہ پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا۔

جنگی قیدیوں کے حکم کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات | جنگی قیدیوں کے بارے میں امیر کریم امین

تو جنگی قیدیوں کو قتل کر دے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے قیدیوں میں سے عقبہ بن ابی معیط اور نضیر بن حارث کو قتل کیا تھا نیز ان کو قتل کرنے میں مادہ فساد کو جڑ سے اکھاڑنا ہے، اور اگر امیر چاہے تو ان کو غلام بنائے کیونکہ اس سے ان کا شر دور ہوگا اور اہل اسلام کو نفع حاصل ہوگا، اور اگر چاہے تو مشرکین عرب اور مرتدین کے ماسوا کو آزاد بنے دے اور ان سے جزیہ وصول کرے، ان قیدیوں کو واپس دارالحرب میں بھیجا جائز نہیں ہے کیونکہ اس اقدام سے کفار کو مسلمانوں کے خلاف قوت حاصل ہوگی، اور اگر قیدی مسلمان ہو جائیں تو پھر ان کو قتل نہ کرے البتہ ان کو غلام بنانا جائز ہے کیونکہ غلامی اسلام کے منافی نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک قیدیوں کا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ جائز نہیں ہے، امام ابو یوسف اور امام محمد یہ کہتے ہیں کہ مسلمان قیدیوں کو بطور غیریہ لے کر جنگی قیدیوں کو چھوڑنا جائز ہے، امام شافعی کا بھی یہی قول ہے، کیونکہ اس اقدام سے مسلمانوں کو کافروں کی قید سے رہائی دلانا ہے اور یہ کافر کو قتل کرنے اور اس کو غلام بنانے یا جزیہ لینے سے بہتر ہے، امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ تبادلہ کی وجہ سے جنگجو کفار دارالحرب میں چلے جائیں گے اور دوبارہ مسلمانوں سے لڑیں گے اور جنگ کے شر کو دور کرنا مسلمان قیدی کے چھڑانے سے بہتر ہے، نیز جب مسلمان قیدی ان کی قید میں ہوگا تو یہ صرف اس کے حق میں ابتداء ہے اور دوسرے مسلمانوں کو اس سے خطرہ نہیں ہے اور جنگی قیدیوں کے تبادلہ کے بعد کافر جنگی قیدی دوسرے مسلمانوں کے لیے خطرہ بن جائیں گے۔ امام ابوحنیفہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مال کے بدلہ میں بھی جنگی قیدیوں کو چھوڑنا جائز نہیں ہے اور سیر کیہ میں ہے کہ اگر مسلمانوں کو بیسیوں کی ضرورت ہو تو پھر مال کے بدلہ میں جنگی

قیدیوں کو چھوڑنا جائز ہے، جس طرح جنگ بدر میں قیدیوں کو خرید لے کر چھوڑ دیا گیا تھا، اور اگر کوئی قیدی مسلمان ہو جائے تو پھر اس کا مسلمان قیدی سے تبادلہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، ہاں اگر وہ شخص تبادلہ پر راضی ہو اور اس کے اسلام کو خطرہ نہ ہو تو پھر جائز ہے جنگی قیدیوں پر احسان کر کے ان کو چھوڑ دینا بھی جائز نہیں ہے، اس کے برخلاف امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں بعض قیدیوں پر احسان کر کے انھیں چھوڑ دیا تھا، ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ** ”مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو“ نیز ان کو قید میں رکھنے سے ان کو غلام بنانے کا حق حاصل ہوتا ہے اور کسی منفعت اور عوض کے بغیر اس حق کو ساقط کرنا جائز نہیں ہے اور جو حدیث انھوں نے بیان کی ہے وہ منسوخ ہے۔ لہ

جنگی قیدیوں کو مال یا مسلمان جنگی قیدیوں کے بدلہ میں رہا کرنے کی تحقیق | علامہ ابن ہمام حنفی

ابوصنف سے ایک روایت تو یہی ہے کہ جنگی قیدیوں کا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ جائز نہیں ہے، علامہ قدوری اور صاحب ہالیہ نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں جنگی قیدیوں کو چھوڑنا جائز ہے جیسا کہ امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا قول ہے، کیونکہ ان سب کے نزدیک غور قتل کے علاوہ جنگی قیدیوں کو مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں چھوڑنا جائز ہے۔

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں جنگی قیدیوں کو چھوڑا ہے، امام ابوصنف سے یہ روایت میر کبیر میں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ امام ابوصنف کی یہی روایت زیادہ ظاہر ہے، امام ابو یوسف یہ کہتے ہیں کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے جنگی قیدیوں کا تبادلہ جائز ہے اور تقسیم کے بعد جائز نہیں ہے، امام محمد کے نزدیک تقسیم سے پہلے اور بعد ہر صحت میں یہ تبادلہ جائز ہے۔ لہ

امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک مسلمان جنگی قیدیوں کے بدلہ میں جنگی قیدیوں کو چھوڑنا جائز ہے، اور امام ابوصنف سے بھی ایک روایت یہی ہے اس لیے ہمارے نزدیک امام ابوصنف کی اسی روایت پر عمل کرنا چاہیے اور جنگی قیدیوں کا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کرنا چاہیے۔

جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ اتنا نا اور احسانا رہا کرنے کی تحقیق | علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

امام ابوصنف، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ محض احساناً چھوڑنا جائز نہیں ہے، اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ اگر امیر کے نزدیک اس میں مصلحت ہو تو پھر جائز ہے، امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لہ۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مہینائی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہالیہ اولین ص ۵۴۷-۵۴۸، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ عمان

لہ۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۲۲۱-۲۱۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رشتہ ج ۱

فاذا لقيتم الذين كفروا فضرب الرقاب حتى اذا اثخنتموهم فمشدوا الوثاق فاما من بعد واما فداء۔
 (صحیح ۱، ۲)

سوجب تہلہ کافروں سے مقابلہ ہوتا ان کی گردنیں اتارو، حتیٰ کہ جب تم ان کا خوب خون بہا چکو تو ان (جنگی قیدیوں) کو مضبوطی سے باندھو اور پھر خواہ مخواہ ان کے انہیں چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دو۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے کئی قیدیوں کو احساناً چھوڑ دیا ان میں سے ایک قیدی ابو العاص بن ابی الریح تھے، پناہیچہ امام ابن اسحاق اور امام ابو داؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے فدیہ بھیجا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عاجزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ابو العاص کو چھڑانے کے لیے فدیہ بھیجا اور اس فدیہ میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو جہیز میں رخصتی کے وقت دیا تھا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہار کو دیکھا تو آپ پر رقت طاری ہو گئی اور آپ نے صحابہ سے فرمایا اگر تم مناسب خیال کرو تو اپنے قیدی کو زینب کی خاطر چھوڑ دو اور زینب کا بیاہلو فدیہ واپس کر دو، اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا ہے، اور اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ابو العاص سے وعدہ لیا کہ وہ حضرت زینب کو آپ کے پاس روانہ کر دیں سوائے انہوں نے حضرت زینب کو آپ کے پاس روانہ کر دیا، اور ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلب بن حنظل کو بھی بلا عوض احسان کر کے چھوڑ دیا۔ مطلب بن حنظل کو حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ نے گرفتار کیا تھا آپ نے اس کو رہا کر دیا۔ اسی طرح ایک شخص کا کئی بیٹیاں تھیں اور وہ محتاج تھا آپ نے اس کو بھی بلا عوض چھوڑ دیا اس کا نام البرعزۃ الحبسی تھا آپ نے اس سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ آپ کے خلافت کسی کی مدد نہیں کرے گا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد میں کئی اشخاص کہے، پھر وہ جنگ میں مشرکین کے ساتھ گرفتار ہوا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا، اور سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مسلم بن عدی زندہ رہتا اور وہ مجھ سے ان بدبؤزہ (بد کے قیدیوں) کی رائی کے لیے سفارش کرتا تو میں ان کو چھوڑ دیتا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۳، مطبوعہ کراچی) سو اگر جنگی قیدیوں کو چھوڑنا جائز نہ ہوتا تو آپ اس طرح نہ فرماتے، مصنف (صاحب جلیہ) نے یہ کہا ہے کہ ان تمام واقعات کا حکم سورہ توبہ کی آیت اقتلوا المشرکین "مشرکین کو قتل کر دو" سے منسوخ ہے، یہ ٹھیک ہے کہ بدر کے یہ واقعات سورہ توبہ نازل ہونے سے پہلے کے ہیں لیکن مصنف کا یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اقتلوا المشرکین "مشرکین کو قتل کر دو" کا حکم جنگی قیدیوں کے ماسوا کے لیے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کو غلام بنانا بالاجماع جائز ہے اگر ان کو قتل کرنا ضروری ہوتا تو ان کو غلام بنانا جائز نہ ہوتا اس سے واضح ہو گیا کہ مشرکین کو قتل کرنے کا حکم جنگی قیدیوں کے ماسوا میں ہے اور یہ کہ جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر اور بلا معاوضہ احساناً چھوڑنے کے تمام واقعات غیر منسوخ ہیں اسی طرح قرآن مجید کی آیت فاما من بعد واما فداء "جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دیا فدیہ لے کر چھوڑ دو" بھی غیر منسوخ اور محکم ہے۔ لہ

علامہ ابن ہمام نے جو محققانہ بحث کی ہے اس سے واضح ہوگئی کہ جنگی قیدیوں کو مسلمان قیدیوں کے فدیہ میں یا مال کے فدیہ میں رہا کرنا جائز ہے جیسا کہ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا مسلک ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ کی بھی یہی روایت مختار ہے اور اگر مناسب سمجھے تو جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ امتناناً اور احساناً چھوڑنا بھی جائز ہے جیسا کہ قرآن مجید کی نص صریح اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ہے۔

کیا موجودہ دور میں بھی جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا جائز ہے؟ | اس بحث سے یہ بھی واضح ہو غلام بنانا لازمی اور حتمی حکم نہیں ہے بلکہ یہ امر کی رائے اور صواب دید پر موقوف ہے اور اس کی اجازت اس لیے دی گئی تھی کہ پہلے دنیا میں عام جنگی چلن یہی تھا کہ فاتح قوم مفتوح قوم کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنا لیتی تھی اس لیے اسلام نے بھی یہ اجازت دی کہ اگر کوئی قوم مسلمانوں کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بناتی ہے تو مسلمان بھی اس قوم کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنا لیں۔ کیونکہ

وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا۔ (شوری: ۲۰) اور بُرائی کا بدلہ اس کی مثل بُرائی ہے۔
لیکن اب جبکہ دنیا سے غلامی کی لعنت ختم ہو چکی ہے اور کوئی قوم دوسری قوم کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام نہیں بناتی تو اب کسی مفتوح قوم کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی کوئی وجہ نہیں ہے اس لیے اب جنگی قیدیوں کو غلاماً مثلاً بعد و ما فدا ائمہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے فدیہ لے کر یا بیرون فدیہ کے احساناً اور امتناناً چھوڑ دینا چاہیے، اور چونکہ اسلام انسانیت کی اعلیٰ اقدار کا داعی ہے اور عدل و احسان کا نقیب ہے اور حسن عمل اور کارہ خیر میں کافروں سے آگے ہے اس لیے یہ کہنا بعید نہیں ہے کہ جب فریقِ مخالفت جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا روا نہیں رکھتا تو مسلمانوں کے لیے بدرجہ اولیٰ ان کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا جائز نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں پہلے سے بنائے گئے لڑائیوں اور غلاموں کے متعلق احکام تو بیان کیے گئے ہیں لیکن جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی کہیں ہدایت نہیں دی، اس کے برخلاف ان کو فدیہ لے کر یا بلا فدیہ رہا کرنے کی ہدایت دی ہے اور ہر چند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کے جنگی چلن کے مطابق جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بھی بنایا تھا لیکن آپ نے بدر کے تمام جنگی قیدیوں کو رہا کر کے حسن عمل کی مثال قائم کی بعض کو فدیہ لے کر رہا کیا اور بعض کو بلا فدیہ رہا کیا اور غلاماً مثلاً بعد و ما فدا ائمہ پر پورا پورا عمل کیا بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا رخصت پر عمل ہے اور انھیں فدیہ لے کر یا بلا فدیہ رہا کر دینا عزیمت پر عمل ہے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے:

وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا
واصلح فاجرة علی اللہ۔
اور بُرائی کا بدلہ اس کی مثل بُرائی ہے، پھر جو شخص
سامان کر دے اور (بُرائی کی) اصلاح کرے تو اس کا اجر

اللہ کے ذمہ رکرم پر ہے۔ (شوری: ۲۰)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنا کر وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا پر عمل کیا اور انھیں آزاد کر کے فمن عفا واصلح پر عمل کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابتداءً جنگی قیدیوں کو رہا کرنے سے اختلاف کیا تھا اور بدر کے قیدیوں کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن بالآخر نورِ رسالت ان پر غالب آگیا اور سوادِ عراق کے

جنگی قیدیوں کو انھوں نے قتل کیا نہ لڑائی اور غلام بنایا بلکہ ان سے جزیہ لے کر ان کو اہل ذمہ قرار دیا اور اس واقعہ سے فقہاء اسلام نے یہ استدلال کیا ہے کہ جنگی قیدیوں سے جزیہ لے کر ان کو اہل ذمہ بنانا جائز ہے۔

علامہ ابن ہمام کہتے ہیں:

وان شاء ترکھوا حرا را ذمۃ
للمسلمین لما بینا من ان عمر فعل ذلک
فی اهل السواد۔ ۱۰

علامہ باری نے بھی یہی لکھا ہے۔ ۱۱

علامہ جلال الدین خوارزمی حنفی کہتے ہیں: اس میں حضرت عمر کے اس فعل کی طرف اشارہ ہے جو انھوں نے سواد عراق والوں سے کیا تھا، اگر اس پر یہ اثر امن ہو کہ قتل کو ترک کرنے کا اختیار ثابت نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ یہ اختیار اس آیت کے خلاف ہے واقتلوھم حیث وجدتموھم۔ تم ان کافروں کو جہاں بھی پاؤ قتل کر دو، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے عموم سے بعض افراد مستثنیٰ ہیں چنانچہ متامن اہل ذمہ اور عورتوں وغیرہ کو قتل نہیں کیا جاتا لہذا متنازع فیہ۔ (یعنی جنگی قیدی بھی حضرت عمر کے اس فعل کے سبب اس آیت کے اس عموم سے خارج کیے جائیں گے۔ ۱۲)

ان دلائل سے یہ ثابت ہو گیا کہ ابتداء اسلام میں جنگی قیدیوں کو لڑائی اور غلام بنانا اس زمانہ کے مخصوص حالات کی بناء پر معمول تھا اور ہر میں اس کو ترک کر دیا گیا اور اب جبکہ تمام دنیا میں جنگی قیدیوں کو لڑائی اور غلام بنانے کا طریقہ متروک ہو چکا ہے بلکہ سرے سے غلامی کی علت ختم ہو چکی ہے اور انسان کو انسان کا غلام بنانا اب میسر نہ رہا ہے تو اب جنگی قیدیوں کو لڑائی اور غلام بنانے کے جواز کو اسلام کے ساتھ نہتی کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اسلام نے جنگی قیدیوں کو لڑائی اور غلام بنانے کا کہیں حکم نہیں دیا اس کے جواز کو فقہاء نے بعض جزوی واقعات سے مستنبط کیا ہے اور یہ واقعات اخبار آحاد سے ثابت ہیں جو زیادہ سے زیادہ قطعیت کا فائدہ دیتے ہیں اس کے برخلاف جنگی قیدیوں کو قہر لے کر یا بلا قہر رہا کرنا قرآن مجید کا حکم قطعاً ہے اور بعض جزوی اور قطعی واقعات کی بناء پر قرآن مجید کی نص قطعی کو ترک کرنا بعد اس پر عمل و کرنا عقل اور اصول کے خلاف ہے، جبکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی قیدیوں کو قہر لے کر یا بلا قہر رہا کیا ہے تو اسی احادیث پر عمل کرنا چاہیے جو قرآن مجید کے صریح حکم کے مطابق ہیں اور جو احادیث اس حکم کے خلاف ہیں ان کی ترجیح ہم بیان کر چکے ہیں اور اب جبکہ جنگی قیدیوں کو لڑائی اور غلام بنانے کی وجہ باقی نہیں رہی اس لیے اب اس کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔ قرآن مجید میں جنگی قیدیوں کے بارے میں صرف ایک ہی حکم ہے اور وہ ہے:

- ۱۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام سننی متونی ۸۶۱، فتح القدیر ج ۵ ص ۲۱۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
- ۲۔ علامہ اکمل الدین محمد بن محمد باری سننی متونی ۷۸۲، عتایہ ملی دمشق فتح القدیر ج ۵ ص ۲۱۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
- ۳۔ علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ مع فتح القدیر ج ۵ ص ۲۱۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ
حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا لَوْلُكُمُ الرِّقَابَ
فَمَا مَتَّاعٌ بَعْدَ ذَلِكَ ۚ فَمَا فَدَاءٌ حَتَّىٰ تَضَعَ
الْحَرْبُ أَوْنَادَهَا فَمِنْ ذَلِكَ ۚ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ
لَا تَصْرُ مِنْهُمْ ۚ وَلَٰكِنْ لِّيَبْلُو بَعْضَكُمْ
بِبَعْضٍ ۚ

(محمد : ۴)

سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو (تمہارا پہلا
کام) ان کی گردنیں مارنا ہے، حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا
چکو تو پھر ان کو مضبوطی سے باندھو، (اس کے بعد تمہیں
اختیار ہے) خواہ مخواہ ان پر احسان کر کے انہیں رہا کر دو
یا ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کرو، تا آنکہ جنگ اپنے
مستحضر ڈال دے، یہی (اللہ کا حکم) ہے، اور اگر اللہ
چاہتا تو خود ہی کافروں سے بدلہ لے لیتا لیکن (اس طریقہ
کی وجہ یہ ہے کہ) وہ تم لوگوں کو ایک دوسرے کے
قدیر آزمائے۔

بدر کے جنگی قیدیوں کو آزاد کرنے پر اعتراضات کے جوابات | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
لے کر جان کو ربا کر دیا تھا اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس فعل پر اظہار ناپسندیدگی کیا اور بطور
عقاب کے یہ آیتیں نازل فرمائیں :

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ
يُشَاقِقَ فِي الْأَرْضِ مَا يُتْرِكُ مِنْ عَرْضِ
الدُّنْيَا ۚ وَاللَّهُ يَرِيدُ الْآخِرَةَ ۚ وَاللَّهُ
عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۚ لَوْ لَا كُتِبَ مِنَ اللَّهِ
سَبْقُكُمْ فِيهَا ۚ اخذتم عذاب
عظيم ۚ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ
حَلَالًا طَيِّبًا ۚ ذَاتَقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ
غَفُورٌ رَحِيمٌ ۚ

(انفال : ۶۹-۷۰)

کسی نبی کے شایان شان اس وقت تک قیدی
(رہنا) نہیں ہے جب تک کہ وہ زمین پر اچھی طرح رکھ کر
(کا) خون نہ بہا لے (اسے مسلمانوں) تم (اپنے لیے) دنیا
کا مال چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لیے) آخرت کا ارادہ
فرماتا ہے اور اللہ بڑا غالب اور بہت حکمت والا ہے
اگر پہلے سے (معافی کا حکم) اللہ کی طرف سے لکھا ہوا
نہ ہوتا تو تم نے جو (مال) لیا تھا اس کی وجہ سے تم کو ضرر
بڑا مذهب پہنچتا۔ سو اب اس مال غنیمت کو کھاؤ جو تم نے
حاصل کیا ہے وہاں حاکم وہ حلال و طیب ہے اور
اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ بہت
بخشنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اس اعتراض کی وضاحت کے لیے ضروری ہے کہ پہلے جنگ بدر کے قیدیوں کو آزاد کرنے کی پوری تفصیل بیان
کی جائے۔

بدر کے جنگی قیدیوں کی رہائی کا پس منظر بیان کرتے ہوئے علامہ آکوسی لکھتے ہیں : امام احمد اور امام ترمذی نے
سند حسن کے ساتھ امام طبرانی اور امام حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بدر
کے دن جب قیدیوں کو رہا کیا گیا (جن میں عباس بھی تھے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ان قیدیوں کے بارے

میں تہاری کیا لائے ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ آپ کی قوم اور آپ کے خاندان کے لوگ ہیں، ان کو زندہ رہنے دیں شاید کہ اللہ تعالیٰ ان کو قرب کی توفیق مرحمت فرمائے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، آپ کو ہجرت پر مجبور کیا اور آپ سے جنگ کی، آگے بڑھے اور ان کی گردنیں اتار دیجئے! حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا: یا رسول اللہ! دیکھئے! یہ گھنٹی لکڑیوں کی واوی ہے اس کو آگ لگا دیجئے! عباس نے یہ سن کر کہا تم نے رجم کے رشتے توڑ دیے! نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے اور آپ نے کوئی جواب نہیں دیا، بعض صحابہ نے کہا: آپ نے حضرت ابوبکر کا مشورہ قبول کیا ہے اور لیکن نے کہا آپ نے حضرت عمر کی رائے قبول کر لی ہے اور لیکن نے کہا آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کا قول پسند کیا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو نرم کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ دودھ سے زیادہ رقیق ہو جاتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو سخت کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ پتھر سے زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ اے ابوبکر! تہاری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے فرمایا تھا: فمن تبعني فانه مني ومن عصاني فانه غفور رحيم "جو میری پیروی کرے وہ میرے طریقہ پر ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو مجھے دلا ہوا ہے" اہل تہارہ غافل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے فرمایا: ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم "اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب اور حکمت والا ہے" اور اے عمر! تہاری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے کہا تھا: دينا اطمس على اموالهم واشدد على قلوبهم فلا يؤمنوا حتى يوروا العذاب الا ليعبر "اے ہمارے رب! ان کے اموال کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے تاکہ یہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں" اور اے عمر! تہاری مثال حضرت نوح علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے کہا تھا: ما ب الا قد را عسى الا من الكافرين ديارا "اے میرے رب! کافروں میں سے زمین پر، کوئی بے دلائلہ چھوڑ" تم لوگ فقر اور برسر کسی شخص کو گردن مارے بغیر یا فدیہ لیے بغیر نہ چھوڑنا، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! سہل بن بیضاء کو چھوڑ دیں کیونکہ میں نے اس کو اسلام کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے سنا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، (حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں نے اس دن سے زیادہ کبھی اپنے آپ کو خوف زدہ نہیں محسوس کیا مجھے ڈر تھا کہ اس دن آسمان سے پتھر برسے گئیں گے! حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سہل بن بیضاء کے ماسوا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے پر عمل کرنے کا قصد کیا اور میری لائے پر عمل کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا اور قیدیوں سے فدیہ لے لیا دوسرے دن میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے دور سے تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتلائیے کہ آپ اور آپ کے صاحب کس وجہ سے دور سے ہیں اگر مجھے رونا آیا تو میں بھی رونوں گا ورنہ آپ دونوں کے رونے کی وجہ سے رونے کی کوشش کروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تہارے اصحاب کے فدیہ لینے کی وجہ سے رو رہا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ایک

درخت تھا، آپ نے فرمایا اس درخت کے قریب مجھ پر ان لوگوں کا عذاب پیش کیا گیا تھا! ابن جریر نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: لَوْلَا كُتِبَ مِنْ اللَّهِ سَبْقٌ لِمُكْرِمِيهَا اخذتم عذاب عظیم۔ ”اگر پہلے سے معافی کا حکم اللہ کی طرف سے لکھا ہوتا تو تم نے (کافروں) کو (غذیہ کا مال) دیا تھا اس کی وجہ سے تم کو ضرور بڑا عذاب پہنچتا“ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر آسمان سے عذاب نازل ہوتا تو عمر بن الخطاب اور سعد بن معاذ کے سوا لوگوں میں سے کوئی عذاب نہ پہنچتا کیونکہ انہوں نے کفار کے خون بہانے کو زیادہ پسند کیا تھا۔“

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ بدر کے قیدیوں کو غزیہ سے کر رہا کرنا کوئی پسندیدہ امر نہ تھا ورنہ اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ۔ ”کسی نبی کے شایان شان اس وقت تک قیدی بنانا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ زمین پر اچھی طرح کافروں کا خون نہ بہائے“ میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز نے فرمایا جنگ بدر میں مسلمان کافروں کا خون بہا دیا گیا تھا اور مسلمان کافروں کا خون بہانے کے بعد باقی ماندہ کو قید کر لیا گیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کافروں کا خون بہانے کے بعد مسلمان کو گرفتار کیا تھا۔ رسولائے قریش میں سے جو نامہ قریش کے سپہ سالار تھے ایک ایک کر کے مارے گئے، ان میں شیبہ، عقبہ، ابو جہل، ابوالجحر بنی، زبیر بن الاسود، عامر بن ہشام، اُبَی بن خلف اور صفیہ بن النجاشی کفار قریش کا جنگی طاقت میں ریڑھ کی ہڈی تھے۔ ان لوگوں کے اسے جانے سے کفار قریش کی کمزوری چکی تھی، لہذا کفار قریش کے منہ پر سمیت مسلمان کافروں کا خون بہانے کے بعد مسلمان کافروں کو قیدی بنانا قرآن مجید کی اس آیت کے عین مطابق تھا بَلَّغْ أَسْرَىٰ اس وقت ناپسندیدہ اور اس آیت کے خلاف ہوتا جب جنگ میں کسی کافر کا خون بہائے بغیر کافروں کو گرفتار کر لیا جائے اور جب مسلمان کافروں کا خون بہانے کے بعد مسلمان کافروں کو گرفتار کیا گیا تو پھر آپ کا یہ عمل ناپسندیدہ کیسے ہو سکتا ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا: تَوَيْدٌ مِّنْ عِصْيَانِ الْإِنْسَانِ وَاللَّهُ يُوَيِّدُ الْآخِرَةَ (انفال: ۶۷) (تمہارے لیے) آخرت کا ارادہ فرماتا ہے۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں ان صحابہ کو طاعت کی گئی ہے جنہوں نے غزیہ سے کر قیدیوں کو آزاد کرنے کا مشورہ دیا تھا، لیکن حقیقت یہ خطاب ان تمام صحابہ کرام کی طرف متوجہ نہیں ہے بلکہ اس آیت کا دوسرے معنی ان بعض مسلمانوں کی طرف ہے، جنہوں نے نیا یا اسلام قبول کیا تھا اور مال دنیا کی طمع میں غزیہ لینے کی خواہش کی تھی، ورنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مال دنیا کی طمع سے بری ہیں ان کا مشورہ اس وجہ سے تھا کہ ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ لوگ اسلام لے آئیں اور اسلام کی نشر و اشاعت میں اہل فطرت ہو اور مسلمانوں کو شرکت اور غلبہ حاصل ہو حضرت ابوبکر نے جو غزیہ سے کر قیدیوں کو رہا کرنے کا مشورہ دیا تھا وہ آخرت ہی کی بناء پر تھا اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو قبول فرمایا تھا، لہذا یہ آیت قیدیوں کو رہا کرنے کے خلاف نہیں ہے۔

ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اگر قیدیوں کو رہا کرنا جائز اور صحیح تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا: لَوْلَا كُتِبَ مِنْ اللَّهِ سَبْقٌ لِمُكْرِمِيهَا (معافی کا حکم) اللہ کی طرف سے

بہر وقت۔

۱۔ علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی مترن ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۱۰، ص ۳۵-۳۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی

اخذتم عذاب عظیم۔

(انفال: ۸/۶۸)

لکھا ہوا نہ ہوتا تو تم نے جرمال لیا تھا اس کی وجہ سے تم کو ضرور بڑا عذاب پہنچتا۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فدیہ لینے کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق تھے، کیونکہ اس سے پہلے فدیہ لینے سے مانعت نہیں کی گئی تھی پھر فدیہ لینا عذاب کا سبب نہ کیے ہو سکتا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلی شریعتوں میں مال غنیمت لینا حرام تھا اور ابھی اس کے حلال ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور جب مسلمانوں نے بلا اجازت کافروں کا مال غنیمت لوٹ لیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لعل تحل الغنائم لاحد سود الروثوس من قبلکم کانت تنزل نارا من السماء فتاکلھا قال سلیمان الاعمش فمن یقول هذا الا ابو ہریرۃ الان فلما کان یوم بدر وقعوا فی الغنائم قبل ان تحل لھم فاتزل اللہ لولا کتاب من اللہ سبق لکم فیما اخذتم عذاب عظیم هذا حدیث حسن صحیح۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے بنی آدم میں سے کسی کے لیے صحن مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا، آسمان سے ایک آگ نازل ہوئی اور مال غنیمت کو کھا لیتی سلیمان اعمش نے کہا اس بات کو اب ابو ہریرہ کے سوا کون بیان کر سکتا ہے اور جب جنگ بدر ہوئی تو مال غنیمت کی حلت کے حکم نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں نے مال غنیمت لوٹنا شروع کر دیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: اگر پہلے سے (معاذی اللہ) اللہ کی طرف سے لکھا ہوا نہ ہوتا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے جب تک آپ ان میں ہیں ان پر عذاب نازل نہیں ہوگا (تو تم نے جرمال لیا تھا اس کی وجہ سے تم کو ضرور بڑا عذاب پہنچتا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس صحیح حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اس آیت کا تعلق فدیہ لینے سے نہیں ہے بلکہ بلا اجازت مال غنیمت لوٹنے سے ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس سے بعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت لینے کی عام اجازت دے دی چنانچہ ارشاد ہے:

فکلو مما غنمتم حلالاً طیباً۔

(انفال: ۶۹)

سوا اس مال غنیمت کو کھاؤ جو تم نے حاصل کیا ہے درآن حالیکہ وہ حلال، طیب ہے۔

اس بحث سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ سورہ انفال کی ان آیات میں قیدیوں سے فدیہ لے کر انھیں رہا کرنے کی مذمت نہیں کی گئی بلکہ بلا اجازت مال غنیمت لینے پر ملامت کی گئی ہے اور اگر بالخصوص ان آیات کا ربط قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کرنے سے ہی جوڑا جائے تو اس ملامت کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں کفار کی بیخ کنی ہی مطلوب تھی، اس وجہ سے کفار کو قتل نہ کرنے اور گرفتار کرنے کو نا پسندیدہ قرار دیا لیکن بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت اور غلبہ عطا فرمایا اور مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تو پھر یہی حکم نازل ہوا کہ میدان جنگ میں کافروں کی گردنیں اڑا دو پھر ان کو

گرفتار کرو اور گرفتار کرنے کے بعد یا ان کو قیدیہ کر چھوڑ دو یا بلا قیدیہ رہا کر دو چنانچہ علامہ اوسمی لکھتے ہیں:

امر بالاثخان و نہی عن اخذ الفدیۃ
 حیث کان الاسلام غصنا وشوکتا اعدائہ
 قویۃ وخیر بینہ و بین امن بقولہ تعالیٰ
 فاما منا بعد و اما قداء لما تحولت
 الحال واستغلظ زرع الاسلام
 واستقام علی سوقہ - ۱۰

جب اسلام نیک کمزور شاخ کی مانند تھا اور دشمنان اسلام بہت قوی تھے تو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے خون بہانے کا حکم دیا اور قیدیہ لینے سے منع کیا (فی الواقع اللہ تعالیٰ نے قیدیہ لینے سے منع نہیں کیا۔ سعیدی) اور جب مسلمانوں کی حالت سنبھل گئی اور شجر اسلام اپنے تنے پر مضبوطی سے قائم ہو گیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو قیدیہ سے کمر قیدیوں کو چھوڑ دیں اور اگر چاہیں تو بغیر قیدیہ کے اٹھنا اور احساناً قیدیوں کو رہا کر دیں اور فرمایا فاما منا بعد و اما قداء۔

بدر کے قیدیوں کو آزاد کرنے پر امام رازی اور مصنف کے جوابات

سورۃ انفال کی ان آیات سے جو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی طرح خون بہانے بغیر کفار کو قید کر لیا، اور قیدیہ سے کمر قیدیوں کو آزاد کیا اور ان افعال پر اللہ تعالیٰ نے عتاب نازل فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے یہ حکم نازل فرما چکا تھا کہ:

فأضربوا فوق الأعناق واضربوا منهم
 کل بنان - (انفال: ۱۲)

امام رازی نے ان نکات پر بڑی نفیس بحث کی ہے، لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ: ما کان لنبی ان یکون لہ اسری - "کافروں کا اچھی طرح خون بہانے بغیر ان کو قید کرنا کسی نبی کی شان کے لائق نہیں ہے" اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اچھی طرح خون بہانے کے بعد کافروں کو قید کرنا جائز ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یم بدر کو صحابہ کرام نے کافروں کی ایک بہت بڑی تعداد کو قتل کیا تھا اور زمین میں اچھی طرح خون بہانے کی یہ شرط نہیں ہے کہ تمام لوگوں کو قتل کر دیا جائے اور قتل کرنے اور خون بہانے کے بعد صحابہ نے کافروں کو قید کیا تھا اور اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اچھی طرح خون بہانے کے بعد کافروں کو قید کرنا جائز ہے اور جب صحابہ کرام نے ایک جائز کام کیا تھا تو اس آیت سے یہ استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے یا معاذ اللہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی گناہ یا مصیبت کی تھی، خاص طور پر جب کہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں خود اس فعل کا حکم لا دے کر اس کے جواز کو مؤکد کر دیا، چنانچہ فرمایا:

فإذا لقیتم الذین کفروا فضرِب
 الرقاب حتی اذا اثنختموه فشدوا

۱۰۔ علامہ ابراہیم الفضل شہاب الدین سید محمد اوسمی صنفی مترقی ۱۲۵ھ، روح المسانی ج ۱۰ ص ۲۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

الوثاق فاما منا بعد واما فدا ۱۰۰ -
(محمد: ۴)

عون بہا چکو تو میر ان کو مضبوطی سے باندھ لو اس کے قیدی
اختیار ہے) غولہ محض ان پر احسان کر کے انہیں رہا کر دیا
ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو۔

باقی رہا یہ کہ جب یہ ایک جائز کام تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے عتاب کیوں نازل فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زمین
پراچی طرح خون بہانے کی کوئی حد اور مقدار نہیں ہے اور اس کا تعین اور انضباط نہیں ہے بلکہ اس سے یہ مقصود ہے کہ اس
قدر کثرت سے کافروں کو قتل کیا جائے کہ کفار کے دلوں پر رعب پڑے اور سببت چھا جائے تاکہ وہ دوبارہ مسلمانوں کے
جنگ کرنے کی جرأت نہ کریں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حد تک کافروں کو قتل کرنا اجتہاد پر موقوف ہے اس لیے یہ
ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گمان فرمایا ہو کہ جس قدر کافروں کو قتل کیا جا چکا ہے ان سے یہ مقدار حاصل
ہو گئی ہے اور فی الواقع وہ مقدار حاصل نہ ہوئی ہو تو یہ آپ کی اجتہادی خطا ہے کیونکہ اس حد کے سلسلہ میں کوئی نص
نازل نہیں ہوئی تھی اور ہر چند کہ اجتہادی خطا بھی موجب اجر و ثواب ہوتی ہے اور اس پر مؤاخذہ یا ملامت نہیں ہوتی،
لیکن مقربین قرب الہی کے اس وجہ پر فائز ہوتے ہیں کہ نیکو کاروں کی نیکیاں بھی ان کے ان برائی کے حکم میں ہوتی ہیں
اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے انرا و لطف و محبت بطور تعریف فرمایا: کسی نبی کی شان کے لائق نہیں کہ وہ اچھی طرح خون بہا
بغیر کفار کو قیدی بنائے اصرار یہ نہیں فرمایا کہ تمہیں ان کو قیدی بنانا نہیں چاہیے تھا یا تمہارا یہ اقدام غلط تھا بلکہ تعریف اور
کناہ سے کام لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی عظمت اور مرتبہ کی رفعت کو ظاہر فرمایا! کیونکہ ایسے مواقع پر صراحت کو
چھوڑ کر انہیں کے لیے تعریف اور کناہ سے کام لیا جاتا ہے جن کا مرتبہ بلند اور پایہ اونچا ہو!

ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں سرکے بدر کے متعلق ہے: فأضربوا فوق الاعناق واضربوا منهم
کلی بطن (انفال: ۱۲) ”سو کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور کافروں کے ہر ہڈ پر ضرب لگاؤ“
اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام کافروں کو قتل نہیں کیا اور ستر کافروں کو قید کر لیا تو اس حکم کی مخالفت ہوئی، اس کا امام
رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منہ سے کفار کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، یہ خطاب
صحابہ کو تھا اور جب انہوں نے سب کافروں کو قتل کرنے کی بجائے بعض کافروں کو گرفتار کر لیا تو یہ حکم مدلولی ان صحابہ سے
ہوئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گرفتار کیا تھا و گرفتار کرنے کا حکم دیا تھا آپ کو شروع میں اس کا حکم ہوا، جب صحابہ
نے ان کو گرفتار کر لیا تب آپ کو حکم ہوا اگر یہ کہا جائے کہ جب آپ کو حکم ہو گیا تھا تو پھر آپ کو چاہیے تھا کہ آپ کافروں
کے قتل کا حکم دیتے تاکہ اس آیت پر عمل ہو جاتا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم حالت جنگ کا ہے یعنی حالت جنگ میں کفار
کی گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر ہڈ پر ضرب لگاؤ، یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ان قیدیوں کے
بارے میں مشورہ لیا کہ ان کو قتل کیا جائے یا رہا کیا جائے اگر حالت جنگ کے بعد بھی ان کو قتل کرنے کا حکم ہوتا تو آپ
اس معاملہ میں صحابہ سے مشورہ نہ لیتے۔ ۱۰۰

مصنف کے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ حکم فرشتوں کو دیا گیا تھا یا

مسلمانوں (صحابہ) کو۔ قرآن مجید کے سیاق و سباق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم فرشتوں کو ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
 اذ یوحی دیک الی السلا ثکة ا فی معکم
 فتثبتوا الذین آمنوا سالتی فی قلوب الذین
 کفروا الرعب فاضربوا فوق الاعناق و
 اضربوا متھم کل بنان۔

(انفال: ۱۲)
 اور جب یہ حکم فرشتوں کو دیا گیا تھا تو پھر کفار کے قید کرنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی اعتراض ہے نہ صحابہ کرام پر، اس سوال کا دوسرا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ستم کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ یہ نہیں فرمایا کہ تمام کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور کسی کو زندہ نہ چھوڑو، لہذا جب صحابہ کرام نے ستم کافروں کو قتل کر دیا تو اس آیت کے حکم پر عمل ہو گیا اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے سب کافروں کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور گرفتار کرنے سے منع نہیں کیا تھا اس لیے اگر صحابہ نے بعض کافروں کو گرفتار کر کے قید کر لیا تو اس میں انہوں نے کوئی حکم عدولی اور گناہ نہیں کیا اور جب کہ بعد میں وہ کافر اسلام سے آئے اور اللہ تعالیٰ نے سورہ محمد میں خود جنگ کے بعد کافروں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا یہ اقدام میں منشاء الہی کے مطابق تھا واللہ الحمد علی ذلک۔

مشرکین کو قتل کرنے کے عمومی حکم سے جنگی قیدیوں کو مستثنیٰ کرنے پر دلائل جنگی قیدیوں کو زندہ کرنا

اور غلام بنانے کے سلسلے میں ہم نے بدر کے جنگی قیدیوں کو آزاد کرنے کی تفصیل اور اس پر اعتراضات اور جوابات کو بیان کیا اس سے ہمارا مقصد یہ بتانا ہے کہ اسلام میں جنگی قیدیوں کو زندہ کرنا اور غلام بنانا حرام نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جنگی قیدیوں کو زندہ کر کے کر یا بلا غدیہ آزاد کر دینا ہے اور قرآن مجید میں بھی ولایت ہے جیسا کہ سورہ محمد کی آیت "فاما من بعد واما فداء" سے واضح ہے اور بعض فقہاء کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ آیت "فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم دروبہ" (۵) "مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو" سے منسوخ ہے کیونکہ مشرکین کو قتل کرنے کا حکم حالت جنگ پر محمول ہے یعنی حالت جنگ میں مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو، اگر یہ حکم عام ہوتا یعنی جنگ ہو یا امن ہر حال میں مشرکین کو قتل کر دو تو مستان اور اہل ذمہ کو بھی قتل کرنا واجب اور ضروری ہوتا، حالانکہ تمام فقہاء نے مستان اور ذمیوں کو اس آیت کے حکم سے مستثنیٰ کیا ہے۔ مستانوں کے استثناء پر یہ آیت دلیل ہے:

وان احد من المشرکین استجارک
 فاجره حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلف
 مامنہ ذلک بانہم قوم لا یعلمون۔

اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیجئے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے پھر آپ اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیجئے یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ علم نہیں رکھتے۔

(توبہ: ۶)
 اس آیت سے مشرکین کو قتل کرنے کے حکم سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو پناہ اور امن حاصل کر کے دارالاسلام

میں داخل ہوں۔ اور اہل ذر کے استثناء پر یہ آیت دلیل ہے:

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا
يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ
صَاغِرُونَ -

(توبہ: ۲۹)

اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جنگ کرو
جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اللہ اور اس
کے رسول نے جو حرام کیا ہے اس کو حرام نہیں قرار دیتے
اور دین حق کو نہیں اپناتے ان سے اس وقت تک جنگ
کرو جب تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے
بن کر (یعنی مسلمانوں کے تابع بن کر) رہیں۔

اس آیت سے مشرکین کو قتل کرنے کے حکم سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کر لیا گیا ہے جو جزیہ ادا کریں اور مسلمانوں
کی حکومت تسلیم کر کے مسلمانوں کی حکمرانی کے تحت زندگی گزاریں۔

جس طرح مشرکین کو قتل کرنے کے حکم سے قرآنِ مجید نے منافقین اور فریبوں کو مستثنیٰ کیا ہے اسی طرح اس حکم سے
جنگی قیدیوں کو بھی مستثنیٰ کیا ہے اور اس استثناء پر یہ آیت دلیل ہے:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ
الرِّقَابِ حَتَّى إِذَا أَثْبَتْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا
الْوُثَاقَ فَمَا مِنْهُم مَّنْ بَعْدَ ذَلِكَ فِدَاءٌ حَتَّى
تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْثَارَهَا -

(محمد: ۴)

سورج ب تہا کفار سے مقابلہ ہو تو (تہا پہلا حکم)
ان کی گردنیں مارنا ہے حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو
تو پھر ان کو مضبوطی سے باندھو، (اس کے بعد تمہیں اختیار
ہے خواہ مخزن ان پر احسان کر کے ان کو رہا کر دو یا ان سے
غذیہ لے کر انھیں آزاد کر دو) تا آنکہ جنگ اپنے اختیارِ قتال

اور اس آیت کی رو سے جنگی قیدی، مشرکین کو قتل کرنے کے عام حکم سے مستثنیٰ ہیں لہذا قَاتِلُوا
الْمُشْرِكِينَ حَتَّى وَجَدْتُمُوهُمْ (توبہ: ۵/۹) "موتم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو" اور قَاتِلُوهُمْ
حَتَّى تُقَبِّلْتُمُوهُمْ (نساء: ۹۱) "تم ان کو جہاں پاؤ قتل کرو" حرب اور جنگ کی حالت پر محمول ہیں۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمذی، اور امام ابن جریر نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے
روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک کے بارے میں دو مسلمانوں کا ذکر کیا، (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۹،
مطبوعہ کراچی) نیز امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی قیادت میں ایک لشکر جنگ کے لیے گیا۔ حضرت ابوبکر
نے حضرت سلمہ کو ایک مشرک عورت بطور باندی انعام میں دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عورت حضرت سلمہ سے واپس
لے لی اور اس کو غنیمت میں دے کر ان مسلمانوں کو چھڑایا جو مکہ میں کفار کی قید میں تھے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۹، مطبوعہ نور محمد کراچی،
ان حدیثوں میں جنگی قیدیوں کے تبادلہ کی دلیل ہے، سعیدی)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: علامہ ابن ہمام نے کہا ہے کہ مشرکین کو بالعموم قتل کرنے کا حکم جنگی قیدیوں کے مابین سے
کیونکہ ان کو غلام بنانا بھی جائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ جنگی قیدی قتل کرنے کے حکم سے مستثنیٰ ہیں (علامہ ابن ہمام کی مفصل مباحث)

علامہ ابن الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۳۲ ص ۴۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

ہم اس سے پہلے نقل کر چکے ہیں۔) قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی خصوصاً صریح سے یہ واضح ہو گیا کہ جنگی قیدیوں کو یا تو تفضلًا اور احسانًا نیز کسی عوض کے چھڑ دینا چاہیے یا مسلمان جنگی قیدیوں سے ان کا تبادلہ کر لینا چاہیے یا مال کے بدلہ میں جنگی قیدیوں کو رہا کر دینا چاہیے۔ اور اب چونکہ دنیا میں جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا رواج نہیں رہا اور وہ وجہ باقی نہیں رہی جس وجہ سے جنگی قیدیوں کو غلام بنایا جاتا تھا اس لیے اب جنگی قیدیوں کو غلام بنانا جائز نہیں ہے، کیونکہ انسان محروم کائنات ہے اور انسان کو انسان کا غلام بنانا انسان کے شرف اور اس کی فیصلت کے خلاف ہے اور اب تمام دنیا میں اس فعل کو نا پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور انسانیت کے شرف اور اس کی اعلیٰ اقدار کا سب سے بڑا حامی اور علمبردار دین اسلام ہے اس لیے اب اسلام میں اس مکرورہ فعل کا جواز نکالنا اسلام کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور تحقیق یہ ہے کہ اب جنگی قیدیوں کو غلام بنانا جائز نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر ہم نے شرح صحیح مسلم جلد رابع کتاب التناق میں بھی مفصل گفتگو کی ہے اور اس مسئلہ میں اسلام کا نقطہ نظر تمام پہلوؤں سے سمجھنے کے لیے کتاب التناق کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے۔

مال غنیمت کی تقسیم علامہ ابوالحسن ریفیانی حنفی لکھتے ہیں: ہدیہ لشکر مال غنیمت کی تقسیم کرے گا اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ نکال کر باقی چار حصے لشکر میں تقسیم کر دے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فان للہ خمسہ مال غنیمت کا خمس اللہ کے لیے ہے، اور باقی چار حصے لشکر میں تقسیم کرنے کی اصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کے چار حصے صحابہ دین میں تقسیم کر دیے تھے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک گھوڑے سوار کو دو حصے دیے جائیں اور پیدل کو ایک حصہ دیا جائے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد نے یہ کہا ہے کہ گھوڑے سوار کو تین حصے دیے جائیں، امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے سوار کو تین حصے دیے اور پیدل کو ایک حصہ دیا (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن ابن ماجہ) اور امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے سوار کو دو حصے دیے اور پیدل کو ایک حصہ دیا (حضرت ابن عباس سے یہ روایت نہیں ہے، سنن ابو داؤد میں شیخ بن جابر انصاری سے طبرانی میں مظاہر بن عمرو سے اور سنن ابن مردودہ میں حضرت عائشہ سے روایت ہے۔ نصب الرایۃ ج ۲ ص ۴۱۴-۴۱۶) اور یہ دونوں فعل کی حدیثیں متعارض ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یہ ہے کہ للفارس سہمان وللراجل مسہد۔ گھوڑے سوار کے دو حصے ہیں اور پیدل کا ایک حصہ ہے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے گھوڑے سوار کو دو حصے دینے کی بھی روایت ہے اور جب ان کی روایت میں خود بھی تناقض ہے تو ان کی اس روایت پر عمل کیا جائے گا جو دوسرے صحابہ کی روایات کے مطابق ہے۔ اے

علامہ ریفیانی حنفی لکھتے ہیں: غلام عورت، بچے اور ذمی کو مال غنیمت سے پورا حصہ نہیں دیا جائے گا البتہ ان کو غنیمت کا حصہ دیا جائے گا کیونکہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں، بچوں اور غلاموں کے لیے مال غنیمت کا حصہ نہیں نکالتے تھے اور ان کو غنیمت کا حصہ دیتے تھے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں سے یہودیوں کے خلاف مدد حاصل کرتے تو ان کو مال غنیمت سے کچھ حصہ نہیں دیتے تھے، نیز جہاد عبادت ہے اور ذمی عبادت کے الی نہیں ہیں، اور بچے اور عورتیں

جہاد کرنے سے عاجز ہیں اسی وجہ سے ان پر جہاد فرض بھی نہیں ہے اور غلام مولیٰ کے تباہی ہے اس کی اجازت کے بغیر جہاد نہیں کر سکتا، البتہ ان کو جہاد پر براہِ نیکی سے کرنے کے لیے تھوڑا سا مال دیا جائے گا۔ ۱۷

خمس کی تعریف | خمس کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رسول کی تعریف واعلموا انما غنمتم من شيء فان لله خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتیمی والمسکین وابن السبیل۔

اور اے مسلمانو! جان لو کہ تم مالِ غنیمت سے جو کچھ حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول، رسول کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور

(۳) رفعتی :

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر افتتاح کلام کے لیے تبرکاً ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حصہ کو خاد کعبہ اور دیگر جامع مسجدوں میں خرچ کیا جائے گا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دھال کے بعد مال غنیمت سے آپ کا حصہ ساقط ہو گیا، جیسا کہ آپ کے دیگر عمومی اخراجات ساقط ہو گئے۔ لام شامی یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ خلیفہ پر خرچ کیا جائے گا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا حصہ وہ تھا جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ اعتبار نصرت کے ان پر خرچ کرتے تھے کیونکہ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک اہل حق انگلیاں دوسرے اہل حق انگلیوں میں ڈال کر مٹھی بند کر کے فرمایا یہ لوگ میرے ساتھ زمانہ جاہلیت اور اسلام میں اس طرح ساتھ رہے ہیں اور آپ کے دھال کے بعد اگر آپ کے قرابت دار غنیاء میں تو غنایہ کی وجہ سے ان کا حصہ ساقط ہے اور اگر فقراء میں تو پھر ان کا حصہ فقر اور میں داخل ہو جائے گا، لہذا اب اس آیت میں صرف تین اقسام کی ہیں: یتامی، مساکین اور مسافروں۔

علاوہ اہل نفس مر فیضانی کہتے ہیں نفس کے تین حصے کیے جائیں گے۔ ایک حصہ یتیموں کے لیے ایک حصہ مسکینوں کے لیے اور ایک حصہ مسافروں کے لیے اور یہی صلی اللہ علیہ وسلم کے غریب قرابت دار فقر امرو میں داخل ہیں اور آپ کے قرابت داروں میں جو غنی ہوں ان کو نفس میں سے حصہ نہیں ملے گا، امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کو نفس کا پانچواں حصہ ملے گا اس میں غنی اور فقیر دونوں برابر ہیں، اس کی تقسیم ان میں اس طرح ہوگی کہ مردوں کو عورتوں سے دو گنا ملے گا قرابت میں بزرگتر اور بزرگتر مطلب ہیں، ان کے علاوہ (بنو عبد شمس اور بنو نوفل وغیرہ) کو نہیں دیا جائے گا۔

ہمارے دلیل یہ ہے کہ خلفاء راشدین نے مال خمس کے تین حصے کیے تھے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے اور ہمارے لیے ان کی امتداد کافی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے نبوہاظم اللہ تعالیٰ نے اُنے تمہارے لیے لوگوں کے مال کا میل دھوون ناپسند کیا ہے اور اس کے عوض تم کو خمس کا پانچواں حصہ دیا ہے اور عوض اس کے لیے ہوتا ہے جس کے لیے عوض ہوا اور جب معمول یعنی زکوٰۃ نبوہاظم اور انبیاء کے لیے ثابت نہیں ہے بلکہ فقہاء کے لیے ہے تو اس کا عوض بھی نبوہاظم اور انبیاء کے لیے نہیں ہو سکتا، اور اگر یہ اعتراض ہو کہ پیغمبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خمس کا پانچواں حصہ کیوں دیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے ان کو یہ حصہ بطور خمس کے نہیں دیا بلکہ بطور نصرت کے دیا تھا۔ ۷

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرعشی نجفی حنفی متروکی ۱۲۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۵۵۵، مطبوعہ مکتبہ المدنیہ لبنان

۵۶- " * " ، در ایہ اولین ص ۵۵۶ ، " " "

بَابُ اسْتِعْقَاقِ الْقَاتِلِ سَلْبَ الْقَتِيلِ

مقتول کے سلب پر قاتل کا استحقاق

ابو محمد انصاری جو حضرت ابرقہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے انہوں نے کہا کہ حضرت ابرقہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور حدیث بیان کی۔

حضرت ابرقہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی۔

حضرت ابرقہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم غزوہ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گئے جب مقابلہ ہوا تو مسلمانوں نے ایک بار بھاگنے کے بعد پھر حملہ کیا، میں نے دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان پر چھایا ہوا ہے، میں گھوم کر اس کے پیچھے گیا اور اس کے شانہ پر تلوار ماری (جو زرد کاٹ کر اندر چلی گئی) وہ میری طرف مڑا اور مجھ کو پکڑ کر اس طرح دوپچا کہ مجھے موت نظر آنے لگی پھر اس کو موت نے آلیا اور اس نے مجھ کو چھوڑ دیا، میں حضرت عمر بن الخطاب کے پاس گیا انہوں نے کہا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ میں نے کہا اللہ کا حکم! پھر رگ پلٹ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا جس نے کسی شخص کو قتل کیا اور اس پر کوئی گواہ ہو تو اس مقتول سے چھینا ہوا مال اس قاتل کو ملے گا، حضرت ابرقہ کہتے ہیں میں کھڑا ہوا اور میں نے کہا میرا کون گواہ ہے؟ پھر آپ نے اسی طرح فرمایا میں نے پھر کھڑے ہو کر کہا میرا کون گواہ ہے؟ پھر میں بیٹھ گیا، آپ نے پھر میری بار فرمایا، میں پھر کھڑا ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابرقہ کیا بات ہے؟ میں نے آپ سے واقعہ بیان کیا تو میں سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! یہ سچ کہہ رہا ہے اس مقتول کا سامان میرے پاس ہے اب آپ کی کوئی حاجت

۲۲۵۱- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ كَثِيرٍ بْنِ أَفْلَحَ عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ الْأَنْصَارِيِّ وَكَانَ جَلِيسًا لِأَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ أَبُو قَتَادَةَ وَاقْتَصَّ الْحَدِيثَ -

۲۲۵۲- وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ كَثِيرٍ عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ قَالَ وَسَاقَ الْحَدِيثَ -

۲۲۵۳- وَحَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ وَخُزَمَةُ وَاللَّفْظُ لَنَا أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهَبٍ قَالَ سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ يَقُولُ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ كَثِيرٍ بْنِ أَفْلَحَ عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حُنَيْنٍ فَلَمَّا اتَّفَقْنَا كَانَتْ لِلْمُسْلِمِينَ جَوْلَةٌ قَالَ فَرَأَيْتُمْ رَجُلًا مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَدْ عَلَا رَجُلًا مِّنَ الْمُسْلِمِينَ فَاسْتَدْرَكَ إِلَيْهِ حَتَّى آتَيْنَاهُ مِنْ تَوْرَآئِهِ فَضَرَبَتْهُ عَلَى حَبْلِ عَاتِقِهِ وَأَقْبَلَ عَلَيَّ فَضَمَّنِي صَنْمَةً وَجَدْتُ مِنْهَا رِيحَ الْمَوْتِ ثُمَّ أَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَأَرْسَلَنِي فَلَمَّا حَقَّتْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ مَا لِلنَّاسِ فَقُلْتُ أَمْرُ اللَّهِ ثُمَّ إِنَّ النَّاسَ رَجَعُوا وَجَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا لَهُ عَلَيْهِ بَيْتَةٌ فَلَهُ سَكْبَةٌ قَالَ فَقُبْتُ فَقُلْتُ مَنْ

يَشْهَدُ لِي ثُمَّ جَلَسْتُ ثُمَّ قَالَ مِثْلُ ذَلِكَ فَقَالَ فَقُمْتُ فَقُلْتُ مَنْ يَشْهَدُ لِي ثُمَّ جَلَسْتُ ثُمَّ قَالَ ذَلِكَ الْمَسْأَلَةُ فَقُمْتُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَكَ يَا أَبَا قَتَادَةَ فَقَصَصْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ صَدَقَ يَا رَسُولَ اللَّهِ سَكَبُ ذَلِكَ الْقَيْتِيلِ عِنْدِي فَأَرْضِيهِ مِنْ حَقِّهِ وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ لَا هَذَا اللَّهُ إِذَا لَا يَحْمَدُ إِلَى أَسَدٍ مِنْ أَسَدِ اللَّهِ يُقَاتِلُ عَنِ اللَّهِ وَعَنْ رَسُولِهِ فَيُعْطِيكَ سَكْبَةً فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ فَأَعْطَانِي فَتَالَ فَبِعْتُ الدَّرْعَ فَأَتَيْتُ بِهِ مَخْرَفًا فِي بَنِي سَلَمَةَ فَأَمَنَهُ لَا قَوْلَ مَالٍ تَأْتَلُّهُ فِي الْإِسْلَامِ وَفِي حَدِيثِ اللَّيْثِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ كَلَّا لَا يُعْطِيهِ أَصِيبُهُ مِنْ كَرِّ لَيْثٍ وَيَدْعُ أَسَدًا مِنْ أَسَدِ اللَّهِ وَفِي حَدِيثِ اللَّيْثِ لَا قَوْلَ مَالٍ تَأْتَلُّهُ -

۳۴۵۴ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ أَخْبَرَنَا يُونُسُ بْنُ النَّبَاحِ جُشُونٌ عَنْ صَالِحِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّهُ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا وَاقِفٌ فِي الصَّفِّ يَوْمَ بَدْرٍ نَظَرْتُ عَنْ يَمِينِي وَشِمَالِي فَإِذَا أَنَا بَيْنَ غُلَامَيْنِ مِنَ الْأَنْصَارِ حَدِيثُهُ أَشْنَأُ نُهُمَا كَمَتْنِي لَوْ كُنْتُ بَيْنَ أَضْلَمَ مِنْهُمَا فَعَمَزَ فِي أَحَدِهِمَا فَقَالَ يَا عَمْرُ هَلْ تَعْرِفُ أَبَا جَهْلٍ

دیں کہ یہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائے، حضرت ابو بکر صدیق نے کہا: نہیں! خدا کی قسم! ہرگز نہیں! ایک لشکر کا شیر لشکر اور اس کے رسول کی طرف سے لڑے اور وہ اپنا سب (چھینا ہوا مال) نہیں دے دے! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو بکر نے سچ کہا، تم وہ مال ان کو دے دو، سو اس نے وہ مال مجھے دے دیا میں نے وہ زرہ فروخت کر دی اور اس کی قیمت سے بنو سلمہ کے محلہ میں ایک باغ خرید لیا، یہ وہ سب سے پہلا مال تھا جس کو میں نے اسلام میں حاصل کیا، لیث کی روایت میں ہے: حضرت ابو بکر نے کہا یہ نہیں ہو گا کہ حضور قریش کی ایک لڑکھی کو یہ مال دیں اور اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کو چھوڑ دیں اور لیث کی روایت میں یہ بھی ہے، یہ پہلا مال تھا جس کو میں نے حاصل کیا۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن میں صف میں کھڑا ہوا تھا میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا، کیا دیکھتا ہوں کہ انصار کے دو کم سن لڑکے کھڑے ہیں، میرے دل میں خیال آیا کہ کاش میں طاقتور آدمیوں کے درمیان ہوتا، اتنے میں ان میں سے ایک لڑکے نے مجھے اشارہ کر کے کہا اے چچا کیا آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں، تمہیں اس سے کیا کام ہے اس نے کہا مجھے یہ پتا چلا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری

قَالَ قُلْتُ نَعَمْ وَمَا حَاجَتَكَ إِلَيْهِ يَا
ابْنَ أَخِي قَالَ أُخْبِرْتُ أَنَّكَ يَسُوبُ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَالَّذِي تَفْسِي بِيَدِهِ لَئِنْ رَأَيْتُهُ
يُقَارِقُ سَوَادِي سَوَادَهُ حَتَّى يَمُوتَ
الْأَعْجَلُ مِنَّا قَالَ فَتَعَجَّبْتُ لِذَلِكَ
فَعَمَرَنِي الْأَخْبَرُ فَقَالَ مِثْلَهَا قَالَ فَلَمْ
أَلْشَبْ أَنْ تَنْظُرْتُ إِلَى أَبِي جَهْلٍ يَزُورُ
فِي النَّاسِ فَقُلْتُ أَلَا تَرَى أَنَّ هَذَا صَاحِبُكُمْ
الَّذِي تَسْأَلَانِ عَنْهُ قَالَ فَمَا بَتَدَرَاهُ
فَضَرَبَاهُ بِسَيْفَيْهِمَا حَتَّى قَتَلَاهُ ثُمَّ
انْصَرَفَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَاخْبَرَاهُ فَقَالَ أَيْكُمَا قَتَلَهُ
فَقَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنَا قَتَلْتُ
فَقَالَ هَلْ مَسَحْتُمَا سَيْفَيْكُمَا قَالَ لَا
فَنَظَرَ فِي السَّيْفَيْنِ فَقَالَ كِلَا كُمَا قَتَلَهُ
وَقَضَى بِسَلْبِهِ لِمُعَاذِ بْنِ عَمْرٍو وَبِ
الْجُمُورِ وَالرَّجُلَانِ مُعَاذُ بْنُ عَمْرٍو
بِالْجُمُورِ وَمُعَاذُ بْنُ عَفْرَاءَ.

۴۴۵۔ وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ
بْنُ عَمْرٍو بْنُ سُرَجٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ
بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ
عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ
عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَتَلَ رَجُلٌ
مِنْ حَمِيرٍ رَجُلًا مِنَ الْعَدُوِّ فَاسْرَادَ
سَلْبَهُ فَمَنَعَهُ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ وَ
كَانَ وَالِيًا عَلَيْهِمْ فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَوْفُ ابْنُ
مَالِكٍ فَخَبَرَهُ فَقَالَ لِي خَالِدُ مَا مَنَعَكَ

جان ہے اگر میں اس کو دیکھ لوں تو میں اس سے اس
وقت تک جدا نہیں ہوں گا جب تک ہم میں سے وہ نہ
جائے جس کی موت پہلے مقدر ہو چکی ہے، حضرت عبدالرحمن
بن عوف کہتے ہیں مجھے اس کی باتوں پر تعجب ہوا، پھر وہ
نے بھی اسی طرح کہا، ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ میری اونچیل
پر نظر پڑی جو لوگوں میں گشت کر رہا تھا، میں نے کہا کیا
تم دیکھ نہیں رہے ہو یہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں
تم پوچھ رہے تھے، حضرت عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں
یہ سنتے ہی وہ اس پر چھپے، اور اپنی تلواروں سے اس
پر وار کیا حتیٰ کہ ان دونوں نے اس کو قتل کر دیا، پھر ان دونوں
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس
واقعہ کی خبر دی، آپ نے فرمایا: تم میں سے کس نے اس
کو قتل کیا ہے؟ ان میں سے ہر ایک نے کہا میں نے
اس کو قتل کیا ہے، آپ نے فرمایا: کیا تم نے اپنی تلواروں
سے خون پر نچوڑ دیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، آپ
نے ان کی تلواروں کی طرف دیکھا اور فرمایا: تم دونوں نے
اس کو قتل کیا ہے؟ اور یہ حکم دیا کہ اس کا سلب چھینا
ہو (سامان) معاذ بن عمرو بن جموح کو دیا جائے اور وہ
دونوں معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن عفراء تھے۔
حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے
ہیں کہ قبیلہ حمیر کے ایک شخص نے دشمنوں کے ایک شخص
کو قتل کر دیا اور اس کے سلب (چھینے ہوئے سامان)
کو لینے کا ارادہ کیا، حضرت خالد بن ولید نے اس کو منع کیا
کیونکہ وہ اس لشکر کے امیر تھے، حضرت عوف بن مالک
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر ان کی
شکایت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد
سے فرمایا: تم نے اس کو وہ سلب کیوں نہیں دیا؟ انہوں نے
کہا: یا رسول اللہ! میں نے اس سلب کو بہت سمجھا!
آپ نے فرمایا: وہ سلب اس کو دے دو، پھر حضرت خالد

أَنْ تُعْطِيَهُ سَكْبَةً قَالَ اسْتَكَثَرْتُكُمْ
يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ ادْفَعُوا إِلَيْهِ فَمَرَّ
تَحَالِدٌ بِعُوفٍ فَجَعَلَ يَرْدُ آتِيَهُ ثُمَّ قَالَ
هَلْ أَتُجِزْتُ لَكَ مَا ذَكَرْتُ لَكَ مِنْ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَسَمِعَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَسَلَّمَ فَأَسْتَفْضَيْتُ فَقَالَ لَا تُعْطِيَهُ يَا
تَحَالِدُ لَا تُعْطِيَهُ يَا تَحَالِدُ هَلْ أَنْتُمْ
تَأْتِيَكُمُ الْيَوْمَ أَمْوَإِي رَأَيْتُمْ مَثَلَكُمْ وَمَثَلَهُمْ
كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَرْعَى إِبِلًا أَوْ غَنَمًا
فَرَعَاهَا ثُمَّ تَحَيَّنَ سُقْيَهَا فَأَوْرَدَهَا
حَوْضًا فَشَرَبَتْ فِيهِ فَشَرِبَتْ صَفْوَةً
وَتَرَكْتَ كِذْرَكَ فَصَفْوَةً لَكُمْ وَ
كِدْرُكُمْ عَلَيْهِمْ

۴۲۵۶- وَ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ
حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا
صَفْوَانُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ
جَبْرِ بْنِ كُفَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ
عُوفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ خَرَجْتُ
مَعَ مَنْ تَخَرَّجَ مَعَهُ نَزِيدُ بْنُ حَارِثَةَ
فِي غَزَاةٍ مَوْسِمًا وَمَا فَتَنَنِي مَدَّ دِي
فِي الْيَمِينِ وَسَاقَ الْحَدِيثَ عَنِ النَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَحْوِيمٍ غَيْرِ
أَنَّهُ قَالَ فِي الْحَدِيثِ قَالَ عُوفُ
فَقُلْتُ يَا تَحَالِدُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى
بِالتَّلَبِ لِلْقَاتِلِ قَالَ بَلَى وَ لِكَيْتِي
اسْتَكَثَرْتُكُمْ

۴۲۵۷- حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے حضرت
خالد بن ولیدؓ کو دیکھ کر کہا میں نے تم سے جو کچھ کہا تھا کیا میں
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر ایمان نہیں لایا؟ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن لیا، آپ ناراض ہوئے اور
فرمایا: اے خالد (اب) اس کو موت دینا، اے خالد! اب
اس کو موت دینا، کیا تم میرے (مقرر کردہ) امیروں (کی اطاعت)
کو چھوڑنے والے ہو؟ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے
جیسے کسی شخص نے اونٹ اور بکریاں چرانے کے لیے لیں
پھر ان کو چرایا، پھر ان کو پانی پلانے کا وقت آیا وہ ان کو خوش
پرے لگا، انہوں نے صاف صاف پانی پی لیا اور تلچٹ
چھوڑ دیا تو کیا صاف چیزیں تمہارے لیے ہیں اور تلچٹ
امیروں کے لیے ہیں؟

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے
ہیں جو لوگ حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ غزوہ مؤتہ میں گئے
تھے ان کے ساتھ میں بھی گیا تھا اور میں سے بھی مجھ کو مدد
پہنچی اس کے بعد حسب سابق حدیث بیان کی البتہ اس حدیث
میں یہ ہے کہ حضرت عوف نے کہا: اے خالد! تم کو علم نہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل کو (مقتول کا) سلب
دلوایا ہے، حضرت خالد نے کہا کیوں نہیں! میرے خیال
میں یہ زیادہ ہے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

حَدَّثَنَا عُمَرُو بْنُ يُوسُفَ الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنَا
عِكْرِمَةُ بْنُ عَمْرِو بْنِ حَذَفَرٍ حَدَّثَنَا
سَلَمَةُ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ حَدَّثَنَا أَبُو كُوَيْلَعٍ
قَالَ غَزَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَوَازِينَ فَبَيْنَا نَحْنُ
نَتَضَخَّى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَ رَجُلٌ عَلَى جَمَلٍ أَحْمَرٍ
فَأَنَاحَهُ ثُمَّ انْتَزَعَ طَلْقًا مِنْ حَقِيصِهِ
فَقَيَّدَ بِهِ الْجَمَلَ ثُمَّ تَقَدَّمَ يَتَغَدَّى
مَعَ الْقَوْمِ وَجَعَلَ يَنْظُرُ وَفِينَا ضَعْفَةٌ
وَرَقَّةٌ فِي الظَّهْرِ وَبَعْضُنَا مُشَاةٌ إِذَا
خَرَجَ يَشْتَدُّ فَأَنَى جَمَلَهُ فَأَطْلَقَ
قَيْدَهُ ثُمَّ أَنَاحَهُ وَقَعَدَ عَلَيْهِ
فَأَنَاحَهُ فَاشْتَدَّ بِهِ الْجَمَلُ فَاتَّبَعَهُ
رَجُلٌ عَلَى نَاقَةٍ وَرُقَاءٌ قَالَ سَلَمَةُ
وَنَحَرَجْتُ أَشْتَدُّ فَكُنْتُ عِنْدَ وَرَائِي
النَّاقَةَ ثُمَّ تَقَدَّمتُ حَتَّى كُنْتُ عِنْدَ
وَرَائِي الْجَمَلَ ثُمَّ تَقَدَّمتُ حَتَّى
أَخَذْتُ بِخِطَامِ الْجَمَلِ فَأَمْنَحْتُهُ فَلَمَّا
وَضَعْتُ رُكْبَتِي فِي الْأَرْضِ اخْتَرَطَتْ سِنِي
فَضَرَتْ رَأْسَ التَّوَجُّلِ فَنَدَرْتُ ثُمَّ جِئْتُ
بِالْجَمَلِ أَقْوَدَهُ عَلَيْهِ رَحْلُهُ وَسَلَّاحُهُ
فَاسْتَقْبَلَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مَعَهُ فَقَالَ مَنْ قَتَلَ
الرَّجُلَ قَالُوا ابْنُ الْأَكْوَعِ قَالَ لَهُ سَلَبُهُ
أَجْمَعُ -

۴۴۵۸ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ

حَدَّثَنَا عُمَرُو بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ
بْنُ عَمْرِو بْنِ حَذَفَرٍ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ كُوَيْلَعٍ

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ قبیلہ ہوازن کے خلاف
جہاد کر رہے تھے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ
کا ناشتہ کر رہے تھے، اس اثناء میں سرخ اونٹ پر سوار
ایک شخص آیا اس نے اونٹ کو بٹھایا پھر اس کے اپنی کمر سے
ایک تیرہ نکال کر اس کے ساتھ اونٹ کو باندھ دیا۔ اور
لوگوں کے ساتھ ناشتہ کرنے لگا اور ادھر ادھر دیکھنے
لگا، ہم میں کچھ لوگ کمزور تھے، کچھ سوار یوں سے خالی تھے
اور کچھ پیدل تھے، اتنے میں وہ تیزی سے دوڑا اور اپنے اونٹ
کے پاس آیا، اس کا تیرہ کھول کر اس کو بٹھایا اور اس پر سوار
ہو گیا، اس نے اونٹ کو دوڑایا اور اونٹ اس کو لے کر
دوڑا، ایک شخص نے غاکی رنگ کی اونٹنی پر اس کا تقاب کیا،
سلمہ کہتے ہیں میں بھی اس کے پیچھے دوڑتا ہوا جاگا، پہلے
میں اونٹنی کی سرین کے پاس تھا پھر میں اور آگے بڑھا
حتیٰ کہ اونٹنی کی سرین کے پاس پہنچ گیا، پھر میں نے آگے
بڑھ کر لاکٹ کی نکیل پکڑ لی۔ میں نے اس اونٹ کو بٹھایا،
جو نبی اس اونٹ نے اپنا گھنٹا زمین پر ٹیکایا میں نے تلوار
سے آدمی کے سر پر ایک وار کیا وہ آدمی گر پڑا پھر میں اس
آدمی کے ہتھیار اور کھادے سمیت اس اونٹ کو لے آیا،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ مجھے سامنے سے آتے ہوئے ملے۔
آپ نے فرمایا اس شخص کو کس نے قتل کیا ہے؟ لوگوں نے
کہا سلمہ بن اکوع نے، آپ نے فرمایا اس کا مارا سلب ابن
اکوع کا ہے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

ہم نے قبیلہ ہوازن کے ساتھ جہاد کیا، اس جہاد میں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہمراہ

أَبِي قَالَ غَزَاؤُنَا فَزَارَهُ وَعَلَيْنَا أَبُو بَكْرٍ
 أَمْرًا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 عَلَيْنَا فَلَمَّا كَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ السَّمَاءِ
 سَاعَةً أَمَرَنَا أَبُو بَكْرٍ فَعَرَّسْنَا ثُمَّ
 نَشَنَ الْغَاةَ فَزَارَهُ السَّمَاءَ فَقَتَلَ
 مَنْ قَتَلَ عَلَيْهِ وَسَبَى وَأَنْظَرُ إِلَى
 عُنُقٍ مِنَ النَّاسِ فِيهِمْ الذَّرَارِيُّ فَخَشِيتُ
 أَنْ يَسْبِقُونِي إِلَى الْجَبَلِ فَرَمَيْتُ بِسَهْمٍ
 بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْجَبَلِ فَلَمَّا رَأَوْا السَّهْمَ
 وَقَفُوا فَجِئْتُ بِهِمْ أَسْوَفُهُمْ وَفِيهِمْ
 امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي فَزَارَةَ عَلَيْهَا قَشْعٌ مِنْ
 آدَمٍ قَالَ الْقَشْعُ اللَّيْطُ مَعَهَا ابْنَةٌ لَهَا
 مِنْ أَحْسَنِ الْعَرَبِ فَسَقَتْهُمْ حَتَّى أَتَيْتُ
 بِهِمْ أَبَا بَكْرٍ فَتَقَلَّبَنِي أَبُو بَكْرٍ ابْتَدَسَهَا
 فَقَدْ مَنَا الْمَدِينَةَ وَمَا كَشَفْتُ لَهَا ثَوْبًا
 فَلَقِيَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 فِي السُّوقِ فَقَالَ يَا سَكْمَةُ هَبْ لِي الْمَرْأَةَ
 فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَاللَّهِ لَقَدْ أَجْجَبْتُنِي
 وَمَا كَشَفْتُ لَهَا ثَوْبًا ثُمَّ لَقِيَنِي رَسُولُ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْعَدِي فِي
 السُّوقِ فَقَالَ لِي يَا سَكْمَةُ هَبْ لِي
 الْمَرْأَةَ لِلَّهِ أَبُوكَ فَقُلْتُ هِيَ لَكَ يَا رَسُولَ
 اللَّهِ فَوَاللَّهِ مَا كَشَفْتُ لَهَا ثَوْبًا فَبِعْتُ
 بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ فَقَدَى بِهَا نَاسًا مِنَ
 الْمُسْلِمِينَ كَانُوا أُسْرُوا بِمَكَّةَ -

امیر بنایا قناجب ہمارے اور پانی کے درمیان صحیحہ و برکے
 مسافت رہ گئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں
 حکم دیا، ہم رات کے آخری حصہ میں اترے پھر ہر طرف سے
 حملہ کا حکم دیا، اور ان کے پانی پر نیچے اور اس جگہ جس کو
 قتل کرنا تھا اس کو قتل کیا اور قید کیا، میں کفار کے ایک
 گروہ کو دیکھ رہا تھا میں میں کفار کے بچے اور عورتیں تھیں
 مجھے یہ خطرہ ہوا کہ وہ کہیں مجھ سے پہلے پہاڑ تک نہ پہنچ
 جائیں۔ میں نے ان کے اور پہاڑ کے درمیان ایک تیرا مارا
 جب انہوں نے تیر کو دیکھا تو وہ سب ٹھہر گئے، میں ان
 سب کو گھیر کر لے آیا، ان میں بنو فزارہ کی ایک عورت تھی
 جس نے میرے کی کھال کو منڈھ کر رکھا تھا اور اس کے
 ساتھ ایک لڑکی تھی جو عرب کی حسین ترین و شیرہ تھی، میں ان
 سب کو پکڑ کر حضرت ابو بکر کے پاس لے آیا، حضرت ابو بکر نے
 وہ لڑکی مجھ کو انعام میں دے دی، ہم مدینہ میں پہنچے ابھی میں
 نے اس لڑکی کے کپڑے اتارے تھے کہ میری رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بازار میں ملاقات ہوئی۔ آپ نے فرمایا
 اسے سلمہ ایہ لڑکی مجھے برید کر دو، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ!
 خدا کی قسم یہ لڑکی مجھے بہت پسند ہے، اور میں نے ابھی تک
 اس کا لباس نہیں اتارا ہے، اگلے دن میری پھر رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی، آپ نے مجھ سے فرمایا:
 اسے سلمہ ایہ لڑکی مجھے برید کر دو، تنہا باب بہت اچھا تھا،
 میں نے کہا یا رسول اللہ! یہ آپ کی ہے، خدا کی قسم! —
 میں نے اس کا لباس تک نہیں اتارا، رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ لڑکی اہل مکہ کو بھیج دی اور اس کے
 بدلہ میں مکہ کے کئی مسلمان قیدیوں کو چھڑا دیا۔

غزوہ حنین کا مختصر بیان | غزوہ حنین آمد ہجری میں واقع ہوا، حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے یہ مکہ سے تین میل پر واقع ہے۔

فتح مکہ کے بعد بعض قبائل نے اسلام لانے میں پیش قدمی کی تھی لیکن ہوازن اور ثقیف پر فتح مکہ سے اٹھا اثر ہوا یہ فزون جنگ کے ماہر اور نہایت جنگجو قبیلے تھے، اسلام کے غلبہ سے انہوں نے یہ محسوس کیا کہ اب ان کی ریاست اور اقتدار کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس بناء پر ہوازن اور ثقیف کے سرداروں نے مل کر ملے کیا کہ مسلمانوں پر ایک زبردست حملہ کر دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں ان واقعات کی خبر پہنچی تو آپ نے مساعلات کی چھان بین کے لیے حضرت عبداللہ ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کو بھیجا وہ باسوس بن کر حنین میں آئے اور کئی دن تک وہاں رہ کر حالات کی تحقیق کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقابلہ کی تیاری کی۔ شوال ۸ ہجری میں بارہ ہزار مسلمان فوجیں اس قدر ساز و سامان کے ساتھ بڑھیں کہ بعض صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکل گئے کہ آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے؟ اس وجہ سے یہ آیات نازل ہوئیں :

لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ و یوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضائق علیکم الارض بمارحبت ثم ولیتم مدبرین ؕ ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ و علی المؤمنین و انزل جنودا لم تروہا و عذب الذین کفروا و ذلک جزاء الکافرین۔

(توبہ: ۲۶-۲۵)

اس جنگ میں قبیلہ ہوازن کے تیر اندازوں نے مسلمانوں کا منہ پھیر دیا اور لشکر اسلام بڑی طرح تتر بتر ہو کر پسا ہوا، اس وقت عرب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشی بھر جانے لگے تھے جن کے قدم اپنی جگہ پر جمے رہے اور ان کی ثابت قدمی کا نتیجہ تھا کہ دوبارہ فوج کی ترحیب قائم ہوئی اور بالآخر فتح مسلمانوں کے ہاتھ رہی حد فتح مکہ سے جو کچھ حاصل ہوا تھا اس سے بہت زیادہ حنین میں کم دینا پڑتا۔

شکست کے مختلف اسباب تھے مقدمۃ الجیش میں زیادہ تر نو مسلم نوجوان تھے جو جوانی کے زعم میں زور پہن کر بھی نہیں آئے تھے۔ فوج میں دو ہزار طلقات بھی تھے (جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے) (دوسری طرف ہوازن تیر اندازوں کے اندر تمام عرب میں مشہور تھے، میدان جنگ میں ان کا ایک تیر بھی خالی نہیں جاتا تھا، کفار نے میدان جنگ میں پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا تھا، اور پاڑوں کی گھاٹیوں، کھائیوں اور دھول میں جگہ جگہ اپنے تیر انداز دستے بٹھا دیے تھے، اسلامی فوج نے منہ اندھیرے حملہ کیا تھا، میدان جنگ اس قدر تشیب میں تھا کہ مسلمانوں کے پاؤں نہیں جم پاتے تھے، مسلمانوں کا بڑھنا تھا کہ سامنے سے ہزاروں فوجیں نکل آئیں اور حکیم گاہوں سے تیروں کی بارش ہونے لگی، مقدمۃ الجیش ابنزی کے ساتھ گہرا کر پیچھے ہٹا اور پھر تمام فوج کے پاؤں اکٹھے گئے، تیروں کا مینہ برس رہا تھا بارہ ہزار فوج ہوا ہو گئی تھی لیکن ایک پکیر شجاعت

تھا جو نیز و تھنگ کے اس طوفان میں چٹان کی طرح ڈٹا ہوا تھا فقط تل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسك * اب آپ اللہ کی راہ میں جنگ کیجیے آپ اپنی ذات کے سوا اور کسی کے جواب دہ نہیں یہ (نساء: ۴۰/۴۸) کی شان کا نزول ہوا تھا، اس وقت آپ کی ذات تنہا ایک فرج تھی، ایک اقلیم تھی بلکہ غصہ کائنات تھی، آپ بار بار یہ فرماتے تھے: انا النبی لا کذب، انا ابن عبد المطلب۔ میں پیغمبر ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

آپ نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو، حضرت عباس نے پکارا یا معشر الانصار یا اصحاب الشجرۃ یہ پُر اثر آواز کانوں میں گیا پڑی کہ تمام فرج ایک دم پٹ پڑی اور دفعۃً جنگ کا پانسہ پٹ گیا کفار جگ نکلے اور جبراتی بچے وہ گرفتار ہو گئے، جو ملک (تحقیق کی ایک شاخ) کچم کر ٹسے لیکن ان کے ستر آدمی مارے گئے اور جب ان کا سالار بھی مارا گیا تو وہ بھی ثابت قدم درہ سکے۔

اس حدیث (۴۲۵۳) میں حضرت البرقاہ رضی اللہ عنہ نے اسی غزوہ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ جب اس جنگ میں لوگ جگ نکلے تو میں نے دیکھا کہ ایک کافر ایک مسلمان کے سینہ پر سراسرے میں نے عقب سے اس کے شانہ پر تلوار ماری جو غزوہ کاٹ کر اندر اتر گئی اس نے پٹ کر غصہ کر اس زور سے دوڑا کہ میری جان پر بن گئی لیکن پھر وہ غصہ کر گر پڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا: میں شخص نے کسی کو قتل کیا تو اس کا سلب (چھیننا ہوا سامان) اس کو ملے گا بشرطیکہ اس کے پاس گواہ ہو، تو میرے اس شخص کی سلب لینے کا خیال آیا لیکن میں نے کہا، میرا گواہ کون ہے؟ — — — حدیث۔

سلب کا لغوی معنی | جنگ میں ایک شخص دوسرے شخص کے پاس سے چھین کر حاصل کرتا ہے، یہ چیزیں اس کا لباس اس کے ہتھیار اور اس کی سواری ہے۔ ہر وہ چیز جو کسی انسان کے پاس ہو وہ سلب ہے اور انسان مال غنیمت میں سے جو چیز چھین کر حاصل کرتا ہے وہ بھی سلب ہے، حدیث میں ہے من قتل قتیلًا فله سلبہ ”جو شخص کسی کو قتل کرے وہ اس کی سلب کا حقدار ہے“، اس کی جمع اسلاب ہے۔

سلب کی تفسیر میں مذاہب فقہاء | علماء مالکی کہتے ہیں: سلب کی تفسیر میں اختلاف ہے اور اعلیٰ اور ابن حبیب کہتے ہیں کہ گھوڑا اور اس کی زین سلب میں داخل ہے خواہ زین میں سونا، چاندی اور جواہرات ہوں، اور مقتول کے اوپر جو لباس، ہتھیار اور زیورات ہوں اور اس کا گھوڑا اور چمکا اور سنگن اور انگوٹھی اور طوق اور تاج وغیرہ یہ سب سلب ہیں، امام شافعی کا بھی ایسا ہی قول ہے البتہ سنگن اور جزیریات جنگ میں نہیں پہنے جاتے ان میں امام شافعی کو تردد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا گھوڑا اور ہتھیار سلب ہیں، یہی امام مالک کا مذہب ہے امام حنبل مالکی نے امام شافعی کی طرح کہا ہے کہ گھوڑا، ہتھیار اور زیورات دوسرے ہتھیار سلب ہیں، امام احمد کوثر نے کہ مقتول (انعام) میں داخل کرتے ہیں اور تلواروں میں انہوں نے تردد کیا ہے، اور یہ قول شاذ ہے، اور ابن حبیب نے کہا ہے کہ اگر منطقہ میں سونا اور چاندی ہو تو وہ سلب ہے۔ دشمن کے لشکر میں مقتول کے جواہرات پائے جائیں ان کے متعلق امام شافعی کے دو قول ہیں۔

۱۔ سید محمد رفیع حسینی زبیدی ترقی ۱۲۰۵ھ، تاج المعروس ج ۱ ص ۱۰۱، مطبوعہ مطبعہ النجفیہ مصر ۱۳۰۶ھ

۲۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ دمشقی آبی مالکی ترقی ۸۲۸ھ، اکال اکمال المسلم ج ۵ ص ۲۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کہتے ہیں: جہنم کے نزدیک ٹرنے والے کے پاس جو ملبوس وغیرہ پایا جائے وہ سلب ہے امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ اس میں سواری داخل نہیں ہے اور امام شافعی سے ایک روایت ہے کہ یہ آلات جنگ کے ساتھ مخصوص ہے۔
علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

مقتول جو چیزیں پہنے ہوئے ہو وہ سب سلب ہے، مثلاً کپڑے، عمامہ، ٹوپی، منطقہ، زرہ، خود، تاج، انگن اور موزے وغیرہ اور ان چیزوں میں جو زیورات ہوں وہ بھی سلب ہیں، کیونکہ سلب سے لباس کا معنی سمجھ میں آتا ہے، اسی طرح تلوار، نیزہ اور چھری وغیرہ بھی سلب ہیں، کیونکہ ان سے جنگ میں مدد حاصل کی جاتی ہے اس لیے یہ سلب میں بطریق اولیٰ داخل ہیں، اسی طرح سواری سے بھی جنگ میں مدد حاصل ہوتی ہے اس لیے وہ بھی سلب میں داخل ہے۔
بھی وہ ہے کہ سواری والا محارم مال قیمت سے زیادہ حصے کا حقدار ہوتا ہے، اس لیے سواری کا ہتھیاروں سے زیادہ جنگ میں دخل ہے البتہ جو مال مقتول کے قبیلے میں ہو وہ سلب نہیں ہے کیونکہ وہ ملبوس میں شامل ہے جس سے لڑنے میں مدد ملتی ہے، اسی طرح اس کا کجاوہ اور اس کا سامان اور جو مال اس کی ملکیت میں نہیں ہے وہ سلب نہیں ہے امام ازہری، محمول اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے لیکن امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ جن چیزوں کی جنگ میں ضرورت نہیں پڑتی وہ سلب نہیں ہیں جیسا کہ تاج، انگن اور طوق وغیرہ اور میاں بھی جس میں خرچ کے لیے مال ہو۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت برادر رضی اللہ عنہ نے مزربان سے مبارزت کی اور اس کو ہلاک کیا اور اس کو قتل کر دیا، اس کے انگن اور منطقہ کی قیمت تیس ہزار تھنی اور حضرت عمرؓ کو انگن اور منطقہ حضرت برادر کو دے دیے اور حضرت عمرو بن مہدی کرب نے ایک شخص پر حملہ کیا اور اس کی پیٹھ میں نیزہ مار کر اس کو گرا دیا پھر اتر کر اس کے ہاتھ کاٹ دیے اور اس کے انگن اتار لیے اور اس کی تلوار اور منطقہ بھی ان کو دی گئیں، نیز یہ چیزیں مقتول نے پہنی ہوئی ہوتی ہیں اس لیے یہ چیزیں ملبوس میں شامل ہیں اور فلاح سلب کے علوم میں داخل ہیں، سواری کے متعلق امام احمد سے مختلف روایات ہیں ایک روایت یہ ہے کہ یہ سلب میں داخل نہیں ہے اور عمرو بن مہدی کرب کی حدیث میں انگن اور منطقہ لینے کا ذکر ہے اور سواری کر لینے کا ذکر نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ عون بن مالک سے روایت ہے کہ انھوں نے غزوہ مؤتہ میں ایک رومی گھوڑے کو قتل کر دیا اور حضرت خالد بن ولیدؓ سے اس کے گھوڑے اور ہتھیاروں کو سلب میں لے لیا، اور شعب بن علیؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے بھی گھوڑے کو سلب میں لیا تھا اور امام احمد کا اس میں دوسرا قول یہ ہے کہ گھوڑے سے بھی جنگ میں مدد حاصل کی جاتی ہے اس لیے وہ ہتھیاروں کے مشابہ ہے اور جب سواری کا سلب ہونا ثابت ہو گیا تو سواری پر جو زین اور گام ہے وہ بھی سلب ہے اور زین میں جو زیورات ہوں وہ بھی سلب ہیں اور سواری کے باقی آلات بھی سلب ہیں۔ سواری سلب اس وقت ہوگی جب مقتول اس پر سوار ہو اور جو سواری اس کے گھر میں ہو یا کسی اور کے پاس ہو وہ سلب نہیں ہے اسی طرح ہتھیاروں کا حکم ہے۔

۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۷، مطبوعہ دار نشر المکتب الاسلامیہ لاہور۔

۲۔ علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المنہج مع الشرح ج ۱ ص ۲۲۳-۲۲۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

علامہ المرغینانی حنفی کھتے ہیں: مقتول کے کپڑے، اس کے ہتھیار اور اس کی سواری سلب ہے، اسی طرح اس کی سواری پر جو زین اور دیگر آلات، تول وہ بھی سلب ہیں، اسی طرح اس کی سواری میں جو مال ہو یا اس کی میان (کمر سے بندھی ہوئی متیل) میں جو مال ہو وہ بھی سلب ہے، اور ان کے علاوہ جو چیز ہر وہ سلب نہیں ہے، اسی طرح اگر دوسری سواری پر اس کا غلام ہو تو وہ بھی سلب نہیں ہے۔ لے

سلب کے احکام اور شرائط میں فقہاء کے نظریات | علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اس میں کے سلب کا مستحق ہوتا ہے، کیونکہ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: جو شخص کسی کو قتل کرے گا اس مقتول کا سلب قاتل کو ملے گا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد)

سلب ہر قاتل کے لیے ہے خواہ وہ مال غنیمت میں سے حصہ کا مستحق ہو یا معمولی چیز کا۔ جس شخص کو مال غنیمت سے حصہ نہیں ملا اس کے مستحق المام شافعی کے دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ وہ سلب کا مستحق نہیں ہوگا کیونکہ مال غنیمت کا حصہ زیادہ ہوگا ہے اور حبیب وہ اس کو نہیں ملے گا تو وہ سلب کا بطریق اولیٰ مستحق نہیں ہوگا کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ غلام حبیب اپنے مولیٰ کی اجازت سے مبارکت کرے اور کسی کو قتل کر دے تو وہ سلب کا مستحق نہیں ہے البتہ اس کو معمولی چیز دی جائے گی، اور غلام، عورت، بچے اور مشرک مال غنیمت سے حصہ کے مستحق نہیں ہوتے بلکہ ان کو عورتی ہی کوئی چیز دی جاتی ہے اس لیے وہ سلب کے بھی مستحق نہیں ہیں۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ احادیث میں بالعموم حکم ہے "جس نے کسی کو قتل کیا وہ سلب کا مستحق ہے" نیز اس لیے کہ لشکر کا عام امیر اگر کسی ایسے کام پر جس میں مسلمانوں کا قتل ہو کسی شخص کے لیے انعام مقرر کرے تو وہ اس انعام کا مستحق ہوتا ہے جو جس شخص کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انعام مقرر کریں وہ بطریق اولیٰ اس انعام کا مستحق ہوگا۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: سلب کے استحقاق کی چار شرطیں ہیں:

(۱)۔ مقتول ان لڑنے والوں میں سے ہو جن کا قتل کرنا جائز ہے، اگر کسی شخص نے عورت، بچے، شیخ خالی یا بہت کمزور شخص کو قتل کر دیا اسی طرح جو لوگ جگہ نہیں کرتے ان کو قتل کرنے سے سلب کا مستحق نہیں ہوگا اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، بل اگر ان میں سے کوئی جگہ کرے یا ہتھیار اس کو قتل کرنے سے سلب کا مستحق ہوگا۔

(۲)۔ اگر ایک شخص نے مقتول کے اعضاء کاٹ کر اس کو پیس کر دیا اور دوسرے شخص نے اس کو قتل کر دیا تو سلب کا مستحق اعضاء کاٹنے والا ہے کیونکہ اس کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ کرنے والا وہی ہے، حضرت ساد بن حمزہ بن جوح نے تلوار مار کر ابو جہل کو گرایا اور حضرت ابن مسعود نے اس کا سر کاٹا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سلب کا فیصلہ حضرت جہاد کے لیے کیا اور حضرت ابن مسعود کو اس کی سلب سے کچھ نہیں دیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ

کا بھی یہی مسلک ہے۔

(۳)۔ اگر ایک شخص کسی کو زخمی کر دے اور اس کا پانچویں طرح خون بہا دے تو زخمی بھی حکماً مقتول ہے، امام احمدیہ کہتے ہیں کہ سلب صرف قاتل کے لیے ہے اگر کوئی شخص کسی کو قید کرے تو وہ اس کی سلب کا مستحق نہیں ہوگا خواہ اس کو امام قتل کرے یا نہ کرے، کیونکہ جنگ بدر میں مسلمانوں نے کافروں کو قید کر لیا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں میں سے عقبہ اور نضیر بن حارث کو قتل کر دیا اور قید کرنے والوں کو ان کی سلب نہیں دی۔

(۴)۔ قتل کرنے والا اس قتل میں مستقل اور منفرد ہو اگر اس نے مسلمانوں کی صفوں میں سے کسی کو تیر مارا اور وہ مر گیا تو سلب کا مستحق نہیں ہے، امام احمدیہ نے کہا ہے کہ قاتل کے لیے سلب اس وقت ہوگی جب وہ مبارزت (ملکاسے) کرے، اسی طرح اگر مسلمانوں کی ایک جماعت نے کسی کو قتل کیا تو وہ بھی اس کی سلب کے مستحق نہیں ہوں گے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں: سلب میں سے خمس نہیں لیا جائے گا، حضرت سعد بن ابی وقاص، ابن منذر اور ابن جریر کا بھی یہی قول ہے اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ اس میں سے خمس لیا جائے گا امام ابو ذاعی اور مکحول کا بھی یہی قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ مَفَانِ لَكُمْ خَمْسَهُ** (النفال ۲۸) اٹھایا اور حکومت نے مال غنیمت میں سے جو کچھ حاصل کیا ہے اس میں سے اللہ کے لیے پانچواں حصہ ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عوف بن مالک اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل کے لیے سلب کا فیصلہ کیا اور اس میں سے خمس نہیں نکالا۔ (سنن البراد و) اور حضرت عمر کا قول بھی ہماری دلیل ہے انھوں نے فرمایا: ہم سلب میں سے خمس نہیں نکالتے تھے، ابن سیرین نے روایت کیا ہے کہ براد بن مالک نے بحرین میں مرزبان سے مبارزت کی اور نیزہ مار کر اس کو قتل کر دیا اور اس کے گنگن اٹنا لیے جب حضرت عمر تک یہ خبر پہنچی تو انھوں نے فرمایا ہم پہلے سلب میں سے خمس نہیں نکالتے تھے لیکن براد کی سلب مال کو پہنچتی ہے میں اس میں سے خمس نکالوں گا، اسلام میں سب سے پہلے براد کی سلب سے خمس نکالا گیا اور براد کی سلب تیس ہزار کو پہنچتی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے دور خلافت اور حضرت عمر کے ابتدائی ایام میں بھی معمول تھا کہ سلب میں سے خمس نہیں نکالا جاتا تھا، اور آپ کی اتباع اولیٰ ہے، جو زبانی نے کہا جس چیز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے کوئی ہدایت آچکا ہے اس چیز میں آپ کی ہدایت کے سوا اور کسی کی اتباع جائز نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کی بناء پر قرآن مجید کی آیت (انفال ۲۸) کے عموم میں تخصیص کی جلتی ہے کیونکہ آپ قرآن مجید کے شارح ہیں اور قرآن مجید کی مراد کو آپ ہی بہتر جانتے ہیں۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں: امام نے سلب لینے کے لیے کہا ہو یا نہیں، ہر حال میں قاتل سلب کا مستحق ہوگا۔ امام ابو ذاعی، لیث، امام شافعی، اسحاق، ابو عبیدہ اور ابو ثور کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ثوری نے یہ کہا ہے کہ قاتل سلب کا اس وقت مستحق ہوگا جب امام یا امیر لشکر قاتل کے لیے سلب کی شرط لگا دے گا، امام مالک نے کہا ہے کہ امیر لشکر کہے گا تو قاتل سلب کا مستحق ہوگا، امام احمدیہ سے بھی ایک قول ان کے قول کی طرح منقول ہے کیونکہ امام مسلم اللہ امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ حضرت عوف بن مالک نے ایک کافر کو قتل کر دیا حضرت خالد نے اس کی سلب زیادہ بچ کر وہ حضرت عوف کو نہیں دی، جب حضرت عوف نے اس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو پہلے آپ نے حضرت عوف کے حق میں فیصلہ کیا لیکن جب حضرت عوف نے اس فیصلہ کی وجہ سے حضرت خالد کی

تخفیف کی تر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے خالد! اس کو سلب مست دو" نیز حضرت عمرؓ نے حضرت
برادرؓ کی سلب سے خمس لے لیا اگر سلب کن کا حق ہو تا تو وہ اس سے خمس نہ لیتے!

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من قتل قتیلًا فلہ سلبہ" جس
شخص نے کسی کو قتل کیا اس کی سلب کا وہی حقدار ہے! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور فیصلہ ہے جس پر
خلفائے راشدین نے عمل کیا ہے، حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کہ "ہم سلب میں سے خمس نہیں لیتے تھے" اس پر دلیل ہے
کہ یہ حکم ہر قاتل کے لیے عام اور مستحب ہے اور اس پر ہر غزوہ میں عمل ہوتا رہا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
حضرت عوفؓ کو جو سلب نہیں دی یہ اس کی سزا تھی کہ انھوں نے حضرت خالدؓ کی تخفیف کی تھی اور امام احمد کے قول کی توجیہ
یہ ہے کہ سلب لینے کے لیے امام کی اجازت حاصل کرنا مستحب ہے۔

سلب کے حکم میں فقہاء اخاف کے نظریات اور دلائل علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: امام
ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمدؒ

کہتے ہیں کہ سلب بھگنے کے مال غنیمت سے ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو مال غنیمت کا ہے (یعنی اس سے خمس
نکالا جائے گا) البتہ اگر امام نے یہ کہہ دیا کہ جس شخص نے کسی کو قتل کیا تو اس کی سلب اس کو ملے گی " اس حدیث میں
سلب کا صرف قاتل مستحق ہوگا (اور اس سے خمس نہیں نکالا جائے گا)۔

علامہ ابو الحسن المرغینانی حنفی لکھتے ہیں: جب سلب قاتل کو نہیں دی جائے گی تو اس کا شمار مال غنیمت سے
ہوگا، اس میں قاتل اور غیر قاتل دونوں برابر ہیں، امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ جب قاتل غنیمت لینے کا اہل ہو تو صرف وہی
سلب لینے کا مستحق ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "من قتل قتیلًا فلہ سلبہ" جس
نے کسی شخص کو قتل کیا تو اس کے لیے مقتول کی سلب ہے، "اور بظاہر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شرعی
حکم بیان کیا ہے کیونکہ آپ شرعی حکم بیان کرنے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اور قاتل نے اس کو قتل کرنے میں
زیادہ مشقت اٹھائی ہے اس لیے وہ اس کی سلب کے ساتھ تحقیق ہوگا تاکہ اس میں اور دوسروں میں فرق واضح ہو۔

علامہ المرغینانی حنفی لکھتے ہیں: قاتل نے مقتول کو بھگنے کی قوت سے قتل کیا ہے اس لیے اس سے چھینا ہوا سلب
مال غنیمت میں شمار ہوگا اور مال غنیمت کی طرح اس کی تقسیم کی جائے گی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حبیب بن ابی سلمہ
(مسلمہ سعیدی غزوہ) سے فرمایا لیس لك من سلب قتيلك الا ما طأبت به نفس امارك "مقتول
کی سلب سے تم کو وہی چیز ملے گی جس کو امام تمہیں خوشی سے دے گا" اور امام شافعی نے جو حدیث بیان کی ہے
"جس شخص نے کسی کو قتل کیا تو اس کے لیے مقتول کی سلب ہے" اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے یہ شرعی حکم بیان کیا ہو جبکہ امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کا مذہب ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
وہ حکم نے یہ بطور نفل اور انعام کے فرمایا ہو اور ہم اس کو حبیب بن ابی سلمہ کی روایت کی بناء پر نفل اور انعام پر محمول

۱۔ علامہ مرقی الدین عبد الشرح احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۲۲۰ھ، المنہج مع الشرح ج ۱ ص ۲۲۰-۲۲۱، ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۴ھ

۲۔ علامہ بدر الدین محمد بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، حمدۃ القاری ج ۵ ص ۶۵، مطبوعہ ادارۃ الطباعة المنیریہ مصر ۱۳۲۸ھ

کہتے ہیں اور کسی کی زیادہ مشقت اس کے لیے زیادہ غنیمت کی مقتضی نہیں ہے۔ لہ
علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: علامہ المرغینانی نے جو حبیب بن ابی سلمہ کی روایت سے استدلال کیا ہے یہ بہت خوب ہے
بشرطیکہ یہ حدیث صحیح یا حسن ہو لیکن اسی حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط اور معجم کبیر میں روایت کیا ہے کہ حبیب بن مسلمہ کو
یہ خبر پہنچی کہ قنبر بن کا امیر آذر بائیجان کے راستہ سے جا رہا ہے اور اس کے ساتھ زمرہ، یا قوت اور موتی وغیرہ ہیں،
انہوں نے جا کر اس پر حملہ کیا اور اس کو قتل کر دیا اور اس کا تمام مال لے آئے حضرت ابو عبیدہ نے اس مال سے شخص
نکالا جا تا کہ حبیب بن مسلمہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو مجھے مال دیا ہے تم مجھ کو اس سے محروم نہ کرو، رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے سلب کو قاتل کا حق قرار دیا ہے، اس پر حضرت ماذن نے کہا اے حبیب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے یہ سنا ہے، انسان کا حق اسی چیز پر ہے جو اس کا امام اس کو خوشی سے دے۔ یہ حدیث عمر بن واقد کی وجہ سے
مجهول ہے۔

اس حدیث کو اسحاق بن راہویہ نے بقیہ بن ولید سے، انہوں نے ایک شخص سے، انہوں نے جناد بن امیہ
سے روایت کیا کہ حبیب بن مسلمہ پانچ غمروں پر ریشم، یا قوت اور زمرہ ملا کر لائے، حبیب نے یہ تمام مال لینا چاہا اور
حضرت ابو عبیدہ ان کو اس میں سے نہیں دینا چاہتے تھے، حبیب نے حضرت ابو عبیدہ سے کہا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص نے کسی کو قتل کیا اس کے لیے مقتول کی سلب ہے۔ حضرت ابو عبیدہ نے کہا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لیے یہ قانون نہیں بنایا، حضرت ماذن رضی اللہ عنہ بھی یہ گفتگو سن رہے
تھے، انہوں نے حبیب سے کہا کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے الٹا چیز کو لے رہے ہو جس کو دینے پر تمہارا امام
راضی نہیں ہے، تم اسی چیز کو لے سکتے ہو جو تم کو امام خوشی سے دے، اور حضرت ماذن نے اس بارے میں ان کو
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی، پھر ان کا اس پر اتفاق ہو گیا اور عس نکالنے کے بعد مال حبیب کو دے دیا گیا
اور حبیب نے اس مال کو ایک ہزار میں فروخت کر دیا۔ اس حدیث کی سند مجهول ہے کیونکہ بقیہ بن ولید اور جناد
بن امیہ کے درمیان ایک مجهول راوی ہے۔

علامہ المرغینانی (صاحب ہدایہ) نے کہا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حبیب بن ابی سلمہ سے فرمایا "مقتول
کی سلب سے تم کو وہی چیز ملے گی جو تم کو امام خوشی سے دے گا" حالانکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں بلکہ
حضرت ماذن کا حبیب سے خطاب ہے، نیز علامہ المرغینانی نے ان کا نام حبیب بن مسلمہ لکھا ہے حالانکہ ان کا نام حبیب
بن مسلمہ ہے۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں: ہر جہد کہ یہ حدیث ضعیف ہے (لیکن سند منقول ہے اور دوسری مجهول) لیکن اس کا
ضعف ہمیں مضر نہیں ہے کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں اس کی تائید ہے جنگ بدر میں ابو جہل کے متعلق
حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماذن رضی اللہ عنہ
جو صحیح اور حضرت ماذن رضی اللہ عنہما کی تلواروں کو دیکھنے کے بعد دونوں سے فرمایا: تم دونوں نے اس کو

قتل کیا ہے اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کی سلب فقط حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی اگر قاتل سلب کا مستحق ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو اس کی سلب عطا فرماتے۔

امام بیہقی نے اس دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ کتب سے ثابت ہے کہ بدر کمال غنیمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک تھا آپ جس کو چاہیں غنایت فرمادیں یہی وجہ ہے کہ آپ نے ان صحابہ کو مال غنیمت سے حصہ دیا جو اس معرکہ میں حاضر نہیں تھے، پھر معرکہ بدر کے بعد مال غنیمت کے متعلق آیت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب کو قاتل کے ساتھ خاص کر دیا اور پھر یہی قاعدہ مقرر ہوا۔ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ جنگ بدر میں بھی سلب قاتل کے لیے تھی کیونکہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن فرمایا من قتل قتیلاً فله سلبہ۔ ”جس نے کسی شخص کو قتل کیا اس کی سلب قاتل کے لیے ہے“ یہ حدیث اگرچہ ضعیف لیکن اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جنگ بدر میں بھی سلب قاتل کے لیے تھی۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ متعدد احادیث سے یہ ثابت ہے کہ سلب کا قاتل کے لیے ہونا ہمیشہ کے لیے قاعدہ نہیں ہے اور ہر جہد کہ یہ احادیث ضعیف السند ہیں لیکن متعدد طرق روایت سے یہ درجہ حسن کو پہنچتی ہیں اور صحیح مسلم اور ابن ابی شیبہ نے اس سے کہ حضرت عوف بن مالک کی سلب میں جب ان کا اور حضرت خالد بن ولید کا مناقشہ ہوا تو پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عوف کے حق میں فیصلہ کیا لیکن جب حضرت عوف نے حضرت خالد کی تخفیف کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور حضرت خالد سے فرمایا: اے خالد! ان کو سلب دالیں نہ کرنا، کیا تم میرے امراء (کی اطاعت) کو ترک کر رہے ہو؟ اسی حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سلب کا قاتل کے لیے ہونا کوئی لازمی اور ابدی قانون نہیں ہے اور علامہ خطابی کا یہ جواب دینا صحیح نہیں ہے کہ چونکہ حضرت عوف نے حضرت خالد کی تخفیف کی تھی اس لیے آپ نے ان کو سلب نہیں دی تاکہ کوئی شخص امیر کے فیصلہ کے خلاف حرأت نہ کرے یہ جواب اس لیے غلط ہے کہ اگر سلب قاتل کا حق ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ کی بنا پر ان کو ان کے حق سے محروم نہ کرتے اس سے ثابت ہوا کہ سلب کا قاتل کے لیے ہونا کوئی ابدی قاعدہ نہیں ہے بلکہ یہ امام کی مرضی پر موقوف ہے خواہ وہ قاتل کو دے یا نہ دے اور جب یہ قاتل کا حق نہیں ہے تو پھر یہ مال غنیمت ہے اور اس سے خمس نکالا جائے گا یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ لے

جنگ بدر میں حضرت معاذ بن عمرو کو سلب کے ساتھ خاص کرنے کا سبب | حدیث نمبر ۲۳۵۴ میں ابو جہل کو

قتل کرنے کا واقعہ ہے، حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ دونوں نے ابو جہل پر تلواروں سے وار کر کے اس کا خون بہایا تھا لیکن کاری اور مہلک وار حضرت معاذ بن عمرو نے کیا تھا جس کے بعد اس کا ہلاک ہو جانا یقینی ہو گیا تھا اسی وجہ سے اس کی سلب اس کو دی گئی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سترق سے جدا کیا تھا یہ تینوں صحابہ اس کے قتل میں شریک تھے لیکن فیصلہ کن وار حضرت معاذ بن عمرو بن جموح

نے کیا تھا۔

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں: امام طحاوی نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرمایا اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سلب پر قاتل کا حق نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن عمرو اور حضرت معاذ بن عمرو دونوں سے فرمایا: تم دونوں نے ابو جہل کو قتل کیا ہے لیکن سلب صرف حضرت معاذ بن عمرو کو دی اس سے معلوم ہوا کہ سلب پر قاتل کا حق نہیں ہے ورنہ دونوں کو سلب دیتے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ متفقہ نہیں ہے کہ آپ ایک کا حق چھین کر دوسرے کو دے دیں کیونکہ اگر امام یہ اعلان کرے کہ جس نے کسی کو قتل کیا تو اس کو مقتول کی سلب ملے گی اور دو شخص مل کر کسی ایک آدمی کو قتل کریں تو امام اس کی سلب ان دونوں میں تقسیم کرے گا اور امام کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک کو محروم کر کے دوسرے کو مکمل سلب دے دے۔ اور چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک یہ نہیں فرمایا تھا کہ قاتل کرنے والے کو مقتول کی سلب ملے گی اس لیے آپ نے وہ سلب دو میں سے ایک کو دے دی، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت معاذ بن عمرو بن جراح کا تلوار سے وار کرنا زیادہ قوی تھا اس وجہ سے آپ نے تنہا ان کو سلب دی۔ ۱۷

اس باب کی آخری حدیث میں جنگی قیدیوں کو غدیہ میں دے کر مسلمان قیدیوں کے چھڑانے کا ذکر ہے، ہم اس پر بحث اس سے پہلے باب میں (یعنی باب ۵۸) کر چکے ہیں اور اس پر مفصل گفتگو اور مکمل تحقیق انشاء اللہ العزیز باب نمبر ۵۹۶ میں کریں گے۔

فئے کا حکم

بَابُ حُكْمِ الْفَيْءِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جس بستی میں جاؤ اور وہاں قیام کرو تو تمہارا حصہ اس بستی میں ہوگا۔ جو بستی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے (یعنی اس نے مسلمانوں سے جنگ کی) تو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے اور باقی تمہارا ہے۔

۲۲۵۹۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَ مُحَمَّدُ بْنُ سَافِعٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا وَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّهَا قُرَيْبَةُ أَتَيْتُمُوهَا وَأَقَمْتُمْ فِيهَا فَسَهَبَكُمْ فِيهَا وَأَيُّهَا قُرَيْبَةُ عَصَتِ اللَّهُ وَرَسُولُهُ فَإِنَّ لَكُمْهَا اللَّهُ وَلِرَسُولِهِ ثُمَّ هِيَ لَكُمْ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو نضیر

۲۲۶۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَ

کے اموال ان اموال میں سے تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر واثق فرمادیے تھے، مسلمانوں نے ان کے حصول کے لیے گھوڑے دوڑائے تھے، حادثہ یہ اموال بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں تھے، آپ ان اموال میں سے اپنے اہل کے لیے ایک سال کا خرچ نکال لیتے تھے اور جو مال باقی بچتا اس کو جہاد کی سواروں اور ہتھیاروں کی تیاری پر خرچ کرتے تھے۔

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ وَابْنِ بَكْرِ بْنِ أَبِي شَيْبَةَ وَاسْحَقُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ وَالتَّقِطُ لَابْنِ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ اسْحَقُ اخْبَرَنَا وَكَوْكَالِي الْاَحْمَرُونَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَوْسٍ عَنْ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ اَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ مِمَّا آفَاءَ اللّٰهُ عَلَى رَسُولِهِ مِمَّا لَمْ يُوجِفْ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ بِحَيْثُ لَا يَكُافُ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً فَكَانَ يُنْفِسُ عَلَى اَهْلِهِ نَفَقَةً سَنَةً وَمَا بَقِيَ يَجْعَلُهُ فِي الْكُرَاعِ وَالسَّلَاحِ عَدًّا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی۔

۳۶۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ اخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الْاِسْنَادِ۔

حضرت اوس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا، میں دن چڑھنے کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ وہ گھڑی غالی تخت پر چڑھے کے ایک تکیر سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں، فرماتے لگے: اے مالک! تمہاری قوم کے کچھ لوگ جلدی جلدی آئے تھے، میں نے انہیں تھوڑی سی چیزیں دینے کا حکم دے دیا ہے، تم وہ چیزیں لے کر ان کے درمیان تقسیم کر دو، میں نے کہا آپ میرے علاوہ کسی اور کے ذمہ یہ کام لگا دیتے تو اچھا تھا، حضرت عمر نے فرمایا: اے مالک! تم یہ چیزیں لے لو، اتنے میں (ان کا کلام) میرا اندر آیا اور کہنے لگا: حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت زبیر اور حضرت سعد کے متعلق کیا حکم ہے؟ (یعنی وہ اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں) حضرت عمر نے کہا، اچھا! اور

۳۶۲۔ وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنُ اَسْمَاءَ الصُّبَيْعِيُّ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ مَالِكَ بْنَ اَوْسٍ حَدَّثَنَا قَالَ اُرْسِلَ اِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيهِئَتُهُ حِينَ تَعَالَى التَّهَارُ قَالَ فَوَجَدْتُهُ فِي بَيْتِهِ جَالِسًا عَلَى سَرِيرٍ مُّقْضِيًا اِلَى رَمَالِهِ مَتَّكِئًا عَلَى وِسَادَةٍ فِيْهِ اَدَمٌ فَقَالَ لِي يَا مَالُ اِنَّهُ قَدْ دَفَنَ اَهْلُ اَنْبِيَاءٍ مِنْ قَوْمِكَ وَقَدْ اَمَرْتُ فِيهِمْ بِرَضِيْعٍ فَخُذْهُ فَاَقْسِمُ بَيْنَهُمْ قَالَ قُلْتُ لَوْ اَمَرْتُ بِهَذَا اَعْيُرِي قَالَ خُذْهُ يَا مَالُ قَالَ فَجَاءَ يُرْفَا فَقَالَ هَلْ لَكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي عُثْمَانَ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ وَالتَّوْبِيْرِ وَسَعْدٍ فَقَالَ

عَمْرُ نَعَمْ فَأَذِنَ لَهُمْ قَدْ خَلَوْا أَثَمَ جَاءَ
فَقَالَ هَلْ تَلَكَّ فِي عَبَّاسٍ وَعَلِيٍّ قَالَ نَعَمْ
فَأَذِنَ لَهُمَا فَقَالَ عَبَّاسُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ
أَقْبِضْ بَيْنِي وَبَيْنَ هَذَا الْكَاذِبِ الْأَشْعَرِ
الْغَادِرِ الْخَائِنِ فَقَالَ الْقَوْمُ أَجَلُ يَا أَمِيرَ
الْمُؤْمِنِينَ فَأَقْبِضْ بَيْنَهُمَا وَارْحَهُمَا فَقَالَ
مَا لِكَ بُنْ أَوْسٍ يُنْخِصِلُ إِلَى أَتْهَمُ قَدْ كَانُوا
قَدْ مَرُّهُمْ لِذَلِكَ فَقَالَ عَمْرُ أَتَشُدُّ أَلْسُدُكُمْ
يَا اللَّهُ الَّذِي يَا ذِيهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ
أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ قَالَ لَا تُؤَرِّثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةً
قَالُوا نَعَمْ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى الْعَبَّاسِ وَعَلِيٍّ
فَقَالَ أَلَسُدُّكُمْ يَا اللَّهُ الَّذِي يَا ذِيهِ تَقُومُ
السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ أَتَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُؤَرِّثُ مَا
تَرَكْنَا صَدَقَةً قَالَا نَعَمْ فَقَالَ عَمْرُ
إِنَّ اللَّهَ جَلَّ وَعَزَّ كَانَ يَخْطُبُ رَسُولُهُ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَاصَّةٍ لَمْ يُخَصِّصْ
بِهَا أَحَدًا غَيْرَهُ قَالَ مَا آخَاءَ اللَّهُ عَلَى
رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَبِئْسَ وَلِيُّ رَسُولٍ
مَا أَدْرِي هَلْ كَرَأَى آيَاتِ اللَّهِ الَّتِي قَبْلَكُمْ أَمْ لَا
قَالَ فَتَسَمَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بَيْنَكُمْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ قَوْلَ اللَّهِ مَا اسْتَأْثَرَ
عَلَيْكُمْ وَلَا أَخَذَ هَادُونَكُمْ حَتَّى بَقِيَ هَذَا
الْمَالُ فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَأْخُذُ مِنْهُ تَقَقُّةً سَنَةً ثُمَّ يَجْعَلُ
مَا بَقِيَ أَسْوَةَ الْمَالِ ثُمَّ قَالَ أَلَسُدُّكُمْ يَا اللَّهُ
الَّذِي يَا ذِيهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ
أَتَعْلَمُونَ ذَلِكَ قَالُوا نَعَمْ ثُمَّ تَشَهِدُ عِيَّامًا

اخص الامراء نے کی اجازت دے دی اور وہ اندر آ گئے پھر بر فائے
اور کہا حضرت علی اور حضرت عباس کے بارے میں کیا حکم
ہے؟ حضرت عمر نے کہا اچھا! اور ان کو بھی اجازت دے
دی، حضرت عباس نے کہا: اے امیر المؤمنین میرے اور اس
جھوٹے، خطاکار، عہد شکن اور خائن کے درمیان فیصلہ کر
دیجئے! باقی صحابہ نے بھی کہا: ہاں اے امیر المؤمنین ان
کے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور ان کو راحت دلائیے!
حضرت مالک بن اوس نے کہا میرا خیال تھا کہ ان دونوں
نے ان صحابہ کو اس کیلئے پہلے بھیجا تھا، حضرت عمر نے کہا پھر
میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے اذن سے آسمان اور
زمین قائم ہیں، کیا تمہیں علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا تھا: ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا، ہم نے جو
کچھ بھی چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے، انھوں نے کہا ہاں! پھر
حضرت عمر، حضرت عباس اور حضرت علی کی طرف متوجہ ہوئے
اور فرمایا میں تم دونوں کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس کے
اذن سے آسمان اور زمین قائم ہیں، کیا تم دونوں یہ جانتے
ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ ہمارا وارث
نہیں بنایا جائے گا، ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے
ان دونوں نے کہا ہاں! حضرت عمر نے کہا بے شک اللہ
تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چیز کے ساتھ
خاص کیا تھا جس کے ساتھ کسی اور کو خاص نہیں کیا تھا، یہ
بستیوں کے وہ اموال ہیں جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم پر نازل کیے تھے یہ اموال اللہ اور اس کے
رسول کے لیے ہیں (یعنی اموال خیر) راوی کہتے ہیں مجھے علم
نہیں کہ انھوں نے اس سے پہلے والی آیت پڑھی تھی یا نہیں!
پھر حضرت عمر نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
تمہارے درمیان بنو نضیر کے اموال تقسیم کر دیے، بخدا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اموال کو اپنے ساتھ
خاص نہیں کیا، اور نہ تمہیں چھوڑ کر ان اموال کو خود رکھا،

وَعَلَيْكَ بِمِثْلِ مَا كُتِبَ بِهِ الْقَوْمُ أَعْلَمَانِ
ذَلِكَ قَالَا نَعَمْ قَالَ فَلَمَّا تَوَفَّى رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ
أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَجِئْتُمَا تَطْلُبُ مِيرَاثَكَ مِنْ ابْنِ أَخِيكَ
وَيَطْلُبُ هَذَا مِيرَاثَ أُمِّرَاتِهِ مِنْ أَبِيهِمَا
فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَوَرَّثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةً
قَرَأَ يَتِمَّا هُ كَاذِبًا إِشْيَا غَادِرًا أَخَاثِيًّا وَاللَّهُ
يَعْلَمُ إِنَّهُ لَصَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ
لِلْحَقِّ ثُمَّ تَوَفَّى أَبُو بَكْرٍ وَأَنَا وَلِيُّ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَلِيُّ ابْنِ
بَكْرٍ قَرَأَ يَتِمَّا فِي كَاذِبًا إِشْيَا غَادِرًا أَخَاثِيًّا
وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنِّي لَصَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ
لِلْحَقِّ فَوَلَّيْتُهَا ثُمَّ جِئْتُكِ أَنْتَ وَهَذَا
وَأَنْتُمَا جَمِيعٌ وَأَمْرُكُمَا وَاحِدٌ فَقُلْتُمَا
أَذْفَعُهَا إِلَيْنَا فَقُلْتُ إِنْ شِئْتُمْ دَفَعْتُهَا
إِلَيْكُمَا عَلَى أَنْ عَلَيْكُمَا عَهْدُ اللَّهِ أَنْ
تَعْمَلَا فِيهَا بِالدِّينِ كَمَا كَانَ يَعْمَلُ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَّخَذْتُمَا هَا
بِذَلِكَ قَالَ أَكْذَلِكَ قَالَا نَعَمْ قَالَ ثُمَّ
جِئْتُمَا فِي لَأَقْضِي بَيْنَكُمَا وَلَكَ وَاللَّهُ
لَا أَقْضِي بَيْنَكُمَا بِغَيْرِ ذَلِكَ حَتَّى
تَقُومَ السَّاعَةُ فَإِنْ عَجَزْتُمَا عَنْهَا
فَرُدَّاهَا إِلَيَّ -

حق کر یہ مال باقی رہ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مال سے
ایک سال کا خرچ لے لیتے تھے، باقی جو بچتا وہ بیت المال
میں رکھ لیتے، حضرت عمرؓ نے پھر فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دیتا
ہوں جس کے اذن سے آسمان اور زمین قائم ہیں، کیا تم کو اس
کا علم ہے؟ انہوں نے کہا ہاں پھر حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ
کو بھی وہی قسم دی جو باقی صحابہ کو دی تھی، اور کہا کیا تم کو اس
کا علم ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! حضرت عمرؓ نے کہا جب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں، پھر تم دونوں
اُسے تم اپنے بھتیجے کی میراث سے طلب کرتے تھے اور
یہ اپنی روجہ کے لیے ان کے والد کی میراث سے طلب کرتے
تھے تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے ہم کبھی کو وارث نہیں بناتے ہم نے جو کچھ بھی چھوڑا
سے وہ صدقہ ہے۔ سو تم دونوں نے حضرت ابو بکرؓ کو جھوٹا،
گنہ گار، عہد شکن اور غائن گناہ کیا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا
تھا کہ حضرت ابو بکرؓ سچے، نیک، ہدایت یافتہ اور حق کی
پیروی کرنے والے ہیں، پھر حضرت ابو بکرؓ فوت ہو گئے
اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کا خلیفہ
بنایا گیا پس تم دونوں نے مجھے بھی جھوٹا، گنہ گار، عہد شکن
اور غائن گناہ کیا یہی میرے ساتھ وہ ملوک کیا جو جھوٹے
اور غائن کے ساتھ کرتے ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ
میں سچا، نیک، ہدایت یافتہ اور حق کی پیروی کرنے والا
ہوں پھر میں ان اموال کا دل بنایا گیا پھر تم اور یہ میرے پاس
اُسے وراثت کی طرح دونوں کی رائے متفق تھی تم دونوں نے
کہا ان اموال کی نگہداشت ہمارے سپرد کر دیجئے، میں نے
کہا اگر تم چاہو تو میں یہ اموال اس شرط کے ساتھ تمہارے
سپرد کر دیتا ہوں کہ تم ان اموال میں اسی طرح تصرف کرو گے
جس طرح ان اموال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تصرف کرتے
تھے، تم دونوں نے اس کا اقرار کیا حضرت عمرؓ نے کہا کیا اسی

طرح سادہ ہوا تھا انہوں نے کہا ہاں! حضرت عمرؓ نے کہا اب پھر تم دونوں میرے پاس آئے ہو کہ میں تم دونوں کے درمیان فیصلہ کروں، نہیں! خدا کی قسم! قیامت تک میںں تمہارے درمیان اس کے سوا کوئی اور فیصلہ نہیں کروں گا! اگر تم ان اموال کا انتظام کرنے سے عاجز ہو گئے ہو تو پھر یہ مجھے واپس کر دو۔

حضرت مالک بن اوس بن عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے بلوایا اور فرمایا تمہاری قوم کے کچھ لوگ میرے پاس آئے تھے اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے، البتہ اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال میں سے اپنے اہل و عیال کے لیے ایک سال کا خرچ نکالتے تھے اور مہم کی روایت میں ہے کہ ان اموال میں سے اپنے اہل کے لیے ایک سال کی ضرورت رکھتے تھے۔ اور باقی مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کے لیے رکھ لیتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوت ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت البرکۃ کے پاس بھیج کر ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث میں سے اپنا حصہ طلب کریں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا ان کے لیے یہ سوال جائز نہیں ہے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا۔ ہم نے جو کچھ بھی چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔

۴۴۶۳ - حَدَّثَنَا اسْحَقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُسَيْنٍ قَالَ ابْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا وَقَالَ الْاُخْرَانِ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ اِقْبَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَوْسٍ بْنِ الْحَدَّ ثَانٍ قَالَ ارْسَلَ اِلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اِنَّكَ قَدْ حَضَرَ اَهْلُ اَنْبِيَاةٍ مِنْ قَوْمِكَ يَخْبُو حَدِيثَ مَا لِكَ غَيْرَ اَنْ يَنْبِيَّ فَكَانَ يُسْفِكُ عَلَى اَهْلِهِ مِنْهُ سَنَةً وَرُبَّمَا فَسَلَ مَعَهُ يَخْبِسُ قُوْتَ اَهْلِهِ مِنْهُ سَنَةً ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَقِيَ مِنْهُ فَجَعَلَ مَالِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ -

۴۴۶۴ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ رَأَيْتُ اَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُوُوِّي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَدْنَ اَنْ يَبْعَثْنَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ اِلَى اَبِي بَكْرٍ فَيَسْأَلَنَّهُ مِنْ رِثَتِهِنَّ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ عَائِشَةُ كَهُنَّ اَلَيْسَ قَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُورَثُ مَا تَرَكْنَا فَهِيَ صَدَقَةٌ -

۳۶۵ - حَدَّثَنَا شُعْبَةُ بْنُ مَحْمُودٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ
 أَحْبَبَنَا حُجَّيْنٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ عُكَيْلٍ
 عَنِ ابْنِ شَهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ
 عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّ قَاطِمَةَ
 بِنْتَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 أَرْسَلَتْ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ تَسْأَلُهُ
 مِيرَاثَهَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ مِمَّا أَقْبَاءَ اللَّهُ عَلَيْهِ بِالنِّسْبَةِ
 وَقَدْ كَ وَ مَا بَقِيَ مِنْ خُصْمٍ خِيْبَرِ
 فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا
 صَدَقَةً لَكُمْ يَا كُلُّ آلِ مُحَمَّدٍ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا
 الْمَالِ وَإِنِّي وَاللَّهِ لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْ
 صَدَقَةٍ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 عَنْ حَالِهَا الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهَا
 فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 وَلَا أَعْمَلَنَّ فِيهَا بِمَا عَمِلَ بِهِ
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 فَأَبَى أَبُو بَكْرٍ أَنْ يَدْفَعَ إِلَى قَاطِمَةَ شَيْئًا
 فَوَجَدَتْ قَاطِمَةُ عَلَى أَبِي بَكْرٍ فِي
 ذَلِكَ قَالَ فَهَجَرَتْهُ فَلَمْ تُكَلِّمْهُ حَتَّى
 تُوُفِّيَتْ وَعَاشَتْ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ فَلَمَّا
 تُوُفِّيَتْ دَفَنَهَا نَزَّ وَجْهَهَا عَلَى بَنِي أَبِي
 طَالِبٍ لَيْلًا وَلَمْ يُؤْذِنْ بِهَا أَبَا بَكْرٍ
 وَصَلَّى عَلَيْهَا عَلَى وَكَانَ لِعَلِيٍّ مِنَ
 النَّاسِ وَجْهَةٌ حَيَاةَ قَاطِمَةَ فَلَمَّا
 تُوُفِّيَتْ اسْتَنْكَرَ عَلَى وَجْهَةِ النَّاسِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ماسبزاوی حضرت سیدتنا فاطمہ رضی
 اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کو
 بھیج کر یہ سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ
 تعالیٰ نے مدینہ اور مدینہ میں جو مال فیہ دیا ہے اور خیر
 کے خاص میں سے جو مال بچا ہے اس کی میراث میں
 سے میرا حصہ دیں، حضرت ابوبکر نے کہا رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہم کسی کو وارث نہیں بناتے
 ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے، البتہ محمد صلی اللہ
 علیہ وسلم کی آل اس مال سے کھاتی رہے گی اور میں خدا
 کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں کوئی تبدیلی
 نہیں کروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جس
 طرح وہ مال خرچ ہوتا تھا اس میں کوئی تغیر نہیں ہوگا۔
 اور میں ان اموال میں اسی طرح تصرف کرتا رہوں گا جس
 طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تصرف کرتے
 تھے، سو حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہ کو (بطور میراث)
 کچھ دینے سے انکار کر دیا، حضرت فاطمہ کو اس وجہ
 سے حضرت ابوبکر پر غصہ آیا اور انھوں نے حضرت ابوبکر
 سے (عناجنا) چھوڑ دیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے دھال کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں اور تادم مرگ حضرت
 ابوبکر سے بات نہیں کی۔ جب حضرت فاطمہ فوت ہو گئیں تو
 حضرت علی بن ابی طالب نے رات میں ان کو دفن کر دیا
 اور حضرت ابوبکر کو اس کی خبر نہیں دی، حضرت فاطمہ کی
 زندگی میں لوگوں کا حضرت علی کی طرف کچھ میلان تھا، حضرت
 فاطمہ کے فوت ہونے کے بعد حضرت علی نے لوگوں کے
 رویہ میں کچھ تبدیلی محسوس کی، تو انھوں نے حضرت ابوبکر
 سے صلح اور بیعت کرنا چاہی اس عرصہ میں انھوں نے
 حضرت ابوبکر سے بیعت نہیں کی تھی، انھوں نے حضرت
 ابوبکر کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ ہمارے پاس آئیں

قَالَ تَمَسَّ مَصَالِحَهُ ابْنُ بَكْرٍ وَ مَبَايِعَتَهُ
وَلَمْ يَكُنْ يَأْتِيهِ تِلْكَ الْأَشْمَةُ فَأَمَّا سَلُّ إِلَى
ابْنِ بَكْرٍ أَيْنَ اثْنَتَا وَلَا يَأْتِيَانَا مَعَكَ أَحَدٌ
كَرَاهِيَةً مَحْضَرٍ عُمَرُ بْنُ الْعَقَّابِ فَقَالَ
عُمَرُ لَا بِيْ بَكْرٍ وَاللَّهِ لَا تَدْخُلُ عَلَيْهِمْ
وَحْدَكَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ وَمَا عَسَا هُمْ أَنْ
تَفْعَلُوا ابْنِ ابْنِي وَاللَّهِ لَا تَدْنِيَهُمْ فَدَخَلَ
عَلَيْهِمْ أَبُو بَكْرٍ فَتَشَهَّدَ عَلَى ابْنِ ابْنِ طَالِبٍ
ثُمَّ قَالَ إِنَّا قَدْ عَمَدْنَا يَا أَبَا بَكْرٍ
فَضِيلَتَكَ وَمَا أَعْطَاكَ اللَّهُ وَلَمْ تَنْقُصْ
عَلَيْكَ خَيْرًا سَأَفَاءَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلِيَكُنْ
اسْتَبَدَّ دَبَّ عَلَيْنَا يَا لَأَمْرٍ وَكُنَّا نَحْنُ
نَرَى كُنَّا حَقًّا لِقَرَأَتِنَا مِنْ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَزَلْ
يُكَلِّمُ أَبَا بَكْرٍ حَتَّى قَامَتْ عَمِيَّتَا ابْنِ بَكْرٍ فَلَمَّا
تَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ
لَقَرَأَتَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ كَرَامَتِي
وَأَمَّا الَّذِي شَجَرَ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ قِسْمٌ
هَذِهِ الْأَمْوَالِ فَإِنِّي لَمَّا لَمْ أَلِ فِيهَا عَنِ
الْحَقِّ وَلَمْ أَقْرَأْهُ أَمْرًا رَأَيْتُ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُهُ
فِيهَا إِلَّا صَنَعْتُهُ فَقَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي بَكْرٍ
مَوْعِدُكَ الْعَشِيَّةَ لِلْبَيْعَةِ فَلَمَّا صَلَّى
أَبُو بَكْرٍ صَلَاةَ الظُّهْرِ رَفَعَ عَلَى الْمُنْبَرِ
فَتَشَهَّدَ وَذَكَرَ شَأْنَ عَلِيٍّ وَتَحَلُّفَهُ
عَنِ الْبَيْعَةِ وَعُدَّ رَأَى الَّذِي اغْتَدَرَ
إِلَيْهِ ثُمَّ اسْتَغْفَرَ وَتَشَهَّدَ عَلَى ابْنِ ابْنِ
طَالِبٍ فَعَظَّمَ حَقَّ ابْنِ بَكْرٍ وَأَشْرَكَكُمْ

اور آپ کے ساتھ ہمارے ہاں اور کوئی نہ آئے کیونکہ
وہ حضرت عمر بن الخطاب کا اٹنا پند کرتے تھے، حضرت
عمر نے حضرت ابوبکر کو مشورہ دیا، بخدا! ان کے ہاں
تنہا نہ جائیں، حضرت ابوبکر نے یہ کہا مجھے یہ نہیں ہے
کہ وہ میرے ساتھ کوئی ناگوار سلوک کرے، خدا کی قسم! میں
ان کے ہاں ضرور جاؤں گا، حضرت ابوبکر ان کے ہاں گئے،
حضرت علی بن ابی طالب نے کلمہ شہادت پڑھا اور کہا اے
ابوبکر! ہم آپ کی فضیلت کر بیچا کرتے ہیں، اور اللہ نے
جو آپ کا مرتبہ عطا کیا ہے اس سے واقف ہیں، اور
جو خلافت اللہ نے آپ کو دی ہے اس کو آپ سے
چھیننے میں رغبت نہیں رکھتے، لیکن آپ نے خود ہی یہ
حکومت حاصل کر لی (یعنی ہم سے مشورہ نہیں لیا) حالانکہ
ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کی بنا پر اس
(مشورہ) میں اپنا حق سمجھتے تھے، پھر وہ اس مسئلہ میں حضرت
ابوبکر سے مسلسل گفتگو کرتے رہے حتیٰ کہ حضرت ابوبکر
کی آنکھوں میں آنسو بہنے لگے، پھر حضرت ابوبکر نے کہا:
خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں
سے حسن سلوک کرنا مجھے اپنے قرابت داروں سے
زیادہ عزیز ہے، اور جن اموال کی وجہ سے میرے اور
تمہارے درمیان اختلاف ہوا ہے میں نے ان میں کسی
حق کو ترک نہیں کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال
کو جہاں جہاں صرف کرتے تھے میں نے ان میں کوئی کمی
نہیں کی، حضرت علی نے حضرت ابوبکر سے کہا آج سپہر
کے وقت ہم آپ سے بیعت کریں گے اور حبیب حضرت
ابوبکر ظہر کی نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت ابوبکر منبر پر
چڑھے، کلمہ شہادت پڑھا اور حضرت علی کا معاملہ بیان کیا اور
بیعت میں ان کی تاخیر کرنے کا غدر بیان کیا جو حضرت علی
نے بیان کیا تھا پھر استغفار کیا (اور منبر سے اتر آئے)
پھر حضرت علی نے کلمہ شہادت پڑھا اور حضرت ابوبکر کے

يَحْمِلُهُ عَلَى الَّذِي صَنَعَ نَفَاسَةً عَلَى
آبِي بَكْرٍ وَلَا انْكَارًا لِذِي فَضْلِهِ اللَّهُ بِهِ
وَلَكِنَّا كُنَّا نَرَى لَنَا فِي الْأَمْرِ نَصِيبًا
فَأَسْتَيْدَ عَلَيْنَا بِهِ فَوَجَدْنَا فِي أَنْفُسِنَا
فَسَّرَ بِذَلِكَ الْمُسْلِمُونَ وَقَالُوا أَصَبَتْ
فَكَانَ الْمُسْلِمُونَ إِلَى عَلِيٍّ قَرِيبًا حِينَ
رَأَوْا جَعَلَ الْأَمْرَ الْمَعْرُوفَ -

حق کی عظمت کو بیان کیا اور یہ بتلایا کہ انھوں نے جو تاغیر کی
اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ حضرت ابو بکر کے خلاف خلافت
میں کچھ رغبت رکھتے تھے اور نہ وہ حضرت ابو بکر کی خداداد
فضیلت کا انکار کرتے تھے لیکن ہم یہ سمجھتے تھے کہ اس حکومت
(کے مشورے) میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے اور ہم سے مشورہ
یہ بغیر یہ حکومت بنائی گئی اس وجہ سے ہمارے دلوں کو
رنج پہنچا۔ مسلمان اس بیان سے خوش ہوئے اور کہا آپ
نے ٹھیک فرمایا، اور جب حضرت علی نے اس معروضہ راستہ کو
اختیار کر لیا تو لوگ ان کی طرف پھر مائل ہو گئے۔

۳۶۶۶ - حَدَّثَنَا اسْحَقُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ
وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ
قَالَ ابْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا وَقَالَ ابْنُ حُجْرٍ
أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ
الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ
فَاطِمَةَ وَالْعَبَّاسَ أَتَيَا أَبَا بَكْرٍ يَلْتَمِسَانِ
مِيرَاثَهُمَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَهُمَا حِينَئِذٍ يَطْلُبَانِ
أَرْضًا مِنْ قَدَاحٍ وَسَهْمًا مِنْ تَحِيْبَرٍ
فَقَالَ لَهُمَا أَبُو بَكْرٍ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَاقِي
الْحَدِيثِ بِمِثْلِ مَعْنَى حَدِيثِ عَقِيلٍ
عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ ثُمَّ قَامَ
عَلِيٌّ فَعَظَّمَ مِنْ حَقِّ أَبِي بَكْرٍ وَذَكَرَ
فَضِيلَتَهُ وَسَابِقَتَهُ ثُمَّ مَطَى إِلَى أَبِي
بَكْرٍ فَبَايَعَهُ فَأَقْبَلَ النَّاسُ إِلَى عَلِيٍّ
فَقَالُوا أَصَبَتْ وَأَحْسَنْتَ فَكَانَ
النَّاسُ قَرِيبًا إِلَى عَلِيٍّ حِينَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت
فاطمہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابو بکر کے
پاس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے اپنا
حصہ طلب کرنے لگے، وہ دونوں فدک کی زمین اور خیبر کے
حصہ میں سے مطالبہ کر رہے تھے، حضرت ابو بکر نے ان سے
کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے
اس کے بعد حسب سابق حدیث بیان کی البتہ اس میں یہ ہے
کہ چھ حضرت علی کبریٰ سے ہوئے اور انھوں نے حضرت ابو بکر
کے حق کی عظمت ان کی فضیلت اور دین میں ان کی سبقت
بیان کی پھر حضرت ابو بکر کے پاس جا کر ان کی بیعت کی پھر
مسلمان حضرت علی کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا آپ نے صحیح
اور مناسب کام کیا، اور جب حضرت علی نے اس نیک کام کو
اپنا لیا تو لوگ ان کے قریب ہو گئے۔

قَارَبَ الْأَمْرَ الْمَعْرُوفَ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا
يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ سَوْحٍ وَ
حَدَّثَنَا هَيْثُ بْنُ هَرْبٍ وَالْحَسَنُ بْنُ
عَلِيٍّ الْخَلَوَانِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ
وَهُوَ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ عَنْ
صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَ فِي عُرْوَةٍ
بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ مَرْفُوعًا أَنَّ النَّبِيَّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرْتُهُ أَنَّ
فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَتْ أَبَا بَكْرٍ بَعْدَ
وَقَاءِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَنْ يَتَّقِيَهَا بِهَا صَبْرًا لَهَا مِمَّا تَرَكَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِمَّا أَقَامَ اللَّهُ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهَا أَبُو بَكْرٍ
إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ لَا تَوَرَّيْ مَا تَرَكَتُ صَدَقَةً قَالَ
وَعَائِشَةُ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةَ أَشْهُرٍ وَكَانَتْ
فَاطِمَةُ تَسْأَلُ أَبَا بَكْرٍ نَصِيبَهَا مِمَّا تَرَكَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِنْ خَيْرٍ وَفَدَكَ وَصَدَقَاتِهِ بِالْمَدِينَةِ
قَالَ أَبُو بَكْرٍ عَلَيْهَا ذَلِكَ وَفَسَّالَ كَسْبُ
تَارِكًا شَيْئًا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْمَلُ بِهِ إِلَّا عَمِلْتُ
بِهِ إِنِّي أَخْشَى أَنْ تَرَكَتُ شَيْئًا مِنْ أَمْرِ
أَنْ أَيْدِيَّ فَا مَّا صَدَقْتُ بِالْمَدِينَةِ
فَدَعَهَا عُمَرُ إِلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ فَغَلَبَهُ
عَلَيْهَا عَلِيٌّ وَأَمَّا خَيْرٌ وَفَدَكَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت سیدتنا فاطمہ زہراء
رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے
بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا کہ وہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ترکہ سے جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے
بطور نبی دیا تھا ان کی میراث تقسیم کریں، حضرت ابو بکر نے
کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”ہمارا وارث
نہیں بنایا جائے گا، ہمارا تمام ترکہ صدقہ ہے، رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ چھ ماہ
زندہ رہیں اور حضرت فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے اس ترکہ سے اپنے حصے کا سوال کرتی رہیں جو
آپ کو فدا، خیر اور مدینہ کے صدقات سے حاصل تھا،
حضرت ابو بکر نے ان کو دینے سے انکار کیا اور کہا میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیے ہوئے کاموں میں
سے کسی کو ترک نہیں کروں گا، مجھے یہ خدشہ ہے
کہ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیے ہوئے
کسی کام کو ترک کیا تو میں گمراہ ہو جاؤں گا، رہے مدینہ
کے صدقات تو حضرت عمر نے وہ حضرت علی اور حضرت
عباس کی تولیت میں دے دیے سو ان پر حضرت علی
غالب آ گئے، اور خیر اور فدا کو حضرت عمر نے اپنی
تولیت میں رکھا، اور کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے صدقات ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے
حقوق اور ریاست کی ضروریات میں خرچ کرتے تھے
اور یہ اس شخص کی تولیت (نزیر انتظام) میں رہیں گے جو
مسلمانوں کا خلیفہ ہو گا سو آج تک ان کے ساتھ ہی
معمول ہے۔

فَأَمْسَكَهُمَا عُمَرُ وَقَالَ هُمَا صَدَقَةٌ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَأَنَّا لِحَقُوقِهِ الَّتِي تَعْرُوهُ وَتَوَائِبِهِ
وَأَمْرُهُمَا إِلَى مَنْ وَكَلِيَ الْأَمْرَ قَالَ فَكُهُمَا
عَلَى ذَلِكَ إِلَى الْيَوْمِ -

۴۲۶۸ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ
قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ
الْأَعْمَرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَغْتَسِمُ
وَرَثَتِي وَبِنَارِ مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفْقَةٍ
يَسَافِي وَمُسُؤُونَةٍ عَاصِلِي فَهُوَ
صَدَقَةٌ -

۴۲۶۹ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى
بُنِ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ
أَبِي الزِّنَادِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ -

۴۲۷۰ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى
حَدَّثَنَا زَكْرِيَّا بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَخْبَرَنَا ابْنُ
الْمُبَارَكِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ
الْأَعْمَرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُورَثُ مَا تَرَكْنَا
صَدَقَةً -

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ترکہ میں سے
میرے وارث ایک دینار بھی نہیں خرچ کر سکتے، میری اولاد
اور میرے خالی کے خرچ کے بعد جو کچھ باقی بچے گا وہ صدقہ

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا وارث نہیں بنایا جائے
گا ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

فِنِ كَالْعَوَىٰ مَعْنَىٰ اَوْ اس کی شرعی تفسیر | علامہ راجب اصفہانی کہتے ہیں: فِنِ کا معنی ہے حالت محمودہ کی طرف
لڑنا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: حَتَّىٰ تَقْضِيَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ - یعنی کہ
باقی جماعت اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے، فِنِ اس مال غنیمت کو بھی کہتے ہیں جس کو دشمن سے حاصل کر لے کے لیے مسلمانوں نے
کرتی مشقت نہ اٹھائی ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ - اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف
جو اموال پٹا دیے "لے
علامہ ابو بکر جمہاس کہتے ہیں: اہل شرک کے جو اموال مسلمانوں کے قبضہ میں آجائیں وہ فِنِ ہے، لہذا غنیمت مجزیہ

اور خراج یہ سب غنم ہیں، کیونکہ یہ تمام وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کفار کی ملکیت سے نکال مسلمانوں کی ملکیت میں داخل کر دیں، نیز چند کہ غنیمت بھی تھے ہے لیکن وہ بعض خصوصیات کی وجہ سے غنم سے الگ ہو گئی، کہ جو اموال کفار سے بذریعہ جنگ حاصل ہوں ان کو غنیمت کہتے ہیں، اور ان اموال میں سے غنم (۱) نکالتے کے بعد ان کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا جاتا ہے اور جو مال غنم ہوں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر انتظام رہتے ہیں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ضروریات اپنے اقرباء، فقراد، مساکین، مسافروں اور عام مسلمانوں کی فلاح اور بہبود پر خرچ کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان کا مصرف فقراد، مساکین، مسافر اور عام مسلمانوں کی ضروریات میں، کیونکہ حضرت مالک بن اوس بن حذافان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بنو نضیر کے اموال غنم تھے ان اموال کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عطا کیا، ان کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اپنے ہاتھ اور گھوڑے نہیں دوئے تھے، یہ اموال خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں تھے، آپ ان اموال میں سے اپنے اہل محیال کے لیے ایک سال کا خرچ نکالتے تھے، اور باقی اموال کو جہاد کی سبیل اللہ کے لیے سواریوں اور ہتھیاروں میں خرچ کرتے تھے۔ علامہ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں: یہ وہ اموال غنم ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تصرف کرتے تھے، ان اموال میں کسی کا حق نہیں ہے الا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال میں سے کسی کو کچھ عطا فرمادیں، ان اموال میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل پر خرچ کرتے تھے اور باقی اموال کو سواریوں اور ہتھیاروں پر خرچ کرتے تھے، کیونکہ ان اموال کو مسلمانوں نے جنگ کے ذریعہ حاصل نہیں کیا تھا بلکہ صلح کے ذریعہ حاصل کیا تھا، ارض لحدک اور عربینہ کے اموال کا بھی یہی حکم ہے۔ قرآن مجید میں غنم کے متعلق سورہ حشر کی آیات ہیں ان میں یہ دلیل ہے کہ کفار کے جو اموال بغیر جنگ کے مسلمانوں کو حاصل ہوئے ہوں ان کو مسلمانوں کے بیت المال میں نہیں رکھا جائے گا بلکہ ان کو ان معارف میں خرچ کیا جائے گا جن معارف میں خراج اور جزیہ کے اموال کو خرچ کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ اموال بنو نضیر کے اموال کے حکم میں ہیں کیونکہ ان کے حصول کے لیے مسلمانوں نے کوئی جنگ کی ہے نہ کوئی مشقت اٹھائی ہے۔ ۱۔

مال غنیمت اور مال غنم کو کفار کی ملکیت سے نکال کر مسلمانوں کو دینے کی وجہ [میں نزع کفار سے]

کے بھی اموال حاصل ہوتے ہیں ان سب کی حقیقت یہ ہے کہ کفار کے باطنی جو جانے کی وجہ سے کجی سرکار ضبط ہونے کے بعد وہ اموال ان کی ملکیت سے نکل جاتے ہیں اور مالک حقیقی (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف لوٹ جاتے ہیں، اس لیے اموال کے اللہ کے طرف پلٹ آنے کو افادہ اور فیضی سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن جن اموال کے حصول میں مسلمانوں کی جنگ اور جہاد کا دخل ہوتا ہے اسی مال کو اللہ تعالیٰ نے لفظ غنیمت سے تعبیر فرمایا اور ارشاد ہر ادا و اعلموا انما غنمتم من شئ الا یہ - جان لو کہ جو مال تم نے بطور غنیمت حاصل کیا ہے، اور کفار کے جس مال کے حصول میں جنگ اور جہاد کی ضرورت نہیں پڑتی اللہ تعالیٰ نے اسے غنم سے تعبیر فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا

۱۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص صنفی متوفی ۳۷۰ھ احکام القرآن ج ۲ ص ۴۳۰ - ۴۳۹ مطبوعہ مہسبل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ

مَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى - یعنی بنو نضیر اور بنو عزیزہ کے جو اموال اللہ تعالیٰ نے بغیر جنگ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پٹا دیے۔

سورہ حشر کی ابتدائی آیات میں بنو نضیر کی ان جائیدادوں اور املاک کا ذکر ہو رہا ہے جو پہلے بنو نضیر کی ملک تھیں اور ان کی جلا وطنی کے بعد وہ اسلامی حکومت کے قبضہ میں آ گئیں، ان آیات میں ان متروکہ جائیدادوں کے انتظام اور ان کے اموال میں تصرف کرنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ ایک علاقہ کے فتح ہونے کے بعد اس کے اسلامی مقبوضات میں شامل ہونے کا پہلا موقع تھا اور اس کے بعد بھی اس قسم کے بہت سے علاقے فتح ہونے والے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ابتدائی میں اراضی مغترہ کا قانون بیان فرما دیا۔ اس آیت میں یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے رسول کی طرف پٹا دیا“ ان الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ زمین اور یہاں کی ساری چیزیں اللہ کے بانیوں کا حق نہیں ہیں، اگر وہ ان چیزوں پر متصرف ہیں تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے ڈاکو اور باغی حکومت کے اموال پر قبضہ کر کے اس میں تصرف کرنے لگیں، درحقیقت تمام اموال میں اصل یہ ہے کہ ان اموال کو ان کے حقیقی مالک اللہ رب العالمین کے احکام اور اس کی اطاعت اور عبادت میں خرچ کیا جائے اور ان اموال میں اس طرح کا خرچ صرف صالحین مؤمنین ہی کر سکتے ہیں۔ اس لیے جو اموال بھی ایک جائیداد اور صحیح جنگ کے نتیجے میں کفار کے قبضہ سے نکل کر اہل ایمان کے قبضہ میں آجائیں ان کی حقیقی حیثیت یہ ہے کہ ان کا مالک انھیں اپنے خائن ملازموں کے قبضہ سے نکال کر اپنے فرمانبردار ملازموں کی طرف پٹا دیتا ہے۔ اس لیے ان املاک کو اسلامی قانون کی اصطلاح میں فتنے (پٹا کر لائے ہوئے اموال) کہا جاتا ہے۔

مال غنیمت اور مال فتنے کا فرق | مال غنیمت وہ مال ہے جس کو مسلمان فوج دشمن سے جگ کر کے اور مقابلہ میں فتحیاب ہو کر دشمن سے حاصل کرتی ہے لیکن فوج میں اس مال کو تقسیم کرنے کی صرف یہ وجہ نہیں ہے کہ چونکہ اس فوج نے لڑ کر یہ مال جیتا ہے اس وجہ سے یہ مال اس کا حق ہے، بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کو اس جگہ میں فتح عطا کی ہے اور درحقیقت یہ اس اسلامی نظام کی فتح ہے جس کو قائم کرنے کے لیے مسلمانوں نے جگہ کی تھی اس لیے مسلمانوں پر لازم ہے کہ محض نکلنے کے بعد مال غنیمت کے عنوان سے ان کو جزیل دیا جائے اس مال کو وہ اللہ کے احکام اور اس کی اطاعت اور عبادت میں صرف کریں تاکہ دنیا کو معلوم ہو کہ جب کفار کے ہاتھ میں پیسہ ہو تو وہ اس کو کس طرح خرچ کرتے ہیں اور جب مسلمانوں کے ہاتھ میں پیسہ آئے تو وہ اس کو کس طرح صرف کرتے ہیں۔

مال غنیمت کے برخلاف مال فتنے کی یہ نوعیت نہیں ہے کہ اس مال کو اسلامی فوج نے میدان جنگ میں لڑ کر جیتا ہے اور اس بنا پر اس مال کو اسلامی فوج میں تقسیم کر دیا جائے۔ بلکہ مال فتنے کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اپنے رسول اور مسلمانوں کو کفار پر غالب کر دیا اور اسلام کے رعب اور ہیبت سے کفار اپنے اموال کو چھوڑ کر بھاگے اور بغیر کسی جنگ کے مسلمانوں کے ہاتھوں میں کفار کے اموال آ گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے: ”فَاَوْجِبْهُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلاَدٍ كَآبٍ“۔ یہ ایسے اموال نہیں ہیں جن پر تم نے اپنے گھوڑے یا اونٹ دوڑائے ہوں، اس وجہ سے اموال فتنے میں فوج کا حق نہیں ہے کہ مال غنیمت کی طرح مال فتنے کو بھی ان میں تقسیم کر دیا جائے۔

اسلام میں غنیمت اور فتنے کا حکم الگ الگ مقرر کیا ہے، غنیمت کا حکم سورہ انفال کی آیت نمبر ۴۱ میں بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں، چار حصے لڑنے والی فوج میں تقسیم کر دیے جائیں اور ایک حصہ بیت المال میں داخل کر کے اس کو یتامی، مساکین، مسافروں اور مسلمانوں کے عام رفاہی امور میں خرچ کیا جائے (اس کی تفصیل باب نمبر ۵۸۸ میں بیان کی جا چکی ہے) اور فتنے کا حکم سورہ حشر کی آیت نمبر ۱۰۱ میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اموال فتنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے قرابت داروں، یتامی، مساکین اور مسافروں پر خرچ کیا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کا حصہ ساقط ہو گیا، امام شافعی کے نزدیک یہ حصہ اب امام اور خلیفہ پر خرچ کیا جائے گا، اور آپ کے قرابت داروں کا حصہ فخر اور مساکین میں آگیا اور یہ تقسیم کی وہی صورت ہے جو خمس میں بیان کی گئی ہے۔ غنیمت اور فتنے کا یہ ایک اجالی فرق ہے اس کی تفصیل آئندہ سطور میں ہم فقہاء اسلام کے مذاہب کے ذکر میں بیان کریں گے اس سے پہلے کہ فتنے اور غنیمت کی مزید وضاحت کریں پہلے سورہ حشر کی ان آیات کو بیان کرتے ہیں جو فتنے کے احکام کا اصل ماخذ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قرآن مجید سے اموال فتنے کے وقف ہونے پر دلائل

اور جو مال اللہ نے کفار کے قبضہ سے نکال کر اپنے رسول کی طرف لوٹا دیے وہ ایسے مال نہیں ہیں جن پر تم نے اپنے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس چیز پر چاہتا ہے قلب عطا فرماتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور جو کچھ بھی اللہ نے ان بستیوں کے لوگوں (بنو نضیر) سے اپنے رسول کی طرف لوٹا دیا وہ اللہ رسول، (رسول کے) رشتہ داروں، یتامی، مساکین، اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ یہ مال تمہارے مالداروں کے درمیان ہی گردش کرتا نہ رہے۔

وما افاء اللہ علی رسولہ منہم فمما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسطر رسولہ علی من یشاء واللہ علی کل شیء قدير۔ وما افاء اللہ علی رسولہ من اهل القرای فتلہ وللرسول ولذی القربی والیتیمی والمسکین وابن السبیل کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء منکم

(حشر: ۶-۷)

اس کے بعد فرمایا:

اور (یہ مال ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو پہلوں کے بعد آئے ہیں۔

والذین جاءو من بعدہم

(حشر: ۱۰)

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ مال خمس اور مال فتنے کے معارف ایک جیسے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اموال کسی شخص کی شخصی ملکیت میں نہیں دیے، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے ان اموال کا شخصی مالک نہیں بنایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ اموال آپ کی قرابت اور انتظام میں کر دیے اور ان کے معارف متعین کر دیے تاکہ آپ ان اموال کو اپنی ضروریات میں خرچ کریں، اپنے قرابت داروں میں مہر کریں اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کریں چنانچہ اس باب کی احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال کو اسی طرح خرچ کرتے تھے، نیز اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا ہے کہ

ان اموال کے یہ مصارف اس لیے مقرر کیے ہیں تاکہ یہ مال تمہارے مالداروں کے درمیان ہی گردش کرتا رہے، اس سے واضح ہو گیا کہ مالی فحش کا کوئی شخص شخصی مالک نہیں ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے نیز ان آیات کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا والذین جاءو من بعدھم (اور ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو پہلوں کے بعد آئے ہیں "اس آیت سے بھی یہ واضح ہو گیا کہ اموال فقہ کسی شخص کی نجی اور شخصی ملکیت نہیں ہوتے بلکہ یہ مسلمانوں کے مفاد عامہ اور فقیہوں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے قیامت تک وقف ہوتے ہیں اور اموال فقہ کے وقف ہونے پر سورہ حشر کی یہ نص میں قطعیہ ناطق اور شاہد ہیں۔

احادیث آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے اموال فقہ کے وقف ہونے پر دلائل | امام عبدالرزاق

امام عبدالرزاق بیان کرتے ہیں کہ امام ثوری نے کہا کہ فحش اور غنیمت دو مختلف چیزیں ہیں، غنیمت وہ مال ہے جس کو مسلمان میدان جنگ میں کفار کے قبضہ سے حاصل کرتے ہیں۔ اس مال کا پانچواں حصہ نکال کر امیر کو دیا جاتا ہے اور وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق خرچ کرتا ہے، اور باقی چار حصے (تین) مجاہدین میں تقسیم کر دیے جاتے ہیں، اور ختم مال وہ ہے جو مسلمانوں کے امیر اور کفار کے درمیان معاہدہ صلح سے حاصل ہوتا ہے، یہ مال کفار کی گدوڑوں، ان کی زمینوں، ان کی کھیتوں اور دیگر ان چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے جن پر صلح ہو جائے اور یہ وہ اموال ہیں جن کو مسلمانوں نے بذریعہ جنگ حاصل کیا ہو، حتیٰ کہ ان کی ان اموال پر صلح ہو گئی ہو، یہ صلح امام کی رائے پر موقوف ہے اور وہ ان اموال فقہ کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق خرچ کرے گا۔

عن عبد الرزاق عن الثوري قال، الغنيمة والغنيمة مختلفان اما الغنيمة فمما اخذ المسلمون فصار في ايديهم من الكفار والخمس في ذلك الى الامير يضعه حيث ما امر الله والاربعة الاخماس الباقية للذين غنموا الغنيمة، والغنيمة ما وقع من صلح بين الامام والكفار، في اعناقهم، وارضهم، ونادعهم، وفيما صلحوا عليه مما لم يأخذوا المسلمون عنوة، ولم يحوزوه ولم يفتحوه عليه، حتى وقع فيه بينهم صلح، قال، فذلك الصلح الى الامام، يضعه حيث امر الله به.

اس حدیث میں اموال غنیمت اور اموال فقہ کا وہی فرق بیان کیا ہے جو ہم اس سے پیشتر سورہ انفال کی آیت نمبر ۴۱ اور سورہ حشر کی آیت نمبر ۱۰۱ کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں۔

جب مسلمان، کفار کے کسی علاقے کو جنگ سے فتح کریں تو اس علاقہ کے مکان اور زمینیں لازمی طور پر بل غنیمت میں شمار نہیں ہوتیں، بلکہ مسلمانوں کے امیر کو یہ اختیار ہے کہ اس علاقہ کی زمینیں، مکانات اور دیگر اموال کو مسلمانوں کا امیر فحش کے احکام کے مطابق خرچ کرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو فتح کرنے کے بعد اس علاقے کی زمینوں

کو یہودیوں کے ہاتھوں شہادت پر دے دیا اور اس کی آمدنی کو آپ ﷺ کے احکام کے مطابق خرچ کرتے تھے۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن نافع بن عبد الله بن عمر اخبره
ان النبي صلى الله عليه وسلم عامل
اهل خيبر بشطر ما يخرج منها من
نارع او ثمر وكان يعطي ازواجه ما
وسق ثمانون وسق تمر وعشرون وسق
شعير وقسم عمر فخير اذ واجه النبي صلى
الله عليه وسلم ان يقطع لهن من السماء
والارض او يعضي لهن فممنهن من اختار
الارض ومنهن
من اختار النوسق وكانت عائشة اختار
الارض.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں سے یہ سہارہ
کیا کہ وہ خیبر کے کھیتوں اور باغات کی نصف آمدنی رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کریں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اس آمدنی میں سے ۸۰ سو دینار (ایک دینار ۲۰ کلوگرام کے
برابر ہے) ازواج مطہرات کو دیتے تھے، اسحاق دینار مجوری
اور عیسیٰ دینار جو حضرت عمر نے بھی اس تقسیم کو قائم رکھا سو
انہوں نے ازواج کو یہ اختیار دیا کہ وہ زمین میں کھیتی باڑی
کا انتظام خود سنبھال لیں اور چاہیں تو رب و ستور غلہ لیتی
ریں بعض ازواج نے غلہ لینا پسند کیا اور بعض نے زمین
میں کاشتکاری کرانے کو پسند کیا، حضرت عائشہ ان ازواج
میں سے تھیں جنہوں نے زمین میں کاشتکاری کرانے کو
پسند کیا تھا۔

امام مسلم نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ لہ
اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مفتوحہ علاقہ کی زمینوں کو لازماً مالِ قیمت قرار نہیں دیا جاتا اور اس کو اسلامی فوج پر
تقسیم نہیں کیا جاتا اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ فتح وقت ہوتا ہے کہ چونکہ خیبر کی بعض زمینوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
کسی کو مالک نہیں بنایا بلکہ اس کی آمدنی کرتے کے احکام کے مطابق خرچ کرتے رہے اس کی مزید وضاحت اس حدیث سے
ہوتی ہے:

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عن مالك بن اوس بن الحداث قال
كان فيما احتجب به عمر انه قال كانت لرسول
الله صلى الله عليه وسلم ثلث صفايا بنو
النضير، وخبير وفداك، فاما بنو النضير
فكانت لنواثبه واما فداك فكانت حبسا

حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ بیان
کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مفتوحہ علاقے کی زمینوں
کے فوجی ہونے پر اس سے استدلال کرتے تھے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تین زمینیں مخصوص تھیں، بنو نضیر،
خیبر اور فداک، بنو نضیر کی زمینوں کی آمدنی کو آپ اپنی ضرورت

۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۲۔ امام ابوالحسن محمد بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

لأبناء السبيل وأما خيبر فجزأها رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثة أجزاء جزأين بين المسلمين وجزء لنفقة أهله فما فضل عن نفقة أهله جعله بين الفقراء المهاجرين۔^۱

عن سهل بن أبي حثمة قال قسم رسول الله صلى الله عليه وسلم خيبر نصفين نصفاً لنوابه وحاته ونصفاً بين المسلمين قسمها بينهم على ثمانية عشر سهماً۔^۲

عن بشير بن يسار قال لما فاء الله على نبيه صلى الله عليه وسلم خيبر قسمها على ستة وثلاثين سهماً جمع كل سهم مائة سهم فغزل نصفها لنوابه وما ينزل به الوطيحة والكتيبة وما أجيز معهما وغزل نصف الآخر فقسمه بين المسلمين الشق والنطاء وما أجيز معهما وكان سهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فيهما أجيز معهما۔^۳

پر خرچ کرتے تھے اور نہ کہ زمینوں کو آپ نے مسافروں کے لیے وقف کر دیا تھا، اور خیبر کی زمینوں کی آمدنی کے اپنے تئیں حصے کر دیے تھے، دو حصے آپ نے مسلمانوں کے لیے وقف کر دیے تھے اور ایک حصہ آپ نے انداز مطہرت کے لیے وقف کر دیا تھا اور اذن کے خرچ سے جو آمدنی بچی اس کو آپ نے ہاجرین پر خرچ کرتے تھے۔

حضرت سهل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اموال خیبر کے دو حصے کیے اور ہر حصہ اپنی ضروریات کے لیے رکھا اور باقی اُسے حصہ کر مسلمانوں کے درمیان اٹھارہ حصوں پر تقسیم کر دیا۔

حضرت بشیر بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خیبر کو پیش کیا (یعنی خیبر کی زمین بطور فنی عطا کی) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چھتیس حصے کیے اور ہر حصے کے سو حصے کیے، اس میں سے نصف حصہ (یعنی اٹھارہ حصوں کو) کو اپنی ضروریات کے لیے رکھ لیا، یہ وہ زمین تھی جو وطیحة، کتیبة اور ان دونوں سے ملتی تھی، اور باقی نصف کر مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرما دیا یہ وہ زمین تھی جو شق، نطاء اور ان دونوں سے ملتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ بھی ان دونوں زمینوں سے ملتی تھا۔

بشیر بن یسار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معتد صحابہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو فتح کیا تو آپ نے اس کو چھتیس حصوں میں تقسیم فرما دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے اس میں سے نصف تھا اور

عن بشیر بن يسار ومولى الانصار عن رجال من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما ظهر على خيبر قسمها على ستة وثلاثين سهماً فكان لرسول الله صلى الله عليه وسلم

۱۔ امام ابوداؤد و سلیمان بن اشعث مترقی ۵، ۲، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۵، مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور پاکستان ۱۴۰۶ھ

۲۔ سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۶۹

۳۔ سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۶۹

عنوة افتخرها على صلح فقسها النبي صلى الله عليه وسلم بين المهاجرين لم يعط الانصار منها شيئاً الا رجلين كانت بهما حاجة له

کہتے ہیں کہ ہر تفسیر کی وہ چینی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
بے غصہ و متین ان کو مسلمانوں نے جگ سے نہیں فوج کیا
تھا جبکہ صلح سے فوج کیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو
مہاجرین پر تقسیم فرمایا اور سوا دو ضرورت مند انصار ہوں گے
اور کسی انصاری کو ان میں سے کچھ نہیں رہا۔

عن الزهري وعبد الله بن أبي بكر وبعض
ولد محمد بن مسلمة قالوا بقيت بقية من
اهل خيبر فتحصنوا فسالوا رسول الله صلى
الله عليه وسلم ان يحقن دما ثمهم ويسيرهم
ففعل فسمع بذلك اهل فداك
فتزلوا على مثل ذلك فكانت
الرسول الله صلى الله عليه وسلم
خاصة لانه لم يوجف عليها
بنخيل ولا ركاب لله

امام زہری حضرت عبداللہ بن ابی بکر اور حضرت محمد بن مسلمہ کے بعض لوگوں نے بیان کیا کہ اہل خیمہ سے جو لوگ پنج گئے وہ قلعہ میں محصور ہو گئے پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ آپ انہیں معاف کر دیں لیکن کو یہاں سے جانے کی اجازت دے دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منظور کر لیا، جب اہل خدک نے یہ سنا تو انہوں نے بھی اس شرط پر اپنا قلعہ کھول دیا سو خدک اور خیمہ کی یہ نہ جینیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھیں کیونکہ ان پر گھوڑے دوڑائے گئے تھے نہ اونٹ۔

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ بنو نضیر، حنظلہ کے بعض علاقے اور فدک کی زمینیں فنی تھیں اور ان کی آمدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ضروریات اور مفاد عامہ کے لیے وقف تھی اور ان زمینوں کو مال غنیمت میں شمار کیا گیا تھا۔ یہ کسی کی میراث تھیں۔ ان احادیث کو بیان کرنے کے بعد اب ہم عراق کی مفتوحہ زمینوں کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف بیان کریں گے۔

سوادِ عراق اور دیگر مفتوحہ زمینوں کو وقف کرنے کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا

قصه

قرآن اور سنت کی تصریحات کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جب مسلمانوں کا لشکر کسی علاقے کو فتح کرے تو میدان جنگ میں جو سوار یاں، سامان حرب اور مال و متاع مسلمانوں کے ہاتھ آئے وہ مال غنیمت ہے لہذا اس میں سے خمس لٹکانے کے بعد وہ مال مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے گا اور اس علاقہ کی زمینیں اور نہریں وغیرہ مال فنی ہیں ان زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا جائے گا بلکہ ان زمینوں کو ان زمین والوں کے قبضہ میں رہنے دیا جائے گا اور

۱۳۰۶ھ - امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۴۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۵۹-۵۸، مطبوعہ مطبع مجتہدی پاکستان لاہور

٥- " " " سنن البراء ودرج ۲ ص ۷۰ " "

ان پر خراج مقرر کر کے ان کی آمدنی کو بیت المال میں داخل کیا جائے گا تاکہ اس مال کو عام مسلمانوں کی ضروریات، جہاد کے ساز و سامان، مفاد عامہ اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کی فلاح اور بہبود پر خرچ کیا جاسکے۔ بعض صحابہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے اختلاف کیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن اور حدیث سے محسوس دلائل فراہم کر کے انہیں مطمئن کر دیا حتیٰ کہ تمام صحابہ کا اس فیصلے پر اجماع ہو گیا۔ حسب ذیل احادیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے موقف اور ان کے دلائل کا بیان ہے۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن یزید بن ابی حبیب قال کتب
عمر الی سعد رضی اللہ عنہما حین
افتتح العراق، اما بعد فقد بلغنی کتابک تذکر
ان الناس سالوک ان تقسم بینہم مغانہم
وما افاع اللہ علیہم فاذا جاءک کتابی هذا
فا نظر ما اجلب الناس علیک الی العسکر
من کراہ او مال فا قسمہ بین من حضر
من المسلمین واترک الارضین والانہار
لعمالہا فیکون ذلک فی اعطیات المسلمین
فانک ان قسیتہا لیس فی من حضر لم یکن
لہن بقی بعدہم شیء ۱۰

یزید بن ابی حبیب بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت
سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عراق فتح کر لیا تو حضرت
عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے خط کے جواب میں لکھا:
حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ مجھے تمہارا خط ملا جس میں
تم نے یہ لکھا کہ لوگ تم سے مال غنیمت اور مال فوج کی
تقسیم کا مطالبہ کر رہے ہیں سو جب تمہارے پاس
میرا یہ خط پہنچے تو مال غنیمت یعنی سوریوں اور دیگر اموال
کو شکر اسلام میں تقسیم کر دو اور زمینوں اور نہروں کو ان
کے کھدکنوں کے پاس رہنے دو تاکہ ان کو مسلمانوں
کے بیت المال میں داخل کیا جاسکے، اگر تم نے اسی
کو بھی شکر میں تقسیم کر دیا تو بعد میں آنے والی نسلوں کے
لیے کچھ نہیں بچے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے
یہ ارادہ کیا کہ مفتوحہ زمینوں کے کارکنوں کو مسلمانوں میں
تقسیم کر دیں سو آپ نے ان کو گھسنے کا حکم دیا تو ہر مسلمان
(مجاہد) کے حصہ میں تین کسان آکر رہے تھے، حضرت
عمر نے اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
صحابہ سے مشورہ کیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا
آپ ان کو مسلمانوں کے بیت المال کے لیے رہنے
دیکھئے، پھر حضرت عمر نے عثمان بن حنیف کو بھیجا اور ان
کسانوں پر حسب حیثیت اڑتالیس، چوبیس اور بارہ بارہ

عن حارثۃ بن مضرب عن عمر رضی
اللہ عنہ انہ ارا دان یقسم اہل السوادین
المسلمین وامر بہم ان یحصوا فوجدوا
الرجل المسلم یصیبہ ثلاثۃ من الفلاحین
یعنی العلویہ فشاؤا اصحاب النبی صلی
اللہ علیہ وسلم فی ذلک فقال علی رضی
اللہ عنہ دعہم یكونون ما دۃ للمسلمین
فبعث عثمان بن حنیف فوضع علیہم
ثمانیۃ واربعین واربعۃ وعشرین و

اثنتی عشر - ۱۱

عن زید بن اسلم عن ابيه قال قال
عمر: اجتمعوا لهذا الفی حتى تنظر فيه -
فالی قرأت آیات من کتاب الله استغنی
بها قال الله: ما افاء الله علی رسول
من اهل القری لله وللرسول ولذی القربی
والیتامی والمساکین وابن السبیل الی قوله
والله شدید العقاب والله ما هو لهؤلاء
وحدهم، ثم قرا للفقراء المهاجرین
الذین اخرجوا من دیارهم واموالهم
الی قوله هم الصادقون والله ما
هو لهؤلاء وحدهم، ثم قرا و
الذین جاءو من بعدهم الی آخر
الآیة - ۱۱

در ہم منفر کر دیے۔
زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آؤ بیٹھ کر فئی کے مسائل میں
غور کریں، مجھے تو قرآن مجید کی چند آیات سے اس کا حکم معلوم
ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے
رسول کو جن بستیوں (بنو نضیر، خیبر اور فدک وغیرہ) کا مال
بطور فئی دیا ہے وہ اللہ کے لیے ہے اس کے رسول
کے لیے ہے اور رسول کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں
اور مسافروں کے لیے ہے۔ (اس کے بعد اللہ شدید
العقاب تک یہ آیت پڑھی) بخدا! یہ اموال صرف لشکر
اسلام کے لیے نہیں ہیں پھر پڑھا یہ اموال ان فقراء
مہاجرین کے لیے ہیں جو اپنے گھر وں اور مالوں سے
نکال دیے گئے (اور ہم الصادقین تک یہ آیت پڑھی)
پھر پڑھا یہ اموال ان مسلمانوں کے لیے بھی ہیں جو بعد
میں آئیں گے۔

اس سے پہلے ہم سنن ابوداؤد (۲ ج ص ۵۷) کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے
موقف پر اس سے بھی اسطلاح فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر، خیبر کی بعض زمینوں اور
فدک کی زمینوں کو مجاہدین پر تقسیم نہیں کیا تھا بلکہ آپ نے ان زمینوں کو وقف قرار دیا تھا اور اس آمدنی کو اپنے اہل
عیال اور فقراء مہاجرین پر خرچ کرتے تھے۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ قرآن اور سنت کی حجت پر مبنی تھا۔

اس سلسلہ میں بعض اماریش سے شبہ ہو سکتا ہے کیونکہ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں
نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یہ سنا "سنو!
اس فیات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے
اگر مجھے بعد میں لوگوں کے نقرار احتیاج کا خوف نہ
ہوتا تو جو علاقہ بھی فتح ہوتا میں اس کو (مجاہدین) میں اسی

عن زید عن ابيه انه سمع عمر بن
الخطاب يقول اما والذی نفسی بیدہ
لولا ان اترك اخو الناس بیانا لیس لهم
شیء ما فتحت قریۃ الا قسمتها کما
قسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیبر

۱۱۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۹ ص ۱۳۲، مطبوعہ نشر السنۃ عمان

۱۲۔ امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المعنف ج ۱۲ ص ۳۵۲-۳۵۱، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

ولکنی اترکھا خزانۃہم یقسمونہا

طرح تقسیم کرتا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کیا تھا یقین میں اس علاقہ کو قوت کر رہا ہوں تاکہ وہ اس کی آمدنی کو تقسیم کر سکیں۔

عن زید بن اسلم عن ابیہ عن عمر قال لولا اخو المسلمین ما فتحت علیہم قریۃ الا قسمتها کما قسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیبر

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر مجھے بعد میں آنے والے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو جو علاقہ بھی فتح ہوتا میں اس کو مجاہدین میں تقسیم کر دیتا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کر دیا تھا۔

ان حدیثوں سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینوں کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا تھا حالانکہ ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینوں کو مجاہدین پر تقسیم نہیں کیا اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی ان اراچی کو تقسیم کیا تھا جو جنگ کے بعد فتح ہوئی تھیں اور خیبر کی جو اراچی صلح سے حاصل ہوئی تھیں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے مفاد عام کے لیے وقف کر دیا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کر دیا تھا امام طحاوی نے کہا ہے اس سے حضرت عمر کی مراد یہ تھی کہ آپ نے خیبر کے بعض علاقہ کو تقسیم کیا تھا کیونکہ حضرت بشیر بن یسار سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کیا تو آپ نے اس کے نصف حصہ کو اپنی ضروریات اور بعض دیگر امور کے لیے الگ کر دیا تھا اور باقی نصف حصہ کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا تھا، اور چونکہ مسلمانوں کے پاس کاشتکاری کے لیے آدمی نہیں تھے اس لیے اپنے یہودیوں کو وہ زمین نصف پیداوار کے عوض ثنائی پر دے دی۔ (الحديث) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضرت بشیر بن یسار کی مراد یہ ہے کہ جو نصف علاقہ جنگ سے فتح ہوا تھا اس کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا اور جو نصف علاقہ صلح سے فتح ہوا تھا اس کو آپ نے اپنی ضروریات اور مفاد عام کے لیے وقف کر دیا۔

حافظ بدر الدین عینی نے اس بحث کو زیادہ تفصیل سے لکھا ہے وہ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی تمام اراچی کو تقسیم نہیں کیا تھا، خیبر کے بعض علاقوں کو تقسیم کیا اور بعض علاقوں کو تقسیم نہیں کیا، "شق" اور "نظام" کو تقسیم کیا تھا اور باقی تمام اراچی کو وقف کر دیا تھا، سو لام کے لیے جائز ہے کہ مغویہ حرز مینوں میں جو مناسب سمجھے کرے۔

۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۸، مطبوعہ فورم جامع المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۲۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۸، ۳۱۴، ۳۱۵، مطبوعہ فورم جامع المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۲ ص ۲۲۵، مطبوعہ دار نشر مکتبہ الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مفتوحہ زمینوں کو تقسیم نہ کرنے پر سورہ ہشر کی آیات سے استدلال کیا آپ کا استدلال خصوصاً اس سے تھا "اور اموال فئی ان لوگوں کے لیے بھی ہیں جو ہمد میں آئیں گے" حضرت عمر نے فرمایا اس آیت نے تمام مسلمانوں کا احاطہ کر لیا اور اس مال (فئی) میں ہر مسلمان کا حق ہے حتیٰ کہ میرے بعد آنے والے چرواہوں کا بھی اس مال میں حق ہوگا۔

عراق اور شام کی مفتوحہ زمینوں کو وقف کرنے کے متعلق حضرت عمر اور بعض صحابہ کا مباحثہ حضرت بلال اور بعض دوسرے صحابہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے اختلاف کیا تھا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس بحث کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت بلال اور ان کے اصحاب نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے عراق اور شام کے اموال فئی کو تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ ان زمینوں کو بھی ہمارے درمیان اسی طرح تقسیم کر دو جس طرح لشکر کے مال غنیمت کو تقسیم کیا جاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے اس مطالبہ کو نہیں مانا اور ان کے سامنے سورہ ہشر کی آیات تلاوت کیں اور غاصی طور پر اس آیت سے استدلال کیا "اور اموال فئی میں بعد میں آنے والے مسلمانوں کا بھی حصہ ہے" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والے مسلمانوں کو بھی اس فئی میں شریک کر دیا، اگر میں نے ان زمینوں کو تمہارے درمیان تقسیم کر دیا تو تمہارے بعد میں آنے والوں کے لیے کچھ نہیں بچے گا، اور اگر میں زندہ رہا تو تمہارا سوا پر والا بھی اس فئی میں سے اپنا حصہ لے لیگا۔

امام ابو یوسف لکھتے ہیں کہ متعدد اسانید سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق اور شام کے فئی (مفتوحہ زمینوں) کے متعلق صحابہ اور فقہاء مذاہب سے مشورہ کیا، بعض لوگوں کی رائے یہ تھی کہ مفتوحہ زمینوں کو لشکر اسلام میں تقسیم کر دیا جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر آنے والے مسلمانوں کے لیے کیا بچے گا؟ حضرت عبدالرحمن بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ زمین اور کسان مجاہدین کا حق ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف پٹا دیے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر عراق اور شام کی زمینیں کسانوں سمیت لشکر پر تقسیم کر دی گئیں تو سرحدوں کی حفاظت کا کیا ذریعہ ہوگا؟ اور شام، عراق اور اس شہر کی بیواؤں اور بچوں کی کنالٹ کا کیا ذریعہ ہوگا؟ ان لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اپنے مطالبہ پر اصرار کیا اور یہ کہا کیا آپ یہ فئی ان لوگوں کو دیں گے جو ہمارے ساتھ جہاد میں شریک نہ تھے نہ شہید ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری رائے یہی ہے، انہوں نے کہا آپ اس معاملہ میں مشورہ کریں، حضرت عمر نے مجاہدین اذہین سے مشورہ کیا تو حضرت عبدالرحمن بن عمر رضی اللہ عنہ کی تو رائے یہی تھی کہ عراق کی مفتوحہ زمینوں کو لشکر میں تقسیم کر دیا جائے، اور حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی رائے حضرت عمر کے موافق تھی، پھر حضرت عمر نے انصار سے مشورہ کیا اور اس اور خزرج سے پانچ، پانچ بزرگ صحابہ کو بلایا، جب یہ سب جمع ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا میں نے آپ لوگوں کو صرف اس لیے زحمت دی ہے کہ آپ ان امانتوں کی ادائیگی میں میرے شریک ہوں جو میرے سپرد کی گئی ہیں، کیونکہ میں آپ ہی کی طرح ایک شخص ہوں اور آپ لوگ اس زمانہ میں حق و صداقت کی علامت ہیں۔ اس مسئلہ میں بعض لوگوں نے میری موافقت

کی اور بعض نے میری مخالفت کی، میں یہ ہیں چاہتا کہ آپ لوگ میری رائے کی حمایت کریں، آپ کے سامنے اللہ کی کتاب ہے جس میں حق بات کو بیان کیا گیا ہے اور میں نے جو کچھ کہا ہے اس سے میرا ارادہ صرف حق بات کا اظہار ہے، انھوں نے کہا: اے امیر المومنین آپ اپنا موقف بیان کیجئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ میں ان کی حق تلفی کر رہا ہوں حالانکہ میں کسی کی حق تلفی کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، البتہ میرا یہ خیال ہے کہ کسریٰ کی فتح کے بعد اور کوئی علاقہ لائق فتح نہیں رہے گا، اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال، ان کی زمینیں اور ان کے کسان ہم کو بطور غنیمت عطا فرمائے ہیں میں نے مال غنیمت میں سے جس نکالتے کے بعد اس کو فوج میں تقسیم کر دیا، اور میری رائے یہ ہے کہ میں مفتوحہ زمینوں اور کسانوں کو وقف کر دوں اور ان زمینوں پر خراج مقرر کروں اور اہل ذمہ پر جزیہ مقرر کروں تاکہ یہ آمدنی عام مسلمانوں، افواج اسلام اور یتیموں پر خرچ کرنے کا ذریعہ ہو اور اموال فقی میں اس کا شمار ہو کیا آپ کے خیال میں سرحدوں کی حفاظت کے لیے فوج کا انتظام کرنا ضروری نہیں ہے؟ اور کیا شام، جزیرہ، کوثر، بصرہ اور مصر ایسے اہم علاقوں کی حفاظت کے لیے افواج کی ضرورت نہیں ہے؟ اگر بیت المال کی آمدنی کے وسائل تلاش نہ کیے جائیں اور ان زمینوں اور کسانوں کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا جائے تو ان افواج کو تخواہیں کہاں سے دی جائیں گی؟

حضرت عمرؓ کی یہ تقریر سن کر تمام صحابہ نے بیک زبان کہا آپ کی رائے درست ہے اور آپ کا فیصلہ صحیح ہے! اگر اسلامی شہروں اور سرحدوں کا تحفظ نہ کیا گیا تو کفار ان شہروں پر قبضہ کر لیں گے۔

امام ابو یوسفؒ حبیب بن ابی ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ اور مسلمانوں کی ایک جماعت کی یہ خواہش تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاتم کی زمینوں کو ان میں تقسیم کر دیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں خیر کی زمینوں کو تقسیم کر دیا تھا، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت بلال بن ابی رباح رضی اللہ عنہما بڑی شدت سے یہ مطالبہ کر رہے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر ایسا ہوا تو بعد کے مسلمانوں کے لیے کچھ نہیں بچے گا! پھر آپ نے دعا کی اے اللہ! بلال اور اس کے ساتھیوں سے میرا بیچا چھڑا دے۔

امام ابو یوسفؒ زہری سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف پر استدلال کرتے ہوئے سورہ حشر کی آیت ۱۰ سے استدلال کیا، (ہم اس بحث کے شروع میں ان آیات کو مع ان کے ترجمہ کے بیان کر چکے ہیں۔ سعیدی غفرلہ)۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مفتوحہ علاقوں کی زمینوں کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف کتاب اللہ کے مطابق تھا اور اسی میں تمام مسلمانوں کی بھلائی تھی اور اگر مفتوحہ زمینوں کی آمدنی کو مسلمانوں کے لیے وقف نہ کیا جاتا تو سرحدوں کا تحفظ نہ ہوتا اور جہاد کے لیے لشکر اسلام کی قوت کا سامان نہ ہوتا اور اسلامی مقبوضات کفار کے حلوں سے محفوظ نہ رہتے۔ ۱۰

سواد عراق کو وقف کرنے کے متعلق حضرت علیؓ اور حضرت معاذ کی رائے | امام ابو عبیدہؓ حارثہ بن مغربہ سے

روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے سواد عراق کی مفتوحہ زمینوں کو مسلمانوں میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا تو انھوں نے مردم شماری کا حکم دیا، معلوم ہوا کہ فی کس تین کسان آتے ہیں، پھر انھوں نے اس مسئلہ میں مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے یہ رائے دی کہ ان زمینوں کو مسلمانوں میں تقسیم نہ کیا جائے بلکہ ان کو مسلمانوں کی مجموعی دولت قرار دیا جائے۔ فلہذا حضرت عمرؓ نے ان زمینوں کو تقسیم نہیں کیا اور عثمان بن حنیف کو ان زمینوں کا والی بنا کر بھیج دیا۔ انھوں نے ان مفتوحہ کسانوں پر حسب حیثیت اثر تالیس، چوبیس امد بارہ درہم جزیرہ مقرر کیا۔

امام ابو عبیدہ حضرت عبداللہ بن ابی قیس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ جاہلیہ آئے تو انھوں نے مسلمانوں میں زمینوں کو تقسیم کرنے کا ارادہ کیا، اس موقع پر حضرت معاذؓ نے ان سے کہا: بھٹا! اگر ایسا کیا گیا تو اس کے نتائج اچھے نہیں ہوں گے، اگر آپ نے یہ زمینیں تقسیم کر دیں تو لوگوں کے اکتھبے تھانڈا دولت آجائے گی، پھر ان کے مرنے کے بعد ممکن ہے یہ دولت کسی ایک مرد یا عورت کو مل جائے اور ان کے بعد جو لوگ اسلام کی مداخلت میں حصہ لیں ان کو کچھ نہ مل سکے، اس لیے کوئی ایسی تدبیر کیجئے جس سے اس زمانہ کے لوگوں اور بعد کے مسلمانوں دونوں کو فائدہ پہنچ سکے۔

امام ابو عبیدہ عبداللہ بن ابی قیس سے ایک روایت ذکر کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عمرؓ سے زمینوں کو تقسیم کرنے کے بارے میں سنا تھا لیکن حضرت معاذؓ کا یہ مشورہ سننے کے بعد حضرت عمرؓ کی رائے حضرت معاذؓ کے موافق ہو گئی۔ **اموال فنی کے متعلق امام ابو عبیدہ کا نظریہ** میں نے حضرت عمرؓ سے یہ سنا کہ اگر مجھے بعد میں آنے والے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر مفتوحہ علاقہ اسی طرح تقسیم کر دیتا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر تقسیم کر دیا تھا۔ امام ابو عبیدہ قیس بن ابی حازم سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ قادسیہ میں قبیلہ بھیلہ کی تعداد تمام فرج کی چوتھائی تھی اس وجہ سے حضرت عمرؓ نے ان کو سواد عراق کا چوتھائی حصہ دے دیا، اس پر وہ دو تین سال قابض رہے، اس کے بعد عمار بن یاسر، جریر بن عبد اللہ کے ساتھ حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو حضرت عمرؓ نے جریر بن عبد اللہ سے کہا: اسے جریر اگر میں تقسیم کرنے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ نہ ہوتا تو میں اس ملائے کرتا ہوں قبضہ ہی میں رہنے دیتا لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آبادی بڑھ گئی ہے اور میری رائے یہ ہے کہ تم وہ علاقہ ان لوگوں (اہل قادسیہ) کو واپس دے دو، جریر نے حضرت عمرؓ کی اس رائے پر عمل کیا اس پر حضرت عمرؓ نے ان کو اسی اختیار انعام میں دے دیا۔

ان تمام روایات کو بیان کرنے کے بعد امام ابو عبیدہ لکھتے ہیں کہ میری رائے یہ ہے کہ صحیح بات وہی ہے جس کو سفیان نے بیان کیا ہے جس علاقہ پر فوجی طاقت کے ذریعہ قبضہ کیا جائے اس کا فیصلہ مسلمانوں کے امیر کی صواب دید پر ہے، وہ چاہے تو فاتحہ المسلمین کی نواح و بہبود کو مد نظر رکھتے ہوئے اس علاقہ کو غنیمت میں شمار کرے اور

۱۔ امام ابو عبیدہ قاسم بن سلام متوفی ۲۲۴ھ، کتاب الاموال (مترجم) ج ۱ ص ۱۸۶-۱۸۵، مطبوعہ دارالحدیث حقیقات اسلامی اسلام آباد

۲۔ " " " کتاب الاموال (مترجم) ج ۱ ص ۱۸۲

۳۔ " " " کتاب الاموال (مترجم) ج ۱ ص ۱۸۹

وہ چاہے تو اس کو فئی قرار دے، اس چیز کی دفاعت خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریق کار سے ہو رہی ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کر رہے ہیں کہ آپ نے خیبر کو تقسیم کر دیا تھا اور دوسری طرف وہ خود ہی یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ اگر مجھے بعد میں آنے والے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر مغتورہ علاقہ کو (مسلمان فاتحین میں) اسی طرح تقسیم کرتا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کیا تھا۔

یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو زمینیں غلبہ اور فوجی طاقت کے ذریعہ حاصل ہوئی ہیں ان میں مسلمانوں کے امیر کو یہ اختیار ہے کہ وہ کسی ایک طریقہ پر عمل کرے اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت عمر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے دانستہ تھا فہم کرتے۔ لے

مسلمانوں کی مقبوضہ اراضی مطلقاً فئی ہیں غواہ ان پر جنگ سے قبضہ ہوا ہو یا صلح سے | غلبہ کا معنی

سے فتح ہوا تھا اس وجہ سے خیبر کی ساری زمین فئی نہیں تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کے تین حصے کیے تھے دو حصے مسلمانوں میں تقسیم کر دیے اور ایک حصہ اپنی ازدواج کے خرچ کے لیے رکھ لیا اور ازدواج کے خرچ سے جو بچ جاتا اس کو آپ فقرا و مہاجرین میں تقسیم کر دیتے (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۵۰)۔ امام ابو عبیدہ کا مطلقاً یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین مسلمانوں میں تقسیم کر دی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینوں کے ساتھ کلیتہً غنیمت کا معاملہ کیا نہ کلیتہً مال فئی کا معاملہ کیا بلکہ اپنے خصوصی اختیارات سے خیبر کی زمینوں میں تصرف کیا، البتہ بنو نضیر اور فدک کی زمینیں جنگ سے حاصل نہیں ہوئی تھیں اس لیے وہ ساری زمینیں وقف تھیں، اور ان میں صرف وہی تصرف جائز تھے جو تصرف فئی میں جائز ہیں۔

جو اسلامی مقبوضات جنگ سے حاصل ہوئے ہوں ان میں اجماع صحابہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ میدان جنگ میں جو منقول اشیاء قبضہ میں آئیں وہ مال غنیمت ہیں مثلاً سامان حرب اور سولہاں، اور غنم نکالنے کے بعد ان کو اسلامی لشکر میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور جو اشیاء غیر منقول ہیں مثلاً قابل کاشت اراضی اور باغات وغیرہ وہ فئی ہیں اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو فئی کے ساتھ کیا جاتا ہے اور حب مہاجرین اور انصار تمام صحابہ نے اس پر اجماع کر لیا کہ جنگ سے حاصل ہونے والی مقبوضہ زمینیں بھی فئی ہیں تو اب بعد کے لوگوں کو اس میں رد و بدل کرنے کا اختیار نہیں رہا کیونکہ اجماع صحابہ بھی شریعہ ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ کفار کے جو علاقے بغیر جنگ کے حاصل ہوئے ہوں وہ قرسورہ حشر کی آیات تطبیق کے بموجب فئی ہیں اور ان کی آمدنی، بیہوشوں، مسکینوں، مسافروں اور سامان حرب اور مسلمانوں کے مفاد عامہ کے لیے وقف ہوگی جیسے بنو نضیر اور فدک کی زمینیں وقت یقین اور کفار کے جو علاقے جنگ سے حاصل ہوئے ہوں جیسے عراق اور شام وغیرہ ان مقبوضہ علاقوں کی زمینیں اجماع صحابہ سے فئی ہو گئیں اور ان کی آمدنی بھی مسلمانوں کے مفاد عامہ کے لیے وقف ہو گئی۔

سواد عراق کے معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظریہ پر دلائل | حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظریہ کی تائید

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو علاقے جنگ سے فتح ہوئے تھے ان میں سے کسی علاقہ کی زمینوں اور باشندوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت کا معاملہ نہیں کیا بایں طور کہ جس نکلانے کے بعد ان زمینوں اور وہاں کے باشندوں کو فوج میں تقسیم کر دیا ہو آپ کے زمانہ کی دو نمایاں ترین مثالیں فتح مکہ اور فتح خیبر ہیں ان میں سے مکہ کی مثال تر بالکل واضح ہے، کیونکہ مکہ فتح کرنے کے بعد آپ نے مکہ جوں کا توں وہاں کے باشندوں کے حوالہ کر دیا اور خیبر کے بارے میں سنن ابوداؤد کے حوالہ سے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ آپ نے خیبر کے ۲۶ حصے کیے ان میں سے ۱۸ حصے اجتماعی ضروریات کے لیے وقف کر کے باقی ۸ حصے فوج میں تقسیم فرما دیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے یہ بات واضح ہو گئی جو مفتوحہ زمینیں جنگ سے حاصل ہوئی ہوں ان کا حکم غنیمت کا نہیں ہے بلکہ یہ کیے ممکن تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کو بالکل اہل مکہ کے حوالہ کر دیتے، اور خیبر سے صرف جس نکلانے کے بجائے اس کا پورا نصف حصہ اجتماعی ضروریات کے لیے بیت المال کی غویل میں سے کر وقف فرما دیتے۔ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جو ممالک جنگ سے فتح ہوں ان کے بارے میں مسلمانوں کے امیر کو یہ اختیار ہے کہ ان کے متعلق حالات کے لحاظ سے اپنی صواب دید کے مطابق فیصلہ کرے، وہ ان علاقوں کو فوج میں تقسیم بھی کر سکتا ہے، اور ان علاقوں کے باشندوں پر احسان کر کے انہیں وہ علاقے واپس بھی دے سکتا ہے اور ان علاقوں کو مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کی خاطر وقف بھی کر سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چونکہ بڑے بڑے ممالک فتح نہیں ہوئے تھے، اس لیے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بڑے بڑے ممالک فتح ہوئے تو صحابہ کرام کو یہ الجھن ہوئی کہ جنگ سے فتح ہونے والے ممالک پر غنیمت کا حکم لاگو ہو گا یا فحی کا؟ مصر کی فتح کے بعد حضرت زبیر نے حضرت عمر بن العاص سے یہ مطالبہ کیا کہ اس پر سے علاقہ کو اس طرح تقسیم کر دیجئے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کیا تھا، اے شام اور عراق کے مفتوحہ علاقوں کے متعلق حضرت بلال بن ابی رباح نے یہ مطالبہ کیا کہ ان زمینوں کو ان کے فاتحین کے درمیان اسی طرح تقسیم کر دیجئے جس طرح مال غنیمت کو لشکر میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، دوسری طرف حضرت علی کی رائے یہ تھی کہ ان زمینوں کو ان کے کاشتکاروں کے پاس رہنے دیجئے تاکہ مسلمانوں کی آمدنی کا ذریعہ بنی رہیں سکے، اسی طرح حضرت ماذن جبل رضی اللہ عنہ کی بھی یہ رائے تھی کہ اگر سواد عراق کو تقسیم کیا گیا تو اس کے نتائج بہت بُرے ہوں گے، حضرت عثمان کی بھی یہی رائے تھی بالآخر تمام مہاجرین اور انصار صحابہ کا اس پر اجماع ہو گیا کہ سواد عراق کو الراج پر تقسیم نہ کیا جائے تاکہ عراق کی زمینوں سے مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات پوری ہوتی رہیں اور دفاع کا انتظام ہو سکے۔

۱۔ امام ابو عبیدہ قاسم بن سلام متوفی ۲۲۴ھ، کتاب الاموال ج ۱ ص ۱۸۳، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

۲۔ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ، کتاب الخراج ص ۲۴-۲۳، مطبوعہ دارالسرمد بیروت

۳۔ امام ابو عبیدہ قاسم بن سلام متوفی ۲۲۴ھ، کتاب الاموال ج ۱ ص ۱۸۵، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

۴۔ کتاب الاموال ج ۱ ص ۱۸۶-۱۸۵، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

میں کہتا ہوں کہ جنگ سے فتح ہونے والے ممالک کی زمینوں کے متعلق صحابہ کرام کے اس اجماع کی نظیر یہ ہے، جیسے شراب کی حد کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کوئی مسین سزا نہیں تھی، بسن دفعہ شراب پینے والے کو چند کوڑے لگاٹے جاتے اور بعض دفعہ اس کو چند جوتے مانسے جاتے لیکن بعد میں صحابہ کرام نے غور و خوض اور کافی بحث اور تمحیص کے بعد اس پر اتفاق کر دیا کہ شرابی کی حد اتنی کوڑے ہوگی سواب اس پر اجماع ہو گیا اور اب شراب کی حد میں اسی کوڑوں سے کم ملنا جائز نہیں ہے اس طرح جنگ سے فتح ہونے والے علاقوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تین احکام تھے بعض علاقوں کو فوج پر تقسیم کیا گیا جیسا کہ خیبر کے بعض علاقے دیے گئے، بعض علاقے وہاں کے باشندوں کو بخش دیے گئے جیسے مکہ مکرمہ اہل مکہ کو دیے دیا گیا اور بعض علاقوں کی زمینوں کو مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کی خاطر وقف کیا گیا جس طرح خیبر کے نصف علاقہ کو مسلمانوں کی ضروریات کی خاطر وقف کر دیا گیا اور جب بعد میں صحابہ کرام کا ایک طویل بحث اور کافی غور و فکر کے بعد اس پر اجماع ہو گیا کہ عراق اور شام کی مفتوحہ زمینوں کو مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا جائے تو اب بھی مشکل معین ہو گئی اور اب ان زمینوں کو لشکر اسلام پر تقسیم کر دینا جائز نہیں ہے، امام مالک کا یہی مذہب ہے، اور باقی ائمہ ثلاثہ اس معاملہ کو مسلمانوں کے امیر کی مواب دید پر چھوڑتے ہیں۔

مفتوحہ علاقہ کی زمینوں کے متعلق فقہاء کی آراء | علامہ بھارتی منیل لکھتے ہیں: کفار کی زمینوں کی تین قسمیں ہیں:

اول: جس علاقہ کو مسلمانوں نے جنگ سے فتح کیا، اس میں مسلمانوں کے امیر کو اختیار ہے خواہ اس زمین کو لشکر اسلام میں تقسیم کر دے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے نصف حصہ کو لشکر میں تقسیم فرما دیا تھا اور باقی نصف کو وقف کر دیا تھا (سنن ابوداؤد) اور اگر امیر مناسب سمجھے تو اس تمام زمین کو مسلمانوں کے مفاد عامہ کے لیے وقف کر دے جس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر، عراق، شام اور تمام مفتوحہ ممالک کی زمینوں کی آمدنی کو مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔

ثانی: جس علاقہ کے کفار مسلمانوں کے خوف سے بھاگ گئے ہوں اور اس علاقہ پر مسلمان قابض ہو گئے ہوں اس علاقہ کی زمینیں وقف ہو جاتی ہیں کیونکہ یہ فتنے میں داخل ہیں۔

ثالث: جس علاقہ کے کفار سے مسلمانوں کے امیر نے اس شرط پر صلح کی ہو کہ وہ زمین مسلمانوں کی ملکیت ہوگی اور اگر کفار ان زمینوں پر کاشت کاری کریں گے تو ان کو خراج ادا کرنا ہوگا تو یہ زمین بھی وقف ہوگی کیونکہ یہ بھی فتنے میں داخل ہے، اور اگر امام نے اس شرط پر صلح کی ہے کہ وہ زمینیں کفار کی ملکیت میں رہیں گی اور وہ کاشت کاری کر کے خراج ادا کریں گے تو یہ صلح صحیح ہے اور زمینیں ان کی ملکیت میں رہیں گی اور ان کا خراج وہ جزیہ کی طرح ادا کریں گے اور اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان سے خراج ماقظ ہو جائے گا۔ ۱۷

علامہ شریفی شافعی لکھتے ہیں: اس زمانہ میں اگر مسلمانوں کے امیر کے نزدیک مصلحت یہ ہو کہ جنگ سے فتح شدہ علاقہ

۱۷۔ علامہ منصور بن یونس بن منصور بن ادریس بھارتی من قرن الحادی عشر، کثان الفتاویٰ ج ۳ ص ۶۶-۶۷، مطبوعہ عالم الکتب بیروت۔

کی زمینوں کو وقف کیا جائے تو وہ وقف کر سکتا ہے بلکہ وہ منقول اشیاء کو بھی وقف کر سکتا ہے، بشرطیکہ لشکر اسلام اس پر راضی ہو جائے اور اس کی دلیل سواد عراق کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریق کار ہے۔ ۱۷

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے لکھا ہے کہ امام طحاوی نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کی رائے یہ ہے کہ جنگ سے فتح ہونے والی زمینوں کا معاملہ مسلمانوں کے امیر کے اجتہاد پر موقوف ہے خواہ وہ ان میں سے خاص نکال کر باقی کو مجاہدین پر تقسیم کر دے خواہ ساری زمین کو وقف کر دے، امام ابو عبیدہ اور ثوری کی بھی یہی رائے ہے۔ ۱۸

علامہ دردمیر مالکی لکھتے ہیں: کفار کی قابل کاشیت اراضی پر جب مسلمان جنگ کے بعد قابض ہو جائیں تو وہ ان خود مسلمانوں کے مفاد عامہ کے لیے وقف ہو جاتی ہیں، اس میں امیر کے فیصلہ کرنے کا دخل نہیں ہے اور نہ اس سلسلہ میں مجاہدین کو راضی کرنے کی ضرورت ہے۔ ۱۹

غالباً فقہاء مالکیہ نے اپنے اس قول کی بنیاد اجماع صحابہ پر رکھی ہے اور اجماع صحابہ ایک قوی حجت ہے، ہمارے نزدیک یہی قول صحیح ہے یہاں تک جو ہم نے بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے جو علاقے جنگ سے فتح ہوں ان کی زمینوں کے بارے میں فقہاء کی اقسام مختلف ہیں، لیکن کفار کے جو علاقے صلح سے حاصل ہوئے ہوں جیسے خیبر کے بعض علاقے، بنو نضیر کی اراضی اور فک ہان کے بارے میں تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ یہ اراضی مسلمانوں کے مفاد عامہ، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے وقف ہیں، ان زمینوں کا کوئی شخص شخصی مالک نہیں ہے، ان کو بیچا جاسکتا ہے نہ خریدا جاسکتا ہے اور نہ ان میں وراثت جاری ہو سکتی ہے۔

مسئلہ فک اس باب کی حدیث نمبر ۴۴۶۲ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس اور حضرت علی سے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور حضرت ابوبکر صلیبہ منتخب ہو گئے تو تم دونوں حضرت ابوبکر کے پاس آئے، تم اپنے بھتیجے کی مصالحت طلب کرتے تھے اور اپنی زوجہ (حضرت فاطمہ) کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث طلب کرتے تھے، حضرت ابوبکر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا، ہم نے جو کچھ بھی چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے، سو تم دونوں نے حضرت ابوبکر کو جھڑپا، گنہ گار، خائن اور عہد شکن گمان کیا اور اللہ تعالیٰ غیب جانتا ہے کہ حضرت ابوبکر سچے، نیک، ہدایت یافتہ اور حق کی پیروی کرنے والے ہیں۔ الحدیث۔

علامہ اہل سنت اور علماء شیعہ کے درمیان یہ ایک بہت متکرمہ آراء مسئلہ ہے، علماء شیعہ کہتے ہیں کہ فک کا علاقہ حضرت فاطمہ کا حق تھا جو حضرت ابوبکر نے ان کو نہیں دیا، اس کی تفصیل میں کہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ فک کا علاقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث میں حضرت فاطمہ کو ملنا تھا لیکن حضرت ابوبکر نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ

۱۷۔ علامہ محمد بشر بیہقی۔ المخلیب من قرن العاشر، منعی المحتاج ج ۴ ص ۲۳۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔
 ۱۸۔ علامہ بدر الدین ابو عبد محمد بن احمد عینی منعی متونی ۸۵۵ھ، مدۃ القاری ج ۱۵ ص ۴۴، مطبوعہ ادارۃ الطباعة المنیریہ مصر، ۱۳۴۰ھ۔
 ۱۹۔ علامہ ابوالبرکات سید احمد دردمیر مالکی متونی، ۱۱۹ھ، الشرح الکبیر علی ایش الدسوقی ج ۲ ص ۱۸۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا اور کبھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا زندگی میں حضرت فاطمہ کو فدک ہب کر دیا تھا، حضرت فاطمہ نے اس ہبہ کے ثبوت میں حضرت علی اور ام ایمن کو بطور گواہ پیش کیا لیکن حضرت ابو بکر نے اس گواہی کو تسلیم نہیں کیا اور ان کو فدک نہیں دیا، علامہ اہل سنت کے نزدیک یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت فاطمہ نے ہبہ کا دعویٰ کیا تھا البتہ حضرت فاطمہ نے دراشت کی فکر سے اپنا حصہ مانگا تھا کیونکہ ان کا راستے یہ تھی کہ اہل بیت کی ضروریات کے بعد جو حضور کا ترکہ باقی بچے گا اس میں دراشت جاری ہوگی، وہ اس حدیث میں تخصیص کی قائل تھیں اس کے برخلاف حضرت ابو بکر اس حدیث کو عموم پر رکھتے تھے، ابتداء میں حضرت فاطمہ نے اس سے اختلاف کیا، لیکن جب حضرت ابو بکر نے یقین دلایا کہ وہ فدک کی آمدنی کو اہل بیت کی ضروریات پر خرچ کرتے رہیں گے تو حضرت فاطمہ راضی ہو گئیں۔

اس مسئلہ کی تحقیق میں پہلے ہم فدک کا جغرافیائی محل وقوع اور اس کی لغوی تحقیق بیان کریں گے، اس کے بعد قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور معتبر کتب شیعہ کے حوالوں سے یہ بیان کریں گے کہ فدک از قبیل فنی تھا اور فنی وقت ہوتا ہے اور جو چیز وقت ہو وہ کسی کی شخصی ملکیت نہیں ہوتی، وہ کسی کو ہبہ کی جا سکتی ہے اور نہ اس میں میراث جاری ہو سکتی ہے پھر معتبر کتب شیعہ سے یہ بیان کریں گے کہ انبیاء علیہم السلام کے ترکہ میں دراشت جاری نہیں ہوتی لہذا فدک کے بطور دراشت ملنے کی بنیاد نہ رہی۔ علامہ شیعہ نے اہل سنت کی جن کتابوں سے یہ دلیل پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہب کر دیا تھا اس کا جواب بیان کریں گے اور اس سلسلہ میں تمام شبہات کا ازالہ کریں گے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس جملہ کی وضاحت کریں گے "سو تم دونوں (یعنی حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جھوٹا، گنہگار بنائے اور ہد شکن گمان کیا! فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة یلیق۔

فدک کا لغوی معنی، جغرافیائی محل وقوع اور تاریخ | علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

(فدک محركة بنخیر) فیہا فخل وعین
افاء اللہ علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم
فدک خیبر کا ایک علاقہ ہے اس میں کھجور کے باغات اور چشمے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ علاقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور فنی عطا کیا تھا۔

عام طور پر اس لفظ کو فدک پڑھا جاتا ہے یہ صحیح نہیں ہے، صحیح لفظ فدک ہے۔ (سیدی غفرلہ)
علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

فدک قریۃ بنخیر وقیل بناحیۃ الحجاز
فیہا عین وفخل افاء اللہ علی نبیہ صلی اللہ
علیہ وسلم
فدک خیبر کا ایک بستی ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ جملہ کی سمت میں ہے، اس میں چشمے اور باغات ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ بستی اپنے نبی کو بطور فنی عطا فرمائی تھی

۱۔ سید محمد رفیع حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج الرووس ج ۴، ص ۱۶۶، مطبوعہ المطبعة الخیرہ مصر، ۱۳۰۶ھ

۲۔ علامہ جمال الدین محمد بن محمد ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۱۰، ص ۴۷۳، مطبوعہ نشر ادب الحوزة قم ایران، ۱۴۰۵ھ

علامہ اسماعیل جوہری لکھتے ہیں:
قَدْ لُکَّ اسْمُ قَوْمٍ بِخَيْبَرٍ

فَذَکَ خَیْبَرُ کِی ایک بستی کا نام ہے۔

علامہ شہاب الدین حموی لکھتے ہیں:

فَذَکَ کا معنی روٹی دھوننا ہے روٹی دھوننے کو اہل عرب قَدْ کُتَّ القطن کہتے ہیں، فَذَکَ حجاز کی ایک بستی اور یہ مدینہ سے دو دن کی مسافت پر واقع ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ مدینہ سے تین دن کی مسافت پر واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سات ہجری میں فذک صلیح سے بطور فوجی عطا فرمایا تھا، اور اس کا قصہ یوں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں پہنچے اور تین تلوں کے سوا تمام تلوں کو فتح کر لیا اور ان تین تلوں کا ہر اسخت محاصرہ کیا تو ان تلوں والوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھیجا کہ آپ انھیں یہاں سے جلا وطن ہونے دیں تو وہ قلعہ کے دروازے کھول دیں گے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اتفاق کر لیا، جب اہل فذک کو یہ خبر پہنچی تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ فذک کے بیٹوں اور دیگر اہل کانسف دے کر صلح پر تیار ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیش کش کو قبول کر لیا۔ فذک کا علاقہ ان علاقوں میں سے تھا جس کو فتح کرنے کے لیے مسلمان مجاہدین نے اپنے اونٹ اور گھوڑے نہیں دوڑائے تھے، اس میں کثرت کھجور کے درخت اور بہتے ہوئے چشمے تھے، اور یہ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں تھا۔

علامہ حموی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد فذک میں کافی اختلاف ہوا اور اس مسئلہ میں مختلف روایات ہیں بہر حال میرے نزدیک جو چیز محنت کے ساتھ ثابت ہے وہ یہ ہے جس کو بلاذری نے کتاب الفتوح میں ذکر کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر سے لوٹے تو آپ نے محاصرہ بن مسعود کو فذک بھیجا اس وقت فذک کا رئیس یوشع بن نون یہودی تھا آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی، فذک والے خیبر کی خبریں سن کر پہلے ہی مایوس ہو چکے تھے انھوں نے فذک کی اُدھی زمین دینے پر صلح کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیش کش کو قبول کر لیا اور وہ زمین خاص آپ کے تصرف میں رہی کیونکہ اس کو جنگ سے حاصل نہیں کیا گیا تھا، آپ اس زمین کی آمدنی سے مسافروں پر خرچ کرتے تھے۔ فذک والے اس جگہ رہتے رہے حتیٰ کہ حضرت عمر نے ان کو جلا وطن کر دیا اور باقی نصف کی قیمت یہودیوں کو لوا کر دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فذک ہبہ کر دیا تھا اور اس پر حضرت علی بن ابی طالب اور ام المین کی گواہی پیش کی، حضرت ابوبکر نے کہا: اے بنت رسول اللہ! دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سوا گواہی منقول نہیں ہوتی تو وہ واپس چلی گئیں اور ام المین سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ نے حضرت ابوبکر سے پوچھا تھا راکون وارث ہو گا؟ حضرت ابوبکر نے کہا میری بیوی اور میری اولاد! حضرت فاطمہ نے کہا کیا وجہ ہے کہ تم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہو اور ہم نہ ہوں؟ حضرت ابوبکر نے کہا: اے بنت رسول اللہ! میں نے چاندی، یا فلاں فلاں چیز کا وارث نہیں ہوں، حضرت فاطمہ نے کہا خیبر میں جو جہاد

حصہ ہے اور فذک میں جو ہمارے صدقات ہیں، حضرت ابو بکر نے کہا اے بنت رسول اللہ! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے میری زندگی میں مجھے عطا کی ہیں اور میرے بعد یہ مسلمانوں پر صدقہ ہیں، اور عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ سے اپنی میراث کا سوال کیا حضرت ابو بکر نے یہ کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ ہم گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں بنایا جاتا، ہم نے جو چھوڑا وہ صدقہ ہے، اور یہ مال آل محمد کی ضروریات اور ان کے مہمانوں کے لیے ہے اور جب میں فوت ہو جاؤں گا تو اس کا متولی وہ شخص ہوگا جو میرے بعد مسلمانوں کا دلی ہوگا۔ اس حدیث کو سننے کے بعد ازواج مطہرات میراث کے سوال سے باز رہیں۔

جب عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوئے تو انھوں نے خطبہ دیا اور کہا کہ فذک خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور اس کی آمدنی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ضروریات پر خرچ کرتے تھے اور جو مال بچ جاتا اس کو مسافروں پر خرچ کرتے تھے اور یہ بیان کیا کہ حضرت فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ آپ ان کو فذک ہمہ کر دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا اور فرمایا نہ تھا ہر سے یہ فذک کو ہمہ کرنے کا سوال کرنا جائز ہے اور نہ میرے لیے اس کو دینا جائز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی آمدنی سے مسافروں پر خرچ کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی فذک کی آمدنی کو اسی طرح خرچ کرتے رہے، جب حضرت معاویہ حاکم ہوئے تو انھوں نے فذک مروان بن الحکم کو دے دیا اور جب مروان حاکم ہوا تو اس نے عبد العزیز کو فذک ہمہ کر دیا اور عبد الملک نے اپنے بیٹوں کو دے دیا پھر یحییٰ سلیمان اور ولید کو مل گیا اور جب ولید حاکم ہوا تو میں نے اس سے اس کا حصہ مانگ لیا اس نے بھی مجھ کو اپنا حصہ دے دیا سو میں نے فذک کے تمام حصوں کو جمع کر لیا اور میرے نزدیک فذک سے زیادہ پسندیدہ اور کوئی مال نہیں ہے اور میں تم تمام لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے پھر فذک کو اسی طرح نوٹا دیا ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی کے زمانہ میں فذک پر عمل ہوتا تھا (یعنی اس کو اپنی ملکیت سے نکال کر ہجرت وقف کر دیا۔ سعیدی غفرلہ) پھر عمر بن عبد العزیز کے بعد خلفاء اس کی آمدنی سے مسافروں پر خرچ کرتے تھے (یعنی اس کو بدستور وقف برقرار رکھا۔)

پھر ۲۱ھ میں مامون رشید نے حکم دیا کہ فذک حضرت فاطمہ کی اولاد کو دے دیا جائے اور مدینہ کے گورنر قسطن بن جعفر کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو فذک دے دیا تھا اور ان پر فذک کو صدقہ کر دیا تھا اور یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں مشہور اور معروف تھی، پھر حضرت فاطمہ اس کا خلیفہ سے مطالبہ کرتی رہیں، مامون کی رائے یہ تھی کہ حضرت فاطمہ کے وارثوں میں سے محمد بن یحییٰ بن الحسن بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب اور محمد بن عبد اللہ بن الحسن بن علی بن علی بن ابی طالب کے حوالے فذک کر دیا جائے تاکہ وہ اس کی آمدنی کو اپنی ضروریات پر خرچ کریں۔

پھر جب جعفر متوکل خلیفہ ہوئے تو انھوں نے فذک کو پھر اسی طرح نوٹا دیا جس طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، عمر بن عبد العزیز اور ان کے بعد خلفاء کے زمانہ میں تھا، (یعنی حضرت فاطمہ کی اولاد کی ملکیت سے نکال کر اس کو بچھڑ دیا۔)

علامہ حموی نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوئے تو انھوں نے مدینہ کے حاکم کو یہ لکھا کہ وہ لولا فاطمہ کو فدک واپس کر دیں، سو عمر بن عبد العزیز کے ایام خلافت میں فدک اولاد فاطمہ کے تصرف میں رہا، پھر جب یزید بن عبد الملک خلیفہ ہوا تو اس نے فدک پر قبضہ کر لیا اور پھر یہ بنو امیہ کے خلفاء میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ ابو العباس سفاح خلیفہ ہوئے تو انھوں نے یزید بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب کو دے دیا اور وہ اس کے متولی رہے اور حضرت علی بن ابی طالب کی اولاد میں اس کی آمدنی تقسیم کرتے رہے اور جب منصور خلیفہ ہوا تو اس کے خلاف حضرت حسن کی اولاد نے خردیج کیا تو پھر منصور نے فدک اولاد علی سے لے لیا پھر اس کے بعد موسیٰ ہادی نے اس پر قبضہ کیا اور پھر یہ اس کے بعد کے حکمرانوں کے قبضہ میں رہا حتیٰ کہ مامون رشید خلیفہ ہوا اس کے پاس اولاد علی بن ابی طالب کا نام نہ آیا اور اس نے فدک کا مطالبہ کیا تو مامون نے یہ حکم دیا کہ فدک حضرت علی بن ابی طالب کی اولاد کے حوالے کر دیا جائے۔ علامہ حموی نے اخیر میں یہ لکھا ہے کہ جب جعفر متوکل خلیفہ ہوئے تو انھوں نے فدک کو بچھڑی طرح لوٹا دیا جس طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عمر بن عبد العزیز اور ان کے بعد کے خلفاء کے عہد میں تھا یعنی اس کو بچھڑ دیا۔

علامہ حموی نے فدک کی تاریخ بیان کرنے کے لیے وہ تمام روایات بیان کر دیں جو ان کو اس سلسلہ میں دستیاب ہوئیں، وہ کوئی حدیث کے ماہر نہیں تھے جو روایات کی چھان بھٹک کرتے اسی وجہ سے انھوں نے متنازع اور باہم متضاد روایات بیان کر دیں مثلاً انھوں نے یہ بیان کیا کہ حضرت فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ سے میراث کا مطالبہ کیا اور میراث کا مطالبہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک کسی کو ہبہ نہ کیا ہو اور وہ وقت وصال تک آپ کی ملکیت ہو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک کسی کو ہبہ نہیں کیا تھا اس کے بعد علامہ حموی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت فاطمہ نے یہ دعویٰ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک ان کو ہبہ کر دیا تھا اور فدک پر ہبہ کا دعویٰ کرنا مطالبہ میراث کے بالکل مخالف اور متضاد ہے پھر علامہ حموی نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ حضرت فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ ان کو فدک ہبہ کر دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخواست کو مسترد کر دیا اور فرمایا کہ "انتہار سے لیے اس کو مانگنا جائز ہے اور نہ میرے لیے اس کو دینا جائز ہے" اور اس کی وجہ یہی ہے کہ فدک از قبیل فئی تھا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فئی کے مصارف متعین کر دیے ہیں کہ فئی کی آمدنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات، غیروں، مسکینوں، مسافروں اور بعد میں آنے والے مسلمانوں پر خرچ کی جانے لگی اور اللہ تعالیٰ نے ان مصارف کی یہ علت بیان کی ہے تاکہ یہ آمدنی تمہارے مالداروں کے درمیان گردش کرنے والی دولت نہ بن جائے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فئی کو وقت قرار دیا ہے اور اس کو کسی کی شخصی ملکیت میں نہیں دیا، اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، عمر بن عبد العزیز اور ان کے بعد کے خلفاء نے فدک کے ساتھ وقف کاری سالمہ کیا ہے، اس لیے یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ حضرت فاطمہ نے فدک پر ہجر کا دعویٰ کیا تھا اور عنقریب ہم اس پر قوی دلائل قائم کریں گے اور محسوس شراہ پیش کریں گے، علامہ حموی نے محدثین کے عام اسلوب کے مطابق فدک کے سلسلہ میں تمام روایات کو جمع کر دیا، اللہ تعالیٰ علامہ حموی کی مغفرت فرمائے حضرت فاطمہ کا دامن اس سے پاک ہے کہ انہوں نے فدک پر ہجر کا دعویٰ کیا ہو پھر اس کے ثبوت میں اپنے شہر اور ایک عورت کی شہادت پیش کی ہو، حضرت فاطمہ قبول اور زاہدہ بقبول دنیا اور اس کی متاع سے مستغنی تھیں ان کا مقام اس سے بہت بلند تھا کہ وہ متاع دنیا کے حصول کے لیے اس قدر سعی اور جدوجہد کرتیں اور دنیا کا مال نہ ملنے پر غلیظہ رسول سے ترک تعلق کر لیتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرنے کو حرام کر دیا ہے اور حضرت فاطمہ مال دنیا نہ ملنے کے غم اور غصہ میں چھ ماہ تک حضرت ابو بکر سے بات نہ کریں اور تا دم مرگ یہ مقاطعہ جاری رکھیں یہ ان کی کسیرت حمیدہ اور اسوۂ جلیلہ پر ایک ناروا تہمت اور بدنامی داغ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے غلاموں اور غلاموں کے ذمہ میں قائم رکھے اور اسی گروہ میں ہمارا حشر کرے۔ (آئین)۔

امین اللہ دشیر لکھتے ہیں:

فَدَک: شمالی حجاز میں خیبر کے قریب ایک قدیم قصبہ جو یا قوت کے بیان کے مطابق مدینہ منورہ سے دو یا تین دن کی مسافت پر واقع تھا۔ بظاہر اس نام کی کوئی بستی اب موجود نہیں ہے البتہ حافظ دہبیر نے بیان کیا ہے کہ الحویط کا گاؤں جو کہ حرۃ خیبر کے آخری سرے پر واقع ہے، ندکہ ہی کی پرانی بستی کی جگہ آباد ہوا ہے، خیبر کی طرح فدک بھی یہودی کاشتکاروں کی ایک آبادی تھی، یہاں پانی کے چشمے تھے اور کھجور اور انجیر کی پیداوار موقی تھی یہ قصبہ دستکاری کے لیے بھی مشہور تھا اور یہاں کھل بننے کا کام کیا جاتا تھا۔ ۱۵

شعید عالم مرغنی حسین فاضل لکھتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ نے فدک کا دعویٰ کیا تھا تو اس کے جواب میں حضرت ابو بکر نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ”ہم پیڑوں کا کوئی وارث نہیں ہوگا، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں گے، وہ صدقہ ہوگا، حضرت فاطمہ الزہراءؑ نے گواہوں اور تقریر کے ذریعہ اپنے حق پر روشنی ڈالی (الاحتجاج، ص ۵۹، دلائل الامامہ، ص ۳۱، ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ، ۴: ۶۹)، لیکن حضرت ابو بکر نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں کام کو کرتے رہے میں اس کو اسی طرح کروں گا۔ حضرت فاطمہ یہ سن کر گریہ و غماز

۱۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۵ ص ۲۱۰، مطبوعہ زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب لاہور، طبع اول ۱۳۹۵ھ

۱۶۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت فاطمہ غصب ناک ہوئیں اور حضرت ابو بکر سے قطع تعلق کر لیا۔ اس سے وہ ترک مراد نہیں جو شرفاً مذموم ہے کہ سلام و کلام بھی نہ کیا، بلکہ آپ کو غصہ نشین ہو گئی تھیں، امام بیہقی نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت فاطمہ بیمار ہو گئیں تو حضرت ابو بکر آپ کی عیادت کے لیے آئے اور کہا میرا تمام مال، اور میری تمام اولاد سب اللہ، اس کے رسول اور اسے اہل بیت آپ کی رضا کے لیے وقف ہے، یہ سن کر حضرت فاطمہ راضی ہو گئیں، امام بیہقی کہتے ہیں اس حدیث کی سند صحیح ہے (سنن کبریٰ ج ۲ ص ۲۱۰)۔

۱۷۔ بلاقر مجلسی نے بھی حضرت ابو بکر کی عیادت کرنے کا ذکر کیا ہے، (جلد المیون مترجم ج ۱ ص ۲۴۲)

والپس چلی آئیں اور حضرت ابو بکر سے ناراض رہیں (بخاری: جامع الصحیح، مطبوعہ دہلی: ۹۹۶: ۲، کتاب الغزیر، ۲۴۰: ۷)۔ حضرت عمر نے اجتہاد فرمایا اور فدک کی توثیق حضرت علی اور عباس کو دے دی (یا قوت بمع البلدان، ۳: ۸۵۵ تا ۸۵۸)۔ حضرت علی کے عہد میں بھی فدک مسلمانوں کے لیے صدقہ تھا (بخاری: جامع الصحیح، مطبوعہ دہلی: ۹۳۶: ۱)۔ امیر معاویہ نے اپنے عہد میں یہ جاگیر مروان بن الحکم کو دے دی۔ مروان نے اپنے فرزند عبدالعزیز کو دے دی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلیفہ ہوتے ہی یہ علاقہ حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب یا امام زین العابدین کو واپس کر دیا لیکن یزید بن عبدالملک نے پھر اسے واپس لے لیا (یا قوت حرالہ، مذکور)۔

نور عباس کے پہلے حکمران ابو عباس السفاح نے فدک اہل بیت کے وارثوں کو دے دیا، لیکن المنصور نے ضبط کر لیا المہدی نے پھر واپس کر دیا (عمدة الاخبار، ۳۹۵)۔ جب المامون خلیفہ ہوا تو اس نے فدک نوراشم کو دے دیا (ابن ابی الحدید، ۴: ۸۱)۔ ۳۳۲ھ میں المتوکل تخت نشین ہوا تو اس نے فدک پر قبضہ کر کے عبداللہ بن البازار کو جاگیر میں دے دیا۔ اس کے بعد فدک دیران ہو گیا۔^۱ شیعہ شیعوں کے مشہور امام ابو جعفر کلینی لکھتے ہیں:

فقال له المهدى: يا ابا الحسن

حد هالي، فقال حد منها جبل احد وحد منها عريش مصر، وحد منها سيف البحر وحد منها دومة الجندل، فقال له: كل هذا؟ قال: نعم يا امير المؤمنين هذا كله مما لم يوجف على اهلہ رسول الله صلى الله عليه وسلم بخيل ولا ركاب فقال كثير وانظر فيه۔^۲

خلیفہ مہدی نے امام ابو الحسن سے کہا: اے ابو الحسن! فدک کی حدود بیان کیجئے، امام ابو الحسن نے کہا اس کی ایک حد اجد پہاڑ ہے، اور ایک حد عریش مصر ہے اور ایک حد منذر کا کنارہ ہے اور ایک حد دومة الجندل ہے، مہدی نے کہا کیا یہ سب فدک ہے؟ امام ابو الحسن نے کہا ہاں! اے امیر المؤمنین! یہ تمام وہ علاقے ہیں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے۔ مہدی نے کہا یہ تو بہت ہے فی اس پر خود کروں گا۔

یہ ہے فدک کی تاریخی اور جغرافیائی حیثیت، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فدک خیبر سے دیاتین دن کی مسافت پر ایک دیہات تھا جس میں کثرت باغات اور پٹھے تھے، ۲۳۲ھ کے بعد فدک دیران ہو گیا اور اب اس نام کی دہاں کوئی بستی نہیں ہے البتہ حافظ زہبی نے بیان کے مطابق خز خیبر کے آسری سر سے پر الحویط نامی ایک گاؤں ہے اور یہ اسی جگہ پر واقع ہے جہاں کسی زمانہ میں فدک تھا۔

عماد شیعہ نے فدک کی تحدید میں ناقابل فہم مبالغہ کیا ہے۔ ابھی اصول کافی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ امام ابو الحسن نے بتایا کہ اُمّ سے لے کر حضرت تک فدک ہے اور بلا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ امام موسیٰ کاظم نے ارون رشید سے کہا کہ فدک

۱۔ اردو دائرہ سادات اسلامیہ ج ۱۵ ص ۲۱۲-۲۱۳، مطبوعہ زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب، لاہور طبع اول ۱۳۹۵ھ
۲۔ شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی مترقی ۳۲۹ھ: الاصول من الکافی ج ۱ ص ۵۴۳، مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ تہران، طبع ۱۳۹۵ھ

کی ایک حد عدل ہے، دوسری حد تقدس ہے تبصری حد افریقہ ہے اور چوتھی حد سند کا وہ کنارہ ہے جو ارمینہ سے ملا ہوا ہے (کتاب الفتن بحث فک، بحار الانوار)۔ شیعہ حضرات کے دیگر خلاف واقع دعویٰ کی طرح یہ بھی ایک افسانوی دعویٰ ہے جس کا تاریخ اور جغرافیہ سے کوئی تعلق نہیں۔

علماء شیعہ کا یہ دعویٰ کہ حضرت فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے فک کا مطالبہ کیا

فک کے متعلق علماء شیعہ دو متضاد اور متضاد دعویٰ کرتے ہیں جو ایک دوسرے کی تکذیب کرتے ہیں ایک دعویٰ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے حضرت فاطمہ نے اپنا حصہ مانگا اور فرمایا مجھے اپنے والد کی وراثت سے حصہ میں فک دو، اور وراثت اسی مال میں جاری ہوتی ہے جس کی زندگی میں کسی کو حصہ نہ کیا گیا ہو لہذا اس دعویٰ میں یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو اپنی زندگی میں فک نہیں دیا تھا کیونکہ اگر زندگی میں فک حصہ کر دیا تھا تو بعد از وصال اس کی وراثت سے مطالبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، لیکن اس کے برخلاف علماء شیعہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ نے یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں حضرت فاطمہ کو فک حصہ کر دیا تھا اور جو چیز کسی کو زندگی میں دے دی گئی ہو اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی کیونکہ وراثت اسی مال میں جاری ہوتی ہے جس کو زندگی میں حصہ نہ کیا ہو، لہذا اگر مطالبہ میراث کا دعویٰ صحیح ہے تو حصہ کا دعویٰ صحیح نہیں ہے اور اگر حصہ کا دعویٰ صحیح ہے تو مطالبہ میراث کا دعویٰ صحیح نہیں ہے یہ دونوں دعویٰ ایک دوسرے کی ضد ہیں، یہ ایک صاف اور سیدھی بات ہے جس کو ہر صاحب عقل اور صاحب انصاف درست قرار دے گا۔

پہلے ہم علماء شیعہ کی معتبر تصانیف سے یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر سے فک کا مطالبہ بطور میراث کیا تھا۔
شیخ ابو منصور طبرسی کہتے ہیں:-

روى عبد الله بن الحسن باسناد عن آباءه
عليهم السلام انه لما اجتمع ابو بكر وعمر على منعة
فاطمة عليها السلام فدكا وبلغها
ذلك
عبد الله بن الحسن اپنی سند کے ساتھ اپنے آباء علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کو فک نہ دینے پر اتفاق کر لیا اور حضرت فاطمہ کو یہ خبر پہنچی...

اس روایت میں نوکر ہے کہ حضرت فاطمہ دو پٹے کر حضرت ابو بکر سے پاس لگیں در آن حالیکہ حضرت ابو بکر کے پاس ہاجرین اور انصار بیٹھے ہوئے تھے حضرت فاطمہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور ایک بہت طویل اور فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں اپنے فضائل اور مناقب بیان کیے اور اخیر میں فرمایا:

ايها المسلمون اغلب على امراتي يا
ابن قحافة في كتاب الله تروث ابالك ولا
اسے مسلمانو! اعلیٰ علی امراؤ! یا
جاؤں گی؟ اسے ابو تمہارے بیٹے کیا کتاب اللہ میں

ارث ابی؛ لقد جئت شیئاً فریاً افعلی
 عمد ترکتم کتاب اللہ ونبذتموه وراء
 ظہورکم؟ اذ یقول وورث سلیمان داؤد
 و قال؛ فیما اقتص من خبر یحیی بن زکریا
 اذ قال؛ فھب لی من لدنک ولیاً یرثنی
 و یرث من آل یعقوب و قال اولوالارحام
 بعضهم اولی ببعض فی کتاب اللہ و قال
 یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل
 حظ الانثیین و قال ان ترک خیر
 الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف
 حقاً علی المتقین و نہ عمتم ان لا حظوۃ
 لی ولا ارث من ابی و کلا رحم
 بیننا، افخصکم اللہ بآیۃ اخرج
 ابی منها امرھل تقولون ان اھل
 ملتین لا یتوارثان اولست انا
 و ابی من اھل ملت واحدۃ؟ امر
 انتم اعلم بتخصوص القرآن
 و عمومہ من ابی و ابنت
 عسی؟ فندونکما مخطوۃ
 مرحولۃ تلقاک یوم حشرک
 فنعم الحکم اللہ والزعیم
 محمد الموعود القیامتہ وعند
 الساعۃ ینحسر المبطلون
 ولکل نبأ مستقر و سوف تعلمون
 من یاتیبہ عذاب ینحزیہ و یحل

یہ لکھا ہے کہ تم تو اپنے باپ کے وارث ہو گے اور میں اپنے
 باپ کی وارث نہیں ہوں گی؟ یہ تو تم نے اپنے خدا پر جھوٹ
 باندھا ہے! کیا تم نے خدا کا کتاب اللہ کو چھوڑ دیا اور
 اور اس کے احکام کو پس پشت پھینک دیا؟ کیونکہ اللہ
 تعالیٰ فرماتا ہے سلیمان داؤد کے وارث ہیں، اور اللہ
 تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا کا یہ قول نقل کیا ہے اے اللہ!
 مجھے ایسا ولی عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو۔
 اور فرمایا بعض رشتہ داروں کا حق بعض سے زیادہ ہے،
 اور فرمایا: اللہ تمہاری اولاد کے متعلق وصیت کرتا ہے
 کہ مرد کو دو لڑکیوں کا حصہ ملے گا اور فرمایا اگر کسی شخص نے
 مال چھوڑا تو اس پر لازم ہے کہ وہ والدین اور رشتہ داروں
 کے حق میں وصیت کے مطابق وصیت کرے، یہ متقین پر
 فرض ہے، اور تم نے یہ گمان کیا ہے کہ میرا اپنے والد
 کی میراث میں سے کوئی حصہ نہیں ہے اور ہمارے درمیان
 کوئی رشتہ دار نہیں ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں میراث
 کا کوئی خاص حکم بتایا ہے جس کی بناء پر تم نے میرے
 والد کو میراث کے احکام سے خارج کر دیا یا تم یہ کہتے ہو
 کہ میرا اور میرے والد کا ایک دین نہیں ہے اور میں کے
 دین مختلف ہوں وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے؟
 یا تم میرے والد اور میرے شوہر کی پر نسبت قرآن کے خاص اور عام
 کو زیادہ جانتے ہو، سو آج تم نکک کو بغیر کسی ممانعت اور
 مناسبت کے لے لو کل حشر کے دن تم سے ملاقات ہوگی،
 سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا اللہ ہے اور حق کو طلب
 کرنے والے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، تم سے قیامت
 کا وعدہ ہے اور اس دن اہل باطل نقصان اٹھائیں گے

م۔ شیخ احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی متوفی ۶۲۰ھ نے احتجاج ص ۱۳۸ (مطبوعہ ایران) اور ماباقر مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ نے
 حق ایقین ص ۱۹۹ (مطبوعہ ایران) میں حضرت فاطمہ کے خطبہ میں یہ لکھا ہے کہ یحییٰ بن زکریا نے دعا کی مالا نکر یہ دعا
 حضرت زکریا نے کی تھی جس کی مقبولیت کے بعد حضرت یحییٰ پیدا ہوئے۔ سعیدی عنقر

اور ہر چیز کی ایک قرار گاہ ہے اور تم عنقریب جان لو گے کہ واسطی اور خلعت والا عذاب کون اٹھائے گا۔

اس کے علاوہ علامہ باقر مجلسی نے جلالہ العیون میں بھی یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے اپنا حصہ مانگا تھا اور حضرت ابو بکر نے یہ حصہ نہیں دیا اور یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہم گمروہ انبیاء کا وارث نہیں بنایا جلتا، علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں:

ان سب نے مل کر باتفاق ایک حدیث وضع کی کہ حضرت رسول نے فرمایا ہے کہ ہم گمروہ انبیاء کا وارث نہیں بنایا

حاشا۔ ۳

اور حیاۃ القرب میں لکھا ہے کہ: بعد وفات رسول خلیفہ اول و دوم نے یہ فذک غضب کر لیا۔ ۵۷
اور شیخ احمد بن ابی یقرب اصمغانی لکھتے ہیں:

رسول اللہ کی بیٹی فاطمہ حضرت ابو بکر کے پاس تھیں اور اپنے والد کی میراث میں سے اپنا حصہ مانگا، حضرت ابو بکر
نے ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: ہم گمراہ انبیاء کا وارث نہیں بنایا مانتا، ہم نے جو کچھ چھوڑا
وہ صدقہ ہے، حضرت فاطمہ نے کہا کیا یہ کتاب اللہ میں ہے کہ تمہارا باپ تو مورث ہو گا اور میرا باپ مورث نہیں ہو گا؟
اور کیا رسول اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ مرد اپنی اولاد کی رعایت کرتا ہے؟ ۵۸

متاخرین علماء شیعہ میں سے شیخ طینی لکھتے ہیں!

ایک مخالف نے ابو بکر با صریح قرآن مجید کی آیات کی مخالفت کی ہے وہ مستبر تواریخ اور اہل سنت کی کتب احادیث سے ثابت ہے اور یہ احادیث درجہ توازی کو

۱۔ شیخ ابو منصور احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی متوفی ۶۲۰ھ، الاحقاج ص ۳۹ و ۱۳۱، مطبوعہ دارالکتابان ایران
 ۲۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ، حق الیقین ص ۲۰۰، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران، ۱۳۴۷ھ
 ۳۔ " " " " جلد اولیون (مترجم) ج ۲ ص ۲۳۵، مطبوعہ انصاف پریس لاہور
 ۴۔ " " " " حیاة القلوب (مترجم) ج ۲ ص ۴۱۹، مطبوعہ حمایت اہل بیت وقت لاہور
 ۵۔ فیض احمد بن ابی یعقوب متوفی ۶۲۰ھ، تاریخ یقوتی ج ۲ ص ۱، مطبوعہ مرکز انتشارات علمی وفرہنگی ایران، ۱۳۶۲ھ

پہنچی ہوئی ہیں۔

(۱)۔ معتبر تواریخ اور سینوں کی صحیح کتب، حدیث میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت فاطمہ و خیر بنیہ (حضرت) ابو بکر کے پاس آئیں اور اپنے والد کی میراث کا مطالبہ کیا، (حضرت) ابو بکر نے کہا: پیغمبر نے کہا ہے کہ ”ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم نے جو کچھ بھی ترک کیا وہ صدقہ ہے“ (حضرت) ابو بکر نے پیغمبر اسلام کی طرف جو اس حدیث کی نسبت کی ہے یہ قرآن مجید کی آیات صریحہ کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ پیغمبر کے وارث ہوتے ہیں اور ہم ان آیات سے بعض کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱)۔ در تواریخ معتبرہ و کتابهای صحیحہ سنیا نقل شدہ کہ فاطمہ و خیر بنیہ آمد پیش ابو بکر و مطالبہ ارث پدرش کرد ابو بکر گفت پیغمبر گفت انا معشر الانبیاء لا نورث ما ترکناه صدقہ و این کلام ابو بکر کہ پیغمبر اسلام نسبت وارثہ مخالف آیات صریحہ است کہ پیغمبران ارث سے برند و بعض از انہارا ذکر سے کہینم۔

اس کے بعد شیخ عینی نے وراثت سلیمان داؤد (نمل: ۱۶) اور فہم لی من لدنک و لیا یوشی و یوت من آل یعقوب (مریم: ۵) کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں:

اب یا قوم یہ کہو کہ ہم خدا کی تکذیب کرتے ہیں (یعنی خدا کہتا ہے پیغمبر کے وارث ہوتے ہیں اور ہم کہتے ہیں نہیں ہوتے) یا یہ کہو کہ پیغمبر خدا نے خدا کی کہی ہوئی بات کے خلاف کہا اور یا یہ کہو کہ یہ حدیث پیغمبر خدا کی کہی ہوئی نہیں ہے بلکہ اولاد پیغمبر کا حق غصب کرنے کے لیے اس حدیث کو وضع کیا گیا ہے۔

ایک شامیگو یہ خدا را تکذیب کہیم یا بگوئیم پیغمبر اسلام برخلاف گفته طے خدا سخن گفته یا بگوئیم این حدیث از پیغمبر نیست و برائے استیصال اولاد پیغمبر پیدا شدہ لہ

علامہ اہل سنت قرآن مجید کی ان آیات کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ان آیات میں مال کی وراثت مراد نہیں ہے بلکہ وراثت علمی مراد ہے اور سورہ نمل کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت سلیمان حضرت داؤد کے علم کے وارث ہوئے اور سورہ مریم کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت زکریا نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! مجھے ایسا ولی عطا فرما جو میرے اور آل یعقوب کے علوم کا وارث ہو لہذا یہ لازم آیا کہ اہل سنت نے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی نہ یہ لادم آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف قرآن کوئی بات کہی اور نہ اس حدیث کا موضوع ہونا لازم آیا۔ بعض علماء شیعہ نے قرآن مجید کی ان آیات میں وراثت کو وراثت علمی پر محمول کرنے کو باطل قرار دیا ہے اور اس حدیث کے موضوع ہونے پر مزید دلائل قائم کیے ہیں اب ہم وہ دلائل پیش کرتے ہیں:

حدیث لا نورث کو موضوع اور باطل قرار دینے پر علماء شیعہ کے دلائل | سلا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

لہ۔ شیخ روح اللہ مرسی صبی مترقی ۱۴۰۹ھ، کشف الاسرار ص ۱۱۵، مطبوعہ انتشارات آزادی قم ایران

(حضرت) ابوبکر نے جو یہ دعویٰ کیا تھا کہ پیغمبروں کی میراث نہیں ہوتی یہ محض جھوٹ اور افتراء ہے اور اس پر متعدد دلائل ہیں:

اول یہ حدیث قرآن مجید کی ان آیات کے خلاف ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ انبیاء میراث لیتے تھے حضرت یحییٰ نے ذکر کیا ہے میراث کی۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس جگہ علم اور پیغمبری کی وراثت مراد ہے تو اس کے متعدد جوابات ہیں:

پہلا جواب لغت اور عرف میں جب میراث کا لفظ مطلقاً بولا جاتا ہے تو اس سے مال کی وراثت مراد ہوتی ہے خصوصاً اس آیت میں مال کی وراثت پر قرآن میں ذکر کیا گیا اس آیت میں فرمایا ہے: **واجعلہ ما ب رخصتہ** "اے میرے رب اس لڑکے کو پسندیدہ بنا" اس آیت میں یہ دعا کی ہے کہ اس لڑکے کو اچھے اور صالح کردار کا بنا اور یہ بات معلوم ہے کہ پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں اس لیے اگر وراثت سے وراثت نبوت مراد ہو تو یہ شرط بے فائدہ ہوگی، نیز حضرت زکریا کو اپنے رشتہ داروں کے بارے میں مال کے خدشہ کی وجہ تو تھی۔ کیونکہ ہر شخص اسے کہ مال کی وجہ سے وہ فتن اور فساد میں مبتلا ہو جائے، اسی وجہ سے یہ حدیث اس آیت کے بھی خلاف ہے جس میں ہے کہ حضرت سلیمان داؤد کے وارث بن گئے، اسی طرح یہ حدیث ان آیات کے بھی خلاف ہے جن میں میراث کے احکام بیان کیے گئے ہیں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبوت رشتہ داروں کو وراثت سے محروم کرنے کا سبب ہو۔

دوسرا جواب (حضرت) ابوبکر کی اس حدیث پر شہادت اس لیے مردود ہے کہ یہ حدیث ان کے حق میں حصول نفع کا سبب ہے اور وہ کئی وجہ سے اس حدیث کے سلسلہ میں متہم ہیں۔

پہلی وجہ (حضرت) ابوبکر چاہتے تھے کہ اس مال میں جس طرح چاہیں تصرف کریں جس کو چاہیں اس میں سے مال دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں جیسا کہ جامع الاصول میں ابوالفضل سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ (عظ) ابوبکر کے پاس گئیں اور اپنے والد کی میراث طلب کی اور ابوبکر نے یہ کہا کہ میں نے پیغمبر سے یہ سنا ہے کہ اللہ نے پیغمبر کو یہ حکم (خوراک یا غذا) دی ہے اور یہ ان کے بعد اس کے تصرف ہوگی جو ان کے بعد خلیفہ ہوگا۔

دوسری وجہ قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے بلکہ اس پر یقین ہے کہ وہ اہل بیت کو کمزور کرنا چاہتے تھے کیونکہ مسلمانوں کا اہل بیت کی طرف میلان تھا اور ابوبکر یہ چاہتے تھے کہ اہل بیت کمزور ہو جائیں تاکہ ان کے ساتھ خلافت میں مناقشہ نہ کر سکیں، اور یہی وجہ تہمت کے لیے کافی ہے اور باقی جن دوسرے لوگوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور ابوبکر کی تصدیق کی ہے وہ سب اس مقدمہ میں شریک تھے اور اہل بیت کی ملامت میں مصروف تھے اور ان لوگوں پر یہ تہمت بالکل ظاہر ہے۔

دوم اس حدیث کے باطل اور موضوع ہونے پر دوسری دلیل یہ ہے کہ اخبار متواترہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ اس حدیث کو باطل اور موضوع گردانتے تھے کیونکہ صحیح مسلم میں مالک بن انس سے یہ روایت ہے کہ (حضرت) عمرؓ نے حضرت علیؑ اور حضرت عباسؓ سے یہ کہا کہ حضرت ابوبکرؓ نے یہ کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم نے جو کچھ بھی چھوڑا وہ صدقہ ہے پس تم دونوں نے حضرت ابوبکرؓ کو چھوڑا، مسکار، خائن اور گنہگار گمان کیا اور اللہ خوب جانتا ہے کہ ابوبکرؓ سچے، نیک اور حق کی پیروی

کرنے والے تھے، پھر ابو بکر فوت ہو گئے، اہل بیت رسول اللہ کا علیہ ہوا پھر تم دونوں نے محمد کو جھوٹا، مکار، خائن اور گنہگار لگایا اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں سچا، نیک اور حق کی پیروی کرنے والا ہوں۔ صحیح بخاری میں بھی اس حدیث کی مثل مروی ہے، اور ابن ابی الحدید نے بھی اس مضمون کو کئی اسانید سے روایت کیا ہے اور احادیث متواترہ میں ہے کہ حضرت علی سے حق الگ نہیں ہوتا، اور آیت تطہیر، اخبار ثقلین اور حدیث سفینہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں اسی طرح حضرت فاطمہ کا بھی اس حدیث کا انکار اس حدیث کے موضوع ہونے پر حجت قاطعہ ہے۔

اگر یہ حدیث حق ہوتی تو چاہیے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کو اس حدیث کی تعلیم کرتے تاکہ وہ ناحق دعویٰ نہ کرتیں اور حضرت علی کو بھی اس حدیث کی تعلیم کرتے جو آپ کے دھی اور مدین علم تھے اور کوئی صاحب عقل اس کو جائز نہیں کہے گا کہ سیدہ نسلا عالمین نے اس حدیث کو اپنے والد سے سنا ہو اور اس کے باوجود مہاجرین اور انصار کے مجمع میں اس قدر شدت سے میراث کا مطالبہ کیا ہو اور مسلمانوں کے امیر پر ظلم اور بے انصافی کی تہمت لگائی ہو اور لوگوں کو اس کے خلاف قتال پر آمادہ کریں اور اس وجہ سے مسلمانوں کی ایک عظیم جماعت نے ابو بکر کو ظالم اور غاصب گردانا ہو اور قیامت کے دن تک ابو بکر اور اس کے مددگاروں پر لعنت کریں اور اگر حضرت علی یہ جانتے کہ حضرت فاطمہ حق پر نہیں ہیں اور حق پر ابو بکر ہیں تو وہ کسی طرح حضرت فاطمہ کو میراث کے مسئلہ میں ابو بکر کے پاس جانے کی اجازت دیتے۔ کیا کوئی مسلمان یہ تصور کر سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اور تبلیغ احکام میں اس طرح کا سہوا اور تسامح کر سکتے تھے کہ اپنے اہل بیت اور خصوصاً اپنے جزو بدن کو اس قدر ضروری حکم نہ بتلاتے پس معلوم ہوا کہ یہ حدیث محض افتراء اور جھوٹ ہے۔

اس حدیث کے جھوٹ ہونے پر یہ دلیل ہے کہ جو چیز عرف اور عادت کے خلاف ہو اس کے روایت چھارم کرنے والے متعدد افراد ہوتے ہیں اور حضرت آدم سے لے کر حضرت خاتم تک یہ سنت جاری ہے کہ اولاد کو ماں باپ کی وراثت ملتی ہے نیز یہ بھی معلوم ہے کہ انبیاء کے احوال اور ان کی سیرتوں کو اور ان کے خصائص کو منضبط کرنے میں بہت اہتمام کیا جاتا ہے سو اگر عام عرف اور عادت کے خلاف اگر انبیاء کے خصائص میں یہ ہوتا کہ وہ کسی کو وارث نہیں بناتے تو تمام تواریخ اور سیرت کی کتابوں میں یہ امر مذکور ہوتا اور حبیب صرف ابو بکر اور دو تین منافقوں کے علاوہ اور کوئی شخص اس خلاف عادت حکم پر مطلع نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث محض افتراء اور جھوٹ ہے۔ اور جیسا کہ صحاح سے ظاہر ہوتا ہے اور ابن ابی الحدید نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ سوانے ابو بکر کے اور کسی نے اس حدیث کا ذکر نہیں کیا، اور یہ جو ذکر کیا ہے کہ عمر کے زمانہ میں علی اور عباس نے ان کے سامنے منازعہ کیا اور عمر نے طلحہ، زبیر، عبداللہ بن عوف، (عبدالرحمن بن عوف، سیدی) اور سعد بن ابی وقاص سے اس حدیث پر شہادت طلب کی اور ان سب نے بالاتفاق اس حدیث پر شہادت دی تو اس کا جواب یہ ہے کہ انھوں نے ڈر اور خوف کی وجہ سے اس حدیث پر شہادت دی تھی۔

۴۰۰۔ جم صحیح مسلم کی اسی حدیث کی شرح کر رہے ہیں، صحیح بخاری میں یہ حدیث کئی جگہ ہے مگر اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں تم نے ابو بکر کو جھوٹا، مکار، خائن اور گنہگار لگایا کیا۔ ۱۲۔ سیدی غفرلہ

۱۔ علاء باقری محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ، حق الیقین ص ۲۰۹-۲۱۰، مطبوعہ نیا بان ناظر خسرو، ایران ۱۳۴۱ھ

وراثت کے لفظ سے علم اور نبوت کی وراثت مراد لینا اسلوب قرآن کے مطابق ہے۔ !!

قرآن مجید میں ہے: حضرت زکریا نے دعا کی: فھب لی من لدنک ولیا یرثنی و یرث من آل یعقوب علامہ شیعہ کہتے ہیں اس آیت میں یہ نبوت ہے کہ انبیاء کے واسطے ہوتے ہیں، علامہ اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں مال کی وراثت مراد نہیں ہے بلکہ علم کی وراثت مراد ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ لغت اور عرف میں جب مطلقاً وراثت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مال کی وراثت مراد ہوتی ہے لہذا قرآن مجید کی اس آیت کو بھی مال کی وراثت پر محمول کیا جائے گا اور اس کو علم کی طائفت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیے کہ یہ کہنا لغت اور اسلوب قرآن سے بے خبری اور لاعلمی کی وجہ سے ہے لغت میں وراثت کا معنی انتقال اور بقا ہے، امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

الارث انتقال قنیۃ الیک من غیر عقد وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام اراثتوا علی مشاعرکم فائکوا علی اراث ابیکم ای اصلہ و بقیۃ۔ ۱

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

الوارث الباقی، وفي التنزیل یرثنی و یرث من آل یعقوب ای یرثی بعدی وفي الدعاء النبوی اللھم امتعنی بسمعی و بصری واجعلہ الوارث منی ای ابقہ معی حتی اموت۔ ۲

اب ہم قرآن مجید کی ایسی آیات پیش کرتے ہیں جن میں وراثت کا معنی "مال کی وراثت" کسی حال میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وانا لنحن ذحیٰ ونمیت ونحن الوارثون۔ (حجرات ۲۳)

وکننا نحن الوارثین۔ (قصص ۵۸)

مذکورہ صدر آیات سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید میں وراثت کا لفظ صرف وراثت بالمال میں ہی استعمال نہیں

۱۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی مترقی ۵۰۲، المفردات ص ۵۱۸، مطبوعہ مکتبہ رضویہ ایران، ۱۳۶۲ھ

۲۔ علامہ سید محمد رفیع حسینی مترقی ۱۳۰۵ھ، تاج الکرسی ج ۱ ص ۶۵۲، مطبوعہ المطبعة الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

ہوا بلکہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں وراثت کا لفظ بقرار کے لیے استعمال ہوا ہے اس لیے دوسرا ث سلیمان داؤد اور یوشی و یوشی و یوشی من آل یعقوب میں علم اور نبوت کی وراثت مراد لینا اسلوب قرآن کے عین مطابق ہے اور یہ دعویٰ غلط ہے کہ عرف اور لغت میں وراثت کا استعمال صرف وراثت بالمال میں ہوتا ہے۔

لفظ وراثت سے وراثت نبوت مراد لینے پر ملا مجلسی کے اعتراض کا جواب ملا باقر

جس آیت میں وراثت سے وراثت نبوت مراد لینے پر بحث کی ہے وہ یہ ہے: حضرت زکریا دعا کرتے ہیں نہ فہب لی من لدنک و لیتاہ یوشی و یوشی من آل یعقوب واجعلہ رب رضیتاہ۔
 ہمارا آل یعقوب کی سیرت بھی پائے اور اے میرے رب! اس کو ایک پسندیدہ شخص بنا۔ (مریم: ۶-۵)

ملا باقر یہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت زکریا کی دعا کا یہ مطلب تھا کہ مجھے ایسا فرزند عطا کر جو نبی ہو تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ واجعلہ رب رضیتاہ۔ اس کو ایک پسندیدہ شخص بنا، کیونکہ ہر نبی اللہ کا پسندیدہ ہوتا ہے، اس لیے یہاں وراثت نبوت مراد نہیں ہے بلکہ وراثت مال مراد ہے اور جو شخص مال کا وارث ہوگا تو ہو سکتا ہے کہ وہ مال کی وجہ سے کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے اس لیے دعا کی اس کو ایک پسندیدہ شخص بنا۔!

الجواب ملا باقر مجلسی کا یہ کہنا غلط ہے کہ جب حضرت زکریا نے اپنے فرزند کے لیے نبوت کی دعا کی تو پھر ان کے پسندیدہ ہونے کی دعا کی کیا ضرورت تھی کیونکہ نبی تو ہوتا ہی پسندیدہ ہے، اس لیے کہ نبوت کے ذکر کے بعد بھی ان اوصاف کا ذکر تاکید اور تفسیح کے لیے کیا جاتا ہے اور اس کی قرآن مجید میں بکثرت مثالیں ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و بشرنہ بأسحق نبیا من الصالحین۔
 اور ہم نے ابراہیم کو اسحق کی بشارت دی، ایک نبی تھے صالحین میں سے۔ (الأنعام: ۱۱۲)

کیا اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ نبی تو ہوتا ہی صالح ہے پھر نبی کے بعد صالحین میں سے کہنے کی کیا ضرورت تھی! فرشتوں نے حضرت زکریا کو ندا کی:

ان الله يبشرك بيحيى مصدقا بکلمة من الله وسيداً وحصوا ونبیاً من الصالحین۔
 اللہ آپ کو یحییٰ کی (ولادت کی) خوشخبری دیتا ہے جو کلمہ اللہ کے مصدق ہوں گے، سردار ہوں گے، عورتوں سے بچنے والے ہوں گے، نبی ہوں گے صالحین میں سے۔ (آل عمران: ۳۹)

جب اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ حضرت یحییٰ نبی ہوں گے تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ صالحین میں سے ہوں گے؟ نبی تو ہوتا ہی صالح ہے، قرآن مجید میں اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں ہم نے صرف دو آیتوں پر اکتفا کر لیا ہے اور جب ملا باقر مجلسی کا یہ اعتراض دور ہو گیا تو یوشی و یوشی من آل یعقوب۔ میں وراثت سے وراثت نبوت مراد لینا بے غبار ہو گیا۔ اور دوسرا ث سلیمان داؤد میں بھی وراثت علم اور نبوت مراد لینے پر کوئی اشکال

جیلو غامس

جیلو خاص

کے احکام کے عموم کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔ پہلی بات یہ ہے کہ حضرت ابو بکر کے لیے یہ حدیث خبر واحد اور قطعی نہیں تھی، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست یہ حدیث سنی تھی اور ان کے لیے یہ حدیث اسی طرح قطعی تھی جس طرح احکام میراث کی آیات قطعی ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابو بکر نے اس حدیث کی وجہ سے احکام میراث کی مخالفت نہیں کی بلکہ اس حدیث کی وجہ سے احکام میراث کے عموم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا مخصوص اور مستثنیٰ ہونا بیان کیا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ احکام میراث میں صرف اس حدیث کی وجہ سے تخصیص نہیں ہوئی بلکہ ان آیات کے عموم سے اور بھی کئی چیزیں مستثنیٰ ہو چکی ہیں، دیکھنے کا ذکر اولاد، باپ کی وارث نہیں ہوتی، غلام، باپ کا وارث نہیں ہوتا، قاتل، باپ کا وارث نہیں ہوتا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر بغرض محال حضرت ابو بکر نے احکام میراث کی مخالفت کی اور حضرت فاطمہ کو ترک نہیں دیا تو حضرت علی نے اپنے دفعہ خلافت میں اسی کو کیوں برقرار رکھا؟ اور اولاد فاطمہ کو اس مال کا وارث کیوں نہیں بنایا؟

نبی کے ترکہ کے وارث نہ ہونے کی وجہ | سلا باقر مجلسی نے اعتراض کیا ہے کہ نبوت اپنی اولاد کو میراث سے محروم کرنے کا سبب کیسے ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ:

علامہ بدرالدین حنفی لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کی میراث نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ کوئی شخص ان کے متعلق یہ بدگمانی نہ کرے کہ انھوں نے اپنے رشتہ داروں کے لیے مال جمع کیا ہے اور نبوت کا دعویٰ اور شائستگی، دین کی تمام سہی حصول مال کے لیے تھی، ایک قول یہ ہے کہ کہیں ان کے اقرباء ان کی موت کی تنہا نہ کرنے لگیں اور ہلاکت میں مبتلا نہ رہ جائیں، اور ایک قول یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی تمام تر امانت کے لیے بمنزلہ باپ ہوتے ہیں اور ان کی تمام امانت ان کے لیے بمنزلہ اولاد ہوتی ہے اس لیے ان کا تمام مال ان کی تمام اولاد کے لیے صدقہ کر دیا جاتا ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے ہر کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

کیا حضرت ابو بکر نے ذاتی مفاد اور خلافت کو مستحکم کرنے کے لیے حدیث کا نو دست بیان کی تھی؟

زیر بحث حدیث کو موضوع قرار دینے کے لیے سلا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر اس حدیث کی روایت میں دو وجہوں سے متہم ہیں، اول یہ کہ وہ اس مال میں اپنی مرضی سے تصرف کرنا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے یہ حدیث گھڑی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اہل بیت کو کمزور کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ ان سے خلافت میں مناقشہ نہ کر سکیں، یہ دونوں وجہیں باطل ہیں اول کا بطلان اس وجہ سے ہے کہ حضرت ابو بکر پر تہمت تب ہوتی جب اس مال میں سے وہ کوئی ذاتی فائدہ حاصل کرتے یا اپنی ذات یا اپنے اقارب پر اس مال کو خرچ کرتے، حالانکہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ حضرت ابو بکر

نے اس مال سے کوئی ذاتی فائدہ اٹھایا نہ بیت المال سے کوئی نفع حاصل کیا جو معمولی وظیفہ یا قحط موت سے پہلے اس کو بھی بیت المال کو واپس کر دیا، اور فذک کے احوال میں حضرت ابو بکرؓ نے اپنی مرضی سے کوئی تصرف نہیں کیا، بلکہ وہی تصرف کیا جو تصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ نیز یہ حدیث صرف حضرت ابو بکرؓ سے تو مروی نہیں ہے بلکہ حضرت علیؓ سمیت متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے جیسا کہ انشاء اللہ ہم عنقریب دلائل سے بیان کریں گے۔

دوسری وجہ کا بطلان اس وجہ سے ہے کہ اگر حضرت ابو بکرؓ کا منشاد اپنی خلافت کو مستحکم کرنا ہوتا تو ان کو چاہیے تھا کہ فذک حضرت فاطمہؓ کے حوالے کر دیتے تاکہ ان کو اہل بیت کی ہمدردیاں اور تعاون حاصل ہوتا اور ان کے خلاف کوئی محاذ نہ بناتا ان کا کوئی فریق ہوتا اور عام لوگ بھی خوش ہوتے اس کے برخلاف جب کہ عام لوگوں کا میلان اہل بیت کی طرف تھا اور پھر انہوں نے حضرت فاطمہؓ کا حق ان کو نہیں دیا تو اہل بیت بھی ناراض ہو کر ایک فریق بن گئے اور لوگوں کی ایک جماعت بھی ان سے کٹ گئی، لہذا ملا باقر مجلسیؒ کا یہ کہنا کہ حضرت ابو بکرؓ نے اہل بیت کو فذک اس لیے نہیں دیا۔ تاکہ وہ خلافت میں مناقشہ نہ کر سکیں بالکل الٹ اور برعکس ہے کیونکہ خلافت میں مناقشہ سے بچنے کے لیے تواضعیں چاہیے تھیں کہ سیاسی رشوت کے طور پر ان کو فذک دے کر اپنے ساتھ ملا لیتے اور فذک کا نہ دینا تو خلافت میں مناقشہ اور ناراضگی کا سبب ہے۔ حاصل بات یہ ہے کہ یہ بے نفس اور نیک لوگ تھے حضرت فاطمہؓ کا مطالبہ میراث بھی نیک بیعتی پر مبنی تھا اور حضرت ابو بکرؓ کا فذک نہ دینا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل کرنے کی وجہ سے تھا اور خلافت کو کمزور یا مستحکم کرنا کسی فریق کا بھی مسلح نظر نہیں تھا۔

کیا حضرت علیؓ نے حدیث لا نورث کی روایت میں حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کو جھوٹا، عہد شکن، خائن اور گنہگار گمان کیا تھا؟

ملا باقر مجلسیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے باطل اور موضوع ہونے پر یہ دلیل ہے کہ صحیح مسلم میں مالک بن انس سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ سے کہا حضرت ابو بکرؓ نے تم دونوں سے یہ کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم نے جو کچھ ترک کیا ہے وہ صدقہ ہے پس تم دونوں نے ابو بکرؓ کو جھوٹا، عہد شکن، خائن اور گنہگار گمان کیا، اور اللہ عرب جانتا ہے کہ ابو بکرؓ سچے نیک اور حق کی پیروی کرنے والے تھے پھر ابو بکرؓ فوت ہو گئے اور میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوا، پھر تم دونوں نے مجھ کو جھوٹا، عہد شکن، خائن اور گنہگار گمان کیا اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں سچا، نیک اور حق کی پیروی کرنے والا ہوں! ملا باقر مجلسیؒ کہتے ہیں کہ صحیح مسلم کی اس روایت سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت علیؓ، حضرت ابو بکرؓ کو اس روایت میں جھوٹا گنہگار دانتے تھے اور حضرت علیؓ کا اس روایت کو جھوٹا قرار دینا اس روایت کے باطل اور موضوع ہونے پر واضح دلیل ہے، کیونکہ حضرت علیؓ حق کے سوا کچھ نہیں کہتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ خود بھی اس حدیث کی صداقت کے معتقد تھے جیسا کہ مالک بن انس کی اسی روایت میں ہے: حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ سے فرمایا:

ثم اقبل على العباس وعلى فقال
انشد كما بالذي باذنه تقوم السماء والارض
اتعلمان ان رسول الله صلى الله
عليه وسلم قال لا نورث ما تركنا
صدقة قال نعم

پھر حضرت عمر، حضرت عباس اور حضرت علی کی طرف
متوجہ ہوئے اور فرمایا میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس
کی اجازت سے زمین اور آسمان قائم ہیں، کیا تم دونوں کو یہ
علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ہمارا
دارث نہیں بنایا جائے گا ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ
صدقہ ہے، حضرت عباس اور حضرت علی دونوں نے کہا،
ہاں! (ہمیں علم ہے۔)

اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت عباس اور حضرت علی کو اس حدیث کا علم تھا اور جب انہیں علم تھا تو حضرت فاطمہ
کو بھی یقیناً علم ہوگا تو پھر ان حضرات نے حضرت ابو بکر سے میراث کا مطالبہ کیوں کیا اور پھر دوبارہ حضرت عمر سے میراث
کا مطالبہ کیوں کیا؟

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت عباس اس حدیث کے
ترمذی تھے لیکن اس حدیث کو عام نہیں سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے کسی چیز کا بھی کوئی
دارث نہیں ہوگا، ان کے نزدیک اس حدیث کا مفہوم یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے بعض چیزوں
کا کوئی دارث نہیں ہوگا۔ اور باقی متر وکات میں وراثت جاری ہوگی اور خیر کی بعض ارامی اور فذک کے متعلق ان کا
گمان تھا کہ اس میں وراثت جاری ہوگی اس وجہ سے وہ ان میں وراثت کو طلب کرتے تھے، اس کے برعکس
حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور دیگر صحابہ اس حدیث کو عموم پر محمول کرتے تھے اور اس حدیث کی تعمیم اور تخصیص میں
ان کی آراء اور اجتہاد میں اختلاف ہو گیا، حضرت علی اور حضرت عباس کو اپنے موقف پر اصرار تھا اس وجہ سے
پہلے انہوں نے حضرت ابو بکر سے اور پھر حضرت عمر سے میراث کی تقسیم کا مطالبہ کیا۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ حضرت عمر نے جو حضرت عباس اور حضرت علی سے فرمایا کہ تم دونوں نے پہلے ابو بکر کو اور
پھر مجھے جھوٹا ہونے اور خائن گمان کیا اس کا کیا عمل ہے؟ علامہ آبی مالکی لکھتے ہیں کہ علامہ مازری مالکی نے اس کے
جواب میں کہہا ہے کہ یہ باب تنزیل سے ہے یعنی تم دونوں نے حضرت ابو بکر کے استدلال اور حجت کو تسلیم نہیں
کیا اور برابر میراث کی تقسیم کا مطالبہ کرتے رہے، علامہ یہ ہے کہ تم نے سچے شخص کے ساتھ جھوٹے شخص کا معاملہ
کیا نہ یہ کہ تم نے ان کوئی واقعہ جھوٹا سمجھا۔ علامہ آبی مالکی لکھتے ہیں کہ یہاں ہمزہ استفہام معذوف ہے یعنی اخذ ایتماع
کا ذبا غادراً خائناً آشماً۔ یہ کیا تم نے ابو بکر کو جھوٹا، عہد شکن، خائن اور گنہگار سمجھا تھا؟ اور یہ استفہام
انکاری ہے، یعنی جب تم حضرت ابو بکر کو جھوٹا اور عہد شکن نہیں سمجھتے تھے تو پھر کیوں بار بار میراث کی تقسیم کا مطالبہ
کرتے تھے؟

۱۔ امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۰، مطبوعہ نور محمد راجع المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۷، (مصحلاً) مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ لاہور
۳۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن علقماری دمشقی متوفی ۸۲۸ھ، اکال الال المسلم ج ۵ ص ۷۸-۷۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

میں کہتا ہوں کہ ان توجیہات کے صحیح اور صواب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے وفد خلافت میں ان اراخی کو حضرت فاطمہ کی اولاد کی ملکیت میں نہیں دیا اور اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ بعد میں حضرت علی کو یہ شرح صدر ہو گیا کہ اس حدیث کے بارے میں حضرت ابو بکر کا اجتہاد صحیح اور صائب تھا اور یہ کہ یہ حدیث اپنے موم پر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متردات میں سے ہے کئی چیزیں دراثت جاری نہیں ہوگی۔

ہم نے جو اس حدیث کی تحقیق کی ہے اس سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت علی اور حضرت عمر کا اس حدیث سے استدلال میں اختلاف تھا اور اس حدیث کی صحت میں اہل بیت کا اختلاف نہیں تھا نہ حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت عباس میں سے کسی نے اس حدیث کا انکار کیا تھا جیسا کہ ملاحقہ بقر مجلسی نے سمجھا ہے بلکہ انہوں نے قسم کھا کر اس حدیث کا اعتراف کیا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ائمہ شیعہ نے بھی اس حدیث کو کئی اسانید سے روایت کیا ہے جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ کو حدیث کا ثورث پر مطلع نہیں فرمایا تھا؟

ملاحقہ مجلسی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے باطل اور موضوع ہونے پر تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر واقعی کوئی البو حدیث ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی، اور حضرت فاطمہ کو اس پر ضرور مطلع فرمائے تاکہ وہ حضرت ابو بکر سے دراثت کے معاملہ میں ناحق جھگڑانہ کرنے اور جب آپ نے ان کو اس حدیث پر مطلع نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث محض افتراء اور جھوٹ ہے۔

الجواب | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث پر حضرت علی اور حضرت عباس کو بھی مطلع کیا تھا کہ مگر امام مسلم نے حضرت مالک بن انس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت عباس اور حضرت علی کو قسم دے کر پوچھا کہ کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ہم کسی کو وراثت نہیں بناتے ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے اور حضرت عباس اور حضرت علی دونوں نے فرمایا: ہاں! اور جب حضرت عباس اور حضرت علی اس حدیث پر مطلع تھے تو یقیناً حضرت فاطمہ بھی اس حدیث پر مطلع تھیں اور اہل بیت کے نزدیک یہ حدیث ثبات اور غیر متنازعہ تھی کیونکہ ائمہ اہل بیت نے اس حدیث کو رد بیان کیا ہے چنانچہ شیخ کافی کہنی نے اس حدیث کو امام ابو عبد اللہ سے دوسندوں کے ساتھ روایت کیا، مگر یہ کہ جب حضرت فاطمہ کے نزدیک یہ حدیث ثابت ہوئی تو انہوں نے پھر حضرت ابو بکر سے میراث کا مطالبہ نہیں کیا اور اس کا جواب ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ حضرت فاطمہ کے نزدیک اس مورث کا حکم عام نہیں تھا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام متردات کو شامل ہو اور حضرت ابو بکر کے نزدیک اس حدیث کا حکم عام تھا اور آپ کے تمام متردات کو شامل تھا۔

حدیث کا ثورث روایت کرنے والے صحابہ کرام کا تعدد اور تکثر | ملاحقہ مجلسی نے اس حدیث پر آخری اعتراض یہ لیا ہے

کہ اگر یہ حدیث واقعہ ہوتی تو اس کے روایت کرنے والے بکثرت ہوتے حالانکہ ابوبکر اور دو تین منافقوں کے سوا اس حدیث کا اور کوئی راوی نہیں ہے، اھ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ حدیث جھوٹ ہے

الجواب یہ حدیث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ سے مروی ہے، ہم اختصار کے ساتھ اس حدیث کو مستند کتب حدیث کے حوالہ جات کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

عن عائشة أم المؤمنين أخبرتنا،
ان فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه
وسلم سألت أبا بكر الصديق بعد وفاة
رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يقسم لها
ميراثها ما ترك رسول الله صلى الله عليه
وسلم مما أفاء الله عليه فقال لها أبو بكر
ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا
نورث ما تركناه صدقة الحديث

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ
رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات
کے بعد حضرت ابوبکر سے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فتنی عطا کیا تھا، رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں جو کچھ چھوڑا ہے اس میں
ان کی میراث کو تقسیم کریں، حضرت ابوبکر نے ان سے کہا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا وارث نہیں
بنایا جائے گا، ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ، امام ترمذی رحمہ اللہ، امام نسائی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ، امام بیہقی رحمہ اللہ، اور تذاویلی متقی شہ نے بھی روایت کیا ہے۔
امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

عن مالك بن اوس بن حدثان عن
فقال عمر ائشد والشدك بآل الله
الذي باذنه تقوم السماء والارض هل
تعلمون ان رسول الله صلى الله عليه وسلم

حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ بیان
کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (حضرت عثمان،
حضرت عبدالرحمن، حضرت زبیر اور حضرت سعد سے) کہا
تھیر و امیں تم کو اللہ کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں جس کے

- ۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۶-۵۲۷ ج ۲ ص ۹۹۵-۹۹۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۷ھ
- ۲۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۲-۹۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
- ۳۔ امام ابویوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۴۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۵۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
- ۴۔ امام احمد بن حنبل نسائی متوفی ۲۴۱ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۵۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
- ۵۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ
- ۶۔ امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۳۰۲، ۳۰۱، ۳۰۰، ۲۹۸، مطبوعہ نشر السنۃ لبنان
- ۷۔ شیخ علی متقی بن حسام الدین ہندی متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۱۱ ص ۲۰، مطبوعہ مؤسسة الرسالة بیروت، ۱۴۰۵ھ

قَالَ لَا تَوَارِثَ مَا تَرَكَنا صدقة یرید
بذلك نفسه قالوا قد قال ذلك ربه

اذن سے آسمان اور زمین قائم ہیں کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "ہمارا وارث نہیں بنایا جائے
گا، ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے" انھوں نے کہا
بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔

اس حدیث کو امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام احمد، امام بیہقی، شیخ علی مشکینی نے بھی روایت
کیا ہے۔

امام ترمذی نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث حضرت عمر، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد
حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے، سوکتے ہیں:

وفي الباب عن عمر، وطلحة والزبير
وعبد الرحمن بن عوف وسعد وعائشة و
حديث ابى هريرة حديث حسن
غريب
اس باب میں حضرت عمر، حضرت طلحہ، حضرت زبیر،
حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد اور حضرت عائشہ
سے بھی روایت ہے اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث حسن
غریب ہے۔

امام بخاری نے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت عباس
اور حضرت علی نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا"
امام بخاری روایت کرتے ہیں:

فقال ملك انطلقت حق ادخل على
عمر اذا جاء حاجبه يرفاً فقال هل
لك في عثمان وعبد الرحمن والزبير
وسعد يستأذنون قال نعم فاذن لهم
قال فدخلوا وسلموا فجلسوا ثم لبث
حضرت مالک بن اوس بن حدثان روایت کرتے
ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اس وقت
ان کا دربان پر فاد آیا اور کہا حضرت عثمان، حضرت
عبدالرحمن، حضرت زبیر اور حضرت سعد آنے کی اجازت
مانگ رہے ہیں، آپ کا کیا حکم ہے؟ حضرت عمر نے

- ۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۴۰، ۱۷۴۱، ۱۷۴۲، ۱۷۴۳، ۱۷۴۴، ۱۷۴۵، ۱۷۴۶، ۱۷۴۷، ۱۷۴۸، ۱۷۴۹، ۱۷۵۰، ۱۷۵۱، ۱۷۵۲، ۱۷۵۳، ۱۷۵۴، ۱۷۵۵، ۱۷۵۶، ۱۷۵۷، ۱۷۵۸، ۱۷۵۹، ۱۷۶۰، ۱۷۶۱، ۱۷۶۲، ۱۷۶۳، ۱۷۶۴، ۱۷۶۵، ۱۷۶۶، ۱۷۶۷، ۱۷۶۸، ۱۷۶۹، ۱۷۷۰، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۷۳، ۱۷۷

یرفأ قليلا فقال لعمر هل لك في علي
وعباس قال نعم فاذن لهما فلما
دخلوا فسلما وجلسا فقال عباس
يا امير المؤمنين اقض بيني وبين هذا
فقال الرهط عثمان واصحابه يا امير
المؤمنين اقض بينهما وارح احدهما
من الآخر فقال عمر انتدوا انتدوا
بالله الذي بآذنه تقوم السماء والارض
هل تعلمون ان رسول الله صلى الله عليه
وسلم قال لانوارث ما تركنا صدقة
يريد رسول الله صلى الله عليه وسلم
نفسه قال الرهط قد قال ذلك
فاقبل عمر علي وعلي وعباس فقال
انتدكما بالله هل تعلمان ان رسول الله
صلى الله عليه وسلم قال ذلك قال
قد قال ذلك - له

کہا ہاں اور اجازت دی وہ لوگ اُسے سلام کیا اور بیٹھ گئے، حضورؐ بھی دیر بعد یہ غامد پھر آیا اور کہنے لگا حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا ہاں! اور ان کو اجازت دے دی پھر وہ دونوں اگر سلام کر کے بیٹھ گئے حضرت عباسؓ نے کہا اے امیر المؤمنین! امیر سے اور اس شخص (حضرت علیؓ) کے درمیان فیصلہ کیجئے، حضرت عثمانؓ اور ان کے اصحاب نے بھی کہا: اے امیر المؤمنین! ان کے درمیان فیصلہ کیجئے اور ایک کو دوسرے سے راحت دلائیے حضرت عمرؓ نے کہا پھر وہ اپنی تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں کیا تمہیں یہ علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے، اس سے حضورؐ کی اپنی ذات مراد تھی اس جماعت نے کہا ہاں آپؐ نے یہ فرمایا تھا، پھر حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے کہا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔

اس حدیث کو امام مسلمؒ، امام بیہقیؒ، اور امام ابوداؤدؒ نے بھی روایت کیا ہے۔
سلا باقر مجلسیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمنؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت زبیرؓ نے حضرت عمرؓ کے خوف سے یہ شہادت دی تھی چونکہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اس لیے مردود ہے۔

امام مسلمؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:
عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لانوارث ما ترکنا
حضرت ابوسہریرہؓ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہمارا وارث نہیں بنایا

- ۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۶، ۵۷۵، ۹۹۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
۲۔ امام ابوالحسن مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
۳۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، سنن کبریٰ ج ۲ ص ۲۹۷، مطبوعہ نشر السنۃ عمان
۴۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۵۶ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۶، مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور، ۱۴۰۶ھ

صدقۃ - لے
اس حدیث کو امام احمد، امام بیہقی اور شیخ علی متقی نے بھی روایت کیا ہے۔
حافظ نور الدین الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما ترکنا صدقۃ رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح - ۱۷
حضرت حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے، اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی صحیح ہیں۔

اس حدیث کو شیخ علی متقی نے بھی بیان کیا ہے۔ ۱۸

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:

عن عائشۃ ان ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اردن ان یبعثن الی ابی بکر یسرلن۔ میراثمن فقالت عائشۃ الینس قد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث ما ترکنا صدقۃ - ۱۹
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت ابو بکر کے پاس کسی کریمیت کریمیت کا سوال کریں۔ حضرت عائشہ نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا تھا ہاں! وارشاد نہیں بنایا جائے گا۔ ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

اس حدیث کو امام مسلم، امام ابوداؤد، امام مالک، امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

- ۱۔ امام ابو الحسن مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
- ۲۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۶۶۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ
- ۳۔ امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۲۰۲، مطبوعہ نشر الستہ مکان
- ۴۔ شیخ علی متقی بن حسان الدین ہندی متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۱۱ ص ۲۰، مطبوعہ مکتبۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۵ھ
- ۵۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، بحیث الزوائد ج ۲ ص ۲۲۴، مطبوعہ دار الکتب العربی، ۱۴۰۲ھ
- ۶۔ شیخ علی متقی بن حسان الدین ہندی متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۱۱ ص ۲۰، مطبوعہ مکتبۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۵ھ
- ۷۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
- ۸۔ امام ابو الحسن مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
- ۹۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۶۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۶ھ
- ۱۰۔ امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک ص ۷۳۳، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور
- ۱۱۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

ہم نے مستند کتب، حدیث کے حوالہ جات سے اس حدیث کی روایت اور تصدیق کرنے والے بنی صحابہ کرام کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں: (۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت عباس (۵) حضرت علی (۶) حضرت طلحہ (۷) حضرت زبیر (۸) حضرت عبدالرحمان بن عوف (۹) حضرت سعد بن ابی وقاص (۱۰) حضرت البرہہ (۱۱) حضرت ہذیلہ (۱۲) اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چونکہ تمام مہاجرین، انصار اور اہل بیت کے سامنے یہ حدیث روایت کی تھی اور کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا تو اس پر تمام صحابہ اور اہل بیت کا اجماع ہو گیا، امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن فضیل بن مرزوق قال قال زید بن علی بن الحسین بن علی اما انا فلو كنت مكان ابی بکر رضی اللہ عنہ لحکمت بمثل ما حکم بہ ابوبکر رضی اللہ عنہ فی فذلک۔
 فضیل بن مرزوق کہتے ہیں کہ زید بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جگہ ہوتا تو فوراً اس کے بارے میں میں بھی وہی فیصلہ کرتا جو حضرت ابوبکر نے کیا تھا۔

یہ اہل بیت کی شہادت ہے، اور بکثرت کتب احادیث میں حضرت علی کی تصدیق ہے نیز حضرت علی نے اپنی خلافت کے دوران حضرت ابوبکر اور عمر کے طریقہ کو برقرار رکھا سو یہ تمام امور اس حدیث کی صحت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے موقع کی صداقت پر محسوس دلائل اور حواہد ہیں، احادیث اہل سنت پیش کرنے کے بعد اب ہم اس حدیث کے ثبوت میں اہل تشیع کی احادیث پیش کر رہے ہیں۔

حدیث لا نؤثر کما اہل تشیع کی اسانید سے ثبوت | شیخ کافی کلینی روایت کرتے ہیں:

عن ابی البختری عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال: ان العلماء وسمتہ الانبیاء وذلک ان الانبیاء لم یورثوا دھماً ولا دیناراً، وانما اورثوا احادیث من احادیثہم۔
 ابراہیم بختری بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: علماء انبیاء کے وارث ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کسی کو دھم اور دینار کا وارث نہیں کرتے، انبیاء علیہم السلام صرف اپنی احادیث کا وارث کرتے ہیں۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مال میں وارثت جاری نہیں ہوتی صرف ان کے علم میں وارثت جاری ہوتی ہے۔

عن القداح عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سلك طریقاً یطلب فیہ علماً
 قداح بیان کرتے ہیں کہ ابوعبداللہ علیہ السلام نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم کی طلب میں کسی راستہ پر جائے، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے

۱۔ امام احمد بن حنبل بیہقی متون ۴۵۸، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۳۰۲، مطبوعہ نشر السنۃ لمطان

۲۔ شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی متون ۳۲۹، الاصول من الکافی ج ۱ ص ۲۲، مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ تہران، ۱۳۶۵ھ

مسلك الله به طريقا الى الجنة (القولہ)
وان العلماء ورثة الانبياء ان الانبياء لم يورثوا
دينارا ولا درهما ولكن وراثتهم العلم فمن
اخذ منه اخذ بحظ وافر له

امول کافی اہل تشیع کی بہت معتبر اور مستند کتاب ہے اور اس کا ان کے ہاں وہی درجہ حاصل ہے جو اہل سنت کے ہاں صحیح بخاری کا مقام ہے، شیخ کلینی نے اس کتاب میں موجودہ قرآن کی تحریف اور تحقیق کے متعلق تمام روایات بیان کی ہیں اور یہ روایت درج کی ہے کہ موجودہ قرآن اصل قرآن کا ایک ثلث (۱/۳) ہے۔ اور اس بھی بکثرت کمرین کی گئی ہے اور اس کے متعلق ایک مستقل باب قائم کیا ہے، اور فرغ کافی میں یہ روایت درج کی ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ کی فرج کو غصب کر لیا تھا، اور فدک کو ہبہ کرنے کے متعلق روایت درج کی ہے گ۔ اس لیے اہل تشیع حضرات اس حدیث سے فرار حاصل کرنے کے لیے یہ نہیں کہہ سکتے کہ شیخ کلینی نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں تقیہ درج کیا ہے کیونکہ اگر انہوں نے اہل سنت کی اس روایت کو تقیہ درج کیا ہے تو پھر اہل سنت کے خلاف اس سے زیادہ شدید روایات کو اپنی کتاب میں کیوں درج کیا ہے!

اس سے زیادہ شدید روایات کو اپنی کتاب میں کیوں درج کیا ہے؟
یہاں تک ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فکد کا مطالبہ کیا تھا لیکن جب حضرت ابو بکر
رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا تو حضرت زہرا
خاموش ہو گئیں اور اس حدیث پر خفیہ علماء کے اہم اعتراضات کے جوابات ذکر کیے، اس کے بعد اب ہم اہل سنت کے
ان دلائل کا ذکر کرتے ہیں جن سے واضح ہو جائے گا کہ فکد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت میں تقسیم نہیں کیا
جاسکتا تھا۔

فُذک میں وراثت نہ جاری ہونے پر آں مجید سے استدلال

سے حاصل ہوا تھا اور جو علاقہ بغیر جنگ کے حاصل ہو رہا تھا ہوتا ہے اور قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ جو علاقہ فنی ہو رہا کسی کی شخصی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ وقف ہوتا ہے اور وقف میں وراثت جاری نہیں ہوتی لہذا ثابت ہو گیا کہ خدک میں وراثت جاری نہیں ہو سکتی۔

راہیہ کہ مذکورہ نیچے ہے تو اس پر علماء اہل تشیع کے حسب ذیل تصریحات ہیں:

شیخ ابراہیم بن فضل بن حسن لمبرسی لکھتے ہیں:

- | | | | | |
|---|---|---|---|-----------------------------------|
| ۱- شیخ ابو حفص محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ هـ، الاصول من الکافی ج ۱ ص ۳۴ مطبوعه دارالکتب الاسلامیه تهران، ۱۳۶۵ هـ | | | | |
| " " " " " " " " " " " " | " | " | " | ۲- الاصول من الکافی ج ۲ ص ۶۳۴-۶۳۳ |
| " " " " " " " " " " " " | " | " | " | ۳- الاصول من الکافی ج ۵ ص ۳۴۶ |
| " " " " " " " " " " " " | " | " | " | ۴- الاصول من الکافی ج ۱ ص ۵۴۳ |

شیخ محمد حسین لمباٹائی نے بھی
نیز شیخ لمباٹائی لکھتے ہیں:

تہذیب الاحکام میں اپنی سند کے ساتھ صلیبی روایت ہے کہ امام ابو عبد اللہ علیہ السلام نے قرآن مجید کی اس آیت (ہا افاء اللہ علیٰ رسولہ النجی) کی تفسیر میں فرمایا فی ان اموال کو کہتے ہیں جن کے حصول کے لیے جگہ کی گھنٹی برونہ خون بیلایا گیا ہو۔

لغت میں فحش کا معنی لوثانا ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں اس کا معنی ہے جو چیز کفار سے بنیہ جنگ کے حاصل کی گئی ہو۔

علماء شیعہ کی مذکورہ تصدیقات سے یہ واضح ہو گیا کہ فنی اس زمین کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ کے حاصل ہو، اور اہل فتنہ بھی فنی تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر جنگ کے حاصل ہوا تھا اب دیکھیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فنی کے کیا احکام نازل فرمائے ہیں: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ

اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ بستیوں کے لوگوں سے

۵۔ شیخ محمد جواد متقیہ، فقہ الامام جعفر الصادق ج ۲ ص ۲۷۶، دارالعلم بیروت

فَدْنَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (الْأَلْفِ قَوْلُهُ تَعَالَى) لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا (الْأَلْفِ قَوْلُهُ تَعَالَى) وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يَحِبُّونَ مِنْ هَاجِرٍ أَلِيهِمْ (الْأَلْفِ قَوْلُهُ تَعَالَى) وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ -

(حشر: ۵۹/۱۰-۶)

اپنے رسول کی طرف لوٹا دے، وہ اللہ، رسول (رسول کے) رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ یہ مال نہ ہمارے دولت مند لوگوں کے درمیان گردش نہ کرتا رہے، اور یہ ان فقراء مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال دیے گئے۔ اور ان حاکم یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا کو طلب کرتے تھے، اور یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو مہاجرین کے آنے سے پہلے دارِ ہجرت میں رہتے ہیں اور مہاجرین سے محبت کرتے ہیں، اور یہ ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو ان (پہلوں) کے بعد آئیں گے اور یہ کہیں گے اے ہمارے رب ہماری مغفرت فرما اور ہم سے پہلے مسلمانوں کی مغفرت فرما۔

سورہ حشر کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ فحی کی آمدنی اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، فقراء مہاجرین، انصار صحابہ اور بعد میں آنے والے مسلمانوں پر خرچ کی جائے گی، اور جب علماء شیعہ کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ مذکورہ فحی ہے تو اوروں سے قرآن مجید مذکور کی آمدنی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور فقراء مہاجرین، انصار صحابہ اور بعد میں آنے والے مسلمانوں پر خرچ کیا جانا ضروری ہے اور جس جائیداد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مہاجرین، انصار اور بعد کے مسلمانوں کا بھی حصہ ہو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کیے جاری ہو سکتی ہے۔

وراثت اس جائیداد میں جاری ہوتی ہے جو کسی شخص کی شخصی ملکیت ہو اور سورہ حشر کی آیات سے واضح ہو گیا کہ مذکورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی ملکیت نہیں تھا بلکہ اس کی آمدنی عہد رسالت کے مستحق مسلمانوں سے لے کر بعد میں آنے والے مسلمانوں تک کے لیے وقف تھی اور وقف میں وراثت جاری نہیں ہوتی، اگر اللہ تعالیٰ مذکورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی ملکیت میں دے دیتا تب اس میں وراثت کا سوال اٹھ سکتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مذکورہ شخصی ملکیت قرار نہیں دیا بلکہ شخصی ملکیت کی یہ فرما کر نفی فرمائی ہے کہ کی لا یكون دولة بین الاغنیاء منکم۔ تاکہ یہ مال نہ ہمارے دولت مند لوگوں کے درمیان گردش نہ کرتا رہے، اگر علماء شیعہ کے قول کے مطابق مذکورہ وراثت میں اہل بیت کی طرف منتقل کر دیا جاتا تو یہ جائیداد نسل در نسل اہل بیت کے دولت مندوں میں گردش کرتی رہتی اور یہ قطعاً مریخ قرآن کے خلاف ہوتا، اللہ تعالیٰ نے مذکورہ شخصی ملکیت میں نہیں دیا، بلکہ اللہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے قرابت داروں اور اس گھرانے کے عام مستحق مسلمانوں کی ضروریات کے لیے اس

۴۔ اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خواص اللہ کے راستہ میں خرچ کیا جائے مثلاً مسابد کی تعمیر میں خرچ کیا جائے۔

کے خرچ کو متعین کر دیا، اسی وجہ سے حضرت ابو بکر نے فدک میں آپ کی وراثت نہیں جاری کی اور اس کی آمدنی کو ازواج مطہرات، اہل بیت اور دیگر مستحق مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ کیا اور کہا میں اس کی آمدنی کو اخنی مذات پر خرچ کرتا رہوں گا جن مذات پر اس کی آمدنی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرچ کرتے تھے، اور میں اس خرچ میں سے کسی چیز کو کم نہیں کروں گا، اور مجھے یہ حدیث ہے کہ اگر میں نے اس خرچ میں سے کسی چیز کو کم کیا تو میں گمراہ ہو جاؤں گا (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۲۵) اور حضرت ابو بکر کے بعد حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی نے بھی حضرت ابو بکر کے طریق کار کو برقرار رکھا اور فدک بدستور قومی ملکیت میں رہا اور اس کی آمدنی ازواج مطہرات، اہل بیت اور دیگر مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ ہوتی رہی۔

ہمارے اس استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ فدک فئی تھا اور فئی اور روئے قرآن وقف ہوتا ہے لہذا فئی وقف ہوا اور فئی میں وراثت جاری نہیں ہوتی، اس لیے فدک میں وراثت جاری نہیں ہوگی، اخیر میں ہم فدک کے فئی ہونے پر علماء شیعہ کا ایک اور حوالہ پیش کر رہے ہیں:-

مورخ شہیر میرزا محمد تقی لکھتے ہیں:

و چون فتح فدک بہ لشکر سوارہ و پیادہ بود، قنات
خاص پیغمبر گشت، و این آیت مبارکہ مفاد میں سمنا تراند بود۔
جب فدک شہساروں اور پیادہ فوج کے بغیر فتح
ہوا تو وہ پیغمبر کے ساتھ خاص ہو گیا، اور اس آیت مبارکہ
کا مصداق ہو گیا۔

وما افاء اللہ علی رسولہ منہم فمما
اوجفتم علیہ من خیل و کلاب
ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من
یشاء و اللہ علی کل شیء قدید الخ لہ
اور جو مال اللہ تعالیٰ نے کفار کے قبضہ سے
نکال کر اپنے رسول کی طرف دیا وہ ایسے مال نہیں
ہیں جن پر تم نے اپنے گھوڑے اور اونٹ دوڑانے پر
بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے تصرف عطا فرما
دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

میرزا محمد تقی نے اس عبارت میں یہ تصریح کر دی ہے کہ فدک فئی تھا اور سورہ حشر کی ان آیات کا مصداق تھا اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ سورہ حشر کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فئی کے یہ مصداق بیان کیے ہیں، اللہ کے لیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قرابت داروں کی ضروریات کے لیے، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مہاجرین، انصار اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کی ضروریات کے لیے، اور یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ جس چیز میں ان مذات پر خرچ کرنا متعین ہو وہ شخصی ملکیت نہیں ہو سکتی، کیونکہ شخصی ملکیت میں یہ قید نہیں ہوتی کہ اس کو فلاں فلاں مد پر خرچ کیا جائے آدمی جس چیز کا شخصی طور پر مالک ہو وہ چاہے تو اس تمام کو صرف اپنی ذات پر خرچ کرے اور چاہے تو وہ سارا مال اپنے قرابت داروں کو دے دے یا سب راہ خدا میں (جہاد وغیرہ) پر خرچ کر دے یا کسی ایک یتیم کو دے دے علیٰ ہذا القیاس اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنی جائیداد کو ان نو مذکور مدوں پر خرچ کرے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فئی کو ان لوازمات پر خرچ کرنا لازم کر دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ فئی شخصی ملکیت نہیں ہوتی اور فدک بالاتفاق فئی ہی ہے تو ثابت ہو گیا کہ

فدک کسی کی شخصی ملکیت نہیں ہے اور جو چیز شخصی ملکیت نہ ہو اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی لہذا فدک میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔

سورہ حشر کی ان آیات سے جس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ فدک کو وراثت میں نہیں دیا جاسکتا اسی طرح ان آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ فدک کو ہبہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ فدک فحی ہے اور فحی وقف ہوتا ہے اور جو چیز وقف ہو اس کو نہ بیچا جاسکتا ہے نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے۔

علماء شیعہ کا یہ دعویٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک حضرت فاطمہ کو ہبہ کر دیا تھا

فدک کے متعلق علماء شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہراء کو اپنی حلیت مبارکہ میں فدک ہبہ کر دیا تھا۔ ہم پہلے اس سلسلہ میں علماء شیعہ کی تصریحات پیش کریں گے پھر کثرت دلائل سے یہ واضح کریں گے کہ آپ نے حضرت فاطمہ کو فدک ہبہ نہیں کیا تھا اور یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ شیخ کبھی روایت کرتے ہیں:

عن علی بن اسباط بیان کرتے ہیں کہ جب ابوالحسن موسیٰ علیہ السلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس گئے اور یہ دیکھا کہ وہ رگوں کے حقوق والیں کر رہے ہیں قرآن سے کہا اے امیر المؤمنین کیا وجہ ہے کہ آپ ہمارے حقوق والیں نہیں کرتے؟ مہدی نے کہا آپ کے کون سے حقوق ہیں؟ ابوالحسن نے کہا فدک اور اس کا قرب و جوار، جن پر گھوڑے دوڑائے گئے تھے نہ اونٹ پھر اللہ تعالیٰ نے آپے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی "قرابت داروں کو ان کا حق دیکھئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پتہ نہ چلا کہ کون سے قرابت دار مراد ہیں، آپ نے جبریل سے پوچھا اور جبریل نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا تب اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ وحی نازل کی کہ آپ حضرت فاطمہ کو فدک دے دیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور فرمایا: اے فاطمہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تم کو فدک دے دوں، حضرت فاطمہ نے کہا یا رسول اللہ!

عن علی بن اسباط قال: لما ورد ابوالحسن موسیٰ علیہ السلام علی المہدی راہ یورد المظالم فقال یا امیر المؤمنین ما بال مظلمتنا لا ترد؟ فقال له: وما ذاك یا ابا الحسن؟ قال ان الله تبارک و تعالیٰ لما فتح علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فذک وما والاها لم یوجف علیہ بنحیل ولا رکاب فأنزل الله علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم وأت ذا القربیٰ حقہ فلم یدر رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من هم فراجع فی ذلک جبرئیل وجبرئیل علیہ السلام ربا فوحی الله الیہ ان ادفع فذک الی فاطمة علیہا السلام فدعاها رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال لها یا فاطمة ات الله امرنی ان ادفع الیک فذک فقالیت قد

قبلیت یا رسول اللہ من اللہ و منک ۱؎
 احمد بن ابی یقرب کہتے ہیں:

حضرت حسین کے فرزندوں میں سے ایک فرزند خلیفہ مامون رشید کے پاس گئے اور یہ شکایت کی کہ پیغمبر نے حضرت فاطمہ کو فدک دے دیا تھا، پیغمبر کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ نے (حضرت) ابوبکر سے مطالبہ کیا کہ فدک ان کے حوالے کر دیں (حضرت) ابوبکر نے حضرت فاطمہ سے کہا کہ اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کریں، انھوں نے گواہی میں حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین اور ام المین کو پیش کیا — ۲؎
 شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی کہتے ہیں:

عن ابی سعید الخدری قال لما نزل قوله و ات ذا القربی حقہ اعطی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ فدک ۳؎
 شیخ علی بن ابراہیم قمی و ات ذا القربی حقہ و انزلت فی فاطمہ علیہا السلام فجعل لها فدرۃ ۴؎
 ملا باقر مجلسی کہتے ہیں:

ثم ان فاطمہ علیہا السلام بلغها ان ابا بکر قبض فدکا فخرجت فی نساء بنی ہاشم حتی دخلت علی ابی بکر فقالت یا ابا بکر تدیدان تاخذ منی ارضا جعلها لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و تصدق بها علی من الوجیف الذی لہ یوجف المسلمون علیہ بخیل و لا رکاب ۵؎
 پھر جب حضرت فاطمہ علیہا السلام تک یہ خبر پہنچی کہ (حضرت) ابوبکر نے فدک پر قبضہ کر دیا تو وہ بنو ہاشم کی عورتوں کے ساتھ (حضرت) ابوبکر کے پاس گئیں اور کہا اے ابوبکر! تم مجھ سے وہ زمین لینا چاہتے ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے کر دی تھی اور مجھ پر صدقہ کر دی تھی، اور یہ وہ زمین ہے جس پر مسلمانوں نے گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ!

- ۱؎ شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ، الاصول من الکافی ج ۲ ص ۵۴۲، مطبوعہ دار الکتاب الاسلامیہ تہران ۱۳۶۵ھ
 ۲؎ شیخ احمد بن ابی یقرب متوفی ۲۶۰ھ، تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۴۹۳ - ۴۹۲، مطبوعہ مرکز انتشارات علمی و فرهنگی ایران ۱۳۶۲ھ
 ۳؎ شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی متوفی ۵۲۸ھ، مجمع البیان ج ۵ ص ۴۱۱، مطبوعہ کتب فروشی اسلامیہ، طبع دوم، ۱۳۸۰ھ
 ۴؎ شیخ ابراہیم بن ابراہیم القمی متوفی ۳۳۹ھ، تفسیر قمی ج ۲ ص ۱۸، مطبوعہ مطبعۃ النجف، ۱۳۸۰ھ
 ۵؎ ملا محمد باقر مجلسی متوفی ۱۱۰۱ھ، بحار الانوار ج ۲ ص ۳۰۴، مطبوعہ المطبعۃ الاسلامیہ طہران ۱۳۲۹ھ

(بقیہ آئندہ پر)

(فائدہ) بحار الانوار، ملا باقر مجلسی کی ایک بہت ضخیم کتاب ہے جس کی ایک سو جلدیں ہیں، اس کی انیسویں سے چونتیسویں

مورخ شہسبیر میرزا محمد تقی لکھتے ہیں :

چوں این فرمان بر سید کہ حق خویشاں را بازده پیغمبر
فرمود ! این خویشاں کو مانند عرض کرد فاطمہ علیہا السلام است :
حوادث فک را با او گذار حق خویش طلب ، چه خداوند نبر
حق خود با او گذاشت ، و این فک جھارمی در شیب
خیبر برداگر چه باستواری خیبر بھار نداشت ، مکن
خواستہ و خراستا نہا بیش افزون بود ،

جب یہ حکم پہنچا کہ " قربت داروں کا حق انھیں دو " تو پیغمبر
نے فرمایا کہ وہ قربت دار کون ہیں ؟ تو بتایا کہ وہ فاطمہ علیہا السلام ہیں
فک کے باغات انھیں دے دو اور اپنا حق مت طلب کرو ، کیونکہ اللہ
تعالیٰ نے بھی اپنا حق ان کے لیے چھوڑ دیا ہے ، فک خیبر کے نشیب علاقے
میں ایک قلعہ تھا ہر چند کہ خیبر جیسی اس کی تحصیل نہ تھی لیکن اس کے محال
اور اس کے ارد گرد و گھوروں کے باغات بہت زیادہ تھے ۔

لا یم رسول خدا ی فاطمہ را طلب داشت و این
آیت را بر او قرأت فرمود و اموالی کہ از فک بدست
کرده بود ، تسلیم داد و حوادث فک را بر او گذاشت ، فاطمہ
عرض کرد آنچه بفرمان خدا بہرہ من گشت ، بازو گذاشتم
پیغمبر فرمود اس جملہ از بہر خویشتن و فرزندان خود بدار
دانستہ باش کہ بعد از من این فک را از تربستانہ
و با تو مازعت و مناجزت آغازند ۔

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور ان کے سامنے
یہ آیت تلاوت کی اور فک سے جو اموال حاصل ہوئے
تھے حضرت فاطمہ کے حوالے کر دیے اور فک
کے باغات انھیں دے دیے ۔ حضرت فاطمہ نے کہا
اللہ کے حکم سے جو چیز میرا حصہ قرار پائی ہے وہ میں
آپ کو دیتی ہوں ، پیغمبر نے کہا یہ تمام ملا کر اپنے اور
اپنی اولاد کے لیے رکھو اور یاد رکھو کہ میرے بعد یہ
فک تم سے لے لیا جائے گا اور اس کے سلسلہ میں تم
سے جھگڑا کیا جائے گا ۔

اس وقت بفرمود تمام نادیدہ صحابہ را انجن کردند
و در مجلس ایشان حوادث فک را باہر ملک و ہرمان کہ از
آنجا مانور داشت ، بتسلیم فاطمہ داد و ثبوت حق گذاشت
کہ فک بایں خواستہ خاص فاطمہ و فرزندان حسن و حسین

اس گفتگو کے بعد آپ نے اکابر صحابہ کو جمع کیا اور
ان کی مجلس میں فک کو اس کی ہر ملکیت اور اس کے تمام محال
سمیت حضرت فاطمہ کو دے دیا اور یہ دستاویز لکھ دی
کہ فک ان تمام محال سمیت فاطمہ اور ان کے فرزندان

(گزشتہ سے پیوستہ)

جلد میں کتاب الفتن ہے جس میں منافقین اور مرتدین کے احوال بیان کیے گئے ہیں ، فک پر بھی اس جلد میں بحث کی گئی ہے لیکن مثلاً
مثلاً باقر مجلسی نے کتاب الفتن میں صحابہ کرام پر اس قدر شدید اور غلیظ تبرا کیا ہے کہ کتاب الفتن کو اب ایران اور بیروت کا کوئی
پبلشر نہیں چھاپتا اور تمام ناشرین کے اس پر اتفاق کر لیا ہے کہ اس کتاب کی ۲۹ سے ۳۲ جلد کو نہیں چھاپا جائے گا ، ہمارے
پیش نظر اس وقت ایران کا چھاپا ہوا نسخہ ہے جس میں ۲۹ سے ۳۲ تک کی جلدیں نہیں ہیں ۔ ۱۲ - سیدی غفرلہ

حسن اور حسین کا ہے اور آپ نے اس سے اپنا دست
تصرف اٹھایا اور اس کے اموال اور خزانے مسلمانوں کو
بخش دیئے، آپ ہر سال اپنی خوراک کو فک کی آمدنی
سے لیتے تھے اور اس کی آمدنی سے جو کچھ بچتا اس کو
مسلمانوں پر خرچ کرتے تھے، جیسا کہ مستقصی اور دیگر
کتابوں میں لکھا ہوا ہے، علامہ شیعہ اور سنیوں کی بھی
ایک جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول خدا نے فک
حضرت فاطمہ کو عطا کر دیا تھا۔ اور اپنی زندگی میں فک
کو حضرت فاطمہ کے تصرف میں دے دیا تھا، اور حضرت
فاطمہ کا مقرر کردہ عامل فک کا حساب کرتا تھا۔ اور جب
رسول خدا نے اس جہان سے پردہ فرمایا تو (حضرت) ابوبکر
نے حضرت فاطمہ کے عامل کو فک سے معزول کر دیا اور فک کو
اپنے قبضہ میں لے لیا

است، پس دست تصرف فرا داشت، و اس اموال
و ائصال بر مسلمین بخش کرد و ہر سال تصرف خویش را
از فک برے گرفت، و آنچه بر زیادات بود بر مسلمین
بذل میفرمود، چنانکہ از مستقصی و دیگر کتب مستفاد
مے شود و مردم شیعی و ب یار کس از اہل سنت و
جماعت بر این سخن متفق اند کہ رسول خدا فک را
بفاطمہ بخشید و در روزگار خویش تصرف او بہاد
و عامل فاطمہ ضبط فک میکرد و بعد از آنکہ رسول خدا
از این جہاں روئے بہفت ابوبکر عامل فاطمہ را
از فک معزول داشت و خود مضبوط ساخت

میرزا محمد تقی نے جو یہ تاریخی حقائق بیان کیے ہیں یہ خود متعارض اور متضاد ہیں، ایک طرف انہوں نے یہ لکھا ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات القرابی حقتہ کے نازل ہونے کے بعد فک حضرت فاطمہ کے
حوالہ کر دیا تھا، حضرت فاطمہ نے اس پر قبضہ کر لیا تھا اور وہ ان کے تصرف میں آگیا تھا اور حضرت فاطمہ نے فک پر اپنا
عامل مقرر کر دیا تھا جو فک کی آمدنی کو حساب سے وصول کرتا تھا اور دوسری طرف یہ بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اپنے ایک سال کے اخراجات فک کی آمدنی سے لیتے تھے اور جو کچھ باقی بچتا وہ مسلمانوں کو عطا کر دیتے
تھے اور اس عبارت کا یہی مطلب ہے کہ فک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل اور تصرف میں تھا آپ نے وہ کسی کو ہبہ
نہیں کیا تھا اور آپ قرآن مجید کے حکم کے مطابق فک کی آمدنی کو ان عزات پر خرچ کرتے تھے جن پر خرچ کرنے کا اللہ
تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا۔

فک کے دعویٰ ہبہ کا قرآن مجید کی روشنی میں ایک جائزہ ہم ابھی ابھی "فک میں وراثت
استدلال" کے زیر عنوان یہ بیان کر چکے ہیں کہ علامہ شیعہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ فک فنی ہے اور سورہ شکر کی
آیات سے ثابت ہے کہ جو چیز فنی ہو وہ کسی کی شخصی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ وقف ہوتی ہے، لہذا فک وقف قرار پایا
اور جو چیز وقف ہو اس کو ہبہ کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے فک کو ہبہ کرنے کا دعویٰ از روئے قرآن باطل قرار پایا۔
دعویٰ ہبہ کے بطلان کی دوسری وجہ یہ ہے کہ علامہ شیعہ نے ذات القرابی حقتہ سے فک کو ہبہ

کرنے پر استدلال کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم پر عمل کرنے کے لیے مذکور حضرت فاطمہ کو دے دیا، یہ دلیل اس لیے باطل ہے کہ یہ آیت سورہ بنی اسرائیل اور سورہ روم میں ہے اور یہ دونوں سورتیں مکی ہیں اور مکہ میں مذکور تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ حضرت فاطمہ کو دے دیا ہو مدینہ میں تشریف لانے کے سات سال بعد خیر فتح ہوا ہے اور اس کے بعد صلح کے نتیجہ میں بغیر جنگ کے مذکور حاصل ہوا۔ چنانچہ بعض محققین مشیدہ نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ اس آیت سے مذکور ہو کرنے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

شیخ محمد حسین طباطبائی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وبالآیۃ یظہر ان ابتداء ذی القربی و
المسکین وابن السبیل ما شرع قبل الحجۃ لاہما
آیۃ مکیۃ من سورۃ مکیۃ ۱۰
اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کو دنیا، ہجرت سے پہلے مشروع ہو چکا تھا کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور یہ سورہ مکی کا جز ہے۔ شیخ طباطبائی نے دوسرے مفسروں کی طرح یہ نہیں لکھا کہ اس آیت کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ حضرت فاطمہ کو مذکور دے دو بلکہ اس کے برخلاف یہ لکھا ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور مکی سورت کا جز ہے اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحم کرنے کا حکم مکہ میں مشروع ہو چکا تھا۔ دعویٰ یہ کہ بطلان کی از روئے قرآن تیسری وجہ یہ ہے کہ ذات القربی کا سیاق و سباق اس چیز کو ظاہر کرتا ہے کہ اس آیت میں بالخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب نہیں ہے بلکہ عام افراد امت سے خطاب ہے ملاحظہ کیجئے:-

وقضی ربک لا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین
احساناً اما یبلغن عندک الکبر احدا ہما
او کلہما فلا تقل لہما اف ولا تنہرہما
وقل لہما قولاً کریماً و اخفض لہما جناح
الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمہما کما
رَبَّیْنِی صَغِيرًا رَبِّکُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نَفْسِکُمْ
ان تَکُونُوا صَالِحِیْنَ فَإِنَّهُ کَانَ لِلّٰہِ بَیِّنٌ
غَفُورًا وَاِنَّ ذَا الْقُرْبٰی لِحَقُّہُ وَالْمَسْکِیْنَ
وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تَبْذُرُوْا تَبْذِیْرًا اِنَّ
الْمُبْذِرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیْطٰنِ وَکَانَ
الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا وَاَمَّا تَعْرِضُ عَنْہُمْ اِنْتَعَا
رَحْمَۃً مِنْ رَبِّکَ تَرْجُوْہَا فَقُلْ لَّہُمْ قَوْلًا
مِّیْسُورًا وَلَا تَجْعَلْ لِّدٰکَ مَغْلُوْلًا اِلٰی

اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، اگر تمہارے پاس والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے میں رہیں تو انہیں اُن تک نہ کہو اور ان کے سامنے نرمی اور رحم دلی کے ساتھ بھبھک کر رہو، اور یہ دعا کرو اے پروردگار ان پر رحم فرما کیونکہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا، تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے، اگر تم بیک چلنی اختیار کرو تو وہ توبہ کرنے اور رجوع کرنے والوں کو ممان فرمانے والا ہے، رشتہ داروں کو ان کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو، فضول خرچی نہ کرو، بلاشبہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا نافرمان ہے، اگر تم ان رشتہ داروں

عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد
ملوماً محسوراً

(اسما ۱: ۱۴/۲۹-۲۳)

اور مسکینوں وغیرہ سے) اس وجہ سے اعراض کرو کہ ابھی
تم اپنے رب کی اس رحمت کے منتظر ہو جس کی تمہیں امید ہے،
تو انہی نرمی سے جواب دے دو، نہ تو اپنا ہتھ گردن سے
بندھا رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ حسرت زدہ
اور ملامت زدہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔ !

وات ذا القربىٰ حقماً۔ جن آیات کی سلک میں منسلک ہے ان کے سیاق و سباق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مائتہ کی آیت
کی طرح اس آیت میں بھی عام انسان کو خطاب ہے کہ وہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے، نیک چلتی اختیار کرے،
توبہ کرے، قربت دار کر، مسکین اور مسافر کو اس کا حق دے، فضول خرچی نہ کرے، سائل کو نرمی سے جواب دے،
بے مدد فراخی سے خرچ کرے نہ بہت تنگی سے۔ کوئی انصاف پسند شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان آیات سے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے۔ ایران سے ایک جدید تفسیر آئی ہے جس کو علماء شیعہ کی ایک جماعت نے
مترتب کیا ہے اس میں بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا ہے، لکھتے ہیں:

آیت ذی القربىٰ سے عام رشتہ دار مراد ہیں یا
بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار مراد ہیں، اس
بات میں مفسرین نے بحث کی ہے۔

معتقد احادیث میں ہم یہ پڑھتے ہیں کہ یہ آیت پیغمبر
صلی اللہ علیہ وسلم کے قربت داروں کے ساتھ خاص ہے،
حتیٰ کہ بعض تفاسیر میں ہم نے اس آیت کے تحت
حضرت فاطمہ کو فدک کی سرزمین بخشنے کی روایت بھی پڑھی
ہے۔

در اینجا منظور از ذی القربىٰ در اینجا ہمہ عریشا و عدنان است
یا خصوص عریشا و عدنان پیامبر صلی اللہ علیہ وسلم و ذریعہ طلب در آیت
اوست) در بیان مفسران گفتگو است۔

در احادیث متعددی کہ در نکات، بحث اس خواہر آمدے غنائم
کہ ایں آیه بہ ذی القربىٰ پیامبر صلی اللہ علیہ وسلم تفسیر شدہ، و حجتی
در پیغمبری خاتم کہ بہ داستان بخشیدن سرزمین فدک بہ فاطمہ
زہرا علیہا السلام نظر دارد۔

اور ہم نے بار بار بیان کیا ہے کہ اس قسم کی تفاسیر
اور روایات آیت کے مفہوم عام کو معید اور محدود نہیں
کر سکتیں اور واقع میں اس کا مصداق بالکل ظاہر ہے۔
اس آیت میں ذات کے ساتھ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرنا اس حکم کے خاص ہونے کی
دلیل نہیں ہو سکتی، کیونکہ ان آیات کے باقی تمام احکام عام
ہیں، مثلاً فضول خرچی سے منع کرنا، سائل اور محتاج کو
نرمی سے جواب دینا اور بخل اور زیادہ خرچ کرنے سے
منع کرنا اور ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ احکام اختصام کا

دل ہما نگونہ کر بار بار گفتہ ایم ایچگونہ تفسیر با مفہوم وسیع آیات
را محدود نہ کنند، و در واقع بیان مصلوق روشن و واضح است۔

خطاب بہ پیامبر صلی اللہ علیہ وسلم در جملہ "ذات" دلیل
بر اختصاص ایں حکم بہ اویست، زیرا سائر احکامی کہ در ایں
سلسلہ آیات وارد شدہ، مانند نہی از تمیز میر یا مدایر اسی سائل و
مستمند و یا نہی از بخل و اسراف، ہمہ بہ صورت خطاب بہ
پیامبر صلی اللہ علیہ وسلم ذکر شدہ در عالمی کہ مے دانیم ایں
احکام جنبہ اختصاص ندارد، و مفہوم اں کا ملّا عام است۔

لے جمع از نویسندگان، تفسیر نور، ج ۱۲ ص ۸۴، مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ ایران، ۱۳۴۳ھ

کا پہلو نہیں رکھتے اور ان تمام آیات کا مفہوم کلیۃً عام ہے۔ سورہ روم میں بھی یہ آیت (وَأَتِ الْقُرْآنَ حَقَّهِ) ہے یعنی شیعہ علماء نے صرف سورہ اسراء کی آیت کی تفسیر میں فک کر کے روایات بیان کی ہیں، جبکہ سورہ روم بھی مکی ہے اور وہاں بھی سیاق و سباق میں عام احکام بیان کیے گئے ہیں اور ہم چونکہ اجتہاد کے درجے میں اس لیے ہم ان آیات کا ذکر نہیں کر رہے تادمین سورہ روم کی آیت نمبر ۲۸ اور اس کے سیاق و سباق کو خود ملاحظہ فرمائیں۔

حاصل بحث یہ ہے کہ سورہ حشر کی آیات سے واضح ہو گیا کہ فنی وقت ہوتا ہے اور وقت کرہ نہیں کیا جاسکتا اور چونکہ فک بھی بالاتفاق فنی ہے لہذا اس کو بھی ہبہ نہیں کیا جاسکتا اور وَاَتِ الْقُرْآنَ حَقَّهِ سے فک کر ہبہ کرنے پر استدلال و وجہ سے صحیح نہیں ہے اول یہ آیت مکی ہے دوم اس میں حکم عام ہے اور ان دونوں چیزوں کا علماء شیعہ نے بھی اعتراف کر لیا ہے۔ واللہ اعلم۔

فک کو ہبہ کرنے کے دعویٰ کا میراث کے دعویٰ سے بطلان | علماء شیعہ کی طرف سے جو یہ دعویٰ کیا گیا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو فک ہبہ کر دیا تھا یہ اس وجہ سے بھی باطل ہے کہ خود علماء شیعہ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ حضرت فاطمہ نے فک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت سے لینے کا مطالبہ کیا تھا اور وراثت اسی مال میں جاری ہوتی ہے جو کسی کو ہبہ نہ کیا گیا ہو، لہذا مطالبہ میراث سے دعویٰ ہبہ باطل ہو گیا۔

فقیر سید محمد حسن ترمذی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ: حضرت امیر اپنے والد کی ایک سے ہبہ اور عطیہ کے عنوان سے فک کو نہیں لے سکتی تھیں۔ اس لیے انھوں نے میراث کا مطالبہ کیا اور صاحب حق کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے حق کو ہر جائز طریقہ سے لینے کی جدوجہد کرے بلکہ یہ قدر گناہ بدتر از گناہ ہے کہ حضرت سیدتنا فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی طرف یہ منسوب کرنا کہ جو چیز میراث میں نہیں تھی آپ نے حصول دنیا کے لیے اس پر میراث کا دعویٰ کیا آپ کی طرف جھوٹ اور فریب کو منسوب کرنا ہے۔ العیاذ باللہ!

کیا زمانہ جہاد اور تنگی اور عسرت کے دور میں حضرت فاطمہ کو فک کی جاگیر کا ہبہ کرنا منظور تھا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملت عجمی میں خیر فرج کیا اور اس کے بعد فک آپ کے قبضہ اور تصرف میں آیا، اس زمانہ میں اشاعت اسلام و مسلمانوں کی مخالفت، ان کو کفار کے حلوں سے محفوظ رکھنے، ایچیوں اور مہانوں کے ٹھہرانے

اور جہاد کی تیاری کے لیے مال و دولت کی سخت ضرورت تھی، اور عام مسلمان سخت تنگی اور افلاس میں مبتلا رہتے تھے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ کئی کئی روز غلتے سے رہتے اور ضروری حاجات کو پورا کرنے کے لیے بھی پیسہ نہ تھا۔ ان حالات میں عام مسلمانوں کی کفالت، اشاعت اسلام اور جہاد کی تیاری کے لیے مال و دولت کی سخت ضرورت تھی کہا جاتا ہے کہ ہندک کی آمدنی چوبیس ہزار یا ستر ہزار درینار سالانہ تھی، ان حالات میں کوئی ہوش مند یہ باور کر سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ستر ہزار درینار سالانہ آمدنی کی جاگیر اُسے اور آپ وہ تمام جاگیر اپنی ایک بیٹی کو بخش دیں! نہ اشاعت اسلام کا خیال کریں نہ جہاد کے سادو سامان لینے کی فکر کریں نہ عام مسلمانوں کی ضروریات کا خیال کریں، سب کو نظر انداز کر کے یہ سارا مال و متاع اپنی بیٹی کو بخش دیں! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کا کردار ایسا ہی تھا؟ اس کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مبارکہ یہ تھا کہ آپ کے پاس جب مال غنیمت آتا تو آپ دوسرے ضرورت مند مسلمانوں کو اس مال سے دیتے اور اپنے اہل بیت کو صبر اور ایثار و قربانی کی تلقین کرتے تھے کہ ایک موقع پر سیدہ فاطمہ زہراؓ نے آپ سے حدیث کے لیے ایک کینز مانگی تو وہ بھی نہیں دی اور ان کو تسبیح کرنے کی تلقین کی، ملاحظہ فرمائیے کہ یہ روایت ہے:

بہ سند معتبر جناب امیر سے روایت ہے جناب فاطمہ حضرت رسول کو محبوب ترین مردم تھیں اور اس قدر مشکیزے پانی کے اٹھاتے کہ سینہ مبارک سے اثر اُنداز ظاہر ہوا اور اس قدر چٹکی پیسی کہ ہاتھ مجروح ہو گئے اور اس قدر گھر میں جھاڑ دی کہ کپڑے گرد آلود ہو گئے اور اس قدر کھانے پکانے اور آگ سلگانی کہ کپڑے سیاہ ہو گئے لہذا کثرت کار و بار سے جناب سیدہ کو سخت تکلیف ہوئی۔ میں نے ایک روز کہا کہ اپنے پدر بزرگوار کے پاس جاؤ کہ مجھے کام کاج کے لیے ایک کینز مول لے دیجئے۔ جناب فاطمہ رسول خدا کے پاس گئیں تو گوئی کہ مجھ کو دیکھا کہ حضرت سے باتیں کر رہے ہیں اس وقت حیا مانع ہوئی کہ حضرت سے بات کریں، گھر میں پھر (واپس) آئیں، جناب رسول خدا نے خیال فرمایا اور جانا کہ فاطمہ کسی کام کو آئیں تھیں، دوسرے دن صبح کو حضرت ہمارے پاس آئے، اور ہم دونوں ایک لحاف میں تھے، دوسرا کپڑا نہ تھا کہ اسے اوڑھ کر باہر آتے، حضرت نے فرمایا السلام علیکم، ہمیں شرم آئی کہ اس حالت میں حضرت کے سلام کا جواب دیں، دوسری مرتبہ حضرت نے سلام کیا اور ہم نے جہاد سے جواب نہ دیا، تیسری مرتبہ حضرت نے سلام کیا ہم ڈرے اگر ہم جواب نہ دیں گے تو حضرت پھر جاٹیں گے اور حضرت کی یہی عادت تھی، میں نے کہا وعلیکم السلام یا رسول اللہ تشریف لائیے۔ پس حضرت تشریف لائے سر ہانے بیٹھے اور فرمایا: اے فاطمہ کل میرے پاس کیوں آئی تھیں؟ جب جواب سیدہ نے مارے شرم کے نہ دیا، میں ڈرا اگر جواب نہ دیا تو حضرت اٹھ جائیں گے اس وقت میں نے لحاف سے منہ نکالا اور جناب فاطمہ کا مطلب عرض کیا، حضرت نے فرمایا کہ میں تم کو اس چیز کی خبر نہ دوں جو تمہارے لیے کینز سے بہتر ہو، پس فرمایا جب بستر خواب پر جاؤ تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ، اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کہو، اس وقت جناب فاطمہ نے لحاف سے منہ نکال کر تین مرتبہ فرمایا میں خدا اور رسول سے راضی ہوں۔ لے

یہ ائمہ شیعہ کی بیان کی ہوئی روایت ہے، اور اس روایت سے یہ معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ

لے۔ ملا محمد باقر مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ، جلد الامیرن ج ۱ ص ۱۸۷-۱۸۸، (مترجم) مطبوعہ شیعہ جہول بک انجینی لاہور

ص ۱۱۱ سے پہلی جلدی روایت صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۸-۸۰۹ میں بھی مذکور ہے۔ ۱۲ - سیدی غفرلہ

کے لیے مال دنیا کو پسند نہیں کرتے تھے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب فاطمہ کو لیکھنیز تک نہیں دی تو کیجے باور کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے تمام مسلمانوں کی ضروریات جیاد و ادا شملت اسلام کے تقاضوں کو یکسر نظر انداز کر کے ستر ہزار سالانہ آمدنی کی جاگیر حضرت فاطمہ کو ہیہ کر دی ہو!

اب ہم ائمہ شیعہ کی بیان کردہ ایک اور روایت پیش کر رہے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہ کے پاس دنیاوی مال دیکھنا سخت ناپسند تھا، مگر باقر مجلسی بیان کرتے ہیں:

مقدم اطلاق میں ہر سند میں حضرت امام محمد باقر سے روایت ہے جب جناب رسول خدا سفر کا ارادہ فرماتے تو سب سے آخر میں جناب فاطمہ کو رخصت کرتے اور ان کے گھر سے متوجہ سفر ہوتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے جناب فاطمہ سے ملاقات کرتے۔ جناب امیر نے مال غنیمت میں کوئی چیز لٹائی میں پائی تھی اور وہ جناب سیدہ کو دے دی تھی، جب جناب رسول خدا سفر میں گئے تھے جناب فاطمہ نے اس مال غنیمت سے دو چاندی کے کڑے بنوائے، ہاتھ میں پہنے اور کپڑا سے کر دروازہ پر پردہ ڈالا، جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس آئے اور داخل خانہ نہ ہوا، جناب فاطمہ عرش عرش استقبال کو آئیں حضرت نے جب کڑے اور پردہ دیکھا پھر (واپس) آئے اور مسجد میں جا کر بیٹھے، جناب سیدہ کو اس بات سے بہت رنج ہوا اور رو کر فرمانے لگیں اس سے پہلے حضرت نے کبھی ایسا نہیں کیا پس جناب حسن اور سالم حسین کو بلایا اور پردہ کھول ڈالا، ایک صاحبزادے کو کڑے اور دوسرے کو پردہ دیا اور فرمایا ان کو میرے پردہ بزرگوار کے پاس سے جاؤ اور میرا سلام کہو اور کہو کہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد میں نے اس کے سوا کئی اور کوئی کام نہیں کیا جو آپ کے غصہ اور غضب کا باعث ہو، آپ ان چیزوں کو جو چاہیں فرمائیں، جب دونوں شاہزادوں نے اپنی مادر بزرگ وار کا پیغام پہنچایا، حضرت نے دونوں فرزندوں کو گود میں لیا اور پیار کیا، دونوں کو اپنے نافوں پر بٹھایا پھر حکم دیا کہ ان کڑوں کو توڑ کر اہل محلہ کے ان فقراء مہاجرین میں تقسیم کر دو جن کے پاس رہنے کے لیے مکان نہیں تھے اور پردہ کو لنگی (تہمت) کے برابر ٹکڑے ٹکڑے کیا اور ان لوگوں میں تقسیم کر دیا جن کے پاس ستر پوشی کے لیے کپڑا نہیں تھا، حضرت نے فرمایا خدا فاطمہ پر رحمت نازل کرے اور اس کو کپڑے کے عوض جامد ہاتھ بہشت پہنائے۔ لے

یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے عین مطابق ہے، اور اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ مزاج شناسائے رسول تھیں اور جب آپ نے جان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے پاس متاع دنیا دیکھنا پسند نہیں ہے تو چاندی کے ان دونوں کڑوں اور کپڑے کے اس پردہ کو فوراً فقراء مہاجرین پر صدقہ کر دیا اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہ کی خوشحالی کی بہ نسبت فقر و مہاجرین کی ضروریات کا زیادہ احساس تھا، سو چہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہ کے پاس مال دنیا میں چاندی کے دو کڑے اور پردے کی ایک چادر بھی دیکھنا گوارہ نہ تھا اور آپ ان کے پاس یہ مال دیکھ کر غصہ میں آئے اور ان سے ملے بغیر واپس چلے گئے تو کیجے تصور کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے مال دنیا میں ستر ہزار دینار سالانہ آمدنی کی اضافی حضرت فاطمہ کو ہیہ کر دی ہو، اور جس زمانہ میں مسلمانوں کی غربت اور افلاس کا یہ عالم ہو کہ ان کو جہاد کے لیے سواریاں تک میسر ہوں وہ نان شبینہ کے محتاج ہوں اس وقت اللہ نے جو مال فی آپ کو یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر

خرچ کرنے کے لیے دیا ہو آپ اس مال کو بجائے حاجت مندوں اور غریبوں پر تقسیم کرنے کے وہ تمام مال اپنی بیٹی کو ہبہ کر دیں کیا یہ عمل نبی کی سیرت کے مطابق ہے؟ ہنصرہ اس نبی کی جس نے عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے کے بجائے سادگی سے زندگی بسر کی ہو اور اسی کی امت کو تلقین کی ہو کیا یہ ممکن ہے کہ جو امت کو ویثرون علی الفسہم (اپنی ضروریات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں) کا وعظ کرتا ہو وہ عین تشکی اور عسرت کے زمانہ میں جب لوگوں کو جہاد کے لیے ساریاں میسر نہیں تھیں ایسے میں وہ عام مسلمانوں کی ساری ضروریات اور اشاعت دین کے تمام تقاضوں سے صرف نظر کر کے اتنی بڑھی جاگیر اپنی بیٹی کو ہبہ کر دے!

آخر دور رسالت تک مسلمانوں کی تشکی اور عسرت پر کتب شیعہ سے شواہد | جس زمانہ میں مذکور
زمانہ میں مسلمانوں کی تشکی اور عسرت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ سات ہجری میں مذکور ملائندوس ہجری میں حجة الوداع
ہوا اور حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج سے واپس آئے تو اس وقت بھی آپ کے پاس غیر ملکی و فرد کی خیانت کے لیے
کچھ نہ تھا۔ شیخ کلینی روایت کرتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجة الوداع سے واپس تشریف لائے
اور مدینہ پہنچے تو آپ کے پاس انصار آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ
نے آپ کو ہم میں مبعوث فرما کر ہم پر پڑا احسان کیا ہے اور آپ کی تشریف آوری
سے ہم کو منور فرمایا۔ آپ کی وجہ سے
اللہ تعالیٰ نے ہمارے دوستوں کو خوش کیا اور ہمارے
دشمنوں کو ذلیل کیا، آپ کے پاس ہمارے وفود آتے ہیں
اور آپ کے پاس آتا بھی نہیں ہوتا کہ آپ ان کو کچھ عطا
فرمادیں، اس سے آپ کے دشمن ہنستے ہیں، اس لیے ہم یہ
چاہتے ہیں کہ آپ ہمارا ایک تہائی مال قبول فرمائیں تاکہ
جب آپ کے پاس مکہ سے وفود آئیں تو آپ ان پر خرچ
کر سکیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا،
اور اپنے رب کی وحی کا انتظار کرتے رہے، پھر جبرائیل
علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے لا استلکم
علیہ اجلا الا المودة فی القربی۔ اور آپ
نے ان کے مال کو قبول نہیں فرمایا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں اخیر زمانہ تک عسرت اور تشکی کا دور دورہ تھا حتیٰ کہ آپ کے پاس

فلما رجع رسول الله صلى الله عليه وسلم من حجة الوداع (الابی قولہ) فلما
قدم المدينة اتته الانصار فقلوا يا رسول
الله ان الله جل ذكره قد احسن الينا و
شرفنا بك وبنزولك بين ظهراينا
فقد فرح الله صدقنا وكبت عدونا
وقد ياتيك وخود، فلا تجد ما تعطيه
في شمت بك العدو فنحب ان تأخذ
ثلث اموالنا حتى اذا قدم عليك وقد
مكة وجدنا ما تعطيه، فلم يرد
رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئا وكان
ينتظر ما ياتي به من ربه فتزل جبرائيل
عليه السلام، لا استلکم علیہ اجرا الا
المودة فی القربی ولہ یقبل اموالہم

حاصل ہوا اور ۹ ہجری میں غزوہ تبوک ہوا، اس غزوہ میں مسلمان بیت تگلی اور عسرت میں مبتلا تھے۔ حتیٰ کہ جہاد میں شامل ہونے کے لیے مسلمانوں کے پاس سواہیاں بھی نہ تھیں، اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جہاد میں مالی امداد فراہم کرنے پر براہیگختہ کیا اور صحابہ کرامؓ نے بڑی فراخ دلی سے اس جہاد میں مالی صدقات دیے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، ہجری میں حضرت فاطمہ کو فدک دے دیا تھا تو چاہیے تھا کہ دیگر صحابہ کی طرح حضرت فاطمہ بھی غزوہ تبوک میں بیشش بہا امداد کرتیں جب حضرت فاطمہ ملی دنیاوی سے چاندی کے دو کڑے اہد ایک پردہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتیں تو اس موقع پر غزوہ ستر ہزار دینار سالانہ کی مالک تھیں چاہیے یہ تھا کہ وہ غزوہ تبوک کی امداد کے لیے ہزاروں دینار مدد کرتیں لیکن انہوں نے تواریخ شیعہ میں بھی اس موقع پر حضرات صحابہ کرامؓ کے صدقہ و خیرات کا تو بکثرت ذکر ہے لیکن حضرت فاطمہ اور حضرت علیؓ کی طرف سے غزوہ تبوک میں ایک دینار تک کے صدقہ کا ذکر نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ فدک کو ہمہ گیر نے کادٹھوئی محض انسانہ اور داستان سرائے ہے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ حضرت فاطمہ اتنی بڑی جاگیر کی مالک ہونے کے باوجود غزوہ تبوک کی مالی مہم میں کوئی حصہ نہ لیتیں۔

اب ہم شیعہ مورخین کے حوالوں سے پہلے غزوہ تبوک میں مسلمانوں کی تشکی اور عسرت کا ذکر کریں گے اور پھر یہ بیان کریں گے کہ غزوہ تبوک میں درپیش مالی مہم میں حصہ لینے والے کون کون مسلمان تھے! شیخ احمد بن ابی یعقوب کہتے ہیں:

غزوہ تبوک میں رسول خدا ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ تبوک شام کی طرف روانہ ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قبیلوں کی طرف ان کے سرداروں کو روانہ کیا تھا تاکہ وہ لوگوں کو جہاد کی رغبت دلائیں اور اللہ کو آپ نے مالی صدقات دینے کا ترغیب دی، انھوں نے بہت صدقات دیے اور ناداروں کو تو ننگہ کر دیا، اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا افضل الصدقات جہد المقل۔ ”بہترین ہمدرد وہ ہے جس کو ناظر مشکلات کے باوجود دیکھا ہے“ کئی مسلمان آپ کے پاس آکر رونے لگے اور یہ مطالبہ کیا کہ آپ ان کو جہاد کے لیے سواریاں دیں، ان میں عمرو بن عوف، سالم بن عبد بن جہاد، عمرو بن حمام، عبدالرحمن بن کعب اور صخر بن سلیمان وغیرہ تھے آپ نے فرمایا لا اجد ما احکم علیہ تمہیں سواریاں دینے کے لیے میرے پاس سواریاں نہیں ہیں۔ ایک اور شیعہ مورخ غزوہ تبوک کے بیان میں لکھتے ہیں:

۱۰ شیخ احمد بن ابی یعقوب متوفی ۲۶۰ هـ، تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۴۳۰-۴۲۹، مطبوعه مکتب انتشارات علمی و فرهنگی ایران، ۱۳۶۲ هـ

جب پیغمبر نے جہاد کی تیاری پر براہِ گنجۃ کیا تو مدینہ کے مسلمانوں میں جوش اور جذبہ پیدا ہوا، (حضرت) عثمان بن عفان نے اس وقت دو سواؤں اور دو سواؤں (آٹھ ہزار درہم) چاندی شام کی تجارت کے لیے رکھی تھی، انہوں نے وہ تمام مال لاکر رسول اللہ کے سامنے اس لشکر کی تیاری کے لیے رکھ دیا، رسول اللہ نے فرمایا: لا یضرب عثمان ما عمل بعد هذا۔ "اس عمل کے بعد عثمان کو کسی عمل سے حرر نہیں ہوگا" اور ایک روایت میں ہے کہ تین سواؤں مع ساز و سامان اور ایک ہزار شتال مونس کے دنیا پر پیش کیے، پیغمبر (علیہ السلام) نے فرمایا: اللہم ارض عن عثمان فانی عنہ ما ارضی "اے اللہ! عثمان سے راضی ہو جا کیونکہ میں بھی اس سے راضی ہوں" اور ایک روایت میں ہے کہ لشکرِ تبوک میں تیس ہزار افراد تھے جن میں سے بیس ہزار افراد کو حضرت عثمان نے جہاد کا سامان فراہم کیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: من جہز جیش العساة فله الجنة فجہزہا عثمان۔ "جس نے تنگ دست لشکر کو ساز و سامان دیا اس کے لیے جنت ہے" پس (حضرت) عثمان نے اس لشکر کو ساز و سامان دیا۔

(حضرت) عمر بن الخطاب کہتے تھے کہ میرے دل میں یہ خیال تھا کہ میں آج ابوبکر پر سبقت سے جاؤں گا اور اپنے تمام مال و متاع کا نصف رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لے گئے، اس وقت (حضرت) ابوبکر نے اور اپنا سارا مال و متاع لاکر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے پوچھا کہ اپنے گھر والوں کے لیے کیا رکھا ہے کہا ادخرت اللہ و ما سولہ میں نے ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو رکھا ہے، عمر نے کہا: اے ابوبکر! جس جگہ تم ہو گے وہاں میں تم پر سبقت نہیں کر سکتا۔

(حضرت) عبدالرحمن بن عوف نے چالیس اوقیہ سونا پیش کیا، اور ایک روایت میں ہے چار ہزار درہم پیش کیے کہنے لگے میرے پاس آٹھ ہزار درہم تھے نصف مملکتِ مدینہ دے دیے اور نصف اپنے اہل خانہ کے لیے رکھ لیے، خلاصہ یہ ہے عباس بن مطلب، طلحہ بن عبید اللہ، سعد بن عبادہ، محمد بن مسلمہ ان میں سے ہر ایک نے ایک متاع پیش کیا، عامر بن عدی انصاری نے لشکر کی تیاری کے لیے ایک سو سو (چوبیس ہزار کلو) کھجوریں پیش کیں، ابوعقیل انصاری ایک صاع (چار کلو) یا نصف صاع (۲ کلو) کھجور لے کر آئے اور کہا مجھے دو صاع اجرت ملی تھی ادھی اپنے اہل و عیال کے لیے رکھ لی اور ادھی لے کر حاضر ہوا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھجوروں کو باقی کھجوروں کے اوپر رکھ دیا، منافقوں نے اس صدقہ کے کم ہونے کی وجہ سے اس کی مذمت کی اور کہا یہ صدقہ اس لیے لایا ہے تاکہ صدقات کے مال سے کوئی چیز بے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

الذین یلمزون المطوعین من
المؤمنین فی الصدقات والذین لا یجدون
الا جہدہم فیسخرّون منهم شیئاً
اللہ منهم ولہم عذاب الیم۔

(توبہ: ۷۹)

جو لوگ برضا و رغبت صدقات دینے والے مسلمانوں
کے صدقات میں عیب لگاتے ہیں اور ان لوگوں کے صدقات
میں عیب لگاتے ہیں جن کے پاس مرث ان کی مرث و ورث کی
اجرت ہوتی ہے، اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ تعالیٰ
انہیں ان کے مذاق اٹانے کی سزا دے گا، اور ان کے
لیے دردناک عذاب ہے۔

بہت سی مسلمان عورتوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے زیورات بھیجے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قیمت کو لشکر کی ضروریات میں صرف کرے، اس وقت سلم بن عمیر، عتبہ بن زید حارثی، ابوسلی عبدالرحمن بن کعب، عمر بن عتبہ اسلمی، سلم بن ضمر، عراب بن ساریہ اسلمی، عبداللہ بن مغفل، مہدی بن عبدالرحمن، عمر بن الحمام بن الجوح، اور ضمر بن غنہ نے کہا، یا رسول اللہ! ہمارے پاس سواریاں نہیں ہیں کہ آپ کے ساتھ جہاد کے لیے جاسکیں، آپ ہمیں سواریاں دیں تاکہ ہم آپ کے ساتھ جہاد کے لیے جاسکیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس تمہیں سوار کرنے کے لیے سواریاں نہیں ہیں وہ لوگ واپس چلے گئے ورنہ اسلحہ جہاد پر نہ جاسکتے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

ولا علی الذین اذا ما اتوا لتخلفهم
قلت لا اجد ما احملکم علیہ تولوا
اعینہم تفیض من الدمع حزنا
یجدوا ما ینفقون۔

(توبہ: ۷۹)

ان لوگوں پر کوئی خرچ نہیں ہے جو آپ کے پاس سواری (لینے) کے لیے حاضر ہوئے اور آپ نے فرمایا: تمہیں سوار کرنے کے لیے میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے تو وہ لوگ واپس لوٹ گئے ورنہ حالیکہ اس غم کے سبب سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے کہ ان کے پاس خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ابن یاسین بن عمرو بن کعب نے ابوسلی اور ابو مغفل کو ایک اخٹ دیا کہ اس پر باری بٹھیں اور عباس بن عبدالمطلب نے دو شخصوں کو اور عثمان بن عفان نے تین شخصوں کو زاد اور حملہ دیا، اور ان لوگوں میں سے عتبہ بن زید وہ شخص تھے کہ جب لوگ مختلف صدقات لا رہے تھے تو انہوں نے عذر کو بطور صدقہ پیش کیا اور کہا یا رسول اللہ! لوگ صدقات لا رہے ہیں میرے پاس دینے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے میں اپنے آپ کو تصدق کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے صدقہ کو قبول کر لیا، ابوسعی خثعمی کہتے ہیں کہ میں آخر یمن کی ایک جماعت کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جہاد کے لیے سواریاں مانگنے گیا آپ نے فرمایا بخدا! میں تم کو سوار نہیں کر دوں گا، غم انگیز ہو کر واپس لوٹے، بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور ہم میں سے چھ افراد کو سواریاں دیں، الزمر بن تمیم ہذا افراد پر مشتمل لشکر تبوک روانہ ہوا جس میں ایک ہزار سوار تھے اور باقی پیادہ تھے۔
شعیرہ ثورخ میرزا محمد تقی نے غزوہ تبوک میں صدقات دینے والوں کا تفصیلی بیان کیا ہے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان تمام صحابہ کرام کے نام ذکر کیے ہیں جنہوں نے غزوہ تبوک میں صدقات دیے حتیٰ کہ جس نے دو کو کھجوریں دیں ان کا نام بھی ذکر کیا ہے، اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا غزوہ تبوک میں کوئی صدقہ دیتی اور اس جہاد میں مسلمانوں کی مدد کرتیں تو وہ اس کا بڑے طعنان سے ذکر کرتے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کئی شعیرہ ثورخ نے غزوہ تبوک میں حضرت فاطمہ کی طرف سے مالی مدد کا ذکر نہیں کیا، اور حضرت فاطمہ ایسی عابدہ، زاہدہ اور راہ خدا میں فیاضی سے خرچ کرنے والی خاتون جنت سے یہ کسی طور متصور نہیں ہے کہ ان کے قبضہ اور تصرف میں دو سال سے قدر کی اتنی بڑی جاگیر ہو جس کی آمدنی

بقول شیعہ علماء چوبیس یا ستر ہزار دینار سالانہ ہو اور وہ ایسی تنگی اور محنت کے وقت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں مالی مدد کی بار بار اپیل کر رہے ہوں اور اس تنگ دست لشکر کے تیار کرنے والے کو جنت کی فرید سناس ہے ہوں، وہ اس لشکر کی مدد کے لیے ایک پانی بھی نہ دیں۔ یقیناً سیدتنا حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا دامن اس تہمت سے پاک ہے اور فدک کو ہبہ کرنے کا دعویٰ محض داستانِ سرائی اور افسانہ ہے اور اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے، ورنہ حضرت سیدہ فاطمہ پر ایک بڑی مکروہ تہمت لازم آئے گی جو خاتونِ مال دنیا میں سے چاندی کے دو کڑے اور ایک پردہ کا کپڑا بھی اپنے پاس رکھنے کا روادار نہیں ہیں اور اس کو ضرورت مندوں میں تقسیم کے لیے دے دیتی ہیں ان سے یہ کب متصور ہے کہ وہ اس آزمائش کے وقت میں جب ہر شخص پر کچھ نہ کچھ صدقہ دینے کی دھن سوار تھی اگر کسی کے پاس گویا دو کو کھجوریں تھیں تو وہ اسی کرے کر چلا آ رہا تھا اور جس کے پاس کچھ نہ تھا وہ خود اپنے آپ کو صدقہ کر رہا تھا صدقات و خیرات کا ایک سیل رواں تھا، ایک طوفان تھا جو اڑا چلا آ رہا تھا اور ایسے میں حضرت فاطمہ کے پاس مفت میں ملی ہوئی اتنی بڑی جاگیر ہو اور وہ اس میں سے راہِ خدا میں ایک جتہ بھی نہ دیں، وہ کہیہ بنتِ کریم ہیں بخدا یہ ان سے متصور نہیں ہے اور یہ کہنا کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک ہبہ کر دیا تھا اور اس کو ان کے قبضہ اور تصرف میں دے دیا تھا اور انہوں نے فدک پر اپنا ایک وکیل مقرر کر دیا تھا محض ایک جھوٹ ہے، دورِ غیبتِ فردغ ہے اور حضرت سیدہ فاطمہ کی پاکیزہ سیرت پر ایک بدنام اور ناروا تہمت ہے۔

اہل سنت کی کتابوں سے حضرت فاطمہ کو فدک کے ہبہ کرنے پر علماء شیعہ کا استدلال

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک کے ہبہ کرنے پر علماء شیعہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اہل سنت کی کتابوں میں بھی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ جب ذاتِ القربیٰ حقہ (اسراء: ۱۷/۲۶) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو فدک دے دیا۔ یہ روایت حافظ نور الدین البیہقی نے طبرانی کے حوالے سے ذکر کی ہے۔

عن ابی سعید قال لما نزلت روات ذات القربیٰ حقہ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ فاعطاها فدک۔ رواہ الطبرانی وفيہ عطیۃ العوفی وهو ضعیف متروک۔
ابوسعید بیان کرتے ہیں کہ جب ذاتِ القربیٰ حقہ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو بلا دیا اور ان کو فدک عطا فرمایا۔ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں عطیہ عوفی ضعیف اور متروک ہے۔

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۴، ص ۴۹، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ

اس حدیث کو علامہ سیوطی نے اور حافظ الہیثمی نے امام بزار کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔ ۱۵
یہ حدیث کنز العمال اور معارج النبوة میں بھی مذکور ہے۔

علماء شیعہ کے استدلال کا جواب شاہ عبدالعزیز سے | شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ان روایات سے استدلال کے جواب میں لکھتے ہیں:

شیعہ علماء کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے کہ تفاسیر اور سیر میں اہل سنت کی جو کتابیں قلیل الاستعمال ہیں اور چنداں شہرت نہیں رکھتیں اور نہ زیادہ دستیاب ہوتی ہیں ان میں وہ ایسی جھوٹی باتیں ملا دیتے ہیں جن سے شیعہ مذہب کا ثبوت ہو اور سنی مذہب کا بطلان، مگر چنانچہ فدک کے ہمبر کا قصہ بعض تفاسیر میں شامل کر دیا ہے اور اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "وات ذا القربیٰ حقہ" - "تذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور فدک دے دیا لیکن جھوٹے کا حافظہ کہاں ہوتا ہے ان کو یہ یاد نہ رہا کہ یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں فدک کہاں؟ پھر یہ بھی چاہیے تھا کہ آپ مساکین اور ابن سبیل کو بھی کچھ دقت فرماتے تاکہ تمام آیت پر عمل ہوتا اس کے علاوہ اعطا ہوا فدک سے ہمبر و تملیک ثابت نہیں ہوتی اس کی بجائے وہ ہمبر کا لفظ گھڑنا چاہیے تھا۔ ۱۶

فدک کو ہمبر کیسے جانے کے بارے میں روایت کردہ حدیث کی فتنی حیثیت | اس حدیث کو حافظ الہیثمی نے

امام بزار کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے ہم اس حدیث کو اس کی پوری سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں اس کے بعد ہر راوی کی فتنی حیثیت پر اسماء رجال کی مستند کتابوں سے بحث کریں گے، حافظ الہیثمی لکھتے ہیں:

حدثنا عباد بن یعقوب ثنا ابو یحییٰ
تمیمی ثنا فضیل بن مرزوق عن عطیۃ
عن ابی سعید قال: لما نزلت هذه الآية
روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: (وات ذا القربیٰ حقہ) - "تذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور فدک عطا کر دیا۔ ۱۷
۱۸

اس حدیث کے تمام راوی شیعہ ہیں آخری راوی بن کو ابو سعید لکھا ہے یہ محمد بن سائب کلبی ہے اس شخص نے جبل کے لیے کئی کشتیاں اختیار کیں ان میں سے ایک ابو سعید ہے، شیعہ علامہ نے یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ مشہور صحابی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں، چنانچہ تفسیر مجمع البیان اور دیگر کتب شیعہ میں لکھا ہے کہ ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ

- ۱۵۔ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، درمنثور ج ۲ ص ۱۷۷، مطبوعہ مطبعہ مبینہ مصر، ۱۳۱۲ھ
۱۶۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر سیفی متوفی ۸۰۷ھ، کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۳ ص ۵۵، مطبوعہ مؤسسة الرسالة بیروت، ۱۴۰۲ھ
۱۷۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ، تحفہ اشعار عشریہ ص ۶۷-۶۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
۱۸۔ حافظ نور الدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، کشف الاستار ج ۳ ص ۵۵، مطبوعہ مؤسسة الرسالة بیروت، ۱۴۰۲ھ
۱۹۔ اصل کتاب میں فاطمہ عطا کر دیا ہے لیکن یہ طباعت کی غلطی ہے ہم نے صحیح لفظ لکھا ہے۔ سیدی غفرلہ

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے :- تا فاطمہ کو بلا کر قتل کر دیا، حالانکہ یہ روایت ابو سعید خدری کی ہے ابو سعید خدری کی نہیں ہے کیونکہ علی کا حصہ ابو سعید خدری سے کوئی روایت نہیں ہے، اس کی روایت محمد بن سنان ابو سعید خدری سے ہے، یہ اس سند کے مرسل ہونے کا ایک اجمالی بیان ہے اب ہم تفصیل سے ہر ایک راوی پر مفصل گفتگو کرتے ہیں، فاقول باللہ التوفیق وبہ الاستعانة یلیق۔

عباد بن یعقوب | اس حدیث کی سند کا پہلا راوی ہے عباد بن یعقوب، شیخ عبد الوہاب اس کے متعلق لکھتے ہیں: عباد بن یعقوب راجحی مترک ہے، شیخ سیوطی نے کہا ہے کہ یہ کبار روافض میں سے ہے، امام مکر روایت کو بیان کرتا ہے۔ ۱۷

حافظ قاضی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

عبدالبن یعقوب اسدی رواجی کو فیہ انتہائی غالی شیعہ تھا اور اہل بدعت کا سرخیل تھا، عبدالن اہوزی نے ثقافت سے روایت کیا ہے کہ عبدالبن یعقوب شیعہ کو گایاں دیتا تھا اور صالح جزیرہ نے بیان کیا ہے کہ عبدالبن یعقوب حضرت عثمان کو گایاں دیتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس سے کہیں عادل ہے کہ وہ طلحہ اور زبیر کو جنت میں داخل کرے جنہوں نے حضرت علی سے بیعت کرنے کے بعد ان سے جنگ کی۔ ہونیم نے حافظ محمد بن جریر سے روایت کیا ہے کہ میں نے ۲۵۰ھ میں فوت ہو گیا، یہ رخص کی دعوت دیتا تھا اس کے باوجود مشاہیر سے منکر امارت روایت کرتا تھا یہ راوی ترکہ کیے جانے کا مستحق ہے۔ ۱۷

حافظ ابن حجر عسقلانی عباد بن یعقوب کے متعلق لکھتے ہیں :

یہ شخص سُنّت کو گایاں دیتا تھا اور اس میں تَشیّع تھا، ابن عدی نے کہا عباد غالی شیعہ تھا اس نے فضائل اور مثالب میں منکر روایات بیان کی ہیں، صالح بن محمد نے کہا یہ حضرت عثمان کو گایاں دیتا تھا اور کہتا تھا کہ اللہ اسی سے کہیں عادل ہے کہ وہ ظلمہ اور زیر کو جنت میں داخل کرے، مالا کو انھوں نے حضرت علی سے بیعت کرنے کے بعد ان سے جھگڑا کیا۔

قاسم بن زکریا بیان کرتے ہیں کہ میں نے کوفہ کے مشائخ سے احادیث سنیں پھر میں عباد بن معتب کے پاس گیا
 دراک حاکم وہ اپنے شاگردوں سے امتحان لے رہا تھا اس نے مجھ سے پوچھا سمندر کو کس نے کھودا؟ میں نے کہا اللہ
 نے، اس نے کہا ٹھیک ہے لیکن اس کو کس نے کھودا؟ میں نے کہا آپ بتائیں اس نے کہا حضرت علی نے، اس نے پھر
 پوچھا سمندر کو کس نے جاری کیا؟ میں نے کہا اللہ ہی دریاؤں کو جاری کرنے والا ہے، اس نے کہا یہ ٹھیک ہے لیکن
 کس نے جاری کیا؟ میں نے کہا آپ بتائیں، اس نے کہا حضرت حسین نے سمندر کو جاری کیا۔ اس کے گھر میں ایک تلوار
 لٹکی ہوئی تھی میں نے پوچھا یہ تلوار کس لیے ہے؟ اس نے کہا میں نے یہ تلوار مہدی کے ساتھ جہاد کے لیے تیار

۱۔ شیخ عبدالوہاب بن مولوی محمد فریث مدنی، کشف الاحوال فی نقول الرجال ص ۵۷، مطبوعہ مطبعہ علوی، ۱۳۰۳ھ

۵۔ حافظ شمس الدین ذہبی متوفی ۴۵۰ھ، میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۵، مطبعہ مطبعہ محمدی لکھنؤ، ۱۳۰۱ھ

قرار دیا ہے۔ ۱۴۔
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ عطیہ بن سعد عوفی جدلی قیسی کوئی ہے، اس کی کنیت ابوالحسن ہے، امام احمد نے عطیہ عوفی کا ذکر کر کے فرمایا یہ ضعیف الحدیث ہے یہ کلبی کے پاس جاتا تھا اور اس سے تفسیر کے بارے میں پوچھتا تھا، اس نے کلبی کی کنیت ابوسعید رکھ دی اور کہتا تھا کہ ابوسعید نے کہا ہے (زیر بحث حدیث کو عطیہ نے ابوسعید یعنی کلبی سے ہی روایت کیا ہے۔ سعیدی غفرلہ۔) ہمیشہ عطیہ کی حدیث کو ضعیف کہتے تھے، امام احمد کہتے تھے کہ میں نے ابراہیم بن زبیر سے سنا وہ کہتے تھے کہ کلبی نے کہا کہ عطیہ نے میری کنیت ابوسعید رکھ دی، (ابن عدی نے کہا اس کا شمار کوثر کے شیعوں میں ہوتا تھا، امام ابن حبان نے کہا کہ اس نے حضرت ابوسعید خدری سے کچھ احادیث سنی تھیں جب وہ فوت ہو گئے تو یہ کلبی کے پاس بیٹھنے لگا اور جب کلبی یہ کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے تو یہ اس کو یاد کر لیتا اس نے کلبی کی کنیت ابوسعید رکھ دی اور ابوسعید کے نام سے روایت کرتا تھا، جب اس سے پوچھا جاتا کہ یہ حدیث کس نے بیان کی تو یہ کہتا کہ ابوسعید نے لوگوں کو یہ دھم ہوتا کہ اس کی مراد ابوسعید خدری ہے حالانکہ یہ کلبی کو مراد بتاتا تھا، اس کی حدیث لکھنا جائز نہیں ہے، اور ابو خالہ نے بیان کیا کہ کلبی نے کہا عطیہ نے مجھ سے کہا میں نے تمہاری کنیت ابوسعید رکھ دی ہے میں کہتا ہوں حدیث ابوسعید، امام ابوبکر بزار نے کہا اس کا شیعوں میں شمار ہوتا تھا، امام ساجی نے کہا یہ حجت نہیں ہے یہ حضرت علی کو تمام صحابہ پر مقدم رکھتا تھا۔ ۱۵۔

ابوسعید | حافظ عبدالرحمن بن ابی ساتم رازی لکھتے ہیں:
اس کا نام محمد بن سائب کلبی ہے، سفیان ثوری نے کہا کلبی حضرت ابن عباس سے جو تفسیر کی روایات بیان کرتا ہے وہ جھوٹ ہے اس کو روایت نہ کرو، قرۃ بن خالد نے کہا کلبی جھوٹ بولتا ہے، مروان بن محمد نے کہا کلبی کی تفسیر باطل ہے۔ یحییٰ بن مہین نے کہا کلبی کی کچھ حیثیت نہیں۔ ۱۶۔
حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

محمد بن سائب کلبی ابوالنضر، یہ مضر، نساب اور مؤرخ ہے، ابوصالح نے کہا یہ جو احادیث ابن عباس سے روایت کرتا ہے ان کو مت بیان کرو، سفیان کہتے ہیں کہ مجھ سے کلبی نے کہا جب میں ابوصالح سے حدیث روایت کروں تو وہ جھوٹ ہے، یزید بن زریع نے کہا کلبی سبائی تھا یعنی عبداللہ بن سبا کی طرف منسوب تھا یہ شخص فرقہ شیعہ کا بانی تھا۔ سعیدی (ابن حبان نے کہا کلبی سبائی تھا اور اس کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی فوت نہیں ہوئے وہ دنیا میں آئیں گے اور اس کو عدل سے بھر دیں گے، اور جب بادل دیکھتا تو کہتا اس میں امیر المؤمنین ہیں، ابوعوانہ کہتے ہیں کہ کلبی نے کہا کہ جبرائیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی لکھواتا تھا اور جب حضور بیت المقدس چلے جاتے تو پھر حضرت علی

۱۴۔ حافظ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۵ھ، میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۸۷، مطبوعہ مطبع محمدی کھٹو، ۱۳۰۱ھ

۱۵۔ حافظ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۲۶، مطبوعہ دائرة المعارف حیدرآباد دکن، ۱۳۲۶ھ

۱۶۔ حافظ عبدالرحمن بن ابی ساتم رازی متوفی ۳۲۷ھ، کتاب المجرع والتدیل ج ۲ ص ۲۷۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۱ھ

کو دھجی لکھواتا تھا، امام احمد بن حنبل نے کہا کہ کلبی کی تفسیر کو دیکھنا جائز نہیں ہے، جو زبانی نے کہا کلبی کذاب ہے امام دارقطنی اور ایک جماعت نے کہا یہ متروک ہے، امام ابن حبان نے کہا اس کا مذہب دین میں جھوٹ پھیلاتا ہے ابو صالح نے کہا اس کی کتابوں کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔ لے

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

محمد بن سائب بن بشر بن عمرو بن عبدالحادث بن عبد العزیز کلبی ابو النضر کو فی سبابة مفسر، معتمر بن سلیمان نے کہا کہ فرہیں دو کذاب تھے ان میں سے ایک کلبی ہے، لیث بن ابی سلیم نے کہا کوفہ میں دو کذاب ہیں ان میں سے ایک کلبی اور دوسرا سُدی ہے، یحییٰ بن معین نے کہا اس کی کوئی حیثیت نہیں، ابو عروہ کہتے ہیں میں نے کلبی سے ایسی روایات سنی ہیں جن کا کہنا کفر ہے، ابو حنبلہ نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ کلبی کافر ہے، یزید بن زریع کہتے ہیں کہ میں نے کلبی سے سنا کہ کہتا تھا میں سبائی ہوں، میں سبائی ہوں۔ عقیلی نے کہا سبائی رافضیوں کا ایک فرقہ ہے جو عبد اللہ بن سباد کا پیروکار ہے، ابراہیم نے محمد بن سائب سے کہا جب تک تم اس عقیدہ پر ہو ہمارے پاس نہ آنا اور یہ مرجئی تھا، ابو حاتم نے کہا اس کی احادیث کے ترک کرنے پر تمام لوگوں کا اجماع ہے، یہ شخص کوفہ میں ۴۶۱ھ میں فوت ہو گیا، ابو صالح نے کہا اس کی روایات سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے، ساجی نے کہا یہ متروک الحدیث ہے اور یہ چونکہ تشیع میں بہت افراط کرتا تھا اس لیے یہ بہت ضعیف ہے، حاکم ابو عبد اللہ کہتے ہیں یہ ابو صالح سے موضوع احادیث روایت کرتا تھا۔ اور عطیہ کی سوانح میں یہ گزر چکا ہے کہ اس نے کلبی کی کنیت ابو سعید رکھی تھی اور اس کنیت کے ساتھ اس سے احادیث روایت کرتا تھا۔ لے

اسماء رجال کی ان مستند کتابوں کی تصریحات سے ظاہر ہو گیا کہ اس حدیث کے پانچوں راوی کوفہ کے کثر شیعہ اور رافضی تھے، اور محمودی اور موضوع روایات بیان کرنے اور گھڑنے میں مشہور تھے اس لیے یہ روایت جھوٹی اور موضوع ہے اور امام بزرگوار امام طبرانی، علامہ سیوطی، علامہ علی متقی اور علامین کا شفی نے اپنی کتابوں میں احادیث صحیحہ درج کرنے کا التزام نہیں کیا ہے، ان لوگوں کو جس قسم کی سند سے بھی حدیث مل جائے یہ اپنی کتابوں میں درج کر دیتے ہیں اور حدیث کے مقبول یا مردود ہونے کا معاملہ اس کی سند پر موقوف ہے اس لیے صرف بعض اہل سنت کی کتابوں میں اس روایت کے مندرج ہونے سے اس کا مقبول ہونا لازم نہیں آتا اور شاہ عبدالعزیز کا یہ کہنا بھی بعید نہیں ہے کہ شیعہ علماء نے ان کتابوں میں یہ حدیث درج کر دی ہے، نیز اس حدیث کو حضرت ابو سعید خدری کی طرف شیعہ علماء کا منسوب کرنا خالص تبلیغ اور جھوٹ ہے، یہ شخص ابو سعید کلبی ہے، جیسا کہ میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب کے حوالوں سے واضح ہو چکا ہے۔

یہ اس روایت پر سند کے لحاظ سے بحث تھی، اور یہ روایت متن کے لحاظ سے اس لیے مردود ہے کہ حضرت فاطمہ کامیراث میں نہ کہ مانگنا اس پر دلیل ہے کہ وہ آپ کو مہر نہیں کیا گیا تھا نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

لے۔ حافظ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۵ھ، میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۸۲ - مطبوعہ مطبعہ محمدی کھٹور، ۱۳۰۱ھ

لے۔ حافظ عبد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۸۱ - ۱۷۹، مطبوعہ دائرة المعارف حیدر آباد دکن،

حضرت فاطمہ کے لیے مال دنیا کو پسند نہ فرمانا، اور فدک پر قبضہ کے بعد راہِ خدا میں امداد کے موقع پر حضرت فاطمہ کا راہِ خدا میں کسی چیز کو نہ دینا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فدک نہیں دیا تھا جبکہ ہم شریعت میں وضاحت سے بیان کر چکے ہیں۔

فدک کے تنازعہ پر حضرت فاطمہ کا حضرت ابو بکر سے ناراض ہونا، حضرت ابو بکر کے حق میں کسی عتاب کا موجب نہیں

ملا باقر مجلسی اور دیگر علماء شیعہ نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مطالبہ میراث پر حضرت ابو بکر نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ہمارا وارث نہیں بنایا جاتا" تو حضرت فاطمہ ناراض ہوئیں اور حضرت ابو بکر سے ملنا جلنا چھوڑ دیا اس کے بعد آپ چھ ماہ زندہ رہیں اور تادمِ مرگ حضرت ابو بکر سے بات نہیں کی، اگر فی الواقع یہ حدیث، موقی تو حضرت فاطمہ یہ حدیث سن کر حضرت ابو بکر سے ناراض نہ ہوتیں! پیر محمد کرم شاہ الادہری نے اس اعتراض کے جواب میں لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری میں کئی جگہ ہے اور حضرت فاطمہ کے ناراض ہونے کا ذکر صرف عبد العزیز کی روایت میں ہے، نیز حضرت فاطمہ نے خود تو نہیں فرمایا کہ میں ابو بکر سے ناراض ہوں اور نہ ہی یہ حضرت عائشہ کا قول ہے بلکہ بد کے راویوں میں سے کسی راوی نے یہ قیاس آرائی کی ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس راوی نے حالات کا تجزیہ کرنے میں مناسطہ کھایا ہو! پیر صاحب کا یہ جواب صحیح نہیں ہے! یہ حدیث حضرت عائشہ کی روایت سے صحیح بخاری میں ایک جگہ نہیں دو مختلف سندوں کے ساتھ ہے اور صحیح مسلم میں بھی ہے ان کے علاوہ یہ حدیث دیگر کتب حدیث میں بھی ہے اور یہ کسی اور راوی کی قیاس آرائی نہیں! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہی قول ہے پہلے ہم ان روایات کے اقتباس ذکر کریں گے، جس سے ظاہر ہو جائے گا کہ پیر صاحب کا جواب صحیح نہیں ہے پھر اس کا صحیح جواب بیان کریں گے:

امام بخاری عبد العزیز کی سند کے ساتھ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں:

فغضبت فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم فهاجرت ابا بكر فلم تنزل مهاجرة، حتى توفيت -

امام بخاری یحییٰ بن بکیر کی سند کے ساتھ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں:

فوجدت فاطمة على ابي بكر في ذلك فهاجرت، فلم تكلمه حتى

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ غضب ناک ہوئیں اور حضرت ابو بکر سے ملنا جلنا چھوڑ دیا اور تادمِ مرگ ان سے نہیں ملیں۔

۱۔ پیر محمد کرم شاہ الادہری، ماہنامہ ضیاء، ص ۳۵۸-۳۵۶، محصلہ، (مئی، جون ۱۹۷۴ء)، فاروق اعظم تبرک، مطبوعہ لاہور۔

۲۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳۵، مطبوعہ نور محمد احمد المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ۔

توفیت ۷۷

بات نہیں کی۔

اس حدیث کو انہی الفاظ کے ساتھ امام مسلم نے محمد بن رافع کی سند سے بیان کیا ہے۔ ۷۷
در اصل بات یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس حدیث کی وجہ سے ناراض نہیں ہوئیں، کیونکہ وہ اس حدیث سے پہلے ہی باخبر تھیں جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں، حضرت فاطمہ کا خیال یہ تھا کہ یہ حدیث عموم پر نہیں ہے اور فدک کی جاگیر اس کے عموم سے مستثنیٰ ہے، جبکہ حضرت ابو بکر کی رائے یہ تھی کہ حدیث اپنے عموم پر ہے، کیونکہ تخصیص پر کوئی قرینہ اور دلیل نہیں ہے۔ لہذا حضرت ابو بکر اور حضرت فاطمہ میں اس حدیث کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں تھا بلکہ ان کے درمیان رائے اور اجتہاد کا اختلاف تھا، حضرت ابو بکر کے نزدیک یہ حدیث اپنے عموم پر تھی جبکہ حضرت فاطمہ کے نزدیک اس حدیث سے فدک کی جاگیر مستثنیٰ تھی۔ اب رہا یہ سوال کہ کیا حضرت ابو بکر پر یہ لازم تھا کہ اجتہاد امام میں بھی حضرت فاطمہ کی موافقت کریں تو اس کا جواب واضح ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کیونکہ ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کی موافقت لازم نہیں ہے، دیکھئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان کے قصاص کے معاملہ میں حضرت عائشہ سے اختلاف کیا، نہ صرف اختلاف کیا بلکہ ان سے جنگ کی، حالانکہ جس طرح حضرت فاطمہ کو ناراض کرنا حضور کو ناراض کرنا ہے، اسی طرح حضرت عائشہ کو ایذا دینا بھی حضور کو دینا ہے کیونکہ امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ جب بعض ازواج مطہرات نے حضرت ام سلمہ سے حضور کے پاس یہ سفارش کرائی کہ لوگ صرف حضرت عائشہ کی باری کے دن حضور کو ہدیے اور تحفے نہ بھیجیں بلکہ حضور جس زوجہ کے پاس بھی ہوں ہدیے اور تحفے دیں اور حضرت عائشہ کی تخصیص نہ کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ سے فرمایا:

لَا تُؤْذِنِي فِي عَائِشَةَ فَإِنَّ الْوَحْيَ لَهَا
يَا تُنِي وَأَنَا فِي ثَوْبِ امْرَأَةٍ لَا عَائِشَةَ ۷۸
مجھے عائشہ کے سلسلہ میں اذیت مت دو، کیونکہ کسی زوجہ کے بستر میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی، البتہ عائشہ کے بستر میں مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔

دیکھیے اگر لوگوں کو حضرت عائشہ کی تخصیص سے منع کر دیا جاتا تو حضرت عائشہ کو اذیت پہنچتی لیکن آپ نے فرمایا مجھے اذیت مت دو، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ کو اذیت دینا حضور کو اذیت دینا ہے۔ اس کے باوجود حضرت علی نے دہی کیا جو ان کی رائے میں حق اور صواب تھا اور حضرت عائشہ کے اجتہاد کی موافقت نہیں کی حالانکہ جب حضرت علی نے حضرت عائشہ کی رائے کے خلاف فرسی قسام نہیں کیا بلکہ ان سے جنگ کی تو اس سے حضرت عائشہ کو اذیت پہنچی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد سے اختلاف کر سکتا ہے اور اس سلسلہ میں اذیت کا اعتبار نہیں ہے، اور یہ حدیث جبر بیان کی جاتی ہے:

عَنْ الْمُسَوِّمِ بْنِ مَخْرَمَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ
حَضْرَتُ مُسَوِّمُ بْنُ مَخْرَمَةَ بَيَانِ كَرْتِي هِيَ كَرَسُولِ اللَّهِ

۷۷۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۷۸۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۷۹۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

صلی اللہ علیہ وسلم قال فاطمة بضعة مني فمن اغضبها اغضبني
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ میرا جزو ہے جس نے اس کو غضب ناک کیا اس نے مجھ کو غضب ناک کیا۔

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت فاطمہ کو مطلقاً ناراض کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرنا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے حضرت فاطمہ کو اذیت دینے اور ایذا پہنچانے کے قصد سے کوئی کام کیا اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دی اور میں نے اپنی رائے اور اجتہاد سے کوئی جائز کام کیا اور بہ تعاضدائے بشریت حضرت فاطمہ اس سے ناراض ہوئیں تو یہ ناراضگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا موجب نہیں ہے کیونکہ بعض دفعہ اجتہاد اور رائے کے اختلاف سے حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کبھی ناراض ہوئیں۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت مسود بن حمزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ پر ابو جہل کی دختر کو نکاح کا پیغام دیا، میں اس وقت بالغ تھا، میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منبر پر فرمایا: فاطمہ مجھ سے ہے اور مجھے غدر ہے کہ وہ کسی دینی آزمائش میں پڑ جائے گی پھر آپ نے بنو عبد شمس سے اپنے داماد کا نکاح کیا یعنی ماص بن ربيع شومر زینب) اور بحیثیت داماد اس کی تعریف کا فرمایا کہ اس نے مجھ سے بچ کہا اور وعدہ پورا کیا، اللہ میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا اور نہ حرام کو حلال کرتا تاہم لیکن بخدا رسول اللہ کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔

عن المسور بن مخرمة ان علي بن ابي طالب خطب بنت ابي جهل على فاطمة فسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب الناس في ذلك على منبره هذا وانا يومئذ لمحتلم فقال ان فاطمة مني وانا اتخوف ان تفتن في دينها ثم ذكر صهره من بني عبيد شمس فاشنى عليه في مضاهرة اياه قال حدثني فصدقني ووعدني فوقني لي واني لست احرم حلالا ولا احل حراما ولكن والله لا تجتمع بنت رسول الله و بنت عدو الله ابدا لله

امام ابو داؤد نے بھی اس حدیث کو متعدد اسانید سے روایت کیا ہے ایک سند سے اس طرح روایت ہے:

حضرت مسعود بن مخزوم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا کہ ہشام بن منیرہ کی اولاد نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا علی بن ابیطالب سے نکاح کر دیں، سو میں اس کی اجازت نہیں دیتا، میں اس کی اجازت نہیں دیتا، میں اس کی اجازت نہیں دیتا، ہاں اگر علی بن ابیطالب میری بیٹی

عن المسور بن مخرمة انه سمع رسول الله
صلى الله عليه وسلم على المنبر يقول ان بنى هشام
بن المغيرة استأذنوا ان ينكحوا ابنتهم من
على بن ابي طالب فلا اذن ثم لا اذن ثم لا
اذن الا ان يريد ابن ابي طالب ان يطلق
ابنتي وينكح ابنتهم فانما ابنتي

۵۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۲ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۴، مطبوعہ نور محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۱۰۲- " " " " مجمع بخاری ج ۳ ص ۴۸

بضعة منی بریدنی ما ارا بها ویوذینی
ما اذاها۔ ۱۰

کو طلاق دے دیں تو پھر ان کی بیٹی سے نکاح کر سکتے ہیں
کیونکہ میری بیٹی میرے جسم کا جزو ہے، جو چیز اس کو بے چین
کرتی ہے وہ مجھے بے چین کرتی ہے اور جو چیز اس کو
ایلا دیتی ہے وہ مجھے ایلا دیتی ہے۔

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کے اوپر دو عمل نکاح کرنے کا ارادہ کیا جس سے حضرت
فاطمہ کو اذیت پہنچی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اس اقدام سے حضرت فاطمہ کو اذیت دینے کا ارادہ نہیں کیا
تھا بلکہ اپنی لائے اور اجتہاد سے ایک شرعی اباحت اور گنجائش پر عمل کرنے کا ارادہ کیا تھا کیونکہ ایک مسلمان بشرط عدل
بیک وقت چار عورتوں کو نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ حضرت فاطمہ بہ نقائص بشریت اس پر ناراض ہوئیں تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کی دل جوئی کی خاطر ان کو اس ارادہ سے باز رکھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ
حضرت علی کے کوئی حرام اور ناجائز کام نہیں کیا تھا اس لیے فرمایا میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا اور نہ کسی حرام کو حلال کرتا
ہوں، اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ شہید علماء نے بھی ذکر کیا ہے۔
مآثر مجلسی لکھتے ہیں:

کتاب علی الشرائع ویشارة المصطفیٰ وخوازمی میں سند امامی سے روایت کیا ہے: جب
جعفر طیار سیدہ آمنے ایک کنیز کو بطور تحفہ اپنے بھائی علی بن ابی طالب کے پاس بھیجا وہ کنیز جناب امیر کی خدمت کرتی تھی،
ایک دن جناب فاطمہ گھر میں آئیں تو دیکھا کہ جناب امیر کا سر اس کے دامن میں ہے، جب یہ حالت ملاحظہ فرمائی تو متحیر ہو
گیں اور پوچھا: اس کنیز کے ساتھ کیا تم نے کوئی تعلق قائم کیا ہے؟ جناب امیر نے فرمایا گو گندہ بچہ! اسے دختر محمد
میں نے اس کے ساتھ کوئی تعلق قائم نہیں کیا، اب جو کچھ تم کو منظور ہو بیان کرو میں بجا لاؤں، جناب سیدہ نے کہا مجھے میرے
پدر بزرگوار کے گھر جانے کی اجازت دو، جناب امیر نے فرمایا، میں نے اجازت دے دی، پس جناب فاطمہ نے چادر
سرباڑھی اور اپنے باپ کی خدمت میں پہنچیں۔ جبرائیل از خداوند جلیل نازل ہوئے اور کہا حق تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا
ہے اور ارشاد کرتا ہے، اس وقت فاطمہ تمہارے پاس علی کی شکایت کرنے آئی ہے تم حق علی میں فاطمہ کی کوئی شکایت
قبول نہ کرنا، جب جناب فاطمہ داخل دولت سرانے پدر بزرگوار ہوئیں، حضرت رسول نے فرمایا: فاطمہ علی کی شکایت
لے کر آئی ہو؟ فاطمہ نے کہا ہاں، حضرت رسول نے فرمایا علی کے پاس پھر جاؤ، اور کہو میں تم سے راضی ہوں،
پس جناب فاطمہ جناب امیر کے پاس آئیں اور تین مرتبہ فرمایا میں تم سے راضی ہوں، جس میں تمہاری رضا ہے، جناب امیر
نے فرمایا: تم نے میری شکایت میرے دوست، میرے حبیب اور میرے یادور رسول خدا سے کی۔ رسول خدا کے
سامنے اسی شرمندگی پر مجھے افسوس ہے۔ اے فاطمہ میں خدا کو گراہ کرتا ہوں اور اس کنیز کو محض میرے حق تعالیٰ
میں نے آزاد کیا۔ ۱۰

۱۰۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث مترقی ۲۵۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲، ص ۲۸۳، مطبوعہ مطبعہ مجتہاتی پاکستان لاہور، ۱۳۰۵ھ

۱۱۔ ملا محمد باقر مجلسی مترقی ۱۱۱۰ھ، ج ۱ ص ۲۱۳-۲۱۴، مطبوعہ شہید بابک ایجنسی لاہور

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ نے اپنی رائے اور اجتہاد سے ایک جائز کام کیا اور اپنی کینہ کو خدمت سے مشرف کیا۔ حضرت فاطمہؑ اس کام سے بہ تقاضائے بشریت ناراض ہوئیں لیکن ان کی یہ ناراضگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی پر منتج نہیں ہوئی بلکہ اس کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: علیؑ کے پاس جادو اور کہو میں تم سے راضی ہوں، اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حضرت فاطمہؑ کا مطلقاً ناراضی ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب نہیں ہے بلکہ یہ اس وقت ہے جب کوئی شخص قصداً اور عمداً حضرت فاطمہؑ کو ناراض کرنے کے لیے کوئی کام کرے، علیؑ ہذا القیاس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے پیش نظر ایک ہائز اور صحیح کام کیا بلکہ وہ کام کیا جس کا کرنا ان پر بحیثیت خلیفہ فرض تھا اور حضرت فاطمہؑ اس پر بہ تقاضائے بشریت ناراض ہوئیں قرآن کی یہ ناراضگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کو ہرگز مستلزم نہیں ہے۔

اس بحث میں ملاحظہ فرمائیے کہ نہایت عجیب اعتراض کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے جس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا (صحیح مسلم) اور حضرت فاطمہؑ تادم مرگ حضرت ابوبکرؓ سے ناراض رہیں اور گویا ان کو امام نہیں مانا، اب یا کہو کہ حضرت فاطمہؑ جاہلیت کی موت مریں (الیاذ باللہ) اور یا کہو کہ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ نہیں تھے یہ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت فاطمہؑ حضرت ابوبکرؓ کو امیر اور خلیفہ مانتی تھیں، بھی تو ان کے پاس مطالبہ میراث سے کر گئی تھیں، ناراضی تو آپؓ سے بھی ہوئی تھیں لیکن کیا جس وقت آپؓ حضرت علیؑ سے ناراض ہوئیں تو کیا اس وقت آپؓ نے حضرت علیؑ کو امیر نہیں مانا تھا؟ نیز ملاحظہ فرمائیے اور دیگر شیعہ علماء نے تصریح کی ہے کہ حضرت علیؑ مطالبہ میراث کے وقت بھی حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور امام کا ماتا کیا ہوتا ہے؟ دراصل بات یہ ہے کہ بہ تقاضائے بشریت وقتی طور پر حضرت فاطمہؑ کو اختلاف رائے کی وجہ سے ملال ہوا تھا، بعد میں آپؓ بیمار اور گوشہ نشین ہو گئیں اس سے راویوں نے سمجھ لیا کہ آپؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے ترک تعلق کر لیا، حالانکہ سلام، کلام اور ملنا جلنا، آپؓ نے منقطع نہیں کیا تھا، امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

شعبی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت فاطمہؑ بیمار ہوئیں تو حضرت ابوبکرؓ نے ان سے ملنے کی اجازت طلب کی، حضرت علیؑ نے کہا اے فاطمہ! ابوبکرؓ آپؓ سے ملنے کی اجازت طلب کرتے ہیں، حضرت فاطمہؑ نے کہا کیا آپؓ چاہتے ہیں کہ میں ان کو اجازت دوں؟ حضرت علیؑ نے کہا ہاں! حضرت فاطمہؑ نے اجازت دی، حضرت ابوبکرؓ نے اگر حضرت فاطمہؑ کو راضی کیا اور کہا بخدا میرے ترکہ سے یہ امکان، میل مال، میرے اہل اور میرے رشتہ دار اور جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ کی رضا کے لیے

عن الشعبي قال لما مرضت فاطمة رضي الله تعالى عنها أتاه أبو بكر الصديق رضي الله عنه فاستأذن عليها فقال علي رضي الله عنه يا فاطمة هذا أبو بكر يستأذن عليك فقالت تعجب إن أذن له قال نعم فأذنت له فدخل عليها يتريضاها وقال والله ما تركت الدار والمال والأهل والعشيرة إلا ابتغاء مرضاة الله ومرضاة رسوله ومرضاة تكمل أهل البيت ثم ترضاهما حتى رضيت هذا

مرسل حسن بامسناد صحیح۔ ۱۰

ہے اللہ کے لیے رسول کی رضا کے لیے اور اہل بیت آپ کی رضا کے لیے ہے، پھر حضرت فاطمہ کو راضی کیا حتیٰ کہ وہ راضی ہو گئیں۔ یہ حدیث صحیح السند ہے۔

ہر چند کہ بعض اہل حدیث اور علماء شیعہ کی روایات میں فدک کے معاملہ میں حضرت فاطمہ کی حضرت ابوبکر سے ناراضگی یا ان کی گئی ہے لیکن یہ قطعی اور یقینی بات نہیں ہے کیونکہ علماء شیعہ کی بعض روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت فاطمہ حضرت ابوبکر کے اس فیصلہ سے راضی ہو گئیں تھیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جو آخرت کی طرف توجہ اور دنیا سے بے رغبتی تھی اس کے مطابق بھی یہی روایات ہیں۔

شیخ کمال الدین البحرانی لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کی گفتگو سننے کے بعد حضرت ابوبکر نے کہا: اے تمام عورتوں سے بہتر! اے خیر آباد کی دختر! بخدا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے سے سر موٹاؤ نہیں کیا، میں نے صرف آپ کے حکم پر عمل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدک کی آمدنی سے اپنی عطا کی لیتے تھے اور باقی آمدنی کو مستحقین میں تقسیم کر دیا کرتے تھے، اسی آمدنی سے جہاد کے لیے سواریاں مہیا کرتے تھے، اور میں اللہ تعالیٰ کو ضامن بنا کر یہ کہتا ہوں کہ میں اس کی آمدنی کو اسی طرح خرچ کر دوں گا جس طرح اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرچ کرتے تھے اس پر حضرت فاطمہ راضی ہو گئیں اور اس پر عمل پیرا ہونے کا پختہ وعدہ کر دیا۔ ۱۱

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ کا اس معاملہ میں حضرت ابوبکر سے ناراض ہونا اولیٰ تو قطعی اور یقینی نہیں ہے کیونکہ آپ کی رضا مندی کے بارے میں روایات ہیں اور اگر بالفرض آپ ناراض بھی ہوئی ہوں تو یہ ناراضگی بہ تعاضاً نہ بشرت ہے اور یہ ناراضگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناراض ہونے کو مستلزم نہیں ہے جیسا کہ ہم نے حضرت علی کی مثال سے واضح کر دیا ہے جبکہ آپ بالآخر حضرت ابوبکر سے راضی ہو گئیں تھیں جیسا کہ امام بیہقی نے روایت کیا ہے، واللہ الحمد علیٰ ذلک۔

کیا عمر بن عبد العزیز نے آل فاطمہ کو فدک واپس دے دیا تھا؟

بسن علماء شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ "عمر بن عبد العزیز نے فدک کی جاگیر آل فاطمہ کو واپس کر دی تھی، پس ثابت ہوا کہ اس کے بارے میں حضرت ابوبکر کا فیصلہ غلط تھا اور یہ حضرت فاطمہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میراث تھی" ایک شیعہ عالم نے مجھ پر یہ اعتراض کیا میں نے کہا حیرت ہے کہ تم علی پر عمر بن عبد العزیز کو ترجیح دیتے ہو! اگر فدک آل فاطمہ کا تھا تو حضرت علی نے اپنے پانچ سالہ دور خلافت میں حق داروں کو یہ حق کیوں نہیں دیا؟ حضرت فاطمہ کو فدک نہ دینے پر حضرت ابوبکر کو غاصب کہا جاتا ہے جبکہ حضرت علی نے بھی فدک پر غلامی نشانہ کے عمل کو برقرار رکھا، یہ عجیب نا انصافی ہے، مگر حضرت علی کا طریق کار صحیح تھا تو غلامی نشانہ کو غاصب کیوں کہا جاتا ہے!۔

۱۰۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۳۱، مطبوعہ نشر السنۃ لبنان

۱۱۔ شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی متوفی ۶۷۹ھ، شرح پنج البلاغہ ج ۱۵ ص ۱۰۷، مطبوعہ مؤسسۃ النشر ایران ۱۳۸۷ھ

دوسرا جواب یہ ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے درحقیقت فدک آل فاطمہ کو واپس نہیں کیا تھا بلکہ اس کی آمدنی کو اس کے مصارف سابقہ پر لٹا دیا تھا کیونکہ مروانیوں نے فدک کو ذاتی جاگیر بنالیا تھا، عمر بن عبد العزیز نے مروانیوں سے فدک کو واپس لے کر اس کو اسی طریقہ پر لٹا دیا جس طریقہ پر یہ خلفاء راشدین کے عہد میں تھا۔
امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عن المغيرة بن جمعة عن عبد العزيز بن مروان حين استخلف فقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كانت له فدك فكان ينفق منها ويعود منها على صغيري بني هاشم ويؤجر منها ايتهم وان فاطمة سالت ان يجعلها لها فابي فكانت كذلك في حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى مضى لسبيله فلما ان ولي ابو بكر عمل بما عمل النبي صلى الله عليه وسلم في حياته حتى مضى لسبيله فلما ان ولي عمر عمل فيها بمثل ما عمل حتى مضى لسبيله ثم قطعها مروان ثم صارت لعمر بن عبد العزيز قال عمر يعني ابن عبد العزيز فرأيت امرا منعه النبي صلى الله عليه وسلم فاطمة ليس لي بحق وافي اشهدكم اني قد رددتها على ما كانت يعني في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم -

مغیرہ کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے خلیفہ بننے کے بعد بنو مروان کو جمع کیا اور یہ کہا کہ فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں تھا اور آپ اس کی آمدنی سے خرچ کرتے تھے اور بنو ہاشم کے کم سنوں پر خرچ کرتے تھے اور ان کی بیواؤں کی شادیاں کرتے تھے، اور حضرت فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فدک کا سوال کیا کہ آپ انھیں فدک دے دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسی پر عمل ہوتا رہا، حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا، پھر جب حضرت ابو بکر خلیفہ ہوئے تو انھوں نے بھی اپنی زندگی میں اسی پر عمل کیا، حتیٰ کہ ان کی وفات ہو گئی پھر جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو انھوں نے بھی حضور اور حضرت ابو بکر کی طرح عمل کیا حتیٰ کہ ان کا انتقال ہو گیا، پھر مروان نے فدک پر قبضہ کر لیا، پھر عمر بن عبد العزیز کے حصے میں آیا، عمر بن عبد العزیز نے کہا میں نے یہ سوچا کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو نہیں دیا اس پر میرا حق نہیں ہے اور میں تم لوگوں کو گمراہ بناتا ہوں کہ میں نے فدک کو اسی حال پر لٹا دیا جس حال پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھا (یعنی وقف کر دیا)۔

امام ابو داؤد کی اس روایت سے یہ واضح ہو گیا کہ عمر بن عبد العزیز نے فدک آل فاطمہ کو واپس نہیں کیا تھا بلکہ اس کو عہد رسالت کے مصارف پر لٹا دیا تھا، باقی رہا یہ کہ حضرت علی نے بھی فدک آل فاطمہ کو واپس نہیں کیا تھا بلکہ اس کو خلفاء ثلاثہ کے دفتر کے دستور کے مطابق برقرار رکھا اس پر علماء شیعہ کی یہ تحریر دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے:-
شیخ فقیر قرظی لکھتے ہیں:

در طول تاریخ اول کسی کہ فدک را اہل بیت پیغمبر (ص) برگزیدند
 عمر بن عبدالعزیز بود، ہنگامیکہ خلافت رسید اعلام کرد اے
 مردم من فدک را بغیر زندان رسول اللہ (ص) و فرزندان علی بن ابی
 طالب (ع) رد کردم و مادامی کہ عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بود فدک در
 دست آنہا بود، ابن ابی الحدید:
 از ابابکر جو ہری نقل میکند: ہنگامی کہ عمر بن عبدالعزیز
 حکومت رسید اولین دادخواستی کہ انجام داد: حسن بن
 حسن بن علی (ع) را طلبید و بعضی گفتہ اند مولیٰ بن ابی
 (ع) را طلبید و فدک را با تحفرت رد کرد۔ ۱

طویل تاریخ میں اگر کسی شخص نے سب سے پہلے پیغمبر
 علیہ السلام کے اہل بیت کو فدک واپس کیا تو وہ عمر بن عبدالعزیز
 تھے، جس وقت ان کو خلافت ملی تو انہوں نے یہ اعلان کیا کہ
 اے لوگو! میں نے فرزندان رسول اور فرزندان علی بن ابی
 طالب کو فدک واپس کر دیا اور جب تک عمر بن عبدالعزیز
 خلیفہ رہے، فدک ان کے (اہل بیت کے) پاس رہا، ابن
 ابی الحدید: ابوبکر جوہری سے نقل کرتے ہیں کہ جس وقت عمر
 بن عبدالعزیز کو حکومت ملی تو انہوں نے سب سے پہلے یہاں
 کیا کہ حسن بن حسن بن علی کو طلب کیا اور بعض روایات میں ہے کہ
 مولیٰ بن ابی بدین کو طلب کیا اور فدک ان کو واپس
 کر دیا۔

نیز شیخ کمال الدین میثم بن علی میثم البجرائی لکھتے ہیں:
 وكان ياخذ مملتها فيدفع اليهم منها ما
 يكفيهم ثم فعلت الخلفاء بعده كذلک الى ان ولى
 معاوية فاقطع مروان ثلثها بعد الحسن عليه السلام
 ثم خلصت له في خلافته وتداولها اولاده الى
 انتهت الى عمر بن عبدالعزیز فردها في خلافته
 على اولاد فاطمة عليها السلام وقالت
 الشيعة فكانت اول ظلامه
 ۲ دھا۔ ۳

حضرت ابوبکر فدک کی آمدنی وصول کرتے اور اس
 میں سے اہل بیت کو ان کی ضروریات کے مطابق دیتے،
 بعد میں خلفاء نے بھی ایسا ہی کیا، حتیٰ کہ حضرت حسن کے بعد
 جب معاویہ کی حکومت آئی تو مروان نے تہائی فدک کو اپنی ملک
 میں لے لیا، اور جب مروان حکمران ہوا تو اس نے پورا فدک
 لے لیا اور پھر یہ اس کی اولاد میں منتقل ہوتا رہا حتیٰ کہ جب عمر
 بن عبدالعزیز کی حکومت آئی تو اس نے فدک اولاد فاطمہ کو
 واپس کر لیا، علامہ شیعہ کہتے ہیں کہ یہ پہلا شخص تھا جس
 نے اس حق کو واپس کیا۔

شیخ قزوینی اور شیخ میثم بن علی عبارات میں یہ تصریح ہے اور فدک کی اس طویل تاریخ میں سب سے پہلے عمر بن عبدالعزیز
 نے اہل بیت کو فدک لوٹا دیا، اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت علی نے اپنے دور خلافت میں اہل بیت کو فدک واپس نہیں
 کیا تھا اور یہ اس پر قوی دلیل ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب کے نزدیک فدک کی جاگیر حضرت فاطمہ کو سب کی گئی تھی اور نہ وہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی میراث تھی، ورنہ حضرت علی بھی عمر بن عبدالعزیز کی طرح فدک اولاد فاطمہ کو لوٹا دیتے۔
 حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے دور خلافت میں فدک کو ختمہ ثلاثہ کے طریقہ اور ان کے دور کے دستور پر قائم رکھنا اس بات

۱۔ شیخ فقیر سید محمد حسن قزوینی، فدک ص ۲۸۸، مطبوعہ کتاب خانہ مدرسہ چل متون مسجد جامع طہران

۲۔ شیخ کمال الدین میثم بن علی میثم البجرائی متوفی ۶۴۹ھ، شرح نہج البلاغہ ج ۵ ص ۱۰۷، مطبوعہ مؤسسۃ النصار ایران ۱۳۸۴ھ

مسئلہ خلافت | اس باب کی حدیث نمبر ۲۲۶۵ میں یہ مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حیات میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی اور حضرت فاطمہ کے وصال کے بعد مسجد میں اگر حضرت ابو بکر سے بیعت کی۔ اس کی تفصیل حضرت عائشہ نے اس طرح بیان کی ہے کہ حضرت علی مسجد میں آئے، کلمہ شہادت پڑھا اور حضرت ابو بکر کے حق کی عظمت کو بیان کیا اور یہ بتلایا کہ انھوں نے بیعت میں رچھ ماہ کی تاخیر اس وجہ سے نہیں کی کہ وہ حضرت ابو بکر کے خلاف خلافت میں کچھ رغبت رکھتے تھے اور نہ وہ حضرت ابو بکر کی فیصلت کا انکار کرتے تھے، لیکن ہم یہ سمجھتے تھے کہ اس حکومت (کے مشورہ) میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے اور چونکہ یہ حکومت ہمارے مشورہ کے بغیر بنائی گئی تھی اس وجہ سے ہمارے دلوں کو رنج پہنچا، مسلمان اس بیان سے خوش ہو گئے اور کہا آپ نے ٹھیک فرمایا! اور جب حضرت علی نے اس معروف راستہ کو اختیار کر لیا تو لوگ ان کی طرف پھر مائل ہو گئے۔

شیعہ حضرات، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے قائل نہیں ہیں، اس لیے ہم اس حدیث کی شرح میں قرآن مجید کی آیات اور عقلی دلائل کی روشنی میں حضرت ابو بکر کی خلافت کا حق ہونا بیان کریں گے اور مسلمہ خلافت میں علماء شیعہ کے اہم شبہات کے جوابات ذکر کریں گے۔
فَنَقُولُ بِمَا لِلَّهِ التَّوْفِيقُ وَبِهِ اِلٰهٌ مُسْتَعَانَةٌ يَلِيْقُ -

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے حق ہونے پر قرآن مجید سے استدلال

اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے دین سے پھر تائب ہو (وہ یہ سن کر) عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا جن سے اللہ محبت کرے گا اور وہ قوم اللہ سے محبت کرے گی، یہ لوگ مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ
دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ
أَذَلَّةً عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةً عَلَى الْكَافِرِينَ
يَجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ

لَا تُحْرَمُ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ
يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ
(مائتہ ۵۳۰)

سخت ہوں گے یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور
کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے
یہ اللہ کا فضل ہے، جسے وہ چاہتا ہے اس کو یہ عطا فرماتا
ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت کا مالک اور علم والا ہے۔

اس آیت میں جس قوم کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کو محبوب ہوگی اور اس کو اللہ محبوب ہوگا، اس قوم سے حضرت ابو بکر
اور ان کے موافقین مراد ہیں، کیونکہ اسلام میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین سے جہاد کیا اور اس سلسلہ
میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کی۔

علامہ ذہبی نے بیان کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر اطراف عالم میں پھیلی تو بہت سارے عرب
اسلام سے مرتد ہو گئے اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان سے قتال کے لیے تیار ہو گئے، حضرت
عمر اور بعض دوسرے صحابہ نے حضرت ابو بکر کو اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن حضرت ابو بکر نے اس کی طرف التفات
نہیں کیا اور فرمایا: بخدا اگر یہ لوگ اس رسی یا اس بکری کے بچے کو دینے سے بھی انکار کریں گے جس کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی زندگی میں دیا کرتے تھے تو میں ان سے جنگ کروں گا، اور فرمایا جس شخص نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا میں اس
قتال کروں گا حتیٰ کہ حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے اتفاق کر لیا۔

حضرت ابو بکر نے حضرت خالد کو بنی اسد اور غطفان کی طرف روانہ کیا انہوں نے کچھ مرتدوں کو قتل کیا اور کچھ کو قید
کر لیا اور باقی لوگ دوبارہ مسلمان ہو گئے، پھر حضرت ابو بکر نے حضرت خالد کو مسیلہ کذاب سے جہاد کرنے کے لیے
یامہ بھیجا، جہاں کئی روز تک بہت خون ریز جنگ ہوئی حتیٰ کہ حضرت وحشی (قاتل حمزہ) نے مسیلہ کذاب کو قتل کر دیا،
حضرت عکرمہ بن ابی جہل کو عمان کے مرتدین کی طرف روانہ کیا اور حضرت مہاجر بن اقیہ کو مرتدین کے ایک ٹولہ کی طرف روانہ
کیا، حضرت زیاد بن بیدہ انصاری کو مرتدین کے ایک دوسرے ٹولہ کی طرف روانہ کیا اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو
سات سو کاردوں کے ساتھ شام کی طرف روانہ کیا۔

شعیدہ مؤرخ شیخ احمد بن ابی یعقوب نے بھی بہت تفصیل سے مرتدین کے خلاف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے
جہاد کا ذکر کیا ہے۔

اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کے نزدیک یہ امر اتفاقی ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر اور ان کے
رفقاء نے مرتدین کے خلاف جہاد کیا، اس لیے اس آیت کا مصداق حضرت ابو بکر اور ان کے متبعین ہیں اور سورہ مائدہ کی
یہ آیت اس مقصد میں نص صریح ہے کہ حضرت ابو بکر اور ان کے متبعین اللہ تعالیٰ کے محبوب اور محبت ہیں، مسلمانوں پر نرم اور
کفار پر سخت ہیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور نڈر ہیں اور ان پر اللہ کا فضل ہے، سو اگر حضرت ابو بکر بقول
شعیدہ ناصب اور ظالم ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کی شان میں یہ آیت نازل نہ فرماتا۔
جہاد کا انتظام کرنا، مسلمانوں پر نرمی اور کفار پر سختی کرنا، ان صفات سے وہی شخص متصف ہوگا جو شخص صاحب اقتدار

۱۔ شیخ احمد بن ابی یعقوب متوفی ۴۶۰ھ، تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۰-۱۱، مطبوعہ مرکز انتشارات علمی و فرهنگی ایران، ۱۳۶۲ھ

ہو کیونکہ سربراہ مملکت اور امیر ریاست کے حکم اور اس کی اجازت کے بغیر جہاد نہیں ہوتا، اس لیے اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جو قوم مرتدین کے خلاف جہاد کرے گی وہ برسرِ اقتدار ہوگی اور اس قوم کا برسرِ اقتدار ہونا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوگا اور چونکہ مرتدین کے خلاف سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے جہاد کیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ اس آیت کا مصداق حضرت ابوبکرؓ ہیں اور ان کا برسرِ اقتدار، اور امیر مملکت ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہے واللہ المحمد علیٰ ذلک۔ (۲) اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قل للمخلفین من الاعراب ستدعون
الی قوم اولی باس شدید تقاً تلو نہم
او یسلمون فان تطیعوا یؤتکم اللہ اجراً
حسناً وان تنولوا کما تولیتم
من قبل یعذبکم عذاباً الیماً۔
(فتح: ۱۶)

(اوپر غزوہ حدیبیہ میں) پیچھے رہ جانے والے
بدوں سے کہیے کہ: عنقریب تم کو ایسی قوم (مرتدین اہل
یاممہ) سے جنگ کے لیے بلایا جائے گا جو بہت جنگجو
اور زوردار ہے، تم ان سے جنگ کرتے رہو گے یا
وہ مسلمان ہو جائیں گے اگر تم نے اس وقت (احکام جہاد
کی) اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ تم کو بہترین اجر دے گا
اور اگر تم نے (اس حکم جہاد سے) روگردانی کی جس طرح تم
پہلے روگردانی کر چکے ہو تو اللہ تعالیٰ تم کو دردناک عذاب
دے گا۔

اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے ان بدوں کو برحسہ
مانعین زکوٰۃ اور دیگر مرتدین کے خلاف جنگ کے لیے بلایا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان بدوں پر جہاد کی دعوت
دینے والے امیر کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے اور اس کی اطاعت پر ثواب کا وعدہ کیا ہے اور اس کی نافرمانی پر عذاب
کی وعید سنائی ہے اور جس امیر کی اطاعت واجب ہوگی اس کی خلافت واجب ہوگی اور حبیب ان بدوں کو جہاد کرنے کے لیے
بلانے والے حضرت ابوبکرؓ تھے تو ان کی خلافت واجب ہو گئی۔

حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس جنگجو قوم سے فارس اور روم مراد ہیں، تب بھی کوئی
مضائق نہیں کیونکہ فارس اور روم کے خلاف لشکر کو حضرت ابوبکرؓ نے تیار کیا تھا اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے
ہاتھوں پر ملائے تھے، مورخے اور ان دونوں کی خلافت حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی فرع ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت میں جس دعوت دینے والے کا ذکر ہے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یا حضرت علیؓ کیوں مراد نہیں ہو سکتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے مراد نہیں ہیں کہ اس
سے پہلے دلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سیتقول المخلفون اذا انطلقتم
الی مغانم لتأخذنہا ذرونا فتبعکم
یریدون ان یبدلوا کلمات اللہ قل لن
تتبعونا کذلک قال اللہ من قبل
(جب تم اموال غنیمت لینے جاؤ گے تو غزوہ حدیبیہ
سے) پیچھے رہ جانے والے بدو عنقریب یہ کہیں گے:
”ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو“ یہ بدو اللہ کے کلام کو
تبدیل کرنے کا ارادہ کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے: تم

(فتح : ۱۵)

ہمارے ساتھ ہرگز نہیں جاؤ گے، اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی اس طرح فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے اور آپ نے مسلمانوں کو ساتھ چلنے کے لیے ابھارا کیونکہ آپ کو قرآن سے جنگ کا بھی احتمال تھا تو اس موقع پر عرب کے وہ بدو جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہیں ہوا تھا جان چڑا کر بیٹھ رہے اور آپس میں کہنے لگے بھلا ہم ایسی قوم کی طرف جائیں گے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر (مدینہ) اگر ان کے ساتھیوں کو قتل کر گئی ہے! حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر پر حملہ کرنے کا حکم ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضور کو خیبر دی کہ جو بدو حدیبیہ میں آپ کے ساتھ نہیں گئے تھے اب وہ مکرخیبر میں آپ کے ساتھ چلنے کے لیے کہیں گے کیونکہ وہاں خطرہ کم اور مال غنیمت ملنے کی توقع زیادہ ہے، آپ ان سے فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی یہ بتلا چکا ہے کہ تم ہمارے ساتھ نہیں جاؤ گے اب اگر تم ہمارے ساتھ جاؤ گے تو گویا اللہ کا کلام تبدیل ہو جائے گا اور یہ تو ہو نہیں سکتا لہذا تم ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ یہ بدو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں جائیں گے، ان عنقریب ان کو ایک سخت جنگجو قوم سے لڑنے کے لیے بلایا جائے گا اس وقت اگر انھوں نے اطاعت کی تو ان کو اچھا اجر ملے گا! اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ اس سخت جنگجو قوم سے جہاد کرنے کے داعی کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فرمایا ہے یہ بدو آپ کے ساتھ نہیں جائیں گے اور اس داعی کا مصداق حضرت علی بھی نہیں ہیں کیونکہ حضرت علی نے اپنی خلافت میں دعوت اسلام کے لیے کوئی جنگ نہیں کی، حضرت علی نے اپنی زندگی میں جتنی لڑائیاں کیں وہ سب اپنی خلافت کی بقا اور اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے تھیں اور بد کے حکمران بالاجماع مراد نہیں ہیں، پس متین ہو گیا کہ دعوت اسلام کے لیے ایک سخت قوم کے خلاف جس شخص نے بدووں کو جہاد کی دعوت دی اور جس داعی کی اطاعت پر اللہ تعالیٰ نے اجر حسن اور جس کی حکم عدولی پر اللہ تعالیٰ نے عذاب کو واجب کیا وہ خلفاء ثلاثہ میں سے کوئی ایک شخص ہے اور ہر تقدیر پر حضرت ابوبکر کی خلافت کی حقانیت ثابت ہوگی کیونکہ حضرت عمر اور حضرت عثمان کی خلافت کا حق ہونا حضرت ابوبکر کی خلافت کے حق ہونے کی فرع ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ اس آیت میں حضرت ابوبکر کی خلافت کے حق ہونے کی قوی دلیل ہے۔ واللہ الحمد علی ذالک۔

(۳) نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله اولئك هم الصادقون۔ (حشر : ۸)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے صادق ہونے کی خبر دی ہے، اور حضرت ابوبکر کو مہاجرین نے خطبہ بنایا تھا اور یہ کہا تھا کہ حضرت ابوبکر کے ہوتے ہوئے اور کوئی شخص خلافت کا مستحق نہیں ہے سو اگر حضرت ابوبکر کو خلیفہ برحق نہ مانا جائے تو مہاجرین جو بڑے قرار پائیں گے کیونکہ تمام مہاجرین نے کہا حضرت ابوبکر خلیفہ برحق ہیں اور

مہاجرین کا جھوٹا ہونا خلاف قرآن ہے پس ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر کا خلیفہ برحق نہ ہونا بھی خلاف قرآن ہے۔
 نیز اس آیت میں بلا تخصیص اور بلا استثناء تمام مہاجرین کو سچا فرمایا ہے اور حضرت ابوبکر بھی مہاجر ہیں بلکہ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے عظیم صحابی ہیں۔ اور اگر بقول شیعہ آپ خلیفہ برحق نہ ہوں بلکہ ظالم، غاصب اور کاذب ہوں تو تمام مہاجرین صادق نہیں رہیں گے اور یہ قرآن کے خلاف ہے اس لیے از روئے قرآن حضرت ابوبکر کو صادق ماننا قاطب ہے اور حضرت ابوبکر کو صادق ماننا اس کو مستلزم ہے کہ آپ کی خلافت برحق ہو، پس اس آیت سے حضرت ابوبکر کی خلافت کا حق ہونا دو طریقوں سے ثابت ہو گیا، واللہ الحمد (۴)۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَ
 الْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ
 عَنْهُمْ وَوَرَضُوا عَنْهُمْ وَأُغْفِرَ لَهُمْ جُنُوحَهُمْ
 تَحْتِهَا الْأَنْفُسُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ
 الْعَظِيمُ۔
 (توبہ: ۱۰۰)

وہ لوگ جو سب سے پہلے اور بڑھ چڑھ کر
 ہجرت کرنے والے اور نصرت کرنے والے ہیں،
 اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔
 اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن
 کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ابد تک ان میں ہمیشہ رہیں
 گے، یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے اپنی رضا مندی اور اخروی انعامات کی بشارت دی ہے جنہوں
 نے سب سے پہلے ہجرت کی اور سب سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی اور تمام سنی اور شیعہ علماء کا
 اس پر اتفاق ہے کہ ہجرت اور نصرت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے سابق اور اقل ہیں (ناسخ التواریخ کے
 حوالہ سے غزوہ تبوک میں حضرت ابوبکر کی سب سے زیادہ نصرت کا بیان گذر چکا ہے) پس اس آیت سے واضح ہو گیا
 کہ اللہ تعالیٰ جن سے راضی ہے اور جن کو اللہ نے عظیم کامیابی کی بشارت دی ہے ان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ
 سرفہرست ہیں، سو اگر بقول شیعہ حضرت ابوبکر ظالم، غاصب اور فاسق یا کافر ہوتے تو وہ ان اخروی انعامات کا مصداق نہ
 ہو سکتے، لہذا اس آیت سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق تھے تبھی وہ اللہ کی رضا مندی اور آخرت کی
 عظیم کامیابی کے حامل ہوئے۔

اس آیت میں مہاجرین اور انصار صحابہ کے بعد میں آنے والے ان لوگوں کے لیے بھی اللہ کی رضا، جنت اور
 آخرت کی عظیم کامیابی کی بشارت ہے جو ان سابقین اولین کی نیکی کے ساتھ اتباع کریں یا ان کے حق میں کلمہ خیر کہیں سو
 جو لوگ اخروی انعامات کو حاصل کرنا چاہتے ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ حضرت ابوبکر اور دیگر خلفائے راشدین کے متعلق
 اچھے کلمات کہیں اللہ کی کے ساتھ ان کی پیروی کریں اور ان کے متبعین بالاحسان میں شامل رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خلفاء
 راشدین کے متبعین بالاحسان میں شامل رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ کرے ہم سے راضی ہو جائے اور ہمیں راضی کرے
 اور ہمیں وہ دائمی جنات عطا فرمائے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور عظیم الشان کامیابی عطا فرمائے (آمین)
 تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ خلافت کا مستحق
 حضرت ابوبکر کے خلیفہ برحق ہونے پر عقلی دلائل تین شخصوں میں سے کوئی ایک تھا، حضرت ابوبکر

حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم، پھر حضرت علی اور حضرت عباس نے حضرت ابو بکر کی بیعت سے اختلاف نہیں کیا بلکہ ان دونوں حضرات نے حضرت ابو بکر کی بیعت کر لی، پس تمام صحابہ کا حضرت ابو بکر کی بیعت پر اجماع ہو گیا۔

نیز اگر حضرت ابو بکر خلیفہ برحق نہ ہوتے تو حضرت علی حضرت ابو بکر سے اسی طرح جنگ کرتے جس طرح انھوں نے حضرت معاویہ سے جنگ کی تھی جبکہ معاویہ بیس سال سے شام میں حکمران تھے اور ان کو فوج اور اسلحہ کی بڑی بھاری طاقت حاصل تھی یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ طویل عرصہ تک جنگ کرنے کے بعد بھی ان کو زیر نہیں کر سکے، اس کے برخلاف حضرت ابو بکر کو ایسی عسکری قوت حاصل نہیں تھی اور تمام بنو ہاشم حضرت علی کی پشت پر موجود تھے اور حضرت معاویہ کی بہ نسبت حضرت ابو بکر سے جنگ کرنا بہت آسان تھا پس اگر حضرت ابو بکر خلیفہ برحق نہ ہوتے تو حضرت علی کبھی ان کی بیعت نہ کرتے جس طرح حضرت حسین نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی اور ان سے ضرور جنگ کرتے جس طرح حضرت علی نے حضرت معاویہ سے جنگ کی تھی۔

انصار و بیعت کے وقت انصار نے یہ کہا تھا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں (مہاجرین) سے ہو، حضرت ابو بکر نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **الاشعة من قریش** "امام قریش میں سے ہو گا" انصار نے اس حدیث کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور حضرت ابو بکر کی بیعت کر لی، حضرت علی کے حامی انصار سے زیادہ تھے اور عام مسلمانوں کو بھی خاندانہ سبوت سے محبت اور ہمدردی تھی اگر ان کے پاس اپنی خلافت کے بارے میں کوئی نص ہوتی تو انصار کی بہ نسبت وہ ممانعت کرنے کے زیادہ حقدار تھے اور ان کے حمایتی اور مددگار انصار سے بہت زیادہ تھے، اس لیے وہ اس نص کو ضرور پیش کرتے اور ثابت کرتے کہ وہ خلافت کے حقدار ہیں، اور تمام مسلمان ان کا ساتھ دیتے۔

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی؟ امام بخاری نے ابن

شہاب زہری کی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی نے حیات فاطمہ میں چھ ماہ تک حضرت ابو بکر سے بیعت نہیں کی، بلکہ حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد انھوں نے حضرت ابو بکر سے صلح کر کے بیعت کر لی۔ ۱۷

امام مسلم نے بھی ابن شہاب زہری کی سند سے اس روایت کو بیان کیا ہے۔ ۱۸
ہر چند کہ حضرت علی کی بیعت میں تاخیر کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس صحیح یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت عام کے وقت ابتداء ہی میں بیعت کر لی تھی، اور تمام مسلمانوں کے اجتماع علی عمل سے الگ نہیں رہے تھے۔ امام بیہقی، امام بخاری اور امام مسلم کی اس روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۷۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۰، مطبوعہ دار محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۱۸۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۱، مطبوعہ دار محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

قال معمر قلت للزهري كم مكثت فاطمة بعد
النبي صلى الله عليه وسلم قال ستة اشهر فقال رجل
للزهري فلم يبايعه على رضی الله عنه حتى ماتت
فاطمة رضی الله عنها قال ولا احد من بني هاشم
وداه البخاري في الصحيح من وجهين عن معمر
وداه مسلم عن اسحاق بن راهويه وغيره عن
عبد الرزاق - وقول الزهري في قعوده عن
بيعة ابي بكر رضی الله عنه حتى توفيت فاطمة
رضی الله عنها منقطع وحديث ابي سعيد
الحديث رضی الله عنه في مبايعته اياه حين
بويع العامة بعد السقيفة اصح ولعل الزهري
اراد قعوده عنها بعد البيعة ثم نهوضه
اليها ثانيا وقيامه بواجباتها والله
اعلم -

معمر کہتے ہیں کہ میں نے زہری سے کہا نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ کتنے دن زندہ رہیں
زہری نے کہا چودہ ماہ، پھر ایک شخص نے زہری سے کہا: کیا
حضرت فاطمہ کے انتقال تک حضرت علی نے بیعت نہیں
کی تھی؟ زہری نے کہا: ہواشم میں سے کسی نے بھی بیعت
نہیں کی! اس حدیث کو امام بخاری نے معمر سے دوسروں کے
ساتھ روایت کیا ہے اور امام مسلم نے اسحاق بن راہویہ
سے اور دوسروں نے عبد الرزاق سے روایت کیا ہے
اور زہری کی یہ روایت منقطع ہے کہ حضرت فاطمہ کے
انتقال تک حضرت علی نے بیعت نہیں کی تھی اور حضرت
ابو سعید رضی اللہ عنہ کی یہ روایت صحیح ہے کہ جس وقت
عام بیعت ہوئی تھی حضرت علی نے اسی وقت حضرت ابوبکر
کی بیعت کر لی تھی اور شاید کہ زہری کی یہ مراد ہو کہ حضرت
علی بیعت کرنے کے بعد چودہ ماہ تک گھر بیٹھے رہے
اور اس کے بعد دوبارہ (چھ ماہ بعد) حضرت ابوبکر کے
پاس گئے اور بیعت کے تقاضوں کو پورا کیا۔

امام بیہقی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی جس روایت کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری روایت کرتے ہیں:

عن ابي سعيد الخدري رضي الله عنه قال

لما توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم قام

خطباء الا نصأ ورفجعل الرجل منهم يقول

يا معاشر المهاجرين ان رسول الله صلى الله

عليه وسلم كان اذا استعمل رجلا منكم

قرن معه رجلا منا فتري ان يلي هذا

الامر رجلا من احد ههنا مثكم والآخر ههنا

قال فتتابع خطباء الا نصأ ورفعل على ذلك

فقام يزيد بن ثابت فقال ان رسول الله

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے
ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو
گئی تو انصار کے خطباء کھڑے ہو گئے اور ان میں
سے ایک شخص نے کہا: اے جماعت! ہاجرین! رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تم میں سے کسی شخص کو حاکم
بناتے اور اس کے ساتھ ہمارے ایک آدمی کو بھی حاکم
بناتے، سو ہمارا خیال یہ ہے کہ اس خلافت کے لیے
بھی دو شخص مقرر کیے جائیں، ایک ہم میں سے ہو
اور ایک تم میں سے، پھر انصار کے سب خطیبوں نے

صلی اللہ علیہ وسلم کان من المهاجرین و
ان الامام یکون من المهاجرین وفتح
انصارہ کما کنا انصار رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فقام ابو بکر رضی اللہ عنہ
فقال جزاکم اللہ خیرا یا معشر الانصار
وثبت قائلکم ثم قال اما لو فعلتم غیر
ذلک لما صالحنکم ثم اخذہ بن
ثابت بید ابی بکر فقال هذا صاحبکم
فبايعوه ثم انطلقا فلما قعد ابو بکر علی
المنبر نظر فی وجوه القوم فلم یر علیا فقال
عنه فقام ناس من الانصار فاثوابه فقال
ابو بکر ابن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم وختنه اردت ان تشق عصا
المسلمین فقال لا تثریب یا خلیفۃ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبايعہ ثم
لم یر الزبیر بن العوام فقال عنه حتی
جاء و بہ فقال ابن عمر رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم وحواریہ اردت ان تشق
عصا المسلمین فقال مثل قولہ لا
تثریب یا خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فبايعاہ هذا حدیث صحیح
علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ علیہ

اسی طرح کہنا شروع کیا، اس وقت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ
عنه نے کھڑے ہو کر کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مهاجرین
میں سے تھے اور امام بھی مهاجرین میں سے ہونا چاہیے اور ہم
اس کی نصرت کریں گے جس طرح ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
انصار تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا، اے
جماعت انصار اللہ تعالیٰ تم کو جزاء خیر سے اور تمہارے ثواب کی
ثابت قدم رکھے، اگر تم اس کے علاوہ کوئی اور فیصلہ کرتے تو ہم
اس کو قبول نہ کرتے، پھر حضرت زید بن ثابت نے حضرت
ابوبکر کا ہاتھ پکڑ کر کہا یہ تمہارے صاحب ہیں ان سے بیعت
کر لو، پھر سب نے بیعت کی، جب حضرت ابوبکر منبر پر بیٹھ
گئے تو آپ نے لوگوں کی طرف دیکھا، حضرت علی نظر نہیں آئے،
آپ نے ان کے متعلق دریافت کیا، انصار میں سے کچھ لوگ
حضرت علی کو بلا کر لائے، حضرت ابوبکر نے کہا اے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے علم زاد اور آپ کے داماد، کیا آپ مسلمانوں
کے اتحاد کو توڑنا چاہتے ہیں، حضرت علی نے کہا، اے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ علامت نہ کریں، سو آپ نے بیعت
کر لی، پھر آپ نے دیکھا کہ حضرت زبیر بن عوام بھی نہیں ہیں تو
ان کے متعلق دریافت کیا، پھر لوگ ان کو لائے، آپ نے فرمایا،
اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محمدی ناد اور آپ کے مددگار کیا آپ مسلمانوں کی جمعیت
کو توڑنا چاہتے ہیں؟ حضرت زبیر نے بھی کہا اے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ علامت نہ کریں پھر دونوں نے بیعت
کی، یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح
ہے اور انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔

حافظ ابن جریر متقلا نے لکھا ہے کہ امام ابن حبان اور دیگر محدثین نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری وغیرہ سے
روایت کیا ہے کہ حضرت علی نے ابتداء ہی میں حضرت ابوبکر سے بیعت کر لی تھی اور یہ روایت بخاری اور مسلم کی اس روایت سے
زیادہ صحیح اور اس پر راجح ہے اور بر تقدیر تسلیم بخاری اور مسلم کی روایت کا عمل یہ ہے کہ حضرت علی نے دوبارہ اگر بیعت کی،
کیونکہ حضرت فاطمہ کی تیمارداری میں مشغولیت کے باعث وہ حضرت ابوبکر کی مجلس سے غیر حاضر رہے تھے اس لیے لوگوں کے

اطمینان کی خاطر دوبارہ آکر بیعت کی تجدید کی۔ لہ
حضرت ابو سعید کی روایت کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

امام ابن سعد روایت کرتے ہیں:

عن الحسن قال، قال علی لما قبض النبی
صلی اللہ علیہ وسلم نظرنا فی امرنا فوجدنا النبی
صلی اللہ علیہ وسلم قد قدم ابا بکر فی الصلوۃ
فرضینا لدنیا فاما من رضى رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم لدیننا فقد منا ابا بکر۔

حسین کہتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا جب نبی صلی اللہ
علیہ وسلم دھمال کر گئے تو ہم نے خلافت کے متعلق غور کیا پس ہم
نے یہ دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر کو نماز میں مقدم کیا
تھا، پھر ہم اپنی دنیا کے معاملہ میں اس شخص سے راضی ہو گئے
جس شخص پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین کے معاملہ
میں راضی تھے۔

امام ابو عبد اللہ مالک نعیشا پوری اور امام ابن سعد کی ان روایات سے واضح ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر کی اسی
وقت بیعت کر لی تھی جب بیعت عام منعقد ہوئی تھی اور امام بخاری اور امام مسلم نے معمر کے حوالے سے جو بیعت میں چھ ماہ تاخیر کی
روایت بیان کی ہے وہ زہری کا قول ہے اور غیر متصل ہے اس لیے جیت نہیں ہے۔ اور ہر فرض محال اگر یہ روایت صحیح ہو بھی
تب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں حضرت علی کی تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ بیعت کی صحت کے لیے ہر ہر فرد کا
بیعت کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ ارباب حل و عقد میں سے جو علماء اور رؤسا میسر ہوں ان کا بیعت کرنا صحت بیعت کے لیے کافی
ہے، البتہ باقی لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ امام کی اطاعت کریں اور اس کی مخالفت نہ کریں اور جماعت مسلمین سے باہر نہ ہوں
سو حضرت علی نے ایسا ہی کیا ہر چند کہ انہوں نے بیعت عام کے وقت بیعت نہیں کی لیکن انہوں نے اتحاد مسلمین کی لائحہ کو نہیں
توڑا اور نہ حضرت ابو بکر کی مخالفت کی اور جب ان کو حضرت فاطمہ کی تیمارداری سے فرصت ملی تو انہوں نے اطمینان سے اگر شرح صدر
سے حضرت ابو بکر کی بیعت کر لی۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت علی نے تاخیر بیعت کا خود یہ غدر بیان کیا ہے کہ ہمیں حضرت ابو بکر کی افضلیت اور
خلافت میں ان کے استحقاق سے کوئی اختلاف نہیں ہمیں صرف یہ شکایت ہے کہ مشورہ میں ہم کو شریک نہیں کیا گیا،
حضرت ابو بکر، عمر اور دوسرے صحابہ کی طرف سے اس غدر کا یہ جواب ہے کہ خلافت کا معاملہ بے حد اہم تھا اور اس مسئلہ
کو جلد از جلد طے کرنا مقصود تھا، اسی وجہ سے اس قضیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین پر مقدم کیا گیا، اور حضرت علی
رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے اور تجہیز و تکفین میں مشغول تھے اس بنا پر ان کو مشورہ کے لیے نہیں بلایا جا
سکا، بہر حال یہ ترجیحات حضرت علی کی بیعت میں تاخیر کی بنا پر ہیں نہ صحیح یہی ہے کہ حضرت علی نے ابتداء میں بیعت عام
کے وقت بیعت کر لی تھی، اہل تفسیر کی روایات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ انشاء اللہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔

۱۔ حافظ شباب الدین احمد بن علی بن جریر مستوفی متوفی ۸۵۲ھ فتح الباری ج ۷، ص ۴۹۵، مطبوعہ دار نشر المکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

۲۔ امام محمد بن سعد متوفی ۲۴۰ھ، الطبقات الکبریٰ ج ۳، ص ۱۸۳، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ

حضرت ابوبکر کی خلافت پر حضرت علی کا تبصرہ | حضرت علی کے نزدیک حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کی خلافت صحیح تھی، اس کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے ان کی خلافت کے خلاف کوئی مناقشہ نہیں کیا، کوئی محاذ آرائی نہیں کی بلکہ خلفاء ثلاثہ کے ساتھ وہ مسلسل تعاون اور ان کی حمایت کرتے رہے چوبیس سال تک لگاتار خلفاء ثلاثہ کی اقتدار میں نمازیں پڑھیں، خلفاء ثلاثہ کی سونہی ہوئی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے پورا کیا اور ہمیشہ ایک رفیق اور علیف کی حیثیت سے ان کے ساتھ تعاون کرتے رہے۔

حافظ البیہقی بیان کرتے ہیں:

عن علی انہ قال یوم الجمع ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یعهد الینا عهداً ناخذ بہ فی امارۃ ولکنہ شیء رایناہ من قبل انفسنا ثم استخلف ابوبکر رحمۃ اللہ علی ابی بکر فاقام واستقام ثم استخلف عمر رحمۃ اللہ علی عمر فاقام واستقام حتی ضرب الدین بجرانہ رلہ

جنگ جمل کے دن حضرت علی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے متعلق ہمیں کوئی وصیت نہیں کی تھی جس پر ہم عمل کرتے، ہم نے خود اپنے اجتہاد سے خلیفہ مقرر کیا، پھر ابوبکر کو خلیفہ بنایا گیا، ابوبکر پر اللہ کی رحمت ہو انھوں نے خلافت کو درستگی کے ساتھ قائم کیا اور خود بھی راہِ راست پر رہے پھر عمر کو خلیفہ بنایا گیا، عمر پر اللہ کی رحمت ہو انھوں نے بھی کارِ خلافت کو صحیح رکھا اور خود بھی راہِ استقامت پر گامزن رہے حتیٰ کہ دین کے تمام معاملات درست ہو گئے۔

اہل تشیع کی تصانیف میں حضرت علی کے بیعت کرنے کا نقشہ | یہاں تک ہم نے علامہ اہل سنت کی احادیث اور دلائل تصانیف سے حضرت ابوبکر کے اہم پر حضرت علی کے بیعت کرنے کا واقعہ بیان کیا ہے اب ہم تقابلی جائزہ کے لیے علامہ اہل تشیع کی تصانیف سے حضرت علی کے بیعت کرنے کا واقعہ بیان کرتے ہیں:

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

جب حضرت عمر نے دیکھا کہ جمیع مہاجرین و انصار نے نیز حیدر کرار اور چار نفر خواص اصحاب رسول دین کو دنیا سے فروخت کر ڈالا اور حضرت ابوبکر سے بیعت کی، اس وقت ابوبکر سے کہا علی کو بیعت کے لیے کیوں نہیں بلاتے و اللہ حبیب تک وہ بیعت نہ کریں گے تب تک تم پر خلافت قائم نہ رہے گی کہ وہ خلیفہ برحق رسول خدا ہیں اور عالم تر اور شجاع تر اور فاضل تر اس امت کے ہیں، لوگ ان کی طرف بہت رجوع کرتے ہیں، ابوبکر نے جناب امیر کو بیعت کے لیے بلایا، جناب امیر نے فرمایا میں نے تم کھائی ہے جب تک قرآن جمع نہ کروں گھر سے باہر نہ آؤں اور چادر کندھے پر نہ ڈالوں بعد چند روز کے قرآن ناطق یعنی جناب امیر نے قرآن کو جمع فرمایا اور حزدان میں رکھ کر سر بھر کر دیا پھر مسجد میں تشریف لا کر مجھے مہاجرین و انصار میں ندا فرمائی کہ اسے گروہ مردمان جب میں دفن پیذیر آفر زمان سے فارغ ہوا حکم آنحضرت قرآن جمع کرنے میں مشغول

ہوا اور جمع آیات دوسرے اُسے قرآن کو میں نے جمع کیا اور کوئی اکیہ آسمان سے نازل نہ ہوا جو حضرت نے مجھے نہ سنایا ہو، اور اس کی تعلیم مجھے نہ کی ہو، چونکہ اس قرآن میں چند آیات کفر و نفاق منافقین و آیات نص خلافت جناب امیر سرکچ تھے اس وجہ سے خلافت نے اس قرآن سے انکار کر دیا۔ جناب امیر خشتناک اپنے حجر و طاہرہ کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا اب اس قرآن کو تم لوگ تا ظہور قائم آل محمد نہ دیکھو گے۔ ۱۰

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوا کہ علامہ شیعہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پانچ اصحاب کے سوا باقی تمام صحابہ نے بیعت کی، اہل تشیع نے جس دولت و رسوائی کے ساتھ حضرت علی کو مسجد میں بلوانے اور جبراً بیعت لینے کا واقعہ بیان کیا ہے وہ کسی تبصرہ کا محتاج نہیں ہے، اس کے ساتھ ہی حضرت خاتون جنت سیدنا فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا شدید ترین کی ہے اور حضرت علی کی انتہائی بزدلی بیان کی ہے۔ حضرت خاتون جنت پر دروازہ گرا کر ان کا حمل ساقط کر دیا اور وہ کچھ نہ کر سکے، ایسا بھی کیا تھیہ اجتر علی کو اپنی جان اتنی پیاری تھی کہ اپنی اور رسول اللہ کی عزت کو پامال ہوتے ہوئے دیکھتے رہے اور اسد العشی قوت سے کوئی مزاحمت نہیں کی۔

۱۱۔ باقر مجلسی لکھتے ہیں: ایک گروہ منافقین نے صلح کی جناب امیر کو قتل کریں اور باجم کہیں ہماری عملداری محکم نہ ہوگی جب

تقیب کا جواب ایک علی کو قتل نہ کریں۔ جیسا کہ ان سے کہا جب چہ ملا یہ کوئی جرات نہیں کر سکتا تو ثانی نے ایک آدمی کو بھیج کر خالد بن ولید کو بلا دیا کہ تم کو میں نے ایک امر عظیم کے لیے بلایا ہے، بولا جو کچھ کہو مجھ کو منظور ہے اگرچہ قتل علی ہی کیوں نہ ہو، کہا اسی لیے تم کو بلایا ہے، خالد نے پوچھا کس وقت علی کو قتل کروں۔ نے کہا وقت غازی میں علی کے پہلو میں کھڑا ہو جب میں سلام کہوں تو علی کو قتل کر۔ اسامہ بنت عمیس کہ پہلے زن جعفر طیار تھیں اس وقت زوجہ ابوبکر تھیں جب اس نے لوگوں کے اس مشورہ کو سنا اپنی کینز سے کہا علی اور فاطمہ کے گھر جا اور ان کے گھر میں پھرتی اور یہ آیت پڑھتی جا: ان الملا یا تمرون بک ولیقتلوك فانخرج افي لك من الناصحين جب وہ کینز آئی اور یہ آیت پڑھی۔

جناب امیر نے فرمایا اپنی بی بی سے کہہ دے خدا تجھ پر رحمت نازل کرے وہ لوگ یہ قدرت نہیں رکھتے۔ اس لیے کہ اگر وہ مجھے قتل کریں گے تو نائین دقا سطین و مارقین سے کون لڑے گا پس جناب امیر نے وضو کیا اور مسجد میں تشریف لائے اور مشغول نماز ہوئے۔ خالد بن ولید بھی پہلو میں آکھڑا ہوا اس وقت ابوبکر ناز پڑھاتے تھے۔ اور دوسرے کہ جناب امیر نے اگر تلوار کھینچ لی تو پہلے میں ہی نہ مارا جاؤں اس خیال سے تشدد کو بہت طول دیا یہاں تک کہ نزدیک ہوا آفتاب طلوع ہو جائے۔ خوف دوسرا یہ بھی تھا اگر سلام کہی اور خالد بن ولید اپنی حرکت ناپاک کرے فتنہ و فساد برپا نہ ہو جائے، پس قبل سلام ابوبکر نے کہا اے خالد! جس بات کا میں نے تم کو حکم دیا ہے وہ نہ کرنا، اور اگر کرے گا تو میں تجھے مار ڈالوں گا۔ یہ کہہ کر سلام ناز کیا اس وقت جناب امیر نے خالد سے کہا تجھے ابوبکر نے کیا حکم دیا تھا اس نے کہا تمہارے قتل کا۔ فرمایا کیا تو مجھے قتل کرتا۔ خالد نے کہا ہاں واللہ! اگر ابوبکر منع نہ کرتے تو میں تم کو قتل کر دیتا۔ یہ سن کر جناب امیر نے خالد کو بلند کر کے زمین پر دے مارا اور اس کے سینہ پر چٹھو میٹھے اور تلوار اٹھائی کہ سر کاٹ لیں عمر نے چلا کر کہا بھتی پر در دگاہ کہ علی ابن ابیطالب خالد کو مارے ڈالتے ہیں۔ سب مل کر چھڑاؤ۔ یہ سن کر تمام حاضرین مسجد میں جمع ہو گئے مگر جناب امیر کے ہاتھ سے نہ چھڑا سکتے تھے۔ ۱۲

۱۲۔ علامہ باقر مجلسی مترقی ۱۱۰ھ، غلام الیوم مترجم ج ۱ ص ۲۲۴-۲۲۶، مطبوعہ مشیہ جزل بک ایجنسی لاہور

۱۳۔ غلام الیوم مترجم ج ۱ ص ۲۳۸، ۲۳۷

علاوہ بر مجلسی کے بیان کردہ اس واقعہ سے یہ ظاہر ہو گیا کہ حضرت علی حضرت ابوبکر کی اقتدار میں ناز پڑھتے تھے اور یہ عذر بیان کرنا صحیح نہیں ہے کہ حضرت علی نے تقیہ یہ نازیں پڑھی ہیں کیونکہ اسی عبارت میں یہ لکھا ہے کہ حضرت علی اتنے زور آور تھے کہ انھوں نے حضرت خالد بن ولید کو پکڑ لیا تو تمام حاضرین مسجد مل کر بھی ان کو نہیں چھڑا سکتے تھے۔ اور جب حضرت علی کو اپنی جان کا خوف اور خطرہ نہیں تھا کیونکہ عمار بار بار فرماتے تھے کہ یہ لوگ مجھے قتل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تو تقیہ کی کوئی وجہ نہ تھی اور جب ان کے نزدیک حضرت ابوبکر کا رشتہ تھا۔ (ایما ذ بانہما تو پھر کافر کے پیچھے نازیں پڑھ کر نازوں کو برباد کرنے کی کیا ضرورت تھی!

نیز اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ موجودہ قرآن نام تمام اور محرف ہے اصل قرآن اب تک فائب ہے، حتیٰ کہ حضرت علی نے اس قرآن کو اپنے دور خلافت میں بھی نہیں ظاہر کیا اور تمام امت مسلمہ کو اب تک اس سے محروم رکھا ہے جب تاں آل محمد (یعنی امام احمدی) کا ظہور ہوگا تب اس قرآن کا ظہور ہوگا۔!

علاوہ بر مجلسی حضرت علی کو مسجد میں بولنے کا نقشہ کیسے ہوتے دیکھتے ہیں:

ثانی (حضرت عمر) نے کسی کو مسجد میں بھیج کر اپنے ساتھیوں سے اور کل منافقین سے نصرت و مددگاری چاہی یہ سن کر منافقین فوج فوج... کی نصرت و مددگاری کو آئے۔ یہاں تک کہ انہوہ واژدحام ہو گیا۔ خالد بن ولید نے شمشیر کھینچ کر جناب امیر پر حملہ کیا۔ جناب امیر نے اس پر حملہ کر کے چابا تل کر دیں مگر لوگوں نے بقی رسول خدا جناب امیر کو قسم دی۔ جناب امیر نے خالد کو چھوڑ دیا۔ سلمان، ابوذر، مقداد، عمار، بریدہ اسلمی (رضوان اللہ علیہم) جناب امیر کی نصرت و مددگاری کو آئے کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ فتنہ عظیم برپا ہو۔ جناب امیر نے ان کو منع کیا اور فرمایا مجھے ان اشتیاق کے ساتھ چھوڑ دو اس لیے کہ خدا نے مجھے حکم نہیں دیا کہ اس وقت ان سے جہاد کروں۔ وہ اشتیاق نے امت کو گمراہی میں مبتلا کر دیا کہ رسول خدا نے اس مسجد میں لے گئے۔ در روایت دیگر۔ جب دروازہ در دولت پر پہنچے اور جناب فاطمہ اندر آنے سے مانع ہوئیں اس وقت تفتاز نے بروایت دیگر ثانی نے تازیاد بازو نے جناب فاطمہ پر مارا کہ بازو جناب سیدہ کا مضروب ہو کر سوج گیا مگر پھر بھی جناب فاطمہ نے جناب امیر سے ہاتھ نہ اٹایا اور ان لوگوں کو گھر میں آنے سے منع کیا۔ یہاں تک کہ دروازہ شکم جناب فاطمہ پر گرا دیا جس نے پسلیوں کو شکستہ کر دیا۔ اور اس فرزند کو جو شکم میں تھا حضرت رسول نے جس کا نام حسن رکھا تھا شہید کر دیا اور سیدہ نے بھی اسی صدمہ ضربت سے انتقال کیا۔ در روایت دیگر منیر بن شعبہ نے بحکم حضرت دوم (حضرت عمر) دروازہ شکم محترم جناب فاطمہ پر گرا دیا۔ اور ان کے فرزند حسن کو ان کے شکم میں شہید کیا پھر جناب امیر کو مسجد میں لے گئے جفاکار و اشتیاق نے اہل بیت پیچھے پیچھے تھے اور کوئی نصرت و مدد حضرت کی نہ کرتا تھا۔ سلمان، ابوذر، مقداد، عمار، بریدہ اسلمی روتے پیتے اور کہتے تھے کیا جلد حضرت رسول خدا سے تم لوگوں نے خیانت کی۔ کینہ ہائے سب کو ظاہر کیا۔ اور انتقام حضرت کا ان کے اہل بیت سے لیا۔ اس وقت بریدہ اسلمی نے کہا اے... سب قریش تیری اصلیت و نسب کو جانتے ہیں اور تجھے پہچانتے ہیں کہ کئی مرتبہ کے... سے تو پیدا ہوا ہے ایسا شخص غاۃ البلیت ہیں اُسے اور پیغمبر کی بیٹی کو مجروح کرے برادر اور محمدی رسول کو اس رسوائی سے مسجد میں لے جائے جب ابوبکر کی نظر جناب امیر پر پڑی لوگوں سے کہا چھوڑ دو۔ جناب امیر نے فرمایا اے ابوبکر کس حق اور کس میراث اور کس فضیلت پر تو نے خلافت میں تصرف کیا۔ کل حکم پیغمبر محمد سے تو نے تم فدیہ میں بیعت کی اور حکم پیغمبر محمد پر بامارت ممانعت

تو نے سلام کیا۔ یہی کہ... شمشیر غلات سے کھینچ کر بلائے سرہ جناب امیر کھڑا ہو گیا اور کہا ان باتوں کو جانے دو اور بیعت کرو۔ جناب امیر نے فرمایا اگر بیعت نہ کروں کیا کرے گا؟ ثانی نے کہا اگر بیعت نہ کرو گے تو قتل کروں گا۔ جناب امیر نے فرمایا رسول کے بھائی کو قتل کرے گا، بخدا سو گند اگر مجھے خیال حکم خدا اور اطاعت رسول نہ ہوتا تو ابھی اچھی طرح معلوم ہو جاتا کہ کون زیادہ ضعیف ہے۔ پس بریدہ اسکی اسٹھے اور کہا اسے ابو بکر و عمر آیات نہیں تھے کہ جناب رسول خدا نے تمہیں اور میں فرمایا کہ جا کر جناب امیر بدر بامرت و بادشاہی سلام کریں۔ تم لوگوں نے پوچھا یہ حکم آپ از جانب حق تعالیٰ دیتے ہیں، حضرت رسول نے فرمایا اہل حکم خدا دیتا ہوں اس وقت ہم لوگ گئے اور سلام کیا اور کہا السلام علیکم یا امیر المؤمنین! عمر نے کہا اسے بریدہ تمہیں ان باتوں سے کیا۔ بریدہ نے کہا بخدا سو گند میں اس شہر میں نہ رہوں گا جہاں تم لوگ امیر ہو اور خلیفہ رسول محمدی ہو۔ اس کلام کے بعد با اجازت حضرت عمرؓ بریدہ اسکی کو مار کر مسجد سے نکال دیا۔ بعد ازاں سلمان فارسی اسٹھے اور کہا اسے ابو بکر اخلا سے خوف کرو اور جس جگہ بیٹھنے کا سزاوار نہیں وہاں سے اٹھ جا۔ اور حق خلافت اہل بیت کو دے دے اور جمیع امت کو جہالت و ضلالت میں تار و ز قیامت نہ ڈال۔ یہ سن کر عمرؓ نے آواز دی سلمان تم کو ان باتوں سے کیا کام۔ سلمان نے کہا بخدا! سو گند اگر میں جانتا اپنی تلوار سے اہل دین کی خدمت کرتا۔ بسے شک تلوار کھینچ کر مروانہ راہِ خلد میں جہاد کرتا کہ تم دینی رسول سے ایسا سلوک نہ کر سکتے۔ پس اور لوگوں کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا تم نے کیا کیا نہ کیا اور کیا نہ جانا۔ کیا دین میں اُسے اور کیا دین میں سے خارج ہو گئے۔ اب میں تم کو بلا میں مبتلا ہونے اور نعمت فراخی سے ناامیدی کی بشارت دیتا ہوں۔ واضح ہو کہ ایک گروہ شنگار تم پر مسلط ہو گا اور بجور و استم تم سے سلوک کرے گا۔ کتاب خدا اور اُس کے احکام کو بدل ڈالے گا، اس کے بعد ابو ذر، مقداد و عمار اسٹھے اور ہر ایک نے محبت اُسے بالذکر اور دلیل اُسے کا ملہ ان اشقیاء پر تمام کہیں اور جناب امیر کی طرف مخاطب ہو کر کہا، آپ کیا فرماتے ہیں اگر حکم دین تو ہم شمشیر سے ان لوگوں کے ساتھ جہاد کریں یہاں تک کہ مائے جانیں جناب امیر نے فرمایا خلد تم پر رحمت کرے۔ ان اشقیاء سے دست بردار رہو اور وصیت رسول خدا یاد کرو۔ ابو بکر منبر پر چپ چاپ بیٹھے تھے.... نے کہا بیٹھا ہے علیؓ زیر منبر مقامِ مبارک میں ہے اور بیعت نہیں کرتے۔ مجھے اجازت دے کہ ان کو قتل کر دوں۔ اس وقت حسنینؓ سر ہانے اپنے پردہ زکوار کے کھڑے تھے۔ اس کلام سے رونے اور پٹانے لگے۔ اور قبر رسولؐ کی طرف منہ کر کے فریاد کرنے لگے۔ یا جدد ۵۱ یا رسول اللہ - ہم کو آپ اس حالت میں دیکھیں کہ ہم بے یار و مددگار ہیں پس جناب امیر نے حسنین کو اپنے سینے سے لگا کر فرمایا اے جانِ پدر! نہ رو۔ بخدا سو گند یہ اشقیاء تمہارے باپ کے قتل پر قاعدہ نہیں اور اس سے زیادہ ذلیل و بے مقدر ہیں جو یہ ارادہ کر سکیں۔ پس ام سلمہؓ زوجہ رسولؐ خدا اور ام ایمنؓ سر بیہ استغرت اپنے اپنے مکان سے روتی ہوئی دوڑیں اور بویں اے لوگو! تم نے بہت جلد اپنے کینہ لائے ویرینہ کو بعد رسولؐ ظاہر کیا۔ ثانی نے کہا ان عورتوں کو مسجد سے نکال دو اور ان کے کلام سے کیا کام۔ پس جناب امیر اسٹھے اور مہاجرین و انصاریوں سے اپنے فضائل و مناقب ایک ایک بیان کیے اور ان سے انصوص رسولؐ خدا پر اپنی خلافت کے مقدمہ میں گواہی چاہی اور روزِ غدیر و دیگر مقامات متددہ انھیں یاد دلانے اور محبت الہی ان پر تمام کی۔ ان لوگوں نے کہا یا حضرت اگر آپ اس سے پہلے فرماتے تو ہم ابو بکر کی بیعت نہ کرتے اس گفتگو سے عمرؓ غوت ہوا کہ لوگ ایسا نہ ہو ابو بکرؓ کی خلافت سے مخرف ہو جائیں لہذا پھر جناب امیر سے کہا یا علیؓ بیعت کرو حد نہ میں تم کو... کہ دوں گا۔ جناب امیر نے فرمایا تو جھوٹ کہتا ہے۔ بخدا سو گند میرے اوپر تمہیں قدرت نہیں۔

یہ سن کر خالد بن ولید دوڑا اور عمار غلاف سے کھینچ کر بولا۔ بھنڈا سو گندہ میت کرو ورنہ قتل کر دوں گا۔ جناب امیر نے گریہ بیان پکڑ کر دوڑ پھینک دیا اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی بھنڈا اس کے ہر چند کوشش کی مگر جناب امیر نے میت نہ کی۔ لوگوں نے جن میں عمر بھی تھے جناب امیر کا ہاتھ پکڑ لیا زبردستی۔ اور ابو بکر نے اپنا ہاتھ دراز کر کے حضرت کے ہاتھ تک پہنچایا اہادیث معتبرہ میں منقول ہے جب جناب امیر کو مسجد میں لائے آپ نے مرحومہ جناب رسول کی طرف منہ کر کے کہا: یا ابن عبد ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی۔ اے برادر من! تیری قوم نے مجھے ضعیف کیا اور نزدیک ہوا مجھے مار ڈالیں پس حضرت رسول کی قبر سے ایک ہاتھ نکلا۔ سب نے کہا پہچان کر۔ یہ حضرت رسول کا ہاتھ ہے اور ایک آواز آئی کہ سب نے پہچانی رسول کی آواز ہے اور وہ آواز یہ تھی: یا ایہا یکر اکھرت بالذی خلقک من تراب ثم من خطفی ثم سواک۔ اے ابو بکر! کافر ہوا اس خدائے جس نے تجھے خاک سے پیدا کیا۔ ۱۷

علامہ باقر مجلسی نے متعدد بار لکھا ہے کہ حضرت علی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کا خیال مانع تھا ورنہ چار کے سوا تمام صحابہ کو بار ڈالتے۔ سوال یہ ہے کہ جب چار کے سوا تمام صحابہ مرتد ہو گئے تھے تو رسول اللہ کا تو یہی حکم ہے کہ مرتد کو قتل کر دو اور قرآن مجید میں بھی یہی حکم ہے کہ کفار اور منافقین کو قتل کر دو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ محض افتراء ہے کہ آپ نے کافروں، مرتدوں، ظالموں اور فاسقوں کو قتل کرنے سے منع کیا تھا، اور یہ بھی ایک جھوٹا حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وصیت کی تھی کہ جب تک تمہارے ساتھ ایک جماعت نہ ہو ان سے جنگ نہ کرنا، جب حضرت علی تنہا ان سب پر جاری تھے تو پھر جماعت کی کیا ضرورت تھی؟ اور یہ بھی غلط ہے کہ آپ کے ساتھ جماعت نہیں تھی تمام بڑا شتم اور اہل بیت آپ کے ساتھ تھے اور اہل تشیع کے زعم کے مطابق یہ صحابہ کافر تھے تو پھر ان کافروں سے جنگ کرنا واجب تھا خصوصاً اس وقت جب کہ حضرت علی کو یہ یقین تھا کہ یہ ان کو قتل کرنے پر قدرت نہیں رکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بلا جبر و اکراہ بطیب خاطر عزت و کرامت کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی اور ہمیشہ غلطی سے ثلاثہ کے ہم فراء، معاون اور حلیف رہے، ان کی اقتدار میں نمازیں پڑھتے رہے اور ان کے احکام پر عرشِ دل سے عمل کرتے رہے، حضرت علی کا حضرت ابو بکر کی اقتدار میں نمازیں پڑھنا جلاۃ العیون کی اس عبارت سے ثابت ہے اور ہم نے دلائل سے واضح کر دیا ہے کہ حضرت علی تقیۃ نمازیں نہیں پڑھتے تھے۔ یہاں تک ہم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برحق ہونے پر قرآن مجید، احادیث، عقل صریح اور کتب شیعہ سے دلائل پیش کیے ہیں۔ اب ہم حضرت ابو بکر کی خلافت پر اہل تشیع کے اہم اعتراضات کے جوابات ذکر کریں گے فنقول وبالله التوفیق۔

اہل تشیع کے اس اعتراض کا جواب کہ حضرت ابو بکر میں شجاعت کی کمی تھی | اہل تشیع کا ایک اعتراض یہ ہے کہ خلیفہ کو شجاع اور بہادر ہونا چاہیے اور حضرت ابو بکر شجاع اور بہادر نہیں تھے، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر

کو کسی جہم کی ذمہ داری نہیں ہوئی۔

المجواب

صحیح بخاری میں حضرت سلم بن اکوع سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں شریک ہوا اور نواسی مہات میں شریک ہوا جن میں سے بعض میں حضرت ابوبکر امیر تھے اور بعض میں حضرت اسامہ بن زید امیر تھے۔ اور فدہ بجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو حج کا امیر بنا کر بھیجا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی یہ اعتراف کرتے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ بہادر تھے، مسند بنار میں ہے حضرت علی نے لوگوں سے پوچھا بتاؤ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ لوگوں نے کہا آپ ہیں! حضرت علی نے فرمایا میں نے جس کو بھی مقابلہ کی دعوت دی میں اس سے برابر رہا، لیکن مجھے بتاؤ کہ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ لوگوں نے کہا ہمیں علم نہیں! حضرت علی نے کہا جنگ بدر کے دن ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک چھپر بنایا، ہم نے سوچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے اس چھپر میں کون رہے گا تاکہ کوئی مشرک آپ پر حملہ نہ کر سکے! بھلا! ابوبکر کے سوا ہم میں سے کوئی شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس چھپر میں نہیں گیا، حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے آپ کے پاس برہنہ تلوار لیے کھڑے تھے، پس ابوبکر ہی صحابہ میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔ حضرت علی نے فرمایا میں نے دیکھا کفار قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑا اور آپ کو ایذا پہنچانے لگے، اور کہنے لگے کہ تمہی وہ شخص ہو جو ہمارے تمام ممبروں کو باطل مبعود قرار دیتے ہو، حضرت علی کہتے ہیں کہ بھلا! حضرت ابوبکر کے سوا ہم میں سے کوئی شخص بھی حضور کے قریب نہیں پہنچا، حضرت ابوبکر ان کو مار تے اور ان کو روندتے اور کہتے تمہارا ناس جلتے تم اس شخص کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے! پھر حضرت علی نے اپنی چادر اٹھائی اور رونے لگے حتیٰ کہ ان کی ڈاڑھی بھیگی گئی۔ پھر حضرت علی نے سوال کیا کہ آل فرعون کا مومن بہتر ہے یا ابوبکر بہتر ہیں؟ جب لوگ خاموش رہے تو حضرت علی نے فرمایا بھلا! ابوبکر کے ساتھ ایک لحظہ گزارنا آل فرعون کے مومن کی مثل سے بہتر ہے، کیونکہ آل فرعون کا مومن ایمان چھپاتا تھا اور ابوبکر نے اپنے ایمان کو شہر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوی زندگی میں سب سے مشکل مرحلہ سفر ہجرت تھا اور اس سفر میں آپ نے جس کی شجاعت پر اعتماد کیا وہ حضرت ابوبکر تھے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ عروہ بن زبیر نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے سوال کیا کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ ایذا دیکر پہنچائی تھا؟ انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناز پڑھ رہے تھے اس حالت میں عقبہ بن ابی معیط نے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں چادر ڈال کر زور سے آپ کا گلا گھونٹنا شروع کر دیا، اس وقت حضرت ابوبکر نے اگر اس کو دھکا دیا اور کہا تم اس شخص کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور اللہ تمہاری طرف سے تمہارے پاس دلائل لے کر آیا ہے!

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شجاعت میں سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب کچھ مرتد ہو گئے اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اللہ دوسری طرف مدعیان نبوت کھڑے ہو گئے تو حضرت ابوبکر نے ان تمام فتنوں کا پامردی سے مقابلہ کیا اور ان تمام داخلی فتنوں کے باوجود حضرت ابوبکر نے حضرت اسامہ کی قیادت

میں شام کی طرف لشکر روانہ کیا، حالانکہ بعض صحابہ کی طرف سے منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کی مخالفت کی گئی اور شام میں لشکر بھینسنے کی بھی سب نے مخالفت کی کہ اس وقت حالات سازگار نہیں ہیں لیکن حضرت ابو بکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تجویز کردہ لشکر کے پیچھے کو مقدم رکھا اور مصلحت وقت کا خیال نہیں کیا اور یہی حضرت ابو بکر کی بہت بڑی دلیری اور شجاعت ہے۔ حضرت ابو بکر کی شجاعت پر یہ بھی بڑی واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے پرخطر سفر میں اپنی رفاقت اور حفاظت کے لیے تمام صحابہ میں سے صرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ عہد رسالت کی فطرت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا حصہ ہے لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب شجر اسلام قری اور شر آور ہو چکا تھا حضرت ابو بکر نے اس وقت اسلام کی خدمت کی ہے جب اسلام ایک چھوٹا سا پودا تھا مخالفین کی کثرت تھی مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی حضرت علی اس وقت کم سن تھے اس وقت کفار اور مخالفین کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جس قدر حملے کیے جاتے تھے ان کے سامنے صرف حضرت ابو بکر سینہ سپر ہوتے تھے۔ شیعہ حضرات کی مستند کتاب رجال کشی میں لکھا ہے حضرت علی نے فرمایا میں شخص نے مجھ کو ابو بکر اور عمر پر فضیلت دی میں اس کو کذاب اور مفتری کی سزا دوں گا۔

اہل تشیع کے اس اعتراض کا جواب کہ اعلان برائت کے وقت حضور نے حضرت ابو بکر کو امارت سے معزول کر دیا تھا

اہل تشیع یہ کہتے ہیں کہ نور ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو حج کا امیر بنا کر بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کو حج کرائیں پھر ان کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی اونٹنی اعضاء پر سوار کر کے بھیجا تاکہ وہ مشرکین مکہ کو سورۃ برآۃ (توبہ) کی ابتدائی آیات پڑھ کر سنا دیں۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ حضور نے حضرت ابو بکر کو معزول کر کے حضرت علی کو امیر بنا دیا تھا۔

الجواب حضرت علی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ تھڑنے کے اعلان کے لیے بھیجا تھا تاکہ مشرکین پر حجت ہو کیونکہ ان کے نزدیک صاحب مسائل کے قریبی رشتہ دار کا اعلان ہی حجت اور مؤثر ہو سکتا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذمہ صرف یہ اعلان تھا ورنہ حج کے تمام احکام میں حضرت ابو بکر امیر تھے اور حضرت علی نے بھی حضرت ابو بکر کی امارت اور ان کی تابعداری میں فریضہ حج انجام دیا تھا۔ اس اعتراض کا تفصیلی جواب ہم نے شرح صحیح مسلم جلد ثالث کتاب الحج میں لکھا ہے تفصیل دہاں ملاحظہ فرمائیں۔

”من كنت مولاه فعلي مولاه“ سے استدلال کا جواب

اہل تشیع کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجة الوداع سے واپسی کے موقع پر غدیر خم کے مقام پر تمام صحابہ کرام کے مجمع میں فرمایا: کیا میں تمہارے نفسوں سے زیادہ تمہارا ولی نہیں ہوں؟ سب صحابہ نے اس کا اعتراف کیا اور تصدیق کی، پھر آپ نے حضرت علی کے ہاتھ اوپر اٹھا کر فرمایا:

من كنت مولاه فعلي مولاه اللهم وال
جس کا میں مولا ہوں اس کے علی مولا ہیں اللہ

من والاه وعاد من عاداه۔

اس سے دوستی رکھ جو علی سے دوستی رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علی سے دشمنی رکھے۔

اہل تشیع یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں مولیٰ بمعنی اولیٰ ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص پر اولیٰ بالتقرن ہیں اس پر حضرت علی اولیٰ بالتقرن ہیں اور جو شخص اولیٰ بالتقرن ہو وہ امام معصوم ہوتا ہے اور اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے لہذا حضرت علی امام معصوم ہیں اور ان کی اطاعت فرض ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو امام قرار دے دیا تو ان کی موجودگی میں حضرت ابوبکر کی امامت صحیح نہیں ہوئی۔

الجواب | یہ حدیث صحیح ہے اس کو امام ترمذی، امام ابن ماجہ اور امام احمد نے بکثرت اسانید سے روایت کیا ہے، لیکن اہل تشیع کا اس حدیث سے حضرت علی کی امامت اور خلافت پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، اور ان کے اس استدلال کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) لفظ مولیٰ سے ماخوذ ہے اور اہل تشیع کا استدلال اس پر موقوف ہے کہ اس حدیث میں ولی بمعنی اولیٰ ہے، اس لیے ہم پہلے دیکھتے ہیں کہ اس لفظ کے لغت میں کیا معنی ہیں۔ علامہ ربیع نے قاموس کے حوالے سے ولی کے حسب ذیل معنی ذکر کیے ہیں: (۱) محب (۲) مدد (۳) نصیر (۴) سلطان (۵) مالک (۶) عبد (۷) آزاد کرنے والا (۸) آزاد کیا ہوا (۹) قریب (۱۰) جہان (۱۱) شریک (۱۲) عصبہ (۱۳) رب (۱۴) منعم (۱۵) تابع (۱۶) سرکاری رشتہ دار (۱۷) بھانجہ۔

ولی کے یہ تمام حقیقی معانی ہیں اور ولی کا معنی اولیٰ بالتقرن نہیں ہے، اس لیے یہاں مولیٰ کے لفظ کو اولیٰ بالتقرن پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے نیز یہ کہا جاتا ہے کہ غلام شخص غلام کا مولیٰ ہے، یہ نہیں کہا جاتا کہ غلام شخص غلام سے مولیٰ ہے، یعنی اولیٰ ہے۔

(۲) بضرع محال اگر یہ مان لیا جائے کہ یہاں مولیٰ بمعنی اولیٰ ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اولیٰ بالامامت کے معنی میں ہو بلکہ یہ اولیٰ بالاتباع اور اولیٰ بالتقرن کے معنی میں ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ان اولی الناس بأبراہیم للذین اتبعوه (آل عمران: ۶۸) "ابراہیم سے اولیٰ بالتقرن وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی ہے" اگر یہ لفظ اولیٰ بالامامت کے معنی میں ہی مان لیا جائے تو اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ جب حضور نے یہ فرمایا تھا اس وقت حضرت علی اولیٰ بالامامت تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی مال کے اعتبار سے اولیٰ بالامامت ہیں یعنی جس وقت حضرت علی کی خلافت کا موقع ہو گا اس وقت وہی اولیٰ بالامامت ہوں گے اور خلفاء ثلاثہ کا ان سے پہلے خلیفہ اور امیر ہونا اس حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

(۳) اگر یہ حدیث حضرت علی کی خلافت پر نص ہوتی تو حضرت علی اس سے حضرت ابوبکر کی خلافت کے خلاف اپنی خلافت پر استدلال کرتے لیکن حضرت علی اور حضرت عباس میں سے کسی نے بھی اس حدیث سے استدلال نہیں کیا۔

۱۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

۲۔ سید محمد رفیع حسینی ربیع ربیع متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۱ ص ۳۹۹-۳۹۸، مطبوعہ المطبعة الخیر بیروت ۱۳۰۶ھ

(۱۵) مسند بنار میں ہے حضرت علی نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو غلیفہ نہیں بنایا تو میں کسی کو کیسے اپنا غلیفہ بنا سکتا ہوں۔ اگر یہ حدیث حضرت علی کی خلافت پر نص مرقی تو حضرت علی اس طرح نہ فرماتے۔

(۱۶) اس حدیث میں مرقی دوست محب اور ناصر کے معنی میں ہے جیسا کہ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں: اے اللہ! اس سے دوستی رکھ جو علی سے دوستی رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علی سے دشمنی رکھے۔ یہ دعا اس پر قرینہ ہے کہ من کنت مولاه فعلی مولاه کا معنی ہے میں جس کا دوست یا محب یا ناصر ہوں علی اس کے دوست یا محب یا ناصر ہیں۔

اہل تشیع کے اس اعتراض کے اور بھی متعدد جوابات ہیں لیکن ہم نے اختصار کے پیش نظر صرف انہی جوابات پر اکتفا کر رہے ہیں۔

اس باب کی احادیث کی ہم نے بہت مبسوط شرح کی ہے اور خراج اور فنی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نقطہ نظر بہت تفصیل سے بیان کیا ہے اور قرآن مجید کی آیات اور احادیث سے اس پر دلائل فراہم کیے ہیں، اس کے بعد مسئلہ فہک اور مسئلہ خلافت پر نہایت بسط سے بحث کی ہے ہر چند کہ ان مسائل پر علماء اہل سنت نے کافی کچھ لکھ دیا ہے لیکن اس کی ترتیب اور تدوین ایسی نہیں ہے جس سے آج کا سہل پسند قاری استفادہ کر سکے، ہم نے اس دور کی تحریر کے اسلوب اور تصنیف و تالیف کے جدید تقاضوں کے پیش نظر لکھا ہے اور اہل سنت کے موقف کی وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو دلائل ہمیں انقاد کیے ان کو بھی بیان کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم نے بہت محنت کی ہے، مختلف لائبریریوں میں جا کر چھان پشک کر کے کتب شیعہ سے مواد فراہم کیا اور بہت محنت، عرق ریزی اور جالسوزی سے حوالہ جات تلاش کیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو نفع آور بنائے۔

اہل سنت کے لیے اس تحریر کو استقامت اور طمانیت کا سبب بنائے اور شیعہ حضرات کے لیے اس کو موجب رش و عداوت بنائے، اللہ تعالیٰ مصنف، ناشر، صحیح، کاتب، جلد مادیں اور قارئین کو تنظیم صحابہ اور محبت اہل بیت پر قائم رکھے، اسلام پر زندہ اور ایمان پر خاتمہ فرمائے، ہمارے تمام گناہوں کو معاف فرمائے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے، دنیا اور آخرت میں ہر قسم کے عذاب سے محفوظ اور مامون رکھے اور اپنے فضل و کرم اور سرکار کے توسل سے جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ حبیبک سید المرسلین۔
وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی محمد وآلہ النبیین سید المرسلین اول الشافعیین والشفعیین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلی ملتہ اجمعین الی یوم الدین۔

باب ۵۹۱ کَیْفِیَّةُ قِسْمَةِ الْغَنِمَةِ بَیْنِ الْحَاضِرِیْنِ

مجاہدین میں مال غنیمت تقسیم کرنے کا طریقہ
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کو مال غنیمت
سے دو حصے دیے اور آدمی کو ایک حصہ دیا۔

۴۴۱۔ حَدَّثَنَا یَحْیٰی بْنُ یَحْیٰی وَابُو دَاوُدَ
فَضْلُ بْنُ حُسَيْنٍ بِحَدَّثِهِمَا عَنْ سَلِيمٍ قَالَ
یَحْیٰی أَخْبَرَنَا سَلِيمُ بْنُ أَحْصَةَ عَنْ
عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ

بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَسَمَ فِي النَّفْلِ لِلْفَرَسِ سَهْمَيْنِ وَلِلرَّجُلِ
سَهْمًا -

۴۷۷۲ - حَدَّثَنَا أَبُو كُمَيْرٍ حَدَّثَنَا
أَبِي حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ
وَلَمْ يَذْكُرْ فِي النَّفْلِ -

امام مسلم نے ایک اور سند سے اس حدیث کا
ذکر کیا ہے اس میں غنیمت کا ذکر نہیں ہے۔

گھوڑے کو دو حصے دینے پر جمہور فقہاء کی احادیث حافظ بدر الدین عینی لکھتے ہیں کہ امام ابو داؤد نے
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی اور اس کے گھوڑے کے لیے تین حصے دیے، ایک حصہ اس کے
لیے اور دو حصے اس کے گھوڑے کے لیے، اور امام نسائی نے حضرت زبیر سے روایت کیا ہے کہ فتح خیبر کے
سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو چار حصے دیے، ایک حصہ حضرت زبیر کو، ایک حصہ ذی القربیٰ میں
سے حضرت زبیر کی والدہ حضرت صفیہ بنت عبد المطلب کو اور دو حصے گھوڑے کے لیے، اور امام احمد نے
حضرت عمر، حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
گھوڑے کے لیے دو حصے نکالتے تھے اور امام دارقطنی نے حضرت ابی رحم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے
کہ میں اور میرا بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لیے گئے اور ہمارے ساتھ دو گھوڑے
تھے سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں چھ حصے عنایت کیے چار حصے ہمارے (دو گھوڑوں کے لیے
اور دو حصے ہمارے لیے۔ امام دارقطنی نے ابو کبشہ انصاری، حضرت ابن عباس، حضرت عبادة بنت الزبیر، حضرت
مقداد، حضرت جابر، حضرت اہل بن ابی حمزہ اور حضرت ابو ہریرہ سے بھی اس مضمون کی احادیث روایت کی ہیں۔
جمہور فقہاء اسلام امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد نے ان احادیث کے پیش نظر یہ کہا
ہے کہ مال غنیمت سے گھوڑے سوار کرتین حصے دیے جائیں گے جس میں سے دو حصے اس کے گھوڑے کے لیے
اور ایک حصہ خود اس کے لیے۔

گھوڑے کو ایک حصہ دینے پر امام ابو حنیفہ کی احادیث امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ گھوڑے کو صرف
ایک حصہ ملے گا اور ایک حصہ گھوڑے سوار کو

ملے گا، امام ابو حنیفہ کا استدلال اس حدیث سے ہے، امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ حضرت مقداد بن عمرو رضی
اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جنگ بدر کے دن مسجد نام کے ایک گھوڑے پر سوار تھے، نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے ان کو مال غنیمت سے دو حصے دیے، ایک حصہ ان کے لیے اور ایک حصہ ان کے گھوڑے کے لیے
بیز لاء واقعہ میں اپنی سند کے ساتھ جعفر بن خارجہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ
نے کہا کہ میں بنو قریظہ کے غلام جنگ میں ایک گھوڑے پر سوار ہو کر گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک
حصہ مجھے اور ایک حصہ میرے گھوڑے کو دیا، اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما

بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے سوار کو دو حصے دیے اور پیادے کو ایک حصہ دیا۔ اور ابن عمرؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو مصطلق کی عورتیں قید ہو کر ملحقہ آئیں آپ نے ان میں سے فُس نکال کر باقی کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، آپ نے گھوڑے سوار کو دو حصے دیے اور پیادے کو ایک حصہ دیا اور امام دارقطنی نے کتاب المثلثات والمختلف میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ دیتے تھے۔
گھوڑے کو ایک حصہ دینے پر امام ابو حنیفہ کے عقلی دلائل | تمام اگلے پچھلے علماء کی مخالفت کی ہے

اور یہ کہل ہے کہ گھوڑے کو صرف ایک حصہ ملے گا، امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ گھوڑے کو دو حصے اور انسان کو ایک حصہ دینے میں انسان پر گھوڑے کی فضیلت ہے اور میں انسان پر جانور کی فضیلت دینا مکروہ سمجھتا ہوں، امام ابو حنیفہ کے اصحاب نے بھی ان کی مخالفت کی ہے اور تمام فقہاء کے مقابلہ میں امام ابو حنیفہ تنہا رہ گئے، علامہ ابن سمنون نے بھی کہا ہے کہ یہ صرف امام ابو حنیفہ کا قول ہے، اور وہ اس میں منفرد ہیں، علامہ عینی نے بیان کیا ہے کہ اس قول میں امام ابو حنیفہ منفرد نہیں ہیں، بلکہ حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابوسریٰ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔

احادیث ابی حنیفہ پر جرح کا جواب | امام ابو حنیفہ نے امام واقدی کی سند سے بھی استدلال کیا ہے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امام واقدی کی ثقاہت میں قتل و مال ہے۔ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ امام واقدی پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے، مصعب زہری سے ان کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ واقدی ثقہ اور یکتا ہے۔ اسی طرح سیسی نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا اور ابوعبید القاسم بن سلام نے بھی کہا کہ واقدی ثقہ ہیں، واقدی نے کہا کہ واقدی امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔

جمہور فقہاء کی احادیث پر جرح | جمہور فقہاء نے امام ابو داؤد کی جو روایت امام احمد سے بیان کی ہے اس میں ایک راوی سعودی ہے اس پر جرح کی گئی ہے، اور امام دارقطنی نے جو حدیث ابورہم سے روایت کی ہے اس کی سند میں قیس بن زبیع ہے، تنقیح میں لکھا ہے اس کو بعض ائمہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور ابورہم کی صحابیت میں اختلاف ہے اور امام دارقطنی نے ابی کبشہ انصاری سے جو روایت بیان کی ہے اس کی سند میں محمد بن عمران عبسی ہے اس کو امام نسائی نے ضعیف قرار دیا ہے اور اس میں ایک راوی عبد اللہ بن بشر ہے، اس کو امام نسائی، یحییٰ قطان، ابوعاتم اور خود امام دارقطنی نے ضعیف قرار دیا ہے اور امام دارقطنی نے مقداد سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں موسیٰ بن یعقوب ضعیف راوی ہے۔

امام ابو حنیفہ کے موقف پر علامہ عینی کے دلائل | اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہر چند کہ جمہور فقہاء کی حدیث بعض اسانید سے ضعیف ہے، لیکن یہ اسانید صحیحہ

سے بھی مروی ہے چنانچہ امام بخاری اور امام مسلم نے اس حدیث کو روایت کیا ہے لہذا ان اسانید صحیحہ سے یہ حدیث امام ابو حنیفہ پر محبت ہوگی۔ علامہ بدرالدین عینی نے ان احادیث کے جواب میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں ہے: **واعلموا انما غنمتم من شئء فان لله** اور جان رہا تم نے جو مال غنیمت حاصل کیا ہے

خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتیمی والمساکین
وابن السبیل۔ (الانفال: ۴۱)
اس کا پانچواں حصہ اللہ، اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رشتہ داروں
یتیموں اور مسکینوں کے لیے ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت میں تمام مال غنیمت حاصل کرنے والوں کو خطاب ہے اور اس کا یہ تقاضا ہے
کہ گھوڑے سوار اور پیادے کے درمیان مساوات ہو اور جن احادیث میں گھوڑے کے لیے دو حصہ دینے کا
ذکر ہے وہ بطور عطیہ اور انعام پر محمول ہیں۔
علامہ عینی کے اس استدلال پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس آیت کا کوئی لفظ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ گھوڑے
سوار اور پیادہ کا حصہ مساوی ہو اور بغیر عن تسلیم یہ امام ابو حنیفہ کو بھی مضر ہے کیونکہ وہ بھی گھوڑے سوار کو دو حصے
اور پیادہ کو ایک حصہ دینے کے قائل ہیں۔

علامہ المرغینانی کے دلائل اور خلاصہ بحث | علامہ المرغینانی (صاحب ہدایہ) نے ان احادیث صحیحہ کے
جواب میں یہ لکھا ہے کہ ان احادیث میں گھوڑے کے لیے

دو حصے دینے کا ذکر ہے اور امام ابو حنیفہ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان میں گھوڑے کے لیے
ایک حصہ دینے کا ذکر ہے اور یہ دونوں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے متعلق ہیں جو آپس میں
متعارض ہیں، اس کے برخلاف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کی یہ قولی حدیث روایت کی ہے:
وقد قال علیہ الصلوٰۃ والسلام للفارس
سهمان وللراجل سهم۔
سوار کے لیے دو حصے ہیں اور پیادہ کے لیے ایک
حصہ ہے۔

علامہ المرغینانی لکھتے ہیں: جب فعلی احادیث متعارض ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر عمل کرنا
چاہیے اور وہ یہی ہے کہ گھوڑے سوار کو دو حصے دیے جائیں اور پیادہ کو ایک، اور اس سے امام ابو حنیفہ
کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

علامہ المرغینانی کی یہ دلیل بہت قوی تھی بشرطیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ قولی حدیث موجود ہوتی، حافظ
ذہبی لکھتے ہیں یہ حدیث بہت غریب ہے اور جس نے اس حدیث کی نسبت امام ابن شیبہ کی طرف کی ہے
اس نے خطا کی ہے کیونکہ امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عمر سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے گھوڑے سوار کو دو حصے دیے اور پیادہ کو ایک حصہ دیا۔

حاصل بحث یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اللہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا یہ نظریہ بہت قوی ہے
کیونکہ انہوں نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان کی اسانید بلاشبہ ان احادیث کی اسانید سے زیادہ قوی
ہیں جن سے امام ابو حنیفہ نے استدلال کیا ہے۔

۱۔ علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۵۵، مطبوعہ دار الفکر المشرقیہ مصر ۱۳۴۸ھ

۲۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۵۵۳، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ بیروت ۱۳۵۶ھ

۳۔ حافظ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف ذہبی متوفی ۷۴۲ھ، نصب الرایہ ج ۲ ص ۴۱، مطبوعہ مجلس ملی سورت ہند

بَابُ الْإِمْدَادِ بِالْمَلَائِكَةِ فِي غَزْوَةٍ بَدْرًا وَإِبَاحَةِ الْغَنَائِمِ

۳۴۷- حَدَّثَنَا هَنَادُ بْنُ الشَّرِيفِ
حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ
عَتَّارٍ حَدَّثَنِي يَسْمَاعِيلُ الْحَنْفِيُّ قَالَ سَمِعْتُ
ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ
قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ حَرَّ حَرٌّ
رُهِيبٌ بَيْنَ حَرْبٍ وَاللَّفْظِ لَهُ حَدَّثَنَا
عُمَرُ بْنُ يُونُسَ الْحَنْفِيُّ حَدَّثَنَا عِكْرَمَةُ
بْنُ عَتَّارٍ حَدَّثَنِي أَبُو زُمَيْلٍ هُوَ يَسْمَاعِيلُ
الْحَنْفِيُّ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ
قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ لَمَّا
كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ نَظَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمُشْرِكِينَ وَهُمْ أَلْفٌ
وَأَصْحَابُهُ ثَلَاثُمِائَةٌ وَتِسْعَةُ عَشَرَ رَجُلًا
فَاسْتَقْبَلَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
الْقِبْلَةَ ثُمَّ مَدَّ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يَهْتِفُ
بِرَبِّهِ اللَّهُمَّ أَنْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي
اللَّهُمَّ آتِ مَا وَعَدْتَنِي اللَّهُمَّ إِنَّ تَهْلِكَ
هَذِهِ الْعِصَابَةُ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تَعْبُدُ
فِي الْأَرْضِ قِمَاتًا أَلْ يَهْتِفُ بِرَبِّهِ مَا دَا
يَدَيْهِ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ حَتَّى نَسْقُطَ
بِرَاذِلُهُ عَنْ مَتَكِبَتِهِ فَأَتَاهُ أَبُو بَكْرٍ
فَأَخَذَ رِدَاءَهُ فَأَلْفَاهُ عَلَى مَتَكِبَتِهِ ثُمَّ
الْتَزَمَهُ مِنْ وَرَائِهِ وَقَالَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ
كَفَاكَ مَنَاسِدُكَ رَبِّكَ فَإِنَّهُ سَيَنْجِيكَ
لَكَ مَا وَعَدَكَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَنَّا وَجَلَ إِذْ
كُنْتُمْ غِيْثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَرْفَ

غزوة بدر میں فرشتوں کی امداد اور غنیمت کے مباح ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں
کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا غزوہ بدر کے
دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی طرف دیکھا
تو وہ ایک ہزار تھے اور آپ کے ساتھ تین سو انہیں مرد
تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور
لہذا تھا کہ با آواز بلند اپنے رب سے یہ دعا کی: اے
اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا فرما،
اے اللہ! تو نے جس چیز کا مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ عطا
فرما، اے اللہ! اسلام کی یہ جماعت اگر ہلاک ہو گئی تو
پھر روئے زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی، آپ
لہذا پھیل کر آواز بلند مسلسل دعا کرتے رہے حتیٰ کہ آپ
کے شانوں سے چادر گر گئی، پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ
آپ کے پاس آئے اور چادر پکڑ کر آپ کے کندھوں پر
ڈالی اور پھر پیچھے سے آپ کے ساتھ لیٹ گئے اور کہنے
لگے یا نبی اللہ! اللہ سے آپ کی یہ دعا کافی ہے، آپ کا رب
آپ سے کہے ہوئے وعدہ کو عنقریب پورا فرمائے گا پھر
اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (ترجمہ) ”جب تم اپنے
رب سے مدد طلب کر رہے تھے تو اس نے تمہاری
دعا قبول فرمائی، میں تمہاری لگاتار ایک ہزار فرشتوں سے
مدد فرماؤں گا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے آپ کی مدد
فرمائی۔“ ————— ابو زمیل نے کہا حضرت ابن عباس نے
یہ حدیث بیان کی اس روز ایک مسلمان ایک مشرک کے
پیچھے دوڑ رہا تھا جو اس سے آگے تھا، اتنے میں اس نے
اپنے اوپر سے ایک کوڑے کی آواز سنی اور ایک گھوڑے
سوار کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا ”اے حیزم آگے بڑھ۔“
(حیزم اس فرشتے کے گھوڑے کا نام تھا) پھر اچانک

مِمَّنْ كُفُّ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ فَأَمَّا هُوَ
 اللَّهُ بِالسَّلَامِ يَكْتُمُ قَالَ أَبُو ثَمِيلٍ فَحَدَّثَ شَيْ
 ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ
 يَوْمَئِذٍ يَشْتَدُّ فِي أَثَرِ رَجُلٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ
 أَمَامَهُ إِذْ سَمِعَ صَرْبَةً يَأْتِسُّوهُ فَوَقَفَ وَ
 صَوَّتَ الْغَارِسُ يَقُولُ أَقْدِمْ حَيْزُومَ فَتَنَظَرُ
 إِلَى الْمُشْرِكِ أَمَامَهُ فَخَزَّ مُسْتَلْقِيًا فَتَنَظَرُ
 إِلَيْهِ فَإِذَا هُوَ قَدْ خُطِمَ أَنْفُهُ وَ شَقَّ
 وَجْهُهُ كَصَرْبَةِ السَّوْطِ فَانْخَضَ ذَلِكَ
 أَجْمَعُ فَجَاءَهُ الْأَنْصَارِيُّ فَحَدَّثَ بِذَلِكَ
 رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 فَقَالَ صَدَقْتَ ذَلِكَ مِنْ قَدَرِ السَّمَاءِ
 الثَّالِثَةِ فَتَقَتْلُوا يَوْمَئِذٍ سَبْعِينَ وَأَسْرُوا
 سَبْعِينَ قَالَ أَبُو ثَمِيلٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ
 فَلَمَّا أَسْرُوا الْأَسَارَى قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبْكِي وَ عَمَرَ
 مَا تَرَوْنَ فِي هَؤُلَاءِ الْأَسَارَى فَقَالَ
 أَبُو بَكْرٍ يَا نَبِيَّ اللَّهِ هُمْ بَنُو الْعَمَرِ وَ
 الْعَشِيرَةِ أَرَى أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُمْ فِدْيَةً
 فَتَكُونُ لَنَا قُوَّةً عَلَى الْكُفَّارِ فَعَنَى اللَّهُ
 أَنْ يَهْدِيَ يَهُمْ لِلْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَرَانِي يَا
 ابْنَ الْخَطَّابِ قُلْتُ لَا وَاللَّهِ يَا رَسُولَ
 اللَّهِ مَا أَرَى الَّذِي دَأَى أَبُو بَكْرٍ وَ لَكِنِّي
 أَرَى أَنْ تُمَكِّنَا فَتَضْرِبَ أَعْنََابُ قَهْمُ
 فَتُمَكِّنَ عَلَيْنَا مِنْ عَقِيلٍ فَيَضْرِبَ
 عُنُقَهُ وَ تُمَكِّنَنِي مِنْ فُلَانٍ نَسِيبًا لِعَسَمَرَ
 فَاضْرِبَ عُنُقَهُ فَإِنَّ هَؤُلَاءِ أَيْمَةٌ الْكُفْرِ
 وَ صَنَادُ يَدِّهَا قَهْوَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

اس نے دیکھا کہ وہ مشرک اس کے سلسلے چت گر پڑا، اس
 مسلمان نے اس مشرک کی طرف دیکھا تو اس کی ناک پر چوٹ لگی
 اور اس کا چہرہ اس طرح پھٹ گیا جیسے کوڑا لگا ہو اور اس کا
 پرانہ چہرہ پڑ گیا تھا، اس انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا تم نے
 سچ کہا یہ عجیبے آسمان سے مدد آئی تھی، اس دن مسلمانوں نے
 ستر مشرکوں کو قتل کیا اور ستر گورقار کر لیا، ابو زمیل کہتے
 ہیں کہ حضرت ابن عباس نے کہا جب مسلمانوں نے قیدیوں
 کو گورقار کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
 ابو بکر اور حضرت عمر سے کہا تمہارا ان قیدیوں کے بارے
 میں کیا خیال ہے؟ حضرت ابو بکر نے کہا یا نبی اللہ! یہ ہمارے
 علم زاد اور ہمارے قبیلہ کے لوگ ہیں، میری رشتہ یہ ہے
 کہ آپ ان سے غریبے ہیں اس سے ہمیں کفار کے خلاف
 قوت حاصل ہوگی اور شاید اللہ تعالیٰ انہیں اسلام کی ہدایت
 دے دے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے
 ابن الخطاب تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا نہیں، بخدا
 یا رسول اللہ! میری وہ رائے نہیں ہے جو حضرت ابو بکر کی رائے
 ہے، لیکن میری رائے یہ ہے کہ آپ انہیں ہمارے حوالے
 کیجئے تاکہ ہم ان کی گردنیں اتار دیں، آپ عقیل کو حضرت علی
 کے حوالے کیجئے کہ وہ اس کی گردن اتار دیں، اور میرا فلاں
 رشتہ دار میرے حوالے کریں کہ میں اس کی گردن مار دوں۔
 یہ لوگ کافروں کے بڑے اور ان کے سرور ہیں، رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابو بکر کی رائے پسند آئی اور
 میری رائے پسند نہیں آئی، دوسرے دن جب میں رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر بیٹھے ہوئے
 دو روئے ہیں، میں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے بتلائیے کہ
 آپ اور آپ کا صاحب کس وجہ سے دو روئے ہیں، اگر
 مجھے بھی روٹنا آیا تو میں روٹوں گا اور اگر مجھے روٹنا نہ آیا تو میں

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ أَبُو بَكْرٍ وَلَمْ يَهُوَ
مَا قُلْتُ فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْعَدِجَتْ قَادًا
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ
أَبُو بَكْرٍ قَاعِدَيْنِ يَبْكِيَانِ قُلْتُ يَا
رَسُولُ اللَّهِ أَخْبِرْنِي مِنْ آتِي شَيْءٍ تَبْكِي
أَنْتَ وَصَاحِبُكَ فَنَانُ وَجَدْتُ بُكَاءَ
بَكِيَّتٍ وَإِنْ لَمْ أَجِدْ بُكَاءَ تَبَا كَيْتٍ
لِبُكَاءِ يَكْمَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتُبْكِي لِذِي عَرَضٍ عَلَيَّ
أَمْ تَحَابُّكَ مِنْ أَخَذِ هَذَا فِدَاءً لَقَدْ
عَرَضَ عَلَيَّ عَذَابُهُمْ آذَى مِنْ هَذِهِ
الشَّجَرَةِ شَجَرَةٍ قَرِيبَةٍ مِنْ نَبِيِّ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنْزَلَ اللَّهُ
عَنِّي وَجَلَّ مَا كَانَ لَنَبِيِّ أَنْ يَكُونَ لَمْ
أَسْرَى حَتَّى يُشْنَحَ فِي الْأَرْضِ إِلَى قَوْلِهِ
فَكُلُّوْا مِنَّمَا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا فَاحْلَلِ اللَّهُ
الْغَنِيْمَةَ لَهُمْ -

آپ دونوں کے رونے کی وجہ سے رونے ایسی صورت بنائوں
گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس واقعہ کی وجہ
سے رو رہا ہوں جو تمہارے ساتھیوں کے غدیہ لینے کی وجہ
سے مجھ پر پیش کیا ہے، بلاشبہ مجھ پر ان لوگوں کا عذاب
پیش کیا گیا جو اس درخت سے بھی زیادہ قریب تھا وہ
درخت بھی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھا اور اللہ تعالیٰ
نے اپنے نبی پر یہ آیت نازل فرمائی: (ترجمہ) کسی نبی کی شان
کے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ کفار کا زمین پر غنہ بہانے سے
پیلے ان کو قیدی بنائے۔ سو تم کو جو مال غنیمت
حاصل ہے اس کو کھاؤ، دراصل حالیکہ یہ حلال اور طیب ہے
پھر اللہ نے مسلمانوں کے لیے مال غنیمت حلال کر دیا۔

بدر کا محل وقوع علامہ نووی لکھتے ہیں بدر وہ جگہ ہے جہاں پر ایک بہت عظیم اور مشہور جنگ واقع ہوئی، یہاں پر ایک
مشہور پانی کی جگہ اور ایک بستی تھی یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع تھی اور مدینہ منورہ سے چارم حملہ
دور تھی، ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ بدر ایک شخص کا کنواں تھا اس شخص کا نام بھی بدر تھا، اسی کے نام پر اس کنواں کا نام بدر رکھ
دیا گیا، ابو الیخلفان نے کہا ہے کہ بنو غفار کے ایک شخص کا یہ کنواں تھا، غزوہ بدر منہ رمضان دوم ہجری کو جبہ کے دن واقع
ہوا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس دن غزوہ بدر ہوا وہ سخت گرم دن تھا یہ
جنگ بدر کے دن اللہ تعالیٰ کے وعدہ فتح کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت

گریہ وزاری سے دعا کی حکمت

اس باب کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی فتح اور نصرت کے لیے اللہ تعالیٰ سے انتہائی

گریہ وزاری کے ساتھ دعا کی اس حال میں حضرت ابو بکرؓ نے آپؐ کو تسلی دی اور کہا یا نبی اللہ آپ کی یہ دعا کافی ہے، اللہ تعالیٰ آپ سے کیے ہوئے وعدہ کو ضرور پورا فرمائے گا۔ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر شدت کے ساتھ اس لیے دعا کی تھی تاکہ آپ کے اصحاب آپ کو دعا کرتے ہوئے دیکھ لیں، اور آپ کی دعا کی وجہ سے ان کے دل قوی ہو جائیں، علاوہ ازیں دعا کرنا اور اللہ تعالیٰ سے غلو کرنا ایکن عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آپ کو کفار کے لشکر سے — یا کفار کے قافلہ میں سے کسی ایک پر فتح عطا فرمائے گا، اور قافلہ مکمل چکا تھا، اس لیے اب کفار کے لشکر پر آپ کو فحیاب کرنا مستحکم ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود آپ نے اس لیے شدت سے دعا کی تاکہ یہ فتح جلد حاصل ہو اور مسلمانوں کو زیادہ ضرر پہنچے بغیر فتح حاصل ہو جائے۔ لے

حافظ ابن حجرؒ مستقلان لکھتے ہیں: علامہ خطابیؒ نے کہا ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ گمان کرنا جائز نہیں ہے کہ اس وقت حضرت ابو بکرؓ کی نصرت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پُر امید تھے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قدر گریہ و زاری سے دعا کرنے کی وجہ آپ کی صحابہ پر شفقت اور ان کے دلوں کو تقویت دینا تھی کیونکہ یہ صحابہ کا پہلا جہاد تھا اس لیے آپ نے سخت آہ وزاری سے دعا کی کیونکہ صحابہ کو یہ یقین تھا کہ آپ کی دعا مستجاب ہوتی ہے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقام خوف میں تھے اور یہ بندہ کا انتہائی کمال مقام ہے اور آپ کے نزدیک یہ جائز تھا کہ اس دن مدونہ آئے کیونکہ مدد کا وعدہ محفل تھا بہر حال یہ وہم کرنا قطعاً باطل ہے کہ اس موقع پر حضرت ابو بکرؓ کو زیادہ طمانیت حاصل تھی بلکہ حضرت ابو بکرؓ کو یہ یقین تھا کہ حضورؐ نے اس قدر شدت گریہ سے جو دعا کی ہے وہ ضرور باریاب ہو کر رہے گی۔ لے

کیا جنگ بدر میں فرشتوں نے قتال کیا تھا؟ اس باب کی حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے آپؐ کی مدد فرمائی، اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جنگ بدر کے دن ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا، اتنے میں اس نے اوپر سے ایک کوڑے کی آواز سنی اور ایک گھوڑے سرار کی آواز سنی دی جو کہہ رہا تھا ”اے حیزم آگے بڑھ“ پھر اپنا ایک اس نے دیکھا کہ وہ مشرک اس کے سامنے چٹ گر پڑا۔ اس کی ناک پر چوٹ تھی اور خیرہ بھٹ گیا تھا اور اس پر نیل کا سبز نشان تھا جیسے کوڑا لگا ہو، اس انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسے باجرا عرض کیا، آپؐ نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو یہ میرے آسمان سے سدا آئی تھی۔

علامہ اسلام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جنگ بدر میں فرشتوں نے بھی جنگ میں حصہ لیا تھا یا نہیں؟، صحیح مسلم کی اس مریح حدیث کے پیش نظر زیادہ تر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ فرشتوں نے جنگ میں حصہ لیا تھا، اور بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ فرشتوں کا نازل ہونا صرف مسلمانوں کو تقویت اور بشارت دینے کے لیے تھا کیونکہ قرآن مجید میں فرشتوں کے نازل کرنے کا ذکر سورہ آل عمران اور سورہ انفال میں ہے اور دونوں جگہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے: وما جمعہم الا بشریٰ لکم ولتطمئن قلوبکم بہ ۵ اللہ تعالیٰ نے صرف تمہارے دلوں کو مطمئن کرنے اور تمہیں

لے۔ علامہ یحییٰ بن شرفؒ نوادی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۳ ص ۹۲، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
لے۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجرؒ مستقلان متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۷ ص ۲۸۹، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور

غوثی دینے کے لیے فرشتوں کو نازل کیا ہے۔ لہذا اس صریح آیت کے مقابلہ میں ان روایات کو ترک کر دیا جائے گا جن میں فرشتوں کے قتل کرنے اور جنگ کرنے کا ذکر ہے، ہمارے نزدیک یہی نظریہ راجح ہے اس بحث کو پوری طرح واضح کرنے کے لیے پہلے ہم قرآن مجید کا وہ آیات ذکر کریں گے جن میں فرشتوں کو نازل کرنے کا ذکر ہے پھر اس کے بعد مفسرین کی آراء کا ذکر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اذ تقول للمؤمنین ان یعدکم ربکم بثلاثة آلاف من الملائکة منزلین
بلی ان تصبروا و اتقوا و یا توکم من خودهم
هذا یعد دکم ربکم بخمسة آلاف من الملائکة
مسومین و ما جعلہ اللہ الا بشری
لکم و لتطمین قلوبکم بہ و ما النصر الا
من عند اللہ العزیز الحکیم
ال عمران : ۱۲۶-۱۲۷

جب آپ مسلمانوں سے فرماتے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار نازل کیے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا۔ کیوں نہیں اگر تم ٹھہرے رہو اور اللہ سے ڈرو اور وہ اسی وقت یکدم تم پر ٹوٹ پڑیں تو (اسی دن) تمہارا رب تمہاری پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے مدد فرمائے گا اور اللہ نے اس کو تمہارے لیے صرف غوثی بنایا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور مدد صرف اللہ غالب، حکمت واسے کی طرف سے ہے

جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری دعا سن لی کہ میں ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد کرنے والا ہوں اور اس کو اللہ نے صرف غوثی بنایا ہے، اور اس لیے کہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے بیشک اللہ بہت غالب، (اور) نہایت حکمت والا ہے۔

اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم
افی مہدکم بالث من الملائکة مردفین
وما جعلہ اللہ الا بشری و لتطمین
بہ قلوبکم و ما النصر الا من عند اللہ
ان اللہ عزیز حکیم
(انفال : ۱۰-۹)

امام راوی سورہ آل عمران کی آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں :
فرشتوں کی نصرت کی کیفیت میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض مفسرین نے کہا ہے کہ فرشتوں نے مومنوں کے ساتھ قتال کیا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ صرف مسلمانوں کے دلوں کو تقویت دی تھی، اور ان کو یہ خبر دی تھی کہ ان کی نصرت ہوگی اور کافروں کے دلوں پر رعب ڈال دیا تھا، اور ظاہر یہ ہے کہ اگر ضرورت پڑتی تو وہ لشکر کے ساتھ جنگ میں شریک ہوتے اور ہو سکتا ہے کہ جنگ میں ان کی ضرورت پیش نہ آئی ہو، اور مسلمانوں کے دلوں کی تقویت کے لیے صرف ان کا میدان جنگ میں حاضر ہونا کافی ہو اور زیادہ مفسرین کا یہ زعم ہے کہ فرشتوں نے صرف جنگ بدر میں قتال کیا تھا اور کسی جنگ میں قتال نہیں کیا۔

۱۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر راوی متوفی ۷۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

امام ہذا سورۃ انفال کی آیات کے تحت لکھتے ہیں:

اس بات میں اہتمام ہے کہ فرشتوں نے جنگ بدر کے قاتل میں حصہ لیا تھا یا نہیں، ایک قوم نے کہا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ساتھ میدان پر تھے جس میں حضرت علی بن ابیطالب تھے، یہ فرشتے سفید کپڑے پہنے ہوئے انسانوں کی صورت میں تھے، اور انہوں نے قاتل کیا، ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے صرف جنگ بدر میں قاتل کیا اور جنگ احزاب اور جنگ حنین میں قاتل نہیں کیا، ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود سے ابو جہل نے کہا وہ آواز کہاں سے آ رہی تھی جس کو میں سن رہا تھا، اور بڑے والا نظر نہیں آ رہا تھا، حضرت ابن مسعود نے کہا وہ فرشتوں میں سے تھا۔ ابو جہل نے کہا پھر فرشتوں نے ہم کو شکست دی ہے نہ کہ تم نے! اور ایک روایت ہے کہ ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا اچانک اس نے اوپر سے کوڑا مارنے کی آواز سنی۔ اس نے اس مشرک کی طرف دیکھا تو وہ زمین پر پنت گر پڑا اور اس کا یکہ اس کا چہرہ پھٹ چکا تھا، اس انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ آسمان سے مدد آئی تھی۔

دوسری قوم نے یہ کہا کہ فرشتوں نے قاتل نہیں کیا وہ صرف لشکر کی تعداد میں اضافے اور مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے آئے تھے ورنہ صرف ایک فرشتہ ہی تمام دنیا کو ہلاک کرنے کے لیے کافی ہے، کیونکہ جبرائیل علیہ السلام نے اپنے صرت ایک پڑ سے مدین میں قوم لوط کو ہلاک کر دیا تھا اور قوم صالح اور ثمود کے شہروں کو صرف ایک چیخ سے ہلاک کر دیا تھا، اور اس امداد کی کیفیت کا سورہ آل عمران میں تفصیلاً ذکر ہے، فرشتے قاتل کے لیے نہیں آئے تھے اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بَشَرًا ۝ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے نازل کرنے کو صرف خوشخبری کے لیے بنایا ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کے دن ایک چھپر کے نیچے بیٹھ کر دعا کر رہے تھے اور حضرت ابو بکر آپ کی دائیں جانب تھے آپ کے ساتھ اور کرتی نہیں تھا، اس وقت آپ کو اونگھ گئی، پھر آپ نے اپنا دریاں اٹھ حضرت ابو بکر کی ران پر مارا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کی مدد کی بشارت سنو، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ جبرائیل ایک لشکر کی پیشوائی کر رہے ہیں یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرشتوں کے نازل کرنے سے صرف اسی بشارت کا بھیجنا مقصود تھا، اور یہ حدیث فرشتوں کے قاتل کرنے کی نفی کرتی ہے۔

میز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۝ نصرت صرف اللہ کی جانب سے ہے؟ اس آیت سے اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ ہر چند کہ فرشتے مسلمانوں کی موافقت کے لیے نازل ہوتے ہیں، لیکن مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ فرشتوں کے نزول پر اعتماد نہ کریں بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی امداد و اعانت اور اس کی ہدایت کو کافی سمجھیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی غالب ہے جو کبھی مغلوب نہیں ہوتا اور وہی حکیم ہے اور جس جگہ مدد اور نصرت کی ضرورت ہو وہی مدد پہنچاتا ہے۔
تامنی بیفادی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جبریل فرمایا ہے وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بَشَرًا لِّكُمْ وَلَتُنظُرُنَّ قُلُوبَكُمْ بِمَا وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۝

فرشتوں کے قاتل کرنے میں اختلاف ہے اور
ایسی روایات بھی ہیں جو فرشتوں کے قاتل کرنے پر دلالت
کرتی ہیں۔

و فی الآیۃ اشعار بان المدائیکۃ لہیۃا مشروا
قتالا وهو مذہب لبعضہم ویشرع ظاہرہا
بان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخیرہم
بذلک الامداد و فی الاخبار ما یؤیدہ

کہ جنگ بدر میں فرشتے صرف مسلمانوں کو بشارت دینے اور ان کو تقویت دینے کے لیے نازل ہوئے تھے اور انھوں نے خود جنگ نہیں کی اس کے برخلاف بعن دیگر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے خود جنگ کی تھی، لیکن یہ احادیث چونکہ قرآن مجید کی ان صریح آیات سے متعارض ہیں اس لیے ان کو ترک کر دیا جائے گا نیز اگر فرشتوں نے یہ لڑائی لڑی ہوتی تو پھر کوئی ایک صحابی بھی اس جنگ میں زخمی یا شہید نہ ہوتا، حالانکہ چودہ صحابی شہید ہوئے اور متعدد زخمی ہوئے نیز اگر یہ فرشتوں کا کارنامہ تھا تو اصحاب بدر کا کوئی کمال نہ ہوا اور ان کی اس قدر فضیلت نہ ہوئی اور پھر ہزاروں فرشتوں کا کیا ضرورت تھی؟ غلام کا فروں کو قتل کرنے کے لیے تو ایک فرشتہ ہی کافی تھا! علاوہ ازیں یہ کہ مجاہدین صحابہ میں سے ہر ایک کے متعلق معلوم اور ثابت ہے کہ فلاں صحابی نے فلاں کافر کو قتل کیا اور فلاں صحابی نے فلاں کافر کو قتل کیا پھر فرشتوں کو کس نے قتل کیا؟ نیز قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ

۴- قاضی ابراهیم‌خیر عبدالله بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ هـ، انوار التنزیل علی مشن الخفاجی ج ۲ ص ۶۱، مطبوعه دار صادر بیروت، ۱۳۸۳ هـ

٢٠ " ، انوار التنزيل على اشمس المعارف ج ٣ ص ٢٥٦ ، " "

۳۔ علامہ ابراہیم الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۹ ص ۱۰۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

وما رمیت اذ رمیت ولكن الله رماني
(انفال: ۱۷)
قتل نہیں کیا، لیکن ان کو اللہ نے (حقیقتہً) قتل کیا ہے
اور (اے محمد) آپ نے (حقیقتہً خاک) نہیں پھینکی جس
وقت (بظاہر) آپ نے (خاک) پھینکی تھی، وہ خاک اللہ
نے پھینکی۔

بظاہر اصحاب بدر نے کافروں کو قتل کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم نے ان کو حقیقتہً قتل نہیں کیا،
اللہ نے ان کو قتل کیا ہے، اگر فرشتوں نے بظاہر قتل کیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ان کو فرشتوں نے حقیقتہً قتل نہیں کیا اللہ
نے قتل کیا ہے اور اگر بظاہر اصحاب بدر نے قتل کیا ہوتا اور حقیقتہً فرشتوں نے قتل کیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا
اے مسلمانو! تم نے ان کافروں کو حقیقتہً قتل نہیں کیا ان کو تو درحقیقت فرشتوں نے قتل کیا ہے، لیکن جب اللہ
تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف قتل کی نسبت ظاہر کی نہ حقیقتہً، تو معلوم ہوا کہ بدر کے کافروں کو قتل کرنے میں فرشتوں
کا کوئی دخل نہیں ہے نہ ظاہر نہ حقیقتہً اور بدر میں حملہ آور کافروں کو قتل کرنا صرف اور صرف صحابہ کرام رضوان
اللہ علیہم اجمعین کا کارنامہ ہے اور بدر میں فرشتوں کا نزول صرف مسلمانوں کے اطمینان اور ان کو بشارت
دینے کے لیے تھا، اور جو فرشتے بدر میں اترے انھیں دوسرے فرشتوں پر فضیلت حاصل ہوئی، اس لیے
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض فرشتوں کو عزت اور فضیلت دینے کے لیے بدر میں فرشتوں کو اتارا ہو!
امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن معاذ بن رفاع عن الزهراء عن ابیہ وکان
ابوہ من اهل بدر قال جاء جبرئیل الی النبی
صلی اللہ علیہ وسلم فقال ما تعدون اهل بدر
فیکم قال من افضل المسلمین او کلمة نحوها
قال وکذا لک من مشہد بدر من
الملئکة . له

اس لیے فرشتوں کو بدر میں نازل کرنے کا ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض فرشتوں کو عزت اور فضیلت دی جائے
قرآن مجید کی صریح آیات اور بعض احادیث سے ہم نے یہی سمجھا ہے کہ غزوہ بدر میں فرشتوں کا نزول صرف بشارت
دینے یا مسلمانوں کی تائید اور تقویت کے لیے ہوا تھا اور فرشتوں نے قرآن میں حصہ نہیں لیا، میں نے اس مسئلہ میں بہت
چچان بین کی لیکن میں نے دیکھا کہ اکثر مفسرین نے اس مسئلہ کو بیان کرنے سے پہلو تہی کی ہے، اسی طرح شارحین حدیث
اور مصنفین میرت نے بھی اس مسئلہ پر بحث کرنے سے دامن بچا لیا ہے، قابل ذکر علماء میں سے صرف امام رازی نے
اس مسئلہ پر بحث کی ہے، بہر حال میرے نزدیک جو حق قحارہ میں نے بیان کر دیا، اگر یہ فی الواقع حق ہے تو اللہ کی

لہ۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۹، مطبوعہ نور محمد صالح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ

جانب سے ہے اور اگر یہ غلط ہے تو یہ میری فہم کا نقص ہے اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔
اس حدیث کے اخیر میں مال غنیمت کے حلال ہونے کا بھی بیان ہے اس کی مفصل تحقیق ہم ابواب سابقہ میں بیان کر چکے ہیں۔

بَابُ رَبِطِ الْأَسِيرِ وَحَبْسِهِ وَجَوَازِ الْمَنِّ عَلَيْهِ

۴۷۲۴- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ يَرَوَهُ يَقُولُ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا قَبْلَ تَجْدِثِ بَنِي بَرْجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ ثَمَامَةُ بْنُ أَثَالٍ سَيِّدُ أَهْلِ الْيَمَامَةِ فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَتَيْنِ مِنْ سَوَارِي الْمَسِيحِ فَخَوَّجَ الْيَسِيرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَاذَا عِنْدَكَ يَا ثَمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِي يَا مَعْشَرَ خَيْرِ إِنْ تَقْتُلُ تَقْتُلُ ذَا دِمٍّ وَإِنْ تُنْعِمُ تُنْعِمُ عَلَى شَاكِرٍ وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطِ مِنْهُ مَا شِئْتَ فَتَرَكْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى كَانَ بَعْدَ الْغَدِ فَقَالَ مَا عِنْدَكَ يَا ثَمَامَةُ قَالَ مَا قُلْتُ لَكَ إِنْ تُنْعِمُ تُنْعِمُ عَلَى شَاكِرٍ وَإِنْ تَقْتُلُ تَقْتُلُ ذَا دِمٍّ وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطِ مِنْهُ مَا شِئْتَ فَتَرَكْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى كَانَ مِثْلَ الْغَدِ فَقَالَ مَاذَا عِنْدَكَ يَا ثَمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِي مَا قُلْتُ لَكَ إِنْ تُنْعِمُ تُنْعِمُ عَلَى شَاكِرٍ وَإِنْ تَقْتُلُ تَقْتُلُ ذَا دِمٍّ وَإِنْ

قیدیوں کو گرفتار کرنا اور ان کو احساناً رہا کرنے کا جواز

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سواروں کو نجد کی طرف بھیجا، وہ لوگ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو گرفتار کر کے لائے اس کا نام ثمامہ بن اثال تھا اور وہ اہل یمامہ کا سردار تھا، انھوں نے اس کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: اے ثمامہ! تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خیر ہے، اگر آپ قتل کریں گے تو ایک طاقتور شخص کو قتل کریں گے، اور اگر آپ احسان کریں گے تو ایک شکریہ گزار شخص پر احسان کریں گے، اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو آپ سوال کیجئے، آپ جو مال چاہیں گے آپ کو مل جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو چھوڑ کر چلے گئے، دوسرے دن پھر آپ نے فرمایا: اے ثمامہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا وہی جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں، اگر آپ احسان کریں گے تو ایک شکریہ گزار پر احسان کریں گے، اور اگر آپ قتل کریں گے تو ایک طاقتور شخص کو قتل کریں گے، اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو آپ سوال کیجئے، آپ جو مال چاہیں گے، وہ آپ کو مل جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس کو چھوڑ کر چلے گئے، حتیٰ کہ اگلے روز پھر آپ نے فرمایا: اے ثمامہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا میری وہی رائے ہے جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں، اگر آپ احسان کریں گے تو ایک شکریہ گزار

كُنْتُ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلَّ تَغَطَّ مِنْهُ مَا
 شِئْتُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ أَطْلِقُوا ثِمَامَةَ فَإِنَّا نَطْلُقُ إِلَى
 نَحْلِ قَرِيبٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَأَغْتَسَلَ شَحْرَهُ
 وَخَلَّ الْمَسْجِدَ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّ لَا إِلَهَ
 إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ
 رَسُولُهُ يَا مُحَمَّدُ وَاللَّهِ مَا كَانَ عَلَى
 الْأَرْضِ وَجْهُ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَجْهِكَ
 فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهُكَ أَحَبَّ الْوُجُوهِ لِي
 إِلَيَّ وَاللَّهِ مَا كَانَ مِنْ دِينٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ
 مِنْ دِينِكَ فَأَصْبَحَ دِينُكَ أَحَبَّ الدِّينِ
 إِلَيَّ وَاللَّهِ مَا كَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضَ
 إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ فَأَصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ
 الْبُلَادِ لِي إِلَيَّ وَإِنِّي خِيْلُكَ أَخَذْتَنِي
 وَأَنَا أُمِّ يَدِ الْعَمَةِ كَمَا ذَا تَرَى فَبَشَّرَهُ
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ
 أَمَرَ أَنْ يَعْتَمِرَ فَمَكَتَا قَدِيمَ مَكَّةَ قَالَ
 لَهُ قَائِلٌ أَصَبَوْتَ فَقَالَ لَا وَلَكِنِّي
 أَسْكُمْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ وَاللَّهِ لَا يَأْتِيكُمْ مِنَ الْإِمَامَةِ
 حَبِيَّةٌ حِنْطِيَّةٌ حَتَّى يَأْذَنَ فِيهَا رَسُولُ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

شخص پر احسان کریں گے، اور اگر آپ قتل کریں گے تو
 ایک طاقتور شخص کو قتل کریں گے، اور اگر آپ مال کا ارادہ
 کرتے ہیں تو آپ سوال کریں آپ جو مال چاہیں گے وہ آپ
 کو دیا جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز
 کو کھول دو، وہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے درخت
 کے پاس گیا اور غسل کر کے مسجد میں داخل ہو گیا اور کہنے
 لگا: اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان ان محمدا
 عبده ورسوله۔

اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بخدا پہلے میرے نزدیک تھے
 زمین پر آپ کے چہرے سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی چہرہ
 نہیں تھا اور اب آپ کا چہرہ انور مجھے تمام چہروں سے
 زیادہ محبوب ہے، بخدا! پہلے میرے نزدیک آپ
 کے دین سے زیادہ کوئی دین ناپسندیدہ نہ تھا، اور اب
 مجھے آپ کا دین تمام دینوں سے زیادہ محبوب ہے بخدا پہلے
 میرے نزدیک آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر ناپسندیدہ نہ
 تھا اور اب آپ کا شہر مجھے تمام شہروں سے زیادہ محبوب
 ہے، آپ کے سواروں نے مجھے گرفتار کر لیا وہاں مالیکہ
 میرا ارادہ غمزدہ کرنے کا تھا، اب آپ کا کیا حکم ہے؟ رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بشارت دی اور غم
 کرنے کا حکم دیا، جب وہ مکہ پہنچے تو کسی شخص نے ان
 سے کہا: کیا تم نے دین بدل لیا ہے؟ انھوں نے کہا
 نہیں، لیکن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے
 آیا ہوں، اور میں لوہے کی قسم! اب تمہارے پاس اس
 وقت تک پیام سے گندم کا کوئی دانہ نہیں پہنچے گا جب تک
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت نہ دیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف گھوڑے
 سواروں کی ایک جماعت بھیجی وہ لوگ ایک شخص کو
 گرفتار کر کے لائے جس کا نام ثمامہ بن اثال خنسی تھا جو

۴۷۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا
 أَبُو بَكْرِ الْحَنْفِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ
 جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيُّ
 أَنَّ سَمْعَةَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا لَهُ نَحْوُ
أَرْبَعِينَ نَجْدًا فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ يُقَالُ
لَهُ كَمَا مَتَّيْنُ أَثَالِ الْحَنْفِيُّ سَيِّدُ أَهْلِ
الْيَمَامَةِ وَسَاقِ الْحَدِيثِ بِمِثْلِ حَدِيثِ
الْكَلْبِ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ إِنْ تَغْتَلِبْنِي تَقْتُلْ
كَادِمًا

اہل یمامہ کا سردار غائباتی حدیث حسب سابق ہے البتہ
اس میں یہ ہے کہ اگر آپؐ مجھے قتل کریں گے تو
ایک طاقتور شخص کو قتل کریں گے۔

اس حدیث میں جنگی قیدیوں کو احساناً آزاد کرنے کا ثبوت ہے۔ ابواب سابقہ میں ہم اس پر تفصیلی بحث
کر چکے ہیں، علامہ نووی نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں قیدی کو باہر جانے اور اس کو قید کرنے کا ثبوت ہے اور
اس حدیث میں کافر کو مسجد میں داخل کرنے کے جواز کا بھی ثبوت ہے، امام شافعی کے نزدیک مسلمان کی اجازت
سے کافر کو مسجد میں داخل کرنا جائز ہے، خواہ کافر کتنا ہی ہو یا غیر کتنا ہی، امام مالک کے نزدیک جائز نہیں ہے، امام
ابو حنیفہ کے نزدیک اہل کتاب کو داخل کرنا جائز ہے اور غیر کتابی کافر کو مسجد میں داخل کرنا جائز نہیں ہے، ہم شرح
صحیح مسلم جلد ثانی میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد غسل کرنے کے حکم میں مذاہب فقہاء | اس حدیث میں یہ بھی ذکر ہے کہ
ثامہ نے اسلام قبول کرنے
سے پہلے غسل کیا، علامہ نووی لکھتے ہیں: جب کوئی کافر اسلام قبول کرنے کا ارادہ کرے تو فوراً اسلام قبول کرے
اور غسل کی وجہ سے اس کو مؤخر نہ کرے، اور نہ کسی شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس کو غسل کی اجازت دے بلکہ اس کو
فوراً اسلام لانے کا حکم دے، اور اس کے بعد وہ شخص غسل کرے، علامہ نووی کہتے ہیں ہمارا مذہب یہ ہے کہ اگر
زمانہ کفر میں وہ جنبی تھا تو اس پر غسل واجب ہوگا خواہ اس نے غسل کیا ہو یا نہ، بعض مالکیہ نے یہ کہا ہے کہ اسلام کی وجہ
سے اس سے غسل ساقط ہو گیا جیسا کہ دوسرے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے، اور اگر اسلام سے قبل
وہ جنبی نہ ہو تو پھر اس کا غسل کرنا مستحب ہے، یہ ہمارا، امام مالک کا اور دوسرے فقہاء کا مذہب ہے، امام احمد اور دیگر
فقہاء نے کہا ہے کہ اس پر غسل کرنا واجب ہے۔

تحقیقی یہ ہے کہ قبول اسلام سے پہلے تو غسل کر کے اسلام قبول کرنے میں تاخیر جائز نہیں ہے لیکن اسلام
قبول کرنے کے بعد غسل کرنا فرض ہے، کیونکہ زمانہ کفر میں جو جنابت لاحق ہوئی ہے وہ ان کے غسل سے نہیں
اترے گی، امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان اور امام بزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اسلام لانے
کے بعد حضرت ثامہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کرنے کا حکم دیا، اور امام حاکم نے تاریخ نیشاپور میں لکھا ہے:
محمد بن عقیل اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ جب میں نے اسلام قبول کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
مجھے غسل کرنے کا حکم دیا، اور امام ابو نعیم نے دائرہ سے روایت کیا ہے کہ جب میں مسلمان ہو گیا تو نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں میری کے پتوں کے پانی سے غسل کروں اور فرمایا زمانہ کفر کے بال کاٹ دو، اور کتاب قرطبی میں حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ ایک شخص مسلمان ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو غسل کرنے کا حکم دیا۔ طالب اسلام کو کلمہ پڑھانے میں تاخیر کرنا جائز نہیں بلکہ غدر شہ کفر ہے | اگر کوئی کافر کسی مسلمان ہونا چاہتا ہو تو وہ اس میں تاخیر نہ کرے اور اس کو فوراً کلمہ پڑھا دے، عام طور پر لوگ اس شخص کو کسی عیلم دین کے پاس لے جا کر کلمہ پڑھواتے ہیں یہ طریقہ غلط ہے کیونکہ اس کو کلمہ پڑھانے میں تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ وہ مشکل اتنی دیر اس کے کفر پر راضی ہے اور کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے اور اگر بالفرض وہ اس وقفہ میں مگر گیا تو ایسا ذی بالشر کفر پر مگرے گا۔ اس لیے جو شخص اسلام کا طالب ہو اس کو فوراً کلمہ پڑھا دینا چاہیے اور بعد میں اس کو غسل کرنے کا حکم دیں اور اس کو اسلام کے احکام کی تعلیم دیں۔

بَابُ إِجْلَاءِ الْيَهُودِ مِنَ الْحِجَازِ

یہودیوں کو سرزمین حجاز سے نکال دینے کا بیان

۴۷۷- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ تَأَلَّفْتُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّكَ قَالَ بَيْنَنَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ إِذْ خَرَجَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ انْطَلِقُوا إِلَى يَهُودَ فَخَرَجْنَا مَعَهُ حَتَّى جِئْنَا هُمَ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَادًا هُمْ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ يَهُودَ اسْلِمُوا تَسْلَمُوا فَقَالُوا قَدْ بَلَغْتَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكُ أَمْرٌ يُدْ اسْلِمُوا تَسْلَمُوا فَقَالُوا قَدْ بَلَغْتَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكُ أَمْرٌ يُدْ فَقَالَ لَهُمُ الثَّالِثَةُ فَقَالَ اعْلَمُوا أَنَّكُمْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اس اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، اور فرمایا یہودیوں کے پاس چلو، ہم آپ کے ساتھ اٹھ کر یہودیوں کے پاس گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر ان سے ہر آواز بلند فرمایا: اے یہودیو! مسلمان ہو جاؤ تم سلامت رہو گے، انہوں نے کہا اے ابو القاسم آپ نے تبلیغ کر دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم اعتراض کر لو اسلام سے آؤ اور سلامت رہو ہا انہوں نے کہا اے ابو القاسم آپ نے تبلیغ کر دی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار فرمایا: میں بھی یہی چاہتا ہوں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو از میں اللہ اور اس کے رسول کا ہے، اور میں یہ چاہتا ہوں کہ تم کو اس زمین سے

نکال دوں۔ لہذا تم میں سے جو شخص اپنے مال کو بچنا چاہے اس کو بیچ دے ورنہ جان لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنو نضیر اور بنو قریظہ کے یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا، اور بنو قریظہ کو برقرار رکھا، اور ان پر احسان فرمایا۔ اس کے بعد بنو قریظہ نے جنگ کی آپ نے ان کے مردوں کو قتل کر دیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو اور ان کے اموال کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ البتہ ان میں سے بعض یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا ملے آپ نے ان کو امن دے دیا اور وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے تمام یہودیوں کو جلا وطن کر دیا، ان میں بنو قینقاع حضرت عبداللہ بن سلام کی قوم تھی اور بنو عارضہ کے یہودی تھے اور بنو قریظہ یہودی تھا جو مدینہ میں رہتا تھا۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں یہود اور نصاریٰ کو جزیہ عرب سے ہر دو نکال دوں گا اور سوا مسلمان کے وہاں

الَا رَضِ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنِّي أُرِيدُ أَنْ أُخْلِكَمُ مِنْ هَذِهِ الْأَرْضِ مَنْ قَمَنْ وَجَدَ مِنْكُمْ يَحَالِيهِ شَيْئًا فَلْيَبْعُهُ وَإِلَّا فَاَعْلَمُوا أَنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ۔

۲۴۷۷۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَاسْحَقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَا ابْنُ مَرْثَدٍ حَدَّثَنَا وَقَالَ اسْحَقُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ يَهُودَ بَنِي الْقَضِيزِ وَ قَرِيطَةَ حَارَبُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَجْلَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنِي الْقَضِيزِ وَأَقْرَ قَرِيطَةَ وَمَنْ عَلَيْهِمْ حَتَّى حَارَبَتْ قَرِيطَةَ بَعْدَ ذَلِكَ فَقَتَلَ رِجَالَهُمْ وَقَسَمَ نِسَاءَهُمْ وَأَوْلَادَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا أَنَّ بَعْضَهُمْ لَحِقُوا بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَنَهُمْ وَأَسْلَمُوا وَأَجْلَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهُودَ الْمَدِينَةِ كُلَّهُمْ بَنِي قَيْنِقَاعَ وَهُمْ قَوْمُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ وَيَهُودُ بَنِي حَارِثَةَ وَكُلُّ يَهُودِي كَانَ بِالْمَدِينَةِ۔

۲۴۷۸۔ وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي جَعْفَرُ بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ إِسْنَادٍ هَذَا الْحَدِيثَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَكْثَرُ وَأَنْتُمْ۔

۲۴۷۹۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَاسْحَقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَا ابْنُ مَرْثَدٍ حَدَّثَنَا وَقَالَ اسْحَقُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ

کسی اور کو نہیں رہنے دوں گا۔

أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ أَسْمِعَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَتِهِ الْعَرَبِ حَتَّى آدَعُوا إِلَّا مُسْلِمًا.

امام مسلم نے اس حدیث کی دو سندیں اور بیان کی ہیں۔

۴۳۸۰- وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ

حَدَّثَنَا زَوْهَرُ بْنُ عُبَادَةَ أَخْبَرَنَا سَفْيَانُ الشَّوْرِبُجِيُّ وَحَدَّثَنِي سَكْمَةُ بْنُ هَبِيبٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ أَغْوَيْنَ حَدَّثَنَا مَعْقِلٌ وَهُوَ ابْنُ عُبَيْدٍ اللَّهُ كَلَاهُمَا عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ -

اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ جس قوم سے معاہدہ ہو وہ لوگ یا ذمی فرمیوں کی عہد شکنی کی سزا اگر عہد توڑ دیں تو پھر وہ حربی ہو جاتے ہیں اور ان پر اہل حرب کے احکام جاری ہوتے ہیں اور امام کے لیے جائز ہے کہ ان میں سے جس کو چاہے قید کرے اور جس پر چاہے احسان کرے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر امام نے کسی قوم پر احسان کیا اور اس نے جنگ کی تو اس سے کیا ہوا معاہدہ ٹوٹ جائے گا، بخیر فیظہ الامان میں تھے پھر انھوں نے عہد شکنی کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ میں قریش کی مدد کی ان کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی :

اور جن اہل کتاب نے ان حملہ آوروں (قریش مکہ) کی مدد کی تھی، اللہ نے انھیں ان کے قلعوں سے نکال دیا، اور ان کے دلوں میں (مسلمانوں کا) ایسا رعب ڈال دیا کہ تم ان میں سے ایک گروہ کو قتل کرتے ہو اور ایک گروہ کو قید کرتے ہو۔

وَأَنزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صِيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَفَرِيقًا مَرِيقًا -

(احزاب: ۲۶)

عہد شکنی کرنے والوں کو قتل کرنے کا جواز اور اہل قلعہ کو کسی عادل شخص کے فیصلہ پر قلعہ سے نکالنے کا جواز

بَابُ جَوَازِ قِتَالِ مَنْ نَقَضَ الْعَهْدَ وَجَوَازِ نُزَالِ أَهْلِ الْحِصْنِ عَلَى حُكْمِ حَاكِمٍ عَدْلٍ أَهْلٍ لِلْحُكْمِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے

۴۳۸۱- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ

وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَقَّارٍ وَالْعَاطِلِيُّ
مُتَقَارِبَةً قَالَ أَبُو بَكْرِ حَدَّثَنَا عَنْ
شُعْبَةَ وَقَالَ الْأَخْرَاقِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ
جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ
قَالَ سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ بْنَ سَهْلٍ بْنَ حَنْبَلٍ
قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ قَالَ قَالَ نَزَلَ
أَهْلُ قَرْيَظَةَ عَلَى حَكِيمٍ سَعْدِيِّ بْنِ مُعَاذٍ
فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِلَى سَعْدٍ فَأَتَاهُ عَلَى حِمَارٍ فَلَمَّا دَنَا قَرِيبًا
مِنَ الْمَسْجِدِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَا نُضَارُ قَوْمًا إِلَى سَيِّدِكُمْ أَوْ خَيْرِكُمْ
ثُمَّ قَالَ إِنَّ هَؤُلَاءِ نَزَلُوا عَلَى حَكِيمِكَ
قَالَ تَقْتُلُ مَفَا تَلْتَهُمْ وَكَسْبِي ذُرِّيَّتَهُمْ
قَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَضَيْتُ بِحُكْمِ اللَّهِ وَرُبَّمَا قَالَ فَقَضَيْتُ
بِحُكْمِ الْمَلِكِ وَلَمْ يَذْكُرِ ابْنُ الْمُثَنَّى وَرُبَّمَا
قَالَ فَقَضَيْتُ بِحُكْمِ الْمَلِكِ

۲۲۸۲- وَحَدَّثَنَا مُرْهَبِيُّ بْنُ حَزْبٍ
حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ
بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ فِي حَدِيثِهِ فَقَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ حَكَمْتَ
فِيهِمْ بِحُكْمِ اللَّهِ وَقَالَ مَرَّةً لَقَدْ
حَكَمْتَ بِحُكْمِ الْمَلِكِ

۲۲۸۳- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْقُشَيْرِيُّ يَخْلَاهُمَا عَنِ ابْنِ
كُثَيْبٍ قَالَ ابْنُ الْعَدَاءِ حَدَّثَنَا ابْنُ كُثَيْبٍ
حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ
قَالَتْ أُصِيبَ سَعْدٌ يَوْمَ الْخُدْرِيِّ رَمَاهُ
رَجُلٌ مِّنْ قُرَيْشٍ يُقَالُ لَهُ ابْنُ الْعَرِقَةِ

ہیں کہ بنو قریظہ، حضرت سعد بن معاذ کے فیصلے پر قلعہ سے
نکل آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو دیا،
وہ ایک گدھے پر سوار ہو کر آپ کے پاس آئے جب وہ مسجد کے قریب
پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا
اپنے سردار یا اپنے افضل کی طرف کھڑے ہو، پھر فرمایا یہ
لوگ تمہارے فیصلے پر قلعہ سے نکلے ہیں، حضرت سعد بن معاذ
نے کہا ان میں سے جو لوگ لڑائی کے قابل ہیں ان کو قتل کر
دیجئے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قید کر لیجئے، نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ
کیا ہے، اور کبھی کہا تم نے بادشاہ کے حکم کے مطابق
فیصلہ کیا ہے۔ ابن مثنیٰ نے یہ آخری جملہ ذکر نہیں کیا۔

ابامسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند ذکر کی ہے
اس میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے
اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے اور کبھی فرمایا تم نے
بادشاہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جنگ
خندق کے دن حضرت سعد بن معاذ کو قریش کے ایک
شخص نے تیر مارا، اس شخص کا نام ابن العرقہ تھا، یہ تیر آپ
کے بازو کی ایک رگ میں لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے حضرت سعد کے لیے مسجد میں ایک غنیمہ لگوا دیا، اور
وہیں قریب سے ان کی عیادت کرتے تھے، جب

رَمَاهُ فِي الْأَكْحَلِ فَضَرَبَ عَلَيْهِ رَسُولُ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْمَةً فِي الْمَسْجِدِ
 يَعُودُ كَمَا مِنْ قَرِيبٍ فَلَمَّا رَجَعَ رَسُولُ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْخُتْدَقِ وَضَعَ
 السِّلَاحَ فَأَغْتَسَلَ فَأَتَاهُ جُبَيْرُ بْنُ
 يَنْفُصَ رَأْسَهُ مِنَ الْغُبَارِ فَقَالَ وَضَعْتَ
 السِّلَاحَ وَاللَّهِ مَا وَضَعْتَاهُ اخْرُجْ إِلَيْهِمْ
 فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 فَأَيُّنَ فَأَشَاءَ إِلَى بَنِي قُرَيْظَةَ فَقَاتَلَهُمْ
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْزَلُوا
 عَلَى حُكْمِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 قَرَرَدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 الْحُكْمَ فِيهِمْ إِلَى سَحْدٍ قَالَ فَإِنِّي أَخْلَعُ
 فِيهِمْ أَنْ تُقَاتَلَ الْمُقَاتِلَةُ وَأَنْ تُسَبَّحَ
 الدُّرِّيَّةُ وَالنِّسَاءُ وَتُقَسَّمْ
 أَمْوَالُهُمْ

۲۲۸۴ - وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا
 ابْنُ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ قَالَ أَبِي
 فَأَخْبَرْتُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ قَالَ لَقَدْ حَكَمْتَ فِيهِمْ بِحُكْمِ
 اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ

۲۲۸۵ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ
 شَيْبَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ أَبِي عَاصِمٍ
 أَنَّ سَعْدًا قَالَ وَتَحَبَّرَ كَلِمَةً يَلْبُرُّ
 فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنَّ لَيْسَ أَحَدٌ
 أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ أَجَاهِدَ فِيكَ مِنْ قَوْمِ
 كَدِّ بَوَارِئِكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 وَأَخْرَجُوهُ اللَّهُمَّ فَإِنْ كَانَ بَقِيَ مِنْ حُوبِ
 كَرِيشٍ مَنِيٌّ فَأَبْقِنِي أَجَاهِدْهُمْ فِيكَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ خندق سے واپس لوٹے تو
 آپ نے ہتھیار اتار کر غسل کیا، اس وقت آپ کے پاس حضرت
 جبرائیل آئے وہ ان کو مبارکباد اپنے سر سے غبار جھاڑ رہے
 تھے انہوں نے کہا آپ نے ہتھیار اتار دیے، بخدا ہم نے
 ابھی ہتھیار نہیں اتارے، ان کی طرف روانہ ہوں، رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کہاں؟ تو انہوں
 نے بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے ان سے جنگ کی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے فیصلہ پر قلعہ سے نکل آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے ان کا فیصلہ حضرت سعد کی طرف مضمون کر دیا، انہوں نے
 کہا میرا فیصلہ یہ ہے کہ ان کے جنگجو افراد کو قتل کیا جائے
 اور ان کے بچوں اور عورتوں کو گرفتار کیا جائے اور
 ان کے اموال کو تقسیم کر دیا جائے۔

ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے
 یہ خبر دی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
 سعد سے (فرمایا: تم نے اللہ عزوجل کے حکم کے مطابق
 فیصلہ کیا ہے۔)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت
 سعد کا رخم بھرنے کے قریب تھا تو انہوں نے یہ دعا
 کی: اے اللہ! اگر خوب ماٹتا ہے کہ جن لوگوں نے رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور آپ کو شہر سے نکالا
 مجھے تیری راہ میں ان کے خلاف جہاد کرنے سے کوئی
 چیز زیادہ عزیز نہیں ہے، اے اللہ! اگر قریش کے خلاف
 جنگ ابھی رہتی ہو تو مجھے ابھی زندہ رکھ تاکہ میں ان سے
 جہاد کر سکوں، کیونکہ میرا گمان یہ ہے کہ تو نے ہمارے

اللَّهُمَّ فَإِنِّي أَطْلُبُ أَمَّا قَدْ وَصَّعْتَ الْحَرْبَ
بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ فَإِن كُنْتَ وَصَّعْتَ الْحَرْبَ
بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ مَا فُجِّرْهَا وَاجْعَلْ مَوَاقِفَ
فِيهَا فَأَنْفَجِرْتَ مِنْ كِبَتِهِمْ فَلَمْ يَوْعْهُمْ
وَفِي الْمَسْجِدِ مَعَهُ خِيَمَةٌ مِنْ بَنِي غِفَارٍ
إِلَّا وَالَّذِي يُسِيلُ إِلَيْهِمْ فَقَالُوا يَا أَهْلَ
الْخَيْمَةِ مَا هَذَا الَّذِي يَأْتِينَا مِنْ قِبَلِكُمْ
فَيَا ذَا سَعْدٍ جُرْحُهُ يَبْعِدُ مَا فَمَاتَ
مِنْهَا.

۴۲۸۶ - وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ
بْنِ سَكِينٍ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ عَنْ
هَشَامٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ غَيْرَ أَشَدَّ
قَالَ فَأَنْفَجِرْتَ مِنْ كِبَتِهِمْ فَمَا زَالَ يُسِيلُ
حَتَّى مَاتَ وَنَرَا فِي الْحَدِيثِ قَالَ فَذَلِكَ
حِينَ يَقُولُ الشَّاعِرُ

أَلَا يَا سَعْدُ سَعْدَ بَنِي مُعَاذٍ
فَمَا فَعَلْتَ قَرِيبَةً وَالتَّغْيِيرَ
لَعَمْرُكَ إِنَّ سَعْدَ بَنِي مُعَاذٍ
غَدَاةً تَحْمِلُوا الْقَوَالَصِبُورُ
تَرْكُكُمْ قَدْ رَكُمُ لَا شَيْءَ فِيهَا
وَقَدْ رَأَى الْقَوْمُ رَحِمَةً تَفُورُ
وَقَدْ قَالَ الْكُوفِيُّ أَبُو جَبَابٍ
أَقِيمُوا قِيْنَقَاعَ وَلَا تَسِيرُوا
وَقَدْ كَانُوا ابِلَدَ قَبْلَهُمْ ثِقَاتُ
كَمَا ثَقُلَتْ بِهَيْطَانِ الصُّخُورِ

اور ان کے درمیان جنگ ختم کر دی ہے سو اگر تو نے ہماری
اور ان کی جنگ ختم کر دی ہے تو تو اس زخم کو جاری کرے
اور اس میں میری موت واقع کر دے! پس وہ زخم ہنسی
کے مقام سے بہنے لگا، مسجد میں ان کے ساتھ نو غفار
کا خیمہ تھا وہ خون ان کی طرف بہ کر آ رہا تھا وہ اس سے
غرت زدہ ہو گئے اور کہنے لگے اے خیمہ والو! یہ تمہاری
طرف سے ہمارے پاس کیا چیز بہ کر آ رہی ہے؟ پس
دیکھا تو حضرت سعد کا زخم بہ رہا تھا اور وہ اسی میں فوت
ہو گئے۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت ہے، اس روایت
میں یہ ہے کہ اس حالت سے زخم جاری ہو گیا اور مسلسل وہ
خون بہتا رہا حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئے، اور حدیث میں یہ زیادہ
ہے کہ شاعر نے اس موقع پر کہا ہے

سلا اے سعد! سعد بن معاذ۔ قرینہ اور
بزرغیر نے کیا کیا۔ اے سعد بن معاذ!
تمہاری زندگی کی قسم۔ جس مہج کو انھوں نے
مصائب برداشت کیے وہ بڑے صبر
والی ہے۔ تم نے اپنی لٹری خالی چھوڑ
دی۔ اور قوم کی لٹری گرم ہے اور اہل
رہی ہے۔ بیک شخص ابو جباب نے
کہا۔ اے قینقاع! ٹھہرو۔ مت جاؤ
۔۔۔ حالانکہ وہ اپنے شہر میں وزن وے
تھے۔۔۔ مہیا کہ میلان پہاڑی کے
پتھر وزن فی ہیں۔

اوس، جو قرینہ کے حلیف تھے اور حضرت سعد اوس کے سردار تھے، اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
بزرغیر کے معاملہ میں حضرت سعد بن معاذ کو حکم بنایا۔

اس حدیث میں مسجد میں مرنے کا جواز ہے، اور بعض کو مسجد میں ٹھہرنے کا جواز ہے خواہ وہ زخمی ہو، اس حدیث پر

یہ سوال بھی ہوتا ہے کہ اس میں حضرت سعد بن معاذ کا موت کی تناکرہ نے کا ذکر ہے، حالانکہ موت کی تناکرہ ناسخ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ دنیاوی اکام اور تکلیفوں سے گھبرا کر موت کی تناکرہ ناسخ ہے اور حضرت سعد بن معاذ نے شہادت کے حصول کی وجہ سے موت کی تناکرہ تھی۔

مجلس میں آنے والے شخص کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کے متعلق مذاہب فقہاء۔

اس حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا: قوموا الی سعید کھڑے اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو۔ اس حدیث کو امام بخاری نے بھی متعدد اسانید سے روایت کیا ہے لہٰذا امام احمد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے لہٰذا امام ابو داؤد نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نراوی شافعی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں، اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ جب معزز لوگ آئیں تو ان کی تعظیم اور اکرام کے لیے قیام کیا جائے، اسی طرح جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث سے قیام کے استنباب پر استدلال کیا ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ وہ قیام نہیں ہے جس سے منع کیا گیا ہے، قیام منوع یہ ہے کہ ایک شخص بیٹھا ہو اور دوسرے لوگ اس کی تعظیم کے لیے جب تک وہ بیٹھا ہو کھڑے رہیں، (علامہ زوی کہتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ اہل فضل کے آنے کے وقت کھڑے ہونا مستحب ہے۔ اس کے متعلق احادیث موجود ہیں۔ اور اس کی ممانعت میں صراحت سے کوئی چیز ثابت نہیں، میں نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں مانعین کے تمام حکموں اور شہادت کو زائل کیا ہے۔

علامہ دشتانی ابی مالکی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: قاضی عیاض نے کہا اس حدیث سے لازم آتا ہے کہ قوم کے رئیس اور اہل خیر اور اہل فضل کی تعظیم کے لیے قیام کرنا چاہیے، کیونکہ تحقیق سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سے زیادہ افراد کے لیے کھڑے ہوئے اور یہ وہ قیام نہیں ہے جس سے منع کیا گیا ہے، قیام منوع یہ ہے جیسے عہد بادشاہ بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور لوگ ان کی تعظیم کے لیے کھڑے رہتے ہیں، صحابہ کا اس میں اختلاف تھا کہ آپ نے صرف انصار کو حضرت سعد کے لیے قیام کا حکم دیا تھا یا تمام مہاجرین اور انصار کو یہ حکم دیا تھا۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ سلطان یا حاکم مسلمانوں کے سردار کی تعظیم کا حکم دے، اور سلطان کی مجلس میں

المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ

۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ۵، ص ۵۳۴، ۲۴۶ ج ۲ ص ۹۲۶، ۵۹۱، مطبوعہ دار محمد صالح

۲۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۲، ج ۲ ص ۲۲۷، ج ۶ ص ۱۳۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

۳۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۴۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۹۵، مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

۴۔ علامہ یحییٰ بن شرف زوی متوفی ۶۷۶ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۵، مطبوعہ دار محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۵۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلف دشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکال اکال المسلم ج ۵ ص ۹۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

اہل فضل کی تنظیم کرنا اور ان کی تنظیم کے لیے اٹھنا جائز ہے، اور تمام لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے سید کی تنظیم کریں۔ ایک قوم نے قیام تنظیمی سے منع کیا ہے، ان کا استدلال اس حدیث سے ہے، امام ابو ذر واد امام ابن ماجہ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عصا پر ٹیک لگاتے ہوئے آئے، ہم آپ کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا عجیروں کی طرح کھڑے نہ ہو، علامہ طبری نے کہا یہ حدیث ضعیف اور مضطرب السند ہے اور اس میں ایک راوی مجہول ہے، نیز مافین کا استدلال اس حدیث سے بھی ہے جس کو حاکم نے حضرت عبداللہ بن بریدہ سے روایت کیا ہے کہ ان کے والد حضرت معاذ کے پاس گئے اور ان کو یہ حدیث سنائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کو یہ پسند ہو کہ لوگ اس کی تنظیم کے لیے کھڑے ہوں اس کے لیے جہنم واجب ہے۔ علامہ طبری نے کہا یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو قیام سے خوش ہوتا ہے، اس شخص کے لیے یہ وعید نہیں ہے جس کی تنظیم کے لیے قیام کیا جائے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ امام عادل اور رئیس فاضل کے لیے قوم کو اللہ عالم کے لیے متمم کر قیام کرنا مستحب ہے، ہاں جو شخص امام عادل اور عالم نہ ہو اس کے لیے قیام کرنا مکروہ ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس مسئلہ پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے، علامہ نووی کے دلائل اور ان پر علامہ ابن الحاج کے اعتراضات ذکر کیے ہیں اور کہیں کہیں محاکمہ کیا ہے، اخیر میں لکھتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ اگر قیام کا ترک کرنا امانت کا سبب ہو یا اس سے کوئی خرابی لازم آتی ہو تو قیام واجب ہوگا، علامہ ابن عبدالسلام نے بھی یہی کہا ہے، اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بعض محققین سے یہ تفصیل نقل کی ہے: اگر قیام کو عادت بنا لیا جائے جیسا کہ عجیروں کا طریقہ ہے تو یہ مکروہ ہے اور اگر کوئی شخص سفر سے آئے، یا حاکم کے لیے عدالت میں قیام کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح اگر کسی شخص کو کوئی نعمت ملی ہو تو اس کو مبارکباد دینے کے لیے قیام کیا جائے یا عاثر کی امانت کے لیے یا مجلس میں دست کرنے کے لیے یا اور کسی جائز مقصد کے لیے قیام کیا جائے تو قیام درست ہے، امام غزالی نے کہا ہے کہ کبھی کی تنظیم کے لیے قیام کرنا مکروہ ہے اور کسی کی عزت افزائی کے لیے قیام کرنا مکروہ نہیں ہے اخیر بہت اچھی تفصیل ہے۔

ملا علی قاری حنفی نے بھی اس بحث میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کا خلاصہ بیان کر دیا ہے۔ ۱۳۹۸
شیخ عبدالحی محمد دہلوی نے بھی اس بحث میں وہی لکھا ہے جو ملا علی قاری نے لکھا ہے۔ ۱۳۹۸
علامہ علاؤ الدین السبکی حنفی لکھتے ہیں:

اُنے دالے کی تنظیم کے لیے اٹھنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے، جیسا کہ عالم کے سامنے پڑھنے دالے کے لیے بھی تخلی

- ۱۔ علامہ بدر الدین ابو محمد محمد بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۵۲-۲۵۱، مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية مصر ۱۳۹۸ھ
۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱ ص ۵۴، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۳۹۸ھ
۳۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات ج ۹ ص ۸۳، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان، ۱۳۹۰ھ
۴۔ شیخ عبدالحی محمد دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ، اشعة اللمعات ج ۲ ص ۲۸۰، مطبوعہ مطبعہ تیج کار لکھنؤ

کھڑے ہونا مستحب ہے۔ ۱۷

علامہ ابن عابدین شامی اس عبارت پر حاشیہ لکھتے ہیں:

یعنی اگر وہ شخص تنظیم کا مستحق ہو (تو اس کے آنے پر کھڑے ہونا مستحب ہے)۔ قیہ میں ہے جو شخص مسجد میں بیٹھا ہو اس کا آنے والے کی تنظیم کے لیے کھڑے ہونا مکروہ نہیں ہے اسی طرح قرائن مجید پڑھنے والے کا بھی آنے والے کی تنظیم کے لیے کھڑے ہونا مکروہ نہیں ہے، البتہ جس شخص کے لیے قیام کیا جائے اس کا قیام کو پسند کرنا مکروہ ہے۔ علامہ ابن ربیعان نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں قیام مستحب ہے، کیونکہ قیام نہ کرنے سے کینہ، بغض اور عداوت پیدا ہوتی ہے خاص طور پر جس شخص کے لیے عموماً لڑکے قیام کرتے ہوں وہاں قیام کرنا مستحب ہے، باقی قیام پر جو وسوسہ ہے وہ اس شخص کے بارے میں ہے جو بچہ کرتا ہو کہ لڑکے اس کے سامنے کھڑے رہیں، جیسا کہ ترک اللہ عجی کرتے ہیں اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ غایہ وغیرہ میں ہے کہ شیخ حکیم ابو القاسم کے پاس جب کوئی غنی آتا تو اس کی تنظیم کے لیے کھڑے ہوتے اور فقرا اور طلباء کے لیے نہیں کھڑے نہیں ہوتے تھے، جب ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا معنی مجھ سے تنظیم کی توقع رکھتا ہے اگر میں اس کی تنظیم نہ کر دوں تو اس کو تکلیف ہوگی، اور فقرا اور طلباء مجھ سے صرف سلام کے جواب اور علمی مباحث میں گفتگو چاہتے ہیں۔ ۱۸

ایک قوم مصحف میں دیکھ کر قرآن مجید پڑھ رہی ہو یا ایک اکیلا شخص پڑھ رہا ہو اور اس کے پاس معتز اور معظم لوگوں میں سے کوئی شخص آئے اور پڑھنے والا اس کی خاطر کھڑا ہو تو فقہاء نے کہا کہ اگر آنے والا عالم دین، اس کا والد یا اس کو علم دین سکھانے والا استاذ ہے تو اس کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے۔ ۱۹

غلام یہ ہے کہ جہور فقہاء اسلام کے نزدیک اشراف اور معتز لوگوں کے لیے قیام تنظیمی جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور اگر کوئی شخص سفر سے واپس آئے، یا کسی کو مبارکباد دینی ہو یا اور کوئی جائز مقصد ہو تو پھر قیام کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، فقہاء مالکیہ میں سے علامہ ابن الحاج اور فقہاء حنبلیہ میں سے علامہ ابن قیم نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے لیکن مؤخر الذکر صورتوں میں وہ بھی قیام کو جائز کہتے ہیں۔

قوموا الی سیدکم سے قیام تعظیمی کے استدلال پر ایک اشکال کا جواب !!!

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ توریشی نے شرح المعانیج میں یہ اعتراض کیا ہے کہ قوموا الی سیدکم کا معنی ہے "سید کی اعانت اور اس کو ساری سے اتارنے کے لیے اس کی طرف کھڑے ہونا کیونکہ حضرت سعد بن مساذ بیمار تھے اور اگر تنظیم مراد ہوتی تو آپ قوموا الی سیدکم فرماتے!"

علامہ طیبی نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ علامہ توریشی نے الی اور لام کا جو فرق بیان کیا ہے وہ ضعیف ہے کیونکہ اس جگہ الی میں لام سے زیادہ تنظیم ہے اور یہ حدیث اس تاویل میں ہے "قوموا امشوا الیہ تلقیوا واکراموا"

۱۷۔ علامہ علاؤ الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی الممشی رد المحتار ج ۵ ص ۳۳۸، مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۴ھ

۱۸۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۳۳۸، مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۸ھ

۱۹۔ علامہ حسن بن منصور اور جندی المعروف بہ قاضی خاں، متوفی ۲۹۵ھ، فتاویٰ قاضی خاں ج ۳ ص ۴۲۲، علی الممشی مطبوعہ مصر، ۱۳۳۱ھ

”کھڑے ہو اور ان کی تکویم اور ان سے ملاقات کے لیے ان کی طرف جاؤ“ اور یہ اس قاعدہ سے ماخوذ ہے کہ مشق پر حکم کی علت اس کا مبادا اشتقاقی ہوتا ہے اور یہاں سید کے لیے قیام کا حکم دیا گیا ہے لہذا اس حکم کی علت یہادت ہے۔ امام بیہقی نے کہا ہے کہ تنظیم اہل تکویم کے قاعدے قیام کرنا جائز ہے جیسا کہ انصار نے حضرت سید کے لیے قیام کیا اور حضرت عمر نے حضرت کعب کے لیے قیام کیا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: علامہ نووی نے کتاب القیام میں لکھا ہے کہ امام بخاری، امام مسلم اور امام ابو داؤد نے اس حدیث سے قیام کے جواز پر استدلال کیا ہے، امام مسلم نے فرمایا قیام کے جواز کے لیے میرے علم میں اس سے زیادہ اور کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ لے

ان حوالوں سے ظاہر ہو گیا کہ قیام تنظیمی کے جواز اور استحباب پر امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام بیہقی اور جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور ان عظیم ائمہ اور فقہاء کے مقابلہ میں علامہ ابن الحاج اور علامہ تودیشی کا اختلاف کچھ وقعت نہیں رکھتا خصوصاً جب ان کے اعتراض کا جواب بھی دیا جا چکا ہے۔

قیام تنظیمی کے ثبوت میں دیگر احادیث و آثار ہم ابھی ابھی امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، اور امام احمد کے حوالوں سے حدیث قوموالی سید کو کا ذکر کر چکے ہیں، جس سے جمہور فقہاء اسلام نے قیام تنظیمی کے جواز اور استحباب پر استدلال کیا ہے۔ اب ہم اس سلسلہ میں دیگر احادیث پیش کر رہے ہیں۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن عائشة - أم المؤمنين قالت ما رأيت أحدا أشبه سمًا ولا هديًا برسول الله في قيامها وقعودها من غاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت وكانت إذا دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم قام إليها فقبلها واجلسها في مجلسه وكان النبي صلى الله عليه وسلم إذا دخل عليها قامت من مجلسها فقبلتها واجلسها في مجلسها الحديث۔ لے

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مابین ادا حضرت فاطمہ سے زیادہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھنے اور بیٹھنے میں مشابہ نہیں دیکھا جب حضرت فاطمہ بھی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتیں تو آپ ان کے لیے کھڑے ہوتے اور ان کو بوسہ دیتے اور ان کو اپنی جگہ بٹھاتے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے پاس جاتے تو وہ اپنی نشست سے کھڑی ہوتیں، آپ کو بوسہ دیتیں اور آپ کو اپنی جگہ بٹھاتیں۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ لے نیز امام بخاری نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ۵۰

۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱ ص ۵۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ

۲۔ ”فتح الباری ج ۱ ص ۵۱، ”

۳۔ امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۵۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۴۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۵۲، مطبوعہ مطبع مجتبیٰ پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

۵۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، الادب المفرد ص ۲۴۲، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ علی

احادیث کے بیان پر اکتفا کی ہے، اب ہم ان احادیث کا ذکر کریں گے جن کو قیام تنظیمی کے مخالفین بیان کرتے ہیں اور ان احادیث کے جوابات بھی بیان کریں گے۔

قیام تنظیمی کے خلاف احادیث اور ان کے جوابات | امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عن ابی امامۃ قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم متوكئا على عصي فقمتا اليه فقال لا تقوموا كما تقوم الاعاجم يعظم بعضها بعضا .
حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصا پر ٹیک لگائے ہوئے ہمارے پاس تشریف لائے ہم آپ کے لیے کھڑے ہو گئے، آپ نے فرمایا عجیروں کی طرح مت کھڑے ہو، جو بعض بعض کی تعظیم کرتے ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ امام طبرانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، مضطرب السند ہے۔ اور اس کی سند میں مجہول راوی ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دیگر صحاح کی حدیث کے معارض ہے جن میں آپ نے قیام کا حکم دیا ہے اور خود بھی قیام کیا ہے، تیسری بات یہ ہے کہ اس میں مطلقاً قیام سے منع نہیں فرمایا بلکہ عجیروں کے قیام سے منع فرمایا ہے جس میں سردار بیٹھا رہتا ہے اور لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے رہتے ہیں، اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن جابر قال : اشتكى النبي صلى الله عليه وسلم فصلىنا وراءه وهو قائم وابوبكر يسمع الناس تكبيرة - فالتفت اليها فرأنا قيا ما فاشا، اليها فقلنا فصلينا بصلواتها قعودا فلما سلم قال ان كذا تم لتفعلوا فعل فارس والروم يقومون على ملوكهم وهو قعود فلا تفعلوا - الحديث .
حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے، ہم نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی درآن میں آپ بیٹھے ہوئے تھے، اور حضرت ابو بکرؓ کی بجائے یہ کہہ رہے تھے، آپ نے ہم کو کھڑے ہونے دیکھ لیا، پھر آپ نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا، ہم بیٹھ گئے، جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا مجھے خدشہ ہے کہ تم اہل روم اور فارس کی طرح کام کرنے لگو گے، جو اپنے بادشاہوں کے سامنے کھڑے رہتے ہیں درآن میں آپ بیٹھے ہوئے ہوئے ہیں سو ایسا نہ کرو۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن انس قال لم يكن شخص احب اليهم من رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان اذا
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب

۱۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۵۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۵۴، مطبوعہ مطبعہ مجتہبی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

۲۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، الادب المفرد ص ۲۴۴، مطبوعہ مکتبہ اشریہ سائیکل پبل

راوہ لعلی قوموا لعلی یجلمون من کواہتہ
لذلک ہذا حدیث صحیح عن نبی ﷺ
ہیں تھا اس کے باوجود وہ حضور کو دیکھ کر کھڑے نہیں
ہوتے تھے کیونکہ انہیں علم تھا کہ آپ قیام کو ناپسند فرماتے
ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ نووی سے اس حدیث کے دو جواب نقل کیے ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کا قیام کرنا اس لیے ناپسند تھا کہ آپ کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں وہ تنظیم میں زیادہ افراط نہ کرنے لگیں
یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا: لا تظرونی "میری تنظیم میں زیادہ مبالغہ نہ کرو" اور آپ نے آپس میں
صحابہ کا قیام کرنا ناپسند نہیں کیا، کیونکہ بعض صحابہ کے لیے آپ نے خود قیام کیا اور آپ کے سامنے صحابہ دوسروں کی تنظیم
کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے اسی پر انکار نہیں کیا بلکہ ان کو مقرر اور ثابت رکھا اور اس کا حکم دیا۔ دوسرا جواب
یہ ہے کہ آپ کے اور صحابہ کے درمیان اس قدر اشنائی اور محبت تھی جس میں قیام تنظیمی کی گنجائش نہیں تھی، اور جب لوگ
کمال محبت کے ساتھ آپس میں گھل مل کر رہنے لگیں تو پھر قیام کے تکلف کی ضرورت نہیں رہتی۔
علامہ ابو حامد نے لکھا ہے: ہر چند کہ قیام، ثناء اور اعتقاد وغیرہ محبت کے حقوق میں سے ہیں، لیکن ان میں ایک طرح کی
اجنبیت اور تکلف ہے اور جب جانیں میں مکمل اتحاد ہوتا ہے تو تکلف کی بساط بالکل پھیٹ دی جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے
کہ صحابہ کا قیام کرنا اور قیام کو ترک کرنا یہ دونوں امر ثابت ہیں اور ان دونوں کا ثبوت ازمنہ، احوال اور اشخاص کے اختلاف
کی وجہ سے مختلف ہے۔ نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ابی مجلز قال خرج معاویہ فقام
عبد اللہ بن الزبیر وابن صفوان حین راوہ
فقال اجلسا سمعت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم یقول من سرہ ان یتمثل الرجال
قیاماً فلیتبنوا مقعدہ من النار
حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ نووی سے اس حدیث کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ اس حدیث سے قیام کی محبت کے
ممانعت ہے اور اس میں مطلقاً قیام کی ممانعت کا بیان نہیں ہے، جس شخص کے دل میں قیام کی محبت نہ ہو، اس کے لیے
لوگ قیام کریں یا نہ کریں اس پر کوئی ممانعت نہیں ہے اور اگر کسی شخص کے دل میں قیام کی محبت ہو تو وہ حرام کا مرتکب ہو گا
غیر لوگ اس کے لیے قیام کریں یا نہ کریں، لہذا اس حدیث سے ترک قیام پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، اگر یہ اعتراض کیا جائے
کہ قیام کی وجہ سے کوئی شخص اس کی محبت میں مبتلا ہو گا جس سے منع کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں
کہ ممنوع قیام کی محبت سے قیام کرنا ممنوع نہیں ہے۔

- ۱۔ امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۴۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۹۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱ ص ۵۳، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ
- ۳۔ امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۴۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۹۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱ ص ۵۳، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

علامہ ابن الحاج اور علامہ ابن قیم نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت امیر مہادیو رضی اللہ عنہ نے یہ حال اس حدیث سے ترک قیام پر استدلال کیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت مہادیو کا اجتہاد ہے جو صحیح اور صحیح احادیث کے مقابلہ میں حجت نہیں ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ امام ترمذی کی تصریح کے مطابق یہ حدیث حسن ہے اور جن احادیث میں قیام کا حکم اور قیام کا ثبوت ہے وہ احادیث صحیحہ ہیں اور حدیث حسن حدیث صحیح سے مہادیو کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

نیز غلام ابن قتیبہ نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے اس حدیث میں اس قیام کی محبت پر دغیر ہے جو غمھی بادشاہوں کے سامنے قیام کیا جاتا ہے یا اس طور کہ جب تک بادشاہ بیٹھا رہے لوگ اس کے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ لہ بیان تک ہم نے وہ احادیث بیان کیں جن سے قیام کے مخالفین استدلال کرتے ہیں اور معہر کی طرف سے ان کے جوابات بیان کیے، اب اس بحث کے آخر میں ہم قیام کی اقسام بیان کر رہے ہیں :-

قیام تعظیمی کی اقسام | حافظ ابن حجر مستطانی خلافتی لکھتے ہیں قاضی البر الوسید ابن رشد مالکی نے قیام کی چار اقسام بیان کی ہیں:

- (۱) جو شخص قیام کرنے والوں کے قیام کی وجہ سے تکبر کرتا ہو اس کے لیے قیام کرنا ممنوع ہے۔
 (۲) جو شخص قیام کی وجہ سے تکبر تو نہ کرتا ہو لیکن قرآن سے اس پر تکبر کا غدر نہ ہوا اس کے لیے قیام کرنا مکروہ ہے۔
 (۳) جس شخص پر تکبر کا غدر نہ ہو اس کی عزت افزائی کے لیے قیام جائز ہے۔
 (۴) جو شخص سفر سے واپس آئے اس کے استقبال کے لیے قیام کرنا مستحب ہے، یا جس شخص کو کوئی نعمت ملی ہو اس کو مبارکباد دینے کے لیے قیام کرنا بھی مستحب ہے، اسی طرح جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچی ہو اس کی تسکین کے لیے قیام کرنا بھی مستحب ہے۔

ان چار قسموں کو علامہ بدر الدین عینی حنفی نے بھی بیان کیا ہے۔ ۳

میری تحقیق یہ ہے کہ یہاں تین قسموں کو اور شامل کر لیا جائے اور وہ یہ ہیں:

- (۱) مشائخ، اساتذہ، علماء دین، والدین اور منعم اہل عس کی تعلیم کے لیے قیام کرنا مستحب ہے۔
 (۲) اگر کوئی شخص قیام کے لائق نہ ہو لیکن اس کی تعلیم کرنے پر کوئی دینی کام موقوف ہو تو بطور مدارات اس کے لیے قیام کرنا جائز ہے۔
 (۳) اگر کوئی شخص لائق تعلیم نہ ہو لیکن دنیاوی منفعت کی خاطر مدافعت سے اس کے لیے قیام کیا جائے تو یہ قیام مکروہ تحریمی ہے۔

قیام تنظیم کے سلسلہ میں یہ آخری بات تھی جس کو ہم نکھٹا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ اس سہی کو مشکور فرمائے اور اس کتاب کو تاقیامت قبول عام عطا فرمائے وأخردعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی محمد سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ وازواجه واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

١- حافظ شهاب الدين احمد بن علي بن حجر عسقلاني متوفى ٨٥٢ هـ، فتح البدي ج ١ ص ٥٠، مطبوعه دار نشر المكتبة الاسلاميه لاهور ١٣٤١ هـ

۱۱ - فتح آلباریج ۱۱۵۲-۱۱۵۱

بَابُ الْمُبَادَرَةِ بِالْغَزْوِ وَتَقْدِيمِ أَهْلِ الْأُمُورِ الْمُتَعَارِضِينَ

۴۲۸ - وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ
بْنُ أَسْمَاءَ الطَّبِيعِيُّ حَدَّثَنَا جَوْيَرِيَّةُ بِنْتُ
أَسْمَاءَ عَنْ قَائِمٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ
كَأَدَى فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَوْمَ انْصَرَفَ عَنِ الْأَخْزَابِ أَنْ
لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدُ الظُّلَمَاءِ إِلَّا فِي بَيْتِي قَرِيبَةً
فَكَتَفَرَّقَ نَاسٌ فَتَوَاتُ السُّؤَالَ فَصَلُّوا
كُفُونِ بَيْتِي قَرِيبَةً وَقَالَ الْآخَرُونَ لَا تُصَلِّ
إِلَّا حَيْثُ أَمَرْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنْ فَاتَنَا السُّؤَالَ
قَالَ قَدِمْنَا عَتَفَ وَاحِدًا مِنْ الْفَرِيقَيْنِ -

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں
کہ جب ہم غزوہ اخزاب سے واپس لوٹے تو رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدای کی کہ بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے
کوئی شخص ظہر کی نماز نہ پڑھے، بعض صحابہ نے وقت ختم
ہونے کے خوف سے بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز پڑھ
لی، اور دوسرے صحابہ نے کہا ہم اسی جگہ نماز پڑھیں گے جہاں
نماز پڑھنے کا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم
دیا ہے، خواہ نماز قضا ہو جائے، حضرت ابن عمر کہتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ملامت نہیں کی۔

بنو قریظہ میں نماز پڑھنے کی ہدایت میں روایات کا تعارض اور ان میں تطبیق | علامہ ذہبی لکھتے ہیں

واقفہ میں ظہر کی نماز بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے نہ پڑھنے کی ہدایت کو روایت کیا ہے، اور امام بخاری نے (باب صلوة الخوف میں)
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی اس واقعہ میں عصر کی نماز کا ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ جب ہم غزوہ
اخزاب سے لوٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھے
بعض صحابہ کو راستہ میں عصر کا وقت آگیا، بعض نے کہا ہم بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے عصر نہیں پڑھیں گے، اور بعض نے
کہا نہیں ایم نماز پڑھیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منشاء نہیں تھا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا گیا تو
آپ نے دونوں فریقوں میں سے کسی کو بھی ملامت نہیں کی۔

حضرت ابن عمر کی یہ دونوں روایتیں متعارض ہیں، صحیح بخاری میں عصر کی نماز کا ذکر ہے اور صحیح مسلم میں ظہر کی نماز کا ذکر
ہے ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ آپ نے بعض سے ظہر کی نماز کا... فرمایا اور بعض سے عصر کی نماز کا فرمایا، کیونکہ آپ نے
دو چیز میں ظہر کی نماز پڑھ لی تھی، اور بعض صحابہ نے آپ کے ساتھ ظہر پڑھ لی تھی اور بعض نے نہیں پڑھی تھی۔ جن صحابہ نے
ظہر کی نماز پڑھ لی تھی ان کو عصر کے لیے تاکید فرمائی اور جنہوں نے ظہر نہیں پڑھی تھی ان کو یہ حکم دیا کہ اب وہ ظہر بنو قریظہ
میں پڑھیں، اور ایک قول یہ ہے کہ آپ نے ظہر اور عصر دونوں نمازیں بنو قریظہ میں پڑھنے کا حکم دیا تھا، اور یہ بھی ہو سکتا
ہے کہ جو پہلے رخصت ہو گئے تھے انہیں حکم دیا کہ وہ ظہر بنو قریظہ میں پڑھیں اور جو بعد میں روانہ ہوئے تھے ان کو حکم دیا کہ
وہ عصر بنو قریظہ میں پڑھیں۔ واللہ اعلم۔

صحابہ کرام کے اجتہاد کا ثبوت | جب راستہ میں نماز کا وقت آگیا اور وقت تنگ ہونے لگا تو صحابہ کرام میں اس جگہ نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے کا جو اختلاف ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ دلائل متعارض تھے

اور ہر ایک نے اپنے اجتہاد سے کام لیا، کیونکہ شریعت میں یہ حکم ہے کہ ہر نماز اپنے وقت میں پڑھی جائے اس لیے بعض صحابہ نے یہ اجتہاد کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مطلب نہیں تھا کہ نماز خواہ قضاء ہو جائے پھر بھی بنو قریظہ میں نماز پڑھنا بلکہ آپ کا منشاء یہ تھا کہ سفر جلدی ملے کر ناحی کر نماز عصر تک بنو قریظہ میں پہنچ جائے اور وہاں نماز پڑھنا، لیکن اب چونکہ نماز عصر کا وقت عیار ہوا ہے تو ہم کو نماز عصر راستہ میں ہی پڑھ لینی چاہیے اس کے برخلاف دوسرے صحابہ نے آپ کے ارشاد کے ظاہری معنی پر عمل کیا کہ نماز بنو قریظہ میں پڑھنی ہے خواہ قضا ہو جائے۔ گویا ایک فریق نے قیاس اور اجتہاد سے کام لیا اور دوسرے فریق نے ظاہر حدیث پر عمل کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فریق کو ملامت نہیں کی کیونکہ دونوں مجتہد تھے اور دونوں نے دلیل شرعی پر عمل کیا۔

بعض علماء نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے ہر فریق کی تعصیب نہیں کی بلکہ کسی کو ملامت نہیں کی، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب مجتہد اپنی پوری صلاحیت صرف کر کے اجتہاد سے کوئی حکم حاصل کرے تو ہر چند کہ وہ حکم خطا پر ہو اس کو ملامت نہیں کی جاتی۔ ۱۵

بَابُ رَدِّ الْمُهَاجِرِينَ إِلَى الْأَنْصَارِ
مَنْعَهُمْ مِنَ الشَّجَرِ وَالشَّيْءِ حِينَ
عَطَايَا كَالْمُهَاجِرِينَ
عَطَايَا كَالْمُهَاجِرِينَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہاجرین مکہ سے مدینہ آئے تو ان کے ہاتھ خالی تھے، اور انصار کھیتوں اور زمینوں کے مالک تھے۔ تب انصار نے ہاجرین کو اپنی زمینیں دیں کہ وہ ہر سال پیداوار کا نصف انصار کو دے دیں اور باقی رکھ لیں اور زمینوں پر انصار کی جگہ کام کریں۔ حضرت انس بن مالک کی والدہ بن کوام سلیم کہا جاتا تھا، وہ حضرت عبداللہ بن ابی طلحہ کا والدہ بھی تھیں، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گھوڑا درخت دیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ درخت اپنی آنکھوں سے باندھ کر حضرت ام المین کو دے دیا جو حضرت اسامہ بن زید کی والدہ تھیں، ابن شہاب ہری

۴۴۸۸ - وَحَدَّثَنِي أَبُو الْقَاسِمِ وَحَمَلَهُ قَالَا أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي كَيْسٍ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَقَدْ قَدِمَ الْمُهَاجِرُونَ مِنْ مَكَّةَ الْمَدِينَةَ قَدْ مَوَّأَوْا لَيْسَ بِأَيِّدِيهِمْ شَيْءٌ وَكَانَ الْأَنْصَارُ أَهْلُ الْأَرْضِ مِنَ الْعَقَارِ فَقَامَتْهُمْ الْأَنْصَارُ عَلَى أَنْ أُعْطُوا هُمْ أَنْصَافَ ثَمَارِ أَمْوَالِهِمْ كُلِّ عَامٍ وَيَكْفُو نَهُمُ الْعَمَلُ وَالْمُؤَنَّةُ وَكَانَتْ أُمُّ الْكَيْسِ بِنْتُ مَالِكٍ وَهِيَ تَدْعِي أُمَّ سَلِيمٍ وَكَانَتْ أُمُّ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ كَانَتْ أَخَا

لَا تَسِ إِلَّا قَبِيحًا وَكَانَتْ أَعْطَتْ أَمْرًا كَسِ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ أَقَا
لِهَافَا عَطَاهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَمْرًا يَمَنُ مَوْلَانَهُ أَمْرًا سَامَةً بَيْنَ
نَرِيدٍ قَالَ ابْنُ شَهَابٍ قَا عُبَيْرٌ فِي أَكْسِ
بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ لَمَّا فَخَرْنَا مِنْ قِتَالِ أَهْلِ حَيْبَرِ
وَأَنْصَرَفَ إِلَى الْمَدِينَةِ رَدَّ اللَّهُ جُرُودَنَا
إِلَى الْأَنْصَارِ مَنَافِعَهُمُ الَّتِي كَانُوا
مَنْحُوهُمْ مِنْ ثَمَارِهِمْ قَالَ قُرَّةٌ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَتَحِ
عِنْدَ أَقْبَاهَا وَأَعْطَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْرًا يَمَنُ مَكَانَهُ مِنْ
حَاظِيهِ قَالَ ابْنُ شَهَابٍ وَكَانَ مِنْ شَأْنِ
أَمْرًا يَمَنُ أَمْرًا سَامَةً بَيْنَ نَرِيدٍ أَتَشَاهَا
كَانَتْ وَصِيفَةً لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ
وَكَانَتْ مِنَ الْحَبَشَةِ فَلَمَّا وَلَدَتْ أُمِّ سَلَمَةَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ
مَا تَوَقَّيَ أَبُوهُ فَكَانَتْ أَمْرًا يَمَنُ مَحْضَةً
حَتَّى كَبُرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَاعْتَقَهَا ثُمَّ أَنْكَحَهَا نَرِيدُ بْنُ حَارِثَةَ ثُمَّ
تَوَقَّيَتْ بَعْدَ مَا تَوَقَّيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَمْسَةِ أَشْهُرٍ

۴۲۸۹ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
وَحَامِدُ بْنُ عُمَرَ الْبَكْرِيُّ وَوَيْحِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ابْنُ
عَبْدِ الْأَعْلَى الْقَيْسِيُّ كُلُّهُمْ عَنِ الْمُعْتَمِرِ وَ
الْفُظْلَانِ ابْنِ أَبِي كَسْبَةَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ
سُكَيْمَانَ الْقَنْبَرِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ آدَسِ
أَنَّ رَجُلًا قَالَ حَامِدُ بْنُ عُمَرَ ابْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى

کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مجھے خبر
دی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل خیبر سے جہاد کر
کے مدینہ واپس لوٹے تو مہاجرین نے انصار کو ان کے وہ
عطایا واپس کر دیے جو انھوں نے پھلوں کی شکل میں ان کو
دیے تھے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی میری
والدہ کو ان کا مجبوراً درخت واپس کر دیا اور حضرت
ام المین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت
کے عوض اپنے باغ سے ایک اور درخت دے دیا۔ ابن
شہاب زہری کہتے ہیں کہ حضرت ام المین جو حضرت اسامہ
بن زید کی والدہ تھیں وہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی
باندی تھیں اور حبشہ کی رہنے والی تھیں جب رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم اپنے والد گرامی کی وفات کے بعد حضرت آمنہ
کے ہاں پیدا ہوئے تو اس وقت حضرت ام المین آپ کی
پرورش کر رہی تھیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے
ہوئے تو آپ نے ان کو آزاد کر دیا اور پھر ان کا نکاح حضرت
زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ حضرت ام المین رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے پانچ ماہ بعد انتقال
کر گئیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لوگ اپنے درخت
پیش کرتے تھے حتیٰ کہ جب بنو قریظہ اور بنو نضیر فتح
ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے
دیے ہوئے درخت واپس کر دیے۔ حضرت انس کہتے
ہیں کہ میرے گھر والوں نے مجھ سے کہا کہ نبی صلی اللہ

أَنَّ الرَّجُلَ كَانَ يَجْعَلُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّخْلَاتِ مِنْ أَرْضِهِ حَتَّى قَتِلَتْ عَلَيْهِ قَرْيَظَةُ وَالتَّحِيْبَةُ فَبَعَثَ ذَلِكَ يَرْدُ عَلَيْهِ مَا كَانَ آعْطَاهُ قَالَ أَنَسُ وَإِنْ أَهْلِي أَمْزُوقِي أَنْ أَقِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْأَلَهُ مَا كَانَ أَهْلُهُ آعْطَوْهُ أَوْ بَعْضُهُ وَكَانَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ آعْطَاهُ أُمَّرَأَتَيْنِ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَا نِيْسَهِنَّ فَبَجَاءَتْ أُمَّرَأَتَانِ فَبَعَثَ النَّبِيُّ فِي عَتِيقٍ وَقَالَتْ وَاللَّهِ لَا يُعْطِيكُمَنْ وَقَدْ آعْطَا نِيْسَهِنَّ فَقَالَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أُمَّرَأَتَانِ أَتُرْكِيْنِي وَلَيْتَ كَذَا وَكَذَا وَتَقُولُ كَذَا وَالَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَبَعَثَ يَقُولُ كَذَا حَتَّى آعْطَاهَا عَشْرَةَ أَمْثَالِهِ أَوْ قَرِيبًا مِنْ عَشْرَةٍ أَمْثَالِهِ

علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤں اور یہ سوال کروں کہ ہمارے گھر والوں نے آپ کو جو درخت دیے تھے وہ سب یا اس میں سے بعض واپس کر دیں، دراصل مالیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم درخت حضرت ام المین رضی اللہ عنہا کو دے چکے تھے، میں ہی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے وہ درخت مجھے دے دیے، اتنے میں حضرت ام المین آگئیں انھوں نے میری گردن میں کپڑا ڈال کر کہا بھڑا میں تم کو وہ درخت نہیں دوں گی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دے چکے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام المین وہ درخت چھوڑ دو، اور تم کو اتنے اور اتنے درخت مل جائیں گے، وہ کہنے لگیں ہرگز نہیں! قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ فرمانے لگے میں تم کو اتنا دوں گا، حتیٰ کہ ان کو تقریباً دس گنے زیادہ درخت عطا فرمائے۔

انصار کا ایثار، مہاجرین کی خود داری اور حضرت ام المین کی ناز برداری | بیان کیا ہے کہ جب مہاجرین مدینہ آئے تو انصار نے بطور ایثار اپنے درخت مہاجرین کو دے دیے، بعض مہاجرین نے ان درختوں کو محض علیہ کے طور پر قبول کیا اور بعض نے ان درختوں کو بطور مساقاۃ قبول کیا وہ ان درختوں کو پانی دیتے اور ان کے پھلوں کی نگہداشت کرتے اُدھے پھل اجرت میں خود رکھتے اور اُدھے انصار کو دیتے، اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے ساتھ انصار کے اس حسن سلوک اور ایثار کی تعریف فرمائی ہے، ارشاد باری ہے:

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شَحْمَ نَفْسِهِ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

(حشر: ۹)

جو لوگ مہاجرین کے آنے سے پہلے ہی دار و بھرت اور دار الایمان مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے اور وہ اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت رکھتے ہیں، اور انھوں نے (مہاجرین کو) جو کچھ دیان کے لیے اپنے دل میں طلب نہیں رکھتے، اور باوجود شدید ضرورت کے وہ اپنے اوپر ایثار کرتے ہیں، اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچائے گئے ہوں وہی لوگ کامیاب ہیں۔

قرآن مجید کی اس آیت اور اس حدیث میں انصار صحابہ کی واضح فضیلت ہے، کیونکہ وہ اسلام سے محبت کرتے تھے، اور اہل اسلام کی عزت کرتے تھے اور انہوں نے جو مجاہدین کے لیے ایثار کیا اس سے ان کے اخلاق جمیلہ اور ان کی پاکیزہ فطرت کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت ام سلیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو درخت دیے تھے وہ بطور مساقاۃ نہیں تھے، بلکہ اس کے پھل آپ کو ہبہ کر دیے تھے تاکہ آپ اس میں جو چاہیں تصرف کریں خواہ خود کھلائیں، اپنے اہل و عیال کو کھلائیں اپنے مہمانوں کو کھلائیں یا کسی کو ہبہ کر دیں اور اگر ان پھلوں کو صرف آپ کے لیے مباح کیا ہوتا تو آپ حضرت ام امین کو یہ درخت عطا نہ فرماتے کیونکہ جو چیز فی نفسہ مباح نہ ہو اس کو دوسرے کے لیے مباح نہیں کیا جاسکتا۔

مجاہدین نے انصار کو جو درخت واپس کیے اس میں یہ دلیل ہے کہ ان درختوں کے پھلوں کا کھانا مجاہدین کے لیے مباح کیا گیا تھا اگر انصار نے مجاہدین کو ان درختوں کا مالک بنا دیا ہوتا تو پھر وہ ان کو واپس نہ لیتے، کیونکہ قبضہ کے بعد ہبہ لازم ہو جاتا ہے۔ اور بااحتیاط میں بلا کر اسہت رجوع کیا جاسکتا ہے، اس کے باوجود انصار نے مجاہدین سے اس وقت تک رجوع نہیں کیا جب تک کہ وہ مرفہ الحال نہیں ہو گئے، فتح خیبر کے بعد جب ان میں وسعت اور خوشحالی آ گئی اور انہوں نے انصار کو ان کے عطیات واپس کئے تو پھر انہوں نے قبول کر لیا۔ اور اس سے مجاہدین کی خود داری اور بے نفسی کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ تولیٰ تو اکثر مجاہدین نے مساقاۃ کا معاہدہ کر کے انصار کی امداد کو قبول کیا اور محض عطیہ نہیں لیا اور جن مجاہدین نے محض عطیات لیے تھے تو انہوں نے بلا ضرورت بارگاہ احسان نہیں اٹھایا اور فراغت ملنے ہی انصار کے عطیات واپس کر دیے، اس سے یہ سبق حاصل کرنا چاہیے کہ اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ کچھ نیکی کرے تو اس کو بالکل مؤثر لینے کا قصد نہ کیا جائے۔

حضرت ام المین نے جو اس درخت کو دینے سے انکار کیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے یہ سمجھا تھا کہ یہ واسطی ہبہ ہے اور حضور نے ان کو اس درخت کا مالک بنا دیا ہے جبکہ ان کو اس درخت کے صرف پھل دیے گئے تھے، چونکہ حضرت ام المین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی تھی اس لیے آپ نے ان کا مان رکھا اور اس درخت کے عوض میں اضافہ کرتے رہے حتیٰ کہ حضرت ام المین رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں۔

باب ۵۹۸ جَوَازُ الْأَكْلِ مِنْ طَعَامِ
الْغَنِيمَةِ فِي دَارِ الْحَرْبِ
دار الحرب میں مال غنیمت کے طعام سے
کھانے کا جواز

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خیبر کے دن مجھے چربی کی ایک تیلی ملی تھی نے اس کو رکھ لیا، اور میں نے کہا کہ آج میں اس میں سے کسی کو

۴۴۹۔ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ حَزْزُوْرٍ
حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ أَبِي الْمَيْمُونِ حَدَّثَنَا
حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَعْقِلٍ

کچھ جہن دوں گا، میں نے مکر کر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے مسکرا رہے تھے۔

قَالَ أَصَبْتُ جَرَابًا مِنْ شَحْمٍ يَوْمَ رَخِيبٍ قَالَ
فَالْتَزَمْتُهُ فَقُلْتُ لَا أُعْطِي الْيَوْمَ أَحَدًا
مِنْ هَذَا أَشْيَا قَالَ فَالْتَفَعْتُ فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَبَسِّمًا

حضرت عبداللہ بن منقل رحمہ اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خیبر کے دن کسی نے ہماری طرف ایک قبیلی بھیجی جس میں طعام اصر چربی تھی میں اس کو اٹھانے کے لیے دوڑا، مکر کر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے، پھر مجھے شرم آئی۔

۴۴۹۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ الْعَبْدِيُّ
جَدُّنَا بَهْرُ بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا
حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ
مَعْقِلٍ يَقُولُ سَمِعْتُ إِبْنًا جَرَابٍ فِيهِ طَعَامٌ
وَشَحْمٌ يَوْمَ رَخِيبٍ فَوُكِّنْتُ لِأَخِيهِ قَالَ
فَالْتَفَعْتُ فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَاسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔
اس میں قبیلی کے اندر چربی کا ذکر ہے، طعام کا ذکر نہیں ہے۔

۴۴۹۲ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى
حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ بِهَذَا
الْإِسْنَادِ وَغَيْرَ آتٍ قَالَ جَرَابٌ مِنْ شَحْمٍ
وَلَمْ يَذْكُرِ الطَّعَامَ

دارالحرب میں حربیوں کا مال کھانے کے متعلق مذاہب فقہاء علامہ فردی لکھتے ہیں: قاضی عیاض نے کہا ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جب تک مسلمان دارالحرب میں ہوں وہ حربیوں کے مال سے بقدر ضرورت کھا سکتے ہیں اور اس کے لیے مسلمانوں کے امیر کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے اور نہ حربی کے سوا کسی نے بھی اس کے لیے امام سے اجازت لینے کی شرط نہیں لگائی، جبکہ فقہاء کہتے ہیں کہ اس قسم کی چیز کو دارالسلام میں سے جانا جائز نہیں ہے، اگر گے گیا تو اس کو واپس کرنا ہوگا، امام اذاعی کہتے ہیں کہ اس کو واپس کرنا لازم نہیں ہے، فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اس قسم کی چیز کو بیچنا بھی جائز نہیں ہے دارالحرب میں نہ دارالسلام میں۔

حالت جنگ میں حربیوں کی سولہوں پر ساری کرنا، ان کے کپڑے پھینا اور ان کے ہتھیاروں کو استعمال کرنا بالاجماع جائز ہے اور اس میں امیر سے اجازت لینا شرط نہیں ہے، امام اذاعی نے اس میں بھی امام سے اجازت لینے کی شرط عائد کی ہے۔

اہل کتاب کے ذبیحہ میں مذاہب فقہاء اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ یہودیوں کے ذبیحوں کی چربی حلال ہے، اگرچہ ان پر چربی حرام تھی، امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں ہے اور امام مالک کے نزدیک یہ مکروہ ہے، علامہ اشہب مالکی اور علامہ ابن قاسم مالکی اور بعض فقہاء حنبلیہ کے نزدیک یہ حرام ہے

امام شافعی اور جہور فقہاء کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے: **وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالْكَتَابَ** حل لکھو۔ اہل کتاب کا طعام تمہارے لیے حلال ہے۔ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس طعام سے اہل کتاب کا ذبیحہ مراد ہے، اس آیت میں گشت، چربی یا کسی اور چیز کا کوئی استثناء نہیں ہے، اور اسی آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے اور اس میں ماسوا خبیثہ کے تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے، ہمارا اور جہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے خواہ وہ اس پر بسم اللہ پڑھیں یا نہ پڑھیں (یعنی ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں یا نہ لیں) اور ایک قوم کا نظریہ یہ ہے کہ اگر انھوں نے ذبح کے وقت بسم اللہ کا نام پیا تو ان کا ذبیحہ جائز ہے اور اگر انھوں نے ذبح کے وقت سیح یا گرجے کا نام پیا تو پھر ہمارے نزدیک وہ ذبیحہ جائز نہیں ہے اور جہور فقہاء اسلام کا بھی یہی نظریہ ہے۔ ۱۷

اہل کتاب کے ذبیحہ میں فقہاء و اخاف کے نظریات | علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں: فتاویٰ

حادیہ میں لکھا ہے کہ کیا یہودی کے ذبیحہ کے جواز کے لیے اس کا اسرائیلی ہونا شرط ہے اور نصرانی کے ذبیحہ کے جواز کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کو خدا نہ مانتا ہو؟ ہادیہ اور دوسری کتب فقہیہ نے جو اس مسئلہ کو مطلقاً لکھا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ شرط نہیں ہے، مقتضی میں لکھا ہے کہ عیسائی عورتوں سے نکاح کے جواز کی شرط یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کی الوہیت کا اعتقاد نہ رکھتی ہوں، اور مبسوط میں ہے کہ اگر عیسائی حضرت مسیح کو خدا مانتے ہوں اور یہودی حضرت عزیر کی الوہیت کا اعتقاد رکھتے ہوں تو راجب ہے کہ ان کی عورتوں سے نکاح نہ کریں، اور شمس المائتہ نے مبسوط میں لکھا ہے کہ نصاریٰ کا ذبیحہ مطلقاً جائز ہے خواہ وہ شکیث کے قائل ہوں یا نہیں۔ اور دلائل کا تقاضا بھی مطلقاً جواز ہے، جیسا کہ ملامتہ تراشی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے۔ ایدہ اولیٰ یہ ہے کہ بیضرورت کے ان کا ذبیحہ کھایا جائے نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے، علامہ ابن ہمام کی بھی یہی تحقیق ہے، معراج میں ہے کہ اہل کتاب میں یہ شرط لگانا عام روایات کے خلاف ہے۔ ۱۸

علامہ ملائذ الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں: اہل کتاب کا ذبیحہ جائز ہے البتہ اگر کوئی شخص ذبح کرنے والے سے ذبح کے وقت مسیح کا نام سن لے تو پھر جائز نہیں ہے۔ ۱۹

علامہ شامی حنفی لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص اس سے ذبح کے وقت اللہ کا نام سن لے لیکن وہ حضرت مسیح کو اللہ اعتقاد کرتا ہو تب بھی فقہاء نے کہا ہے کہ اس کا ذبیحہ جائز ہے ہاں اگر وہ یہ کہے کہ میں اللہ کے نام سے ذبح کرتا ہوں جو تین میں سے ہمیرا ہے تو پھر اس کا ذبیحہ جائز نہیں ہے (ہندیہ) اس عبارت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر اس کے پاس نصرانی کا ذبح کیا ہو اگر گشت لایا جائے تو اس کو کھایا جائے گا (عنایہ) جیسا کہ اس کے سامنے صرف اللہ کے نام پر ذبح کیا ہو اگر گشت کھایا جاتا ہے۔ ۲۰

- ۱۷۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، بشرح مسلم ج ۲ ص ۹۷، مطبوعہ دار محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
- ۱۸۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۲۵۹-۲۵۸، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ
- ۱۹۔ علامہ ملائذ الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، رد مختار صلی بامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۵۹، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ
- ۲۰۔ علامہ ابراہیم الفضل سید محمد آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح البانی ج ۶ ص ۶۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت

علامہ آؤسی حنفی لکھتے ہیں: اگر یہودی اور عیسائی ذبیح کے وقت غیر اللہ مثلاً عزیز اور عیسیٰ (علیہما السلام) کا نام لیں تو کیا ان کا ذبیحہ جائز ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا یہ ذبیحہ حلال نہیں ہے اور یہی ربیعہ کا قول ہے، اور اکثر اہل علم نے کہا یہ جائز ہے اور یہ شعی اور عطاء کا قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبیحوں کو حلال کر دیا حالانکہ اس کو ظلم تھا کہ وہ ذبیح کے وقت کیا کہتے ہیں، حسن بصری نے کہا ہے کہ جب تم یہ سنو کہ یہودی یا نصرانی نے ذبیح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا ہے تو اس ذبیحہ کو مت کھاؤ، اور جب تمہارے سامنے ذبیحہ نہ کیا جائے تو کھاؤ، کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔ ۱۷

اہل کتاب کے ذبیحہ میں مصنف کی تحقیق مصنف کے نزدیک حسن بصری کا قول صحیح ہے اور شعی اور عطاء کا قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے

طعام کو حلال فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے: وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ أَنْتُمْ لَفَسِقُوا۔ (انعام: ۱۲۱) جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کو مت کھاؤ کیونکہ وہ فسق ہے۔ نیز فرمایا: إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخُزْزِيرِ وَمِمَّا أَهْلُ بَيْتِهِ لَعِنَ اللَّهُ (مائدہ: ۱۷۳) مہتم پر صرف مردہ خون، خنزیر کے گوشت اور اس جانور کو حرام کیا ہے جس پر ذبیح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ اس لیے اگر اس کے سامنے اہل کتاب ذبیح نہ کریں تو وہ طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم۔ کے پیش نظر ان کا کھانا کھالے غواء انہوں نے غیر اللہ کے نام پر ذبیح کیا ہو، اور اگر اس کے سامنے اہل کتاب غیر اللہ کے نام پر جانور کو ذبیح کریں تو ان آیات کے پیش نظر وہ اس ذبیحہ کو نہ کھائے۔

اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اسی طرح تمہارے لیے اہل کتاب کی آزاد اور پاکدامن عورتیں حلال ہیں جب کہ تم ان کے مہر ادا کرو، وہ ان کا لیکر تم ان کو نکاح کی قید میں لائے ہو نہ ظاہر ابد کاری کرنے والے ہو اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والے ہو۔

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ مُحْصَنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ۔ (مائدہ: ۲۵)

علامہ آؤسی حنفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حربی عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے، یہ آیت ذمی عورتوں کے ساتھ خاص ہے، حضرت ابن عباس نے اس آیت سے استدلال کیا:

جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں: آپ ان لوگوں کو ان سے محبت کرنے والا نہ پائیں گے جو اللہ اور اس کے رسول سے عداوت

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ۔ (مجادلہ: ۲۲)

رکھتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے ساتھ محبت اور مودت رکھنے سے منع فرمایا ہے اور نکاح مکرہ کا سبب ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمِنْ آيَاتِنَا أَنْ خَلَقْنَا لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ
أَزْوَاجًا لَتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلْ بَيْنَكُمْ
مَوَدَّةً وَرَحْمَةً - (دوم: ۲۱)

اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے
تہا سے لیے تہا ہی ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے
تاکہ تم ان سے سکون پاؤ اور اللہ نے تہا سے درمیان
محبت اور رحمت رکھ دی ہے۔

علامہ ابو بکر جصاص نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک اس دلیل سے کراہت ثابت ہوتی ہے اور ہمارے اصحاب
عربی عورتوں سے نکاح کرنے کو مکروہ کہتے ہیں۔ اور شیعہ حضرات عربی عورتوں سے نکاح کرنے کو ناجائز کہتے
ہیں۔

ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان مہاجر
عورتوں کے ساتھ تمام عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے اور اسلام کے سوا کسی اور دین کی عورتوں سے
نکاح کرنے کو حرام فرمایا ہے، اور امام عبد الرزاق اور امام ابن منذر نے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ سے
یہودی اور نصرانی عورتوں سے نکاح کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ہم نے نبی (ﷺ) کے زمانہ میں
جب مسلمان عورتیں کثرت سے دستیاب نہ تھیں، ان سے نکاح کیا اور جب ہم واپس لوٹے تو ان کو طلاق دے دی
ابن جریر نے حسن بصری سے روایت کیا ہے: ان سے پوچھا گیا کہ کیا کوئی شخص اہل کتاب کی لڑکی سے نکاح کر سکتا
ہے؟ انہوں نے کہا اس کا اہل کتاب سے کیا واسطہ؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتیں بکثرت پیدا کی ہیں، اگر اس
نے کتابیہ سے نکاح کرنا ہی ہو تو غیر مسلمان سے نکاح کرے، پوچھا مسلمان کون ہے؟ کہا جس کو مرد آٹھ سے
اشارہ کرے قرودہ اس کے ساتھ چل پڑے۔ لے

اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کے متعلق مصنف کی تحقیق غلام یہ ہے کہ دار الحرب میں عربی
عورتوں سے نکاح مکروہ تحریمی ہے

اور دارالاسلام میں بلا ضرورت مکروہ تنزیہی ہے، آج کل انگلینڈ اور امریکہ وغیرہ اس مسئلہ میں دار الحرب کے حکم میں
ہیں، اس لیے وہاں عربی عورتوں سے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ دارالاسلام میں کتابیہ
کو مسلمان کرنا آسان ہے اور اس سے اسلامی احکام پر عمل کرنا بھی سہل ہے اور اولاد کو اسلام کے تابع کرنا
اور مسلمان قرار دینا بھی کوئی مشکل نہیں اس کے برخلاف جہاں عیسائیوں کی حکومت ہو وہاں یہ تمام امور بے حد
دشوار اور مشکل ہیں۔

بیروت

لے۔ علامہ شہاب الدین ابوالفضل سید محمود آلوسی مترقی ۱۲۷۰ھ، روح البانی ج ۲ ص ۶۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی

بَابُ كِتَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى هِرَاقْلَ يَدْعُوهُ إِلَى الْإِسْلَامِ

دعوت اسلام کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا
ہرقل کے نام مکتوب

۴۴۹۳ - حَدَّثَنَا اسْحَقُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ
الْحَنْظَلِيُّ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ
وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ حُمَيْدٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ رَافِعٍ قَالَ
ابْنُ رَافِعٍ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ حَتَمْنَا وَقَالَ
الْآخَرَانِ اخْتَبَرْنَا عَبْدَ الرَّزَّاقِ اخْتَبَرَنَا
مَعْمَرُ بْنُ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ
عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْمَانَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ
أَبَا سَفْيَانَ اخْتَبَرَهُ مِنْ فَيْيَ إِلَى فَيْيَ قَالَ
انْطَلَقْتُ فِي الْمُدَّةِ الَّتِي كَانَتْ بَيْنِي وَ
بَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَبَيَّنَّا أَنَا الْقَائِمَ
إِذْ جِئْتُ بِكِتَابِ مَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى
هِرَاقْلَ يَعْزِي عَظِيمَ الزُّوْمِ قَالَ وَكَانَ دُخَانٌ كَثِيرٌ
جَاءَ بِهِ فَدَفَعَهُ إِلَى عَظِيمٍ بَصْرِي فَدَفَعَهُ عَظِيمٌ بَصْرِي
إِلَى هِرَاقْلَ فَقَالَ هِرَاقْلُ هَلْ هَلُمْنَا أَحَدًا
مِنْ قَوْمِ هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ
كَيِّ قَالُوا لَعَنَهُ قَالَ قَدْ عَيِّتُ فِي قَوْمٍ
قَرِيشٍ قَدْ خَلُنَا إِلَى هِرَاقْلَ فَأَجْلَسَنَا
بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ أَيُّكُمْ أَقْرَبُ لَسَبِّ
مَنْ هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ
فَقَالَ أَبُو سَفْيَانَ فَقُلْتُ أَنَا فَأَجْلَسُونِي
بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَجْلَسُوا أَصْحَابِي خَلْفِي ثُمَّ دَعَا
بِتَرْجُمَانِهِ فَقَالَ لَمَّا قُلْتُ لَهُمْ إِنِّي سَائِلٌ
هَذَا عَنِ الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ
فَإِنْ كَذَبَنِي فَكَذِّبُوهُ قَالَ فَقَالَ أَبُو سَفْيَانَ
وَأَيْمَنُ اللَّهِ لَوْلَا مَتَاعُهُ أَنْ يُؤْثِرَ عَلَيَّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوسفیان
نے مجھے خود رو برویان کیا کہ جس مدت میں میرے اور رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ تھا، اس دوران میں ملک شام گیا، شام میں قیام
کے دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بادشاہ روم ہرقل کے نام مکتوب
پہنچا، حضرت دیکھیں اس مکتوب کے گزشتے اور بصری کے حکم کردہ مکتوب
پہنچایا، اس نے وہ مکتوب ہرقل تک پہنچایا۔ ہرقل نے کہا کہ یہاں
ایسے شخص کی قوم کا کوئی شخص حاضر ہے جس کا یہ دعویٰ
ہے کہ میں نبی ہوں؟ لوگوں نے کہا ہاں، حضرت ابوسفیان نے کہا پھر مجھے
قریش کی ایک جماعت کے ساتھ بلایا گیا پھر ہم ہرقل کے پاس گئے، ہرقل نے ہمیں
اپنے سامنے بٹھایا، اس نے کہا تم میں سے اس شخص کا قریبی رشتہ دار کون ہے جس کا
دعویٰ ہے کہ میں نبی ہوں؟ حضرت ابوسفیان نے کہا میں ہوں، پھر
انہوں نے مجھے ہرقل کے سامنے بٹھایا اور میرے ساتھیوں
کو میرے پیچھے بٹھادیا پھر اس نے مترجم کر بلایا اور
اس نے کہا ان سے کہو میں اس شخص کے بارے میں
سوال کر رہا ہوں جس کا یہ دعویٰ ہے کہ میں نبی ہوں، اگر
یہ مجھ سے جھوٹا برے تو تم بتا دینا کہ یہ جھوٹا ہے،
حضرت ابوسفیان نے کہا بخدا اگر مجھے یہ قد شہ نہ ہوتا کہ یہ
مجھ کو جھوٹا کہیں گے تو میں ضرور جھوٹ بولتا، پھر اس نے
اپنے مترجم کے کہا اس سے پوچھو کہ ان کا تم میں حسب (نساء) کیا ہے؟
کیسا ہے؟ میں نے کہا نہ ہم میں اچھے حسب والے ہیں
اس نے پوچھا کیا ان کے آباد میں کوئی بادشاہ بھی گذرا ہے؟
میں نے کہا نہیں، اس نے پوچھا کیا اس دعوے سے
پہلے تم ان پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟ میں نے کہا
نہیں، اس نے پوچھا ان کی پیروی اعلیٰ طبقے کے لوگ
کرتے ہیں یا نچلے طبقے کے؟ میں نے کہا نچلے طبقے کے،

الْكَذِبُ لَكَذَبْتُ ثُمَّ قَالَ لِيَرْجِعَانِي سَلَهُ
كَيْفَ حَسَبُهُ فِيمَكُمُ قَالَ قُلْتُ هُوَ فِيمَنَا
وَحَسِبُ قَالَ قُلْتُ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مَلِكٌ
قُلْتُ لَا قَالَ قُلْتُ كُنْتُمْ تَشْهَمُونَهُ بِالْكَذِبِ
قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ وَمَنْ
يَتَّبِعُهُ أَشْرَافُ النَّاسِ أَمْ ضَعْفَاءُ وَهُمْ
قَالَ قُلْتُ بَلْ ضَعْفَاءُ وَهُمْ قَالَ أَيْزِيدُونَ
أَمْ يَنْقُصُونَ قَالَ قُلْتُ لَا بَلْ يَزِيدُونَ
قَالَ هَلْ يَزِيدُ أَحَدٌ مِنْهُمْ عَنْ دِينِهِ
بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ سَخَطُهُ لَمْ يَقُلْ
قُلْتُ لَا قَالَ قُلْتُ قَاتِلْتُمُوهُ قُلْتُ
نَعَمْ قَالَ فَكَيْفَ كَانَ قِتَالُكُمْ إِيَّاهُ
قَالَ قُلْتُ تَكُونُ الْحَرْبُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ
سَجَالًا يُصِيبُ مِنَّا وَنُصِيبُ مِنْهُ قَالَ
قُلْتُ يَعْدِي قُلْتُ لَا وَنَحْنُ مِنْهُ فِي
مُدَّةٍ لَا تَدْرِي مَا هُوَ صَانِعٌ فِيهَا قَالَ
قَوْلَهُ مَا أَمْكَنِي مِنْ كَلِمَةٍ أُدْخِلُ
فِيهَا شَيْئًا غَيْرَ هَذَا قَالَ قُلْتُ
هَذَا الْقَوْلُ أَحَدُ قَبْلِكَ قَالَ قُلْتُ
لَا قَالَ لِيَرْجِعَانِي قُلْتُ لَمْ أَقِ سَأَلْتُكَ
عَنْ حَسَبِهِ فَزَعَمْتَ أَنَّكَ فِيكُمْ دُو
حَسِبُ وَكَذَلِكَ الرَّسُلُ يُبْعَثُ فِي أَحْسَابِ
قَوْمِهِمَا وَسَأَلْتُكَ هَلْ كَانَ فِي آبَائِهِ مَلِكٌ
فَزَعَمْتَ أَنْ لَا فَقُلْتُ لَوْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ
مَلِكٌ قُلْتُ رَجُلٌ يَطْلُبُ مَلِكَ آبَائِهِ وَ
سَأَلْتُكَ عَنْ أَتْبَاعِهِ أَضَعْفَاءُ وَهُمْ أَمْ
أَشْرَافُهُمْ فَقُلْتُ بَلْ ضَعْفَاءُ وَهُمْ وَهُمْ
أَتْبَاعُ الرَّسُلِ وَسَأَلْتُكَ هَلْ كُنْتُمْ
تَشْهَمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا

اس نے پوچھا ان کے پیروکار زیادہ ہو رہے ہیں یا کم ہیں
نے کہا نہیں بلکہ وہ (دونوں ہلن) زیادہ ہو رہے ہیں، اس نے
پوچھا ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد کیا کرتی ان سے
ناراض ہو کر ان کے دین سے پلٹ (مردم) جاتا ہے؟
میں نے کہا نہیں، اس نے پوچھا کیا تم نے کبھی ان سے
جگمگ کی ہے؟ میں نے کہا ہاں اس نے پوچھا ان کا تہار
ساتھ جگمگ میں کیا نتیجہ رہا؟ میں نے کہا ہمارے اور
ان کے درمیان جگمگ ایک ڈول کی طرح ہے کبھی وہ
کینچ لیتے ہیں اور کبھی ہم اس نے پوچھا کبھی انھوں نے
عہد شکنی کی؟ میں نے کہا نہیں، لیکن میں دوہان ہم یہاں
ہیں ہمیں ان کا حال معلوم نہیں، حضرت ابوسفیان کہتے ہیں
بخدا! اس ایک جگمگ کے سوا مجھے اور کسی بات کو اپنی گفتگو میں
داخل کرنے کی گنجائش نہیں ملی، اس نے پوچھا کیا ان سے
پہلے کسی اور نے بھی دعویٰ کیا تھا؟ میں نے کہا نہیں،
پھر اس نے اپنے مترجم سے کہا اس کو بتاؤ میں نے تم سے
ان کے حسب کے متعلق پوچھا تو تم نے یہ بتایا کہ وہ تم میں اچھے
حسب والے ہیں، اور قاعدہ یہی ہے کہ انبیاء اپنی قوم
کے حسب سے اچھے حسب میں مبعوث ہوتے ہیں، پھر
میں نے تم سے پوچھا کیا ان کے آباء اجداد میں کوئی بادشاہ
گنبد ہے؟ تم نے کہا نہیں میں نے سوچا کہ اگر ان کے
آباء میں کوئی بادشاہ ہوتا تو یہ گمان ہو سکتا تھا کہ انھوں
نے اپنے آباء کی حکومت حاصل کرنے کے لیے یہ دعویٰ
کیا ہے؟ پھر میں نے پوچھا کہ ان کے پیروکار سپاہ
ہیں یا ذمی حیثیت؟ تم نے کہا بلکہ وہ پس ماندہ لوگ ہیں،
اور رسول کے پیروکاروں میں پس ماندہ لوگ ہوتا ہوتے
ہیں، پھر میں نے تم سے پوچھا کیا اس دعویٰ سے پہلے
تم ان پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟ تم نے کہا نہیں! سو
میں نے جان لیا کہ جو شخص بندوں پر جھوٹ نہیں باندھتا
وہ اللہ پر کب جھوٹ باندھے گا! اور میں نے تم سے

قَالَ فَرَعَمْتُ أَنْ لَا فَقَدْ عَرَفْتُ أَنَّكَ
لَمْ يَكُنْ لِيَدَّ عَرُ الْكَذِبِ عَلَى النَّاسِ ثُمَّ
يَذْهَبُ فَيَكْذِبُ عَلَى اللَّهِ وَمَا لَكَ هَلْ
يَزِيدُ أَحَدًا مِنْهُمْ عَنْ دِينِهِ بَعْدَ أَنْ
يَذْهَبَ خَلْفَهُ سَاعِطَةً لَهُ فَرَعَمْتُ أَنْ لَا وَكَذَلِكَ
الْإِيمَانُ إِذَا خَالَطَ بِشَاشَةِ الْقُلُوبِ وَمَا لَكَ
هَلْ يَزِيدُ وَنَ أَوْ يَنْقُصُونَ فَرَعَمْتُ أَنَّهُمْ
يَزِيدُونَ وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ حَتَّى يَبْدَأَ
وَمَا لَكَ هَلْ قَاتَلْتُمُوهُ فَرَعَمْتُ أَنَّهُمْ
قَدْ قَاتَلْتُمُوهُ فَتَكُونُ الْحَوْبُ بَيْنَكُمْ وَ
بَيْنَهُ سِجَا لَا يَنَالُ مِنْكُمْ وَتَنَالُونَ مِنْهُ
وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ تُبْتَلَى ثُمَّ تَكُونُ لَهُمْ
الْعَاقِبَةُ وَمَا لَكَ هَلْ يَغْدِرُ فَرَعَمْتُ
أَنَّهُ لَا يَغْدِرُ وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ لَا تَغْدِرُ
وَمَا لَكَ هَلْ قَالَ هَذَا الْقَوْلُ أَحَدٌ
قَبْلَهُ فَرَعَمْتُ أَنْ لَا فَقُلْتُ لَوْ قَالَ هَذَا
الْقَوْلُ أَحَدٌ قَبْلَهُ قُلْتُ رَجُلٌ ائْتَمَّ بِقَوْلِ
قِيلَ قَبْلَهُ قَالَ ثُمَّ قَالَ يَمْرُؤُكُمْ
قُلْتُ يَا مُرْنَا بِالْهَلَاةِ وَالزَّكَاتِ وَالصَّلَاةِ
وَالْعَقَابِ قَالَ إِنْ يَكُنْ مَا تَقُولُ فِيمَا
حَقًّا فَإِنَّهُ نَبِيٌّ وَقَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ
خَارِجٌ وَلَمْ أَكُنْ أَظُنُّهُ مِنْكُمْ وَلَوْ أَرَفْتُ
أَعْلَمُ أَرَفْتُ أَخْلَصُ إِلَيْهِ لَا خَبِيثَتٍ لِقَاءَهُ
وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَغَسَدْتُ عَنْ قَدَمَيْهِ
وَلَيَبْلُغَنَّ مِنْكُمْ مَا تَحْتَ قَدَمَيْهِ قَالَ ثُمَّ
دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَرَأَ فِيهِ مَا فِيهِ مِنْ سُبْحَانَ اللَّهِ الرَّحْمَنِ
الرَّحِيمِ مِنْ مَجْدِهِ وَرَسُولِ اللَّهِ إِلَى هَرِ قُلْ
عَظِيمِ التَّوْحِيدِ سَلَامًا عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى

کیا کیا ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص
ان سے ناراض ہو کر ان کے دین سے مرتد ہو جاتا ہے؟
تم نے کہا نہیں اور دل میں ایمان کے رُچ جانے کے بعد
بھی مرتد ہے، میں نے تم سے سوال کیا ان کے پیروکار
زیادہ ہو رہے ہیں یا کم؟ تم نے کہا وہ زیادہ ہو رہے ہیں
اور ایمان لانے کا یہی قاعدہ ہے حتیٰ کہ وہ اپنے کمال کو پہنچ
جاتا ہے اور میں نے تم سے پوچھا کیا کبھی تم نے اس سے
جھگڑا کیا ہے؟ تم نے کہا ہاں جھگڑا کیا ہے اور ہماری
جھگڑا دل کی طرح ہے کبھی اس کو وہ پہنچ لیتے ہیں اور
کبھی ہم، اور یہی قاعدہ ہے پہلے رسولوں کے ساتھ اسی
طرح ہوتا رہا ہے پھر آخری فتح انہی کی ہوتی ہے، اور میں نے
تم سے پوچھا کیا انہوں نے کبھی عہد شکنی کی ہے؟ تم نے کہا
وہ عہد شکنی نہیں کرتے، اور یہی قاعدہ ہے رسول عہد شکنی نہیں
کرتے، اور میں نے تم سے پوچھا کیا ان سے پہلے بھی
کسی نے یہ دعویٰ کیا تھا، تم نے کہا نہیں، میں نے سچا اگر
ان سے پہلے کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا تو میں یہ کہتا کہ اس
شخص نے اس پہلے قول کی اتباع کی ہے پھر اب سفیان نے کہا
کہ پھر رسول نے جو جہاد تم کو کن باتوں کا حکم دیتے ہیں ۹۔ مسنین نے
کہا وہ ہمیں نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے، صلہ رحمی کرنے اور
پاک دامنی کا حکم دیتے ہیں، اس نے کہا اگر تم نے سچ
بیان کیا ہے تو وہ واقعی نبی ہیں اور مجھے علم تھا کہ اس نبی کا
ظہور ہونے والا ہے لیکن مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ اس کا
تم میں ظہور ہو گا! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میں ان تک پہنچ
جاؤں گا تو میں ان سے ملاقات کو پسند کرتا، اور اگر میں
وہاں موجود ہوتا تو ان کے مبارک قدموں کو دھوتا، ان
کی حکومت یہاں تک ضرور پہنچے گی، پھر اس نے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب منگوا یا اور اس کو پڑھا
اس میں لکھا ہوا تھا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، یہ محمد رسول اللہ
(صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے رسول کے بادشاہ ہر قل کے نام ہے بخیر

أَمَّا بَعْدُ فَإِنِ ادْعُوكَ بِدَعَايَةِ الْإِسْلَامِ
 أَسْلَمْتَ تَسْلِمًا وَاسْلِمْتَ يُؤْتِيكَ اللَّهُ أَجْرَكَ
 مَرَّتَيْنِ وَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ
 إِثْمَ الْأَكْرِيْسِيِّينَ وَفِي أَهْلِ الْكِتَابِ
 نَعَاوٍ إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَ
 بَيْنَكُمْ أَنْ لَا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ
 بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا
 أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا
 اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ فَكَلَّمَا فَرَّغَ
 مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ ارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ
 عِنْدَهُ وَكَثُرَ اللَّخْطُ وَآمَرَهُمَا فَخَرَجْنَا
 قَالَ فَقُلْتُ لَا ضَعَايَ حِينَ خَرَجْنَا لَقَدْ
 أَمَرَ مُرَّةً ابْنِي كَبِشَةَ إِنَّهُ لَيَنْخَافُ
 مَلِكُ بَنِي الْأَصْفَرِ قَالَ فَمَا زِلْتُ مُوقِنًا
 بِأَمْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 أَنَّهُ سَيُظْهِرُ حَتَّى أَدْخَلَ اللَّهُ عَلَيَّ
 الْإِسْلَامَ

ہدایت کا پیرو کار ہے اس کو سلام ہو، اس کے بعد واضح
 ہو کر میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام سے آؤ،
 سلامتی سے رہو گے، اسلام قبول کر لو، اللہ تعالیٰ تم کو
 دوسرا اجر عطا فرمائے گا، اور اگر تم نے اعراس کیا تو تمہارے
 پیرو کاروں کے اعراس کا گناہ بھی تم پر ہوگا، اسے اہل کتاب
 آؤ اس بات کو قبول کر لو جو ہمارے اور تمہارے درمیان
 اتفاق مسجد ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں
 گئے، اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے اور
 ہم میں سے کوئی بھی اللہ کے سوا کسی کو معبود نہیں بنائے
 گا، اگر وہ اس سے اعراس کرے تو کبہ دو گواہ رہو ہم مسلمان
 ہیں، جب ہر حق اس مقترب کو پڑھ کر فارغ ہوا تو اس
 کے سامنے شہدے چمکے اور کثرت آوازیں آنے لگیں، اس
 نے ہمیں باہر نکالنے کا حکم دیا، اور ہم نکال دیا گیا، باہر
 آنے کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا، ابن ابی کبشہ
 (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی اہمیت اب بہت بڑھ گئی
 ہے کیونکہ وہم کا بادشاہ بھی ان سے بہت ڈرتا ہے اس
 کے بعد مجھے ہمیشہ یہ یقین رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کو عنقریب غلبہ حاصل ہوگا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے
 دل میں اسلام داخل کر دیا۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بھی ذکر کی
 ہے، اس میں ہے کہ فارس (ایران) کی افواج کو شکست
 دینے کے بعد جب قیصر روم جس سے یلیا ورمیت
 المقدس کی طرف روانہ ہوا تاکہ اس امتحان میں سرخروئی پر
 اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، اور اس حدیث میں ہے کہ محمد
 عبد اللہ و رسول کی جانب سے اور اسین کی جگہ یرکسین
 کا لفظ ہے اور دعاۃ کی بجائے داعیۃ الاسلام کا لفظ ہے۔

۴۴۹۴۔ وَحَدَّثَنَا أَحْسَنُ الْحُلَوَانِيُّ
 وَعَبْدُ بْنُ حَمِيدٍ قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ
 وَهَّابُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا أَبِي
 عَنْ صَالِحِ بْنِ عَيْنِ بْنِ شَهَابٍ بِهَذَا الْأَسْنَادِ
 وَنَرَاهُ فِي الْحَدِيثِ وَكَانَ قَصِيرٌ لَمَّا كُشِفَ
 اللَّهُ عَنْهُ جُنُودَ قَارِصَ مَشَى مِنْ حِمَاصٍ
 إِلَى أَيْلِيَاءَ مُسْكِرًا لَمَّا أَبْلَاهُ اللَّهُ وَقَالَ
 فِي الْحَدِيثِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
 وَقَالَ إِثْمُ الْكِرْيَسِيِّينَ وَقَالَ بِدَعَايَةِ
 الْإِسْلَامِ

حدیث ہر قل کے مسائل اور مباحث | اس حدیث میں متعدد فوائد ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔
 (۱)۔ امام بخاری نے بھی اس حدیث کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر قل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صادق ہونے کو جانتا تھا، لیکن جب اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے ارادہ کو ظاہر کیا تو اس کے دربار کے تمام اراکین اور سردار اس سے متنفذ ہو گئے اور بالآخر اس نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا اور روم کی حکومت پر قائم رہا، نیزت ہبشر کے بادشاہ نجاشی کے مقدر میں بھی وہ آپ پر ایمان لے آیا تھا۔

(۲)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روم کے بادشاہ کو اسلام کی دعوت دی اس میں یہ دلیل ہے کہ قتال اور جہاد سے پہلے اسلام کی دعوت دینا واجب ہے اور دعوت اسلام سے پہلے ان سے قتال کرنا حرام ہے اور اگر ان کو پہلے دعوت اسلام پہنچ چکی ہو تو پھر دوبارہ دعوت دینا مستحب ہے۔

(۳)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحیہ کلبی کے ہاتھ پر پیام بھیجا اس سے معلوم ہوا کہ خبر واحد پر عمل کرنا واجب ہے۔
 (۴)۔ کافر کی طرف مکھے جانے والے خط میں بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا جائز ہے، کیونکہ آپ نے اس مکتوب میں بسم اللہ لکھی۔

(۵)۔ بعض روایات میں ہے کہ امر عظیمہ کو بسم اللہ سے شروع کیا جائے اور معنی میں ہے کہ الحمد للہ سے شروع کیا جائے، اس مکتوب کو آپ نے بسم اللہ سے شروع کیا اس سے معلوم ہوا کہ الحمد للہ سے مراد بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کا نام ہے، کیونکہ یہ مکتوب بھی ایک عظیم لہر تھا۔

(۶)۔ دوسرے انبیاء اور رسول کی فکر پہلے اپنی طرف اور پھر اللہ کی طرف ہوتی ہے اور آپ کی نظر پہلے اللہ کی طرف اور پھر اپنی طرف ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا: ”ان معی حاجی“ ”میرے ساتھ میرا رب ہے“ آپ نے فرمایا: ”ان الله معنا“ ”اللہ ہمارے ساتھ ہے“ حضرت سلیمان نے مکتوب میں لکھا: ”ان من سليمان وان الله الرحمن الرحيم“ اور آپ نے لکھا بسم اللہ الرحمن الرحيم من محمد رسول الله الى ہر قل عظیم الروم حضرت موسیٰ اور سلیمان نے پہلے اپنا اور پھر اللہ کا نام لیا اور آپ نے پہلے اللہ کا اور پھر اپنا نام لیا۔

(۷)۔ بعض احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے علاقہ میں قرآن مجید لے کر جانے سے منع فرمایا ہے اور اس حدیث میں ہے کہ آپ نے ہر قل کی طرف مکتوب بھیجا جس میں قرآن مجید کی آیات لکھی ہوئی تھیں علامہ نووی نے اس کا یہ جواب لکھا ہے کہ دو تین آیات کو لے کر جانا ممنوع نہیں ہے اور پورے قرآن کو لے کر جانا ممنوع ہے، نیز نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ جن کفار سے بالفعل جنگ ہو رہی ہو اور حالت حرب قائم ہو وہاں قرآن کو لے کر جانا ممنوع ہے اور کفار کے جو علاقے برسر جنگ نہ ہوں وہاں قرآن مجید لے کر جانا جائز ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے دشمن کی سرزمین میں قرآن کو لے کر سفر نہ کیا جائے اور یہ معنی ان علاقوں کے مناسب ہے جہاں حالت جنگ موجود ہو۔

(۸)۔ اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ کافر اور بے دھرم کا کسی ایسی کتاب کو چھونا جائز ہے جس میں قرآن مجید کی چند آیات لکھی ہوئی ہوں۔

(۹)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قتل کر ملک روم نہیں لکھا کیونکہ ملک اور سلطنت اللہ اور اس کے رسول کی ہے یا جس کو اللہ اور رسول ملک اور سلطنت دے دیں یا جو کسی ملک پر اللہ اور اس کے رسول کی نیابت کرے اور اس کو عظیم الروم اس لیے لکھا تاکہ اس کی دل حتمی اور حوصلہ افزائی ہو کیونکہ تبلیغ میں نرمی اور ملاحظت مطلوب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اذم الی سبیل دینک بالحقمة والموعظة الحسنۃ (نحل ۱۲۵) ”اپنے رب کے دین کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلائیے۔“

(۱۰)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا اسلام تسلسلہ اس میں نہایت اختصار، جامعیت، بلاغت اور حسن عبارت ہے لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد تم دنیا میں اپنی جان اور مال کو محفوظ کر لو گے، تمہارا ملک غارت گری سے محفوظ رہے گا اور آخری عذاب سے مامون اور سلامت رہو گے۔

(۱۱)۔ اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ جو شخص دوسروں کی گمراہی کا سبب ہو گا، وہ ان کے مذاب کا بھی مستحق ہو گا کیونکہ آپ نے فرمایا اگر تم نے دعوت اسلام سے اعراض کیا تو تم کو اپنے پیروکاروں کے اعراض کا بھی گناہ ہو گا۔ قرآن مجید میں ہے: وَلِيَحْمِلْنَ اَثْقَالَهُمْ وَاثْقَالًا مَعَ اَثْقَالِهِمْ (عنکبوت: ۲۶) ”اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور کئی بوجھ بھی اٹھائیں گے“ اس آیت سے یہی مراد۔ (۱۲)۔ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اہل کتاب میں سے جو شخص تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اس کو دوسرا اجر ملے گا۔

(۱۳)۔ اس حدیث میں خطبہ کے بعد امام بعد کہنے کا بھی ثبوت ہے۔

(۱۴)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قتل کے لیے لکھا و سلام علی من اتبع الهدی اور سلام علیک نہیں لکھا، اس میں یہ دلیل ہے کہ کافر کو ابتداءً سلام نہیں کرنا چاہیے، بعض متقدمین نے کافر کو ابتداءً سلام کرنے کو بھی جائز کہا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اگر کافر ابتداءً سلام کرے تو حجاب میں کہے وعلیکم ما علیکم اور اگر قتل کا خوف ہو تو فرشتوں کو سلام کرنے کی نیت سے وعلیکم السلام کہنا جائز ہے۔

(۱۵)۔ بنو خزاعہ کا ایک شخص تھا جو شمری (ایک ستارہ) کی عبادت کرتا تھا اور اہل عرب میں سے کوئی اس کے موافق نہیں تھا اس کا نام ابن ابی کبشہ تھا، ابوسفیان نے آپ کو ابن ابی کبشہ کے مشابہ قرار دے کر آپ کو ابن ابی کبشہ کہا کیونکہ اس وقت زیادہ تر عرب آپ کے دین کے مخالف تھے، اور ایک قول یہ ہے کہ ابو کبشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نانا کا نام تھا اور ایک قول یہ ہے کہ ابو کبشہ حضرت حلیمہ کے والد کے چچا کا نام تھا اس وجہ سے آپ کو ابن ابی کبشہ کہا۔

(۱۶)۔ ہر قتل کے کہا وکننک الوصل تبعث فی احساب قومہا۔ ”اور اسی طرح قاعدہ ہے کہ رسول اپنی قوم کے سب سے اچھے نسب میں مبعوث ہوتے ہیں“ ۱۹۵۳ء میں جب پاکستان میں سب سے پہلے قادیانوں کے خلاف تحریک چلی اور تمام کتاب نگر کے علماء کثیفے ہوئے تو ایک مجلس میں میرے شیخ علامہ سید احمد سید کاظمی رحمہ اللہ نے شیخ اور لیس کا نہ حلوی سے کہا آپ نے اپنی کتاب علم الکلام میں لکھا ہے کہ نبی کے لیے ضروری ہے کہ اس کا نسب اپنے زمانہ کے انساب سے افضل ہو اور یہ صحیح نہیں ہے، شیخ کا نہ حلوی نے کہا میں نے تو حدیث کا ترجمہ کیا ہے وکننک الوصل تبعث فی احساب قومہا۔، حضرت نے فرمایا حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ نبی

کانشب اپنی قوم کے انساب سے افضل ہوتا ہے مگر اپنے زمانہ کے انساب سے افضل ہوتا ہے، شیخ کا درجہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا زمانہ کے انساب میں کیا اشکال ہے؟ حضرت نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان الله اصطفى من ولد ابراهيم اسماعيل واصطفى من ولد اسمعيل بنى كنانة واصطفى من بنى كنانة قريشا واصطفى من قريش بنى هاشم واصطفاني من بنى هاشم راجع ترمذی ص ۱۹، مطبوعہ نوریہ کراچی) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی اولاد سے حضرت اسماعیل کو فضیلت دی، اور حضرت اسماعیل کی اولاد سے بڑگانہ کو فضیلت دی اور بنو کنانہ سے قریش کو فضیلت دی اور قریش میں سے بنو ہاشم کو فضیلت دی اور بنو ہاشم میں سے بنو محمد کو فضیلت دی، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت اسماعیل کانشب حضرت اسماعیل سے افضل تھا اور حضرت اسماعیل کی اولاد میں انبیاء ہوئے اور اس وقت یہ انبیاء مبعوث ہوئے اس وقت حضرت اسماعیل کی اولاد بھی موجود تھی اور ان کا نسب ان انبیاء کے نسب سے افضل تھا، سو اگر نبی کے لیے یہ ضروری ہو کہ اس کا نسب اپنے زمانہ کے تمام انساب سے افضل ہو تو بنو اسرائیل کے کسی نبی پر بھی کی قرینہ صادق نہیں آئے گی کیونکہ ان کا نسب اپنے زمانہ میں موجود اولاد اسماعیل سے افضل نہیں تھا، اسی لیے نبی کی یہی قرینہ ہے کہ اس کا نسب اپنی قوم کے انساب میں سے افضل ہوتا ہے۔ جب حضرت نے یہ اشکال قائم کیا تو شیخ کا درجہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی جواب نہیں پڑا اور تمام مامورین دم بخور رہ گئے۔

دعوت اسلام کے لیے کافر بادشاہوں کے
نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط

بَابُ كُتُبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ إِلَى مُلُوكِ الْكُفَّارِ يَدْعُوهُمْ
إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسری اور قیس کی طرف خط لکھا اور نجاشی کی طرف خط لکھا اور ہر حاکم کی طرف خط لکھا اور اس کو اسلام کی دعوت دی۔ یہ وہ نجاشی نہیں ہے جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناز جنازہ پڑھائی تھی۔

۴۴۹۵ - حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ حَمَّادٍ
الْمَعْنِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ سَعِيدٍ
عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى كِسْرَى وَإِلَى
قَبْصَةَ وَإِلَى النَّجَاشِيِّ وَإِلَى كُلِّ جَبَتٍ بِ
يَدِ عُوْهُمُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى وَكَيْسٍ بِالنَّجَاشِيِّ
الَّذِي صَلَّى عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکل روایت کی، اس روایت میں یہ نہیں ہے کہ یہ وہ نجاشی نہیں تھا جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناز جنازہ پڑھائی تھی۔ ایک اور سند سے بھی یہ روایت منقول ہے اس میں بھی یہ جملہ نہیں ہے کہ یہ وہ نجاشی نہیں

۴۴۹۶ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ
الْتَرْتَمِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابُ بْنُ عَطَاءٍ
عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ
مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بِمِثْلِهِ وَلَمْ يَقُلْ وَكَيْسٍ بِالنَّجَاشِيِّ الَّذِي

تھا جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نازِ جنان پڑھائی تھی۔

صَلَّى عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَحَدَّثَنِي تَعْمُرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْمِيُّ أَخْبَرَنِي
أَبُو حَدَّادٍ خَالِدُ بْنُ قَيْسٍ عَنْ قَتَادَةَ
عَنْ أَنَسٍ وَكَعْبَةَ بْنِ كُوَيْلَسٍ بِالنَّبَا شَيْ
الَّذِي صَلَّى عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مختلف اقوام کے بادشاہوں کے القاب

ہر قوم کے بادشاہ کا ایک خصوصی لقب ہوتا ہے جس سے اس قوم کے بادشاہ کو مراد لیا جاتا ہے۔ علامہ نوری لکھتے ہیں: فارس (ایران) کے بادشاہ کا لقب کسری ہے، روم کے بادشاہ کا لقب قیصر ہے، اور حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہے اور ترک کے بادشاہ کا لقب خاقان ہے اور قطیف کے بادشاہ کا لقب فرعون ہے اور مصر کے بادشاہ کا لقب عزیز ہے اسی طرح ہندوؤں اور سکھوں کے بادشاہ کا لقب راجہ اور مہاراجہ ہے، انگریزوں کے بادشاہ کا لقب ہارچ اور ایڈورڈ ہے مسلمانوں کے بادشاہ کا لقب سلطان ہے، تمام مسلم ریاستوں کے سربراہ کو خلیفہ کہا جاتا ہے اور کسی ایک مسلم ریاست کے سربراہ کو سلطان کہا جاتا ہے۔

اس حدیث میں حکمرانوں کی طرف خطوط لکھنے کا ثبوت ہے۔ اور یہ ثبوت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے تھے اور آپ کا لکھنا آپ کے امتی ہونے کے معانی نہیں ہے کیونکہ امتی کا معنی ہے جس نے اپنی ماں سے پیدا ہونے کے بعد کسی دنیاوی استاذ سے لکھنا اور پڑھنا نہ سیکھا ہو، اور آپ نے دنیا کے کسی شخص سے لکھنا اور پڑھنا نہیں سیکھا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو باقی تمام چیزوں کا علم عطا فرمایا اسی طرح آپ کو لکھنے اور پڑھنے کا علم بھی عطا فرمایا، اور آپ نے وصال سے پہلے لکھا بھی تھا پڑھا بھی اور یہ بھی آپ کا معجزہ ہے۔ اس کی مکمل تفصیل اور تحقیق انشاء اللہ باب نمبر ۶۰۵ میں بیان کی جائے گی۔

بَابُ فِي غَزْوَةِ حَنْينَ

غزوہ حنین کا بیان

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ حنین میں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، میں اور حضرت ابوسفیان بن عارث بن عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے، اور آپ سے بالکل الگ نہیں ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سفید رنگ کی خچر پر سوار تھے جو آپ کو غزوہ بن نفاثہ جذامی نے ہدیہ کی تھی، جب مسلمانوں اور کفار کا مقابلہ ہوا تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگے، رسول اللہ

۴۴۹۷ - وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ
بْنُ عَمْرِو بْنِ سُرَّجٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي
يُونُسُ عَنْ ابْنِ شَهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي
كَثِيرُ بْنُ عَبَّاسٍ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ
قَالَ عَبَّاسٌ شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حَنْينَ فَلَزِمْتُ
أَنَا وَابْنُ سَفْيَانَ بْنِ الْحَاثِمِ بْنِ عَبْدِ
الْمُطَّلِبِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نوری متوفی ۶۷۶ھ شرح مسلم ج ۲ ص ۹۹، مطبوعہ دار محمد امجد المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

فَلَمْ يُقَارِئْهُ دَرَسُؤْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَغْلَةٍ لَهُ بَيْضَاءَ أَهْدَاهَا لَهُ فُرْدَةٌ بِنْتُ نُعَاشَةَ ابْنَةِ ابْنِ قَلْبَةَ التَّقِي الْمُسْلِمُونَ وَالْكُفَّارُ وَالْمُسْلِمُونَ مُدِيرَيْنِ قَطِيفَتِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكُضُ بَغْلَتَهُ قَبْلَ الْكُفَّارِ قَالَ عَبَّاسٌ وَأَنَا إِخْذُ بِلِجَامِ بَغْلَةٍ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْفُفُهَا إِرَادَةً أَنْ لَا تُسْرِعَ وَأَبُوسُفْيَانُ إِخْذُ بِرُكَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ عَبَّاسُ نَادِ اصْحَابَ السَّيْرِ فَقَالَ عَبَّاسٌ وَكَانَ رَجُلًا صَيِّتًا فَقُلْتُ يَا عَلِيُّ صَوِّقِي آتَيْنِ اصْحَابَ السَّيْرِ قَالُوا اللَّهُ تَكُنْ عَظِفَتْهُمْ حِينَ سَمِعُوا صَوِّقِي عَظِفَةُ الْبَقَرِ عَلَى أَوْلَادِهَا فَقَالُوا يَا لَبَنِيكَ يَا لَبَنِيكَ قَالَ فَاقْتَتَلُوا وَالْكَفَّارُ وَاللَّعْوَةُ فِي الْأَنْصَارِ يَقُولُونَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ قَالَ ثُمَّ قُصِرَتِ الدَّعْوَةُ عَلَى بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْحَزْرَجِ فَقَالُوا يَا بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْحَزْرَجِ يَا بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْحَزْرَجِ فَقَنَطَرُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى بَغْلَتِهِ كَالْمُتَطَاوِلِ عَلَيْهِمَا إِلَى قِتَالِهِمَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا حَيٌّ حَيُّ الْوُطَيْسِ قَالَ ثُمَّ أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَصِيَّاتٍ حَرَمِيَّيْنِ وَجُوهَ الْكُفَّارِ ثُمَّ قَالَ انْهَرُوا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ قَالَ قَدْ هَبَّتِ

صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیر کرنا رک کی جانب دوڑ رہے تھے، حضرت عباس نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر کی نگاہ قائم کر اس کو تیز بھاگنے سے روک رہا تھا، اور حضرت ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب پکڑے ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عباس! اصحاب سمرقہ کو آواز دو، حضرت عباس بلند آواز شخص تھے وہ کہتے ہیں میں نے با آواز بلند پکارا اصحاب سمرقہ کہاں ہیں؟ حضرت عباس نے کہا بھلا یہ آواز سنتے ہی وہ اس طرح پلٹے جیسا کہ گامے اپنے بچوں کی طرف پلٹتی ہے، وہ یا بیک، یا بیک کہتے ہوئے دوڑے آئے اور انھوں نے کافروں سے لڑنا شروع کر دیا، اور انھوں نے انصار کو بلایا اور کہتے تھے اے انصار کی جماعت! اے انصار کی جماعت! پھر بنو حارث بن خزرج کو بلایا گیا اور کہا اے بنو حارث بن خزرج! اے بنو حارث بن خزرج پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن اٹھا کر ان کی طرف دیکھا دیکھ مالکیہ آپ خیر پر سوار تھے، آپ ان کی جگہ کا منظر دیکھ رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت نور گرم ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کنکریاں اٹھائیں اور کفار کے چہروں کی طرف پھینکیں اور فرمایا رب محمد کی قسم یہ ہار گئے، حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا لڑائی اسی تیزی کے ساتھ جاری تھی میں اسی طرح دیکھ رہا تھا کہ اچانک آپ نے کنکریاں پھینکیں بھلا! میں نے دیکھا کہ ان کا زور ٹوٹ گیا اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔

أَنْظُرُوا ذَا الْقِتَالِ عَلَى هَيْئَتِهِ فِيمَا
أَرَى قَالَ كَوَّاهُ اللَّهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَمَاهُمْ
بِخَصِيصَاتِهِمْ فَمَا زِلْتُ أَرَى حَتَّى هُمْ كَلِيلًا
وَأَمْرُهُمْ مُدِيرًا

۲۴۹۸ - وَحَدَّثَنَا لَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ
وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ جَمِيعًا
عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرُ عَنْ
الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ عَنْ حُذَافَةَ بْنِ الْيَمَانِ أَنَّهُ قَالَ
قَرَوْتُ بَنِي نَعْمَةَ الْجَعْدَارِ وَفَاتَ
أَنْهَزُ مَوَاوَرَاتِ الْكَعْبَةِ أَنْهَزُ مَوَاوَرَاتِ
الْكَعْبَةِ وَفَاتَ فِي الْحَدِيثِ حَتَّى هَذَا مَعْمَرُ
اللَّهُ قَالَ وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكُضُ خَلْفَهُمْ عَلَى
بَغْلَتِهِ

۲۴۹۹ - وَحَدَّثَنَا لَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُمرٍ حَدَّثَنَا
سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي
كَثِيرُ بْنُ الْعَبَّاسِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنْتُ
مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ
حُنَيْنٍ وَسَأَلْتُ الْحَدِيثَ عَنْهُ أَنْ حَدَّثَ
يُوسُفَ وَحَدِيثَ مَعْمَرٍ أَكْثَرَ

مِنْهُ وَاتَّقَمَ
۲۵۰۰ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا
أَبُو حَنِيمَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ قَالَ
رَجُلٌ لِدَاوُدَ بْنِ أَبِي عَمَّادَةَ أَخْرَجْتُمْ يَوْمَ
حُنَيْنٍ قَالَ لَا وَاللَّهِ مَا وَدَّيْتُ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنِّي خَشِيتُ
شُبَّانَ أَصْحَابِهِ وَأَخِيفَاؤُهُمْ حُشْرًا لَيْسَ
عَلَيْهِمْ سِلَاحٌ أَوْ كَثِيرٌ سِلَاحٌ فَلَقُوا قَوْمًا
رَمَاهُ لَا يَكَادُ يَسْقُطُ لَهُمْ سَهْمٌ جَمْعُهُ هَوَازِنُ

امام مسلم نے ایک اور سند سے یہ روایت ذکر کی ہے
اس میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اب کعبہ کی قسم یہ ہار گئے،
رب کعبہ کی قسم یہ ہار گئے، اور اس حدیث میں یہ اضافہ ہے
حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست دے دی، گویا کہ میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ رہا
ہوں کہ آپ ان کے پیچھے اپنا خیمہ دوڑا رہے ہیں۔

کثیر بن عباس اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت
کرتے ہیں کہ غزوہ حنین میں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ تھا، اس کے بعد حسب سابق حدیث روایت کی ہے
البتہ یوسف اور معمر کی روایت زیادہ تام ہے۔

ابراہیم بن یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عمر
براد سے کہا اے ابوعمارہ! کیا تم جنگ حنین کے دن
بھاگ پڑے تھے، انہوں نے کہا نہیں، خدا کی قسم رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھو نہیں پھیری تھی، بلکہ امر واقعہ
یہ تھا کہ آپ کے اصحاب میں سے چند جلد بان اور نہتے
فوجان آگے نکلے اہل ان کا مقابلہ
ہوا ان اور بنو نضیر کے تیر اندازوں سے ہوا جن کا کوئی
تیر خطا نہیں مانتا تھا، انہوں نے اس طرح تاک تاک کر تیر

وَبَنِي نَضِيرٍ فَرَسَقُوهُمْ رَحْمَةً مَّا يَكَادُونَ
يُخْطِئُونَ قَاتِلَهُمْ أَهْلًا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَغْلَتِهِ الْبَيْضَاءِ
وَأَبُو سَفْيَانَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ
يَقُولُ بِهِ فَنَزَلَ فَاسْتَنْصَرَ وَقَالَ ه
أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ
أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ
ثُمَّ صَفَّهُمْ -

۴۵۰۱ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ
الْمَدِينِيُّ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ
زَكِرِيَّا عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ
إِلَى الْأَبْرَاءِ فَقَالَ أَكُنْتُمْ وَكُنْتُمْ يَوْمَ حَنْبِنِ
يَا أَبَا عَمَارَةَ قَالَ أَشْهَدُ عَلَى نَبِيِّ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا دَلِّي وَلَكِنَّهُ انْطَلَقَ
أَخْبَاءً مِنَ النَّاسِ وَخَسِرَ إِلَى هَذَا
النَّبِيِّ مِنْ هَوَانِهِ وَهُمْ قَوْمٌ مَسَاءُ
فَرَمَوْهُمْ بِرَشْقٍ مِنْ بَنِي كَثَفَا
رَجُلٌ مِنْ جَرَادٍ فَانْكَشَفُوا قَاتِلَ
الْقَوْمِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَأَبُو سَفْيَانَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ
يَقُولُ بِهِ بَغْلَتَهُ فَنَزَلَ وَدَهَا وَاسْتَنْصَرَ وَ
هُوَ يَقُولُ ه

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ

أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

اللَّهُمَّ نَزَلَ نَصْرَكَ قَالَ الْأَبْرَاءُ كُنَّا وَ
اللَّهُ إِذَا اخْتَمَرَ النَّاسُ كَتَبْتَنِي بِهِ وَإِنْ
الشُّجَاعُ مِنَّا لَلَّذِي يُحَاوِي بِهِ يَغْفِي النَّبِيَّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

برسانے کہ ان کا کوئی تیز خنجر نہیں گیا، پھر یہ جو ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھٹ آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ایک سفید خنجر ہر سوار تھے، اور ابوسفیان بن حارث بن
عبدالمطلب اس کے آگے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خنجر
سے اترے اور اللہ سے مدد طلب کی اور آپ نے فرمایا:
میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا
ہوں، پھر آپ نے ان کی صفت بندھائی۔

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت برادر
کے پاس آیا لہجہ کہنے لگا، اے ابوعمارہ کیا تم جگک حنین
کے وہ جگک گئے تھے، انہوں نے کہا میں نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کے مقتل گرا ہی دیتا ہوں کہ آپ نے پشت نہیں
پھیر لی، لیکن چند جلد باز اور نیشے فرحان ہوازن کی طرف
بڑھے دو لوگ تیر انداز تھے انہوں نے تیروں کی اس طرح
برچار کی جیسے ٹنڈی دل، ہر تیر لوگ ان کے سامنے سے
بٹ گئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
حاضر ہوئے، حضرت ابوسفیان بن حارث آپ کے خنجر کے
آگے تھے، آپ خنجر سے اترے، دعا کی اور اللہ سے مدد
مانگی اور آپ یہ فرما رہے تھے، میں نبی ہوں یہ جھوٹ
نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، اے اللہ اپنی
مدد نازل دے۔ حضرت برادر نے کہا خدا کی قسم جب جگک تیز
ہوتے تو ہم خود کہ آپ کی پناہ میں بجاتے تھے اور ہم میں
بہادر وہ شخص ہوتا تھا جو جگک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ رہے۔

۳۵۰۲۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى
وَأَبْنُ بَشَّارٍ وَالتَّفَظُّ لَا بِنِ الْمُثَنَّى وَكَأَلَا
حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ
عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ قَسَالَهٗ
رَجُلٌ مِّنْ قَبِيسٍ أَخْرَجْتُمْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حَنْدِ
فَقَالَ الْبَرَاءُ وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَغِبْ وَكَأَنْتَ
هَوَازِنُ يَوْمَئِذٍ وَمَا أَهْوَاؤُنَا حَمَلْنَا
عَلَيْهِمْ اُنْكَشَفُوا فَأَكْبَبْنَا عَلَى الْغَنَائِمِ
فَاِسْتَقْبَلُونَا بِالسَّعَافِ وَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَغْلَتِهِ
الْبَيْضَاءِ وَإِنَّ أَبَا سَفْيَانَ بْنَ الْحَارِثِ
أَخِيذًا يَلْجَأُ مَعَهَا وَهُوَ يَقُولُ
أَنَا النَّصِيحُ لَا كَذِبُ
أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

۳۵۰۳۔ وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ
وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَأَبُو بَكْرِ بْنُ خَلْدٍ
قَالُوا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سَفْيَانَ
قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ
قَالَ لَنَا رَجُلٌ يَا أَبَا عُمَارَةَ قَدْ كَرَّ
الْحَدِيثُ وَهُوَ أَقْلٌ مِنْ حَدِيثِهِمْ وَ
هُوَ لَا يَأْتِي حَدِيثًا

۳۵۰۴۔ وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ
حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ يُوسُفَ الْحَنْظَلِيُّ حَدَّثَنَا
عِكْرَمَةُ بْنُ عَمَارٍ حَدَّثَنَا إِيَّاسُ بْنُ سَلَمَةَ
حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَنْدِ فَسَلَّمْنَا
وَأَجَهْنَا الْعَدُوَّ وَتَقَدَّمْتُ فَأَعْلَوْا نَيْبَةً

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ قبیلہ قیس کے ایک شخص نے
حضرت برادر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کیا تم غزوہ حنین کے دن
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے حضرت
برادر نے کہا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کے سامنے
سے نہیں ہٹے، ہوازن کے جوان اس دن تیر اندازی کر
رہے تھے ہم نے جب ان پر حملہ کیا تو وہ بھاگ گئے اللہ
جب ہم مل ٹینٹ لٹنے لگے تو انہوں نے ہمیں تیروں پر
رکھ دیا اللہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید
غیر پر سوار تھے اور حضرت ابوسفیان بن حارث اس کی گام
پکڑے ہوئے تھے اللہ آپ فرما رہے تھے میں نبی ہوں
یہ جھوٹ نہیں ہے میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

حضرت برادر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے
ایک شخص نے کہا اے ابوعمارہ! اس کے بعد حسب سابق
حدیث ہے اسی روایت میں کم الفاظ ہیں اور دیگر روایات
اس کی بہ نسبت مکمل ہیں۔

ایاس بن سلمہ کہتے ہیں کہ میرے والد رضی اللہ عنہ
نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے ساتھ غزوہ حنین میں گئے، جب ہمارے دشمن کے
ساتھ مقابلہ ہوا تو میں آگے بڑھ کر ایک گھاٹی پر چڑھ گیا،
دشمن کا ایک شخص سامنے سے آیا، میں نے اس کے تیر
مارا، وہ چھپ گیا اور مجھ کو تھانہ مل سکا اس نے کیا کیا،

فَاسْتَقْبَلْنِي رَجُلٌ مِّنَ الْعَدُوِّ فَأَرَمَنِيهِ
 بِسَهْمٍ فَتَوَانَمَى عَتَى كَمَا دَنَيْتُ مَا صَنَعَهُ
 وَنَظَرْتُ إِلَى الْقَوْمِ فَإِذَا هُمْ قَدْ ظَلَكُوا
 مِنْ قَيْنَتِي أَخَذَى فَأَلْتَقَوْاهُمْ وَصَحَابَةُ
 النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوَوْا
 صَحَابَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 وَأَرْجَعُ مِنْهُمْ مَا وَعَلَى بُرْدَتَانِ مُتَّزِرًا
 بِأَحَدِاهُمَا مُرْتَدِيًا بِالْأُخْرَى فَاسْتَطَلَقَ
 إِزَارِي فَجَمَعَتْهُمَا جَمِيعًا وَمَرَمَتْ عَلَى
 رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ مَا
 وَهُوَ عَلَى بَغْلَتِهِ الشَّهْبَاءُ فَقَالَ رَسُولُ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ مَأَى
 ابْنُ الْأَكْوَرِ فَرَعًا فَلَمَّا غَشُوا رَسُولَ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ عَنِ
 الْبَغْلَةِ ثُمَّ قَبَضَ قَبْضَةً مِّنْ تُرَابٍ
 مِنَ الْأَرْضِ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ بِهِ وَجُوهَهُمْ
 فَقَالَ شَهِتِ الْوُجُوهَ كَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْهُمْ
 إِنْسَانًا إِلَّا مَلَأَ عَيْنَيَّ تَرَابًا بِأَيْتِكَ الْقَبْضَةُ
 فَوَلَّوْا مُكْرِبِينَ فَهَمَّ مَعَهُمُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ
 وَقَسَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 بِحَتَايَتِهِمُ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ -

میں نے قوم کی طرف دیکھا تو وہ دوسری گھاٹی سے چڑھ رہے
 تھے، ان کا لہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا مقابلہ
 ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پشت پھیر کر بھاگے، میں
 بھی شکست خوردہ ہوا، وہاں مالیکہ مجھ پر دو چادریں تھیں،
 ایک میں نے بازو میں بولی تھی اور دوسری اوڑھی ہوئی تھی،
 میرا تہبند کھل گیا تو میں نے دونوں چادروں کو اکٹھا کر لیا،
 اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شکست خوردہ
 ہوا، وہاں مالیکہ آپ اپنے خچر شہباز پر سوار تھے، رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن الاکوع کراخ خوف زدہ ہو کر دیکھ
 رہا ہے۔ جبہ دشمنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
 گھیر لیا تو آپ خچر سے اتارے اور زمین سے خاک کی ایک
 مٹھی اٹھا کر دشمن کے چہروں کی طرف پھینکی اور فرمایا ان
 کے چہرے قیح ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس مٹھی سے
 ان کے ہر انسان کی آنکھ میں مٹی بھر دی اور وہ بیٹھ پھیر
 کر بھاگے، سوائشہ غزوہ میں نے ان کو شکست دی، اور
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مال غنیمت مسلمانوں
 میں تقسیم کر دیا۔

غزوہ حنین کا اجمالی ذکر | مکہ اور طائف کی درمیان وادی کا نام حنین ہے، یہ غزوہ شوال ۵ھ ہجری میں واقع ہوا،
 اس کی تفصیل باب نمبر ۵۸۹ میں گزر چکی ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ
 حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمَّا قَضَىٰ عَنْكُمْ
 ثِيَابًا وَنَاقَتٍ عَلَيْكُمْ الْأَرْضَ بِأَرْحَابٍ
 ثَمَّ وَلَيْتُمْ مَدَّ بَرِينَ ۝ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى
 رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّمْ

بے شک اللہ تعالیٰ نے کثرت مواقع پر تمہاری
 مدد فرمائی اور غزوہ حنین کے دن تمہاری مدد کی جب تم
 اپنی کثرت پر اتنا رہے تھے، اور یہ کثرت تم سے کسی
 ضد کو نال نہ سکی، اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم
 پر تنگ ہو گئی، پھر تم پشت پھیرتے ہوئے واپس آئے۔

تروھا و عذاب الذین کفروا و ذلک جزاء الکافرین

(توبہ: ۲۶-۲۵)

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مسلمانوں پر طمانیت قلب نازل فرمائی اور ایسے لشکر تیار سے جن کو تم نے نہیں دیکھا، اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی بیجا سزا ہے۔

ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے غزوہ حنین کا وہ مقام ماجرا بیان فرمایا ہے، جس کی تفصیل اس باب کی احادیث میں کفار اور مشرکین سے ہدیے قبول کرنے کی تحقیق

نچر پر سوار تھے، علامہ نووی لکھتے ہیں: تاحضی عیاض نے کہا ہے کہ اس شخص کے اسلام قبول کرنے میں اختلاف ہے، طبری نے کہا ہے کہ یہ مسلمان ہو گیا تھا اور اس نے طویل عمر گزاری، اور دوسرے مورخین نے کہا ہے کہ یہ اسلام نہیں لایا، صحیح بخاری میں ہے کہ ایلہ کے بادشاہ نے آپ کو غنیمت دینے کی تلقین کی تھی، اور اس کا نام بخشش بن روہ تھا۔

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر سے ہدیے قبول کیا اور دوسری احادیث میں آپ نے عاتل کو ہدیے قبول کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ ابن اللہبیہ کی حدیث میں ہے، اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے مشرکین کے ہدیے واپس کر دیے اور فرمایا ہم مشرکین کی بخشش قبول نہیں کرتے، سو ان احادیث میں تناقض ہے۔ تاحضی عیاض نے کہا یہ احادیث ہدیے قبول کرنے کے لیے ناسخ ہیں، اور جہور فقہاء نے کہا یہ حدیث منسوخ نہیں ہے کیونکہ آپ کا اس ہدیے کو قبول کرنا از قبیل نئی ہے اور آپ کی خصوصیت ہے، عام مسلمان مشرک سے ہدیے قبول نہیں کر سکتے، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس مشرک سے ہدیے قبول کرتے تھے جس کے اسلام کی توقع ہو یا ہدیے قبول کرنے میں مسلمانوں کے لیے کوئی مصلحت ہو اور بعض کو آپ ہدیے کا عرض دیتے تھے اور جس شخص کے اسلام لانے کی توقع نہ ہوتی یا جس کے ہدیے قبول کرنے میں مسلمانوں کی کوئی مصلحت نہ ہوتی اس کا ہدیہ آپ رو کر دیتے تھے، کیونکہ ہدیہ محبت اور مودت کو واجب کرتا ہے اور کفار اور مشرکین سے محبت اور مودت ممنوع ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ جو عمال اور حکام ہیں ان کا اپنے لیے ہدیے قبول کرنا جہور فقہاء اسلام کے نزدیک جائز نہیں ہے، اور اگر انہوں نے قبول کر لیا تو وہ فنی قرار پائے گا، کیونکہ کافر نے ان کو وہ ہدیہ اس لیے دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے امام ہیں، اور جس قوم کا مسلمانوں نے محاصرہ کیا ہوا ہے اگر اس کے کسی فرد نے ہدیہ دیا تو اس کا شمار مال غنیمت میں ہوگا، امام اوڑاعی، امام محمد بن الحسن، ابن القاسم اور ابن حبیب کا یہی قول ہے، اور امام ابو یوسف اور مالکی فقہاء میں سے علامہ اشہب اور امام سخون کا قول یہ ہے کہ وہ ہدیہ صرف امام کے لیے ہوگا۔

علامہ طبری نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے صرف ان ہدیوں کو روک دیا جو انہوں نے آپ کو ذاتی حیثیت سے دیے تھے اور جو ہدیے انہوں نے اس حیثیت سے نہیں دیے تھے ان کو آپ نے مسلمانوں کے مفاد کے لیے قبول کر لیا، اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ مشرکین سے ہدیے لینے کا جواز منسوخ ہو گیا، اور آپ کے بعد اللہ کو جو ہدیے دیے جائیں ان کا شمار بہ تقاضائے حال فنی یا غنیمت میں ہوگا۔

تاحضی عیاض نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار اہل کتاب سے ہدیے قبول کیے ہیں مثلاً متوقس اور یثام کے بادشاہ وغیرہ جو دین نصرا نیت پر تھے اور جن مشرکین کے ہدیے قبول کرنے سے منع فرمایا ہے وہ غیر اہل کتاب

ہیں لہذا آپ کے ہدیہ قبول کرنے اور اس سے منع فرمانے میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ہمارے لیے اہل کتاب کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح حلال کیا گیا ہے اور نبی پرست کافروں اور مشرکوں کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام کر دیا گیا ہے۔ لے

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شعر کہا ہے؟ اس باب کی احادیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا النبی الذی لا کذب انا ابن عبد المطلب، حالانکہ قرآن مجید میں ہے وما علمناہ الشعر وما ينبغي لہ۔ ہم نے آپ کو شعر گوئی کی تعلیم نہیں دی اور نہ یہ آپ کے مناسب ہے۔ قاضی عیاض مالکی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ جڑ سے شعر نہیں ہے اور یہی اخفش کا مذہب ہے، لیکن غلیل کا مذہب یہ ہے کہ جڑ سے شعر ہے اس بناء پر جواب یہ ہے کہ جس کلام کو موزوں اور سجع اور مقفیٰ بنانے کا قصد کیا جائے اور قصد اور ارادہ سے اس کلام کو موزوں اور مقفیٰ بنایا جائے وہ شعر ہوتا ہے اور جو کلام غیر ارادی طور پر موزوں ہو اس کو شعر نہیں کہا جاتا اور نہ اس مشکل کو شاعر کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بہت سی آیات ایک وزن پر ہیں حالانکہ قرآن مجید شعر کی کتاب نہیں ہے۔ لہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد المطلب کی طرف اپنی نسبت کیوں کی تھی؟ ایک سوال یہ ہے کہ کافر آباد جلدوں کی طرف نسبت کر کے ان پر فخر کرنا عمل جاہلیت سے ہے پھر آپ نے اپنی نسبت عبد المطلب کر کے اس کو بطور افتخار کیسے بیان فرمایا؟ اس کا علامہ نووی نے یہ جواب دیا ہے کہ عبد المطلب مکہ والوں کے سردار تھے اور مکہ کی ایک مشہور شخصیت تھے اور آپ کے والد گرامی کا جوانی میں انتقال ہو گیا تھا اس لیے آپ کو عبد المطلب کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ عبد المطلب نے ایک خواب دیکھا تھا جو اس پر دلالت کرتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ حاصل ہوگا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس خواب کو یاد دلانا تھا اور اس پر متنبہ کرنا تھا کہ آپ کو دشمنان اسلام پر غلبہ حاصل ہوگا اھ اس میں یہ دلیل ہے کہ جنگ میں انسان یہ کہے کہ میں فلاں بن فلاں ہوں، جیسے حضرت سلمہ نے کہا کہ میں ابن الاکوع ہوں یا جیسے حضرت علی نے کہا کہ میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔ تھ

اس سوال کا صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت عبد المطلب کافر نہیں تھے در نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف نسبت کو بھی فخر یہ بیان نہ کرتے، بلکہ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ حضرت عبد المطلب مومن تھے اور دین ابراہیمی پر تھے اور اسی طرح آپ کے نسب میں تمام آباد اور تمام امہات مومن ہیں۔ شرح صحیح مسلم جلد ثانی کتاب الجنائز میں ہم نے اس مسئلہ پر مفصل اور مدلل گفتگو کی ہے۔

۱۷۔ علامہ کبیری بن شرف نروی متوفی ۷۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۹۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۴۷ - " " ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۰۱ " " " "

۹۲- " " شرح مسلم ج ۲ ص ۱۴۱ " " " " " "

بَابُ غَزْوَةِ الطَّائِفِ

غزوة طائف کا بیان

۴۵۰۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَابْنُ ثُمَيْلٍ جَمِيعًا عَنْ سُفْيَانَ قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ حَاصِرُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَ الطَّائِفِ فَلَمْ يَنْتَلِ مِنْهُمْ شَيْئًا فَقَالَ إِنَّا قَاتِلُونَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ قَالَ أَصْحَابُهُ كَرِجُوهُ وَلَمْ تَفْتَحْهُ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اغْدُوا عَلَى الْقِتَالِ فَعَدَّوْا عَلَيْهِ فَأَصَابَهُمْ جِرَانٌ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا قَاتِلُونَ غَدًا قَالَ فَأَعْجَبَهُمْ ذَلِكَ فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن عمر ورمی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف کا محاصرہ کیا اور وہاں سے کچھ حاصل نہیں کیا تو فرمایا ہم انشاء اللہ لوٹ جائیں گے، آپ کے اصحاب نے کہا کیا ہم بغیر فتح کے لوٹ جائیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل صبح ان سے جنگ کرنا، صحابہ نے صبح حملہ کیا اور زخمی ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ہم کل صبح واپس چلے جائیں گے، صحابہ اس سے خوش ہو گئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔

طائف کا جغرافیائی محل وقوع اور تاریخ | علامہ حموی لکھتے ہیں: طائف کا عرض بلد اکیس درجہ ہے۔ مکہ سے آتے ہوئے یہ ایک دن کی مسافت پر واقع ہے اور مکہ کی طرف جاتے ہوئے آدھے دن کی مسافت پر ہے۔ اس شہر کو حسین بن سلامہ نے آباد کیا تھا۔ علامہ حموی نے یہ بھی لکھا ہے کہ طائف ثقیف کے شہروں کی ایک وادی ہے اور یہ مکہ سے بارہ فرسخ (چھتیس شرعی میل) دور ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف پر حملہ کیا اور فوجی میں اس کو صلح سے فتح کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ ہجری میں جب وادی حنین سے لوٹے تو طائف میں اترے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کر لیا، اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ اور منجنیق وغیرہ استعمال کیے گئے، بیس دن تک محاصرہ رہا لیکن شہر فتح نہ ہو سکا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ محاصرہ اٹھایا جائے، صحابہ نے عرض کیا کہ آپ ان کی ہلاکت کے لیے دعا کریں آپ نے یہ دعا دی: اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو یہ توفیق دے کہ میرے پاس آجائیں "آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور اگلے سال بغیر جنگ کے اہل طائف نے اطاعت کر لی۔

۵۱۳۹۹

۱۔ علامہ شہاب الدین یاقوت بن عبد اللہ حموی متوفی ۶۲۶ھ، معجم البلدان ج ۴، ص ۱۲-۸، ملخصاً، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

طائف: عرب کا ایک شہر جو مکے کے جنوب مشرق میں واقع ہے یہاں سے مکے تک جانے والی سڑک چوکہ کئی پچیدہ گھاٹیوں سے گزرتی ہے، اسی لیے موٹر کو تقریباً پچتر میل طے کرنا پڑتا ہے۔ براہ راست مسافت اس سے خاصی کم ہے۔ یہ ایک سطح پر واقع ہے، جو سلسلہ مکہ سڑاق میں سطح سمندر سے تقریباً پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔ ایک دلچسپ بدوی انسان کے مطابق جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی لہجو کے ساتھ شام سے محلاتے عرب سلطان ہوئے تو خدا نے مرفزار شام کا ایک مکڑا اساتھ کر دیا اور یہی طائف ہے۔ سردیوں میں یہاں بعض اذکات پانی جم جاتا ہے۔ قبل اسلام ہی سے طائف اور مکہ توأم شہر رہے ہیں۔ طائف کی پیداوار کی مکے میں نکاسی ہوتی ہے۔ اگر ایک طرف مالدار اہل مکہ، بالخصوص بنو امیہ، طائف میں زمینیں خریدنے اور گرمیاں گزارنے آیا کرتے تھے تو طائف کے مستند باشندے بھی تجارتی کاروبار کے سلسلے میں مکے میں بود و باش رکھتے تھے۔ قرآن مجید ۴۲ [الزخرف: ۳۱] میں مکے اور طائف کو ملا کر "قرینین" (دو شہر) کہا گیا ہے۔ آغاز اسلام کے وقت یہ مغربی عرب کے جسے شہروں میں سے ایک تھا۔ یہاں کا بہت خانہ مکے کا حریف تھا۔ اب سعودی دور میں اس شہر نے گرمانی قیام گاہ کے طور پر ترقی کرتی ہے۔ یہاں کثرت سے یورپی، امریکی لوگ بھی نظر آیا کرتے ہیں۔ قبل اسلام یہاں سے میوے اور ترکاری کے علاوہ انگور کی شراب، گھیروں اور گٹھری، نیز دباغت شدہ کھالیں برآمد ہوتی تھیں۔ تلمذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک میں، جو اہل طائف کے نام ہے، غبیاد (مکئی کی شراب) کو بھی حرام سمجھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

جیسا کہ مادہ ثقیف میں بیان ہوا، طائف میں جسے اکثر قج سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ شروع میں عامر بن الظرب کا قبیلہ عدوان بستا تھا۔ پھر ثقیف اور اُیاد آئے اور بعد ازاں بعض دیگر قبائل، جو احلاف کے نام سے مشہور ہیں۔

غاندان بنو اشم کی طائف میں رشتہ داریاں تھیں۔ بنو عبدہ یا بیل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموؤں کا خاندان کہا جاتا ہے۔ ابو لہب کی بیٹیوں کی اہل طائف سے شادیاں ہوئی تھیں۔ حضرت عباسؓ کا بھی طائف سے رقی اور تجارتی کاروبار بہت تھا۔ اسی لیے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہرطان مکہ سے مایوس ہوئے تو انھوں نے اپنے ماموؤں کا رخ کیا، اگرچہ ان سے طائف میں جسمانی اور روحانی تکلیف اور مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ ہجرت کے بعد جلد ہی رحیب راہ میں سرینہ نخلہ (ما بین مکہ و طائف) پیش آیا، جو اگرچہ خالصتاً اہل مکہ پر ساشی دباؤ ڈالنے کے لیے تھا، مگر مکے سے تجارت میں رکاوٹ پڑنے پر طائف کا متاثر ہونا ناگزیر تھا۔ اور مدینے کی جگہوں میں طائف ہمیشہ اہل مکہ کی تائید کرتا رہا۔ اُحد میں بھی چند باشندگان طائف غوجی علیے میں شریک تھے اور غزوہ خندق میں تو (ابولاذلی: کتاب الانساب، ۱: ۱۶۵) کی مراحت کے مطابق، ثقیفوں کا ایک پورا دستہ مدینہ کے محاصرے میں شریک تھا۔ اہل طائف کی تجارت یمن اور مکے کے علاوہ غالباً عرب کے شمالی حصے سے بھی اچھی خاصی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ابو عبیدہ نے صلح نامہ حدیبیہ [رٹ ہاں] کا جو متن دیا ہے اس میں مراحت ہے کہ جو مسلمان تجارت کے لیے طائف یا یمن جلتے ہوئے مکے سے گزریں انھیں امن و امان حاصل رہے گا

۸۔ میں اہل طائف اور ان کے بدوی رشتہ داروں (بنو ہوازن) نے فتح مکہ پر چراغ پا ہو کر شدید مخالفت دکھائی۔ غالباً انھیں مکے کی مندری کے ہاتھ سے نکل جانے کا بھی صدمہ ہوگا۔ اس پر حنین (ارک باں) میں پہلی کشمکش ہوئی۔ پھر اس کا سلسلہ خود طائف میں جاری رہا، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی ہفتوں تک محاصرہ رکھا۔ دبا ہے، منجین اور دیگر قلعہ شکن آلات کے استعمال کے باوجود قلعے نے کامیاب مخالفت کی۔ امام مؤرخوں کے بیان کے مطابق ایران کے کسی کسری نے ایک طائفی تاجر نے دربار مداری سے خوش ہو کر اس کی منہ مانگی مراد پوری کی اور ایک ہندس اس غرض سے بھیجا کہ اس کی بستی کے اطراف میں ایک فصیل تعمیر کرے (اور یہی طائف تھا) امام ہسپلی نے ایک مختلف روایت بیان کی ہے، یعنی یہ کہ بعض مینی مساروں نے یہ کام انجام دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید محاصرہ جاری رکھنے کے بجائے ثقیف کے بعض حریف قبائل کو جو مسلمان ہو گئے تھے، اس پر مامور کیا کہ طائف پر مٹائی دباؤ ڈالتے رہیں۔ سال بھر بھی نہ گذرا تھا کہ اہل طائف نے پریشان ہو کر اطاعت قبول کر لی۔ شروع میں تو اس کے دفعہ نے چاہا کہ نہ نماز پڑھیں، نہ زکوٰۃ دیں، نہ اپنا بت خانہ توڑیں اور نہ شراب و زنا و سود کی حرمت کو مانیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے پر وہ شرمانے لگے اور اس پر اکتفا دیکر مکہ کے آنے والے میلے میں سابقہ سودی قرضوں کی ادائیگی کر کے آئندہ سود سے اجتناب کریں گے، زکوٰۃ و جہاد سے مستثنیٰ نہ رہیں گے اور ان کے شہر کو ایک حرم قرار دیا جائے گا، جہاں چزند و پرند کا شکار اور جنگل کی قطع و برید منوع رہے گی، نیز اپنا بت خانہ وہ اپنے ہاتھ سے مسمار نہیں کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیرہ بن شعبہ الشقفی اور ابوسفیان کو بھیجا کہ بت خانہ لات کو مسمار کر دیں۔ کہتے ہیں کہ طائف کا موجودہ مکہ کی مہمان خانہ اسی بت خانے کی جگہ تعمیر ہوا ہے۔ شہر طائف کی موجودہ ضلعی ترکیب دور کہ ہے لیکن یقیناً اس کا کچھ حصہ قدیم دیوار ہی کی جگہ تعمیر ہوا ہے کیونکہ ابن ہشام کے قول کے مطابق مسجد ابن عباس اس جگہ تعمیر ہوئی ہے جہاں حصار طائف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈیرہ نصب ہوا تھا۔ یہ مسجد نیز عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں محاصرہ طائف کے شہداد کا قبرستان موجودہ ضلع کے باہر واقع ہے۔ کاتب وحی حضرت زبیر بن ثابتؓ بھی اسی میں دفن ہیں۔ ترکیب دور میں مسجد ابن عباس کا کتب خانہ ہزاروں مخطوطات پر مشتمل تھا۔ ۱۳۲ھ میں وہاں بمشکل سو پچاس مومل مخطوطے نظر آئے اور بتایا گیا کہ باقی مختلف لوگ ریاض لے گئے ہیں۔ عہد اسلام میں طائف کبھی بڑا سیاسی مرکز نہ رہا لیکن اس کی سرپرستی معاشرتی حیثیت سے ضرور جاری رہی۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے زوج سے تین میل کے فاصلے پر (دہل میں ایک بہت بڑا پاکستان لگایا اور پھر اسے وقف علی الاولاد کر دیا۔ یہ وقف نامہ ابن محارب نے (الستبصر، مخطوطہ پیرس، درق ۱۲۲ ب میں) نقل کیا ہے۔ امیر معاویہؓ نے اس کے مضامین میں ایک بڑا تالاب تعمیر کیا، جس کا کتبہ مثنیٰ ۵۸ھ، عربی زبان کے قدیم ترین کتبوں میں شمار ہوتا ہے (دیکھیے

EARLY ISLAMIC : GEORGE C. MITES JOURNAL INSCRIPTIONS TAIF IN THE HIJAZ, ۲۲۲ تا ۲۳۴ : (اکتوبر ۱۹۶۸ء) ج ۴/۷. USA. OF - NEAR EASTERN STUDIES

روایت ہے کہ در عہد سیدہ می نہر زبیدہ کی تعمیر کے بعد اس کی نگہداشت کے لیے ملکہ زبیدہ نے طائف کے بہمن رقبہ وقف کر دیے تھے۔ مکے سے جبل کراہ (ایک چٹان کا نام) ہو کر طائف کو جو راستہ جاتا ہے وہ مسلسل غفلت اور بارشوں کی وجہ سے خراب ہو جانے کے باوجود اب بھی گدھوں کے قانلوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور راقم کے رہنا نے بتایا کہ وہ عہد عباسی میں تعمیر ہوا تھا۔

چوتھی صدی ہجری اور بعد کے عرب جزائریہ نگار اسے "بلیدۃ صغیرۃ" (ایک چھوٹا شہر) بتاتے ہیں۔ ترکیب دور میں

شریف مکہ اور ترکی گزر گریاں یہاں گزارتے تھے۔ ۱۸۰۲ء میں سعودی نجدیوں نے اس پر قبضہ کیا اور ۱۸۱۳ء میں طرمون پاشا کی سرکردگی میں مصری فوجوں نے اسے واپس لے لیا۔ ایک سال بعد برکھارٹ (Berkhardt) نے اس کی سیر کی۔ وہ لکھتا ہے: ”ادھا شہر کھنڈر ہے۔ اس نے وہاں بڑے بڑے انگور کھائے جو نہایت لذیذ اور خوشبودار تھے۔ اس کے علاوہ بھی، انجیر اور انار کھائے، باغوں سے زیادہ تر تقفی ہیں۔ یہاں بہت سے مالدار اہل مکہ کے مکان ہیں۔ غیر ملکیوں میں بہت سے ہندوستانی مسلمان ہیں۔“

۱۹۱۸ء میں لکھتا ہے: ”یہاں پانچ ہزار سے زیادہ آبادی نہیں، البتہ گرمیوں میں ہیں ہزار تک پہنچ جاتی ہے“ اپریل ۱۹۲۲ء میں شریف حسین سے جنگ کر کے نجدیوں نے اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور اب یہ سعودی مملکت کے بہت زیادہ ترقی یافتہ شہروں میں سے ہے، ۱۹۳۹ء میں مجھے یہاں پندرہ ہزار آبادی بتائی گئی، اور ۱۹۴۶ء میں چالیس ہزار کے لگ بھگ (موجودہ آبادی پچاس ہزار کے قریب ہے) شہر اب فیصل کے باہر دور دور تک پھیل گیا ہے۔ شیل فرن، لاسکی، ہوائی اسٹیشن، شاندار مکانات اور ہر قسم کی جدید مہولتیں تھپا ہیں۔ مکے اور ریاض سے ٹاک کے ٹکے نے بس سروس بھی جاری کر رکھی ہے۔ لے

بَابُ غَزْوَةِ بَدْرٍ

۲۵۰۶ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَدَنُ حَدَّثَنَا حَتَّابُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ تَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَادَ تَرَجِينَ بَلْعَاءَ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سُلَيْمَانَ قَالَ فَتَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ تَكَلَّمَ عُمَرُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَقَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ فَقَالَ إِنَّا نُرِيدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَكُلُّ أَمْرٍ تَنَازَعْنَا أَنْ نَخِيضَ فِيهَا الْبَحْرَ لَا نَحْضِنَا هَا وَكُلُّ أَمْرٍ تَنَازَعْنَا أَنْ نَضْرِبَ الْكِبَادَ هَا إِلَى بَرٍّ الْفَعْلَانَا قَالَ فَتَدَبَّرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ فَأَنْطَلَقُوا حَتَّى تَرَوُا بَدْرًا وَوَرَدَتْ عَلَيْهِمْ رَدَايَا قَرَيْشٍ وَفِيهِمْ غُلَامٌ أَسْوَدُ لَبَنِي الْحَبَابِ فَاتَّخَذُوهُ مَكَارًا صَاحِبُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى

غزوة بدر

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوسفیان کے (قاظم کے) آنے کی خبر پہنچی تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا، حضرت ابوبکر نے کوئی مشورہ دیا، آپ نے ان سے اعراض کیا، پھر حضرت عمر نے کوئی مشورہ دیا، آپ نے ان سے بھی اعراض کیا، پھر حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہو کر کہنے لگے یا رسول اللہ! اس فات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر آپ ہمیں سمندر میں گھوڑے دوڑانے کا حکم دیں تو ہم سمندر میں گھوڑے دوڑا دیں گے، اگر آپ ہمیں برک انعام دے گھوڑے دوڑانے کا حکم دیں تو ہم ایسا کریں گے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گول کر دیا، لوگ آئے لود وادی بدر میں اترے، وہاں قریش کے پانی پلانے والے تھے، ان میں بنی حجاج کا ایک سیاہ غلام تھا، صحابہ نے اس کو پکڑ لیا اور اس سے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُونَكَ عَنْ آيَةِ مُّسْفِيَانٍ
وَأَصْحَابِهِ، فَيَقُولُ مَا لِيَ عِلْمٌ بِآيَةِ مُّسْفِيَانٍ
وَلَكِنْ هَذَا أَبُو جَهْلٍ وَعُتْبَةُ وَشَيْبَةُ وَ
أُمَيَّةُ ابْنُ خَلْفٍ فَإِذَا قَالَ ذَلِكَ صَرَبُوهُ
فَقَالَ تَعَمَّ أَنَا أَخْبِرْكُمْ هَذَا أَبُو مُّسْفِيَانٍ
فَإِذَا أَتَرَكُوهُ فَسَأَلُوهُ فَقَالَ مَا لِيَ بِآيَةِ مُّسْفِيَانٍ
عِلْمٌ وَلَكِنْ هَذَا أَبُو جَهْلٍ وَعُتْبَةُ وَشَيْبَةُ وَ
شَيْبَةُ وَأُمَيَّةُ ابْنُ خَلْفٍ فِي النَّاسِ فَإِذَا
قَالَ هَذَا آيُضًا صَرَبُوهُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ يُصَلِّيُ فَلَمَّا
رَأَى ذَلِكَ انْصَرَفَ قَالَ وَالَّذِي فِي لَفْسِي
بَيِّنَةٌ لِّتَضْرِبُوهُ إِذَا صَدَقْتُمْ وَتَتْرَكُوهُ
إِذَا كَذَبْتُمْ قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا مَضْرُوعٌ فَلَا يَنْ
قَالَ وَيَضَعُ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ هَهُنَا وَ
هَهُنَا قَالَ كَمَا مَاطَ أَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعٍ
يَدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کے بارے میں سوال کیا، اس نے کہا مجھے ابوسفیان کا کوئی
پتا نہیں! لیکن یہاں ابو جہل، عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف
ہیں، جب اس نے یہ بتایا تو صحابہ نے اس کو بیٹنا شروع
کیا، اس نے کہا اچھا میں تمہیں ابوسفیان کے متعلق بتاتا
ہوں، جب انہوں نے اس کو چھوڑ کر ابوسفیان کے
بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا مجھے ابوسفیان کا کوئی پتا
نہیں، لیکن یہاں لوگوں میں ابو جہل، عتبہ، شیبہ اور امیہ بن
خلف ہیں، جب اس نے یہ کہا تو انہوں نے پھر بازنا شروع
کر دیا اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے ناز
پرٹھ رہے تھے، جب آپ نے یہ منظر دیکھا تو نماز سے
فارغ ہونے کے بعد فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ
و قدرت میں میری جان ہے، جب یہ سچ بولتا ہے تو
تم اس کو مارتے ہو اور جب یہ جھوٹ بولتا ہے تو تم اس
کو چھوڑ دیتے ہو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا یہ فلاں کافر کے گرنے کی جگہ ہے، آپ زمین پر
اس جگہ اور اس جگہ ہاتھ رکھتے، حضرت انس کہتے ہیں کہ
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ رکھنے کی جگہ سے
کوئی کافر متھاؤ نہ نہیں ہوا۔ (یعنی جس جگہ آپ نے جس
شخص کا نام لے کر ہاتھ رکھا تھا وہ کافر اسی جگہ گر کر مرے گا۔)

بدر کا لغوی معنی، جغرافیائی محل وقوع اور تاریخ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
اللہ تعالیٰ نے تم کو بدر میں فتح اور نصرت عطا کی،
حالانکہ تم اس وقت کمزور تھے۔

ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتما دلتہ

(آل عمران ۱۶۳)

سنت میں غزوہ بدر واقع ہوا، بدر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں ہر سال میلہ لگتا تھا، بدر مدینہ منورہ سے تقریباً اسی
میل کی مسافت پر واقع ہے۔ علامہ حموی لکھتے ہیں: بدر کا لغوی معنی ہے بھرنا، چودھویں رات کے چاند کو بدر کہا
جاتا ہے کیونکہ وہ بھرا ہوا مکمل ہوتا ہے۔ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک وادی میں مشہور کنواں ہے، ایک قول یہ
ہے کہ بئر ضمرہ کا ایک شخص رہتا تھا اس کے نام پر اس وادی کا نام پڑ گیا۔

قریش مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا تیار ہوا کر رہے تھے، اسی اثناء میں حمزہؓ کے قتل کا واقعہ پیش آ گیا جس سے قریش اور غصب ہاک ہو گئے، انہی دنوں میں مکہ مکرمہ میں یہ جھوٹی خبر پھیل گئی کہ مسلمان قریش کے قافلہ کو لوٹنے آ رہے ہیں اس پر قریش مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے چل پڑے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان حالات کا علم ہوا تو آپ نے صحابہ کرام کو جمع کیا، ہاجرین صحابہ نے بڑی باثباتہ تقریریں کیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی طرف دیکھ رہے تھے، کیونکہ انصار نے بیعت کے وقت صرف یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اس وقت تلوار اٹھائیں گے جب دشمن مدینہ پر چڑھائیں۔ خزیج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ نے اٹھ کر کہا، کیا آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے خدا کی قسم اگر آپ حکم دیں تو ہم سمندر میں گھوڑے اتار دیں گے۔ صحیح مسلم کے اس باب کی حدیث میں اسی طرز کی طرف اشارہ ہے۔

کون کہاں مرے گا اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم | اس باب کی حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں پیشگی فرمادیا تھا کہ فلاں کافر اس جگہ مرے گا اور فلاں کافر اس جگہ مرے گا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جگہ جس کافر کا نام لے کر اشارہ کیا تھا وہ کافر اسی جگہ مرا اور اس سے سرسبز و متجاوز نہیں ہوا۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے اور آپ کے علم کی دست کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ علم دیا تھا کہ کون کہاں مرے گا اور یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں ہے وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ (لقمان ۳۴) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا کیونکہ اس آیت میں علم ذاتی کی نفی ہے یعنی وہ علم جو از خود ہوتا ہے۔ اور حدیث میں اس علم کا ثبوت ہے جو اللہ کی عطیہ ہے۔

فتح مکہ کا بیان

بَابُ فَتْحِ مَكَّةَ

عبداللہ بن رباح کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ ماہ رمضان میں متعدد جماعتیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں، ہم ایک دوسرے کے لیے کھانا تیار کر رہے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ ہم کو اپنے ٹھکانے پر بکثرت بلایا کرتے تھے، میں نے سوچا کہ میں بھی کھانا تیار کر کے ان حضرات کو اپنے ٹھکانے پر کھانے کا دعوت کیوں نہ دوں! میں نے کھانا تیار کرنے کا حکم دیا، پھر شام کے وقت میری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، میں نے کہا آج رات میرے گھر دعوت ہے، حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا تم نے مجھ پر سبقت کر لی؟ میں نے کہا ہاں! میں نے ان سب کو بلایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اے گروہ انصار میں تم کو

۴۵۰۷ - حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ حَدَّثَنَا ثَابِتُ الْبُنَاتِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رَاحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ وَقَدْتُ وَفُتُّكَ إِلَى مُعَادِيَةٍ وَذَلِكَ فِي رَمَضَانَ فَكَانَ يُصْنَعُ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ الطَّعَامَ فَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ مِمَّا يَكْثُرُ أَنْ يَدْعُونَا إِلَى مَا خَلِمَ فَقُلْتُ إِلَّا أَصْنَعُ طَعَامًا فَأَدْعُوهُمْ إِلَى مَا خَلِمَ فَأَمَرْتُ بِطَّعَامٍ يُصْنَعُ ثُمَّ لَقِيتُ أَبَا هُرَيْرَةَ مِنَ الْعَشِيِّ فَقُلْتُ الدَّعْوَةُ عِنْدِي الْيَكْلَةُ فَقَالَ سَبَقْتَنِي قُلْتُ نَعَمْ

قَدْ عَوَّثَهُمْ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ إِلَّا عَلَيْنَا كَيْفَ بَدِثَ
 مِنْ حَدِيثِكُمْ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ ثُمَّ ذَكَرَ
 فَتَحَ مَكَّةَ فَقَالَ أَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى قَدِمَ مَكَّةَ فَبَعَثَ
 الرَّبِيعَ عَلَى إِحْدَى الْمَجْتَبِئَتَيْنِ وَبَعَثَ
 كَهْلًا لِدَا عَلَى الْمَجْتَبِئَةِ الْأُخْرَى وَبَعَثَ أَبَا
 عُبَيْدَةَ عَلَى الْحُسَيْنِ فَأَخَذُوا أَبْطَنَ الْوَادِي
 وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي
 كَتِيبَةٍ قَالَ فَتَنَظَرُ قَدَانِي فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ
 قُلْتُ نَبَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ لَا يَا تَيْبِي
 إِلَّا أَنْصَارِي ثُمَّ إِذَا غَيْرُ شَيْبَانٍ فَقَالَ
 اهْتِفْ لِي يَا لَا أَنْصَارِ قَالَ فَأَطَاعُوا بِهِ
 وَوَبَّشَتْ قُرَيْشٌ أَوْ بَاشَ لَهَا وَاتَّبَاعًا
 فَقَالُوا نَعْتِدُ مِنْ هَؤُلَاءِ فَمَا كَانَ لَهُمْ
 شَيْءٌ كُنَّا مَعَهُمْ وَإِنْ أُصِيبُوا أَعْطَيْنَا الدِّينِي
 سَأَلْنَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ تَرَوْنَ إِلَى أَوْ بَاشِ قُرَيْشٍ وَاتَّبَاعِهِمْ
 ثُمَّ قَالَ يَبْدِيهِمْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى
 ثُمَّ قَالَ حَتَّى تَوَافُوا فِي بِالْصَّفَا قَالَ
 فَأُتِلَقْنَا فَمَا شَاءَ أَحَدًا مِنَّا أَنْ يَقْتُلَ
 أَحَدًا إِلَّا قَتَلَهُ وَمَا أَحَدٌ مِنْهُمْ يُوجِّهُ
 إِلَيْنَا شَيْئًا قَالَ فَجَاءَ أَبُو سُفْيَانَ فَقَالَ
 يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيْبَحُثْ سَخَصَرَةً مِنْ قُرَيْشٍ لَا قُرَيْشٍ
 بَعْدَ الْيَوْمِ ثُمَّ قَالَ مَنْ دَخَلَ دَارَ ابْنِ سُفْيَانَ
 فَهُوَ مِنْ قُلُوبِ الْأَنْصَارِ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ
 أَمَّا الرَّجُلُ كَأَنَّهُ كَتَمَ رَحِيبةً فِي قُرْبَتِهِ وَ
 دَأْبًا بِعَشِيرَتِهِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ وَجَاءَ
 الْوَحْيُ وَكَانَ إِذَا جَاءَ الْوَحْيُ لَا يَخْفَى عَلَيْكَ
 فَإِذَا جَاءَ فَلَيْسَ أَحَدٌ يَرْفَعُ طَرَفًا إِلَى رَسُولِ

تہا سے بارے میں ایک حدیث کی عبرت دوں؟ پھر حضرت
 ابو ہریرہ نے فتح مکہ کا ذکر کیا اور بیان کیا کہ رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ آپ نے
 ایک جانب حضرت زبیر کو بھیجا اور دوسری جانب حضرت
 خالد کو روانہ کیا، اور حضرت ابو عبیدہ کو ان کا سرور مقرر کیا جو
 درہمیں سے غالی تھے۔ وہ بطن الحادی سے گزرے اور
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے ایک حصہ میں تھے آپ
 نے مجھے دیکھا اور فرمایا: ابو ہریرہ؟ میں نے عرض کیا بلیک
 یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا میرے پاس صرث انصاری آتے
 ہیں! اور ایک رعایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا انصار کو کبیر
 پاس بلاؤ، وہ سب آپ کے گرد جمع ہو گئے، اور قریش
 نے مجھ اپنے حمایتی اور تابع دارا کٹھے کر لیے اور کہا ہم
 ان لوگوں کو آگے بڑھاتے ہیں اگر ان کو کوئی فائدہ پہنچا تو
 ہم بھی اس میں شریک ہوں گے اور اگر یہ گرفتار ہو گئے تو
 ہم سے جس چیز کا سوال کیا جائے گا ہم اس کو حوالے کر
 دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم قریش
 کی جماعتوں اور ان کے متبعین کو دیکھ رہے ہو پھر آپ
 نے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر اشارہ کیا، (ان کو
 مارو) پھر فرمایا حتیٰ کہ تم مجھ سے صفا پر ملو، پھر ہم صفا
 پر آئے اور ہم میں سے جو شخص کسی کو قتل کرنا چاہتا اس کو
 قتل کر دیتا اور ان کا کوئی شخص ہمارا مقابلہ نہیں کر پاتا
 تھا، اتنے میں ابوسفیان آئے اور کہا: یا رسول اللہ!
 قریش کی جماعت ختم ہو رہی ہے اور آج کے بعد کوئی
 قریش باقی نہیں رہے گا! آپ نے فرمایا جو شخص ابوسفیان
 کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو امن ہے! پھر انصار
 نے آپس میں کہا حضور پر اپنے ہم وطنوں اور اپنے قرابت داروں
 کا محبت غالب لگئی، پھر آپ پر وحی آئی اور جب آپ پر وحی
 آتی تھی تو ہمیں پتا چل جاتا تھا! اور جب آپ پر وحی نازل
 ہوتی تھی تو کوئی شخص آپ کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھ

اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى يَنْقَضِيَ
الْوَحْيُ فَلَمَّا انْقَضَى الْوَحْيُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ
قَالُوا الْبَيْتُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ قُلْتُمْ أَمَّا
الرَّجُلُ فَإِذَا رَكِبَهُ رَغِيْبٌ فِي قَرْيَتِهِ قَالُوا
قَدْ كَانَ ذَلِكَ قَالَ كَلَّا لَا بِي عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ
هَاجَرْتُ إِلَى اللَّهِ وَرَأَيْتُكُمْ قَالُوا فَهَيَّا لَنَا
وَالْمَمَاتُ مِمَّا تُكْمُ قَالُوا قَبَلُوا إِلَيْهِ
يَبْكُونَ وَيَقُولُونَ وَاللَّهِ مَا قُلْنَا الَّذِي
قُلْنَا إِلَّا لَا الضُّعْفُ يَا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ فَقَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ يُصْنِئُ قَانِكُمْ وَيَعِدُّكُمْ أَيْكُمْ
قَالَ قَالُوا قَبْلَ النَّاسِ إِلَى دَارِ آيِ سَفِيَانِ
وَأَغْلَقَ النَّاسُ أَبْوَابَهُمْ قَالَ وَأَقْبَلَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى
أَقْبَلَ إِلَى الْحَبَرِ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ طَافَ
بِالنَّبِيِّتِ قَالَ قَاتِي عَلَى صَنِيمٍ إِلَى جَنْبِ
النَّبِيِّتِ كَانُوا يَعْبُدُونَ ثُمَّ قَالَ وَفِي يَدِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْسٌ
وَهُوَ اخِذٌ بِسَبِيَةِ الْقَوْسِ فَلَمَّا آتَى عَلَى
الصَّيْمِ جَعَلَ يَطْعُمُهُ فِي عَيْنِهِ وَيَقُولُ
جَاءَ الْحَقُّ وَنَرَاهُ الْبَاطِلُ فَلَمَّا فَرَّغَ
مِنْ أَطْوَافِهِ آتَى الصَّنَا فَعَدَّ عَلَيْهِ حَتَّى
تَقْلَبَ إِلَى النَّبِيِّتِ وَرَفَعَ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يَحْمَدُ
اللَّهَ وَيَدْعُو بِمَا شَاءَ أَنْ يَدْعُوَا -

۴۵۰۸ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ
هَاشِمٍ حَدَّثَنَا بَشَرٌ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ
الْمُعْتَمِرِ تَوَاتَرًا هَذَا الْإِسْنَادُ وَنَرَاهُ فِي الْحَدِيثِ
ثُمَّ قَالَ رُبِّدَ إِلَيْنَا هَذَا عَلَى الْأَخْزَى

سکتا تھا، سختی کر دی منقطع ہو جائے۔ جب وحی منقطع ہو گئی
تو آپ نے فرمایا اے جماعت انصار! انہوں نے کہا بیک
یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تم نے کہا تھا کہ اس شخص پر
اپنے ہاتھوں کی محبت غالب آگئی ہے انہوں نے کہا ہاں ایسا ہو
سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا ایسا ہو گز نہیں! میں اللہ کا بندہ
اس کا رسول ہوں۔ میں نے اللہ کی طرف اور تمہاری طرف ہجرت
کی ہے، میری زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے۔ انصار
زار و قطار روئے، مرنے آپ کی طرف بڑھے اور کہا بخدا
ہم نے جو کچھ کہا وہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں
کہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک
اللہ اور اس کا رسول تمہاری تصدیق کرتے ہیں اور تمہارا
غدر قبول کرتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ نے کہا پھر لوگ
ابوسفیان کے گھر کی طرف پکٹنے لگے اور لوگوں نے اپنے
گھروں کے دروازے بند کر دیے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم روانہ ہوئے اور حجر اسود کے پاس پہنچے، آپ نے
حجر اسود کی تعظیم کی اور پھر بیت اللہ کا طواف کیا، پھر
ایک بت کے پاس گئے جو بیت اللہ کی ایک جانب تھا
جس کی قریش پرستش کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ہاتھ ایک کمان تھی جس کا آپ ایک کونہ پکڑے
ہوئے تھے، جب آپ اس بت کے پاس گئے تو آپ
اس کی آنکھوں میں وہ کونہ چھونے لگے اور فرمانے لگے
حق آگیا اور باطل چلا گیا، جب آپ طواف سے فارغ
ہوئے تو صفا پہنچے اور اس پر چڑھ کر بیت اللہ پر
نظر ڈالے اور دونوں ہاتھ بلند کئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کی
پھر جو چاہا وہ دعا کرتے رہے۔

امام مسلم نے ایک اور سند سے بھی یہ حدیث
روایت کی اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا انہیں
(کھینچ کر) کات دو اور ایک حدیث میں ہے صحابہ نے

کہا یا رسول اللہ! ہم نے یہ کہہ لیا ہے۔ آپ نے فرمایا میرا نام کیا ہے؟ ہرگز نہیں، میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

عبداللہ بن رباح بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت علیؓ بن ابی سفیان کے پاس گئے، ہم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، ہم میں سے ایک شخص ایک دن ساتھیوں کے لیے کھانا پکاتا تھا، جب میری باری آئی تو میں نے کہا اے ابوہریرہ آج میری باری ہے، سب لوگ میرے گھر آ گئے، اور ابھی ہمارا کھانا تیار نہیں ہوا تھا، میں نے کہا اے ابوہریرہ! کاش آپ کھانا تیار ہونے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنائیں، حضرت ابوہریرہ نے کہا فتح مکہ کے دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو سینہ پر، حضرت زبیر کو میسرہ پر اور حضرت ابراہیمہ کو پیادوں پر مقرر کر کے وادی کے اندر روانہ کیا، پھر آپ نے فرمایا: ابوہریرہ! انصار کو بلاؤ، میں نے انصار کو بلایا وہ دوڑتے ہوئے آئے، آپ نے فرمایا: اے انصار کی جماعت کیا تم قریش کے کہنے لوگوں کو دیکھو رہے ہو؟ انھوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا ان کو دیکھ لو کہ جب ان سے مقابلہ ہو تو ان کو (کھیتی کی طرح) کاٹ کر رکھ دینا، اور آپ نے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر اشارہ کیا۔ اب تم سے صفا پر ملاقات ہوگی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس دن ان کو جو آدمی بھی دکھائی دیا اس کو انھوں نے سٹکا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر چڑھے، انصار آنے اور انھوں نے صفا کو گھیر لیا، پھر ابو سفیان آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! قریش کی جماعت ختم ہو گئی، آج کے بعد کوئی قریش نہیں رہے گا۔ ابو سفیان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ابو سفیان کے گھر میں

اِخْصَدُوهُمْ حَصْدًا وَ قَالَ فِي الْحَدِيثِ
قَالُوا قُلْنَا ذَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَصَمًا
اسْمِي اِذَا كَلَّا لِي عِنْدَ اللَّهِ وَرَسُولُهُ۔
۹۰۵۔ حَدَّثَنَا عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ
الْقَادِيَّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانٍ حَدَّثَنَا
حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ أَخْبَرَنَا ثَابِتٌ عَنْ
عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رِبَاعٍ قَالَ وَفَدْنَا إِلَى مُعَاوِيَةَ
بْنِ أَبِي سُفْيَانَ وَفِينَا أَبُو هُرَيْرَةَ فَكَانَ
كُلُّ رَجُلٍ مِمَّنَا يَصْنَعُ طَعَامًا يَوْمًا لَا مُعَاوِيَةَ
فَكَانَتْ نَوْبَتِي فَقُلْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ الْيَوْمَ
نَوْبَتِي فَجَاءُوا إِلَى الْمَنْزِلِ وَلَمْ
يُذِرَاكَ طَعَامَنَا فَقُلْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ
لَوْ حَدَّثْتَنَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى يُذِرَاكَ طَعَامًا مِمَّا
فَقَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَجَعَلَ خَالِدُ بْنُ
الْوَلِيدِ عَلَى الْمُجَلَّبَةِ الْيَمْنَى وَجَعَلَ
الرَّبِيعُ عَلَى الْمُجَلَّبَةِ الشَّامِي وَجَعَلَ
أَبَا عُبَيْدَةَ عَلَى الْبَيَاضَةِ وَبَطْنُ الْوَادِي
فَقَالَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَدْعُرْ لِي الْأَنْصَارَ
فَدَعَوْهُمْ فَجَاءُوا وَهُمْ وَلُونَ فَقَالَ يَا
مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ هَلْ تَرَوْنَ أَوْ بَاشَ قَرِيشٍ
قَالُوا نَعَمْ قَالَ انْظُرُوا إِذَا لَعِنْتُمُوهُمْ
فَعَدَا أَنْ تَحْصَدُوا وَهُمْ حَصْدًا وَآخَفَى بِبَيْدِهِ
وَوَضَعَ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ وَقَالَ مَوْعِدُكُمْ
الصَّفَا قَالَ كَمَا أَشْرَفَ يَوْمَئِذٍ لَكُمْ
أَحَدًا إِلَّا أَنَا مَوْءُةٌ قَالَ وَصَعِدَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّفَا وَجَاءَتْ
الْأَنْصَارُ فَأَطَاعُوا بِالصَّفَا فَجَاءَ أَبُو سُفْيَانَ

فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيْدَتِ خَضِرَاءُ قُرَيْشٍ
لَا قُرَيْشَ بَعْدَ الْيَوْمِ قَالَ أَبُو سَفْيَانَ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ
دَخَلَ دَارَ أَبِي سَفْيَانَ فَهُوَ مِنْ دَمَنِ
أَلْقَى السِّلَاحَ فَهُوَ مِنْ دَمَنِ آغْلَقَ
بَابَهُ فَهُوَ مِنْ قَعَالَتِ إِلَّا نَصَاءً أَمَّا
الرَّجُلُ فَقَدْ أَخَذَ تَمْرًا فَتَمْرًا يَعِيشُ رَيْتِهِمْ
وَرَعْبَةً فِي قَرْبَتِهِمْ وَنَزَلَ الْوَحْيُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُمْ أَمَّا الرَّجُلُ فَقَدْ
أَخَذَ تَمْرًا فَتَمْرًا يَعِيشُ رَيْتِهِمْ وَرَعْبَةً
فِي قَرْبَتِهِمْ أَلَا كَمَا أَسْبَحُ إِذَا
ثَلَاثَ مَرَّاتٍ أَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدُ اللَّهِ وَ
رَسُولُهُ هَاجَرْتُ إِلَى اللَّهِ وَآلَيْكُمْ فَالْمَحْيَا
مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مِمَّا تَكُمُ قَالُوا وَاللَّهِ مَا
قُلْنَا إِلَّا صِدْقًا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ قَالَ فَإِنَّ هَذِهِ
وَرَسُولُهُ يُصَدِّقَانِيكُمْ وَيُعَدُّ دَانِيَكُمْ

۲۵۱۰ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
وَعَمْرُو بْنُ النَّاقِدِ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ وَالتَّلَظُّظُ
لَا بِنِ أَبِي شَيْبَةَ قَالُوا حَدَّثَنَا سَفْيَانُ بْنُ
عُيَيْنَةَ عَنْ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ جَاهِدٍ عَنْ
أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ وَحَوْلَ
الْكُعْبَةِ ثَلَاثُمِائَةٍ وَسِتُّونَ نَصَبًا
فَجَعَلَ يَطْعُمُهَا بِخُذٍّ كَانَ يَسِيرُهُ
وَيَقُولُ جَاءَ الْحَقُّ وَهَرَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ
الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا جَاءَ الْحَقُّ وَمَا
يُبْنِي الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ - رَأَى ابْنُ أَبِي
عُمَرَ يَوْمَ الْفَتْحِ

۲۵۱۱ - وَحَدَّثَنَا هُشَيْنُ بْنُ سَعْدٍ

داخل ہو جائے اس کو امان ہے جو شخص ہتھیار پھینک
دے گا اس کو امان ہے! جو شخص اپنے گھر کے دروازے
بند کرے گا اس کو امان ہے! انصار نے کہا حضرت پر
اپنے رشتہ داروں کی محبت اور اپنے وطن کی الفت
غالب آگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل
ہوئی، آپ نے فرمایا تم نے یہ کہا تھا کہ اس شخص پر اپنے
رشتہ داروں کی محبت اور اپنے وطن کی الفت غالب آگئی ہے
تم جانتے ہو میرا نام کیا ہے؟ آپ نے تین بار فرمایا میں
محمد ہوں اور اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں
نے اللہ کی طرف اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے، میری زندگی
تمہاری زندگی کے ساتھ اور میری موت تمہاری موت کے
ساتھ ہے، انصار نے کہا بخدا ہم نے یہ صرت اللہ اور
اس کے رسول کی محبت میں کہا تھا، آپ نے فرمایا اللہ
اور اس کا رسول تمہاری تعدیق کرتے ہیں اور تم کو
مسند پر قرار دیتے ہیں

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے، وہاں کعبہ
کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ آپ
کے دست اقدس میں ایک لکڑی تھی، جو آپ بتوں کو
چھوتے تھے، اور فرماتے تھے حق آگیا اور باطل چلا
گیا، بے شک باطل جانے والی چیز ہے۔ حق آگیا،
باطل نہ کسی چیز کو بناتا ہے نہ لوثاتا ہے۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند ذکر

کی ہے، اس میں ذوق کا کے بددعائی اہل بیت نہیں ہے اور نصب کی جگہ صغیر کا حفظ ہے۔

الْخُلُوْا فِيْ وَعْبَتِ بْنِ جَمِيْدٍ كِلَا هُمَا عَنْ
عَبْدِ الرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا الشُّوْبَا عَنْ ابْنِ اَبِي
نَجِيْحٍ بِهَذَا الْاِسْنَادِ اِلَى قَوْلِهِ ثُمَّ هُوَ
وَكَمْ يَدْكُرُ الْاَيَةَ اَلَا تُحْذِرُ قَالَ بَدَلْ
نُصْبًا صَغِيْرًا

عبداللہ بن مطیع اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نفع مکہ کے دن فرمایا آج کے بدقیامت
تک کسی قریشی کو ہاتھ نہ کرنا کہ قتل نہیں کیا جائے گا۔

۲۵۱۲ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ وَكَيْفَا عَنْ زَكْرِيَّا
عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ
مُطِيْعٍ عَنْ اَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ
لَا يُقْتَلُ قُرَشِيٌّ صَبْرًا بَعْدَ هَذَا الْيَوْمِ
إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

ایک اور سند سے یہ حدیث مروی ہے اس میں
ہے کہ قریش کے جن لوگوں کا نام مامی تھا ان میں سے
عامر بن اسود کے سوا کوئی مسلمان نہیں ہوا۔ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے ان کا نام مطیع رکھا۔

۲۵۱۳ - حَدَّثَنَا ابْنُ ثُمَيْرٍ حَدَّثَنَا ابْنُ
حَدَّثَنَا زَكْرِيَّا بِهَذَا الْاِسْنَادِ وَهَذَا قَالَ
وَكَمْ يَكُنْ اَسْلَمَ اَحَدٌ مِنْ عَصَاةِ قُرَيْشٍ
عِنْدَ مُطِيْعٍ كَانَ اِسْمُهُ الْعَاصِي تَسْمَاةُ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مُطِيْعًا

مکہ کے جنگ سے فتح ہونے پر دلائل اور دیگر فوائد | حدیث نمبر ۲۵۰۰ میں ہے "عبداللہ بن رباح بیان کرتے
کھانا پکاتا تھا" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب ساتھیوں کا جمع ہو کر کھانا کھانا مستحب ہے، اور یہ کہ آپس میں دل بیٹھ کر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے غزوات اور دیگر احوال کا بیان کرنا اور سننا مستحب ہے اور یہ کہ سفر وغیرہ
میں دینی امور میں گفتگو کرنا چاہیے تاکہ فضول باتوں اور ایک دوسرے کی فیبت وغیرہ سے محفوظ رہا جائے۔
اس حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اس کو ایمان ہے
اس حدیث سے امام شافعی اور ان کے موافقین نے اس پر استدلال کیا ہے کہ مکہ کے مکانات وغیرہ شخصی ملکیت ہوتے
ہیں ان کو بیچنا اور ان کو کھانے پر دینا جائز ہے، کیونکہ اس حدیث میں مکان کی حضرت ابوسفیان کی طرف اضافت کی
ہے، اور آدمی کی طرف جب کسی چیز کی اضافت ہو تو اس کا تقاضا ملکیت ہوتا ہے۔ اس حدیث میں حضرت ابوسفیان کی
دل جوئی اور ان کے شرف اور فضیلت کا بیان ہے۔

اس حدیث میں ہے: انصار نے مکہ والوں کو امن دینے پر یہ کہا کہ حضور پر اپنے وطن اور وطن والوں کی محبت

غالب لگتی، اس کی وجہ یہ تھی کہ انصار صحابہ کو یہ حدیث ہو کہ کہیں حضور مکہ میں ہی سکونت اختیار نہ کر لیں اور مدینہ منورہ چھوڑ دیں، اس لیے انہوں نے جو کچھ کہا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے منسوب ہو کر کہا، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے قول پر مطلع کر دیا اور آپ نے ان کے عذر کو قبول کر لیا اور آخر میں جو فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، اس میں رسالت کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جہت رسالت سے آپ کو بذریعہ وحی مطلع کیا اور عبدیت کا ذکر اس لیے کیا کہ میں نے جو تم کو غیب کی خبر دی ہے اس سے تم کہیں فتنہ میں مبتلا نہ ہو جانا اور میری قرعین میں ایسا مبالغہ نہ کرنا جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں کیا، میں ان تمام کمالات کے باوجود جدا نہیں ہوں، خدا کا بندہ ہوں۔

اس حدیث میں ہے: آپ نے کفار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ان کو کھینچی کی طرح کاٹ دو۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ مکہ مکرمہ جنگ سے فوج ہوا ہے، اس مسئلہ میں اختلاف ہے، امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمد، جمہور فقہاء اہل سیرت نے یہ کہا ہے کہ مکہ جنگ سے فوج ہوا ہے، اور امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ مکہ صلح سے فوج ہوا ہے اور امام مازنی نے یہ کہا ہے کہ امام شافعی اس قول میں متفرق ہیں، اور جمہور فقہاء کا استدلال اس حدیث سے ہے، نیز ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہتھیار پھینک دیے اس کو امان ہے اور جو ابوسفیان کے گھریں داخل ہوا اس کو امان ہے، اگر مکہ صلح سے فوج ہوا ہوتا اور جنگ نہیں ہوتی تھی تو پھر کسی کو امان دینے کی کیا ضرورت تھی؟ نیز حدیث میں ہے کہ حضرت ام لثی نے دو ایسے شخصوں کو امان دی جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ قتل کرنا چاہتے تھے، یہی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو تم نے امان دی اس کو ہم نے امان دی، اگر سب کو امان ہوتی اور مکہ صلح سے فوج ہوا ہوتا تو حضرت علی ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیوں کرتے! اور عام امان کے حصول کے بعد ان کو حضرت ام لثی کی امان کی کیوں ضرورت پیش آتی؟

امام شافعی نے ان احادیث کی تاویلات کی ہیں کہ مکہ کے جن کفار نے لڑائی کی ان کو قتل کرنے کا حکم دیا، اور حضرت ام لثی نے مزید حفاظت کے لیے امان حاصل کیا، لیکن یہ تاویلات ضعیف ہیں، اگر کسی حدیث میں عام صلح کا ذکر ہوتا تو ان تاویلات کی گنجائش تھی، اس کے برخلاف صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو حرم قرار دیا اور فرمایا اس شہر میں جنگ کرنا جائز نہیں ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جنگ کی تھی اس سے استدلال نہ کیا جائے، کیونکہ اللہ نے اپنے رسول کو ایک ساعت کے لیے جنگ کی اجازت دی تھی اور تمہیں مکہ میں جنگ کی اجازت نہیں دی۔ ۱۷

بُرْ اَنَامُ بَدَل دینا | اس حدیث میں ہے: قریش میں سے جن لوگوں کا نام عام تھا ان میں سے عام بن اسود کے سوا اور کوئی مسلمان نہیں ہوا، قاضی عیاضی نے کہا ہے یہ عام اسلوا اعلام میں سے ہے، یعنی جن لوگوں کا نام عام تھا جیسے عام بن دائل سہمی، عام بن ہشام ابوالخثری، عام بن سعید بن عامر بن ایتہ، عام بن ہشام بن منیرہ مخزومی اور عام بن منیرہ بن عجاج وغیرہ ان میں سے کسی نے اسلام نہیں قبول کیا۔ البتہ عام بن اسود عذری نے اسلام

قبول کر دیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام تبدیل کر کے مطیع رکھا۔ راوی نے ابو جندل بن سہیل بن عمرو کو ذکر کر دیا ان کا نام بھی عامی تھا۔ اور احمد نے بھی اسلام قبول کر دیا تھا لیکن ان کے نام پر ان کی کنیت کا غلبہ تھا، اس وجہ سے راوی نے ان کا ذکر نہیں کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عامی نام نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ اسی کا معنی یہ نافرمانی کرنے والا ہے اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامی بن اسود کا نام تبدیل کر کے مطیع رکھا، مطیع کا معنی یہ اطاعت کرنے والا ہے اس کا طرح پر ویز نام نہیں رکھنا چاہیے پر ویز وہ شخص تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک چاک کر دیا تھا، پھر چھ دہریوں صدی میں غلام احمد پر ویز نام کا شخص گذرا، یہ بھی پر ویز کے لقب سے مشہور تھا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حقیقت کا انکار کیا۔ غرض جس نام میں کوئی شرعی قبح ہو وہ نام نہیں رکھنا چاہیے۔ کتاب الادب میں انشاء اللہ اس کی زیادہ تفصیل آئے گی۔

بَابُ صَلَاحِ الْحَدِيثِ

صلح حدیث کا بیان

۴۵۱۴ - حَدَّثَنِي هُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ
الْعَدَنِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا هُثَيْبَةُ عَنْ
أَبِي إِسْحَقَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كَتَبَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ
الْصَّلَاحَ بَيْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَبَيْنَ الْمُشْرِكِينَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَّةِ
فَكُتِبَ هَذَا مَا كَاتَبَ عَلَيْكَ مُحَمَّدٌ
رَسُولُ اللَّهِ فَقَالُوا لَا تَكُتُبْ
رَسُولُ اللَّهِ فَلَوْ تَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ
اللَّهِ لَمْ تُقَاتِلْكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيِّ أَمَّا فَقَالَ مَا
أَنَا بِالَّذِي أَحْمَاهُ فَمَحَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمَا قَالَ وَكَانَ فِيهِمَا
اشْتِرَاطٌ أَنْ يَدْخُلَا مَكَّةَ فَيُقِيمُوا فِيهَا
ثَلَاثًا وَلَا يَدْخُلَا بِسِلَاحٍ إِلَّا جُلْبَانَتَ
السِّلَاحِ قُلْتُ لَا فِي إِسْحَقَ وَمَا جُلْبَانَتُ
السِّلَاحِ قَالَ الْقِرَابُ وَمَا فِيهِمَا -

حضرت برادر بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حدیث یہ کہ دن حضرت علی بن ابی طالب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان صلح نامہ لکھا، انھوں نے لکھا، یہ وہ معاہدہ ہے جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا، قریش نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر تم کو یہ علم (یقین) ہو تا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ سے جنگ نہ کرتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اس لفظ کو مٹا دو، انھوں نے کہا میں اس لفظ کو مٹانے والا نہیں ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے اس لفظ کو مٹا دیا حضرت برادر کہتے ہیں قریش نے جو شرطیں عائد کی تھیں، ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ مسلمان مکہ میں داخل ہو کر صرف تین دن ٹھہریں اور ہتھیار لے کر نہ آئیں، البتہ ہتھیاروں کو غلاف میں رکھ کر لا سکتے ہیں۔

۴۵۱۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَ

حضرت برادر بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے

ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ سے صلح کی تو حضرت علی نے صلح نامہ لکھا، اور لکھا محمد رسول اللہ، یہ بھی حسب سابق حدیث ہے لیکن اس میں ہذا اما کا تَب عَلَیْہِ کے الفاظ نہیں ہیں۔

ابْنُ شَرَّادٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ يَقُولُ لَنَا صَلَاحٌ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلُ الْبَيْتِ كَتَبَ عَلِيُّ بْنُ كَثَابَةَ بَيْنَهُمْ قَالَ فَكُتِبَ مُحَمَّدٌ وَسُئِلَ اللَّهُ ثُمَّ ذَكَرَ بِنَحْوِ حَدِيثِ مُعَاذٍ غَيْرَ أَنَّكَ لَمْ يَذْكُرْ فِي الْحَدِيثِ هَذَا أَمَا كَاتِبٌ عَلَيْهِ ۴۵۱۶ - حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ وَأَحْمَدُ بْنُ حَنَابٍ الْبَصْرِيُّ جَمِيعًا عَنْ عِيسَى بْنِ يُونُسَ وَالتَّفْطِلِ إِسْحَقُ أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ أَخْبَرَنَا كُرَيْبٌ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ لَنَا أُخْصِمَ الشَّيْخُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَئِذٍ الْبَيْتَ صَلَاحَهُ أَهْلُ مَكَّةَ عَلَى أَنْ يَذْهَبَ لَهَا فَيُقِيمَ بِهَا ثَلَاثًا وَلَا يَذْهَبَ لَهَا إِلَّا بِجَلْبَتَانِ السَّلَاحِ السَّيْفِ وَقِسَاسٍ وَلَا يَخْرُجُ بِأَحَدٍ مَعَهُ مِنْ أَهْلِهَا وَلَا يَمْنَعُ أَحَدٌ أَنْ يَمْكُتَ بِهَا مَتْنٌ كَانَ مَعَهُ قَالَ لِعَلِيٍّ اكْتُبِ الشَّرْطَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ هَذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ وَسُئِلَ اللَّهُ فَقَالَ لَهُ الْمَشْرُكُونَ لَوْ نَعْلَمُ أَنَّكَ وَسُئِلَ اللَّهُ تَابَعْتَاكَ وَلَكِنْ اكْتُبْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ فَأَمْرٌ عَلَيْنَا أَنْ يَمْحَاهَا فَقَالَ عَلِيُّ لَا وَاللَّهِ لَا أَمْحَاهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْرٌ فِي مَكَانِهَا فَأَمْرٌ أَمْكَانُهَا فَمَحَاهَا وَكَتَبَ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ فَأَقَامَ بِهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَلَمَّا أَنْ كَانَ الْيَوْمُ الثَّالِثُ قَالُوا لِعَلِيٍّ هَذَا آخِرُ يَوْمٍ مِنْ شَرِّطِ صَاحِبِكَ فَأَمْرٌ

حضرت برادر بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے سے روک دیے گئے تو اہل مکہ نے آپ سے اس شرط پر صلح کی کہ آپ مکہ میں مرنے میں دن ٹھہریں اور مکہ میں بقیہ سے کرنے داخل ہوں، البتہ تلواروں کو میان میں رکھ کر جا سکتے ہیں اور اہل مکہ میں سے کسی شخص کو اپنے ساتھ لے کر نہ جائیں، اور جو شخص آپ کے ساتھ ہو اور مکہ میں رہنا چاہے، آپ اس کو مکہ میں رہنے سے منع نہ کریں، آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہمارے درمیان یہ شرائط لکھو، بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا، اس پر مشرکین نے آپ سے کہا، اگر ہمیں یہ یقین ہو تا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کی پیروی کر لیتے! البتہ آپ محمد بن عبد اللہ لکھیے، آپ نے حضرت علی کو اس لفظ کے مٹانے کا حکم دیا، حضرت علی نے کہا، نہیں بھلا میں اس لفظ کو نہیں مٹاؤں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس لفظ کی جگہ دکھاؤ، حضرت علی نے وہ جگہ دکھائی، آپ نے وہ لفظ مٹا دیا اور ابن عبد اللہ لکھ دیا، پھر آپ نے مکہ میں تین دن قیام کیا، جب تمیرا دن ہوا تو قریش نے حضرت علی سے کہا، یہ تمہارے صاحب (نبی) کی شرط کا آخری دن ہے ان کو روانگی کے لیے کہو، حضرت علی نے آپ کو یہ پیغام پہنچایا، آپ نے فرمایا تمہیک ہے اور روانہ ہو

فَلْيُخْرِجُوا خَيْرَهُ بِذَلِكَ فَقَالَ نَعَمْ فَخُورَ
وَقَالَ ابْنُ جَنَابٍ فِي رَأَايَتِهِ مَكَانَ تَابِعْنَاكَ
بَابِعْنَاكَ

۳۵۱۷ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَكَمَةَ
عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ قَرْنِشًا صَالَحُوا
النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمِنْهُمْ سَهَيْلُ
ابْنُ عَمْرِو فَقَالَ الْيَهُودِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَعْلَى أَكْتُبُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
قَالَ سَهَيْلُ أَقَمَّا يَا شَيْمُ اللَّهُ قَمَّا تَدْرِي مَا
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَلَكِنْ أَكْتُبُ
مَا نَعْرِفُ يَا شَيْمُكَ اللَّهُ فَقَالَ أَكْتُبُ مِنْ
مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ قَالُوا لَوْ عَلِمْنَا أَنَّكَ
رَسُولُ اللَّهِ لَا تَبْعُنَا لَكَ وَلَكِنْ أَكْتُبُ اسْمَكَ
وَأَسْمَ آبَيْكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَكْتُبُ مِنْ مُحَمَّدٍ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ
فَأَشْتَرِطُوا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَنْ مَنْ جَاءَ مِنْكُمْ لَمْ تَرُدَّهُ عَلَيْهِمْ
وَمَنْ جَاءَ مِنْكُمْ مَيِّتًا رَدُّهُ عَنْهُمْ عَلَيْنَا فَقَالُوا
يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتَكْتُبُ هَذَا قَالَ نَعَمْ إِنَّهُ
مَنْ ذَهَبَ مِنْكُمْ إِلَيْهِمْ فَأَبْعَدَهُ اللَّهُ وَمَنْ
جَاءَ نَأْمَنْهُمْ مَسِيحُ جَعَلَ اللَّهُ فَرْجًا وَ
مَخْرَجًا

۳۵۱۸ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ كَثِيرٍ وَحَدَّثَنَا
ابْنُ كَثِيرٍ وَتَقَارَأَ فِي اللَّفْظِ حَدَّثَنَا ابْنُ
حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ ابْنُ يَسِيَّارٍ حَدَّثَنَا
حَنِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ أَبِي قَائِلٍ قَالَ
قَامَ سَهْلُ بْنُ حَكِيمٍ يَوْمَ صَيْدَيْنِ فَقَالَ

گئے ایک روایت میں تابعتاک کی جگہ بابعتاک کا لفظ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا: کھو بسم اللہ الرحمن
الرحیم، سہیل نے اعتراض کیا بسم اللہ تو ہم نہیں جانتے کہ بسم
الرحمن الرحیم کیا ہے، البتہ ہم اسے ان بایںک اللہ
مصدق ہے وہ کھو، آپ نے فرمایا کھو محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے، کفار قریش نے کہا اگر ہمیں
یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کی ضروری ہدی
کر لیتے، لیکن آپ اپنا اور اپنے والد کا نام لکھیے، نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کھو محمد بن عبد اللہ کی جانب سے، انھوں
نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شرط طے کی، جو شخص تمہارے
پانچ سے آگے گا ہم اس کو تمہیں واپس نہیں کریں گے، اور
ہمارے جو شخص تمہارے پاس چلے گا وہ تم کو ہمیں واپس کرنا
ہوگا، صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم اس شرط کو لکھیں؟
آپ نے فرمایا: ان! ہم میں سے جو شخص ان کے پاس چلے
گا، اللہ ہم کو اس سے دور رکھے، اور ہمارے پاس
جو ان کا شخص آئے گا تو عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے لیے فراموشی
اور کوتاہی میں پیدا کر دے گا۔

ابو داؤد بیان کرتے ہیں کہ جنگ صفین کے
دن حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر کہنے لگے:
اے لوگو! اپنے آپ کو قصور وار قرار دو، ہم مدینہ کے
دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور اگر
ہم جنگ نہ چاہتے تو مندرجہ جنگ کرتے، اور یہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان صلح کا

أَيُّهَا النَّاسُ اتَّبِعُوا أَلْفُسَكُمْ لَقَدْ كُنَّا مَعَ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَوْمَ الْاُحُدِ يُبَيِّتُهُ وَكَوْنَتُورَى قِتَالًا لَقَاتَلْنَا
وَذَلِكَ فِي الصُّكْلَةِ الَّذِي كَانَ بَيْنَ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الشُّرِكِيِّينَ
فَجَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
أَلَسْنَا عَلَى حَقٍّ وَهُمْ عَلَى بَاطِلٍ قَالَ بَلَى
قَالَ أَلَيْسَ قَتَلْنَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتَلَاهُمْ فِي
النَّارِ قَالَ بَلَى قَالَ فَفِيهِمْ نُعْطَى الدِّيْنِيَّةَ فِي
دِينِنَا وَنَرْجِعُهُ وَلَمَّا يَحْكُمِ اللَّهُ بَيْنَنَا وَ
بَيْنَهُمْ فَقَالَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ
وَكَنْتُ يُضَيِّعُنِي اللَّهُ أَبَدًا قَالَ فَاذْهَبْ عَمْرُ
فَلَمْ يَضِبْ مُتَعَيِّظًا فَأَتَى أَبَا بَكْرٍ فَقَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ
أَلَسْنَا عَلَى حَقٍّ وَهُمْ عَلَى بَاطِلٍ قَالَ بَلَى
قَالَ أَلَيْسَ قَتَلْنَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتَلَاهُمْ
فِي النَّارِ قَالَ بَلَى قَالَ فَعَلَامَ نُعْطَى الدِّيْنِيَّةَ
فِي دِينِنَا وَنَرْجِعُهُ لَمَّا يَحْكُمِ اللَّهُ بَيْنَنَا وَ
بَيْنَهُمْ فَقَالَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ إِنَّ رَسُولَ
اللَّهِ وَكَنْتُ يُضَيِّعُهُ اللَّهُ أَبَدًا قَالَ فَزَلَّ
الْقُرْآنُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ بِالْفَتْحِ فَأُرْسِلَ إِلَى عُمَرَ فَأَقْرَأَهُ
إِيَّاهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْفَتْهُمْ هُوَ قَالَ
نَعَمْ فَطَابَتْ نَفْسُهُ وَرَجَعَهُ

۴۵۱۹ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ
الْعَلَاءِ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ هُمَيْرٍ قَالَا
حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ
شَقِيقٍ قَالَ سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ حَنْبَلٍ يَقُولُ
يُصِفُونَ أَيُّهَا النَّاسُ اتَّبِعُوا أَلْفُسَكُمْ وَاللَّهُ

ذکر ہے، حضرت عمر بن الخطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے پاس اگر عرض کرنے گئے: یا رسول اللہ! کیا ہم حق پر
اور یہ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں؟ کہا کیا
ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتول جہنم میں نہیں
ہیں؟ فرمایا کیوں نہیں! کہا پھر ہم اپنے دین میں جھگڑا کیوں
قبول کریں؟ اور وہاں لوٹ جائیں، حالانکہ ابھی تک اللہ
نے ہمارے اور ان کے درمیان کوئی حکم صادر نہیں فرمایا،
آپ نے فرمایا اے ابن الخطاب! میں اللہ کا رسول ہوں اور
اللہ مجھے کبھی بھی ضائع نہیں کرے گا۔ یہ سن کر حضرت عمر چلے گئے،
اور ان سے غصہ ضبط نہیں ہو سکا، وہ حضرت ابو بکر کے پاس
گئے اور کہنے لگے: اے ابو بکر! کیا ہم حق پر اور یہ باطل
پر نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! کہا کیا ہمارے
مقتول جنت میں اور ان کے مقتول جہنم میں نہیں ہیں؟ کہا
کیوں نہیں! کہا پھر ہم اپنے دین میں جھگڑا کیوں قبول کریں؟
یعنی جب شرائط کیوں مانیں؟ اور ابھی تک اللہ نے
ہمارے اور ان کے درمیان کوئی حکم صادر نہیں فرمایا،
حضرت ابو بکر نے فرمایا: اے ابن الخطاب! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے
رسول ہیں، اور اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا، پھر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کی سورہ فتح کی
آیات نازل ہوئیں، پھر آپ نے حضرت عمر کو بلایا اور ان کو
پر سورت پڑھائی۔ حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ! کیا یہ
فَتْح ہے؟ فرمایا ہاں! پھر وہ خوش ہو کر لوٹ آئے۔

حضرت ہبل بن حنیف رضی اللہ عنہ جنگ صفین
کے دن کہہ رہے تھے، اے لوگو! اپنی رائے کی غلطی
مان لو! بخدا اگر تم مجھے ابو جندل کے دن دیکھتے (یعنی
جس دن حضور نے معاہدہ کی رو سے ابو جندل کو مشرکین
کی طرف لوٹا دیا تھا حالانکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مانا جاتا ہے)

تھے اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو مسترد کر لے
کی استطاعت رکھتا تو اس دن آپ کا حکم مسترد کر دیتا، لہذا
میں نے اپنی قیادت میں اسی وقت اٹھائی ہیں جب ان سے کوئی
امور و منہ مقصود تھا، البتہ تم نے جو یہ آپس میں جگہ شروع
کر رکھی ہے

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے اس میں
ہے الی امر یفطعننا ۔

لَقَدْ رَأَيْتَنِي يَوْمَ أَيُّ جَنْدَلٍ وَكُنَّا فِي أَسْتِطِيْعَةٍ
أَنْ أُرَدَّ أَمْرًا سَوَّلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ لَرَدِّ دُثْنًا وَاللَّهُ مَا وَضَعْنَا سَيُوقِنَا
عَلَى عَوَاتِقِنَا إِلَى أَمْرِ قَطٍ إِلَّا أَسْهَلَنَ بِمَا
إِلَى أَمْرِ كَعْرِفَتُهُ إِلَّا أَمْرُكُمْ هَذَا لَمْ يَذْكُرْ
ابْنُ ثَمِيْمٍ إِلَى أَمْرِ قَطٍ ۔

۲۵۲۰ - وَحَدَّثَنَا هُثَيْبُ بْنُ عَمَّانٍ عَنْ ابْنِ ثَمِيْمٍ
وَأَسْحَقِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ جَرِيْدٍ عَنْ وَحِيدٍ عَنْ
أَبْنِ سَعِيْدٍ أَنَّ الشَّيْخَ حَدَّثَنَا وَكَانَ كِلَاهُمَا عَنِ
الْأَعْمَشِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَفِي حَدِيثِهِمَا
إِلَى أَمْرِ يَفْطَعُنَا ۔

حضرت اسلم بن عقیق رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین
کے دن فرمایا: اے لوگو تم اس دن کا مسئلہ میں اپنی خطا تسلیم کر لو
کیونکہ میں نے ابو جندل کے دن دیکھا کہ اگر میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو مسترد کر سکتا تو اس دن زور
دیتا ہتھاری راستے ایسی ہے کہ جب ہم اس کا ایک کونہ
کھولتے ہیں تو اس کا دوسرا کونہ خود بخود کھل جاتا ہے ۔

۲۵۲۱ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ إِسْحَاقَ عَنْ ابْنِ سَعِيْدٍ
الْجَوْهَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو أَسَمَةَ عَنْ مَالِكِ
بْنِ مَعْمُوْرٍ عَنْ أَبِي حَصِيْبٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ
قَالَ سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ حَنْظَلٍ يَصْطَفِيْنَ
الْقَوْلُ أَنَّهُمْ رَأَوْا يَكْمُ عَلَى دِينِكُمْ فَلَقَدْ
رَأَيْتَنِي يَوْمَ الْبِجْدِ جَنْدَلٍ وَكُنَّا فِي أَسْتِطِيْعَةٍ
أَنْ أُرَدَّ أَمْرًا سَوَّلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مَا فَتَحْنَا مِنْهُ فِي مُحْصِمٍ إِلَّا أَنْفَجَرْنَا عَلَيْهِ
مِنْهُ مُحْصِمٌ ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ جب یہ آیت نازل ہوئی انا فتحنالك فتحنك
مبيننا ليغفر لك الله ۔

اس وقت آپ حدیبیہ سے لوٹ کر آ رہے تھے، اور صحابہ
کرام کو بہت حزن و ملال تھا، آپ نے حدیبیہ میں ایک
اونٹ ذبح کیا اور فرمایا مجھ پر یہ ایک ایسی آیت نازل ہوئی
ہے جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے ۔

۲۵۲۲ - وَحَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْظِيُّ
حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ
أَبِي عَرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ
حَدَّثَنَاهُمْ قَالَ لَمَّا قُرِئَتْ آيَاتُ فَتَحْنَا لَكَ
فَتَحْنَا قَبِيْلَتَا لِيُغْفَرَ لَكَ اللَّهُ إِلَى قَوْلِهِ فَتَحْنَا
عَظِيْمًا مَرْجِعُهُ مِنَ الْحَدْيِ بَيْتِهِ وَهُوَ
يُحَالِطُهُمُ الْحُزْنَ وَالْكَأْبَةَ وَقَدْ تَحَوُّوا الْهَدْيَ
بِالْحَدْيِ بَيْتِهِ فَقَالَ لَقَدْ أَنْوَلْتُ عَلَى آيَةٍ

هِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا جَمِيعًا۔

۲۵۲۳۔ وَحَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ النَّضِيرِ

الْقِنِّيُّ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ قَالَ سَمِعْتُ أَرِفَ

حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ

حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ

حَدَّثَنَا هَنَاقٌ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا

يُونُسُ بْنُ مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ جَمِيعًا عَنْ

قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي بَعْرٍ وَبِهِ۔

امام مسلم نے تین سندوں کے ساتھ اس حدیث کو حضرت انس سے روایت کیا ہے۔

حدیث کا جغرافیائی محل وقوع اور تاریخ علامہ حموی لکھتے ہیں: حدیث میں دال پر تشدید بھی ہے اور تخفیف بھی، امام شافعی سے منقول ہے کہ حدیث میں دال پر تشدید ہے

اور جغزائے میں رام پر تخفیف ہے، اور میں نے حدیث میں دال پر تشدید پڑھتے ہیں اور اہل عراق تخفیف۔ کہ دونوں طرح صحیح ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اہل مدینہ دال پر تشدید پڑھتے ہیں اور اہل عراق تخفیف۔

حدیث میں ایک متوسط لہجہ ہے، یہاں حدیث میں نام کا ایک کوناں تھا یہ اس وقعت کے پاس تھا میں کے نیچے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے بیعت رکھوان لی تھی۔ یہ کہ کرمہ سے ایک مرحلہ (ایک دن کی مسافت) پر ہے، اور مدینہ

منورہ سے نور محلہ پر ہے۔ حدیث میں ہے، حدیث میں ایک کوناں ہے، اس کا بعض حصہ حرم ہے اور بعض خارج از حرم

ہے۔ اور حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے نزدیک تمام حدیث حرم ہے، ہجرت نبوی کے ساٹھ پانچ سال بعد

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ حدیث کیا تھا۔

ادب حکم پر مقدم ہے یا حکم ادب پر؟ حدیث نمبر ۲۵۱۶ میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے

اللہ عنہ نے فرمایا میں ان الفاظ کو کاٹنے والا نہیں ہوں! علامہ نووی لکھتے ہیں حضرت علی نے جو کچھ کیا یہ ادب مستحب

ہے، کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کو کاٹ دینے کا وجہی حکم نہیں دیا اور اگر آپ یہ وجہی حکم

دیتے تو حضرت علی سے آپ کا حکم عدولی ممکن نہ تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے قول کو برقرار رکھا، اور اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کتابت کی غلطی سے

محمد رسول اللہ لکھا گیا یعنی کھٹا کچھ اور ہا یہی تھا اور لکھا یہ لفظ تو اس لفظ کو کاٹنا جائز ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں

الامر فوق الادب یعنی حکم ادب پر مقدم ہے، جیسا کہ جب حضرت عبدالرحمن بن عوف نماز پڑھا رہے تھے

اور اٹھنے نماز میں حضور تشریف لے آئے انھوں نے پیچھے ہٹنا چاہا حضور نے اشارہ فرمایا نماز پڑھا لیتے رہو تو حضرت عبدالرحمن

لے۔ علامہ شہاب الدین یاقوت بن عبد اللہ حموی متوفی ۶۲۶ھ و ۶۲۷ھ، مجمع البیان ج ۲ ص ۲۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۹۹ھ

لے۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۰۴، مطبوعہ دار محمد امجد المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

بن عون نماز پڑھتا تھا۔ اور بعض علماء کہتے ہیں الاحزاب فوقہا کا مسر۔ جو یعنی حکم پر ادب مقدم ہے۔ جس طرح ایسے ہی ایک موقع پر حضرت ابو بکر کے نماز پڑھانے کے دوران جب حضور تشریف لے آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے باوجود حضرت ابو بکر پیچھے آگئے، نماز کے بعد جب آپ نے پوچھا جب میں نے حکم دیا تھا کہ نماز پڑھاتے رہو تو پھر تم پیچھے کیوں بیٹھے؟ حضرت ابو بکر نے عرض کیا: ابو قحافہ کے بیٹے نے یہ کیجئے لیکن ہے کہ آپ کے ہوتے ہوتے وہ نماز پڑھاتے! اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر نے آپ کے حکم پر عمل کرنے کے بجائے آپ کے ادب اور آپ کی تعظیم کرنے کو مقدم رکھا۔ اور حضرت علی نے بھی ایسا ہی کیا، تاہم مقامات مختلف ہوتے ہیں بعض جگہ ادب کو مقدم کرنا افضل ہوتا ہے اور بعض جگہ حکم پر عمل کرنا اور اس کو مقدم کرنا افضل ہوتا ہے۔

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھنا اور پڑھنا آپ کے اُمّی ہونے کے منافی ہے؟

حدیث نمبر ۴۵۱۶ میں ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: وہ جگہ دکھاؤ پھر آپ نے وہ لفظ مشاہدہ اور ابن عبد اللہ لکھ دیا، علامہ نووی لکھتے ہیں: قاضی عیاض نے کہا ہے کہ بعض علماء نے ان الفاظ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے پر استدلال کیا ہے، اولاً ہم بخاری نے بھی ابواسحاق سے یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکتوب دیا اور لکھا، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں آپ اچھا نہیں لکھتے تھے (یعنی لکھنے کے ماہر نہیں تھے) سو آپ نے لکھا، ان علماء نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر لکھائی کہ جاری کر دیا یا تو آپ کی بے خبری میں ظلم نے آپ کے ہاتھ سے لکھ دیا یا جس وقت آپ نے لکھا اللہ تعالیٰ نے آپ کو لکھنے کا علم دے دیا اور یہ آپ کے معجزہ میں زیادتی ہے، کیونکہ آپ اُمّی تھے کسی نے پڑھنا لکھنا سیکھا نہ تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان چیزوں کا علم دیا جن کو آپ نہیں جانتے تھے اور ان چیزوں کو پڑھا جن کو آپ نہیں پڑھتے تھے، ان چیزوں کی تلاوت کی جن کی پہلے تلاوت نہ کی تھی، اسی طرح آپ لکھتے نہ تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو لکھنے کا علم دیا اور اعلان نبوت کے بعد آپ نے تحریر لکھی۔ ان علماء نے کہا ہے کہ لکھنا آپ کے اُمّی ہونے کے منافی نہیں ہے اور انہوں نے اس سلسلہ میں متعدد آثار سے استدلال کیا ہے۔ شنبی اور بعض اسلاف سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے لکھا ہے، قاضی عیاض لکھتے ہیں، علامہ ماجی بھی آپ کے لکھنے کے جواز کے قائل ہیں اور علامہ سمنانی نے اس کو ابو ذر وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ اکثر علماء آپ کے لکھنے کے قائل نہیں ہیں اور یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّی ہونا آپ کے لکھنے کے منافی ہے، اور قرآن مجید میں ہے: وَمَا كُنْتُمْ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّ بِسْمِ اللَّهِ اس سے پہلے نہ آپ کوئی کتاب تلاوت کرتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا امّی امیۃ لا نکتب ولا نحسب۔ ہم اُمّی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ گنتی کرتے ہیں، اور اس حدیث میں کتب کا معنی ہے امر بالکتابۃ یعنی لکھنے کا حکم دیا، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ دوسری روایت میں ہے آپ نے حضرت علی سے فرمایا محمد بن عبد اللہ لکھو۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جو علماء آپ کے لکھنے کے قائل ہیں انہوں نے قرآن مجید کی اس اہمیت کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ کی تعلیم سے پہلے آپ نے لکھنا نہ پڑھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (من قبل) کی قید لگائی ہے، سو جس طرح تعلیم الہی سے

پڑھنا ہائز ہے (تلاوت کرنا) اسی طرح تعلیم الہی سے رکھنا بھی ہائز ہے زاور یہ آپ کے اہلی ہونے کے منافی نہیں ہے، کیونکہ آپ کا نقطہ اتنی ہونا مجزہ نہیں ہے (بلکہ مجزہ یہ ہے کہ باوجود اتنی ہونے کے پڑھا اور لکھا) پھر آپ پر قرآن مجید نازل ہوا اور آپ نے وہ علوم بیان کیے جن کو لوگ نہیں جانتے تھے، اور صحیح بخاری کی روایت ولا یحسن ان یکتب فکتب آپ کے لکھنے پر نص صریح ہے اور اسی کو لکھنے کے حکم دینے پر عمل کرنا مجاز ہے اور بلا ضرورت الفاظ کریمہ پر محمول نہیں کیا جاتا بلکہ اہلی کے معنی کی تحقیق قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اہلی کا لفظ دو جگہ مستعمل ہوا ہے۔

جو لوگ اس رسول، نبی اہلی کی پیروی کریں۔

الذین یتبعون الرسول النبی الا حق

(الاعراف: ۱۵۷)

اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر جو نبی اہلی

فأمنوا بالله ورسوله النبی الا حق

(الاعراف: ۱۵۸)

ہیں۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

اور ان میں بعض لوگ ان پڑھ ہیں جو زبان سے

ومنہم اعمیون لا یعلمون الکتاب

لفظوں کو پڑھنے کے سوا (اللہ کی کتاب کے) معانی کا کچھ علم نہیں رکھتے۔

(بقرہ: ۷۸)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں میں سے

هو الذی یحث فی الامیین رسولا منہم

ایک عظیم رسول بھیجا۔

(جمعة: ۲)

ان کے علاوہ سورت آل عمران میں دو جگہ (۲۰، ۷۵) امتین کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اپنے لیے اہلی کا لفظ استعمال کیا ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

ہم اہل عرب اسی لوگ ہیں، لکھتے ہیں نہ گنتی

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اننا

کتابتے ہیں،

امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب الحدیث، بلکہ

اس حدیث کو امام مسلم، امام ابو داؤد اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نوادی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۰۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۲۔ امام مسند بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۳۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۴۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۱۷، مطبوعہ مطبعہ مجتہدی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

۵۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۱۲۹-۱۳۲، ۵۲، ۵۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

اُمّی کے معنی کے متعلق ائمہ لغت کی تصریحات | علامہ راجب اصفہانی متوفی ۵۰۶ھ کہتے ہیں:

ہو، اس آیت میں اُمّی کا یہی معنی ہے ہوالذی بعث فی الامیین رسولاً منہم قطرب نے کہا امتیہ کے معنی غفلت اور جہالت ہیں سوامی کا معنی لیل السرفۃ ہیں، اسی معنی میں ہے ومنہم امیون لا یعلمون الکتاب ۱۷۱ اما ف۔ یعنی وہ اُمّی ہیں جب تک ان پر تلاوت نہ کی جائے وہ از غور نہیں جانتے۔ قرآن نے کہا یہ وہ عرب لوگ ہیں جن کے پاس کتاب نہ تھی، اور قرآن مجید میں ہے والنبی الامی الذی یحذرونہ حکموا عنہم فی التورۃ والانجیل ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّی اس لیے فرمایا ہے کہ آپ انیسین کے نبی تھے، ایک قول یہ ہے کہ آپ کو اُمّی اس لیے فرمایا کہ آپ کہتے تھے نہ کتاب سے پڑھتے تھے، اور یہ آپ کی فضیلت ہے کیونکہ آپ حفظ کرنے سے مستغنی تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی ضمانت پر اعتماد تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا منقر ثلاث خلا قلمی ”منقریب ہم آپ کو پڑھائیں گے اور آپ نہیں بھولیں گے، اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کو اُمّی اس لیے فرمایا کہ آپ ام القری یعنی مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے۔ ۱۷۱

علامہ ابن اثیر حذری متوفی ۶۰۶ھ کہتے ہیں:

حدیث میں ہے انا امت لا نکتب ولا نحسب ”ہم اہل عرب اُمّی ہیں کہتے ہیں نہ گنتی کرتے ہیں“ آپ کی مراد یہ تھی کہ ہم اسی طرح ہیں جس طرح اپنی ماؤں سے پیدا ہوئے تھے، لہذا اپنی جبلت اولیٰ پر ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اُمّی وہ ہے جو کھانا نہ جو۔ نیز حدیث میں ہے: بعثت الی امتی امتیہ ”میں اُمّی امت کی طرف بھیجا گیا ہوں“ یہاں اُمّی سے عرب مراد ہیں، کیونکہ عرب میں کھانا بالکل نہ تھا یا بہت کم تھا۔ ۱۷۱

علامہ ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ کہتے ہیں:

اُمّی اس شخص کو کہتے ہیں جو کھانا نہ جو، زجاج نے کہا ہے اُمّی وہ شخص ہے جو اپنی پیدائش اور جبلت کے مطابق ہو اور اس نے کتاب کا علم نہ حاصل کیا ہو، ابواسحاق نے کہا اُمّی کا معنی ہے جو اس چیز کی طرف مضروب ہو جس پر وہ اپنی ماں سے پیدا ہوا، یعنی کھانا نہ جو، تو وہ اپنے نہ کھنے میں اُمّی ہے کیونکہ کھانا کسی سے اور اُمّی اپنے حال وادیت پر ہوتا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّی کہا گیا ہے کیونکہ عرب کی قوم کھتی تھی نہ کتاب کو پڑھتی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا دراک مالیکہ آپ کہتے تھے نہ کتاب سے پڑھتے تھے، اور یہ دعویٰ آپ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے، کیونکہ آپ نے بار بار قرآن مجید کی آیات کو پڑھا اور اس کے الفاظ میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں کیا، حالانکہ عرب کے خطباء جب فی البدیہہ کوئی خطبہ پڑھتے تو اس کو دوبارہ دہراتے وقت وہ اس میں کوئی نہ کوئی کمی یا زیادتی کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قرآن مجید اسی طرح یاد کر لیا جس طرح اس کو آپ پر نازل کیا تھا اور اسی طرح آپ کو سب خطباء سے ممتاز اور الگ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وما کنت تتلو امن قبلہ من کتاب ولا تحطہ بمعینک ۱۵۱ اور کتاب العیطلون ”آپ اس سے پہلے نہ کسی کتاب کو پڑھتے تھے اور نہ اپنے اُخت سے کہتے تھے، (اگر ایسا ہوتا تو)

۱۷۱۔ علامہ حسین بن محمد راجب اصفہانی متوفی ۵۰۶ھ، اللغات ص ۲۴-۲۳، مطبوعہ المکتبۃ المرقطویہ، ایران ۱۳۲۲ھ

۱۷۲۔ علامہ محمد ابن اثیر حذری متوفی ۶۰۶ھ، نہایہ ص ۶۸، مطبوعہ مکتبۃ السامعیلیاں ۱۳۶۴ھ

کفار شک میں پڑ جاتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ جو معانین بیان کرتے ہیں وہ آپ نے کسی کتاب میں پڑھے ہوں گے۔ ۱۔
علامہ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

قاموس میں ہے: ای وہ شخص ہے جو کھتا ہے یا اپنی ماں سے پیدائش کے حال پر باقی ہو، اور ای غبی اور قلیل
الکلام کو بھی کہتے ہیں۔ اس کی تشریح میں علامہ زبیدی لکھتے ہیں: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ای اس لیے کہا جاتا ہے کہ
عرب قوم کھتی تھی نہ پڑھتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مہرث کیا وہاں مالک کہتے تھے نہ کتاب کو پڑھتے تھے اور
یہ آپ کا معجزہ ہے، کیونکہ آپ نے بغیر کسی تفسیر اور تبدل کے ہزار قرآن مجید کو پڑھا، قرآن مجید میں ہے وما کنت تتلوا
من قبلہ من کتاب الا بیتہ عاقظ ابن جمر سقانی نے احادیث راوی کی تخریج میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر
لکھنے اور شکر گوئی کو حرام کر دیا گیا تھا، یہ اس وقت ہے کہ آپ شکر گوئی اور لکھنے کو اچھی طرح سمجھ سکتے تھے اور زیادہ صحیح یہ ہے
کہ ہر چند کہ آپ کو شعر اور خط میں مہارت تو نہیں تھی لیکن آپ اچھے اور بڑے شعر میں تفسیر رکھتے تھے۔ اور بعض علماء کا یہ
دعویٰ ہے کہ پہلے آپ کھتا نہیں جانتے تھے لیکن بعد میں آپ نے لکھنا جان لیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وما کنت
تتلوا من قبلہ الا بیتہ آپ اس سے پہلے نہ کسی کتاب کو پڑھتے تھے نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اور اس
سے پہلے ”کی قید کا یہ معنی ہے کہ بعد میں آپ نے اس کو جان لیا، کیونکہ آپ کا پہلے نہ جانتا معجزہ کے سبب سے تھا
اور جب اسلام پھیل گیا اور لوگوں کے شکوک کا خطرہ نہ رہا تو پھر آپ نے اس کو جان لیا، اور امام ابن ابی شیبہ اور دیگر محدثین
نے مہاجر سے روایت کیا ہے: ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی کتب وقرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اس وقت تک طرقت نہیں ہوئے جب تک کہ آپ نے لکھ نہیں لیا، اور پڑھ نہیں یا اور مہاجر نے شہی سے کہا اس
آیت میں اس کے خلاف نہیں ہے۔ ابن دمیہ نے کہا کہ علامہ ابو ذر و علامہ ابو العتج عیثا پروری اور علامہ باجی مالکی کا
بھی یہی نظریہ ہے۔ علامہ باجی نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے، بعض افریقی علماء نے بھی علامہ باجی کا موقف
کا ہے اور کہتے ہیں کہ امی ہونے کے بعد لکھنے کو جان لینا معجزہ کے منافی نہیں ہے، بلکہ یہ آپ کا دوسرا معجزہ ہے،
کیونکہ بغیر کسی انسان کے سکھانے کتاب کو پڑھنا اور لکھنا بھی معجزہ ہے، ابو عبد بن مغز نے علامہ باجی کی کتاب
کا رد لکھا ہے اور علامہ سمنانی وغیرہ نے کہا ہے کہ آپ بغیر علم کے لکھتے تھے، جیسے بعض ان پڑھ بادشاہ بعض
حروف لکھ لیتے ہیں حالانکہ ان کو حروف کا تفسیر اور شناخت نہیں ہوتی۔ ۲۔

امی کے معنی کے متعلق مفسرین کی آراء | علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے، لکھتے تھے نہ کتاب کو پڑھتے
تھے اور نہ گفتی کرتے تھے، قرآن مجید میں ہے: وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تحطہ ببینک۔ اور
حدیث صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم اہل عرب امی

۱۔ علامہ جمال الدین محمد بن کرم ابن منتظہ افریقی متوفی ۱۱۱۱ھ، لسان العرب، مطبعہ نشر ادب المحدثہ قم ایران، ۱۲۰۵ھ
۲۔ علامہ سید محمد رفیع حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ، تلخیص التلخیص، ج ۸، ص ۱۱۱، مطبعہ المطبعة الخیرہ بیروت ۱۳۶۶ھ

لوگ ہیں لکھتے ہیں نہ گنتی کرتے ہیں اور اس نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آئی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ام القریٰ یعنی مکہ کے رہنے والے ہیں۔ ۱۲۷
علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی اس لیے کہا ہے کہ آپ امت عرب کا طرف منسوب ہیں جس کے اکثر افراد کھانا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اور امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ ہم اُتی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ گنتی کرتے ہیں۔ امام باقر کے کہنا ہے کہ آپ ام القریٰ یعنی مکہ کے رہنے والے تھے اس لیے آپ کو اُتی فرمایا، یا آپ اپنی ام (ملاں) کی طرف منسوب تھے، یعنی آپ اسی حالت پر تھے جس حالت پر اپنی ماں سے پیلا ہوئے تھے، آپ کا یہ وصف اس تنبیہ کے لیے بیان کیا گیا ہے کہ آپ اپنی پیدائشی حالت پر قائم نہ رہنے (یعنی کسی سے پڑھنا، لکھنا نہ سیکھنے) کے باوجود اسی قدر عظیم علم رکھتے تھے سو یہ آپ کا معجزہ ہے اُتی کا معنی صرف آپ کے حق میں مدح ہے اور باقی کسی کے لیے ان پڑھ ہونا یا حدیث فضیلت نہیں ہے، جیسا کہ یکبر کا معنی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے باعث مدح ہے اور دوسروں کے حق میں باعث مذمت ہے۔

بیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں: علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی وقت کھنے کا صدور ہوا ہے یا نہیں؟ ایک قول یہ ہے کہ ہاں صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ نے صلح نامہ لکھا اور یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اور احادیث ظاہرہ کا بھی یہی تقاضا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ آپ نے بالکل نہیں کھا اور آپ کی طرف لکھنے کی نسبت مجاز ہے، اور بعض اہل بیت سے روایت ہے کہ آپ کھے ہوئے الفاظ کو دیکھ کر پڑھتے تھے لیکن اس روایت کی کوئی مستند سند نہیں ہے، ہاں ابو الشیخ نے اپنی سند کے ساتھ عقبہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک فوت نہیں ہوئے جب تک آپ نے پڑھا اور لکھا نہیں، شبی نے اس روایت کی تصدیق کی ہے۔ ۱۲۸

شیخ اشرف علی تھانی متوفی ۱۴۱۲ھ لکھتے ہیں:

اور اُتی کے معنی یہ ہیں جیسے آدمی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے کہ کسی کا شاگرد نہیں ہوتا آپ نے عمر بن عمر کی شاگردی نوشتہ و خواندہ میں نہیں کی اور پھر یہ علوم عالیہ اور خالق غامضہ ظاہر فرماتے یہ کتنا بڑا کمال ہے الخ تک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے اور پڑھنے پر قرآن مجید سے دلائل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّ
بِیْمِینِكَ إِذَا لَارْتَابَ الْعَبْطُلُونَ۔
اس کتاب کے نزول سے پہلے آپ کوئی کتاب
پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا

۱۲۷۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۸۵ھ، المعانی و احکام القرآن ج ۷ ص ۲۹۹-۲۹۸، مطبوعہ منشورات ناصر خسرو ویرانہ

۱۲۸۔ علامہ ابو الفضل شہاب الدین آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، مدح المسانی ج ۹ ص ۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۱۲۹۔ شیخ اشرف علی تھانی متوفی ۱۴۱۲ھ، بیان القرآن ج ۱ ص ۳۵۱، مطبوعہ تاج پبلی لاپور

(عنکبوت: ۳۸)

ہوتا تو تو باطل پرستوں کو شبہ پڑ جاتا!

اس آیت کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی استاذ سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا، تریش مکہ کے سامنے آپ کی پوری زندگی تھی، آپ کے اہل وطن اور رشتہ داروں کے سامنے، روز پیدائش سے اعلان نبوت تک آپ کی ساری زندگی گذری اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ نے کبھی کوئی کتاب پڑھی نہ قلم اٹھایا میں یا اور یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آسمانی کتابوں کی تعلیمات، گزشتہ انبیاء و رسل کے حالات، قدیم مذاہب کے عقائد، تاریخ، تمدن، اخلاق اور عمران اور عائلی زندگی کے جن اہم مسائل کو یہ اُنہی شخص انتہائی فصیح و بلیغ زبان سے بیان کر رہے ہیں، اس کا وحی الہی کے سوا اور کوئی سبب نہیں ہو سکتا، اگر انھوں نے کسی مکتب میں تعلیم پائی ہوتی اور گزشتہ مذاہب اور تاریخ کر پڑھا ہوتا تو پھر اس شبہ کی بنیاد ہو سکتی تھی کہ جو کچھ یہ بیان کر رہے ہیں وہ وہاں ان کا حاصل مطالعہ ہے ہر چند کہ کوئی پڑھا لکھا انسان بلکہ دنیا کے تمام پڑھے لکھے آدمی بل کر اور تمام علمی رسائل برصغیر کا دلا کر بھی ایسی بے نظیر کتاب تیار نہیں کر سکتے تاہم اگر آپ نے اعلان نبوت سے پہلے لکھنے پڑھنے کا مشغلہ اختیار کیا ہوتا تو چھوٹوں کو ایک بات بتانے کا موقع نہ ملتا لیکن جب آپ کا اُنہی ہونا فریق مخالف کو بھی تسلیم تھا تو اس سرسری شبہ کی بھی بڑھکت گئی۔ اور یہی کہنے کو توفد ہی اور ماند لوگ پھر بھی یہ کہتے تھے۔

وقالوا اما طیر الاولین اکتتبھا فہی
تعلی علیہ بکرۃ واصیلا۔
(فرقان: ۵۱)

تھے ہیں جو اس (رسول) نے لکھوا لیے ہیں سورہ صبح و شام اس پر پڑھے جاتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے لکھنے اور پڑھنے کی نفی کر آپ کے اعلان نبوت سے پہلے کی قید سے مستثنیٰ کیا ہے، اور یہی مقصود ہے کیونکہ اگر اعلان نبوت اور نزول قرآن سے پہلے آپ کا لکھنا پڑھنا ثابت ہوتا تو اس شبہ کی راہ نکل سکتی تھی اور اس آیت سے آپ کی نبوت اور قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے پر استدلال نہ ہو سکتا۔ اور اس قید لگانے کا یہ تقاضا ہے کہ اعلان نبوت کے بعد آپ سے لکھنے اور پڑھنے کا صدور ہو سکتا ہے اور بعد میں آپ کا لکھنا اور پڑھنا اس استدلال کے منافی نہیں ہے۔

علامہ اوسسی نے بعض اہل علم کا یہ قول نقل کیا ہے:

یفہم من ذلک انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان قارءا علی التلاوۃ والخط بعد انزال الکتاب ولولا هذا الاعتیار لکان الکلام یرحلوا عن الفائدۃ۔

اس قید سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے اور پڑھنے پر قادر تھے اور اگر اس قید کا اعتبار نہ کیا جائے تو یہ قید بے فائدہ ہوگی۔

اس استدلال پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے اور فقہاء اخاف کے نزدیک مفہوم مخالف سے استدلال معتبر نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مفہوم مخالف کا استدلال میں معتبر نہ ہونا اتفاقی

نہیں ہے، کیونکہ باقی ائمہ مفہوم مخالفت کا اعتبار کرتے ہیں، خصوصاً جب کہ بکثرت احادیث صحیحہ سے بشت کے بعد آپ کا لکھنا ثابت ہے، جیسا کہ ہم منقریب انشاء اللہ یا حوالہ بیان کریں گے۔
علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

فكان ذلك خارقاً للعادة، كما انه عليه السلام علمه علم الاولين والاخرين من غير تعلم ولا اكتساب فكان ذلك ابلغ في معجزاته، واعتظم في فضائله، ولا يزال عنه اسم الاقي بن الله - له

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھنا معجزہ ہے، کیونکہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی سے پڑھنے اور کسب کے علم اولین و آخرین کو جان لیا، اسی طرح آپ نے بغیر کسب کے لکھنا پڑھنا جان لیا، اور یہ آپ کا بہت بڑا معجزہ اور بہت عظیم فضیلت ہے اور لکھنے کی وجہ سے آپ کے اتنی ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر آپ نے مخلوق سے لکھنا پڑھنا سیکھا ہوتا تو قریہ آپ کے امی ہونے کے منافی ہوتا۔

علامہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیگر علمی اور علمی کمالات عطا فرمائے ہیں، اسی طرح آپ کو لکھنے پڑھنے کا بھی کمال عطا فرمایا ہے، لکھنے کا علم ایک عظیم نعمت ہے، قرآن مجید میں ہے: الذی علم بالقلم ۵ علم الانسان ما لم يعلم (علق ۱۰۰/۴) ”میں نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا، اور انسان کو وہ علم دیا جس کو وہ جاننا نہ تھا“ امت کے ان گنت افراد کو پڑھنے اور لکھنے کا کمال حاصل ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کمال حاصل نہ ہو! اور امی ہونے کا فقط اتنا مفاد ہے کہ آپ نے کسی مخلوق سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو براہ راست یہ علم عطا فرمایا ہے، اور بشت سے پہلے آپ لکھنے اور پڑھنے میں مشغول نہیں رہے تاکہ آپ کی نبوت میں کسی کو شبہ نہ ہو اور بشت کے بعد آپ نے پڑھا اور لکھا اور یہ ایک الگ معجزہ ہے کیونکہ بغیر کسی مخلوق سے کسب فیض کے پڑھنا اور لکھنا خلاف عادت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے پر سید مودودی کے اعتراضات اور ان کے جوابات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے پر اعتراض کرتے ہوئے سید مودودی لکھتے ہیں:

ان لوگروں کا جہاد حیرت انگیز ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواندہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ یہاں قرآن صاف الفاظ میں حضور کے ناخواندہ ہونے کو آپ کی نبوت کے حق میں ایک طاقتور ثبوت کے طور پر پیش کر رہا ہے، من روایات کا سہارا لے کر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حضور لکھنے پڑھنے سے یا بعد میں آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا وہ اول تو پہلی ہی نظر میں رد کر دینے کے لائق ہیں، کیونکہ قرآن کے خلاف کوئی روایت بھی

قابل قبول نہیں ہو سکتی، پھر وہ بجائے خود بھی اتنی کمزور ہیں کہ ان پر کسی استدلال کی بنیاد قائم نہیں ہو سکتی ان میں سے ایک بخاری کی یہ روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کا معاہدہ جب لکھا جا رہا تھا تو کفار مکہ کے نائبین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھنے جانے پر اعتراض کیا۔ اس پر حضور نے کاتب (یعنی حضرت علی) کو حکم دیا کہ اچھا رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر محمد بن عبد اللہ لکھ دو، حضرت علی نے لفظ رسول اللہ کاٹنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضور نے ان کے انفس سے قلم اٹھائے کہ وہ الفاظ خود کاٹ دیے اور محمد بن عبد اللہ لکھ دیا (المیزان) ہو سکتا ہے کہ صحیح صورت واقعہ یہ ہو کہ جب حضرت علی نے رسول اللہ کا لفظ مٹانے سے انکار کر دیا تو آپ نے اس کی جگہ ان سے پوچھا کہ اور پھر ان سے یا کسی دوسرے سے کاتب سے ابن عبد اللہ کے الفاظ لکھو اسیے ہوں (المیزان) تاہم اگر واقعہ یہ ہو کہ حضور نے اپنا نام اپنے ہی دست مبارک سے لکھا ہو تو ایسی مثالیں دنیا میں بکثرت پائی جاتی ہیں کہ ان پر پڑھ لوگ صرف اپنا نام لکھنا سیکھ لیتے ہیں باقی کوئی چیز پڑھ سکتے ہیں نہ لکھ سکتے ہیں۔

الجواب پہلی بات یہ ہے کہ سید مودودی کا یہ لکھنا غلط ہے کہ اعلان نبوت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھنا قرآن مجید کی اس آیت اور اس استدلال کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن مجید نے آپ کے لکھنے اور پڑھنے کی مطلقاً نفی نہیں کی، بلکہ نزول قرآن سے پہلے آپ کے لکھنے اور پڑھنے کا نفی کا ہے، لہذا نزول قرآن کے بعد جن احادیث میں آپ کے لکھنے کا ثبوت ہے وہ روایات قرآن مجید کے خلاف نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کثرت کتب صحاح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھنا ثابت ہے اور سید مودودی کا ان احادیث کو بجائے خود منکر و رکبنا لائق استغاثہ نہیں ہے، تاہم سید مودودی نے جویہ تاویل کی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے کسی اور کتب سے لکھا دیا ہو سو یہ احتمال بلا دلیل ہے اور الفاظ کو بلا ضرورت مجاز پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ رہا اس بحث کا سب سے افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ سید مودودی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عام ان پڑھ لوگوں پر قیاس کیا ہے اور لکھا ہے "اگر آپ نے اپنا نام اپنے ہی دست مبارک سے لکھا ہو تو ایسی مثالیں دنیا میں بکثرت پائی جاتی ہیں کہ ان پر پڑھ لوگ صرف اپنا نام لکھنا سیکھ لیتے ہیں باقی کوئی چیز نہیں پڑھ سکتے نہ لکھ سکتے ہیں" عام لوگوں کا ان پڑھ ہونا ان کا نقص اور ان کی جہالت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اچھی ہونا، آپ کا کمال ہے کہ دنیا میں کسی استاد کے آگے نہ تو تلمذ نہ نہیں کیا، کسی مکتب میں جا کر لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اور بلا واسطہ خدا سے علم نازل سے علم پا کر اولین اہل آخرین کے علوم بیان فرمائے اور پڑھ کر بھی دکھایا اور لکھ کر بھی دکھایا۔

یہی کہ ناگزیر قرآن درست - کتب خانہ چند ملت بشت

اب ہم تلامذہ کے سامنے بکثرت حوالہ جات کے ساتھ وہ احادیث پیش کرتے ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لکھنے کا اسناد کیا گیا ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

سید مودودی نے لکھا ہے کہ حضرت برادر کی روایات میں اضطراب ہے اور راویوں نے حضرت برادر کے جوں کے توں الفاظ نقل نہیں کیے کسی روایت میں کھنکے کا مطلقاً ذکر نہیں کسی میں صرت کُتُب ہے اور کسی میں ہے لیس یحسَن پکُتُب ۵

جلد خامس

سید مودودی کا اس اختلاف کو اضطراب قرار دینا صحیح نہیں ہے، یہ ایسا اختلاف نہیں ہے جس کی وجہ سے ان روایات کا معنی مضطرب ہو جائے اگر اس قسم کا اختلاف اضطراب ہو تو پھر تمام احادیث سا قاطب الاضمار قرار پائیں گی۔

(۱۵) عن سہل بن ابی حثمۃ ان عبد اللہ بن سہل وحمیصہ خرجا الی خیبر من جند اصابہم فاخبر صحیصۃ ان عبد اللہ قتل و طرح فی فقیر او عین فاق یہود (الی قولہ) فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما ان یوذوا بحرب فکتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیہم بہ الحدیث۔

حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سہل اور حضرت حمیصہ کسی کام سے خیبر گئے، پھر حضرت حمیصہ کو خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن سہل کو قتل کر کے کنوئیں میں ڈال دیا گیا، وہ یہود کے پاس گئے (اس کے بندہ ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا تو یہود تمہارے مقتول کی دیت ادا کریں گے اور یا وہ اعلان جنگ کو قبول کر لیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ (فیصلہ) یہود کی طرف سے کر بھیج دیا۔

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ ۱۵
اس حدیث کو امام البرادہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ۱۶
اس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ ۱۷
اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ۱۸
اس حدیث کو امام مالک نے بھی روایت کیا ہے۔ ۱۹
امام نسائی روایت کرتے ہیں:

(۱۶) عن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی اهل الیمن کتاباً فیہ الفرائض والسنن والدیات وبعث

ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کی طرف ایک مکتوب لکھا جس میں فرائض، سنن اور دیت کے احکام بیان کیے، آپ

- ۱۵۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
- ۱۶۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
- ۱۷۔ امام البرادہ سلیمان بن اکوعہ متوفی ۲۷۵ھ، سنن البرادہ ج ۲ ص ۲۶۵، مطبوعہ مطبع مجتبیٰ پاکستان لاہور، ۱۳۵۵ھ
- ۱۸۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، سنن احمد ج ۲ ص ۲۰۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۱۹۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۱۹۲
- ۲۰۔ امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۲۴۹ھ، مؤلفہ امام مالک ص ۶۸۱، مطبوعہ مطبع مجتبیٰ پاکستان لاہور

بہ مع عمرو بن حزم الحدیث یہ
امام نسائی نے اس حدیث کو اس باب میں پانچ سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں:

(۷) عن انس بن مالك ان نبی الله صلی
الله علیہ وسلم اراد ان یکتب الی زهط او
اناس من الا عا جمه فقیل لہ انہم لا
یقبلون الا علیہ خاتم فأتخذ النبی صلی الله علیہ وسلم
خاتم من فضة نقشہ محمد رسول الله الحدیث یہ
اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔
امام ابو داؤد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔
امام دارمی روایت کرتے ہیں:

(۸) عن ابی حمید الساعدی قال: بعث صاحب
ایلة الی رسول الله صلی الله علیہ وسلم بكتاب
واهدی لہ بغلة بیضاء، فکتب الیہ رسول
الله صلی الله علیہ وسلم واهدی لہ
بردا۔
امام مسلم روایت کرتے ہیں:

(۹) عن انس ان نبی الله صلی الله علیہ وسلم
کتب الی قیصر والی الجاشی والی کل جبار
یدعوہم الی الله۔
امام ابن عساکر اپنی سند کے ساتھ ابراہیم سے روایت کرتے ہیں:
رسول الله صلی الله علیہ وسلم نے فرمایا جب ملت
فقال رسول الله صلی الله علیہ وسلم

- ۱۔ امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ سنن نسائی ج ۲ ص ۲۲۱، مطبوعہ دار فہم تجارت کتب کراچی
- ۲۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۴۲، ۸۴۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
- ۳۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
- ۴۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۲۳، مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور، ۱۳۰۵ھ
- ۵۔ امام ابو محمد عبد الله بن عبد الرحمن داری متوفی ۲۵۵ھ، سنن داری ج ۲ ص ۱۵۱، مطبوعہ نشر السنۃ - لبنان،
- ۶۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

اذا جاء الليل فآين النهار ثم قال افي قد كتبت
الى النجاشي فخرقة فخرقة الله فخرق الملك
فقال عبا وقللت لابي خيمتم اليس قد اسلم
النجاشي و نعا رسول الله صلى الله عليه وسلم
بالمدينة الى اصحابه فصلي عليه فقال بلى
وانما ذلك فلان بن فلان وهذا فلان بن
فلان يعني ان ذاك النجاشي غير هذا النجاشي
ثم قال وكتبت الى كسرى كتابا فخرقه فخرقه
الله فخرق الملك وكتبت الى قيصر كتابا
الحديث ۱۰

آئے گی تو دن کہاں ہوگا، پھر فرمایا میں نے نجاشی کی طرف خط لکھا
اور نجاشی نے اس خط کو پھاڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ملک توڑ
دیا، اور عبا نے ابی الخثیم سے کہا کیا نجاشی اسلام نہیں لایا تھا اور رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی موت کی خبر صحابہ کو نہیں دی تھی اور
اب نے اس کی نماز جنازہ پڑھوائی تھی، حضرت ابو الخثیم نے فرمایا
کیوں نہیں! لیکن وہ فلاں بن فلاں تھا اور یہ فلاں بن فلاں ہے
یعنی یہ اور نجاشی ہے اور وہ اور نجاشی تھا۔ پھر آپ نے فرمایا
میں نے کسریٰ کو خط لکھا اس نے اس خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر
کر دیے، اللہ نے اس کے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر
دیے اور میں نے قیصر کو خط لکھا.....

یہ وہ احادیث ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کا ثبوت ہے، ہم نے ان احادیث کی بکثرت اسانید بیان
کی ہیں تاکہ انصاف پسند حضرات کے المینان کے لیے ایک محسوس بنیاد قائم ہو جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم لکھتے بھی تھے، لہذا ان تمام احادیث کو بلا ضرورت مجاز پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے اور عدل و انصاف سے بید ہے۔
قرآن مجید اور احادیث مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے پر دلائل قائم کرنے کے بعد ہم اس سلسلہ میں فقہاء اسلام کے
اقوال پیش کر رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کے بارے میں فقہاء اسلام کی عبارات علامہ بدر الدین عینی
قلت قد نقل انه عليه الصلوة والسلام كتب بيده ۸ - میں یہ کہتا ہوں کہ یہ منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔
نیز لکھتے ہیں:

وقد ثبت ان رسول الله صلى الله عليه
وسلم كتب بيده ۹ -
صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ مدینہ پر مشرکین کے اعتراض کے بعد محمد رسول اللہ کو کاٹ کر
لکھ دیا، انا قاضی محمد بن عبد اللہ علامہ لکھنے کی ہدایت نہیں رکھتے تھے۔ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے
تو آپ کو انجی فرمایا ہے پھر آپ نے کیسے لکھا، علامہ عینی نے اس کے تین جواب دیے ہیں:

۱۔ حافظ البراق اسم علی بن مسین شامی المعروف بابن عسکر مترق ۱۱۵۵ھ تاریخ دمشق الجیرج ۱۱۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت الطبعة ۱۳۰۴ھ
۲۔ علامہ ابو محمد بدر الدین محمد بن احمد عینی مترق ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۰ مطبوعہ المطبعة المطبوعہ للنشر مصر ۱۳۲۸ھ
۳۔ عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۷۱

الاول ان الامی من لا یحسن الکتابۃ لا
من لا یتکتب، الثانی ان الامتداد فیہ معجانی
الثالث انه یتکتب بنفسه حرقاً للعادة علی
سبیل المعیضة۔ ۱۷

پہلا جواب یہ ہے کہ اسی شخص سے جو مہارت سے
نہ لکھتا ہو۔ نہ وہ جو کہ (بالکل) نہ لکھتا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے
کہ اس حدیث میں اسناد بخاری ہے، تیسرا جواب یہ ہے
کہ آپ کا یہ لکھنا آپ کا معجزہ تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے اس مسئلہ پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے، لکھتے ہیں:
علامہ ابو الولید باہجی نے صحیح بخاری کی اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے پر استدلال کیا ہے، جس میں
ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا یہ محمد بن عبد اللہ کا فیصلہ ہے، حالانکہ آپ مہارت سے نہیں لکھتے تھے۔
(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۰، مطبوعہ کراچی) ابن کے زمانہ کے علماء اندلس نے ابن پر یہ اعتراض کیا اور کہا کہ یہ قول قرآن مجید کے خلاف
ہے، کیونکہ قرآن مجید ہے وما کنتم تتلو امن قبلہ من کتاب ولا تخططہ بیہینک۔ آپ نزول قرآن سے پہلے نہ
کتاب سے پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے۔ علامہ باہجی نے اس کے جواب میں کہا کہ قرآن مجید میں نزول قرآن سے پہلے آپ
کے پڑھنے اور لکھنے کی تعمیل ہے، اور جب معجزات سے آپ کی نبوت ثابت ہو گئی اور آپ کی نبوت میں شک کا خطرہ نہ رہا تو
پھر آپ کے لکھنے سے کوئی چیز مانع نہیں تھی، اور یہ آپ کا دوسرا معجزہ ہے، علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ علماء کی ایک جماعت
نے علامہ باہجی کے موقف کی حمایت کی، ان میں شیخ ابو عبدہ ہمدانی اور ابو الفتح نیشاپوری اور افریقہ اور دوسرے شہروں کے علماء شامل
ہیں۔ بعض علماء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے پر امام ابن ابی شیبہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے: مجاہد، عون بن عبد اللہ
سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک فوت نہیں ہوئے جب تک آپ نے لکھا اور پڑھا نہیں کیا،
مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے شعبی سے اس روایت کا ذکر کیا انہوں نے کہا عون بن عبد اللہ نے سچ کہا ہے، میں نے اس
روایت کو سنا ہے، (حافظ ابن حجر لکھتے ہیں) سہل بن حنفلیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ
ؓ سے کہا کہ وہ قرآن اور حدیث کے لیے لکھیں، بیعت نے اس پر کہا تمہارا کیا خیال ہے کیا میں متکبر کا صحیفہ لے کر جاؤں گا؟
(یعنی تم نے کچھ کچھ تو نہیں لکھ دیا؟) اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحیفہ پر نظر ڈالی اور فرمایا: معاویہ نے وہی لکھا ہے
جو میں نے کہا تھا یونس کہتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول قرآن کے بعد لکھا ہے سہل بن حنفلیہ کی
روایت مذکورہ میں آپ کے پڑھنے کا ثبوت ہے۔ سعید بن غفران (قاضی عیاض نے کہا ہے کہ بعض آثار سے پتا چلتا ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھنے اور خوش خطی کی معرفت تھی، کیونکہ آپ نے کاتب سے فرمایا: قلم اپنے کان پر رکھو یہ تم
کو یاد دلائے گا اور آپ نے حضرت معاویہ سے فرمایا: دلات رکھو اور قلم ایک کنارے رکھو، مبارک رہا کہ لکھو، سین
دندانے وار لکھو اور میم کو کانا سمت کرو۔ یعنی اس طرح نہ لکھو میم، قاضی عیاض نے کہا ہر چند کہ اس روایت سے آپ کا لکھنا
ثابت نہیں ہوتا لیکن آپ کو لکھنے کا علم دیا جانا مستبعد نہیں ہے، کیونکہ آپ کو ہر چیز کا علم دیا گیا ہے۔ ۱۸

۱۷ علامہ ابو محمد بدر الدین محمد بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۶۲، مطبوعہ دار الفکر السیریہ مصر ۱۳۴۸ھ
۱۸ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱، ص ۵۰۴، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۳۰۱ھ
۱۹ متکبر نام کے ایک شاعر نے حیرہ کے بادشاہ سے اپنے لیے انعام کا خط لکھوایا اس نے خط میں لکھا کہ اس کے ہاتھ پر کاٹ کر اس کو قتل
کر دیا جائے چنانچہ اس کو جلاد نے قتل کر دیا پھر مملوک لکھنے کے لیے متکبر کا صحیفہ ضرب المثل بن گیا منجد ص ۹۵۸ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ھ

اس کے بعد حافظ ابن حجر مستوفی نے ان دلائل کو کمزور قرار دیا ہے اور آخر میں یہی لکھا ہے کہ آپ کا کھنا ثابت نہیں، لیکن ہماری رائے علامہ ابو الولید باجی اور قاضی بیاضی وغیرہ کے ساتھ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّی ہونے کی تشریح میں نے بہت تفصیل اور تحقیق کے ساتھ بیان کی ہے کیونکہ میں نے دیکھا اس زمانہ میں بعض لوگ بہت بے ہنگام اگر کسی تابعین اور محدث کے اُمّی ہونے کا معنی ان پر چڑھ کر کرتے ہیں اور عند کو اعلان نبوت کے بعد بھی کھنے اور پڑھنے سے غاری کہتے ہیں، اس لیے میں نے قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور فقہاء اسلام کے اقوال کی روشنی میں آپ کے اُمّی ہونے کا مطلب واضح کیا کہ آپ کا کوئی دنیاوی استاذ نہیں تھا اور اعلان نبوت سے پہلے آپ کھتے پڑھتے نہیں تھے لیکن اعلان نبوت کے بعد آپ نے بعض مواقع پر کھا اور پڑھا اور یہ آپ کا ایک الگ معجزہ ہے۔

والحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی محمد الرسول النبی الامی وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلیاء ملتہ اللھم اغفر للمصنف ولوالدیہ ومشائخہ ومعاونیہ اجمعین۔

عہد کو پورا کرنا

بَابُ الْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جبک بدر میں میرے شالہ ذہب نے کچھ صرف یہ بھی کہ میں اور میرے والد سیل دونوں نکلے تو میں کفار قریش نے پھڑپھڑا کر کہا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جانا چاہتے ہو، ہم نے کہا ان کے پاس جانا نہیں چاہتے، ہم تو صرف مدینہ منورہ جانا چاہتے ہیں، انھوں نے ہم سے یہ عہد اور میثاق دیا کہ ہم مدینہ ہائیں گے اور آپ کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گے، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا تم لوٹ جاؤ ہم ان سے کیا ہو عہد پورا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ جلی

۴۵۲۴ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو سَامَةَ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا أَبُو الطَّيْفِيلِ حَدَّثَنَا حَذَفَرَةُ بْنُ الْيَمَانِ قَالَ مَا مَتَعَنِي أَنْ أَشْهَدَ بَدْرًا إِلَّا أَنِّي خَرَجْتُ أَنَا وَآبِي حُسَيْلٌ قَالَ فَآخَذَنَا كُفَّارُ قُرَيْشٍ قَالُوا إِنَّكُمْ تَرِيدُونَ مُحَمَّدًا فَقُلْنَا مَا تَرِيدُ مَا تَرِيدُ إِلَّا الْمَدِينَةَ فَآخَذُوا مَتَاعَهُدَا اللَّهُ وَمِيثَاقَهُ لَنَنْصُرَنَّكَ إِلَى الْمَدِينَةِ وَلَا نَقَاتِلُ مَعَهُ فَاتَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَّخَذَنَا الْخَبَرُ فَقَالَ أَنْصُرُوا فَنَحْنُ لَكُمْ بِعَهْدِهِمْ وَكَسْتَعِينُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

ضرورت کے وقت جھوٹ بولنے کی تفصیل

وہ زیادہ بہتر ہے۔ تاہم جنگ میں، لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے اللہ ہی کی رضا جوئی کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں اس کی تصریح ہے۔

کفار کے ساتھ کیے ہوئے عہد کے پورا کرنے میں مذہب فقہاء اگر کوئی مسلمان کفار کی قید میں ہو اور کفار اس سے یہ عہد لیں کہ وہ ان کے پاس سے نہیں جائے گا تو اس عہد کو پورا کرنے میں علماء کا اختلاف ہے، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور فقہاء کوفہ یہ کہتے ہیں اس

أَنَّ أَقْوَمَ قَالَ أَذْهَبَ فَأَتَيْتُ بِخَبِيرِ الْقَوْمِ
وَلَا تَدْعُهُمْ عَلَى فَلَمَّا وَكَيْتُ مِنْ
عِنْدِهِ جَعَلْتُ كَأَنَّمَا مَشَيْتُ فِي حِمَامٍ
حَتَّى أَتَيْتُهُمْ فَرَأَيْتُ آبَاءَ سُفْيَانَ يَصِلُونِ
ظَهْرًا بِالنَّارِ فَوَضَعْتُ سَهْمًا فِي كَيْدِ
الْقَوْمِ فَأَرَادْتُ أَنْ أَرْمِيَهُ فَذَكَرْتُ
قَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَلَا تَدْعُهُمْ عَلَى وَلَوْ مِائَةً لَا صَبِئَتْ
فَرَجَعْتُ وَأَنَا أَمْشِي فِي مِثْلِ الْحِمَامِ
فَلَمَّا أَتَيْتُهُ فَأَخْبَرْتُهُ بِخَبِيرِ الْقَوْمِ وَ
فَرَعْتُ فَوَدْتُ فَأَلْبَسَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فَضْلِ عَبَاءَةٍ
كَانَتْ عَلَيْهِ يَصِلُ فِيهَا فَلَمَّا أَذَلُّ نَأْمًا
حَتَّى أَصْبَحْتُ فَلَمَّا أَصْبَحْتُ قَالَ قُمْ
يَا قَوْمَانُ

کو اس نے کا ارادہ کیا پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ
ارشاد یاد آیا کہ انھیں میرے خلاف غصہ میں نہ لانا، اگر میں اس وقت
تیر پھینک دیتا تو وہ بلاشبہ نشانہ پر لگتا، میں واپس لوٹا ہوا کہ
حائیکہ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں حمام میں چل رہا ہوں،
پھر جب میں آپ کے پاس پہنچا تو میں نے آپ کو غار کے
احوال بیان کیے، جب میں فارغ ہوا تو مجھے ٹھنڈ لگنے لگی،
تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنا ایک فال تو کھیل
اڑھا دیا جس کو اڑھ کر آپ نماز پڑھتے تھے، میں اس کو
اڑھ کر صبح تک متواتر، جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے
بہت سونے والے اٹھ جا!

غزوہ احزاب کا مختصر بیان | ذوالقعدہ ۵، ۶ ہجری میں، عربوں اور یہودیوں کی متفقہ اور متحدہ قوت جو مدینہ پر حملہ آور
ہوئی اس کو جنگ احزاب کہا جاتا ہے، حزب کے معنی جماعت اور گروہ ہیں اس
جگہ میں کفار کی تمام جماعتیں متحد ہو کر مسلمانوں سے لڑی گئیں اس لیے اس کو غزوہ احزاب کہتے ہیں، اس جنگ میں مسلمانوں
نے شہر سے باہر نکل کر شامی جانب خندق کھودی تھی اس لیے اس کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے:
یونانیہ جب مدینہ سے جلا وطن کیے جانے کے بعد خیر پینچے تو انھوں نے مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے
مدینہ پر حملہ کرنے کی اسکیم بنائی، ان کے سر جابر کو مقرر کیا اور قریش سے کہا اگر تم پہلا ساتھ دو تو اسلام کا استیصال کیا جا
سکتا ہے، قریش کو مسلمانوں کو مہم کرنے کے لیے پہلے ہی اعداد کھائے بیٹھے تھے، وہ فوراً تیار ہو گئے، اس
کے بعد یہ لوگ قبیلہ غطفان کے پاس گئے اور ان کو میر کا نصف حاصل دینے کا لالچ دے کر ان کو بھی ساتھ ملا لیا، بنو اسد
غطفان کے حلیف تھے وہ بھی تیار ہو گئے، جو سلیم کی قریش سے رشتہ داری تھی وہ بھی ساتھ مل گئے، بنو سہمہ یہودیوں کے
حلیف تھے انھوں نے بھی ساتھ دیا، غرض یہودیوں اور عرب کے تمام قبائل سے مل کر ایک لشکر گراں تیار ہو گیا، حافظ ابن
عساکر نے لکھا ہے ان کا تعداد دس ہزار تھی، یہ لشکر تین حصوں پر منقسم تھا، غطفان کی فوجیں عیینہ بن قریظ کی کمان
میں تھیں، بنو اسد طلحہ کے پرچم تلے تھے، اور ابوسفیان سارے لشکر کا سپہ سالار تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ خبر سنی تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسی رضی
اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا مصلحت کے خلاف ہے، ایک محفوظ مقام پر لشکر جمع کر

کے اس گے گرد خندق کھود لی جائے اس رائے کو سب نے پسند کر لیا، مدینہ کے تین جانب مکانات تھے اور نخلستان کا سلسلہ تھا جو شہر پیادہ کا کام دیتا تھا، صوف شامی رُخ کھلا ہوا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر اسی مقام پر خندق کی تیاریاں شروع کیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مدد قائم کی اور دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تعمیر کی خندق کا متن پانچ گز بکھا گیا اللہ بیس دن میں تین ہزار مقدس ہاتھوں سے یہ خندق حیا ہوئی۔ اللہ خندق کھودنے کے واسطے اتفاقاً ایک سخت چٹان آگئی جو کسی کی ضرب پہنچنے نہیں ٹوٹتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے وہاں جا کر تین دن کا فاقہ تھا اور حکم مبارک پر دو ہفتے بندھے ہوئے تھے آپ نے اپنے دوست متھس سے ایک حرب لگائی تو وہ چٹان ایک تودہ خاک بنی!

عزقرظہ کے یہود اب تک الگ تھلک تھے لیکن بنو نضیر کے امیر حنی بن اخطب نے بیار کو شمش کے بدران کو
بھی اپنے ساتھ ملا دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی تو آپ نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کو ان
کے پاس بھیجا لیکن انھوں نے معاہدہ توڑ دیا اور کہا ہم نہیں جانتے کہ محمد کون ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اور معاہدہ کیا چیز
بنو قریظہ کے ملنے کے بعد کفار کی فوجی نفری میں اور اضافہ ہو گیا اور یہودیوں، قریش اور دیگر قبائلی عرب پر مشتمل
دس ہزار فوجیں تین حصوں میں پھیل کر مدینہ کی طرف اس زور و شور سے بڑھیں کہ مدینہ کی سر زمین دہل گئی، اللہ تعالیٰ متحذہ
کفار کے اس حملہ کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اذ جاء دكم من فوقكم ومن اسفل منكم و
 اذ زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر و
 تظنون بالله الظنون ا هـ هنالك ابتلى المؤمنون
 ونزلوا الزلازل اشد يد ا هـ
 (احزاب: ۱۰-۹)

افواج اسلام میں منافقین بھی تھے، سردی کی شدت، برسد کی قلت، متواتر فاقوں اور مسلسل جگ راتوں سے تنگ آکر انھوں نے کہا:

اور وہ وقت یاد کرو جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا یہ کہہ رہے تھے، اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدے کیے تھے وہ فریب کے سوا کچھ نہ تھے، اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے یثرب کے لوگو! تمہارے لیے اب ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے، واپس لوٹ چلو، اور

سنة - حافظ شباب الدين احمد بن علي ابن حجر عسقلاني متوفى ٨٥٢ هـ ، فتح الباري ج ٤ ص ٣٩٣ ، محضاً ، مطبوعه دار نشر الكتب الاسلاميه لاہور ١٤٠١ھ

(احزاب: ۱۲-۱۳)

جب ان کا ایک گروہ نبی سے جانے کی رخصت طلب کر رہا تھا کہ ہمارے گھر خطرے میں ہیں حالانکہ وہ خطرے میں نہ تھے دراصل وہ (مخاذجگ سے) بھاگنا چاہتے تھے۔

اور حضرات صحابہ کرام کو جب یہ خبر پہنچی اس وقت ان کا لشکر اس کسوٹی پر کسا گیا تو انہوں نے کہا: **وَلَمَّا نَالُوا الْيَوْمَانِ الْاِخْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَهُمْ اِلَآ اِيْمَانًا وَتَسْلِيْمًا۔** (احزاب: ۲۲)

اور جب مسلمانوں نے حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا اور اس واقعہ نے ان کے ایمان اور تسلیم میں زیادتی بھی کی۔

تقریباً ایک ماہ کفار کا محاصرہ اس قدر سختی سے قائم رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ پر مسلسل تین تین دن فلتے سے گزرے۔ ایک دن صحابہ نے بے تاب ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے اپنے پیٹ کھول کر دکھائے کہ انہوں نے ہجر کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیٹ دکھایا تو اس پر ایک کی بجائے دو پتھر تھے۔

عامین خندق کو مجبور نہیں کر سکتے تھے اس لیے دور سے تیر اور پتھر برساتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے مختلف حصوں پر زوہیں مقرر کر دی تھیں جو محاصرہ کے حملوں کا مقابلہ کرتی تھیں ایک حصہ خود آپ کے زیرِ اہتمام تھا جب محاصرہ کو اس طرح کامیابی نہیں ہوئی تو انہوں نے طے کیا کہ اب عام حملہ کیا جائے، خندق کا عرض ایک جگہ کے انفا قائم تھا تو انہوں نے وہی جگہ عام حملہ کے لیے منتخب کی، عرب کے مشہور جنگجو، ضرار، جیسرہ، نوفل اور عمرو بن عبدود نے خندق کے اس کنارے سے گھوڑوں کو بھگایا تو خندق کے پار پہنچ گئے، عمرو بن عبدود ایک مشہور جنگجو شخص تھا اس نے عرب کے عام دستور کے موافق مبارزت کی اور کہا میرے مقابلہ پر کون آئے گا، حضرت علی کی مبارزت کے جواب میں اسے کچھ بحث و تمحیص کے بعد عمر نے حضرت علی پر تلوار کا وار کیا حضرت علی نے اس کے وار کو ڈھال پر روکا لیکن تلوار ڈھال میں ڈوب کر نکلی اور حضرت علی کی پیشانی پر لگی، دشمن کے وار کے بعد حضرت علی نے اس پر ایک ضرب بدلتی لگائی اور آپ کی تلوار اس کا شانہ کاٹ کر نیچے آرائی اور اس کے ساتھ ہی حضرت علی نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور عمرو بن عبدود خاک پر روٹنے لگا۔

حملہ کا یہ دن بہت سخت تھا تمام دن لڑائی رہی کفار ہر طرف سے تیروں اور پتھروں کا مینہ برساتے تھے اور تیروں کی یہ سلاو دھار بارش ایک پل کے لیے بھی نہ رکتی تھی اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین مسلسل نمازیں قضا ہوئیں، کیونکہ مسلسل تیر اندازی اور سنگباری کے باعث اپنی جگہ سے ہٹنا ممکن نہ تھا۔

لاہور ۱۴۰۱ھ

۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر مستطانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۲، ص ۴۴۰۔ ۲۔ المختار والمفصل، مطبوعہ دار نشر المکتب الاسلامیہ

محاصرہ جس قدر طول پکڑا تھا، محاصرہ کرنے والوں کی کمر ہمت ٹوٹ رہی تھی، دس ہزار آدمیوں کو رسد پہنچانا آسان کام نہ تھا، پھر سخت سردی کے اس موسم میں اس زد سے آندھی چلی کہ طوفان اُگلی، غیموں کی کٹناہیں اکھڑ گئیں، کھانے کی دیگیاں چولھوں پر لٹ گئیں اور لشکر کفار میں زبردست اتری پھیل گئی، قرآن مجید میں اسی آندھی کو لشکر الہی سے تعبیر فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا۔

اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب تم پر وہیں چڑھائی تھیں تو ہم نے ان پر ایک سخت آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں بھیج دیں جو تم کو نظر نہ آتی تھیں۔

(احزاب: ۹)

اس آندھی پر مستزاد یہ ہوا کہ کفار کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی اور یہود اس جنگ سے الگ ہو گئے، پہلے سردی کی شدت، محاصرہ کا طول، آندھی کا زور، رسد کی قلت اور یہود کی علیحدگی یہ تمام عناصر ایسے جمع ہو گئے کہ اب قریش کے لیے جمع کرنا ممکن نہیں تھا، ابوسفیان نے فرج سے کہا ان حالات میں محاصرہ بے کار ہے اور کوچ کا طبل بجا دیا اور مدینہ کا افق تقریباً ایک ماہ بخار آلود رہنے کے بعد صاف ہو گیا! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغِيظِهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ حَيْثُ وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کا منہ پھیر دیا اور وہ کوئی فائدہ حاصل کیے بغیر اپنے دل کی جبلت لیے یہ نہی پلٹ گئے اور مردمنوں کے رونے کی طرف سے اللہ کافی ہو گیا۔

(الاحزاب: ۲۵)

بَابُ غَزْوَةِ أَحَدٍ

۴۵۲۶ - وَحَدَّثَنَا هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ الْأَذْرِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ تَرِيذٍ وَثَابِتِ بْنِ أَبِي أَنَسٍ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْرَدَ يَوْمَ أَحَدٍ فِي سَبْعَةِ مِائَتٍ الْأَنْصَارِ وَرَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ فَلَمَّا رَهَقُوهُ قَالَ مَنْ يُرِيدُ هُمْ عَنَّا وَلَكُمُ الْجَنَّةُ أَوْ هُوَ تَدْفَعُنِي فِي الْجَنَّةِ فَتَعَدَّ مَرَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا رہ گئے، آپ کے ساتھ صرف سات انصاری اور دو قریشی تھے، جب کفار نے آپ کو گھیر لیا تو آپ نے فرمایا ان کو ہمارے پاس سے کون دور کرے گا؟ اس شخص کو جنت ملے گی، یا فرمایا وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا، پھر انصار میں سے ایک شخص آگئے بڑھ کر لڑا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گیا، کفار نے پھر آپ کو گھیر

۱۳۹۳ھ - علامہ محمد عبد الباقی ندوی، الکی متوفی ۱۴۲۲ھ، شرح الواہب اللہیہ ج ۲ ص ۱۲۴-۱۲۵، محققاً و ملحقاً، مطبوعہ دار الفکر بیروت

فَقَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ ثُمَّ رَأَى هَقُوهَ ابْنًا فَقَالَ
مَنْ تَرِدُ هُمْ عَنَّا وَلَكُمُ الْجَنَّةُ أَوْ هُوَ رَفِيعِي
فِي الْجَنَّةِ فَتَقَدَّمَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ
فَقَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ فَلَمْ يَزَلْ كَذَلِكَ
حَتَّى قُتِلَ السَّبْعَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَنْ حَبَنِي مَا أَنْصَفَنِي
أَصْحَابَنَا -

۲۵۲۷ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ
حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ
أَنَّهُ سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ يُسْأَلُ عَنْ جُرْحِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ
أُحُدٍ فَقَالَ جُرْحٌ وَجَعٌ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُسِرَتْ رِجْلُ بَاعِ عَيْتَةٍ وَ
هَشِمَتْ الْبَيْضَةُ عَلَى رَأْسِهِ فَكَانَتْ
فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ تَغْسِلُ الدَّمَ وَكَانَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ
يَسْكُبُ عَلَيْهَا بِالْمِجَنِّ فَلَمَّا رَأَتْ فَاطِمَةُ
أَنَّ الْمَاءَ لَا يَزِيدُ الدَّمَ إِلَّا كَثْرَةً
أَخَذَتْ قِطْعَةً خَصِيرٍ فَأَخَذَتْهُ حَتَّى
صَارَ دَمًا ثُمَّ انْصَفَتْهُ بِالْجُرْحِ
فَاسْتَمْسَكَ الدَّمُ -

۲۵۲۸ - حَدَّثَنَا أَقْتَبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا
يَعْقُوبُ بْنُ يَعْنَى ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْقَارِي
عَنْ أَبِي حَازِمٍ أَنَّ سَمْعَةَ سَهْلَ بْنَ
سَعْدٍ وَهُوَ يُسْأَلُ عَنْ جُرْحِ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَمَرُوا اللَّهَ
إِنِّي لَا غِرْفَ مَنْ كَانَ يَغْسِلُ جُرْحَ رَسُولِ
اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ كَانَ
يَسْكُبُ الْمَاءَ وَبَعَا ذَا دُمُوِي جُرْحَهُ

یا، آپ نے فرمایا ان کو ہم سے کون دور کرے گا؟
اس کے لیے جنت ہوگی، یا وہ جنت میں میرا رفیق ہو
گا، پھر انصار میں سے ایک ان شخص اگے بڑھ کر لڑا حتی
کہ وہ شہید ہو گیا اور پھر یہ سلسلہ یہی چلتا رہا حتی کہ
وہ ساتوں انصاری شہید ہو گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے اپنے (ان قریشی) ساتھیوں سے فرمایا:
ہم نے اپنے اصحاب کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

ابو حازم بیان کرتے ہیں کہ حضرت سہل بن سعد
رضی اللہ عنہ سے جب احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے زخمی ہونے کے متعلق سوال کیا گیا، انہوں
نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور زخمی ہو گیا
تھا اور سامنے کا ایک دانت ٹوٹ گیا تھا اور سر مبارک
پر خود ٹوٹ گیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی
سیدہ فاطمہ زہرا (آپ کے چہرہ سے) خون دھوری
تھیں اور حضرت علی بن ابی طالب ڈھال میں پانی لا کر
ڈال رہے تھے، جب حضرت فاطمہ نے یہ دیکھا کہ پانی
ڈالنے سے تو خون زیادہ نکل رہا ہے تو انہوں نے
پٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر جلایا اور اس کی راکھ کو زخم پر
لگا دیا، پھر خون بند ہو گیا۔

ابو حازم بیان کرتے ہیں کہ حضرت سہل بن سعد
رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم
کے متعلق سوال کیا گیا، انہوں نے کہا سرفرا خدا کی قسم!
مجھے خوب معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
زخم کو کون دھورہا تھا اور کون پانی ڈال رہا تھا اور کس
پیر سے آپ کے زخم کا علاج کیا گیا، عبد اللہ بن زید کی
روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ کا چہرہ انور زخمی ہو گیا
اور ہشمت کی جگہ کسرت ہے۔

ثُمَّ ذَكَرْنَا خَوْصِدَيْثَ عَبْدَ الْعَزِيزِ غَيْرَ
أَنَّهُ نَادَى وَجُرِحَ وَجْهُهُ وَقَالَ مَكَانَ
هَشِيمَتٍ كُسِرَتْ -

۴۵۲۹ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
وَهُنَّ هُنْدُ بْنُ حَرْبٍ وَاسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ
وَأَبْنُ أَبِي عُمَرَ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ حَرْو
حَدَّثَنَا عُمَرُ وَابْنُ مَسْرُورٍ وَالْعَامِرِيُّ أَخْبَرَنَا
عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهَبٍ أَخْبَرَنَا عُمَرُ وَابْنُ الْحَارِثِ
عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ حَرْو وَحَدَّثَنَا
مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلٍ الْقَسْبِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي
مَرْثُومٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى ابْنُ مَطْرَفٍ
كُلُّهُمْ عَنْ أَبِي حَارٍ مَرَّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ
بِهَذَا الْحَدِيثِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فِي حَدِيثِ ابْنِ أَبِي هِلَالٍ أُصِيبَ
وَجْهُهُ وَفِي حَدِيثِ ابْنِ مَطْرَفٍ جُرِحَ
وَجْهُهُ -

۴۵۳۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ
بْنِ قَعْتَبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ
ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَسَرَتْ دَبَا عَيْنَهُ يَوْمَ أُحُدٍ
وَشَجَرَ فِي رَأْسِهِ فَجَعَلَ يَسْلُتُ الدَّمَ عَنْهُ
وَيَقُولُ كَيْفَ يُغْلِبُهُ قَوْمٌ مَشَجُوا أَيْدِيَهُمْ
وَكَسَرُوا رِجَالَهُمْ وَهُوَ يَدْعُوهُمْ
إِلَى اللَّهِ فَإِنَّزَلَ اللَّهُ هَنْرًا وَجَلَّ لَيْسَ لَكَ
مِنْ الْأَمْرِ شَيْءٌ -

۴۵۳۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ ابْنُ
نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ
شَيْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْكِي

امام مسلم نے تین سندوں کے ساتھ حضرت سہل
بن سعد کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کی ہے
ابن ابی ہلال کی سند میں اصیب وجہ ہے اور ابن مطرف
کی سند میں جرح وجہ کا لفظ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ
احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنے
کا دانت ٹوٹ گیا اور آپ کے سر اقدس میں چوٹ لگی
آپ اپنے سر سے خون پر نچھو رہے تھے اور فرما رہے
تھے وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی
کا سر زخمی کر دیا اور سامنے کا دانت توڑ دیا، حالانکہ
وہ ان کو اللہ کی طرف دعوت دے رہا تھا، اس موقع پر
اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لیس لك من الامر

شئی ۔۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے
ہیں کہ یہاں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھو
وہاں ہوں، آپ انبیاء سابقین میں سے کسی نبی
کا واقعہ بیان فرما رہے تھے ان کی قوم نے ان کو

يَتَّبِعُونَ إِلَّا نَبِيَّاءَ حَرَبِيَّةَ قَوْمَهُ وَهُوَ يَتَّبِعُهُ
الَّذِينَ عَنْ وَجْهِهِ وَيَقُولُ مَا يَتَّبِعُ الْغِيظُ لِي
يَقْرُؤُنِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ

۴۵۳۲ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
حَدَّثَنَا وَكَيْعٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ يَسْرٍ عَنِ الْأَعْمَشِ
بِهَذَا الْإِسْنَادِ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ فَهُوَ يَنْصَحُ الدَّارَ
عَنْ جَبِينِهِ

رو رو کو ب کیا وہ اپنے چہرہ سے خون پونچھ رہے تھے
اور یہ فرما رہے تھے، اسے اللہ امیری قوم کی مغفرت فرما
ان کو علم نہیں ہے۔

امام مسلم نے ایک اور سند سے یہ روایت ذکر کی
ہے اس میں یہ اضافہ ہے آپ اپنی پیشانی سے خون پونچھتے
جاتے تھے۔

غزوہ اُحد کا مختصر بیان | ابرہہ کی شکست کے بعد قریش انتقام لینے کے لیے مے چین تھے۔ قریش کے سردار
بڑا مشاعرہ کر دیا، پانچ شوال تین ہجری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ خبر پہنچی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب
آگیا ہے اور ان کے گھوڑوں نے مدینہ کی چوڑی گاہوں کو صاف کر دیا ہے، چونکہ شہر پر حملہ کا اندیشہ تھا اس لیے ہر طرف
بہرے بھا دیے گئے، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ مسلح ہو کر تمام رات مسجد نبوی پر پہرہ دیتے
رہے۔ صبح کو آپ نے جنگ کے متعلق صحابہ کرام سے مشورہ کیا، مہاجرین اور انصار کی رائے یہ تھی کہ شہر میں
پناہ گزین ہو کر مقابلہ کیا جائے، عہد اللہ بن ابی اسلول کی بھی یہی رائے تھی لیکن نوجوان صحابہ کی رائے یہ تھی کہ شہر
سے باہر نکل کر کفار پر حملہ کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلجوئی کی خاطر اسی رائے کو اختیار کر لیا۔
قریش بدھ کے دن مدینہ منورہ کے قریب پہنچے، اور اُحد پہاڑ کے نزدیک پڑاؤ ڈالا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھ کر ایک ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے باہر نکلے، عبد اللہ بن ابی اسنے تین سو ساتھی لے
کر آیا تھا لیکن یہ کہہ کر واپس چلو گیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرا مشورہ نہیں مانا، اس طرح آپ کے ساتھ صرف
سات سو صحابہ رہ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد پہاڑ کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی، حضرت مصعب بن
عمیر کو مکہ عنایت کیا، حضرت زبیر بن عوام کو ایک دستہ کا سالار مقرر کیا، اور حضرت حمزہ کو فوج کے اس دستہ کا افسر مقرر کیا
جو زرہ پوش نہ تھے، پہاڑ کی پشت کی طرف سے دشمن کے حملہ کا خوف تھا اس لیے حضرت عبد اللہ بن جبیر کی قیادت
میں پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ مقرر کیا اور انہیں یہ حکم دیا کہ خواہ فتح ہو یا شکست وہ اس جگہ سے نہ ہٹیں۔
عام جنگ شروع ہونے کے بعد حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت ابو جہلہ دشمن کی فوجوں کے اندر گھس گئے
اور فوجوں کو چرتے ہوئے دشمنوں پر لاشیں گراتے ہوئے بڑھتے چلے گئے۔ جبیر بن مطعم نے اپنے غلام وحشی سے
یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر اس نے حمزہ کو قتل کر دیا تو وہ آزاد کر دیا جائے گا وہ حضرت حمزہ کی تاک میں تھا جیسے ہی حضرت حمزہ
اس کے نشانہ کی زد پر آئے اس نے حربہ (لیک چھوڑا نیزہ) پھینک کر مارا جو آپ کی ناف میں لگا اور پار ہو گیا، حضرت
حمزہ لڑکھڑاکر گر گئے اور روح پرواز کر گئی۔

جگ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا، حضرت علی اور حضرت ابو جہلہ کے حملوں کی وجہ سے دشمن کی فوج کے پاؤں
اکھڑ گئے، انہوں نے بدحواسی سے پیچھے ہٹنا شروع کیا میدان صاف ہو گیا تو مسلمانوں نے مال غنیمت لوٹنا شروع

کر دیا اور جو تیر انداز احمد کی پشت پر منقر کیے گئے تھے وہ مال قیمت کی طرف پکے، حضرت عبداللہ بن جبیر نے ان کو بہت منع کیا لیکن وہ نہ مانے۔ تیر اندازوں کی غالی جگہ دیکھ کر خالد نے عقب سے حملہ کیا، حضرت عبداللہ بن جبیر چند جاثاروں کے ساتھ جم کر لڑے لیکن سب کے سب شہید ہو گئے، اب راستہ صاف تھا، مسلمان مال لوٹنے میں مصروف تھے کہ اچانک ان کے سروں پر تلواریں برسے، بدحواسی میں مسلمان خود ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے گئے، حضرت مصعب بن عمیر جو علمبردار تھے وہ شہید کر دیے گئے اور یہ شریح گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے، اس افواہ سے اور بھی ابتری پھیل گئی اور مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ۱۷

سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک نے آپ کو دیکھا چہرہ انور پر منقر تھا لیکن آنکھیں دکھائی دیتی تھیں انھوں نے پہچان کر پکارا "مسلمان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ہیں یہ سن کر ہر طرف سے جاثار ٹوٹ پڑے کفار نے بھی اب ہر طرف سے ہٹ کر اسی رخ پر زور دیا۔ ایک دفعہ کفار نے ہتھ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون مجھ پر جان دیتا ہے؟ زیاد بن سکن پانچ انصاری ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھے اور ایک ایک کر کے سب نے آپ پر اپنی جانیں نذر کر دیں۔ ۱۸

عبداللہ بن قتیہ نام کا ایک شقی صفوں کو چیتا ہوا آگے بڑھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر تلوار ماری اس کی چوٹ سے منقر کی دو کڑیاں چہرہ انور میں چھو گئیں، چاروں طرف سے تلواریں اور تیر برس رہے تھے، یہ دیکھ کر جاثاروں نے آپ کو دائرہ میں لے لیا، حضرت ابو جہاد آپ کی ڈھال بن گئے آپ جو تیر بھی آتا تھا ان کی پیٹھ پر لگتا تھا، حضرت طلحہ آپ کی مدافعت میں تلواروں کو روک رہے تھے اسی عالم میں ان کا ایک ہاتھ ناکارہ ہو گیا، جس وقت دشمن آپ پر تیروں کی بارش کر رہا تھا آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل رہے تھے "اللھم اھل القومۃ فانھم ۲ یعلمون" "اے اللہ میری قوم کو بخش دے وہ بے علم ہیں۔ ۱۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت قدمی کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے، کیونکہ دشمن اس طرف نہیں جاسکتا تھا، ابوسفیان نے دیکھ لیا قریح لے کر پہاڑی پر چڑھا لیکن حضرت عمر اور چند صحابہ نے پتھر برسائے جس کی وجہ سے وہ آگے نہ بڑھ سکا۔

قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا ان کے ناک، کان کاٹ لیے ہند نے ان پریدہ اعضاء کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈالا، حضرت حمزہ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے ان کا لیچہ نکالا اور جاگتی لیکن گلے سے دھاتر سکا اس لیے اگل دینا پڑا۔

جنگ اُحد میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد میں اختلاف ہے صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ اُحد میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور ان میں انصار کی تعداد بہت زیادہ تھی، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق نے بیسیٹھ شہداء کا شمار کیا ہے جس میں سے چار مہاجر تھے اور باقی انصار تھے، حضرت

۱۷۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۲، ص ۳۴۷، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

۱۸۔ علامہ محمد عبد الباقی زرقانی ناکی متوفی ۱۱۳۲ھ، شرح المواہب اللدنیہ ج ۲ ص ۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۲ھ

۱۹۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۲، ص ۳۴۳، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

مزمزہ حضرت عبداللہ بن جحش، حضرت شماس بن عثمان اور حضرت مصعب بن عمیر۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے دانت کا ٹکڑا گر گیا تھا اور پورا دانت نہیں نکلا تھا۔ ۲۵

بَابُ اشْتِدَادِ غَضَبِ اللَّهِ عَلَى مَنْ قَتَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اس پر غضب الہی کا نازل ہونا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس قوم
پر سخت غضب ناک ہو گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ ایسا کسے دراکں جائیکہ وہ اپنے دانت کی طرف
اشارہ فرما رہے تھے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر سخت غضب ناک ہوتا ہے
جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راہِ خدا میں قتل کر دیں۔

۴۵۳۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا
عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَنَافٍ بْنِ
مُنِيَّةٍ قَالَ هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كَرَّرَ
أَحَادِيثَ مِنْهَا وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى
قَوْمٍ قَعَلُوا هَذَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي عِيْتَابٍ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَنِيْدٌ كُشَيْرِيُّ رَأَى عِيْتَابَ
وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى رَجُلٍ يَقْتُلُهُ رَسُولُ
اللَّهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَنِّي وَجَلَّ

(ف) راہِ خدا کی قید کے ساتھ ان سے احتراز کیا ہے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قتل کریں۔

بَابُ مَا لَقِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَشْرُكُونَ أَوْ مُنَافِقُونَ كِيَّنَ وَالْمُنَافِقِينَ
مشرکوں اور منافقوں کی طرف سے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو جوڑ کا۔ پانچویں

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ
رہے تھے اہل الجہل اور اس کے ساتھی
نیٹھے برسٹے تھے اور ایک دن پہلے ایک دشمنی ذبح

۴۵۳۴۔ وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ
مُحَمَّدٍ بْنِ أَبِيانٍ الْجُعْفِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ
يَعْنِي ابْنَ سُلَيْمَانَ عَنْ نَكْرِيَاءَ عَنْ أَبِي
إِسْحَاقَ عَنْ عُمَرَ وَبْنِ مَيْمُونٍ الْأَوْدِيِّ عَنِ

۲۵۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۴، ص ۳۵، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۲۱ھ

۲۶۔ فتح الباری ج ۴، ص ۳۶۲،

ابْنُ مَسْعُودٍ قَالَ بَيْنَمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عِنْدَ الْبَيْتِ وَأَبُو جَهْلٍ وَاصْبَابٌ لَهُ جُلُوسٌ وَقَدْ نَحَرَتْ جُرُومُهُ بِالْأُمْسِ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ أَتَيْكُمْ يَقُومُ إِلَى سَلَا جُرُودِ رَبِّنِي فَلَا يَنْفِيَا خُذْهُ فَيَضَعُهُ فِي كَهْفِي مُحْتَبِدًا إِذَا سَجَدَ فَأَنْبَعَثَ أَشَقَى الْقَوْمِ فَآخَذَهُ فَلَمَّا سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ بَيْنَ كَتِفَيْهِ قَالَ فَاسْتَضَحَكُوا وَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَمِيلُ عَلَى بَعْضٍ وَأَنَا قَائِمٌ أَنْظُرُوا لَوْ كَانَتْ لِي مَنَعَةٌ طَرَحْتُهُ عَنْ ظَهْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا مَا يَرَفَعُ رَأْسَهُ حَتَّى انْطَلَقَ إِنْسَانٌ فَأَخْبَرَ فَاطِمَةَ فَجَاءَتْ وَهِيَ جُورِيَّةٌ فَطَرَحَتْهُ عَنْهُ ثُمَّ أَقْبَلَتْ عَلَيْهِمْ فَكَشَتْهُمْ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ رَفَعَ صَوْتَهُ ثُمَّ دَعَا عَلَيْهِمْ وَكَانَ إِذَا دَعَا عَادَهَا فَمَلَا إِذَا دَامَا سَالَ سَالَ فَلَمَّا ثَمَّ قَالَ اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِقَرَيْشٍ قَلِيلٍ مَرَاتٍ فَلَمَّا سَمِعُوا صَوْتَهُ ذَهَبَ عَنْهُمْ الصَّخْلُ وَخَافُوا دَعْوَتَهُ ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ عَلَيْكَ يَا بَنِي جَهْلٍ بَنِي هِشَامٍ وَعُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ وَكِنَانَةَ بْنِ رَبِيعَةَ وَالْأَوْلِيَاءُ بَنِي عَقْبَةَ وَآمِيَةَ بَنِي خَلْفٍ وَعُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ وَذَكَرَ النَّسَابَةَ وَلَمْ أَحْظَ قَوْلَ الَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا لِحَقِّ لَقَدْ سَأَلْتُ الَّذِي سَأَلْتُ صَدَّقِي يَوْمَ يَدْرَأُ ثُمَّ مَضَى إِلَى الْقَلْبِ قَلْبِ بَدْرٍ قَالَ أَبُو سَخَقٍ الْأَوْلِيَاءُ بَنِي عَقْبَةَ غَلَطَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ

ہوئی تھی ابو جہل نے کہا تم میں سے کوئی شخص جا کر فلاں محلہ سے اور مثنیٰ کی اوجھ سے اُسے اور حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدہ میں جائیں تو اس کو ان کے کندھوں پر رکھ دے، قلم کا سب سے بد بخت شخص (عقبة بن ابی معیط) اٹھا اور حبیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو اس نے اس اوجھ کو آپ کے کندھوں پر رکھ دیا۔ پھر وہ آپس میں مذاق کرتے اور ہنستے ہوئے ایک دوسرے پر گرجتے۔ میں کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا کاشش مجھ میں اتنی طاقت ہوتی کہ میں اس اوجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت سے اٹھا کر پھینک دیتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں رہے اور اپنا سر نہیں اٹھایا، حتیٰ کہ ایک شخص نے جا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتایا، حضرت فاطمہ نے وہ اوجھ اٹھا کر آپ کی پشت سے پھینک دیا، حالانکہ اس وقت آپ کم سن بچی تھیں، پھر آپ نے ان لوگوں کی طرف منہ کر کے بڑا بجلا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ناز مکمل کر لی تو آپ نے باؤں پر بلند ان کے غلام دعا کی، آپ جب بھی دعا کرتے تھے قرین مرتبہ دعا کرتے تھے، پھر آپ نے تین مرتبہ فرمایا اے اللہ! قریش پر گرفت فرما، جب قریش نے آپ کی آواز سنی تو ان کی ہنسی ماتی رہی اور وہ آپ کی دعا سے خوف زدہ ہو گئے، پھر آپ نے دعا کی اے اللہ! ابو جہل بن ہشام کی گرفت فرما اور عقبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عقبہ اور اسید بن علفہ اور عقبہ بن ابی معیط کی گرفت فرما، راوی کہتے ہیں کہ حضور نے ساتویں شخص کا نام بھی لیا تھا لیکن وہ مجھے یاد نہیں رہا، سر قسم اس ذات کا جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں نے جگہ بدر کے دن دیکھا کہ جن جن کا نام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرفت کی دعا کی تھی وہ سب بدر کے کوئٹہ میں اوندھے پڑے تھے، ابو اسحاق نے کہا ولید بن عقبہ کے نام میں راوی نے غلطی کی ہے (صحیح ولید بن عقبہ ہے)۔

۴۵۳۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَ مُحَمَّدُ بْنُ بَقَّارٍ وَ اللَّفْظُ لَابْنِ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا إِسْحَقٍ يُحَدِّثُ عَنْ عُمَرَ وَ بْنِ مَيْمُونٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ بَيْنَمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا وَ حَوْلَهُ نَاسٌ مِنْ قُرَيْشٍ إِذْ جَاءَ عُقْبَةُ بْنُ أَبِي مُعَيْطٍ بِسَلَا جَرُودٍ فَقَدَفَهُ عَلَى ظَهْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَذْفَعْهُ رَأْسُهُ فَجَاءَتْ فَاطِمَةُ فَاخْذَلَتْهُ عَنْ ظَهْرِهِ وَ دَعَتْ عَلَى مَنْ صَنَعَ ذَلِكَ فَقَالَ اللَّهُمَّ عَلَيْكَ الْمَلَأُ مِنْ قُرَيْشٍ أَبَا جَهْلٍ بْنُ هِشَامٍ وَ عُقْبَةُ بْنُ رَيْثَةَ وَ عُقْبَةُ بْنُ أَبِي مُعَيْطٍ وَ شَيْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ وَ أُمَيَّةَ بْنَ خَلْفٍ إِذْ أَبَى بْنُ خَلْفٍ شُعْبَةُ الْقَالِقُ قَالَ فَلَقَدْ رَأَيْتُهُمْ قَاتِلُوا يَوْمَ بَدْرٍ فَالْقُوا فِي يَدِّهِ غَيْرَ أَنْ أُمَيَّةَ أَوْ أَبِيًّا لَقِطَعَتْ أَوْ صَالَهُ فَلَمْ يَلْقَ فِي الْبَدْرِ

۴۵۳۶ - وَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَقٍ بِهَذَا الْإِسْنَاءِ وَ نَحْوَهُ وَ تَرَادَوْا وَ كَانَ يَسْتَحِبُّ قَلَانًا يَقُولُ اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ قَلَانًا وَ ذَكَرَ فِيهِمُ الْوَلِيدُ بْنُ عُكْبَةَ وَ أُمَيَّةَ بْنَ خَلْفٍ وَ لَمْ يَشْكُ قَالَ أَبُو إِسْحَقٍ وَ تَبَيَّنَ النَّبِيُّ

۴۵۳۷ - وَ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ أَحْمَرَ حَدَّثَنَا دُهَيْرُ بْنُ أَبِي إِسْحَقٍ عَنْ عُمَرَ وَ بْنِ مَيْمُونٍ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تھے اہل آپ کے گرد قریش بیٹھے ہوئے تھے، اہل آپ عقبہ بن ابی معیط اور عقیل بن ابی جہل کے پاس آیا اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر بھینک دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے سے سر نہ اٹھایا۔ پھر حضرت سیدہ فاطمہ نے اس کو آہٹ کیا آپ کی پشت سے اٹھایا اور ان لوگوں کو بد دعا دی پھر نبی کریم کی حرکت کی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعا کی اور فرمایا: اے اللہ! قریش کی جماعت پر گرفت فرما! ابو جہل بن ہشام، عقبہ بن ربیعہ، عقبہ بن ابی معیط، شیبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف یا ابی بن خلف کی گرفت فرما (شک ہے) حضرت ابن مسعود کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ یہ سب جنگ بدر کے دن قتل کیے گئے اور ان کو وادی بدر کے کنوئیں میں ڈال دیا گیا، البتہ امیہ بن خلف یا ابی بن خلف کو کنوئیں میں نہیں ڈالا گیا کیونکہ اس کے جوڑے جوڑکٹ چکے تھے۔

امام مسلم نے اس حدیث کو ایک اور سند سے روایت کیا ہے اس میں یہ اضافہ ہے کہ آپ تین مرتبہ دعا کرنے کو پسند فرماتے تھے، اور آپ نے تین مرتبہ فرمایا، اے اللہ! قریش کی گرفت فرما، اے اللہ! قریش کی گرفت فرما، اے اللہ! قریش کی گرفت فرما اور اس میں ولید بن عقبہ اور امیہ بن خلف کا ذکر ہے اور وادی بدر کے شک کا ذکر نہیں ہے، ابواسحاق کہتے ہیں کہ میں ساتویں شخص کا نام بھول گیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کی طرف منہ کر کے قریش کے چار آدمیوں کے خلاف دعا کی، ان میں ابو جہل، امیہ بن

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ اسْتَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَ فَدَعَا عَلَى سِتْرٍ نَفَرٍ مِنْ قُرَيْشٍ فِيهِمْ أَبُو جَهْلٍ وَ أُمَيَّةُ بْنُ خَلْفٍ وَعُتْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ وَ شَيْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ وَ عُقْبَةُ بْنُ أَبِي مُعَيْطٍ فَأَقْسَمَ بِاللَّهِ لَقَدْ رَأَيْتُهُمْ صَرَّحِي عَلَى بَدَنِ قَدْ غَيَّرْتُهِمُ الشَّمْسُ وَ كَانَ يَوْمًا حَافِرًا -

۳۸ ۲۵ - وَ حَدَّثَنِي أَبُو الْقَاضِي أَحْمَدُ بْنُ عَمْرٍو بْنِ سَرْجٍ وَ حَزْمَةُ بْنُ يَحْيَى وَ عَمْرُو بْنُ سَوَادٍ الْعَامِرِيُّ وَ الْفَاظُ لَهُمْ مُتَقَارِبَةً قَالُوا حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُمَرُو بْنُ الرَّبِيعِ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا رَأَتْ رَجُلًا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ وَ قَالَ لَهَا هَلْ أَتَى عَلَيْكَ يَوْمٌ كَانَ أَشَدَّ مِنْ يَوْمٍ أُحُدٍ فَقَالَتْ لَقَدْ لَقِيتُ مِنْ قَوْمِكَ وَ كَانَ أَشَدَّ مَا لَقِيتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعَقَبَةِ إِذْ غَرَضْتُ نَفْسِي عَلَى ابْنِ عَبْدِ يَالِيلِ بْنِ عَبْدِ كَلَالٍ فَلَمْ يُجِبْنِي إِلَى مَا أَرَدْتُ فَانْطَلَقْتُ وَ أَنَا مَهْمُومَةٌ عَلَى وَجْهِ فَلَمْ أَتَفِقْ إِلَّا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ فَزَفَعْتُ رَأْسِي فَإِذَا أَنَا بِسُكَاكِينٍ قَدْ أَظْلَمَنِي فَتَنَظَّرْتُ فَإِذَا فِيهَا جُبْرَيْلُ فَنَادَانِي فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَ جَلَّ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ وَ مَا رَدُّوا عَلَيْكَ وَ قَدْ بَعَثَ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِيَتَأَمَّرَ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ قَالَ فَكَانَ فِي مَلَكَ الْجِبَالِ وَ هَلَمْ

مقدم بن ربیع، خیم بن ربیع اور عقبہ بن ابی معیط تھے، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، میں نے ان سب کو بدر کے کنوئیں میں اوندھے پڑے ہوئے دیکھا، دھوپ کی شدت سے ان کے رنگ متغیر ہو گئے تھے اور وہ سخت گرم دن تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ پر کوئی ایسا دن آیا جو جنگ اُحد سے زیادہ شدید تھا؟ آپ نے فرمایا مجھے تمہاری قوم سے بہت زیادہ تکلیف پہنچی اور سب سے شدید تکلیف وہ تھی جو مجھے یرم عقبہ کو پہنچی، جب میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال پر پیش کیا (یعنی اس کو دعوت اسلام دی) لیکن اس نے وہ چیز قبول نہیں کی جو میں چاہتا تھا پس میں غزوہ ہجرہ واپس چلا آیا اور قرن ثانی پر پہنچ کر مجھے افاتہ ہوا، اہل مکہ میں نے سراٹھا کر دیکھا تو مجھ پر ایک بادل نے سایہ کیا ہوا تھا، میں نے دیکھا اس میں جبرائیل تھے انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا آپ نے اپنی قوم سے جو کچھ کہا تھا وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا اور جو انہوں نے آپ کو جواب دیا وہ بھی سن لیا، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تاکہ آپ اس کو ان کفار کے متعلق جو باتیں حکم کر رہے ہیں انہوں نے فرمایا پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے مجھے آواز دی اور مجھے سلام کیا پھر کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا جواب سن لیا اور میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں اور مجھے آپ کے رب نے آپ کے پاس اس لیے بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے جو باتیں حکم دیں اگر آپ چاہیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو ان پر بچھا دوں، رسول اللہ

عَلَيْكُمْ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللَّهَ قَدْ سَمِعَ
قَوْلَ قَوْمِكَ وَأَنَا مَلِكُ الْجِبَالِ وَقَدْ
بَعَثَنِي رَبُّكَ إِلَيْكَ لِنَأْمُرَ بِأَمْرِكَ فَمَا
سَمِعْتَ إِنْ شِئْتَ أَنْ أُطِيقَ عَلَيْهُمْ
الْأَخْشَبِينَ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ أَرْجُوا أَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ مِنْ
أَصْلَابِهِمْ مَنْ يُعْبُدُ اللَّهَ وَحْدَهُ لَا
يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا -

۴۵۳۹ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَفُتَيْبَةُ
بْنُ سَعِيدٍ كِلَاهُمَا عَنْ أَبِي عَوَانَةَ قَالَ
يَحْيَى أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ
قَيْسٍ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ سَفْيَانَ قَالَ دَرَسْتُ
إِصْبَعَهُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فِي بَعْضِ يَدَيْهِ الْمَضَاهِدِ فَقَالَ -

هَلْ أَنْتَ إِلَّا إِصْبَعُهُ دَرَسْتُ

وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيتُ

۴۵۴۰ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي
شَيْبَةَ وَاسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ
عَبَّاسٍ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ
وَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فِي غَارٍ لَكَيْتُ إِصْبَعَهُ -

۴۵۴۱ - حَدَّثَنَا اسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ
أَخْبَرَنَا سَفْيَانُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ أَنَّ
مِعْمَةَ جُنْدُبًا يَقُولُ أَبْطَأَ حَبِيبُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ
قَدْ دَسَّ مُحَمَّدٌ فَأَنْزَلَ اللَّهُ هَذَا وَجَلَّ وَ
الصُّلْحَى وَاللَّيْلُ إِذَا صَبَحَ مَا وَدَّ عَلَيْكَ مَا بَلَكَ
وَمَا قُلَى -

۴۵۴۲ - حَدَّثَنَا اسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ مجھے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی
پیشگوئی سے ان لوگوں کو پیدا کرے گا جو مرتد اللہ کی عبادت
کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

حضرت جندب بن علی بن رضی اللہ عنہ بیان کرتے
ہیں کہ کسی جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی
خون آلود ہو گئی، آپ نے فرمایا: تو ایک انگلی ہے جو خون
آلود ہو گئی ہے اور تو نے جو تکلیف اٹھائی ہے وہ
اللہ کی راہ میں اٹھائی ہے۔

ایک اور سند سے یہ روایت ہے اس میں
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لشکر میں تھے اور
دلوں آپ کی انگلی زخمی ہو گئی تھی۔

حضرت جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک
مرتد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرائیل کے
آنے میں تاخیر ہو گئی، مشرکین کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کو چھوڑ دیا کیاتہا اللہ عز وجل نے یہ آیت نازل
کی (ترجمہ) قسم ہے روز روشن کی، اور قسم ہے رات کی جب
وہ اپنے گیسو پھیلا لے (اسے نبی) تمہارے رب نے
تم کو ہر گز نہیں چھوڑا اور وہ ناراض ہوا۔

حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے

وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ رَافِعٍ قَالَ
إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا وَقَالَ ابْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا
يَحْيَى بْنُ أَدَمَ حَدَّثَنَا عَنْ هَمْدَانَ بْنِ
بْنِ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ جُحْدَابَ بْنَ سَفْيَانَ
يَقُولُ اشْتَكَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا فَجَاءَهُ شُرُ
امُتًا ۖ فَقَالَتْ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي لَا رُجُؤَ إِنَّ
تَيْكُونُ شَيْطَانُكَ قَدْ تَرَكَكَ تَرَادَهُ قَرِيبُكَ
مِنْهُ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثٍ قَالَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ
عَزَّ وَجَلَّ وَالصُّحُفِ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى مَا
وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى -

(ف) : یہ بد بخت عورت ابولہب کی بیوی تھی۔

۴۵۴۳ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالُوا حَدَّثَنَا
مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ بْنِ جَعْفَرٍ
إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا الْمَدَائِيُّ حَدَّثَنَا
سُفْيَانُ بْنُ كِلَابٍ عَنْ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ
بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَنَحْوِهِ خِلَافَهُمَا -

۴۵۴۴ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ
الْحَنْظَلِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُسَيْنٍ
وَاللَّفْظُ لِابْنِ رَافِعٍ قَالَ ابْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا
وَقَالَ الْأَخْوَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا
مَعْمَرُ بْنُ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ أَسَامَةَ
بْنَ زَيْدٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ رَكِبَ حِمَارًا عَلَيْهِ إِكْفٌ تَحْتَهُ
قِطِيفَةٌ فَدَكَّ كَيْسَهُ وَارْدَفَ وَرَأَى أَسَامَةَ
وَهُوَ يَعُودُ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ فِي بَنِي الْحَارِثِ
ابْنِ الْخَزْزَارِ وَذَلِكَ قَبْلَ وَقْعَةِ بَدْرٍ حَتَّى
مَرَّ بِمَجْلِسٍ فِينَا أَخْلَاطُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ

یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور دو یا تین
راتیں اٹھ نہیں سکے تو ایک عورت نے آکر کہا: اے محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے یہ امید ہے کہ تمہارے شیطان نے
تمہیں چھوڑ دیا کیونکہ وہ دو یا تین راتوں سے تمہارے پاس
نہیں آیا اب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی بدترجہ:
قسم ہے روز روشن کی، اللہ قسم ہے رات کی جب وہ اپنے
گیسو دراز کر لے! اے محبوب! تمہارے رب نے
تم کو مرگزا نہیں چھوڑا اور نہ وہ نابالغ ہوا۔

امام مسلم نے اس حدیث کی دو احادیثیں بیان کی
ہیں۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دراز گوش
پر سوار ہوئے جس پر پالان تھا اور اس کے نیچے نذک کی ایک
چادر تھی، آپ کے پیچھے حضرت اسامہ بیٹھے ہوئے
تھے، آپ قبیلہ بنی حارث بن خزرج میں حضرت سعد بن عباد
کی عبادت کے لیے جا رہے تھے، یہ واقعہ جنگ بدر
سے پہلے کا ہے، آپ راستہ میں ایک ایسی جگہ سے
گزرے جہاں مسلمان، بت پرست لوگ اور یہودی
بیٹھے ہوئے تھے، ان میں عبداللہ بن ابی اور عبداللہ بن رواحہ
بھی بیٹھے ہوئے تھے جب اس مجلس میں اس سوار کی
گرد و پیشی تو عبداللہ بن ابی نے چادر سے اپنی ناک

وَالْمُشْرِكِينَ عَبْدَهُ الْأَوْثَانِ وَالْيَهُودَ
فِيهِمْ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي قُرَيْشٍ الْمَجْلِسِ عَبْدُ
اللَّهِ ابْنُ رَوَاحَةَ فَلَمَّا غَشِيَتْ الْمَجْلِسَ
هَجَّاجَةُ الدَّائِمَةِ نَحْمَرُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي
أَنفَعُ يَرِدَ آيَهُ ثُمَّ قَالَ لَا تُغَيِّرُوا عَلَيْنَا
فَسَلَّمْ عَلَيْهُمْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
ثُمَّ وَقَفَ فَتَنَزَّلَ فَهَاجَهُمْ إِلَى اللَّهِ وَفَرَأَ
عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ أَنْ هَاقَال عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ أَبِي
أَيُّهَا الْمَرْءُ لَا أَحْسَنَ مِنْ هَذَا إِنْ كَانَ مَا
تَقُولُ حَقًّا فَلَا تُؤْذِنَا فِي مَجَالِسِنَا وَارْجِعْ
إِلَى دَحْلِكَ فَمَنْ جَاءَكَ مِتَّافًا فَصُصْ عَلَيْهِ
فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ رَوَاحَةَ أَغَشَيْنَا فِي
مَجَالِسِنَا فَإِنَّا نَحِبُ ذَلِكَ قَالَ فَاسْتَبَدَّ
الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْيَهُودُ حَتَّى هَمُّوا
أَنْ يَتَوَاتَبُوا فَلَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَفِّضُهُمْ ثُمَّ رَكِبَ دَابَّتَهُ
حَتَّى دَخَلَ عَلَى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ أَيْ
سَعْدُ أَلَمْ تَسْمَعْ إِلَى مَا قَالَ أَبُو حَبَابٍ
يُؤَيِّدُ عَبْدَ اللَّهِ بْنُ أَبِي قَالِ كَذَا وَكَذَا قَالَ أَعَفُ
عَنْهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَاصْفَحْ فَوَاللَّهِ لَقَدْ
أَعْطَاكَ اللَّهُ الَّذِي أَعْطَاكَ وَلَقَدْ اضْطَلَمَ
أَهْلُ هَذِهِ الْبَحِيرَةِ أَنْ يَتَوَجَّهُوا فَيُعْصِبُوا
يَا لِعَصَا بِنَا فَلَمَّا رَدَّ اللَّهُ ذَلِكَ بِالْحَقِّ الَّذِي
أَعْطَاكَ شَرِّقَ بِذَلِكَ فَذَلِكَ فَعَلَّ بِهَا
مَا أَرَيْتَ فَعَفَا عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۴۵۴۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا
حُجَّانُ بْنُ يَحْيَى ابْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا كَيْسُ عَنْ
عُقَيْلٍ عَنْ ابْنِ شَهَابٍ فِي هَذَا الْأَمْرِ بِشَيْلِ

دُحَانِ لِي، اور کہنے لگا: ہم پر گرد نہ اڑاؤ! نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے ان کو سلام کیا، پھر ٹھہر گئے، آپ سواری سے
اترے اور ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور ان پر
قرآن مجید کی تلاوت کی، عبد اللہ بن ابی نے کہا: اسے شخص!
اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں ہے کہ اگر جو کچھ تم کہہ رہے
ہو وہ سچ ہے، تب بھی ہم کو ہماری مجلس میں اگر تکلیف نہ
پہنچاؤ اور اپنے گروہ و پس منٹ جاؤ اور ہم میں سے جو شخص تمہارے پاس آئے اس کو
دھمکے و سختی عبد اللہ بن رواحہ نے کہا آپ ہماری مجلس میں بیٹھیں ہم اس کو پسند کرتے ہیں،
پھر مسلمان، یہود اور بت پرست ایک دوسرے کو برا بھلا
کہنے لگے اور ایک دوسرے پر حملے کے لیے تیار ہو گئے،
نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مسلسل ٹھنڈا کرتے رہے پھر
آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہ کے
پاس گئے اور فرمایا: اسے سعد کیا تم نے نہیں سنا کہ ابو حباب
یعنی عبد اللہ بن ابی نے کیا کہا ہے؟ حضرت سعد نے کہا
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو معاف کیجئے اور اس سے
دور گزر کیجئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو مرتبہ دیا
ہے سو ریلے ہے، اس شہر کے لوگوں نے یہ سنے کہ یہ آیا تھا
کہ اس کو تاج پہنائیں گے اور اس کے سر پر بادشاہت
کا عمامہ باندھیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے
سلسلہ مبعوث کر کے اور آپ کو مرتبہ دے کر اس کو مسترد
کر دیا اس وجہ سے یہ جل گیا اور جو کچھ آپ نے دیکھا
ہے اس کا سبب یہی ہے، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
اس سے دور گزر کر لیا۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت منقول ہے اور
اس میں یہ اضافہ ہے کہ اس وقت تک عبد اللہ بن ابی نے
اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

وَمَا آدَا ذَلِكَ قَبْلَ أَنْ يُسْلِمَ
عَبْدُ اللَّهِ -

۴۵۲۶ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى
الْقَيْسِيُّ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ
أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قِيلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَاتَيْتَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي
قَالٍ فَأَنْطَلَقَ إِلَيْهِ وَكَكَبَ حِمَارًا وَأَنْطَلَقَ
الْمُسْلِمُونَ وَهِيَ أَرْضُ سَبْعَةٍ فَلَمَّا آتَاهُ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِلَيْكَ
عَتِّيَ فَوَاللَّهِ لَقَدْ آذَانِي نَتْنُ حِمَارِكَ
قَالَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ وَاللَّهُ
لِحِمَارِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَطْيَبَ رِيحًا مِنْكَ قَالَ فَغَضِبَ لِعَبْدِ
اللَّهِ رَجُلٌ مِّنْ قَوْمِهِ قَالَ فَغَضِبَ لِكُلِّ
وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَضْحَابُهُ قَالَ فَكَانَ
بَيْنَهُمْ ضَرْبٌ بِالْجَرِيدِ وَبِالْأَيْدِي وَ
بِالْقَمَالِ قَالَ فَلَمَّا آتَاهَا تَزَلَّتْ فِيهِمْ وَإِنْ
طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَظْلَمُوا
بَيْنَهُمَا -

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے
ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ کاش آپ عبد اللہ
بن ابی کے پاس (دعوت اسلام کے لیے) تشریف لے جائیں
نبی صلی اللہ علیہ وسلم دراز گوش پر سوار ہو کر اس کی طرف
گئے اور مسلمان بھی آپ کے ساتھ گئے، وہ زمین شور
رالی تھی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس پہنچے
تو وہ کہنے لگا: ایک طرف ہو، بخدا تمہارے گدھے
کا برس مجھے اذیت ہو رہی ہے، ایک انصاری نے کہا
بھڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گدھے کی بوتم سے
زیادہ خوشبودار ہے، اس پر عبد اللہ بن ابی کی قوم کا ایک
شخص غضب ناک ہو گیا، پھر ہر طرف کے لوگ غصہ میں آ
گئے اور وہ انتھوں پھڑپھڑوں اور جوتوں کے ساتھ ایک دوسرے سے لڑنے
لگے۔ راوی کہتے ہیں اور ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ ان کے بارے
میں یہ آیت نازل ہوئی: (ترجمہ) اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں
اپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔

اس باب کی حدیث نمبر ۴۵۲۶ میں ہے: بشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر
لفظ "سلی" کی تحقیق

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی سلی کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وہ باربک کھال جس میں انسان یا جانور کا بچہ لپٹا
ہوا ہوتا ہے اس کو "سلی" کہتے ہیں جس وقت بچہ پیدا
ہوتا ہے اس وقت اس کھال کو اگر بچہ کے منہ سے ہٹا
دیا جائے تو فیہا درد اس کھال کی وجہ سے بچہ مر جاتا ہے
اسی طرح اگر ماں کے پیٹ میں یہ کھال پھٹ جائے تو
بچہ مر جاتا ہے اور جب یہ کھال نکال لی جائے تو
اور اس کا بچہ دونوں سلامت رہتے ہیں، اور اگر اوٹنی

السلی جلد لا رقیقۃ یکون فیہا الولد من
الناس والنمواشی ان تزعت عن وجه النضیل
ساعة یولد والاقتلتہ وکذلک اذا انقطع السلی
فی البطن فاذا خرج السلی سلمت الناقة وسلم
الولد وان انقطع فی بطنها هکت وھلکت
الولد هکت اذکذا الجوھری الا انه خصص بالنمواشی
کالانھری والمشیمة للناس وھما بن سیدہ

وتبعه المصنف ۱۰

کے پیٹ میں یہ کھال کٹ یا پھٹ جائے تو مال اور بچے دونوں ہلاک ہو جاتے ہیں، علامہ جوہری نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے البتہ علامہ جوہری اور ازہری نے سلی کو موشیوں کے ساتھ مختص کیا ہے اور مشیمہ کو انسانوں کے ساتھ خاص کیا ہے اور علامہ ابن سید نے اس کو عام قرار دیا ہے اور مصنف بھی انہیں کے تابع ہے۔

علامہ نووی، علامہ ابی مالکی، علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدرالدین عینی نے بھی "سلی" کا یہی معنی بیان کیا ہے۔ اردو میں "سلی" کو جیلی کہتے ہیں، لیکن قرآن سے یہ متین ہے کہ یہاں سلی سے بھانٹا اور جھڑی مراد ہے، کیونکہ مشرکین کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت اور تکلیف پہنچانا تھا اور جیلی اس قدر ضعیف اور باریک ہوتی ہے کہ اس کو پشت پر رکھنے میں کوئی ضرر اور تکلیف نہیں ہوتی، ثانیاً حدیث میں ہے کہ جب مشرکین نے آپ کی پشت پر سلی رکھ دی تو آپ نے سجدہ سے سر نہیں اٹھایا تا وہ ٹھیکہ حضرت فاطمہ نے آکر اس کو آپ کی پشت سے اٹھا نہیں دیا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ سلی کوئی بھاری اور وزنی چیز تھی سو اس سے بھی متین ہو گیا کہ وہ جیلی نہیں بلکہ اونٹنی کی ادھر تھی، ثانیاً علامہ نووی علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی اور دیگر شارحین نے سلی کے رکھنے سے جو مسائل مستنبط کیے ہیں اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ادھر تھی، علامہ نووی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ جب آپ کی پشت پر نجاست رکھ دی گئی تو پھر آپ کس طرح بدستور نماز پڑھتے رہے؟ قاضی عیاض مالکی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ نجس نہیں تھی کیونکہ گوبر اور بدن کی رطوبت دونوں پاک ہیں، ہا پاک تو موت خون ہے (علامہ نووی لکھتے ہیں) یہ جواب صرف امام مالک اور ابن کے موافقین کے مذہب پر صحیح ہے، کیونکہ ان کے نزدیک جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کی لید بھی پاک ہے اور امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور دوسرے فقہاء کے نزدیک لید نجس ہے اور قاضی عیاض نے جو یہ جواب ذکر کیا ہے یہ باطل ہے کیونکہ سلی نجاست کو متضمن ہے کیونکہ اس سے عاۃ خون علیحدہ نہیں ہوتا، نیز وہ بت پرستوں کا ذبیحہ تھا اس لیے "سلی" بھی نجس تھی اور اس کا گوشت بھی نجس تھا اور اس کے تمام اجزاء نجس تھے، صحیح جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نہیں تھا آپ کی پشت پر کیا چیز رکھی گئی ہے اس لیے آپ نے طہارت سابقہ کے حکم کو باقی رکھا، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ نماز فرض تھی یا نہیں اور اس کا اعادہ واجب تھا یا نہیں اور اگر اس کا اعادہ واجب تھا تو وقت میں بہر حال گنجائش تھی۔ ۱۱

۱۰۔ علامہ سید محمد رفیع حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج الروس شرح القاموس ج ۱ ص ۱۸۲، مطبوعہ المطبعة الخیر یہ مصر، ۱۳۰۶ھ

۱۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۹ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۰۸، مطبوعہ نور محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۱۲۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلف وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المسلم ج ۵ ص ۱۲۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱ ص ۳۵۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور

۱۴۔ حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۷۲، مطبوعہ ادارة الطباعة المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

۱۵۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۹ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۰۸، مطبوعہ نور محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ حلال جانوروں کا گوشت پاک ہے، اور اس استدلال کو مسترد کر دیا گیا ہے کہ سلی میں مرنے والے کو برہنہ بھی تھا بلکہ خون بھی تھا جیسا کہ اسرائیلی کی روایت میں ہے اور خون بالاتفاق نجس ہے، اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ گوشت اور خون سلی کے اندر تھا اور سلی کی ظاہری جلد پاک تھی لیکن یہ جواب اس لیے مردود ہے کہ یہ فرضی بہر حال بت پرستوں کا ذبیحہ تھی اور مردہ تھی اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ واقعہ مردہ کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے لیکن یہ جواب اس لیے صحیح نہیں کہ بغیر تاریخی ثبوت کے صرف احتمال سے یہ نہیں کہا جاسکتا اور اس اشکال کا صحیح جواب وہی ہے جو علامہ نووی نے بیان کیا ہے کہ سلی رکھے جانے کے باوجود آپ بدستور نماز میں اس لیے مشغول رہے کہ آپ کو یہ علم نہیں تھا کہ آپ کی پشت پر کیا رکھا گیا اور آپ نے استصحاب حال کے اعتبار سے طہارت سابقہ کے حکم کو باقی رکھا۔

علامہ بدر الدین عینی نے اس تمام بحث کو نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ سلی گوشت وغیرہ کی وجہ سے ناپاک تھی لیکن آپ کو اس کا علم نہیں تھا اور آپ نماز میں اس لیے مشغول رہے کہ اس وقت تک بت پرستوں کا ذبیحہ حرام نہیں قرار دیا گیا تھا اور یہ محض احتمال نہیں ہے بلکہ آپ کا نماز میں بدستور مشغول رہنا اس پر قرینہ ہے کہ اس وقت تک اس کو حرام نہیں کیا گیا تھا کیونکہ آپ کسی ناجائز کام پر خود برقرار رہ سکتے ہیں نہ کسی اور کو برقرار رکھ سکتے ہیں آپ کی شان اس سے بلند ہے۔ ۲۔

علامہ نووی، علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی کی ان تشریحات سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر جو ”سلی“ رکھی گئی تھی اس میں گوشت تھا اور گوشت برہنہ میں نہیں ہوتا جانور کی اور جھڑی میں ہوتا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ اس حدیث میں سلی کا اطلاق او جھڑی پر کیا گیا ہے۔

او جھڑی کھانے کا حکم | اس حدیث میں چونکہ او جھڑی کا ذکر آگیا ہے اس لیے ہم او جھڑی کھانے کا شرعی حکم بیان کرنا چاہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح شدہ حیوان کے سات اجزاء کا کھانا حرام قرار دیا ہے اور ان کے ماسوا کو حلال قرار دیا ہے اور او جھڑی چونکہ ان سات اعضاء میں شامل نہیں ہے اس لیے بظاہر اس کا کھانا حلال ہے، اسی طرح فقہاء نے بھی ذبح شدہ جانور کے صرف سات اجزاء کو حرام قرار دیا ہے اور ان میں او جھڑی شامل نہیں ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ او جھڑی حلال ہے لیکن نظر دقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ او جھڑی شانہ کی طرح مکروہ تحریمی ہے۔

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

مجاہد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکری کی سات چیزوں کو مکروہ (تحریمی) قرار دیتے تھے (۱) خون (۲) فرج (۳) خیمتین (۴) غدود (۵) ذکر (۶) شانہ

عن مجاہد قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكره من الشاة سبعة الدم، والحيا والانتبين والغدة والذكر والمثانة والمعدة

۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱ ص ۳۵۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۰۱ھ

۲۔ حافظ عبداللہ بن محمد بن محمد بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۱۵، مطبوعہ دار الفکر البیروتیہ مصر، ۱۳۲۸ھ

دکان يستحب من الشاة مقدسها۔ ۱۔
(۱) پتہ اور بکری کے لگے حصے کے گوشت کو پسند فرماتے تھے۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ ۲۔
اس حدیث کو امام ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ ۳۔
علامہ علاؤ الدین حصکفی لکھتے ہیں: بکری کی سات چیزوں کو کھانا مکروہ تحریمی ہے، فرج، خصیہ، غدود، شانہ، پتہ، پسینے والا خون اور ذکر، اس کے بعد ایک مظلوم شہر لکھا ہے اس میں ہے جب تم بکری کو ذبح کرو تو اس کی سات چیزوں کے سوا کھاؤ۔ ۴۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: مجاہد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے سات اجزاء کو مکروہ فرمایا ہے، ذکر، خصیتیں، فرج، غدود، پتہ، شانہ اور خرن۔ امام ابو نعیمہ فرماتے ہیں خون حرام ہے اور باقی چھ چیزیں مکروہ ہیں، کیونکہ خون کی حرمت قرآن مجید کی نص قطعی سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے حرمت علیکم المیتة والدمر الا یسۃ۔ اور باقی چھ چیزیں مکروہ ہیں کیونکہ ان کو انسان مکروہ سمجھتا ہے اور قرآن مجید میں ہے ویحرم علیہم الخبائث۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور چھ چیزیں خبیث ہیں ان سے گھن آتی ہے، حضرت مجاہد کی روایت میں جو کراہت کا لفظ ہے اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ ان چھ چیزوں اور خون کو کراہت میں جمع کیا ہے۔ ۵۔

مک الملاء علامہ کاسانی حنفی نے بھی ذبح شدہ جانور کے ان سات اجزاء کو مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ ۶۔
اور چونکہ اوچھڑی ان سات چیزوں میں شامل نہیں ہے اس لیے اس کا کھانا بظاہر مکروہ تحریمی نہیں ہے، البتہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ شانہ میں پیشاب ہوتا ہے اور اسی کا کھانا مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح اوچھڑی میں گوبر ہوتا ہے اس لیے اس کا کھانا بھی مکروہ تحریمی ہونا چاہیے نیز ان چھ چیزوں کی کراہت کی یہ دلیل ہے کہ یہ اشیاء خبیث ہیں انسان ان سے گھن کرتا ہے اور متنفر ہوتا ہے اور قرآن مجید میں ہے ویحرم علیہم الخبائث۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں، اور اوچھڑی سے بھی انسان گھن کرتا ہے اور متنفر ہوتا ہے اس لیے یہ بھی خبیث اور مکروہ تحریمی میں نے مذاہب اربعہ کی کتب میں بالخصوص اوچھڑی کا جزیہ تلاش کیا لیکن مجھ کو یہ جزیہ نہیں مل سکا اس لیے میں نے یہ بیان کیا ہے کہ بظاہر حدیث اور عبارات فقہاء کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بلا کراہت حلال ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ مکروہ

۱۔ امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۲ ص ۵۳۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیرت، ۱۳۹۰ھ

۲۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، سنن بکری ج ۱ ص ۱۰، مطبوعہ نشر السنۃ عمان

۳۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۴۲ھ، مراسیل ابو داؤد ص ۱۹، مطبوعہ مجمع المطابع کراچی

۴۔ علامہ علاؤ الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ، مختار علی الممشی رد المحتار ج ۵ ص ۶۵۵-۶۵۶، مطبوعہ استنبول ۱۳۲۴ھ

۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۶۵۵، مطبوعہ استنبول، ۱۳۲۴ھ

۶۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۵ ص ۶۱، مطبوعہ ایچ۔ ایم سید انیسٹ کیپٹی کراچی، ۱۳۰۰ھ

تحریری ہے لہذا آثار میں اور اگر وجہ سے اور جہل سے کہانے کو مکر وہ تنزیہی قرار دینا چاہیے۔
اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے لیے دعام ضرر کی اس کی پوری تفصیل اور تحقیق ہم شرح صحیح مسلم جلد ثانی
باب نمبر ۲۲۱ میں بیان کر چکے ہیں۔ اور اس جلد میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعام ضرر کو بدو ما سے تعبیر کرنا
ناجائز اور گناہ ہے۔

باب قتل ابی جہل!

۲۵۴۷ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ
أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا
سُلَيْمَانُ بْنُ الْقَيْمِ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَنْ يَنْظُرْ لَنَا مَا صَنَعَ أَبُو جَهْلٍ فَإِنَّا نَنْظُرُ
إِلَيْهِ مَسْعُودٌ فَوَجَدَهُ قَدْ ضَمَّ بَيْنَ إِبْنِ
عَمْرِئَةٍ حَتَّى يَرَدَّ قَالَ فَأَخَذَ بِلِخْيَتِهِ
فَقَالَ أَنْتَ أَبُو جَهْلٍ فَقَالَ دَهْلٌ فَوْقَ
رَجُلٍ قَتَلْتُمُوهُ أَوْ قَالَ قَتَلَهُ قَوْمٌ قَالَ
وَقَالَ أَبُو مِجْلَدٍ قَالَ أَبُو جَهْلٍ قَلْبُ غَيْرِ
أَكْبَارٍ قَتَلْنِي۔

ابو جہل کے قتل کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو جہل کی خبر کرو
نے کر اے گناہ! حضرت ابن مسعود گئے تو دیکھا کہ عفرہ کے
دوبیٹے اس کو قتل کر چکے ہیں اور اس کا جسم ٹھنڈا ہونے کے
قریب ہے، حضرت ابن مسعود نے اس کی داڑھی پکڑ کر کہا: کیا
تو ابو جہل ہے؟ ابو جہل نے کہا: کیا اتنے بڑے کسی اور
شخص کو بھی تم نے قتل کیا ہے؟ یا کہا اس کی قوم نے اتنے
بڑے شخص کو قتل کیا ہے؟ ابو جہل کہتے ہیں کہ ابو جہل نے
یہ بھی کہا تھا کاش مجھے کسان کے علاوہ کسی اور نے قتل کیا
ہوتا!

۲۵۴۸ - حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ الْبَكْرِيُّ
حَدَّثَنَا مَعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَنْ يَعْلَمْ لِي مَا فَعَلَ أَبُو
جَهْلٍ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ عُكَيْتَةَ وَقَوْلِ ابْنِ
مِجْلَدٍ كَمَا ذَكَرْنَا إِسْمَاعِيلُ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے کوئی شخص آگیا کہ بتائے
گا کہ ابو جہل کا کیا ہوا؟ اس کے بعد مثل سابق حدیث ہے۔

قتل ابو جہل کے سلسلے میں مختلف روایات کا بیان

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ
حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ
جنگ بدر کے دن میں ایک صف میں کھڑا ہوا تھا، میں نے اپنی دائیں اور بائیں جانب دیکھا تو مجھے انصار کے دو کم عمر لڑکے نظر
آئے مجھے یہ خیال آیا کہ کاش میرے ارد گرد ان سے زیادہ طاقت ور لوگ ہوتے! پھر ان میں سے ایک نے مجھے اشارہ کر کے
کہا: اے چچا! ابو جہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں! اسے بھیتے تم کو اس سے کیا کام ہے؟ اس نے کہا مجھے یہ معلوم ہوا
ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے اور قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر میں نے اس

کو دیکھو یا تو میں اس کے جسم سے اس وقت تک الگ نہیں ہوں گا تا وقتیکہ ہم میں سے وہ دم مر جائے جس کی موت پہلے مقدمہ کردی گئی ہو، مجھے اسی کی بات پر تعجب ہوا، پھر دوسرے نے مجھے اشارہ کیا اور اسی طرح کہا، ابھی کچھ دیر نہ گزری تھی کہ میں نے ابو جہل کو لشکر میں گھومتے ہوئے دیکھا، میں نے کہا سنو یہ ہے وہ شخص جس کے متعلق تم دونوں مجھ سے سوال کر رہے تھے، وہ دونوں تلواریں لے کر اس پر چھپے اور اس پر تلواروں سے وارے کیے حتیٰ کہ ان دونوں نے اس کو قتل کر دیا، پھر ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا، آپ نے فرمایا تم میں سے کس نے اس کو قتل کیا ہے؟ ان میں سے ہر ایک نے کہا میں نے اس کو قتل کیا ہے، آپ نے فرمایا کیا تم دونوں نے اپنی تلواروں کو صاف کر دیا ہے؟ ان دونوں نے کہا نہیں، آپ نے ان دونوں کی تلواروں کو دیکھ کر فرمایا تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے اور اس کی سلب معاذ بن عمرو بن جموح کر لے گی، اندر یہ دونوں معاذ بن عمرو اور معاذ بن عمرو بن جموح تھے۔ ۱۷

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں: حضرت معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے والد کا نام عارض تھا (عفراد ان کی والدہ کا نام ہے) انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صبح اور عصر کے بعد نفل پڑھنے کی ممانعت کا حدیث روایت کی ہے اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہو گئے تھے، حضرت معاذ بن عمرو بن جموح اپنے والد حضرت عمرو بن جموح کے ہمراہ میلۃ العقبہ میں حاضر ہو کر مشرف براہ اسلام ہوئے تھے اور جنگ بدر میں بھی اپنے والد کے ہمراہ تھے ان کے والد جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے۔

ابن ہشام نے ذکر کیا ہے کہ حضرت معاذ بن عمرو بن جموح نے ابو جہل پر تلوار مار کر اس کی ٹانگ کاٹ دی تھی اور اس کو پھاڑ دیا تھا، ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے حضرت معاذ کے کندھے پر تلوار ماری اور ٹانگ کاٹ دیا، پھر حضرت معاذ بن عمرو نے ابو جہل پر وار کیا اور اس کو اس حال میں چھوڑا کہ ابھی اس میں کچھ رت حیات تھی، پھر حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کو تھاکش کرنے کا حکم دیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے اور اس کا سر کاٹ دیا۔ ۱۸ اس واقعہ کو حافظ ابن حجر نے بھی بیان کیا ہے۔ ۱۹

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو جہل کو کون شخص دیکھ کر گئے گا؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دیکھنے گئے اس وقت عفراد کے بیٹے اس کو قتل کر چکے تھے اور وہ ٹنڈا ہونے کے قریب تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کی وارسی پکڑ کر کہا تو ابو جہل ہے؟ اس نے کہا کیا تم نے اس سے بڑے کسی شخص کو بھی قتل کیا ہے؟ ۲۰

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: حضرت انس کی روایت میں جو ہے کہ عفراد کے دو بیٹوں نے ابو جہل کو قتل کیا تھا یہ

۱۷۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۴۵ ج ۲ ص ۵۶۸، مطبوعہ دار محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ

۱۸۔ حافظ ابو محمد محمد بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۶۷، مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية مصر ۱۳۴۸ھ

۱۹۔ حافظ شہاب الدین احمد بن سلی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱ ص ۲۹۶، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

۲۰۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۵، مطبوعہ دار محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ

تقلیداً ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت معاذ بن عمرو بن جراح کی والدہ کا نام بھی عفرہ ہو۔ ۱۷
حافظ ابن حجر مستطانی نے امام حاکم سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابن مسعود ابو جہل کا سر کاٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گئے تو آپ نے میں بار فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے اسلام اور اہل اسلام کو عزت دی۔ ۱۸
شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: عفرہ کے دو بیٹے معاذ اور مسود تھے یہ دونوں آپس میں بجائی تھے، یہ ابو جہل کو ڈھونڈ رہے تھے جیسے ہی انہوں نے ابو جہل کو دیکھا یہ عقاب کی مانند اس پر بھیڑے اور اس پر تلواروں سے حملہ کیا حتیٰ کہ اس کو زمین پر گرا دیا، حضرت معاذ کہتے ہیں میں نے تلوار مار کر ابو جہل کی ٹانگ کاٹ کر پھینک دی، ابو جہل کے بیٹے عفرہ نے پھر تلوار مار دی اور میرا ہاتھ کندھے سے الگ ہو گیا، میرا وہ ہاتھ میرے پہلے سے ٹک رہا تھا اور میں اسی حال میں جنگ کر رہا تھا آخر میں نے تنگ آ کر اس ہاتھ کو اپنے پیچھے بٹھا کر چھلکے سے الگ کر دیا اس کے بعد حضرت مسود بن عفرہ نے ابو جہل پر وار کر کے اس کو نیچے گرا دیا لیکن ابھی اس میں کچھ رمتی حیات باقی تھی، (بعد میں حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس کا سر کاٹا) شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: قاضی عیاض نے ابن وہب سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاذ بھی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں حاکم ان کا ہاتھ ان کی کھال کے ساتھ ٹکا ہوا تھا۔ آپ نے پانچاب دہن لگا کر اس کو بدن کے ساتھ جڑ دیا اور بعد میں حضرت معاذ بن عفرہ حضرت عثمان کے زمانہ تک زندہ رہے اور حضرت مسود جنگ بدر ہی میں شہید ہو گئے تھے۔ ۱۹

ابو جہل کے قتل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ شکر ادا کرنا | شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: احادیث صحیحہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص جا کر ابو جہل کی خبر لے کر آئے، حضرت ابن مسود گئے اور ابو جہل کو اس حال میں پایا کہ عفرہ کے دو بیٹے اس کو قتل کر چکے تھے، حضرت ابن مسود اس کے سینہ پر کینہ پر بیٹھ گئے اور اس کی ناپاک وارھی پکڑ کر کہا اے دشمن خدا تو ہی ابو جہل ہے، اللہ تعالیٰ نے تجھے رسوا کر دیا! ابو جہل نے کہا مجھے اس کے علاوہ اور کوئی رنگ نہیں ہے کہ مجھے بری قوم نے قتل نہیں کیا ہے، لاکھن مجھے کسان کے علاوہ کوئی اور قتل کرتا (اس کی مراد یہ تھی کہ انصار کا شکر ادا کرتے تھے اور اس کو درو انصاری نوحہ و نراں نے قتل کیا تھا) کہتے ہیں کہ ابو جہل کو اس امت کا فرعون کہا گیا ہے لیکن یہ فرعون سے بڑا تھا کیونکہ جب فرعون غرق ہوا تو اس نے حق کا اعتراف کر لیا اور یہ بد بخت مرتے دم تک اسی حال پر رہا اور تکبر پر قائم رہا، اللہ اللہ علیہ۔ حضرت ابن مسود اس کا سر کاٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی حمد جس نے اے دشمن خدا تجھ کو رسوا کر دیا، ایک روایت میں ہے کہ آپ اس وقت سجدہ شکر بجالائے، اسی وجہ سے بعض فقہاء اس کے قاتل ہیں کہ جب کسی شخص کو نعمت حاصل ہو یا اس سے کوئی مصیبت دور ہو تو اس کا سجدہ شکر بجالانا مستحب ہے۔ سجدہ تلاوت کے علاوہ خارج نماز سجدہ کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے جیسے سجدہ شکر یا سجدہ مناجات، جہور علماء احناف اس کے قائل نہیں

۱۷۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر مستطانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۲، ص ۲۹۶، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

۱۸۔ فتح الباری ج ۲، ص ۲۹۵

۱۹۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ، مدارج النبوة ج ۲، ص ۸۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ قمیہ سکر

علامہ حلبی لکھتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں اپنی تلوار سے ابرجہل کا سر کاٹنے لگا تو اس تلوار سے اس کا سر نہیں کاٹ سکا، ابرجہل نے میرے سر پر عتوک دیا اور کہا میری تلوار اسے میری گردن کا قاتلہ گردن کے نیچے سے میرا سر کاٹنا تاکہ جب میرا سر رکھا جائے تو سروں میں سب سے اونچا ہو، میں نے ایسا ہی کیا، پھر میں اس کا سر لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ اللہ کے دشمن ابرجہل کا سر ہے، آپ نے تین بار فرمایا: اس حد تک قسم جس کے سوا کوئی مہبود نہیں ہے کیا تم نے ابرجہل کو قتل کر دیا؟ میں نے کہا ہاں قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی مہبود نہیں ہے پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا سر ڈال دیا آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور روایت ہے کہ آپ نے پانچ بار سجدہ کیا۔

علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ روایت میں ہے آپ نے تین بار فرمایا الحمد للہ الذی اعز الاسلام و اہلہ

اد سجدہ میں گر گئے اور پانچ سجدہ شکر ادا کیے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دو رکعت نماز پڑھی ۔ تھ

سجدہ شکر کی تحقیق | سجدہ شکر اس موقع پر کیا جاتا ہے جب انسان کو کوئی خاص نعمت حاصل ہو یا اس سے کوئی خاص مصیبت دور ہوئی ہو، یوں تو ہر وقت انسان کو اللہ کی کوئی نہ کوئی نعمت حاصل ہے لیکن جب کسی نعمت کی تجدید ہو یا کوئی غیر متوقع نعمت حاصل ہو یا جب جس بلا کا خطرہ ہو وہ نکل جائے تو اس وقت سجدہ شکر کرنا مستحب ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان وضو کر کے قبلہ رخ کھڑا ہو اور اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں گر جائے اور سجدہ میں اللہ کی تسبیح بیان کرے اور پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ سے اٹھ جائے۔

بکثرت احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ سے سجدہ شکر ادا کرنے کا ثبوت ہے، فقہاء اسلام میں سے امام ابو حنیفہ
امام شافعی اور امام احمد بن حنبل سجدہ شکر کے جواز اور استحباب کے قائل ہیں اور امام مالک سے سجدہ شکر کی کراہت
منقول ہے۔ ہم پہلے سجدہ شکر کے متعلق احادیث بیان کریں گے، پھر آثار صحابہ کا ذکر کریں گے اور آخر میں سجدہ
شکر کے متعلق ائمہ مذاہب کی آراء نقل کریں گے۔ فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانتہ یملیق۔

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عن أبي بكرٍ عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه

عن ابی بکرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ
کان اذا جاء امر السوء وراو بشر به خرو ساجداً
شاکراً للہ۔

۷۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ، مدارج النبوة ج ۲ ص ۸۸، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ کھر

٥٢- علامہ علی بن برہان الدین صلی متونی ۱۰۴۴ھ، جزء انسان العیون ج ۲ ص ۴۲۰، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البانی صلی واولادہ مصر ۱۳۸۴ھ

۵۔ " " " انسان المیرٹن ج ۲ ص ۲۲۲ " " "

کے لیے سجدہ میں گر جاتے ہیں
اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ ۳
امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

عن انس بن مالك ان النبي صلى الله عليه وسلم بشر بحاجة فخر ما جددًا ۱
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز کی خوشخبری دی گئی تو آپ سجدہ میں گر گئے۔

امام احمد بن حنبل نے دو سندوں کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے:

عن عبد الرحمن بن عوف قال خیر رسول الله صلى الله عليه وسلم فأتبعته حتى دخل فخلد فسجد فاطال السجود حتى خفت او خشيت ان يكون الله قد توفاه اذ قبضه فقال فجئت النظر فرفعه فقال مالك يا عبد الرحمن قال فذكرت ذلك له فقال ان جبريل عليه السلام قال لي الا ابشرك ان الله عز وجل يقول لك من صلى عليك صليت عليه ومن سلم عليك سلمت عليه - ۲

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے میں بھی آپ کے پیچھے گیا، آپ کھجور کے باغ میں گئے اور سجدہ کیا اور بہت لمبا سجدہ کیا حتیٰ کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ شاید اللہ نے آپ کی روح قبض کر لی، میں آکر آپ کو دیکھنے لگا، آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور پوچھا کہ عبد الرحمن کیا بات ہے؟ میں نے اپنا اندیشہ بیان کیا آپ نے فرمایا جبرائیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کو یہ بشارت نہ دوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ کہا کہ جو شخص آپ پر صلوٰۃ پڑھے گا میں اس پر صلوٰۃ پڑھوں گا اور جو آپ کو سلام عرض کرے گا میں اس کو سلام کروں گا۔ (یعنی اس نعمت پر اس قدر طویل سجدہ شکر کیا۔)

حافظ نور الدین الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ ۳
امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

- ۱۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۷، مطبوعہ مطبعہ معتبات پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ
- ۲۔ امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۲۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۳۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۲ ص ۳۷، مطبوعہ نشر السنۃ عمان
- ۴۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۰۰-۹۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۵۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ
- ۶۔ حافظ نور الدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۸۷، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت، ۱۴۰۲ھ

عن البراء قال بعث النبي صلى الله عليه وسلم
خالد بن الوليد الى اهل اليمن يدعوهم الى
الاسلام فلم يجيبوه ثم ان النبي صلى الله عليه وسلم
سلم بعث علي بن ابي طالب واصره ان يقفل خالداً
ومن كان معه الا رجل ممن كان مع خالد احب
ان يعقب مع علي رضي الله عنه فليعقب معه
قال البراء فكننت ممن عقب معه فلما دنونا
من القوم خرجوا الينا فصرخ علي رضي الله
عنه وصفتاً صفاً واحداً ثم تقدم بين ايدينا
فقرأ عليهم كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم
فاسلمت همدان جميعاً فكتب علي رضي الله
عنه الى رسول الله صلى الله عليه وسلم باسلامهم
فلما قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم
الكتاب خرساً جذاً ثم رفع رأسه فقال
السلام على همدان السلام على همدان -
اخرج البخاري صدره هذا الحديث عن احمد
بن عثمان - - - فلم يسقه بتمامه
وسجود الشكر في تمام الحديث
صحيحه على شرطه - ۱۰

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے اہل یمن کو دعوت اسلام دینے کے لیے حضرت
خالد بن ولید کو بھیجا انہوں نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا،
اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ
کو بھیجا اور ان کو یہ حکم دیا کہ حضرت خالد اور ان کے ساتھیوں
کو واپس بھیج دیں البتہ اگر کوئی شخص ان کے ساتھ رہنا چاہے
تو وہ رہ جائے، حضرت براء کہتے ہیں میں بھی ان کے ساتھ
تھا جو حضرت علی کے ساتھ رہ گئے تھے، جب ہم اہل یمن
کے پاس پہنچے تو وہ مقابلہ کبے بے نکلے، حضرت علی
رضی اللہ عنہ نے ہم کو ایک صوف میں کھڑا کر کے نماز پڑھائی
پھر ہمارے آگے بڑھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا خط پڑھ کر سنایا، تو ہمدان کا پورا قبیلہ اسلام لے آیا،
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
ان کے اسلام لانے کی خوشخبری لکھ کر بھیجی، جب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خط پڑھا تو آپ فرما سجود
(شکر) میں گر گئے پھر آپ نے سر اٹھا کر فرمایا، ہمدان پر
سلام ہو، ہمدان پر سلام ہو۔ امام بخاری نے اس حدیث
کے شروع کا حصہ احمد بن عثمان سے روایت کیا ہے اور
پوری حدیث کو روایت نہیں کیا، سجود شکر کا ذکر حدیث
کے اخیر میں ہے اور یہ حدیث امام بخاری کی شرط پر
صحیح ہے۔

حافظ نور الدین الہیثمی نے اس مضمون کی متعدد احادیث حضرت عمر اور حضرت عثمان کی روایات سے بیان کیں ہیں۔
حافظ نور الدین نے طبرانی کے حوالے سے ایک طویل حدیث ذکر کی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے مسجد میں ایک طویل سجود کیا۔

فقال ابو بکر یا رسول الله اطلت السجود
فقال سجدت لربي شكراً فإني

حضرت ابو بکر نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے
بہت لمبا سجود کیا، آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب

۱۰۔ امام ابو بکر احمد بن حنبل متوفی ۲۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۲ ص ۳۶۹، مطبوعہ نشر السنۃ للہدیان
۱۱۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۰ھ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۸۸-۲۸۹، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ

اسا سجدہ شکر ادا کیا ہے کیونکہ اس نے میری امت کے ستر ہزار افراد کو بغیر حساب جنت میں داخل کرنے کی مجھے شفاعت عطا کی ہے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت کے سرکشوں میں سے صرف ذوالفصلہ باقی بچے ہیں سوا ان کو قتل کرنے کے لیے) انظر اور رسول کی دعوت پر کون لبیک کہے گا؟ حضرت جریر نے کہا میں، اور ان کے ساتھ قبیلہ احس کے سات سو سواروں نے بھی لبیک کہا، پھر اس قوم کو ہاڑی کی گھاٹیوں کے سوا اور کہیں جگہ نہیں ملی، مسلمانوں نے ان کو قتل کر دیا اور ان کے بت خانہ کو مٹا دیا، پھر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بشارت کا مکتوب لکھ کر بھیجا اور یہ لکھا کہ اب ان میں صرف غار ش زوہ اونٹ کی طرح لوگ باقی بچے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھتے ہی سجدہ (شکر) میں گر گئے اور فرمایا اے اللہ! احس کے سواروں اور پیادوں میں برکت عطا فرما۔

عن جرير قال قال رسول الله صلى
الله عليه وسلم لم يبق من طواغيت
الجاهلية الا بيت ذى الخلصة فمن
ينتدب الله ورسوله قال جرير انا و
انتدب معه سبعمائة من احسن فلم
يفجأ القوم الا بنواحي الجبل فقتلوا
وحرقوا البيت وكتبوا الى رسول الله صلى
الله عليه وسلم بشارته وخبروه انه لم
يبق منه الا كالبعير الاجرب فخر رسول
الله صلى الله عليه وسلم ساجدا ثم
قال اللهم بارك لاحسن في خيلها
ورجالها ۞

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے میں نے آپ کو سجدہ شکر ادا کرتے ہوئے دیکھا اور آپ نے فرمایا میں نے سجدہ شکر ادا کیا، امام طبرانی نے اس کو معجم کبیر میں روایت کیا ہے، اس حدیث کے ایک راوی جامع بن مسعود کی امام بخاری اور یحییٰ بن مبین نے تصنیف کی ہے، اور علی بن یحییٰ نے اس کی توثیق کی ہے اور امام ابن حبان نے اس کا ثقات

عن ابي موسى قال كنا مع رسول الله
صلى الله عليه وسلم فرائته سجد سجدة
الشكر وقال سجدة شكر ارواها الطبراني
في الكبير وفيه جماعة بن مصعب
ضعفه يحيى بن معين والبخاري و
جماعة ووثقه علي بن يحيى وذكره
ابن حبان في الثقات .

۱۷۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر البیہقی متوفی ۸۰۵ھ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۸۹، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت، ۱۴۰۲ھ۔

۵- " مجلہ الزمان ج ۲ ص ۲۸۹ "

جلد خامس

عن ابی موسیٰ قال شہدت علیہا اوقی
بالمخدر سجداً

ابو موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت علیؑ کے پاس
تھا جب آپؑ کے پاس ایک ناقص الخلقہ شخص لایا گیا
تو آپؑ سجدہ (شکر) ادا کیا۔

عن ابن عباس قال لما تزل نكاح
نرينب انطلق نريد بن حارثة حتى استاذن
علي زينب قال فقالت نرينب مالي ولزيد
قال فادسل اليهما فقال اني رسول الله
صلى الله عليه وسلم اليك قال فاذا نيت
له فبشرها ان الله قد نر وجهها من نبيه صلى
الله عليه وسلم قال فخرت ساجدة لله
شكرا - ٢ -

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت زینب کے نکاح کے متعلق آیت نازل ہوئی تو حضرت زید بن حارثہ نے حضرت زینب کے گھر جا کر اجازت طلب کی، حضرت زینب نے کہا اب میرا زید سے کیا تعلق ہے؟ حضرت زید نے کہا میں آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لایا ہوں، حضرت زینب نے آئے کی اجازت دی، حضرت زید نے ان کو یہ بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح کر دیا ہے، حضرت زید کہتے ہیں کہ حضرت زینب اسی وقت سجدہ میں گر گئیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن كعب بن مالك يحدث حديثه
حين تخلف عن رسول الله صلى الله عليه و
سلم في غزوة بئر كذا الحديث بطوله
الى ان قال حتى كملت لنا خمسون ليلة من
حين فهدى رسول الله صلى الله عليه وسلم
عن كلامنا فلما صليت صلاة الفجر صبح
خمسين ليلة وانا على ظهر بيت من بيوتنا
فبينما انا جالس على الحال التي ذكر الله
منا قد ضاقت على نفسي وضائق على
الارض بهما رحبت سمعت صوت صائخ
او في على جبل سلم يا كعب بن مالك
ابشر فخررت ساجدا وعرفت انه قد

حضرت کعب بن مالک نے ایک طویل حدیث میں یہ بیان کیا کہ جب وہ غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ کلام کث سے روک دیا تھا، حتیٰ کہ اس کی طرح پچاس راتیں گزر گئیں، پھر پچاسویں دن کی صبح کو سب میں نے صبح کی نماز پڑھی اور میں اپنے گھر کی ایک چھت پر چڑھا، میں اس وقت بیٹھا ہوا تھا اور میرا قرآن مجید کے مطابق سال یہ تھا کہ میں اپنی جان سے عاجز آگیا تھا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی تھی، اچانک ”سلع“ پہاڑ سے ایک بلند آواز آئی ”اے کعب بن مالک مبارک ہو!“ میں اسی وقت سجدہ میں گر گیا اور میں سمجھ گیا کہ اب راحت آگئی ہے رسول اللہ صلی

۱۵۔ حافظ ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ حبشی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۲ ص ۴۸۳، مطبوعہ دار الکتب القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ

-٤- " " " " ، الصفحہ ۲ ص ۴۸۳ " " "

جاء الفرج و اذن رسول الله صلى الله عليه وسلم
بتوبة الله علينا حين صلى صلوة الفجر

حافظ نور الدين البیہقی بیان کرتے ہیں :

عن اسماء بنت ابی بکر الصديق انه لما
قتل ابن الزبير كان عندها شيء اعطاه
اياها النبي صلى الله عليه وسلم في سبط فققدته
فاخذت تطلبه فلما وجدته خوت بها جده رواه
الطبرانی في الكبير واسناد حسن وفي بعض رجاله كلام

سجدہ شکر کے متعلق فقہاء حنابلہ کی رائے

اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ اللہ
تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول فرمائی ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈیرہ میں ان کو
کوئی چیز دی تھی، جب حضرت ابن الزبیر شہید ہوئے تو
وہ چیز گم ہو گئی، انھوں نے اس چیز کو ڈھونڈنا شروع
کیا جب وہ چیز مل گئی تو وہ سجدہ میں گر گئیں۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: جب تازہ تازہ کوئی نعمت حاصل
ہو یا کوئی مصیبت دور ہو تو سجدہ شکر ادا کرنا مستحب

ہے، امام شافعی، اسحاق، ابو ثور اور ابن منذر کا بھی یہی قول ہے، اور غنی، امام مالک اور امام ابو حنیفہ یہ کہتے ہیں کہ سجدہ شکر
مکروہ ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں فتوحات ہوئیں اور آپ نے بارش کی دعا کی اور بارش نازل ہوئی لیکن
آپ کا اس موقع پر سجدہ کرنا منقول نہیں ہے اور اگر سجدہ شکر مستحب ہو تا تو آپ ان مواقع پر سجدہ شکر ادا کرتے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی خوشخبری آتی تو آپ سجدہ میں گر جاتے، (سنن ابوداؤد، جامع ترمذی) اور حضرت ابو بکر کے
پاس جب پیام کی فتح کی خبر آئی تو وہ سجدہ میں گر گئے، اور حضرت علی نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ صفت
کے مطابق ایک شخص کو غار حیر میں دیکھا تو سجدہ شکر ادا کیا۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۸، ۱۰۹، سیدی غفران) اور صحابہ کرام
کی جماعت میں سجدہ شکر ادا کرنے کا طریقہ مشہور اور معروف تھا لہذا اس کا انکار کرنا باطل ہے اور بعض مواقع پر آپ
کا سجدہ شکر نہ کرنا اس کے استحباب کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ مستحب کام پر کبھی عمل کیا جاتا ہے اور کبھی اس کو
ترک کر دیا جاتا ہے اور سجدہ شکر ادا کرنے کی وہی شرائط ہیں جو سجدہ تلاوت کی شرائط ہیں۔

نماز کے اندر سجدہ شکر کو ادا نہیں کیا جائے گا اگر اس نے کیا تو نماز باطل ہو جائے گی (لایہ کر اس نے بھول کر یا لاعلمی
کی بنا پر کیا ہو)۔

سجدہ شکر کے متعلق فقہاء شافعیہ کی رائے

یہ کسی نعمت کے تازہ حصول یا کسی مصیبت کے دوری
کے وقت مستحب ہے، یا کسی شخص کو کسی بیماری یا خلقی عیب میں مبتلا دیکھنے کے وقت یا کسی ناستی میں کود دیکھنے کے

۱۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ سنن کبریٰ ج ۲ ص ۳۷۹-۳۸۰، مطبوعہ نشر السنۃ لمطان

۲۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۹۰-۲۸۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۲ھ

۳۔ علامہ مرفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المستدرک ج ۲ ص ۳۶۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ

وقت مستحب ہے، فاسق کو دکھا کر سجدہ کرے لیکن کسی بیماری میں مبتلا شخص کو دکھا کر سجدہ نہ کرے، سجدہ شکر کی وہی شرائط ہیں جو سجدہ تلاوت کی شرائط ہیں۔

علامہ شریعی حنفی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: نعمت کے حصول سے یہ مراد ہے مثلاً بچہ کا پیدا ہونا، کسی مرتبہ کا حاصل ہونا یا مال کا حاصل ہونا، یا کسی گم شدہ یا قائب کا آنا یا دشمن کے خلاف مدد حاصل ہونا، اور مصیبت دور ہونے سے مراد یہ ہے مثلاً کوئی شخص ڈوبنے سے یا جلنے سے بچ جائے۔ کیونکہ سنن ابوداؤد وغیرہ میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی خوشخبری آتی تو آپ سجدہ میں گر جاتے اور امام ابوداؤد نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے اپنی امت کی شفا و شفا کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے تہائی امت کی شفا عطا کی میں نے اپنے رب کا سجدہ شکر ادا کیا میں نے پھر سجدہ سے سر اٹھا کر اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے تہائی امت کی شفا عطا کی میں نے اپنے رب کا سجدہ شکر ادا کیا میں نے پھر سجدہ سے سر اٹھا کر اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے آخری تہائی کا بھی شفا عطا فرمادی۔ سجدہ شکر کو ادائیگی کے لیے کسی نعمت کے حصول یا نازہ حصول کی برقیہ لگائی گئی اس سے وہ نعمتیں نکل جاتی ہیں جو وہام اللہ استوار کے ساتھ حاصل ہوتی ہیں جیسے غنیمت اور سلام وغیرہ (یا جیسے ہوا، پانی، غذا اور صحت وغیرہ) کیونکہ اگر نعمتوں پر سجدہ شکر مستحب ہو تو اس کا تقاضا یہ ہو گا کہ انسان ساری عمر سجدہ شکر میں گزارے۔ علامہ نووی نے شرح المہذب میں نعمت کے حصول اور مصیبت کے دور ہونے کو ظاہر کے ساتھ عقیدہ کیا ہے یعنی وہ نعمت ظاہری ہو تاکہ باطنی نعمتیں مثلاً علم اور معرفت وغیرہ نکل جائیں، اور محرمین یہ قید لگاتی ہے کہ وہ نعمت غیر مترقبہ ہو یعنی ایسی نعمت حاصل ہو جو اس کے دہم و گمان میں بھی نہ ہو تب سجدہ شکر ادا کرے۔ سجدہ شکر کی ادائیگی کی کیفیت اور شرائط سجدہ تلاوت کی طرح ہیں۔ یعنی یہ سجدہ با وضو قبلہ رخ ہو کر خارج از نماز ادا کیا جائے گا۔ یعنی جاہل لوگ جو اپنے پیروں کو سجدہ کرتے ہیں یہ حرام ہے خواہ قبلہ رخ ہو کر سجدہ کریں یا سجدہ میں اللہ کا قصد کریں بلکہ بعض صورتوں میں کفر کا اندیشہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ اور مامون رکھے۔ آمین

سجدہ شکر کے متعلق فقہاء احناف کی آراء | علامہ ابراہیم حلی حنفی لکھتے ہیں: فقہ زہد نے لکھا ہے کہ سجدہ کی پانچ قسمیں ہیں سجدہ صلیہ (نماز کا سجدہ) فرض ہے، سجدہ تلاوت اور سجدہ سہر و واجب ہیں، اسی طرح سجدہ مذہبی واجب ہے۔ (ایک قسم اور ہے وہ ہے سجدہ تحیت یا سجدہ تنظیمی یہ سجدہ حرام ہے۔ جیسا کہ علامہ شریعی نے ذکر کیا ہے، اور اعلیٰ حضرت نے اس کی حرمت کے بیان میں الزبدۃ الزکیۃ فی حرمت سجدۃ التعمیر کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

اور پانچویں قسم (بلکہ چھٹی) سجدہ شکر ہے، امام طحاوی نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے: ”میرے خیال میں سجدہ شکر کوئی چیز نہیں ہے“ علامہ ابوبکر رازی نے کہا ہے امام اعظم کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ شکر واجب یا مستحب نہیں ہے بلکہ مباح ہے بدلت نہیں ہے، امام محمد سے ایک روایت ہے کہ سجدہ شکر مکروہ ہے، لیکن ہم اس کو مستحب قرار دیتے ہیں جب انسان کو کسی نعمت کے حصول سے خوشی حاصل ہو یا جب کسی مصیبت کے دور ہونے سے خوشی ہو تو سجدہ شکر ادا کرنا مستحب ہے، امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ سولیسہ موقع پر اللہ اکبر کہے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے سجدہ کرے اس میں

اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر کرے اور تسبیح پڑھے، اور پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ سے سر اٹھائے (اس میں با وضو ہونا بھی شرط ہے۔ سیدی اور بزرگ کسی سبب کے سجدہ کرنا عبادت نہیں ہے لیکن مکروہ بھی نہیں ہے، بعض جاہل لوگ نماز کے بعد جو سجدہ کرتے ہیں یہ مکروہ ہے کیونکہ وہ اس کو سنت یا واجب گمان کرتے ہیں، اور ہر مباح کام جو کسی بدعتیہ کی طرف پہنچائے وہ مکروہ ہوتا ہے۔) یہاں تک علامہ ابو بکر رازی کی عبارت ہے اس کے بعد علامہ علیؒ لکھتے ہیں: (جمہور میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ یہ کہتے ہیں کہ سجدہ شکر واجب نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو بے شمار ہیں اور ہر نعمت پر سجدہ کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ تکلیف مالا یطاق ہے، اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ سجدہ شکر جائز ہے۔) امام جت نے کہا میرے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کا قول ایجاب پر محمول ہے یعنی سجدہ شکر واجب نہیں ہے اور امام محمد کا قول جواز اور استحباب پر محمول ہے اس لیے ان دونوں قولوں پر عمل کیا جائے گا ہر نعمت پر تو سجدہ شکر ادا کرنا واجب نہیں ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا لیکن جس نعمت کے حاصل ہونے سے غرضی ہو اس پر سجدہ شکر ادا کرنا جائز ہے اور یہ استحباب سے خارج نہیں ہے، اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت روایات منقول ہیں، اس لیے اللہ کے بندوں کو سجدہ شکر ادا کرنے سے منع نہ کیا جائے کیونکہ اس میں خضوع اور خشوع ہے اور اللہ کی عبادت ہے اور اسی پر فتویٰ ہے مصنفی میں لکھا ہے اکثر فقہاء نے کہا ہے کہ امام اعظم کے نزدیک سجدہ شکر عبادت نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے اس پر ثواب نہیں ملے گا اس لیے اس کا ترک کرنا اولیٰ ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا کہ سجدہ شکر عبادت ہے اور اس پر ثواب ملے گا اور اس اختلاف کا اثر یہ ہے کہ اگر سجدہ شکر کے لیے تیمم کیا تو آیا اس سے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں۔ ۱۷

علامہ شرنبلالی حنفی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سجدہ شکر ادا کرنا مکروہ ہے، علامہ قدوری اور علامہ ابن ہمام نے کہا کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک رکعت سے کم نماز، شرعاً عبادت نہیں ہے البتہ وہ چیز مستثنیٰ ہے جو نقص سے ثابت، اور جیسے سجدہ تلاوت، لہذا سجدہ تلاوت کے سوا ایک رکعت سے کم نماز عبادت نہیں ہے۔ (یہاں علامہ ابن ہمام کی عبارت ختم ہوئی) امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے یہ روایت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے سجدہ شکر کو مکروہ کہا ہے امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ میرے خیال میں سجدہ شکر کوئی چیز نہیں ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اس کے جواز کی نفی نہیں کی اور اس کے عبادت مشروع ہونے کا انکار نہیں کیا بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ سجدہ شکر واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں غیر متناہی ہیں اس لیے یہ مباح ہے، یا ان کی مراد یہ ہے کہ سجدہ شکر سے مکمل شکر ادا نہیں ہوتا مکمل شکر دو رکعت نماز پڑھنے سے ہوتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن دو رکعت نماز پڑھی جیسا کہ میر بکیر میں ہے۔ اور اکثر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ سجدہ شکر ادا کرنا عبادت نہیں ہے بلکہ یہ مکروہ ہے اور اس پر کوئی ثواب نہیں ہوگا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بدعتت کو دیکھ کر سجدہ شکر ادا کرنا منسوخ ہے۔ ۱۸

علامہ طحاوی اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں: سجدہ شکر کو منسوخ کہنا مردود ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اکابر صحابہ نے سجدہ شکر ادا کیا ہے، حضرت ابو بکرؓ کے پاس جب پیام کی فتح اور سیکڑ کذاب کے قتل کی خبر پہنچی تو انھوں نے

۱۷۔ علامہ ابراہیم بن محمد طبری حنفی ۹۵۶ھ، فقیر المستملی ص ۵۷۳-۵۷۴، مطبوعہ مطبع مجتہبی دہلی

۱۸۔ علامہ حسن بن عمار شرنبلالی متونی ۱۰۶۹ھ، مراقی الفلاح ص ۳۰۰، مطبوعہ مطبع المصطفیٰ البانی دارالادب مصر ۱۳۵۶ھ

سجدہ شکر کیا، اور جب حضرت عمرؓ کے پاس یہ روک (شام کی ایک وادی) کی فتح کی خبر پہنچی تو انہوں نے سجدہ شکر کیا، حضرت علیؓ نے ایک خارجی کو نہروان میں مرا ہوا دیکھ کر سجدہ شکر کیا، اور امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وقت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور پھر سجدہ میں گر گئے اور تین بار اسی طرح کیا اور فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کی شفاعت کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے تہائی امت کی شفاعت عطا کی میں نے اس پر اپنے رب کا سجدہ شکر کیا، اور میں نے پھر سجدہ سے سر اٹھا کر اپنے رب سے اپنی امت کے لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے تہائی امت کی شفاعت عطا کی میں فوراً سجدہ شکر بجالایا، میں نے سجدہ سے سر اٹھا کر پھر اپنے رب سے اپنی امت کی شفاعت کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے آخری ثلث عطا کر دی تو پھر میں اپنے رب کے لیے سجدہ میں گر گیا۔ (سنن ابو داؤد) علیہ

علامہ شربلانی لکھتے ہیں: امام ابو یوسف اور امام محمدؒ نے یہ کہا ہے کہ سجدہ شکر کو نما عبادت ہے اور اس پر ثواب ملے گا، کیونکہ نسا کے علاوہ باقی صحاح ستہ میں یہ روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام پر خوش ہوتے یا آپ کے پاس کوئی خوشخبری پہنچتی تو آپ سجدہ شکر کرتے۔ علیہ

علامہ طحاوی حنفی لکھتے ہیں امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے قول پر ہی فتویٰ ہے، حدیث میں ہے اسی پر فتویٰ ہے، ابن امیر حاج نے لکھا ہے یہاں ظاہر ہے اور یہ قول کس طرح ظاہر اور منقہ بہ نہیں ہوگا جبکہ سجدہ شکر کے بارے میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔ حدیث میں ہے کہ سجدہ شکر ادا کرنا مستحب ہے، اسی پر فتویٰ ہے، البتہ ناز کے بعد سجدہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ جاہل لوگ اس کو واجب یا سنت اعتقاد کرتے ہیں اور جہر وہ مباح کام جسکی بدعت کی طرف پہنچانے مکروہ ہوتا ہے۔ علیہ

مصنف کہتا ہے کہ علامہ طحاوی کی اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ فقہاء حنفیہ بکیر کے فقیر نہیں ہیں اور قول امام کے اوپر حدیث کو مقدم کرتے ہیں ہر چند کہ امام اعظم سے سجدہ شکر کی کراہت منقول ہے لیکن جب یہ ظاہر ہو گیا کہ ان کا یہ قول بکثرت احادیث صحیحہ اور آثار ثابتہ کے خلاف ہے تو فقہاء احناف نے امام کے قول کو چھوڑ کر حدیث کو اختیار کر لیا اور یہی صواب ہے، اور صراط مستقیم ہے اور سلامتی کی راہ ہے، ہم ایسی تقلید سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ احادیث اور آثار صحابہ کے ملاح بہ جانے کے بعد بھی انسان اپنے امام کے قول سے چپکا رہے۔ اور بعض فقہاء نے امام ابو حنیفہ کے اس قول کی توجیہ کی اور اس کو حدیث کے موافق کرنے کی کوشش کی، علامہ طحاوی لکھتے ہیں:

فروق الاشباہ میں لکھا ہے امام اعظم کے نزدیک سجدہ شکر جائز ہے، واجب نہیں ہے اور امام اعظم سے جزیہ مروی ہے کہ سجدہ شکر مشروع نہیں ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ سجدہ شکر واجب نہیں ہے، اور امام اعظم اور صاحبین کا خلاف اس کے مسنون ہونے یا نہ ہونے میں ہے جواز یا عدم جواز میں نہیں ہے۔ تنازعانہ میں بھی صاحب جہت کے حوالہ سے یہی لکھا ہے کہ امام اعظم کے نزدیک سجدہ شکر واجب نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک سجدہ شکر جائز اور مستحب ہے علامہ طحاوی نے لکھا ہے کہ سجدہ شکر کے استحباب پر یہ قریب ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ابراہیل کا

۱۔ علامہ احمد بن محمد طحاوی متوفی ۱۲۳۱ھ، حاشیہ الطحاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۰۰، مطبوعہ مطبعہ معصطفی البابی و اولادہ مصر ۱۳۵۶ھ

۲۔ علامہ حسن بن علی شربلانی متوفی ۱۰۶۹ھ، مراقی الفلاح ص ۳۰۰، مطبوعہ مطبعہ معصطفی البابی و اولادہ مصر ۱۳۵۶ھ

۳۔ علامہ احمد بن محمد طحاوی متوفی ۱۲۳۱ھ، حاشیہ الطحاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۰۰، مطبوعہ معصطفی البابی و اولادہ مصر ۱۳۵۶ھ

مرکات کر لایا گیا تو آپ نے پانچ مرتبہ سجدہ شکر ادا کیا، تاوی مالگیری میں لکھا ہے کہ جس شخص کو کوئی ظاہری نعمت حاصل ہوئی ہو یا کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال یا اولاد دی ہو یا اس کی کوئی گم شدہ چیز مل گئی ہو یا اس سے کوئی مصیبت دور ہو گئی ہو یا اس کا بیمار شفا یاب ہو گیا ہو، یا کوئی غائب شخص آگیا ہو تو اس کے لیے سجدہ شکر ادا کرنا مستحب ہے اور اس کی وہی شرائط ہیں جو سجدہ تلاوت کی شرائط ہیں لہٰذا اسی قول پر فتویٰ ہے۔

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی نے در مختار میں لکھا ہے کہ سجدہ شکر مستحب ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔ علامہ شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ سجدہ شکر مستحب ہے جیسا کہ امام مسند نے اس کی تصریح کی ہے، کیونکہ بکثرت امارت میں سجدہ شکر کا ذکر ہے اور حضرت ابو بکر اور عمر نے سجدہ شکر ادا کیا ہے اس لیے بھی علی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو منسوخ کہنا صحیح نہیں ہے۔

سجدہ شکر کے متعلق فقہاء مالکیہ کی آراء علامہ ابو عبد اللہ خطاب مالکی منقولی لکھتے ہیں: سجدہ شکر مکروہ ہے سجدہ شکر کا قول کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ سجدہ شکر میں ضرر

کہ حاضر ہدی ہے، اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ سجدہ شکر میں ضرر نہ ہو دریں میں، کیونکہ جب ہوا تک کوئی مسرت حاصل ہو تو دل میں داغ پیدا ہوتا ہے کہ وہ سجدہ شکر میں گر جانے اور مقبلی دیر میں وہ وضو یا تیمم کر کے آنے کا وہ داعیہ سر دہا جانے لگتا۔ علامہ ابو عبد اللہ العبدری مالکی لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی چیز سے حوشی حاصل ہوئی تو آپ سجدہ شکر میں گر جاتے تھے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا کہ اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے اور امام مالک اس کے قائل نہیں ہیں، ابن العربی مالکی نے کہا امام مالک کیوں سجدہ شکر کے قائل نہیں ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرنا ہمیشہ واجب ہے اگر سجدہ کرنے کا کوئی معمولی سبب بھی پایا جائے تو اس کو فطرت شمار کرنا چاہیے۔

سجدہ شکر کے بارے میں حرف آخر علامہ العبدری مالکی اور قاضی ابو بکر ابن العربی مالکی کا کہنا برحق ہے اور جب بکثرت امارت اور آثار صحابہ سے سجدہ شکر کا استحباب ثابت

ہے تو محض اپنی رائے سے سجدہ شکر کو مکروہ کہنا غلط ہے اور لائق التفات نہیں ہے، الحمد للہ مالکی فقہاء میں بھی ایسے ارباب بعیرت علماء ہیں جو احادیث اور آثار کے مقابلہ میں اپنے امام کے قول کو اجمیت نہیں دیتے اور یہی تقلید کی صحیح روش ہے اور ائمہ نے اپنے متقلدین کو یہی تعلیق کی ہے کہ اگر ہمارا کوئی قول حدیث کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کرو اور ہمارے قول پر عمل نہ کرو، اور امام مالک کی طرف سے یہی ترجیح کی جائے گی کہ ان تک یہ احادیث نہیں پہنچ سکیں، ہوں گی حرمہ جس چیز کا بکثرت احادیث

۱۔ علامہ احمد بن عبد طحاوی متوفی ۱۲۳۱ھ، حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۰۰، مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ عباسی داود لاہ مصر، ۱۳۵۶ھ

۲۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۱ ص ۴۱، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

۳۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الخطاب مالکی المتوفی ۹۵۴ھ، مواہب الجلیل ج ۲ ص ۶۲-۶۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ

۴۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن ابی القاسم العبدری مالکی متوفی ۸۹۷ھ، اتحاج داکیل ج ۲ ص ۳۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ

۵۔ فتاویٰ مالگیری ج ۱ ص ۱۳۲-۱۳۵، مطبوعہ مکتبہ کبریٰ امیر برہان مصر، ۱۳۱۰ھ

سے استجاب ثابت ہو وہ اس کو کبھی مکروہ نہ کہتے، اور امام ابو حنیفہ نے سجدہ شکر کو مکروہ نہیں کہا بلکہ اس کے وجوب کی نفی کی ہے اور اگر بالفرض انہوں نے اس کو مکروہ کہا ہو تو ان کا بھی یہ قول ذاتی امتعات نہیں ہے اور غیر مسموع ہے یہی وجہ ہے کہ فقہاء احناف نے اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ نہیں دیا بلکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے جیسا کہ در مختار، شامی، غنیۃ المستملی، عالمگیری اور حاشیہ طحاوی میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے اور اس سے ظاہر ہو گیا کہ فقہاء احناف اولیٰ آخر حدیث پر عمل کرتے ہیں اور اپنے امام کی اندھی تقلید نہیں کرتے واللہ الحمد علیٰ ذلک۔

نماز شکر کا حکم | امام دارمی روایت کرتے ہیں:

عن شعثاء قالت رایت ابن ابی اوفیٰ صلی
رکعتین وقال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
الضحیٰ رکعتین حین بشر بالفتوحۃ او بد اس
ابی جہل۔

شعثاء بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت ابن ابی
اوفیٰ کو دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا انہوں نے
کہا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کی خوشخبری ملی تو
آپ نے چاشت کے وقت دو رکعت نماز پڑھی یا جب
آپ کے پاس ابو جہل کا سر لا یا گیا۔

ابو جہل کا سر کاٹ کر لانے کے موقع کے متعلق روایات مختلف ہیں بعض میں سجدہ شکر کا ذکر ہے اور بعض میں
دو رکعت نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور ان میں کوئی مشابہت نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ آپ نے پانچ بار سجدہ شکر بھی کیا ہو
اور نماز شکر بھی پڑھی ہو۔

نماز شکر پڑھنا بھی جائز ہے، البتہ شکلا نے کے نوافل کو جماعت کے ساتھ پڑھنا خلاف سنت ہے اور اگر کسی
ایک شخص کی اقتدار میں چار یا چار سے زیادہ افراد جماعت کے ساتھ نفل پڑھیں تو یہ فقہاء احناف کے نزدیک بالاتفاق
مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے غیر رمضان میں جماعت کے ساتھ نفل نہیں پڑھے۔

باب ۶۱۲ قتل کعب بن الاشرف
طَاغُوتِ الْيَهُودِ!
یہودیوں کے سردار کعب بن اشرف
کے قتل کا بیان

۴۵۴۹ - حَدَّثَنَا اسْحَقُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ
الْحَنْظَلِيُّ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ
عَبْدُ الرَّحْمَنِ الْمُسَوِّبِيُّ وَابْنُ
عَيْنٍ عَنِ عَمْرِو بْنِ سَعْدٍ
سَعْدِيٍّ عَنْ عَمْرِو بْنِ سَعْدٍ
قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ہابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کعب بن اشرف کو کون قتل
کرے گا، کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو
ایجاد پہنچائی ہے، سو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے
کہا یا رسول اللہ! کیا آپ اس کو پسند کریں گے کہ میں اس
کو قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! انہوں نے عرض کیا پھر

مَنْ يَكُفُّ بَيْنَ الْأَشْرَفِ قِيَاةَهُ قَدْ أَدَّى
 اللَّهُ وَرَسُولُهُ مُحَمَّدٌ بْنُ مَسْلَمَةٍ يَا رَسُولَ
 اللَّهِ أَتَحِبُّ أَنْ أَقْتُلَهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ
 الْحَذَنُ لِي فَلَا قُلْ قَالَ قُلْ فَإِنَّا هُنَا
 لَهُ وَذَكَرَ مَا بَيْنَهُمَا وَقَالَ إِنَّ هَذَا الرَّجُلَ
 قَدْ أَرَادَ صَدَقَةً وَقَدْ عَنَّا نَا فَكَمَا
 سَمِعَهُ قَالَ وَآيُضًا وَاللَّهِ لَتَمَلِكَنَّهُ
 قَالَ إِنَّا قَدْ أَتَبَعْنَا هَ الْوَلَدَ وَنَكَرَهُ أَنْ
 نَدَاعَهُ حَتَّى يَنْظُرَ إِلَى آتِي شَيْءٍ يُصَيِّرُ
 أَمْرَهُ قَالَ وَقَدْ رَدْتُ أَنْ تُسَلِّقَنِي سَلَفًا
 قَالَ فَمَا تَرْهَنُنِي قَالَ مَا تُرِيدُ قَالَ
 تَرْهَنُنِي نِسَاءً كُمْ قَالَ أَنْتَ أَجْمَلُ الْعَرَبِ
 أَنْ تَرْهَنَكَ نِسَاءً نَا قَالَ لَهُ تَرْهَنُونِي
 أَوْلَادَكُمْ قَالَ يُسَبِّبُنِي أَحَدُنَا فَيُقَالُ
 هُنَّ فِي وَسْقَيْنِ مِنْ تَمَرٍ وَلَكِنْ تَرْهَنَكَ
 الْإِمَامَةُ يَغْنِي السَّلَاحَ قَالَ فَتَنَعَمُ وَوَعَدَهُ
 أَنْ يَأْتِيَهُ بِالْحَارِثِ وَآبِي عَبَّاسٍ بَيْنَ
 جَبْرِ وَعَبَّادٍ بَيْنَ بَشِيرٍ قَالَ فَجَاءَهُ وَاقْدَعُوهُ
 لَيْلًا فَتَزَلَّ إِلَيْهِمْ فَتَالَ سُعْيَانُ قَالَ غَيَّرُ
 عَنْهُ وَقَالَتْ لَهُ أَمْرًا كُفُّ إِيَّيْ لَا سَمْعَ صَوْتُنَا
 كَأَنَّكَ صَوْتُ دَمٍ قَالَ إِنَّمَا هَذَا مُحَمَّدٌ
 بْنُ مَسْلَمَةٍ وَدَضِيعَةٌ وَأَبُونَا ثَلَاثَةٌ إِنَّ
 الْكَرِيمَ لَوُدَّ عَمِّي إِلَى طَعْنَةٍ لَيْلًا لَا جَابِ
 قَالَ مُحَمَّدٌ إِيَّيْ إِذَا جَاءَ فَسَوْفَ أَمْدُ يَدَايِ
 إِلَى دَائِسِهِ فَإِذَا اسْتَمَلَكْتُمْ مِنْهُ قَدْ وَنَكُمُ
 قَالَ فَلَمَّا نَزَلَ نَزَلَ وَهُوَ مَتَوَشِّهٌ فَقَالُوا
 نَجِدُ مِنْكَ رِيحَ الْقَلْبِيبِ قَالَ نَعَمْ تَحِيَّتِي
 فَلَا نَتُّ هِيَ آعْطَرُ نِسَاءً الْعَرَبِ قَالَ فَتَأْذَنُ
 لِي أَنْ أَشْتَمَ مِنْهُ قَالَ نَعَمْ فَشْتَمَ فَتَنَّا وَلَ

مجھے کچھ ترہینا کہنے کی اجازت دیجئے، آپ نے فرمایا کہہ لینا،
 پس وہ کعب بن اشرف کے پاس گئے اور اس سے باتیں
 کیں اور اپنا اندھنہ کا فریضی معاملہ بیان کیا اور کہا یہ شخص ہم
 سے صدقات لیتا ہے اور ہم کو اس نے مصیبت میں
 ڈال رکھا ہے، جب کعب نے یہ سنا تو کہا: خدا کی قسم
 ابھی تو تم کو اور مصیبت پہنچے گی، حضرت محمد بن مسلمہ نے
 کہا ہم اس کی اتباع کر چکے ہیں اب ہمیں اس کو چھوڑنا برا
 معلوم ہوتا ہے تاؤ تھیکہ ہم یہ نہ دیکھ لیں کہ اس کا مال کار
 کیا ہوتا ہے، حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا میں یہ چاہتا
 ہوں کہ تم مجھے کچھ فریضی دو، کعب نے کہا تم میرے پاس
 کیا چیز رہن رکھو گے! حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا جو تم
 چاہو، کعب بن اشرف نے کہا تم اپنی عورتیں میرے پاس
 رہن رکھ دو، حضرت ابن مسلمہ نے کہا تم عرب کے حسین
 ترین شخص ہر ہم تمہارے پاس اپنی عورتیں کیسے گروی
 رکھ سکتے ہیں! کعب نے کہا پھر اپنے بچے گروی رکھ
 دو، حضرت ابن مسلمہ نے کہا پھر ہمارے بچوں کو یہ گالی
 دی جائے گی کہ یہ دو دوست کھور کے خون گروی رکھا گیا
 تھا، البتہ ہم اپنے ہتھیار تمہارے پاس گروی رکھ دیں
 گے، کعب نے کہا اچھا، حضرت ابن مسلمہ نے کعب
 سے وعدہ کیا کہ حارث، ابوعبیس بن جبر اور عباد بن
 بشر کو لے کر تمہارے پاس آؤں گا، سو یہ لوگ اس
 کے پاس گئے اور رات کو اسے بلایا، کعب ان کی طرف
 جانے لگا، اس کی بیوی نے کہا مجھے ایسی آواز آرہی ہے
 جیسے خون کی آواز ہو، کعب نے کہا یہ محمد بن مسلمہ، اس کا
 رضاعی بھائی اور ابونا نکلہ سے اور معزز آدمی کو اگر رات
 کے وقت بھی نیزہ بازی کے لیے بلایا جائے تو وہ پلا
 جاتا ہے، اور حضرت محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں
 سے کہہ دیا تھا کہ جب کعب آئے گا تو میں اپنا ہاتھ اس کے سر کی طرف برمھاؤں
 گا جب میں اس پر قابو پاؤں تو تم اس وقت اس پر حملہ کر دینا

جب کعب مجھے اتر آؤ وہ سر کر چاند سے چھائے ہوئے تھا، ان لوگوں نے کہا آپ سے تو عرش کی مہک اُڑ رہی ہے اس نے کہا ہاں میرے ہاں فلاں عورت ہے جو عرب کی سب سے معطر عورت ہے، حضرت ابن مسلمہ نے کہا کیا آپ مجھے یہ خوشبو سونگھنے کی اجازت دیں گے؟ کعب نے کہا ہاں سونگھ لو، حضرت ابن مسلمہ نے اس کا سر سونگھا پھر کہا کیا آپ مجھے دوبارہ سر سونگھنے کی اجازت دیں گے اور پھر اس کا سر مضبوطی سے پکڑ لیا اور ساتھیوں سے کہا حملہ کرو اور انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔

فَشَمَّ ثُمَّ قَالَ أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَعُوذَ قَالَ فَاسْتَمَكَنَّ مِنْ تَرَأْسِهِ ثُمَّ قَالَ دُونَكُمْ قَالَ فَقَتَلُوهُ ۖ

کعب بن اشرف کی مختصر سوانح

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ابن اسحاق وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ کعب بن اشرف یہودی عربی النسل تھا اور بنو نہمان کے قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا، اس کا باپ زمانہ جاہلیت میں مدینہ آیا اور بنو نضیر سے ملاقات کا حلف اٹھایا اور ان میں ذی حیثیت ہو گیا، اس نے عقیدہ نبت ابی الحقیق سے شادی کی اس سے کعب پیدا ہوا، یہ طویل القامت اور جسم شخص تھا، اس کا سر اور پیٹ بڑا تھا، واقعہ بدر کے بعد اس نے مسلمانوں کی ہجو کرنا شروع کر دی یہ مکہ میں وداع سہمی کے پاس گیا، حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس کی جواباً ہجو کی، یہ پھر مدینہ منورہ واپس آ گیا اور اپنے اشعار میں مسلمان عورتوں کا ذکر کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ اس سے مسلمانوں کو اذیت پہنچی، امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ کعب بن اشرف شاعر تھا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتا تھا اور آپ کے غلام کفار قریش کو برا بھلا کہتا تھا، جب ہی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو سب بل جمل کر سہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اصلاح کرنا چاہی، جب کہ یہ ہر روز اور مشرکین مسلمانوں کو انتہائی اذیت پہنچاتے تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو صبر کا حکم دیا، لیکن جب کعب بن اشرف مسلمانوں کو اذیت پہنچانے سے باز نہیں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن سلہ کے ساتھ ایک جاوٹ کو اسے قتل کرنے کے لیے بھیجا، امام ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ کعب بن اشرف کو ربیع الاول دو ہجری میں قتل کیا گیا تھا۔ ۱۷

کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم دینے کی وجوہات

اس کے رسول کو اذیت پہنچاتی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ابن عاصم نے کعبی سے روایت کیا ہے کہ جب کعب بن اشرف کفار قریش کے پاس گیا تو اس نے غلام کعب کو قتل کر دیا یہ قسم کھائی کہ وہ مسلمانوں سے جنگ کرے گا، اور ابوالاسود نے عروہ سے روایت کیا ہے کہ کعب بن اشرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ہجو کرتا تھا اور قریش

۱۷۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۴، ص ۳۲۴، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

کوان کے قتل کے بعد براہ کھنہ کرتا تھا، اور جب وہ قریش کے پاس گیا تو قریش نے اس سے پوچھا آیا ہمارا دین ہدایت پر ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہدایت پر ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ تمہارا دین ہدایت پر ہے، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا؟ کیونکہ اس نے ہم سے عداوت کا اعلان کر دیا ہے۔ عبد اللہ ابن اسحاق غلامانی نے ایک سند ضعیف کے ساتھ عکرمہ سے ایک مسلم روایت بیان کی ہے کہ کعب بن اشرف نے یہودیوں کے ساتھ قتل کرکھا نا تیار کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی اور یہ طے کیا کہ جب آپ آجائیں تو آپاٹنگ آپ کو قتل کر دیا جائے، آپ بعض صحابہ کے ساتھ تشریف لے آئے، جب آپ بیٹھ گئے تو جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو ان کی سازش سے مطلع کر دیا، آپ دال سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جبرائیل امین نے آپ کو اپنے پردوں کی حفاظت میں لے لیا، اس طرح آپ نکل گئے جب انہوں نے آپ کو گم پایا تو روضہ منورہ نے گئے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا۔ علامہ ابن حجر مکتبی ہیں کہ ہر سکتا ہے کہ یہ واقعہ بھی کعب بن اشرف کے قتل کا سبب ہو کیونکہ اس حکم کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں۔ لہ

حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا، یا رسول اللہ مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیں، انہوں نے کعب بن اشرف سے جو کچھ کہا کہ اس شخص یعنی حضور نے ہمیں بہت تنگ کر رکھا ہے یہ سب اس کو قتل کرنے کی اسکیم اور حکمت عملی کی بنیاد پر تھا اور جنگ کی ضرورت کے پیش نظر ایسا کہنا جائز ہے اس پر تفصیل سے بحث گزر چکی ہے۔

بَابُ غَزْوَةِ خَيْبَرِ

۲۵۵۰ - وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صَهْبِيٍّ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَا خَيْبَرَ قَالَ فَصَلَّيْنَا عِنْدَ هَا صَلَوةَ الْغَدَاةِ يَخْلُسُ فَرَكِبَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكِبَ أَبُو طَلْحَةَ وَأَنَا مَا دَيْفُ أَبِي طَلْحَةَ فَأَجْرَى نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — فِي رُقَاةٍ خَيْبَرَ وَارْتَدَّ رُكْبَتِي لَتَمَشُ فَوَحَّدَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَسَمَ إِلَّا زَارَعْتُ فَوَحَّدَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنِّي لَأَرَى

غزوة خیبر

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے جہاد کیا، ہم نے خیبر کے پاس نہ اندھیرے ناز پڑھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور حضرت ابو طلحہ سوار ہوئے، میں حضرت ابو طلحہ کے پیچھے سوار تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی گلیوں میں سواری دوڑائی، میرا گھٹنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے مس کر رہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے چادر ہٹ گئی تھی، اور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کی سفیدی دیکھ رہا تھا، جب آپ بستی میں داخل ہوئے تو آپ نے فرمایا: اللہ اکبر خیبر دیران ہو گیا، ہم جب کسی قوم کے میدانوں میں اترتے ہیں تو وہ دن ان لوگوں کے لیے

جنہیں عذاب کی وعید سنائی گئی ہے بہت بُرا ہوتا ہے، یہ جملہ آپ نے تین بار فرمایا، اس وقت یہودی اپنے گھروں سے کام کاج کے لیے نکلے تھے، وہ کہنے لگے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آگئے، بعض راویوں نے کہا لشکر کے ساتھ آگئے، حضرت انس نے کہا ہم نے خیبر کو جنگ سے منع کیا تھا۔

بَيَّأَصَ فَخِذَ بَنِي اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا دَخَلَ الْقَرْيَةَ قَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِثَارًا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُتَذَرِّينَ قَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ وَقَدْ خَرَجَ الْقَوْمُ إِلَى أَعْمَالِهِمْ فَقَالُوا مُعَمَّدٌ قَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ وَقَالَ بَعْضُ

أَصْحَابِنَا وَالْخَمِيسُ قَالَ وَأَصْبَحْنَا هَاعُنْوَةً -

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خیبر کے دن میں سواری پر حضرت ابو طلحہ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اور میرے قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے مس کر رہے تھے، ہم خیبر میں اس وقت پہنچے جب صبح نکل چکا تھا، اس وقت یہودیوں نے اپنے جانور نکالے تھے اور وہ خود درختیاں ٹوکیں اور درختوں پر چڑھنے کی کوسیاں لے کر نکلے، انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لشکر کے ساتھ آئے ہیں اپنے فرمایا خیبر تباہ ہو گیا ہم جب کسی قوم کے میدانوں میں اترتے ہیں تو جن لوگوں کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے وہ دن ان کے لیے بہت بُرا ہوتا ہے، حضرت انس کہتے ہیں کہ پھر اللہ عزوجل نے ان کو شکست دے دی۔

۲۵۵۱ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَكَمَةَ حَدَّثَنَا قَائِمٌ عَنْ أَبِي قَالَ كُنْتُ رَدَفَ أَبِي طَلْحَةَ يَوْمَ خَيْبَرَ وَقَدْ مَرَّ بِي تَمَشُّ قَدَمَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَأَتَيْنَا هُمُومًا بَزَغَتِ الشَّمْسُ وَقَدْ أَخْرَجُوا مَوَاشِيَهُمْ وَخَرَجُوا بِفُشُوسِهِمْ وَمَكَائِلِهِمْ وَمُرُورِهِمْ فَقَالُوا مُعَمَّدٌ وَالْخَمِيسُ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِثَارًا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُتَذَرِّينَ قَالَ فَهَرَمَهُمُ اللَّهُ عَنَّا وَجَلَّ -

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر پہنچے تو آپ نے فرمایا، ہم جب کسی قوم کے میدانوں میں اترتے ہیں تو جن لوگوں کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے وہ دن ان کے لیے بہت بُرا ہوتا ہے۔

۲۵۵۲ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَاسْمُ بَنِي مَنْصُورٍ قَالَ أَخْبَرَنَا النَّضَرُ بْنُ شُمَيْلٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا أَقْبَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ قَالَ إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُتَذَرِّينَ -

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر گئے،

۲۵۵۳ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ وَالْقُطَيْبِيُّ عَنْ عُبَادَةَ قَالَ لَا

حَدَّثَنَا حَاتِمٌ وَهُوَ ابْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ
بِزْدِ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ
عَنْ سَلَمَةَ ابْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى خَيْبَرَ
فَتَسَيَّرْنَا لَيْلًا فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ لِيَعْمَرَ
بْنُ الْأَكْوَعِ أَلَا تَسْمِعُنَا مِنْ هُنَيْهَاتِكَ وَ
كَانَ عَامِدٌ رَّجُلًا شَاعِرًا فَنَزَلَ بِالنَّوْمِ
يَقُولُ ۝

اللَّهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا نَصَدَقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَاغْفِرْ فِدَاءَ لَكَ مَا اقْتَفَيْنَا
وَتَبَّتِ الْأَفْدَامُ إِنْ لَا قَيْنَا
وَأَلْقَيْنَ سَكِينَتَهُ عَلَيْنَا
إِنَّا إِذَا صِيحْرَبْنَا أَتَيْنَا
وَبِالْصِّيَارِ عَوَّلُوا عَلَيْنَا

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَن
هَذَا السَّائِلُ قَالُوا عَامِرٌ قَالَ يَرْحَمُهُ
اللَّهُ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ وَجَبَتْ يَارَسُولَ
اللَّهُ لَوْلَا أَمْتَعْتَنَا بِهِ قَالَ قَاتِلْنَا خَيْبَرَ
فَخَاصَرْنَا هُمْ حَتَّى أَصَابَتْنا مَخْمَصَةٌ شَدِيدَةٌ
ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللَّهَ فَتَحَهَا عَلَيْكُمْ قَالَ فَلَمَّا
أَمْسَى النَّاسُ مَسَاءَ الْيَوْمِ الَّذِي فَتَحَتْ
عَلَيْهِمْ أَوْقَدُوا نَارًا كَثِيرَةً فَقَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هَذِهِ
النَّارُ عَلَى شَيْءٍ يُتَوَقَّعُ ذَنْفُهَا لَوْلَا
عَلَى لَحْمٍ قَالَ أَيْ لَحْمٍ قَالُوا الْحَمُّ حُمُرُ
الْإِثْيِيرِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَهْرُ يُقَوِّهَا وَأَكْثَرُ وَهَذَا فَقَالَ رَجُلٌ
أَوْ يَهْرُ يُقَوِّهَا وَيُخْسِلُهَا فَقَالَ أَوْ ذَاكَ

ہم رات بھر سفر کرتے رہے، لشکر میں سے ایک شخص
نے حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ
میں اپنے کچھ اشاریہ بتائیں گے؟ حضرت عامر شاعر تھے وہ طوی
سے اتر کر مدی خوانی کرنے لگے:-

اے اللہ اگر تیری مدد نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے۔
ہم رکوع ادا کرنے نہ ناز پڑھتے۔
ہماری طلب پس بھی ہے کہ ہمیں سنا کوئے ہم تجھ پر نڈھول۔
لوگوں سے مقابلہ کے وقت ہم کو ثابت قدم رکھ
ادھم پر تسلی نازل فرما۔

جب ہم کو بلایا جاتا ہے تو ہم پہنچ جاتے ہیں۔
اللہ خدا میں لوگ ہم پر اعتماد کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ مدی خواں کون ہے؟
لوگوں نے کہا: یہ عامر ہیں، آپ نے فرمایا اللہ اس پر رحم
کرے، لشکر میں سے ایک شخص نے کہا اس پر رحمت
واجب ہوگئی، کاش آپ ہم کو بھی اس سے متبع فرماتے،
حضرت سلمہ کہتے ہیں کہ پھر ہم خیر پیچھے اور ہم نے اہل خیر
کا عامرہ کر لیا حتیٰ کہ ہم کو سخت جھوٹ لگ گئی، آپ نے
فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر خیر فتح کر دیا، پھر فتح کے دن شام
کے وقت لوگوں نے بہت آگ روشن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا یہ آگ کیسی ہے؟ کس چیز کو پکائے؟
یہ آگ جلا رہے ہو، لوگوں نے کہا گوشت پکا ہے
ہیں، آپ نے پوچھا کس چیز کا گوشت؟ لوگوں نے کہا پالتو
گدھوں کا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہندیاں الٹ
دو، اندھ لٹیاں توڑ دو، ایک شخص نے پوچھا کیا ہندیاں
الٹ کر ان کو دھریں؟ آپ نے فرمایا: یا ایہا ہی کر واجب

قَالَ فَلَمَّا تَصَافَتْ الْقَوْمُ كَانَ سَيْفٌ عَامِدٌ
فِيهِ قَصْرٌ فَكُنَّا وَرَاءَ سَاقِي يَهُودِيٍّ
لِيَضْرِبَهُ وَيَرْجِعَهُ ذُبَابٌ سَيْفِهِ فَأَصَابَ
رُكْبَتَهُ عَامِدٌ فَمَاتَ مِنْهُ قَالَ فَلَمَّا قَفَلْنَا
قَالَ سَلَمَةُ وَهُوَ اخِذٌ بِيَدِي قَالَ فَكُنَّا
تَمَامِي وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
سَاكِنًا قَالَ مَا لَكَ قُلْتُ لَهُ فَذَاكَ أَيُّهَا
أُمِّي نَرَعُمُوهَا أَنْ عَامِدٌ أَحْبَطَ عَمَلَهُ قَالَ مَنْ
قَالَ قُلْتُ فَلَانٌ وَفُلَانٌ وَأَسِيدُ بُتْ
حَضِيرٍ الْأَنْصَارِيِّ فَقَالَ كَذَبَ مَنْ قَالَ
إِنَّ لَهُ لَا جَدْرَيْنِ وَجَمْعَ بَيْنٍ أَصْبَعِيهِ
إِنَّهُ لَجَاهِدٌ مُجَاهِدٌ قُلْتُ عَمَّا فِي مَشْيِهَا
مِثْلَهُ وَخَالَفَ قَتَيْبَةُ مُحَمَّدًا فِي الْحَدِيثِ
فِي حَرْفَيْنِ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّادٍ وَآلِ
سَكِينَةَ عَلَيْهِمَا السَّلَامَ.

لوگوں نے صف بن ابی قحطاف کی تلوار چھوٹی تھی، انہوں نے ایک یوگر
کے پاؤں پر تلوار ماری تو وہ پلٹ کر ان کے گھٹنے میں
لگی، اور وہ اسی ضرب سے شہید ہو گئے، جب مسلمان واپس
رہے تو حضرت سلمہ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا،
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے غاموش دیکھا تو
فرمایا کیا بات ہے؟ میں نے کہا آپ پر میرے ماں اور
باپ قربان، میں لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ عامر کے سب مل
برباد ہو گئے، آپ نے پوچھا کس نے کہا ہے، میں نے
کہا غلام اور غلام نے اور اسید بن حضیر انصاری نے
آپ نے فرمایا جس نے یہ کہا ہے جھوٹ کہا ہے، عامر
کے دو اجر ہیں، آپ نے اپنی دو انگلیوں کو جھک کر
کہے فرمایا: اس نے اس طرح جہاد کیا ہے کہ عربوں میں اس
کا مثال بہت کم ہے، قتیبہ نے دو حروف میں راوی محمد
کی مخالفت کی ہے اور ابن عباد کی روایت میں اتق سکیہ
علینا ہے۔

۴۵۵۴- وَحَدَّثَنَا أَبُو الْقَاسِمِ أَحْمَدُ بْنُ
أَبْنِي وَهْبٍ أَخْبَرَ فِي يَوْمٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ
أَخْبَرَ فِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَكُسْبَةَ غَيْرِ ابْنِ
وَهْبٍ فَقَالَ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ كَعْبٍ بِنِ
مَالِكٍ أَنَّ سَلَمَةَ ابْنَ الْأَكْوَعِ قَالَ لَنَا كَانَ
يَوْمٌ خَيْرٌ قَاتِلِ أَخِي قِتَالًا شَدِيدًا أَقْبَرَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاتِلًا
عَلَيْهِ سَيْفُهُ فَقَاتَلَهُ فَقَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَلِكَ وَ
شَكْرًا فِيهِ رَجُلٌ مَاتَ فِي مِلَاحِهِ وَ
كُنُوا فِي بَعْضِ أَمْرِهِ قَالَ سَلَمَةُ فَقَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ جنگ خیبر کے دن میرے بھائی نے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بڑی شدید جنگ کی، انکا اتفاق سے
اس کی تلوار پلٹ کر اس کو لگی اور وہ شہید ہو گئے، رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اس پر کچھ نکتہ چینی کی
اور جو شخص اپنے ہی ہتھیار سے قتل ہو جائے اس کی
شہادت میں شک کیا، حضرت سلمہ نے کہا جب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس لوٹے تو میں نے عرض کیا:
یا رسول اللہ! مجھے کچھ رجز یہ کلام پیش کرنے کی اجازت دیں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی، حضرت عمر بن
الخطاب نے کہا سوچ سمجھ کر کہنا، پھر میں نے کہا:

تَحْيِيْرَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اشْدَنْ لِي اَنْ
اَرْجُزَ لَكَ فَاَذِنَ لِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَعْلَمُ
مَا تَعْمَلُ قَالَ فَقُلْتُ هـ

وَاللَّهِ كَوْلَا اللَّهُ مَا اهْتَدَيْتَ
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
صَدَقْتَ هـ

وَأَنزِلْنِ سَيِّئِنَا عَلَيْنَا
وَكَيْتِ الْاَفْدَامُ اِنْ لَا قِيْنَا
وَالْمُشِيرُ كَوْنُ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا

قَالَ فَلَمَّا قَضَيْتُ رَجَزِي قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ هَذَا
قُلْتُ قَالَ آخِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُهُ اللَّهُ قَالَ فَقُلْتُ
يَا رَسُولَ اللَّهِ اِنْ نَاسًا يَهَابُونَ الصَّلَاةَ
عَلَيْهِ يَقُولُونَ رَجُلٌ مَاتَ لِسَلَاحِهِ فَقَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ
جَاهِدًا مُجَاهِدًا قَالَ ابْنُ شِهَابٍ ثُمَّ
سَأَلْتُ ابْنَ إِسْلَمَةَ ابْنَ الْأَكْوَعِ
فَحَدَّثَنِي عَنْ أَبِيهِ مِثْلَ ذَلِكَ فَخَرَفْنَا
قَالَ حِينَ قُلْتُ اِنْ نَاسًا يَهَابُونَ الصَّلَاةَ
عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَذَبُوا مَاتَ جَاهِدًا مُجَاهِدًا اَقْلَهُ اَجْرُهُ
مَرَّتَيْنِ وَاشْأَمَ بِأَصْبَعِيهِ هـ

خدا کی قسم! اگر اللہ کی مدد ہو تو۔ تو ہم زکوٰۃ
ادا کرنے نہ نماز پڑھتے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے سچ کہا!
اور ہم پر اپنی رحمت نازل فرما۔
اور کفار سے مقابلہ کے وقت ہم کو ثابت
قدم رکھ۔

بے شک کفار نے ہم پر حملہ ہوا کیلئے
جب میں یہ رجز پورا کر چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
پرچہ یا کس کے اشارہ میں؛ میں نے عرض کیا یہ شرمیہ
بھائی مامرنے کہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے، میں نے عرض کیا یا رسول
اللہ! لوگ اس کی ناز خانہ پڑھنے میں ہچکچاہے ہیں!
اور کہتے ہیں کہ یہ شخص اپنے ہتھیار سے مرے گا، آپ نے
فرمایا وہ مجاہد ہے اور جہاد کرتے ہوئے شہید ہوا ہے
زہری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمہ کے ایک بیٹے سے
پرچہ پڑا اس نے اپنے والد سے یہ روایت اسی طرح بیان
کی کہ اللہ انھوں نے کہا جب میں نے کہا کہ لوگ اس کی ناز خانہ پڑھتے
ہوئے ہچکچاہے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا یہ لوگ عجوبہ بولتے ہیں! آپ نے فرمایا وہ مجاہد ہے
جہاد کرتے ہوئے شہید ہوا ہے، اور اس کو دو گنا اجر ملے
گا اور پھر اپنی دوا انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔

خیبر کا لغوی معنی، جغرافیائی محل وقوع، تاریخ اور غزوہ خیبر کے اہم واقعات | محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

خیبر: ایک نخلستان، (سطح سمندر سے ۲۸۰۰ فٹ بلند اور) جو مدینہ منورہ سے ۱۸۴ کلومیٹر (کچھ کم سا سو میل) شمال میں تری
راستے سے آنے والے حجاج کی شاہراہ پر واقع ہے۔ مہذبہ نری میں غابہ یعنی جبل احد کے مغرب سے گزرتے تھے اب

جبید ہوائی اڈے (مطالعہ) سے اتصال کی خاطر مشرق سے گزرتے ہیں۔ تقریباً ایک سو کلومیٹر تک یہ راستہ تنگ اور پچھلے دروں میں سے ہوتا ہوا جاتا ہے، جس کے دونوں طرف بلند پہاڑ ہیں، اس ساری مسافت میں پتھر مٹی یا مٹی، حصہ یعنی آتش فشاں سے جلے ہوئے عناصر پر مشتمل ہیں۔ مدعت اور پانی نام کو نہیں، انکا دکھنا بکریاں کہیں چرتی نظر آتی ہیں جو بہت پست قد ہوتی ہیں۔ ان کے دودھ نہیں ہوتا، البتہ ان کا گوشت کھاتے ہیں۔ مدینے سے غیر تک مشکل سے دو آبادیاں ملتی ہے۔ پہلی مصلع ہے جو ۱۲۸ کلومیٹر پر واقع ہے اور کافی سرسبز ہے۔ مقامی لوگوں کا بیان ہے کہ بستی کے نصف حصے میں کمزوروں کا پانی کڑوا ہے اور نصف حصے میں شیریں ہے؛ ممکن ہے فذک ہی ہو۔ اس سے آگے ایک دوسری چوٹی اور ویران سی بستی ہے۔

خبر بھی ایک حرہ (رکبان) ہے۔ مذینے سے آئی تو شہر کے پندرہ بیس کلومیٹر کے فاصلے پر سفید اور قابل کاشت لیکن افادہ زمینیں ملتی ہیں، جو دس بارہ کلومیٹر تک پھیلی ہوئی ہیں۔ بعد ازاں پھر حرہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس حرے میں شاہراہ کے دائیں جانب عظیم (بیہودی) کھنڈر میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں، جن میں کچھ تالابوں کے منہدم سے بند نظر آتے ہیں۔ گرمی میں پانی خشک ہو جاتا ہے تو ان کی تہہ بن جی ہوئی نہیں مٹی معدودہ دور تک نظر آتی ہے، امریکی انجینئر ٹوپیل ...
... نے سعودی عرب کی زندگی پر پیمائش کی رپورٹ میں یہاں سدا الحیدادہ پانچ دیگر تالابوں کا ذکر کیا ہے۔ غزوہ خیبر میں آتے اور جاتے دونوں وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سدا الصبلہ میں قیام فرمایا تھا؛ وہ شاید یہیں کہیں ہو۔ اس کے اگے ایک پست اور وسیع وادی ہے، جس میں شہر خیبر آباد ہے۔ یہ نخلستانوں سے اس قدر پٹا ہوا ہے کہ کسی بلندی پر سے بھی شہر کے خطوط بالکل نظر نہیں آتے۔ عہدِ نبوی میں غلہ الکیتہ میں کھجور کے چالیں ہزار ہا پیڑ بیان کیے گئے ہیں (ابن الاثیر: البدایہ ۴: ۲۰۲) آج کل بھی شہر کے جنوب میں ایک بلند پہاڑ کے دامن میں کئی میل لمبا ایک گھٹنا نخلستان ہے۔ خیبر میں اب (۱۹۶۲ء میں) عزیزہ قبیلے کے عرب آباد ہیں۔ کہتے ہیں کہ فضل کٹنے کے زمانے میں ہنگامی آبادی پچیس تیس ہزار ہو جاتی ہے، اور مستقل آبادی پانچ ہزار کے لگ بھگ بیان کی جاتی ہے۔ شہر میں کئی بلند ٹیلے اور پہاڑیاں ہیں جن میں سب سے ممتاز وہ ہے جسے قصر حب کہا جاتا اور بیہودی عہد کی یادگار سمجھا جاتا ہے۔ ترکی دور میں غالباً یہاں فوجی چھاؤنی تھی، اب اس میں سعودی گورنر رہتا ہے۔

بعض مؤرخوں کی رائے میں خیبر کے یہودیوں کی بولی میں "خیبر" کے معنی قلعے کے تھے۔ البکری نے سہل بن محمد کتاب سے اور یاقوت نے الزجاجی سے روایت کی ہے کہ یہ اس لہجے کے بانی ہجیر بن قانیہ بن مہلایل کے نام سے منسوب ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ انساب یہود کے گم گشتہ قبائل نے یہاں اور پشاور سے آگے وہ خیبر میں بھی اپنی نشاندہی کے لیے یہ نام دیا ہو۔ ۹

نخبر کا قدیم ترین ذکر بائبل کے آخری کلدانی بادشاہ بنو لنڈ (نبوبید) (۵۵۶ یا ۵۳۹ ق م) کے معنی کہتے ہیں جو حران کی منہدم جامع مسجد کے فرش کے ایک پتھر پر ملا تھا (میونخ کی موٹر مستشرقین عالم کی روداد ص ۱۳۲) مکمل ہے کہ جب اس بادشاہ نے تیمار میں اپنا ذبیح پائے تخت بسایا تو خیبر و ندک وغیرہ سے ہوتے ہوئے یثرب تک کی سیاحت کی ایک دوسرا کتبہ بھی حران کے قریب الحجر میں دستیاب ہوا ہے، جو سیاقی ہندسوں کے ساتھ عربی میں ہے کہ "میں نے یعنی شرجیل بن طلمون کو سال ۴۹۳ء میں خیبر کی تباہی (منہدم) کے ایک سال بعد تعمیر کرایا۔" (R. S. O.) E. Littmann

۱۹۱۱ء (ج ۱۹۳ بجز) کے مطابق اس تاریخ سے مراد ۵۶۸ء ہے۔ ابن قتیبہ: کتاب المعارف، (ص ۲۱۳) کے مطابق عسائی حکمران الحارث بن ابی شمر جبکہ (۵۲۸ء تا ۶۵۰ء) نے اس رخ حملہ کیا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ خیبر والوں نے ایرانیوں اور حیرہ کے حکمران سے کچھ سازش کی ہو اور اس پر برز نعلی قیصر روم نے اپنے ماتحت حکمران کو ادھر روانہ کیا تھا معلوم نہیں اس وقت خیبر میں کون لوگ تھے، لیکن ساٹھ سال بعد جب پیکر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے تو یہاں صرف یہودی بستے تھے، جو بہت محوش حال تھے؛ چنانچہ مکے میں شادی بیاہ کے موقع پر یہیں سے دیگیں اور زیور کرائے پر لیے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ زبیر کھو گئے تو اہل مکہ نے دس ہزار دینار کا ہرجانہ ادا کیا (ابن سعد ۲/۸۱)۔
 السرخسی: شرح السیر الکبیر ۱/۱۸۶۔ بہت ممکن ہے کہ ماضی روابط نے شادی بیاہ تک نوبت پہنچا دی ہو اور یہاں کی یہودی بے جھجک عربوں سے نکاح کرتی ہوں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم اور ان کے بھائی المطلب نے ایسا ہی کیا (ابن حبیب: المنقح، مخطوطہ پکھنؤ ص ۳۲۵) یہاں کھجوریں بہت ہوتی ہیں، لیکن زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ یہاں کے میوے سے بہت گھبراتے تھے (بعض قصص القزدینی: الآثار، ۲، ۶۰ تا ۶۱ اور ابن قتیبہ: الانوار، ص ۳۱ تا ۳۰ میں ملے گئے) یہودی خیبر کے لباس میں طیلان بہت مشہور ہے (صحیح البخاری، کتاب ۶۴، باب ۴۰، حدیث ۱۲) المطلب نے یہ نقد مانی تھی کہ اگر ان کے دس بیٹے جو مجھے توبہ ایک کی قربانی دیں گے تو منہ خالی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ پر پڑا۔ اس سلسلے میں جس کا ہتھ سے مشورہ کیا گیا تھا وہ سال کا کچھ عرصہ مدینے میں اور کچھ خیبر میں رہتی تھی۔
 ابن ہشام: السیرۃ، ص ۹۸ تا ۹۹۔

یا قوت نے معجم البلدان میں مشاہیر خیبر میں سے ابن القاهر الخبیری الغنی محدث کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، لیکن عہد اسلامی کے جغرافیہ نگاروں میں سے ابگری (مجم، ص ۳۳۱ تا ۳۳۲) نے کتاب الشکر فی الجہاد اقتباس دیا ہے وہ واقع حال شخص کا بیان معلوم ہوتا ہے: یہ مدینے سے آٹھ برید پر ہے۔ پیدل تین دن میں آسکتے ہیں۔ مدینے سے نکھو تو پہلے غابہ علیہ، پھر شعلی کے بعد نقب پر ورج آتا ہے، جہاں ایک مسجد نبوی ہے۔ پھر وادی اللہم آتی ہے، جہاں کنوئیں ہیں۔ پھر جبل اشمد، پھر حرقۃ الشقۃ، پھر نمار آتا ہے، جو خیبر سے آٹھ میل بعد علاقہ خیبر کی سرحد پر واقع ہے اس سے آگے خیبر اور اس کے قلعے ہیں۔ خیبر کا بازار المزلکہ ہے، جسے حضرت عثمان نے بسایا تھا۔ وہاں کے قلعے میں کچھ ہرانے لوگ باقی ہیں جو حضرت عمر کی نسل سے ہیں۔ اس سے آگے حسن و جدہ ہے جس میں کھجور دغیرہ کے درخت ہیں۔ یہ صرف خاص نبوی رہا ہے۔ پھر اسلام ہے، جس کا بڑا حصہ صرف خاص نبوی تھا۔ پھر جبل الالبیل آتا ہے، جس میں یہودی برج راخام ہیں۔ پھر مزرعۃ ابی باغات ہیں، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور بنو المطلب کے روزینے مقرر تھے۔ اس کو اوطیع کہتے ہیں۔ و طیع سے متصل خلص تک ایک وادی آجاتی ہے، جسے الکثیرہ کہتے ہیں۔ یہ سب کی سب صرف خاص نبوی رہی ہے۔ یہ کثیرہ خیبر کے قلعہ بند مقاموں میں سے ہے۔ یہیں الصباد ہے، جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ ڈال کر رات گزار دی تھی، یہ خیبر سے ایک برید کی مسافت پر ہے خیبر کا سب سے بڑا قلعہ القموس ہے، جسے حضرت علی نے فتح کیا تھا؛ اسی کے دامن میں مسجد نبوی ہے۔ وہیں نظاہ اور الشقی دو وادیاں ہیں۔ ان دونوں کے مابین جو رقبہ ہے اسے السبخۃ اور المناضل کہتے ہیں۔ وہ اس بڑی مسجد نبوی تک جانا ہے جہاں خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام رہا۔ یہ مسجد عیسیٰ بن مرسی نے وہ کثیر خرچ کر کے بنوائی، اس کی

بنام طاقات معنویہ پر مبنی ہے، اس میں بڑے محن بھی ہیں۔ وہاں چٹان بھی ہے جسے سترہ (رکباں) بنا کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ناز پڑھا کرتے تھے۔ آج کل یہاں عید کی نازیں پڑھی جاتی ہیں۔ نطاۃ میں مرحب کا قلعہ اور قصر ہے۔ یہ قصر حضرت الزبیر بن العوام کے حصے میں آیا تھا۔ الشق میں الحیرہ نامی چشمہ ہے جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”قمرۃ الملوک“ کا نام دیا تھا۔ اس کا دو تہائی پانی ایک نالے میں جاتا ہے اور ایک تہائی دوسرے میں، حالانکہ ٹکٹا ایک ہی جگہ سے ہے۔ مہدی نبوی سے ملنے کر اب تک یہ ایک عجوبہ رہا ہے۔ اس چشمے میں تین کجوریں یا کڑوی کے تین ٹکڑے ڈالو تو وہ اس نالے میں چلے جاتے ہیں جس میں دو تہائی پانی جاتا ہے اور ایک دوسرے نالے میں۔ یہ کسی کے لبس کی بات نہیں کہ اس میں تہائی سے زیادہ پانی لایا جائے۔ اگر کوئی اس نالے میں کھڑا ہو جائے جس میں دو تہائی پانی جاتا ہے تاکہ اسے دوسرے نالے میں لایا جائے تو پانی اس پر غالب اگر بہہ نکلتا ہے اور دوسرے نالے میں تہائی سے زیادہ پانی نہیں آ سکتا۔ رملہ النطاۃ، وہاں کا بڑا چشمہ الحیرہ کہلاتا ہے۔ خیبر میں سب سے پہلے دار نبی قبرہ فتح ہوا، جو نطاۃ میں ہے اور اسی میں مرحب کا بجائی ایسا رہتا تھا۔ اسی کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ”دار نبی قبرہ کی فتح سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کی روٹی اور کجور بہت بھر کر جہیں کھائی تھی“

قصر مرحب کے دامن میں آج کل ایک چھوٹی سی مسجد رہ گئی ہے اس کے قریب جو چشمہ ہے وہ اب حضرت علی سے منسوب ہے کہ مرحب پر وار کرنے میں ان کی تلوار زمین میں اتر گئی اور یہ چشمہ پھوٹ بہا۔ اس سے کچھ فاصلے پر دوسرا بڑا چشمہ بھی باقی ہے دونوں سے نخلستان کی آبیاشی ہوتی ہے۔

تاریخ اسلام میں خیبر کی شہرت، ۶۲۸ء کے غزوہ نبوی کے باعث ہے۔ مدینے سے نکلے ہوئے بواغیہ کے یہودی یہاں بسے تھے۔ محاصرہ خندق (رکباں) انھیں کی انجمن پر ہوا تھا۔ یہ مسلمانوں کی نئی مملکت کے لیے ایک مستقل خطرہ بن گئے تھے۔ انھیں سے بچنے کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ (رکباں) میں قریش کی مذہبی شیطانی شرطوں پر صلح کی تھی اور قریش سے صرت یہ خواہش کی تھی کہ وہ مسلمانوں کی جنگوں میں غیر جانبدار ہیں۔ اس معاہدے کی تکمیل کے بعد واپس آتے ہی آپ نے خیبر جانے کی تیاریاں شروع کر دیں اور مشکل ایک ہفتہ گزرا تھا کہ پندرہ سو کی جمعیت کے کر آپ مدینے سے روانہ ہوئے۔ جب الصہبار ملک پہنچ گئے تو قبیلہ غطفان کے لوگ آپ کے راستے میں حائل ہوئے کیونکہ وہ خیبر کے یہودیوں کی امداد کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جب آپ نے الصہبار سے وادی الریح (دیار غطفان) کا رخ کیا تو وہ گھبرا کر فوراً اپنے مال و عیال کی حفاظت کے لیے خیبر سے واپس آ گئے اور پھر انھیں نقل و حرکت کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ تین دن الریح میں ٹھہر کر آپ خیبر گئے۔

اہل خیبر آپ کی پیش قدمی سے واقف اور مقابلے کے لیے تیار تھے۔ اس زمانے کی عربی بہتیروں کی طرح خیبر بھی متعدد چھوٹے چھوٹے قبائلی محلوں پر مشتمل تھا۔ ہر محلہ دوسرے سے کچھ فاصلے پر آباد تھا اور ہر ایک کا نظام معیشت، یعنی کھیت، چراگاہیں، قلعے اور گڑھیاں مستقل تھیں۔ جہاں تک دفاع کا تعلق ہے وہ ایک تو اپنے سات بڑے اور متعدد چھوٹے قلعوں میں محفوظ تھے۔ جن میں سے بعض میں سختی میں نصب تھیں؛ دوسرے الیموہی کے مطابق خیبر میں بیس ہزار مقاتل (جنگجو سپاہی) تھے۔ المقریزی (لافتاح) کے مطابق دس ہزار کا مقابلہ پندرہ سو مسلمانوں کو کرنا تھا؛ تیسرے وہ اپنے مرکز اور گھر میں ہونے کی وجہ سے حربی فریقیت بھی رکھتے تھے۔ آذوقہ اور ساز و سامان بھی ان کے پاس بہت تھا۔ السرخسی (شرح السیر الکبیر، باب ۱۱،

الربایات والانیة) نے لکھا ہے کہ غیر کے ہر قلعے کو تین تین فیصلوں سے اس طرح گھیرا گیا تھا کہ سوار و فوج ان کے سامنے بیٹھتی تھی۔

پرانے نام اب بھلا دیسے گئے ہیں، اس لیے معلوم نہیں قلعہ ناظم کہاں تھا، جو سورجوں کے مطابق سب قلعے پہلے سر ہوا۔ پھر اندرون شہر کا قلعہ توڑ کر فتح ہوا، جو خاندان ابوالفتح (اورام المؤمنین حضرت صفیہ) کا سکھ تھا۔ اس کی فتح میں حضرت علی نے خاص کارگزاری دکھائی تھی۔ پھر حصن الشق اور حصن النظاۃ اور حصن الکلیبہ سر ہوئے۔ اس کے بعد حصن الوطیع اور حصن السلام (دو آخری قلعے) کوئی دو مہینوں کی کشمکش کے بعد فتح ہوئے بظاہر انھیں آخری دو قلعوں میں سارے یہودی باشندے جمع ہو گئے تھے۔ اگر یہودیوں کے ساتھ اٹھنے کی توجہ کے احکام کے مطابق بڑا ڈکھا جاتا تو سارے باغ مرد قتل اور عورتیں بچے غلام بنائے جاسکتے تھے، مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمدل اور درگزر سے کام لیا، سب کی جان بخشی کی کہ مال چھوڑ کر جسم کے کپڑوں کے ساتھ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ سیرۃ الشامی کے مطابق مینے میں بنو نعیر کے پاس ایک کنز تھا، یعنی وہ مال جو وہ اتفاقاً نزدیکیات (نواب) کے لیے جمع کیا کرتے تھے، یہ شہر بدری پر نعیری یہ کنز خیبر میں ساتھ لائے تھے۔ حسب معاہدہ جب یہ مسلمانوں کے سپرد نہ ہوا تو آنحضرتؐ نے جواب طلبی کی تو صاحب الکنز نے یہ پھانسیا کہ جنگ کی نیلہ میں ختم ہو گیا ہے، لیکن رات کو اسے کھنڈروں میں ادھر ادھر پھرتے دیکھ کر شبہ ہوا، چنانچہ وہاں کھدائی کی گئی تو خزانہ برآمد ہو گیا اور صاحب الکنز کو فریب کاری کی سزا جگتنی پڑی۔

ابتدائی ناکامیوں ہی نے یہودیوں کا حوصلہ ہٹ کر دیا تھا۔ سیرت نگار لکھتے ہیں کہ حصن ہمزیر اپنے استحکام کے باعث اس لیے بآسانی فتح ہو گیا کہ پانی کے ذخیرے تک اس کا بوزمین دوز راستہ تھا اس کا پتا ایک مقامی یہودی ہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا تھا۔

جب قبضہ مکمل ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرائط صلح میں مزید عایت منظور فرمائی اور اجازت دی کہ وہ ساحل ثانی خیبر ہی میں رہیں اور بٹائی پھر کاشت کر کے نصف پیداوار لگان میں دیا کریں۔ یا قوت (معجم البلدان) نے ملاحضت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف علاقہ بحق حکومت محفوظ کر دیا اور اس میں کتبہ اور سلام داخل ہوئے، باقی فاختوی میں بانٹ دیا اور شتی و نظاۃ و متعلقات اس میں آئے (شکر اسلام میں بارہ سو پیدل اور تین سو گھڑ سوار تھے سواروں کو چونکہ دگنی غنیمت ملتی ہے اس لیے سارا علاقہ چھتیس حصوں میں بانٹا گیا۔ آدھا حکومت کے لیے وقف رہا۔ باقی اٹھارہ حصوں میں سے ہر ایک حصہ سو پیدل سپاہیوں یا پچاس سواروں میں بانٹا گیا)۔ الزہری کا جو بیان ابن کثیر (البدایہ ۲: ۲۲) نے نقل کیا ہے کہ کچھ خیبر بزرگ شمشیر فتح ہوا اور کچھ پر امن طور سے؛ اس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ غیر جنگ فتح شدہ علاقہ بحق حکومت وقف کر دیا گیا لیکن عام مورخ یہ کہتے ہیں کہ زمین کو فاختوی میں تقسیم کرتے ہوئے حسب معمول خمس حکومت کے لیے لیا گیا اور یہ کتبہ کا تختاں تھا۔ یہاں کے لگان میں ہر سال جو کھجوریں وغیرہ آتی تھیں ان سے کچھ روزیے بھی مستقل طور پر مقرر ہوئے، جس کی ابن ہشام وغیرہ نے تفصیل دی ہے۔

یہودیوں کا بٹائی پر کام کرنا حضرت عمرؓ کی غلامت تک باقی رہا، پھر جب ان لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کے قتل کا اقلام کیا تو ان کو وہاں سے شام منتقل کر دیا گیا اور مسلمان کسان ہی یہاں کاشت کرنے لگے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ کسی خیبری یہودی کے حبشی غلام نے، جو چرواہا تھا، اسہم قبول کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے حکم دیا کہ تقاضائے دیانت یہ ہے کہ ریوڑ کو مالک کے قلعے تک لے جا کر چھوڑ دو تاکہ وہ عادت کے مطابق خود ہی مالک کے گھر پہنچ جائے۔

المقریزی نے الامتاع میں لکھا ہے کہ مال غنیمت میں توریت کے جو نسخے ملے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو واپس دلادے۔

اس جگہ سے یہودی سردار حُجَّی بن اخطب کی بیٹی صفیہ بھی جنگی قیدیوں میں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ آپ نے انہیں حضرت وحیدہ کو بخش دیا، مگر پھر بعض صحابہ کے مشورے سے سات قیدیوں کے معاوضے میں انہیں واپس لے لیا اور حد پوری ہوئے تک حضرت ام سلمہ کے پاس رکھا۔ صفیہ مسلمان ہو گئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا اس کا فوری اثر یہ ہوا مسلمان سپاہیوں کا برتاؤ اپنے نبی کے کسمپرسیوں سے نرم ہو گیا۔ بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بھی نکاح سے ہی تھا۔ حضرت صفیہ اپنے غیر مسلم میکے والوں سے ہمیشہ عزیزانہ سلوک کرتی رہیں اور وفات پر وصیت کی کہ ان کے مترد کے کا ایک تہائی، یعنی ایک لاکھ درہم، ان کے غیر مسلم بھائی کو دیے جائیں بعض مسلمانوں نے مخالفت کی تو حضرت عائشہ نے دخل دے کر وصیت کا نفاذ کرایا کہ اسلامی قانون ایسا ہی حکم دیتا ہے۔

(ابن سعد: طبقات ۸۱: ۹۱ تا ۹۲)

صلح ہو جانے اور یہودیوں کو اپنے باغوں میں آجانے کی اجازت ملنے کے بعد بھی مسلمان سپاہی وہاں جا کر پھل، ترکاری چھیننے لگے اور شکایت آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرار دیا اور بتایا کہ اب وہ غیر مال ہے جو اباجاؤں کا مقام (فتح غیر کے موقع پر ایک یہودی عورت زینب بنت الحارث زوجہ اسلام بن مشکم نے ایک بریاں بکری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی اور اس میں دہر ملا دیا۔ آپ نے ایک لقمہ اٹھایا اور چبا کر منترک دیا اور فرمایا کہ یہ زہر آلود ہے۔ آپ کے ساتھ حضرت بشیر بن البراد بن معروض نے زہر آلود گوشت کھا لیا جس کے اثر سے وہ مر گئے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی عورت کو بلا بھیجا۔ اس نے جرم کا اقرار کر لیا مگر اسے آپ نے قتل نہ کیا۔ ایک اور روایت (الامتاع، ص ۳۲۲) میں آیا ہے کہ آنحضرت نے اسے بیشکے رشتہ داروں کے حوالے کر دیا، جنہوں نے اسے قتل کر دیا۔

اس باب کی حدیث نمبر ۴۵۵ میں ہے ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لان سے چادر اٹھ گئی تھی اور میں آپ کی لان کی سفیدی دیکھ رہا تھا“ اس لیے یہاں یہ

بحث ضرور طلب ہے کہ لان شرگاہ ہے یا نہیں، امام مالک نے اس حدیث کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ لان شرگاہ نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ اور مجاہد فقہاء نے یہ کہا ہے کہ لان شرگاہ ہے جہور کا استدلال اس حدیث سے ہے: امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس وجوہہ و محمد بن جحش
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفخذ عورۃ
حضرت ابن عباس، حضرت جبرہ اور حضرت محمد بن جحش رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لان شرگاہ ہے“

۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۔ مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۸۱ھ

علامہ نووی لکھتے ہیں اس باب کی حدیث سے فقہاء مالکیہ اور ان کے موافقین نے ران کے شرمگاہ نہ ہونے پر استدلال کیا ہے، ہمارا اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ ران شرمگاہ ہے، کیونکہ ران کے شرمگاہ ہونے کے متعلق بکثرت احادیث مشہورہ ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی تاویل یہ ہے کہ حملہ کرنے اور ساری دوڑانے کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر ران سے ہٹ گئی تھی اور حضرت انس کی اس پر اتفاقاً نظر پڑ گئی، اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑا ران کو اسی طرح کھلے رہنے دیا، اور صحیح بخاری میں حضرت انس سے جو یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر کو ہٹایا وہ اس پر محمول ہے کہ چادر ہٹ گئی جیسا کہ صحیح مسلم کی اس روایت میں ہے۔

خیبر کا تمام علاقہ صلح سے فتح ہوا تھا یا بعض؟ | علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا

ہے کہ تمام خیبر جنگ سے فتح ہوا ہے، اور امام مالک نے ابن شہاب سے یہ روایت کیا ہے کہ خیبر کا بعض حصہ جنگ سے فتح ہوا ہے اور بعض حصہ صلح سے فتح ہوا ہے، اور اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ سنن ابو داؤد میں یہ روایت ہے کہ آپ نے خیبر کے دو حصے کیے، نصف حصہ اپنی فریادیات اور حاجات کے لیے رکھا اور نصف حصہ مسلمانوں کو دیا، علامہ مازنی نے کہا اس کا جواب یہ ہے کہ خیبر کے ارد گرد زمینیں اور بستیاں تھیں جن میں آپ نے یہودیوں کو جلا وطن کر دیا تھا، یہ زمینیں خاص طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف تھیں، اور ان کے علاوہ جو خیبر کی آمدنی تھی، وہ مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی، اور جن زمینوں اور بستیوں میں یہودیوں کو جلا وطن کیا گیا تھا وہ خیبر کا نصف تھیں اور جس حدیث میں ہے کہ خیبر کے دو حصے کیے ایک حصہ مسلمانوں کو دیا اور ایک حصہ آپ نے اپنے پاس رکھا اس حصہ سے یہی زمینیں مراد ہیں۔

علامہ یہ ہے کہ تمام خیبر جنگ سے فتح ہوا البتہ اس کے ارد گرد کی بستیاں صلح سے فتح ہوئیں جیسے مذکور وغیرہ، آپ نے خیبر کے تمام اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیے اور ارد گرد کی بستیوں کی آمدنی جواز قبیل فحی تھی اس کو صرف اپنے تصرف میں رکھا۔

اللہ تعالیٰ کے لیے "میں فدا ہوں" کہنے کی توجیہ | اس حدیث میں حضرت عامر بن اکوع کے اشارے میں

ہوں، میرے گناہوں کو معاف کر دے، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ علامہ مازنی نے کہا ہے کہ اس مصرعہ پر یہ اشکال ہے کہ یہ نہیں کہا جاتا کہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر فدا ہو جاؤں یا قربان ہو جاؤں، کیونکہ یہ اس موقع پر کہا جاتا ہے جب کسی مصیبت اور تکلیف میں کسی شخص کے مبتلاء ہونے کا خدشہ ہو تو دوسرا شخص کہے تم پر قربان ہو کر اس مصیبت اور تکلیف میں میں مبتلاء ہو جانا ہوں، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کو کسی مصیبت میں مبتلاء ہونے کا خدشہ ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ نے اس لفظ کے حقیقی معنی کا ارادہ نہیں کیا اور ان کی مراد یہ تھی کہ میں ہر حال میں تیری رضا کے حصول کے لیے جدوجہد کر دوں گا، جیسے کہتے ہیں قاتلہ اللہ، اللہ اس کو قتل کر دے، اور اس سے حقیقی معنی مراد نہیں لیا جاتا، یا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا توبت یدالک و توبت یسیدک، تمہارے اچھے خاک آلودہ ہوجائیں، سو اسی طرح یہ بھی محال ہے۔ اگر کسی لفظ

کا اللہ تعالیٰ کی جناب پر تائید سے اطلاق صحیح بھی ہو تب بھی جب تک کہ شریعت میں اللہ تعالیٰ پر اس لفظ کے اطلاق کا ثبوت نہ ہو اس کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق جائز نہیں ہے۔ ۱۰

غزوہ خندق کے اہم واقعات

حضرت براہ بن مازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ احزاب کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ مٹی ڈھور رہے تھے درآن حالیکہ گرد و غبار کی کثرت سے آپ کے پیٹ کانٹھیلی اٹی ہوئی تھی، اور آپ یہ فرما رہے تھے:

خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ کی مدد نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ ہم صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے۔ اے اللہ تو ہم پر سکون نازل فرما۔ بے شک دشمن ہم پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ اور کبھی یوں فرماتے:

ان کافروں نے ہماری بات ماننے سے انکار کر دیا۔ جب وہ فساد کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں۔

جب آپ ابینا فرماتے تو آواز بلند فرماتے۔ حضرت براہ بن مازب رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی روایت مروی ہے البتہ اس میں ان الالی قد بغوا علینا ہے۔

حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے

بَابُ غَزْوَةِ الْأَحْزَابِ وَهِيَ الْخَنْدَقُ

۴۵۵۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ وَالتَّفَظُّ لَا بِنِ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ يَنْقُلُ مَعَنَا التُّرَابَ وَلَقَدْ وَاوَى التُّرَابُ بَيَاضَ بَطْنِهِ وَهُوَ يَقُولُ ۝

وَاللَّهُ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا فَأَنْزَلْنَا سَكِينَتَهُ عَلَيْنَا إِنَّ الْأُتَى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا قَالَ وَرَبَّنَا قَالَ ۝ إِنَّ الْمَلَائِكَةَ آتَوْا عَلَيْنَا إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا وَيَرْفَعُ بِهَا صَوْتَهُ۔

۴۵۵۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ فَذَكَرَ مِثْلَهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ إِنَّ الْأُتَى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا۔

۴۵۵۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْكَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي

در آنجا سیکہ ہم خندق کھود رہے تھے اور اپنے کندھوں پر مٹی ڈھور رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ زندگی تو نہیں آخرت ہی کی زندگی ہے سو تو مہاجرین اور انصار کی مغفرت فرما۔

حَاذِرٌ عَنِ ابْنِهِ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ
قَالَ جَاءَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَحْفِرُ الْخَنْدَقَ وَنَنْقُلُ
التُّرَابَ عَلَى الْكُفَّاتِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ
إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ. فَاعْفِرْ لِمَنْ هَاهُنَا جَرِيرِينَ
وَالْأَنْصَارَ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ زندگی تو نہیں آخرت ہی کی زندگی ہے، سو تو انصار، اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔

۴۵۵۸۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ
بَشَّارٍ وَالْكَفَّظُ لَا بِنِ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ
بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ
كَرَرَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: ه

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: (شعبہ نے کہا یا فرمایا) اے اللہ! زندگی تو نہیں آخرت ہی کی زندگی ہے۔ سو تو انصار اور مہاجرین پر کرم فرما۔

اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ
فَاعْفِرْ لِلْمُهَاجِرِ وَالْأَنْصَارِ
۴۵۵۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ
بَشَّارٍ قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ
جَعْفَرٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا
أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنَّ الْعَيْشَ
عَيْشُ الْآخِرَةِ. قَالَ شُعْبَةُ: أَوْ قَالَ: ه
اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ
فَاكْرِمْ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ رجز کرتے تھے اور ان کے ساتھ آپ بھی رجز کرتے تھے اور صحابہ یہ کہتے تھے: اے اللہ! بھلائی تو صرف آخرت کی بھلائی ہے، سو تو مہاجرین اور انصار کی مدد فرما۔ اور شیبان کی حدیث میں قاتل کی جگہ نا غفر ہے۔

۴۵۶۰۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَ
شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخٍ قَالَ يَحْيَى أَخْبَرَنَا وَقَالَ
شَيْبَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ أَبِي
النَّجَّارِ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ وَكَانَ
كَأَنَّهُ يَرْجُو زَوْنَ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهُمْ وَهُمْ يَقُولُونَ: ه

اللَّهُمَّ لَا تَخَيِّرْ إِلَّا خَيْرًا وَلَا تَجْعَلْ إِلَّا خَيْرًا
فَأَنْصُرَ الْأَنْصَارَ وَتُسَاهِجَهُمْ
وَفِي حَدِيثٍ شَيْبَانٍ بَدَلًا فَأَنْصُرَ فَأَعْظِمَهُ
۳۵۶۱ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَحْمَدٍ عَنْ حَاتِمِ
حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ
حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا يَقُولُونَ
يَوْمَ الْخَنْدَقِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جنگ خندق کے
دن یہ کہہ رہے تھے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَحَمَّدًا
عَلَى الْإِسْلَامِ مَا بَقِينَا إِلَّا
أَوْ قَالَ عَلَى الْجِهَادِ شَيْءٌ حَمْدًا وَالنَّبِيَّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ
اللَّهُمَّ إِنَّ الْخَيْرَ خَيْرٌ الْخَيْرِ
فَأَغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُسَاهِدِ
(و) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر اُٹاز سے
مسئلہ پر ہم نے شرح صحیح مسلم جلد ثانی میں گفتگو کی ہے، اور اس پر مفصل بحث ہمارے رسالہ ”ذکر بالجہاد“ میں ہے۔

ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تاحیات
اسلام پر بیعت کی ہے۔
حماد کو شک ہے کہ شاید اسلام کے بدلہ میں جہاد کہا تھا،
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے تھے:
اے اللہ بھلائی تو صرف آخرت کی بھلائی ہے
سورۃ انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔

اور جزیرہ اشعار پڑھے ان میں ذکر بالجہاد کرنے کا ثبوت ہے اس
مسئلہ پر ہم نے شرح صحیح مسلم جلد ثانی میں گفتگو کی ہے، اور اس پر مفصل بحث ہمارے رسالہ ”ذکر بالجہاد“ میں ہے۔

بَابُ غَزْوِ ذِي قَرْدٍ وَغَيْرِهَا

۳۵۶۲ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا
حَاتِمٌ يَعْنِي ابْنَ إِسْمَاعِيلَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ
أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ سَلَمَةَ بْنَ الْأَكْوَعِ
يَقُولُ خَرَجْتُ قَبْلَ أَنْ يُؤَيَّنَ بِالذُّوْلِ
وَكَانَتْ لِقَاءُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْغِي بَذِي قَرْدٍ قَبْلَ
فَلَقِيَنِي غُلَامٌ تَعْبُدُ الرَّحْمَنَ بْنَ عَوْفٍ
فَقَالَ أَخَذْتُ لِقَاءُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَنْ أَخَذَهَا
قَالَ غُطْفَانُ قَالَ فَصَرَخْتُ ثَلَاثَ
صَرَخَاتٍ يَا صَبَاحًا قَالَ فَاسْمَعْتُ

غزوة ذی قرد وغیرہ
حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے
ہیں کہ ایک مرتبہ میں پہلی اذان سے پہلے مدینہ سے
باہر نکل گیا، وہاں مقام ذی قرد میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی اوشنیاں چر رہی تھیں، وہاں مجھے عبدالرحمن
بن عوف کا غلام ملا اور کہنے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی اوشنیاں پکڑ لی گئیں، میں نے پوچھا کس نے پکڑی
ہیں؟ اس نے کہا غطفان نے، حضرت ابن اکوع کہتے
ہیں میں نے تین مرتبہ چیخ کر کہا: یا صباحا! میری یہ آواز
مدینہ منورہ کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے
تک پہنچی، پھر میں اپنی سیدھی چل پڑا اور میں نے
غطفان کو مقام ذی قرد میں جا لیا، وہاں حالیکہ وہ لوگ

مَا بَيْنَ لَابَتَى الْمَدِينَةِ ثُمَّ انْدَفَعْتُ عَلَى
وَجْهِ حَتَّى أَذَرَ كُثْمَهُمْ بِنَدَى قَرَدٍ وَقَدْ
أَخَذُوا لَيْسُقُونَ مِنَ الْمَاءِ فَجَعَلْتُ أَرْمِيَهُمْ
بِنَبْلِي وَكُنْتُ رَامِيًا وَقَوْلُ
أَنَا ابْنُ الْأَكُوْعِ
وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّصَافِ
فَارْتَجَزُ حَتَّى اسْتَنْقَذْتُ الْقَاصِحَ مِنْهُمْ وَ
اسْتَنْقَذْتُ مِنْهُمْ ثَلَاثِينَ بُوْدَةً قَالَ وَجَاءَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْقَاصِ فَقُلْتُ
يَا نَبِيَّ اللَّهِ إِنِّي قَدْ حَمَيْتُ الْقَوْمَ الْمَاءَ
وَهُمْ عِطَاشٌ فَأَبْعَثْ إِلَيْهِمُ السَّاعَةَ
فَقَالَ يَا ابْنُ الْأَكُوْعِ مَلَكَتَ قَاصِجُ
قَالَ ثُمَّ جَعَلْنَا وَيْزِدُنِي رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى نَاقَتِهِ حَتَّى
دَخَلْنَا الْمَدِينَةَ

۳۵۶۳ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ وَ حَدَّثَنَا
إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ
كِلَاهُمَا عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ عَمَّارٍ عَنْ
حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّائِمِيُّ
وَهَذَا أَحَدُ يَشَى أَخْبَرَنَا أَبُو عَلِيٍّ الْحَسَنِيُّ
عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ
وَهُوَ ابْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا يَاسُ بْنُ سَلَمَةَ
حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ قَدِمْنَا الْحُدَيْبِيَّةَ مَعَ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ
أَرْبَعُ عَشْرَةَ مِائَةً وَعَلَيْهَا خَمْسُونَ شَاةً
لَا تَرَوِيهَا قَالَ فَقَعَدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى جَبَا الرِّكْبَةِ فَأَمَّا دَمًا
وَأَمَّا بَصَقًا فِيهَا قَالَ فَجَاشَتْ فَسَقَيْنَا وَ

پانی پلا رہے تھے، میں نے ان کو اپنے تیروں سے
مارنا شروع کیا اور میں تیر مارتے ہوئے یہ کہہ رہا تھا :
میں اکوع کا بیٹا ہوں !
اور آج مکینوں کی ہلاکت کا دن ہے۔

میں یہ رجز پڑھتا رہا حتیٰ کہ میں نے ان سے اونٹنیاں چھڑا
لیں اور ان کی تیس چادریں بھی لے لیں، اتنے میں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کے ہمراہ تشریف لے آئے،
میں نے کہا یا رسول اللہ میں نے ان کو پانی سے روک
رکھا ہے حالانکہ وہ پیاسے ہیں، آپ اسی وقت کسی کو
ان کے پاس بھیج دیجئے، آپ نے فرمایا: اسے ابن اکوع
تم اپنی چیزیں تو بے چکے ہو، اب رہنے دو، اس
کے بعد ہم واپس لوٹے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
مجھے اپنی اونٹنی پر سوار کر لیا حتیٰ کہ ہم مدینہ پہنچ گئے۔

ایاس بن سلمہ کہتے ہیں کہ میرے والد بیان کرتے
ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیہ گئے،
ہم اس وقت چودہ سو افراد تھے، اور اس جگہ پانی کی اتنی
کمی تھی کہ وہاں پچاس بکریاں بھی سیراب نہیں ہو سکتی تھیں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھ گئے،
پھر یا تو آپ نے کوئی دعا کی اور یا آپ نے اس میں اپنا
لمبا دھن ڈالا، سو کنوئیں کا پانی جو خشک میں آگیا ہم نے
خود بھی پانی پیا اور اپنے جانوروں کو بھی پلایا، پھر رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کی جڑ میں بیٹھ کر ہم کو
بہیت کے لیے بلایا، لوگوں میں سے سب سے پہلے
میں نے آپ سے بہیت کی، پھر اور لوگوں نے بہیت
کرنا شروع کر دی، حتیٰ کہ جب آدھے لوگوں نے بہیت
کر لی تو آپ نے فرمایا: اے سلمہ بہیت کر، میں نے
عرض کیا: یا رسول اللہ! میں تو سب سے پہلے بہیت کر

اَسْتَقِيْنَا قَالَ ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَانَا لِلْبَيْعَةِ فِيْ اَصْلِ الشَّجَرَةِ قَالَ فَبَايَعُنْهُ اَوَّلَ النَّاسِ ثُمَّ بَايَعُوْا بَايَعُوْا حَتّٰى اِذَا كَانَ فِيْ وَسْطِ قَوْمِ النَّاسِ قَالَ بَايَعُوْا يٰ مَسْلَمَةُ قَالَ قُلْتُ قَدْ بَايَعْتُكَ يٰ رَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْ اَوَّلِ النَّاسِ قَالَ وَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَزَّ لَا يَعْزِيْ لِيْ مِنْ مَّعْدِيْ سِلَاحٌ قَالَ فَاَعْطَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَبَقَةً اَوْ دَرَقَةً ثُمَّ بَايَعُوْا حَتّٰى اِذَا كَانَ فِيْ اَخِرِ النَّاسِ قَالَ اَلَا نُبَيِّا يَّعْنِيْ يٰ مَسْلَمَةُ قَالَ قُلْتُ قَدْ بَايَعْتُكَ يٰ رَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْ اَوَّلِ النَّاسِ وَ فِيْ اَوْسَطِ النَّاسِ قَالَ وَ اَيْضًا قَالَ فَبَايَعُنْهُ النَّاسُ الثَّلَاثَةَ ثُمَّ قَالَ لِيْ يٰ مَسْلَمَةُ لَنْ حَبَقْتُكَ اَوْ دَرَقْتُكَ اَلَيْسَ اَعْظِيْتُكَ قَالَ قُلْتُ يٰ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقِيْنِيْ عَمِيْ عَامِرٌ عَزَّ لَا فَاَعْظِيْتُهُ اِيَّاهَا قَالَ فَصَحِيْحَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَالَ اِنَّكَ كَالَّذِيْ قَالَ الْاَوَّلُ اَللّٰهُمَّ اَبْغِيْ حَبِيْبًا هُوَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ ثُمَّ لَانَ الْمَشْرِكِيْنَ رَاْسُوْلُنَا الصُّلَحَ حَتّٰى مَشَى بَعْضُنَا فِيْ بَعْضٍ وَ اصْطَلَحْنَا قَالَ وَ كُنْتُ يَدِيْعًا يَطْلُعَةُ بَيْنَ عَيْنِيْ اللّٰهُ اَسْقِيْ قَوْمَهُ وَاَحْسِنْ وَاَحْدِمْهُ وَاَكُلْ مِنْ طَعَامِهِ وَ تَرَكْتُ اَهْلِيْ وَ مَا لِيْ مِنْهَا جَزًا اِلَّا اللّٰهُ وَ رَسُوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَمَّا اصْطَلَحْنَا نَحْنُ وَ اَهْلُ مَكَّةَ وَ اخْتَلَطَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ اَتَيْتُ شَجَرَةً فَلَسْتُ حَتَّ شَوْكُهَا لَمَّا صُلِحْتُ فِيْ اَصْلِهَا قَالَ فَاتَانِيْ اَرْبَعَةٌ مِنَ الْمَشْرِكِيْنَ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ فَجَعَلُوْا يَقْعُوْنَ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

چکا ہوں، آپ نے فرمایا دوبارہ کرو، حضرت ابن اکوع کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میرے پاس ہتھیار نہیں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک ڈھال عطا کی، اس کے بعد آپ نے پھر بیعت یعنی شریعت کی، حتیٰ کہ جب آپ سب سے بیعت نے چکے تو آپ نے مجھ سے پھر فرمایا: اے سلمہ تم مجھ سے بیعت نہیں کرو گے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ میں تو پہلی بار سب سے پہلے اور دوبارہ درمیان میں آپ سے بیعت کر چکا ہوں! آپ نے فرمایا پھر سربارہ، سو میں نے آپ سے پھر تیسری بار بیعت کی، پھر آپ نے مجھ سے فرمایا تہاری ڈھال کہاں ہے جو میں نے تم کو دی تھی؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے چچا عامر کے پاس ہتھیار نہیں تھے، میں نے وہ ڈھال ان کو دے دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور فرمایا: تم بھی اس پہلے شخص کی طرح ہو جس نے کہا تھا اے اللہ مجھے ایسا دوست عطا فرما جو مجھے جان سے بھی زیادہ عزیز ہو، پھر مشرکین نے ہماری طرف صلح کا پیغام بھیجا یہاں تک کہ ہر جانب سے ایک شخص دوسری جانب جانے لگا، اور ہم نے صلح کر لی، حضرت ابن اکوع نے کہا میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ کی خدمت میں تھا، ان کے گھوڑے کو پانی پلاتا اور کھیر پرا کرتا، ان کی خدمت کرتا اور ان کے ساتھ کھانا کھاتا، کیوں کہ میں نے اہل و عیال اور مال کو چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی تھی، جب ہمدانی اہل مکہ سے صلح ہو گئی اور ہم ایک دوسرے سے ملنے لگے، تو میں ایک درخت کے پاس گیا اور اس کے نیچے سے کانٹے صاف کر کے اس کی جڑ میں لیٹ گیا، اتنے میں مشرکین کہ میں سے جار شخص آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ کہنے لگے، مجھ ان پر غصہ آیا اور میں دوسرے

وَسَلَّمَ فَأَبْغَضْتَهُمْ فَتَحَوَّلْتُ إِلَى شَجَرَةٍ
 أُخْرَى وَعَلَّقُوا سِلَاحَهُمْ وَأَصْلَحُوا فَبَيْنَمَا هُمْ
 كَذَلِكَ إِذْ نَادَى مُتَعَادٍ مِّنَ اسْفَلِ السَّوَادِ يَا
 لَلْمُهَاجِرِينَ قَتِلَ ابْنُ زَيْنِمٍ قَالَ فَأَخْتَرْتُكَ
 سَيْفِي ثُمَّ شَدَدْتُ عَلَى أَوَّلِكَ إِلَّا نَبْعَةً
 وَهَرْدَقُودًا فَأَخَذْتُ سِلَاحَهُمْ فَجَعَلْتُهُ
 ضِعْفًا فِي يَدِي قَالَ ثُمَّ قُلْتُ وَالَّذِي كَرَّم
 وَجْهَهُ مُحَمَّدٌ لَا يَرْفَعُ أَحَدٌ مِّنْكُمْ رَأْسَهُ
 إِلَّا ضَرْبَتْ أَلَدِي فِيهِ عَيْنًا قَالَ ثُمَّ
 جِئْتُ بِهِمْ أَسْوَ قَهُمْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَجَاءَ سَعْدُ بْنُ عَامِرٍ
 بِرَجُلٍ مِّنَ الْعَبِلَاتِ يُقَالُ لَهُ مَكْرَمٌ يَقُودُهُ
 إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى
 فَرَسٍ مُّجْتَفٍ فِي سَبْعِينَ مِّنَ الْمَشْرِكَينَ
 فَنَظَرَ إِلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 فَقَالَ دَعُوهُمْ يَكُنْ لَهُمْ بَدْءُ الْفَتْحِ
 وَثَنًا لَا فَعَقَاعَ عَنْهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ وَأَنْزَلَ اللَّهُ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ
 عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ
 بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ أَلَا يَتَذَكَّرُ
 قَالَتْ ثُمَّ خَرَجْنَا رَاجِعِينَ إِلَى الْمَدِينَةِ
 فَتَزَلْنَا مَنَازِلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ بَنِي لُحْيَانَ
 جَبَلٌ وَهُمْ الْمَشِيرُ كُؤُنَ فَاسْتَفْعَمَ رَسُولُ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَنْ فِي هَذَا
 الْجَبَلِ اللَّيْلَةَ كَانَتْ طَلِيعَةُ النَّبِيِّ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ قَالَتْ سَكَمَةٌ
 فَزَيَّيْتُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا
 ثُمَّ قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِظَهْرٍ مَّعَهُ رَايِحٌ

و رخصت کے نیچے باکر لیٹ گیا، انہوں نے اپنے ہتھیار
 لٹکائے اور لیٹ گئے، اسی دوران وادی کے نشیب
 سے ایک آواز آئی: اسے مہاجر و ابن زینم کو قتل کر
 دیا گیا یہ سنتے ہی میں نے اپنی تلوار نکالی اور ان سے
 چاروں آدمیوں پر حملہ کر دیا، ان کے ہتھیاروں پر میں
 نے قبضہ کر لیا اور ان کا ایک گھٹنہ بنا کر اپنے ہاتھ میں لے
 لیا، پھر میں نے کہا قسم اس ذات کا جس نے محمد صلی اللہ
 علیہ وسلم کو عزت دی ہے تم میں سے جس شخص نے بھی
 سر اٹھایا میں اس کے جسم کا وہ حصہ اڑا دوں گا، جس میں اس
 کا آنکھیں ہیں، پھر میں ان کو گھسیٹتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کے پاس لے گیا، ادھر میرے چچا حضرت عامر
 بھی قبیلہ عبلات کے ایک شخص کو ستر مشرکوں کے ساتھ
 گھسیٹتے ہوئے لائے، اس شخص کا نام مکرم تھا، حضرت عامر ایک
 بھول پویش گھوڑے پر سوار تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا: ان کو چھوڑ دو، گناہ کی ابتداء
 اور تنکار ان کی طرف سے ہوئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے ان کو معاف کر دیا، اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت
 نازل کی: "جس ذات نے ان کے ہاتھوں سے تم کو روکا
 اور تمہارے ہاتھوں سے ان کو بچایا جبکہ اللہ تعالیٰ تم کو
 مکہ میں ان پر غالب کر چکا تھا، پھر ہم مدینہ منورہ جانے
 کے لیے واپس لوٹے، ہم نے راستہ میں ایک منزل پر
 قیام کیا جہاں ہمارے اور بنو لحيان کے مشرکوں کے
 درمیان ایک پہاڑ مائل تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
 اس شخص کے لیے دعا کی مغفرت کی جو اس رات کو
 پہاڑ پر چڑھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب
 کے لیے پہرہ دے، حضرت سلمہ کہتے ہیں کہ میں اس
 رات کو اس پہاڑ پر دو یا تین بار چڑھا، جب ہم مدینہ
 منورہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رباح
 (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام) کے ساتھ اپنے

غَلَامٌ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ
 أَنَا مَعَهُ وَخَرَجْتُ مَعَهُ بِفَرَسٍ طَلَحَتْ
 أُنْدِيَّةً مَعَ الظَّهْرِ فَلَمَّا أَصْبَحْنَا إِذَا عَبْدُ
 الرَّحْمَنِ الْقُرَاشِيُّ قَدْ أَغَارَ عَلَى ظَهْرِ رَسُولِ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَأْذَنَ أَجْمَعًا
 وَقَتَلَ مَا بَيْنَهُ قَالَ فَقُلْتُ يَا أَبَا حَرْثٍ نَحْنُ
 هَذِهِ الْفَرَسُ فَأَيُّ لُغْمٍ طَلَحَتْ بَنُو عُتَيْبٍ اللَّهُ وَ
 أَخْبِرَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 أَنَّ الْمُشْرِكِينَ قَدْ أَغَارُوا عَلَى سَرَحِهِ قَالَ
 ثُمَّ قُمْتُ عَلَى أَكْمَةٍ فَاسْتَقِيلْتُ الْمَدِينَةَ
 فَنَادَيْتُ ثَلَاثًا يَا صَبَا حَاةٍ ثُمَّ خَرَجْتُ
 فِي أَثَارِ الْقَوْمِ أَنْزَمِيَهُمْ بِالْبَلَدِ وَأَرْكَجُ
 أَقُولُ لَهُ

أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ

وَالْيَوْمَ يَوْمُ الرُّطْبِ

فَالْحَقُّ رَجُلًا مِنْهُمْ فَأَصْلُكَ سَهْمًا فِي
 رَحْلِهِ حَتَّى خَلَصَ نَصْلُ الشَّهْرِ إِلَى كَتِفِهِ
 قَالَ قُلْتُ نَحْنُ هَا ه

وَأَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ

وَالْيَوْمَ يَوْمُ الرُّطْبِ

قَالَ فَوَاللَّهِ مَا نِلْتُ أَنْصِبَهُمْ وَأَعْقَرُ بِهِمْ
 فَإِذَا رَجَعْتُ إِلَى قَارِيءٍ أَتَيْتُ شَجَرَةً
 فَجَلَسْتُ فِي أَصْلِهَا ثُمَّ مَاتَتْ فَعَمَّرَتْ
 بِهِ حَتَّى إِذَا انْصَابَتْ الْجَيْلُ فَدَخَلُوا فِي
 نَصْأِ يَتِيمٍ عُلُوْتُ الْجَيْلُ فَجَعَلْتُ أُرْدِيهِمْ
 بِالْحِجَارَةِ قَالَ فَمَا نِلْتُ كَذَا لِكَ اتَّبَعَهُمْ
 حَتَّى مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ بَعِيدٍ مِنْ ظَهْرِ
 رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا
 خَلَفْتُهُ وَمَا ظَهَرَ فِي وَخَلُوا بَيْنِي وَ

اونٹ روانہ کیے، میں بھی حضرت طلحہ کے گھوڑے پر ان اونٹوں
 کے ساتھ گیا، جب صبح ہوئی تو عبدالرحمن قرظاری نے رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کو روٹ لیا اور سب کو ہٹکا
 کہے گیا، اور ان کے چرواہے کو قتل کر دیا، حضرت ابن
 اکوع کہتے ہیں کہ میں نے کہا اسے رباح یہ گھوڑا اور اس کو
 حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے پاس پہنچا دو، اور رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دو کہ مشرکین نے آپ کی اونٹینوں کو روٹ
 لیا ہے پھر میں نے ایک ٹیلہ پر گھڑے ہو کر مدینہ کی طرف
 رخ کیا اور تین بار بلند آواز سے چلایا یا صبا حاہ پھر میں بن
 دیروں کے پیچھے تیر مارتا ہوا اور درخت کرتا ہوا بڑھایا کہ
 راتھا میں اکوع کا بیٹا ہوں اور آج کمینوں کی تباہی کا دن
 ہے، میں ان کے ہر شخص سے مقابلہ کرتا اور ان کو تیر
 مارتا حتیٰ کہ وہ تیر اس کے کندھے کو پاد کر کے نکل جاتا، اور
 میں کہتا کہ اب اس وار کو سنبھالو، میں اکوع کا بیٹا ہوں،
 اور آج کمینوں کی تباہی کا دن ہے، لہذا میں ان کو مسلسل
 تیر مارتا اور زخمی کرتا رہا، جب ان میں سے کوئی گھوڑے
 سوار میری طرف آتا تو میں مدحمت کے نیچے جا کر اس کی جڑ
 میں بیٹھ جاتا، پھر میں اس کو تیر مار کر زخمی کر دیتا، حتیٰ کہ جس
 جگہ پہاڑ تنگ ہو گیا تھا وہ اس جگہ سے ایک تنگ راستہ
 میں داخل ہو گئے، میں پہاڑ پر چڑھا اور ان کو پتھر مارنے
 شروع کیے، میں اسی طرح ان کا پیچھا کرتا رہا، حتیٰ کہ اللہ
 تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساریوں میں سے
 جس اونٹ کو بھی پیدا کیا تھا، میں نے اس کو پیچھے چھوڑ
 دیا، وہ میرے اور اونٹوں کے درمیان سے ہٹ گئے،
 میں تیر مارتا ہوا ان کے پیچھے لگا رہا، حتیٰ کہ انھوں نے
 فذلکم کرنے کے لیے قمیص سے زیادہ چادریں اور تہیں
 نیزے پھینک دیئے وہ جو چیز بھی پھینکتے تھے میں اس کے
 اوپر پتھر سے نشان رکھ دیتا تھا، تاکہ اس کو رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب پہچان لیں، وہ چلتے

بَيْنَهُ ثُمَّ اتَّبَعْتُهُمْ أَمْرًا مِنْهُمْ حَتَّى
 أَلْقَوْا أَكْثَرَهُمْ مِنْ ثَلَاثِينَ بَرْدَةً وَثَلَاثِينَ
 رُمْحًا يَسْتَخِفُّونَ وَلَا يَظُرُّ حُونَ شَيْئًا
 إِلَّا جَعَلْتُ عَلَيْهِ أَمْرًا مِمَّا مِنَ الْجَحَامَةِ
 يَغِيْرُهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 وَأَصْحَابُهُ حَتَّى أَتَوْا مَتَضَايِقًا مِنْ ثِيَابَةٍ
 فَإِذَا هُمْ قَدْ أَتَاهُمْ مُلَانُ بْنُ بَدْرٍ
 الْفَزَارِيُّ فَنَجَسُوا يَتَضَخُّونَ يَغْنَى يَتَغَدَّوْنَ
 جَلَسْتُ عَلَى رَأْسِ قَرْيَةٍ قَالَ الْفَزَارِيُّ
 مَا هَذَا الَّذِي أَرَى قَاتِلُوا لِقَيْنًا مِنْ هَذَا
 الْبَرِّ وَاللَّهُ مَا قَامَ قَنَا مُنْذُ غَلَسَ يَوْمُنَا
 حَتَّى انْتَزَعَ كُلَّ شَيْءٍ فِي آيِدِيْنَا قَالَ
 فَلَيْفَ الْكَيْدِ نَفَرٌ مِنْكُمْ أَرْبَعَةٌ قَالَ
 فَصَعِدَ إِلَى مِنْهُمْ أَرْبَعَةً فِي الْجَبَلِ قَالَ
 فَلَمَّا امْكُونِي مِنَ الْكَلَامِ قَالَ قُلْتُ
 هَلْ تَعْرِفُونِي قَالُوا لَا وَكُنْ أَنْتَ قَالَ
 قُلْتُ أَنَا سَلَمَةُ بْنُ الْأَكْوَعِ وَالَّذِي كَرَّم
 وَجْهَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا
 أَطْلُبُ رَجُلًا يَحْكُمُ إِلَّا أَدْرَاكْتُهُ وَلَا
 يَطْلُبُنِي رَجُلٌ مِنْكُمْ كَيْدًا رَكْبِي قَالَ
 أَحَدُهُمْ أَنَا أَظُنُّ قَالَ فَارْجِعُوا قَمَا بَرِحْتُمْ
 مَكَائِي حَتَّى رَأَيْتُمْ فَوَارِسَ رَسُولِ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَلَّلُونَ الشَّجَرَ
 قَالَ فَإِذَا أَوَّلْتُهُمْ الْأَخْرَمُ الْأَسَدِيُّ عَلَى
 إِثْرِهِ أَبُو قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيُّ وَعَلَى
 إِثْرِهِ الْيَقْدَادِيُّ بْنُ الْأَسَدِ الْكِنْدِيُّ قَالَ
 فَاتَّخَذْتُ بَعْنَانَ الْأَخْرَمِ قَالَ فَتَوَلَّوْا
 مُدْبِرِينَ قُلْتُ يَا أَخْرَمُ اخْذُ هُمْ لَا
 يَفْتَطِرُواكَ حَتَّى يَلْحَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

چلتے ایک تنگ دلدی پر پہنچے وہاں فلاں بن بدر فزاری
 بھی پہنچ گیا، وہ سب لوگ دو پہر کا کھانا کھانے بیٹھے اور
 میں پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گیا، فزاری کہنے لگا یہ ہم کو کون
 دیکھ رہا ہے، وہ کہنے لگے اس شخص سے ہم نے بہت
 تکلیف اٹائی ہے، خدا کی قسم! یہ منہ اندھیرے سے ہم
 کو تیرا رہا ہے حتیٰ کہ ہمارے پاس جو کچھ تھا وہ اس
 نے چھین لیا، فزاری نے کہا تم میں سے چار شخص اس کی
 طرف جاؤ، پھر ان میں سے چار میری طرف آنے کے
 لیے پہاڑ پر چڑھنے لگے، جب وہ اس قدر قریب آ گئے
 کہ میری بات سن سکیں تو میں نے کہا کیا تم لوگ مجھے پہچانتے
 ہو کہ میں کون ہوں؟ انھوں نے کہا نہیں تم کون ہو؟ میں
 نے کہا میں سلمہ بن اکوع ہوں، تم اس ذات کی جس نے
 حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی ہے، میں تم میں
 سے جس شخص کو بھی چاہوں گا۔ اپنے تیر کا نشانہ بنا لوں
 گا، اور تم میں سے کوئی شخص مجھے نشانہ نہیں بنا سکتا،
 ان میں سے ایک شخص نے کہا میرا یہی گمان ہے! آخر
 ابن اکوع نے کہا چہرہ لوگ واپس لوٹ گئے، میں ابھی
 جگہ سے نہیں ہٹا تھا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے سوا نظر آئے، وہ درختوں میں گھس گئے تھے، سب
 سے اگے حضرت اخرم اسدی تھے، ان کے پیچھے حضرت
 ابو قتادہ انصاری تھے اور ان کے پیچھے حضرت مقداد بن
 اسود کنزی تھے، میں نے حضرت اخرم کے گھوڑے کی
 باگ سنبھال لی، حضرت ابن اکوع نے کہا وہ لیٹرے پیٹھ پھیر کر
 بھاگ گئے، میں نے کہا اسے اخرم ان سے مخاطب ہنایہ
 تم کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 اور ان کے اصحاب تم سے آئیں، انھوں نے کہا اسے
 سلمہ! اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر یقین رکھتے ہو اور یہ
 یقین رکھتے ہو کہ جنت حق ہے اور جہنم حق ہے تو میرے
 اور شہادت کے درمیان مدت حائل اس حضرت ابن اکوع

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ قَالَ يَا سَلَمَةُ إِنَّ
 كُنْتُ تُؤْمِرُ مِنْ بِلَادِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتَعْلَمُ
 أَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ فَلَا تَحُلْ
 بَيْنِي وَبَيْنَ الشَّهَادَةِ قَالَ فَخَلَّيْتُهُ
 فَالْتَقَى هُوَ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ قَالَ فَقَعَرَ
 بِعَبْدِ الرَّحْمَنِ قَرَسَهُ وَطَعَنَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ
 فَقَتَلَهُ وَتَحَوَّلَ عَلَى فَرَسِهِ وَلَحِقَ أَبُو
 قَتَادَةَ فَارِسُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ بِعَبْدِ الرَّحْمَنِ فَطَعَنَهُ فَقَتَلَهُ قَوْلَانِ
 كَرُمَ وَجْهَهُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 لَتِيْعَتُهُمْ أَعْدُو عَلَى رَجُلٍ حَتَّى مَا أَرَى
 وَرَأَيْتُ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ وَلَا غُبَارٍ هِمُّ شَيْئًا حَتَّى يَحْدِلُوا
 قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ إِلَى شَيْءٍ فِيهِ مَا يُقَالُ
 لَهُ دُوقَرِدٌ لِيَشْرَبُوا مِنْهُ وَهُوَ عَطَاشٌ
 قَالَ فَنَظَرُوا إِلَى أَعْدُو وَرَأَوْهُمْ
 فَخَلَّيْتُهُمْ عَنْهُ يَعْنِي أَجَلَيْتُهُمْ
 عَنْهُ كَمَا ذَا قُوا مِنْهُ قَطْرَةً قَالَ وَ
 يَخْرُجُونَ فَيُشَدُّونَ فِي شَيْئَةٍ
 قَالَ فَأَعْدُو قَالَ حَقٌّ رَجُلًا مِنْهُمْ فَأَصْلَحَ
 بَسْمُهُمْ فِي نَغْصِ كَتِفِهِ قَالَ قُلْتُ خُذْ مَا
 وَأَنَا ابْنُ الْكُوَيْمِ وَالْيَوْمِ يُؤْمَرُ الرَّضِيعُ
 قَالَ يَا نِكَلَتُهُ أُمَّةٌ أَكُوَعُهُ بُكَرَةٌ قَالَ
 قُلْتُ نَعَمْ يَا عَدُو نَفْسِهِ أَكُوَعُكَ بُكَرَةٌ
 قَالَ وَارْجِعُوا فَرَسَيْنِ عَلَى فَيْئَتِهِ قَالَ
 فَجِئْتُ بِهِمَا اسْتَوْفَاهُمَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَلَحِقَنِي عَامِرٌ
 بِسَيْطِي حَتَّى فِيهَا مَذْقَةٌ مِنْ لَبَنٍ وَسَيْطِي حَتَّى
 فِيهَا مَاءٌ فَتَوَضَّأْتُ وَشَرِبْتُ ثُمَّ أَتَيْتُ

نے کہا پھر میں نے ان کا راستہ چھوڑ دیا، پھر ان کا اور عبدالرحمن
 فزاری کا مقابلہ ہوا، حضرت اخوم نے عبدالرحمن کے
 گھوڑے کو زخمی کر دیا، عبدالرحمن فزاری نے حضرت اخوم
 پر نیزے سے وار کیا، اور ان کو شہید کر دیا، اور ان کے
 گھوڑے پر سوار ہو گیا، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کے شہسوار حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے آکر
 عبدالرحمن فزاری پر نیزہ ملا اور اس کو قتل کر دیا، پس قسم
 اس ذات کی جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت
 دی ہے، میں ان کا پیچھا کرتا رہا اور پیدل ان کے پیچھے
 دوڑتا رہا حتیٰ کہ مجھے پیچھے کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا،
 اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بھی کسی نے
 مجھے نہیں دیکھا اور نہ ہی ان کا لگ دوغبار نظر آیا، حتیٰ کہ غروب
 آفتاب سے کچھ پہلے وہ لیٹے پانی کی ایک گھاٹی پر
 پہنچے اس گھاٹی کا نام ذو قرد تھا، وہ لوگ سخت پیاسے
 تھے اور پانی پینے کے لیے پہنچے تھے، پھر انہوں نے مجھے
 دیکھا کہ میں دوڑا ہوا چلا آ رہا ہوں، بالآخر میں نے ان کو پانی
 سے دور بھگا دیا اور وہ ایک قطرہ پانی بھی نہ پی سکے، اب
 وہ ایک گھاٹی کی جانب دوڑ پڑے، میں بھی ان کے پیچھے
 دوڑا اور ان میں سے ایک شخص کے کندھے پر تیر مارا جو
 کندھے کے پار نکل گیا، میں نے کہا لو اس کو سمجھاؤ میں
 ابن الاکوع ہوں اور آج کمینوں کی تباہی کا دن ہے اس
 نے کہا اس پر اس کی ماں روئے کیا یہ وہی اکوع ہے
 جو صبح سے ہی ہمارے پیچھے لگا ہوا ہے، میں نے
 کہا ہاں اسے اپنی جان کے دشمن یہ تھا را وہی اکوع ہے
 جو صبح سے تمہارے پیچھے ہے، حضرت ابن اکوع نے
 کہا انہوں نے دو گھوڑے گھاٹی پر چھوڑ دیے، میں ان
 دونوں گھوڑوں کو ہٹا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی خدمت میں لے آیا، وہاں مجھ سے حضرت عامرؓ نے
 ان کے پاس ایک چھال میں دو دو تھکا اور ایک مشکیزے میں پانی

رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ
عَلَى الْمَاءِ الَّذِي حَلَّتْهُمُ عَنْهُ فَيَا ذَا
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ
أَخَذْتُكَ الْإِبِلَ وَكُلَّ شَيْءٍ اسْتَنْقَذْتُ
مِنَ الْمَشْرِكِينَ وَكُلَّ رُمْحٍ وَبُرْدَةٍ وَإِذَا بَدَلُ
تَحَرَّاتٍ مِنَ الْإِبِلِ الَّذِي اسْتَنْقَذْتُ مِنَ
الْقَوْمِ وَإِذَا هُوَ يَشُوهُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ كَيْدِهَا وَسَنَامِهَا قَالَ
قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ عَلَيَّ قَانَتْخَبٌ مِنَ
الْقَوْمِ مَا قَنَ رَجُلٌ قَانَبَهُ الْقَوْمُ فَلَا يَبْقَى
مِنْهُمْ مَخْبِرٌ إِلَّا قَتَلْتُهُ قَالَ فَضَحِكَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَدَتْ كَوَاجِدُهُ
فِي ضَوْءِ النَّارِ فَقَالَ يَا سَلَمَةُ أَتَرَكَ كُنْتُ
قَانِعًا قُلْتُ نَعَمْ وَالَّذِي أَكْرَمَكَ فَقَالَ
إِنَّهُمْ أَلَنْ يَمُوتُوا فِي أَرْضِ غَطَفَانَ قَالَ
فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ غَطَفَانَ فَقَالَ تَحَرَّ لَهُمْ
فُلَانٌ جُرُودٌ أَفَلَمَّا كَشَفُوا جِلْدَهُ هَذَا كُفُّوا
فَقَالُوا أَتَاكُمْ الْقَوْمُ فَتَحَرَّوْهُمَا يَرِيْنَ فَلَمَّا
أَصْبَحْنَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَانَ خَيْرَ فُرْسَانِنَا الْيَوْمَ أَبُوقَتَادَةَ وَتَعْيِيرُ
رَجَالَيْنَا سَلَمَةُ قَالَ ثُمَّ أَعْطَانِي رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَهْمَيْنِ سَهْمِ الْفَارِسِ
وَسَهْمِ الرَّاحِلِ فَجَمَعَهُمَا إِلَيَّ جَمِيعًا ثُمَّ
أَرَدْتُ فَيَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَرَأَيْتُكَ عَلَى الْعَصْبَاءِ مَا اجْعَلِينَ إِلَى الْمَدِينَةِ
قَالَ فَبَيْنَمَا نَحْنُ نَسِيرُ قَالَ وَكَانَ رَجُلٌ
مِّنَ الْأَنْصَارِ لَا يُسَبِّحُ شَدًّا قَالَ فَجَعَلَ
يَقُولُ أَلَا مَسَابِقِي إِلَى الْمَدِينَةِ هَلْ مِنْ
مَسَابِقِي فَجَعَلَ يُعِيدُ ذَلِكَ قَالَ فَلَمَّا سَمِعَتْ

تھا، میں نے وضو کیا اور وہ دودھ چریا، پھر میں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اسی پانی
کے پاس تھے جہاں سے میں نے ریشوں کو بھگایا تھا،
میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اونٹوں
پر قبضہ کر لیا تھا، اور ان تمام چیزوں پر قبضہ کر لیا تھا جو
میں نے مشرکین سے چھینی تھیں، اور تمام نیزے اور
چاودیں سے لی تھیں، جو اونٹ میں نے پھینے تھے ان
میں سے ایک اونٹنی کو حضرت بلال نے ذبح کیا، وہ
اس کی کھجی اور کھان میں سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
لیے بھون رہے تھے، حضرت ابن اکوع کہتے ہیں میں
نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں کہ میں لشکر
میں سے سو آدمی جن کو ان لیسروں کا پیچھا کروں اور
میں ان میں سے کسی کو زندہ نہیں چھڑوں گا کہ وہ اپنی قوم میں
حاکم بنی کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک
کہ آگ کی روشنی میں آپ کی ڈاڑھیں دکھائی دیں، پھر آپ
نے فرمایا اے سلمہ! کیا تمہارا خیال ہے کہ تم ایسا کر سکتے ہو؟
میں نے کہا جی! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو
غزت دی ہے! آپ نے فرمایا ابھی تک وہ ارض غطفان
میں ہوں گے! حضرت ابن اکوع کہتے ہیں کہ اتنے میں
غطفان سے ایک شخص آیا اور اس نے کہا فلاں شخص
نے ان کے لیے اونٹ ذبح کیا تھا، جب انہوں نے
اس کی کھال اتاری تو ان کو گرد و غبار نظر آیا تو وہ کہنے لگے
وہ حملہ آور لوگ آگئے اور پھر وہ ان سے بھاگ کھڑے ہوئے
بہر حال جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہمارا سب سے بہترین گھوڑے سوار ابوقتادہ ہے اور
بہترین پیادہ سلمہ ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے
دو حصے عطا فرمائے، ایک حصہ گھوڑے سوار کا اور ایک
پیادے کا، میں نے ان دونوں حصوں کو اکٹھا کر لیا، پھر رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی سواری عطا پر اپنے پیچھے

كَلَامًا قُلْتُ أَمَا تُكْرِمُ كَرِيمًا وَلَا تَهَابُ
شَرِيفًا قَالَ لَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ بَايَ
وَأَتَى ذُرْفِي فَلَا سَابِقَ الرَّجُلَ قَالَ إِنْ شِئْتَ
قَالَ قُلْتُ أَذْهَبُ إِلَيْكَ وَتَنْتِزِعُ بِرَجُلٍ
فَطَفَرْتُ فَعَدَوْتُ قَالَ فَرَبَطْتُ عَلَيْهِ
شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ اسْتَبَقِي نَفْسِي ثُمَّ عَدَوْتُ
فِي الْبَرِّ فَرَبَطْتُ عَلَيْهِ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ
ثُمَّ إِنِّي رَفَعْتُ حَتَّى أَلْحَقَهُ قَالَ فَأَصُكُّهُ
بَيْنَ كَتِفَيْهِ قَالَ قُلْتُ قَدْ سَبَقْتَ وَاللَّهِ
قَالَ أَنَا أَطْلُقُ قَالَ فَسَبَقْتُهُ إِلَى الْمَدِينَةِ
قَالَ فَوَاللَّهِ مَا لَيْشْنَا إِلَّا ثَلَاثَ كِيَالٍ حَتَّى
تَخْرُجَنَا إِلَى حَبِيبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجَعَلَ عَنِّي عَامِرٌ يَرْجُو
بِالْقَوْمِ ۝

تَاللَّهِ لَوْ لَا اللَّهُ مَا اهْتَدَيْتَنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
وَنَحْنُ عَنْ فَضْلِكَ مَا اسْتَغْنَيْنَا
فَنَتَيْتَ الْقَدَامَ إِنْ لَا قَيْنَا
وَأَتْرَكْنَا سَكِينَتَنَا عَلَيْنَا

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَنْ هَذَا قَالَ أَنَا عَامِرٌ قَالَ غَفَرَ لَكَ رَبُّكَ
قَالَ وَمَا اسْتَغْفَرُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ إِلَّا لِنَسَانٍ يَخْطُبُ إِلَّا اسْتَشْهِدَ قَالَ
فَنَادَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَهُوَ عَلَى الْجَمَلِ لَهُ
يَا نَبِيَّ اللَّهِ لَوْ لَا مَا مَنَعَنَا بَعَا مِرٍ قَالَ فَتَدَمَّ
قَدْ مَنَّا حَبِيبٌ قَالَ خَرَجَ مَلِكُهُمْ مَوْحِبٌ
يَخْطُرُ بِسَيْفِهِمْ وَيَقُولُ ۝
قَدْ عَلِمْتَ حَبِيبُ آتَى مَوْحِبٌ

بٹھا دیا وہاں حاکمِ ہم مدینہ کی طرف واپس جا رہے تھے انصاری
میں سے ایک ایسا شخص تھا جس کا دھڑنے میں کوئی مقابلہ نہیں
کر سکتا تھا، اس نے کہا کوئی ایسا شخص ہے جو میرے ساتھ
مدینہ تک دوڑ کر چلے، وہ بار بار چیلنج کرتا رہا، جب میں نے
اس کی بات سنا تو میں نے کہا تم کو کسی بزرگ کی بزرگی کا خیال
نہیں ہے اور تم کسی محرز آدمی کا لحاظ نہیں کرتے! اس نے
کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا خیال نہیں
کرتا، حضرت ابن اکوع کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں مجھے
اس شخص سے دوڑنے میں مقابلہ کرنے دیجئے! آپ نے
فرمایا اگر تم چاہتے ہو تو جاؤ، میں نے انصاری سے کہا میں تمہاری
طرف آتا ہوں میں نے پیڑ پٹھا کر کے (رکاب سے نکالا)
اور سواری سے کود پڑا اور پھر میں نے دوڑنا شروع کر دیا
جب ایک یا دو چڑھائیاں باقی رہ گئیں تو میں دم لینے کے لیے
رُکا اور پھر اس کے پیچھے دوڑ پڑا، پھر جب ایک یا دو
چڑھائیاں رہ گئیں پھر میں بلند ہو کر اس سے جا ملا پھر میں نے
اس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک گھونسا مارا اور
کہا خدا کی قسم اب تم (مجھ سے) پیچھے رہ جاؤ گے، اس نے
کہا میرا بھی یہی گمان ہے پھر میں اس سے پہلے مدینہ پہنچ گیا،
حضرت ابن اکوع بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم! ابھی ہم مدینہ
میں تین راتیں ہی ٹھہرے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ خبیر رطاد ہو گئے، اور میرے چچا حضرت عامر رضی
اللہ عنہ قوم میں یہ اشعار پڑھ رہے تھے یہ خدا کی قسم اگر
اللہ کی مدد نہ ہوتی تو ہم ہاریت نہ پاتے۔ صدقہ ادا کرتے
نہ نماز پڑھتے۔

ہم ترے فضل سے مستغنی نہیں ہیں دشمن سے مقابلہ
کے وقت تو ہم کو ثابت قدم رکھنا۔ اور ہم پر سکون نازل فرمنا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کون ہے؟
انہوں نے کہا میں عامر ہوں، آپ نے فرمایا اللہ تمہاری حقارت

شَاكِي السِّلَاحِ بَطْلٌ مُجَرَّبٌ
إِذَا الْخُرُوبُ أَقْبَلَتْ تَلْقَبُ
قَالَ وَبَرَّرَ لَهُ هَتَيْنِ عَامِرٌ فَقَالَ ه
قَدْ عَلِمْتُ خَيْبَرُ آتِي عَامِرٌ
شَاكِي السِّلَاحِ بَطْلٌ مُعَا مِرٌ

قَالَ فَاتَّخَذَ صَرًّا بَتَيْنِ قَوْحَ سَيْفٍ
مَرْحَبٍ فِي ثَرِيٍّ عَامِرٌ وَذَهَبَ عَامِرٌ يَسْأَلُ
لَهُ قَرْجَةً سَيْفُهُ عَلَى كَفِّهِ فَقَطَعَهُ الْخَلَكُ
فَكَانَتْ فِيهَا نَفْسُهُ قَالَ سَكَمُهُ كَخَرَجَتْ
فَإِذَا الْقَرْمُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَقُولُونَ بَطْلٌ عَمَلٌ عَامِرٌ قَتَلَ نَفْسَهُ
قَالَ فَاتَّيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَأَنَا أَيْكِي فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ بَطْلٌ عَمَلٌ
عَامِرٌ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَنْ قَالَ ذَلِكَ قَالَ قُلْتُ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِكَ
قَالَ كَذَبَ مَنْ قَالَ ذَلِكَ بَلْ لَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ
ثُمَّ أَرْسَلَنِي إِلَى عَلِيٍّ وَهُوَ أَرْمَدُ فَقَالَ
لَا عَظِيمَيْنِ الرَّايَةِ رَجُلًا يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
أَوْ يُحِبُّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ قَالَ فَاتَّيْتُ عَلِيًّا
فَبَعَثَ بِهِ أَقْوَدَ وَهُوَ أَرْمَدُ حَتَّى أَتَيْتُ
بِهِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَتَبْتُ فِي عَيْنَيْهِ قَبْرًا وَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ
وَوَجَّهَ مَرْحَبٌ فَقَالَ ه

قَدْ عَلِمْتُ خَيْبَرُ آتِي مَرْحَبٌ
شَاكِي السِّلَاحِ بَطْلٌ مُجَرَّبٌ
إِذَا الْخُرُوبُ أَقْبَلَتْ تَلْقَبُ
فَقَالَ عَلِيٌّ ه

أَنَا الَّذِي سَمَّيْتَنِي أُمِّي حَيْدَرًا
كَلِمَتِ عَابَاتٍ كَرِيمٍ الْمُنْظَرَةُ

فرماتے! حضرت ابن اکوع کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
جس کے لیے بھی استنظار کرتے تھے وہ شہید ہو جاتا تھا، حضرت
ابن اکوع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا درآن
حالیکہ وہ اونٹ پر سوار تھے: اے اللہ کے نبی آپ نے ہمیں
عامر سے فائدہ کیوں نہیں اٹھانے دیا، جب ہم خیمہ پہنچے تو
ان کا بادشاہ مرحب یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا:

خیمہ جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں۔

ہتھیاروں سے لمیں بہادر اور آزمودہ ہوں

جب لڑائی کی آگ بجھ گئی ہے۔

یہ سن کر میرے چچا عامر یہ رجز پڑھتے ہوئے اس کے مقابلہ
کے لیے نکلے:-

خیمہ خوب جانتا ہے کہ میں عامر ہوں ہتھیاروں سے لمیں بہادر
اور لڑائیوں میں گھسنے والا ہوں۔

حضرت ابن اکوع بیان کرتے ہیں کہ دونوں کی تلواریں ایک دوسرے سے

ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں! آپاٹک مرحب کی تلوار حضرت عامر کی ڈھال پر پڑی حضرت عامر اس
کو تلوار مارنے کے لیے پیچھے جھکے مگر تلوار ٹوٹ کر خود ان کو لگ گئی جس سے ان کے بازو
کی ایک رگ کٹ گئی اور وہ شہید ہو گئے حضرت عمر کہتے ہیں میں باہر نکلا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم
میں اصحاب یہ کہہ رہے تھے کہ عامر کا عمل اکارت گیا کیونکہ انھوں نے خود

کو قتل کر لیا، حضرت ابن اکوع کہتے ہیں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں روتا ہوا گیا اور کہا یا رسول اللہ کیا عامر کے اعمال

رائیگاں ہو گئے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کون

کہتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کے اصحاب میں سے کچھ

لوگ کہہ رہے ہیں، آپ نے فرمایا جس شخص نے یہ کہا ہے

غلط کہا ہے، اس کو تر دو گنا اجر ملے گا پھر آپ نے مجھے

حضرت علی کی طرف بھیجا درآن حالیکہ ان کی آنکھیں دکھتی تھیں،

آپ نے فرمایا میں اس شخص کو جہنم داؤں گا جو اللہ اور اس کے

رسول سے محبت کرتا ہو گا، یا فرمایا اس سے اللہ اور اس کا

رسول محبت کرتا ہو گا، پھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس

گیا اور ان کو رے کر آیا درآن حالیکہ ان کی آنکھیں دکھتی تھیں،

أَوْ فِيهِمْ بِالْقَضَاءِ كَيْلَ الشَّدَرَةِ
قَالَ فَضَرَبَ رَأْسَ مَرْحَبٍ فَقَتَلَهُ ثُمَّ كَانَ
الْفَتْحُ عَلَى يَدَيْهِ قَالَ إِبْرَاهِيمُ حَدَّثَنَا
مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّامِدِ
بُنْ عَبْدِ الْوَارِثِ عَنْ عِكْرَمَةَ بْنِ عَمَّارٍ
بِهَذَا الْحَدِيثِ بِطَوِيلٍ .

میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا آپ نے
ان کا آنکھوں میں نصاب دہن والا وہ ٹھیک ہو گئیں اور آپ نے
ان کو جھنڈا دیا مرحب مقابلہ کے لیے یہ کہتا ہوا نکلا:
خیبر محرب جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں،
مستحاربوں سے ہیں، بہادر اور آزمودہ ہوں
جب جنگ کی آگ جھڑکی اٹھتی ہے۔

حضرت علی نے فرمایا:

میں وہ ہوں جس کی ماں نے اس کا نام حیدر
لکھا ہے۔ جو جنگوں کے شیر کی طرح رعب
اور دہرہ والا ہے میں لوگوں کے ایک سال
کے بدلہ میں اس سے بڑا پیہمانہ دیتا ہوں۔

پھر حضرت علی نے مرحب کے سر پر ایک ضرب لگائی اور اس کو
ہلاک کر دیا اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کے ہاتھ پر خیبر فتح کر
دیا۔ ایک اور سند سے یہ روایت اس سے بھی زیادہ طوالت
کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

امام مسلم نے ایک اور سند سے اس حدیث کو
روایت کیا ہے۔

۳۵۶۳۔ وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ
أَنَّ دُعَى السُّلَمِيِّ حَدَّثَنَا الْقَضْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ
عَنْ عِكْرَمَةَ بْنِ عَمَّارٍ بِهَذَا .

اس حدیث میں ہے کہ حضرت علی نے رجز میں فرمایا میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے
حضرت علی کو حیدر کہنے کی تحقیق
حیدر کا معنی ہے شیر، جب حضرت علی پیدا ہوئے تو ابتداءً آپ کی والدہ نے آپ کا
نام حیدر رکھا اور مرحب نے خواب میں دیکھا تھا کہ اس کو شیر قتل کرے گا اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا نام شیر ذکر
کیا تاکہ مرحب خوف زدہ ہو، ایک قول یہ ہے کہ آپ کی والدہ نے آپ کا نام ابتداءً اسد رکھا تھا کیونکہ آپ کے جد کا نام اسد بن
ہشام بن عبد مناف تھا، اس وقت ابو طالب کہیں گئے ہوئے تھے جب وہ آئے تو انہوں نے آپ کا نام علی رکھا، حیدر کا معنی غلظ
اور قوت ہے اور شیر بھی سخت قوی و زندہ ہے اس لیے اس کو حیدر کہتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی قوت کے اعتبار
سے اپنے آپ کو حیدر سے تعبیر فرمایا تھا۔

مرحب کو حضرت علی نے قتل کیا تھا یا حضرت محمد بن مسلمہ نے؟
علامہ فروی کہتے ہیں کہ زیادہ صحیح یہی
ہے کہ مرحب کو حضرت علی نے قتل کیا

تھا، اور ایک قول یہ ہے کہ مرحب کو حضرت محمد بن مسلمہ نے قتل کیا تھا، علامہ ابن عبد البر نے اپنی کتاب الدری فی مختصر السیر
میں لکھا ہے کہ محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ مرحب کو حضرت محمد بن مسلمہ نے قتل کیا تھا۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ اس کو حضرت علی

رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ اکثر محدثین حدیث نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ مرحب کو حضرت علی نے قتل کیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار معجزات کا بیان | علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار معجزات کا بیان ہے: (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے کنوئیں میں لباب دھن ڈالا تو اس کا پانی زیادہ ہو گیا۔ (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دیکھ بھلی ہوئی آنکھوں میں لباب دھن لگایا تو ان کی آنکھیں ٹھیک ہو گئی، (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیش گوئی فرمائی کہ آپ جس کو جنت ادا کریں گے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر عیسٰی فرج کرے گا (۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی کہ میرے غطفان میں قیام کریں گے اور ایسا ہی ہوا۔

دیگر فوائد حدیث | اس حدیث کے دیگر فوائد حسب ذیل ہیں: (۱) دشمن کے ساتھ صلح کرنے کا جواز جیسا کہ صلح مدینہ میں ہوا۔

(۲) لشکر سے پہلے مقدمۃ الجیش کو بھیجا۔

(۳) حضرت سلمہ بن اکوع، حضرت البرقہ اور حضرت انور اسدی رضی اللہ عنہم کے مناقب۔

(۴) جو شخص کوئی اچھا کام کرے اس کے سامنے اس کی تعریف کرنا، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت البرقہ اور حضرت سلمہ بن اکوع کے سامنے ان کی تعریف کی، اگر سامنے تعریف کرنے میں کوئی مصلحت ہو تو یہ مستحب ہے اور اگر اس میں کسی نفع کا اندیشہ ہو تو یہ مکروہ ہے اور اگر کسی ناجائز فائدہ کے حصول کے لیے کسی کے منہ پر اس کی تعریف کی جائے تو یہ حرام ہے۔

(۵) دشمن کے گھوڑوں کی گونجیں کاٹنے اور ان کو قتل کرنے کا جواز، اور جنگ میں رجز پڑھنے کا جواز۔

(۶) مال غنیمت سے کچھ کھانے کا جواز اور مال غنیمت سے عطیات دینے کا استحباب۔

(۷) اگر سوار یا متاع ہو تو اس پر دوسرے شخص کو بٹھانے کا جواز، اور امام کی اجازت کے بغیر دشمن کو لٹکانے کا جواز جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مرحب کو لٹکا دیا تھا۔

(۸) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت سے محنت اور حرص، اور اپنے آپ کو گھسان کی جگہ میں داخل کرنا۔

(۹) جو شخص کفار کے خلاف لڑتا ہو اور مارا جائے وہ شہید ہے خواہ کفار کی ضرب سے مرے یا اپنے ہتھیار کی ضرب لگنے سے مر جائے۔

(۱۰) اہم کاموں کے سپاہیوں کی تحقیق کرنا اور جس کے پاس ہتھیار نہ ہو ان کو ہتھیار فراہم کرنا۔

(۱۱) اس حدیث میں دوش کے مقابلہ کا بھی ثبوت ہے، جبکہ اس میں کوئی شرط نہ لگائی جائے۔

(۱۲) اس حدیث میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی عظیم فضیلت ہے کہ جب منہ اندھیرے سے دوڑتے دوڑتے رات ہو گئی، گھوڑے ٹھک گئے، اونٹ ٹھک گئے، لوگ سامان اور اسباب چھوڑ گئے، کتنے مر گئے پر حضرت سلمہ نہ ٹھکے، دن بھر

کچھ کھایا نہ پیا، بھوکے پیاسے دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے، اس کے باوجود یہ صبر و تحمل کا ایک نمونہ تھا۔
دوسرے میں مظلوم کیا اور بالآخر مقابلہ میں اس کو پیچھے چھوڑ دیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ رَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ

اللّٰهُ تَعَالٰی كَا قَوْلِ وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ
اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ الْاَيَةَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
مکہ کے اسی اکبری جہلی تنیم سے مسلح ہو کر اترے وہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو دھوکہ دے کر
غفلت میں جکڑنا چاہتے تھے، آپ نے ان کو کچھ کر قید
کر لیا اور بعد میں چھوڑ دیا تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل
فرمائی: جس ذات نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک
لیا اور مکہ میں ان پر تمہاری فتح کے بعد تمہارے ہاتھوں کو
ان سے روک لیا۔

۳۵۶۵ - حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَخْبَرَنَا
حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ قَابِطٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ
مَالِكٍ أَنَّ ثَمَانِينَ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ
هَبَطُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِنْ جَبَلِ النَّعِيمِ مُتَسَلِّحِينَ يُرِيدُونَ غَرَّةَ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ
فَأَخَذَهُمْ سَلْمًا فَاسْتَحْيَاهُمْ فَأَنزَلَ اللَّهُ
عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ
وَأَيْدِيَكُمْ عَنْكُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ
أَظْفَرَ كُمْ عَلَيْهِمْ

بَابُ غَزْوِ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ

عورتوں کا مردوں کے ساتھ جہاد کرنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت
ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جنگ خنین کے دن ایک خنجر لیا جو
ان کے پاس تھا، حضرت ابو طلحہ نے وہ خنجر دیکھ لیا، انھوں
نے کہا یا رسول اللہ! یہ ام سلمہ ہیں اور ان کے پاس ایک خنجر
ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا یہ خنجر کیسا
ہے؟ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا میں نے یہ خنجر اس لیے
لیا ہے کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آیا تو میں اس کا پیٹ
پھاڑ دوں گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسنے لگے، حضرت
ام سلمہ نے کہا ہمارے بعد جو طلحہ ہیں جو آپ سے شکست
کھا چکے ہیں ان کو قتل کر دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا: اے ام سلمہ اللہ تعالیٰ کافی ہے اور اس نے اچھا

۳۵۶۶ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ
سَلَمَةَ عَنْ قَابِطٍ عَنْ أَنَسِ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ
أَتَتْهُ يَوْمَ خَنْزِ بْنِ خَنْزَلٍ أَفْكَانَ مَعَهَا
قِرَاطًا أَبَاطِطَةً فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذِهِ
أُمُّ سَلَمَةَ مَعَهَا خَنْجَرٌ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هَذَا
الْخَنْجَرُ قَالَتْ أَتَخَذُكُمْ إِنْ دَنَا مِنِّي
أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ بَقَرْتُمْ بِهِ بَطْنَهُ
فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَضَعُكَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَقْتُلُ مَنْ

اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّم یَنْظُرُ اِلَیَّ
الْقَوْمِ فَمَقُولُ اَبُو طَلْحَةَ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ
یَا اَبْنَا اُمِّی لَا تُشْرِفْ لَا یُصْبِلُکَ سَمٌّ
مِّنْ سِہَامِ الْقَوْمِ تَحْرِی دُونَ تَحْرِکِ قَالَ
وَلَقَدْ رَأَیْتُ عَآئِشَةَ بِنْتَ اَبْنِ بَكْرٍ وَاُمَّ
سَلَمَیَّةَ وَاَتَمَّ لَمْ یَسْمُوْا اَنْ اُسْرِیْ تَحَدَّ مَرَّ
سُوْقِہُمَا تَنْقَلَانِ الْقَرَبِ عَلٰی مُتَوْنِہُمَا
ثُمَّ تُفْرِغَانِہِ فِیْ اَقْوَاہِمَ ثُمَّ تَرْجِعَانِ
فَتَمْلَاَنِہُمَا ثُمَّ تَحِیُّنَانِ تُفْرِغَانِہِ فِیْ
اَقْوَاہِ الْقَوْمِ وَلَقَدْ رَآتِ السَّیْفَ مِمَّنْ
یَدْنِیْ اَبْنِ طَلْحَةَ اِمَّا مَرَّتَیْنِ وَاِمَّا ثَلَاثًا
مِّنَ النَّعَاسِ ۔

ابی بکر اور حضرت ام سلیم اپنے پانچے اور پر کیے ہوئے
تھیں اور میں نے ان کی پندہیوں کی پازیب کو دیکھا، وہ
دونوں اپنی پشت پر مشک لا کر لاتی تھیں، پھر لوگوں کے منہ
میں اس سے پانی ڈالتیں پھر لوٹ کر باتیں پھر ان مشکیزوں
کو بھرتیں پھر آ کر مشکیزوں کے منہ سے لوگوں کو پانی پلاتیں۔ اس
دن حضرت ابو طلحہ کے ہاتھ سے دو یا تین بار اونگھ کی وجہ
سے تھوڑا کر گئی۔

(ف) اس حدیث میں حضرت عائشہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہما کے غزوہ اُحد میں شریک ہونے اور ان کی پازیب کھائی
دینے کا ذکر ہے لیکن یہ خیال رہے کہ غزوہ اُحد تین ہجری میں واقع ہوا ہے اور حجاب کے احکام پانچ ہجری میں غزوہ
احزاب کے بعد نازل ہوئے ہیں۔

جہاد میں عورتوں کی شرکت کا بیان | اس حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عورتیں بھی جہاد میں جاتی تھیں
اور عورتیں پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں، علامہ نووی اس کی
شرح میں لکھتے ہیں: اس حدیث میں یہ ثابت ہے کہ عورتیں جہاد کے لیے جاسکتی ہیں اور ان سے پانی پلوانے اور دوا وغیرہ
میں استفادہ کیا جاسکتا ہے، عورتوں کا یہ علاج کہ ناان کے شرمہروں اور محرموں کے ساتھ خاص تھا اور اگر غیر محرم کے علاج
میں اس کے جسم کو مس کرنا پڑے تو وہ بھی ضرورت کی بناء پر جائز ہے۔

اس باب کی حدیث نمبر ۴۵۶۹ میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ اُحد کے دن حضرت عائشہ
اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہما اپنے پانچے اور پر کیے ہوئے تھیں، میں نے ان کی پندہیوں کی پازیب کو دیکھا، وہ دونوں اپنی
پشت پر مشکیزے لا کر لاتی تھیں۔

علامہ نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے صرف پازیب کو دیکھا تھا کیونکہ یہ جنگ اُحد کا
واقعہ ہے اور حجاب کے احکام غزوہ احزاب کے بعد نازل ہوئے ہیں، اس وقت تک عورتوں کی طرف دیکھنا حرام نہیں کیا گیا تھا
نیز اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ حضرت انس نے ان کی طرف قصد اُدیکھا تھا یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ ان کی پازیب کی
طرف حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نظر اچانک بلا قصد پڑ گئی تھی لیکن انہوں نے ان کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھا۔ لے

اس قسم کی احادیث سے بعض متجدد علماء عورتوں کی آزادی اور تعلیم، معیشت، کاروبار اور زندگی کے تمام شعبوں میں عورتوں کی مردوں کے ساتھ مساوات پر استدلال کرتے ہیں، اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ یہاں قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور فقہاء اسلام کے ارشادات کی روشنی میں عورتوں کے ستر اور حجاب کے شرعی احکام بیان کر دیے جائیں، سواب ہم ستر اور حجاب کے مسئلہ پر گفتگو کریں گے۔ فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة بلیق۔

ستر اور حجاب کی تحقیق عورت کے ستر اور حجاب کے احکام الگ الگ ہیں، ستر کا تعلق عورت کے جسم کے اس حصہ اور ان اعضاء سے ہے جن کو شوہر کے سوا ہر شخص سے چھپانا واجب ہے خواہ وہ شخص

اس عورت کا عرم ہو یا غیر محرم، اور وہ عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ اس کا پورا جسم ہے اور بیرون میں اختلاف ہے چہرے اور ہاتھوں کے سوا باقی جسم کو عورت نہ اپنے محرم (مثلاً باپ، بھائی، بیٹا وغیرہ) پر ظاہر کر سکتی ہے اور نہ اجنبی مردوں پر، اور حجاب کا تعلق عورت کے پورے جسم سے ہے اور یہ اجنبی مردوں کے لحاظ سے ہے سوا جنبی مردوں کے لحاظ سے عورت کا پورا جسم واجب الستر (چھپانے کی چیز) ہے اور عورت باقی جسم کے علاوہ اپنا چہرہ اور ہاتھ بھی اجنبی مردوں پر ظاہر نہیں کر سکتی البتہ ضروریات مستثنیٰ ہیں جن کی تفصیل آئے گی، اسی طرح ستر کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک نماز کے اعتبار سے ستر ہے اور یہ چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ عورتوں کا پورا جسم ہے، سوا جنبی مردوں کے لحاظ سے عورت کا پورا جسم واجب الستر ہے اور اس کو چھپانا واجب ہے، سورہ نور کی آیات میں عورتوں کے ستر کا ذکر ہے اور سورہ احزاب میں عورت کے حجاب کا بیان ہے۔

متقدمین فقہاء میں سے بعض فقہاء نے ستر اور حجاب میں فرق نہیں کیا اور عورت کے چہرے اور ہاتھوں کو حجاب سے مستثنیٰ رکھا ہے، لیکن جہود فقہاء اسلام نے ستر اور حجاب میں فرق کیا ہے اور اجنبی مردوں کے لحاظ سے عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے چھپانے کو بھی واجب قرار دیا ہے اور یہی چیز قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے مطابق ہے، امام شافعی، امام احمد اور متاخرین فقہاء احناف کے نزدیک اجنبی مردوں کا عورتوں کے چہرے کو دیکھنا مطلقاً ناجائز ہے اور امام مالک اور متقدمین فقہاء احناف کے نزدیک اگر شہوت کا اندیشہ ہو تو عورت کے چہرے کو دیکھنا حرام ہے اور اگر شہوت کا اندیشہ نہ ہو تو جائز ہے، لیکن یہ رائے صحیح نہیں ہے جیسا کہ انشاء اللہ عنقریب دلائل سے واضح ہو جائے گا۔ پہلے ہم قرآن اور حدیث سے عورت کے ستر اور حجاب کا محل اور اس کا حکم بیان کریں گے، پھر عورت سے سلام و کلام اور اس کی آواز کا حکم بیان کریں گے پھر عورت کے گھر سے باہر نکلنے اور عورت کی سربراہی کا حکم بیان کریں گے.... فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة بلیق۔

عورت کے ستر کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد

اور مسلمان عورتیں اپنے بناؤ سنگھار (میک اپ) کو نہ دکھائیں، بجز اس چیز کے جو عود ظاہر ہو اور اپنے سینوں کو اپنے دوپٹوں سے ڈھانک کر رکھیں، وہ اپنے بناؤ سنگھار کو صرف ان لوگوں پر ظاہر کر سکتی ہیں! عورتوں کے شوہر،

ولا یبدین زینتھن الا ما ظہر منها ولیضویبن
بنصرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا
لبعولتھن او ابائھن او اباؤ بعولتھن او ابناؤھن
او ابناؤ بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن

أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِمْ أَوْ نِسَائِهِمْ أَوْ مَمْلُوكَاتِ إِيْمَانِهِمْ
أَوْ التَّابِعِينَ غَيْرَ أُولَى الْأَرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ وَالطُّفُلِ
الَّذِينَ لَهُمْ يَظْهَرُ وَعَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا
يَضُرُّهُنَّ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيَعْلَمَ مَا يَخْفَيْنَ مِنْ
نَمَائِهِنَّ وَتَوْبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا يَا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ
لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ -

(نور: ۲۱)

ان کے باپ، ان کے شوہروں کے باپ، ان کے بیٹے،
ان کے شوہروں کے بیٹے، ان کے بھائی، ان کے بھائیوں
کے بیٹے، ان کی بہنوں کے بیٹے، دیگر مسلمان عورتیں ان
کی نوکریاں اور ایسے غلام یعنی مرد خدمت گار، جو عورتوں کی
خواہش نہ رکھتے ہوں اور نہ بچے جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ
باتوں سے واقف نہ ہوئے ہوں، مسلمان عورتیں اپنے
پیسروں کو زمین پر مار نہ کر چلاکیں جس سے ان کی پوشیدہ زینت
کا لوگوں کو علم ہو جائے، اور اسے مؤمنو! تم سب مل کر
اللہ سے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ!۔

سورۃ نور مدنی ہے اس میں واقعہ انکب سے متعلق آیات نازل ہوئی ہیں، واقعہ انکب غزوہ بدر مصطلق یا غزوہ بدر
سے واپسی کے موقع پر پیش آیا تھا، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں امام ابن اسحاق کے قول کے مطابق یہ غزوہ چھ ہجری میں
پیش آیا تھا اور موسیٰ بن عقبہ نے کہا یہ غزوہ چار ہجری میں پیش آیا تھا،
ہمارے نزدیک چار ہجری کا قول صحیح ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ سورۃ نور چار ہجری میں نازل ہوئی اور اسی سال
عورتوں کے ستر کا حکم نازل ہوا اس ستر کا تعلق محرم سے ہے اور یہ نماز اور حالت احرام کے اعتبار سے ستر کا حکم ہے۔
عورت کے ستر کے متعلق مفسرین اخاف کا نظریہ | سورۃ نور کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ عورتیں اپنی زینت
کو کسی پر ظاہر نہ کریں، البتہ جز زینت ظاہر ہو وہ اس حکم سے مستثنیٰ
ہے، علامہ ابو بکر رازی جصاص خنئی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ اس زینت سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں، کیونکہ ستر نہ چہرہ کی زینت ہے اور
ہندی اور انگور ٹھٹی ہاتھوں کی زینت ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے چہرہ اور ہاتھوں کی طرف دیکھنا (ضرورت کے وقت) مباح
کر دیا ہے تو اس کا لامحالہ تقاضا یہ ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کو دیکھنا بھی مباح ہو، چہرے اور ہاتھوں کے واجب الستر
نہ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ عورت چہرے اور ہاتھوں کو کھول کر نماز پڑھتی ہے اور اگر یہ واجب الستر (عورت یا شہر نگاہ)
ہوتے تو ان کو چھپانا بھی فرض ہوتا، اور جب عورت کا چہرہ اور ہاتھ ستر نہیں ہیں تو اجنبی شخص کے لیے عورت کے ہاتھوں
اور اس کے چہرہ کو بلا شہوت دیکھنا جائز ہے، اور شہوت سے دیکھنا جائز نہیں۔^۱

عورت کے ستر کے متعلق مفسرین شافعیہ کا نظریہ | امام نووی رازی شافعی اس آیت کی تفسیر میں
لکھتے ہیں:

اجنبی مرد کے حق میں آزاد عورت کا تمام جسم عورت (واجب الستر) ہے اور چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا اس کے جسم

۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱، ص ۲۸، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

۲۔ علامہ ابو بکر رازی جصاص خنئی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۳، ص ۳۱۶-۳۱۵، مطبوعہ مہمل اکید می لاہور، ۱۴۰۰ھ

کی طرف بلا ضرورت دیکھنا جائز نہیں ہے یہ

عورت کے سر کے متعلق مفسرین مالکیہ کا نظریہ | اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو زینت ظاہرہ کرنے کے حکم سے ان زینت

اختلاف ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا زینت ظاہرہ سے مراد لباس ہے، ابن جبیر نے کہا اس سے مراد چہرہ ہے اور سعید بن جبیر، عطاء، اور اوزاعی نے کہا اس سے چہرہ، ہتھیلیاں اور لباس مراد ہے، حضرت ابن عباس، قتادہ اور حضرت مسد بن خرمہ نے کہا زینت سے مراد سرمہ، کنگن، نصف کلائیوں تک ہاتھوں کا رنگ اور کانوں کی بائیاں اور بندے وغیرہ ہیں۔ سر عورت کے لیے آنے والے لوگوں کے سامنے اس زینت کو ظاہر کرنا جائز ہے، علامہ طبری نے نصف کلائیوں کو ظاہر کرنے کے متعلق یہ حدیث ذکر کی ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تَوَمنُ بِلِلِّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ إِذَا
عُرِكَتْ أَنْ تَظْهَرَ أَدْجَمَهَا وَيُرِيَهَا إِلَى هَهْنا
وَقَبْضَ عَلَى نِصْفِ الذِّمَامِ

جو عورت اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان لاتی ہو
اس کے لیے بالغ ہونے کے بعد چہرے اور یہاں تک
ہاتھوں کے سوا ظاہر کرنا جائز نہیں ہے پھر آپ نے آدمی
کلائیوں تک ہاتھوں کو پکڑا۔

ابن عطیہ نے کہا میرے نزدیک اس آیت کا منشا یہ ہے کہ عورت کو اپنے تمام جسم کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے البتہ کام کاج کرتے وقت یا کسی اور مجبوری سے اس کا چہرہ اور ہاتھ اگر کھل جائیں تو وہ چھپانے کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں میں کہتا ہوں کہ یہ بہت اچھا قول ہے کیونکہ کام کاج کرتے وقت ہاتھ اور ناز اور حج وغیرہ کو اٹا کرتے وقت غالباً چہرہ اور ہاتھ کھل جاتے ہیں، اس لیے یہ استثناء انھیں کی طرف راجع ہے، امام ابو داؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء سے فرمایا: اے اسماء جب عورت بالغ ہو جائے تو اس سے اس کے سوا اور کسی عضو کا نظر آنا جائز نہیں ہے، اور آپ نے چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا، یہ حدیث ضعیف ہے۔ سعیدی اور ہمارے فقہاء میں سے ابن غریزہ متاؤد نے یہ کہا ہے کہ جب کوئی عورت غریب صورت ہو اور اس کے چہرہ اور ہاتھوں کی طرف دیکھنے سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس پر اپنے چہرے اور ہاتھوں کو چھپانا بھی واجب ہے، اور بڑھی یا بد صورت عورت کے لیے اپنے چہرہ اور ہاتھوں کا ظاہر کرنا جائز ہے۔

عورت کے سر کے متعلق مفسرین حنبلیہ کا نظریہ | زینت ظاہرہ کی سات تفسیریں ہیں: (۱) حضرت ابن مسود سے روایت ہے کہ اس سے مراد کپڑے ہیں (۲) حضرت ابن مسود

سے دوسری روایت ہے اس سے مراد چادر ہے (۳) حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ سرمہ اور انگوٹھی ہے۔
(۴) حضرت مسد بن خرمہ سے روایت ہے کہ یہ کنگن، انگوٹھی اور سرمہ ہے (۵) مجاہد سے روایت ہے کہ یہ سرمہ، انگوٹھی اور مہندی کا رنگ ہے (۶) حسن بصری نے کہا یہ انگوٹھی اور کنگن ہے (۷) ضحاک نے کہا کہ یہ چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں۔

۱۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۷۲۰ھ، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعة الثانیة، ۱۳۹۸ھ
۲۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۷۸۵ھ، الجامع الاحکام القرآن ج ۴ ص ۲۲۹-۲۲۸، مطبوعہ انتشارات ناظرین، ۱۳۸۶ھ

قاضی ابوعلی نے کہا کہ پہلا قول صحت کے زیادہ قریب ہے۔ اور امام احمد نے اس کی تصریح کی ہے اور کہا ہے کہ زینت ظاہر کپڑے ہیں ورنہ عورت کی ہر چیز ستر ہے حتیٰ کہ اس کے ناخن بھی ستر ہیں۔ امام احمد کے اس قول سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ بغیر عذر کے اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنا مطلقاً حرام ہے، ہاں اگر کوئی عذر ہو مثلاً اس سے نکاح کا ارادہ ہو یا اس کو گواہ بنانا چاہتا ہو تو صرف اس کے چہرے کی طرف دیکھ سکتا ہے اور بغیر عذر کے اس کے چہرے کی طرف دیکھنا مطلقاً حرام ہے خواہ شہوت، عریانہ ہو اور خواہ اس کے چہرے اور ہاتھوں کی طرف دیکھے یا جسم کے کسی اور حصہ کی طرف۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ پھر چہرہ کھولنے سے اس کی نازکیوں باطل نہیں ہوتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ چہرہ چھپانے میں مشقت ہے اس لیے اس کو کھولنے کی رخصت دی گئی ہے۔

تسکین مجید کی اس آیت میں عورت کے ستر سے اس زینت کو مستثنیٰ کیا ہے جو از خود ظاہر ہو، اور صحیح یہ ہے کہ اس زینت سے مراد لباس ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے خذوا زینتکم عند کل مسجد (اعراف: ۳۱) "ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہنو" اس لیے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو خود اپنی زینت کا اظہار اور نمائش نہیں کرنی چاہیے البتہ جو زینت از خود ظاہر ہو جائے وہ مستثنیٰ ہے جیسے چادر یا دوپٹہ کا ٹرا سے اڑ جانا، حضرت عبداللہ بن مسعود، حسن بصری، ابن سیرین اور ابراہیم نخعی نے اس آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے، اور اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عورت کا تمام حجم واجب الستر ہے، اور جن بعض مفسرین نے یہاں زینت سے چہرہ اور ہاتھ مراد دیا ہے۔ ان کے قول کی تقدیر پر چہرہ اور ہاتھ عورت کے ستر سے مستثنیٰ ہیں، حجاب سے مستثنیٰ نہیں ہیں، اور یہ نماز اور احرام کے ستر کا بیان ہے نظر کے ستر کا بیان نہیں ہے۔ امام شافعی اور احمد نے عورت کے چہرے اور ہاتھوں کی طرف دیکھنے کے مواقع ضرورت کے سوا مطلقاً حرام کہا ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے شہوت سے دیکھنے کو حرام کہا ہے۔

عورت کے ستر کے متعلق احادیث

عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال
لی السراة عوراتہا فاذا خرجت استشرفھا
الشیطان ہذا حدیث حسن صحیح
غریب یلہ
اس حدیث میں عورت کے واجب الستر ہونے کی روشنی اور واضح دلیل ہے۔
امام ابو داؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عائشۃ ان اسماء بنت ابی بکر دخلت
علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہا ثیاب
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت
اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جزیری منبلی متوفی ۵۹۷ھ: زاد السیر ۶ ص ۳۲-۳۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

۲۔ امام ابو یوسف محمد بن یسیر ترمذی متوفی ۲۴۹ھ، جامع ترمذی ص ۱۸۹، مطبوعہ دار کتب دار خاندان تجارت کتب کراچی

رَقَاقٍ فَأَعْرَضَ عَنْهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَقَالَ يَا أَسْمَاءُ إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا بَلَغَتْ الْحَيْضَ لَمْ
يَصْلَحْ لَهَا أَنْ يَرَى مِنْهَا إِلَّا هَذَا وَهَذَا
وَأَشَارَ إِلَى وَجْهِهِ وَكَفْيِهِ قَالَ ابْرَأْ دَاوُدَ
هَذَا مَرْسَلٌ ۝

کی خدمت میں حاضر ہوئیں، درآئیں تاکہ انہوں نے باریک
کپڑے پہنے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ان کو دیکھ کر منہ پھیر لیا اور فرمایا: اسے اسما! جب عورت
بالغ ہو جائے تو اس کی صرف یہ چیز اور یہ چیز دکھائی دینی
چاہیے، آپ نے اپنے چہرے اور تنقیلیوں کی طرف اشارہ
کیا۔ امام ابوداؤد نے کہا یہ حدیث مرسل، یعنی منقطع ہے۔

جو فقہاء اجنبی عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے دیکھنے کو جائز کہتے ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں
لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ اول تو یہ حدیث منقطع ہے، کیونکہ خالد بن ولید نے حضرت عائشہ کا زمانہ نہیں پایا اور
اس کا حضرت عائشہ سے سماع نہیں ہے چنانچہ امام ابوداؤد نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے، ثانیاً اس کی سند میں سعید بن بشر
ضعیف راوی ہے، علاوہ ازیں یہ حدیث احکام حجاب نازل ہونے سے پہلے کے واقعہ پر معمول ہے، نیز ہم یہ کہتے ہیں کہ
اس حدیث میں ناز اور حالت احرام کے ستر کا بیان ہے، حجاب اور نظر کے ستر کا بیان نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے ہم نے
اس کا ذکر کیا ہے۔
امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَا تَقْبَلُ صَلَاةَ حَائِضٍ إِلَّا
بِخِمَارٍ ۝

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بالنع عورت کی نماز دوپٹے کے
بغیر قبول نہیں کرتا۔

اس حدیث کو امام نسائی کے سوا تمام ائمہ ستر نے روایت کیا ہے۔
امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّهَا سَأَلَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ اتَّصَلَى الْمَرْأَةُ فِي دَسْعٍ وَخِمَارٍ لَيْسَ
عَلَيْهَا إِذَا رَفَعَتْ إِذَا كَانَ الدَّسْعُ سَابِغًا يَغْلِي
ظَهْرَ قَدَمَيْهَا ۝

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا عورت تہبند کے بغیر دوپٹے
اور قمیص میں نماز پڑھ سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں جب
اس کی قمیص اتنی لمبی ہو کہ اس کے قدموں کی پشت کو چھپا
سکے!

امام حاکم بیشاپوری نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کی سند کے بارے میں کہتے ہیں:

۱۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۱، مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

۲۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۲ ص ۲۳۳، مطبعہ نشر السنۃ عمان

۳۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۹۴، مطبعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

ہذا حدیث صحیحہ علی شرط البخاری ولف
یخند جاہ - ۱۷

یہ حدیث امام بخاری کی شرط کے مطابق صحیح ہے،
لیکن امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ ۱۸

علامہ ابوالحسن المرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

عورت کے ستر کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ
ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: «المرأة عورة» مستوسماتہ - عورت چھپانے کی چیز ہے، اور
ہاتھوں اور چہرے کا استثناء اہل لیے ہے کہ کام کاج اور ادا شہادت کے وقت اس کو انھیں ظاہر کرنا پڑتا ہے، علامہ
المرغینانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ عورت کے قدم بھی ستر ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ عورت کے قدم
ستر نہیں ہیں اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ ۱۹

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ عورت کے قدم کو ستر سے اس لیے مستثنیٰ کیا ہے کہ آنے جانے اور چلنے پھرنے
میں قدموں کے اظہار کی ضرورت پڑتی ہے تاہم احادیث اور آثار میں عورت کے ستر سے قدموں کا استثناء نہیں ہے
بلکہ سنن ابوداؤد اور سنن بیہقی میں حضرت ابوسلمہ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ عورت کے قدم بھی ستر ہیں۔

علامہ ابن ہمام اس بحث میں لکھتے ہیں کہ عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے ستر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا
کہ ان کی طرف دیکھنا جائز ہے، کیونکہ دیکھنے کا جواز اس پر موقوف ہے کہ وہ چیز نہ ستر ہو نہ اس کے دیکھنے سے شہوت
کا خدشہ ہو، اس وجہ سے جب شہوت کا خدشہ ہو تو عورت اور بے ریش لڑکے کے چہرے کی طرف دیکھنا حرام ہے۔
علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

عورت کے ستر کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ
کرنا عورت کے لیے جائز ہے اور چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ جسم کے کسی حصہ کو نماز میں ظاہر کرنا جائز نہیں ہے
اور اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز میں عورت پر سر ڈھانپنا واجب ہے، امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ عورت کے قدم
ستر نہیں ہیں کیونکہ پیروں کو بھی چہرے کی طرح ظاہر کرنا پڑتا ہے۔

چہرے اور ہاتھوں کے ستر نہ ہونے پر دلائل قائم کرتے ہوئے علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ
کا ارشاد ہے ولا یبدینن ترینتھن الا ما ظہر منہا (نور: ۲۱) اور حضرت ابن عباس نے الا ما ظہر منہا کی
تفسیر میں فرمایا ہے اس سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہیں، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو حالت احرام میں دستاں اور نقاب
پہننے سے منع فرمایا ہے اگر عورت کا چہرہ اور اس کے ہاتھ ستر ہوتے اور ان کا چھپانا واجب، موزنا تراپ ان کو چھپانے

۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۱ ص ۲۵۰، مطبوعہ دار الباز للشرع والتوزیع مکہ مکرمہ

۲۔ امام احمد بن حنبل بیہقی متوفی ۲۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۱ ص ۲۳۳، مطبوعہ نشر السنۃ لمطان

۳۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی حنفی متوفی ۵۹۲ھ، ہدایہ اولین ص ۷۶، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لمطان

۴۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۱ ص ۲۲۶، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

سے منع نہ فرماتے، نیز غریب و فریخت کے وقت چہرہ کھولنا پڑتا ہے اور لین دین کے وقت ہاتھوں کو ظاہر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے ضرورت کا تقاضا ہے کہ چہرہ اور ہاتھ ستر نہ ہوں۔ (یہ تمام بحث نماز اور احرام کے ستر میں ہے ستر نظر اور حجاب میں نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں بعض فقہاء حنبلیہ نے کہا ہے کہ عورت کا پورا جسم ستر ہے کیونکہ امام ترمذی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا ہے کہ ”المرأۃ عورة“ عورت واجب الستر ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے، لیکن چہرے اور ہاتھوں کو کھولنے کی رخصت دی گئی ہے کیونکہ ان کو ظاہر کرنے کی ضرورت ہے اور نہ کھولنے میں مشقت ہے، اور جو شخص کسی عورت سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ اس کے چہرہ کو دیکھ سکتا ہے، کیونکہ چہرہ جمیع المحاسن ہے۔ (اس بحث کا تقاضا یہ ہے کہ ضرورت کے وقت چہرہ کھولنا جائز ہے اس سے مطلقاً چہرے کا بے حجاب کرنا لازم نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: عورت کے پیروں کے ستر ہونے پر یہ دلیل ہے کہ امام ابو داؤد نے یہ روایت کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا عورت بیز تہبند کے (صرف) دوپٹہ اور قمیص سے نماز پڑھ سکتی ہے، آپ نے فرمایا: ہاں بشرطیکہ اس کی قمیص اس کے پیروں کی پشت کو ڈھانپ لے، اور امام ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے کپڑے کو کھجور سے لٹکاتا ہو اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرماتا۔ حضرت ام سلمہ نے پوچھا پھر عورتیں اپنے کپڑوں کے دامن کو کیا کریں؟ آپ نے فرمایا اس کو ایک بالشت تک لٹکالیں، حضرت ام سلمہ نے کہا پھر تران کے پیر کھل جائیں گے، آپ نے فرمایا پھر وہ ایک ہاتھ تک کپڑا لٹکالیں اور اس سے زیادہ نہ کریں، امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کر کے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کے قدموں کو چھپانا واجب ہے، کیونکہ احرام میں پیروں کا کھونا ضروری نہیں ہے، لہذا پند لیوں کی طرح عورت کے قدموں کو بھی نماز میں چھپانا واجب ہے۔

عورت کے ستر کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ ابواسحاق شیرازی شافعی لکھتے ہیں: چہرے اور ہاتھوں کے سوا آزاد عورت کا تمام بدن واجب الستر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولا یمسین نریضتھن الا ما ظہر منها حضرت ابن عباس نے فرمایا اس آیت میں چہرہ اور ہاتھوں کو چھپانے کے حکم سے مستثنیٰ کیا ہے، نیز اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو حالت احرام میں نقاب اور دستانے پہننے سے منع فرمایا ہے، اگر چہرہ اور ہاتھ واجب الستر ہوتے تو ان کا چھپانا ممنوع نہ ہوتا، اور عورت کو خریبہ و فریخت کے وقت چہرے کو ظاہر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور کوئی چیز پسینے یا دھینے کے وقت ہاتھوں کو ظاہر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

علامہ نووی شافعی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا عورت کا تمام بدن واجب الستر ہے، ہتھیلیاں ہاتھ کے پہنچوں تک ستر سے مستثنیٰ ہیں، خواہ سان کے بعض علما نے کہا ہے کہ عورت کا باطن قدم ستر نہیں ہے اور مزنی نے کہا ہے کہ عورت کا قدم واجب الستر نہیں ہے۔ لیکن مختار مذہب یہی ہے کہ عورت کا قدم واجب الستر ہے۔

۱۔ علامہ ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۴۲۰ھ، السنن ج ۱ ص ۳۵۰-۳۴۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ

۲۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۷۴۷ھ، شرح المہذب ج ۳ ص ۱۲۸-۱۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت

(یہ بحث بھی نماز اور احرام کے ستر میں ہے ستر نظر میں نہیں ہے۔)

عورت کے ستر کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظر یہ | علامہ درودیر مالکی لکھتے ہیں:

اس کے سر کے بال بھی ستر ہیں یہ ستر اجنبی مسلمان کے اعتبار سے ہے، اور اجنبی کافر کے اعتبار سے اس کا چہرہ اور ہتھیلیاں بھی ستر ہیں۔ اور لذت اور لطف اندوزی کے ساتھ عورت کے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھنا حرام ہے اور لذت اور لطف اندوزی کے بغیر دیکھنا جائز ہے۔

یہاں تک ہم نے عورت کے ستر کے متعلق قرآن مجید کی آیت، احادیث، آثار اور مذاہب اربعہ کے مفسرین اور فقہاء کی تصریحات پیش کی ہیں۔ جن سب کا حاصل یہ ہے کہ آزاد عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے سوا اس کا پورا جسم واجب الستر ہے اور اس کا چھپانا فرم ہے۔ ضرورت کی بناء پر چہرے اور ہاتھوں کو ظاہر کیا جاسکتا ہے، اسی طرح ضرورت کی بناء پر عورت کے چہرے کو بلا شہوت دیکھنا جائز ہے اور شہوت کے ساتھ عورت کے چہرے کو دیکھنا ناجائز اور حرام ہے۔ اس جگہ شہوت سے مراد یہ ہے کہ دیکھنے والا عورت کے چہرے کو میلان نفس کے ساتھ دیکھے اور اس کو دیکھ کر لطف اور لذت حاصل کرے۔

ستر سے مراد عورت کے جسم کا وہ حصہ ہے جس کو شوہر کے علاوہ کسی اور شخص پر ظاہر کرنا جائز نہیں ہے اور محرم اور غیر محرم ہر شخص سے جسم کے اس حصہ کو چھپانا فرم ہے اور یہ عورت کے چہرے اور ہاتھوں تک ہاتھوں کے علاوہ اس کا پورا جسم ہے۔ قرآن مجید، احادیث، آثار اور جمہور مفسرین اور فقہاء اسلام کی تصریحات سے ہم نے اس چیز کو مراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کے سوا آزاد عورت کا تمام جسم واجب الستر ہے بالیہ کہ آزاد عورت اپنے چہرے اور ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دے یا ان کو بھی مستور اور حجاب میں رکھے سوا اس کی وضاحت ہم حجاب کی بحث میں کریں گے۔

عورت کے حجاب کی تحقیق | ستر سے مراد عورت کے جسم کا وہ حصہ ہے جس کو شوہر کے علاوہ کسی اور پر ظاہر کرنا جائز نہیں ہے اور یہ چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ آزاد عورت کا پورا جسم ہے، ربا چہرہ اور ہاتھ تو عورت ان کو اپنے محارم کے سامنے کھول سکتی ہے مثلاً باپ، دادا، چچا، ماموں، بیٹا، پوتا، بھتیجا اور بھانجا وغیرہ۔ اور جو اجنبی مرد غیر محرم ہیں ان کے سامنے اس کو چہرے اور ہاتھوں کو بھی حجاب میں رکھنا لازم ہے اور چونکہ عورت کا چہرہ نقہ کا محل ہے اور اس کے چہرے کو دیکھنا متعدد مناسبات کا سبب اور پیش خیمہ ہے اس لیے اس پر لازم ہے کہ اپنے چہرے کو حجاب میں رکھے اور لوگوں کو دعوت ابتلا نہ دے۔

امام موسیٰ بن عقبہ کی تصریح کے مطابق سورہ نساء ۱۲، ہجری میں نازل ہوئی جس میں عورت کے ستر کے احکام نازل ہوئے۔ مدنیہ منورہ میں اندراج مطہرات اور عام مسلمان عورتیں اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے باہر آتی جاتی تھیں اور ستر کے احکام کے مطابق ہی باہر نکلتی تھیں، ان کا چہرہ اور ہاتھ کھلے ہوئے ہوتے تھے اور باقی جسم ڈھکا ہوا ہوتا تھا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار عرض کرتے تھے یا رسول اللہ! آپ کے پاس ہر قسم کے لوگ آتے ہیں آپ

اپنی ازواج کو حجاب (پردہ کرنے) کا حکم دیکھئے، بالآخر اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب میں ازواج مطہرات اور عام مسلمان عورتوں کے لیے حجاب کے احکام نازل فرما دیے۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عائشة أن أُرِّدَ ابنَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
کن یخرجن باللیل اذا تبرعن المناصب وھی
صعیدا فیہ وکان عمر یقول للنبی صلی اللہ علیہ
وسلم احجب نساءک فلم یکن رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم یفعل فخرجت سوداء بنت
زمرۃ زوجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلة
من اللیالی عشاء وکانت امرأة طویلة
فتادها عمر الا قد عوفناک یا سودہ حرصا
علی ان ینزل الحجاب فانزل اللہ
الحجاب۔ ۱

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات تضار حاجت کے لیے رات
کو وسیع میدانوں میں جاتی تھیں (ادھر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کرتے رہتے تھے کہ آپ
اپنی ازواج کو حجاب میں رکھیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نزول
وحی کے انتظار میں) ایسا نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت سوداء بنت زمہ کسی رات کو
عشاء کے وقت تضار حاجت کے لیے گئیں، وہ دراز قد
عورت تھیں، حضرت عمر نے انہیں آواز دی: سنیے اسے
سودہ! ہم نے آپ کو پہچان لیا ہے، حضرت عمر نے یہ
اس لیے کہا تھا تاکہ عورتوں کے باہر نکلنے کے متعلق پردہ
کے احکام نازل ہو جائیں سو اللہ تعالیٰ نے حجاب کے احکام
نازل کر دیے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ ۲
میر امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن انس قال عمر یا رسول اللہ یدخل
علیک البہو الفاجر فلو اموت امہات
المؤمنین یا لحجاب فانزل اللہ آیت
الحجاب۔ ۳

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت
عمر نے کہا یا رسول اللہ! آپ کے پاس بیک اور بدہر قسم
کے لوگ آتے ہیں کاشش آپ امہات المؤمنین کو حجاب میں
رہنے کا حکم دے دیں، پس اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب نازل
کر دی۔

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ ۴

- ۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۲ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
۲۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
۳۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۲ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
۴۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

یہ تو ایک کھلی ہوئی بدیہی بات ہے کہ احکام حجاب نازل ہونے سے پہلے مسلمان عورتیں جب کسی ضرورت کی بنا پر گھر سے باہر نکلتی تھیں تو چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ ان کا سارا جسم مستور ہوتا تھا خصوصاً سورہ فہمیں احکام ستر نازل ہونے کے بعد تو اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اب سورہ احزاب میں احکام حجاب نازل ہونے کے بعد بھی اگر مسلمان عورتیں اسی طرح کھلے منہ پھرتی رتھیں یا ان کا اسی طرح کھلے منہ پھرنا جائز ہوتا تو احکام حجاب نازل ہونے کا کیا ثمرہ مرتب ہوا اور آیات حجاب کو نازل کرنے سے کیا مقصد حاصل ہوا؟ اس لیے لامحالہ یہ مانتا پڑے گا کہ آیات حجاب میں عورتوں کو اپنے منہ اور ہاتھوں کو چھپانے کا حکم دیا ہے اور حجاب ستر سے زائد چیز ہے، ستر عورت کے جسم کے اس حصہ کو چھپانا ہے، جس کو شوہر کے سوا کسی اور شخص کے سامنے ظاہر نہیں کیا جاسکتا اور یہ ہاتھوں اور چہرے کے سوا عورت کا سارا جسم ہے، عورت اپنے محرم (باپ، بھائی وغیرہ) کے سامنے صورت چہرہ اور ہاتھ ظاہر کر سکتی ہے اور باقی جسم چھپائے گی اور حجاب کا تقاضا یہ ہے کہ عورت غیر محرم اجنبیوں کے سامنے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو بھی چھپائے گی، چونکہ پہلے مسلمان عورتیں اور ازواج مطہرات اجنبی مردوں کے سامنے چہرے کو نہیں چھپاتی تھیں اسی لیے حضرت عمر مضطرب رہتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے آیات حجاب نازل کر دیں تو ازواج مطہرات اور عام مسلمان عورتوں نے اجنبی مردوں سے اپنے چہروں کو حجاب میں مستور کر لیا۔

عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات | اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اور جب تم نبی کی ازواج (مطہرات) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ تمہارے اور ان کے لیے بہت ہی پاکیزگی کا سبب ہے۔

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ (احزاب، ۵۳)

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو یہ حکم دی کہ وہ (گھر سے نکلتے وقت) اپنی چادر یا کچھ حصہ (انچل، پتھر یا گھونگٹ) اپنے چہروں پر لٹکائیں، یہ پردہ ان کی اس شناخت کے لیے بہت قریب ہے کہ یہ پاکدامن آزاد عورتیں ہیں اور وہ گرد بانہریاں نہیں ہیں، سو ان کو ایذا نہ دی جائے اور اللہ بہت بخشنے والا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا -

(احزاب، ۵۹)

احکام حجاب نازل ہونے کی تاریخ | سورت احزاب مدنی ہے اسی سورت میں غزوہ احزاب (غزوہ خندق) کا ذکر ہے۔ امام بخاری نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ نے کہا ہے کہ غزوہ احزاب ۳۷ھ میں ہوا، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ یہ قول خلاف تحقیق ہے اور جمہور ارباب مذاہبی اور سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ غزوہ احزاب ۳۷ھ میں واقع ہوا۔ ۳۷ھ (عاشیہ صفحہ ۱۸۰ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)۔

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں: امام ابن اسحاق نے کہا غزوہ احزاب شہدہ میں ہوا، امام ابن سعد نے کہا غزوہ احزاب ۸ رذی القعدہ شہدہ کو پیر کے دن ہوا۔ ۱۷ھ

علامہ ابن قیم جوزیہ لکھتے ہیں: غزوہ خندق (غزوہ احزاب) صحیح قرل کے مطابق شوال ۳۷ھ میں واقع ہوا کیونکہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ غزوہ اُحد شوال ۳۶ھ میں ہوا تھا، مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیلنج کیا تھا کہ وہ اگلے سال یعنی ۳۷ھ میں آکر پھر حسد کریں گے لیکن اگلے سال وہ قحط کا شکار ہو گئے، پھر ایک سال کے بعد ۳۸ھ میں مشرکین حسد کے لیے آئے تمام اہل سیر اور منازی کا اسی پر اتفاق ہے اور موسیٰ بن عقبہ نے جہور کی مخالفت کی ہے۔ ان کھوس حوالہ بات سے یہ واضح ہو گیا کہ غزوہ احزاب ۳۷ھ میں واقع ہوا اور سورۃ احزاب میں چکر کہ غزوہ احزاب کا ذکر ہے اس سے ظاہر ہوا کہ سورۃ احزاب ۳۷ھ میں نازل ہوئی اور اس سورت میں احکام حجاب نازل کیے گئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ احکام حجاب ۳۷ھ میں نازل کیے گئے تھے۔

جلباب کی تحقیق | اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ازواج مطہرات، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں اور مسلمان عورتیں اپنی جلباب (چادر) کا کچھ حصہ اپنے (چہروں) پر ڈال لیں۔ جلباب جلباب کی جمع ہے اس لیے دیکھنا چاہیے کہ جلباب کا معنی کیا ہے:

علامہ اسماعیل بن حماد جوہری لکھتے ہیں:

والجلباب الملحفة ۱۷
جلباب ملحفة ہے یعنی لحاف اور کبل کی طرح وسیع و عریض چادر ہے۔

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

هو ما تغطي به المرأة الثياب من فوق
كالملحفة (الی قولہ) قال ابو عبيد قال
الانراهي معني قول ابن الاعرابي الانراهم
يرد به ازار الحقو، ولكنه اراد ازارا يشتمل
به فيجلل جميع الجسد۔ ۱۸

جلباب وہ چادر ہے جس کو عورت کبل کی طرح اوپر سے اوڑھ لیتی ہے، ابو عبید نے کہا ہے کہ ازہری نے یہ بیان کیا ہے کہ ابن الاعرابی نے جو یہ کہا ہے کہ جلباب انار (تہد) ہے۔ اس سے مراد وہ چادر نہیں ہے جو کمر پر باندھی جاتی ہے بلکہ اس سے مراد وہ چادر ہے جس سے تمام جسم کو ڈھانپ لیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جلباب سے مراد وہ وسیع و عریض چادر ہے جس سے عورت تمام جسم کو ڈھانپ لیتی ہے۔

۱۷۔ (حاشیہ صفحہ سابقہ) حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۲، ص ۳۹۳، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ

۱۸۔ حافظ بدر الدین ابو محمد محمد بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱، ص ۱۷۷، مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية مصر، ۱۳۳۸ھ

۱۹۔ علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن قیم الجوزیہ متوفی ۷۵۱ھ، زاد المساد ج ۲، ص ۱۱۷، مطبوعہ مطبع مصلیٰ ابائی وطلادہ مصر، ۱۳۶۹ھ

۲۰۔ علامہ اسماعیل بن حماد الجوزی متوفی ۳۹۸ھ، صحاح ج ۱، ص ۱۰۱، مطبوعہ دار العلم بیروت، ۱۴۰۴ھ

۲۱۔ علامہ جمال الدین محمد بن کرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۲، ص ۲۷۲، مطبوعہ نشر ادب الحوزة قم ایران، ۱۴۰۵ھ

چہرہ ڈھانپنے کی تحقیق

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں ید یدین علیہن من جلا بیدہن۔ اور یہ من تبعضیہ ہے، یعنی عورتیں اپنی جلباب کا کچھ حصہ اپنے اوپر ڈال لیں مفسرین نے لکھا ہے کہ علیہن من جلا بیدہن یعنی علی وجہہن "چادروں کا کچھ حصہ اپنے چہروں پر ڈال لیں" یعنی چادر کا ایک پتہ یا پٹیل یا گونگھٹ اپنے چہروں پر اس طرح ڈال لیں کہ چہرہ ڈھک جائے اور یہی حجاب کا تقاضا ہے۔ علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

حدثني علي بن ابي بصير قال حدثني معاوية بن عمار عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا خرجن من بيوتهن في حاجة ان يغطين وجوههن من فوق رؤسهن بالجلا بيب وبيدين عينا واحدة۔
امام ابن جریر حضرت ابن عباس سے
اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت کی بنا پر اپنے گھروں سے نکلیں تو اپنی چادروں سے سر کو اور چہرے کو اس طرح ڈھانپ لیں کہ فقط ایک آنکھ کھلی رہے۔

علامہ ابن جریر نے اس تفسیر کو عبیدہ اور ابن سیرین سے بھی نقل کیا ہے۔
علامہ ابو بکر رازی جصاص حنفی نے اس تفسیر کو عبیدہ سے نقل کیا ہے۔
حافظ ابن کثیر حنبلی نے اس تفسیر کو حضرت ابن عباس کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔
تاجی ناصر الدین بیضاوی شافعی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

يُغَطِينَ وَجُوهَهُنَّ وَأَبْدَانَهُنَّ إِذَا بَرْنَ لِلْحَاجَةِ وَمِنَ الْمُتَبَعِضِ فَإِنَّ الْمَاءَ تَوَخَّى بَعْضُ جَلْبَابِهَا وَتَتَلَفَحُ بَعْضُ۔
جب عورتیں کسی کام سے باہر نکلیں تو اپنے چہرے اور بدن کو ڈھانپ لیں، من تبعضیہ کے لیے ہے کیونکہ عورتیں چادر کے بعض حصے کو (چہرہ پر) لٹکاتی ہیں اور بعض کو بدن کے گرد لپیٹ لیتی ہیں۔

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی لکھتے ہیں:

کشاف میں ہے کہ اس آیت کے دو محل ہیں یا تو ایک چادر کو پورے بدن پر پٹھنے کا حکم دیا ہے یا چادر کے ایک حصہ سے سر اور چہرے کو ڈھانپ لیں اور دوسرے حصہ سے باقی بدن ڈھانپ لیں۔
علامہ آلوسی حنفی نے بھی اس تفسیر کو نقل کیا ہے۔

۱۔ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ جامع البیان ج ۲۲ ص ۴۶، مطبوعہ مکتبہ مطبوعہ مصطفیٰ البابی داولادہ مصر، ۱۳۷۳ھ

۲۔ علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۳ ص ۳۷۱، مطبوعہ مہل اکیدمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

۳۔ حافظ ابو القادح عماد الدین ابن کثیر حنبلی متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۵۱۶، مطبوعہ دارالاندلس بیروت، ۱۳۸۵ھ

۴۔ تاجی ابو الحیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ، انوار التنزیل علی اشخاص الخفاجی ج ۷ ص ۱۸۴، مطبوعہ دارصادر بیروت

۵۔ علامہ شہاب الدین خفاجی مصری حنفی متوفی ۶۹۹ھ، عنایۃ القاضی ج ۷ ص ۱۸۵، مطبوعہ دارصادر بیروت

۶۔ علامہ شہاب الدین ابو الفضل محمد واکوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المسانی ج ۲۲ ص ۸۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

آزاد عورتیں چادروں سے اپنے سروں اور چہروں کو ڈھانپ لیں تاکہ معلوم ہو جائے وہ آزاد عورتیں ہیں۔ لہ
علامہ ابوسعود حنفی لکھتے ہیں:

یغطين بها وجوههن وابدانهن اذا برزن
لد اعیتہ لہ
عورتیں جب کسی کام سے جائیں تو چادروں سے
اپنے چہروں اور بدنوں کو چھپا لیں۔

علامہ ابوالحیاء اندلسی لکھتے ہیں:

ابو عبیدہ سلیمان بیان کرتے ہیں کہ جب ان سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ تم چادروں کو اپنی پیشانی
پر رکھ کر چہرے کے اوپر لپیٹ لو، سدی نے کہا ایک آنکھ کے سوا باقی چہرے کو ڈھانپ لو (علامہ ابوالحیاء لکھتے
ہیں) اندلس کے شہروں کا بھی یہی طریقہ ہے عورتیں ایک آنکھ کے سوا باقی چہرے کو ڈھانپ کر رکھتی ہیں، حضرت ابن عباس
اور قتادہ نے کہا چادروں سے چہرے سے ڈھانپ لے اور دونوں آنکھوں کو کھلا رکھے۔ من جلابیدھن
کا مطلب یہ ہے کہ چادروں کے ایک ٹپو سے چہرہ کو ڈھانپ لیا جائے یہ پردہ ان کی شناخت کے بہت قریب ہے کیونکہ
جب آزاد عورتیں اپنے چہرے کو ڈھانپ لیں گی تو وہ بے پردہ پھرنے والی بے حیاء باندیوں سے ممتاز ہو جائیں
گی اور فساق اور فحار کی ایذا و رسائی اور چھیڑ خوانی سے محفوظ رہیں گی۔ لہ
مشہور شیعہ مفسر شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی لکھتے ہیں:

قال الحسن، الجلابیب الملاحف تدنیہا المرأة
علی وجہہا۔ لہ
حسن نے کہا کہ جلابیب سے مراد وہ چادریں
ہیں جن کو عورتیں اپنے چہروں پر ڈال لیتی ہیں۔

جلاباب کی تفسیر جو ہم نے مستند مفسرین اسلام سے نقل کی ہے، ان میں علامہ ابن جریر طبری، علامہ ابوبکر رازی
جصاص حنفی، علامہ ابن کثیر حنبلی، علامہ ابن جوزی حنبلی، تائمی بیضاوی شافعی، علامہ ابوسعود حنفی، علامہ خفاجی حنفی، علامہ آوسی
حنفی، علامہ ابوالحیاء اندلسی اور شیعہ مفسر شیخ طوسی وغیرہ سب اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کی ازواج، آپ کی صاحبزادیوں اور عام مسلمان عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت کی بناء پر گھر سے
باہر نکلیں تو اپنی چادروں کا پلو اپنے چہرے پر ڈال کر اپنے چہروں کو ڈھانپ لیں۔
ان تفاسیر پر یہ ظاہر ہو گیا کہ سورہ نور میں عورتوں کو جو چہرے اور ہاتھوں کے ساتھ تمام جسم کے متر کا حکم دیا گیا تھا
اس آیت میں اس سے نانہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ وہ اجنبی مردوں کے سامنے اپنے چہروں کو بھی ڈھانپ کر رکھیں۔

لہ۔ علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر ج ۲ ص ۲۲۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

لہ۔ علامہ ابوسعود محمد بن محمد عمادی سکلیبی متوفی ۹۸۲ھ، تفسیر ابوسعود علی امتش الکبیر ج ۴ ص ۲۵۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ

لہ۔ علامہ ابوالحیاء محمد بن یوسف اندلسی غناطی متوفی ۵۴۲ھ، البحر المحیط ج ۱ ص ۲۵۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ

لہ۔ شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۳۸۵ھ، التبیان فی تفسیر القرآن ج ۸ ص ۳۶۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

ذالک ادنیٰ ان یعرفن سے چہرہ ڈھانپنے پر استدلال

ذالک ادنیٰ ان یعرفن فلا یؤذین .

(احزاب : ۵۱)

یہ پردہ ان کی شناخت کے بہت قریب ہے اگر
وہ آزاد عورتیں ہیں آوارہ گرد باندیاں نہیں ہیں) سوان کو
ایذا نہ دی جائے۔

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

جب کوئی باندی راستہ سے گذرتی تھی تو فراق فجار اس کو ایذا پہنچاتے تھے تب اللہ تعالیٰ نے آزاد عورتوں کو باندیوں
کی مشابہت سے منع فرمادیا، مجاہد نے یہ بنی علیہن من جلابیبہن کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ آزاد عورتیں اپنے
چہروں پر اپنی ڈھلی لیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ آزاد عورتیں ہیں اور فراق ان کو آواز سے کس کر یا پھیر خوانی کر کے اذیت
نہ پہنچائیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذالک ادنیٰ ان یعرفن فلا یؤذین یہ ان کو باندیوں سے شناخت کے
زیادہ قریب ہے تاکہ ان کو ایذا نہ پہنچائی جائے۔ ۱۷

امام فخر الدین رازی شافعی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں آزاد عورتیں اور باندیاں چہرہ کھول کر گھولتی تھیں اور فراق فجار ان کے پیچھے دوڑتے تھے تب اللہ تعالیٰ
نے آزاد عورتوں کو مجاہد سے چہرہ ڈھانپنے کا حکم دیا۔ ۱۸
علامہ ابوالحیاء اندلسی لکھتے ہیں:

كان داب الجاهلية ان تخرج الحرة والامة
مكشوفتي الوجه في درع وخمار وكان الزناة
يتعرضون اذا خرجن باهلل لقضاء جوارحهم
في التخييل والغيطان للاماء وربما تعرضوا
للحرة بعلامة الامم يقولون حسبناها امم
فامر ان يخالفن بزيمهن عن زى الاماء
يلبسن الارديتا والملاحف وستر الرؤس
والوجوه ليحتشمن ويهين فلا يطعن
فريهن . ۱۹

زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ تھا کہ آزاد عورتیں اور باندیاں
دونوں قمیص اور دوپٹے میں چہرہ کھول کر نکلتی تھیں، اور جب
وہ راستے کے وقت تضار حاجت کے لیے کھجوروں کے
چھند اور نشیبی زمینوں میں جاتیں تو بدکار لوگ بھی ان کے
پیچھے جاتے اور بعض اوقات وہ آزاد عورت پر بھی دہشت
کرتے اور یہ کہتے کہ ہم نے اس کو باندی گان کیا تھا۔
تب آزاد عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ باندیوں سے مختلف
وضع قطع اختیار کریں بایں طور کہ بڑی چادروں اور کپڑوں
اپنے سروں اور چہروں کو ڈھانپ لیں تاکہ وہ باہیاں اور
معتز رہیں اور کوئی شخص ان کے متعلق بری خواہش نہ کرے۔

۱۷۔ علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان ج ۲۲ ص ۴۶، مطبوعہ مطبعہ مخطوطات البانی و اولادہ مصر، ۱۳۷۳ھ

۱۸۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۵۹۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

۱۹۔ علامہ ابوالحیاء محمد بن یوسف اندلسی غرناطی متوفی ۵۴۲ھ، البحر المحیط ج ۷ ص ۲۵۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ

مصنعت یہ کہتا ہے کہ آج بھی یہی طریقہ ہے جو عورت مکمل پردہ میں باہر نکلتی ہے وہ کبھی شخص کی ہوا و ہوس کا نشاء نہیں بنتی اس پر کرنی بری نظر ڈالتا ہے نہ کوئی آواز دے سکتا ہے، نہ اس کا پیچھا کرتا ہے اور جو عورت بے پردہ تنگ اور چست لباس پہن کر سڑخی پاؤں سے میک اپ کر کے اور اپنے لباس پر پرفیوم اسپرے کر کے عرشوں کی پشتوں میں گھرے نکلتی ہے وہ تمام ہونک جھگڑوں کا ہدف بنتی ہے، اور باش لوگ اس پر آواز دے سکتے ہیں اور چھیڑ خانی کرتے ہیں اور بسا اوقات اس کی عزت لٹ جاتی ہے۔ الیاذ باللہ ان لوگوں پر حیرت ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ اسلام عورت کو پردے کی برہنہ بنا چاہتا ہے! مغربی ممالک میں جہاں کوئی پردہ سے نہ کوئی حدود و قیود میں لڑکیاں نیم مریاں لباس میں برسر عام پھرتی ہیں اور راہ چلتے برسر عام مرد اور عورت برس و کنار کرتے ہیں، پارکوں اور تفریح گاہوں میں بنیر کسی پردے اور حجاب کے اجراء کی طرح مرد اور عورتیں ہم آغوش ہوتے ہیں اور جنسی عمل کرتے ہیں، ایک لڑکی کوئی لڑکے پر بیٹھ کر کھتی ہے، دفنوں، کارخانوں، ہوٹلوں اور سیر گاہوں میں ہر جگہ مرد اور عورت ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور ایک ساتھ کام کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں نسلانہ بچوں سے ان کی سڑکیں بھری رہتی ہیں اور ہسپتالوں میں اسقاط حمل کرانے والی عورتوں کی بھر مار رہتی ہے اور اس جنسی بے راہ روی سے ان کا ذہنی سکون جاتا رہتا ہے اور وہ لوگ مایوسی کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں پھر وہ سکون اور نروان کی تلاش میں سستے نشوں کی تلاش میں پھرتے ہیں۔ پہلے وہ اپنے آپ کو شراب میں ڈبو دیتے پھر تھکے تھکے اس سے بھی ان کو سکون نہیں ملا، اب وہ چرس، کوکین، ہیروئن، اور راکٹ کی پناہ لیتے ہیں وہ ایسا تیز سے تیز نشہ چاہتے ہیں جو ان کے ذہن کو زیادہ سے زیادہ دیر کے لیے مٹا دے، بے حس کر دے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دے۔ مغربی ممالک کی حکومتیں ان غشیات پر پابندیاں لگا رہی ہیں اس کے باوجود غشیات کی کھپت بڑھتی جا رہی ہے، پابندیوں سے کام نہیں چلے گا لوگ سکون چاہتے ہیں ان کو سکون تبسائیے رکھنے رکھنے اور مافیہا کا سکون نا پائیدار اور عارضی ہے، صحت کے لیے تباہ کن ہے، حقیقی سکون صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں ہے:-

الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم
اولئک لهم الامن وهم معتمدون۔

جو لوگ ایمان لائے اور ایمان کے ساتھ انہوں نے گناہ نہ کیے (یعنی اسلامی احکام کی مخالفت اور ان سے بنات نہیں کی) انہی کے لیے امن اور سکون ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

(انعام: ۸۲)

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ جنسی بے اعتدالی اور بے راہ روی انسان کے ذہنی سکون کو ختم کر دیتی ہے، اس لیے اگر ہم دنیا کو ذہنی سکون فراہم کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو جنسی بے راہ روی اور بد چلتی کو ختم کرنا ہو گا اور اس کی پہلی بنیاد پردہ اور حجاب کا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

ذلک ادنیٰ ان یعرفن فلا یؤذین

یہ پردہ ان کی شناخت کے بہت قریب ہے کہ وہ انہما عورتیں ہیں اور وہ گمراہ بنائیں نہیں ہیں (سوان کو ایذا نہ دی جاتے)۔

(احزاب: ۵۹)

حافظ ابن کثیر صلی لکھتے ہیں: سدی نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ مدینہ کے فساد و فحارلات کے اندھیرے میں مدینہ کے گلی کوچوں میں پھیل جاتے اور عورتوں کے پیچھے لگ جاتے، اہل مدینہ کے مکانات تنگ تھے، رات کو عورتیں

فقہاء حاجت کے لیے باہر نکلتیں تو فساد ان کو ڈھونڈنے نکلتے جب وہ کسی عورت کے اوپر چادر دیکھتے تو کہتے کہ یہ آزاد عورت ہے اور اس سے احتراز کرتے اور جب کسی عورت کو بے پردہ دیکھتے تو کہتے کہ یہ باندی ہے اور اس کو کپڑے لٹے۔ ۱۷

علامہ ابن جوزی منیل نے بھی سدی سے اسی تفسیر کو نقل کیا ہے۔ ۱۸

علامہ محمد امین بن مختار جکنی شنفظی لکھتے ہیں:

صحابہ کرام اور مابعد کے تمام مفسرین نے یہ تفسیر کی ہے کہ اہل مدینہ کی خواتین رات کو قضا حاجت کے لیے گھروں سے باہر نکلتیں تھیں اور مدینہ میں بعض فساق تھے جو باندیوں کے پیچھے پڑ جاتے تھے اور آزاد عورتوں سے تعرض نہیں کرتے تھے، اور بعض آزاد عورتیں ایسی وضع میں نکلتی تھیں جس سے وہ باندیوں سے متمازن نہیں ہوتی تھیں، سو وہ فساق ان کو بھی باندیاں سمجھ کر ان کے پیچھے پڑ جاتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی ازواج، اپنی صاحبزادیوں اور مسلمان عورتوں کو یہ حکم دیں کہ وہ اپنی وضع قطع میں باندیوں سے متمازن رہیں باقی طور کہ چادروں سے اپنا چہرہ چھپائے رکھیں، اور جب وہ ایسا کریں گی تو فساق کو پتا چل جائے گا کہ یہ آزاد عورتیں ہیں اور ان کو ستایا نہیں جائے گا، اہل علم نے اس کی یہی تفسیر کی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فساق کا باندیوں کو چھیڑنا اور ان سے بخش و حرکات کرنا جائز ہے بلکہ یہ حرام ہے اور ان فحش کاموں کے درپے وہی لوگ ہوتے ہیں جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں داخل ہیں والذین فی قلوبہم مرض "وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے"۔ ۱۹

مذاہب اربعہ کے بعض متقدمین فقہاء اور مفسرین نے یہ کہا ہے کہ عورت کے چہرہ کو شہوت سے دیکھنا حرام ہے اور بلا شہوت دیکھنا جائز ہے اسی طرح انھوں نے کہا کہ عورت پر اپنے چہرہ کو چھپانا واجب نہیں ہے اس کے برخلاف بعض دوسرے فقہاء اور مفسرین نے یہ کہا ہے کہ عورت پر اپنا چہرہ چھپانا واجب ہے۔ اور یہی قول قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہے کیونکہ چہرہ کے علاوہ باقی جسم کو چھپانا تو عورت پر پہلے بھی فرض تھا جیسا کہ سورہ نساء میں ستر کے احکام نازل ہونے سے ظاہر ہو گیا ہے اور اس کے بعد سورہ احزاب میں جو حجاب کی آیات نازل ہوئیں ان میں ستر سے ایک زائد حکم بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ غیر محرم اور اجنبی مردوں کے سامنے عورتیں اپنے چہروں کو بھی ڈھانپ کر رکھیں۔

علامہ ابوبکر رازی جصاص حنفی، مجتہد فی المسائل ہیں وہ لکھتے ہیں:

ابوبکر رازی کہتے ہیں کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جو ان عورت کو اجنبیوں سے اپنا چہرہ چھپانے کا حکم دیا گیا ہے، اور گھر سے باہر نکلتے وقت پردہ کرنے اور

قال ابوبکر فی هذه الآية دلالة على ان المرأة الشابة ما موراة بستر وجهها عن الاجتنبين واظهار الستر والعفاف عند الخروج

۱۷۔ حافظ ابو الفداء محمد الدین ابن کثیر متوفی ۷۴۴ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۵۱۶، مطبوعہ دار الاندلس بیروت ۱۳۸۵ھ

۱۸۔ علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی منیل متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر ج ۲ ص ۴۲۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

۱۹۔ علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنفظی، اشواء البیان ج ۲ ص ۵۸۸-۵۸۷، مطبوعہ عالم الکتب لاہور

لثلا یطمع اهل الریب فیہن۔

پاکیزگی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اُدارہ لوگوں کے
دلوں میں بُری خواہش پیدا نہ ہو۔

چونکہ بوڑھی عورتوں کے حجاب کے متعلق قرآن مجید میں تخفیف کی گئی ہے اس لیے علامہ ابوبکر رازی نے حجاب
کی اس آیت کو جو ان عورتوں پر معمول کیا ہے اور اس عبارت میں یہ تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان عورتوں کو چہرہ ڈھانپنے
کا حکم کیا ہے اور اس کا تقاضا وجوب ہے اس لیے جو عورتیں بوڑھی نہ ہوں ان پر اپنے چہرہ کو چھپانا واجب ہے۔

بوڑھی عورتوں کے حجاب میں تخفیف سے عمومی حجاب پر استدلال | جس آیت میں اللہ تعالیٰ نے
بوڑھی عورتوں کے حجاب میں

تخفیف کی ہے وہ یہ ہے:

والقواعد من النساء اللّٰتی لا یرجون نکاحاً
فلیس علیہن جناح ان یرضعن ثیاباً بہن غیر
متبرجات بزینۃ ۚ و ان یرضعن غیر لہن
واللہ سمیع علیم۔

وہ بوڑھی عورتیں جن کو نکاح کی امید نہیں ہے اگر
وہ اپنے (چہرہ ڈھانپنے کے) کپڑے اتار دیں تو ان
پر کوئی گناہ نہیں ہے در اُن عابکہ وہ اپنی زینت دکھاتی
نہ پھریں اور اگر وہ اس سے بچیں (یعنی نقاب اُتاریں)
تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔

(نور ۱۷۰ ۶۰)

اس آیت میں بوڑھی عورتوں کو جن کپڑوں کے اتارنے کی اجازت دی ہے اس سے مراد وہ چادر ہیں جن
سے آیت حجاب میں چہرہ ڈھانپنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس آیت سے یہ تو مرگزر مراد نہیں ہے
کہ بوڑھی عورت قمیص اور شلوار اتار کر بالکل برہنہ ہو جائے کیونکہ یہ کھلی بے حیائی ہے اور نہ یہ مراد ہے کہ بوڑھی عورت
سینہ سے دوپٹہ اتار کر اپنے سینہ کا اُبھار لوگوں کو دکھاتی پھرے کیونکہ غیر متبرجات بزینۃ میں اس سے منع کر دیا
ہے تو پھر متین ہو گیا کہ اس آیت میں بوڑھی عورتوں کو چہرہ سے سرت نقاب اتارنے کی اجازت دی ہے یا اس چادر
کو اتارنے کی اجازت دی ہے جس سے آیت حجاب میں چہرہ ڈھانپنے کا حکم دیا ہے۔ نیز یہ فرمایا کہ ان کے لیے
بھی افضل اور مستحب یہی ہے کہ وہ اس چادر کو نہ اُتاریں اور چہرہ ڈھانپ کر رکھیں۔ اور اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا
کہ جو عورتیں سن یا اس کو پہنچی ہوں ان پر چہرہ چھپانا لازم اور واجب ہے۔

علامہ ابوبکر رازی جہاں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قال ابن مسعود وبہا ہد والقواعد اللّٰتی لا
یرجون نکاحاً اللّٰتی لا یردنہ و ثیاباً بہن جلابیبہن و
قال ابراہیم و ابن جابر الرداء وقال الحسن
الجلیباب والمنطق وعن جابر بن زید یضعن
العماء والرداء۔ قال ابوبکر لا خلاف فی

حضرت ابن مسعود اور مجاہد نے بیان کیا کہ یہاں وہ بوڑھی
عورتیں مراد ہیں جو نکاح کا ارادہ نہ رکھتی ہوں اور جن کپڑوں کو
اتارنے کی اجازت دی اس سے مراد جلابیب (وہ چادریں جن کے پٹے
سے چہرہ ڈھانپتے ہیں) ہیں جس نے کہا جلابیب اور پٹے ملوہین ہوا ہم اور
ابن جابر نے کہا چادر ملوہ ہے جابر بن زید سے چادر اور دوپٹے کی روایت

۱۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جہاں حنفی متون ۳۰۰، احکام القرآن ج ۳ ص ۳۷۲، مطبوعہ مہمل اکیدمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

ان شعر العجوز عورة لا يجوز للاجنبي النظر اليه
كشعر الشابة وانها ان صلت مكشوفة الرأس
كانت كالشابة في فساد صلاتها فغير جائز ان
يكون المراد وضع الخمار بحضرة الاجنبى فان
قيل انما اباح الله تعالى بهذه الآية ان تضع
خمارها في الخلوة بحيث لا يراها احد
قيل له فاذا لامعني لتخصيص القواعد بذلك
اذ كان للشابة ان تفعل ذلك في الخلوة وفي
ذلك دليل على انه انما اباح للعجوز وضع
رداءها بين يدي الرجال بعد ان تكون
مغطاة الرأس و اباح لها بذلك كشف
وجها و يدها لانها لا تشتبهى .^{۱۰}

ہے، علامہ ابوبکر اس روایت کو مسترد کرتے ہوئے فرماتے
ہیں: بڑھی عورت کے بال بالاتفاق ستر ہیں جس طرح جوان
عورت کے بال ستر ہیں، اس لیے اجنبی شخص کا بڑھی عورت
کے بالوں کو دیکھنا جائز نہیں ہے، اور اگر بڑھی عورت
نے ننگے سر غار پر بھی توجہ ان کی طرح اس کی نادر بھی ناسد ہو
جائے گی اس لیے اس آیت سے یہ مراد نہیں ہو سکتا کہ بڑھی
عورت اجنبی مردوں کے سامنے اپنا دوپٹہ اتار دے۔ اگر
یہ سوال ہو کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بڑھی عورت کو
تنہائی میں دوپٹہ اتارنے کی اجازت دی ہے، جبکہ اسے
کوئی دیکھ نہ رہا ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ پھر بڑھی
عورتوں کی تخصیص کی کیا ضرورت ہے کیونکہ جوان عورت
بھی تنہائی میں اپنا دوپٹہ اتار سکتی ہے، اس آیت میں
یہ دلیل ہے کہ جب بڑھی عورت کا سر ڈھکا ہوا ہو تو وہ لوگوں
کے سامنے اپنی جلیب اب اتار سکتی ہے اور اس کے لیے
اپنے چہرے اور ہاتھوں کو کھولنا جائز ہے کیونکہ اس
پر شہوت نہیں آتی۔

علامہ ابوعبد اللہ قرطبی ماکھی لکھتے ہیں:

والصحيح انها كالشابة في التستر، الا
ان الكبيرة تضع الجلباب الذي يكون فوق
الدرع والخمار قاله ابن مسعود وابن جبير
غيرها .^{۱۱}

امام رازی شافعی لکھتے ہیں:

۷ شبهة انه تعالى له ياذن في ان
يضعن ثيابهن اجتمع لمانية من كشف
كل عورة فلذلك قال المفسرون المراد
بالثياب ههنا الجلباب و البرد والقتنم

صحیح یہ ہے کہ وہ بڑھی عورت بھی ستر میں جوان
عورت کی طرح ہے مگر بڑھی عورت اس جلیب کو اتار
سکتی ہے جو قمیص اور دوپٹہ کے اوپر اوڑھا ہوا ہوتا ہے
حضرت ابن مسعود اور ابن جبر و غیرہ کا بھی قول ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑھی
عورتوں کو تمام کپڑے اتارنے کی اجازت نہیں دی کیونکہ
اس سے ہر ستر کا کھولنا لازم آئے گا اس لیے مفسرین نے
کہا ہے کہ یہاں کپڑے سے مراد وہ جلیب پادریں اور اوڑھنیاں ہیں جن

۱۰۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی ص ۳۰۰، احکام القرآن ج ۳ ص ۳۳۲، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ

۱۱۔ علامہ ابوعبد اللہ محمد بن احمد ماکھی قرطبی ص ۶۸۵، الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲ ص ۳۰۹، مطبوعہ انشائنا منہر دہلی ۱۳۸۸ھ

الذی فوق الحمار۔ ۱۷

علامہ ابن جوزی جنیل لکھتے ہیں:

ويعني بالثياب الجلباب والوداء والقناع
الذی فوق الحمار، هذا المراد بالثياب لاجمیع
الثياب (الی قوله) قال القاضی ابو یعلیٰ فی هذه
الآیة دلالة علی انہ یجوز للعجز کشف وجهها
ویدیهما ین یدی الرجال، واما شعرها، فیحرم
النظر الیه کשعر الشابة۔ ۱۸

کو دو پٹہ کے اوپر اوڑھا جاتا ہے۔

اس آیت میں کپڑوں سے مراد وہ جلباب چادریں اور اوڑھنیاں ہیں
جو دو پٹہ کے اوپر ہوتی ہیں، تمام کپڑے آثار نامراد نہیں ہیں،
قاضی ابو یعلیٰ نے کہا بوڑھی عورت کا اجنبی مردوں کے ساتھ
اپنے چہرے اور اعضاء کو کھولنا جائز ہے اور اس کے
بالوں کو دیکھنا جو ان عورت کے بالوں کو دیکھنے کا طرح ناجائز
ہے۔

مذاہب اربعہ کے مفسرین کی تصریحات سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ بوڑھی عورت جس کو نکاح کی امید نہ ہو اور جو سن یا اس کو
پہنچ چکی ہو صرف اس کو اللہ تعالیٰ نے یہ اجازت دی ہے کہ وہ اجنبی مردوں کے سامنے وہ جلباب آثار سکتی ہے جس
کے آپٹل سے چہرے کو ڈھانپا جاتا ہے اور اپنے چہرے اور اعضاء کو ظاہر کر سکتی ہے پھر بھی اس کے لیے افضل
اور مستحب یہی ہے کہ اجنبی مردوں کے سامنے اپنے چہرے کو ڈھانپ کر رکھے۔

اب اگر بوڑھی عورتوں کے علاوہ دوسری عورتوں کے لیے بھی اجنبی مردوں کے سامنے اپنا چہرہ کھولنا جائز ہو تو
بتلائیے اس آیت میں بوڑھی عورتوں کی تخصیص کا کیا فائدہ ہوا؟ اور جب بوڑھی عورتوں کے لیے بھی اجنبی مردوں کے
سامنے چہرہ چھپانا مستحب ہے تو جوان عورتوں کے چہرہ چھپانے کے واجب ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے!
علامہ محمد امین عکفی شنفطی لکھتے ہیں:

فقوله جل وعلا فی هذه الآية الکریمة:
(وان یتعففن خیر لهن) دلیل واضع علی ان
المرأة التي فیها جمال ولها طمع فی النکاح لا
یرخص لها فی وضع شیء من ثیابها ولا
الاخلاق بشیء من التستر بحضرة الاجانب۔ ۱۹

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر وہ اس سے بچیں تو ان
کے لیے بہتر ہے اس میں یہ واضح دلیل ہے کہ جو عورت عین ہرادر خیس
عورت سے نکاح کی امید کی جا سکتی ہو اس کو اپنے کسی
کپڑے کے آثار نے کی اجازت نہیں ہے اور اجنبی مردوں
کے سامنے اس کو ذرا سا بھی حجاب کھولنے کی اجازت
نہیں ہے (الآیہ کوئی شرعی عذر ہو۔ سعیدی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ازواج مطہرات کے حجاب کی تحقیق

اور جب تم نبی کی ازواج (مطہرات) سے کسی چیز
کا سوال کرو تو پورو سے بے پیچھے بے سوال کرو۔

واذا سألتموهن متاعا فسلوهن من
وراء حجاب۔ (احزاب ۱ ۵۳)

۱۷۔ امام غزالی محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۵۰۵ھ، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

۱۸۔ علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی جنیل متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر ج ۲ ص ۶۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

۱۹۔ علامہ محمد امین بن مختار عکفی شنفطی، احضار البیان ج ۲ ص ۵۵۲، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

قرآن مجید کی اس نص صریح میں ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم دیا ہے اور مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ بغیر حجاب کے ازواج مطہرات سے کوئی سوال نہ کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پانچ ہجری کے بعد ازواج مطہرات کبھی لوگوں کے سامنے نہیں آئیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ازواج مطہرات سے جو سوال کرتے وہ پردے کی ادھ سے کرتے تھے۔

حافظ ابن کثیر منبلی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہی جس طرح میں نے نہیں نبی کی ازواج کے گھر جانے سے منع کر دیا ہے، اسی طرح ان کی طرف دیکھنے سے بھی مطلقاً منع کر دیا ہے۔ سو اگر کسی کو ازواج مطہرات سے کوئی کام ہو تو حجاب کی ادھ سے ان سے سوال کرے۔

ای وکما نہیتمکم عن الدخول علیہن کذلک لا تنظروا الیہن بالکلیۃ۔ ولو کان لاحدکم حاجۃ یرید تناد لہا منہن فلا ینظر الیہن ولا یشعلن حاجۃ الامن وراء حجاب۔
علامہ خازن شافعی لکھتے ہیں:

آیت حجاب نازل ہونے کے بعد کسی شخص کے لیے ازواج مطہرات کی طرف دیکھنا جائز نہیں رہا، خواہ وہ نقاب پہنے ہوں یا بے نقاب ہوں۔

فبعد آیتہ الحجاب لم یکن لاحد ان ینظر الی امراة من نساء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منتقبۃ کانت او غیر منتقبۃ۔
علامہ اسماعیل حنفی رحمہ اللہ ثناء اللہ پانی پتی نے بھی یہ عبارت نقل کی ہے۔
علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات سے پردہ کی ادھ سے سوال کرنے کی اجازت دی ہے خواہ کسی چیز کا سوال کیا جائے یا کسی دینی مسئلہ کا سوال کیا جائے۔

فی ہذہ الایۃ دلیل علی ان اللہ تعالیٰ اذن فی مسئلتہن من وراء حجاب او مسئلۃ لیستفتین فیہا۔
علامہ البرکبہ رازی جصاص حنفی لکھتے ہیں:

حجاب کے حکم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو دیکھنے کی ممانعت شامل ہے۔

قد تضمن حظر رؤیۃ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

قرآن مجید کی اس نص صریح اور مذاہب اربعہ کے مفسرین کی تفاسیر سے یہ واضح ہو گیا کہ آیت حجاب نازل ہونے کے

- ۱۔ حافظ ابو القادری عماد الدین ابن کثیر منبلی متوفی ۷۴۲ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۲۹۲، مطبوعہ دار الاندلس، بیروت، ۱۳۸۵ھ
- ۲۔ علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی ۳۵۰ھ، تفسیر خازن ج ۳ ص ۵۰۹، مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت
- ۳۔ علامہ اسماعیل حنفی حنفی متوفی ۱۱۳۴ھ، ردع البیان ج ۲ ص ۲۱۵، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
- ۴۔ تافعی ثناء اللہ پانی پتی حنفی متوفی ۱۲۲۵ھ، تفسیر مظہری ج ۲ ص ۳۴۲، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ
- ۵۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۸۵ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲ ص ۲۲۴، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۴ھ
- ۶۔ علامہ البرکبہ احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۴۰ھ، احکام القرآن ج ۳ ص ۳۴۰، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

بعد ازواج مطہرات پردہ کرتی تھیں اور صحابہ کرام جو ان سے احادیث روایت کرتے تھے اور دینی مسائل پر چھتے تھے وہ حجاب اور پردہ کی اوٹ سے پرچھتے تھے، اس کی وضاحت میں نے اس لیے کی ہے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ صحابہ کرام ازواج مطہرات سے بے پردہ سوال کرتے تھے، اس کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے واقعہ انکس کی روایت کرتے ہیں:

فبينما أنا جالسة في منزل غلبتني عيني
فكنت دكان صفوان بن معطل اسلمني ثم
الذكواني من وراء الجحيش فادلج فاصبح
عند متری فرأيت سوادا انسانا ثم فأتاني
فعرفتني حين رأيتني و كان يراني
قبل الحجاب فاستيقظت باسترجاعه
حين عرفني فحمرت وجهي
بجلبابي - ۱۰

میں اپنے پڑاؤ پر بیٹھی ہوئی تھی کہ مجھ پر نیند
غالب آگئی، اور میں سو گئی اور حضرت صفوان بن معطل اسلمی رضی
اللہ عنہ لشکر کے پیچھے تھے، وہ رات کے آخری حصہ میں
چلے اور صبح کے وقت میرے پڑاؤ پر پہنچے تو انہوں نے ایک انسانی جھوٹی
دیکھا جب وہ میرے پاس آئے تو انہوں نے مجھے پہچان لیا کیونکہ انہوں نے
حجاب کے حکم سے پہلے مجھے دیکھا ہوا تھا انہوں نے
کہا انا نساؤنا ایدر راجون میں یہ سن کر بیدار ہو گئی اور
میں نے اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔

یہ حدیث اس بات کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ احکام حجاب نازل ہونے کے بعد ازواج مطہرات چادروں
سے اپنے چہروں کو ڈھانپتی تھیں۔ — واللہ الحمد۔

ازواج مطہرات کے حجاب سے عام مسلمان خواتین کے حجاب پر استدلال | مفسرین کا اس میں

آیہ بکرہ اذ استلمتموهن متاعا فسئلوهن من وراء حجاب جب تم نبی کی ازواج سے کسی چیز کا سوال کرو تو پردے
کی اوٹ سے سوال کرو یا یہ حکم صرف ازواج مطہرات کے ساتھ خاص ہے یا اس حکم میں باقی عورتیں بھی شامل ہیں۔ ہمارے
نزدیک انھی مفسرین کی رائے صحیح اور قرآن مجید اور احادیث کے مطابق ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ اس آیت میں ازواج
مطہرات سے خطاب ہے لیکن اس کا حکم تمام مسلمان عورتوں کو عام ہے اور تمام مسلمان عورتوں پر حجاب لازم ہے اور پردہ
کرنا اور انہیں سے چہرہ چھپانا واجب ہے البتہ ضروریات اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

علامہ ابوبکر رازی جصاص الحنفی لکھتے ہیں:

وهذا الحكم وان نزل خاصا في النبي صلى
الله عليه وسلم وانما واجبه فالمعنى عام فيه
وفي غير ذلك اذ كنا ما مورين بالتابع والافتاء
به الا ما خصه الله به دون امته - ۱۰

ہر چند کہ یہ حکم خصوصیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
اور آپ کی ازواج کے متعلق نازل ہوا لیکن معنی یہ حکم
تمام مسلمان عورتوں کو شامل ہے، کیونکہ ماسوا ان احکام
کے جو صرف آپ کے ساتھ خاص ہیں باقی احکام میں ہمیں
آپ کی اتباع اور اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۰۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۹۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۱ھ

۱۱۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۳ ص ۲۶۰، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی ماکلی لکھتے ہیں:

ویداخل فی ذلک جمیع النساء بالمعنی،
وبما تضمنته اصول الشریعت من ان المرأة
کلها عورة بدنها وصوتها، کما تقدم،
فلا يجوز كشف ذلك الا لحاجة كالشهادۃ
عليها او داعریکون ببداها او سوالها
عما يعرض وتعين عندها۔

اس حکم میں تمام مسلمان خواتین مشئی شامل ہیں اور اس
لیے بھی کہ احکام شریعت کا یہ تقاضا ہے کہ عورت کا سارا وجود
یعنی اس کا بدن اور اکلاز سب کا پردے میں رہنا لازمی ہے
جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔ اس لیے ضرورت شرعیہ کے
غیر اس کے لیے بے پردہ ہونا جائز نہیں ہے، مثلاً اس
کے خلاف شہادت ہو۔ یا اس کے بدن میں کوئی بیماری ہو یا
اس سے کسی ایسی بیماری کے بارے میں سوال کیا جائے جو
اسے لائق ہے اور وہ اسی کو معلوم ہے۔

علامہ محمد امین بن محمد مختار عکینی شنفلی لکھتے ہیں:

آیت حجاب کا حکم عام ہے کیونکہ اصول میں یہ مقرر ہے کہ ایک شخص سے خطاب کا حکم بھی تمام امت کو عام ہوتا ہے،
نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر امت کے کسی ایک فرد کو حکم دیں تو وہ حکم تمام امت کو شامل ہوتا ہے کیونکہ تمام امت احکام تکلیفیہ
میں سادی ہے، الا یہ کہ کسی دلیل سے اس حکم کی اس شخص کے ساتھ خصوصیت ثابت ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
انی لا اصفح النساء، وما قولی لامرأة واحدة الا کقولی لجماعة امرأتہ۔ میں عورتوں سے معاف نہیں
کرتا اور میرا ایک عورت کو حکم دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ میں سو عورتوں کو حکم دوں (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۴) نیز حدیث میں ہے
حکمی علی الواحد حکمی علی الجماعۃ۔ میرا ایک شخص کو حکم دینا پوری جماعت کو حکم دینا ہے یا امام ترمذی نے اس
حدیث کو روایت کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، اس اصولی قاعدہ کی بناء پر ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر چند کہ آیت حجاب
کے الفاظ ازواج مطہرات کے ساتھ خاص ہیں لیکن اس کا حکم عام ہے کیونکہ آپ کا ایک عورت کو حکم دینا خواہ وہ زوجہ مطہرہ ہو
یا غیر ہو عورتوں کو حکم دینے کے سادی ہے۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ آیت حجاب کا حکم عام ہے تو اس میں یہ دلیل ہے کہ عورتوں
پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنے تمام بدن کو اجنبی مردوں سے چھپائیں، اور اگر بلفرض محال یہ مان لیا جائے کہ یہ حکم ازواج
مطہرات کے ساتھ خاص ہے تب بھی اس میں کوئی شک نہیں کہ ازواج مطہرات تمام مسلمان عورتوں میں افضل اور بہتر ہیں اور
حجاب کے احکام میں ان کی پیروی کرنے میں ہی سلاستی ہے تاکہ جن لوگوں کے دروں میں بیماری ہے ان کی نظر بازی اور
چھڑ خوانی سے عورتیں محفوظ رہیں۔

احادیث صحیحہ سے بھی اسی امر کی تائید ہوتی ہے کہ حجاب کا یہ حکم عام ہے کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم نے یہ حدیث
روایت کی ہے :-

حضرت عقیقہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجنبی عورتوں کے پاس

عن عقیقہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ ان
النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایاکم والدخول

۱۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد ماکلی قرطبی متوفی ۷۸۵ھ، المحامی لاحکام القرآن ج ۱۲ ص ۲۲۴، مطبوعہ انشادات نامہ خسرو ایران ۱۳۸۴ھ

علی النساء فقال رجل من الانصار يا رسول الله صلى الله عليه وسلم اخرايت الحموم؟ قال الحموم الموت۔
 موت جاؤ، ایک انصاری شخص نے پوچھا، یا رسول اللہ! کیا دیور بھی نہ جائے؟ آپ نے فرمایا دیور تو موت ہے!

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۷، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۲)

اس صحیح اور صریح حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عورتوں کے پاس جانے سے احتراز کا حکم دیا ہے اور اس سے منع فرمایا ہے، اس لیے اگر اجنبی عورتوں سے کوئی سوال کرنا ہو تو پردے کی اداس سے سوال کرنا لازم ہے، کیونکہ اگر اس نے بلا حجاب اور بے پردہ ان سے کوئی سوال کیا تو وہ ان پر داخل ہو گیا اور اجنبی عورتوں پر داخل ہونے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور اس سے احتراز کی تعقیق کی ہے۔ دیور شوہر کی جانب سے عورت کا رشتہ دار ہوتا ہے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے پاس دیور کے داخل ہونے کو بھی موت قرار دیا ہے اور یہ شدید تحذیر ہے تو پھر کسی اور اجنبی شخص کے داخل ہونے کی ممانعت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ اس سے ثابت ہو گیا کہ آیت کریمہ فستلوھن من وراء حجاب کا حکم تمام عورتوں کو شامل ہے کیونکہ اگر یہ حکم اذواج مطہرات کے ساتھ خاص ہوتا تو مسلمانوں کے اجنبی عورتوں کے پاس جانے پر اتنی شدید وجہ نہ ہوتی کیونکہ آپ نے فرمایا ہے ایا کھروا لدخول حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا یہ ایسا ہے جیسے ایا کھروا لاسد یعنی اجنبی عورتوں کے پاس جانے سے بچو! اس سے واضح ہوا کہ ان کے پاس جانا حرام ہے۔ اے

حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں پر پردہ لازم ہے اور غیر مردوں کو کسی کے گھر میں بے اجازت داخل ہونا جائز نہیں آیت اگرچہ خاص اذواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وارد ہے لیکن حکم اس کا تمام مسلمان عورتوں کے لیے عام ہے بلکہ ان تمام مستند مفسرین کی تفسیروں سے یہ واضح ہو گیا کہ حجاب یعنی چہرہ چھپانے اور پردہ کرنے کا حکم تمام مسلم خواتین کو رہا گیا ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا آیت حجاب میں یہ حکم اذواج مطہرات کے ساتھ خاص ہے یا اس حکم میں تمام مسلمان عورتیں شامل ہیں، ہمارے نزدیک مؤخر الذکر نظریہ ہی درست اور برحق ہے اور اس کے دلائل وہ ہیں جو علامہ ابوبکر رازی اور علامہ شافعی نے فراہم کیے ہیں اور اس کی تائید قرآن اور حدیث سے ہوتی ہے:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

يا ايها النبی قل لانا وانا حاک وبناتک و
 نساء المؤمنین یدنین علیہن من جلا بیہن
 ذلک ادنی ان یعرفن فلا یؤذین وکان اللہ
 غفوراً رحیماً۔

(احزاب ۱، ۵۹)

اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو یہ حکم دی کہ وہ (گھر سے نکلتے وقت) اپنی چادریں کا کچھ حصہ داخل، پتو یا گھونگھٹ، اپنے چہروں پر لٹکائے رہیں یہ پردہ ان کی اس شناخت کے بہت قریب ہے کہ یہ پاک طین آزاد عورتیں ہیں ادارہ گرد بانندیاں نہیں ہیں)

۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۲ ص ۵۹۳-۵۸۹، ملخصاً مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ

۲۔ صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۳۶۷ھ، خزانة العرفان ص ۶۷۸، مطبوعہ تاج کتب لاہور

سوان کو ایذا نہ دی جائے اور اکثر بہت بچنے والا ہے حد
رحم فرمائے والا ہے۔

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور ماجزادیوں کے علاوہ تمام مسلمان خواتین کو بھی چہرہ چھپانے اور حجاب کا حکم
دیا ہے۔ اور اسی طرح حدیث میں ہے:

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لی المرأتان عورتا فاذا خرجت استرھما الشیطن ھذا حدیث حسن صحیح غریب
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا عورت (ستر پانا)
واجب المستر ہے۔ جب عورت (گھر سے) نکلتی ہے تو شیطان
ابرو پر ہاتھ رکھ کر اس کو دیکھتا ہے۔

۵ ہجری میں حجاب کے احکام نازل ہو گئے تھے اور ازواج مطہرات
اور عام مسلمان خواتین جب کسی ضرورت سے باہر نکلتی تھیں تو

عہد رسالت میں نقاب اور حجاب کا معمول

چادروں میں لپیٹی ہوئی ہوتی تھیں اور اپنی چادروں سے چہرہ کو چھپاتی تھیں یا نقاب استعمال کرتی تھیں، اس سلسلہ میں صحیح بخاری
کے حوالے پر روایت گذر چکی ہے کہ حضرت عائشہ نے حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر چادر سے اپنا چہرہ چھپایا۔
امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

عن عائشۃ لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ وهو عروس لصفیۃ بنت حبیب
جئن نساء الانصار فاخبرن عنها قالت فتنکرت
وتنقبت فناھبت فنظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی عینی فعرفنی قالت فاسرعت
المشی فادماکتی فاختمت فی فقال کیف رايت
قالت قلت ارسل یہودیۃ وسط
یہودیات۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خیبر سے) مدینہ تشریف لائے درآن
حالیکہ آپ نے حضرت صفیہ بنت حبیب سے شادی کی ہوئی تھی
انصار کی عورتوں نے آپ کو حضرت صفیہ کے متعلق بیان کیا، میں
نے اپنا علیہ بدلا اور نقاب پہن کر (انھیں دیکھنے) گھر سے نکلی،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری آنکھ کو دیکھ کر پہچان لیا،
میں واپس تیزی سے دوڑی، آپ نے مجھے پکڑ کر گود میں
اٹھالیا اور فرمایا: تم نے (ان کو) کیسا پایا، میں نے کہا اس
یہودی عورت کو یہودیوں میں بھیج دیجئے۔

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نقاب پہننے کا ذکر ہے اور یہ کہ ازواج مطہرات اور مسلم خواتین جب کسی
ضرورت سے گھر سے باہر نکلتی تھیں تو نقاب پہنتی تھیں یا چادروں سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیتی تھیں۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں:

۱۔ امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۴۹ھ، جامع ترمذی ص ۱۸۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
۲۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۴۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

عن عمرو بن عاصم قال قلت لقد كان
رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي الفجر
فشهد معه نساء من المؤمنات متلفعات
بمروطهن ثم يرجعن الى بيوتهن ما يعرفهن
احد به

عمرہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھتے اور آپ کے
ساتھ مسلمان عورتیں بھی نماز پڑھتی تھیں وہاں ساریکہ وہ چادروں
میں لپیٹی ہوئی ہوتی تھیں پھر وہ اپنے گھر تک لوٹ جاتیں
اور حجاب کی وجہ سے انہیں کوئی نہیں پہچانتا تھا

اس حدیث شریف کو مندرجہ ذیل ائمہ حدیث نے بیان کیا ہے :-

امام مسلمؒ، امام ابو داؤدؒ، امام ترمذیؒ، امام نسائیؒ، امام احمدؒ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

جو علماء پروردہ اور حجاب کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں منانہ حیر سے نماز پڑھتی
تھیں جیسا کہ صحیح بخاری کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں من الغسل کے الفاظ سے ظاہر ہے، ہر چند کہ وہ منہ کھول کر
آتی باقی تھیں لیکن اندھیرے کی وجہ سے کوئی پہچانتا نہیں تھا یہ دلیل کئی وجہ سے مخدوش ہے اولاً اس لیے کہ امام بخاری کا
من الغسل کے الفاظ کو روایت نہ کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ یہ زیادتی کم از کم مشکوک ضرر ہے ثانیاً اس لیے کہ سنن ابو داؤد،
سنن ابن ماجہ، جامع ترمذی، صحیح ابن حبان، معجم طبرانی، مسند بزار وغیرہ کتب حدیث میں اسانید صحیحہ سے یہ حدیث مروی ہے
کہ اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجود صبح روشن ہونے اور سپیدہ صبح پھیلنے کے بعد فجر کی نماز پڑھو، ثالثاً رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں عموماً بہت لمبی قرائت کرتے تھے اس لیے اگر آپ اول وقت صبح کی نماز پڑھتے ہوتے تب
بھی واپسی کے وقت اتنا اُجالا ہو جاتا تھا کہ جس کا منہ کھلا ہوا ہر اس کو پہچانا جاسکتا تھا۔ آخر صحابہ کرام ایک دوسرے کو بھی
قریب کی نماز میں پہچانتے تھے۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت منیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ غزوہ تبوک میں گئے، حضرت منیرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک میدان میں تغاؤ حاجت کے لیے
گئے، میں فجر کی نماز سے پہلے آپ کے ساتھ مشکیزہ لے کر گیا جب آپ تغاؤ حاجت سے واپس آئے تو میں نے
آپ کو دھڑکرایا پھر جب میں آپ کے ساتھ پڑاؤ پر واپس آیا تو دیکھا کہ صحابہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو لام بنا کر
نماز پڑھنی شروع کر دی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ ایک رکعت نماز مل گئی اور جب حضرت عبدالرحمن
بن عوف نے سلام پھیر لیا تو آپ نے کھڑے ہو کر باقی ایک رکعت پڑھی، صحابہ پر یہ بہت شاق گذرا کہ رسول اللہ صلی اللہ

۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۲۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ۱۳۷۵ھ

۳۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۶۱، مطبوعہ مطبعہ مجتہبی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

۴۔ امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۵۔ امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۱ ص ۵۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۶۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۹، ۲۶۸، ۱۷۹، ۳۶، ۳۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

علیہ وسلم کے آنے کے بعد بھی حضرت عبدالرحمن بن عوف نماز پڑھاتے رہے اس لیے انھوں نے بار بار سبحان اللہ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کرنے کے بعد فرمایا تم نے صحیح کیا یا فرمایا تم نے اچھا کیا اور اس بات پر ان کی تہنیت کی کہ انھوں نے وقت پر نماز پڑھ لی۔ ۱۷

دیکھئے یہ نماز فجر ہے اور صحابہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو امام بنایا ظاہر ہے پہچان کر بنایا، حضرت منیر بن شعبہ جب پڑاؤ پر پہنچے تو انھوں نے دیکھ کر کہا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نماز پڑھا رہے ہیں اور فجر کے وقت ان کو پہچان لیا، صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر پہچان لیا اور آپ کے ہوتے ہوئے حضرت عبدالرحمن کے نماز پڑھاتے رہنے پر افسوس کیا اور اس حدیث میں یہ بھی تصریح ہے کہ صحابہ نے یہ نماز اپنے معروف وقت میں پڑھی تھی، ان تمام شواہد سے یہ واضح ہو گیا کہ مہر رسالت میں جس وقت صبح کی نماز پڑھی جاتی تھی اس وقت اتنا اندھیرا نہیں ہوتا تھا کہ کسی کا چہرہ نہ دکھائی دے سکے اور وہ پہچاننا نہیں جاسکے۔ جس وقت سحری ختم ہوتی ہے یہ فجر کا اول ہوتا ہے اس وقت بھی انسان ایک دوسرے کو پہچان لیتا ہے اس لیے احادیث میں جو یہ ہے کہ عورتیں چادر میں لپیٹی ہوئی صبح کی نماز پڑھنے آتی تھیں اور اسی طرح وہیں جاتی تھیں اور ان کو کوئی نہیں پہچانتا تھا تو ان کو نہ پہچاننا اندھیرے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ چہرے کے حجاب کی وجہ سے تھا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جس موعظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس موعظ کے ایام میں حضرت ابو بکر مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے، پیر کے دن (نماز فجر میں) جس دن آپ کا وصال ہوا مسلمان صبح بائد رہے (فجر کی) نماز پڑھ رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چہرہ کا پردہ اٹھا کر ہماری طرف دیکھنے لگے آپ کا چہرہ یوں لگ رہا تھا جیسے ورق قرآن ہو آپ کو ٹپے مسکراتے رہے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اس قدر غم و غش ہوئے کہ گھٹا تھا کہ بارہ خوشی کے نماز توڑ دیں گے، حضرت ابو بکر نے سمجھا کہ آپ نماز میں آ رہے ہیں وہ پچھلی صف میں جانے لگے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ اپنی نماز پوری کر دو اور پردہ اٹکا دیا اور اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔

عن انس بن مالك الانصادي ان ابا بكر يصلي في وجع النبي صلى الله عليه وسلم الذي توفي فيه حتى اذا كان يوم الاثنين وهم صفوف في الصلاة فكشف النبي صلى الله عليه وسلم ستر الحجرة ينظر اليها وهو قائم كان وجهه ودقته مصحف ثم تبسم يضحك فهمنا ان نفقنا من الفرح بروية النبي صلى الله عليه وسلم فتكص ابو بكر على عقبه ليصل الصف وظن ان النبي صلى الله عليه وسلم خاضعاً الى الصلاة فاشارة اليها النبي صلى الله عليه وسلم ان اتهموا صلواتكم وادعوا الستر فتوفي من يومه صلى الله عليه وسلم۔ ۱۸

۱۷۔ امام ابو الحسن مسلم بن حجاج قشیری مترق ۲۳۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۱۸۔ امام ابو حمید اللہ محمد بن اسماعیل بخاری مترق ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۹۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

یہ نماز فجر کی تھی اس پر دلیل یہ حدیث ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں:

وقد ذهب موسى بن عقبة في معناه
الى ان ابا بكر صلى من صلاة الصبح يوم الاثنين
ركعتا وهو اليوم الذي توفي فيه النبي صلى الله
عليه وسلم فوجد النبي صلى الله عليه وسلم
فانفسه خففة فخرج فصلى مع ابي بكر ركعتا
فلما سلم ابوبكر قام فصلى الركعة
الانحرى - له

امام موسی بن عقبہ نے اپنی مغازی میں بیان کیا ہے
کہ پیر کے روز جس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تھا
حضرت ابوبکر فجر کی نماز پڑھا رہے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کو اس دن مرض میں تخفیف محسوس ہوئی تو آپ نے اگر ایک
رکعت نماز حضرت ابوبکر کی اقتداء میں پڑھی اور جب حضرت
ابوبکر نے سلام پھیر دیا تو آپ نے کھڑے ہو کر دوسری
رکعت پڑھی۔

پہلی حدیث جو میں نے پیش کی اس میں سفر میں فجر کی نماز کا ذکر ہے اور اس حدیث میں حضرت فجر کی نماز کا ذکر
ہے، اور ان حدیثوں سے یہ واضح ہو گیا کہ سفر ہو یا حضر فجر کی نماز جس وقت پڑھی جاتی تھی سب ایک دوسرے کے چہرے
کو دیکھ کر پہچان لیتے تھے اور عورتوں کو کوئی اس لیے نہیں پہچانتا تھا کہ ان کا چہرہ چادروں کے حجاب میں ہوتا تھا،
واللہ الحمد۔

راہباً اگر عورتیں منہ کھول کر نماز کے لیے جاتی تھیں تو اس کے لیے دوپٹہ کافی تھا وہ چادروں میں کیوں لپیٹی ہوئی
ہوتی تھیں اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان عورتیں جلباب کے آئین میں سر اور چہرہ ڈھانپ کر گھروں سے نکلتی تھیں جیسا کہ
اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب میں حکم دیا ہے۔ الحمد للہ اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ احادیث صحیحہ کے مطابق عہد رسالت میں
مسلمان عورتیں چادروں سے اپنا چہرہ ڈھانپ کر گھر سے باہر نکلتی تھیں۔

عہد رسالت میں عورتوں کے حجاب میں مستور رہنے کا یہ دلیل ہے کہ بکثرت احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے عورتوں کو حکم دیا کہ وہ احرام میں چہرہ پر نقاب نہ پہنیں، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں اپنے چہروں پر نقاب
ڈال کر تھیں تھیں تبھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو احرام میں نقاب ڈالنے سے منع کیا اگر عورتوں میں کھلے چہرے
کے ساتھ چہرے کا معمول اور رواج ہوتا تو آپ کو انھیں نقاب ڈالنے سے منع کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عبد الله بن عمر قال قال رجل فقال
يا رسول الله ما اذا تأمرنا ان نلبس من الثياب
في الاحرام فقال النبي صلى الله عليه وسلم
لا تلبسوا القمص ولا السراويل ولا العمائم
ولا البرانس الا ان يكون احد ليست له نعلان
فلبس الخفين وليقطع اسفل من الكعبين

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں
کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ! آپ
احرام میں ہمیں کون سے کپڑے پہننے کا حکم دیتے ہیں،
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قمیصیں اور شلواریں نہ پہنو، عمامے
اور ٹوپیاں نہ پہنو، البتہ اگر کسی کے پاس جو تیاں نہ ہوں
تو وہ مونڈے پہن سکتا ہے لیکن ان کو ٹخنوں کے نیچے

ولا تلبسوا شبيهاً منه زعفران ولا الوراس ولا
تنتقب المرأة المحرمة ولا تلبس
القفازين۔^۱

سے کاٹ لے، اور کوئی ایسا کپڑا نہ پہنو جس کو زعفران یا دس
(ایک گھاس جس سے سرخ رنگ نکلتا ہے) سے رنگا ہوا
ہو اور احرام کی حالت میں عورت نقاب ڈالے نہ دستانے پہنے۔

اس حدیث کو امام داؤد، امام ترمذی، امام نسائی، اور امام احمد نے روایت کیا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا
کہ عہد رسالت میں مسلم عورتیں عموماً نقاب ڈالتی تھیں ورنہ حالت احرام میں نقاب کی ممانعت کا کوئی مطلب نہیں ہے۔
عہد رسالت میں پردے کا نام نہ لایا تھا اسی لیے حافظ ابن حجر مستطانی لکھتے ہیں:

استمرار العمل على جواز خروج النساء الى المساجد والاسواق
والاسفار منتقبات لئلا يراهن الرجال۔^۲
عہد میں نے بھی یہی لکھا ہے۔^۳

عہد میں مساجد، بازار اور سبزواریوں میں ہمیشہ نقاب
پہن کر جایا کرتی تھیں تاکہ ان کو مرد نہ دیکھیں۔

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:
قالت لا تلتئم ولا تبرقع ولا تلبس ثوباً
بعد من دلا زعفران۔^۴

احرام میں عورت نہ منہ ڈھانپے نہ برقع پہنے، نہ سرخ
یا زرد رنگ میں رنگا ہوا کپڑا پہنے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں عورتوں کے برقع پہننے کا رواج تھا ورنہ حالت احرام میں برقع پہننے کی
ممانعت کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

ہر چند کہ مسلمان عورتیں عہد رسالت میں حالت احرام میں نقاب نہیں پہنتی تھیں لیکن اس کے باوجود وہ انہی مردوں
کے اپنے چہرہ کو حجاب میں رکھتی تھیں، امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عن عائشة رضي الله عنها قالت كان
الركبان يبرون بنا ونحن محرمات مع رسول
الله صلى الله عليه وسلم فاذا اخاذوا بنا
سدلت احدانا جلبا بها من راسها على وجهها

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہمارے
ساتھ سوار گزرتے تھے دریاں حالیکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ احرام بالہے ہوئے جا رہی ہوتی تھیں جب
لوگ ہمارے سامنے سے گزرے تو ہم اپنی چادروں کو اپنے

۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱، ص ۲۴۸، مطبوعہ نور محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۲۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۴۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۱، ص ۲۵۲، مطبوعہ مطبعہ مجتہبی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

۳۔ امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۴۹ھ، جامع ترمذی ص ۱۳۳، مطبوعہ نور محمد صالح کاغذ تجارت کتب لاہور

۴۔ امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲، ص ۶، مطبوعہ نور محمد صالح کاغذ تجارت کتب لاہور

۵۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۶، ص ۱۱۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

۶۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر مستطانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۹، ص ۳۳۴، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

۷۔ حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۰، ص ۴۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعة المنيرة مصر، ۱۳۴۸ھ

۸۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱، ص ۲۰۹، مطبوعہ نور محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

فَاذْجَاوْنَا كَشَفْنَا هـ

سروں سے اپنے چہروں پر دکھائیے اور جب وہ گزر جاتے تو ہم اپنے چہروں کو کھول دیتے۔

امام مالک روایت کرتے ہیں:

عن فاطمة بنت المنذر انھا قالت کنا نحصر وجوهنا ونحن محرمات ونحن مع اسماء بنت أبي بكر الصديق فلا تنكروا علينا۔

فاطمہ بنت منذر بیان کرتی ہیں کہ ہم حالت احرام میں اپنا چہرہ ڈھانپ لیا کرتی تھیں، ہمارے ساتھ حضرت اسماء بنت ابی بکر بھی تھیں وہ ہم کو منع نہیں کرتی تھیں۔

ان دونوں حدیثوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عہد مبارک میں مسلم خواتین حالت احرام میں بھی چہرہ کو ظاہر نہیں کرتی تھیں اور پردے اور حجاب کے ساتھ رہتی تھیں۔ فوراً کیجئے حالت احرام میں عورتوں کو نقاب پہننا منع ہے پھر بھی مسلمان عورتیں اجنبی مردوں سے پردہ کیا کرتی تھیں تو عام حالات میں ستر اور حجاب میں ان کی پابندیوں کا کیا عالم ہو گا؟ اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے:

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عن شماس قال جاءت امرأة الى النبي صلى الله عليه وسلم يقال لها ام خلاص وهي منقبة تسأل عن ابنها وهو مقتول فقال لها بعض اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم جئت تسألين عن ابنك وانت منقبة فقال ان ادنا ابني فلن اراه احيائي۔

حضرت شماس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ام خلاص کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی درآں مابیکہ اس نے نقاب پہنی ہوئی تھی اس کا بیٹا شہید ہو گیا تھا وہ اس کے متعلق پوچھنے آئی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے کہا: تم اپنے بیٹے کے متعلق پوچھ رہی ہو اور اس حال میں بھی تم نے نقاب پہنی ہوئی ہے! اس نے کہا میں نے اپنا بیٹا کھو یا ہے اپنی حیا نہیں کھوئی۔

یہاں پر یہ شبہ نہ ہو کہ جب حجاب لازم ہے تو صحابہ نے یہ سوال کیوں کیا کہ تم اس حال میں بھی نقاب پہنے ہوئی ہو؟ کیونکہ عورت کا ستر غلیظ چہرہ اور ہاتھوں کے علاوہ باقی جسم ہے اس کو چھپانا فرض نکلی ہے۔ اور چہرہ اور ہاتھ ستر غلیظ نہیں ہیں نہ ان کو چھپانا فرض نکلی ہے لیکن ان کو حجاب میں رکھنا لازم ہے تاہم بعض حالات میں چہرہ کھولنے کی اجازت بھی ہے، مثلاً گواہی دینے کے لیے، ناز اور رنج میں بھی چہرہ اور ہاتھ ظاہر کرنے کا حکم ہے اور چونکہ چہرہ چھپانے کا باقی جسم کی طرح سخت حکم نہیں ہے اور بعض حالات میں اس حکم میں تخفیف بھی کی جاتی ہے اس وجہ سے صحابہ حیران ہوئے کہ اس گجراہٹ اور پریشانی کے موقع پر بھی جب لوگوں کے ہاتھوں سے میر کا دامن چھوٹ جاتا ہے اور گجراہٹ

۱۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث مترقی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۱۵۴، مطبوعہ مطبع مجتہد پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

۲۔ امام مالک بن انس اصبحی مترقی ۱۷۹ھ، مؤطا امام مالک ص ۳۳۴، مطبوعہ مطبع مجتہد پاکستان لاہور

۳۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث مترقی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۳۷-۳۳۶، مطبوعہ مطبع مجتہد پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

اور بے صبری کے عالم میں ان سے کچھ غیر شرعی حرکات سرزد ہو جاتی ہیں ایسے میں بھی وہ کمال صبر و ضبط کے ساتھ نقاب اور حجاب کے ساتھ آتی ہیں۔

عہد رسالت میں عورتوں کے حجاب اور نقاب پہننے کے معمول اور رواج پر یہ واقعہ بھی دلیل ہے کہ علامہ زرقانی نے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کی ایک عورت چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے بنو قینقاع کے بازار میں گئی، یہودیوں نے اس کا چہرہ کھونا چاہا، اس عورت نے انکار کیا انھوں نے اس کی چادر کو پیچھے سے کسی چیز کے ساتھ اس طرح اٹکا دیا کہ جب وہ اٹھی تو اس کا چہرہ کھل گیا، اس کے نتیجہ میں مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان جگمگ ہوئی اور غزوہ بنو قینقاع واقع ہوا۔^۱

عورت کے حجاب پر اس واقعہ سے بھی روشنی پڑتی ہے، امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

عن عائشة قالت اوعأت امرأة من وراء ستر بيدها كتاب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقبض رسول الله صلى الله عليه وسلم يدها فقال ما ادرى ايد رجل ام يدا امرأة قالت بل يدا امرأة قال لو كنت امرأة لغيرت اظفاراك يعني بالحناء۔^۲

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پردے سے پیچھے ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا وہاں جا کر اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ کھینچ کر فرمایا: مجھے پتا نہیں چلا کہ یہ عورت کا ہاتھ ہے یا مرد کا؟ اس نے کہا یہ عورت کا ہاتھ ہے آپ نے فرمایا اگر تم عورت ہو تو میں تو اپنے ہاتھ کو رنگتیں آپ کی مراد مہندی تھی

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں :

عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يبايع النساء بالكلام بهذه الآية ان لا تشركن بالله شيئا وما مضت يد رسول الله صلى الله عليه وسلم يدا امرأة قط الا يدا امرأة يملكها۔^۳

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے کلام کے ساتھ اس آیت پر بیعت کرتے تھے ان کا تشرکین باللہ شیشا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ یا باندی کے سوا کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔

امام عبدالرزاق نے حضرت امیرہ بنت رقیقہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں

۱۔ علامہ محمد عبدالباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ، شرح المواہب اللدیر ج ۱ ص ۲۵۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۳ھ

۲۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۱۸، مطبوعہ مطبعہ محتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

۳۔ امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۲ ص ۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

سے بیعت لی تو انہوں نے عرض کیا:

الانصاف لک یا رسول اللہ! فقال انی لا
اصافح النساء انما قولی لامرأة کتولی لہا
امرأة۔^۱

یا رسول اللہ! کیا ہم آپ سے معاہدہ کریں! آپ
نے فرمایا میں عورتوں سے معاہدہ نہیں کرتا اور میرا ایک عورت
کے لیے کوئی بات کہنا سو عورتوں سے کہنے کی مثل ہے۔

ان احادیث میں اس بات کی صریح وضاحت ہے کہ عہد رسالت میں مسلم خواتین اپنی ضروریات کی بناء پر حجاب اور نقاب
کے ساتھ گھروں سے باہر نکلتی تھیں۔ اور آپ نے کبھی کسی نامحرم محدث کے اند کو نہیں چڑھا اس سے معاہدہ کیا۔

عہد توریت میں نقاب اور حجاب کا معمول | اسلام سے پہلے دوسرے آسمانی مذاہب میں بھی حجاب اور نقاب کے
ساتھ گھروں سے باہر نکلنے کی ہدایت کی جاتی تھی، توریت میں ہے:
اور ربقہ نے نگاہ کی اور اضحاح کو دیکھ کر اونٹ سے اتر پڑی۔ اور اس نے ذکر سے پوچھا کہ شخص کون ہے جو
میں کو میدان میں چلا کر رہا ہے؟ اس نوکر نے کہا یہ میرا آقا ہے۔ تب اس نے برقع لے کر اپنے اوپر ڈال لیا۔^۲
(پیدائش: باب ۲، آیت: ۶۶-۶۵)

اور تم کو یہ خبر ملی کہ تمہارا خسر اپنی بیٹیوں کی پشت کترنے کے لیے تمت کو جاد رہا ہے۔ تب اس نے اپنے رنڈا پے
کے کپڑوں کو اتار پھینکا اور برقع اوڑھا اور اپنے کو ڈھانکا۔^۳
(پیدائش: باب ۳۸، آیت: ۱۵-۱۴)
پھر وہ اٹھ کر چلی گئی اور برقع اتار کر رنڈا پے کا جوڑا پہن لیا۔^۴
(پیدائش: باب ۳۸، آیت: ۲۰)

اجنبی مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کی ممانعت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قل للمؤمنین یغضوا من ابصارہم ویحفظوا
فروجہم ذلک ازکی لہم ان اللہ خبیر بما
یصنعون و قل للمؤمنات یغضضن من
ابصارہن ویحفظن فروجہن ولا ینبذین
زینتہن الا ما ظہر منها ولیضربن بختہن
علی جویہن ولا ینبذین زینتہن الا لبعولتہن

آپ مسلمان مردوں سے فرمادیں کہ وہ اپنی نگاہیں
نیچی رکھیں اور اپنی شرنگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے
لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، بلاشبہ اللہ ان کے سب
کاموں سے باخبر ہے۔ اور آپ مسلمان عورتوں سے فرما
دیکھئے کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی عفت
کی حفاظت کریں اور اپنے بناء نگاہ کو ظاہر نہ کریں سوا اس

۱۔ امام عبد الرزاق بن ہمام سنن متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۲ ص ۷۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

۲۔ توریت (پرانا عہد نامہ) ص ۲۲، مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور

۳۔ توریت (پرانا عہد نامہ) ص ۲۰، " " " "

أَوَابَاهُمْ أَوْ آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِسْنَاءَهُمْ أَوْ أَخَوَاتَهُمْ
أَوْ نِسَاءَهُمْ أَوْ مَالَهُمْ أَوْ أَمْوَالَهُمْ أَوْ
الْأَنْبَاءُ غَيْرَ ذَلِكَ أَوْ لِيُؤْثِرُوا عَلَى
الْأَنْبَاءِ أَوْ لِيُؤْثِرُوا عَلَى
الْأَنْبَاءِ أَوْ لِيُؤْثِرُوا عَلَى
الْأَنْبَاءِ أَوْ لِيُؤْثِرُوا عَلَى
الْأَنْبَاءِ أَوْ لِيُؤْثِرُوا عَلَى
الْأَنْبَاءِ أَوْ لِيُؤْثِرُوا عَلَى
الْأَنْبَاءِ أَوْ لِيُؤْثِرُوا عَلَى

(نور: ۳۱-۳۰)

پہننے کے جو ان سے خود ظاہر ہو اور اپنے مردوں پر اور
مردوں کے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں،
اور اپنی زیبائش صرف ان لوگوں کے سامنے ظاہر کریں،
شوہر، باپ، شوہروں کے باپ، اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے،
اپنے بھائی، بھتیجے، بھانجے، مسلمان عورتیں، بائندیاں، ایسے ذکر
جنہیں عورتوں کی خواہش نہ ہو، اور وہ لڑکے جو عورتوں کی
شرم کی باتوں پر مطلع نہیں ہوتے،
اور وہ اپنے پاؤں سے اس طرح نہ چلیں جس سے ان
کی اس زینت کا لوگوں کو علم ہو جائے جس کو وہ چھپا کر
رکھتی ہیں، اور اسے مسلمانوں سب اللہ تعالیٰ کی طرف تبرک و
تاکر تم سب فلاح کو پہنچ جاؤ۔

اجنبی مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ إِنْ لَمْ يَكُنْ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حِفْظُهُ مِنَ
الزَّوْنِ أَوْ ذَلِكَ لَا يَحَالُ فَزَيَّ الْعَيْنَ النَّظْرَ
وَنَفَى اللِّسَانَ النَّطْقَ وَالنَّفْسَ قَمَقًى وَتَشْتَهَى
وَالْفَرْجَ يَصْدُقُ ذَلِكَ وَيَكْذِبُهُ -

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم پر
ان کی زنا کاری کا حد لکھ دیا ہے جس کو وہ لا محالہ پائیں گے، آنکھوں
کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا بولنا ہے، نفس تنہا کرتا
ہے اور شہوت کرتا ہے اور اس کی شرمگاہ اس کی تصدیق
کرتی ہے یا تکذیب کرتی ہے۔

اس حدیث میں تقریباً ہے کہ مردوں کا اجنبی عورتوں کو دیکھنا اور عورتوں کا اجنبی مردوں کا دیکھنا ان کی آنکھوں کا زنا ہے
اور زنا حرام ہے اس لیے یہ دیکھنا بھی حرام ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ فِي الطَّرِيقَاتِ
قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا لَنَا بِدَمْنٍ مِمَّا لَسْنَا نَحْدُثُ فِيهَا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راستوں پر بیٹھنے سے
اجتناب کرو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ راستوں پر

۱۴۳۸ھ

۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۳-۹۲۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا
ابستم الا المجلس فاعطوا الطريق حقه قالوا
وما حقه قال غرض البصر وكف الاذى
والسلام والامر بالمعروف والنهي عن
المنكر۔ ۱۰

مجھے بغیر ہمارا گوارا نہیں ہوگا، ہم وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے
ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں راستوں
پر بیٹھنا ہی ہو تو راستوں کا حق ادا کرنا، صحابہ نے پوچھا
راستوں کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: نظر نہ چلی رکھنا،
تکلیف دہ چیزوں کو دور کرنا، سلام کا جواب دینا، نیکی
کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ ۱۰

نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن جرير بن عبد الله قال سالت رسول
الله صلى الله عليه وسلم عن نظر الفجأة فامروني
ان اصرف بصري۔ ۱۱

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے
ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پچانک
نظر پڑ جانے کا حکم پوچھا آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں نظر
ہٹاؤں (یعنی اگر آپانک نظر پڑ جانے تو فوراً ہٹا لی جائے۔
سعیدی غفرلہ)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے لکھ
حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم النظر سهم مسموم من
سهام ابليس من تركها من غفلة ابدلته ايماناً
يجدله حلاوتها في قلبه رواه الطبراني وفيه
عبد الله بن اسحاق الواسطي وهو ضعيف۔ ۱۲

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نظر، شیطان کے
ہر آنسو تیروں میں سے ایک تیر ہے، جس نے میرے خوف
سے (پرائی عورت کے) دیکھنے کو ترک کر دیا تو میں اس کے بدلے میں اس کو عین
ایمان عطا کروں گا جس کی عداوت وہ اپنے دل میں محسوس
کرے گا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن بريد بن ربيعة قال يا علي لا تتبع النظرة

حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

- ۱۰۔ امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۳، مطبوعہ نور محمد امج المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
- ۱۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳۳، ج ۲ ص ۹۲۰، مطبوعہ نور محمد امج المطابع کراچی
- ۱۲۔ امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۲، مطبوعہ نور محمد امج المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
- ۱۳۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۹۵، مطبوعہ نور محمد کابغانہ تجارت کتب کراچی
- ۱۴۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۳، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

النظر لا فان لك الاولى وليس لك الاخرة ^۱ نے فرمایا ہے علی ایک نظر کے بعد دوسری نظروں سے ڈالو کیونکہ تمہارے لیے پہلی نظر ممان ہے اور دوسری نظر ممان نہیں ہے اس حدیث کو حافظ البیہقی نے بھی امام احمد کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ ^۲ اور امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ام سلمة انها كانت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم وميمونة قالت فبينما نحن عنده اقبل ابن ام مكتوم فدخل عليه و ذلك بعد ما امرنا بالحجاب فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم احتجبا منه فقلت يا رسول الله اليس هو اعشى لا يبصرنا ولا يعرنا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم افعميا وان انتما السمتا تبصرا انه هذا حديث حسن صحيح۔ ^۳

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ اور حضرت میمونہ حاضر تھیں، اسی اثناء میں حضرت ام مکتوم آگئے یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حجاب کے احکام نازل ہو چکے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے پردہ کر دو، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ نابینا نہیں ہے، ہم کو دیکھے گا نہ پہچانے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو، کیا تم اس کو نہیں دیکھتیں؟۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ ^۴ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جس طرح مردوں کے لیے عورتوں کو دیکھنا ناجائز ہے اسی طرح عورتوں کے لیے مردوں کو دیکھنا بھی ناجائز ہے۔

اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے کے جواز کی استثنائی صورتیں | امام رازی شافعی لکھتے ہیں کہ اجنبی عورت کے چہرے کی طرف بغیر کسی غرض صحیح کے دیکھنا جائز نہیں ہے اگر کسی شخص کی نظر اچانک کسی عورت کے چہرے پر پڑ جائے تو وہ اپنی نظریں نیچی کر لے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم۔ اور امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ اگر محل فتنہ نہ ہو تو ایک بار دیکھنا جائز ہے لیکن لگاتار دیکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان السمع والبصر والفؤاد كل اولئك كان عنه مشعورا۔ ^۵ صحیح ابوداؤد ان میں سے ہر ایک سے سوال کیا جائے گا "اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بار کے بعد دوبارہ نظر ڈالنا اور حضرت عابرا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے انہیں نظر ہٹانے کا حکم دیا اور اس لیے کہ عموماً پہلی

- ۱۔ امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۴۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۹۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۲۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی متوفی ۵۸۰ھ، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۵۲، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ
- ۳۔ امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۴۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۹۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۴۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۴۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۱۳، مطبوعہ مطبع مجتبیٰ پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ

بار نظر پڑ جائے سے احتراز کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے پہلی نظر معاف ہے خواہ قصداً ہو یا بلا قصد۔
جس اغراض میں سے کسی شخص کی بنا پر اجنبی عورت کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں:-

- (۱)۔ اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہو تو اس کو دیکھنا جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو اس کو دیکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔
- (۲)۔ خبیثہ و فروخت کے وقت عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا جائز ہے تاکہ نرائی صورت میں دوکاندار بتا سکے کہ اس نے کس عورت کو کیا بیچا تھا۔
- (۳)۔ جب کسی عورت کو کسی معاملہ پر گواہ بنایا جائے تو اس کے چہرے کی طرف دیکھنا جائز ہے تاکہ اداۓ شہادت کے موقع پر اس کو پہچان سکے۔
- (۴)۔ علاج کی غرض سے کسی طبیب کا عورت کے جسم کو دیکھنا جائز ہے۔
- (۵)۔ زنا کے واقعہ پر گواہی دینے کے لیے زانیروں کی فرج کی طرف دیکھنا جائز ہے۔
- (۶)۔ رضاعت پر گواہی دینے کے لیے عورت کے پستان کی طرف دیکھنا جائز ہے۔
- (۷)۔ اگر عورت ڈوب رہی ہو یا جل رہی ہو یا کسی اور حادثہ میں مبتلا ہو تو اس کو پہچاننے کے لیے اس کے جسم کو دیکھنا اور چھونا جائز ہے۔ لے

چہرے کے حجاب پر شبہات اور ان کے جوابات | بعض احادیث بظاہر حجاب کے خلاف ہیں جن میں اجنبی مردوں کے عورتوں کی طرف

دیکھنے اور عورتوں کے اجنبی مردوں کی طرف دیکھنے کا ثبوت ہے اسی لیے ہم ان احادیث کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں، امام مسلم روایت کرتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی چادر میں چھپائے ہوئے تھے اور میں حبشیوں کی طرف دیکھ رہی تھی وہاں مالیکہ وہ (جنگی کھیل) کھیل رہے تھے، میں اس وقت لڑکی تھی، سوچو کہ کس عورت لڑکی کے شرعی کا کیا عالم ہوگا!۔ لے

اس حدیث میں مردوں کے کھیل کی طرف دیکھنے کا جواز ہے، جیکہ مردوں کے بدن کی طرف (پسندیدگ سے) نہ دیکھا جائے۔ اور عورتوں کا اجنبی مرد کے چہرہ کی طرف شہوت سے دیکھنا حرام ہے اور بغیر شہوت کے دیکھنے میں دو قول ہیں اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ یَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ "آپ مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ (بلکہ حضرت میمونہ) سے فرمایا "تم دونوں تو نابینا نہیں ہو، تم اس سے (یعنی حضرت ابن ام مکتوم سے) پردہ کرو" یہ حدیث حسن ہے اس کو امام ترمذی اور دوسرے ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اسی روایت کے دو جواب ہیں، تو یہی جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ حضرت عائشہ نے ان

لے۔ امام ترمذی محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۲۰۲ھ، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۶۱-۲۶۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

لے۔ امام ابو الحسن مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۹۲-۲۹۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۷۵ھ

کے چہروں اور بدنوں کی طرف (بالذات) دیکھا تھا اس حدیث میں صرف یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے ان کے کھیل اور ان کی جنگ کی طرف دیکھا تھا اور ان کی جنگی مشقوں کے دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت عائشہ نے ان کے بدن کی طرف دیکھا ہو اور اگر بالفرض حضرت عائشہ کی نظر بلا قصد ان کے بدن پر پڑ گئی تو آپ نے فوراً نظر کو ہٹا لیا تھا، دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے یہ واقعہ احکام حجاب نازل ہونے سے پہلے کا ہو اور تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ اس وقت کم سن تھیں اور حد بلوغ کو نہیں پہنچیں تھیں۔ لہ

دوسری حدیث جس سے حجاب کے غلاف شہ پیش کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے ایک شخص نے سوال کیا آپ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا ہاں! اگر میں اس وقت کم سن نہ ہوتا تو حاضر نہ ہوتا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عید گاہ) گئے اور آپ نے ناز پڑھائی، پھر خطبہ دیا، اور اذان کا ذکر کیا نہ اقامت کا پھر آپ عورتوں کے پاس گئے، ان کو وعظ و نصیحت کی اور ان کو صدقہ دینے کا حکم دیا پھر میں نے دیکھا کہ انھوں نے اپنے کانوں اور گلوں کی طرف اتر بڑھائے اور حضرت بلال کو زیورات دے دیے۔ لہ

اس حدیث سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت بلال نے اس موقع پر اجنبی عورتوں کو دیکھا، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کا جواب تو خود اس حدیث میں ہے کہ وہ کم سن تھے، اور حضرت بلال اگرچہ اس وقت آزاد ہو چکے تھے لیکن وہ عورتیں حجاب میں لپٹی ہوئی تھیں اور اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ حضرت بلال نے ان کے چہروں کی طرف دیکھا یا ان کے چہرے کھلے ہوئے اور بے حجاب تھے۔ لہ

ایک اور حدیث جس سے حجاب کے غلاف شہ پیش کیا جاتا ہے یہ ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عبد الله بن عباس قال كان الفضل رديف رسول الله صلى الله عليه وسلم فجاءت امرأة من خثعم فجعل الفضل ينظر اليها وتنظر اليه وجعل النبي صلى الله عليه وسلم يصرف وجه الفضل الى الشق الآخر فقالت يا رسول الله ان فريضة الله على عباده في الحج ادراكك ابي شيخا كبيرا لا يشب على الراحلة افاحبه عنه قال نعم و ذلك في

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے تھے، قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پر چھا، حضرت فضل اس عورت کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت حضرت فضل کی طرف دیکھنے لگی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا، اس عورت نے پرچھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے، اور

- ۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نور دمشقی ۶۷۲ھ، شرح مسلم ج ۱ ص ۲۹۲-۲۹۱، مطبوعہ دار محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
- ۲۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۹، مطبوعہ دار محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
- ۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۹ ص ۳۲۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

حجة الوداع . ۶ . لہ

میرا پ بہت بڑھا ہے ساری پریشانیوں کو جھٹکنا نہیں ہو سکتا میں اس کی طرف سے حج کروں گا کہ اپنے فرمایا: ہاں! اور یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے لیے چہرہ پر نقاب ڈالنا اور حجاب کرنا واجب نہیں ہے ورنہ وہ عورت بے پردہ نہ آتی اور اگر آہی گئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو چہرہ چھپانے کا حکم دیتے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ عورت محرمہ تھی، البتہ اس کے برخلاف اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ اجنبی عورت کے چہرہ کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت سے حضرت فضل بن عباس کی گردن پھیر دی، جامع ترمذی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جو ان مرد اور جو ان عورت کو دیکھا اللہ میں ان پر شیطان (کے حملہ) سے بے خوف نہیں ہوا۔ اس وجہ سے آپ نے حضرت فضل بن عباس کی گردن کو دوسری طرف پھیر دیا۔ تہ اجنبی مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کے معاملہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام پر اعتماد نہیں تھا حالانکہ ثوث خداوند تقویٰ اور پرہیزگاری میں ان کا سب سے اونچا مقام تھا تو پھر بعد کے لوگوں پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے اور یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اگر ان کو شہوت کا خطرہ نہ ہو تو پھر وہ اجنبی عورتوں کو دیکھ سکتے ہیں اس لیے جن بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اگر شہوت کا خطرہ نہ ہو تو اجنبی عورت کو دیکھنا جائز ہے، یہ صحیح نہیں ہے، صحیح یہی ہے کہ اجنبی عورتوں کو دیکھنا مطلقاً جائز نہیں ہے البتہ ضرورت کے مواقع اس سے مستثنیٰ ہیں جن کو ہم نے اس سے پہلے تفصیل سے بیان کر دیا ہے، اس لیے اس حدیث پر غور کرنا چاہیے:

فقال العباس یا رسول اللہ لہ لویت عنق ابن عمک قال رايت شابا وشابة فلم آمن الشيطان عليهما۔ تہ

حضرت عباس نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے اپنے عم ثلاد کی گردن کیوں پھیر دی آپ نے فرمایا میں نے جو ان مرد اور جو ان عورت کو دیکھا اور میں ان پر شیطان (کے حملہ) سے بے خوف نہیں ہوا۔

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں غرض بصرہ نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ چہرہ چھپانا ضروری نہیں ہے بس نگاہیں نیچی کر لینا کافی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں صرف غرض بصرہ کا حکم نہیں ہے چہرہ چھپانے کا بھی حکم ہے جیسا کہ ہم نے آیات حجاب میں اس کا بیان کر دیا ہے۔ دلیہ سوال کہ جب عورتوں کو کھلے منہ پھرنے کی اجازت ہی نہیں ہے تو پھر غرض بصرہ کے حکم کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عورت کے نقاب اور حجاب میں رہنے کے باوجود ایسے مواقع پیش آ سکتے ہیں جب اچانک کسی مرد

- ۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۰، ج ۱ ص ۲۵۰، ج ۱ ص ۲۰۵، مطبوعہ نور محمد صحیح المطابع
 ۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱ ص ۱۱، مطبوعہ دار نشر المکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۱۲ھ
 ۳۔ امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۵۵ھ، جامع ترمذی ص ۱۲۹، مطبوعہ نور محمد دار نشر المکتب کتب کراچی
 ۴۔ جامع ترمذی ص ۱۲۹

اور عورت کا سامنا ہو جائے، اور ایک بار وہ عورت کو بھی ناز اور عجب کے مواقع پر چہرہ کھولنے سے سابقہ پڑ جاتا ہے سو ایسے تمام مواقع پر مردوں اور عورتوں دونوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اجنبی مردوں کے سامنے عورت کے چہرہ اور ہاتھ کھولنے کے دلائل کا ایک جائزہ !

مستقدمین فقہاء اخات اس کے قائل ہیں کہ اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو اجنبی عورت کے چہرے اور ہاتھوں کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ چنانچہ علامہ سرخسی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے آپ کو (نکاح کے لیے) پیش کیا۔ آپ نفسا کی چہرہ کی طرف دیکھا اور اس میں کوئی رغبت نہیں کی، دوسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں کہا کہ ”بہت زیادہ مہر نہ رکھا کرو“ تو ایک سیاہ چہرے والی عورت نے کہا یہ آپ اپنی رانے سے کہہ رہے ہیں یا اس کو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کیونکہ آپ کے قول کے خلاف قرآن مجید میں ہے: **وَأَن تَبْتَغُوا مِنْ قُنْطَارٍ أَفْلَا تَأْخُذُوا** منہ شیشا (سورۃ النور: ۲۰) تم لوگوں میں سے کسی کو بہت مال دے چکے تو واپس مت لو، یہ جواب سن کر حضرت عمر حیران ہو گئے، اور کہا ہر شخص کو عمر سے زیادہ دین کا علم ہے حتیٰ کہ گھروں میں رہنے والی عورتوں کو بھی عمر سے زیادہ علم ہے اس واقعہ میں راوی نے کہا ہے کہ وہ سیاہ رخساروں والی عورت تھی اس سے معلوم ہوا کہ اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کے ہاتھ دیکھے جو رنگے ہونے نہیں تھے تو آپ نے فرمایا کیا یہ مرد کا ہاتھ ہے؟ اور جب حضرت فاطمہ نے اسے کسی ایک بچہ کو حضرت انس یا حضرت بلال کو دیا تو حضرت انس نے حضرت فاطمہ کے ہاتھ کو دیکھ کر کہا اگر بایہ چاند کا ٹکڑا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اجنبی عورت کے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھنا جائز ہے اور چہرہ سرسہ لگانے کا عمل ہے اور ہاتھ انگوٹھی اور مہندی کا عمل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَلَا يَبْدِيْنَ نِيَّتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا**۔ عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوا اس کے جو ان خود ظاہر ہوا اور حضرت علی اور حضرت عباس وغیرہ سے منقول ہے کہ اس سے مراد سرسہ اور انگوٹھی ہے اس سے معلوم ہوا کہ چہرہ اور ہاتھ زینت ظاہر ہے اور اللہ تعالیٰ نے زینت باطن کو چھپانے کا حکم دیا ہے اور زینت ظاہر یعنی چہرہ اور ہاتھوں کو ظاہر کرنے کی اجازت دی ہے اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا چہرہ اور ہاتھ واجب الستہ نہیں ہیں اور ان کو ظاہر کرنا جائز ہے۔ لہ

ہم علامہ سرخسی کی گردنیں کو بھی نہیں پہنچتے، فقہ حنفی کی عظیم خدمت کہہ کے علامہ سرخسی نے جو ملت اسلامیہ پر عظیم احسان کیا ہے اس کے بوجھ سے ہم بھی سر نہیں اٹھا سکتے، لیکن علامہ سرخسی کے تمام علم و فضل کے باوجود ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ عورت کے چہرے اور ہاتھوں کو متر سے مستحکم کرنا صحیح نہیں ہے نیز کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل عورت کو بغیر کسی استثناء کے واجب الستہ قرار دیا ہے، امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

لے۔ شمس اللامہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۷۸۳ھ، المبسوط ج ۱۰ ص ۱۵۳-۱۵۲، مطبوعہ دار المسرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ

عن عبد الله عن النبي صلى الله عليه و سلم قال في المرأة عورة اذا خرجت استشر فيها الشيطان هذا حديث حسن صحيح غريب يله

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت سرتاپا واجب الستر ہے، جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو گردن اٹھا کر دیکھتا ہے، یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

اس حدیث کو امام ابن شیبہ اور البیہقی نے امام طبرانی کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے۔ ۳۔
اور ولید بن زیتہن الا مآ ظہر منہا میں جو زینت ظاہری کی تفسیر چہرہ اور ہاتھوں سے کی گئی ہے یہ قطعی نہیں ہے، علامہ ابن جوزی غنبل نے لکھا ہے کہ زینت ظاہرہ میں سات تفسیریں ہیں۔ (۱) حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ اس سے مراد کپڑے ہیں (۲) حضرت ابن مسعود سے دوسری روایت ہے کہ اس سے مراد چادر ہے۔ (۳) حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اس سے مراد سرمہ اور انگوٹھی ہے۔ (۴) حضرت مسد بن مخزوم سے روایت ہے کہ اس سے مراد لکھن، انگوٹھی اور مہری کا رنگ ہے (۵) مجاہد سے روایت ہے کہ اس سے مراد سرمہ، انگوٹھی اور مہندی کا رنگ ہے۔ (۶) من بصری نے کہا یہ انگوٹھی اور لکھن ہے۔ (۷) ضحاک نے کہا اس سے چہرہ اور ہتھیلیاں مراد ہیں۔ ۴۔
اور جب زینت ظاہری میں اس قدر مختلف اور متغایاؤں میں تو ان کی بناء پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشاد کو کس طرح چھوڑا جاسکتا ہے، اسی لیے صحیح یہی ہے کہ عورت مکمل واجب تمہے جس طرح کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: المرأة عورتا اور زینت ظاہرہ سے مراد اس کا لباس ہے۔

ثانیاً بر تقدیر تنزل ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر زینت ظاہرہ سے چہرہ اور ہاتھ بھی مراد ہوں تو چہرہ اور ہاتھ نماز اور احکام کے ستر سے مستثنیٰ ہیں۔ ستر نظر اور حجاب سے مستثنیٰ نہیں ہیں اور ستر اور حجاب میں یہ فرق ہے کہ ستر کا تعلق عورت کے ان اعضا سے ہے جن کو شوہر کے سوا ہر شخص سے چھپانا واجب ہے خواہ وہ محرم ہو یا اجنبی شخص اور حج اور نماز ہر حالت میں ان اعضا کا چھپانا واجب ہے۔ اور حجاب کا تعلق اجنبی مردوں کے لحاظ سے عورت کے پورے جسم کے ساتھ ہے۔ سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ نے عورت کے ستر کے احکام بیان کیے اور اس کے بعد سورۃ احزاب میں عورت کے حجاب کے احکام بیان کیے اور فرمایا: یدنین علیہن من جلا بیہن (عورتیں گھروں سے نکلتے وقت) اپنی چادروں کا کچھ حصہ اپنے چہروں پر لٹکائے رہیں اس صریح آیت میں عورتوں کو چہرہ چھپانے کا قطعی حکم دیا گیا ہے اور موضع ضرورت کے سوا عورتوں کو اجنبی مردوں کے سامنے چہرہ ظاہر کرنے کی کوئی اجازت نہیں ہے۔

علامہ سرخس نے عورت کے چہرہ کوٹنے کے جواز پر جو حدیث پیش کی ہے کہ ایک عورت نے نکاح کے لیے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو یہ حدیث موضوع بحث سے خارج ہے کیونکہ یہ

۱۔ امام ابوعلی محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۱۸۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تہذیب و کتب کراچی

۲۔ حافظ ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ، المصنف ج ۲ ص ۳۸۴، مطبوعہ ادارۃ الفرقان کراچی، ۱۴۰۶ھ

۳۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر متوفی ۸۰۰ھ، معجم الزوائد ج ۲ ص ۱۳۵، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت، ۱۴۰۲ھ

۴۔ علامہ ابوالعزیز عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی غنبل متوفی ۵۹۹ھ، زاد المسیر ج ۶ ص ۲۲-۳۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

مواضع ضرورت سے ہے اور نکاح کے قصد سے عورت کو دیکھنا جائز ہے اور ایک اثر پیش کیا ہے کہ ایک سیاہ فام عورت نے حضرت عمر سے بات کی اور راوی کا یہ کہنا کہ وہ سیاہ چہرے والے عورت تھی اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس اثر کی سند کی حیثیت میں معلوم نہیں ہے اور اگر یہ اثر صحیح بھی ہو تو اس میں یہ قوت نہیں ہے کہ یہ قرآن مجید کی نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کی مترجہ معانی کے مزام ہو سکے تاہم ہمارے نزدیک اس کی یہ تاویل ہے کہ عورت ان بوڑھی عورتوں میں سے تھی جن کو اللہ تعالیٰ نے حجاب سے مستثنیٰ کر دیا ہے یا سیاہ رخسار اور بد صورت اور غیر مشتبہ ہونے کے وجہ سے ان عورتوں میں سے تھی جن سے نکاح کی امید نہیں ہوتی اس وجہ سے یہ حجاب سے مستثنیٰ تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا
فَلَيْسَ عَلَيْهِنَ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ
مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَأَنْ يَسْتَحْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ
وَهُنَّ بُوْذُحَى عَوْرَتِي جِن كَوْنِكَا ح كِي اَمِيْد نِيْسِي سِي اَكْرَه
اِنِي (چہرہ ڈھانپنے کے) کپڑے اتار دی ترقاں پر کوئی
گناہ نہیں ہے، وہاں حالیکہ وہ اپنی زینت دکھاتی نہ پھری
اور اگر وہ اس سے بچیں (یعنی نقاب نہ اتاریں) تو یہ ان
کے لیے بہتر ہے۔ (نور: ۶۰)

لہذا یہ سیاہ فام عورت انہیں عورتوں پر محمول ہے جو بوڑھی ہوں یا بے مدد و صورت ہونے کی وجہ سے نکاح کی امید رکھتی ہوں اور اس کا بے پردہ گھر سے نکلنا موضوع بحث سے خارج ہے۔ علامہ سرخسی نے تیسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کے ہاتھ دیکھے جو رنگے ہوئے نہیں تھے تو آپ نے فرمایا کیا یہ مرد کا ہاتھ ہے۔ علامہ سرخسی نے یہ حدیث پوری بیان نہیں کی، پوری حدیث اس طرح ہے: امام ابو داؤد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے پردے کے نیچے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا وہاں حالیکہ اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ کھینچ کر فرمایا مجھے کیا کہیں چلا کر یہ عورت کا ہاتھ ہے یا مرد کا، اس نے کہا یہ عورت کا ہاتھ ہے آپ نے فرمایا اگرم عورت ہو تو اپنے ہاتھوں کو رنگتیں، آپ کی مراد ہندی تھی۔ لہ

یہ حدیث تو عورت کے حجاب اور چہرہ چھپانے کی دلیل ہے کیونکہ اس عورت نے حجاب میں مستور ہو کر آپ کی طرف اشارہ کیا۔

علامہ سرخسی نے ہاتھ کھلا رکھنے کے جواز پر جو بھی دلیل یہ قائم کی ہے کہ حضرت فاطمہ نے اپنا کوئی ایک بچہ حضرت انس یا حضرت بلال کو دیا، حضرت انس نے حضرت فاطمہ کے ہاتھ دیکھ کر کہا کیا یہ چاند کا ٹکڑا ہے۔ حضرت فاطمہ کا نکاح وہ ہجری میں ہوا اور ۵۸ رمضان ۱۰ ہجری میں حضرت حسن کی ولادت ہوئی اور اس کے نو ماہ بعد چار ہجری میں حضرت حسین کی ولادت ہوئی (اصابہ ج ۱ ص ۳۲۲-۳۲۸) اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت انس کی گود میں بچہ دیے کا واقعہ تین یا چار ہجری کا ہے اور حجاب کے احکام پانچ ہجری میں نازل ہوئے، لہذا اس واقعہ سے بھی اجنبی کے سامنے عورت کے

اچھے گھرنے پر استدلال نہیں ہو سکتا، یہ بھی خیال رہے کہ حضرت انس کی عمر ہجرت کے وقت دس سال تھی اور اس واقعہ کے وقت حضرت انس کی عمر تیرہ یا چودہ سال تھی۔

عورت کے چہرے اور اعضاء کو اجنبی مردوں کے سامنے کھولنے کے جواز پر جو زیادہ سے زیادہ دلائل پیش کیے جاسکتے تھے وہ علامہ منہجی نے پیش کر دیے اور ہم نے ان دلائل کی حقیقت قارئین کے سامنے بیان کر دی ہے اور یہ کہنا کہ عورت کو دیکھنے سے شہوت کا خطرہ نہ ہو تو پھر دیکھنا جائز ہے بالکل غلط اور مردود ہے کیونکہ فیضان نبوت کو بلا واسطہ حاصل کرنے والے صحابہ بھی جب اس خطرہ سے مامون نہیں تھے تو پھر کوئی اور شخص اس خطرہ سے مامون ہونے کا کیسے دعویٰ کر سکتا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل کا چہرہ عورت کی طرف سے پھیر دیا اور فرمایا: "میں ان پر شیطان سے مطمئن نہیں ہوں" اور حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فضل پر اطمینان نہیں تھا تو کسی شخص کو بھی اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی نہ کسی عورت کو حجاب سے مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے، محققین فقہاء اسلام نے اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کو مطلقاً ناجائز کہا ہے خواہ شہوت ہو یا نہ ہو اب ہم قارئین کے سامنے محققین فقہاء اسلام کی عبارات پیش کر رہے ہیں۔

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک اجنبی مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے اور حجاب کا حکم

ما نظر ابن کثیر حنبلی لکھتے ہیں:

ذهب کثیر من العلماء الى انه لا يجوز للمرأة النظر الى الرجال الا جانب بشهوة ولا بغیر شهوة اصلاً۔^۱

کثیر علماء کا یہ مذہب ہے کہ عورت کا اجنبی مردوں کی طرف دیکھنا بالکل جائز نہیں ہے خواہ شہوت کے ساتھ دیکھیں یا بغیر شہوت کے۔

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

ان كان لعذر مثل ان يريد ان يتزوجها ويشهد عليها فانه ينظر في الحالىين الى وجهها خاصة فاما النظر اليهما لغیر هذا فلا يجوز لا لشهوة ولا لغیرها وسواء في ذلك الوجه والكفان وغيرهما من البدن۔^۲

اگر مرد کا کوئی عذر ہو مثلاً وہ کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے یا اس کے خلاف گواہی دینا چاہتا ہے تو دونوں صورتوں میں صرف اس کے چہرے کی طرف دیکھ سکتا ہے اور بغیر عذر کے عورت کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے خواہ شہوت ہو یا نہ ہو اس میں چہرہ، ہاتھ اور بدن سب برابر ہیں۔

۱۔ ما نظر ابراہیم بن محمد الدین ابن کثیر حنبلی متوفی ۷۴۲ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۸۸، مطبوعہ دار الازہار بیروت، ۱۳۸۵ھ

۲۔ علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر ج ۶ ص ۳۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

امام احمد کے ظاہر مذہب کے مطابق مرد کا اجنبی عورت کی طرف بغیر کسی عذر کے دیکھنا جائز نہیں ہے، جب مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو وہ اس کے لیے اجنبی ہے اس کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ وہ کس طرح کھانا کھا رہی ہے اور قاضی نے یہ کہا ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ باقی بدن کو دیکھنا حرام ہے کیونکہ وہ ستر ہے اور اگر شوہر سے مامون ہو تو اس کے چہرے کی طرف دیکھنا اگر محبت کے ساتھ جائز ہے کیونکہ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت اسماء باریک پرٹے پہن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں آپ نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: اے اسماء جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کا صرف یہ اور یہ دکھائی دینا جائز ہے یہ کہہ کر آپ نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَإِذَا سَأَلَكَ الْمَوْتُ مَتَاعًا فَاسْأَلْهُنَّ مِنْ وَدَاعٍ حِجَابٍ**۔ جب تم ان سے کسی چیز کا سوال کرو تو پردے کی اورٹ سے سوال کرو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارا مکاتب غلام نصاب کتابت کا مالک ہو جائے تو اس سے پردہ کرو اور حضرت ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ وہ اور حضرت جیمونہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اس وقت ابن ام مکتوم آگئے تو آپ نے فرمایا اس سے پردہ کرو اور حضرت جریر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا نمک نظر بڑھانے کے متعلق پوچھا تو آپ نے مجھے نظر ہٹانے کا حکم دیا، یہ حدیث صحیح ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے علی ایک بار کے بعد دوسری نظر نہ ڈالنا کیونکہ پہلی نظر معاف ہے اور دوسری معاف نہیں ہے، اور نکاح کے علاوہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کی اجازت دی ہے اس سے معلوم ہوا کہ عورت کی طرف دیکھنا مطلقاً مباح نہیں ہے ورنہ اس شخص سے کوئی وجہ نہیں ہے، اور حضرت اسماء کی روایت میں کلام ہے اور اگر یہ حدیث صحیح ہو تو یہ احکام حجاب سے پہلے کا حکم ہے۔

علامہ ابن قیم جوزیہ حنبلی کہتے ہیں:

یہ کہنا کہ آزاد بوڑھی اور بد صورت عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے اور جوان اور خوب صورت باندی کی طرف دیکھنا جائز ہے شریعت پر افتراء ہے، اللہ تعالیٰ نے اُس کو کہاں حرام کیا ہے اور اس کو کہاں جائز کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو صرف یہ فرمایا ہے **قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّونَ أَبْصَارَهُمْ**۔ مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ خوب صورت باندیوں کو نہ دیکھو۔ یہ شبہ اس سے پیدا ہوا کہ شریعت نے آزاد عورتوں کو اجنبی مردوں سے چہرہ چھپانے کا حکم دیا ہے اور باندیوں پر یہ واجب نہیں کیا لیکن یہ اجازت گھر میں کام کرنے والی باندیوں کے بارے میں ہے اور جن باندیاں بازاروں میں پھرتی ہیں ان کو چہرہ کھولنے کا کہاں حکم دیا ہے اور مردوں کو انہیں دیکھنے کا کہاں حکم دیا ہے، یہ چیز شریعت پر محض افتراء ہے یہ منالطہ اس وجہ سے اور پیدا ہوا کہ بعض فقہاء نے یہ کہہ دیا ہے کہ آزاد عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے سوا تمام جسم واجب الستر (چھپانے کی چیز) ہے، اور باندی کا صرف پریش، پشت اور ہڈ لیاں واجب الستر ہیں، حالانکہ یہ حکم صرف نازک کے متعلق ہے۔ کیونکہ ستر

علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متروکی ۶۶۰ھ، المنقح ۷۷۰ھ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

دیکھانے کی چیز کی دو قسمیں ہیں ایک ستر نماز کا ہے اور ایک ستر نظر کا ہے، آزاد عورت کا نماز میں ستر چہرے اور ہاتھوں کے ماسوا ہے اس لیے وہ چہرے اور ہاتھوں کو کھول کر نماز پڑھ سکتی ہے اور آزاد عورت کا نظر میں ستر پورا جسم ہے اس لیے وہ بازاروں میں اور اجنبی لوگوں کی مجلسوں میں نہیں جاسکتی اور اس کے چہرے اور ہاتھوں سمیت پورے جسم کو اجنبی مردوں کے لیے دیکھنا جائز نہیں ہے۔ ۱۷

فقہاء شافعیہ کے نزدیک اجنبی مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے اور حجاب کا حکم

قاضی بیضاوی شافعی لکھتے ہیں:

فإن كل بدن الحرة عورة لا يحل
لتغير الزوج والمحرم النظر إلى شيء منها ۲۱
لغيره ۲۲ كالعالم جنة وتحت
الشهادة ۲۳

م آزاد عورت کا بدن واجب الستر ہے اور شوہر اور محرم کے سوا عورت کے بدن کے کسی حصہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے البتہ ضروریات مستثنیٰ ہیں جیسے علاج اور گولہ بنانے کا معاملہ۔

علامہ ابواسحاق شیرازی شافعی لکھتے ہیں:

علاج اور گولہ بنانے کے لیے اجنبی عورت کی طرف دیکھنا جائز ہے اور بغیر ضرورت کے نہ مرد کے لیے اجنبی عورت کو دیکھنا جائز ہے نہ عورت کے لیے اجنبی مرد کو دیکھنا جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم ويحفظوا فروجهم ۲۴ آپ مسلمان مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی نترنگیاں کی حفاظت کریں اور فرمایا قل للمؤمنات يغضضن من ابصارهن ويحفظن فروجهن ۲۵ آپ مسلمان عورتوں سے کہیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرنگاہوں کی حفاظت کریں ۲۶ اور حضرت ام سلمہ روایت کرتی ہیں کہ وہ اور حضرت میمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جھکی ہوئی عورتیں کہ حضرت ابن ام مکتوم آگئے آپ نے فرمایا اس سے پردہ کرو، ہم نے عرض کیا یہ تو نایاب ہے ہمیں دیکھنا ہے نہ ہم کو پہچاننا ہے آپ نے فرمایا تم تو نایاب بنائے ہو، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (سورہی پر) اپنے پیچھے حضرت فضل بن عباس کو بٹھایا ہوا تھا کہ خشم کی ایک عورت آئی آپ نے حضرت فضل کی گردن دوسری طرف پھیر دی، حضرت عباس نے پوچھا آپ نے اپنے عم زاد کی گردن کیوں پھیری ہے آپ نے فرمایا میں نے جو ان مرد اور جو ان عورت کو دیکھا اور ان پر شیطان سے بے خوف نہیں ہوا۔ ۲۷ علامہ نروزی شافعی لکھتے ہیں کہ شافعیین شافعیہ نے کہا ہے کہ اگر نعتہ کا خوف نہ ہو تو عورت کے چہرے کی طرف

- ۱۷۔ علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر المردود باب القیم جو زیہ متوفی ۷۵۱ھ، اعلام الموقعین ج ۲ ص ۳۳-۳۲، مطبوعہ دارالحدیث مصر
۱۸۔ قاضی ابوالخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شیرازی متوفی ۶۸۵ھ، انوار التنزیل علی ما مش الخفا ج ۶ ص ۴۶، مطبوعہ دار صادر بیروت
۱۹۔ شیخ ابواسحاق شیرازی متوفی ۴۵۵ھ، المہذب مع شرح المہذب ج ۱۶ ص ۱۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت

دیکھنا مکروہ ہے اور علامہ اصطخری، شیخ ابو محمد، امام اور صاحب مہذب (علامہ شیرازی) نے کہا ہے کہ عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا مطلقاً حرام ہے اور امام نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ عورتوں کا منہ کھول کر باہر نکلتا ممنوع ہے اور عورت کو دیکھنا فتنہ کا محل ہے اللہ شہوت کا محرک ہے اس لیے شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ فتنہ کا سد باب کیا جائے۔ ۱۷

فقہاء مالکیہ کے نزدیک اجنبی مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے اور حجاب کا حکم

فقہاء مالکیہ کے نزدیک اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو عورت کا چہرہ چھپانا مستحب ہے اور اگر فتنہ کا خوف ہو تو چہرہ چھپانا واجب ہے اور یہی حکم اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کا ہے۔
علامہ ابو عبد اللہ ابی مالکی کہتے ہیں:

علامہ قاضی عیاض مالکی نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا العین تنزفی، آنکھ زنا کرتی ہے۔ علماء نے کہا اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب عورت بازار میں جائے تو اس پر چہرہ چھپانا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ البتہ مرد پر واجب ہے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھے، اور بغیر کسی غرض صحیح کے عورت کی طرف نہ دیکھے مثلاً شہادت کے لیے یا سنگتی کے لیے یا علاج کے لیے۔ ۱۸

علامہ ابی مالکی اور قاضی عیاض مالکی نے اور دیگر مالکی فقہاء نے اجنبی مردوں کے لیے عورت کے چہرہ چھپانے کے وجہ کے دلائل سے بالکل صحت نظر کر لیا، یہ دلائل ہم سابقہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔

علامہ دسوقی مالکی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص لذت اندوزی کے لیے اجنبی عورت کے چہرے کی طرف دیکھے تو یہ حرام ہے اس صورت میں عورت پر پردہ واجب ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس پر پردہ واجب ہے اور مشہور یہ ہے کہ واجب نہیں ہے اور علامہ زروق مالکی نے یہ کہا ہے کہ خوب عورت عورت پر پردہ کرنا واجب ہے اور بدعت عورت پر پردہ کرنا واجب نہیں، مستحب ہے۔ ۱۹ علامہ قرطبی مالکی نے بھی یہی لکھا ہے کہ بدعت عورت پر پردہ واجب ہے اور بدعت پر نہیں ہے۔ ۲۰

فقہاء اشاف کے نزدیک اجنبی مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے اور حجاب کا حکم

- ۱۷۔ علامہ یحییٰ بن مشرف نوادی متوفی ۶۷۶ھ، روضة الطالبین وجمدة المقتنی ج ۴، ص ۲۱۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ
- ۱۸۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن غلغلة وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، کمال الکمال المسلم ج ۵، ص ۴۲۰-۴۲۱، مطبوعہ دار المکتب العلمیہ بیروت
- ۱۹۔ علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی مالکی متوفی ۱۲۱۹ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۱، ص ۲۱۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۲۰۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی تلمیذ متوفی ۷۸۵ھ، المجاہد لاحکام القرآن ج ۱، ص ۲۱۹، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ

محققین فقہاء احناف نے تو یہی لکھا ہے کہ عورت پر اپنا چہرہ چھپانا واجب نہیں ہے، اور اجنبی عورتوں کو بغیر شہوت کے دیکھنا جائز ہے اور شہوت ہو تو دیکھنا حرام ہے جیسا کہ علامہ سرخسی کے حوالے سے گذر چکا ہے لیکن متاخرین فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ عورت پر اپنا چہرہ چھپانا واجب ہے اور اس کی طرف دیکھنا مطلقاً جائز نہیں ہے، یہی قرآن اور حدیث کے مطابق ہے۔ علامہ زاہد انکوثری حنفی لکھتے ہیں:

نماز اور حج کے احرام میں عورت کے لیے چہرہ کھولنا جائز ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بلا ضرورت گھر سے منہ کھول کر نکل سکتی ہے، کیونکہ آیت حجاب میں عورت کو چادر سے چہرہ چھپانے کا حکم دیا احناف، حج اور دیگر ضروریات مثلاً شہادت وغیرہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اور سنن ابو داؤد میں جو حضرت عائشہ سے چہرہ اور ہاتھوں کے استثناء کی روایت ہے اقل قزوین صحیح نہیں کیونکہ حدیث کو خالد بن دریکم نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے اور اس نے حضرت عائشہ کا زمانہ نہیں پایا اور اس کی سند میں سعید بن بشر ایک ضعیف راوی ہے اور اس میں بعض بدعین کا منعنہ بھی ہے اس کے علاوہ حضرت عائشہ نے خود اس پر عمل کو ترک کر دیا۔ (علامہ ابن قدامہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ احکام حجاب نازل ہونے سے پہلے کا حکم ہے۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ انکوثری لکھتے ہیں چونکہ قرآن اور احادیث کی نصوص صریحہ سے عورتوں کے حجاب کا حکم ثابت ہے اس لیے زمانہ قدیم سے روئے زمین کے مشرق اور مغرب میں تمام مسلمان عورتیں پردہ کی انتہائی پابندی کرتی ہیں، حجاز، یمن، بلاد فلسطین، شام، حلب، عراق، بلاد مغرب، مصر، سوڈان، بلاد فارس، افغان، ہند اور سندھ وغیرہ ایک تمام زدے زمین پر سفر اور حضر میں تمام مسلمان عورتیں پردہ اور حجاب میں رہتی ہیں، البتہ وہ اقوام مغرب جو اپنی عورتوں کو معاملہ میں بے غیرت ہیں اور جو اپنی بیویوں کو دوسرے مردوں کی پناہوں میں دیکھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، ان کا معاملہ جداگانہ ہے، سلطان عبدالحمید ثانی سے بعض یورپی محققین نے سوال کیا کہ اگرچہ سے مشرقی عورتیں تمام عمر اپنے گھروں میں پردے کے نیچے گزار دیتی ہیں اور اجنبی مردوں سے بالکل میل جول نہیں رکھتیں تو سلطان نے فی الفور جواب دیا: اس لیے کہ وہ اپنے شوہروں کے علاوہ کسی اور شخص کا کچھ جتنے میں کوئی رغبت نہیں رکھتیں اس جواب کے سنتے ہی وہ شخص بالکل خاموش ہو گیا یہ علامہ قہستانی حنفی لکھتے ہیں:

وينظر الرجل من المرأة الاجنبية الى الوجه - وهذا في زمانهم واما في زماننا فممنع من الشابة -
مرد آناد اجنبی عورت کے چہرہ کو دیکھ سکتا ہے۔ یہ حکم فقہاء متقدمین کے زمانہ کے اعتبار سے ہے اور اب جو ان عورت کو دیکھنے سے منع کیا جائے گا۔
نیز علامہ قہستانی لکھتے ہیں:

وفيه اشارة الى انه يحل النظر الى وجه الاجنبية الا انه مكروه كما في ايدان الولو البحي
اس میں یہ اشارہ ہے کہ اجنبی عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا کراہت کے ساتھ جائز ہے جیسا کہ ولو البحي

۱۔ علامہ محمد زاہد انکوثری حنفی متوفی ۱۳۷۱ھ مقالات انکوثری ص ۲۵۰-۲۵۶، مطبوعہ ایچ، ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی

۲۔ علامہ محمد خراسانی قہستانی حنفی متوفی ۱۳۶۲ھ، جامع الرموز ج ۳ ص ۴۳۲، مطبوعہ مطبع غشی نوا کشور، ۱۳۹۱ھ

کتاب الایمان میں ہے یہ اس وقت ہے کہ جب شہرت سے نہ دیکھے اور اگر شہرت سے دیکھے تو حرام ہے۔

وهذا اذا لم يكن عن شهوة ولا
فحرام له
علامہ الحنفی حنفی لکھتے ہیں:

اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کا جواز عدم شہرت کے ساتھ مشروط ہے مگر شہرت سے دیکھے تو حرام ہے یہ حکم متقدمین کے نزدیک اعتبار سے ہے اب جو ان عورت کو دیکھنے سے مطلقاً منع کیا جائے گا۔

فحل النظر مقيد بعدم الشهوة والافحام
وهذا في نه ما نههم واما في نه ما نهنا فممنع
من الشابة

علامہ شامی نے بھی اس حکم کو برقرار رکھا ہے۔

مذاہب فقہاء کا حاصل غلامہ یہ ہے کہ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک مرد کا اجنبی عورت کو اور عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا مطلقاً ناجائز نہیں ہے خواہ شہرت سے ہو یا بغیر شہرت کے اور عورت پر اجنبی مردوں سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو چھپانا واجب ہے اور قرآن مجید احسانت کی تفصیل میں یہ کہ مطابقی ہی قول صحیح ہے اور امام مالک کے نزدیک شہرت کے اندیشہ سے یا غیر عورت عورت پر حجاب واجب ہے اور جب شہرت نہ ہو یا عورت بد صورت ہو تو عورت پر حجاب مستحب ہے اور امام ابوحنیفہ اور فقہاء متقدمین کے نزدیک عورت پر چہرے اور ہاتھوں کا ستر واجب نہیں ہے البتہ اس کو شہرت سے دیکھنا حرام ہے اور متاخرین فقہاء اخات کے نزدیک عورت کو مطلقاً دیکھنا جائز نہیں ہے اور اس پر یہ کہنا واجب ہے اور یہی قول صحیح ہے، جیسا کہ ہم قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ سے بصر احسن بیان کر چکے ہیں۔

قرآن، سنت اور فقہاء اسلام کی آراء کی روشنی میں عورت کی آواز کا حکم اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولا يضربن بأرجلهن ليعلم ما يخفين
من ما يذنهبن
اور عورتیں اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا سکیں کہ اس نہایت کا لوگوں کو علم ہو جائے جو انھوں نے چھپا رکھی ہے۔

(نور ۲۴/۳۱)

علامہ ابوبکر جصاص حنفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ عورت کو اتنی بلند آواز کے ساتھ کلام کرنے سے منع کیا گیا ہے جس کو اجنبی مرد سن لیں، کیونکہ باریب کی آواز سے اس کی اپنی آواز زیادہ فتنہ انگیز ہے، اسی وجہ سے ہمارے فقہاء نے عورت کی آواز کو مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ اس میں آواز بلند کرنی چڑنی ہے اور عورت کو آواز بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

۱۔ علامہ محمد خراسانی قبستانی حنفی متوفی ۹۹۲ھ، جامع الرموز ج ۳ ص ۴۳۲، مطبوعہ مطبع نقش نواکشور، ۱۲۹۱ھ

۲۔ علامہ ملا الدین الحنفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، مختار علی ہاشم رد المحتار ج ۵ ص ۳۲۵، مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول ۱۳۲۵ھ

۳۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شافعی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۳۲۵، مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

۴۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۳ ص ۳۱۹، مطبوعہ سبیل الرشیدی لاہور، ۱۴۰۰ھ

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی لکھتے ہیں: علامہ ابن ہمام حنفی نے کہا ہے کہ نوازل میں تصریح ہے کہ عورت کی آواز عورت واجب الاستماع ہے اور اس پر یہ متفرع کیا ہے کہ عورت کا عورت سے قرآن مجید پڑھنا مستحب ہے کیونکہ عورت کی آواز عورت ہے۔ ۱۷
علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

نیز یہ صحیح یہ ہے کہ عورت کی آواز عورت نہیں ہے لیکن جب فقہ کا حرف ہو تو عورت کی آواز کو کان لگا کر منہ حرام ہے اور جب عورت کے دروازے پر دھنک دی جائے تو وہ نرم آواز سے جواب دے دے بلکہ کراخت آواز سے جواب دے۔
علامہ ابو عبد اللہ خطاب مالکی لکھتے ہیں:

عورتوں کا آواز بلند کرنا مکروہ ہے، عورتوں کا اذان دینا، بلند آواز سے نماز پڑھنا اور بلند آواز سے حج میں الہم بیک کہنا سب مکروہ ہے، علامہ لکھنوی نے کہا ہے کہ عورتوں کی اذان ممنوع ہے کیونکہ عورت کی آواز عورت ہے۔ علامہ خطاب مالکی کہتے ہیں کہ علامہ ابن رینس اور علامہ ابن ناجی وغیرہ نے بھی یہی کہا ہے کہ عورت کی آواز عورت ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ عورت کا آواز بلند کرنا عورت ہے کیونکہ صحابہ کرام اہل بیت المرین اور دیگر صحابیات سے احادیث روایت کرتے تھے۔ ۱۸

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عورتوں پر اذان اقامت نہیں ہے“ کیونکہ اذان اصل میں خبر دینے کے لیے ہے اور عورتوں کے لیے خبر دینا مشروع نہیں ہے، اور اذان میں آواز بلند کی جاتی ہے اور عورتوں کے لیے آواز بلند کرنا مشروع نہیں ہے۔ ۱۹
ہر چند کہ فقہاء شافعیہ کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ عورت کی آواز عورت نہیں ہے لیکن عورت کا آواز بلند کرنا ان کے نزدیک بھی ناجائز اور حرام ہے، شافعی مفسرین نے زیر بحث آیت کے تحت یہی لکھا ہے۔
امام رازی شافعی لکھتے ہیں:

عورت کو اتنی بلند آواز کے ساتھ کلام کرنے سے منع کیا گیا ہے جس کو اجنبی مرد سن لیں کیونکہ عورت کی اپنی آواز پازیب کی آواز سے زیادہ فقہ انگیز ہے اسی وجہ سے عورت کو اذان دینے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اذان میں آواز بلند کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور عورت کو آواز بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ۲۰
علامہ بیضاوی شافعی لکھتے ہیں:

- ۱۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۲ ص ۲۷۲، مطبوعہ مکتبہ فوریم رضویہ سکھر
- ۲۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، رد المحتار المطالبین ج ۲ ص ۲۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ
- ۳۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الخطاب مالکی متوفی ۹۵۴ھ، مواہب اللیل ج ۱ ص ۳۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ
- ۴۔ علامہ مونی الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۱ ص ۲۵۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ
- ۵۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۶۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

پازیب کی آواز سنانے سے منع کرنا عادت کے آواز کو بلند کرنے کی ممانعت پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔ ۱۵
جس طرح قرآن مجید میں عورت کے آواز بلند کرنے کی ممانعت بطور کٹائیہ اور مبالغہ ہے سو اسی طرح حدیث میں بھی عورت
کے آواز بلند کرنے کو کٹائیہ اور مبالغہ سے منع کیا ہے۔
اہم بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم التصفیق للنساء
والتسبیح للرجال۔ ۱۶

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (نساء میں امام کو متنبہ کرنے کے
لیے) عورتیں ہاتھ کی پشت پر ہاتھ ماریں اور مرد سبجان اللہ
کہیں۔

اس حدیث کو امام مسلمؒ اور امام ابو داؤدؒ نے بھی روایت کیا ہے۔ ۱۷
نماز میں امام کو متنبہ کرنے کے لیے بلند آواز سے سبجان اللہ کہا جاتا ہے اور چونکہ عورت کا نماز میں آواز بلند کرنا شرعاً
منوع اور مذموم ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو سبجان اللہ کہنے کی بجائے ہاتھ کی پشت پر ہاتھ مارنے کا حکم
دیا ہے۔ علامہ بدر الدین عینی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
شارح علیہ السلام نے عورت کے سبجان اللہ کہنے کو اس لیے مکروہ قرار دیا ہے کہ اس کی آواز فقہ ہے اس لیے
اس کو اخان، امامت اور نماز میں بلند آواز کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے سے منع کیا جاتا ہے۔ ۱۸
فاطمی قادری حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عورت کو تصفیق (ہاتھ کی پشت پر ہاتھ مارنے) کا حکم اس لیے دیا ہے کہ اس کی آواز عورت ہے۔ ۱۹
خلاصہ بحث یہ ہے کہ قرآن مجید میں عورت کو زمین پر ہاتھ مارنے سے منع کیا ہے تاکہ اس کی پازیب کی آواز اجنبی
مردوں کو نہ سنائی دے اور حدیث میں عورت کو نماز میں سبجان اللہ کہنے کی بجائے ہاتھ کی پشت پر ہاتھ مارنے کا حکم دیا ہے
اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عورت کا آواز کو بلند کرنا بھی منوع ہے۔ فقہاء و اخان کے نزدیک عورت کی آواز عورت ہے
اور جس طرح ماسواہ ضرورت کے وہ اجنبیوں پر چہرہ ظاہر نہیں کر سکتی اسی طرح وہ بیضرورت کے اجنبی مردوں پر اپنی آواز بھی ظاہر
نہیں کر سکتی اور فقہاء مالکیہ، فقہاء حنبلیہ اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک عورت کا آواز بلند کرنا منوع ہے اور پست اور کمرخت
آواز کے ساتھ بوقت ضرورت اجنبی مردوں سے کلام کر سکتی ہے۔

- ۱۵۔ علامہ ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بن حنفی شیری ازی متوفی ۲۸۵ھ، انوار التنزیل علی المشنحات فی تفسیر ج ۶ ص ۴۲، مطبوعہ دار صادر
- ۱۶۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶۰، مطبوعہ نور محمد امج المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
- ۱۷۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸۰، مطبوعہ نور محمد امج المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
- ۱۸۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۴۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۱۳۶، مطبوعہ مطبعہ مجتبیٰ پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ
- ۱۹۔ علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ الفقاری ج ۲ ص ۲۷۹، مطبوعہ ادارۃ الطباعة المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ
- ۲۰۔ علی سلطان محمد نقاری متوفی ۱۲۱۲ھ، مرقات ج ۳ ص ۱۰، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ

بوقت ضرورت عورت کا اجنبی مردوں سے کلام کرنے کا جواز | اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَاِذَا اسْتَلْتُمْوهن مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ
 (احزاب: ۵۳) سوال کرو تو پردے کے پیچھے سے سوال کرو۔

اس آیت میں یہ ہدایت ہے کہ مسلمان مرد امہات المؤمنین سے دینی مسائل کا سوال کر سکتے ہیں اور ان پر لازم ہے کہ وہ پردے کے پیچھے اور حجاب کی ادھ سے یہ سوالات کریں، اس سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت مسلم خواتین سے بھی پردے کی ادھ سے سوالات کیے جاسکتے ہیں، لیکن مسلم خواتین پر لازم ہے کہ وہ اجنبی مردوں سے نرم اور لچکدار لہجہ میں بات نہ کریں تاکہ کسی بیمار دل میں غلط خواہش نہ پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاٰحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنَّ
 اتَّقِيْتَنَّ فَلَا تَهْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي
 (احزاب: ۳۲) اے نبی کی اودھ! تم عام عورتوں کی مثل نہیں ہو اگر تم کو خدا کا خوف ہے تو نرم لہجے میں بات نہ کیا کرو جس سے بیمار دل میں کوئی (بڑی) خواہش پیدا ہو، عاف اور سیدھی بات کیا کرو۔

مہر خند کہ ان آیات میں انہات المؤمنین کو خطاب ہے لیکن اس کے حکم میں تمام مسلم خواتین شامل ہیں، ملائمہ ابو بکر رازی حنفی لکھتے ہیں: اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ باقی عورتیں بھی اجنبی مردوں سے ایسے لہجہ میں بات نہ کریں جس سے بلا طرا شخص کے دل میں بڑی خواہش پیدا ہو، اور وہ ان کے نرم اور لچک لہجہ سے یہ سمجھے کہ وہ اس کی طرف مائل ہیں اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ عورت گھر میں اتنی بلند آواز سے بات نہ کرے کہ اسی کو اجنبی مرد سُن لیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ عورت کے لیے اذان دینا ممنوع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے: وَلَا يَضْرِبْنَ بَآرِجِلِهِنَّ لِيَعْلَمَ مَا يَخْفَيْنَ مِنْ شَيْءٍ مِّنْ يُّبْتَغِيْنَ - اور عورتیں اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اس زنجیت کا لوگوں کو علم ہو جائے جو انھوں نے چھپا رکھی ہے، اور جب اس کے پائل کی جھٹکا بھی ممنوع ہے تو اس کی آواز تو زیادہ قہقہ انگیز ہے اور جو ان عورت کا اپنی آواز سنانا بطریق اولیٰ ممنوع ہے۔

قرآن مجید، احادیث اور فقہاء اسلام کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ جو ان عورتوں کا بلا ضرورت اجنبی مردوں سے کلام کرنا ممنوع ہے البتہ اگر شوہر یا محرم میسر ہو تو ضروریات زندگی کی غریبہ و فروعیت کے لیے یا علاج معالجہ یا گواہی کی ضرورت ہو یا دینی مسائل معلوم کرنے کی احتیاج ہو تو جو ان عورت پردے کی ادھ سے یعنی چہرے پر نقاب ڈال کر اجنبی مردوں سے گفتگو کر سکتی ہے، البتہ کسیر و تعریج اور بلا ضرورت خربلاری یا تعریج گپ شپ ٹپ کے لیے کسی جو ان اور خوبصورت عورت کا اجنبی مردوں سے گفتگو کرنے کا اسلام میں کوئی جواز نہیں ہے۔ اور بوڑھی عورتوں کو چونکہ اسلام نے چہرے سے نقاب اتارنے کی اجازت دی ہے اس لیے ان سے گفتگو کے معاملہ میں بھی اس قدر سختی نہیں ہے۔

عورتوں کو سلام کرنے یا ان کے سلام کا جواب دینے کا شرعی حکم | بوڑھی عورتوں کو ابتداءً سلام کرنا اور ان کے سلام کا جواب دینا دونوں اہم

جائز ہیں، کیونکہ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن سهل قال كنا نغمر بيوم الجمعة قلت ولم قال كانت عجويرة لنا ترسل الى بضاعة قال ابن مسلمة نخل بالمدينة فتأخذ من اصول السلق فتطرحه في قدر وتكركو حبات من شعير فاذا صلينا الجمعة انصرفنا نسلم عليها فتقدم اليها فنفسح من اجله وما كنا ثقيل ولا نتعدى الا بعد الجمعة .

حضرت اہل بن سدر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جمعہ کے دن بہت خوش ہوتے تھے راوی نے پوچھا کیوں؟ کہا ایک بوڑھی عورت بغاوت سے کچھ منگوائی (ابن مسلمہ نے کہا بغاوت مدینہ منورہ میں کچھ روٹی کا ایک باغ ہے) وہ بوڑھی عورت چھندروں کو دیکھی میں ڈالتی اور اس میں جوڑ کے دلنے بھی پیس کر ڈالتی جب ہم نماز جمعہ پڑھ کر فارغ ہوتے تو اس کے پاس جا کر اس کو سلام کرتے وہ اس سلام کو پیش کرتی، ہم اس کھانے سے بہت خوش ہوتے تھے اور ہم جمعہ کی نماز کے بعد ہی کھانا کھاتے تھے اور قیلہ کرتے تھے۔

اس حدیث میں بوڑھی عورت کو صحابہ کے سلام کرنے کا ذکر ہے، سو بوڑھی عورت کو سلام کرنے اور اس کے سلام کا جواب دینے اور اس سے بات چیت میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بوڑھی عورتوں سے حجاب کے احکام میں تخفیف کی ہے اور یہ حدیث اس کے جواز کی دلیل ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ جو ان عورتوں کے علاوہ دیگر عورتوں کو سلام کرنا جائز ہے، کیونکہ جو ان عورتوں سے گفتگو کرنے میں نظر کے بہک جانے اور شیطانیوں کے پھسلانے کا اندیشہ ہے، یہ قاعدہ کا قول ہے اور یہی امام مالک اور دیگر فقہاء کا مسلک ہے۔ کفر کے فقہاء (یعنی فقہاء حنفیہ) نے کہا ہے کہ مرد غیر محرم عورتوں کو سلام نہ کریں۔

علامہ الحسکفی حنفی لکھتے ہیں:

اجنبی عورت سے کلام نہ کرے ہاں اگر بوڑھی عورت ہو تو اس کو چھیک آنے یا سلام کرے تو اس کو چھیک کا اور سلام کا جواب دے اور اگر بوڑھی عورت نہ ہو تو اس سے سلام اور کلام نہ کرے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

غنائیہ میں ہے جب اجنبی عورت کسی مرد کو سلام کرے تو اگر وہ عورت بوڑھی ہو تو مرد اس کو بلند آواز کے ساتھ زبان جواب

۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۳، مطبوعہ نور محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۲۔ علامہ بدرالدین ابو محمد محمد بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، حاشیہ القاری ج ۲ ص ۲۲۵، مطبوعہ دارۃ الطباعة المینرہ مصر، ۱۳۴۸ھ

۳۔ علامہ علاؤ الدین الحسکفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی ہاشمی رواد المتجدد ج ۵ ص ۳۲۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

یہ حدیث احکام جہاد نازل ہونے سے پہلے کے واقعہ پر محمول ہے، یا بوڑھی عورتوں پر محمول ہے یا پھر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے: حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ طبری نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ سے مامون تھے، پس جس شخص کو اپنے نفس پر سلامتی کا اعتماد ہو وہ سلام کرے ورنہ خاموش رہے۔^۱
 علامہ طبری لکھتے ہیں:

ابن الملک نے کہا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ آپ فتنہ سے مامون تھے، آپ کے علاوہ کسی اور شخص کے لیے اجنبی عورت کو سلام کرنا مکروہ ہے، ہاں ایسی بوڑھی عورت جو فتنہ کا محل نہ ہو اس کو سلام کیا جاسکتا ہے، اگر جوان عورت کو سلام کرے تو اس کو جواب نہ دیا جائے یہی صحیح قول ہے۔^۲
 خلاصہ یہ ہے کہ جوان عورت کو سلام کرنا یا اس کے سلام کا جواب دینا یا اس سے بلا ضرورت گفتگو کرنا جائز نہیں ہے، اور بوڑھی عورت کو سلام کرنا اس کے سلام کا جواب دینا اور اس سے غیر ضروری گفتگو کرنا جائز ہے، اسی طرح بوڑھی عورت کا جوان مرد سے اور جوان عورت کا بوڑھے مرد سے معاملہ ہے، عورت سے سلام و کلام کی بحث کے بعد اب ہم عورت کے گھر سے نکلنے کے متعلق احکام شریعیہ بیان کریں گے۔ **فَقَوْلُهَا لِلَّهِ التَّوَضُّعُ وَبِهِ الْاِسْتِعَانَةُ يَلِيْقُ۔**
عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے کے متعلق قرآن مجید کا حکم اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى۔ (احزاب: ۳۳)
 اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور پراپی جاہلیت کی بے پردگی کے ساتھ نہ رہو۔

لفظ قرآن یا قرار سے جاسے یا قرار سے یعنی عورتوں سے فرمایا ہے کہ وہ گھروں میں ٹھہری رہیں یا چین اور سکون سے گھروں میں رہیں، دونوں اعتبار سے اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ عورت کا اصل دائرہ عمل اس کا گھر ہے اس کو اسی دائرے میں رہ کر سکون سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی چاہئیں اور غیر شرعی ضرورت کے گھر سے نہیں نکلنا چاہیے، امام بزار اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عورتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ساری تفصیلات تو مردوں نے لوٹ لی وہ جہاد کرتے ہیں اور بلا خدا میں بڑے بڑے کام کرتے ہیں ہم کیا عمل کریں جس سے ہمیں بھی مجاہدین کے برابر اہر مل جائے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو عورت گھر کے اندر بیٹھی ہو وہ مجاہدین کے برابر اہر پائے گی اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مجاہد میدان جہاد میں اسی وقت دل جمعی کے ساتھ لڑ سکتا ہے جب وہ اپنے گھر کے بارے میں پوری طرح مطمئن ہو کہ اس کی بیوی گھر میں اس کی عزت کی امین ہے اور امور خداداد کی صحیح نگہداشت کر رہی ہے اور عورت مرد کو جزیہ المینان فراہم کرتی ہے اس وجہ سے وہ بھی مرد کے جہاد میں برابر کی حصہ دار ہے، نیز امام بزار نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ عورت مکمل واجب الستر ہے جب وہ

۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱ ص ۳۲-۳۳، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، بیروت ۱۴۰۱ھ۔

۲۔ علامہ ابن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرآت ج ۹ ص ۵۲، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ بلستان، ۱۳۹۰ھ۔

(گھر سے) نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے، اور وہ اللہ کی رحمت سے اس وقت زیادہ قریب ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر میں ہو۔ اس جگہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب کسی شرعی ضرورت کے بغیر عورت کا گھر سے نکلتا جائز نہیں ہے تو پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جنگ جمل کے موقع پر گھر سے باہر کیوں نکلی تھیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اجتہاد ہی غلطی تھی، انھوں نے اس سے رجوع کر لیا۔ امام ابن سعد نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ جب قرآن مجید کی تلاوت کے دوران وقوت فیہو تکس پر پہنچتی تھیں تو اس قدر روق تھیں کہ آپ کا دوپٹہ بھیگ جاتا تھا۔ لے نیز امام ابن ابی شیبہ تھیں سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے ساتھ دفن کرو کیونکہ میں نے آپ کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے۔ لے

حبلی مفسرین کے نزدیک عورت کے گھر سے باہر نکلنے کا حکم [ما فظ ابن کثیر حبلی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:]

اس آیت میں عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے گھر میں پابند رہیں اور بغیر کسی حاجت شرعیہ کے گھر سے باہر نہ نکلیں، حاجت شرعیہ میں سے مسجد میں نماز کے لیے جانا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی بندہوں کو اللہ کے مساجد میں جانے سے نہ روکو اور عورتیں خوشبو لگانے بغیر مسجد میں جائیں انھیں ان کا گھر میں نماز پڑھنا ان کے لیے زیادہ بہتر ہے، حافظ ابوبکر بزار نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عورتوں نے آکر عرض کیا: یا رسول اللہ! زیادتی اجر اور جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت کو تو مردے لے گئے، ہمارے لیے ایسا کون سا عمل ہے جس سے ہم راہ خدا کے مجاہدین کے اجر کو حاصل کر سکیں۔ آپ نے فرمایا تم میں سے جو عورت اپنے گھر میں بیٹھی گی وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین کے اجر کو پائے گی! نیز امام بزار نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت واجب الستر ہے، جب وہ (گھر سے) نکلتی ہے تو اس کو شیطان تاکتا ہے، اس کا اپنے گھر کے اندر بیٹھا اپنے رب کی رحمت کے حصول کے زیادہ قریب ہے، اور امام ابو داؤد نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کا اپنی کوٹھری میں نماز پڑھنا اپنے دلان میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، الحدیث، حافظ ابن کثیر نے تبرج کی تفسیر بیان کی ہے کہ عورت اپنے سر پر دوپٹہ ڈالے اور اس کو لپیٹے نہیں اور اس کا ہار اور دیگر زیورات کھلے ہوئے ہوں یعنی وہ اپنے بناؤ سنگھار کی فائش کرے۔ لے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو دو حکم دیے ہیں بلا ضرورت شرعیہ گھر سے باہر نہ نکلیں اور اپنا بناؤ سنگھار اجنبی مردوں پر ظاہر نہ کریں۔

۱۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الحدادی متوفی ۸۰۰ھ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۵، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

۲۔ امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ، طبقات کبری ج ۸ ص ۸۱، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ

۳۔ حافظ ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۱۵ ص ۲۶۰، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۲ھ

۴۔ حافظ ابوالفضل عماد الدین ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۲۵۲-۲۵۱، مطبوعہ دارالاندلس بیروت، ۱۳۸۵ھ

مالکی مفسرین کے نزدیک عورت کے گھر سے باہر نکلنے کا حکم اور واقعہ جمل میں حضرت عائشہ کے باہر نکلنے کی وضاحت

علامہ ابو عبدہ اللہ مالکی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ عورتیں گھروں میں پابند رہیں ہر چند کہ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے خطاب ہے لیکن دوسری عورتیں اس آیت کے حکم میں معنی داخل ہیں اور تمام عورتیں اس حکم میں کیونکہ نکلنے داخل نہیں ہوں گی جب کہ شریعت نے تمام عورتوں کو گھر میں پابند رہنے کا حکم دیا ہے، اور بغیر ضرورت کے ان کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی، اور تبرج کا اہم معنی یہ ہے کہ وہ اپنا بناؤں سنگھار اظہار نہ کریں۔

علامہ قرطبی مزید لکھتے ہیں کہ ثعلبی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب اس آیت کو پڑھیں تو اس قدر روتیں کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے جھجک جاتا اور ثعلبی نے یہ ذکر کیا ہے کہ ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے کہا آپ حج اور عمرہ کیوں نہیں کرتیں جس طرح آپ کی دیگر بہنیں کرتی ہیں؟ حضرت سودہ نے فرمایا میں حج اور عمرہ کر چکی ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے گھر میں ٹھہرنے کا حکم دیا ہے، لہذا میں نے کہا خدا کی قسم حضرت سودہ اپنے گھر کے دروازے سے نہیں نکلیں حتیٰ کہ ان کا جنازہ نکلا۔ علامہ ابن عطیہ نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایام حبل میں اپنے سفر کے سبب سے روتی تھیں، جس وقت حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گھر میں ٹھہرنے کا حکم دیا ہے۔ رافضی حضرت عائشہ پر یہ طعن کرتے ہیں کہ انھوں نے جنگ جمل میں شمولیت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی، حضرت عثمان کے محاصرے کے ایام میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ مدائن ہرمیں تو مروان نے آپ سے کہا اے ام المؤمنین آپ یہیں ٹھہریے کیونکہ لوگوں میں صلح کرانا آپ کے حج کرنے سے بہتر ہے، علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ فتنہ سے پہلے حضرت عائشہ نے حج کرنے کی نذر مانی تھی اس لیے آپ نے حج کیا تھا اور جنگ جمل میں آپ کی شمولیت کی وجہ یہ تھا کہ لوگوں نے آپ سے مسلمانوں کے قتل عام اور اس عظیم فتنہ کی شکایت کی، اور آپ کی برکت کی طمع میں آپ سے جنگ میں شامل ہونے کی درخواست کی ان کو یہ امید تھی کہ جب آپ لوگوں کے سامنے آئیں گی تو لوگ آپ سے پیادہ کریں گے، آپ کا بھی یہی گمان تھا اس لیے آپ نے ان کی درخواست منظور کر لی اس وقت آپ کے پیش نظر قرآن مجید کی یہ آیات تھیں:

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ اَلَا مَنْ اَمَرَ
بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوفٍ اَوْ اَصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ
يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتَغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ
نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (نساء ۱۱۳)

لوگوں کی خفیہ سازشوں میں (عمرتا) کوئی خیر نہیں
ہوتی۔ البتہ اگر کوئی پوشیدہ طور پر صدقہ اور خیرات کا حکم
دے، یا چپکے سے کسی نیکی کا حکم دے، یا مسلمانوں کے
مناقشات میں اصلاح کے لیے کسی سے کچھ کہے (توبہ
اچھی بات ہے) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے
لیے ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

اور چونکہ اصلاح بنی انسان ایک عظیم الشان عبادت ہے اس لیے حضرت عائشہ میدان میں آئیں کہ ممکن ہے ان کے اس اقدام سے مسلمانوں کے دلوں میں صلح ہو جائے، مسلمان آپ کے مقام کا لحاظ کر کے جنگ سے باز آجائیں لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا

بَيْنَهُمَا۔ (حجرات: ۹) کرا دو۔

اس آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ صلح کر لیں اور یہ حکم تمام مردوں اور عورتوں کو شامل ہے، اس وجہ سے حضرت عائشہ مسلمانوں میں صلح کرانے کی غرض سے میدان میں آئیں لیکن تقدیر میں صلح نہ ہونا مقدر تھا اور جنگ جابجا رہی اور فریقین کا خون بہتا رہا حتیٰ کہ بعض لوگوں نے اس اونٹ کی کوچیں کاٹ دیں جس پر آپ سوار تھیں اور جب اونٹ اپنے پہلو پر گر گیا تو محمد بن ابی بکر نے حضرت عائشہ کو سنبھالا اور ان کو تیس عورتوں کی مصیبت میں بصرے سے لگے، حضرت علی نے ان کو معہرا یا پھر عزت اور احترام کے ساتھ مدینہ پہنچا دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مجتہدہ تھیں ان کی نیک نیت اور صلح تھی اور ان کا اجتہاد برحق تھا اور قرآن مجید کی جن آیات میں اجتہاد کے وہ میدان میں آئی تھیں اس کا وجہ سے ان کو انشاء اللہ اجر ملے گا۔ بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر مشکف ہو گیا کہ ان کا یہ فیصلہ صحیح نہیں تھا اس لیے وہ اس پر ہمیشہ نادم رہیں اور جب اس آیت کی تلاوت کرتیں تو بے اختیار روتی تھیں۔

شافعی مفسرین کے نزدیک عورت کے گھر سے باہر نکلنے کا حکم امام رازی شافعی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے

قرن کا لفظ قرار یا وقار سے ناغذ ہے یعنی عورتیں گھروں میں پابند رہیں، اور تبرج کی ممانعت سے یہ مراد ہے کہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔ علامہ خازن شافعی لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں پابند رہیں اور تبرج کی ممانعت سے یہ مراد ہے کہ اجنبی مردوں کے سامنے اپنی زینت اور محاسن کو ظاہر نہ کریں۔

حنفی مفسرین کے نزدیک عورت کے گھر سے باہر نکلنے کا حکم اور واقعہ جمل میں حضرت عائشہ کے باہر نکلنے کی وضاحت

۱۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲ ص ۱۸۲-۱۸۹، المصنف مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، بیروت۔
 ۲۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۴۲ھ، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۵۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ۔
 ۳۔ علامہ ابن عبد الغنی شافعی متوفی ۴۵۲ھ، تفسیر خازن ج ۳ ص ۲۹۹-۲۹۸، مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت۔

علامہ آوسی مکتبی لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے ازدواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو گھروں میں پابند رہنے کا حکم دیا ہے اور باقی عورتوں سے بھی یہی مطلوب ہے کیونکہ امام ترمذی اور امام بزار نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت واجب الاستتر ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے اور وہ اپنے رب کی رحمت کے اس تحت زیادہ قریب ہوتی ہے، جب وہ اپنے گھر کے اندر ہو، نیز امام بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عورتوں نے حاضر ہو کر کہا ہر دفعیلت اور جہادنی سبیل اللہ کے اجر کو دے گئے، ہمارے لیے بھی ایسا کوئی عمل ہے جس سے ہم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین کے اجر کو حاصل کر لیں، آپ نے فرمایا تم میں سے جو عورت اپنے گھر کے اندر بیٹھی کی وہ راہِ خدا میں جہاد کرنے والے مجاہدوں کے اجر کو پائے گی، عورتوں پر (بلا ضرر و تکلیف) گھر سے باہر نکلتا حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے، اگر عورتیں زیارتِ قبر کے لیے جائیں تو اس کا فساد زیادہ ہے، اللہ اگر وہ مسطر اور مزین ہو، مگر مساجد میں جائیں تو یہ مکروہ ہے، البتہ عورتوں کے لیے حج اور والدین کی زیارت، بیماروں کی عیادت اور رشتہ داروں کی تعزیت کے لیے جانا جائز ہے اور اس کے لیے حجاب اور دیگر شرائط کی پابندی ضروری ہے۔

علامہ آوسی مکتبی لکھتے ہیں کہ شیعہ نے اس آیت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر طعن کیا ہے کہ وہ مدینہ سے مکہ کی طرف گئیں اور وہیں پر واقع جبلِ پیش آیا، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ازدواجِ مطہرات کو گھر میں پھیرنے کا حکم دیا تھا اور گھر سے نکلنے سے منع فرمایا تھا اور حضرت عائشہ نے اس حکم کی مخالفت کی، اس کا جواب یہ ہے کہ گھر کے اندر رہنے کا حکم مطلقاً ہے نہ گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت مطلقاً ہے، اگر یہ ممانعت مطلقاً ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ازدواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو حج، عمرہ اور غزوات میں اپنے ساتھ نہ لے جاتے اور ان کو والدین کی زیارت، بیماروں کی عیادت اور رشتہ داروں کی تعزیت کی اجازت نہ دیتے، اور یہ تمام امور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے سوا دیگر ازدواجِ مطہرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حج کیا اور حضرت سلی اور دیگر صحابہ میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا، اور حدیث صحیحہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد فرمایا: تمہیں اپنی ضرورت کی بنا پر گھر سے باہر نکلنے کی اجازت ہے اس سے معلوم ہوا کہ ازدواجِ مطہرات کو گلیوں اور بازاروں میں گھومنے سے منع کیا ہے اور حج یا کسی اور دینی مصلحت کی بنا پر مستر اور حجاب کے ساتھ ان کا گھر سے باہر نکلتا ممنوع نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مدینہ سے مکہ حج کے لیے گئی تھیں جیسا کہ حضرت سلمہ اور حضرت صفیہ بھی حج کے لیے جا چکی تھیں، مکہ میں جانے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان کے قتل کی خبر سنی اور یہ معلوم ہوا کہ قاتلین عثمان حضرت علی کے پاس جمع ہو گئے ہیں، اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہت شدید رنج ہوا اور انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ اب مسلمانوں کی جمیعت ٹوٹ جائے گی اور ان میں فتنہ اور فساد برپا ہو گا، اسی اثناء میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر، حضرت کعب بن عجرہ اور دیگر معزز صحابہ قاتلین عثمان کے برپا کیے ہوئے فتوں کے سبب مدینہ منورہ سے بھاگ کر مکہ مگر مآ گئے، کیونکہ انھوں نے دیکھا کہ قاتلین عثمان اپنے اس فعلِ قبیح پر بہت فخر کر رہے تھے، اور انھوں نے

حضرت عثمان کو برسر عام بڑا بھلا کہنا شروع کر دیا تھا، جس کی وجہ سے ان صحابہ کرام کے دل بہت آزمودہ ہوتے تھے اور جب ان صحابہ نے یہ دیکھا کہ وہ ان لوگوں کو اس بڑائی سے روکنے پر قادر نہیں ہیں تو وہ کمر میں حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پناہ میں آ گئے، انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان تمام حالات اور واقعات سے مطلع کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میرے نزدیک مصلحت اس میں ہے کہ تم لوگ اس وقت تک مدینہ منورہ واپس نہ جاؤ جب تک ظلم حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی مجلس کو گھیرے ہوئے ہیں اور حضرت علی ان لوگوں کو اپنی مجلس سے دور کرنے اور حضرت عثمان کا قصاص لینے پر قادر نہیں ہیں سو تم اس عرصہ کسی اور شہر میں قیام کرو اور اس وقت کا انتظار کرو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قوت اور شوکت حاصل ہو اور وہ ان لوگوں سے انتقام لے سکیں، ان صحابہ نے اس رائے کو پسند کیا اور انھوں نے بصرہ جانے کی تجویز پیش کی کیونکہ وہاں لشکر اسلام کی چھاؤنی تھی اور انھوں نے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی شدید امر کیا کہ وہ بھی ان کے ساتھ بصرہ چلیں اور جب تک فتنہ و فساد نہیں ہو جاتا ان کے ساتھ بصرہ میں رہیں، ان کا خیال تھا کہ بصرہ میں حضرت عائشہ کا زیادہ احترام ہوگا، حضرت عائشہ مصلحت وقت اور ان صحابہ کی حفاظت کے خیال سے بصرہ روانہ ہو گئیں، آپ کے ساتھ آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیر اور ان کے علاوہ دیگر بھائی بھی تھے جو حضرت ام کلثوم زوجہ طلحہ اور حضرت اسماء زوجہ زبیر کے بیٹے تھے بلکہ اس سفر میں جو بھی آپ کے ساتھ تھے وہ سب آپ کے محرم اور آپ کے روحانی فرزند تھے، آپ لوہے کے ایک مودج میں سوار تھیں۔

تاتلین عثمان سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بصرہ جانے کی خبر کو توڑ مڑ کر پیش کیا اور یہ ظاہر کیا کہ یہ لوگ آپ کے خلاف جنگ کرنے جا رہے ہیں اور حضرت علی کو ان پر حملہ کرنے اور ان کو سزا دینے پر برا بھلا کہنا کیا، اس کے برخلاف حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے یہ مشورہ دیا کہ ان پر اس وقت تک حملہ نہ کیا جائے جب تک کہ محدث حال پوری طرح واضح نہ ہو جائے، حضرت علی نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا اور تقدیر کا کھکا ہوا پورا ہو کر رہا، حضرت علی روانہ ہوئے وہاں حاکم آپ کے ساتھ یہ تمام اشرار اور اہل فتنہ تھے۔ جب آپ بصرہ کے قریب پہنچے تو آپ نے قنعاں کو حضرت ام المؤمنین، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان کے عزائم معلوم کر کے حضرت امیر المؤمنین کو بتلائیں، قنعاں نے حضرت ام المؤمنین سے کہا اے ام المؤمنین آپ کس مقصد سے اس شہر میں آئی ہیں؟ آپ نے فرمایا اے بیٹے! میں لوگوں میں صلح کرانے آئی ہوں! پھر آپ نے قنعاں کو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے پاس بھیج دیا، قنعاں نے ان سے پوچھا مجھے بتلاؤ کہ صلح کا کیا طریقہ ہوگا؟ ان دونوں نے کہا کہ تاتلین عثمان پر جد قائم کی جائے اور ان کے وارثوں کے دلوں کو ٹھنڈا کیا جائے، اس سے امن قائم ہوگا اور ان کو سزا دینا بعد کے لوگوں کے لیے عبرت کا سبب ہوگا، قنعاں نے کہا یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمام مسلمان متفق اور متحد نہ ہو جائیں اور امن اور سکون قائم نہ ہو جائے سو تم اس وقت تک انتظار کرو، ان دونوں نے کہا تم نے ٹھیک کہا اور صحیح فیصلہ کیا، قنعاں حضرت امیر المؤمنین کے پاس واپس پہنچا اور ان کو اس جواب سے مطلع کیا، حضرت علی یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اپنے ساتھیوں سے واپس چلنے کے لیے کہا اور تین دن ٹھہرے تاکہ صلح کے معاملے میں کسی کو شک نہ رہے، چوتھے دن کی رات تھی جس کی صبح کو حضرت طلحہ حضرت زبیر کی حضرت علی سے صلح کے معاملات پر حتمی بات چیت ہونے والی تھی، اور تاتلین عثمان

پر یہ صلح بہت گراں تھی اور وہ بہت مضطرب اور سہمے ہوئے تھے ان کو اپنا انجام صاف نظر آ رہا تھا انہوں نے یہ سازش لگا کر حضرت علیؓ کا طرف سے ہچانک حضرت عائشہؓ کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا جائے گا کہ یہ ظاہر ہو کہ حضرت علیؓ نے دھوکا دیا اور عہد شکنی کی پھر حضرت علیؓ کے لشکر پر حملہ کریں گے اور لوگ یہ گمان کریں گے کہ انہوں نے عہد شکنی کی ہے پھر ان میں جنگ چھڑ جائے گی سو انہوں نے اس سازش کے مطابق کارروائی کی، پھر حضرت عائشہؓ کے ساتھیوں نے حضرت علیؓ کے لشکر پر حملہ کر دیا اور ان فاتحوں نے شور مچایا کہ حضرت عائشہؓ کے ہمراہیوں نے عہد شکنی کی ہے اور پھر جنگ چھڑ گئی اس واقعہ کو طبری اور جمہور ثقفی مؤرخین نے اسانید متقدمہ کے ساتھ حضرت حسن، حضرت عبداللہ بن جعفر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پہلے بار جو گھر سے نکلیں تو اپنے مہارم کے ساتھ حج کے لیے گئی تھیں، اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا، اور دوسری بار جب آپؓ مکہ سے بصرہ گئی تھیں تو آپؓ مسلمانوں کا صلح کے قصد سے گئی تھیں اور مسلمانوں میں صلح کرانا اعلیٰ حج سے کم نہیں ہے اور اس سفر میں جو کچھ پیش آیا وہ حضرت عائشہؓ کے وہم و گمان میں نہیں تھا اس کے باوجود حضرت عائشہؓ کو اپنے سفر پر انتہائی ہلاکت رہی، روایت ہے کہ آپؓ ایام جمل کو یاد کر کے اس قدر روتی تھیں کہ آپؓ کا دوشہ بھینگ جاتا تھا بلکہ عبداللہ بن احمد نے زوائد نہد میں اور ابن منذر، ابن ابی شیبہ اور ابن سعد نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب وقرن فی بیوتہا کی تلاوت کرتیں تو آپؓ کا دوشہ آنسوؤں سے بھینگ جاتا ہے کیونکہ اس آیت کریمہ سے آپؓ کو وہ واقعہ یاد آتا جب دونوں طرف سے بہت سارے مسلمان شہید ہو گئے تھے، اسی طرح حضرت علیؓ بھی اس حادثہ پر افسوس کرتے تھے کیونکہ جنگ کے بعد جب حضرت علیؓ نے طرفین کا لاشیں بھینچیں تو افسوس سے اپنے زانو پر ہاتھ تھارتے اور کہتے کاش میں اس سے پہلے مر جاتا اور بھولا بھرا ہوتا۔

حضرت عائشہؓ جو اس آیت کو پڑھ کر روتی تھیں اس کا وجہ یہ بھی ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بشمول حضرت عائشہؓ اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا تم میں سے کسی ایک پر حوائب کے کتے بھونکیں گے، حضرت عائشہؓ نے بصرہ روانگی کے وقت یہ نہیں پڑھا تھا کہ راستہ میں مقام حواب آئے گا یا نہیں، حتیٰ کہ راستہ میں ایک جگہ پانی کے پاس کتے بھونکنے لگے، آپؓ نے محمد بن طلحہ سے پڑھا اس پانی کا کیا نام ہے؟ انہوں نے کہا حواب، آپؓ کو وہ حدیث یاد آ گئی اور آپؓ نے فرمایا مجھے واپس لے چلو اور آپؓ نے اگلے زمانہ ہونے سے انکار کیا اور واپسی کا قصد کیا لیکن آپؓ کے ہمراہیوں میں سے اکثریت اس سے متفق نہیں ہوئی اور جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا، پس حضرت عائشہؓ اس لیے افسوس کرتی تھیں کہ انہوں نے رخصت ہونے سے پہلے یہ معلوم کیوں نہ کر لیا کہ راستہ میں مقام حواب آئے گا یا نہیں۔

عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت کے متعلق احادیث | حافظ البیہقی بیان کرتے ہیں:

۱۔ امام محمد بن سعد متوفی ۲۴۰ھ، طبقات کبریٰ ج ۸ ص ۸۱، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ

۲۔ عائشہ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ، المصنف ج ۱۵ ص ۲۶۰-۲۵۹، مطبوعہ دار الفکر کراچی، ۱۴۰۶ھ

۳۔ علامہ ابو الفضل سید محمد زکریا متوفی ۱۲۰۰ھ، درج المعانی ج ۲۲ ص ۱۱۱، ملخصاً، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه عن النبي
صلى الله عليه وسلم قال المرأة عورة وانها اذا
خرجت استشرفها الشيطان وانها اقرب ما تكون
الى الله وهي في قعر بيتها رواه الطبراني في الكبير
ورجاله موثقون له

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت واجب الستر ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے قرشیطان اس کو تھامتا ہے وہ اپنے رب کی رحمت کے اس وقت زیادہ قریب ہرقت ہے جب وہ اپنے گھر کی کھڑکی میں ہو۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ ۷۷
 نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن أبي موسى عن النبي صلى الله عليه وسلم
قال كل عين ذانية والمرأة اذا استعطرت
فمرت بالمجلس فهي كذا وكذا يعني ذانية
وهذا حديث حسن صحيح - رحمه الله

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر آنکھ زنا کار ہے اللہ
جب کوئی عورت خوشبو لگا کر کسی مجلس سے گزرے
تو وہ ایسی ایسی ہے یعنی زنا کار ہے یہ حدیث حسن
صحیح ہے۔

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

عن الأشعري قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ايما امرأة استعطرت فمرت على قوم ليجدوا من ريحها فهي بذاتية ربك

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرے تاکہ انہیں اس کی خوشبو اُسے نہ زانیہ ہے۔

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔
حافظ البیہقی بیان کرتے ہیں:

عن عبد الله بن مسعود قال إنما النساء
عورة وإن المرأة لتخرج من بيتها وما لها من
باس فيستشرفها الشيطان فيقول انك
لا تخرج من باحدا إلا اعجبتك وإن المرأة لتلبس

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عورتیں واجب والستر ہیں جو عورت اپنے گھر سے بلا حجاب نکلتی ہے شیطان اس کو تانکا ہے اور یہ کہتا ہے توجس شخص کے پاس سے بھی گزرے گی اس کے دل

۱۰ - حافظ نورالدین علی بن ابی بکر البیہقی متوفی ۸۰۰ھ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۵، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ

۱۲۔ امام ابوعلی محمد بن علی ترغذی متوفی ۱۸۹ھ جامع ترغذی ص ۱۸۹، مطبوعہ نور محمدیہ کارخانہ تنبیات کتب کراچی

۲۹- " " " جامع ترمذی ص ۲۹۶

۷۷۔ امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ سنن نسائی ج ۲ ص ۲۴۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تنہارت کتب کراچی

۵۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ہجری مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

ثيابها فيقال اين تريدين فتقول اعود وديعا
او اشهد جنائنا او ااصلى في مسجد وما
عميدات امرأة دبعها مثل ان تعبد في بيتها
دواء الطبراني في الكبير ورجاله ثقات له

کو بھل گئے گی، اور عورت اپنے کپڑے پہن کر نکلتی ہے اس
سے کہا جاتا ہے تم کہاں جا رہی ہو، وہ کہتی ہے میں بیمار
کی عیادت کرنے جا رہی ہوں یا جنازہ پڑھنے جا رہی ہوں
یا مسجد میں ناز پڑھنے جا رہی ہوں، اور عورت کے گھر میں نماز
پڑھنے کی مانند اس کی کوئی عبادت نہیں ہے اس حدیث کو
امام طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے تمام
راوی ثقہ ہیں۔

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ۱۰
ادائل اسلام میں زخیوں کی تیمارداری اور بیماروں کو پانی پلانے کے لیے عورتیں حجاب کے ساتھ غزوات میں
شریک ہوتی تھیں لیکن بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو غزوات میں جانے سے منع کر دیا۔
حافظ ابیہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن ام كبشة انها قالت يا رسول الله اتأذن
ان اخرج في جيش كذا وكذا قال لا قالت
يا رسول الله انه ليس اريد ان اقاتل انما
اريد اداوى الجرحى والمرضى او استقى
المرضى قال لولا ان تكون سنة ويقال فلانة
خرجت لا ذنت لك ولكن اجلسي رواه
الطبراني في الكبير والادوية ورجاله رجال
الصحيح - ۱۱

حضرت ام کبشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں انھوں
نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے فلاں فلاں لشکر میں
جانے کی اجازت دیتے ہیں، آپ نے فرمایا نہیں! انھوں
نے کہا یا رسول اللہ میرا لڑنے کا ارادہ نہیں ہے میں تو
صرف زخمیوں اور بیماروں کو دوا دوں گی یا بیماروں کو پانی
پلاؤں گی، آپ نے فرمایا اگر مجھے یہ حد شہ نہ ہوتا کہ آگے
چل کر یہ چیز ام شری بن جائے گی اور اس سے راستہ لال
کیا جانے لگے گا کہ فلاں عورت جہاد میں گئی تھی تو میں تم کو اجازت
دے دیتا لیکن تم اپنے گھر میں (بیٹھو، اس حدیث کو امام
طبرانی نے کبیر الادویہ میں روایت کیا ہے اور اس کے
راوی صحیح ہیں۔

مساجد میں عورتوں کے جانے کے متعلق احادیث | امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم - حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی

- ۱۰ - حافظ زہد الدین علی بن ابی بکر ابیہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۵، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ
۱۱ - حافظ ابو بکر عبد الشریف محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۲ ص ۳۸۴، مطبوعہ ادارة القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ
۱۲ - حافظ زہد الدین علی بن ابی بکر ابیہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۲۴-۳۲۵، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

عن زید بن خالد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تمنعوا إماء الله مساجد الله وليخرجن وهن ثقلات. ۲۵

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی بندویں کو اللہ کے مساجد میں جانے سے منع نہ کرو، عورتوں کو چاہیے کہ وہ بغیر غریبہ لگائے جاتیں۔

عن ام سلمة عن رسول الله صلى الله عليه
وسلم قال خير مساجد النساء قعريوتهن
رواه احمد وابو يعلى ر

عن ام حميد قالت قلت يا رسول الله
 يستعنا اذ واجنا ان تصلي معك ونحب الصلوة
 معك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم
 صلواتكن في ميوتكن افضل من صلاتكن في
 حجركن وصلاتكن في حجركن افضل من صلاتكن في
 دوركن وصلاتكن في دوركن افضل من صلاتكن
 في الجماعة رواه الطبراني في
 الكبير وفيه ابن لهيعة وفيه
 كلامه عليه السلام

" " " " " مجمع الزوائد ج ٢ ص ٣٤ " " "

امام ابن ابی شیبہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ۱۷
امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم
قال صلوة المرأة في بيتها افضل في حجرتها
وصلاتها في محضها افضل من صلواتها في
بيتها۔ ۱۸
ما نفا الهيئتي بيان کرتے ہیں:

عن سليمان بن ابی حنيفة عن ابيه قال
رايت النساء القواعد يعصين مع رسول الله
صلى الله عليه وسلم في المسجد رواة الطبراني
في الكبير وفيه عبد الكريم بن عمار وهو ضعيف۔ ۱۹
سليمان بن ابی حنيفة اپنی والدہ سے روایت کرتے
ہیں وہ کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا بوڑھی عورتیں مسجد میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عائشة قالت لو ادرك رسول الله صلى
الله عليه وسلم ما احدثت النساء لمنعهن
المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل فقلت
لعمر الله او منعن قالت نعم۔ ۲۰
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا عورتوں نے
جو روناؤ سنگھار اب ایجاد کیا ہے اگر اس کو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے
سے اس طرح روک دیتے جس طرح بنو اسرائیل کی عورتوں
کو مسجد میں جانے سے روک دیا گیا تھا۔ راوی نے عمرہ
سے پرچھا: کیا ان کو روک دیا گیا تھا؟ فرمایا: ہاں!

اس حدیث کو امام عبدالرزاق نے بھی روایت کیا ہے۔ ۲۱

- ۱۷۔ حافظ ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ، المصنف ج ۲ ص ۳۸۴، مطبوعہ دار الفکر القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ
۱۸۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۵۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۸۴، مطبوعہ مطبعہ محبتی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ
۱۹۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۰ھ، نخب الزوائد ج ۲ ص ۳۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۲ھ
۲۰۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۰، مطبوعہ نور محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
۲۱۔ امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۵۵ھ، المصنف ج ۲ ص ۱۵۰، مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

مساجد میں عورتوں کے جانے کے متعلق فقہاء غنبدیہ کا نظریہ | علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

کے لیے جانا جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عورتیں نماز پڑھتی تھیں وہاں تک کہ وہ چاروں میں پٹی ہوئی ہوتی تھیں اور اندھیرے میں ان کو پہچانا نہیں جاتا تھا، اور امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی بندوں کو مسجد میں جانے سے نہ روکو اور وہ بیخوش ہو گئے ناز کے لیے جائیں، نیز امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی بندوں کو مسجد میں جانے سے نہ روکو اور ان کا گھر میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے اور امام ابو داؤد نے روایت کیا کہ عورتوں کا گھر میں نماز پڑھنا، حویلی میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور کھڑکی میں نماز پڑھنا گھر میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

امام احمد بن حنبل کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، علامہ ابن قدامہ نے ایک قول ذکر کیا ہے، دوسرے قول کے متعلق علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں:

دوسری روایت یہ ہے کہ عورتوں کا مسجد میں نزع پڑھنا مکروہ ہے، اور نفل جائز ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ ان کا مسجد میں نماز پڑھنا مطلقاً غیر مستحب ہے اور ایک روایت ہے کہ مطلقاً مکروہ ہے یہ حکم اس وقت ہے جب وہ اکیلی نماز پڑھیں۔

دو عورتوں کا مردوں کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھنا تو مشہور مذہب یہ ہے کہ جہاں عورتوں کے لیے مکروہ ہے، اسی طرح مردوں میں ہے، یہی قاضی اور ابن تیم کا مختار ہے، مذہب اور مسنون الذہب میں بھی اسی پر جزم ہے، رعایت کبریٰ میں اسی قول کو مقدم کیا ہے، جلیہ، فلاحہ، رعایہ صغریٰ، حادین وغیرہ سب کتابوں میں بھی لکھا ہے اور بڑھی عورتوں کے لیے مردوں کے ساتھ جانا جائز ہے، محرر میں بھی یہی لکھا ہے۔

میز علامہ مرداوی لکھتے ہیں:

علامہ ابن قدامہ نے ظاہر احادیث کے مطابق یہ کہا ہے کہ عورتوں کو مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دینا مکروہ ہے اور علامہ مجتبیٰ نے اپنی شرح میں لکھا ہے کہ مرد کو جب فتنہ یا ضرر کا خدشہ ہو تو وہ عورت کو مسجد میں جانے سے منع کر دے، اور مجمع البحرین میں ہے کہ جب فتنہ یا ضرر کا خوف ہو تو عورت کو منع کرنا جائز ہے بلکہ واجب ہے علامہ ابن جوزی نے کہا ہے کہ اگر فتنہ کا خوف ہو تو عورت کو نکلنے سے منع کیا جائے گا، قاضی نے کہا ہے کہ جب فتنہ کا خوف ہو تو عورت کو نکلنے سے منع کیا جائے گا، ابن تیم اور ابن حمدان نے رعایت کبریٰ اور حادوی کبیر میں یہ لکھا ہے کہ جب فتنہ اور ضرر کا خدشہ نہ ہو تو پھر عورت کو منع کرنا مکروہ ہے، نصیحۃ میں لکھا ہے کہ عید کے دن عورت کو نکلنے سے سختی سے منع کیا جائے گا اور یہ کہا ہے کہ اس وقت میں ان کو روکا خود ان کے لیے فائدہ کی وجہ سے ہے اور جہاں ہم نے یہ کہا ہے کہ ان کو مسجد میں جانے سے روکا مکروہ ہے (جب ضرر اور فتنہ کا خوف نہ ہو) اس وقت

۱۔ علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۷۲۰ھ المتوفی مع شرح الکبیر ج ۲ ص ۳۷۰-۳۷۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۲ھ
۲۔ علامہ ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی متوفی ۸۸۵ھ انصاف ج ۲ ص ۲۱۳-۲۱۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۶ھ

بھی ان کا گھر میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

مساجد میں عورتوں کے جانے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ | علامہ احمد درودیر مالکی لکھتے ہیں :
 مشہور نہ ہو تو اس کا عید، نماز استسقاء اور فرائض پڑھنے کے لیے جانا جائز ہے، اور اگر جو ان عورت خوشبو نہ
 لگائے اور زینت کا اہتمام نہ کرے اور سادے اور دبیز کپڑے پہنے اور اس کے جانے میں کسی فتنہ کا خوف نہ ہو
 اور راستہ میں مردوں کی بھینٹ نہ ہو اور نہ ہی کسی قسم کے فساد کا خطرہ ہو تو اس کا بھی فرائض کی جماعت اور اپنے اہل اور قرابت
 داروں کے نماز جنازہ پڑھنے کے لیے جانا جائز ہے اور اگر یہ شرائط نہ پائی جائیں تو پھر اس کا گھر سے نکلنا حرام ہے
 اگر عورت اپنے خاوند سے مسجد میں جانے کا مطالبہ کرے تو اس کے خاوند کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا خواہ وہ
 عورت بوڑھی ہو اگرچہ اس کے خاوند کے لیے اولیٰ یہ ہے کہ وہ اس کو مسجد میں جانے سے منع نہ کرے اور اگر فتنہ
 کا خدشہ ہو تو عورت کے نکلنے کی ممانعت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ ۱۷
 علامہ دسوقی مالکی لکھتے ہیں :

علامہ درودیر مالکی نے جو ان عورت کے نکلنے کی جو شرائط ذکر کی ہیں یہ اس جو ان عورت کے متعلق ہیں جو خوبصورت
 نہ ہو اور جو عورت خوبصورت ہو وہ بالکل نہ نکلے۔ اور جو ان عورت کے لیے جو فرائض میں جانے کا لکھا ہے اس سے
 مراد جمہور کے علاوہ باقی فرائض ہیں، جمہور، عید اور نماز استسقاء کے لیے جو ان عورت بالکل نہ نکلے، کیونکہ ان میں لوگوں کا
 اثر دہم زیادہ ہوتا ہے، اسی طرح وعظ کی محفلوں میں بھی جو ان عورتوں کا جانا شریک کر دہ ہے خواہ ان کے لیے بیٹھنے کا
 الگ انتظام ہو۔ ۱۸
 نیز علامہ دسوقی مالکی لکھتے ہیں :

بوڑھی عورت کا جانا جائز ہے یہ بھی خلاف اولیٰ ہے، علامہ ابن رشد مالکی نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں تحقیق
 یہ ہے کہ میرے نزدیک عورتوں کی چار قسمیں ہیں (اولیٰ) ایسی بوڑھی عورتیں جن کی مردوں کو بالکل ضرورت نہیں ہوتی
 یہ عورتیں بالکل مردوں کی طرح ہیں یہ مسجد میں فرائض پڑھنے کے لیے اور ذکر اور وعظ کی محفلوں میں جاسکتی ہیں اور
 میلان میں عیدین، نماز استسقاء اور اپنے اہل اور اقارب کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے جاسکتی ہیں، اسی طرح اپنی دیگر
 ضروریات پوری کرنے بھی جاسکتی ہیں، (ثانی) ایسی بوڑھی عورتیں جن کی مردوں کو حاجت ہو سکتی ہے، یہ مسجد
 میں فرائض پڑھنے جاسکتی ہیں اور ذکر اور علم کی مجالس میں بھی جاسکتی ہیں لیکن اپنی دیگر حاجات میں زیادہ باہر نہ نکلیں
 اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے، (ثالثہ) جو ان عورت جو خوبصورت نہ ہو یہ مسجد میں فرائض کی جماعت اور اپنے
 اہل اور اقارب کی نماز جنازہ میں جاسکتی ہے، لیکن نماز عید، نماز استسقاء اور علم اور ذکر کی مجالس میں نہ جائے۔

۱۷۔ علامہ ابوالحسن علی بن سلیمان مروادی حنبلی شافعی ۸۸۵ھ، انصاف ج ۲ ص ۲۳۳-۲۳۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۶ھ

۱۸۔ علامہ ابوالبرکات سید احمد صدیر مالکی - ۱۱۹۷ھ، الشرح الکبیر ج ۱ ص ۳۳۶-۳۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت

۱۹۔ " " " " الشرح الکبیر ج ۱ ص ۳۳۶، " " " "

(دالبح) ایسی جوان عورت جو عصبورت ہو وہ گھر سے بالکل باہر نہ نکلے۔ لے

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

مساجد میں عورتوں کے جانے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ | عورتوں کو مساجد میں جانے سے

روکنے کو امامیہ میں منع کیلئے، لیکن عورتوں کے مسجد میں جانے کا جواز چند شرائط سے مشروط ہے اور یہ شرائط بھی احادیث سے ماخوذ ہیں، عورت نے خوشبو نہ لگانی ہو، بناؤ سنگھار نہ کیا ہو، پازیب نہ پہنی ہو جس کی آواز سنائی دے، شوخ لباس نہ پہنا ہو، مردوں کے ساتھ مخلوط نہ ہو، جوان یا عصبورت عورت نہ ہو جس سے فتنہ کا غدرشہ ہو اور راستے میں کسی عورت اور فساد کا خوف نہ ہو۔ حدیث میں جو عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکنے کے لیے منع کیا ہے، یہ مانعت تنزیہی ہے اور یہ اس وقت مکروہ ہے جب عورت کا شوہر ہو اور یہ تمام شرائط پائی جائیں اور اگر یہ شرائط نہ پائی جائیں تو پھر عورت کا مسجد میں جانا حرام ہے۔ لے

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

علامہ ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکنے کی مانعت کا حکم تمام عورتوں کو شامل ہے لیکن فقہاء نے اس حکم کو چند شرائط کے ساتھ مقید کیا ہے، ایک شرط یہ ہے کہ وہ خوشبو نہ لگائے کیوں کہ سنن ابوداؤد کی روایات میں ہے کہ وہ بغیر خوشبو کے جائے اور اچھے کپڑے اور زیورات کا نہ پہنا بھی اسی سے ماخوذ ہے اسی طرح مردوں کے ساتھ مخلوط ہونا بھی اسی سے ماخوذ ہے، بعض ماکی اور دوسرے فقہاء نے جوان اور بوڑھی عورت کا بھی فرق کیا ہے، لیکن اگر جوان عورت بھی ان چیزوں سے اجتناب کرے اور خصوصاً حائضہ کو باپردہ ہو کر جائے تو فتنہ سے محفوظ رہے گی۔ بخاری احادیث میں عورت کے حق میں گھر کی کوٹھڑی میں ناز پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اس صورت میں فتنہ سے محفوظ رہتی ہے، اس کی تاکید اس سے ہوتی ہے کہ عورتوں نے بناؤ سنگھار کے بہت شوخ و شنگ طریقے اختیار کر لیے ہیں، اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا عورتوں نے جواب بناؤ سنگھار ایجاد کر دیا ہے اگر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیتے تو عورتوں کو مساجد میں جانے سے روک دیتے، بعض علماء نے اس حدیث کی وجہ سے عورتوں کے مساجد میں جانے کو مطلقاً منع کیا ہے، لیکن یہ رائے محدثین سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو بہر حال علم تھا کہ آپ کے وصال کے بعد عورتوں نے کیا کرنا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ آپ پر وحی نازل فرمادیا کہ آپ عورتوں کو مسجد میں جانے سے مطلقاً منع کر دیں، اس لیے صرف ان عورتوں کو مساجد میں جانے سے منع کرنا چاہیے جو بناؤ سنگھار کا اہتمام کرتی ہوں، اور ایسا یہ ہے کہ اس پر غور کیا جائے کہ آیا عورتوں کے مسجدوں میں جانے سے کوئی فساد اور خرابی لازم آتی ہے یا نہیں اگر کوئی فساد اور خرابی لازم آتی ہے تو ان کو منع کیا جائے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ بغیر خوشبو کے جائیں اور ان کی اجازت کرات کے وقت کے ساتھ مقید کیا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر ان کے مسجد بیرون

لے۔ علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی ماکی - ۱۲۱۹ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۱ ص ۳۳۶-۳۳۵، دارالمنکر

لے۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۱ ص ۱۸۳، مطبوعہ دارالمنکر ج ۱ ص ۱۳۵، ھ

میں جانے میں کوئی خرابی ہو تو پھر ان کو اجازت نہ دی جائے۔ ۱۷
مصنف یہ کہتا ہے کہ اصول شریعت میں یہ بات مسلم ہے کہ جب کسی معاملہ میں دو خیالیں لازم ہوں تو کم تر
خرابی کو اختیار کر لینا چاہیے اور بڑی خرابی سے احتراز کرنا چاہیے، اب اگر عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے منع
کیا جائے تو صرف ان کی مسجد کی نماز کی فضیلت فوت ہوگی اور اگر عورتوں کو مسجدوں میں جانے کی عام اجازت دی جائے
تو عورتوں کی عزت و ناموس کو خطرہ ہوگا بلکہ مسجد میں فتنہ و فساد اور مسجد کے تقدس کے مجروح ہونے کا اندیشہ ہو
گا، ایک طرف ایک فضیلت کا حاصل ہونا ہے اور دوسری طرف ایک فحشاء اور حرام کے ارتکاب کا اندیشہ ہے،
اس لیے اصول شریعت کے مطابق فحشاء اور حرام سے بچنا چاہیے اور ایک فضیلت کے حصول کو ترک کر دینا
چاہیے، خصوصاً اس صورت میں جب کہ اس فضیلت کو ترک کرنا اس سے بڑی فضیلت کے حصول کو مستلزم ہے
کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہر چند کہ عورت کا مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے لیکن اسی کا گھر کی
کوٹھڑی میں نماز پڑھنا اس سے زیادہ افضل ہے جیسا کہ ہم بکثرت احادیث کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں۔
علامہ شریعتی شافعی لکھتے ہیں:

جوان یا خوبصورت عورتوں کا مردوں کے ساتھ مسجد میں جانا مکروہ ہے اور شوہر اور ولی کا ان کو مسجد میں جانے
کی اجازت دینا بھی مکروہ ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ عورتوں نے جواب بناؤ سنگھار ایجاد کر لیا
ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھ لیتے تو عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے منع فرما دیتے جیسا کہ بنی
اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا نیز جوان یا خوبصورت عورتوں کے جانے میں فتنہ ہے۔ ہاں جو عورتیں جوان یا
خوبصورت نہ ہوں ان کا جانا مکروہ نہیں ہے اور ان کو مسجد میں جانے کی اجازت دینا مستحب ہے۔ ۱۸
فقہاء حنبلیہ، فقہاء مالکیہ اور فقہاء شافعیہ سب نے جوان یا خوبصورت عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے
مطلقاً منع کیا ہے اور ان کے شوہر اور ولی کو بھی جانے کی اجازت دینے سے منع کیا ہے اور ایسی بوڑھی
عورتیں جن کی مردوں کو ضرورت نہیں ہوتی نہ ان پر شہوت ہوتی ہے ان کو جانے کی اجازت دی ہے۔ اور جب
جوان یا خوبصورت عورتوں کو مسجدوں میں جانے کی اجازت نہیں ہے تو بلا ضرورت گھر سے نکلنے کی اجازت بطریق
اولیٰ نہیں ہے۔

مساجد میں عورتوں کے جانے کے متعلق فقہاء اخلاف کا نقطہ نظر یہ | امام محمد بن حسن شیبانی

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا پہلے عورتوں کو عیدین میں گھر سے نکلنے کی اجازت دی جاتی تھی لیکن اب
صرف بوڑھی عورت کو نکلنے کی اجازت دی جائے گی۔ ۱۹

۱۷۔ حانق شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر مستطانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۲ ص ۳۵۰-۳۴۹، مطبوعہ دار نشر الکتاب لاہور۔
۱۸۔ علامہ محمد شریعتی شافعی الخلیفہ من قرن الاشرع، مفتی المحتاج ج ۱ ص ۲۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔
۱۹۔ امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الحجۃ ج ۱ ص ۲۰۶، مطبوعہ دار المسارف النعمانیہ لاہور۔

نیز امام محمد بن حسن شیبانی کہتے ہیں:

قلت اربعیت النساء هل علیہن خروج فی العیدین؟ قال قد کان یرخص لهن فی ذلك فاما الیوم فانی اکره لهن ذلك، قلت: افتکره لهن ان یشهدن الجمعة والصلوة المكتوبة فی جماعة؟ قال نعم قلت: فهل تدرخص لشیء منهن قال: ادرخص للعجوز الکبیرة ان تشهد العشاء والنجد والعیدین فاما غیر ذلك فلا ۛ

میں نے (امام اعظم سے) پوچھا کیا آپ عورتوں کو عیدین میں گھر سے نکلنے کی اجازت دیتے ہیں، فرمایا پہلے ان کو یہ اجازت دی جاتی تھی لیکن اب میں اس کو مکروہ قرار دیتا ہوں، میں نے پوچھا کیا آپ عورتوں کے جمعہ اور فرض باجماعت کو بھی مکروہ کہتے ہیں فرمایا ہاں! میں نے پوچھا کیا آپ کسی عورت کو اجازت دیتے ہیں؟ فرمایا جو بہت بوڑھی عورت ہو وہ عشاء، فجر اور عیدین کی نمازوں میں جا سکتی ہے اور اس کے سوا اور کسی نماز میں نہیں جا سکتی۔

شمس الازہ علامہ سرخسی حنفی کہتے ہیں:

عیدین کے لیے جانا عورتوں پر لازم نہیں ہے، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ پہلے عورتوں کو عیدین کے لیے رخصت دی جاتی تھی لیکن میں اب جوان عورتوں کے لیے اس کو مکروہ کہتا ہوں، کیوں کہ ان کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور باہر نکلنے سے روکا گیا ہے، کیونکہ اس میں فتنہ ہے، البتہ بوڑھی عورتوں کو عیدین اور ضرب عشاء اور فجر کی باجماعت نماز پڑھنے کے لیے گھر سے جانے کی اجازت ہے اور امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق بوڑھی عورتوں کو بھی ظہر، عصر اور جمعہ کے لیے جانے کی اجازت نہیں ہے۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے بوڑھی عورتوں کو تمام نمازوں، اور نماز استعمال اور نماز کسوف کے لیے گھر سے نکلنے کی اجازت دی ہے، کیونکہ بوڑھی عورتوں کے نکلنے میں کوئی فتنہ نہیں ہے کیونکہ بوڑھی عورتوں کی طرف مرد کم رغبت کرتے ہیں، اور بوڑھی عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں جاتی تھیں، بیماروں کا علاج کرتی تھیں، ان کو پانی پلاتی تھیں اور ان کو کھانا پکا کر دیتی تھیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بوڑھی عورتوں کو رات کی نمازوں میں گھر سے نکلنے کی اجازت دیتے ہیں بشرطیکہ وہ پردے میں چھپی ہوئی جائیں اور رات کا اندھیرا ان کے اوردروں کی نگاہوں کے درمیان حائل ہو اور دن کی نمازوں میں اور جمعہ میں چونکہ شہر میں بھیڑ ہوتی ہے اس کو دھکے لگیں گے اور بسا اوقات وہ گھر پڑے گی اور اس میں فتنہ ہے کیونکہ بوڑھی عورت میں ہر چند کہ جہان مرد رغبت نہیں کرتے لیکن بوڑھے مردان میں رغبت کرتے ہیں اور کبھی جوان مرد بھی شدت شہوت کے غلبہ سے اس کے ساتھ چھیڑ خانی کر سکتے ہیں اور اس کو دھکا دے سکتے ہیں اور عید کی نماز چونکہ کھلے میدانوں میں پڑھی جاتی ہے اس لیے بوڑھی عورتیں مردوں سے الگ کسی راستہ سے جانے پر قادر ہوں گی تاکہ ان کو دھکے نہ لگیں۔ باقی اس میں امام اعظم سے دو روایتیں ہیں کہ وہ عید گاہ جاکر نماز

پڑھیں یا صرف مسلمانوں کی جمعیت میں اضافہ کے لیے عید گاہ جائیں جیسا کہ عہد رسالت میں عائشہ عورتیں عید گاہ جایا کرتی تھیں۔
علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ عورتوں کا جماعت میں جانا مکروہ ہے اور شارمین ہدایہ نے لکھا ہے کہ اس سے جہان عورتیں مراد ہیں اور جماعت سے جمعہ، عید، کنوت اور استسقاء کی نماز باجماعت مراد ہے، امام شافعی سے ایک روایت یہ ہے کہ ان کا نماز باجماعت کے لیے گھروں سے نکلتا جائز ہے اور ہمارے فقہاء یہ کہتے ہیں کہ ان کے نکلنے میں فقہ کا اندیشہ ہے اور یہ حرام کا سبب ہے اور جو چیز حرام کا سبب ہو وہ بھی حرام ہوتی ہے، خاص طور پر اس زمانہ میں جب کہ فتنہ اور فساد عام ہو گیا ہے تو عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے کی حرمت زیادہ واضح ہے، البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بوڑھی عورتیں فجر، مغرب اور عشاء پڑھنے کے لیے گھر سے باہر نکل سکتی ہیں اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک بوڑھی عورتیں تمام نمازوں کے لیے جاسکتی ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے نکال دیتے تھے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک عورت نے مسجد میں جمعہ پڑھنے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا تمہارا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، ابراہیم نخعی عورتوں کو جمعہ اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے، حضرت حسن بصری سے پوچھا گیا کہ ایک عورت بصرہ کی جامع مسجد میں نماز جمعہ پڑھتی ہے تو حسن بصری نے کہا اگر حضرت عمر ہوتے تو اس کا سر پھوڑ دیتے۔

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: عورتوں نے جہاد و سنگھار اب ایسا دیکھا ہے اگر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے سے اس طرح منع کر دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد میں سے روک دیا گیا تھا۔

علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
میں کہتا ہوں کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان بدعات اور منکرات (برائیوں) کو دیکھ لیتیں جن کو اس زمانے میں عورتوں نے ایسا دیکھا ہے تو وہ عورتوں کے گھر سے نکلنے پر اس سے بھی زیادہ شدت سے انکار کرتیں کیونکہ آج کل کی عورتوں نے جہاد و سنگھار میں جن خرافات کو ایسا دیکھا ہے وہ بیان سے باہر ہیں، وہ انواع و اقسام کے ریشمی کپڑے پہنتی ہیں اور مختلف اطوار سے بالوں کی آرائش کرتی ہیں، تیز غوثیوں کا کرنا، نگوں کے ساتھ بن لٹن کر مردوں کے اڑھام میں بازوؤں میں ملتی ہیں اور اکثر اوقات ان کا چہرہ کھلا ہوا ہوتا ہے، بعض عورتیں مختلف سواریوں پر سوار ہو کر چلتی ہیں اور بعض عورتیں بلند

۱۔ شمس اللہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۶ ص ۱۵۷-۱۵۶، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۹۸ھ

۲۔ امام ابن ابی شیبہ نے اس اثر کی حضرت ابن مسعود کی طرف نسبت کی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۸۴)

۳۔ امام ابن ابی شیبہ نے اس اثر کی حضرت ابن عباس کی طرف نسبت کی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۸۴)

۴۔ علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۵۷-۱۵۶، مطبوعہ ادارۃ الطبائع النیرین مصر، ۱۳۴۸ھ

۵۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳۰، مطبوعہ نور محمد الصحیح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

آواز سے گانا گاتی ہیں، بعض عورتیں بخش کاروبار کرتی ہیں، بعض عورتیں مردوں کے ساتھ مل جل کر رہتی ہیں، بعض عورتیں دکانوں پر بیٹھ کر سودا بیچتی ہیں، بعض عورتیں عورتوں کی دلائی کرتی ہیں، بعض عورتیں اجرت پر فوجہ کرتی ہیں، بعض عورتیں اجرت پر گاتی سبحاتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کو مقررہ سال گزرا تھا تو عورتوں نے اتنی آزادی اور بے راہ روی اختیار کر لی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کو دیکھ لیتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع کر دیتے تو آپ کے حال کو آٹھ سو سال گزر چکے ہیں اور اس طویل عرصہ میں عورتیں اپنی بے راہ روی اور بے حیائی میں کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی ہیں۔

اگر یہ امترا من کیا جائے کہ حضرت عائشہ نے کیسے کہہ دیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی موجودہ روش کو دیکھ لیتے تو ان کو مسجدوں میں جانے سے منع کر دیتے حالانکہ ان کو منع کرنا یا نہ کرنا اللہ تعالیٰ پر موقوف ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قواعد شرعیہ معلوم تھے جن کا تقاضا یہ ہے کہ فتنہ اور فساد کے مادے کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا جائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ نہ کہ آپ نے خوشبو لگا کر مسجد میں جانے سے منع فرمایا ہے اور یہ فرمایا کہ اگر عورتیں رات کو مسجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو منع نہ کرو، جس کا مفہوم ہے دن میں ان کو نکلنے سے منع کیا جائے گا اور رات کو چونکہ اندھیرا ہوتا ہے اس لیے ان کے نکلنے میں دیکھے جانے کا احتمال نہیں ہے۔ لہ (خیال رہے کہ اب تو شہروں میں راتیں بھی دن بنی ہوئی ہیں۔ سیکی)

عورتوں کے گھر سے نکلنے کے متعلق مصنف کی تحقیق علامہ عینی متوفی ۸۵۵ھ نے عورتوں کی بے راہ روی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ ان کے زمانہ کا حال ہے

اب تو حال یہ ہے کہ عورتیں باریک تنگ اور چست لباس پہنتی ہیں، پر سے بازو ادا و حاسینہ بردہ ہوتا ہے، بعض عورتیں ساڑھی باندھتی ہیں جس سے پیٹ اور کمر کھلی ہوئی ہوتی ہے اور نیم عریاں بلاؤں پہنتی ہیں، سر کے بال کشائی ہیں اور بیوٹی پارلر میں جاکر میک اپ کراتی ہیں، سرخی پاؤڈر سے مزین ہو کر اور تیز خوشبو لگا کر گھر سے نکلتی ہیں، اسکولوں، کالجوں اور دفاتروں میں مخلوط تعلیم اور مخلوط کاروبار کا نظام ہے اور اس اختلاط کے سامنے میں رومان پردیش پلستے ہیں اور ہسپتالوں میں استقاط عمل کے کیسینز کی جہر مار رہتی ہے اب عورتیں ریڈیو پر اپنی آواز کا جادو جگاتی ہیں اور فلم اور ٹی۔ وی کے ذریعہ اپنے حسن کی نمائش کرتی ہیں جس کی وجہ سے بچوں اور نوجوان نسلوں کے ذہنوں پر بڑے اثرات پڑتے ہیں اور آئے دن اخبارات میں اغواء، عصمت دری اور دیگر فواحش کی خبریں چھپتی رہتی ہیں، ان تمام معائب اور مسائل کا حل صرف یہ ہے کہ عورتوں کو پردے اور حجاب میں مستور رکھا جائے۔

عورتوں کے مساجد میں جانے کے متعلق ہم نے فقہاء اربعہ کی اُردو تفصیل سے پیش کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ امام احمد، امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد جو ان یا نحو بصورت عورت کو مسجد میں جانے سے مطلقاً منع کرتے ہیں اور بڑھی عورتوں کو تمام اوقات میں مسجد میں جانے کی اجازت دیتے ہیں اور امام ابو حنیفہ بڑھی عورتوں کو بھی صرف رات کے اندھیرے میں مسجد میں جانے کی اجازت دیتے ہیں (خیال رہے کہ اب شہروں میں راتوں کو اندھیرا

نہیں ہوتا اور اب راتیں بھی دن کی طرح چکا چوند ہوتی ہیں) اور دن کے اہلے میں بوڑھی عورتوں کو بھی مسجد میں جانے سے منع کرتے ہیں۔ اور جب عورتوں کا مسجد میں جانا ممنوع قرار پایا تو اسکولوں، کالجوں، دفاتروں، کارخانوں، اسمبلیوں، اجنبی مردوں کی عورتوں اور مخلولوں اور عمومی تقریبات میں ان کا جانا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔

فقہاء نے عورتوں کے گھر سے نکلنے کی ممانعت پر عورتوں کی بے راہ روی اور فتنہ اور فساد کے خوف سے استدلال کیا ہے اور اس استدلال کی محنت اور قوت میں کوئی شک نہیں ہے لیکن ہماری رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وقرن فی بیوت حسن (احزاب: ۳۳) ”اپنے گھروں میں ٹھہری رہو“ اس آیت سے استدلال بہت واضح ہے، یہ آیت عورتوں کے گھروں سے نکلنے کی ممانعت میں غرض مریج ہے اور بغیر کسی ضرورت کے عورتوں کا گھروں سے نکلنا جائز نہیں ہے اور نماز کے لیے مسجد میں جانا عورتوں کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ عورتوں پر جماعت سے نماز پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ ان کا گھروں میں نماز پڑھنا زیادہ افضل اور بہتر ہے، اور جن احادیث میں عورتوں کو رات کے وقت میں جانے کے لیے روکنے سے منع فرمایا ہے وہ سب اخبار احاد ہیں اور قرآن مجید کی اس نص قطعی سے مزاعم اور متصادم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ ثانیاً ان احادیث میں سورہ احزاب کی ان آیات کے نازل ہونے سے پہلے کا حکم ہے اور سورہ احزاب کی اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وہ حکم منسوخ ہو گیا، ثانیاً احادیث میں جن عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دینے کا حکم ہے وہ بوڑھی عورتوں پر محمول ہے اور بوڑھی عورت کے حجاب کے معاملہ میں قرآن مجید میں تخفیف کی گئی ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ وقرن فی بیوت کن کا حکم ولا تبرجن تبوج الجاہلیۃ الاولیٰ کے ساتھ مقید ہے یعنی عورتوں کو گھروں سے نکلنے سے مطلقاً منع نہیں کیا، بلکہ اس چیز سے منع کیا ہے کہ وہ زمانہ جاہلیت کا بناؤ سنگھار کر کے اور اپنے محاسن کو ظاہر کرتے ہوئے گھروں سے نکلیں اور حجاب اور نقاب کے ساتھ ان کو نکلنے کی بالعموم اجازت ہے لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو الگ الگ حکم دیے ہیں اور کوئی حکم دوسرے حکم کے ساتھ مقید نہیں ہے، ایک حکم یہ ہے کہ عورتیں گھروں میں رہیں اور بغیر ضرورت کے گھروں سے نہ نکلیں، اور دوسرا حکم یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کی طرح اپنے محاسن اور زیب و زینت کو ظاہر نہ کریں کہ بغیر روپے کے کھلے گریبان اور کھلے سینے کے ساتھ رہیں خواہ وہ گھر میں ہوں یا گھر سے باہر۔

ہر چند کہ حضرت عائشہ کی روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت تھی لیکن اصول یہ ہے کہ قرآن مجید کا حکم احادیث اور آثار پر مقدم ہے اور جب قرآن مجید نے مطلقاً عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا ہے تو قرآن مجید کے حکم پر عمل کیا جائے گا اور جو احادیث اور آثار صریح قرآن کے خلاف ہوں ان کو ترک کر دیا جائے گا باقی ضروریات مستثنیٰ ہیں، ضروریات کی بناء پر عورتیں گھر سے باہر حجاب میں مستور ہو کر جاسکتی ہیں، حج اور عمرہ کے لیے، علاج کے لیے، عدالت میں استغاثہ کے لیے، گواہی دینے کے لیے، والدین اور دیگر محرم کی زیارت، عیادت اور تفریت کے لیے، محرم رشتہ داروں کی شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں شرکت کے لیے حرام یا عرب صدمت عورت شوہر یا ولی کی اجازت سے حجاب اور نقاب میں مستور ہو کر گھر سے باہر جاسکتی ہے، اور مسافت قصر سے کم سفر ہو (یعنی ایکسٹری میل یا ۴۴، ۹۸ کلومیٹر سے کم ہو) تو عورت بغیر زوج اور محرم کے

بھی سفر کر سکتی ہے اور اگر سفر مسافت قصر سے زیادہ ہو تو بغیر زوج اور محرم کے سفر نہیں کر سکتی، اسی طرح عورت کا زوج یا ولی کی اجازت کے بغیر بھی نہیں جانا جائز نہیں ہے، عورت کا اجنبی مردوں کو دیکھنا اور ان سے بلا ضرورت شرعی بات کرنا اسلام میں جائز نہیں ہے، اس لیے اجنبی مردوں کی تقریبات اور ان کی محافل میں جانا جائز نہیں ہے خواہ خاوند یا ولی کہے پھر بھی جائز نہیں، البتہ رشتہ داروں یا اجنبی عورتوں کے ہاں شادی بیاہ یا دیگر تقریبات میں یا کسی غرض صحیح سے مثلاً عیادت یا تفریت یا کسی اور کام سے شوہر یا ولی کی اجازت سے جانا جائز ہے اور ضرورت شرعیہ یا غرض صحیح کے بغیر کسی کے ہاں جانا جائز نہیں ہے۔ مگر عورت کے معاش کا کوئی ذریعہ نہ ہو اور کوئی شخص اس کا قیول بھی نہ ہو تو وہ حجاب میں مستور ہو کر کوئی ایسا کام کر سکتی ہے جو اس کی عزت و عفت اور اسلام کی ہدایات کے خلاف نہ ہو اور اس مقصد کے لیے بھی اس کا حجاب میں مستور رہ کر گھر سے نکلنا جائز ہے۔ یہ تمام قیود اور شرائط جو ان اور عورتوں کے لیے ہیں اور ہیں بڑی عورتیں تو قرآن مجید نے ان کے احکام میں حجاب کے معاملہ میں تخفیف کی ہے سو ان کے گھر سے نکلنے کے معاملہ میں بھی تخفیف ہے اور اس قدر سخت احکام نہیں ہیں چنانچہ فقہاء اسلام نے ان کو ان سخت احکام سے مستثنیٰ کیا ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے وضاحت سے بیان کر چکے ہیں۔

اسلام کے عمومی احکام سے عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر استدلال [قرآن، حدیث اور فقہاء اسلام کے ارشادات کے مطابق عورت کے حسب ذیل احکام ہیں:]

- (۱) عورت کا اذان دینا اور اقامت پڑھنا جائز نہیں ہے۔
- (ب) عورت کا امام کو سبحان اللہ کہہ کر نعتہ دینا جائز نہیں ہے۔
- (ج) عورت کا حج میں بلند آواز سے تبلیہ کہنا جائز نہیں ہے۔
- (د) عورت کا نماز کی امامت کرنا جائز نہیں ہے۔
- (۴) عورت کا اجنبی مردوں سے بلا ضرورت بات کرنا اور ان کے سامنے چہرہ ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔
- (۵) عورت کا بلا ضرورت گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔
- (ز) بغیر شوہر یا محرم کے عورت کا (مسافت قصر سے ناٹا) سفر کرنا جائز نہیں ہے۔
- (ح) عورت کا بغیر شوہر یا محرم کے حج کرنا جائز نہیں ہے۔
- (ط) جوان اور خوبصورت عورت کا مطلقاً مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جانا اور بڑی عورت کا دن میں مسجد میں جانا جائز نہیں ہے۔
- (ی) اجنبی مردوں کی محفلوں اور دعوتوں میں عورتوں کا جانا جائز نہیں ہے خواہ ان کو شوہر یا ولی اس کا حکم دیں۔
- (ک) عورت کا اجنبی مردوں کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔
- (ل) عورت کا اجنبی مردوں کے سامنے خطاب کرنا اور تقریر کرنا جائز نہیں ہے۔
- (م) جوان اور خوبصورت عورت کا اجنبی مردوں کو سلام کرنا جائز نہیں ہے۔
- (ن) عورت کا اجنبی مردوں سے معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔

جب عورت اسمبلی کی ممبر ہو، وزیر یا مشیر ہو یا سربراہ مملکت و حکومت ہو تو وہ بعض اوقات شوہر یا محرم کے بغیر مسافت قصر سے نائٹ سفر کرتی ہے، اجنبی مردوں سے بات چیت کرتی ہے، بسا اوقات معاہدہ کرتی ہے بے پروا لوگوں سے ملاقات کرتی ہے، اسمبلی میں تقریر اور خطاب کرتی ہے، اجنبی لوگ اس کو دیکھتے ہیں اور وہ ان کو دیکھتی ہے، اجنبی مردوں کی محفلوں اور دعوئوں میں شریک ہوتی ہے، ان سے سلام اور کلام کرتی ہے، بلا ضرورت شریعہ گھر سے باہر نکلتی ہے اور یہ تمام امور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی نصوص صریحہ کے خلاف ہیں، اس لیے عورت کا اسمبلی کا ممبر بننا، وزارت، سفارت و مشاورت، باریاست یا انتظامیہ کی سربراہی کرنا ان عمومی احکام کی مخالفت کی وجہ سے جائز نہیں ہے اور بالخصوص منصب امارت کے عدم جواز پر متعدد احادیث صحیحہ شاہد ہیں کہ ہم پیش کردہ ہیں۔

قرآن مجید سے عورت کی سربراہی کا عدم جواز | اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض - (النساء: ۳۴)
مرد عورتوں پر قوام (نگرانِ حاکم) ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک فریق کو دوسرے فریق پر فضیلت دی ہے

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:
اس آیت میں قوام کا معنی ہے کسی چیز کی رعایت اور حفاظت کرنا۔ ۱۔

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:
یہاں قوام کا معنی کفالت کرنا اور خرچ اٹھانا ہے۔ ۲۔
علامہ زبیدی نے بھی قوام کا یہی معنی بیان کیا ہے۔ ۳۔
علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کی تادیب اور ان کے معاملات کی تدبیر کرنا مردوں کا حق ہے اور ان کا یہ حق ہے کہ وہ عورتوں کو گھروں میں پابند رکھیں اور ان کو باہر نکلنے سے منع کریں۔ اور جب تک مرد کسی گناہ کا حکم نہ دیں عورت پر اس کے احکام کی اطاعت لازم ہے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ مرد عورت کا خرچ اٹھاتا ہے اور اس کی نگہداشت کرتا ہے، اور عقل اور قوت میں مرد کو عورت پر فضیلت ہے، ولایت میں اس کا حصہ زیادہ ہے اور نیکی کا حکم دینے، بُرائی سے روکنے اور جہاد کے احکام کو اسی وجہ سے مرد کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے۔ ۴۔

- ۱۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ، المفردات ص ۴۱۶، مطبوعہ مکتبہ تفسیر ایران، ۱۳۴۲ھ، ۱۴۰۵ھ
- ۲۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۱۲ ص ۵۰۳، مطبوعہ نشریۃ الموزون قمرین، ۱۳۸۸ھ
- ۳۔ علامہ سید محمد رفیع زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج المروس ج ۹ ص ۳۵، مطبوعہ المطبعة الخيرية، مصر ۱۳۰۷ھ، ۱۳۸۸ھ
- ۴۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۸۵ھ، الجامع الاحکام القرآن ج ۵ ص ۱۶۹، مطبوعہ انتشارات مکتبہ خیر و ایران، ۱۳۸۸ھ

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مرد و عورت پر مسلط کیا گیا ہے اور عقل میں فراوانی، میراث میں حصہ کی زیادتی، غنیمت، جمعہ، جماعت، خلافت، حکومت اور جہاد کو مردوں کے ساتھ مخصوص کر کے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے۔
امام رازی شافعی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر مردوں کے غلبہ اور حاکمیت کی دو وجہیں بیان کی ہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک فریق کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر طباً اور شرعاً متعدد وجوہ سے فضیلت عطا کی ہے، طباً فضیلت اس طرح دی ہے کہ عقل و دانش اور قوت و طاقت کے اعتبار سے چند مستثنیات سے قطعاً نظر مرد عورتوں سے افضل ہوتے ہیں، اسی وجہ سے علم اور حکمت اور شجاعت اور بہادری کے کارناموں کا زیادہ لہجہ مردوں سے ہوتا ہے اور شرعاً فضیلت یہ ہے کہ انبیاء اور رسل مردوں سے مبعوث ہوئے ہیں اور حکومت، خلافت، نماز کی امامت، جہاد کی امارت، اذان، خطبہ، اعتکاف اور حدود و قصاص میں شہادت یہ تمام احکام بالاتفاق مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور وراثت اور دیت میں مرد کا حصہ عورت سے دوگنا ہے، طلاق دینے، رجوع کرنے اور متعدد عورتوں سے نکاح کرنے کا حق بھی مردوں کو دیا ہے، ان تمام وجوہ سے مردوں کی عورتوں پر برتری اور فضیلت واضح ہے۔ اور عورتوں پر مردوں کی حاکمیت کی دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہما انفقا من اموالہما اس وجہ سے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں، کیونکہ مرد عورت کو مہر دیتا ہے اور اس کی ضروریات کی کفالت کرتا ہے۔ لہ

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

الرجال قوامون لکم فی الدنیا والآخرۃ لکم فیہا حاکم وعلیہا برأی احکام نافذ کرتا ہے، اسی طرح مرد عورتوں پر احکام نافذ کرتے ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے، کیونکہ نبوت، رسالت، حکومت، امامت، اذان، امامت، خطبات اور بحیرات نشر لیل وغیرہ مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ لہ

مذاہب اربعہ کے مفسرین کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا ہے، ہر چند کہ یہ آیت براہ راست خانگی امور سے متعلق ہے لیکن اول تو اس آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو اس آیت کو خانگی امور کے ساتھ خاص کرتا ہو، ثانیاً جب اللہ تعالیٰ نے ایک گھر کی ذمہ داری عورت پر نہیں ڈالی تو پھر سے ملک کی ذمہ داری اس پر کیسے ڈالی جاسکتی ہے؟ اس لیے اول تو اپنے عہد کی بناء پر یہ آیت عبارتہ النص سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو ملک کا حاکم یا سربراہ نہیں بنایا جاسکتا اور ثانیاً دلالتہ النص سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو ملک کا بلکہ کسی شعبہ کا بھی سربراہ نہیں بنایا جاسکتا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں کا قوام یعنی نگران اور کفیل بنایا ہے اور یہ ایک بدیہی بات

۱۔ علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر ج ۲ ص ۷۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

۲۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۱۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

۳۔ علامہ سید محمد آلوسی حنفی متوفی ۱۲۶۰ھ، روح البانی ج ۵ ص ۲۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

ہے کہ ملک کا سربراہ اور حاکم ملک کے مردوں اور عورتوں سمیت تمام عوام کا قوام یعنی نگران اور کفیل ہوتا ہے پس اگر عورت کو ملک کا سربراہ اور حاکم بنا دیا جائے تو وہ عورت ملک کے تمام مردوں کی نگران اور کفیل ہوگی اور یہ چیز صراحتہ قرآن مجید کے خلاف ہے، اسی طرح اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں سے افضل قرار دیا ہے اور یہ ایک بدیہی بات ہے کہ حاکم محکوم سے غلبہ حکومت کے اعتبار سے افضل ہوتا ہے سو اگر عورت کو ملک کا سربراہ اور حاکم بنا دیا جائے تو اسے اپنے شوہر سمیت سب مردوں پر افضلیت حاصل ہوگی۔ اور یہ سراسر قرآن مجید کے خلاف ہے، لہذا اگر عورت کو ملک کا سربراہ بنایا جائے خواہ ریاست کی سربراہ ہو یا انتظامیہ کی تو ان دو وجہوں سے قرآن مجید کی مخالفت لازم آئے گی!

احادیث سے عورت کی سربراہی (بشمول اپنے شوہر کے) کا عدم جواز | امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایامِ جبل میں قریب تھا کہ میں اصحابِ جبل (حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے رفقاء) کے لشکر کے ساتھ لائق ہو جاتا اور ان کے ساتھ مل کر جنگ کرتا، اس موقع پر مجھے اس حدیث نے نائدہ پہنچایا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، جب اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حاکم بنایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم ہرگز فلاح (افروزی) نہیں پاسکتی جس نے اپنے معاملات میں عورت کو حاکم بنایا۔

عن ابی بکرؓ قال لقد نفعنی اللہ بکلماتہ سمعتہا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام الجمل بعد ما کدت ان الحق باصحاب الجمل فاقتل معہم قال لما بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اہل فارس قد ملکوا علیہم بنت کسریٰ قال لن یفلح قوم ولوا امرہم امراۃؓ۔

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے یہ نیز اس حدیث کو امام ترمذی نے، امام حاکم نے، امام بیہقی نے، امام طبرانی نے اور امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۷ھ

۲۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۴۱، ۴۲، ۴۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

۳۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۵۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تہات کتب کراچی، یکہ کمرہ۔

۴۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۲ ص ۵۲۴-۵۲۵، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع

۵۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۱ ص ۱۱۸-۱۱۹، مطبوعہ نشر السنۃ بکرات

۶۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۰۹، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت، ۱۴۰۲ھ

۷۔ حافظ ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی غنیہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۱۵ ص ۲۶۶، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۲ھ۔

علیہ وسلم اذا كانت امراء کم خیابا، کمر و اغنیاء کم سمحا و کمر و امور کم شومای بینکم فظلم الارض خیر لکم من بطنها و اذا كانت امراء کم شرار کم و اغنیاء کم یخلوا کم و امور کم الی نساء کم فبطن الارض خیر لکم من ظمها۔ ۱۰

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے حکام نیک ہوں، تمہارے اغنیاء سخی ہوں اور تمہاری حکومت باعنی مشورے سے ہر تو تمہارے لیے زمین کے اوپر کا حصہ اس کے نچلے حصے سے بہتر ہے اور جب تمہارے حکام بدکار ہوں اور تمہارے اغنیاء بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو تمہارے لیے زمین کا نچلا حصہ اس کے اوپر کے حصے سے بہتر ہے۔

امام حاکم نیشاپوری روایت کرتے ہیں: عن ابی بکر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتاہ بشیر یبشرہ بظفر خیل لہ وراۃ فی حجر عائشۃ رضی اللہ عنہا فقام فخر لله تعالیٰ ساجدا فلما انصرف انشاء یسأل الرسول فحدثہ فکان فیما حدثہ من امر العدو وکانت تلیمہم امراة فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم هلکت الرجال حین اطاعت النساء هذا حدیث صحیح الاسناد ولہ یخرجہ۔ ۱۱

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جگہ لشکر بھیجا تھا وہاں سے کوئی شخص فتح کی خوشخبری لے کر آیا اور اسے حاکم آپ کا سر حضرت عائشہ کی گردن میں تھا، آپ یہ خوشخبری سن کر کھڑے ہوئے اور سجدہ شکر میں گر گئے اس کے بعد آپ نے اس شخص سے فتح کی تفصیلات معلوم کیں ان تفصیلات میں اس شخص نے یہ بھی بتایا کہ دشمن کی سربراہی ایک عورت کر رہی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مرد عورتوں کی اطاعت کرنے لگیں گے تو وہ تباہ اور برباد ہو جائیں گے۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔

حافظ ذہبی نے اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔ ۱۲
ان احادیث صحیحہ سے یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ اسلام میں عورت کو سربراہ بنانا جائز نہیں ہے۔

عورت کی سربراہی کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

واحتج بہ من منع قضاء المرأة و هو قوی الجمہور و خالف الطبری فقال یجوز ان تقتضی فیما تقبل شہادۃ فیہ و اطلق بعض المأ لکیۃ

جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث کی بنیاد پر عورت کے قاضی بنانے کو منوع قرار دیا ہے، علامہ طبری نے جمہور کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ جن معاملات میں عورت

۱۰۔ امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۵۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۳۰، مطبوعہ نوریہ دار احیاء التراث العربیہ کتب گراچی۔

۱۱۔ امام عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۲ ص ۲۹۱، مطبوعہ دار الابدان للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ

۱۲۔ علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، التلخیص المستدرک ج ۲ ص ۲۹۱

شہادت دے سکتی ہے وہ قضاء بھی کر سکتی ہے اور بعض مالکیہ نے عورت کی قضاء کو مطلقاً جائز کہا ہے۔

علامہ ابن حجر مستقلانی شافعی لکھتے ہیں:

علامہ ابن القتی نے کہا ہے کہ جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ عورت کو منصب قضا سونپنا جائز نہیں ہے اور علامہ طبری نے جمہور کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ جن امور میں عورت گواہی دے سکتی ہے ان میں وہ قضاء بھی کر سکتی ہے، اور بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ عورت کی قضاء مطلقاً جائز ہے۔ ۱۰
ہر چند کہ علامہ عینی اور علامہ مستقلانی نے یہ لکھا ہے کہ علامہ طبری نے بعض امور میں اور بعض مالکیہ نے عورت کی قضاء کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے لیکن اول تو یہ ثابت نہیں اور ثانیاً ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی نصوص قطعیہ احادیث صحیحہ، اسلام کے عمومی احکام اور جمہور فقہاء اسلام کی تصریحات کے سامنے ان اقوال کی کوئی وقعت نہیں ہے اور یہ بھی خیال رہے کہ علامہ طبری اور بعض مالکیہ نے عورت کی عمومی سربراہی کو جائز نہیں کہا بلکہ بعض امور میں عورت کی صرف قضاء کو جائز کہا۔ علامہ عینی اور علامہ مستقلانی نے بغیر کسی ثبوت کے علامہ طبری اور بعض مالکیہ کی طرف عورت کی قضاء کے خلاف کی نسبت کر دی، حقیقت یہ ہے کہ علامہ طبری اور مالکی فقہاء دونوں اس تہمت سے بری ہیں، علامہ ابو بکر ابن العربی مالکی اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت ابو بکر کی روایت کردہ حدیث میں تصریح ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی اور اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے البتہ علامہ محمد بن جریر طبری سے یہ منقول ہے کہ ان کے نزدیک عورت کا قاضی ہونا جائز ہے، لیکن ان کی طرف اس قول کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ ان کی طرف اس قول کی نسبت ایسے ہی غلط ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ کی طرف یہ غلط منسوب کر دیا گیا ہے کہ جن امور میں عورت گواہی دے سکتی ہے ان میں وہ فیصلہ بھی کر سکتی ہے۔
نیز قاضی ابو بکر ابن العربی مالکی لکھتے ہیں:

عورت سربراہی کی اس لیے اہل نہیں ہے کہ حکومت اور سربراہی سے یہ غرض ہوتی ہے کہ سرحدوں کی حفاظت کی جائے، قومی معاملات کو سلجایا جائے، ملت کی حفاظت کی جائے اور مالی مصالح حاصل کر کے ان کو مستحقین میں تقسیم کیا جائے اور یہ تمام امور مردانہ انجام دے سکتا ہے، عورت یہ کام انجام نہیں دے سکتی کیونکہ عورت کے لیے مردوں کی مجالس میں جانا اور ان سے اخلاقاً کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ اگر وہ عورت جہان ہے تو اس کی طرف دیکھنا اور اس سے کلام کرنا حرام ہے اور اگر وہ سن رسیدہ عورت ہے تب بھی اس کا بیڑ بھاڑ میں جانا محذوشر ہے بلکہ علامہ قرطبی مالکی نے بھی قاضی ابو بکر ابن العربی مالکی کی اس تمام بحث کو نقل کیا ہے اور اس کی تائید کی ہے علامہ ابن العربی مالکی اور علامہ قرطبی مالکی کا یہ جملہ قابل غور ہے۔

۱۰۔ علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، حقیقۃ القاری ج ۲۲، ص ۲۴، مطبوعہ دارۃ الطباعة المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

۱۱۔ علامہ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر مستقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۳، ص ۵۶، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۸۸ھ

۱۲۔ علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ، احکام القرآن ج ۲، ص ۱۴۵۸-۱۴۵۹، طبعاً، مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت۔

ان المرأة لا تكون خلیفة ولا خلاف فیہ۔
عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

ماکی فقہاء اور مفسرین کی ان عبارات کو پڑھنے سے یہ واضح ہو گیا کہ ماکی فقہاء کی طرف یہ منسوب کرنا غلط ہے کہ وہ عورت کی قضاء کے قائل ہیں اسی طرح علامہ طبری کی طرف یہ نسبت صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کی کسی تعنیف میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی بعض فقہاء اسلاف کی طرف جو یہ نسبت کی ہے وہ بھی غلط ہے کیونکہ صحیح یہ ہے کہ اسلامی مسکاتب فکر کے تمام فقہاء مفسرین اور محدثین کا اس پر اجماع ہے کہ عورت کو قضاء یا امارت کا منصب سنبھالنا جائز نہیں ہے۔

امام ہنری لکھتے ہیں:

اتفقوا علی ان المرأة لا تصلح ان تكون اما ما ولا قاضها لان الامام يحتاج الى الخروج لاقامة امور الجهاد والقيام بامور المسلمين والقاضي يحتاج الى البرون لفصل الخصومات والمرأة عورة لا تصلح البرون۔^۳

امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت حکومت یا انتظامیہ کی سربراہ یا قاضی نہیں بن سکتی، کیونکہ سربراہ مملکت کو جہاد قائم کرنے اور مسلمانوں کے معاملات نمٹانے کے لیے گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت پڑتی ہے اور قاضی کو مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے باہر جانے کی ضرورت ہوتی ہے اور عورت واجب الستر ہے اس کا گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔

ملکہ بلقیس کے واقعہ سے عورت کی سربراہی پر استدلال کا جواب | بعض تہذیب پسند علماء

سے عورت کی سربراہی کے جواز پر استدلال کرتے ہیں، لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ جس زمانہ میں وہ ملک سبا کی ملکہ تھی اس وقت وہ کافرہ تھی، قرآن مجید میں ہے:

وجدتها وقومها يسجدون للشمس من دون الله وثنين لهم الشيطان اعبالهم فصدهم عن السبيل فهم لا يفتدون۔
(نمل : ۲۲)

میں نے دیکھا کہ وہ عورت (ملکہ سبا) اور اس کی قوم اللہ کی بجائے سجدہ کو سجدہ کرتی ہے شیطان ان کے اعمال کو ان کے لیے غرض ناپا بنادیا ہے اور ان کو سیدھے راستے سے روک دیا ہے اس وجہ سے وہ ہدایت نہیں پاتے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بلقیس کافروں کی حکمران تھی اس لیے اس کی حکمرانی ہم پر حجت نہیں ہے، حضرت سلمان

۱۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی ماکی متوفی ۶۸۵ھ الجامع لاحکام القرآن ج ۱۳ ص ۱۸۳، مطبوعہ انشالہ نامہ خسرو ابرین، ۱۳۸۷ھ۔
۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر مستطانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۸ ص ۱۲۸، مطبوعہ دار نشر مکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۱۲ھ۔
۳۔ امام حسین بن مسعود بنوی متوفی ۵۱۲ھ، شرح السنۃ ج ۱۰ ص ۷۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۰ھ۔

علیہ السلام نے اس کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا اور اس کے نام جو خط بھیجا وہ قرآن مجید کے مبارک الفاظ میں یہ تھا:
 اَلَا تَعْلَمُوْا عَلٰی وَاَتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ۔
 تم میرے مقابلہ میں سر نہ اٹھاؤ اور میرے فرمانبردار

(نمل ۱: ۳۱)
 اور جب ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی تو اس نے کہا:
 رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ
 سُلَیْمٰنَ لَہٗ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔
 اے میرے پروردگار میں نے اپنی جان پر ظلم کیا
 اور میں (حضرت) سلیمان کے ساتھ الشرب العالمین کے
 حضور جھگ گئی۔
 (نمل ۱: ۴۲)

اس واقعہ میں کہیں بھی یہ شائبہ نہیں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کی حکومت کو تسلیم کر لیا تھا یا اس
 کے اسلام لانے کے بعد اس کو جواز قرار دیا، بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے
 نکاح کر کے اس کو واپس بن بیچ دیا تھا اور بعض میں ہے کہ حضرت سلیمان نے اس سے نکاح کر کے ان کو اپنے پاس
 رکھا، اور بعض میں ہے کہ ان کا نکاح ہوان کے بادشاہ کے ساتھ کر دیا تھا، یہ تمام روایات باطل اور مضطرب ہیں، علامہ قرطبی
 ان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَقَالَ قَوْمٌ لَّہٗ یُودِیْہِ خَبْرٌ صٰحِیْحٌ
 لَا فِیْہِ اِنَّہٗ تَذَوَّجَہَا وَاِنَّہٗ ذَوَّجَہَا۔
 اس بارے میں کوئی روایت صحیح نہیں ہے نہ یہ
 کہ انھوں نے خود اس سے نکاح کیا تھا اور نہ یہ کہ انھوں
 نے کسی اور سے اس کا نکاح کر دیا تھا۔

قرآن کریم نے ملکہ بلقیس کے واقعہ کا جس قدر ذکر کیا ہے اس میں اس کی حکومت کے خاتمہ کا ذکر ہے، اسلام قبل
 کر کے کے بعد پھر اس کی حکومت کے تسلسل کا ذکر نہیں ہے، لہذا اس واقعہ میں عورت کی سربراہی کا ادنیٰ جواز بھی موجود نہیں
 ہے اور اگر بالفرض بلقیس کے اسلام لانے کے بعد اس کی حکومت کا ثبوت ہو بھی تو وہ شریعت سابقہ ہے، ہم پر محبت
 نہیں ہے۔

جنگ جبل کے واقعہ سے عورت کی سربراہی پر استدلال کا جواب | بعض متجدد علماء جنگ جبل میں
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی
 شرکت سے عورت کی سربراہی کے جواز پر استدلال کرتے ہیں لیکن یہ استدلال قطعاً باطل ہے، اول تو حضرت عائشہ امارت
 اور خلافت کی مدعیہ نہیں تھیں، بل وہ امت میں اصلاح کے قصد سے اپنے گھر سے باہر نکلیں لیکن یہ ان کی اجتہادی خطا نہ تھی
 اور وہ اس پر نہ نایات نادم رہیں، ہم ابن سعد کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و قون
 فی بیوتہنّ کنّ، "تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو" کی تلاوت کرتیں تو اس قدر روئیں کہ آپ کا دوشہ آنسوؤں سے
 بھیگ جاتا۔

۱۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالک قرطبی مترق ۶۸۵، الجہاد لاحکام القرآن ج ۱۳ ص ۲۱۱-۲۱۰، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران ۱۳۸۴ھ

۲۔ امام محمد بن سعد مترق ۲۳۰، طبقات کبریٰ ج ۸ ص ۸۱، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: اسی میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت عائشہ اپنے بصرہ کے سفراء جنگ جمل میں حاضر ہونے کے لیے
طور پر نادم ہوئیں۔ ۱۷

حافظ ذہبی ابن عبد البر کے حوالے سے لکھتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے حضرت عبداللہ بن عمر سے فرمایا: تم نے مجھے
اس سفر میں جانے سے کیوں منع نہیں کیا؟ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا میں نے دیکھا کہ ایک صاحب (یعنی حضرت ابن
الزبیر) کی رائے آپ کی رائے پر غالب آچکی تھی۔ ۱۸

امام حاکم نیشاپوری قیس بن ابی حازم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے دل میں سوچتی تھیں
کہ انہیں ان کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر کے ساتھ دفن کیا جائے لیکن بعد میں انہوں نے فرمایا
کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے، اب مجھے آپ کی دوسری ازواج کے ساتھ
بقیع میں دفن کر دینا، چنانچہ آپ کو بقیع میں دفن کر دیا گیا، امام حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر
صحیح ہے۔ ۱۹

حافظ ذہبی ان کے اس قول کی تشریح میں فرماتے ہیں: بدعت سے حضرت عائشہ کی مراد ان کا جنگ جمل میں جلا
تھا وہ اپنے اس فعل پر کبھی طور پر نادم ہوئیں اور انہوں نے اس پر توبہ نہ کی اگرچہ ان کا یہ اقدام اجتہاد پر مبنی تھا اور ان
کی نیت نیک تھی۔ ۲۰

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے اجتہاد سے مسلمانوں کے دیگر دہوں میں صلح کے قصد سے گھر سے نکلی تھیں لیکن بعد
میں انہوں نے اپنے اس فعل کو بدعت اور خطا قرار دیا اور اس پر اس قدر نادم ہوئیں کہ روضہ رسول میں حضور کے جوار
میں دفن ہونے سے بھی آپ کو شرم آئی اور تا حیات اس فعل پر مذمت سے کسو بہاتی رہیں، لہذا حضرت عائشہ کے
بصرہ کے سفر سے عورتوں کے گھروں سے نکلنے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے، عورت کی سربراہی کا تو اس واقعہ میں
کوئی ذکر ہی نہیں ہے، نہ آپ سربراہی کی مدد تھیں نہ جنگ میں پیشوائی کر رہی تھیں، جنگ جمل تو ایک اتفاقی حادثہ تھا
جو قاتلین عثمان کی سازش کے نتیجہ میں واقع ہوا، یہاں تک کہ ہم اس سے پہلے ملامت کوئی کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔

عورت کے ستر اور حجاب کے سلسلے میں ہم نے قرآن مجید کے
ستر اور حجاب کے سلسلے میں آخر
صریح احکام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور فقہاء
اسلام کے فتاویٰ بیان کر دیے ہیں جن کے مطابق عورت کا پورا جسم واجب الستر ہے، وہ اجنبی مردوں کے سامنے
اپنا چہرہ ظاہر نہیں کر سکتی نہ بغیر شرعی ضرورت کے ان سے بات کر سکتی ہے، اسلام نے عورتوں کو گھروں میں رہنے کا
حکم دیا ہے اور بغیر شدید ضرورت کے باہر نکلنے سے روک دیا ہے، ان معان اور صریح احکام کے ہوتے ہوئے اس

۱۷۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۸۲۸ھ، سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۷۷، مطبوعہ مکتبۃ الرسالۃ بیروت، الطبعة الثانیة، ۱۴۰۲ھ

۱۸۔ حافظ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف ذہبی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۲ ص ۷۰، مطبوعہ مجلس علمی سیدت ہند، ۱۳۵۵ھ

۱۹۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۳۰۵ھ، المستدرک ج ۲ ص ۶، مطبوعہ دار الباز للفرش والتوزیع مکہ مکرمہ

۲۰۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۸۲۸ھ، سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۹۳، مطبوعہ مکتبۃ الرسالۃ بیروت، الطبعة الثانیة، ۱۴۰۲ھ

بات کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ مسلمان مرد تین اسمبلیوں کی ممبر بنیں، یا وزیر اور مشیر بنیں اور ریاست یا انتظامیہ کی سربراہ بنیں، بیرون خانہ سماجی کارکن بنیں اور سماجی سرگرمیوں میں دوڑتی پھریں، ایئر ہو سٹس اور نرس بن کر مسافروں اور مریضوں کا دل بہلائیں، گنجائش سرکاری دفاتر میں اجنبی مردوں کے ساتھ کام کریں، اسکولوں اور کالجوں میں لڑکوں کے ساتھ تعلیم حاصل کریں، سکیورٹی اور انتظامیہ کے فرائض انجام دیں، فوج اور پولیس میں بھرتی ہوں اور تعلیم و تربیت کے لیے امریکہ اور انگلستان بھیجی جائیں اور نیشنل کونسل آف کونسل، ریڈیو، ٹی۔وی اور فلم اسٹوڈیو میں کام کریں اور اپنی آواز اور حسن کی نمائش کریں۔

منزلی ملکوں میں جہاں عورت پر ستر اور حجاب کی قیود نہیں ہیں، ان کے معاشرے اور ماحول میں ہر وقت اور ہر جگہ عورت اور مرد کا عام آزادانہ میل جول اور اختلاط ہے، ہونٹوں، گالوں، تغریجی گاہوں، شراب خانوں اور رقص گاہوں میں مرد نامحرم عورتوں کے ساتھ آزادانہ گھومتے ہیں، شراب پیتے ہیں، چرس اور میروٹن کا دم گاتے ہیں، ناپیتے گاتے ہیں اور داد عیش دیتے پھرتے ہیں، شاہراہوں اور دیگر کھلے مقامات پر مرد اور عورت برسر عام برسی دکھار میں مصروف رہتے ہیں، ساحل سمندر پر، پارکوں اور تغریجی گاہوں میں عریاں جوڑے جیولفوں کی طرح کھلے عام جنسی عمل کرتے ہیں، اور ان کی شرکین نامانوس بچوں سے بھری رہتی ہیں، بیویوں کی حیانت اور شوہروں کی بدکاریوں کی خبروں سے ان کے اخبارات اور رسائل کے کالم سیاہ رہتے ہیں اور بد چینی اور بد عنوانی کے مقدمات سے عدالتیں بھری رہتی ہیں۔

آزادی نسواں اور بے پردگی کی تحریک سے ہمارا معاشرہ بھی قدم بہ قدم یورپ کی شاہراہ کی طرف بڑھ رہا ہے، اس سے پہلے کہ ہماری نوجوان نسل عریانی اور فحاشی کی اس منزل پر پہنچ چکے جہاں سے اس کو واپس لانا مشکل ہو جائے، ہمیں بے پردگی اور آزادی نسواں کو خیر باد کہہ کر ستر اور حجاب کے مسئلہ میں اسلام کے تمام احکام پر عمل کرنا چاہیے، اسی میں ہمارے لیے دنیا اور آخرت کی عزت اور نیک نامی ہے، امن، اطمینان اور سکون ہے، یہی اسلام کا تقاضا اور ہمارے مسلمان ہونے کی علامت ہے۔

میں نے ستر اور حجاب کے مسئلہ پر اس لیے انتہائی مفصل اور مدلل گفتگو کی ہے کہ ہمارے زمانہ میں دنیا دار اور مغرب زدہ لوگ تو الگ رہے، متحدہ پسند علماء دین کا ایک طبقہ بھی عورت کے چہرے کو حجاب سے مستثنیٰ قرار دے رہا ہے، اور بازاروں اور محافل میں اس کے آنے جانے، اجنبی مردوں سے گفتگو کرنے اور اسمبلی کی ممبری، وزارت اور حکومت کی سربراہی کرنے اور مخلوط تعلیم اور مخلوط ملازمتیں کرنے کو اسلام کے خلاف نہیں سمجھتا بلکہ اس کے خلاف اس بے حجابی کو اسلامی احکام کے عین مطابق قرار دیتا ہے، اس لیے میں نے ضروری سمجھا کہ ستر اور حجاب کے مسئلہ میں اسلام کے احکام کو قرآن، سنت اور فقہاء اسلام کے ارشادات کی روشنی میں واضح کر دوں اور اس سلسلہ میں جو شبہات ہیں ان کے مفصل جوابات بیان کروں۔

الہ العالمین میری اس سہمی کو اپنی بارگاہ میں مقبول اور مشکور فرما، اس میں اثر آفرینی پیدا فرما اور رہتی دنیا تک تمام مسلمانوں کے لیے اس کو نفع آور بنا، میری، میرے والدین کی اس کتاب کے جملہ مصنفین کی اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرما، اور دنیا، آخرت اور آخرت میں ہر مصیبت اور بلا سے محفوظ اور سامون فرما اور دین کی ساداتوں اور جنت الفردوس کو ہمارا مقدر کر دے،
وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد خاتم النبیین سید الانبیاء والمرسلین اول الشافعیین
والشافعیین وعلیٰ آلہ واصحابہ وارضائہ وذریاتہ واولیاء ائمہ وعلمائہ اجمعین آمین۔

بَابُ النِّسَاءِ الْغَارِيَّاتِ يَرْضَعُهُنَّ لَهُنَّ
وَلَا يَسُهُنَّ وَالنَّهْيُ عَنْ قَتْلِ
صَبِيَّانِ أَهْلِ الْحَرْبِ

۳۵۷۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ
قَعْنِبٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ يَعْنَى ابْنُ يَزِيدٍ عَنْ
جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ يَزِيدَ بْنِ
هَرْمُزَانَ تَجَدَّدَ كَتَبَ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ
يَسْأَلُهُ عَنْ خُمُسِ خِلَافٍ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ
لَوْلَا أَنْ أَكَلْتُمْ عَلَيْنَا مَا كَتَبْتُ إِلَيْكَ كَتَبَ
إِلَيْهِ تَجَدَّدَ أَمَّا بَعْدُ فَأَخْبَرْتَنِي هَلْ كَانَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُو
بِالنِّسَاءِ وَهَلْ كَانَ يَضْرِبُ لَهُنَّ يَسَهُ
وَهَلْ كَانَ يَقْتُلُ الصَّبِيَّانِ وَمَتَى يَنْقَضِي
يَكْتُمُ الْيَتِيمَ وَعَنِ الْخُمُسِ لَيْسَ هُوَ فَكَتَبَ
إِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ كَتَبْتَ تَسْأَلُنِي هَلْ كَانَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُو
بِالنِّسَاءِ وَهَلْ كَانَ يَغْزُو بِهِنَّ فَيَدْأُوْنَ
الْجَرْحَ وَيُخَذُّنَّ مِنَ الْغَنِيمَةِ وَأَمَّا يَسَهُ
فَلَمْ يَضْرِبْ لَهُنَّ وَإِنْ رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
تَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَقْتُلُ الصَّبِيَّانِ
فَلَا يَقْتُلُ الصَّبِيَّانِ وَكَتَبْتَ تَسْأَلُنِي مَتَى
يَنْقَضِي يَكْتُمُ الْيَتِيمَ فَلَعَمْرِي إِنَّ الرَّجُلَ
كَتَبْتُ لِيحْيَتَهُ وَآثَرُ لَصَعِيفُ الْأَخَذِ
لِنَفْسِهِ صَعِيفُ الْعَطَاءِ مِنْهَا فَإِذَا أَخَذَ
لِنَفْسِهِ مِنْ صَالِحِ مَا يَأْخُذُ النَّاسُ فَقَدْ
ذَهَبَ عَنْهُ الْيَتِيمُ وَكَتَبْتَ تَسْأَلُنِي عَنِ

جہاد میں شریک ہونے والی عورتوں کو مالِ غنیمت
میں باقاعدہ حصہ دینے کی ممانعت اور کچھ عطیہ دینے
کا حکم اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت۔

یزید بن ہرمز بیان کرتے ہیں کہ نجد (حدودِ یمن کے
سرحد) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خط لکھ کر ان
سے پانچ چیزوں کے متعلق دریافت کیا، حضرت ابن عباس
رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر مجھے علم چھپانے پر عذاب کا خون
نہ ہوتا تو میں اس شخص کو جواب نہ دیکھتا، نجد نے آپ سے
یہ دریافت کیا تھا کہ: حدودِ صلوة کے بعد مجھے یہ بکواسیہ
کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں عورتوں کو شریک
کرتے تھے؟ کیا ان کو مالِ غنیمت میں سے حصہ دیتے
تھے؟ کیا آپ بچوں کو قتل کرتے تھے؟ یتیم کی یتیمی کب
ختم ہوتی ہے؟ اور خمس کس کا حق ہے؟ حضرت ابن عباس
رضی اللہ عنہما نے جواب میں لکھا: تم نے مجھ سے یہ سوال
کیا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں عورتوں کو
شریک کرتے تھے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں
عورتوں کو شریک کرتے تھے، وہ جہاد میں جاتی تھیں اور غزوات
کی دوا دار کرتی تھیں، ان کو مالِ غنیمت میں سے عطیہ دیا
جاتا تھا لیکن ان کا حصہ مقرر نہیں تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم بچوں کو قتل نہیں کرتے تھے سو تم بھی بچوں کو قتل نہ
کرنا، اور تم نے خط میں یہ سوال کیا کہ یتیم کی یتیمی کب ختم
ہوتی ہے؟ سو مجھے اپنی زندگی کی قسم! بعض لوگوں کی ڈاڑھی
نکل آتی ہے لیکن انہیں نہ کسی سے کوئی چیز لینے کا سلیقہ
ہوتا ہے، نہ کسی کو کوئی چیز دینے کا شعور ہوتا ہے، اللہ
جب وہ باشعور لوگوں کی طرح ٹھیک ٹھیک کام کرنے
لگیں تو ان کی یتیمی ختم ہو جائے گی اور تم نے مجھ سے خط

الْخُمْسِ لِمَنْ هُوَ إِذَا كُنَّا لَقَوْلٍ هُوَ لَنَا
فَأَبَى عَلَيْنَا قَوْمَنَا ذَلِكَ -

میں خمس کے متعلق سوال کیا ہے کہ اس کا کون مستحق ہے؟ سو ہم یہ کہتے ہیں کہ خمس پر ہمارا حق ہے لیکن ہماری قوم نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔

یزید بن ہریر بیان کرتے ہیں کہ نجدہ بن عامر حردی (غارجی) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خط لکھ کر یہ حدیث مثل سابق ہے، البتہ اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو قتل نہیں کرتے تھے سو تم بچوں کو قتل نہ کرنا، آہ یہ کہ تم کو ایسا علم ہو جس کی بناء پر حضرت محضر علیہ السلام نے ایک بچہ کو قتل کر دیا تھا اور زیاد کی روایت میں یہ ہے کہ یا تم یہ تمیز کر لو کہ یہ بچہ مؤمن ہو گا یا کافر سو جو کافر ہو اس کو قتل کر دو اور جو مؤمن ہو اس کو چھوڑ دو۔

یزید بن ہریر بیان کرتے ہیں کہ نجدہ بن عامر حردی (غارجی) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خط لکھ کر یہ معلوم کیا کہ اگر جہاد میں غلام اور عورت شریک ہوں تو کیا ان میں مال غنیمت تقسیم کیا جائے گا اور بچوں کو قتل کرنے کے متعلق پوچھا اور یہ پوچھا کہ یتیم کی یتیمی کب ختم ہوگی؟ اور حردی القری (جن کا خمس کے بیان میں قرآن مجید نے ذکر کیا ہے) اُن ہیں؟ حضرت ابن عباس نے یزید سے فرمایا اس کو جواب لکھو اور اگر وہ حماقت میں پڑنے والا نہ ہوتا تو میں اس کو جواب نہ لکھتا، اس کو یہ لکھو کہ تم نے مجھ سے یہ سوال کیا ہے کہ اگر عورت اور غلام جہاد میں شریک ہوں تو آیا ان کو مال غنیمت سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ ان کا مال غنیمت میں کوئی حصہ نہیں ہے البتہ ان کو عطیہ دیا جاسکتا ہے اور تم نے مجھ سے بچوں کو قتل کرنے کے متعلق سوال کیا ہے، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو

۴۵۱ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
وَأَسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ كِلَاهُمَا عَنْ حَاتِمِ
بْنِ إِسْمَاعِيلَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ
عَنْ يَزِيدَ بْنِ هُرَيْرٍ مَوْلَى تَجْدَةَ كَتَبَ إِلَى
ابْنِ عَبَّاسٍ يَسْأَلُهُ عَنِ الْخَلَالِ بِمِثْلِ حَدِيثِ
سُلَيْمَانَ بْنِ يَكْلٍ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ حَاتِمِ
قَرَأَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ
يَكُنْ يَقْتُلُ الصَّبِيَّانَ فَلَا تَقْتُلِ الصَّبِيَّانَ
إِنَّ أَنْ تَكُونَ تَعْلَمُ مَا عَلَيْهِمُ الْخَضِرُ مِنَ
الصَّبِيِّ الَّذِي قَتَلَ. وَنَا إِسْحَقُ فِي
حَدِيثِهِ عَنْ حَاتِمِ وَتَمَيَّزَ الْمُؤْمِنُ
فَتَقْتُلُ الْكَافِرَ وَتَمَيَّزَ الْمُؤْمِنُ -

۴۵۲ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا
سُلَيْمَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي مَرْيَمَةَ عَنْ سَعِيدِ
الْمَقْبَرِيِّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ هُرَيْرٍ مَوْلَى
تَجْدَةَ كَتَبَ إِلَى عَامِرِ الْحَرَوِيِّ إِلَى ابْنِ
عَبَّاسٍ يَسْأَلُهُ عَنِ الْعَبْدِ وَالْمَرْأَةِ يَخْضَعَانِ
لِلْمُغْلَمِ هَلْ يُقْسَمُ لَهُمَا وَعَنْ قَتْلِ الْوَلَدِ إِنْ
وَعَنِ الْيَتِيمِ مَتَى يَنْقُطِعُ عَنْهُ الْيَتَمُ
وَعَنْ ذَوِي الْقُرْبَى مَنْ هُمْ فَقَالَ لِيَزِيدَ
الْكُتُبُ إِلَيْهِ فَلَوْ لَا أَنْ يَقَعَ فِي أَحْمَوْقَةٍ
مَا كَتَبْتُ إِلَيْهِ أَكْتُبُ إِنَّكَ
كَتَبْتَ تَسْأَلُنِي عَنِ الْمَرْأَةِ وَالْعَبْدِ
يَخْضَعَانِ لِلْمُغْلَمِ هَلْ يُقْسَمُ لَهُمَا شَيْءٌ
وَأَنَّهُ كَيْسَ لَهُمَا شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُحْدِثَا
وَكَتَبْتُ تَسْأَلُنِي عَنْ قَتْلِ الْوَلَدِ إِنْ كَانَ

رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ
يَقْتُلْهُمْ وَأَنْتَ فَلَا تَقْتُلْهُمْ إِلَّا أَنْ تَعْلَمَ
مِنْهُمْ مَا عَلِمَ صَاحِبُ مُوسَى مِنَ الْغُلَامِ
الَّذِي قَتَلَهُ وَكَتَبْتَ نَسْأَ لِي عَنِ الْبَيْتِ
مَنْ يَنْقُطِعُ عَنْهُ اسْمُ الْيَتِيمِ وَإِنْ لَمْ
يَنْقُطِعْ عَنْهُ اسْمُ الْيَتِيمِ حَتَّى يَبْلُغَ وَ
يُؤْتَى مِنْهُ رُشْدٌ وَكَتَبْتَ نَسْأَ لِي عَنْ
ذِي الْقُرْبَى مَنْ هُمْ وَإِنَّمَا نَعْنَا أَقَابَهُمْ
فَإِنِّي ذَلِكَ عَلَيْكَ قَوْمَنَا .

۴۵، ۳۔ وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ
بِشْرِ الْعَبْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا
إِسْمَاعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ عَنْ مَعِينِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ
عَنْ يَزِيدِ بْنِ هُرْمُزٍ قَالَ كَتَبَ تَجْدَةً
إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَمَا أَقْبَلَ حَدِيثُ بِمِثْلِهِ
قَالَ أَبُو اسْحَقَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ
بِشْرِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بِهَذَا الْحَدِيثِ

بِطَوِيلٍ .
۴۵، ۴۔ حَدَّثَنَا اسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ
أَخْبَرَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ بْنُ حَارِثٍ حَدَّثَنِي
أَبُو قَالَ سَمِعْتُ قَيْسًا يَحْدِثُ عَنْ يَزِيدِ
بْنِ هُرْمُزٍ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ وَ
الْقَظَ لَه قَالَ حَدَّثَنَا بِهِ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ
حَارِثٍ حَدَّثَنِي قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيدِ بْنِ
هُرْمُزٍ قَالَ كَتَبَ تَجْدَةً بَنِي عَامِرٍ إِلَى ابْنِ
عَبَّاسٍ قَالَ فَشَهِدْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ حِينَ
قَرَأَ كِتَابَهُ وَحِينَ كَتَبَ بَحْوَ ابْنِ عَامِرٍ وَكَانَ
ابْنُ عَبَّاسٍ وَاللَّهِ كَوْلًا أَنْ أَرَادَهُ عَنْ
نَحْنُ يَقَعُ فِيهِ مَا كَتَبْتُ إِلَيْهِ وَلَا
نَعْمَةً عَيْنٍ قَالَ فَكَتَبَ إِلَيْهِ أَتْلَهُ سَأَلْتُ

قتل نہیں کیا سو تم بھی ان کو موت قتل کرو، الایہ کہ کسی بچے کے
مقتول نہ کر ایسا علم ہر جیسا حضرت خضر علیہ السلام کو اس بچہ
کے بارے میں علم تھا جس کو انھوں نے قتل کر دیا تھا، اور
تم نے مجھ سے یہ پوچھا کہ یتیم سے یتیمی کا نام کب ختم ہوتا
ہے؟ جب تک بچہ بالغ نہ ہو جائے اور اس کو عقل اور
آگہی حاصل نہ ہو اس وقت تک اس کو یتیم کہا جائے گا،
اور تم نے یہ پوچھا ہے کہ ذوی القربا کون ہیں؟ ہماری
رہائے یہ ہے کہ ذوی القربا ہم لوگ ہیں، لیکن ہماری قوم
نے اس کا انکار کیا۔

یزید بن ہرمز بیان کرتے ہیں کہ نجدہ نے حضرت
ابن عباس کی طرف خط لکھا اور اسی طرح حدیث بیان کی۔

امام مسلم نے دو سندوں کے ساتھ یزید بن ہرمز
سے روایت کیا کہ نجدہ بن عامر نے حضرت ابن عباس کو خط
لکھا، جس وقت حضرت ابن عباس نے اس خط کو پڑھا تو
اس کا جواب لکھا میں اس وقت موجود تھا، حضرت ابن عباس
نے فرمایا: بخدا اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ وہ بدبو (کسی
برے کام) میں پڑ جائے گا تو میں اس کو جواب نہ لکھتا،
پھر حضرت ابن عباس نے اسی کو لکھا تم نے مجھ سے ان
ذوی القربا کے متعلق سوال کیا ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے
نوکر کیا ہے، ہماری رہائے یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار ہم ہیں لیکن ہماری قوم
نے اس کا انکار کیا، اور تم نے یہ پوچھا ہے کہ یتیم کی
یتیمی کب ختم ہوگی؟ بچہ جب نکاح کے قابل ہو جانے

اور وہ عقل اور شعور کے کام کرنے لگے تو اس کو اس کا مال دے دیا جائے گا اور اس کی قیمتی شے جو جانے لگی، اور تم نے یہ سوال کیا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے بچوں میں سے کسی کو قتل کرتے تھے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے بچوں میں سے کسی کو قتل نہ کرنا، الا یہ کہ کسی بچے کے بارے میں تم کو ایسا علم ہو جیسا کہ حضرت حفصہ علیہ السلام کو اس بچے کے متعلق علم تھا جس کو انھوں نے قتل کر دیا تھا، اور تم نے عورت اور غلام کے متعلق پوچھا ہے کہ اگر وہ جہاد میں جائیں تو کیا مال غنیمت میں ان کا حصہ مقرر ہے؟ ان کا کوئی حصہ مقرر نہیں ہے، البتہ ان کو مال غنیمت میں سے عطیہ دیا جاسکتا ہے۔

یزید بن ہرمز بیان کرتے ہیں کہ نجدہ نے حضرت ابن عباس کی طرف خط لکھا اور اس حدیث کا کچھ حصہ بیان کیا اور اس راوی نے پورا قصہ بیان نہیں کیا جیسا کہ دوسری حدیثوں میں ہے۔

عَنْ سَهْمٍ ذِي الْقُرْبَى الَّذِي ذَكَرَ اللَّهُ مَنْ هُمْ وَلَا يَأْكُلُ ثَرَاؤَ أَنْ قَرَابَةً رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمْ نَحْنُ فَأَبَى ذَلِكَ عَلَيْنَا قَوْمَنَا وَسَأَلْتُ عَنِ الْيَتِيمِ مَتَى يَنْقَضِي يَتَمُّهُ وَإِنَّهُ إِذَا بَلَغَ التَّكَاثُرَ وَأَوْشَى مِنْهُ رُشْدٌ دُفِعَ إِلَيْهِ مَالُهُ فَقَدْ انْقَضَى يَتَمُّهُ وَسَأَلْتُ هَلْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْتُلُ مِنْ صِبْيَانِ الْمُشْرِكِينَ أَحَدًا فَإِنْ مَا سَأَلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَقْتُلُ مِنْهُمْ أَحَدًا إِذَا أَنْتَ قَتَلْتَ تَقْتُلُ مِنْهُمْ أَحَدًا إِلَّا أَنْ تَكُونُ تَعْلَمُ مِنْهُمْ مَا عَلَيْهِ الْخَضِرُ مِنَ الْغُلَامِ حِينَ قَتَلَهُ وَسَأَلْتُ عَنِ الْمَرْأَةِ وَالْعَبْدِ هَلْ كَانَ لَهُمَا سَهْمٌ مَعْلُومٌ إِذَا حَضَرُوا الْبَأْسَ فَأَتَمُّ لَمْ يَكُنْ لَهُمَا سَهْمٌ مَعْلُومٌ إِلَّا أَنْ تَتَخَذَ يَأْمِنْ غَنَائِمَ الْقَوْمِ - ۴۵۷۵ - وَحَدَّثَنِي أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو سَامَةَ حَدَّثَنَا إِدْرِيسُ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ الْأَعْمَشُ عَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ صَيْفِي عَنْ يَزِيدَ بْنِ هُرْمُزٍ قَالَ كَتَبَ نَجْدَةَ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَذَكَرَ بَعْضَ الْحَدِيثِ وَلَعَزَّ يَتَمُّ الْعِصَّةَ كَمَا تَمَامَ مَنْ ذَكَرْنَا حَدَّثَنَا يَتَمُّهُمْ -

نجدہ بن ہرمز حروری غازی تھا، اور خارجیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ گناہ صغیرہ کا ارتکاب بھی گنہگار ہے یہ لوگ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو کھینچتے تھے کیونکہ بقول ان کے

انھوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عمر بن عباس رضی اللہ عنہما کو حکم بنا کر ان کو حکم دیا کہ (یوسف: ۴۰) "حاکمیت صرف اللہ کی ہے" کی مخالفت کی ہے یہ لوگ مستحبات کو فرائض کا درجہ دیتے تھے، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا معصوق تھے "یہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے"۔

اس باب کی احادیث میں نجدہ بن عامر حروری لکھا ہے، علامہ یا قوت حموی لکھتے ہیں حذروا او کوہ سے دوہیل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے، واقعہ حکیم کے بعد پہلی بار اس جگہ حواج جمع ہوئے اور انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی

اور چونکہ خارجیوں کی داغ بیل اسی جگہ سے پڑی تھی اس لیے خارجیوں کو ضروری کہا جانے لگا۔
اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما غارِ حرا کو ان کی بدعات کی وجہ سے ناپسند کرتے تھے لیکن جب انہوں نے آپ سے دین کا ایک مسئلہ پر چا تو آپ نے علم چھپانے کو ناپسند کیا اور قرآن مجید میں علم چھپانے پر جو وعید ہے اس سے ڈرے اور ان کے سوالات کے جوابات کھوکھلے دے دیے۔

جہاد میں شریک ہونے والے غلام اور عورت کو مالِ غنیمت سے حصہ دینے میں مذاہب فقہاء

امام ابوحنیفہ، امام شافعی، ثوری، لیث اور جمہور فقہاء اسلام کا مسلک یہ ہے کہ عورت اور غلام کا مال غنیمت میں حصہ مقرر نہیں ہے، البتہ اس کو عطیہ دیا جائے گا، جیسا کہ اس باب کی احادیث صحیحہ میں ہے، امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ اگر عورت زخمیوں کا علاج کرے یا جنگ میں حصہ لے اور قتال کرے تو اس کا اس میں حصہ بھی مقرر ہوگا، اور امام مالک یہ کہتے ہیں کہ عورت کو عطیہ بھی نہیں دیا جائے گا اسی طرح امام مالک غلام کو بھی عطیہ دینے کے قائل نہیں ہیں اور حسن، ابن سیرین اور نسائی یہ کہتے ہیں کہ غلام اگر قتال کرے تو مال غنیمت سے اس کو حصہ ملے گا۔ امام مالک اور اوزاعی وغیرہ کے مذاہب چونکہ احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں اس لیے مردود ہیں۔

عورتوں کے جہاد میں شریک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے محارم کے علاج کے لیے جاسکتی ہیں اور اگر شدید ضرورت ہو تو سر اور حجاب کے ساتھ اجنبی مردوں کو بھی دوا دارو اور پانی وغیرہ دے سکتی ہے۔ اس حدیث میں مشرکین کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، یہ اس وقت ہے جب وہ مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں حصہ نہ لیں اور اگر وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں تو پھر ان کو قتل کرنا جائز ہے۔

کم عقل والے بالغ شخص کو مال میں تصرف کرنے سے روکنے کے بارے میں مذاہب فقہاء

اس حدیث میں یہ بتایا ہے کہ بلوغ کے بعد قیمتی ختم ہو جاتی ہے، بشرطیکہ یتیم عقل اور شعور کے کام کرنے لگے، علامہ نووی شافعی کہتے ہیں کہ امام شافعی، امام مالک اور جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ محض بالغ ہو جانے یا زیادہ عمر ہو جانے سے قیمتی کا حکم منقطع نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ دین اور مال میں اس سے عقل اور شعور کے آثار ظاہر ہوں، امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ جب اس کی عمر پچیس سال کی ہو جائے تو اس سے بچپن کا حکم منقطع ہو جائے گا اور اسے اس کے مال کے تصرف میں رشید (صحیح تصرف کرنے والا) قرار دیا جائے گا اور یتیم کے ولی پر واجب ہے کہ اتنی عمر میں یتیم کا مال اس کے سپرد کر دے خواہ وہ اس مال کو ٹھیک طور پر خرچ نہ کرے، اور بڑی عمر کا شخص جب اپنے

۱۔ علامہ شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ حموی رومی بغدادی متوفی ۶۸۶ھ مجمع البلدان ج ۲ ص ۲۵۵ مطبوعہ دار الفکر العربی بیروت ۱۳۹۹ھ

۲۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۱ھ شرح مسلم ج ۲ ص ۱۱۷ مطبوعہ دار الفکر العربی بیروت ۱۳۷۵ھ

مال میں فضول خرچی کرے تو امام مالک اور جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک اس کو مالی تصرفات سے روک دینا واجب ہے امام ابوحنیفہ کہتے ہیں اس کو نہیں روکا جائے گا، ابن تیمیہ وغیرہ نے کہا ہے کہ پہلا قول صحیح ہے اور اس پر تقریباً اجماع ہے۔

کم عقل والے بالغ شخص کو مال میں تصرف کرنے سے روکنے کے بارے میں فقہاء احنا کے نظریات

علامہ ابو الحسن المرغینانی حنفی کہتے ہیں:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص آزاد، بالغ، عاقل اور ذہالبی ہو اس کا اپنے مال میں تصرف کرنا جائز ہے، خواہ وہ فضول خرچ کرتا ہو اور اپنے مال کو بھٹ اور بے فائدہ امور میں خرچ کرتا ہو۔ امام ابو یوسف اور امام محمد یہ کہتے ہیں کہ بے وقوف شخص کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روکا جائے گا کیونکہ وہ اپنے مال کو فضول خرچ کرتا ہے اور بغیر کسی مصلحت اور عاقبت محمودہ کے اپنے مال کو صرف کرتا ہے، سو جس طرح نابالغ بچہ کو مال میں تصرف کرنے سے روکا جاتا ہے اسی طرح اس کو بھی روکا جائے گا بلکہ اس کو روکنا اولیٰ ہے، کیونکہ بچہ کے بارے میں تو یہ احتمال ہے کہ شاید وہ مال کو غلط جگہ پر خرچ کر دے اور اس کے متعلق تو یقین ہے کہ یہ مال کو بے فائدہ خرچ کر کے ضائع کرے گا اس وجہ سے اس کو مال نہیں دیا جائے گا۔ یہ بحث اس وقت ہے جب ولایت یا سب کی شکل میں کسی کا مال اس کے دلی کے پاس امانت ہو، علامہ عوارزمی حنفی کہتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ جب تک اس کی عمر پچیس سال کی نہیں ہو جاتی اس وقت تک اس کا مال اس کی تحویل میں نہیں دیا جائے گا اور امام ابو یوسف اور امام محمد یہ کہتے ہیں کہ جب تک یہ بے وقوف ہے اس کا مال اس کو نہیں دیا جائے گا۔ (کتاب علیٰ بائع فی القدر ج ۸ ص ۱۹۲)۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ شخص احکام شریعہ کا مکلف اور مخاطب ہے اور صاحب عقل ہے اس لیے وہ عقل رشید ہے اور اس کے مال پر پابندی نہیں لگائی جائے گی نیز اس کے مالی تصرفات کو سلب کرنا اس کو آدمیت سے نکال کر حیوانیت کے ساتھ لاحق کرنا ہے، اور یہ اس کی فضول خرچی کے ضرر سے بڑا ضرر ہے اس لیے بغیر کسی اشد ضرورت کے اس کو تصرفات سے نہیں روکا جائے گا، ہاں اگر اس پر پابندی لگانے سے کسی ضرر عام کو دفع کرنا مقصود ہو تو پھر اس پر پابندی لگائی جائے گی۔ مثلاً ایک جاہل طبیب ہے (یا غیر سند یافتہ ڈاکٹر ہے جو غلط سداوتیں دے کر لوگوں کی جانوں سے کھینچتا یا نیم نمادہ مفتی ہے جو لوگوں کو علم اور تحقیق کے بغیر مسائل بتا کر ان کو غلط راہ پر لگاتا ہے) یا لوگوں سے کسی چیز کو کر لے پر دینے کے لیے پیسے قیاس ہے اور اس کے پاس وہ چیز نہیں ہے اور اس طرح لوگوں کے پیسے ہڑپ کر جاتا ہے تو ایسے لوگوں کو علاج کرنے سے سدا بدلانے اور کرانے کے بہانے پیسے لینے سے روکا جائے گا کیونکہ اگر ان لوگوں کو تصرفات سے نہ روکا گیا تو اس سے عام لوگوں کو ضرر ہوگا اور ان کے تصرفات پر پابندی لگانے کے ضرر سے زیادہ بڑا ضرر ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد نے بے وقوف شخص کو بچہ پر قیاس کیا تھا اور کہا تھا جس طرح بچہ کو مالی تصرفات سے روکا جاتا ہے اسی طرح بڑی عمر کے بے وقوف شخص کو بھی روکا جائے گا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ

بچہ غور و فکر کی صلاحیت نہیں رکھتا اور پچیس سالہ انسان غور و فکر پر قادر ہوتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے عقل اور فہم عطا کی ہے وہ اپنی غلط تدبیر اور ناواقفیت اندیشی کی وجہ سے صحیح تعریف نہیں کرتا اور پچیس سال سے پہلے اس کو مال دینا مفید ہے کیونکہ جب اس کے قبضہ میں مال نہیں ہوگا تو یہ بے مقصد رہے اور صدقہ نہیں کرے گا۔ لے

بَابُ عَدَدِ غَزَاةٍ وَاتِّبَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تعداد

۴۵۷۶ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةٍ الْأَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنَ غَزَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاصْبِرْ لَهُمُ الطَّعَامَ وَادَاوِي الْجَرْحَى وَأَقْوَمِ عَلَى الْمَرْضَى.

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں سات غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئی تھی، میں مجاہدین کے عقب میں خیموں میں رہتی تھی۔ مجاہدین کے لیے کھانا تیار کرتی، زخمیوں کو دوا دیتی اور بیماروں کی عیادت کرتی۔

۴۵۷۷ - وَحَدَّثَنَا عُمَرُ وَالْقَاسِمُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ بِهَذَا إِلَّا سَنَادَهُ كَخَوَافِهِ.

اہم مسلم نے ایک اور سند سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

۴۵۷۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ وَالْفُظَّالِيُّ ابْنُ الْمُثَنَّى قَالُوا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ يَزِيدَ خَرَجَ يَسْتَسْقِي بِالنَّاسِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ اسْتَسْقَى قَالَ فَلَقِيتُ يَوْمَئِذٍ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ وَ قَالَ كَيْسَ بَيْتِي وَ بَيْتُهُ غَيْرَ رَجُلٍ آوَى بَيْتِي وَ بَيْتُهُ رَجُلٌ قَالَ فَقُلْتُ لَهُ كَمْ غَزَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تِسْعَ عَشْرَةَ فَقُلْتُ كَمْ غَزَاؤُتْ أُمِّتَ مَعَهُ قَالَ مَسْبَعَةَ عَشْرَةَ غَزَاؤُتْ قَالَ فَقُلْتُ كَمَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَكَأَنَّ

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن یزید نزار استسقاء پڑ جانے لگے، دو رکعت نماز استسقاء پڑھا، کہ انھوں نے بارش کے لیے دعا کی اس دن میری حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، میرے اور ان کے درمیان صرف ایک آدمی تھا، میں نے ان سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنے غزوات میں تشریف لے گئے تھے؟ انھوں نے کہا ایسی غزوات میں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کتنے غزوات میں حضور کے ساتھ تھے؟ انھوں نے کہا سترہ غزوات میں، میں نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا غزوہ کون سا تھا؟ انھوں نے فاتح المیر یا فاتح الکثیر کہا۔

لے۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرینی حنفی متروک ۵۹۳ھ / ۱۱۹۹ء / ۱۲۰۲ء / ۱۲۰۳ء / ۱۲۰۴ء / ۱۲۰۵ء / ۱۲۰۶ء / ۱۲۰۷ء / ۱۲۰۸ء / ۱۲۰۹ء / ۱۲۱۰ء / ۱۲۱۱ء / ۱۲۱۲ء / ۱۲۱۳ء / ۱۲۱۴ء / ۱۲۱۵ء / ۱۲۱۶ء / ۱۲۱۷ء / ۱۲۱۸ء / ۱۲۱۹ء / ۱۲۲۰ء / ۱۲۲۱ء / ۱۲۲۲ء / ۱۲۲۳ء / ۱۲۲۴ء / ۱۲۲۵ء / ۱۲۲۶ء / ۱۲۲۷ء / ۱۲۲۸ء / ۱۲۲۹ء / ۱۲۳۰ء / ۱۲۳۱ء / ۱۲۳۲ء / ۱۲۳۳ء / ۱۲۳۴ء / ۱۲۳۵ء / ۱۲۳۶ء / ۱۲۳۷ء / ۱۲۳۸ء / ۱۲۳۹ء / ۱۲۴۰ء / ۱۲۴۱ء / ۱۲۴۲ء / ۱۲۴۳ء / ۱۲۴۴ء / ۱۲۴۵ء / ۱۲۴۶ء / ۱۲۴۷ء / ۱۲۴۸ء / ۱۲۴۹ء / ۱۲۵۰ء / ۱۲۵۱ء / ۱۲۵۲ء / ۱۲۵۳ء / ۱۲۵۴ء / ۱۲۵۵ء / ۱۲۵۶ء / ۱۲۵۷ء / ۱۲۵۸ء / ۱۲۵۹ء / ۱۲۶۰ء / ۱۲۶۱ء / ۱۲۶۲ء / ۱۲۶۳ء / ۱۲۶۴ء / ۱۲۶۵ء / ۱۲۶۶ء / ۱۲۶۷ء / ۱۲۶۸ء / ۱۲۶۹ء / ۱۲۷۰ء / ۱۲۷۱ء / ۱۲۷۲ء / ۱۲۷۳ء / ۱۲۷۴ء / ۱۲۷۵ء / ۱۲۷۶ء / ۱۲۷۷ء / ۱۲۷۸ء / ۱۲۷۹ء / ۱۲۸۰ء / ۱۲۸۱ء / ۱۲۸۲ء / ۱۲۸۳ء / ۱۲۸۴ء / ۱۲۸۵ء / ۱۲۸۶ء / ۱۲۸۷ء / ۱۲۸۸ء / ۱۲۸۹ء / ۱۲۹۰ء / ۱۲۹۱ء / ۱۲۹۲ء / ۱۲۹۳ء / ۱۲۹۴ء / ۱۲۹۵ء / ۱۲۹۶ء / ۱۲۹۷ء / ۱۲۹۸ء / ۱۲۹۹ء / ۱۳۰۰ء / ۱۳۰۱ء / ۱۳۰۲ء / ۱۳۰۳ء / ۱۳۰۴ء / ۱۳۰۵ء / ۱۳۰۶ء / ۱۳۰۷ء / ۱۳۰۸ء / ۱۳۰۹ء / ۱۳۱۰ء / ۱۳۱۱ء / ۱۳۱۲ء / ۱۳۱۳ء / ۱۳۱۴ء / ۱۳۱۵ء / ۱۳۱۶ء / ۱۳۱۷ء / ۱۳۱۸ء / ۱۳۱۹ء / ۱۳۲۰ء / ۱۳۲۱ء / ۱۳۲۲ء / ۱۳۲۳ء / ۱۳۲۴ء / ۱۳۲۵ء / ۱۳۲۶ء / ۱۳۲۷ء / ۱۳۲۸ء / ۱۳۲۹ء / ۱۳۳۰ء / ۱۳۳۱ء / ۱۳۳۲ء / ۱۳۳۳ء / ۱۳۳۴ء / ۱۳۳۵ء / ۱۳۳۶ء / ۱۳۳۷ء / ۱۳۳۸ء / ۱۳۳۹ء / ۱۳۴۰ء / ۱۳۴۱ء / ۱۳۴۲ء / ۱۳۴۳ء / ۱۳۴۴ء / ۱۳۴۵ء / ۱۳۴۶ء / ۱۳۴۷ء / ۱۳۴۸ء / ۱۳۴۹ء / ۱۳۵۰ء / ۱۳۵۱ء / ۱۳۵۲ء / ۱۳۵۳ء / ۱۳۵۴ء / ۱۳۵۵ء / ۱۳۵۶ء / ۱۳۵۷ء / ۱۳۵۸ء / ۱۳۵۹ء / ۱۳۶۰ء / ۱۳۶۱ء / ۱۳۶۲ء / ۱۳۶۳ء / ۱۳۶۴ء / ۱۳۶۵ء / ۱۳۶۶ء / ۱۳۶۷ء / ۱۳۶۸ء / ۱۳۶۹ء / ۱۳۷۰ء / ۱۳۷۱ء / ۱۳۷۲ء / ۱۳۷۳ء / ۱۳۷۴ء / ۱۳۷۵ء / ۱۳۷۶ء / ۱۳۷۷ء / ۱۳۷۸ء / ۱۳۷۹ء / ۱۳۸۰ء / ۱۳۸۱ء / ۱۳۸۲ء / ۱۳۸۳ء / ۱۳۸۴ء / ۱۳۸۵ء / ۱۳۸۶ء / ۱۳۸۷ء / ۱۳۸۸ء / ۱۳۸۹ء / ۱۳۹۰ء / ۱۳۹۱ء / ۱۳۹۲ء / ۱۳۹۳ء / ۱۳۹۴ء / ۱۳۹۵ء / ۱۳۹۶ء / ۱۳۹۷ء / ۱۳۹۸ء / ۱۴۰۰ء / ۱۴۰۱ء / ۱۴۰۲ء / ۱۴۰۳ء / ۱۴۰۴ء / ۱۴۰۵ء / ۱۴۰۶ء / ۱۴۰۷ء / ۱۴۰۸ء / ۱۴۰۹ء / ۱۴۱۰ء / ۱۴۱۱ء / ۱۴۱۲ء / ۱۴۱۳ء / ۱۴۱۴ء / ۱۴۱۵ء / ۱۴۱۶ء / ۱۴۱۷ء / ۱۴۱۸ء / ۱۴۱۹ء / ۱۴۲۰ء / ۱۴۲۱ء / ۱۴۲۲ء / ۱۴۲۳ء / ۱۴۲۴ء / ۱۴۲۵ء / ۱۴۲۶ء / ۱۴۲۷ء / ۱۴۲۸ء / ۱۴۲۹ء / ۱۴۳۰ء / ۱۴۳۱ء / ۱۴۳۲ء / ۱۴۳۳ء / ۱۴۳۴ء / ۱۴۳۵ء / ۱۴۳۶ء / ۱۴۳۷ء / ۱۴۳۸ء / ۱۴۳۹ء / ۱۴۴۰ء / ۱۴۴۱ء / ۱۴۴۲ء / ۱۴۴۳ء / ۱۴۴۴ء / ۱۴۴۵ء / ۱۴۴۶ء / ۱۴۴۷ء / ۱۴۴۸ء / ۱۴۴۹ء / ۱۴۵۰ء / ۱۴۵۱ء / ۱۴۵۲ء / ۱۴۵۳ء / ۱۴۵۴ء / ۱۴۵۵ء / ۱۴۵۶ء / ۱۴۵۷ء / ۱۴۵۸ء / ۱۴۵۹ء / ۱۴۶۰ء / ۱۴۶۱ء / ۱۴۶۲ء / ۱۴۶۳ء / ۱۴۶۴ء / ۱۴۶۵ء / ۱۴۶۶ء / ۱۴۶۷ء / ۱۴۶۸ء / ۱۴۶۹ء / ۱۴۷۰ء / ۱۴۷۱ء / ۱۴۷۲ء / ۱۴۷۳ء / ۱۴۷۴ء / ۱۴۷۵ء / ۱۴۷۶ء / ۱۴۷۷ء / ۱۴۷۸ء / ۱۴۷۹ء / ۱۴۸۰ء / ۱۴۸۱ء / ۱۴۸۲ء / ۱۴۸۳ء / ۱۴۸۴ء / ۱۴۸۵ء / ۱۴۸۶ء / ۱۴۸۷ء / ۱۴۸۸ء / ۱۴۸۹ء / ۱۴۹۰ء / ۱۴۹۱ء / ۱۴۹۲ء / ۱۴۹۳ء / ۱۴۹۴ء / ۱۴۹۵ء / ۱۴۹۶ء / ۱۴۹۷ء / ۱۴۹۸ء / ۱۴۹۹ء / ۱۵۰۰ء / ۱۵۰۱ء / ۱۵۰۲ء / ۱۵۰۳ء / ۱۵۰۴ء / ۱۵۰۵ء / ۱۵۰۶ء / ۱۵۰۷ء / ۱۵۰۸ء / ۱۵۰۹ء / ۱۵۱۰ء / ۱۵۱۱ء / ۱۵۱۲ء / ۱۵۱۳ء / ۱۵۱۴ء / ۱۵۱۵ء / ۱۵۱۶ء / ۱۵۱۷ء / ۱۵۱۸ء / ۱۵۱۹ء / ۱۵۲۰ء / ۱۵۲۱ء / ۱۵۲۲ء / ۱۵۲۳ء / ۱۵۲۴ء / ۱۵۲۵ء / ۱۵۲۶ء / ۱۵۲۷ء / ۱۵۲۸ء / ۱۵۲۹ء / ۱۵۳۰ء / ۱۵۳۱ء / ۱۵۳۲ء / ۱۵۳۳ء / ۱۵۳۴ء / ۱۵۳۵ء / ۱۵۳۶ء / ۱۵۳۷ء / ۱۵۳۸ء / ۱۵۳۹ء / ۱۵۴۰ء / ۱۵۴۱ء / ۱۵۴۲ء / ۱۵۴۳ء / ۱۵۴۴ء / ۱۵۴۵ء / ۱۵۴۶ء / ۱۵۴۷ء / ۱۵۴۸ء / ۱۵۴۹ء / ۱۵۵۰ء / ۱۵۵۱ء / ۱۵۵۲ء / ۱۵۵۳ء / ۱۵۵۴ء / ۱۵۵۵ء / ۱۵۵۶ء / ۱۵۵۷ء / ۱۵۵۸ء / ۱۵۵۹ء / ۱۵۶۰ء / ۱۵۶۱ء / ۱۵۶۲ء / ۱۵۶۳ء / ۱۵۶۴ء / ۱۵۶۵ء / ۱۵۶۶ء / ۱۵۶۷ء / ۱۵۶۸ء / ۱۵۶۹ء / ۱۵۷۰ء / ۱۵۷۱ء / ۱۵۷۲ء / ۱۵۷۳ء / ۱۵۷۴ء / ۱۵۷۵ء / ۱۵۷۶ء / ۱۵۷۷ء / ۱۵۷۸ء / ۱۵۷۹ء / ۱۵۸۰ء / ۱۵۸۱ء / ۱۵۸۲ء / ۱۵۸۳ء / ۱۵۸۴ء / ۱۵۸۵ء / ۱۵۸۶ء / ۱۵۸۷ء / ۱۵۸۸ء / ۱۵۸۹ء / ۱۵۹۰ء / ۱۵۹۱ء / ۱۵۹۲ء / ۱۵۹۳ء / ۱۵۹۴ء / ۱۵۹۵ء / ۱۵۹۶ء / ۱۵۹۷ء / ۱۵۹۸ء / ۱۵۹۹ء / ۱۶۰۰ء / ۱۶۰۱ء / ۱۶۰۲ء / ۱۶۰۳ء / ۱۶۰۴ء / ۱۶۰۵ء / ۱۶۰۶ء / ۱۶۰۷ء / ۱۶۰۸ء / ۱۶۰۹ء / ۱۶۱۰ء / ۱۶۱۱ء / ۱۶۱۲ء / ۱۶۱۳ء / ۱۶۱۴ء / ۱۶۱۵ء / ۱۶۱۶ء / ۱۶۱۷ء / ۱۶۱۸ء / ۱۶۱۹ء / ۱۶۲۰ء / ۱۶۲۱ء / ۱۶۲۲ء / ۱۶۲۳ء / ۱۶۲۴ء / ۱۶۲۵ء / ۱۶۲۶ء / ۱۶۲۷ء / ۱۶۲۸ء / ۱۶۲۹ء / ۱۶۳۰ء / ۱۶۳۱ء / ۱۶۳۲ء / ۱۶۳۳ء / ۱۶۳۴ء / ۱۶۳۵ء / ۱۶۳۶ء / ۱۶۳۷ء / ۱۶۳۸ء / ۱۶۳۹ء / ۱۶۴۰ء / ۱۶۴۱ء / ۱۶۴۲ء / ۱۶۴۳ء / ۱۶۴۴ء / ۱۶۴۵ء / ۱۶۴۶ء / ۱۶۴۷ء / ۱۶۴۸ء / ۱۶۴۹ء / ۱۶۵۰ء / ۱۶۵۱ء / ۱۶۵۲ء / ۱۶۵۳ء / ۱۶۵۴ء / ۱۶۵۵ء / ۱۶۵۶ء / ۱۶۵۷ء / ۱۶۵۸ء / ۱۶۵۹ء / ۱۶۶۰ء / ۱۶۶۱ء / ۱۶۶۲ء / ۱۶۶۳ء / ۱۶۶۴ء / ۱۶۶۵ء / ۱۶۶۶ء / ۱۶۶۷ء / ۱۶۶۸ء / ۱۶۶۹ء / ۱۶۷۰ء / ۱۶۷۱ء / ۱۶۷۲ء / ۱۶۷۳ء / ۱۶۷۴ء / ۱۶۷۵ء / ۱۶۷۶ء / ۱۶۷۷ء / ۱۶۷۸ء / ۱۶۷۹ء / ۱۶۸۰ء / ۱۶۸۱ء / ۱۶۸۲ء / ۱۶۸۳ء / ۱۶۸۴ء / ۱۶۸۵ء / ۱۶۸۶ء / ۱۶۸۷ء / ۱۶۸۸ء / ۱۶۸۹ء / ۱۶۹۰ء / ۱۶۹۱ء / ۱۶۹۲ء / ۱۶۹۳ء / ۱۶۹۴ء / ۱۶۹۵ء / ۱۶۹۶ء / ۱۶۹۷ء / ۱۶۹۸ء / ۱۶۹۹ء / ۱۷۰۰ء / ۱۷۰۱ء / ۱۷۰۲ء / ۱۷۰۳ء / ۱۷۰۴ء / ۱۷۰۵ء / ۱۷۰۶ء / ۱۷۰۷ء / ۱۷۰۸ء / ۱۷۰۹ء / ۱۷۱۰ء / ۱۷۱۱ء / ۱۷۱۲ء / ۱۷۱۳ء / ۱۷۱۴ء / ۱۷۱۵ء / ۱۷۱۶ء / ۱۷۱۷ء / ۱۷۱۸ء / ۱۷۱۹ء / ۱۷۲۰ء / ۱۷۲۱ء / ۱۷۲۲ء / ۱۷۲۳ء / ۱۷۲۴ء / ۱۷۲۵ء / ۱۷۲۶ء / ۱۷۲۷ء / ۱۷۲۸ء / ۱۷۲۹ء / ۱۷۳۰ء / ۱۷۳۱ء / ۱۷۳۲ء / ۱۷۳۳ء / ۱۷۳۴ء / ۱۷۳۵ء / ۱۷۳۶ء / ۱۷۳۷ء / ۱۷۳۸ء / ۱۷۳۹ء / ۱۷۴۰ء / ۱۷۴۱ء / ۱۷۴۲ء / ۱۷۴۳ء / ۱۷۴۴ء / ۱۷۴۵ء / ۱۷۴۶ء / ۱۷۴۷ء / ۱۷۴۸ء / ۱۷۴۹ء / ۱۷۵۰ء / ۱۷۵۱ء / ۱۷۵۲ء / ۱۷۵۳ء / ۱۷۵۴ء / ۱۷۵۵ء / ۱۷۵۶ء / ۱۷۵۷ء / ۱۷۵۸ء / ۱۷۵۹ء / ۱۷۶۰ء / ۱۷۶۱ء / ۱۷۶۲ء / ۱۷۶۳ء / ۱۷۶۴ء / ۱۷۶۵ء / ۱۷۶۶ء / ۱۷۶۷ء / ۱۷۶۸ء / ۱۷۶۹ء / ۱۷۷۰ء / ۱۷۷۱ء / ۱۷۷۲ء / ۱۷۷۳ء / ۱۷۷۴ء / ۱۷۷۵ء / ۱۷۷۶ء / ۱۷۷۷ء / ۱۷۷۸ء / ۱۷۷۹ء / ۱۷۸۰ء / ۱۷۸۱ء / ۱۷۸۲ء / ۱۷۸۳ء / ۱۷۸۴ء / ۱۷۸۵ء / ۱۷۸۶ء / ۱۷۸۷ء / ۱۷۸۸ء / ۱۷۸۹ء / ۱۷۹۰ء / ۱۷۹۱ء / ۱۷۹۲ء / ۱۷۹۳ء / ۱۷۹۴ء / ۱۷۹۵ء / ۱۷۹۶ء / ۱۷۹۷ء / ۱۷۹۸ء / ۱۷۹۹ء / ۱۸۰۰ء / ۱۸۰۱ء / ۱۸۰۲ء / ۱۸۰۳ء / ۱۸۰۴ء / ۱۸۰۵ء / ۱۸۰۶ء / ۱۸۰۷ء / ۱۸۰۸ء / ۱۸۰۹ء / ۱۸۱۰ء / ۱۸۱۱ء / ۱۸۱۲ء / ۱۸۱۳ء / ۱۸۱۴ء / ۱۸۱۵ء / ۱۸۱۶ء / ۱۸۱۷ء / ۱۸۱۸ء / ۱۸۱۹ء / ۱۸۲۰ء / ۱۸۲۱ء / ۱۸۲۲ء / ۱۸۲۳ء / ۱۸۲۴ء / ۱۸۲۵ء / ۱۸۲۶ء / ۱۸۲۷ء / ۱۸۲۸ء / ۱۸۲۹ء / ۱۸۳۰ء / ۱۸۳۱ء / ۱۸۳۲ء / ۱۸۳۳ء / ۱۸۳۴ء / ۱۸۳۵ء / ۱۸۳۶ء / ۱۸۳۷ء / ۱۸۳۸ء / ۱۸۳۹ء / ۱۸۴۰ء / ۱۸۴۱ء / ۱۸۴۲ء / ۱۸۴۳ء / ۱۸۴۴ء / ۱۸۴۵ء / ۱۸۴۶ء / ۱۸۴۷ء / ۱۸۴۸ء / ۱۸۴۹ء / ۱۸۵۰ء / ۱۸۵۱ء / ۱۸۵۲ء / ۱۸۵۳ء / ۱۸۵۴ء / ۱۸۵۵ء / ۱۸۵۶ء / ۱۸۵۷ء / ۱۸۵۸ء / ۱۸۵۹ء / ۱۸۶۰ء / ۱۸۶۱ء / ۱۸۶۲ء / ۱۸۶۳ء / ۱۸۶۴ء / ۱۸۶۵ء / ۱۸۶۶ء / ۱۸۶۷ء / ۱۸۶۸ء / ۱۸۶۹ء / ۱۸۷۰ء / ۱۸۷۱ء / ۱۸۷۲ء / ۱۸۷۳ء / ۱۸۷۴ء / ۱۸۷۵ء / ۱۸۷۶ء / ۱۸۷۷ء / ۱۸۷۸ء / ۱۸۷۹ء / ۱۸۸۰ء / ۱۸۸۱ء / ۱۸۸۲ء / ۱۸۸۳ء / ۱۸۸۴ء / ۱۸۸۵ء / ۱۸۸۶ء / ۱۸۸۷ء / ۱۸۸۸ء / ۱۸۸۹ء / ۱۸۹۰ء / ۱۸۹۱ء / ۱۸۹۲ء / ۱۸۹۳ء / ۱۸۹۴ء / ۱۸۹۵ء / ۱۸۹۶ء / ۱۸۹۷ء / ۱۸۹۸ء / ۱۸۹۹ء / ۱۹۰۰ء / ۱۹۰۱ء / ۱۹۰۲ء / ۱۹۰۳ء / ۱۹۰۴ء / ۱۹۰۵ء / ۱۹۰۶ء / ۱۹۰۷ء / ۱۹۰۸ء / ۱۹۰۹ء / ۱۹۱۰ء / ۱۹۱۱ء / ۱۹۱۲ء / ۱۹۱۳ء / ۱۹۱۴ء / ۱۹۱۵ء / ۱۹۱۶ء / ۱۹۱۷ء / ۱۹۱۸ء / ۱۹۱۹ء / ۱۹۲۰ء / ۱۹۲۱ء / ۱۹۲۲ء / ۱۹۲۳ء / ۱۹۲۴ء / ۱۹۲۵ء / ۱۹۲۶ء / ۱۹۲۷ء / ۱۹۲۸ء / ۱۹۲۹ء / ۱۹۳۰ء / ۱۹۳۱ء / ۱۹۳۲ء / ۱۹۳۳ء / ۱۹۳۴ء / ۱۹۳۵ء / ۱۹۳۶ء / ۱۹۳۷ء / ۱۹۳۸ء / ۱۹۳۹ء / ۱۹۴۰ء / ۱۹۴۱ء / ۱۹۴۲ء / ۱۹۴۳ء / ۱۹۴۴ء / ۱۹۴۵ء / ۱۹۴۶ء / ۱۹۴۷ء / ۱۹۴۸ء / ۱۹۴۹ء / ۱۹۵۰ء / ۱۹۵۱ء / ۱۹۵۲ء / ۱۹۵۳ء / ۱۹۵۴ء / ۱۹۵۵ء / ۱۹۵۶ء / ۱۹۵۷ء / ۱۹۵۸ء / ۱۹۵۹ء / ۱۹۶۰ء / ۱۹۶۱ء / ۱۹۶۲ء / ۱۹۶۳ء / ۱۹۶۴ء / ۱۹۶۵ء / ۱۹۶۶ء / ۱۹۶۷ء / ۱۹۶۸ء / ۱۹۶۹ء / ۱۹۷۰ء / ۱۹۷۱ء / ۱۹۷۲ء / ۱۹۷۳ء / ۱۹۷۴ء / ۱۹۷۵ء / ۱۹۷۶ء / ۱۹۷۷ء / ۱۹۷۸ء / ۱۹۷۹ء / ۱۹۸۰ء / ۱۹۸۱ء / ۱۹۸۲ء / ۱۹۸۳ء / ۱۹۸۴ء / ۱۹۸۵ء / ۱۹۸۶ء / ۱۹۸۷ء / ۱۹۸۸ء / ۱۹۸۹ء / ۱۹۹۰ء / ۱۹۹۱ء / ۱۹۹۲ء / ۱۹۹۳ء / ۱۹۹۴ء / ۱۹۹۵ء / ۱۹۹۶ء / ۱۹۹۷ء / ۱۹۹۸ء / ۱۹۹۹ء / ۲۰۰۰ء / ۲۰۰۱ء / ۲۰۰۲ء / ۲۰۰۳ء / ۲۰۰۴ء / ۲۰۰۵ء / ۲۰۰۶ء / ۲۰۰۷ء / ۲۰۰۸ء / ۲۰۰۹ء / ۲۰۱۰ء / ۲۰۱۱ء / ۲۰۱۲ء / ۲۰۱۳ء / ۲۰۱۴ء / ۲۰۱۵ء / ۲۰۱۶ء / ۲۰۱۷ء / ۲۰۱۸ء / ۲۰۱۹ء / ۲۰۲۰ء / ۲۰۲۱ء / ۲۰۲۲ء / ۲۰۲۳ء / ۲۰۲۴ء / ۲۰۲۵ء / ۲۰۲۶ء / ۲۰۲۷ء / ۲۰۲۸ء / ۲۰۲۹ء / ۲۰۳۰ء / ۲۰۳۱ء / ۲۰۳۲ء / ۲۰۳۳ء / ۲۰۳۴ء / ۲۰۳۵ء / ۲۰۳۶ء / ۲۰۳۷ء / ۲۰۳۸ء / ۲۰۳۹ء / ۲۰۴۰ء / ۲۰۴۱ء / ۲۰۴۲ء / ۲۰۴۳ء / ۲۰۴۴ء / ۲۰۴۵ء / ۲۰۴۶ء / ۲۰۴۷ء / ۲۰۴۸ء / ۲۰۴۹ء / ۲۰۵۰ء / ۲۰۵۱ء / ۲۰۵۲ء / ۲۰۵۳ء / ۲۰۵۴ء / ۲۰۵۵ء / ۲۰۵۶ء / ۲۰۵۷ء / ۲۰۵۸ء / ۲۰۵۹ء / ۲۰۶۰ء / ۲۰۶۱ء / ۲۰۶۲ء / ۲۰۶۳ء / ۲۰۶۴ء / ۲۰۶۵ء / ۲۰۶۶ء / ۲۰۶۷ء / ۲۰۶۸ء / ۲۰۶۹ء / ۲۰۷۰ء / ۲۰۷۱ء / ۲۰۷۲ء / ۲۰۷۳ء / ۲۰۷۴ء / ۲۰۷۵ء / ۲۰۷۶ء / ۲۰۷۷ء / ۲۰۷۸ء / ۲۰۷۹ء / ۲۰۸۰ء / ۲۰۸۱ء / ۲۰۸۲ء / ۲۰۸۳ء / ۲۰۸۴ء / ۲۰۸۵ء / ۲۰۸۶ء / ۲۰۸۷ء / ۲۰۸۸ء / ۲۰۸۹ء / ۲۰۹۰ء / ۲۰۹۱ء / ۲۰۹۲ء / ۲۰۹۳ء / ۲۰۹۴ء / ۲۰۹۵ء / ۲۰۹۶ء / ۲۰۹۷ء / ۲۰۹۸ء / ۲۰۹۹ء / ۲۱۰۰ء / ۲۱۰۱ء / ۲۱۰۲ء / ۲۱۰۳ء / ۲۱۰۴ء / ۲۱۰۵ء / ۲۱۰۶ء / ۲۱۰۷ء / ۲۱۰۸ء / ۲۱۰۹ء / ۲۱۱۰ء / ۲۱۱۱ء / ۲۱۱۲ء / ۲۱۱۳ء / ۲۱۱۴ء / ۲۱۱۵ء / ۲۱۱۶ء / ۲۱۱۷ء / ۲۱۱۸ء / ۲۱۱۹ء / ۲۱۲۰ء / ۲۱۲۱ء / ۲۱۲۲ء / ۲۱۲۳ء / ۲۱۲۴ء / ۲۱۲۵ء / ۲۱۲۶ء / ۲۱۲۷ء / ۲۱۲۸ء / ۲۱۲۹ء / ۲۱۳۰ء / ۲۱۳۱ء / ۲۱۳۲ء / ۲۱۳۳ء / ۲۱۳۴ء / ۲۱۳۵ء / ۲۱۳۶ء / ۲۱۳۷ء / ۲۱۳۸ء / ۲۱۳۹ء / ۲۱۴۰ء / ۲۱۴۱ء / ۲۱۴۲ء / ۲۱۴۳ء / ۲۱۴۴ء / ۲۱۴۵ء / ۲۱۴۶ء / ۲۱۴۷ء / ۲۱۴۸ء / ۲۱۴۹ء / ۲۱۵۰ء / ۲۱۵۱ء / ۲۱۵۲ء / ۲۱۵۳ء / ۲۱۵۴ء / ۲۱۵۵ء / ۲۱۵۶ء / ۲۱۵۷ء / ۲۱۵۸ء / ۲۱۵۹ء / ۲۱۶۰ء / ۲۱۶۱ء / ۲۱۶۲ء / ۲۱۶۳ء / ۲۱۶۴ء / ۲۱۶۵ء / ۲۱۶۶ء / ۲۱۶۷ء / ۲۱۶۸ء / ۲۱۶۹ء / ۲۱۷۰ء / ۲۱۷۱ء / ۲۱۷۲ء / ۲۱۷۳ء / ۲۱۷۴ء / ۲۱۷۵ء / ۲۱۷۶ء / ۲۱۷۷ء / ۲۱۷۸ء / ۲۱۷۹ء / ۲۱۸۰ء / ۲۱۸۱ء / ۲۱۸۲ء / ۲۱۸۳ء / ۲۱۸۴ء / ۲۱۸۵ء / ۲۱۸۶ء / ۲۱۸۷ء / ۲۱۸۸ء / ۲۱۸۹ء / ۲۱۹۰ء / ۲۱۹۱ء / ۲۱۹۲ء / ۲۱۹۳ء / ۲۱۹۴ء / ۲۱۹۵ء / ۲۱۹۶ء /

عَنْهَا قَالَ ذَاتَ الْعَشِيرِ أَوْ الْعَشِيرِ - ۲۵۷۹ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ إِدْرِيسَ حَدَّثَنَا هَيْثَمُ عَنْ أَبِي اسْمَعِيلَ عَنْ نَافِعِ بْنِ أَنَسٍ قَدْ سَمِعَهُ مِنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَيْسَعَ عَشْرَةَ غَزَاةً وَكَحَجَّةٍ بَعْدَ مَا هَاجَرَ حَبِجَةً لَمْ يَحْجَرْ غَيْرَهَا حَبِجَةً الْوَدَاعِ -

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی غزوات میں گئے اور ہجرت کے بعد آپ نے ایک حج کیا اور حجۃ الوداع کے سوا اور کوئی حج نہیں کیا۔

۲۵۸۰ - حَدَّثَنَا هَيْثَمُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا كُرَيْبُ بْنُ كَثِيرٍ أَنَّ أَبَا الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ لَمَّا دُفِنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعَ عَشْرَةَ غَزَاةً وَقَالَ جَابِرٌ لَمَّا أَشْهَدُ بَدْرًا قَدْ لَأَ أَحَدًا مَنَعَنِي إِيَّيْكَ قَتَلَ عَبْدُ اللَّهِ يَوْمَ أُحُدٍ لَمْ أَتَخَلَّفْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزَاةٍ وَكَفَلُ -

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں انیس غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا، البتہ بدر اور احد میں شریک نہیں تھا، مجھے میرے والد نے روک دیا تھا، اور جب جنگ احد میں عبد اللہ (میرے والد) شہید ہو گئے تو پھر میں نے کسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

۲۵۸۱ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَعْمَرٍ الْجَدِّي حَدَّثَنَا أَبُو تَمِيمَةَ قَالَ جَمِيعًا حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ وَاقِدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بَرِّدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعَ عَشْرَةَ غَزَاةً فَأَقْلَ فِي شِمَانٍ مِثْهَتٍ وَلَمْ يَقُلْ أَبُو بَكْرٍ مِنْهُمْ وَقَالَ فِي حَدِيثِهِ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ بَرِّدَةَ -

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انیس غزوات میں گئے، آپ نے ان میں سے آٹھ غزوات میں جنگ کی، راوی ابو بکر نے ان میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا اور عن کی بجائے حدیثی عبد اللہ بن بریدہ کہا۔

۲۵۸۲ - وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنَا مَعْمَرُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ كَثْمَانَ

شریک رہا۔

عَنِ ابْنِ بَرِّ زَيْدٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّكَ قَالَ غَزَا
مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
سِتِّ عَشَرَ نَجْدًا عَزَوًا ۝

۴۵۸۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ
حَدَّثَنَا حَاتِمٌ يَعْنِي ابْنَ إِسْمَاعِيلَ عَنْ
يَزِيدَ وَهُوَ ابْنُ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ
سَكْمَةَ يَقُولُ غَزَاْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَاٍ وَخَرَجْتُ
فِيمَا يَبْعَثُ مِنَ الْبُعُوثِ تِسْعَ غَزَاٍ
مَرَّةً عَلَيْنَا أَبُو بَكْرٍ وَمَرَّةً عَلَيْنَا
أَسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ ۝

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں شریک تھا اور جو
شکر آپ نے رفاہ کیے ان میں نومرتبہ شریک رہا۔ ایک
مرتبہ ہماسے سردار حضرت ابوبکر تھے اور ایک مرتبہ حضرت
اسامہ بن زید تھے۔

۴۵۸۴۔ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ
حَدَّثَنَا حَاتِمٌ بِهَذَا الْإِسْنَاءِ غَيْرَ أَنَّكَ
قَالَ فِي كِلْتاهِمَا سَبْعَ غَزَاٍ ۝

امام مسلم نے ایک اور سند سے یہ حدیث روایت
کی ہے اس میں دونوں جگہ سات کا عدد مذکور ہے۔

غزوات اور ساریا کی تحقیق | اس باب میں حضرت زید بن ارقم، حضرت جابر اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہم کی روایات
کا ذکر ہے، ان میں بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انیس غزوات میں تشریف
لے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور دیگر لشکروں کی تعداد میں اہل منافی کا اختلاف ہے، امام ابن سعد وغیرہ نے تفصیل
اور ترتیب کے ساتھ تائیس غزوات اور چھپن دیگر لشکروں کا ذکر کیا ہے، اور یہ بیان کیا ہے کہ نو غزوات میں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسہ قتال کیا ہے، وہ غزوات یہ ہیں، بدر، احد، مریسج، خندق، قریظہ، خیبر، مکہ، خنین اور
طائف۔ ۱۷

اس باب کی حدیث نمبر ۴۵۸۱ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ غزوات میں قتال کیا، حافظ ابن حجر
عسقلانی نے اس کی توجیہ کی ہے کہ قریظہ اور احزاب (خندق) دونوں کو ایک غزوہ بھی شمار کیا گیا ہے، اس وجہ سے
حضرت بریدہ نے یہ کہا کہ آپ نے آٹھ غزوات میں قتال کیا ہے

۱۷۔ علامہ یحییٰ بن شرف ذراوی متوفی ۷۴۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۸۸، مطبوعہ دارالحدیث کراچی، ۱۳۷۵ھ

۱۸۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۲ ص ۲۸۱، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ دہرا، ۱۴۰۱ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوہ کا تاریخ وار بیان | امام محمد بن سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور سردایا کا ترتیب وار بیان کیا ہم یہاں اس کو اختصار کے ساتھ نقل کر رہے ہیں۔

نمبر شمار	غزوہ کا نام	تاریخ	نمبر شمار	غزوہ کا نام	تاریخ
۱	غزوہ الابرار	ہجرت کے پہلے ماہ بدھ صفر میں	۱۳	غزوہ بنو نضیر	ہجرت کے سببیس ماہ
۲	غزوہ بواط	ہجرت کے تیرہ ماہ بدھ ربیع الاول میں	۱۴	غزوہ بدر المردہ	ہجرت کے پینتالیس ماہ بدھ ذوالقعدہ میں
۳	غزوہ فلبک کرز بن جابر فہری	ہجرت کے ۱۳ ماہ بدھ ربیع الاول میں	۱۵	غزوہ ذات الرقاع	ہجرت کے سینالیس ماہ بدھ محرم میں
۴	غزوہ ذی المشیرہ	ہجرت کے سولہ ماہ بدھ جمادی الاخرہ میں	۱۶	غزوہ دومتہ الجندل	ہجرت کے انیسواں ماہ بدھ ربیع الاول میں
۵	غزوہ بدر	سترہ رمضان ۲ھ	۱۷	غزوہ المرہ	شعبان ۵ھ ہجری
۶	غزوہ بنو قینقاع	ہجرت کے بیس ماہ بدھ نصف شوال میں	۱۸	غزوہ الاحزاب	ذوالقعدہ ۵ھ ہجری
۷	غزوہ السویق	ہجرت کے بائیس ماہ بدھ	۱۹	غزوہ بنو قریظہ	ذوالقعدہ ۵ھ ہجری
۸	غزوہ قرقرہ الکدر	پانچ ذوالحجہ ہجرت کے تیس ماہ بدھ ۱۵ محرم	۲۰	غزوہ بنی لحيان	ربیع الاول ۶ھ ہجری
۹	غزوہ غطفان	ہجرت کے پچیس ماہ بدھ ربیع الاول میں	۲۱	غزوہ الثابتہ	ربیع الاول ۶ھ ہجری
۱۰	غزوہ بنی سلیم	ہجرت کے ساٹھ ماہ بدھ چھ جمادی الاول	۲۲	غزوہ السدہ بلیہ	ذوالقعدہ ۶ھ ہجری
۱۱	غزوہ احد	ہجرت کے تیس ماہ بدھ سات شوال	۲۳	غزوہ خیبر	جمادی الاول ۷ھ ہجری
۱۲	غزوہ حمراد الاسد	ہجرت کے چالیس ماہ بدھ ۸ شوال	۲۴	غزوہ فحج مکہ	رمضان ۸ھ ہجری
			۲۵	غزوہ حنین	شوال ۸ھ ہجری
			۲۶	غزوہ طائف	شوال ۸ھ ہجری
			۲۷	غزوہ تبوک	رجب ۹ھ ہجری
			۲۸	غزوہ تبوک	رجب ۹ھ ہجری
			۲۹	غزوہ تبوک	رجب ۹ھ ہجری
			۳۰	غزوہ تبوک	رجب ۹ھ ہجری

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ۱۲ غزوات کی تاریخ و تفصیل ہے، جن کو امام محمد بن سعد نے طبقات کبریٰ کی جلد ثانی میں بیان کیا ہے۔ امام ابن سعد نے چھپن سرا یا کا بھی تفصیل سے تاریخ و ذکر کیا ہے، اس باب کی احادیث میں چونکہ صرف غزوات کا ذکر ہے اس لیے ہم نے غزوات کا تعداد کو بیان کیا ہے۔ جو حضرات سرا یا کی تفصیل جانتا چاہتے ہوں وہ طبقات کبریٰ جلد ثانی کا مطالعہ کریں۔

بَابُ غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ

غزوہ ذات الرقاع

۴۵۸۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ
بَرْزَاجٍ الشَّعْرِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ
الْقُمِّيُّ وَاللَّفْظُ لَأَبِي عَامِرٍ قَالَ
حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ أَرْفَى
بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِي بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ
خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ
سَلَّمَ فِي غَزَاةٍ وَنَحْنُ سِتَّةٌ نَفَرًا بَيْنَنَا
بَعِيرٌ نَعْتَقِبُهُ قَالَ فَتَقَبَّضْتُ أَقْدَامَنَا
فَتَقَبَّضْتُ قَدَمَيَّ وَاسْقَطْتُ أَظْفَارِي
فَكُنَّا نَلْفُ عَلَى أَرْجُلِنَا الْخَرَقَ فَسَمِعْتُ
غَزْوَةَ ذَاتِ الرِّقَاعِ لَمَّا كُنَّا نَعْقِبُ
عَلَى أَرْجُلِنَا مِنَ الْخَرَقِ قَالَ أَبُو بُرَيْدَةَ
فَحَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى بِهَذَا الْحَدِيثِ
ثُمَّ كَرِهَ ذَلِكَ قَالَ كَأَنَّهُ كَرِهَ أَنْ يَكُونَ شَيْئًا مِنْ عَمَلِهِ
أَفْشَاهُ فَكُنَّا أَبُو أُسَامَةَ وَنَا دِفِ
غَيْرُ بُرَيْدٍ وَاللَّهُ يَجْزِي بِهِ -

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے
ہم میں سے چھ آدمیوں کے حصہ میں ایک اونٹ تھا، جس
پر ہم باری باری سوار ہوتے تھے، ہمارے پیروں پر
موسکے، اور میرے ناخن نکل گئے، ہم نے ان زخموں پر
چیتھڑے پیٹے، اس وجہ سے اس غزوہ کا نام غزوہ ذات
الرقاع پڑ گیا، حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے
ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ نے یہ حدیث بیان کی پھر ان کو اس
حدیث کا بیان کرنا ناگوار ہوا، شاید وہ اپنے کسی عمل کو
ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے، ابو اسامہ بیان کرتے ہیں
کہ بریدہ کے علاوہ دوسرے راویوں نے اس حدیث
میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس محنت کا اجر
دے گا۔

غزوہ ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ | اس باب کی حدیث میں ہے کہ ہم نے زخموں پر چیتھڑے پیٹے اس وجہ سے
اس غزوہ کا نام ذات الرقاع پڑ گیا، اس غزوہ کو ذات الرقاع کہنے کی یہی
وجہ صحیح ہے، ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہاں ایک پہاڑ تھا جس میں سیاہی، سفیدی اور سرخی تھی، اس وجہ سے
اس کو ذات الرقاع کہتے ہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ وہاں ذات الرقاع نام کا ایک درخت تھا، ایک قول یہ ہے کہ ان
کے جھنڈوں میں پیوٹ لگے ہوئے تھے اس وجہ سے اس کو غزوہ ذات الرقاع کہتے ہیں۔ رقاہ رقعہ کی جمع ہے جس
کا معنی پیوٹ ہے۔

جہاد میں کافر سے مدد لینے کی کراہت

بِكَافِرٍ

٢٥٨٦ - حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا
عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ مَالِكٍ ح وَ
حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَاللَّفْظُ لِمَا حَدَّثَنِي
عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهَبٍ عَنْ مَالِكٍ بْنِ أَنَسٍ عَنْ
الْفَضْلِ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ اللَّهُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ
ابْنِ نِيَّارٍ الْأَسَدِيِّ عَنْ غُرَّةِ بْنِ الزُّبَيْرِ
عَنْ عَائِشَةَ رَأُوهُ فِي النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَشْهَأَ قَالَتْ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ بَدْرِ فَلَمَّا
كَانَ بِحَرَّةِ الْوَبَرَةِ أَذْرَكَهُ رَجُلٌ قَدْ
كَانَ يُذَكِّرُ مِنْهُ بَجْرًا وَنَجَدًا فَفَصَحَ
أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ حِينَ رَأَوْهُ فَلَمَّا أَذْرَكَهُ
قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ جِئْتُ لَا تَبْعَكَ وَأُصِيبَ
مَعَكَ قَالَ كَرَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَمَّنَ بِأَنَّهُ
رَسُولُهُ قَالَ لَا قَالَ فَارْجِعْ فَلَمَّا
اسْتَعَيْنَ بِمُشْرِكٍ قَالَتْ ثُمَّ مَضَى
حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالشَّجَرَةِ أَذْرَكَهُ الرَّجُلُ
فَقَالَ لَهُ كَمَا قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَقَالَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی طرف گئے، جب آپ حوزۃ البرہ (مدینہ سے چار میل کے فاصلہ پر ایک جگہ) میں پہنچے تو آپ کو ایک شخص ملا جس کی پیادری اور دلیری کا بہت چرچا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے جب اس کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے، جب وہ آپ سے ملا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ کے ہمراہ لڑوں اور جہاد میں اس سے حصہ پاؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کیا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے؟ اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا لوٹ جاؤ، میں کسی مشرک سے ہرگز مدد نہیں لوں گا، آپ آگے چلے گئے حتیٰ کہ جب ہم شجرہ پر پہنچے تو وہ شخص پھر آپ سے ملا اور اس نے وہی درخواست کی جو پہلے کی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا، اور فرمایا لوٹ جاؤ میں کسی مشرک سے ہرگز مدد نہیں لوں گا، وہ لوٹ گیا اور پھر آپ سے مقام بیداء میں ملا، آپ نے فرمایا کیا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہے اس نے کہا ہاں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب چلو۔

کہتے ہیں دوسری حدیث میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ کے اسلام لانے سے پہلے ان سے مدلی، بعض علماء نے پہلی حدیث پر علی الاطلاق عمل کیا اور مشرک سے مدد لینے کو مطلقاً ناجائز کہا اللہ امام شافعی اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا کہ اگر کافر کی مسلمانوں کے متعلق اچھی رائے ہو اور اس سے مدد لینے کی ضرورت ہو تو اس سے مدلی جائے گی ورنہ اس سے مدد لینا مکروہ ہے، محدثین نے ان دونوں حدیثوں کو دو مختلف حالات پر محمول کیا ہے اور جب مسلمانوں کی اجازت سے کافر جہاد میں حاضر ہو تو اس کو عطیہ اور انعام وغیرہ دیا جائے گا اور مال غنیمت میں اس کا حصہ نہیں ہو گا۔ امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور جہور فقہاء کا یہی مسلک ہے اور نہ ہری اور افغانی نے یہ کہا ہے کہ مال غنیمت سے ان کا حصہ ہو گا۔ ۱۷

آج بروز بدھ مورخہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۲ فروری ۱۹۹۰ء کتاب الجہاد و اعتقاد کو پہنچی۔ اللہ العالمین میں طرح توڑنے کرم فرمایا اور یہاں تک صحیح مسلم کی شرح لکھنے کی توفیق دی اسی طرح توڑ اپنے بے پایاں کرم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے صحیح مسلم کی باقی احادیث کی بھی شرح لکھنے کی توفیق عطا فرما، میری اس حقیر سعی کو اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرما، اور اس کے فیضان کو تاقیامت جاری رکھ، میری، میرے والدین کی شرح صحیح مسلم کے ناشر، جملہ معاونین اور قارئین کی مغفرت فرما، دنیا، بزرخ اور آخرت میں ہر بلا، ہر مصیبت اور ہر عذاب سے محفوظ رکھ اور دارین کی سداوتوں اور کامرانوں کو ہمارا مقدر کر دے۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد خاتم النبیین سید المرسلین اول الشافعیین والشافعیین وعلی آلہ واصحابہ وَاٰلِہٖ وَسَلَامُ وَاٰلِہٖ وَسَلَامُ وَاٰلِہٖ وَسَلَامُ ملتہ من المفہمین والمحدثین والفقہاء والمجتہدین اجمعین۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب الامارۃ

حکومت اور سلطنت کا وجود انسانوں کی اجتماعی زندگی کے لیے نہایت ضروری ہے، اور سلطنت اور حکومت کا قیام غلبہ اور قہر کے بغیر متصور نہیں ہے، کیونکہ ہر شخص کو دوسرے شخص سے کسی نہ کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے، اور بسا اوقات طاقتور شخص کمزور شخص سے اپنی ضرورت کی چیزیں بزدل حاصل کر لیتا ہے، اس لیے ظلم اور جور کو دور کرنے اور عدل اور انصاف کو حاصل کرنے کے لیے کسی قوت حاکمہ کی ضرورت ہوتی ہے، عدل اور انصاف کے قیام کے لیے قوانین کا وجود ناگزیر ہے یہ قوانین اگر انسانوں کے بنائے ہوئے ہوں تو یہ سیاست عقلی کہلاتے گی اور اگر یہ قوانین شرعی ہوں تو یہ سیاست شرعی ہونگی، اللہ کا نبی زمین پر اللہ کا نائب اور خلیفہ ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست احکام حاصل کرتا ہے اور ان احکام کی تفصیل اور تشریح کر کے ان احکام کو بندوں پر نافذ کرتا ہے اور یہی احکام شریعت کہلاتے ہیں، دنیاوی حکام جو احکام نافذ کرتے ہیں وہ قانون کہلاتے ہیں اور اللہ اور رسول کے احکام شریعت کہلاتے ہیں، انسانوں کے بنائے ہوئے قانون ناقص اور ناپائیدار ہوتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کامل اور دائمی ہے۔ نبی اللہ کا خلیفہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جو شخص نبی کی شریعت پر عمل کرتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق کار حکومت سرانجام دیتا ہے وہ نبی کا خلیفہ کہلاتا ہے اور اس کی حکومت کو خلافت کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

خلافت کا لغوی اور شرعی معنی امامت اور بائعینی۔ ۱

علامہ راغب الاصفہانی لکھتے ہیں:

وَالْخِلَافَةُ النِّيَابَةُ عَنِ الْغَيْرِ أَمَّا
لِغَيْبَةِ الْمَنُوبِ عَنْهُ وَأَمَّا الْمَوْتِ وَأَمَّا
لِعَجْزِهِ أَمَّا تَشْرِيفُ الْمُسْتَخْلَفِ وَعَلَى
هَذَا الْوَجْهِ الْأَخِيرُ اسْتَخْلَفَ اللَّهُ أَوْلِيَاءَ صَافِي
الْأَرْضِ - وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خُلَافَةً
الْأَرْضِ وَقَالَ يَا دَاوُدَ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً

خلافت کا معنی ہے کسی شخص کا قائم مقام ہونا اور اس کی
چار قسمیں ہیں (۱) اصل شخص کے غائب ہونے کی وجہ سے
دوسرے اس کا قائم مقام ہو (۲) اصل شخص کی موت کے بعد دوسرے
شخص اس کا قائم مقام ہو (۳) اصل شخص کے عاجز ہونے کی
وجہ سے دوسرے اس کے قائم مقام ہو (۴) دوسرے شخص کو
اپنی نہایت سے مشرف کرنے کے لیے اس کو اپنا قائم مقام

۱۔ المنجد ص ۲۹۳، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی

فی الارض - وجعلکم خلفاء من
بعث قوم نوح - سلہ

بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ بندوں کو زمین پر
اسی آخری وجہ سے خلیفہ بنایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
جس ذات نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا، نیز فرمایا: اسے داؤد ہم نے تم
کو زمین میں خلیفہ بنایا اور فرمایا ہم نے تم کو قوم نوح کے بعد خلیفہ
بنایا۔

ترجمہ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا
الصالحات لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف
من قبلہم ولیمکن لہم دینہم الذی
ارتضیٰ لہم ولیبذلہم من بعد خوفہم
امناً یعبدون فی لا یشرکون بی شیشا و
من کفر بعد ذلک فاو لشکھم
الفاسقون۔
(النور: ۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اعمال نے نیک
کام کیے ان میں بعض کے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے کہ
وہ انہیں ضرور زمین میں خلافت عطا کرے گا جس طرح ان
سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا کی تھی اور اللہ تعالیٰ ان کے
اس دین کو بھی غالب کرے گا جس کو اللہ نے ان کے لیے
پسند کر لیا ہے، اور اللہ تعالیٰ ضرور ان کے خوف کو امن اور
پہن سے بدل دے گا، کہ وہ صرف میری عبادت کریں گی کو
میرا شریک نہ ٹھہرائیں اور جس نے اس کے بعد ناشکری
کی سو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ خلافت ارضی کی یہ بشارت مسلمانوں کے لیے امن اور سکون کا پیغام ہے، قرآن مجید کی
ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے خلافت کے یہ فرائض بیان فرمائے ہیں:

الذین ان مکنتھم فی الاساض اقاموا
الصلوۃ و اتوا الزکوۃ و امروا بالمعروف
ونہوا عن المنکر و للہ عاقبتہ الامور۔
(الحج: ۴۱)

اگر ہم ان لوگوں کو زمین میں غلبہ اور اقتدار عطا کر
دیں، تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی
کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے اور سب چیزوں
کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے بعد اپنے نائبین کے لیے خلفاء کا لفظ استعمال کیا ہے، امام ابن ماجہ
روایت کرتے ہیں:

عن العوباض بن ساریۃ قال قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سترون من بعدی
اختلافاً کثیراً شدیداً فعلیکم بسنتی
وسنت الخلفاء الراشدین المہدیین۔

حضرت عرواض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم عنقریب میرے
بعد بہت اختلاف دیکھو گے اس وقت تم پر میری سنت اور
میرے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے۔

۱۔ علامہ حسین بن محمد رافع اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ، المفردات ص ۱۵۶، مطبوعہ المکتبۃ المرقسویہ بیروت ۱۳۴۲ھ

۲۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تنہارت کتب کراچی

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن جابر بن سمرة قال يقول سمعت رسول

الله صلى الله عليه وسلم يقول لا يزال

الاسلام يزأ الى اثني عشر خليفة (الى قوله)

كلهم من قریش۔ ۱۷

حضرت جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا
بارہ خلیفہ پورے ہونے تک اسلام کو غلبہ رہے گا اور
فرمایا وہ سب خلفاء قریش سے ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں تھیں ایک حیثیت سے آپ حبیب و وحی الہی تھے اس حیثیت سے آپ احکام
الہی کی تبلیغ کرتے تھے۔ اور دوسری رسالت بجا لاتے اور دوسری حیثیت سے آپ مصلحتوں کے امیر، قائد اور رہنما تھے
اس حیثیت سے آپ اسلامی ریاست کے خارجی اور داخلی امور کی تدبیر فرماتے، تبلیغ اسلام کے لیے جہاد فرماتے،
مختلف ملکوں کے بادشاہوں کے نام خطوط لکھواتے اور اندرون ملک احکام الہی کو عملی طور پر نافذ فرماتے، آپ کے
وصال کے بعد آپ کی پہلی حیثیت کا سلسلہ بطور نبوت تو منقطع ہو گیا لیکن آپ کا دوسری حیثیت خلفاء کے روپ میں
تاقم و دہم رہی اور آپ کی اسی حیثیت کی جانشینی کا نام خلافت ہے۔

آیت استخلاف کی تحقیق | قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وعد الله الذين

امنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم

في الارض كما استخلف الذين من قبلهم من

وليمكن لهم دينهم الذي ارتضى لهم و

ليبدلنهم من بعد اخوفهم امنا۔

(النور: ۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک
کام کیے ان میں سے بعض کے ساتھ اللہ کا یہ وعدہ ہے
کہ وہ انہیں مقرر زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جس
طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا کی تھی اور اللہ تعالیٰ
ان کے اس دین کو بھی غالب کرے گا جس کو اللہ تعالیٰ
نے ان کے لیے پسند کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے
خوف کو ضرور امن اور چین سے بدل دے گا۔

خلافت کے موضوع پر اس آیت کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اس لیے ہم خلافت کی تحقیق میں اس آیت
کی تشریح کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں پر یہ بات تحقیق طلب ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ نے ہر ہر مسلمان سے خلافت عطا کرنے کا وعدہ
کیا ہے یا بعض مسلمانوں سے؟ ہر ہر مسلمان سے اس وعدہ کا ہونا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ واقع میں ہر ہر مسلمان کو روئے
زمین کا۔۔۔ خلیفہ نہیں بنایا گیا۔ مثلاً جس طرح حضرت داؤد کا

حضرت سلیمان کو خلیفہ بنایا گیا یا جس طرح فرعون کے بد بھائی اسرائیل کو زمین پر غلبہ دیا گیا اس طرح ہر ہر مسلمان کو زمین کا خلیفہ
نہیں بنایا گیا یا جس طرح کہ امت مسلمہ کا ہر ہر فرد زمین پر خلیفہ اور صاحب اقتدار ہوتا ہے مثلاً یہ غلط بھی باطل ہے کیونکہ جب ہر شخص
خلیفہ صاحب اقتدار اور حاکم ہو تو پھر محکوم کون ہوگا؟ بلکہ اس سے ہر شخص کا حاکم اور محکوم ہونا لازم آئے گا اور یہ بدانتہا باطل
ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت میں خلافت سے اقتدار مراد نہیں ہے بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقتوں سے تصرف

کرنا مراد ہے۔ تو اس معنی میں مسلمانوں اور نیکو کاروں کی کوئی تخصیص نہیں ہے کیونکہ اس معنی میں تمام اولاد اکبر اللہ کی خلیفہ ہے
 ثانیاً اس آیت میں من تبییضہ ہے کیونکہ من ابتداءئہ، بیانہ یا زائدہ یہاں منظور نہیں ہے اور یہ اس بات کی واضح نص ہے
 ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ بعض صالح مومنین سے فرمایا ہے نہ کہ سب مسلمانوں سے اور اس آیت کے بلا واسطہ مخاطب
 حضرات صحابہ کرام تھے، اللہ جس وقت سجدہ نازل ہوئی اس وقت مسلمانوں پر حالت خوف طاری تھی کیونکہ اس وقت تک
 سرزمین حجاز میں اسلام کی جڑیں مضبوط نہیں ہوئی تھیں، اس کے کچھ عرصہ بعد یہ وعدہ پورا ہوا جب نہ صرف یہ کہ اسلام سرزمین حجاز
 میں پھیلا بلکہ خطہ عرب سے لے کر براعظم افریقہ، براعظم ایشیا اور براعظم یورپ میں آمد سن تک اذانیں گونجنے لگیں۔ اور
 اسلام کا یہ عظیم الشان غلبہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے دور خلافت میں حاصل ہوا اس لیے آیت
 استخلاف کے اولین مصداق خلفاء ثلاثہ ہیں کیونکہ انہیں کے دور میں اسلام کو فتوحات حاصل ہوئیں، حضرت علی کا دور خلافت
 مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال میں گذرا اور ان کے دور میں اسلام کو فتوحات کے ذریعہ غلبہ حاصل نہیں ہو سکا۔
 اگر من تبییضہ سے صرف نظر کر لی جائے اور یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام امت مسلمہ کو خلافت عطا کرنے کا وعدہ
 کیا ہے تو یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ امت مسلمہ کا ہر فرد اقتدار اعلیٰ کا حامل نہیں ہو سکتا، اس لیے اب یہ معنی مراد ہوگا کہ ہر مومن
 اپنی جگہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ہر شخص فرداً فرداً اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے جیسا کہ
 حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو تم میں سے ہر شخص حاکم ہے
 اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے بارے میں پرسش ہوگی، مرد اپنے اہل خانہ کا حاکم ہے اور اس سے اس کی رعایا کے
 متعلق پرسش ہوگی، اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کا حاکم ہے اور اس سے ان کے بارے میں پرسش
 ہوگی اور نوکر اپنے مالک کے مال میں حاکم ہے اور اس سے اس کے بارے میں پرسش ہوگی، سنو تم میں سے ہر شخص حاکم
 ہے، اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی یہ اس معنی کے لحاظ سے اس آیت سے یہ بات نکلتی ہے کہ اسلامی
 حکومت میں تمام مسلمان اقتدار میں شریک ہوتے ہیں اور مسلمانوں کا امیر صرف انتظامی سربراہ ہوتا ہے، ریاست کا یا مسلمانوں
 کا مالک نہیں ہوتا، اور یہ کہ ریاست کا ہر باشندہ خلافت اور حکومت میں برابر کا شریک ہوتا ہے، ریاست میں نسلی یا طبقاتی
 امتیازات کا کوئی تصور نہیں ہوتا، اس لیے ریاست کے تمام باشندے ایک دوسرے کے مساوی ہوں گے اور جس
 شخص میں ترقی کی جس قدر صلاحیت اور قابلیت ہوگی وہ اس قدر اگے بڑھ سکے گا۔

خلافت کی تعریف

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں:

قال قوم من اصحابنا الامامة رياسته عامه
 في امور الدين والدنيا ونقض هذا التعريف
 بالنسبة والاولى ان يقال هي خلافة الرسول
 في اقامة الدين وحفظ حوزة الملة بحديث

ہمارے بعض علماء نے امامت کی یہ تعریف کی ہے
 کہ دین اور دنیا کی ریاست کو امامت کہتے ہیں لیکن یہ تعریف
 نبوت پر بھی صادق آتی ہے اس لیے اولیٰ یہ ہے کہ دین
 کے قائم کرنے اور ملت بیضا کی حفاظت کرنے میں

اتباعہ علی کافۃ الامۃ علیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کو امامت کہتے ہیں
اس حیثیت سے کہ تمام امت مسلمہ پر اس کی اتباع واجب ہے

شاء ولی اللہ و عہد و عہد خلافت عامہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

ہی الریاستۃ العامۃ فی التصدیق لاقامۃ
الدین باحیاء العلوم الدینیۃ و اقامۃ ارکان
الاسلام و القیام بالجہاد و ما یتعلق بہ من
ترتیب الجیوش و الفرض للمقاتلۃ و
اعطاء ثہم من الفی و القیام بالقضاء
واقامۃ الحد و دفع المظالم و الامر
بالمعروف و النہی عن المنکر نیابۃ
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیہ

علوم و نیکی کی ترویج اور اشاعت سے دین کو قائم
کرنے، ارکان اسلام کو قائم کرنے، جہاد اور اس کے متعلق
امور یعنی لشکروں کو ترتیب دینے، مجاہدین کے حصے مقرر
کرنے اور مال غنیمت سے ان کو حصے دینے، قاضیوں
کے تقرر کرنے، ظالموں کو سزا دینے اور حدود قائم کرنے
نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کی نیابت سے روئے زمین کے تمام مسلمانوں کی امت
عامہ کو خلافت کہتے ہیں۔

پھر ریاست عامہ کی تفصیل کرتے ہوئے شاء ولی اللہ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن اور سنت کی تعلیم دیتے تھے اور وعظ و نصیحت کرتے تھے، عید اور پانچوں نمازوں
کی جماعت کراتے تھے، ہر محلہ میں نماز کا امام مقرر کرتے تھے، مالداروں سے زکوٰۃ وصول کر کے مستحقین پر خرچ کرتے
تھے، ہلال رمضان اور ہلال عید کی شہادت قبول کرتے اور اس کے مطابق رمضان اور عید کا اعلان فرماتے تھے، حج
کو قائم کرتے، نم جبری میں حضرت ابو بکر کو حج کا امیر بنا کر بھیجا اور مسلمانوں کے حج کا انتظام فرمایا، جہاد کا اہتمام فرماتے
اور لشکر تیار کرتے اس کا امیر مقرر فرماتے، لوگوں کے مقدمات میں فیصلہ فرماتے، اسلامی شہروں میں قاضی مقرر کر کے
بھیجتے، حدود قائم فرماتے، نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے، اور جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اصلی
سے واصل ہو گئے تب بھی دین کو ہی تفصیل کے ساتھ قائم کرنا واجب ہے اور دین کو اس تفصیل کے ساتھ قائم کرنا
اس پر متروک ہے کہ ایک ایسے شخص کو مقرر کیا جائے جو ان احکام کو نافذ کرنے کا اہتمام کرے اور اپنے نائبین کو
دیگر شہروں میں بھیجے اور ان کی کارگزاری سے باخبر رہے اور وہ نائبین اس کے احکام سے تجاوز نہ کریں اور اس کی ہدایت
کے مطابق کام کریں اور ایسا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ اور آپ کا نائب مطلق ہوگا اور ہم نے جو خلافت کی تعریف
میں کہا ہے کہ خلیفہ کو امامت دین کے لیے ریاست عامہ حاصل ہو اس سے ہماری یہی مراد ہے۔ نیز ہم نے خلافت
کی تعریف میں جو یہ کہا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہو کہ ریاست عامہ کا حامل ہو اس قید سے ہم نے نبوت کے
احترام کیا ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام استقلالاً ریاست عامہ کے حامل ہوتے ہیں یا بطن نہیں ہوتے۔ ہر چند کہ قرآن
مجید میں حضرت داؤد علیہ السلام کو خلیفہ فرمایا ہے لیکن اس سے خلافت الہیہ مراد ہے کیونکہ اللہ کا خلیفہ نبی ہوتا ہے

۱۔ علامہ میر سید شریف علی بن محمد حر جانی متوفی ۸۱۶ھ، شرح موائف ص ۷۹، مطبوعہ مطبع فشتی نواکشتور لکھنؤ

۲۔ شاء ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۲۶۷ھ، ازالۃ الخفا ص ۲، مطبوعہ سہیل اکینڈی لاہور، ۱۳۹۶ھ

اور ہماری بحث خلافت نبوت میں ہے اس لیے حضرت ابو بکر فرماتے تھے مجھے اللہ کا خلیفہ نہ کہو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں۔ ۱۔

علامہ میر سید شریف جرجانی اور شاہ ولی اللہ دہلوی نے جو خلافت کی تعریف کی ہے وہ امامت کبریٰ اور ریاست عامہ ہے جس میں امام اور خلیفہ روئے زمین کے تمام مسلمانوں کا فرمانروا اور تمام ممالک اسلامیہ کا امیر ہوتا ہے اور تمام امت مسلمہ پر اس کی اجراع واجب ہوتی ہے خیال رہے کہ ممالک اسلامیہ میں سے ہر ملک کا سربراہ خلیفہ نہیں ہوتا اور نہ وہ امامت کبریٰ اور ریاست عامہ کا حامل ہوتا ہے عیاں کہ ہم عنقریب انشاء اللہ بیان کر گئے۔

خلافت کی شرائط

امامت کی اہلیت کے لیے سات شرطیں معتبر ہیں :

۱۔ عدالت اپنی جامع شرائط کے ساتھ (یعنی وہ شخص مسلمان ہو اور فرائض اور واجبات پر دائما عمل کرتا ہو، سن اور مستحبات پر بکثرت عمل کرتا ہو اور محرمات اور مکروہات تحریمیہ سے دائما اجتناب کرتا ہو اور مکروہات تنزیہیہ سے بکثرت بچتا ہو۔ سیدی غفرلہ)

۲۔ اس کو اس قدر علم حاصل ہو جس سے وہ پیش قدمی کو حل کرنے کے لیے اجتہاد کر سکتا ہو۔

۳۔ اس کے حواس سلامت ہوں، یعنی سماعت، بھارت اور گویائی پوری طرح کام کرتی ہو۔

۴۔ اس کے اعضاء صحیح اور سلامت ہوں تاکہ وہ بخوبی کام کر سکے۔

۵۔ وہ صاحب رائے ہو جس سے وہ ملک کے داخلی اور خارجی مسائل کی پیچیدہ گتھیوں کو سمجھا سکے۔

۶۔ وہ شجاع اور بہادر ہو تاکہ ملت بیضام کی حفاظت اور دشمنوں سے جہاد میں دلیری سے حصہ لے سکے۔

۷۔ وہ شخص نسباً قریشی ہو کیونکہ بکثرت احادیث میں اس کی تصریح ہے اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔ ۲۔

علامہ تفتازانی نے ان شرطوں کے علاوہ کچھ مزید شرطیں بھی بیان کی ہیں، اور وہ یہ ہیں :

۱۔ وہ شخص آزاد ہو، کیونکہ غلام اپنے مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں حقیر ہوتا ہے۔

۲۔ وہ شخص مرد ہو، کیونکہ (حدیث صحیح کے مطابق) عورتیں ناقصات قتل اور ناقصات دین ہیں۔

۳۔ وہ شخص عاقل اور بالغ ہو، کیونکہ بچہ اور مجنون ملک اور عوام کی مصلحتوں کو سمجھنے اور ان میں تصرف کرنے سے قاصر ہے۔

۴۔ خلیفہ کے لیے معصوم ہونا شرط نہیں ہے، کیونکہ خلفاء راشدین معصوم نہیں تھے۔

۵۔ خلیفہ کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے افضل ہو، کیونکہ حضرت عمرؓ نے انتخاب

خلیفہ کے لیے چھ شخص مقرر کیے تھے اور ان میں بعض بعض سے افضل تھے۔

علامہ تفتازانی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ خلیفہ فقیہ و مجتہد کے ارتکاب سے معزول ہونے کا مستحق نہیں ہوتا

۱۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۶۶ھ، اذالۃ الخفاء ج ۱ ص ۲۳، مطبوعہ سیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۶ھ

۲۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب المادری متوفی ۴۵۰ھ، الاحکام السلطانیہ ص ۶، مطبوعہ مطبعۃ المصطفیٰ البابی مصر، ۱۳۹۳ھ

کیونکہ خلفاء راشدین کے بعد اللہ (خلفاء) اور حکام سے ظلم اور فتنہ ظاہر ہوا اور صحابہ اور اخیر تابعین ان کی اطاعت کرتے تھے اور ان کی امانت سے جمعہ اور عید کی نمازوں کو قائم کرتے تھے اور ان کے خلاف خروج بغاوت کرنے کو ناجائز کہتے تھے۔ ۱۔

دایم رہے کہ یہ امام اور خلیفہ کی شرائط ہیں جو تمام ممالک اسلامیہ اور تمام عالم اسلام کا سربراہ ہوتا ہے کسی ایک ملک کے سربراہ کے تصور کے لیے یہ شرائط نہیں ہیں، ہمارے سامنے ہیں میں بعض ثقہ علماء نے بھی اس معاملہ میں دھوکا کھایا اور خلافت کبریٰ کی شرائط کو ایک ملک کی سربراہی پر محمول کیا اور مملکت پاکستان کی سربراہی کے لیے بھی قریشی ہونے کو لازمی شرط قرار دیا حالانکہ قریشی ہونا تمام عالم اسلام کی سربراہی کے لیے شرط ہے، کسی ایک ملک کی سربراہی کے لیے قریشی ہونا شرط نہیں ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

خلافت منعقد کرنے کے طریقے

خلافت کا انعقاد چار طریقوں سے ہوتا ہے:

۱۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ علماء، فقیہ، امراء اور دیگر قابل ذکر لوگوں میں جو لوگ حل و عقد کے اہل ہوں وہ کسی ایسے شخص کو منتخب کر کے اس کی بیعت کر لیں جو شرائط خلافت کے مطابق ہو، اس کے لیے ان لوگوں کا بیعت کرنا ضروری ہے جو اس وقت میسر ہوں اور تمام ممالک اسلامیہ کے ارباب حل و عقد کا بیعت کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ عادتہ محال ہے اور ایک دو آدمیوں کا بیعت کرنا کافی نہیں ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس طریقہ سے بیعت کی گئی تھی۔

۲۔ خلیفہ وقت کسی ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کر دے جو شرائط خلافت کے مطابق ہو اور لوگوں کو جمع کر کے اس کو خلیفہ بنانے کی تصریح کر دے اور لوگوں کو اس کی اتباع کی وصیت کر دے اور قوم پر اس شخص کو خلیفہ بنانا لازم ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طریقہ سے ثابت ہے۔

۳۔ تیسرا طریقہ شوری کا ہے یعنی خلیفہ چند اہل لوگوں کی ایک جماعت کو منتخب کر دے اور یہ کہتے ہیں کہ اس جماعت میں سے جس فرد کو بھی منتخب کر لیا جائے گا وہ خلیفہ ہوگا، یعنی خلیفہ وقت کی موت کے بعد لوگ مشورہ کریں اور کسی ایک کو خلافت کے لیے مین کریں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب اسی طرح ہوا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتخاب خلافت کے لیے چھ افراد کا اعلان کر دیا تھا اور ان چھ افراد نے یہ مسئلہ حضرت عبدالرحمن بن عوف کے سپرد کر دیا اور انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منتخب کر لیا۔

۴۔ چوتھا طریقہ غلبہ کا ہے یعنی ایک شخص بغیر بیعت کے اور بغیر کسی کے خلیفہ بنانے کے از خود خلافت پر قابض ہو جائے، اور تمام لوگوں کو تابعیت، قلوب یا جبر اور طاقت کے ذریعہ اپنا تابع کر دے، اسی طرح بھی خلافت منعقد ہو جاتی ہے اور لوگوں پر اس کے احکام کی اطاعت لازم ہوتی ہے بشرطیکہ وہ احکام خلافت شرع نہ ہوں اور اس کی (یعنی منتخب کی) پھر دو قسمیں ہیں:

۱۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تغلثائی متوفی ۷۹۱ھ، شرح عقائد ص ۱۱۰-۱۱۸، مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ دہلی۔

(۱) متغلب ایسا شخص ہو جو شرائط خلافت کے مطابق ہو، اور وہ صلح اور حسن تدبیر سے اپنے مخالفین کو تابع کرے اور اس کے لیے کسی امر حرام کا ارتکاب نہ کرے، خلافت کی یہ قسم جائز ہے اور اس میں رخصت ہے۔ حضرت علیؑ کی شہادت اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کے بعد حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی خلافت اسی قسم کی تھی۔

(ب) متغلب شرائط خلافت کے مطابق نہ ہو اور محرمات کا ارتکاب کر کے اور بزرگجگ لوگوں کو تابع کرے۔ خلافت کی یہ قسم جائز نہیں ہے اور اس کا ترک متکب گنہگار ہے، لیکن اگر اس کے احکام شریعت کے مطابق ہوں تو ان کو قبول کرنا واجب ہے اور اگر مالدار لوگ اس کے کارندوں کو زکوٰۃ دیں تو ان سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اور اس کے مقرر کردہ قاضیوں کے فیصلے نافذ ہوں گے اور اس کی معیت میں جہاد کرنا جائز ہوگا، اس خلافت کو منعقد قرار دینا ضرورت کی بناء پر ہے، کیونکہ اس کے منزول کرنے کو اگر ضروری قرار دیا جائے تو اس سے قتل و غارت اور خونریزی ہوگی اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ بسیار قتل و غارت کے بعد اگر اس کو منزول کر بھی دیا جائے تو دوسرا متغلب شرائط خلافت کا اہل ہوگا، بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرا متغلب پہلے متغلب سے زیادہ بڑا ہو اس لیے اس کو منزول کرنے میں فتنہ اور فساد یقینی ہے اور خیر اور صلاح کا حصول مہموم ہے عبدالملک بن مروان اور خلفاء عباسیہ میں ہے اوائلی خلافت اسی قسم کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایک شخص یا چند اشخاص کی جماعت اپنے زمانہ میں خلافت کی شرائط کے حامل ہوں یا ایک شخص سب سے افضل ہو تب بھی اس کی خلافت اس وقت تک منعقد نہیں ہوگی جب تک اس کی بیعت نہ کر لی جائے یا وہ غلبہ سے حکومت حاصل نہ کرے، ابھی وہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق اعلیٰ کی طرف منتقل ہونے کے بعد صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی اور فقط ان کے افضل ہونے پر اکتفا نہیں کیا۔ اہل علم نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ حضرت علیؑ کی خلافت ان طریقوں میں سے کس طریقہ سے منعقد ہوئی ہے؛ اکثر علماء کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ اس وقت مدینہ منورہ میں جو مہاجرین اور انصار موجود تھے انہوں نے حضرت علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی، اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ حضرت علیؑ شوری کے فیصلہ کے نتیجہ میں خلیفہ منتخب ہوئے، کیونکہ شوری کا فیصلہ یہ تھا کہ خلیفہ یا عثمان ہوں گے یا علی اور جب حضرت عثمان کا انتقال ہو گیا تو حضرت علیؑ خلافت کے لیے متنبہ ہو گئے لیکن یہ تاویل صحیح نہیں ہے۔

خلیفہ کو منتخب کرنے والوں کے لیے شرائط | علامہ ابوالحسن ماوردی نے خلیفہ کو منتخب کرنے والوں کے لیے بھی تین شرطیں مقرر کی ہیں:

- ۱۔ انتخاب کرنے والے عادل ہوں (یعنی فرائض وغیرہ پر دائمی عمل کرنے والے اور محرمات سے دائماً بچنے والے سعیدی وغیرہ)۔
- ۲۔ ان کو اس قدر علم ہو کہ استحقاق خلافت کی کیا شرائط ہیں اور کون شخص منصب کا اہل ہے اور کون نہیں۔

۳۔ وہ صحیح دلائل اور حسن تدبیر کے حامل ہوں تاکہ وہ صحیح تر اور موزوں تر شخص کو منتخب کر سکیں۔ ۱۷

موجودہ مغربی جمہوریت اور اسلامی ریاست کا فرق | موجودہ مغربی جمہوریت اور اسلامی ریاست کے درمیان کئی وجہ سے فرق ہے جس کو ہم یہاں اختصار سے بیان کر رہے ہیں۔

- ۱۔ مغربی جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں، جبکہ اسلام میں اقتدار اور حاکمیت صرف اللہ کی ہے، سربراہ مملکت صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام نافذ کرنے کے مجاز ہے۔
- ۲۔ مغربی جمہوریت میں قانون وضع کرنے کی اتھارٹی اور معیار اکثریت "ہے اور اسلام میں معیار "حق" ہے جس کا فیصلہ امام اور مستند علماء کتاب، سنت، اجماع اور اقوال مجتہدین کی روشنی میں کریں گے۔
- ۳۔ مغربی جمہوریت میں مدت انتخاب پوری ہونے کے بعد یا اس سے پہلے اکثریت کے فیصلہ کی بنا پر سربراہ مملکت کو معزول کیا جاسکتا ہے، اس کے برخلاف اسلام میں سربراہ مملکت اس وقت تک اپنے عہدے پر قائم رہے گا جب تک وہ اسلام پر قائم ہے۔
- ۴۔ جمہوری طریقہ انتخاب میں عہدہ دار کو منتخب کرنے کے لیے کوئی معیار نہیں اور ہر کس و ناکس کو ووٹ دینے کا حق ہے جب کہ اسلام میں یہ حق صرف ارباب حل و عقد کو حاصل ہے۔
- ۵۔ جمہوری طریقہ انتخاب میں عہدہ دار کے لیے کوئی معیار نہیں ہے۔ تعلیمی اہلیت اور صلاحیت کی کوئی شرط نہیں ہے جس کے نتیجے میں عورت، ہو یا مرد، پڑھا لکھا ہو یا جاہل، نیک ہو یا بد معاشر پیسے اور ثروت و سرخ کے زور پر اسمبلی میں پہنچ کر قانون ساز اتھارٹی کا تجربہ جاتا ہے، اس طرح ذات عظمیٰ کے امیدوار کے لیے بھی کوئی معیار نہیں ہے اور قومی اسمبلی میں پہنچنے والا ہر غیر ضابطہ عقلی کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے، دفتر میں کلک بھرتی ہونے کے لیے بھی کم از کم میٹرک پاس ہونے کا معیار ہے اور ملک کے اتنے بڑے عہدے کے لیے کوئی معیار نہیں رکھا گیا اس کے برخلاف اسلام میں سربراہ مملکت کے لیے شرائط مقرر کی گئی ہیں جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔
- ۶۔ مغربی جمہوریت کے طریقہ انتخاب میں امیدوار اپنے آپ کو منصب کے لیے پیش کرتا ہے اور اس کے لیے کنوینسنگ کرتا ہے جبکہ اسلام میں منصب کو طلب کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ ابواب میں آئے گی۔

ہر چند کہ مغربی جمہوریت اور اس کا طریقہ انتخاب متعدد وجہ سے اسلامی احکام کے خلاف ہے، لیکن اگر اس طریقہ سے کوئی شخص منتخب ہو کر حکمران بن جاتا ہے تو اس کی حکومت صحیح ہوگی جس طرح منتخب کی حکومت صحیح ہوتی ہے اور اس کے جو احکام شریعت کے خلاف نہ ہوں ان میں اس کی اطاعت لازم ہوگی۔

خلافت کی تاریخ عہد بہ عہد | اس سے پہلے ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ خلیفہ وہ ہوتا ہے جو تمام عالم اسلام کا سربراہ ہو، خلافت کا یہ نظام اسلام میں ایک سو چوبیس سال تک رہا ہے

۱۷۔ علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی مترقی ۴۵۰ھ الاحکام السلطانیہ ص ۶، مطبوعہ مطبعۃ المصطفیٰ البانی مصر ۱۳۹۳ھ

اس کے بعد خلافت ختم ہو گئی اور خلافت کے نام سے بادشاہت آگئی اور مسلمانوں کی حکومتیں مختلف دیا ستوں میں بٹ گئیں پھر تاریخ نے ایسا دور بھی دیکھا کہ مسلمان حکمران ایک دوسرے کے خلاف اپنی دفاعی قوتوں کو صرف کرتے رہے اور کفار کے خلاف جنگ اور جہاد ایک قصہ پارینہ بن گیا، ہم یہاں اختصار کے ساتھ خلفاء کے عہد کا ایک جائزہ پیش کر رہے ہیں فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة یدلیق۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق بارہ ربیع الاول پیر کے دن سال کو منتخب ہوئے اور منگل کی رات بائیس جمادی الاخرہ ۳ھ میں وصال فرمایا، آپ نے حضرت اسامہ کی قیادت میں شام کی طرف لشکر بھیجا جو رومیوں سے جنگ کر کے کامیاب رہا، سیلمہ کذاب کو قتل کیا، حضرت علامہ بن حفصہ کو بھیج کر بحرین کے مرتدین کی سرکوبی کی، مانعین زکوٰۃ سے قتال کیا، حضرت عکرمہ بن ابی جہل کو بھیج کر عمان کے مرتدوں کو سرکوبی کی، حضرت خالد بن ولید کو بصرہ بھیجا اور ایلہ شہر فتح کیا، عراق کے مشہور شہر مدائن کسری کو فتح کیا، حضرت عمر بن عامر کے ساتھ شام کی طرف لشکر بھیجا اور اجنادین فتح ہوا۔

(۲) حضرت عمر فاروق، حضرت ابوبکر کی وصیت کے مطابق خلیفہ ہوئے، ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ کو آپ پر حملہ کیا گیا اور یکم محرم ۲۴ھ کو آپ شہید ہو گئے، آپ کی خلافت میں ۱۴ھ میں دمشق صلح اور جنگ سے فتح ہوا، پھر حمص اور بعلبک پر صلح سے قبضہ کیا۔ اسی سال بصرہ اور ایلہ فتح ہوئے۔ ۱۶ ہجری میں امرا اور مدائن فتح ہوئے، تکریت اور بیت المقدس فتح ہوا، قسطنطنیہ، حلب اور انطاکیہ فتح ہوئے، جندیسا پر اور مدائن جنگ سے فتح ہوئے، ۱۹ھ میں قیسا ربہ پر قبضہ ہوا، ۲۰ھ میں مصر جنگ سے فتح ہوا اور قسطنطنیہ فتح کیا، ۲۱ھ میں اسکندریہ اور نہادند فتح ہوئے، ۲۲ھ میں آندہما شہان فتح ہوا اس کے بعد دیور اور مہلان جنگ سے فتح ہوا، طرابلس الغرب فتح ہوا، عسکر اور قسطنطنیہ فتح ہوئے اور رے (طهران) فتح ہوا، ۲۳ھ میں کرمان، سبستان اور مکران فتح ہوئے اور بلاد جبل سے اسفہان تک کے علاقے فتح ہوئے۔

(۳) حضرت عثمان غنی کی انتخاب سے خلیفہ ہوئے اور ۱۸ ذوالحجہ ۲۵ھ کو شہید کیے گئے، آپ کے عہد میں ۲۴ھ میں مکہ رے (طهران) فتح ہوا، روم کا وسیع علاقہ فتح ہوا، ۲۷ھ میں قبرص فتح ہوا، افریقہ فتح ہوا اور اسی سال اندلس فتح ہوا، ۳۰ھ میں جو خراسان اور پورائیشاپور سے فتح ہوئے، ایران کے چند شہر طوس، سرخس، مرو اور ہیبت بھی صلح سے فتح ہوئے۔

(۴) حضرت علی اہل مدینہ کے انتخاب سے خلیفہ ہوئے اور ۲۱ رمضان ۴۰ھ میں شہید ہوئے، آپ کے عہد میں جنگ جل اند جنگ صفین ہوئی۔

(۵) حضرت حسن بن علی اہل کوفہ کی بیعت سے خلیفہ ہوئے، جمادی الاول ۴۱ھ میں خلافت سے دستبردار ہوئے۔

(۶) حضرت حسن سے صلح کے نتیجہ میں حضرت معاویہ خلیفہ ہوئے اور ۲۲ رجب ۶۰ھ کو انتقال ہوا (اصحاب ان کے عہد میں ۵۵ ہجری میں بلخ فتح ہوا، ۵۳ھ میں جزیرہ رومس اور بخارا فتح ہوا۔

(۷) حضرت معاویہ کے ولی عہد مقرر کرنے کی وجہ سے یزید خلیفہ ہوا اور ۱۵ ربیع الاول ۶۴ھ میں ہلاک ہو گیا، یزید کے عہد میں سانحہ کربلا رونما ہوا، میدان حرہ میں اہل مدینہ سے جنگ کی گئی اور ان کا قتل عام کیا گیا، اور خانہ کعبہ ملامت کیا گیا۔

- (۸) معاویہ بن یزید یزید کا باپ تھیں ہوا اور چالیس دن یا دو ماہ بعد ۶۴ھ میں ہلاک ہو گیا۔
- (۹) یزید کی موت کے بعد حجاز، یمن، عراق اور خراسان کے مسلمانوں نے حضرت عبداللہ بن الزبیر کے ہاتھ پر (۶۴ھ) میں بیعت کر لی اور شام اور مصر کے لوگوں نے یزید بن معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی لیکن اس کی موت کے بعد شام اور مصر کے لوگوں نے بھی حضرت ابن الزبیر کے ہاتھ پر بیعت کر لی پھر مروان بن الحکم نے ان کے خلاف بغاوت کی اور شام اور مصر پر غلبہ حاصل کر لیا، ۶۵ھ میں مروان مر گیا اور اس کا بیٹا عبدالملک بن مروان ولی عہد ہوا اس نے حجاج بن یوسف سے حضرت ابن الزبیر پر حملہ کر لیا اور ۱۷ جمادی الاول ۷۳ھ میں حضرت ابن الزبیر کو شہید کر دیا گیا، اس طرح نو سال کے بعد حضرت ابن الزبیر کی خلافت ختم ہو گئی، اور عبدالملک بن مروان تمام ممالک اسلامیہ پر غلبہ سے قابض ہو گیا، حضرت ابن الزبیر نے اپنے عہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے مطابق کعبہ کی تعمیر کی۔
- (۱۰) عبدالملک بن مروان ۷۳ھ میں غلبہ سے خلافت پر قابض ہوا اور شوال ۸۶ھ میں اس نے وفات پائی، اس کے عہد میں زیادہ تر خارجیوں سے جنگ ہوتی رہی، ۸۱ھ میں تالیق فتح ہوا اور ۸۴ھ میں قلعہ بازغیس کی تسخیر ہوئی۔
- (۱۱) ولید بن عبدالملک کو عبدالملک نے اپنی زندگی میں نامزد کر دیا تھا، اس نے ۱۵ جمادی الاخریٰ ۹۹ھ میں وفات پائی، اس کے عہد میں یمن، بختار، سردانیہ، طموہ، قیم اور بحیرۃ الغرسان فتح ہوئے۔
- (۱۲) سلیمان بن عبدالملک بھی عبدالملک کی وصیت کے مطابق خلیفہ ہوا، اس کی خلافت ۹۹ھ تک رہی، اس کے عہد میں جرجان، قلعہ حدید، سردا، شفا، طبرستان اور شہر سفانیہ فتح ہوئے۔
- (۱۳) عمر بن عبدالعزیز، سلیمان کی وصیت سے خلیفہ ہوئے، ان کی خلافت ۲۵ رجب ۱۰۱ھ تک رہی ان کو خلیفہ راشد قرار دیا گیا، ان کے عہد میں زیادہ تر داخلی اصلاحات ہوئیں۔
- (۱۴) یزید بن عبدالملک بن مروان اپنے بھائی سلیمان بن عبدالملک کی وصیت کے مطابق عمر بن عبدالعزیز کے بعد خلیفہ ہوا، شعبان ۱۰۵ھ میں اس کی وفات ہو گئی۔
- (۱۵) ہشام بن عبدالملک اپنے بھائی یزید بن عبدالملک کے ولی عہد کی حیثیت سے خلیفہ ہوا، ربیع الآخر ۱۲۵ھ میں اس کی وفات ہو گئی، اس کی حکومت کے ساتویں سال روم جنگ و جدال سے فتح ہوا، آٹھویں سال میں حنیفرہ فتح ہوا اور بارہویں سال میں خمر شہر فتح ہوا۔
- (۱۶) ولید بن یزید بن عبدالملک اپنے باپ کی وصیت کے مطابق جانشین ہوا، یہ انتہائی بدکار، شرابی اور فاسق تھا لوگوں نے اس کے فسق و فجور سے تنگ آ کر ۱۲۶ھ میں اس کو قتل کر دیا۔
- (۱۷) یزید باقر بن ابی خالد بن ولید اپنے علم ناد ولید بن یزید کو قتل کر کے خلافت پر قابض ہوا، یہ قدری تھا اور لوگوں کو قدرت کی طرف دعوت دیتا تھا، خلافت کے چھ ماہ بعد ۱۲۶ھ میں فوت ہو گیا۔
- (۱۸) ابراہیم بن ولید بن عبدالملک، اس کے ولی عہد ہونے میں اختلاف ہے، اس نے صرف ستر دن حکومت کی اس کے بعد اس کی جگہ یحییٰ مکی نے کھائی ہے کہ ولید بن یزید بن عبدالملک پر بارہ خلفاء پر سے ہر گئے اور اس کے بعد خلافت ختم ہو گئی، کیونکہ ولید بن یزید بن عبدالملک کے بعد سے کہ اب تک امت کسی ایک خلیفہ پر متفق نہیں ہو سکی اس کے بعد صرف خلافت کا نام تھا حقیقت میں حکومت اور سلطنت تھی (الصواعق المحرقة ص ۲۱-۲۰، مطبوعہ مصر)

- کے خلاف مروان بن محمد نے خروج کیا اور یہ اس کے حق میں دستبردار ہو گیا۔
- (۱۹) مروان بن محمد بن مروان بن الحکم الحارثی ۲۷ھ میں غلبہ سے خلافت پر قابض ہوا، اس کے خلاف عباسیوں نے خروج کیا اور ذوالحجہ ۱۳۲ھ میں اس کو قتل کر دیا گیا، یہ بنو امیہ کا آخری خلیفہ تھا۔
- (۲۰) ابو العباس عبد اللہ بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب بن ہاشم، اس کا لقب سفاح تھا، یہ پہلا عباسی خلیفہ تھا، سفاح کے دو بیٹے مسلمانوں میں تفرقہ پڑ گیا تھا اس لیے سفاح کے قبضہ سے طاہرہ و طنبہ سے لے کر سوڈان اور اندلس تک کے تمام علاقے نکل گئے، ان علاقوں کے علاوہ اور بھی کئی شہر اس کے ماتحت سے جلتے رہے ذوالحجہ ۱۳۲ھ میں سفاح فوت ہو گیا۔
- (۲۱) المنصور ابو جعفر عبد اللہ بن علی بن عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب بن ہاشم، اس کا لقب ہارون تھا، ۱۷۸ھ تک تمام مقبوضہ ممالک پر اس کا قبضہ ہو گیا، البتہ اندلس پر قبضہ نہیں کر سکا، کیونکہ اندلس میں عبد الرحمن بن معاویہ اموی مروانی نے اپنی سلطنت قائم کر لی تھی، اس کے بعد میں خراسان میں بنو اتھال، ہمدانی، ذوالحجہ ۱۵۸ھ میں منصور فوت ہو گیا۔
- ۱۶۴ھ کے بعد تمام عالم اسلام ایک حکمران کے تحت نہیں رہا کیونکہ اندلس میں ایک الگ حکومت قائم ہو گئی تھی۔ اور عملاً خلافت ختم ہو چکی تھی، کیونکہ اب تمام عالم اسلام کا ایک سربراہ نہیں تھا۔
- (۲۲) مہدی ابو عبد اللہ محمد بن منصور، اس کو منصور نے اپنی زندگی میں خلیفہ نامزد کر دیا تھا، اس کے عہد میں روم کے اکثر علاقے فتح ہوئے، ۱۶۹ھ میں مہدی کا انتقال ہو گیا۔
- (۲۳) ابو محمد موسیٰ بن المہدی المعروف بالہادی، یہ مہدی کی وصیت کے مطابق خلیفہ ہوا، ۱۷۰ھ میں فوت ہو گیا۔
- (۲۴) الرشید ہارون بن مہدی، اس کو مہدی نے ہادی کے بعد نامزد کیا تھا، اس کے عہد میں ۱۷۶ھ میں دہشتہ شہر فتح ہوا، ۱۸۱ھ میں صفات کا قلعہ فتح ہوا، ۱۸۳ھ میں آرمینیا میں بنو اتھال شروع ہو گئی، ۱۹۰ھ میں ہارون نے روم کا شہر قسطنطنیہ فتح کیا، ۱۹۳ھ میں فوت ہو گیا۔
- (۲۵) الامین محمد ابو عبد اللہ بن رشید، اس کو ہارون نے ولی عہد بنایا تھا، ہارون نے اس کے بعد مامون بن رشید کو ولی عہد بنایا تھا، ۱۹۴ھ میں امین نے مامون کو ولی عہد سے معزول کر دیا، مامون نے امین کے خلاف بنو اتھال کے ۱۹۸ھ میں خلافت پر قبضہ کر لیا، امین قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل تھا، لہذا نے بجانے، شراب نوشی اور افلام کا ہادی تھا، ۱۹۸ھ میں اس کو قتل کر دیا گیا۔
- (۲۶) مامون عبد اللہ ابو العباس بن رشید، اس نے غلبہ سے خلافت پر قبضہ کر لیا، ۲۱۱ھ میں اس نے اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علیؓ سب سے افضل ہیں، ۲۱۲ھ میں اس نے خلق قرآن کے عقیدے کا اظہار کیا۔ ۲۱۵ھ میں اس نے روم کے بعض شہروں کو فتح کیا، جن علماء نے خلق قرآن کے عقیدے میں اس کی ہمنوائی نہیں کی ان کو مراد دیا یا سخت آزمائشیں دیں، ۲۱۸ھ کو مر گیا۔
- (۲۷) المستعصم باللہ ابو اسحاق محمد بن الرشید، مامون کے بعد اس کی بیعت کی گئی یہ بھی معتزلی تھا، اس نے بہت سے علماء کو قتل کیا، ۲۲۳ھ میں اس نے روم پر لشکر کشی کی اور عہد پر فتح کیا، ۱۹ ربیع الاول ۲۲۷ھ میں فوت ہو گیا۔
- (۲۸) الواثق باللہ ہارون ابو جعفر بن مستعصم، اس کو مستعصم نے ولی عہد مقرر کیا، یہ بھی خلق قرآن کے عقیدے کا حامل تھا، اور

اس نے بھی علماء کو آزمائش میں ڈالا، یہ ۲۴ ذی الحجہ ۲۳۲ھ کو فوت ہو گیا۔

(۲۹) المتوکل علی اللہ جعفر ابو الفضل بن معتصم بن ہارون، یہ واثق کی موت کے بعد خلیفہ ہوا، اس نے امام حسین کی قبر کھدوا دی تھی، یہ ایک عیاش شخص تھا اس نے پہلے اپنے بیٹے معتصم کو ولی عہد مقرر کیا بعد میں اس کو بدلنا چاہا مقرر نے سازش کر کے اس کو ۵ شوال ۲۴۷ھ میں قتل کرادیا۔

(۳۰) محمد ابو جعفر المعتصم باللہ، یہ اپنے باپ کو قتل کرنے کے بعد غلبہ سے خلیفہ ہوا۔ ۱۵ ربیع الاخر ۲۴۸ھ میں فوت ہو گیا۔

(۳۱) المستعین باللہ ابو الباس احمد بن معتصم بن رشید، اس کو ترک سرداروں نے مشاورت کے ذریعہ خلافت پر بٹھایا بعد میں اس کی ترکوں سے مناقشت ہو گئی جس کے نتیجہ میں اس کو ۲۵۲ھ میں خلافت سے دستبردار ہونا پڑا، ۳ شوال ۲۵۲ھ میں قتل کر دیا گیا۔

(۳۲) المعتز باللہ محمد ابو عبد اللہ بن المتوکل بن المعتصم بن الرشید، اس کو ترکوں نے خلافت پر بٹھایا تھا، ۲۵۵ھ میں یہ ترکوں کے مالی مطالبہ کو پورا نہ کر سکا جس کے نتیجہ میں ترک سرداروں نے اس کو مار پیٹ کر اس سے خلافت سے دستبرداری کھوا لی، شبان ۲۵۵ھ میں یہ ترکوں کے ظلم سے پراساں ہو گیا۔

(۳۳) المہدی باللہ ابو عبد اللہ بن واثق بن معتصم بن رشید، اس کو ترکوں نے خلافت پر بٹھایا، اس نے ترکوں سے جنگ کی لیکن اس نے شکست کھا لی اسے گزت ارکر کے اور اس کے خبیثے دبا کر اس کو حبس ۲۵۶ھ میں مدد ڈالا گیا۔

(۳۴) المعتز علی اللہ احمد بن متوکل بن معتصم بن رشید، اس کو جیل خانے سے نکال کر اس کے ہاتھ پر بیعت کی گئی، ۱۲ رجب ۲۷۹ھ میں مر گیا۔

(۳۵) المعتز باللہ احمد بن موفی بن معتصم بن رشید، اس کو معتز نے ولی عہد بنایا تھا، یہ فلسفہ کے خلاف تھا، ۲۲ ربیع الاخر ۲۷۹ھ میں فوت ہو گیا۔

(۳۶) المکتنی باللہ علی بن معتز، اس کو اس کے باپ نے اپنی زندگی میں نامزد کر دیا تھا، ۲۹۱ھ میں روم کا شہر انطاکیہ فتح ہوا، یہ نیک اور عادل خلیفہ تھا۔ ۲۲ ذوالقعدہ ۲۹۵ھ میں فوت ہوا۔

(۳۷) المعتز باللہ جعفر بن المعتز، اس کو اس کے بھائی نے اپنی بیماری کے ایام میں خلیفہ نامزد کیا تھا، ۳۰۱ھ میں مہدی ناظمی، اسکندریہ اور قیروں پر تاج پڑھایا، ۳۱۲ھ حاکم خراسان کے ہاتھوں فرغانہ فتح ہوا، ۳۱۴ھ میں سلیطہ پر رومیوں نے قبضہ کر لیا، ۳۱۵ھ میں رومیوں نے دیماط پر قبضہ کر لیا، ۳۱۶ھ میں قزاملہ کی یورش سے بہت سے مقبوضات معتز کے ہاتھوں سے نکل گئے، ۳۱۷ھ میں معتز بغداد سے گھبرا کر روم پرش ہو گیا لیکن دوبارہ اقتدار پر بحال ہو گیا، ۳۲۰ھ میں معتز کی بربریوں سے جنگ ہوئی ایک بربر نے اس کو قتل کر دیا۔ یہ بدھ کا دن تھا اور شوال کی ۲۷ تاریخ تھی۔

(۳۸) القاهر باللہ ابو منصور محمد بن المعتز، اس کو استصواب کے بعد خلیفہ بنایا گیا، یہ رقص و سرود کا رسیا اور عادی شرابی تھا، ۳۲۲ھ میں ابن بویہ نے فارس پر قبضہ کر لیا پھر اس نے مزید شہروں پر قبضہ کیا اور خراسان اور فارس جو عباس کے قبضہ سے نکل گئے، القاهر انتہائی ظالم اور سفاک تھا، اس کے ظلم اور خونریزی کی بنا پر ۳۲۲ھ میں اس سے خلافت سے دستبردار ہونے کا مطالبہ کیا گیا اور انکار پر گرم سلاخوں سے اس کی آنکھیں نکال دی

گئیں، ۳۲۳ء تک یہ قید رہا، پھر اس کو رہائی ملی، مکتفی کے دور حکومت میں یہ نظر بند رہا اور جمادی الاول ۳۲۹ء میں فوت ہو گیا۔
(۳۹) المصنفی باللہ ابوالباس محمد بن مقتدر بن معتقد، یہ قاهر باللہ کی معزول کے بعد ۳۲۲ء میں تخت نشین ہوا، ۳۲۴ء میں محمد بن قاسم نے واسطہ اور اس کے تمام نواحی علاقوں پر قبضہ کر لیا اور خلیفہ کے قبضہ سے تمام مکی ہندو مالی امور منسلک گئے، ۳۲۵ء میں متعدد شہروں پر غارتگریوں کا قبضہ ہو گیا، بہر طرف طوائف الملوک کا دور دورہ تھا اور مصنفی باللہ کے قبضہ میں ہندو اور نواحی ہندوؤں کے سوا کچھ نہ رہا، اس صورت حال سے اسپین کے بادشاہ امیر عبدالرحمان بن محمد اموی نے فائدہ اٹھایا اور اس نے دعویٰ کیا کہ خلافت کا سب سے زیادہ میں حقدار ہوں اس نے امیر المومنین ناصر دین اللہ کا لقب اختیار کیا، یہ بلند ہمت مجاہد تھا اندلس کے وسیع حصہ کو اس نے فتح کیا اور ستر شہروں پر قبضہ کیا، ۳۲۵ء میں خلافت کے تین دعویدار تھے، اندلس میں عبدالرحمن، ہندو میں مصنفی باللہ اور قیردان میں مہدی۔ ربیع الثانی ۳۲۹ء میں مصنفی باللہ طویل علالت کے بعد مر گیا۔

(۴۰) المتقی باللہ ابو اسحاق ابراہیم بن المقدر بن المعتقد، یہ اپنے بھائی مصنفی کی موت کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھا، یہ عابد و زاہد حکمران تھا یہ صرف نام کا بادشاہ تھا تمام امور حکومت ابو عبداللہ احمد بن الکوئی سیکرٹری کے اختیار میں تھے، ۳۳۰ء میں ہندو میں ایک ہونک قحط پڑا، ۳۳۲ء میں اس کو اندھا کر کے اس سے خلافت لے لی گئی۔

(۴۱) المستغنی باللہ ابو القاسم عبداللہ بن مکتفی بن معتقد، صفر ۳۳۳ء میں تخت پر بیٹھا، اس نے ابو بکر کو معز الدولہ کا خطاب دیا۔ معز الدولہ تمام سلطنت پر قابض ہو گیا، ۳۳۴ء میں المستغنی کو قید کر دیا، اس کو خلافت سے دستبردار کر دیا اور اس کی آنکھیں نکلوا لیں، ۳۳۸ء میں یہ قید خانہ کے اندر مر گیا۔

(۴۲) المطیع باللہ ابو القاسم الفضل بن مقتدر، ۳۳۴ء میں تخت نشین ہوا، یہ بھی اپنے پیشرو کی طرح اختیارات سے کلمہ محرم تھا، ۳۴۰ء میں مغرب میں منصوری بادشاہ مر گیا اور اس کا بیٹا سعد حکمران ہوا، اس کا لقب معز الدین اللہ تھا، ۳۴۳ء میں خراسان کے بادشاہ نے خطبوں میں مطیع باللہ کا نام پڑھوایا۔ ۳۵۱ء معز الدولہ نے حضرت امیر معاویہ اور صحابہ پر علی الاملاں لعنت کرانی شروع کی، ۳۵۶ء میں قرطبی دمشق پر قابض ہو گئے، اب شیروں کی حکومت اقیم مغرب، مصر اور عراق تک پھیل گئی، ربیع الآخر ۳۵۹ء میں قاہرہ میں جامع انیس کی بنیاد پڑی جو در سال میں مکمل ہوئی، ۳۶۲ء میں مطیع اور معز الدولہ میں اختلاف ہو گیا، معز الدولہ کا ایک غلام مارا گیا اس نے طیش میں آکر ہندو میں ایک جگہ آگ لگا دی جس سے سینکڑوں گھر جل گئے، ۳۶۳ء میں المطیع پر کالج گرا، معز الدولہ نے حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے الطالع باللہ کے حق میں دستبردار ہو جائے چنانچہ ۲۳ ذوالقعدہ ۳۶۳ء کو اس حکم کی تعمیل کی گئی اور الطالع باللہ کو خلیفہ بنا دیا گیا۔ مطیع باللہ ۳۶۴ء میں فوت ہو گیا۔

(۴۳) الطالع باللہ ابو بکر عبدالکریم بن مطیع، اس کی تخت نشینی کے لیے اس کے باپ کو خلافت سے دستبردار کرایا گیا تھا، ۳۶۵ء میں رکن الدولہ بن یریر نے اپنے ممالک محروسہ کو اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا۔ اس نے معز الدولہ کو فارس و کرمان و معز الدولہ کو رے اور امہان اور فخر الدولہ کو ہمدان اور دیور سے دیے۔ اسی سال المعز الدین اللہ شاہ مصر کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا نزار بادشاہ ہوا، اس کا لقب عزیز تھا، ۳۶۶ء میں المستنصر باللہ الحکم بن ناصر الدین اموی بادشاہ اندلس کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا المرید باللہ شام تخت نشین ہوا، ۳۶۷ء میں عز الدولہ اور معز الدولہ

کامیاب ہوا اور الطائع نے اس کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا، ۳۶۸ھ میں طائع کے حکم سے خطبوں میں عہد الدولہ کا نام دیا جانے لگا، ۳۷۲ھ میں عہد الدولہ کا انتقال ہو گیا، ۳۷۹ھ میں طائع نے ابوالنصر کو بہادر الدولہ کا خطاب دیا، ۳۸۱ھ میں بہادر الدولہ نے الطائع کو گرفتار کر لیا اور اس سے کہا اپنے بیٹے قادر باللہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو جاؤ، ۳۹۳ھ میں قادر باللہ فوت ہو گیا۔

(۳۴) القادر باللہ ابوالعباس احمد بن اسحاق المقدسی اس کو ۳۸۱ھ میں خلافت پر بٹھایا گیا، ۳۸۷ھ میں سلطان فخر الدولہ کا انتقال ہو گیا، اس کا چار سالہ بیٹا تخت پر بٹھایا گیا۔ قادر باللہ نے اس کے لیے مجد الدولہ کا لقب تجویز کیا، ۳۹۲ھ میں بغداد میں زبردست شیعہ سنی فساد ہوا، ۴۲۲ھ میں القادر باللہ انتقال کر گیا۔

(۳۵) القائم بامر اللہ ابو جعفر عبداللہ بن القادر، اسے اس کے باپ القادر باللہ نے اپنی زندگی میں خلیفہ نامزد کر دیا تھا، ۴۵۰ھ میں ایک ترک سردار بامیری کی القائم سے جنگ ہوئی اور بامیری کامیاب ہوا اس نے القائم کو گرفتار کر کے خانہ بھجا دیا، ۴۵۱ھ میں القائم رہا ہوا اور بامیری قتل کر دیا گیا، ۴۶۷ھ میں القائم کا انتقال ہوا اس نے اپنے پوتے عبداللہ بن محمد کو خلیفہ نامزد کیا۔

(۳۶) مقتدی بامر اللہ ابو القاسم عبداللہ بن محمد بن القائم بامر اللہ، یہ بطور ولی عہد خلیفہ ہوا، ۴۷۹ھ میں یوسف بن تاشفین دلی مرکش نے مقتدی سے درخواست کی کہ جرمالک اس کے قبضہ میں ہیں ان پر اس کے اقتدار کو تسلیم کر کے اس کو سلطان کا لقب عطا کیا جائے، مقتدی نے یہ درخواست منظور کر لی اور اس کو امیر المسلمین کا لقب عطا فرمایا، ۴۸۱ھ میں ابراہیم بن مسعود بن محمود سبکیگین دلی غزنی کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا جلال الدین تخت نشین ہوا، ۴۸۵ھ میں ملک شاہ بغداد آیا اور مقتدی سے کہا بغداد خالی کر دو، مقتدی نے دس دن کی مہلت مانگی اور ان دس دنوں میں ملک شاہ کا انتقال ہو گیا اور یہ مقتدی کی کرامت سمجھی گئی، ۴۸۷ھ میں مقتدی کا انتقال ہو گیا۔

(۳۷) المستظهر باللہ ابوالعباس احمد بن مقتدی باللہ، یہ اپنے والد کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھا، ۴۹۰ھ میں سلطان لرغون سلجوقی دلی حیرت قتل کر دیا گیا اور سلطان برکیاروق نے اس کے تمام ممالک محمد بن محمد پر قبضہ کر لیا، اسی سال عیسائیوں نے شام کے شہر انقیہ پر قبضہ کر لیا، ۴۹۲ھ میں قرامطہ پورے اصفہان پر چھا گئے، اور اسی سال عیسائیوں نے دیرہ سال کے محاصرہ کے بعد بیت المقدس کو فتح کر لیا، اور ستر ہزار مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ ۴۹۴ھ میں عیسائیوں نے شہر سروج، خیفہ، ارموت اور قیساریہ پر قبضہ کر لیا، ۴۹۵ھ المستظهر دلی مصر کا انتقال ہو گیا، اور اس کا بیٹا تخت نشین ہوا جو آمر باحکام اللہ کا لقب یافتہ تھا، ۵۰۲ھ میں فریگیوں نے دو سال کے محاصرے کے بعد طرابلس کو فتح کر لیا، ۵۰۳ھ میں فرانس کے بادشاہ اور ابن تاشفین دلی اندلس میں جنگ چھڑ گئی اور مسلمانوں کو فتح ہوئی، ۵۱۲ھ میں المستظهر باللہ فوت ہو گیا۔

(۳۸) المسترشد باللہ ابوالنصر الفضل بن المستظهر باللہ، یہ اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا، ۵۲۵ھ میں مسعود نے المسترشد کو گرفتار کر کے قید کر لیا، اور قرامطہ نے المسترشد کو قتل کر دیا۔

(۴۹) الراشد بالله ابو جعفر منصور بن مسرشد، یہ المسترشد کے بعد جانشین ہوا، ۵۲۰ھ میں سلطان مسود کے اشارے سے اس کو معزول کیا گیا اور اس کے چچا محمد مستظہر کو المقتضی الامر باللہ کا خطاب دے کر خلیفہ مان لیا گیا، ۵۲۲ھ میں اس کو قتل کر دیا گیا۔

(۵۰) المقتضی الامر باللہ ابو عبد اللہ - ۵۲۳ھ میں فریگیوں نے دمشق کا محاصرہ کر دیا، نور الدین محمود بن زنگی والی حلب نے ان کا مقابلہ کیا اور فریگیوں سے تمام شہر واپس لے لیا، ۵۲۴ھ میں الحافظ لیل بن لیل والی مصر کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا اسماعیل تخت نشین ہوا، ۵۲۴ھ میں سلطان مسود کا انتقال ہو گیا، ۵۲۳ھ میں ترکان غزنو نے سلطان سنجر پر حملہ کر دیا اور تمام ممالک محروسہ اس کے قبضہ سے نکل گئے، ۵۲۹ھ میں والی مصر الظاہر باللہ فوت ہو گیا اور المقتضی نے نور الدین زنگی سے کہا مصر پر قبضہ کر لو اور اس کو الملک العادل کا خطاب دیا۔ نور الدین زنگی اس وقت دمشق کا حکمران تھا، ۵۲۸ھ میں المقتضی کا انتقال ہو گیا۔

(۵۱) المستنجد باللہ ابو المظفر یوسف بن المقتضی، اس کو المقتضی نے دلی عہد نامہ دیا تھا، ۵۲۴ھ میں فریگیوں نے مصر پر حملہ کیا اور شہر یسیر پر قبضہ کر لیا اور قاہرہ کا محاصرہ کر دیا۔ سلطان نور الدین مسلمانوں کی مدد کے لیے آیا اور فریگی بھاگ کر فرار ہوئے، ۸ ربیع الثانی ۵۲۶ھ میں مستنجد کا انتقال ہو گیا۔

(۵۲) المستنجد باللہ ناصر بن المستنجد، یہ اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں مصر میں غریبہ کی حکومت ختم ہو گئی، اور مصر میں المستنجدی سلاطین نام خطبوں میں پڑھا جانے لگا، ۵۴۲ھ میں سلطان صلاح الدین کا انتقال ہو گیا، ۵۴۵ھ میں المستنجد کا انتقال ہو گیا۔

(۵۳) الناصر لدین اللہ ابو العباس بن المستنجد ناصر باللہ، یہ اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا، یہ نہ ہباشید تھا، اناصر نے ایک بار علامہ ابن جوزی سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون افضل ہے، ابن جوزی نے کہا ”من کانت ابنتہ تحتہ“ اس جملہ کے دو معنی ہیں، جن کی بیٹی آپ کے مقدس مقام میں تھی یعنی حضرت البرکۃ اور دوسرا معنی ہے جن کے مقدس مقام میں آپ کی صاحبزادی تھی یعنی حضرت علیؑ ۲۲ھ میں اناصر فوت ہو گیا۔

(۵۴) الظاہر باللہ ابو نصر محمد بن الناصر لدین اللہ، اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا، اور ۶۲۳ھ میں فوت ہو گیا۔

(۵۵) المستنصر باللہ ابو جعفر منصور بن الظاہر باللہ، انظار کے بعد تخت نشین ہوا اور ۶۴۰ھ میں فوت ہو گیا۔

(۵۶) المستنصر باللہ ابو احمد عبداللہ بن المستنصر اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا، یہ عراق میں عباسیوں کا آخری خلیفہ تھا، ۶۵۵ھ میں تاتاریوں نے عباسی سلطنت پر حملے شروع کر دیے، اسی سال ہلاک کر کے بغداد پر حملہ کر دیا، چالیس روز تک تاتاری بغداد میں مسلمانوں کو قتل کرتے رہے، لاکھوں مسلمان قتل کر دیے گئے، المستنصر کی لاش کو دفن ہونا بھی نصیب نہیں ہوا، ۶۵۵ھ میں کوئی بھی خلیفہ المسلمین کے نام سے سلطان نہیں تھا، مصر میں المستنصر علی بن معز والی تھانیکن یہ کس تھا اس کا اتالیق سیف الدین تھا، ۶۵۸ھ میں بھی کوئی خلیفہ نہیں تھا اور تاتاری دمشق تک پہنچ گئے تھے، ۶۶۱ھ میں بھی بغداد کا تخت خلافت سے خالی تھا۔

۶۶۱ھ میں الحاکم باللہ ابو العباس سلطان بیبرس (ملک انظار کی مدد سے مصر میں خلیفہ ہو گیا، ۶۶۳ھ میں سلطان ابو عبداللہ بن الاحمر بادشاہ اندلس کو فرانسیسیوں پر فتح حاصل ہوئی، ۶۶۶ھ میں سلطان بیبرس کا انتقال ہو گیا، ۶۰۱ھ میں الحاکم باللہ کا انتقال ہو گیا، اور اس کا بیٹا المستنجد باللہ ولی عہد نامہ دیا، مصر اور شام میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا

تھا، ۷۳۶ء میں المستنکفی گرفتار ہونے کے بعد قید میں فوت ہو گیا، اس کے بعد اسحاق بن ابراہیم خلیفہ ہوا، اور ۷۵۲ء میں فوت ہو گیا، پھر معتقد باللہ خلیفہ ہوا اور ۷۶۳ء میں فوت ہو گیا، پھر المتوکل علی اللہ خلیفہ ہوا، ۷۸۵ء میں المتوکل کو گرفتار کر کے منزل کر دیا گیا، اس کے بعد واثق باللہ خلیفہ ہوا، اور ۷۸۸ء میں فوت ہو گیا، اس کے بعد اس کے بھائی المستعصم باللہ ذکر کیا کی بیعت کی گئی لیکن ۷۹۱ء میں اس کو منزل کر دیا گیا، اس کے بعد متوکل پھر تخت نشین ہو گیا، ۸۰۷ء میں المستعین باللہ اور الفضل کی بیعت کی گئی۔ ۸۱۳ء میں غیاث الدین شاہ ہندوستان نے مستعین کی خدمت میں حاضر ہو کر سلطان کا خطاب حاصل کیا، ۸۱۵ء میں مستعین کو گرفتار کر کے منزل کر دیا گیا اور اس کا بھائی معتقد باللہ خلیفہ ہو گیا، ۸۲۵ء میں معتقد باللہ فوت ہو گیا، اس کے بعد المستنکفی باللہ بطور ولی عہد نامزد ہو گیا، اور ۸۵۴ء میں فوت ہو گیا، اس کے بعد القائم باللہ کی بیعت کی گئی، ۸۵۹ء میں اس کو سلطان نے قید کر لیا اور یہ ۸۶۳ء میں قید خانہ میں ہی مر گیا، اس کی منزل کے بعد المستغنی باللہ خلیفہ ہوا اور ۸۸۴ء میں فوت ہو گیا، اس کے بعد المتوکل علی اللہ خلیفہ ہوا اور ۹۰۳ء میں فوت ہو گیا یہاں تک کہ تھیں ہم نے علامہ سیوطی کی تاریخ الخلفاء سے حاصل کی ہے، جس کو ہم نے اختصار سے بیان کیا ہے، اب ہم خلافت کے آخری عہد کو اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے حوالے سے بیان کر رہے ہیں۔

تیرھویں صدی عیسوی سے مغرب میں بھی سنی خلیفہ نظر آنے لگا: اسلامی دنیا کے مشرقی حصے میں بھی وقتاً فوقتاً بہت سے امیروں نے اس لقب کو اختیار کر لیا تھا، جیسے سلجوق، تیموری، ترکمان، ازبک اور عثمانی حکمران (مگر انہیں بھی وہ مرکزی اہمیت نہ مل سکی) بہت سے خود مختار امیر ایسے تھے جو اپنی رعایا سے عہد وفاداری کے جواز کے لیے اپنے مرتبہ کو خلیفہ سے منوا کر اس سے خطاب حاصل کرنا چاہتے تھے، مثلاً جنرل ایران میں مظفریہ خاندان کے دو بادشاہ (۱۳۱۳ تا ۱۳۸۲ء)، ہندوستان میں محمد بن تغلق (۱۳۲۵ تا ۱۳۵۱ء) اور اس کے جانشین فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ تا ۱۳۸۸ء) نے بھی یہی کیا، بلکہ کہا جاتا ہے کہ ترکیہ کے عثمانی سلطان بایزید اول (رک بآں) نے بھی ۱۳۹۴ء میں قاہرہ کے عباسی خلیفہ سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ اسے سلطان کا خطاب باقاعدہ رسمی طور پر عطا کرے (Geach, D. Osman Reiches: V. Hammer) بار دوم (۱۷: ۱۹۵)، مگر اس روایت کے بارے میں شک کیا جاتا ہے کیونکہ چودھویں صدی عیسوی کے نصف آخر سے اول (رک بآں) اور فیلیپس پریس وغیرہ کی فتح کے بعد اس کے باپ مراد اول نے اپنے آپ کو خلیفۃ اللہ المختار (خدا کا منتخب خلیفہ) کہلوانا شروع کر دیا تھا (فریدون، ۱: ۹۳، ۲۲) اور اس کے بعد عثمانی سلاطین نے خلیفہ کا لقب اختیار کر لیا اور ان کی رعایا اور دوسرے ملکوں میں ان کے وقائع نگار یا دوسرے خط و کتابت کرنے والے لوگ ان کے اس دعوے کو تسلیم کر لیتے تھے۔ اس زمانے تک پہنچتے پہنچتے امام کے لیے قرشی ہونے کی شرط نظر انداز ہو چکی تھی اور قرآن مجید کی آیات (مثلاً) ید اودانا جعلناک خلیفۃ فی الارض (ہم نے تجھ کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے) سے جواز حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اسی طرح دوسری آیتوں مثلاً وهو الذی جعلکم خلیفۃ الارض (انعام) —

کا حوالہ بھی اس زمانے کی سیاسی خط و کتابت میں برابر نظر آتا ہے، چنانچہ جب سلطان سلیم اول (رک بآں) جنوری، ۱۵۱۷ء میں فاتحانہ قاہرہ میں داخل ہوا اور وہاں کی عباسی خلافت کو ختم کر کے اس خاندان کے آخری نمائندہ سے المتوکل کو اپنے ساتھ قسطنطنیہ لے گیا تو اس وقت وہ پہلے ہی سے نہ صرف اپنے آپ کو خلیفہ کہلاتا تھا بلکہ اپنے آباؤ اجداد کو بھی جو میٹرہ سوری

قل گذرے تھے، خلیفہ کھوار ہوا تھا۔ ایک روایت یہ ہے کہ المتوکل نے اپنا منصب سلیم کو منتقل کر دیا تھا جس کا ذکر.....
 Tableau General de l'Empire Ottoman Constantinople ۱۷۸۸ء میں کیا تھا (Tableau General de l'Empire Ottoman Constantinople ۱۷۸۸ء میں کیا تھا)۔ دوسرے ہم عصر مستند مصنفین نے مصر کی
 فتح کا ذکر کیا ہے، ان میں سے کسی نے منصب خلافت کے اس طرح منتقل کیے جانے کا ذکر نہیں کیا (تاہم اس
 انتقال خلافت کا امکان اس لیے ہے کہ المتوکل سلطان سلیم کی زندگی میں قسطنطنیہ میں بدعزت و احترام (سلیم کی وفات
 کے بعد المتوکل کو مصر واپس جانے کی اجازت مل گئی تھی اور وہ وہاں اپنی وفات (۶۱۵ھ) تک خلیفہ رہا۔ (بہر حال بیسویں صدی
 کے آغاز تک عثمانی سلاطین ہی منصب خلافت پر فائز رہے، اگرچہ جنوبی اور دوسرے ایرانی بادشاہوں نے اور
 ہندوستان کے محل شہنشاہوں نے یا تو انھیں اپنا ہم تر تہ تصور کیا یا حریف خیال کیا)۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں محل سلطنت
 کے زوال کے بعد اسلامی دنیا میں عثمانی سلاطین بظاہر سب سے بڑے حکمران رہ گئے تھے، مگر ان کی طاقت کو بھی اپنے دلا
 دست شمالی ہمسائے کی طرف سے خطرہ پیدا ہو چلا تھا۔ روس سے ان کی جنگ (۱۷۶۸-۱۷۷۴ء) کے بعد انھیں بحر امرد
 کے شمالی ساحل واپس علاقوں کو روس کے حوالے اور قریم کے تاتاریوں کی خود مختاری کو تسلیم کرنا پڑا۔ اس پر کبوتران
 دوم نے عثمانی مملکت کی حدود میں رہنے والے ان غیسائیوں کی سرپرستی کا دعویٰ کیا، جو راسخ العقیدہ کلیسا کے پیرو تھے
 مگر مکانی و کلائی مختار تھے، جنھوں نے کوچک قینارجہ کا صلحنامہ ۱۷۷۴ء میں مکمل کیا، خلیفہ کے خطاب سے فائدہ
 اٹھاتے ہوئے اسی قسم کا دعوئی سلطان کی طرف سے بھی پیش کر دیا کہ مسلمان جہاں بھی ہیں ان پر سلطان کا مذہبی اقتدار
 تسلیم کیا جائے؛ چنانچہ صلحنامے میں ایک دفعہ بڑھادی گئی جس کی رو سے خلیفہ المسلمین کا مذہبی اقتدار ان تاتاریوں
 پر تسلیم کرنا گیا جو دغوی حیثیت سے اسے اپنا بادشاہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں خلیفہ
 اسی طرح مسلمانوں کا مذہبی پیشوا سمجھا جانے لگا جس طرح کہ یورپ تمام عیسائیوں کا مذہبی پیشوا ہے اور اس کا روحانی
 اقتدار اس کے سبب ہم مذہبوں پر ہے، خواہ بطور سلطان ترکیہ وہ اس کی دغوی حکمرانی اہم سیاسی اقتدار کے تابع
 ہوں یا نہ ہوں۔ عثمانی سلاطین کو خود بھی اپنے اس منصب کا احساس تھا اور سلطان عبدالحمید ثانی (۱۸۰۹ تا ۱۸۷۶ء) کے
 زمانے میں تو انھیں (تمام عالم اسلام کا) خلیفہ تسلیم کیے جانے پر زور دیا گیا اور ان کے عہد میں جو آئین نشر کیا گیا اس
 میں اس بات کی تائید کی گئی کہ "اعلیٰ حضرت سلطان خلیفہ کی حیثیت سے اسلام کے محافظ (حامی) اور علمبردار ہیں"۔
 سلطان عبدالحمید نے اسلامی دنیا کے مختلف حصوں میں اپنے سفیر بھیجے تاکہ خلیفہ المسلمین کی حیثیت سے جملہ مسلمان
 عالم کی طرف سے تعظیم و تکریم حاصل کی جائے اور یہ کوشش کسی حد تک بار آور بھی ہوئی، کیونکہ بعض منکر اور صاحب نظر
 مسلمانوں نے (خاص طور سے ان ارباب علم نے جو اسلامی دنیا میں یورپی طاقتوں کے بڑھتے ہوئے اثر سے
 پریشان تھے) یہ تسلیم کیا کہ صرف ترکیہ ہی ایک ایسی خود مختار مسلم سلطنت ہے جس کا دنیا میں احترام باقی ہے، مگر
 سلطان عبدالحمید کو داخلی طور پر اپنے ہی ملک کے اصلاح پسندوں اور متحد پسندوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور
 جب ۱۹۰۹ء میں اسے تخت سے اتارا گیا تو ترکیہ کے معاملات ایسی متحد پسند جماعت کے ہاتھوں میں آ گئے
 جو حکومت کی دینی اساس ہی کے قائل نہ تھے، نومبر ۱۹۲۲ء میں ترکیہ ایک جمہوریہ بن گیا۔ خلیفہ کا بحیثیت سلطان سلا
 دغوی اختیار و اقتدار چھین لیا گیا، مگر اس سے قبل کہ اس امر کا فیصلہ ہوتا کہ اس جمہوریہ میں خلیفہ (یا سلطان) کے

کے منصب کی کیا نوعیت ہوگی، مارچ ۱۹۲۴ء میں اس منصب کو بے ضرورت قرار دے دیا گیا اور خلافت بھی ختم ہو گئی۔ لہٰذا
تمام مسلمانوں کے لیے ایک سربراہ ہونے کی بحث | ہمارے فقہاء اور متکلمین نے تمام عالم اسلام کے
 حقیقت میں خلافت صرف تیس ہجری تک قائم رہی اس کے بعد ملوک اور سلاطین خلیفہ کے نام سے حکومت کرتے رہے
 ۱۳۴ء تک تمام عالم اسلام کا ایک سربراہ تھا، ۱۳۴ء کے بعد عبدالرحمان بن معاویہ الاموی المروانی نے اندلس میں اپنی ایک حکومت
 قائم کر لی اور علی طور پر تمام عالم اسلام کا ایک سربراہ نہیں رہا، ۳۲۵ء میں خلافت کے تین دعویدار تھے، اندلس میں عبدالرحمن
 (ثانی) بغداد میں راضی باشند اور قیروان میں مہدی، ۵۶۹ء میں بغداد میں خلفاء عباسیہ کا خاتمہ ہو گیا، اور ۹۰۳ء میں مصر سے بھی
 خلفاء عباسیہ کا خاتمہ ہو گیا، اور دنیا میں نام کے خلفاء بھی نہ رہے، دنیا کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں کی الگ الگ حکومتیں
 قائم تھیں، اگر یہ کہا جائے کہ تمام عالم اسلام میں ایک سربراہ کو مقرر کرنا واجب ہے تو ۱۳۴ء کے بعد تمام مسلمانوں کو اجتماعی طور
 پر مصیبت میں مبتلا دیکھنا پڑے گا، جو علماء ایک خلیفہ مقرر کرنے کے وجہ سے قائل ہیں ان کو بھی یہ مشکل پیش آئی کہ جب
 چھٹی صدی ہجری میں ہلاکو نے بغداد کو تاراج کر دیا اور خلافت عباسیہ کا خاتمہ کر دیا تو پھر خلافت نہ ہونے سے تمام
 دنیا کے مسلمان مصیبت کے مرکب قرار پائے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو آسان اور ہر وقت کے مسلمانوں کے لیے قابل عمل
 بنایا ہے، اور تمام عالم اسلام کا ایک سربراہ مقرر کرنا بے حد دشوار اور ناقابل عمل ہے، جب مسلمانوں کی جغرافیائی سرحدیں
 محدود اور کٹی ہوئی تھیں اس وقت تک قرآن کا ایک فرمان روا کے تابع ہو کر رہنا ممکن تھا، لیکن جب اسلام کی سرحدیں مشرق
 اور مغرب میں پھیل گئیں قرآن تمام ریاستوں کو علی طور پر ایک امیر کے ماتحت رکھنا ممکن نہ رہا، یہی وجہ ہے کہ ۱۳۴ء میں
 مغرب میں عبدالرحمان اموی نے الگ حکومت قائم کر لی، اور خلافت عباسیہ کے دوران ہی دمشق، طرابلس، خراسان، مصر اور
 ہندوستان وغیرہ میں آزاد ریاستیں قائم ہو گئیں یہ علی طور پر بالکل آزاد اور خود مختار ریاستیں تھیں صرف رسمی طور پر بعض ریاستیں
 تبرکاً خلیفہ سے پردہ تفریزی یعنی تھیں اور اچھی حدی ہجری کے بعد یہ رسم بھی ختم ہو گئی۔

ہر خطہ زمین میں مسلمانوں کا جماعت کے ساتھ رہنا اور ایک امیر کے ماتحت رہنا لازم ہے۔
 اسلام نے مسلمانوں کو اجتماعی احکام دیے ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمانوں کی ریاست ہو اور اس میں اجتماعی احکام
 نافذ کیے جائیں مثلاً جمعہ اور عید قائم کرنا، باجماعت نماز ادا کرنا، امر اور نہی کے اصول کے اس کو مستحقین پر صرف کرنا،
 عدل اور انصاف کے قیام کے لیے حکام اور قاضیوں کا تقرر کرنا، حدود، قصاص اور تزییلات کا نظام قائم کرنا، مسلمانوں
 کے ملک کی سرحدوں کا تحفظ کرنا اور بوقت ضرورت جہاد کرنا، اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ مسلمان دنیا کے جس خطہ میں بھی
 آباد ہوں ان کا ایک امیر ہو اور اس خطہ کے تمام مسلمان اجتماعی احکام اس امیر کی امداد میں ادا کریں۔
 قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ
وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (النساء: ٥٩)

اہم بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی هريره ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من اطاعني فقد اطاع الله ومن عصاني فقد عصى الله ومن اطاع اميري فقد اطاعني ومن عصى اميري فقد عصاني - له

عن عبد الله بن عمر أن رسول الله
صلى الله عليه وسلم قال: ألا كلكم راعٍ
وكلكم مسئول عن رعيته فالأمام الذي
على الناس راعٍ وهو مسئول عن رعيته
والرجل راعٍ على أهل بيته وهو مسئول
عن رعيته والمرأة راعية على أهل بيت
زوجها ولدها وهو مسئولة عنهم وعبد
الرجل راعٍ على مال سيده وهو مسئول
عنه ألا فكلكم راعٍ وكلكم مسئول
عن رعيته. ٢

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی رعایت کیا ہے۔ ۳۵

عن انس بن مالك قال قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم اسمعوا واطيعوا
وان استعمل عليكم عبد حبشي كان

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے صاحبان امر ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس شخص نے میرے امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی، اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ستمو تم میں سے
ہر شخص حاکم ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے بارے
میں پرسش ہوگی، پس امیر لوگوں کا حاکم ہے اور اس
سے اس کی رعایا کے متعلق پرسش ہوگی، اور مرد اپنے اہل
عائ کا حاکم ہے اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق پرسش ہوگی
اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی حاکم
ہے اور اس سے ان کے بارے میں پرسش ہوگی، اور
نوکرا اپنے مالک کے مال میں حاکم ہے اور اس سے اس
کے بارے میں پرسش ہوگی، ستمو! تم میں سے ہر شخص حاکم
ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے بارے میں پرسش
ہوگی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ستر اور اطاعت کرو، خواہ تم پر ایک حبشی غلام کو حاکم بنا دیا جائے جس کا

۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، میح بخاری ج ۲ ص ۵۰۵، المطبوعہ نور محمد امج المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۱- " " " صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۰۱

تے۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۲، مطبوعہ نزد محمد اصبغ المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

سراٹنگور کے برابر ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں شخص کو اپنے امیر کا کوئی حکم
ناگوار معلوم ہوا اس کو صبر کرنا چاہیے کیونکہ جو شخص جماعت سے
ایک بالشت بھی الگ ہو کر مرے گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان شخص پر حاکم کا حکم سنا
اور اس کی اطاعت کرنا لازم ہے خواہ وہ خوش ہو یا ناخوش
جب تک کہ اس کو گناہ کا حکم نہ دیا جائے، اور جب وہ گناہ
کا حکم دے تو اس کو سننے نہ اس کی اطاعت کرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
اے لوگو! میری اطاعت اور جماعت کو لازم رکھو کیونکہ یہی اللہ
کی وہ رسی ہے جس کا حکم دیا گیا ہے، اور تم جماعت میں
جس چیز کو ناپسند کرتے ہو، وہ علیحدگی کی اس چیز سے بہتر
ہے جس کو تم پسند کرتے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایک بالشت کے برابر جماعت سے الگ ہوا، اس نے اپنے گھر سے اسلام کا پھندا اتار دیا اور جو شخص کسی امام سے بیعت کیے بغیر مر گیا اس کی موت جاہلیت کی موت ہے، اور جو شخص مصیبت کے جھنڈے تلے لڑتا ہو، اور وہ

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى
الله عليه وسلم من فارق الجماعة قياس
او قيد شبر فقد خلع رابطة الاسلام من
عنقه ومن مات وليس عليه امام فميته
ميته جاهلية ومن مات تحت راية
عصية فقتلته قتلة جاهلية رواه

ح. حافظ زهير الدين علي بن أبي بكر الهيثمي متوفى ٨٠٤هـ، مجمع الزوائد ج ٥ ص ٢٢٢، مطبوعه دار الكتاب العربي، بيروت، ١٣٠٢هـ

جاہلیت کی موت مرا، اس حدیث کو امام بزار اور امام طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے، اور اس کا ایک راوی غلیب بن علی ضیف ہے۔

عن عبد الله قال اذا كنتم ثلاثه في سفر فامروا عليكم احدكم رواه الطبرانی ورجالہ الصالحین رحمہم اللہ
 حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب
 قرآن مجید، احادیث اور آثار صحابہ سے یہ واضح ہو گیا کہ مسلمان دنیا کے جس خطہ میں بھی آباد ہوں ان پر یہ لازم ہے
 کہ وہ جماعت کے ساتھ وابستہ رہیں اور کسی ایک شخص کو اپنا امیر بنالیں اور اجتماعی معاملات میں امیر کے احکام کے پابند
 رہیں، بشرطیکہ وہ احکام شریعت کے خلاف نہ ہوں، قرآن مجید کی کسی آیت اور کسی حدیث صحیح میں یہ حکم نہیں ہے کہ تمام دنیا
 کے مسلمانوں پر ایک امیر کی بیعت کرنا اور اس کی اطاعت کرنا لازم ہے، خلافت نبوت کا معاملہ الگ ہے اور رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی تحدید تیس سال کے ساتھ فرمادی ہے، اس وقت دنیا میں انچاس اسلامی ملک ہیں اور
 اکثر و بیشتر اسلامی ملکوں کی جغرافیائی سرحدیں ایسی ہیں جن کے درمیان بحری، بری اور فضائی قسم کا رابطہ نہیں ہے، براعظم
 یورپ، براعظم افریقہ، شرق اوسط اور شمالی اور جنوبی ایشیاء کے مختلف ٹکڑوں میں اسلامی ممالک اس طرح بکھڑے ہوئے
 ہیں ان کے درمیان جغرافیائی وحدت ممکن نہیں ہے اور یہ کہنا کہ ان تمام اسلامی ملکوں کا ایک خلیفہ ہونا واجب ہے، ان
 کی ایک کرنسی ہو، ایک فوج ہو اور ان کے تمام داخلی اور خارجی مسائل ایک امیر کی پالیسی کے مطابق ہوں، اس لیے
 دنیا کے تمام اسلامی ملکوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی اپنی حکومتوں کو توڑ دیں اور اپنے امراء کو معزول کر دیں اور تمام دنیا کے
 مسلمان اسلامی ملکوں کا ایک خلیفہ منتخب کریں، ورنہ تمام دنیا کے مسلمان فرض کے تارک اور حرام کے مرتکب ہوں گے،
 اور اس سے یہ لازم آئے گا کہ ۱۳۴۲ھ کے بعد سے اب تک تمام امت مسلمہ معصیت اور ضلالت پر مجتہ رہی ہو،
 یہ چیز بدہمتہ بالکل ہے، تمام دنیا کے مسلمانوں اور تمام اسلامی ریاستوں کا ایک خلیفہ یا امام کے زیر حکومت رہنا بے حد مشکل
 اور ناقابل عمل ہے اور اسلام کے تمام احکام آسان اور قابل عمل ہیں۔

اسلام دینِ کبیر ہے | اسلام نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا جس سے پوری امت حرج اور دشواری میں مبتلا ہو جائے | اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج رماندا: (۲)
وما جعل علیکم فی الدین من حرج رحب: (۱۸)
ان کے علاوہ اور بھی متعدد آیات میں حرج کی نفی کی گئی ہے۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی

١٤- حافظ زبد الدين علي بن ابي بكر الهيثمي متوفى ٨٠٤هـ، مجمع الزوائد ج ٥ ص ٢٢٢، مطبعه دار الكتاب العربي، بيروت، ١٩٠٢هـ

٥٢- " " " : مجمع الزوائد ج ٥ ص ٢٣٩ ،

وسلم قال ان الدين يسر ولن يشاء الدين
احدا الا غلبه - ۱۷

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین آسان ہے جس شخص بھی
دین پر غالب آئے گی کو شخص کرے گا رہا ہی طور کہ
آسان طریقہ کو چھوڑ کر مشکل اختیار کرے، دین اس پر
غالب آجائے گا۔

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ نیز اس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی ہریرۃ قال قال لہم النبی صلی
اللہ علیہ وسلم فانما بعثتم ميسرين ولم
تبعثوا معسرین - ۱۸

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا تم لوگوں کے
لیے آسانی پیدا کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو اور ان کو
مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ یہ ان کے علاوہ اس حدیث کو امام ابو داؤد، امام ترمذی اور امام نسائی
نے بھی روایت کیا ہے۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن سعید بن ابی ہریرۃ قال سمعت ابی
قال بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم لی و
معاذ بن جبل الی الیمن فقال یسرا ولا تعسرا
وبشرا ولا تنفرا وتطاعا - ۱۹

سعید بن ابی ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے
والد (حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) سے سنا کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور حضرت معاذ بن جبل کو
یین بھیجا اور فرمایا (لوگوں کے لیے) آسانی کرنا، (انہیں)
مشکل میں نہ ڈالنا اور (ان کو) متنفذ کرنا اور (اپس میں)
مواہنت کرنا۔

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔
نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن ابی موسیٰ قال کان رسول اللہ صلی

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے

۱۷۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱، مطبوعہ فرم محمد امجد المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۱۸۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

۱۹۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵، مطبوعہ فرم محمد امجد المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۲۰۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۲، ۲۳۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

۲۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۶۳، مطبوعہ فرم محمد امجد المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۲۲۔ امام ابو العباس محمد بن مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲، مطبوعہ فرم محمد امجد المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب میں سے کسی شخص کو اپنے کسی کام کے لیے بھیجتے تو یہ فرماتے: (اگر ان کو) خوشخبری دینا، متغیر نہ کرنا، آسانی کرنا اور مشکل میں ڈھکنا۔

اللہ علیہ وسلم اذا بعث احدا من اصحابہ فی بعض امر قال: بشارا ولا تنفرا ولا یسر و لا تعسرا۔

امام احمد روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درست اور ٹھیک ٹھیک کام کرو اور آسانی کرو۔

عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم انها کانت تقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سددوا وقاربوا ویسروا یسروا عن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان خیر دینکم الیسر ان خیر دینکم الیسر ان خیر دینکم الیسر۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا بہترین دینی عمل وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو تمہارا بہترین دینی عمل وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو تمہارا بہترین دینی عمل وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو کاموں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جاتا تو آپ اس پر عمل کرتے جو زیادہ آسان ہوتا بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو، اگر وہ گناہ ہو تا تو آپ اس سے سب سے زیادہ بچنے والے تھے۔

عن عائشۃ انها قالت ما خیر من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین امرین الا اخذ الیسر ما لم یکن اشما فان کان اشما کان ابعد الناس منه۔

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے نیز اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ ان کے علاوہ اس حدیث کو امام مالک نے بھی روایت کیا ہے۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں:

۱۔ امام ابو احسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲، مطبوعہ نور محمد جامع المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۲۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۶ ص ۱۲۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

۳۔ " " مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸، ج ۵ ص ۳۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

۴۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۳، ج ۲ ص ۱۰۰۳، مطبوعہ نور محمد جامع المطابع کراچی، ۱۳۹۸ھ

۵۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵۶، مطبوعہ نور محمد جامع المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۶۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

۷۔ امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۲۴۶ھ، مؤلف امام مالک ص ۷۰، مطبوعہ مطبعہ مجتہدانی پاکستان لاہور

قال النبي صلى الله عليه وسلم احب
الدين الى الله الحقيقة السمحة يله

عن جابر بن عبد الله أن رسول الله صلى
الله عليه وسلم قال : رحمة الله رجل لا يبيع
إذا باع وإذا اشتري وإذا اقتضى .

امام احمد روایت کرتے ہیں:
عن ابی امامۃ قال قال النبی صلی اللہ
علیہ وسلم انی لم ابعث بالیہودیۃ ولا
بالنصرانیۃ ولکنی بالحنیقیۃ السمۃ

عن عائشة قالت قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم يؤمئذ لتعلم يهود
ان في ديننا فسحة اني ارسلت بحنيقية
مسححة - ٥٥

عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم دخل رجل الجنة
بسماعته قاضيا ومتقاضيا ۞

۵- " " " " " مسیح بخاری ج ۱ ص ۲۷۸ " " " " "

۴۰۰ سند احمد ۲۸ ص ۱۱۶

مسند احمد ج ۲، ص ۱۱۰

اسلامی ملکوں کی ایک فیڈریشن کا استخسان اور استحباب | قرآن مجید کی مستند آیات اور بکثرت اہل حدیث صحیحہ سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ پر مشکل اور دشوار احکام کے لاگو کرنے سے منع فرمایا ہے اور سہل اور آسان احکام لاگو کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ دین اسلام آسان اور سہل ہے، اس میں وسعت، کشادگی اور گنجائش ہے، مشکل اور دشواری نہیں ہے۔ اور تمام عالم اسلام کے لیے ایک خلیفہ کے تقرر کو فرض اور واجب قرار دینا انتہائی مشکل اور دشوار ہے اور آج کی دنیا میں ملکی طور سے تقریباً ناممکن ہے اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ دوسری صدی کے بعد سے اب تک تمام امت مسلمہ صحیت اور کفر الٰہی پر جمع رہی ہو، البتہ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ تمام ممالک اسلامیہ کی ایک فیڈریشن بنالینا اور ایک اسلامی بلاک قائم کرنا مستحسن اور مستحب ہے اور اگر تمام ممالک اسلامیہ کی ایک فیڈریشن بن گئی تو یہ خلافت راشدہ کے قریب تر ہوگی اور یہ کچھ ایسا مشکل بھی نہیں ہے، اس کے لیے تمام اسلامی ملکوں کے وزراء و خارجہ کونسل کو شش اور ہفتہ جمعہ کرنی چاہیے اس سے تمام اسلامی ممالک کو قوت حاصل ہوگی، مسلمانوں کی وحدت کا ظہور ہوگا اور واعتصموا بحبل اللہ جميعا ولا تفرقوا (آل عمران: ۱۰۳) تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور متفرق نہ ہو، کا منشاء پورا ہوگا، مسیحا قائم عالم اسلام کے لیے ایک سربراہ اور ایک حاکم کا فرض اور واجب ہونا، قرآن اور حدیث میں کہیں مخصوص نہیں ہے اور میں چیز کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض اور واجب نہ کیا ہو اس کو فرض اور واجب قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

تمام عالم اسلام کے لیے ایک خلیفہ مقرر کرنے کے وجوب کے دلائل کا جائزہ | علامہ تفتازانی

اس بات پر اجماع ہے کہ امام کا مقرر کرنا واجب ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ اللہ پر واجب ہے یا مخلوق پر اور یہ وجوب دلیل مسمیٰ سے ہے یا دلیل عقلی سے، اور مذہب یہ ہے کہ یہ مخلوق پر دلیل مسمیٰ سے واجب ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من مات ولم يعرف امام زمانه
فقد مات ميتة جاهلية۔
جو شخص مر گیا اور اس نے اپنے زمانے کے امام کو نہیں پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

علامہ تفتازانی کا اس حدیث سے استدلال کرنا چند وجوہ سے صحیح نہیں ہے اول تو اس لیے کہ یہ الفاظ کسی حدیث میں نہیں ہیں، البتہ اس کے قریب قریب دوسری احادیث ہیں لیکن ان میں امام زمان کا لفظ نہیں ہے اور تمام عالم اسلام کے ایک خلیفہ کے عہد کے لیے امام زمان کا لفظ ضروری ہے، امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن عبد الله بن عمر قال قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم من مات وليس في
عنقه بيعة مات ميتة جاهلية۔
حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حال
میں فوت ہوا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہ ہو تو

۱۔ علامہ سعد الدین سعد بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ، شرح مفاتیح ص ۱۰۶ مطبوعہ مطبعہ رحیمیہ دیوبند سہارنپور

۲۔ امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۸، مطبوعہ دار محمد امجد الطالبی کراچی، ۱۳۸۱ھ

وہ جاہلیت کی موت مرا۔

حافظ البیہقی بیان کرتے ہیں :

وعن معاوية قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من مات بغير امام مات ميتة جاهلية وفي رواية من مات وليس في عنقه بيعة مات ميتة جاهلية رواه الطبراني واسنادهما ضعيف

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بغیر امام کے مرادہ جاہلیت کی موت مرا، اور ایک روایت میں ہے جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہیں تھی وہ جاہلیت کی موت مرا، ان دونوں حدیثوں کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور ان کا سند ضعیف ہے۔

عن ابی الدرداء قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اصبغ لیس لامیر جماعۃ علیہ طاعة بعثه الله يوم القيامة من ميتة جاهلية رواه الطبراني وفيه عمر بن اوية وهو متروك

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اس حال میں صبح کی کہ اس پر ایسے جماعت کی اطاعت نہیں تھی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو زمانہ جاہلیت میں مرنے والوں سے اٹھائے گا، اس حدیث کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے۔

ان احادیث میں سے امام مسلم کی روایت صحیح ہے لیکن اس میں امام زمان تو کجا امام کا لفظ بھی نہیں ہے، باقی طبرانی کی روایات میں امام کا لفظ ہے لیکن وہ ضعیف احادیث میں اگرچہ صرف امام کا لفظ بھی مفید مدعا نہیں ہے۔

علامہ شمس الدین خیالی، زیر بحث حدیث سے علامہ نفقہ زانی کے استدلال کو مسترد کرتے ہوئے لکھتے ہیں :
یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس حدیث میں امام سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا: اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ ”میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں“ اور یہاں امامت سے نبوت مراد ہے۔ لہذا اس حدیث سے خلافت پر استدلال مدہور سکا۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :
اس حدیث کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے اگر کسی زمانہ میں امام ہو اور پھر کوئی شخص اس امام کو نہ پہچانے تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ گم

۱۔ حافظ زکریا الدین علی بن ابی بکر البیہقی متوفی ۸۰۰ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۱۸، مطبوعہ دار الکتب العربی، ۱۴۰۲ھ

۲۔ علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی متوفی ۸۰۰ھ، حاشیہ الخیالی ص ۱۶۲، مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ

۳۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی متوفی ۱۰۶۷ھ، حاشیہ عبدالحکیم علی خیالی ص ۳۲، مجمع الخواص البیہقی مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ، ۱۳۹۷ھ

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام کا یہاں انا اس وقت واجب رہا جب تمام عالم اسلام میں ایک امام موجود ہو۔
تمام عالم اسلام کے لیے ایک خلیفہ مقرر کرنے پر علامہ تفتازانی دوسری دلیل قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں :
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امت نے سب سے اہم کام خلیفہ کے تقرر کو قرار دیا حتیٰ کہ خلیفہ کے تقرر کو
صحابہ کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین پر مقدم کیا اسی طرح ہر امام کی موت کے بعد اس کے خلیفہ کو مقرر کرنا مقدم ہے یہ
اس دلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک امیر کی موت کے بعد دوسرے امیر کا تقرر نہ واجب ہے، لیکن اس سے
یہ لازم نہیں آتا کہ تمام عالم اسلام کا ایک خلیفہ ہو۔

اعلامہ تقاضائی اس مسئلہ پر تعمیری دلیل قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تمام مسلمانوں کے لیے ایک امام کا ہونا ضروری ہے جو ان میں احکام شرعیہ نافذ کرے، حدود و قائم کرے، ان کی سرحدوں کی حفاظت کرے، جہاد کے لیے لشکر روانہ کرے، زکوٰۃ اور صدقات کو وصول کرے، چوروں اور ڈاکوؤں کو سزا دے، جمعہ اور عید پڑھانے کا انتظام کرے، مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرے، حقوق میں شہادت کو قبول کرے، مال غنیمت کی تقسیم کرے اور ایسے بہت سے کام جو عام لوگوں کے دائرۂ اختیار میں نہیں ہوتے، ان کو بروئے کار لائے (اس کے بعد علامہ تقاضائی اس دلیل کا ضعف ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں):

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہر ملک کے ایک مقتدر امیر سے بھی یہ مقاصد پورے ہو سکتے ہیں، اس دلیل سے یکبارہ لازم آتا ہے کہ نظام عالم اسلام کا ایک ضمیمہ ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مختلف ملکوں کے الگ الگ متعدد سربراہ ہوتے تو ان کے آپس میں لڑائی جھگڑے ہوں گے جس سے دین اور دنیا کے معاملات میں خلل لازم آئے گا؛ جیسا کہ ہم اپنے اس نصاب میں مشاہدہ کر رہے ہیں، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ایک شخص کو تمام ملکوں کا سربراہ بنا دیا جائے خواہ وہ امام ہو یا نہ ہو پھر بھی یہ مقصد پورا ہو جائے گا کیونکہ وہ سربراہ اپنے ملک کا نظام چلا سکتا ہے جس طرح ترکوں کے دور میں ہو رہا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح دنیاوی نظام تو چل جائے گا لیکن مذہبی مقصد پورا نہیں ہوگا۔ ﷺ

علامہ عبدالعزیز اس بحث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ بات معنی در ہے کہ تمام اسلامی ملکوں میں ایک خلیفہ کا مقرر کرنا مشکل ہے، میں اس پر بہت تعجب کرتا تھا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ موافق میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جو علاقے (یا ملک) آپس میں ملے ہوئے اور محضے ہوئے ہوں ان میں دو اماموں کی بیعت کرنا جائز نہیں ہے، لیکن مدئے زمین کے پچھلے ہوئے علاقے جو ایک خلیفہ کی قرابت میں نہیں آسکتے ان میں ایک سے زائد سربراہوں کے تقرر کے لیے اجتہاد کرنا چاہیے یہ (موافق کی عبارت ختم ہوئی) اور میرا گمان یہ ہے کہ ایک سے زائد سربراہوں کے تقرر کا جواز زیادہ رائج ہے۔

۱۷۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر نقاش ازانی متوفی ۹۱۱ھ، شرح عقائد ص ۱۰۶ مطبوعہ مطبعہ رحیمہ دیوبند۔

۵۰- " " " " " شرح مفاد ص ۱۰۶ " " "

۵۔ مولانا عبدالرزاق بریلوی، تبراس ص ۵۱۳، مطبوعہ مکتبہ قادیان لاہور، ۱۳۹۷ھ

مع شرح مواقف من ۴۳۲-۴۳۳، مطبوعه مطبع مشرقی نو کشتور کشتور

علامہ تفتازانی اپنی بحث کے اخیر میں لکھتے ہیں:
 تمام عالم اسلام کے لیے ایک خلیفہ کے تقرر کے فوج پر یہ اعتراض ہو گا کہ خلافت کی مدت تیس سال ہے (جیسا کہ سنن ابوداؤد میں ہے) اور اس حدیث کے مطابق خلفاء راشدین کے بعد کا زمانہ خلیفہ سے خالی ہو گا اور اس سے تمام امت کا مصیبت میں مبتلا ہونا لازم آئے گا اور ان کی موت جاہلیت کی موت ہو گی، ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ حدیث میں خلافت سے خلافت کا طہراد ہے، یا پھر حدیث میں خلافت کی مدت بیان کی گئی ہے اور امامت کی مدت بیان نہیں کی اور امامت خلافت سے عام ہے، البتہ یہ تشبیہ کی اصطلاح ہے، لیکن جب خلفاء عباسیہ کے بعد خلافت باقی نہیں رہے تو پھر خلیفہ کے تقرر کے وجہ پر اشکال زیادہ قوی ہو جائے گا۔

علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں بھی اس مسئلہ پر بحث کی ہے، لکھتے ہیں:
 اگر یہ کہا جائے کہ اگر امام کو مقرر کرنا واجب ہو تو یہ لازم آئے گا کہ امت مسلمہ نے بکثرت اوقات میں واجب کو ترک کیا ہو کیونکہ امام کے لیے جو صفات واجب ہیں ان صفات کا حامل امام اکثر اوقات میں نہیں رہا۔ خاص طور پر دولت عباسیہ ختم ہونے کے بعد، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر ایک دوسرے کی کاٹنے والے بادشاہ ہو جائیں گے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت ختم ہو گئی، اور حضرت معاویہ اور ان کے بعد کے حکمران عموماً اہل اسلام تھے، لہذا یہ لازم آیا کہ اکثر اوقات میں امت نے واجب کو ترک کر دیا اور واجب کو ترک کرنا مصیبت اور گمراہی ہے اور یہ امت گمراہی پر جم نہیں ہو سکتی۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ امت کا گمراہ ہونا تب لازم آتا جب یہ امت اپنی قدرت اور اختیار سے خلیفہ کے تقرر کو ترک کر دیتی ہو کہ مجبور اور اضطرار سے اور جو حدیث پیش کی ہے اول تو وہ خبر واحد سے ثابت نہیں ہے، ثانیاً اس میں یہ احتمال ہے کہ حدیث میں خلافت سے خلافت کا طہراد ہے۔ علامہ تفتازانی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ علامہ تفتازانی نے خلیفہ کے تقرر کے وجہ پر جس حدیث سے استدلال کیا ہے من عات ولہ یعرف امام زمانہ فعدمان معتد جاہلیہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور اس کے برخلاف جس حدیث کو علامہ تفتازانی نے غیر واحد قرار دے کر اس کی تاویل کی ہے وہ حدیث صحیح ہے جو جامع ترمذی، سنن ابوداؤد اور مسند احمد میں موجود ہے، حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خلافت تیس سال رہے گی پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنا ملک مٹا کر دے گا۔ لہذا اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ تیس سال خلافت کے بعد حکومت ہو گی اس لیے اس حدیث میں یہ تاویل کرنا صحیح نہیں ہے کہ تیس سال کی خلافت، خلافت کا طہراد ہے اور اس کے بعد خلافت غیر کاملہ ہے کیونکہ حدیث صحیح میں یہ تصریح ہے کہ تیس سال کے بعد حکومت ہو گی نہ کہ خلافت غیر کاملہ۔ علامہ تفتازانی اور ہمارے دیگر علماء اور متکلمین نے تقرر خلیفہ یا نصب امام کے وجہ پر جو دلائل پیش کیے ہیں ان کا ذکر کیا جا چکا ہے، اس سلسلہ میں صحیح مسلم کی ایک حدیث سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے:

۱۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ، شرح مقاصد ص ۱۰۰-۱۰۶، مطبوعہ مطبعہ رحیمیہ دیوبند۔

۲۔ شرح المقاصد ص ۲۲، ۲۴۵، مطبوعہ دار المعارف الشافعیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ۔

۳۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۴۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۲، مطبوعہ مطبعہ مجتہبی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ۔

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ابویہ للخلیفتین فاقتلوا الآخر منهما۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو خلیفوں کی بیعت کا جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کر دو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خلیفہ کا ایک ہونا ضروری ہے، اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کی، لیکن خلیفہ کا ہونا ابتدائی تیس سال میں ضروری تھا، اور تیس سال گزرنے کے بعد خلافت ختم ہو گئی اور ملوکیت کا زور آ گیا۔

قرآن مجید کی روشنی میں ملوکیت کا حکم

قل اللهم مالك الملك تؤتي الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بيدك الخير (آل عمران ۲۶)

آپ کہیے: اے اللہ ملک کے مالک تو جس کو چاہے ملک دے اور جس سے چاہے ملک چھین لے، تو جس کو چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے، بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ملوکیت کے لیے دعا کی تلقین کی ہے اور ملوکیت کو خیر قرار دیا ہے۔

آل ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے ملک عطا کیا اور اسی کو اپنے اسانات میں سے شمار فرمایا۔
فقد اتينا آل ابراهيم الكتاب والحكمة واتيناهم ملكا عظيما۔ (نساء: ۵۴)
حضرت سلیمان علیہ السلام نے حصول ملک کے لیے دعا کی:

قال رب اغفر لي وهب لي ملكا لا يتبني لاحد من بعدي۔
حضرت سلیمان نے کہا: اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو سزاوار نہ ہو۔ (ص: ۳۵)

نہو اسرائیل نے اپنے نبی سے بادشاہ کے لیے درخواست کی:
اذ قالوا لنبي لهم ابعث لنا ملكا نقاتل في سبيل الله۔ (بقرہ: ۲۴۶)
اللہ تعالیٰ نے ملوکیت کو نعمت فرمایا:

واذ قال موسى لقومه اذكروا نعمت الله عليكم اذ جعل فيكم انبياء وجعلكم ملوكا۔ (مائده: ۲۰)
اور یاد کرو جب حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا: اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم کو عطا کی تھی، اس نے تم میں نبی پیدا کیے اور تم کو بادشاہ بنایا۔

بزرگ فرمایا:

والله يوثق ملكه من يشاء والله واسع

علیم۔

اور اللہ تعالیٰ اپنا ملک (بادشاہت) جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت رکھتا ہے اور علم والا ہے۔

(بقرہ ۱۵، ۲۲۴)

قرآن مجید کی ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ ملکیت اور بادشاہت بھی حکومت کا ایک جائز اور صحیح طریقہ ہے۔
ملوکیت کے متعلق احادیث | امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خلافت نبوت کے تیس سال ہیں پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا ملک عطا فرما دے گا۔

عن سفينة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم يوثق الله الملك من يشاء۔
امام ترمذی روایت کرتے ہیں:حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری امت میں خلافت تیس سال ہوگی اس کے بعد ملکیت ہوگی۔
بزرگ امام احمد روایت کرتے ہیں:عن سفينة الخلافة في امتي ثلاثون سنة ثم ملك بعد ذلك۔
اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ نیز اس حدیث کو امام علی متقی نے بھی بیان کیا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبوت کی خلافت ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا ملک عطا فرما دے گا۔

عن ابي بكر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خلافة نبوة ثم يوثق الله تبارك وتعالى الملك من يشاء۔
اور امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک اللہ چاہے گا تم میں نبوت رہے گی، پھر جب اللہ تلے چاہے گا نبوت کو اٹھائے گا، پھر جب تک اللہ چاہے گا منہاج

عن حذيفة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تكون النبوة فيكم ما شاء الله ان تكون ثم يرفعها اذا شاء ان يرفعها ثم تكون خلافة على منهاج النبوة فتكون ما شاء الله

۱۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث مترقی ۲۷۵ھ سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۸۲، مطبوعہ مطبع مجتہائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

۲۔ امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی مترقی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۴۲۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۳۔ امام احمد بن حنبل مترقی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۱، ۲۲۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

۴۔ امام علی متقی بن حسام الدین ہندی بریل پوری مترقی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۶ ص ۸۷، مطبوعہ منار السنۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۵ھ

۵۔ امام احمد بن حنبل مترقی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۵ ص ۴۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

ان تكون ثم يرفعها اذا شاء الله ان يرفعها
ثم تكون ملكا عاضا فيكون ما شاء الله ان
يكون ثم يرفعها اذا شاء ان يرفعها ثم تكون
ملكاً جبرية فتكون ما شاء الله ان تكون
ثم يرفعها اذا شاء ان يرفعها ثم تكون
خلافة على منهاج النبوة - ۱۰

نبوت پر خلافت رہے گی، اور جب اللہ تعالیٰ چاہے گا
خلافت کو اٹھائے گا، پھر جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا
ایک دوسرے کو کاسٹے والے بادشاہ ہوں گے، پھر
جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا بادشاہت کو اٹھائے گا،
پھر جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا جبری حکومت ہوگی،
(مثلاً متغلب حاکم یا مارشل لاء) پھر جب تک اللہ تعالیٰ
چاہے گا جبری حکومت کو اٹھائے گا اور پھر منہاج نبوت
پر خلافت ہوگی۔

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ خلافت کی مدت تیس سال ہے اور اس کے بعد ملکیت قائم ہوگی، رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے ملکیت کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ قرار دیا ہے اور یہ حدیث اس کی مشروعیت کی واضح دلیل ہے۔
حافظ الکوثی بیان کرتے ہیں:

عن ابی الدرداء قال قال رسول الله صلى
الله عليه وسلم ان الله يقول انا الله لا اله
الا انا مالك الملوك وملك الملوك قلوب
الملوك بيدى وان العباد اذا اطاعوني
حولت قلوب ملوكهم بالرافة والرحمة
وان العباد اذا عصوني حولت قلوبهم
عليهم بالسخط والنقمة فساموهم
سوء العذاب فلا تشغلوا انفسكم بالدعاء
على الملوك ولكن اشغلوا انفسكم بالذكر
والتضرع انفسكم ملوككم سواء الطير في
في الاوسط وفيه ابراهيم بن اسحاق
وهو متروك - ۱۱

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، میں
بادشاہ ہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں،
بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، جب
اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کی طرف بادشاہوں کے دل
رحمت اور شفقت کے ساتھ متوجہ کر دیتا ہوں اور جب
بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں بادشاہوں کے
دلوں میں ان کے خلاف غم اور غضب بھرتا ہوں اور
پھر وہ ان کو بڑا عذاب پہنچاتے ہیں، لہذا بادشاہوں کو
بدعا نہ دو بلکہ آہ و زاری اور ذکر میں مشغول رہو میں تم
کو بادشاہوں سے کفایت کروں گا۔ اس حدیث کو
امام طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کا ایک
راوی ضعیف ہے۔

علامہ ابن حجر مکی بیان کرتے ہیں:

۱۰۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ
۱۱۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۰ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۲۹، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول هذا
الامر نبوة وراحمة ثم يكون خلافة ورحمة
ثم يكون ملكا وراحمة ثم يكون امارا ورحمة
ثم يتكادمون عليها تكادهم الحمير فعليكم
بالجهاد وان افضل جها دكم الرباط وان
افضل رباطكم عسقلان رواه الطبرانی
ورجاله ثقات يله

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امر کا اول نبوت اور
رحمت ہے، پھر خلافت اور رحمت ہے، پھر ملکیت اور
رحمت ہے، پھر امارت اور رحمت ہے، پھر لوگ
گدھوں کی طرح حکومت کرنا شروع کریں گے اس
وقت تم پر جہاد لازم ہے اور تمہارا سب سے افضل
جہاد سرحدوں کی نگرانی ہے اور تمہاری سب سے افضل
سرحد عسقلان ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے
روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملکیت کو بھی رحمت قرار دیا ہے، اور تاریخ اسلام میں عادل
بادشاہوں کا جو زمانہ گزرا ہے وہ سب رحمت ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت کا افضل ترین طریقہ خلافت
نبوت ہے اور اسلام کے غلبہ کا وہی زمانہ ہوگا جب بارہ حلیفے پرے سے ہوں گے اور ان بارہ خلفاء میں بہترین
زمانہ خلفاء راشدین کا تھا لیکن ان بارہ خلفاء کے درمیان جب بھی ملکیت اور بادشاہت آئی تو وہ بھی اسلامی حکومت تھی
اور بادشاہ کی حکومت کو تسلیم کرنا اور احکام شرع کی حدود میں اس کی اطاعت کرنا بھی اسلام کے مطابق ہے، اسی طرح
امارت بھی رحمت ہے اور سلطنت بھی رحمت ہے اور مسلمانوں پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ ایسے امام کی بیعت کریں جو
پوری دنیا کے مسلمانوں کا سربراہ ہو، ہر چند کہ اسلامی فیڈریشن کو قائم کرنا مستحب ضرور ہے لیکن فرض اور واجب
نہیں ہے، یہاں تک ہم نے ملکیت کے متعلق احادیث بیان کی ہیں اور اب ہم سلطان کے متعلق احادیث بیان
کریں گے۔

سلطان کے متعلق احادیث

عن عائشة قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم السلطان ولی من لا ولی لہ یلہ
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کا کوئی
دولت نہ ہو اس کا ولی سلطان ہے۔

اس حدیث کو امام ترمذی، امام دارمی اور امام احمد نے بھی بیان کیا ہے ۱۵

۱۵۔ علامہ احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، تطبیع الجان واللسان ص ۱۶، مطبوعہ مکتبۃ القادریہ، ۱۳۸۵ھ

۱۶۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۴۵ھ، سنن البراء ورجح ص ۲۸۴، مطبوعہ مطبع مجتہد پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ

۱۷۔ امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۴۹ھ، معراج ترمذی ص ۱۶۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۱۸۔ امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ، سنن دارمی ص ۲۵، مطبوعہ نشر السنۃ عمان

۱۹۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

جلد ہفتم

اللہ عزوجل کے سلطان کی دنیا میں توحید کی اللہ تعالیٰ اس کو
حیامت کے دن دہرا کرے گا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ اللہ کے سلطان کو رسوا کرنے کے لیے اس کے پاس گئے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو قیامت سے پہلے رسوا کر دے گا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: میرے
 بعد سلطان ہوگا اس کو ذیل نہ کرنا جس شخص نے اس کو
 ذیل کرنے کا ارادہ کیا اس نے اپنی گردن سے اسلام
 کا پٹہ اتار دیا۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا
 ہے اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے اور باقی تمام
 راوی ثقہ ہیں۔

نیز امام علیؑ مستحق امام بخاری کی تاریخ کبیر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد سلطان ہوگا اس کی عزت کرنا، کیونکہ کبھی شخص نے سلطان کو ذلیل کرنے کا ارادہ کیا اس نے اسلام کی سرحد میں رختہ ڈال دیا، اس کی توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہوگی جب تک وہ اس کی تلافی نہ کرے اور وہ قیامت تک اس کی تلافی نہیں کر سکے گا۔

١٤- حافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي مشرفي ١٢٨٥ هـ، مجمع الزوائد ٥ ص ٢١٥، مطبوعه دار الكتاب العربي بيروت ٢٠٠٢-١٣ هـ

٢٥- " " " " " مجمع الزوائد ج ٤ ص ١٦٧ " " " "

صف " " " " كثر الحال ج ٢ ص ١٥٦ " " " "

ایک خلیفہ کی حکومت تھی۔ اس کے بعد اندلس میں الگ خلافت قائم ہوئی اور بغداد میں الگ خلافت قائم ہوئی اور ان میں سے کوئی بھی حقیقی خلافت نہیں تھی، کیونکہ حقیقی خلافت میں تمام مسلمانوں کا ایک سربراہ ہونا ضروری ہے، ۶۵۸ء میں بغداد کی خلافت ختم ہو گئی، ۹۰۳ء میں مصر کی خلافت ختم ہوئی، ۸۵۴ء (۱۴۵۰ء) میں اندلس کی خلافت ختم ہو چکی تھی (بلکہ پورے اسپین پر مسیحائیوں نے قبضہ کر لیا تھا) یہ سب جزوی خلافتیں تھیں اور درحقیقت ان علاقوں کے حکمران خلیفہ نہیں بلکہ سلطان تھے، مصر اور بغداد کے خلفاء بھی دراصل سلاطین تھے جو خلفاء کے عنوان سے حکومت کرتے تھے اس بحث کو شرح صدر سے سمجھنے کے لیے خلیفہ اور سلطان کا فرق جاننا ضروری ہے۔

خلیفہ ملک اور سلطان کا فرق | خلیفہ: جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین ہو کر تمام دنیا کے مسلمانوں کا اتباع واجب ہو (یہ تعریف شرح مرقا، شرح مقاصد، شرح عقائد اور الاحکام السلطانیہ علماء ودی سے ماخوذ ہے) علامہ راجب اصغری لکھتے ہیں: ملک کی دو قسمیں ہیں: اول: جو کسی ملک کا والی اور ملک ہو، ثانی: جو ولایت کی ملک: صلاحیت رکھتا ہو بالفعل والی ہو یا نہ ہو ان الملوك اذا دخلوا اقربۃ افسدوها۔ جب بادشاہ کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں۔ یہ قسم اول کے متعلق ہے۔ واذ جعل فیکم انبیاء و جعلکم ملوکا۔ اللہ تعالیٰ نے تم میں نبی پیدا کیے اور تمہیں بادشاہ بنایا۔ یہ قسم ثانی سے متعلق ہے، یہاں ملک کا معنی ایسی قوت ہے جس میں ملک کے انتظام کی صلاحیت ہو، کیونکہ سب کو والی بنادینا حکمت کے خلاف ہے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ ملک وہ شخص ہے جو ملک کے انتظام کا مالک ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ ملک وہ شخص ہے جو کسی ملک کا والی ہو اور وہاں کے انتظام کا مالک ہو۔

علامہ زبیدی لکھتے ہیں: سلطان وال لکھتے ہیں یعنی جس شخص میں بادشاہ کی طرح قدرت ہو، ابر بکرنے کہا۔ سلطان: سلطان میں دو قول ہیں۔ اول: اس کو تسلط کا وجہ سے سلطان کہتے ہیں، ثانی: سلطان کا معنی حجت ہے اور سلطان بھی اللہ کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے۔ علامہ زبیدی کہتے ہیں اس کا تائید میں یہ حدیث ہے: السلطان ظل اللہ فی الارض یا دی الیہ کل مظلوم۔ سلطان زمین پر اللہ کا سایہ ہے ہر مظلوم اس کی پناہ میں آتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید اور احادیث کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملک عام ہے اور سلطان خاص ہے، ملک مطلقاً والی اور حکمران کو کہتے ہیں عام ازیں کہ وہ مسلمان ہو یا نہ ہو اور سلطان کسی مسلم ریاست کے مسلمان والی کو کہتے ہیں۔ الغرض دنیا کی تمام مسلم ریاستوں کا ایک سربراہ ہو تو اس کو خلیفہ کہتے ہیں اور کسی ایک مسلم ریاست یا چند ریاستوں پر مشتمل مسلم ملک کے مسلمان والی کو سلطان کہتے ہیں اس کو مجازاً خلیفہ بھی کہا جاتا ہے جیسے اندلس، بغداد اور مصر کے والیوں کو خلفاء کہا جاتا تھا۔

۱۔ علامہ حسین بن محمد راجب اصغری متوفی ۵۰۲ھ، المفردات ص ۲۷۲، مطبوعہ المکتبۃ المرقیہ ایران ۱۳۲۲ھ

۲۔ علامہ سید محمد تقی حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس شرح القاموس، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ

علامہ عبدالحئی کتانی لکھتے ہیں:

ابن فضل اللہ نے مسالک میں یہ کہا ہے کہ اصطلاح میں سلطان صرف اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی ولایت میں کئی ملک ہوں ہیں سلطان وہ ہوگا جو نیک الملک ہو (یعنی کئی بادشاہوں کا بادشاہ ہو) مثلاً اس کی ملکیت میں مصر اور شام ہو یا اس کی ملکیت میں افریقہ اور اندلس ہو اور اس کا لشکر تقریباً دس ہزار سواروں پر مشتمل ہو، اگر اس کی ملکیت میں اس سے زیادہ ظہر ہوں یا اس کے پاس اس سے بڑا لشکر ہو تو اس کی سلطنت زیادہ عظیم ہوگی اور اس پر سلطان اعظم کا اطلاق کرنا درست ہوگا، اور اگر مصر، شام، جزیرہ، خراسان، عراق، عجم، فارس، افریقہ، وسطی مغرب کے خطوں میں اس کا نام پڑھا جائے تو اس کو سلطان السلاطین کہا جائے گا جیسا کہ سلجوقی حکمران تھے۔

علامہ کتانی کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی ایک ریاست کے والی کو نیک کہتے ہیں اور متعدد ریاستوں کے امیر کو سلطان کہتے ہیں نیز علامہ کتانی نے ملک اور خلیفہ میں یہ فرق کیا ہے کہ جو شخص اپنی رائے اور اپنی مرضی کے مطابق حکمرانی کرے وہ نیک ہے اور جو شخص احکام شرعیہ کے مطابق حکمرانی کرے وہ خلیفہ ہے، لیکن ان کے درمیان صحیح فرق وہ ہے جس کو ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے خلیفہ اور سلطان میں متعدد وجوہ سے فرق بیان کیا ہے، لکھتے ہیں:

۱۔ خلیفہ حکمرانی و جہان بینی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب مطلق تمام امت پر ولایت عامہ والا ہے، شرع عقائد نفسی میں ہے (خلافت) ای نیا بتمہد عن الرسول فی اقامۃ الدین بحیث یجب علی کافۃ الامم الانبیا مدخودہ کافر کا اور سے نہ ماننا شرعاً اور اس کی ولایت عامہ میں عمل نہیں، جس طرح اور کا خود نبی کو نہ ماننا یہ روئے زمین کے مسلمانوں میں جو اس سے نہ ماننے کا اور اس کی خلافت میں خلافت نہ آنے کا یہ خود ہی باغی قرار پائے گا اور اصطلاح میں سلطان وہ بادشاہ ہے جس کا تسلط قہری ملکوں پر ہو، چھوٹے چھوٹے والیان ملک اور کچھ زیر حکم ہوں، کچھ آزاد الامام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ فی حسن المحاضرۃ عن ابن فضل اللہ فی المسالک عن علی بن سعید۔ یہ دو قسم ہے مولیٰ جسے خلیفہ نے والی کیا، اور اس کی ولایت حسب عطائے خلیفہ ہوگی جس قدر پر والی کرے دوسرا متغلب کہ بزرگ و شہیر ملک دبا بیٹھا، اس کی ولایت اپنی قلم خود پر ہوگی

۲۔ کہ اول پر متفرع ہے (یعنی دوسرا فرق پہلے فرق کی فرع ہے) خلیفہ کی اطاعت غیر محبت الہی میں تمام امت پر فرض ہے جس کا خشاء خود اس کا منصب ہے کہ نائب رسول ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور سلطان کی اطاعت صرف اپنی قلم خود پر پھر اگر مولیٰ ہے تو برا سطر عطائے خلیفہ اس منصب ہی کی وجہ سے ہے کہ اس کا اسم اس خلیفہ ہے اور اس خلیفہ اس خلیفہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اگر متغلب ہے تو اس کے منصب سے کہ وہ شرعی نہیں بلکہ دفع فتنہ اور اپنے تحفظ کے لیے صحیح الباری میں دربارہ سلطان متغلب ہے طاعتہ خیر من الخوۃ علیہ کما فی ذلک من حق الدماء و تسکین الدھام (متغلب کی اطاعت کرنا اس کے خلاف بغاوت کرنے سے بہتر ہے کیونکہ اس سے لوگوں کی جانیں محفوظ رہیں گی۔)

۳۔ کہ دوم پر متفرع ہے (یعنی تیسرا فرق دوسرے فرق کی فرع ہے) خلیفہ نے جس مباح کا حکم دیا حقیقتہً فرض ہو گیا،

جس مباح سے منع کیا حقیقتہً حرام ہو گیا، یہاں تک کہ تنہائی و علوت میں بھی اس کا خلاف جائز نہیں کہ خلیفہ نہ دیکھے اللہ
 دیکھتا ہے ایک زمانہ میں خلیفہ منصور نے امام الامام سراج الامام سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتویٰ دیئے سے
 منع کر دیا تھا، امام ہمام کی صاحبزادی نے گھر میں ایک سہلو پر چھا، امام نے فرمایا میں جواب نہیں دے سکتا خلیفہ نے منع
 کیا ہے، یہاں سے ظاہر ہوا کہ خلیفہ کا حکم مباح و نہ کارفرمانی کفایہ پر غالب ہے جب کہ دوسرے اس کے ادا
 کرنے والے موجود ہوں کہ اب اس کا ترک معصیت نہیں تو حکم خلیفہ نافذ ہو گا اگرچہ خلیفہ ظالم بلکہ عرواؤں کا حکم
 ظلم کہ امام کو فتویٰ سے روکنا نہ ہو گا مگر ظلاً اس تحقیق سے معصیت کو اختلاف ہے کیونکہ خالف کی معصیت میں مخلوق
 کی کوئی اطاعت نہیں ہے جیسا کہ بکثرت احادیث صحیحہ میں ہے اور ظلم میں خلیفہ کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے،
 امام ابو حنیفہ کی طرف اس واقعہ کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ سیدی غفرلہ (اور سلطان متغلب جس کی ولایت خلیفہ سے
 مستفاد نہ ہو اس کے امر و نہی سے مباحات فی نفسہ واجب و حرام نہ ہو جائیں گے، تنہائی میں اس طور پر کہ اسے
 اطلاع پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو مباح اپنی اباحت پر رہے گا، علامہ شہاب الدین خاچی رحمۃ اللہ تعالیٰ صاحب نسیم الایمان
 و عنایۃ القاضی وغیرہما کتب نافذہ کے زمانے میں سلطان نے لوگوں کو حق پرست سے منع کیا تھا، یہ پردہ ڈال کر پتے
 امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی رسالہ الصلح بین الاخوان میں فرماتے ہیں میں نہ خود حق پرست
 ہوں نہ میرے گھر بھر میں کوئی پیتا ہے مگر مباح کو حرام نہیں کہہ سکتا اور منع سلطانی کے جواب میں شرح بہرہ بنی الامارۃ
 میں فرماتے ہیں لیت شعری ای امر من امر بہ، یتمسک بہ امرہ الناس بتو کہ اوامرہ باعطاء الکس علیہ علی ان
 الامارۃ من اولی الامر فی الایۃ العلماء کما ذکرہ العینی فی آخر مسائل شتی من شرح الکنز و ایضا ہل منع السلاطین
 الظلمۃ یشبت حکماً شد عیاد وقد قالوا من قال لسلطان نہ ما ننہا عادل کفر۔
 یعنی کاش میں جانوں کہ سلطان کا کون سا حکم لیا جائے یہ کہ لوگ حق نہ بینیں یا یہ کہ نہا کو پر ٹیکس دیں، منعاً آیت کریمہ
 میں اصح قول یہ ہے کہ اول الامر سے مراد علماء ہیں جس طرح شرح کنز امام عینی میں ہے، نیز کیا ظالم سلاطین کا حکم،
 حکم شرعی ہو جائے گا حالانکہ اللہ دین سے تصریح فرمائی ہے کہ جو ہمارے زمانے کے سلطان کو عادل کہے کافر
 ہو جائے گا، انتہی یہ ارشاد امام علم الہدی ابو منصور ماتریدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے زمانے کے سلطان میں ہے
 جنہیں نزار برس سے نڈا ہوئے نہ کہ اب نساکی اللہ العز و العافیہ (جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق سے یہ ثابت
 ہو گیا کہ تبا کو انسان کی صحت کے لیے مضر ہے، تبا کو سے کھانسی، لہنی بلڈ پریش، کینسر اور کئی دیگر مہلک امراض
 پیدا ہو جاتے ہیں اور جو چیز انسان کی صحت کے لیے مضر ہو اس کا استعمال جائز نہیں ہے، انسان اپنے جسم کا
 مالک نہیں ہے اس لیے جو چیز انسان کی صحت کے لیے نقصان دہ ہو اس کا استعمال جائز نہیں ہے علامہ شامی نے بھی
 تنقیح الفتاویٰ الحمادیہ ج ۲ ص ۳۶۶ میں یہی لکھا ہے۔ سیدی غفرلہ)

- ۴۔ میز دوم پر متفرع ہے خلیفہ ایک وقت میں تمام جہان میں ایک ہی ہو سکتا ہے اور سلاطین دس ملکوں میں دس۔
 ۵۔ کوئی سلطان اپنے انتفاع و سلطنت میں دوسرے سلطان کے اذن کا محتاج نہیں ہے مگر ہر سلطان اذن خلیفہ کا محتاج
 ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ تبا کر پینے میں محض ضرر ہے اور کوئی نفع نہیں ہے تو اس کی تحریم کا فتویٰ دینا جائز ہے اور اگر اس
 کا نفع دینا ثابت نہ ہو تو ہر اصل میں یہ مباح ہے، (تنقیح الفتاویٰ الحمادیہ ج ۲ ص ۳۶۶ مطبوعہ المطبعۃ المینۃ مصر ۱۳۶۶ھ)

ہے کہ بے اس کے اس کی حکومت شرعی و مرضی شرع نہیں ہو سکتی۔

۶۔ خلیفہ بلا وجہ شرعی کر بڑے سے بڑے سلطان کے معزول کیے معزول نہیں ہو سکتا، خود جبار و سرکش تو اذ ترک کر متوکل بن مستقم بن ابرون رشید کو قتل کر کے خلفا پر عادی ہو گئے تھے جب ان میں کسی کو زہر رکھ کر معزول کرنا چاہتے خود اسے انجور کر تے کہ خلافت سے استغناء دے تاکہ عزل صحیح ہو جائے بخلاف سلطان کہ خلیفہ کا صرف زبان سے کہہ دینا میں نے تجھے معزول کیا اس کے عزل کو بس ہے۔

۷۔ سلطنت کے لیے قرشتیت و دکنار حریت بھی شرط نہیں ہے، بہتر ہے غلام بادشاہ ہوئے۔

جمہوری ملک کے صدر اور خلیفہ کا فرق یہاں تک ہم نے سلطان اور خلیفہ کا فرق بیان کیا ہے، ہمارے علماء کے زمانہ میں خلافت تو ختم ہو چکی تھی اور مختلف جگہوں پر مسلمانوں کی ریاستیں تھیں جہاں مسلمان سلاطین حکومت کرتے تھے، اب سلاطین بھی صرف دو چار جگہ رہ گئے ہیں اور ہر جگہ مغربی جمہوریت ہے مغربی جمہوریت میں جو شخص ریاست کا سربراہ ہوتا ہے اس کی حیثیت اور اس کے اختیارات سلطان سے بھی بہت کم ہوتے ہیں، مغربی جمہوریت میں ایک صدارتی نظام ہے جیسے امریکہ میں ہے اور ایک پارلیمانی نظام ہے جیسے برطانیہ اور ہندوستان وغیرہ میں ہے، صدارتی نظام میں ریاست کا سربراہ اور صدر مملکت اتنی مدت کے لیے برسر اقتدار رہتا ہے جتنی مدت کے لیے اس کو منتخب کیا جاتا ہے، لیکن وہ ملک کے نظم و نسق میں با اختیار ہوتا ہے اور پارلیمانی نظام میں صدر کی حیثیت محض ڈمی کی ہوتی ہے وہ صرف ریاست کا سربراہ ہوتا ہے انتظامیہ کا سربراہ ملک کا وزیر اعظم ہوتا ہے لیکن اگر اسمبلی کی دو تہائی اکثریت اس کو مدت انتخاب سے پہلے ستر کر دے تو وہ معزول ہو جاتا ہے، اس تفصیل کے بیان کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ مغربی جمہوریت میں جو شخص ریاست کا یا انتظامیہ کا سربراہ ہوتا ہے اس کی حیثیت اور اختیارات سلطان سے بھی کہیں کم ہوتے ہیں خلیفہ تو بہت دور کی چیز ہے، اس لیے مغربی جمہوریت کے طرز کی حکومت کے سربراہ کو سلطان یا خلیفہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اس پر سلطان یا خلیفہ کی شرائط کو مانگنا جائز نہیں ہے، ہم نے اپنے اس زمانہ میں دیکھا کہ بعض علماء مغربی جمہوریت کی طرز حکومت کے سربراہ کے لیے بھی خلیفہ نام کی شرائط کو لاٹھلی قرار دیتے ہیں حالانکہ خلیفہ اسلام کی شرائط تو سلطان کے لیے بھی ضروری نہیں ہیں جمہوری مملکت کا صدر تو بہت دور کی بات ہے اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ بعض علماء اس زمانہ میں خلیفہ اسلام کے تقرر کو واجب قرار دیتے ہیں اور خلیفہ اسلام کے مقرر نہ کرنے پر موت علی الجاہلیۃ کی وعید سناتے ہیں، حالانکہ حکم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث کی کسی نص میں اس کے وجوب کا ذکر نہیں ہے اور جن علماء نے وجوب کا قول نقل کیا مثلاً علامہ تفتازانی وغیرہ انھوں نے بھی بالآخر یہ کہا کہ اب حالت اضطرار ہے اور اب خلیفہ کا مقرر کرنا واجب نہیں ہے، علامہ خیالی اور علامہ سیاح کوئی وغیرہ نے بھی یہی لکھا ہے، علامہ پیراردی بھی فرماتے ہیں یہ بہت مشکل ہے۔

تقرر خلیفہ کے وجوب کا محمل ہر چند کہ ہمارے فقہاء اور متکلمین نے یہ لکھا ہے کہ امام اور خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ہے، (یعنی تمام ذیل کے مسلمانوں کا ایک امام اور خلیفہ ہوا) لیکن ان کی عبارات کا

بجز مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں کو امام اور خلیفہ کے مقرر کرنے کا اختیار ہوتا ہے ان پر خلیفہ مقرر کرنا واجب ہے ورنہ یہ واجب نہیں ہے، اور جب روئے زمین کے مختلف علاقوں پر ملوک اور سلاطین متغلب ہو کر حکمرانی کریں اور ان کو سلطنت سے معزول کرنا عام مسلمانوں کے اختیار میں نہ ہو تو پھر امام اور خلیفہ کو مقرر کرنا مسلمانوں پر واجب نہیں ہے، اسی وجہ سے ہمارے فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ سلطان اور متغلب کی حکومت صحیح ہے اور غیر معیت میں مسلمانوں پر اس کی اطاعت لازم ہے۔ نیز ہمارے فقہاء اور متکلمین نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد خلافت اور امامت نہیں رہی اور بعض علماء نے کہا ہے کہ خلفاء عباسیہ کے بعد خلافت نہیں رہی۔

علامہ رافعی حنفی لکھتے ہیں:

ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے کہ خلافت نبوت تین سال رہی ہے اس کے بعد جو حکمران تھے وہ خلفاء نہیں تھے بلکہ ملوک اور علماء تھے، اور اگر یہ اشکال ہو کہ امت کے ارباب حل و عقد خلفاء عباسیہ کی خلافت پر متفق رہے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں خلافت نبوت سے خلافت کا مکرر ارادے جس سے حق میں بالکل مدول نہ ہو اور خلافت راشدہ کے بعد ایسی خلافت بھی ہوئی اور کبھی (بکثرت) نہیں ہوئی، کیونکہ (مرث) مہدی عباسی کے بارے میں یہ وارد ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ تھا، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ خلفاء عباسیہ پر لغوی اعتبار سے خلیفہ کا اطلاق ہوتا تھا نہ کہ حقیقت شرعیہ کے اعتبار سے۔ ۱۰

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں قریش کی حکومت نہیں ہے تو اس کی کیا ترجیح ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عرب ملکوں میں قریش میں خلافت ہے، اسی طرح مصر میں خلیفہ ہے۔ علامہ کرمانی کی عبارت ختم ہوئی، علامہ عینی اس کو مسترد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: علامہ کرمانی کا جواب صحیح نہیں ہے، عرب میں خلافت کا قول کس سے کیا ہے؟ اور وہاں کون خلیفہ ہے؟ اور مصر میں بھی صرف نام کا خلیفہ ہے، اگر ہم اس جواب کو صحیح مان لیں تو اس سے خلفاء کا تعدد لازم آئے گا، حالانکہ خلیفہ صرف ایک ہوتا ہے، کیونکہ شارح علیہ السلام نے یہ حکم دیا ہے کہ امام کی بیعت کرو اور اس کو پروا کرو اور جو شخص اس کی امامت سے اختلاف کرے اس کی گردن اڑا دو، اور امام احمد، امام ابو داؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میرے بعد خلافت تین سال ہوگی پھر ملوک بادشاہ بن گئے اور ایک روایت میں ہے پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنا ملک عطا کر دے گا اور واقع میں ایسا ہی ہوا۔ ۱۱

علامہ عینی کی عبارت کا خلاصہ یہی ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد جو حکمران تھے وہ خلفاء نہیں بلکہ ملوک اور سلاطین تھے، حافظ ابن حجر مستطانی نے بھی لکھا ہے کہ وہ مرث نام کے خلفاء تھے۔ ۱۲

ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

۱۰۔ علامہ عبد القادر رافعی حنفی مفتی الدیلمہ مصریہ، التحریر المختار رد المحتار ج ۱ ص ۶۸، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیرہ مصر، ۱۳۲۴ھ

۱۱۔ علامہ ابو محمد محمد بن احمد عینی حنفی مفتی ۸۵۵ھ، عمدة القاری ج ۱ ص ۷۴، مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية مصر، ۱۳۴۸ھ

۱۲۔ علامہ احمد بن علی ابن حجر مستطانی شافعی مفتی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۳۶، ۱۱۷، مطبوعہ طبعہ نشر کتب الاسلامیہ لاہور، ۱۳۸۱ھ

طیغریغاس

وال تابع له والسلطان في الرسم هو الولد و
في الحقيقة هو الوالی لعدم صحته اذنه
بقضاء وجمعة كما في الاشباه عن
البرزانيه۔ ۱۷

اسی طرح بچہ کی سلطنت بھی صحیح ہے، لیکن مناسب دینے
کا کام بچہ کے ولی کے سپرد کر دیا جائے جو بچہ کے تابع ہو
اور بظاہر وہ بچہ سلطان ہوگا اور حقیقت میں اس کا ولی سلطان
ہوگا، کیونکہ بچہ کا قاضی مقرر کرنا اور جمہور کی اجازت دینا
صحیح نہیں ہے۔ اشباہ میں برزانیہ سے اسی طرح منقول
ہے۔

علامہ شامی کہتے ہیں:

لا ینحی اولئک کانوا ملوکاً تغلبوا
والتغلب تصیر منه هذه الامور للضرورة
ولیس من شرط صحة الصلوة خلف امام
عدالتہ وصائم الحال عند التغلب کما لم
یوجد او وجد ولم یقدر علی تولیة
لغلبة الجورۃ کلام المسافرۃ للمحقق
ابن الہمام۔ ۱۸

یہ معنی ضرر ہے کہ بنیادی کے خلفاء و حقیقت
ملوک (بادشاہ) تھے جو غلبے سے حکمران بن گئے تھے اور
متغلب کا ناز اور جمہور پڑھا اور دیگر کار حکومت انجام
دینا ضرورت کی بناء پر صحیح ہے اور صحت ناز کے لیے
یہ شرط نہیں ہے کہ امام عادل ہو، اور جب کوئی شخص غلبہ
اور جبر سے حاکم بن جائے تو یہ فرض کیا جائے گا کہ خلیفہ
(لام عادل) موجود نہیں ہے یا موجود تو ہے لیکن ظالموں
کے غلبہ کی وجہ سے حکمرانی پر قادر نہیں ہے، یہ معنی ابن ہمام
کی عبارت ہے جو مسائرہ سے نقل کی گئی ہے۔

علامہ حصکفی اور علامہ شامی اور جن فقہاء اخات کے اقوال نے حملے دیے ہیں ان کی عبارات سے یہ واضح ہو گیا
کہ تمام دنیا میں مسلمانوں کا ایک خلیفہ مقرر کرنا مطلقاً واجب نہیں ہے بلکہ یہ اس وقت واجب ہے جب مسلمان تمام عالم
اسلام کے لیے ایک خلیفہ مقرر کرنے پر قادر ہوں اور جب علیہ اور جبر سے زمین کے کسی بھی خطہ پر مسلمانوں کی کوئی
حکومت قائم ہو جائے تو فتنہ سے بچنے کے لیے اس کی حکومت کو صحیح قرار دیا جائے گا اور وہ ان کے مسلمانوں پر اس
کی اطاعت واجب ہوگی، اسی طرح اگر مستند خطہ زمین پر مستند ملوک اور سلاطین ہوں یا موجود زمانے کے جمہوری
حکمران ہوں تو اپنے اپنے ملائوں میں ان کی حکومت صحیح ہوگی اور غیر معصیت میں ان کی اطاعت واجب ہوگی۔
علامہ رافعی کہتے ہیں:

قال الحموی فی الاشباہ قال الامام و
اصحابہ لا یشترط فی صحة تولیة السلطان
ان یکون قرشیاً ولا مجتہداً و

علامہ حموی نے الاشباہ والنظائر میں یہ لکھا ہے
کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ سلطان
کی حکمرانی کی صحت کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ قرشی

۱۷۔ علامہ ملاذالدرین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی امش رد المحتار ج ۱ ص ۵۱۳-۵۱۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

۱۸۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۳۵۲ھ، رد المحتار ج ۱ ص ۵۱۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

لا عدلا۔ ۱۰

علامہ رافعی نے علامہ عسوی کے جواب سے جہانم ابو خلیفہ اور ان کے اصحاب کا قول پیش کیا ہے اس سے خلیفہ اور سلطان کا فرق بھی ظاہر ہوا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ خلیفہ کے بغیر سلطان کی حکومت بھی صحیح ہوتی ہے اور سلطان کی حکومت کا صحیح ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ خلیفہ کا مقرر کرنا مسلمانوں پر مطلقاً واجب اور ضروری نہیں ہے بلکہ یہ مسلمانوں پر اسی وقت ضروری ہے جب وہ تمام عالم اسلام کے لیے ایک خلیفہ کے مقرر کرنے پر قادر ہوں اور جب زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کی وجہ سے تمام عالم اسلام کے لیے ایک خلیفہ مقرر کرنے پر مسلمان قادر نہ ہوں اور دوسرے زمین کے مختلف علاقوں میں مختلف حکمرانوں کی مختلف حکومتیں ہوں تو ان کی حکومتیں صحیح ہیں اور ان علاقوں کے مسلمانوں پر غیر معصیت میں ان حکمرانوں کی اطاعت واجب ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کو ہم بیان کرنا چاہتے ہیں علامہ تفتازانی نے یہ اشکال قائم کیا ہے کہ جب خلفاء راشدین کے بعد کادمانہ خلیفہ سے خالی ہو گیا تو تمام امت معصیت میں مبتلا ہو گئی۔

علامہ شمس الدین خیالی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

لان ترك الواجب معصية والمعصية ضلالة والامة لا تجتمع على الضلالة وقد يجاب باننا انما يلزم المعصية لو تركوا عن قدرة واختيار لا عن عجز واضطرار فلا اشكال اصلاً۔ ۱۱

یہاں یہ اشکال ہے کہ خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ہے اور واجب کا ترک گناہ اور گمراہی ہے اور ساری امت گمراہی پر چل جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ معصیت اس وقت لازم آتی جب مسلمان قدرت اور اختیار کے باوجود خلیفہ مقرر نہ کرتے اور جب وہ مقرر خلیفہ سے عاجز ہیں تو کوئی معصیت نہیں اور نہ کوئی اشکال ہے۔

نور علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں بھی یہی جواب دیا ہے۔ ۱۲

علامہ عبدالحکیم سیاکوٹی، علامہ خیالی کے جواب کی وضاحت کرتے ہوئے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

حاصله تخصیص الحديث بان المراد من مات ولم يترك فيه نصب الامام بعجز واضطرار بدليل ان الضر وميات قبيح المحذ ومات وبهذا التقدير يندفع الاشكال بعد الخلفاء الراشدين العباسية ايضاً۔ ۱۳

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں تخصیص ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص مر گیا اور اس نے عجز اور اضطرار کی وجہ سے خلیفہ مقرر کرنے کو ترک نہیں کیا بلکہ قدرت اور اختیار کے باوجود خلیفہ کو مقرر نہیں کیا تو وہ شخص جاہلیت کی موت مراد بشرطیکہ یہ حدیث ہو حالانکہ یہ حدیث نہیں ہے۔ سییدی غفرلہ (کیونکہ منظر)

۱۰۔ علامہ عبد القادر رافعی حنفی مفتی الدیار المصریہ، التحریر المختار رد المحتار ج ۱ ص ۶۸، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیر یہ مصر، ۱۳۲۴ھ

۱۱۔ علامہ شمس الدین احمد بن مومنان خیالی متوفی ۸۷۰ھ، حاشیہ خیالی ص ۱۳۶، مطبوعہ مطبعہ یوسفی کھنڈ

۱۲۔ علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۲۰ھ، شرح المقاصد ج ۲ ص ۲۷، دار المصنفات النجانیہ لاہور

۱۳۔ علامہ محمد عبدالحکیم سیاکوٹی متوفی ۱۰۶۷ھ، حاشیہ علی خیالی ص ۳۴۱، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کراچی، ۱۳۹۷ھ

کی حالت میں ممنوع چیزیں مباح ہو جاتی ہیں اور اسی تقریر سے سلطنت عباسیہ کے خلفاء کے بعد خلیفہ نہ ہونے

سے جو اشکال لازم آتا ہے وہ بھی دور ہو جائے گا۔

علامہ نغزانی، علامہ خیالی اور علامہ عبدالحکیم سیاکوٹی نے یہ بیان کیا ہے کہ امت پر تمام عالم اسلام میں ایک خلیفہ مقرر کرنا اس وقت واجب ہے جب ان کی قدرت اور اختیار میں ایک خلیفہ کو مقرر کرنا ممکن ہو اور خلفاء راشدین کے بعد جب غلبہ اور جور سے مروانی حکومت پر قابض ہو گئے تو اس وقت خلیفہ کو نصب کرنا مسلمانوں کی قدرت اور اختیار میں نہیں تھا، اس لیے یہ ان پر واجب نہیں رہا۔ اسی طرح بنو امیہ میں سے عمر بن عبدالعزیز اور بنو عباس میں سے مہدی عباسی خلیفہ تھے لیکن ان کے بعد غلبہ اور جور سے ملک اور سلاطین حکمران بن گئے اور اس وقت بھی ایک خلیفہ کو مقرر کرنا مسلمانوں کی قدرت میں نہیں تھا، اس لیے مسلمانوں پر ایک خلیفہ مقرر کرنا واجب نہ رہا، علیٰ ہذا القیاس اب براعظم ایشیا اور افریقہ میں مسلمانوں کے انچاس ملک ہیں اور بیشتر ممالک کے درمیان بحری، بری اور نغالی کوئی رابطہ نہیں ہے، اکثر ممالک اسلامیہ میں مغربی طرز کی جمہوری حکومت ہے، بعض ممالک میں ملوک اور سلاطین کی حکومت ہے اور بعض جگہ فرجی حکومت ہے اور اب مسلمانوں کی قدرت اور اختیار میں یہ نہیں ہے کہ دنیا میں ان تمام ممالک کے حکمرانوں کو معزول کر کے ان تمام ممالک اسلامیہ میں ایک حکومت قائم کر دیں اور کسی ایک ملک میں مرکزی خلافت بنا کر تمام ممالک کو اس ملک کے صوبے بنادیں اور ان ممالک اسلامیہ کی ایک فرج ہو، ایک کرنسی ہو اور تمام ملکوں میں حکمرانوں کا تقرر خلیفہ کے حکم سے ہو اور تمام ملکوں میں اس ایک خلیفہ کا خطبہ پڑھا جائے ولا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا ۰ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی قوت اور طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا، اس لیے اب مسلمانوں پر خلیفہ کا مقرر کرنا واجب نہیں ہے اور دنیا کے جن جن علاقوں میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہیں، وہاں کے مسلمانوں پر غیر معیت میں ان حکمرانوں کی اطاعت لازم ہے۔

امارت اور خلافت کے سلسلہ میں حرف آخر خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر صرف امیر کا مقرر کرنا واجب ہے اور اسلامی حکومت جہاں پر جس شکل میں بھی قائم ہے صحیح ہے

اور مسلمانوں پر اپنے اپنے امیر کی اطاعت کرنا واجب ہے، ان اگر امیر خلافت شرع حکم دے تو اس میں اہل کی اطاعت نہیں کی جائے گی، البتہ مسلمانوں کو چاہیے کہ ایک اسلامی بلاک بنائیں اور اسلامی ممالک کی ایک فیڈریشن قائم کر لیں اور اس کے لیے مسلسل کوشش کرتے رہنا چاہیے اگر مسلمانوں کا ایک اسلامی بلاک بن گیا یا ایک فیڈریشن قائم ہو گئی تو یہ نظام خلافت اسلام کے قریب تر ہو گا۔

کتاب الامارۃ کے تحت ہم جن مغربی ممالک پر بحث کرنا چاہتے تھے اور ان اچھے برے مسائل میں اسلام کے جن احکام اور ہدایات کو بیان کرنا چاہتے تھے، ان سب کو ہم نے اختصاراً بیان کر دیا ہے۔

قرآن اور سنت سے جو کچھ ہم نے سمجھا اس کو دیانت داری سے بلا خوف و تردید پیش کر دیا ہے، اگر یہ حق و حقا ہے تو اللہ کی جانب سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت سے ہے اور اگر یہ غلط اور باطل ہے تو یہ میری غم کی کوتاہی اور میرے مطالعہ کا نقص ہے اللہ جبارک و تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں، اللہ العلیین میری

اس حقیر کو شمش کو قبول فرما، گناہوں کی فراوانی اور علم و عمل کی تنہی دامنی کی وجہ سے میں اس لائق تو نہ تھا کہ ان مضامین عالیہ کی تحقیق کے لیے قلم و قریب کو ہاتھ لگاتا اور اس سلسلہ میں نکات علیہ بیان کرنے کی جرات کرتا لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تیری قدرت کا عجب معاملہ ہے تو گندگی کے ڈھیر سے طیب و طہر اور حسین و جمیل بھول پیدا کرتا ہے اور اس کی ظلمتوں کی کوکھ سے نور سحر نکال لیتا ہے اور ایک بے قیمت صدف کے اندر گہر آبِ حار پیدا کر دیتا ہے اللہ العالیٰ میری کوتاہیوں، غلط کاریوں اور برائیوں کو معاف فرما، میرے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے، میری، میرے والدین کی، میرے اساتذہ اور شاگرد کی، شرح صحیح مسلم کے تلامذین اور ماضین کی مغفرت فرما، دنیا، برزخ اور آخرت میں میری مصیبت، ہر بلا اور ہر غلاب سے محفوظ رکھ اور داریں کی سات دتوں اور کامرائیوں کو ہمارا مقدمہ کر دے، اس کتاب کو توفیقاً باقی رکھ اور اس کی نفع رسانیل کو تمام دنیا میں اسلام میں عام کر دے۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةَ وَالسَّلَامَ عَلٰی مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ، اَفْضَلِ الْاَنْبِیَاءِ وَالرَّسُلِیْنَ اَوَّلِ الشَّافِعِیْنَ وَالْمُشْفَعِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ وَازْوَاجِهِ وَذُرِّیَّتِهِ وَاَوْلِیَاءِ اُمَّتِهِ وَعِلْمَاءِ مِلَّتِهِ اَجْمَعِیْنَ۔

بَابُ النَّاسِ تَبِعَ لِقْرِیْشٍ وَالْخِلَافَةَ خِلَافَتِ کَا قَرِیْشِ کے ساتھ اختصا ص

فِی قَرِیْشٍ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ اس (خلافت) یا حکومت میں قریش کے تابع ہیں، مسلمان قرشی مسلمانوں کے تابع ہیں اور کافر قرشی کافروں کے تابع ہیں۔

۴۵۸۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنُ قَعْنِبٍ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَا حَدَّثَنَا الْمُعِیْنُ بْنُ زَيْنَبِ بْنِ الْحِزَامِ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ بْنُ حَرْبٍ وَغَيْرُهُمَا الْقَافِدُ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ يَكْلَاهُمَا عَنْ أَبِي الزُّنَادِ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي حَدِيثٍ زُهَيْرٌ يُبَلِّغُهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ عُمَرُ وَرَوَاهُ النَّاسُ تَبِعَ لِقَرِیْشٍ فِي هَذَا الشَّأْنِ مُسْلِمًا أَمْ لَمْ يَسْلَمْهُمْ وَكَافِرًا هُوَ يَكْفِرُهُمْ۔ ۴۵۸۸۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَافٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَتَامِ بْنِ مَنِيبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا قَاحِدٌ ثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث بیان کیں، ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ اس (خلافت یا حکومت) میں قریش کے تابع ہیں، مسلمان قرشی مسلمانوں کے تابع ہیں اور کافر قرشی کافروں کے تابع ہیں۔

کے تابع ہیں۔

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسُ تَبِعُوا لِقَائِهِ فِي هَذَا
الشَّانِ مُسْلِمُهُمْ تَبِعُوا لِمُسْلِمِهِمْ وَكَافِرُهُمْ تَبِعُوا
لِكَافِرِهِمْ.

۲۵۸۹۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ

الْحَارِثِيُّ حَدَّثَنَا دُرُوحٌ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ حَدَّثَنَا
أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ
قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسُ
تَبِعُوا لِقَائِهِ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے
ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ قریش کا پیروی کرتے
ہیں۔

۲۵۹۰۔ وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنُ يُونُسَ

حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَبِيهِ
قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ هَذَا الْأَمْرُ فِي قُرَيْشٍ مَا بَقِيَ مِنَ
النَّاسِ اثْنَانِ۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ چیز (خلافت) ہمیشہ
قریش میں رہے گی، غرض لوگوں میں سے صرف دو شخص رہ
جائیں۔

۲۵۹۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا

جَعْفَرُ بْنُ جَرِيرٍ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ
سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ
ح وَحَدَّثَنَا يَافَعَةُ بْنُ الْهَيْثَمِ الْوَأَسِطِيُّ
(وَاللَّفْظُ لَهُ) حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ
الْقَطَّحَانِ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ
قَالَ دَخَلْتُ مَعَ أَبِي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ إِنَّ هَذَا الْأَمْرَ لَا يَنْقُضُنِي
حَتَّى يَمُوتَ فِيهِمَا اثْنَا عَشَرَ خَلِيفَةً قَالَ ثُمَّ
تَكَلَّمَ بِكَلَامٍ خَفِيَ عَلَيَّ قَالَ فَقُلْتُ لِأَيِّ مَا
قَالَ قَالَ كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ۔

حضرت جابر بن سمرة رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں
کہ میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں حاضر ہوا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے سنا آپ نے فرمایا یہ خلافت اس وقت تک ختم
نہیں ہوگی جب تک کہ بارہ خلیفہ پر سے نہ ہو جائیں
پھر آپ نے اہستہ سے کچھ فرمایا جو مجھ پر معنی روا میں نے اپنے والد
سے پوچھا آپ نے کیا فرمایا ہے؟ انھوں نے کہا
آپ نے فرمایا سجدہ سب قریش ہی سے ہوں گے۔

۲۵۹۲۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ

عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ
سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَزَالُ أَمْرُ
النَّاسِ مَاضِيًا مَا وَلِيَهُمْ اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا ثُمَّ
تَكَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَلِمَةٍ خَفِيفَةٍ

حضرت جابر بن سمرة رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں
کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے
ہوئے سنا ہے: خلافت اس وقت تک جاری رہے
گی جب تک کہ بارہ خلیفہ حکمران رہیں گے، پھر نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے اہستہ سے کوئی بات کہی، میں نے اپنے

عَلَىٰ فَسَأَلْتُ أَبِي مَاذَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ.

والد سے پرچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سب قریش سے ہوں گے۔

۴۵۹۳ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ يَمَالِ بْنِ جَابِرٍ عَنْ سَمُرَةَ هِيَ النَّبِیَّةُ صَلَّی اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْحَدِيثِ وَلَمْ يَذْكُرْ لَابِرَاقَ الْأَمْرِ الْكَاثِرَ مَا مَنِئًا.

۴۵۹۴ - حَدَّثَنَا هَدَّادٌ عَنْ أَبِي بَرْزَاءٍ الْأَسَدِيِّ حَدَّثَنَا حَقَّابُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ يَمَالِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَزَالُ الْأَمْرُ هَرَجًا يَزَالُ إِلَى الْاِثْنِ عَشَرَ خَلِيفَةً ثُمَّ قَالَ كَلِمَةً لَمْ أَفْهَمْهَا فَقُلْتُ لِأَبِي مَا قَالَ فَقَالَ كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ.

حضرت جابر بن سمرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں یہ نہیں ہے یہ حکومت ہمیشہ جاری رہے گی۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بارہ خلیفہ ہونے تک اسلام غالب رہے گا، پھر آپ نے ایک کلمہ فرمایا جس کو میں نہیں سمجھ سکا، میں نے اپنے والد سے پرچھا انھوں نے کیا فرمایا؟ انھوں نے کہا آپ نے فرمایا: سب قریش سے ہوں گے۔

۴۵۹۵ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ دَاوُدَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّی اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ هَذَا الْأَمْرُ هَرَجًا يَزَالُ إِلَى الْاِثْنِ عَشَرَ خَلِيفَةً قَالَ ثُمَّ تَكَلَّمَ يَقْنُ لَمْ أَفْهَمْهُ فَقُلْتُ لِأَبِي مَا قَالَ فَقَالَ كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ.

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بارہ خلیفہ پر رہے ہونے تک اسلام غالب رہے گا، پھر آپ نے کوئی بات کہی جس کو میں نہیں سمجھ سکا میں نے اپنے والد سے کہا آپ نے کیا فرمایا؟ انھوں نے کہا آپ نے فرمایا وہ سب قریش سے ہوں گے۔

۴۵۹۶ - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهَنَّمِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيُونٍ وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُمَرَ الشَّوْكَانِيُّ (وَاللَّفْظُ لَنَا) حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ حَضْرَةَ عَنْ ابْنِ عُيُونٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ انْطَلَقْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَحْبِي ابْنِي فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ لَا يَزَالُ هَذَا الدِّينُ هَرَجًا يَزَالُ إِلَى الْاِثْنِ عَشَرَ خَلِيفَةً فَقَالَ كَلِمَةً صَعْنِيهَا الثَّامِسُ فَقُلْتُ لِأَبِي مَا قَالَ فَقَالَ كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ.

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا، میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا بارہ خلیفہ پر رہے ہونے تک یہ دین غالب رہے گا، پھر آپ نے کوئی کلمہ فرمایا جسے لوگوں نے مجھے سننے نہیں دیا، میں نے اپنے والد سے پرچھا حضور نے کیا فرمایا؟ انھوں نے کہا آپ نے فرمایا کہ وہ سب قریش سے ہوں گے۔

۴۵۹۷ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ

عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بَيَانُ كَرْتِهِ فِي مِثْنِ

نے اپنے غلام نافع کے ہاتھ حضرت جابر بن سمہ کے پاس
خط روانہ کیا کہ مجھے کوئی ایسی حدیث لکھ کر بھیجیں جس کو آپ
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو، انھوں نے میری طرف لکھا
کہ جبکہ کی شام کو جس دن حضرت امیر رومی اللہ عنہ کو رجم کیا گیا
تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ
قیامت تک یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا حتیٰ کہ مسلمانوں
کے بارہ خلیفہ ہوں گے، اور وہ سب قریش سے ہوں گے
اور میں نے آپ کو

٢٥٩٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا
ابْنُ أَبِي قَدَيْكٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذُئيبٍ عَنْ مُهَاجِرِ
ابْنِ يَسْمَعَانَ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّكَ أُرْسِلَ إِلَى
ابْنِ سَمُرَةَ الْعَدَوِيِّ حَدَّثَنَا مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فَاذْكُرُونَهُ
حَدِيثُ حَاتِمٍ -

روایت کیا ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت مہاویر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک قریش
 دین پر قائم رہیں گے یہ فلاح ہے ان میں رہے گی جو شخص
 بھی ان سے عداوت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو منہ

کے بل گرامے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک قریش میں دو فرد بھی باقی رہیں گے مخالفتِ ان میں رہے گی۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: یہ دین اس وقت تک قائم رہے گا جب تک تم پر بارہ خلفاء (پیکے بدوگیرے) حاکم ہوں گے جن پر تمام امت متفق ہوگی، پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ شناس کس کو میں نہیں سمجھا میں نے اپنے والد سے پوچھا آپ نے کیا فرمایا، انھوں نے کہا آپ نے فرمایا، وہ سب خلفاء قریش سے ہوں گے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد بارہ امیر
ہوں گے، پھر آپ نے کچھ فرمایا جس کو میں سمجھ نہیں سکا
میں نے اپنے قریب والے شخص سے پوچھا اس نے
کہا آپ نے فرمایا وہ سب قریش سے ہوں گے۔
یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت عمر دین عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیر اور شتر میں تمنا
بک لوگوں کے حکمران قریش ہوں گے یہ حدیث حسن صحیح
غریب ہے۔

۵۲ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۴۷ ج ۲ ص ۱۰۵

۱۔ امام ابوعلی محمد بن علی ترمذی متوفی ۲۷۹ھ وراجاع ترمذی ص ۳۲۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ نچارت کتب کراچی

۴۵۰

اس مضمون کی احادیث کو امام احمد نے بھی متعدد اسانید سے روایت کیا ہے۔ ۱۔
 حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام طحاوی، امام بزار، امام طبرانی اور امام بخاری نے تاریخ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے الاثمتہ من قریش ما اذا حکموا فعدلوا۔ جب تک نیکی سے حکومت کریں قریش ہی حاکم ہوں گے۔
 اور امام نسائی، امام ابویعلیٰ اور امام بخاری نے تاریخ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ان الملک فی قریش۔ ملک قریش میں ہو گا۔ امام احمد نے بھی ان الفاظ کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے الاثمتہ من قریش کو روایت کیا ہے اس حدیث کی سند کے تمام راوی صحیح ہیں لیکن اس کی سند میں انقطاع ہے، امام حاکم، اور امام طبرانی نے بھی ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو حضرت علی سے روایت کیا ہے۔ ۲۔

خلافت کے قریش کے ساتھ اختصاص میں فقہاء کے نظریات علامہ نووی لکھتے ہیں: ان احادیث میں یہ واضح دلیل ہے کہ خلافت

قریش کے ساتھ مخصوص ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ تمام فقہاء کا یہ مذہب ہے کہ خلیفہ ہونے کے لیے قریشی ہونا شرط ہے، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عمر نے اسی حدیث سے یوم سقیفہ میں انصار پر حجت قائم کی تھی اور کسی شخص نے اس کا انکار نہیں کیا، اس مسئلہ کو علماء نے مسائل اجماع سے شمار کیا ہے، اور اس کے خلاف علماء سلف سے کوئی قول اور فعل منقول نہیں ہے۔ نظام مستزلی، خوارزمی، بدرستہ نے یہ کہا ہے کہ غیر قریشی کو بھی خلیفہ بنانا جائز ہے ان لوگوں کا یہ قول باطل ہے اور اجماع مسلمین کے خلاف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ حیر اور شریں لوگ قریش کے تابع ہیں، اس سے یہ مراد ہے کہ اسلام اور جاہلیت میں لوگ قریش کے تابع ہیں، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں بھی قریش عرب کے سردار تھے اور کعبہ اور حج بیت اللہ کے متولی تھے اور عرب ان کے اسلام کے منتظر تھے جیسے ہی مکہ فتح ہوا اور قریش اسلام لائے تمام لوگوں نے اسلام میں ان کی پیروی کی اور فرج در فرج عرب اسلام میں داخل ہو گئے، اسی طرح اسلام میں بھی وہی خلیفہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت تک یہی حکم رہے گا جب تک کہ قریش کے دو فرد بھی باقی ہوں۔ ۳۔

بارہ خلفاء اور تیس سال تک خلافت کی احادیث کے تعارض کا جواب اس باب کی حدیث نمبر ۴۵۹ میں ہے اس وقت تک

اسلام غالب رہے گا جب تک بارہ خلیفہ ہوں گے اور وہ سب قریش سے ہوں گے، اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس حدیث کے خلاف بعض احادیث میں ہے کہ خلافت تیس سال رہے گی اور تیس سال میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کو شامل کر کے صرف پانچ خلفاء ہوتے تھے۔ اور وہ حدیث یہ ہے۔

۱۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ سنہ ۸۴۵ء ج ۵ ص ۹۲، ۹۳، ۹۸، ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱ ص ۱۱۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۳۶۱ھ۔

۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۷۲۷ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۱۹، مطبوعہ فورمس سراج المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ۔

امام ابو داؤد در روایت کرتے ہیں:

عن سفينة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم يثوق الله الملك من يشاء قال سعيد قال لي سفينة امسك عليك ابابكر سنتين وعمر اعشر وعثمان اثني عشر و علي كذا - له

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خلافت نبوت تیس سال رہے گی، پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا ملک عطا کر دے گا۔ حضرت سفینہ نے کہا حضرت ابوبکر کے دو سال شمار کرو اور حضرت عمر کے دس سال، حضرت عثمان کے بارہ سال اور حضرت علی کے اتنے سال (یعنی پانچ سال نو ماہ) اور چھ ماہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت رہی۔

اس حدیث کو امام ترمذی اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ ۳۷

الجواب ان احادیث میں تضاد نہیں ہے کیونکہ جن احادیث میں بارہ خلفاء تک اسلام کے غلبہ اور خلافت قائم رہے گا ذکر ہے ان میں مطلقاً خلافت کا ذکر ہے علم اذی کہ وہ خلافت علی منہاج النبوة ہو یا ایسی خلافت تو نہ ہو لیکن اس خلافت میں غلبہ اسلام ہو اور جن احادیث میں تیس سال تک خلافت کا ذکر ہے ان میں خلافت نبوت کی تخصیص ہے، جیسا کہ ہم جامع ترمذی، سنن ابو داؤد اور مسند احمد کے حوالوں سے ذکر کر چکے ہیں۔

بارہ خلفاء کی تفصیل اور تعیین امام مسلم اور دیگر ائمہ حدیث نے اسانید صحیحہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ جب ایک بارہ غلبہ ہو لگے اس وقت تک اسلام کو غلبہ رہے گا، ان بارہ خلفاء سے

کرن سے خلفاء مراد ہیں اس کی تفصیل اور تعیین میں علامہ ابن حجر مینتی لکھتے ہیں:

ان بارہ خلفاء سے وہ خلفاء مراد ہیں جن کے عہد خلافت میں اسلام کو قوت اور شوکت حاصل رہی اور مسلمان متحد رہے اور مجتمع رہے، اور اجتماع سے یہ مراد ہے کہ ان کی بیعت کی گئی اور ان کی حکومت تسلیم کی گئی، وہ بارہ خلفاء یہ ہیں:

حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت معاویہ، یزید بن معاویہ، عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک، سلمان بن عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبدالملک، اور ولید بن یزید بن عبدالملک۔

ولید بن یزید بن عبدالملک نے چار سال حکومت کی پھر اس کو قتل کر دیا گیا، اس کے بعد فقط برابر سے اور امت میں خلفاء ہو گیا اور ولید بن یزید کے بعد کسی ایک غلبہ پر آج تک پوری امت متفق نہیں ہو سکی، کیونکہ خیرامیہ کے باقی افراد کی طرف سے فتنے شروع ہو گئے تھے اور اندلس میں عباسیوں کے خلاف مروانیوں نے غلبہ حاصل کر لیا تھا حتیٰ کہ خلافت کا صرف نام باقی رہ گیا تھا، جبکہ پہلے مشرق، مغرب شمال جنوب ہر طرف مسلمانوں کا غلبہ تھا اور خلیفہ کی اجازت کے بغیر کسی جگہ کا کوئی حاکم نہیں ہو سکتا تھا اور سب جگہ خطبات میں ایک ہی خلیفہ کا نام دیا جاتا تھا۔

۳۷۔ امام ابو داؤد و سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۸۲، مطبوعہ مکتبۃ پاکستان لاہور، ۱۳۰۵ھ

۳۸۔ امام ابو جیسہ محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۲۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ شہادت کتب کراچی،

۳۹۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۲، ج ۵ ص ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹،

بارہ خلفاء کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ بارہ خلفاء سے ایسے خلفاء مراد ہیں جو نیک مسلمان اور عادل تھے اور حق اور انصاف پر عمل کرتے تھے اگرچہ یہ خلفاء متصل اور متوالی نہیں تھے اور ان کے درمیان فترت اور انقطاع آتا رہا یہ بارہ خلفاء تمام مدت اسلام میں پورے ہوں گے، اس صورت میں ان کی تفصیل یہ ہوگی، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت حسن، حضرت معاویہ، حضرت عبداللہ بن الزبیر، عمر بن عبدالعزیز، مہدی عباسی، طاہر عباسی اور دو خلیفہ منتظر ہیں ان میں سے ایک مہدی ہیں جن کا اہل بیت سے ظہور ہوگا۔ ۱۷

بعض لوگ علامہ ابن حجر مکی کی تفصیل اور تبیین پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ علامہ ابن حجر مکی نے بارہ خلفاء میں یزید بن معاویہ کو بھی شامل کیا ہے اور بعض خالی شیعہ کہتے ہیں کہ شیعوں کے بارہ اماموں میں یزید بن معاویہ بھی شامل ہیں لیکن اس پر غور نہیں کرتے کہ علامہ ابن حجر مکی نے خلفاء حق میں یزید بن معاویہ کو شامل نہیں کیا بلکہ ان خلفاء میں یزید کو شامل کیا ہے جن کی حکومت بالعموم تسلیم کی گئی اور ان کا بیعت کر لی گئی اور ان کے عہد میں اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ حاصل رہا۔ خواہ وہ خلفاء نیک ہوں یا بد۔

بارہ خلفاء سے زیادہ خلفاء کی توجہات | علامہ نووی لکھتے ہیں اس حدیث میں بارہ خلفاء کا ذکر ہے حالانکہ اب تک (یعنی علامہ نووی متوفی ۶۷۶ھ کے زمانہ تک) بارہ سے زیادہ حکمران گزر چکے ہیں۔ قاضی عیاض مالکی نے کہا یہ اعتراض باطل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ صرف بارہ خلفاء ہوں گے، آپ نے بارہ خلفاء کا ذکر کیا اور یہ عدد پورا ہو گیا اور اس سے زیادہ خلفاء کا ہونا اس حدیث کے خلاف نہیں ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ بارہ خلفاء سے حکمران مراد نہیں ہیں، حتیٰ کہ یہ اعتراض وارد ہوا، بلکہ خلفاء سے مراد مستحقین خلافت ہیں جو مدلی و انصاف کے ساتھ حکمرانی کریں ایسے کچھ خلفاء تر گزر گئے اور جو باقی رہ گئے ہیں وہ وقوع قیامت سے پہلے گزر جائیں گے۔ اور تیسرا جواب یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایک خلیفہ ہوا اور باقی اس کے متہین تھے کیونکہ ۲۳۰ھ کے بعد اندلس میں تین حکمران ہوئے اور ہر ایک کا لقب خلیفہ تھا اور اسی زمانہ میں مصر میں ایک اور شخص خلیفہ تھا اور اسی وقت بغداد میں جماعت عباسیہ کا خلیفہ ایک اور شخص تھا، اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے، عنقریب کبکثرت خلفاء ہوں گے، صحابہ نے عرض کیا پھر آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا جو پہلا خلیفہ ہو اس کی بیعت کرو، چوتھا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ بارہ خلفاء تک اسلام غالب رہے گا۔ اس طلب سے مراد یہ ہے کہ جس خلیفہ کی بیعت پر تمام مسلمان متحد ہوں جیسا کہ سنن ابو داؤد میں ہے است ان پر مجتمع ہوگی، اور یزید بن ولید سے پہلے ایسے بارہ حکمران گزر گئے جن پر تمام مسلمان متفق تھے حتیٰ کہ یزید بن ولید کے زمانہ میں جو امیہ کی ہوا اکثر گئی اور بنو عباس نے ان کے خلاف خروج کیا، اور اس حدیث کا اور توجہات بھی ممکن ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے کیا مراد تھی اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کرے۔ ۱۸

۱۷۔ علامہ احمد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۷۲ھ، النوادی المحرقہ ص ۲۱، ۲۰، مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ مصر

۱۸۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۲ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۱۹، مطبوعہ دار محمد المصباح المطابع کراچی، ۱۳۷۵

۱۹۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی جواب اختیار کیا ہے اور اس کا مفاد یہ ہے ولید بن یزید بن عبدالملک متوفی ۱۲۱ھ کے بعد خلافت

نہیں رہی اور جو خلفاء کے نام سے حکومت کرتے تھے وہ لوگ اور سلاطین تھے۔ سیدی غفرلہ

حافظ ابن حجر مستطانی اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: یہ ٹھیک ہے کہ اب تک بارہ سے بہت زیادہ خلفاء ایک جیسے ہیں لیکن ان حکمرانوں میں خلیفہ کا صرف نام تھا، یہ حقیقت میں خلیفہ نہیں تھے، اور حدیث میں جو ہے خلافت قریش میں ہوگی یہ خبر نہیں ہے حکم ہے، یعنی خلیفہ کو قریش میں سے ہونا چاہیے ورنہ بہت سے ملکوں میں غیر قرشی حکمران رہے ہیں اور جو غیر قرشی خلیفہ سے حکمران بن گئے وہ بھی یہ تسلیم کرتے تھے کہ خلیفہ قرشی ہونا چاہیے۔ ۱۔

غیر قرشی خلفاء کی توجہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلافت قریش میں ہوگی، علامہ عینی لکھتے ہیں کہ علامہ عینی اس جواب کو مسترد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ لوگ صرف نام کے خلیفہ تھے اور باب حل و عقد نہ تھے، اور اگر ان کو خلیفہ مان بھی لیا جائے تو ایک زمانہ میں متعدد خلفاء کا ہونا لازم آئے گا، حالانکہ ایک زمانہ میں صرف ایک خلیفہ ہی ہو سکتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک امام کی بیعت کرنے اور اس کی بیعت پر رہی کرنے کا حکم دیا ہے اور جو شخص اس کی خلافت کے خلاف خروج کرے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، اور امام احمد، امام ابو داؤد و امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد خلافت تیس سال سب سے گی پھر ملکیت ہو جائے گی اور ایک روایت میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا ملک عطا کر دے گا اور ایسا ہی ہوا، کیونکہ خلفاء اربعہ اور حضرت حسن کی خلافت کو دیکھیں سال پور سے ہو گئے۔ ۲۔

علامہ عینی کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو خلافت قریش کے ساتھ خاص ہے وہ خلافت راشدہ ہے اور بعد میں جو مسلمان حکمران آتے رہے ہر چہ کہ ان میں غیر قرشی بھی تھے لیکن وہ صرف نام کے خلفاء تھے حقیقی خلفاء نہ تھے وہ درحقیقت لوگ اور سلاطین تھے۔

قریش کے ساتھ خلافت کے اختصاص کی حکمت اور بحث و نظر | علامہ ابن عابدون نے لکھا ہے

قرشی ہونے کا شرط لگانے کی ایک وجہ تو آپ کے نسب کے ساتھ نسبت قائم کرنا اور اس سے برکت حاصل کرنا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ قبیلہ قریش اس وقت تمام قبائل پر فرقت رکھتا تھا اور عرب کے تمام قبائل اس کی برتری تسلیم کرتے تھے، اگر کسی اور قبیلہ کا فرد خلیفہ ہوتا تو اس کو وہ زور و طاقت حاصل نہ ہوتی جو قریش کو حاصل ہو سکتی تھی۔ علامہ ابن عابدون نے کہا ہے کہ اسلام کے احکام قیامت تک کے لیے ہیں اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر زمانہ میں قریش کے خاندان ہی کو برتری اور مصیبت کی قوت حاصل رہے اس لیے اگر کسی زمانہ میں کسی اور خاندان کی مصیبت غالب اور لوگوں کی اکثریت اس خاندان کی حمایت کرتی ہو تو اس زمانہ میں اس خاندان کے فرد کو خلیفہ اور امام بنانا جائز ہوگا۔ قاضی ابوبکر بتقانی نے بھی امامت کے لیے قریشیت کو شرط قرار نہیں دیا کیونکہ ان کے زمانہ میں قرشی مصیبت

۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر مستطانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۳۶، مطبوعہ دار الفکر لکچر الاسلامیہ بیروت ۱۴۰۱ھ

۲۔ علامہ بدر الدین محمد بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، حاشیہ القاری ج ۲ ص ۲۲، مطبوعہ دار الفکر للطباعة والنشر بیروت ۱۳۳۸ھ

کا خاتمہ ہو چکا تھا اور ملک عجم خلفاء پر مسلط ہو گئے تھے۔ لہٰذا
علامہ ابن خلدون کا یہ نظریہ بکثرت احادیث صحیحہ اور جہور فقہاء اسلام کی تقریحات کے خلاف ہے، میرے نزدیک
خلافت میں قرشیت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے بعض احکام صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز و اکرام کو ظاہر
کرنے کے لیے مشروع کیے ہیں، مثلاً قرآن عربی میں نازل فرمایا کیونکہ آپ عربی تھے، قیامت تک مسلمانوں کی مختلف
زبانیں ہوں گی لیکن کسی زبان کی تفسیر کو قرآن کا درجہ نہیں دیا جائے گا نہ اس پر قرآن کے احکام لاگو ہوں گے، حائفہ
مورت اور جنبی شخص کسی آیت کا ترجمہ اپنی زبان سے کر سکتا ہے لیکن حالت جنین اور جنابت میں عربی الفاظ یعنی قرآن
مجید کے نازل شدہ الفاظ نہیں پڑھ سکتا، نازل اللہ تعالیٰ سے دعا اور مناجات ہے، لیکن اگر کوئی شخص اپنی زبان میں
دعا اور مناجات کرے تو نماز نہیں ہوگی، اس کی نماز اسی وقت ہوگی جب وہ نماز میں عربی الفاظ کو پڑھے گا خواہ ان کا
مطلب اور معنی نہ سمجھے، حالانکہ اگر کوئی غیر عربی اپنی زبان میں نماز پڑھے تو یہ زیادہ معقول ہے کیونکہ اس کو علم ہوگا
کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کیا حمد و ثناء کر رہا ہے اور اس سے کیا مانگ رہا ہے، لیکن اس کی نماز شرعاً باطل ہوگی اور نماز
میں عربی زبان کی شرط کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان عربی تھی، اسی لیے کوئی
شخص کسی علاقہ اور کسی زبان کا بولنے والا ہو نماز عربی میں پڑھے گا کیونکہ یہ آپ کی زبان ہے، اسی طرح خلیفہ چونکہ آپ کا نائب
ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے (آپ کی وساطت سے) یہ شرط رکھی ہے کہ خلیفہ آپ کے خاندان اور آپ کے نسب سے
ہو، نماز میں آل محمد پر درود پڑھنا اور آل محمد پر صدقہ کا احرام ہرنا یہ بھی وہ احکام ہیں جو صرف آپ کے اعزاز و اکرام
کو ظاہر کرنے کے لیے مشروع کیے گئے ہیں، سو میرے نزدیک خلافت میں قرشیت کی شرط بھی صرف آپ کے اعزاز و
اکرام کو ظاہر کرنے کے لیے مشروع کی گئی ہے۔

خلیفہ بنانے اور اس کو ترک کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ
جب میرے والد (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) زخمی ہوئے تو میں
اس وقت موجود تھا، لوگوں نے ان کی تعریف کی اور کہا کہ اللہ
آپ کو اچھی جزا دے! حضرت عمر نے کہا مجھے اللہ کی رحمت
کی امید ہے اور اس کے عذاب کا خوف ہے، لوگوں نے
کہا آپ کسی کو اپنا خلیفہ (جانشین) بنا دیجئے، حضرت عمر نے
فرمایا میں زندگی میں تمہارا بوجھ اٹھا تا رہا اب مرنے کے بعد
بھی تمہارا بوجھ اٹھاؤں؟ مجھے صرف یہ خواہش ہے کہ خلافت
کی خدمات میرے لیے برابر سرا بہ ہو جائیں۔ کہ خلافت

بَابُ الْإِسْتِخْلَافِ وَتَرْكِهِ

۴۵۹۹ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ
حَدَّثَنَا أَبُو سَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ
أُمِّهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ حَقَرْتُ أَيْ جِئْتُ
أُصِيبُ فَأَقْبَحُوا عَلَيَّ وَقَالُوا اجْزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا
فَقَالَ مَا غَيْبُ وَهَاهُنَا قَالُوا اسْتَخْلِفْ فَقَالَ
أَتَحْمِلُ أَمْرَكُمْ حَيًّا وَمَيِّتًا لَوْ دُرْتُ أَنْ
حَقَلْتُ مِنْهَا أَنْكَفَأْتُ لَكَ عَلَى وَلَا يَنْفَرُ
اسْتَخْلِفْتُ فَقَدْ اسْتَخْلَفَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ
مِنِّْي (يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ) وَإِنْ أَتَرَكْتُمْ فَقَدْ تَرَكْتُمْ

۷۵۸ - علامہ عبدالرحمان بن خلدون متوفی ۸۰۸ھ، مقدمہ ابن خلدون ص ۱۲۰، ۱۹۹، ملخصاً (مترجم) مطبوعہ نور محمد کلاخان، تہذیب کتب کراچی

مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ حَسَنٌ ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ مُسْتَخْلِفٍ -

کی وجہ سے نہ مجھے کوئی عذاب ہوا اور نہ ثواب ہوا، اگر میں خلیفہ بناؤں تو جو مجھ سے بہتر تھے (یعنی حضرت ابوبکر) انہوں نے خلیفہ بنایا تھا اور اگر میں تم کو اسی حال پر چھوڑ دوں تو جو مجھ سے بہتر تھے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) انہوں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تھا حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا سبب حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا تو میں نے جان لیا کہ آپ کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت حفصہ کے پاس گیا، حضرت حفصہ نے کہا کیا تم کلام ہے کہ تنہا رہے والد کسی کو خلیفہ نہیں بنا رہے ہیں نے کہا وہ ایسا نہیں کریں گے، حضرت حفصہ نے کہا وہ ایسا ہی کریں گے، حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے قسم کھائی کہ میں ان سے اس مسئلہ میں بات کروں گا، پھر میں غلاموں میں ہو گیا حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور میں نے ان سے اس معاملہ میں بات نہیں کی، اور قسم کھانے کے سبب مجھے یوں لگتا تھا جیسے میں نے اپنے ہاتھ پر پیاز اٹھایا ہوا ہو، آخر کار میں حضرت عمر کے پاس گیا انہوں نے مجھ سے لوگوں کا حال دریافت کیا، میں نے آپ کو معاملات سے باخبر کیا، پھر میں نے ان سے کہا میں نے لوگوں سے ایک بات سنی تھی اور وہ سن کر میں نے قسم کھائی کہ میں آپ سے اس کو ضرور بیان کروں گا، لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ کسی کو خلیفہ نہیں جائیں گے، اور بات یہ ہے کہ اگر آپ کے اونٹوں یا بکریوں کا کوئی چرواہا ہو اور وہ ان اونٹوں یا بکریوں کو چھوڑ کر آپ کے پاس پہلا آئے تو آپ یہی کہیں گے کہ اس نے ان اونٹوں یا بکریوں کو ضائع کر دیا ہے سو لوگوں کی نگہبانی زیادہ اہم ہے، حضرت عمر نے میری اس رہنمائی کی موافقت کی کچھ دیر تک سر جھکانے پر مجبور رہے، پھر میری طرف سر اٹھا کر فرمایا: بلاشبہ اللہ عزوجل آئینہ دین کا حفاظت فرمائے گا، اور اگر میں نے کسی کو خلیفہ نہیں

۴۶۰۰ - حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَأَبْنُ أَبِي عُمَرَ وَ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَ الْأَعْلَمُ مُتَقَابِرَةً قَالَ إِسْحَقُ وَعَبْدُ الْأَحْبَرُ قَالَ الْأَخْرَاقُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنَا سَالِمٌ عَنْ أَبِي عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ فَقَالَتْ أَعْلِمْتَ أَنَّ أَبَاكَ غَيْرُ مُسْتَخْلِفٍ قَالَ قُلْتُ مَا كَانَ لِيَفْعَلَ قَالَتْ إِنَّهُ فَاعِلٌ قَالَ فَحَلَقْتُ أَبِي أَلْفَ كَلِمَةٍ فِي ذَلِكَ فَسَكَتُ حَتَّى غَدَوْتُ وَلَمَّا كَلِمَةً قَالَ فَكُنْتُ كَأَنَّمَا أَحْمِلُ بِيَمِينِي جَبَلًا حَتَّى رَجَعْتُ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ فَسَأَلَنِي عَنْ حَالِ النَّاسِ وَأَنَا أُخْبِرُهُ قَالَ لَمْ قُلْتُ لِمَ إِنِّي سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ مَقَالَةً كَأَلَيْتُ أَنْ أَقُولَ لَهَا إِنَّكَ زَعَمُوا أَنَّكَ غَيْرُ مُسْتَخْلِفٍ وَإِنَّهُ لَوْ كَانَ لَكَ مَا عِزِّي إِبْرَاهِيمَ أَوْ مَا عِزِّي عَمْرُو ثُمَّ جَاءَهُ لَوْ وَتَرَكَهَا أَيْتُ أَنْ هَذَا صَنِيعَ قُرَظٍ عَايَنَهُ النَّاسُ أَشَدُّ قَالَ فَمَا قَعَهُ قَوْلِي فَوَضَعَ رَأْسَهُ سَاعَةً ثُمَّ رَفَعَهُ إِلَيَّ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَحْفَظُ دِينَهُ وَإِلَيَّ فَنُتِنَ لَا أَسْتَخْلِفُ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسْتَخْلِفْ وَإِنْ أَسْتَخْلِفُ فَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ قَدْ اسْتَخْلَفَ قَالَ فَوَاللَّهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ فَعَلِمْتُ أَنَّ لَمْ يَكُنْ لِيَعْدِلَ بِرَسُولِ اللَّهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْلَدَاوَاَقَمَا
غَيْرُ مُسْتَخْلِفٍ۔

بنایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا
تھا، اور اگر میں نے کسی کو خلیفہ بنا دیا تو حضرت ابوبکر رضی
اللہ عنہ خلیفہ بنا چکے ہیں، حضرت ابن عمر نے کہا بعد ازاں
حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر
رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا تو میں نے جان لیا کہ وہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور وہ
کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے۔

خلیفہ مقرر کرنے کے متعلق مذاہب اور تحقیق مسجوت | علامہ یحییٰ بن شرف نووی کہتے ہیں: اس

باب کی احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب
خلیفہ وقت قریب المرگ ہو تو اس کے لیے اپنا خلیفہ بنانا اور نہ بنانا دونوں امر جائز ہیں، اگر وہ خلیفہ نہ بنائے تو نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کی سنت پر عمل ہو گا اور اگر خلیفہ بنائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سنت پر عمل ہو گا، اگر خلیفہ کسی کو خلیفہ نہ
بنائے تو اگر باب عل و عقد اور شورائی کے انتخاب سے خلیفہ منتخب ہو جاتا ہے، اس پر بھی اجماع ہے کہ مسلمانوں پر خلیفہ
کا مقرر کرنا واجب ہے اور یہ وجوب شرعی ہے عقلی نہیں ہے، امام اہم نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے، وہ کہتے
ہیں کہ خلیفہ کا مقرر کرنا واجب نہیں ہے، اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ وجوب عقلی ہے شرعی نہیں ہے، امام اہم کی
دلیل یہ ہے کہ جب صحابہ سقیفہ بروما مدہ میں جمع ہوئے تو اس وقت کوئی خلیفہ نہیں تھا اسی طرح جب شورائی انتخاب
میں مشغول تھی اس وقت بھی کوئی خلیفہ نہیں تھا، لیکن یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ اس وقت خلیفہ کو منتخب کرنے
کی کوشش کر رہے تھے۔ اور اس کا وجوب عقلی نہیں ہے، کیونکہ عقل کسی چیز کو واجب نہیں کرتی، اس لیے اس کا
وجوب شرعی ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا، اور ان فضیول کا یہ
ادعا باطل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو خلیفہ مقرر کیا تھا، اس طرح بعض نے حضرت عباس اور
بعض نے حضرت ابوبکر کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کا دعویٰ کیا، لیکن یہ تمام دعویٰ باطل ہیں، کیونکہ ان حضرات
میں سے کسی نے بھی اپنے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کا دعویٰ نہیں کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے خلیفہ نہ بنانے کے متعلق حضرت علی، حضرت عباس اور حضرت ابوبکر سب متفق ہیں، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے
علامہ نووی نے یہ لکھا ہے کہ خلیفہ بنانے کے وجوب پر سب کا اجماع ہے اور یہ وجوب شرعی ہے، اگر خلیفہ سے
ان کا مراد امیر ہے تو یہ صحیح ہے، دلیل شرعیہ سے یہ ثابت ہے کہ مسلمان جس خطہ زمین پر بھی ہوں ان کا ایک امیر
ہو اور وہ جماعت کے ساتھ وابستہ رہیں اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا ایک امیر ہو تو یہ چیز کسی
دلیل شرعی سے ثابت نہیں اور اس سے یہ لازم آئے گا کہ ۱۳۲۰ھ کے بعد سے لے کر اب تک تمام امت مسلمہ مصیبت

پر مجتمع رہی ہو اور یہ علین خلافت ہے اقسام امت معصیت اور گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی، کتاب الامارۃ کے مقدمہ میں ہم اس پر مفصل بحث کر چکے ہیں۔

شوریٰ مقرر کرنے کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف | علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی، حضرت عثمان،

حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم پر مشتمل شوریٰ بنائی تھی، اور فرمایا ان کو ہمارے گھر میں تین دن تک رکھو، اگر یہ کسی ایک شخص پر متفق ہو جائیں تو یہاں وہ ان کی گردنیں اکاڑ دینا۔ اور اگر حضرت ابو عبیدہ منہم ہوتے تو میں ان کو غلیفہ بنا دیتا اور اگر میرا رب مجھ سے ان کے متعلق سوال کرتا تو میں کہتا میں نے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ابو عبیدہ اس امت کے امین ہیں اور اگر ابو عبیدہ کے حوالا سالم زعمہ ہوتے تو ان کو امیر بنا دیتا اور اگر میرا رب ان کے متعلق سوال کرتا تو میں کہتا میں نے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ سالم اللہ تعالیٰ سے اتنی محبت کرتا ہے کہ اگر اس کو اللہ کا خوف نہ ہوتا تو پھر بھی اس کی نافرمانی نہ کرتا، حضرت عمر سے کہا گیا کہ آپ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو غلیفہ کیوں نہیں بنا دیتے، وہ اسلام میں سبقت اور دین کی عمدت اور ذاتی فضیلت کی وجہ سے اس منصب کے اہل ہیں، حضرت عمر نے فرمایا اکل خطاب کے لیے یہ کافی ہے کہ اس امت کے معاملات کے متعلق ان کے خاندان کے صرف ایک شخص سے سوال کیا جائے اور میری توصیف یہ خواہش ہے کہ اس خلافت کا بدلہ برابر غیر اہل ہو جائے نہ مجھے ثواب ہو نہ عذاب، لوگ حضرت عمر کے پاس سے چلے گئے پھر دوبارہ آئے اللہ کہنے لگے اے ابی الزناب! کاش آپ کسی شخص کے متعلق وصیت کر دیتے، حضرت عمر نے کہا میں نے بعد میں یہ سوچا تھا کہ ان کو امیر بنا دوں، حضرت عمر کا اشارہ حضرت علی کی طرف تھا لیکن پھر میں نے سوچا کہ میں زندگی میں تو تھکا ہوا بوجھ اٹھا تا رہا اب مرنے کے بعد اسی بوجھ کو ذمہ داروں، سو تم اس جماعت کو لازم رکھو جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ اہل جنت ہیں، سید بن زید بھی اہل جنت میں سے ہے، لیکن میں نے ان چہرہ میں ان کو داخل نہیں کیا وہ چہرہ یہ ہیں علی اور عثمان یہ جو عبد مناف ہیں، عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں، زبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی ہیں اور طلحہ اچھے انسان ہیں تم ان میں سے کسی ایک شخص کو اختیار کر لو۔ حضرت عمر نے فرمایا اگر پانچ شخص ایک پر متفق ہو جائیں اور ایک اختلاف کرے تو اس کی گردن اڑا دو اور اگر چار ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور دو اختلاف کریں تو ان دو کی گردنیں اڑا دو اور اگر تین کی رائے ایک طرف ہو اور تین کی رائے دوسری طرف ہو تو ان کے درمیان عبداللہ بن عمر کو حکم بنالینا اور اگر وہ عبداللہ پر راضی نہ ہوں تو اس کو وہ کر چیج دی جائے گی جس میں عبدالرحمن بن عوف ہوں۔

علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں غلیفہ نہیں بنایا اب اگر یہ سوال ہو کہ پھر حضرت ابو بکر نے غلیفہ کیوں بنایا اور حضور کی اقتداء کیوں نہیں کی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر کے نزدیک خلافت کے تمام اوصاف حضرت عمر میں مجتمع تھے اس لیے انھوں نے حضرت عمر کو غلیفہ بنا دیا اور اگر اس پر یہ اعتراض ہو

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بھی خلافت کے تمام اوصاف حضرت ابوبکر میں تھے پھر آپ نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ کیوں نہیں بنایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم نبوت سے معلوم تھا کہ حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا جائے گا اس لیے آپ نے اپنے علم پر اکتفا نہ کیا۔

مصنف کی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ اس لیے مقرر نہیں کیا تاکہ خلیفہ بنانا لازم نہ ہو جائے نیز آپ نے خلیفہ کے تقرر کو امت کے اجتہاد اور اس کی صواب دید پر چھوڑ دیا تاکہ جس زمانہ میں جیسے حالات ہوں اس کے مطابق حکومت بنائی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں حکومت بنانے کا کوئی ایک طریقہ مقرر نہیں ہے اور مختلف طریقوں سے حکومتیں بنائی جاتی رہیں اور یہ سب اسلامی حکومتیں تھیں۔

علامہ ابی نکھتے ہیں کہ جب حضرت عمر نے شوریٰ بنادی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کیے ہوئے اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کسی ایک شخص کو خلیفہ نہ بنانے میں ہے۔

شوریٰ کے عمل کی کیفیت
حضرت عمر کی جہیز و تکفین کے بعد انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا، اور دو دن تک اس پر بحث ہوتی رہی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا، آخر تیسرے دن حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ وصیت کے مطابق خلافت چھ آدمیوں میں دائر ہے لیکن اس کو تین شخصوں میں محدود کر دینا چاہیے اور جو اپنے خیال میں جس کو مستحق سمجھتا ہو اس کا نام لے، حضرت زبیر نے حضرت علی کا نام لیا، حضرت سعد نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کا اور حضرت طلحہ نے حضرت عثمان کا نام لیا، حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا میں اپنے حق سے دستبردار ہوتا ہوں، اس لیے اب یہ معاملہ صرف دو آدمیوں میں منحصر ہے، ان دونوں میں سے جو کتاب اللہ، سنت رسول اور سنت صحابین کی پابندی کا عہد کرے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی، پھر حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ان دونوں صاحبوں سے کہا آپ دونوں یہ معاملہ میرے سپرد کر دیں، بعد میں حضرت عبدالرحمن بن عوف نے مسجد میں ایک مؤثر تقریر کی اور حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اس کے بعد حضرت علی نے حضرت عثمان کی بیعت کر لی اور پھر تمام حاضرین نے حضرت عثمان کی بیعت کر لی۔

امارت کو طلب کرنے کی نکتہ

حضرت عبدالرحمن بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اسے عبدالرحمن المدنی کا سوال نہ کرنا کیونکہ اگر تم کو سوال کے بعد امارت ملی تو تم اس کے سپرد کر دیے جاؤ گے (یعنی تمہارے ساتھ تائید خدا و مدد ہی نہیں ہوگی) اور اگر تمہیں سوال کے بغیر امارت ملی تو تمہاری (منجانب اللہ)

بَابُ النَّهْيِ عَنْ طَلَبِ الْأَمَارَةِ وَالْجُرُصِ عَلَيْهَا

۴۰۱۔ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ
بْنِ حَارِثٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ
سَمُرَةَ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ لَا تَسْأَلِ إِلَّا مَا نَهَى فَإِنَّكَ إِنْ
أَعْطِيَتْهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وَكَلِمَةٍ إِلَيْهَا وَلَا
أَعْطِيَتْهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أَعَدَّتْ

۱۔ علامہ ابوبکر محمد بن خلفہ دمشقانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ ھ، اکال اکال المعلم ج ۵ ص ۱۶۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت

مدد کی جائے گی۔

امام مسلم کہتے ہیں کہ تین مختلف سندوں کے ساتھ
حضرت عبدالرحمن بن عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ
روایت بیان کی ہے۔

۴۶۲۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا حَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ يُونُسَ بْنِ وَحَّاهٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُنَيْرٍ
السَّعْدِيِّ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ يُونُسَ وَنُصْرَةَ بْنِ
وَحْمِيدٍ وَحَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ الْجُعْفِيُّ حَدَّثَنَا
حَقًّا وَبْنُ زَيْدٍ عَنْ سَمَاءِ بْنِ عَطِيَّةٍ وَيُونُسَ بْنِ
عَبِيدٍ وَهَشَامُ بْنُ حَسَّانٍ كُلُّهُمْ عَنِ الْحَسَنِ
عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ جَرِيرٍ۔

۴۶۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَحُمَيْدُ بْنُ
الْعَلَاءِ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو سَامَةَ عَنْ بَرِيدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ
عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَرَجُلَانِ مِنْ بَنِي عَيْثٍ
فَقَالَ أَحَدُ الرَّجُلَيْنِ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَقْرَبَنَا عَلَى
بَعْضِ مَا وَلاَكَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَقَالَ الْآخَرُ
مِثْلَ ذَلِكَ فَقَالَ إِنَّا وَاللَّهِ لَا نُؤْتِي عَلَى هَذَا
الْعَمَلِ أَحَدًا سِوَاكَ وَلَا أَحَدًا آخَرَ مِنْ عَمَلِنَا۔

۴۶۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ وَحُمَيْدُ بْنُ
بُرَيْدٍ (وَاللَّفْظُ لِابْنِ حَاتِمٍ) قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى
بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ حَالِدٍ حَدَّثَنَا
حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ أَبِي بَرْدٍ قَالَ قَالَ أَبُو
مُوسَى أَقْبَلْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ
مَعِيَ رَجُلَانِ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ أَحَدُهُمَا عَنْ
يَحْيَى بْنِ وَحَّاهٍ عَنْ يُونُسَ بْنِ وَحَّاهٍ سَأَلَ الْعَمَلُ
وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَأْذِنُ فَقَالَ مَا
تَقُولُ يَا أَبَا مُوسَى أَوْ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنُ قَلْبِ قَالَ
فَقُلْتُ وَاللَّهِ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أَطْلَعَانِي عَلَى
مَا فِي أَنْفُسِهِمَا وَمَا شَعَرْتُ أَنَّهُمَا يَطْلُبَانِ الْعَمَلَ
قَالَ وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى سِوَاكَ تَحْتَ شَفِئِهِ وَقَدْ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ میں اور میرے دو عمر ادنیٰ مسلمے اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں حاضر ہوئے، ان دو میں سے ایک نے کہا: یا رسول
اللہ! اللہ تعالیٰ نے جو ملک آپ کو دیے ہیں آپ ان
میں سے کسی ملک کی حکومت ہم کو عطا کیجئے اور دوسرے
نے بھی ایسا ہی کہا، آپ نے فرمایا: بخدا ہم کسی ایسے شخص
کو عامل نہیں بنائیں گے جو اس کا سوال کرے گا اور نہ
اس شخص کو عامل بنائیں گے جو اس کی حرم میں کرے گا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو اشعری شخصوں
کے ساتھ حاضر ہوا، ایک میری دائیں جانب تھا اور دوسرا
میری بائیں جانب تھا ان دونوں نے کسی منصب کا سوال
کیا اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسراک کر رہے تھے
آپ نے فرمایا اے ابو موسیٰ تم کیا کہتے ہو یا آپ نے
اے عبداللہ بن قیس فرمایا، میں نے کہا اس ذات کی قسم
جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے ان دونوں
نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ ان کے دل میں کیا ہے؟
اور نہ مجھے یہ پتا تھا کہ یہ منصب کا سوال کریں گے،
حضرت ابو موسیٰ اشعری نے کہا گویا کہ میں دیکھ رہا تھا کہ
آپ کے ہونٹوں کے نیچے مسراک تھی جو گھیس چکی تھی، آپ نے فرمایا جو

قَلَصَتْ فَقَالَ لَنْ أَوْ لَا لَسْتَ عَمِلَ عَلَى مَمْلَنًا مِّنْ
أَمَّا أَدَاكَ وَلَكِنْ اذْهَبْ أَنْتَ يَا أَبَا مُوسَى
أَوْ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ فَبَعَثَهُ عَلَى الْيَمَنِ
ثُمَّ أَتْبَعَهُ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ فَلَمَّا قَدِمَ
عَلَيْهِ قَالَ انْزِلْ وَأَكْلَفِي لَكُمْ وَسَادَةً وَإِذَا
رَجُلٌ عِنْدَكُمْ مُؤْتَقٍ قَالَ مَا هَذَا قَالَ
هَذَا كَانَ يَهُودِيًّا فَأَسْلَمَ ثُمَّ رَاجَعَ
دِينَهُ دِينَ النَّسْرَةِ فَتَهَوَّدَ قَالَ لَا أَجْلِسُ
حَتَّى يُقْتَلَ قَضَاءُ اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَقَالَ
إِجْلِسْ نَعَمْ قَالَ لَا أَجْلِسُ حَتَّى يُقْتَلَ
قَضَاءُ اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَكَذَبَتْ مَرَاتٍ فَأَمَرَ
بِهِ فَقُتِلَ ثُمَّ تَذَكَّرَ الْقِيَامَ مِنَ اللَّيْلِ
فَقَالَ أَحَدُهُمَا مُعَاذُ أَمَّا أَنَا فَأَنَا مَرَّةً
وَأَقُومُ وَأَنَا جُؤَا فِي تَوَمَّتِي مَا أَرَا جُؤَا
فِي قَوْمِي.

شخص منصب کا سوال کرے گا ہم اس کو ہرگز منصب پر فائز
نہیں کریں گے، لیکن اسے ابو موسیٰ یا فرمایا اسے عبد اللہ
بن قیس تم میں جاؤ، اور ان کو یمن بھیج دیا۔ اور پھر ان کے
پچھے حضرت معاذ بن جبل کو بھیج دیا، جب حضرت معاذ
بن جبل وہاں پہنچے تو حضرت ابو موسیٰ نے کہا آئیے اور ان
کے لیے ایک گنا بچھا دیا، وہاں اس وقت ایک شخص
رسولوں سے بندھا ہوا تھا، حضرت معاذ نے پوچھا یہ
کون ہے؟ حضرت ابو موسیٰ نے کہا یہ ایک یہودی ہے
یہ مسلمان ہو گیا تھا اور پھر اپنے بڑے دین کی طرف
لوٹ گیا اور یہودی ہو گیا، حضرت معاذ نے کہا میں اس
وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اللہ اور اس کے رسول
کے فیصلہ کے مطابق اس کو قتل نہ کر دیا جائے، حضرت
ابو موسیٰ نے کہا ہم اس کو قتل کرتے ہیں آپ بیٹھئے،
حضرت معاذ نے کہا میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا
جب تک اس شخص کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ
وسلم کے فیصلہ کے مطابق قتل نہیں کر دیا جائے گا، تین
مرتبہ یہی مکالمہ ہوا، بالآخر اس شخص کو قتل کر دیا گیا، پھر
ان دونوں میں رات کے قیام کے متعلق گفتگو ہونے لگی
حضرت معاذ نے کہا میں سوتا بھی ہوں اور قیام بھی کرتا ہوں
اور میں اپنے قیام میں جس امر کا امید رکھتا ہوں اسی امر
کا میں اپنی نیند میں بھی توقع رکھتا ہوں۔

طلب منصب کی تحقیق علامہ نووی کہتے ہیں کہ طلب منصب کو منصب نہ دینے میں یہ حکمت ہے کہ طالب منصب
کے ساتھ اللہ کی توفیق اور تائید شامل نہیں ہو سکتی۔ بسن وگ کہتے ہیں کہ منصب کو
طلب کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر سے اپنے لیے حکومت کا عہدہ طلب کیا تھا۔
قرآن مجید میں ہے:

حضرت یوسف نے (عزیز مصر سے) کہا ملک
کے خزانے میرے سپرد کر دیجئے، میں حفاظت کرنے

قال اجعلني على خزائن الارض اني
حفيظ عليها (يوسف ٥٥)

والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔
یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ یہ شریعت سابقہ ہے، اور شریعت سابقہ کے جو احکام ہماری شریعت کے خلاف ہوں وہ ہم پر عجت نہیں ہوتے، ہمارے لیے یہ حکم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا! اہم اس شخص کو عامل نہیں بنائیں گے جو اس کو طلب کرے گا اور نہ اس شخص کو عامل بنائیں گے جو اس کی حلی کرے گا۔ جیسا کہ اس باب کی حدیث نمبر ۴۶۰۳ میں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے اور نبی کا تقویٰ قلبی اور یقینی ہوتا ہے، نبی کو وحی کی تائید حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے افعال کے متعلق اللہ کی رضا سے مطمئن رہتے ہیں جبکہ عام آدمی کا تقویٰ قلبی اور یقینی نہیں ہوتا اور غیر قلبی کو قطعی پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا عہدہ طلب کرنا اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تھا جو ان کو وحی سے حاصل ہوئی اور عام آدمی کے حق میں یہ مقصور نہیں ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی منصب کا اہل نہ ہو تو جو شخص اہل ہو اس کا محض خدمت کے لیے منصب کو طلب کرنا ضرورت کی بناء پر جائز ہے۔ ہمیں اس قاعدہ کی صحت سے انکار نہیں ہے، لیکن جو چیز ضرورت کی بناء پر جائز کی گئی ہو اس کو من ضرورت کی حد تک محدود رکھنا صحیح ہے اس کو عام دواج اور معمول بنالینا صحیح نہیں ہے۔ مثلاً جب کوئی حلال چیز کھانے کے لیے دستیاب نہ ہو تو ضرورت کی بناء پر شباب اور خنزیر کی صورت مانتا ہو جاتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص ضرورت کے حوالے سے خنزیر اور شراب کو کھانے پینے کا عام معمول بنائے تو یہ صحیح نہیں ہے۔

موجودہ طریقہ انتخاب کا غیر اسلامی ہونا | پاکستان میں انتخاب کے موقع پر ہر حلقہ انتخاب سے بکثرت لیے کونسلنگ کرتے ہیں اور مخالف امیدوار کی کردار کشی کرتے ہیں، اور اس سلسلے میں غیبت، افتراء اور تہمت کی تمام حدود کو پھیلا ٹنگ جاتے ہیں۔ اہل طریقہ اسلام میں بالکل ناجائز ہے۔ اور ہر امیدوار کے متعلق یہ کہنا کہ یہ ضرورت کی بناء پر کھڑا ہوا ہے ہذا جہت باطل ہے، کیونکہ ہر حلقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ چونکہ وہ کوئی اہل نہیں تھا اس لیے یہ سب امیدوار کھڑے ہو گئے ہیں!

امیدوار کے لیے شرائط اہلیت نہ ہونے کے غلط نتائج | درحقیقت پاکستان کے آئین میں طلب منصب امیدوار انتخاب کے لیے کھڑے ہوتے ہیں انھیں امیدواروں میں سے صدر مملکت، وزیراعظم، وزیراعلیٰ اور دیگر وزراء کا انتخاب ہوتا ہے اور یہی امیدوار اسمبلی میں جا کر کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں ملک کے سربراہ اور دانشوروں پر مشتمل اسلامی نظریاتی کونسل اتفاق رائے سے کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتی ہے لیکن وہ اس ذقت تک نافذ نہیں ہو سکتا جب تک کہ قومی اسمبلی اس کو منظور نہ کرے اور قومی اسمبلی کے ممبروں کے لیے، اسلامی علوم یا مروجہ علوم میں سے کسی علم کی کوئی شرط نہیں ہے، نیکی اور تقویٰ کی

سیاسی تجربہ اور تدبیر کی حاجت کم درجہ ہونے کی بھی کوئی شرط نہیں ہے، دفتر میں لوگوں بھرتی ہونے کے لیے بھی کم از کم میٹرک پاس ہونے کی شرط ہوتی ہے، بس چلانے والے ڈرائیور کے لیے بھی تجربہ کی شرط ہوتی ہے لیکن اس ملک کو چلانے کے لیے امیدواروں کے لیے علم اور تجربہ کی کوئی شرط نہیں ہے، ہر ناسق و فاجر، جاہل اور ناتجربہ کارہ شخص خواہ مرد ہو یا عورت انتخاب کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے اور پیر اور اثر و رسوخ کے زور پر اسمبلی میں پہنچ کر صدر مملکت، وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ یا کسی بھی حکم کا وزیر بن سکتا ہے اور وہ علم، تجربہ اور اچھے کردار کے بغیر بھی اسلامی نظریاتی کونسل کی پیش کردہ سفارشات کو مسترد کر سکتا ہے اور کسی بھی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

اس باب کی احادیث میں قتل مرتد کا بھی ذکر ہے، مرتد کو قتل کرنے پر تمام فقہاء اسلام کا اتفاق ہے۔

مرتد کے احکام | ہے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ آیا اس سے قرب طلب کرنا واجب ہے یا مستحب ہے؟ اور کتنی بار قرب طلب کرنی چاہیے اور یہ کہ عورت اگر مرتد ہو تو اس کا حکم بھی مردوں کی طرح ہے یا نہیں؟ امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور جمہور فقہاء اسلام کا مسلک یہ ہے کہ مرتد سے قرب طلب کی جائے گی، ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے، علامہ حسن بصری، جہولان مالکی، امام ابو یوسف اور اہل الظاہر نے یہ کہا ہے کہ مرتد سے قرب طلب نہیں کی جائے گی، اور اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ توبہ قبول ہو جائے گی لیکن اس کو قتل کرنے کا حکم ساقط نہیں ہوگا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من بدل دینہ فاقتلوا۔ جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دو۔ عطاء نے کہا کہ اگر مرتد مسلمان کا اولاد ہو تو اس سے قرب طلب نہیں کی جائے گی اور اگر وہ پہلے کافر تھا پھر مسلمان ہوا اور اس کے بعد مرتد ہو گیا تو اس سے قرب طلب کی جائے گی۔ پھر فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس سے قرب طلب کرنا آیا واجب ہے یا مستحب ہے؟ امام شافعی اور ان کے اصحاب کا زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس سے اسی وقت قرب طلب کرنا واجب ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ تین دن تک قرب طلب کی جائے، امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے اور حضرت علی سے ایک یہ روایت ہے کہ ایک ماہ تک قرب طلب کی جا سکتی ہے۔ جمہور فقہاء اسلام یہ کہتے ہیں کہ اگر عورت مرتد ہو جائے اور توبہ نہ کرے تو اس کو بھی مرد کی طرح قتل کر دیا جائے گا، اور اس کو زندہ بنانا جائز نہیں ہے، امام مالک، امام شافعی اور جمہور فقہاء کا بھی یہی مسلک ہے، امام ابو حنیفہ اور فقہاء کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ عورت کو قید کیا جائے گا، قتل نہیں کیا جائے گا، حسن اور قتادہ یہ کہتے ہیں کہ اس کو زندہ بنالیا جائے گا، حضرت علی سے بھی اس سلسلے میں ایک روایت ہے۔ مرتد کے احکام کی تفصیل جلد رابع میں ہم نے تفصیل سے بیان کر دی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

حد قائم کرنے کا اختیار قاضی کو ہے یا سلطان کو | امام شافعی نے کہا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ

اور حدود میں مجرموں کو قتل کرنا جائز ہے، امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور تمام علماء کا یہی مسلک ہے، کوئی حد فقہاء نے یہ کہا ہے کہ صرف شہروں کے فقہاء حدود قائم کر سکتے ہیں اور شہروں کے عامل حدود قائم نہیں کر سکتے، اور قاضیوں میں اختلاف ہے جبکہ ان کی ولایت عام ہوا اور کسی نوع کے احکام کے ساتھ خاص نہ ہو، جمہور علماء نے یہ کہا ہے کہ قاضی حدود قائم کریں گے اور تمام چیزوں میں غور و فکر کریں گے، البتہ ملت اسلامیہ کی حفاظت کے

یہ فوج کا انتظام کرنا اور خراج وغیرہ وصول کرنا امراء کے ذمہ ہو گا اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ حدود و قیام کرنا قاضی کا ولایت میں نہیں ہے۔ ۷

بَابُ كَرَاهَةِ الْإِمَارَةِ بِغَيْرِ ضَرُورَةٍ

٢٦٠٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبٍ بْنُ اللَّيْثِ
عَمَّا ثَنِي أَيْ شُعَيْبُ بْنُ اللَّيْثِ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ
حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ
الْحَارِثِ بْنِ يَزِيدِ النُّحَاصِ عَنْ عَنِ ابْنِ حُجْرَةَ
الْأَكْبَرِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا
تَسْتَعِينُنِي قَالَ كَضَرَبَ بِيَدِهِ عَلَى مَنْكِبِي
ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ ضَعِيفٌ وَإِنَّهَا مَأْسَةٌ
وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ نَحْوِي وَنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا
بِحَقِّهَا وَآذَنِي الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا .

٣٦٠٦ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَاصْبَغُ بْنُ
بُرَيْدٍ عَنْ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ عَنْ ابْنِ أَبِي
سَلِيمٍ عَنْ ابْنِ أَبِي جَعْفَرٍ الْقُرَشِيِّ عَنْ
ابْنِ أَبِي سَلِيمٍ الْجَيْشَانِيِّ عَنْ أَبِي زَيْدٍ
عَنْ مُوَلَّى اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ
إِنِّي أَرَاكَ ضَعِيفًا وَإِنِّي أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ
لِنَفْسِي لَا أَمْرَ مَرَّتَ عَلَى الْمُتَّقِينَ وَلَا تَوَلَّيْتَ مَالَ يَتِيمٍ

منصب قبول کرنے اور قبول نہ کرنے کا محصل

منصب قبول کرنے اور قبول نہ کرنے کا محمل

اس حدیث میں اس بات کی اصل عظیم ہے کہ انسان کو کسی منصب کے قبول کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے، خصوصاً اس شخص کو جو اس منصب کی ذمہ داریوں کو پورا نہ کر سکے، اور منصب قبول کرنے سے قیامت کے دن شرمندگی اور رسوائی اس شخص کو ہوگی جو منصب کا اہل نہ ہو اور منصب کو قبول کرے، یا منصب کا اہل ہو اور اس کی ذمہ داریوں کو پورا نہ کرے اور اس کے حقوق ادا نہ کرے، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رسوا اور شرمندہ کرے گا۔ اور اس وقت اس کو اپنی تعمیر پر ندامت اور افسوس ہوگا۔ لیکن جو شخص منصب کا اہل ہو اور اس کی ذمہ داریوں کو

طلب امارت کی کمر بستہ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے حامل نہیں بنائیں گے؟ آپ نے میرے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا: اے ابوذر! تم کمزور اور بے امارت امانت ہے اور یہ قیامت کے دن رسوائی اور شرمندگی کا باعث ہوگی، البتہ جو امارت کے حقوق ادا کرے اور اس کی ذمہ داریاں پوری کرے (دہ مستثنیٰ ہوگا)۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ذر! میں تم کو بکڑور پاتا ہوں اور میں تمہارے لیے وہی چیز پسند کرتا ہوں جسے اپنے لیے پسند کرتا ہوں، تم دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا اور نہ یتیم کے مال کا ولی بننا۔

پورا کرے اور عدل و انصاف سے کام لے اس کی اعلیٰ حد میں بڑی فضیلت ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے سات آدمی اس دن اللہ کے سامنے تلے ہوں گے جس دن اللہ کے سامنے کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہوگا اور ان میں سے ایک شخص امام عادل ہے، نیز اس باب کے بعد حدیث میں ہے دل کرنے والے نور کے منبروں پر ہوں گے، وغیرہ لیکن اس فضیلت کے باوجود چونکہ منصب کے قبول کرنے میں خطرات زیادہ ہیں انہی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اجتناب کی تلقین فرمائی ہے، اسی طرح علامہ نے بھی اس سے دور رہنے کی وصیت کی ہے اور سلف صالحین حکومت کے مناصب کو قبول نہیں کرتے تھے اور انہوں نے اس سلسلہ میں بہت تکلیفیں اور آذیتیں اٹھائی ہیں، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے منصب تقا کو قبول نہیں کیا اور اس کی سنز میں قید خانہ کی آذیتیں برداشت کیں اور بالآخر قید خانہ ہی میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ وارضاه۔

بَابُ فَضِيلَةِ الْإِمَامِ الْعَادِلِ وَعَقُوبَةِ الْجَائِرِ

عادل حاکم کی فضیلت اور ظالم حاکم کی مذمت

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عدل کرنے والے اللہ کے نزدیک اللہ کی دایمیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے اور اللہ کے دونوں دایمیں ہاتھیں اسی پر دو لوگ ہوں گے جو اپنے اہل و عیال اور اپنی رعایا میں عدل سے فیصلے کریں گے۔

۴۶۰۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَهَارُونُ بْنُ حَرْبٍ وَابْنُ كَثِيرٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ (عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ ابْنُ كَثِيرٍ وَابْنُ بَكْرٍ بَلَّغَهُ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَدِيثٍ زَاهِدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَقْسُطِينَ عِنْدَ اللَّهِ عَلَى مَنَابِرٍ مِنْ نُورٍ عَنِ يَمِينِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ وَكَلَّتْ يَدَايِهِمَا يَمِينُ الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا

۴۶۰۸۔ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَدَلِيُّ

حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنَا حَزْمَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ أَتَيْتُ عَائِشَةَ أَسْأَلُهَا عَنْ فَنِيٍّ فَقَالَتْ يَمِينُ أَنْتَ فَقُلْتُ وَجَلَّ قَرْنُ أَهْلِ مِصْرَ فَقَالَتْ كَيْفَ كَانَ صَاحِبُكُمْ لَكُمْ فِي غَزَايَكُمْ هَذِهِ فَقَالَ مَا لَقِيتُ مِنْهُ شَيْئًا ابْنُ كَانَ كَيْسَمُوتٌ لِلْوَحِيلِ مِنَّا الْبُعِيرُ فَيُعْطِيهِ الْبُعِيرُ الْعَبْدُ فَيُعْطِيهِ الْعَبْدُ وَيَحْتَابِرُ إِلَى التَّفَقُّةِ فَيُعْطِيهِ التَّفَقُّةُ فَقَالَتْ أَمَا إِنَّهُ لَا يَمْنَعُنِي الَّذِي فَعَلَ فِي مُحْتَدٍ مِنْ آيٍ تَكْرَارًا أَنْ أُخْبِرَكَ مَا سَمِعْتُ مِنْ

عبدالرحمن بن شماسہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ پوچھنے کے لیے گیا، حضرت عائشہ نے پوچھا کہ تم کن لوگوں میں سے ہو؟ میں نے کہا میں مصر والوں میں سے ہوں، حضرت عائشہ نے پوچھا تمہارا حاکم جہاد میں تمہارے ساتھ کس طرح پیش آتا ہے؟ میں نے کہا ہمیں اس کی کوئی بات ناگوار نہیں گذری، اگر ہم کسی شخص کا اونٹ لے جاتے تو وہ اس کو اونٹ دے دیتا ہے، اور اگر غلام لے جاتے تو وہ اس کو غلام دے دیتا ہے اور اگر کسی کو خرچ کی ضرورت ہو تو وہ اس کو خرچ دے دیتا ہے، حضرت عائشہ نے فرمایا میرے بھائی

رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي بَيْتِي
هَذَا اللَّهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرٍ أَمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ
عَلَيْهِمْ فَأَشَقُّ عَلَيْهِ وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرٍ أَمَّتِي
شَيْئًا فَدَفَّقَ بِهِمْ فَأَرْفُقَ بِهِ -

عبداللہ بن ابی بکر کے ساتھ اس نے جو کچھ کیلئے مجھے اس حدیث کو بیان
کرنے سے باز نہیں رکھ سکتا، میں نے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو اس حجرے میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:
اے اللہ! میری امت کا جو شخص بھی کسی پر والی اور حاکم
ہو اور وہ ان پر سختی کرے تو تو بھی ان پر سختی کر اور اگر
وہ ان پر نرمی کرے تو تو بھی ان پر نرمی کر۔

عبدالرحمن بن شماس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اور روایت بھی اسی طرح
بیان کی ہے۔

۴۶۰۹ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِبٍ حَدَّثَنَا
ابْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ عَزْمَدَةَ
الْبَصْرِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَسَا مَةَ عَنْ عَائِشَةَ
عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ -

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے
ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سو تم میں سے ہر شخص
حاکم سے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا
سو جو امیر لوگوں پر حاکم ہے اس سے اس کی رعایا کے متعلق
سوال ہوگا، اور مرد اپنے اہل خانہ پر حاکم ہے اس سے
اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا اور عورت اپنے شوہر کے
گھر اور اس کے بچوں پر حاکم ہے اس سے ان کے
متعلق سوال ہوگا اور اگر اپنے ملک کے مال پر حاکم ہے
اس سے اس کے متعلق سوال ہوگا، سو تم میں سے ہر شخص
حاکم ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔

۴۶۱۰ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ
ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ حَدَّثَنَا الْكَئِثُ عَنْ نَافِعٍ
عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ
قَالَ لَا كَلْبُكُمْ رَاجِعٌ وَكَلْبُكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَاعِيَتِهِ
فَالْأَمِيرُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاجِعٌ وَهُوَ مَسْئُولٌ
عَنْ رَاعِيَتِهِ وَالرَّجُلُ رَاجِعٌ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ
مَسْئُولٌ عَنْهُمْ وَالْمَرْأَةُ رَاجِعَةٌ عَلَى بَيْتِ بَعْلِهَا
وَوَلَدِهَا وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ وَالْعَبْدُ رَاجِعٌ عَلَى
مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ إِلَّا فَكْلُكُمْ
رَاجِعٌ وَكَلْبُكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَاعِيَتِهِ -

اسلم مسلم نے اس حدیث کی کچھ مزید اسانید بیان
کیں۔

۴۶۱۱ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا
مُحَمَّدُ بْنُ بَشِيرٍ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي
ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُسَنَّى حَدَّثَنَا خَالِدٌ (يَعْنِي ابْنَ
الْحَارِثِ) ح وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ ابْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا
يَحْيَى (يَعْنِي الْقَطَّانَ) كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ
عُمَرَ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ وَابُو كَامِلٍ قَالَا حَدَّثَنَا
حَكَّامُ بْنُ سَافِرٍ وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا
إِسْمَاعِيلُ جَمِيعًا عَنْ زَيْدِ بْنِ حَبِيبٍ حَدَّثَنَا

بْنُ نَافِعٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي قُدَيْلٍ أَخْبَرَنَا الصَّخَّالُ
رِيعِيُّ ابْنِ عُثْمَانَ (۷) وَحَدَّثَنَا هُرَيْرُ بْنُ
سَعْدٍ الْأَدَلِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنَا شَيْخُ
أَسَامَةَ كُلُّ هَؤُلَاءِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ
مِثْلَ حَدِيثِ اللَّيْثِ عَنْ نَافِعٍ قَالَ أَبُوطَالُوتُ
وَحَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ يَسْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ
نُمَيْرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ بِهَذَا
مِثْلَ حَدِيثِ اللَّيْثِ عَنْ نَافِعٍ -

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد اپنے باپ کے مال کا
محافظ ہے اور اس سے اس کے متعلق سوال ہوگا۔

۴۶۱۲ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَيَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ وَ
قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَابْنُ حُجْرٍ كُلُّهُمْ عَنْ إِمَامِ عِلِّ
بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حَدَّثَنِي حَوْصَلَةُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي
يُوسُفُ بْنُ ابْنِ شَرَاهِبٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ
عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَقُولُ بِمَعْنَى حَدِيثِ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَرَأَدَ فِي
حَدِيثِ الزُّهْرِيِّ قَالَ وَحَسِبْتُ أَنَّكَ قَدْ قُلْتَ الرَّجُلُ
مَا أُعْزِيَ فِي مَالِ أَبِيهِ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَاعِيَتِهِ -

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم سے اس کی مثل حدیث روایت کی ہے۔

۴۶۱۳ - وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ
وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ عَبْدِ اللَّهِ ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي
رَجُلٌ سَنَاهُ وَعَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ بَكْرِ عَنْ
بُسَيْرِ بْنِ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْمَعْنَى -

حسن بیان کرتے ہیں کہ عبید اللہ بن زیاد، حضرت
سعل بن یسار رضی اللہ عنہ کی اس مرضی میں عیادت کرنے
کے لیے گیا جس میں ان کی وفات ہو گئی، حضرت سعل نے
فرمایا میں تم کو ایک ایسی حدیث سنانا ہوں جس کو میں نے
خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، اگر مجھے
یہ یقین ہوتا کہ میں ابھی اور زندہ رہوں گا تو یہ حدیث نہ

۴۶۱۴ - وَحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخٍ حَدَّثَنَا
أَبُو الْأَشْهَبِ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ عَادَ عُبَيْدُ اللَّهِ ابْنُ
زَيْيَادٍ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ الْمُرَدِّيَّ فِي مَوْضِعِهِ الَّذِي مَاتَ
فِيهِ فَقَالَ مَعْقِلُ إِنِّي مُحْتَدِّثُكَ حَدِيثًا
سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ
عَلِمْتُ أَنَّ لِي حَيَاةً مَا حَدَّثْتُكَ إِنِّي سَمِعْتُ

رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللَّهُ رَعِيَةً يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٍ لِرَعِيَّتِهِ إِلَّا حَوَّمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ.

سناء میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کسی رعایا کا حاکم بنایا ہو اور وہ شخص جس دن مرے اس دن وہ اپنی رعایا کے ساتھ عیانت کرتا ہو اور اسے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔

۴۶۱۵- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ الْحُسَيْنِ قَالَ دَخَلَ ابْنُ زِيَادٍ عَلَى مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ وَهُوَ وَجَعٌ بِمِثْلِ حَبِثِ آفِي الْأَشْهَابِ وَنَزَّادَ قَالَ أَلَا كُنْتَ حَدَّثْتَنِي هَذَا قَبْلَ الْيَوْمِ قَالَ مَا حَدَّثْتُكَ أَذْ لَمْ أَكُنْ لِأَحَدٍ تَك.

حسن کہتے ہیں کہ ابن زیاد حضرت معقل کے پاس گیا دراکں حالیکہ ان کو درد تھا، اس کے بعد مثل سابق حدیث ہے البتہ اس میں یہ زائد ہے ابن زیاد نے کہا آپ نے آج سے پہلے یہ حدیث مجھے کیوں نہیں بیان کی؟ حضرت معقل نے فرمایا میں نے نہیں بیان کی یا فرمایا میں تمہارے لیے نہیں بیان کرتا۔

۴۶۱۶- وَحَدَّثَنَا أَبُو عَاسِمٍ السَّمْعِيُّ وَاسْمُهُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ اسْمُهُ أَخْبَرَنَا قَالَ الْأَخْوَانُ حَدَّثَنَا مَعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي آفِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ آفِي الْمَلِكِ أَنَّ عُبَيْدَ اللَّهِ بْنَ زِيَادٍ دَخَلَ عَلَى مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ فِي مَرَضِهِ فَقَالَ لِمَا مَعْقِلُ آفِي مَخَافَتِكَ بِحَدِيثِ لَوْ لَا آفِي فِي الْمَوْتِ لَمَّا حَدَّثْتُكَ بِهِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ أَمِيرٍ يُلِي أَمْرَ الْمُسْلِمِينَ ثُمَّ لَا يَجْهَدُ لَهُمْ وَيُنْصَرُّ إِلَّا لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ.

ابو اسیم بیان کرتے ہیں کہ عبید اللہ بن زیاد حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بیماری میں ان کے پاس گیا حضرت معقل نے کہا میں تم کو ایک حدیث بیان کروں گا اور اگر میں مرض الموت میں نہ ہوتا تو پھر تم کو یہ حدیث بیان کرتا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جو امیر مسلمانوں پر حاکم ہو اور ان کی غیر خواہی میں جدوجہد نہ کرے وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

۴۶۱۷- وَحَدَّثَنَا عَقْبَةُ بْنُ مَكْرَمٍ الْعَتِيُّ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ اسْمَعِيلَ أَخْبَرَنَا مَسَاةُ بْنُ آفِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنِي آفِي أَنَّ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ مَرَضَ فَأَتَاهُ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ زِيَادٍ يُعَوِّدُهُ أَنْ يُحَوِّدَهُ نَبِيَّ الْحُسَيْنِ عَنْ مَعْقِلِ.

ابو الاسود بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے بیان کیا کہ حضرت معقل بن یسار بیمار ہو گئے تو عبید اللہ بن زیاد ان کی عیادت کے لیے گیا۔

۴۶۱۸- حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخٍ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ أَنَّ عَائِدَ بْنَ عَمْرٍو وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے حضرت عائد بن عمرو بیان کرتے ہیں وہ عبید اللہ بن زیاد کے پاس گئے اور فرمایا اے بیٹے! میں نے رسول اللہ

وَنَحَلَ عَلَى عُنَيْنِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ فَقَالَ أَيْ بُنَى ابْنِي سَمِعْتُ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ كُفْرَ
الرَّعَايَةِ الْخَطِيئَةُ فَإِنَّا لَكُ أَنْ تَكُونُ مِنْهُمْ فَقَالَ
لَهُ إِجْلِسْ فَإِنَّمَا أَنْتَ مِنْ تَحَالُفِ أَصْحَابِ
مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَهَلْ كَانَتْ
لَهُمْ تَحَالُفٌ لَأَنَّمَا كَانَتْ التَّحَالُفُ بَعْدَهُمْ
وَفِي غَيْرِهِمْ.

صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے "بہترین حاکم
ظالم بادشاہ ہے تم اس سے بچنا، اس نے کہا بیٹو!
تم تو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا
تلمیض (بھڑی یا آخر میں بچنے والا نسل بچل) ہو، انہوں
نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں
تلمیض بھی ہے؟ تلمیض تو بعد کے لوگوں میں ہوگا
یا غیر صحابہ میں ہوگا!

اللہ تعالیٰ کے دائیں ہاتھ یا دائیں جانب سے کیا مراد ہے؟ | حدیث نمبر ۴۶۰۸ میں ہے: عدل کرنے
نور کے منبروں پر ہوں گے۔

اس حدیث میں نور کے منبروں سے یا حقیقت مراد ہے یا مجازاً بلند مراتب مراد ہیں۔
اللہ کی دائیں جانب سے کیا مراد ہے؟ بعض متکلمین نے کہا ہم ان الفاظ پر ایمان لاتے ہیں امدان کی تائید نہیں کرتے
ہر چند کہ ہم کو یہ علم نہیں کہ اللہ کی دائیں جانب کا کیا معنی ہے لیکن ہر حال اس کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے، اور اس لفظ کا کوئی ایسا
معنی ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے، جمہور اسلام اور بعض متکلمین کا یہی نظریہ ہے، جمہور متکلمین یہ کہتے ہیں کہ
اس لفظ کا کوئی ایسا معنی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے، قاضی عیاض نے کہا دائیں جانب سے اچھی حالت
اور بلند مرتبہ مراد ہے، ابن عرفہ نے کہا اہل عرب افعال محمودہ اور جہت محمودہ کو یمن سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کی ضد
کو یسار سے تعبیر کرتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ یمن ہیں
اس میں یہ تعبیر ہے کہ یمن سے مراد حضور نہیں ہے، کیونکہ اعضاء کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے۔

محمد بن ابوبکر کے قتل کی تفصیل | حدیث نمبر ۴۶۰۸ میں محمد بن ابی بکر کا ذکر ہے، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان
کو قتل کر دیا گیا تھا، اور قتل کے طریقہ میں اختلاف ہے، ایک قول

یہ ہے کہ یہ موکر (میدان جنگ) میں قتل کیے گئے، دوسرا قول یہ ہے کہ جنگ کے بعد ان کو قید کی حالت میں قتل کیا
گیا، ایک قول یہ ہے کہ جنگ کے بعد یہ ایک دیرانے میں گدھے کی کھال میں مروہ پائے گئے اور پھر ان کو مچا لیا گیا
حافظ ابن حجر مستطافی محمد بن ابی بکر کے متعلق لکھتے ہیں:

محمد بن ابی بکر کے والد حضرت ابوبکر عبداللہ بن عثمان ہیں، ان کی والدہ اسماء بنت عیسٰی خثعمیہ ہیں یہ حجرہ اوداع
کے موقع پر مدینہ سے مکہ کو جانے والے راستے میں پیدا ہوئے، حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد ان کی والدہ حضرت
اسماء بنت عیسٰی رضی اللہ عنہا نے حضرت علی سے شادی کر لی اور انہوں نے حضرت علی کے ہاں پرورش پائی حضرت
علی کے ہمراہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں شریک ہوئے، پھر ماہ رمضان ۳۷ھ میں حضرت علی نے ان کو مصر کا حاکم

مقرر کر دیا۔ پھر حضرت علی نے ان کو حضرت عمرو بن عاص کے غلات جنگ کے لیے ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا، محمد بن ابی بکر نے اس جنگ میں شکست کھائی اور ۲۸ھ مصر کے مہینہ میں ان کو قتل کر دیا گیا۔

حافظ ابو عمر ابن عبدالبر، محمد بن ابی بکر کے متعلق لکھتے ہیں:

محمد بن ابی بکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پروردہ تھے، حضرت سہیل کے ہمراہ جنگ جبل اور جنگ صفین میں شریک ہوئے، پھر حضرت علی نے ان کو مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔ اور مصر میں معاویہ بن عبدیج نے ان کو قتل کر دیا، یہ ۳۸ھ کا واقعہ ہے، ان سے پہلے حضرت علی نے مالک بن حارث اشتر نخعی کو مصر کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد محمد بن ابی بکر کو گورنر بنایا، حضرت عمرو بن عاص نے محمد بن ابی بکر پر حملہ کیا، محمد بن ابی بکر نے شکست کھائی وہ ایک دیوانے میں جا کر مردہ گدھے کے پیٹ میں چھپ گئے اور ان کو گدھے کے پیٹ ہی میں جلا دیا گیا، ایک قول یہ ہے کہ معاویہ بن عبدیج نے ان کو میدان جنگ میں قتل کیا پھر بعد میں مردہ گدھے کے پیٹ میں رکھ کر جلا دیا، ایک قول یہ ہے کہ ان کو حضرت عمرو بن عاص کے پاس لایا گیا اور انھوں نے ان کو قتل کر دیا۔ حضرت علی بن ابیطالب رضی اللہ عنہ محمد بن ابی بکر کی بہت قربان اور توصیف کرتے تھے، محمد بن ابی بکر ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے گئے تھے، ایک قول یہ ہے کہ یہ ان کو قتل کرے میں شریک تھے، ایک قول یہ ہے کہ انھوں نے اپنے ساتھیوں کو اشدہ کیا اور انھوں نے حضرت عثمان کو قتل کر دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس دن حاضر تھے لیکن یہ حضرت عثمان کے قتل میں ملوث نہیں تھے، محمد بن طلحہ کہتے ہیں میں نے کانہ سے پوچھا یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا تھا، کانہ نے کہا صلاۃ اللہ! وہ من حضرت عثمان کے پاس گئے تھے، حضرت عثمان نے فرمایا اے میرے بھتیجے کیا تم میرے ساتھی نہیں ہو؟ پھر کچھ گفتگو فرمائی تو یہ واپس چلے گئے، میں نے کانہ سے پوچھا پھر حضرت عثمان کو کس نے قتل کیا تھا، انھوں نے کہا وہ مصر کا رہنے والا ایک شخص تھا اس کا نام جلد بن لہم تھا۔

ترکیب کبیرہ پر جنت حرام ہونے کی توضیحات | حدیث نمبر ۴۶۱۰ میں ہے، تم میں سے ہر شخص راعی ہے، راعی اس شخص کو کہتے ہیں جو حافظ

اور امین ہو اور اپنے ماتحت لوگوں کی اصلاح کا ذمہ دہ ہو، حدیث نمبر ۴۶۱۱ میں ہے جو حاکم اپنی رعایا کے ساتھ خیانت کرے اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا، اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ رعایا کے ساتھ خیانت کرنا گناہ کبیرہ ہے کفر نہیں ہے، پھر جنت کے حکم ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اس کے تین جواب ہیں اول یہ ہے کہ جو شخص حلال کچھ کو خیانت کرے گا وہ کافر ہو جائے گا اور اس پر جنت حرام ہو جائے گی۔ ثانی: ایسا شخص اپنے گناہ کی سزا پا کر جنت میں جائے گا اس پر جنت میں ابتداء داخل ہونا حرام کر دیا جائے گا۔ ثالث: اس کے حباب میں تاخیر کی جائے گی اس وجہ سے اس پر ابتداء دخول حرام ہوگا۔

حدیث ۴۶۱۸ میں ہے کہ: عبید اللہ بن زیاد نے حضرت عائشہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو صحابہ کی بھوسی کہا ہے یہ اس

۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، الاصابہ ج ۲ ص ۴۷۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ ۱۴۰۸ھ

۲۔ حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ، الاصابہ علی لہ مش الاصابہ ج ۲ ص ۳۳۹-۳۴۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت،

نجیث کے بارگاہ صحابیت میں گستاخی تھی، تمام صحابہ امت کے پسندیدہ افراد ہیں اور اس امت کے سردار ہیں اور وہ کے تمام لوگوں سے افضل ہیں اور تمام صحابہ عادل اور نیک ہیں، صحابہ کرام میں سے کوئی شخص مجوسی اور تلخچٹ کا مصداق نہیں ہے۔

بَابُ غِلْظٍ تَحْرِيمِ الْغُلُولِ

مال غنیمت میں خیانت کرنے پر عذاب

کی وعید

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما ہوئے اور آپ نے مال غنیمت میں خیانت کرنے کی بہت مذمت کی اور اس پر سخت سزا کا ذکر کیا اور فرمایا: میں تم میں سے کسی شخص کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر اونٹ سوار ہو کر بڑبڑا رہا ہو، اور وہ شخص کہے: یا رسول اللہ! میری مدد کیجئے اور میں کہوں گا میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں میں تم کو تبلیغ کر چکا ہوں، میں تم میں سے کسی شخص کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر گھوڑا سوار ہو کر منہنار رہا ہو، وہ شخص کہے: یا رسول اللہ! میری مدد کیجئے اور میں کہوں گا کہ میں تمہاری لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تم کو تبلیغ کر چکا ہوں، میں تم میں سے کسی شخص کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر بکری سوار کر سننا رہی ہو۔

وہ کہے یا رسول اللہ! میری مدد کیجئے میں کہوں گا میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں میں تم کو تبلیغ کر چکا ہوں میں تم میں سے کسی شخص کو اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر کبوتر کی جان سوار ہو اور وہ چیخ رہا ہو وہ شخص کہے یا رسول اللہ! میری مدد کیجئے میں کہوں گا میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں میں تم کو تبلیغ کر چکا ہوں میں تم میں سے کسی شخص کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر کچھڑا سوار ہو رہے ہوں اور وہ کہے: یا رسول اللہ! میری مدد کیجئے میں کہوں گا میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں میں تم کو تبلیغ کر چکا ہوں میں تم میں سے کسی شخص کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر بونہا چاندی سوار ہو رہے ہوں اور وہ کہے یا رسول اللہ! میری مدد

۴۶۱۷۔ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي حَتَّانَ عَنْ أَبِي ذُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ يَوْمَ قَدْ كُرِيَ الْغُلُولُ فَعَظُمَ وَعَظُمَ أَمْرُهُ ثُمَّ قَالَ لَا أَلْفِينَ أَحَدَكُمْ يَجِيئُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ بَعِيرٌ لَهُ رُعَاءٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اغْنِني فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أَلْفِينَ أَحَدَكُمْ يَجِيئُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ فَرَسٌ لَهَا جَمْعَةٌ فَيَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اغْنِني فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أَلْفِينَ أَحَدَكُمْ يَجِيئُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ نَفْسٌ لَهَا صِيَارٌ فَيَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اغْنِني فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أَلْفِينَ أَحَدَكُمْ يَجِيئُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ قَائِمٌ تَخْفِضُ فَيَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اغْنِني فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أَلْفِينَ أَحَدَكُمْ يَجِيئُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ صَامِتٌ فَيَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اغْنِني فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ

کیجئے، میں کہوں گا کہ میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں،
میں تم کو تبلیغ کر چکا ہوں۔

امام مسلم نے اس حدیث کی دو سندیں اور بیان کی
ہیں۔

۴۶۲۰- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي حَتَّانَ ۷

وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ

أَبِي حَتَّانَ وَعُمَارَةُ بْنُ الْقَعْقَاعِ جَمِيعًا

عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ بِمِثْلِ حَدِيثِ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي حَتَّانَ -

۴۶۲۱- وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ بِمِثْلِ

الَّذِي رَوَى عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ

الرَّيْحَانِيِّ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ عَنْ يَحْيَى بْنِ

سَعِيدٍ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ سَعْدِ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ

أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ الْغُلُولَ فَعَظَّمَهُ وَأَقْتَصَّ الْحَدِيثَ قَالَ

حَمَّادٌ ثُمَّ سَمِعْتُ يَحْيَى بَعْدَ ذَلِكَ يُحَدِّثُهُ

فَحَدَّثَنَا بِذَلِكَ مَا حَدَّثَنَا عَنْهُ أَيُّوبُ -

۴۶۲۲- وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ حَرَّاشٍ

حَدَّثَنَا أَبُو مَعْنٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا

أَيُّوبُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي حَتَّانَ عَنْ أَبِي

زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ بِذَلِكَ وَحْدَهُ يَثْبُتُهُمْ -

مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے دنیوی اور اخروی احکام | غل کے معنی ہتھکڑی یا طوق

خیانت میں استعمال کیا گیا کیونکہ خیانت کرنے سے اعتدال کو شرعاً روکا گیا ہے اور بعد میں اس لفظ کا استعمال مال غنیمت
میں خیانت کے ساتھ مخصوص ہو گیا۔

حدیث نمبر ۴۶۱۹ میں ہے آپ مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے لیے فرمائیں گے میں تمہارے لیے کسی
چیز کا مالک نہیں ہوں، تاہم غنیمت میں خیانت کرنے والے کا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر میں تمہارے لیے
شفاعت کرنے کا یا تم کو صاف کرنے کا اختیار نہیں رکھتا، کیونکہ اس شخص نے آپ کی مخالفت کی حتیٰ اس لیے آپ
ابتداءً عقیدہ میں اس طرح فرمائیں گے، اس کے بعد آپ تمام موجدین کی شفاعت فرمائیں گے۔

مال غنیمت میں خیانت کرنا گناہ کبیرہ ہے، مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ مال غنیمت سے چرائی ہوئی چیز کو واپس

کرنا واجب ہے، اگر لشکر متفرق ہو جائے اور ہر شخص تک اس کا حق پہنچا ناممکن ہو تو پھر اس کے حل میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام شافعی فرماتے ہیں باقی اموال منصوبہ کی طرح اس کو بھی امام یا حاکم تک پہنچانا واجب ہے، اور حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت معاویہ، حسن، زہری، اوزاعی، امام مالک، ثوری، لیث، امام احمد اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اس میں سے خمس امام کو دیا جائے اور باقی مال کو اپنے ذمہ سے بری ہونے کی نیت کر کے صدقہ کر دیا جائے (اور اس صدقہ کا ثواب اس مال کے حقدار کو پہنچا دے) مال فہیت میں خیانت کرنے والے کی سزا میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور فقہاء یہ کہتے ہیں کہ امام اپنی صواب دید کے مطابق اس کو سزا دے، اور اس کا مال جلایا نہ جائے، امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور کبیرت صحابہ اور فقہاء تابعین کا یہی نظریہ ہے، اور مکحول، حسن اور اوزاعی نے یہ کہا ہے کہ اس کا خمیس اور اس کا تمام مال جلایا جائے، اور اعلیٰ نے یہ کہا ہے کہ اس کے کپڑوں اور اس کے ہتھیاروں کے سوا اس کا باقی سامان جلایا جائے، حسن بصری نے گھوڑے اور قرآن مجید کا استثناء کیا ہے، ان فقہاء نے اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث سے استدلال کیا ہے، جمہور کہتے ہیں، اگر یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی صالح بن محمد ضعیف ہے، امام طحاوی نے کہا کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس کا تحمل یہ ہے کہ بطور سزا اس کا اٹھواں مال ضبط کر لیا جائے جس طرح زکوٰۃ نہ دینے والے کا مال ضبط کر لیا جاتا ہے۔ لہ

ناجائز مال کے ذمہ سے بری ہونے کا طریقہ | جس شخص نے کسی بھی طریقہ سے کوئی ناجائز مال حاصل کیا ہو، خواہ چوری سے، یا رشوت سے

یا سود سے یا کسی کا مال غصب کیا ہو یا خیانت کی ہو اور اب وہ اس پر نادم ہو اور اس کی تلافی کرنا چاہتا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مال اس کے مالک کو ٹوٹا دے اور اگر وہ مر گیا ہو تو اس کے وارثوں کو واپس کر دے۔ اور اگر کسی کا پتا نہ چلے تو اپنے ذمہ سے بری ہونے کی نیت کر کے اس کو کسی فقیر پر صدقہ کر دے اور اس صدقہ کا ثواب اس کے مالک کو پہنچا دے، اور اگر اس نے حکومت کا مال ناجائز طریقہ سے لیا ہے تو حکومت کو واپس کرے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ریل یا ہوائی جہاز کے ٹکٹ خرید کر ان کو استعمال نہ کرے یا حکومت کے کسی فنڈ میں اتنے پیسے داخل کر دے۔

سرکاری ملازمین کو ہدیہ لینے کی ممانعت

حضرت البرمید سامعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی اکرم کے ایک شخص کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل بنایا، اس کا نام ابن التہید تھا، جب وہ زکوٰۃ وصول کر کے آیا تو اس نے کہا یہ آپ کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ کیلک

بَابُ تَحْرِيمِ هَذَا اَيَا الْعُمَّالِ

۴۶۲۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرُو
التَّيَّاقُ وَأَبْنُ أَبِي عُمَرَ وَابْنُ الْكَفَّارِ فِي بَكْرِ
قَالُوا حَدَّثَنَا سَفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ الزُّهْرِيِّ
عَنْ عُمَرَ وَتَمَّ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ اسْتَعْمَلَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِّنْ

ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد اور ثنا، بیان کی اور فرمایا ان ماطوں کا کیا حال ہے؟ میں ان کو زکوٰۃ وصول کرنے (بھیجتا ہوں اور یہ ذکر کہتے ہیں کہ یہ تمہارا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے، یہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر کی چیزیں نہیں بھیجتا پھر ہم دیکھتے کہ اس کو کوئی چیز ہدیہ کی جاتی ہے یا نہیں، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے تم میں سے جو شخص جس میں اموال میں سے کوئی چیز بھی رہے گا، قیامت کے دن وہ مال اس کی گردن پر سوار ہوگا، کسی شخص کی گردن پر اونٹ بڑبڑا رہا ہوگا یا لکڑی کا ڈکڑا رہی ہوگی یا بجری منڈا رہی ہوگی، پھر آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے بلند کیے کہ ہم نے آپ کی بنوں کی سفیدی دیکھی، اس کے بعد آپ نے دو مرتبہ فرمایا، اے اللہ میں نے تبلیغ کر دیا ہے۔

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد کے ابن اللہبۃ نام کے ایک شخص کو زکوٰۃ کی وصولی یا پی کے لیے عامل بنایا، اس نے مال لا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا اللہ کا یہ آپ کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: تم اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں جا کر کیوں نہیں بیٹھے، پھر ہم دیکھتے کہ تمہیں ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں! پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر غلبہ دیا، پھر حسب سابق حدیث ہے۔

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد کے ایک شخص کو بنو سلیم کے صدقات وصول کر کے لیے عامل بنایا اس کو ابن اللہبۃ کہا جاتا تھا، جب وہ مال وصول کر کے لایا تو حساب کرنے لگا، یہ تمہارا مال ہے اور یہ ہدیہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو اپنے

الْأَسَدُ يُقَالُ لَهُ ابْنُ التَّيْبَةِ قَالَ عَنْهُ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ عَلَى الصَّدَقَةِ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ هَذَا لَكُمْ وَهَذَا إِلَيَّ أُهْدِيَ لِي قَالَ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمَنْبَرِ فَجَدَّ اللَّهُ وَآثَنَى عَلَيْهِ وَقَالَ مَا بَالُ عَامِلٍ أَبْعَثُوا فَيَقُولُ هَذَا لَكُمْ وَهَذَا إِلَيَّ أُهْدِيَ لِي أَفَلَا قَعَدْتُ فِي بَيْتِ آبِيئِي أَوْ فِي بَيْتِ أُمِّي حَتَّى يَنْظُرَ أَيُّهُدَى إِلَيَّ أَمْ لَا وَالَّذِي فِي نَفْسِي مُحْتَمِدٌ بِيَدِهِ لَا يَمُنُّ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنْهَا شَيْئًا إِلَّا جَاءَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلَى حَنْقِهِ بَعِيدٌ لَدُنْ رُغَاءٍ أَوْ بَعِيدٌ لَهَا نُحُورًا أَوْ شَاةٌ تَبْعُرُ ثَمَرًا فَهَ يَدِيهَا حَتَّى رَأَيْنَا عُمَرَ قِيَابُطِيَّةً ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ هَلْ بَلَغْتُ مَرَّتَيْنِ - ۴۶۲۴

بُنْ حُمَيْدٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُمَرَ وَكَانَ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ الشَّاعِدِيِّ قَالَ اسْتَعْمَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَ النَّسْبِيقَةِ رَجُلًا مِّنَ الْأَزْدِ عَلَى الصَّدَقَةِ فَجَاءَ بِالْمَالِ فَدَعَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَذَا مَا لَكُمْ وَهَذِهِ هِيَ كَيْفَ أُهْدِيَتْ لِي فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَلَا قَعَدْتُ فِي بَيْتِ آبِيكَ وَأُمِّيكَ فَتَنْظُرَ أَيُّهُدَى إِلَيْكَ أَمْ لَا ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَ النَّاسَ وَكَوْنَهُ وَحَدِيثُ سَفِيَّانَ -

۴۶۲۵ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَدَاةِ حَدَّثَنَا أَبُو اسْمَاءَ حَدَّثَنَا هِشَامُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ الشَّاعِدِيِّ قَالَ اسْتَعْمَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِّنَ الْأَزْدِ عَلَى صَدَقَاتِ بَنِي سُلَيْمٍ يُدْعَى ابْنُ الْأَتَيْبَةِ فَلَمَّا جَاءَ حَاسِبُهُ قَالَ هَذَا مَا لَكُمْ وَهَذِهِ أُهْدِيَتْ لِي

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَلْدُ
 جَلَسْتُ فِي بَيْتِ أَبِيكَ وَأُمِّكَ حَتَّى تَأْتِيَكَ
 هَذِهِ تَيْتُكَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا ثُمَّ خَطَبَنَا قَاصِدُ اللَّهِ
 وَأَتْنِي عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَيَا أَيُّهَا السَّامِعُ الْغَافِلُ
 مَكُومٌ عَلَى الْعَمَلِ مِمَّا وَلَا يَلِي اللَّهُ فَيَا أَيُّهَا الْقَائِلُ هَذَا
 مَا لَكُمْ وَهَذَا هَدْيِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي أَفَلَا جَلَسَ
 فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَأُمِّهِ حَتَّى تَأْتِيَهُ هَذِهِ تَيْتُهُ إِنْ
 كَانَ صَادِقًا وَاللَّهُ لَا يَأْخُذُ أَحَدًا مِنْكُمْ مِنْهَا
 شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ إِلَّا لَقِيَ اللَّهَ تَعَالَى يَحْمِلُهُ يَوْمَ
 الْقِيَمَةِ فَلَا عَمَلَ مِنْ أَحَدٍ أَمَّا بَعْدُ فَيَا أَيُّهَا السَّامِعُ الْغَافِلُ
 بَعِيدًا لَمْ رُغَاؤُكَ أَوْ بَقَرٌ لَمْ تَمُوتْ أَوْ شَاةٌ تَبْعَرُ
 ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رَوَى بَيْنَ يَدَيْهِ ابْطِئَتْ ثُمَّ
 قَالَ اللَّهُمَّ هَلْ بَلَغْتُ بَصَرَ عَيْنِي وَسَمِعَ

أُذُنِي -

باپ یا اپنی ماں کے گھر میں جا کر کیوں نہ بیٹھ گئے مگر تھپاک
 پاس تھپاک سے دے دیے آتے! پھر آپ نے ہمیں خطبہ دیا ،
 اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا اما بعد! میں تم میں سے کسی
 شخص کو کسی ایسے کام کے لیے عامل بنانا ہوں جس کی تربیت
 (افطام) اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہے، اور وہ اگر یہ
 کہتا ہے کہ یہ تھپاک مال ہے اور یہ مجھے دے دیا ہے ،
 وہ شخص اگر سچا ہے تو وہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں
 جا کر کیوں نہیں بیٹھ گیا حتیٰ کہ اس کے پاس اس کا ہدیہ آگیا،
 بخدا تم میں سے جو شخص بھی اس مال میں سے کوئی ناختم چیز
 لے گا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں
 ملاقات کرے گا کہ وہ چیز اس کی گردن پر سوار ہوگی، میں
 تم میں سے کسی شخص کو نہ پہچانوں گا وہ اللہ تعالیٰ سے اس
 حال میں لے گا کہ وہ بڑبڑاتا ہوا اونٹ یا ڈکرائی ہوئی گائے
 یا منٹائی ہوئی بکری کو اٹھائے، ہونٹے ہوگا، پھر آپ نے
 اپنے ہاتھ بلند کیے حتیٰ کہ آپ کی بٹوں کی سفیدی دکھائی دی
 اس کے بعد آپ نے فرمایا اے اللہ! کیا میں نے تبلیغ کر
 دی ہے! اس واقعہ کو میری آنکھوں نے دیکھا اور میرے
 کانوں نے سنا۔

المسلم دو سندوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں،
 جب وہ شخص آیا تو اس نے حساب کیا، اور ابن نمیر کی روایت
 میں ہے تم جان لو گے، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ وقت
 میں میری جان ہے، تم میں سے جو شخص بھی اس مال میں
 سے کسی چیز کو لے گا... سفیان کی روایت میں ہے
 میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا، ام
 لوگ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے پوچھ کر کوئی نکتہ
 بھی اس موقع پر میرے ساتھ تھے۔

۴۶۲۶ - وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ
 وَابْنُ كُثَيْبٍ وَأَبُو مَعَاوِيَةَ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ
 أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ وَ
 حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ كُلُّهُمْ عَنْ
 هِشَامٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَفِي حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ وَابْنِ
 كُثَيْبٍ كَلِمَاتُ جَاءَ حَامِسُكُمْ قَالَ أَبُو سَامَةَ وَفِي
 حَدِيثِ ابْنِ كُثَيْبٍ تَعْلَمَنَّ وَاللَّهُ وَالَّذِي نَفْسِي
 بِيَدِهِ لَا يَأْخُذُ أَحَدًا مِنْكُمْ شَيْئًا وَفِي حَدِيثِ
 سُفْيَانَ قَالَ بَصَرَ عَيْنِي وَسَمِعَ أُذُنَايَ وَسَلَوْنَا يَدَايَ
 بِنِ تَابِتٍ فَإِنَّهُ كَانَ حَاضِرًا مَعِيَ -

۴۶۲۷ - وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے

أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ ذَكْوَانَ
(وَهُوَ أَبُو الزَّيْنَادِ) عَنْ عُمَرَ وَثَمَةَ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ أَبِي
حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
سَلَّمَ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلَى الصَّدَقَاتِ فَجَاءَ بِسَوَادٍ
كَثِيرٍ فَجَعَلَ يَقُولُ هَذَا لَكُمْ وَهَذَا لِي فَقَالَ
فَذَكَّرْنَاهُ قَالَ عَمْرُوهُ فَقُلْتُ لِأَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ
أَسَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ
مِنْ فِينِي إِلَى أَذُنِي.

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو صدقات کا
عامل بنایا، وہ بہت زیادہ مال کے کمرہ آیا اور کہنے لگا یہ
قریباً سال ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے، اس کے بعد
حب سائبی حدیث ہے، عروہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت
ابو عبیدہ ساعدی سے پوچھا کیا تم نے اس حدیث کو رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا تھا؟ انہوں نے کہا
میں نے یہ حدیث آپ کے منہ سے اپنے کانوں سے
سنی ہے۔

٧٤٢٨ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا
وَكَيْعُ بْنُ الْجَوَارِحِ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ
عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ عِدِّي بْنِ عَمْرٍو الْكِنْدِيِّ
قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَقُولُ مَنْ اسْتَعْمَلَنَا مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ فَكْتَمْنَا
مَنْحِيطًا فَمَا فَوْقَهُ كَانَ عَمَلًا يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
قَالَ فَقَامَ إِلَيْنَا رَجُلٌ أَسْوَدُ مِنَ الْأَنْصَارِ كَأَنِّي
أَنْظُرُ إِلَيْهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمِلْ عَمَلِي عَمَلَكَ
قَالَ وَمَا لَكَ قَالَ سَمِعْتُكَ تَقُولُ كَذَا وَكَذَا قَالَ
وَأَنَا أَقُولُهُ الْآنَ مِنْ اسْتَعْمَلَنَا مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ
فَلْيَجِئْ بِقَلِيلٍ وَكَثِيرٍ فَمَا أَوْقَى مِنْهُ أَخَذَ
وَمَا نَهَى عَنْهُ انْتَهَى -

حضرت عدی بن حمیرہ کنزی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، ہم تم میں سے جس شخص کو کسی کام پر عامل بنائیں اور وہ ایک سوئی یا اس سے بھی کم چیز چھپلے تو یہ خیانت ہوگی اور وہ قیامت کے دن اس چیز کو لے کر آئے گا، حضرت عدی کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا پھر ایک سیاہ رنگ کا انصاری کھڑا ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! آپ مجھ سے اپنا کام واپس لے لیجئے! آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں نے آپ کو اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے، آپ نے فرمایا میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ ہم نے تم میں سے جس شخص کو کسی کام کا عامل بنایا وہ ہر جھوٹی بڑی چیز کو لے کر آئے، اس کے بعد جو چیز اس کو دہی جانے والی لے لے اللہ جبرہ دی جائے اس سے باز رہے۔

امام مسلم نے اس حدیث کو دو اور سندوں سے ذکر کیا ہے۔

٢٧٢٩- وَحَدَّثَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ
حَدَّثَنَا أَبِي وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشِيرٍ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ
رَافِعٍ حَدَّثَنَا أَبُو أَسَمَةَ قَالَ وَاحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ
بِهَذَا الْأِسْنَادِ بِمِثْلِهِ

حضرت عدی بن عیینہؓ کندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے

٢٦٣. وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ التَّمِيمِيُّ
أَخْبَرَنَا الْقَضْلُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ

ہوئے سلب ہے، اس کے بدل میں سالبین حدیث ہے

أَبُو خَالِدٍ أَخْبَرَنَا قَيْسُ بْنُ أَبِي حَارِثٍ قَالَ سَمِعْتُ
عَبْدَ بْنَ عَصِيْمٍ يَقُولُ يَقُولُ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بِمِثْلِ جَدِّهِ وَشَيْهِهِ

ف: اس باب کی امارت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مال کا اپنے کام کے سلسلہ میں دیر لینا حرام ہے، اگر کسی شخص
سے دیر لیا اور اس پر نام ہے تو وہ دیر دینے والے کو واپس کر دے اور اگر اس کا تپانہ چلے تو برکت من الذمہ
کی نیت سے کسی فقیر پر اس کو صدقہ کر دے اور اس کا ثواب دیر دینے والے شخص کو پہنچا دے۔

باب ۲۹ وجوب طاعة الأُمراء في غير

مَعْصِيَةٍ وَتَحْرِيمُهَا فِي الْمَعْصِيَةِ

۴۶۳۱ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَهَرُونَ
بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَ

أَبُو جَوْرٍ عَنْ تَوَاتُلِ الْكَلَامِ الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فِي عِبَادَةِ اللَّهِ

بْنُ حَدَّثَنَا بَن قَيْسِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الشَّهْبِيُّ بَعَثَهُ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ أَخْبَرَنِيهِ يَعْلَى

بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ -

۴۶۳۲ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا
أَبُو بَكْرٍ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحِمْزِيُّ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ

الْأَعْمَرِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ يَعُصِنِي

فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَمَنْ يُطِيعِ الْإِمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي
وَمَنْ يَعُصِيَ الْإِمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي -

۴۶۳۳ - وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَهَرُونَ
عَيْنَةً عَنْ أَبِي الزِّنَادِ بِهَذِهِ الْإِسْنَادِ وَلَهُ يَدٌ كُودٌ وَمَنْ

يَعُصِيَ الْإِمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي -

۴۶۳۴ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا
وَهْبُ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَهُ قَالَ
حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ

وجوب اور معصیت میں تحریم

ابن جریر نے بیان کیا کہ قرآن مجید کی آیت

(ترجمہ) "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور

رسول کی اطاعت کرو اور صاحبان امر کی" حضرت عبداللہ

بن حذافہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، جب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک لشکر کا امیر بنا کر روانہ

کیا تھا، ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ اس کو حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری اطاعت

کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی

اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی

نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

ایک اور سند سے یہ حدیث مروی ہے اور اس میں

یہ نہیں ہے "جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی

کی"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اطاعت

کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی

کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی

نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ. وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَانِي.

کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

۴۶۳۵- وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ زِيَادِ بْنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَهُ أَنَّ سَمِعَةَ أَبَاهُ يَرْوَاهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ سَوَاءٍ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے بعد اس کی مثل ہے۔

۴۶۳۶- وَحَدَّثَنِي أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي عُلَيْقَةَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ مِنْ فَيْدٍ إِلَى فَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ سَمِعَ أَبَا عُلَيْقَةَ سَمِعَ أَبَاهُ يَرْوَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ حَدِيثُهُمْ.

امام مسلم نے کہا ہے کہ میں مختلف سندوں کے ساتھ اس حدیث کی مثل حضرت ابو ہریرہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔

۴۶۳۷- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مَلَيْكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِهِمْ.

ایک اور سند کے ساتھ اس حدیث کی مثل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے۔

۴۶۳۸- وَحَدَّثَنِي أَبُو الْقَاسِمِ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ حَيْوَةَ أَنَّ أَبَا يُونُسَ مَوْلَى أَبِي هُرَيْرَةَ حَدَّثَنَا قَالَ سَمِعْتُ أَبَاهُ يَرْوَاهُ يَقُولُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ وَقَالَ مَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي وَكَفَّ يَدَهُ عَنْ مِثْرَةٍ وَكَذَلِكَ فِي حَدِيثِ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا... اور فرمایا جس نے میری اطاعت کی، یہ نہیں فرمایا جس نے میرے امیر کی اطاعت کی۔

۴۶۳۹- وَحَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَتَقِيَّةُ بْنُ سَعِيدٍ يَلَاهُمَا عَنْ يَعْقُوبَ قَالَ سَعِيدٌ حَدَّثَنَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشکل اور آسانی میں

يَعْتُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ مَرَّ مِنْ أَبِي
صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ
فِي عَسْرِكَ وَيُسْرِكَ وَمُلْطِطِكَ وَمَكْرَهِكَ وَأَثَرِكَ
عَلَيْكَ -

۴۶۴۰ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَبْدُ
اللَّهِ بْنُ بَزَّازٍ الْأَشْعَرِيُّ وَابْنُ كُرَيْبٍ قَالُوا حَدَّثَنَا ابْنُ
إَدْرِيسَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي عُمَرَ أَنَّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ
بْنِ الصَّامِتِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ إِنْ عَلِيٌّ أَوْ صَاحِبُ
أَنْ أَسْمَعُ وَأَطِيعُ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا مُجَدَّعًا لَأَطِيعُ إِيَّاهُ -
۴۶۴۱ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ
بْنُ جَعْفَرٍ وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا النَّضْرُ بْنُ
هَمِيلٍ جَمِيعًا عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي عُمَرَ أَنَّ يَهْدَا
الْإِسْنَادَ وَقَالَ فِي الْحَدِيثِ عَبْدٌ أَحَبُّنَا مُجَدَّعٌ
الْأَطْرَافِ -

۴۶۴۲ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَعَاذٍ
حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي عُمَرَ أَنَّ يَهْدَا
الْإِسْنَادَ كَمَا قَالَ ابْنُ إِدْرِيسَ عَبْدًا مُجَدَّعًا لَأَطِيعُ إِيَّاهُ -
۴۶۴۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ
بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ يَحْيَى بْنِ حَصْنٍ
قَالَ سَمِعْتُ جَدِّي فِي حَدِيثٍ أَتَاهَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فِي حُجَّةِ الْوَدَاعِ
هُوَ يَقُولُ وَلَوْ اسْتَعِيلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ يَقْذُوكُمْ
يَكْتَابُ بِكُمْ فَاسْتَعِيلُوا لَهُمْ وَأَطِيعُوا -

۴۶۴۴ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
بْنُ جَعْفَرٍ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ يَهْدَا
الْإِسْنَادَ وَقَالَ عَبْدٌ أَحَبُّنَا -

۴۶۴۵ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا
وَكَيْعُ بْنُ الْجَوَّارِ عَنْ شُعْبَةَ يَهْدَا الْإِسْنَادَ وَقَالَ

غوثی اور ناغوثی میں اور حبیبتم پر کسی اور کو ترہیح دی جائے
ان تمام حالات میں تم پر امیر کے احکام سننا اور اس کی اطاعت
کرنا لازم ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے
عیسٰی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ وصیت کی ہے کہ سنو
اور اطاعت کرو خواہ ایک امضہ بریدہ غلام تم پر حاکم ہو۔

ایک اور سند کے ساتھ ہے خواہ امضہ بریدہ حبشی
غلام حاکم ہو۔

ایک اور سند کے ساتھ ہے خواہ امضہ بریدہ
غلام ہو۔

یحییٰ بن حصین کہتے ہیں کہ میں نے اپنی داوی سے
سادہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اگر تم پر ایک
غلام کو حاکم بنایا جائے اور وہ تم کو کتاب اللہ کے موافق احکام
بیان کرے تو اس کے احکام سنو اور اس کی اطاعت
کرو۔

ایک اور سند کے ساتھ حبشی غلام کا ذکر ہے۔

ایک اور سند کے ساتھ حبشی غلام کا ذکر ہے۔

عَبْدًا أَحَبَّ شَيْئًا مُجَدَّدًا۔

۴۶۴۶ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ بِشْرِ حَدَّثَنَا
بَهْرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ بْنُ يَزِيدٍ الْإِسْطَارِدِيُّ وَلَمْ يَذْكُرْ حَبَشِيًّا
مُجَدَّدًا وَهَذَا أَتَاهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِي أَوْ بَعْدَ قَاتٍ۔

۴۶۴۷ - وَحَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ حَدَّثَنَا
الْحَسَنُ بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا مَعْقِلٌ عَنْ نَافِعِ بْنِ
أَبِي أُتَيْسَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ حَصِينٍ عَنْ جَدِّهِ
أُمِّهِ الْحَصِينِ قَالَ سَمِعْتُهَا تَقُولُ حَبِطَتْ مَعَهُ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُجَّةُ الْوَدَاعِ قَالَتْ فَقَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلًا كَثِيرًا
فَمَا سَمِعْتُهُ يَقُولُ إِنَّ أَمْرَ عَلَيْكُمْ عَبْدًا مُجَدَّدًا حَبِطَتْهَا
قَالَتْ أَمْوَدٌ يَقُولُ كُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ فَاسْتَمِعُوا لَهُ
وَاطِيعُوا۔

۴۶۴۸ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ
عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ حُمْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ
السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ قِيمًا أَحَبَّ وَكَرِهًا إِلَّا أَنْ يَأْمُرَ
بِمَعْصِيَةٍ فَإِنْ أَمَرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ
وَلَا طَاعَةَ۔

۴۶۴۹ - وَحَدَّثَنَا هُشَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَحُمَيْدُ
بْنُ الْمُثَنَّى قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى (وَهُوَ الْقَطَّانُ) ح وَ
حَدَّثَنَا ابْنُ ثَمِيرٍ حَدَّثَنَا أَبِي كَلَاهُمَا عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ
بِهَذَا الْإِسْنَادِ مُثْلَهُ۔

۴۶۵۰ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ
بَشَّارٍ وَالْقَطَّانُ ابْنُ الْمُثَنَّى قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ
جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ سَعْدِ ابْنِ
عُبَيْدٍ عَنْ أَبِي عُبَيْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ جَيْشًا وَ أَهْرَ

ایک اور سند کے ساتھ نیکے و حبشی کا ذکر ہے
اور یہ اضافہ ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے منی یا مرنات میں سنا۔

حضرت ام حنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں گئی، رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی باتیں فرمائیں، پھر میں نے
اپ کر یہ فرماتے ہوئے سنا اگر تم پر ایک نیکے غلام دیر
گمان ہے آپ نے سیاہ بھی فرمایا (کہ بھی حکم بنا دیا
جائے اور وہ تم کو کتاب اللہ کے مطابق حکم دے کر
اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان شخص
پر حاکم کی بات سنا اور اس کی اطاعت کرنا لازم ہے خواہ
اس کی بات اس کو پسند ہو یا ناپسند، البتہ معصیت کا حکم مستثنیٰ
ہے اگر اس کو معصیت کا حکم دیا جائے تو اس میں سماع
ہے نہ طاعت۔

امام مسلم نے اس حدیث کی دو اور سندیں ذکر کی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منکر بھیجا اور ایک شخص
کو اس کا امیر بنایا اس شخص نے آگ جلائی اور لوگوں سے
کہا اس میں داخل ہو، بعض لوگوں نے اس میں داخل ہونے
کا اہادہ کیا اور بعض نے کہا ہم آگ ہی سے تو بھاگے ہیں

عَلَيْهِمْ رَجُلًا قَاتِلًا قَدْ نَامَ أَوْ قَالَ ادْخُلُوهَا فَإِذَا
نَاسٌ أَنْ يَدْخُلُوهَا وَقَالَ الْأَخْرُؤُونَ إِنَّا قَدْ قُورِنَا
مِنْهَا قَدْ كَرِهْنَا لَكَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَالَ لِلَّذِينَ أَرَادُوا أَنْ يَدْخُلُوهَا لَوْ دَخَلْتُمُوهَا
لَمُتْنَا وَإِنَّمَا إِلَهُ الْيَوْمِ الْيَقِينُ وَمَتَى وَكَانَ
لِلْآخِرِينَ قَوْلًا حَسَنًا وَقَالَ لَا طَاعَةَ فِي
مَعْصِيَةِ اللَّهِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ

۴۶۵۱ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ
كُثَيْبٍ وَرَهْوَيْزُ بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو سَعِيدٍ الْأَشْجَعِيُّ وَ
تَقَارُ بُوَا فِي التَّفْظِ قَالُوا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا
الْأَعْمَشُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عُثَيْبٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ
عَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
سَرِيَّةً فَاسْتَحْمَلَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ
وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَسْمَعُوا لِمَا يُطِيعُوا وَأَنْ غَضِبُوا
فِي شَيْءٍ فَقَالَ أَجْمَعُوا لِي حَظًّا فَجَمَعُوا لِمَا كَرِهُوا
قَالَ أَوْ قَدْ وَانَا أَوْ قَدْ وَانَا قَالُوا قَالُوا لِمَا كَرِهُوا
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَسْمَعُوا لِي وَ
تُطِيعُوا قَالُوا بَلَى قَالَ قَاتِلُوا مَا قَاتَلَ فَانْظُرُوا
بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ فَقَالُوا إِنَّمَا كَرِهْنَا إِلَى رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّارِ فَكَانُوا
كَذَلِكَ وَسَكَنَ غَضَبُهُ وَطَفِفَتِ النَّارُ فَلَمَّا رَجَعُوا ذَكَرُوا
ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ دَخَلُوهَا مَا
تَحَرَّجُوا مِنْهَا إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ

۴۶۵۲ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ الْأَعْمَشِ بِهَذَا
الْإِسْنَادِ وَخَوَّاهُ

۴۶۵۳ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ وَ
عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الْوَلِيدِ بْنِ عُبَادَةَ

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا،
تو آپ نے ان لوگوں سے فرمایا جو آگ میں داخل ہو رہے
ہوتے تھے اگر تم آگ میں داخل ہو جاتے تو قیامت
تمک اسی میں رہتے اور وہ رسول کی تعریف فرمائی اور
فرمایا اللہ تعالیٰ کی محبت میں کسی کی اطاعت نہیں ہے اٹھا
موت نہ کی اور معروف چیز میں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور ایک انصاری کو
اس لشکر کا امیر بنایا اور لشکر کو یہ حکم دیا کہ
وہ امیر کے احکام سنیں اور اس کی اطاعت کریں، اتفاق
سے اہل لشکر کی کسی بات سے امیر غضب ناک ہو گیا،
اس نے کہا امیر سے لیے کٹریاں جمع کرو۔ لشکر نے کٹریاں
جمع کیں، پھر اس نے کہا اس میں آگ جلاؤ، انھوں نے
آگ جلائی، پھر کہا کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
میرے احکام سننے اور ان پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا
انھوں نے کہا کیوں نہیں، اس نے کہا اس آگ میں داخل ہو جاؤ، بعض
نے بعض کی طرف دیکھا اور یہ کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
آگ سے بھاگ کر ہی تو آئے ہیں وہ اسی موقع پر قائم ہے، حتیٰ کہ
اس کا عفرہ ٹھنڈا ہو گیا اور آگ بجھا دی گئی، جب وہ واپس لوٹے تو نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس واقعہ کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا، اگر یہ لوگ اس
آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر اس سے نکل نہ سکتے، اطاعت موت
نیک کاموں میں کی جاتی ہے۔

المسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان
کی ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے
ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشکل اور
آسانی میں، اور خوشی اور ناخوشی میں اور خود پر ترجیح دینے

جانے کی صورت میں، سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی اور اس پر بیعت کی کہ ہم کسی شخص سے اس کے اقتدار کے خلاف جگہ نہیں کریں گے، اور ہم جہاں کہیں بھی ہوں حق کے سوا کچھ نہیں کہیں گے اور کسی طاعت کرنے والے کی طاعت سے نہیں ڈریں گے۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

امام مسلم نے کہا کہ ایک اور سند کے ساتھ معزز عبادہ بن عامر سے اس کی مثل روایت ہے۔

عبادہ بن ابی امیہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، وہ آں مالیک وہ بیمار تھے، ہم نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے ہم کو ایسی حدیث سنائیے جس کو آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو اور وہ ہم کو نفع دے، حضرت عبادہ بن صامت نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بلایا، ہم نے آپ سے بیعت کی، آپ نے ہم سے جن چیزوں پر بیعت لی تھی وہ یہ تھیں کہ ہم غرضی اور ناخوشی میں اور مشکل اور آسانی میں اور ہم پر ترجیح دینے جانے کی صورت میں بھی سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کریں اور جو شخص صاحب اقتدار ہو اس کے خلاف جگہ نہ کریں ہاں اگر تم کو اس میں کھلم کھلا کفر نظر آئے جس کے کفر ہونے پر تمہارے پاس قرآن اور سنت

عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ بَايَعْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشِطِ وَالْمَكْرُوهِ وَعَلَى آثَرِهِ عَظِيمًا وَعَلَى أَنْ لَا نُنَازِعَهُ أَلَا مَرَأَهُ هَلَكَةً وَعَلَى أَنْ نَقُولَ بِالْحَقِّ أَيْمَانًا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللَّهِ لَوْمَةً لَا خِيَرَةَ - وَحَدَّثَنَا أَبُو كَمَيْلٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ

رَبِيعِي (أَبُو رَيْسٍ) حَدَّثَنَا أَبُو عَجَلَانَ وَعَبِيدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الْوَلِيدِ فِي هَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ -

۲۶۵۵ - وَحَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَقَ فِي عُمَرَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ (رَبِيعِي الدَّارَاوَزْدِيُّ) عَنْ يَزِيدَ (وَهُوَ ابْنُ الْهَادِ) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الْوَلِيدِ بْنِ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ أَبِيهِ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ بَايَعْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ إِدْرِيسٍ -

۲۶۵۶ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ وَهَبٍ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ عَمْرٍو وَابْنِ الْحَارِثِ حَدَّثَنِي بَكْرٌ عَنْ بَشْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ جُنَادَةَ بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَهُوَ مَرِيضٌ فَقُلْنَا حَدِّثْنَا أَصْلَحَكَ اللَّهُ بِحَدِيثٍ يَنْفَعُ اللَّهُ بِهِ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دَعَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعَنَا أَنْ فَكَانَ فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا أَنْ بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْمَنْشِطِ وَالْمَكْرُوهِ وَالْيُسْرِ وَالْعُسْرِ وَأَنْ لَا نُنَازِعَهُ أَلَا مَرَأَهُ هَلَكَةً قَالَ إِنْ أَنْ كُفَرُوا أَتَوْا جَاءَ عِنْدَكُمْ مِنَ اللَّهِ فَيُبْرَهَانُ -

سے واضح دلیل ہو تو یہ صورت مستثنیٰ ہے۔

علامہ فردی لکھتے ہیں کہ تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ غیر معصیت میں امر اور حکام کی اطاعت کرنا واجب ہے اور معصیت میں ان کی اطاعت کرنا حرام ہے۔ جمہور سلف اور خلف مفسرین، فقہاء اور دیگر علماء کا یہی قول ہے، اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور

صاحبان امر کی۔

منکر۔

جمہور سلف اور خلف مفسرین فقہاء اور دیگر علماء نے کہا ہے کہ صاحبان امر سے مراد امر اور حکام ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد علماء اور فقہاء ہیں، قرآن مجید کے بعد اس باب کی احادیث میں اس پر دلیل ہے کہ غیر معصیت میں حکام امر اور حکام کی اطاعت واجب ہے اور معصیت میں ان کی اطاعت کرنا حرام ہے۔

خلیفہ کے خلاف خروج (جنگ) کرنے کی تحقیق | اس باب کی حدیث نمبر ۴۶۵۶ میں ہے: رسول اللہ

کہ امام اور خلیفہ کے خلاف اس وقت تک جنگ نہ کی جائے جب تک تم اس میں کھلا کھلا کفر نہ دیکھو اور اس کے کفر پر تمہارے پاس قرآن اور سنت سے واضح دلیل ہو علامہ فردی لکھتے ہیں کہ یہاں کفر سے معنی مراد ہیں اور تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اگر خلفاء اور حکام ظالم اور فاسق ہوں قرآن کے خلاف خروج اور جنگ کرنا حرام ہے، اس کی تائید میں بکثرت احادیث ہیں اور اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ فسق سے سلطان معزول نہیں ہوتا، علماء نے بیان کیا ہے کہ اس کے معزول نہ ہونے اور اس کے خلاف خروج کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے خلاف جنگ کرنے سے فتنہ اور فساد پھیلے گا اور بکثرت غزیریزی ہوگی اور اس صورت میں جو فساد پھیلے گا وہ اس کو معزول نہ کرنے سے زیادہ برّا ہے۔

تقاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ کافر کی امامت منقذ نہیں ہوتی، (قرآن مجید میں ہے: یا ایہا الذین امنوا لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المؤمنین (نساء ۱۳۶)) اسے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو ولی نہ بناؤ۔ سعیدی غفرلہ) اور اس پر بھی اجماع ہے کہ خلیفہ کافر ہو جائے (لعلیاذ اللہ) تو وہ معزول کر دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر اس نے امامت مملوٰۃ کو ترک کر دیا یا کسی بدعت کو اختیار کر لیا پھر بھی معزول کر دیا جائے گا، بعض بصریین نے کہا ہے کہ بدعتی کی حکومت باقی رہے گی کیونکہ وہ تاویل کرتا ہے، تقاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ اگر خلیفہ کافر ہو جائے یا شرعیت کو تبدیل کرے یا بدعت کا ارتکاب کرے تو اس کی ولایت اور اطاعت ساقط ہو جائے گی اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کو منصب سے اتار کر کسی امام عادل کو مقرر کریں اور اگر ان سے یہ ممکن نہ ہو تو جس جماعت سے یہ ممکن ہو وہ اس کے اتارنے کی جدوجہد کرے، کافر کو معزول کرنا تو مطلقاً واجب ہے اور بدعتی کو اتارنا اس وقت واجب ہے جب ان کو اس پر غلبہ کا یقین ہو اور اگر ان کا محض متفق ہو جائے تو اس کے خلاف خروج (جنگ) واجب نہیں ہے اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس جگہ سے ہجرت کریں اور اپنے دین کو بچائیں۔

تقاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ فاسق کو اگرچہ خلیفہ بنا نا جائز نہیں ہے اور اگر خلیفہ بدعتی فاسق ہو جائے تو قسین

علماء نے کہا کہ اگر فتنہ اور جنگ کا اندیشہ نہ ہو تو اس کو معزول کرنا واجب ہے، اور جمہور اہل سنت فقہاء، محدثین اور متکلمین نے یہ کہا ہے کہ ظلم اور فسق سے خلیفہ معزول نہیں ہوتا، اس کی بیعت کو توڑنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کے خلاف خروج اور جنگ کرنا جائز ہے البتہ اس کو وعظ اور نصیحت کرنی چاہیے اور اس کو غلط سے ڈرانا چاہیے اور تابعین کی ایک عظیم جماعت نے عجاج بن یوسف کے ظلم اور خروج کیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے شریعت کو تبدیل کر دیا تھا اور اس سے کھلا کھلا کفر ظاہر ہو گیا تھا، بلکہ (علامہ دمشقی نے لکھا ہے کہ وہ خلیفہ کو نبی سے زیادہ درجہ دیتا تھا اور کہتا تھا کہ حکام کی اطاعت اللہ کی اطاعت سے زیادہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت استقامت کے ساتھ مقید ہے اور حکام کی اطاعت مطلقاً ہے اور یہ واضح کفر ہے)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام کے خلاف خروج یا جنگ کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے، جب تک اس کے خلاف سرکچہ قرآن یا کسی ایسی حدیث صحیح سے دلیل نہ ہو جس کی تاویل نہ کی جاسکتی ہو، علامہ نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں کفر سے مراد معصیت ہے اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امام کے خلاف اس وقت تک اعتراض نہ کرو جب تک کہ تم اس میں کوئی ایسی برائی نہ دیکھو جو قواعد اسلام کے خلاف ہو، اور دوسرے علماء نے کہا یہاں اثم سے مراد کفر اور معصیت ہے، اس لیے جب تک سلطان سے واضح کفر صادر نہ ہو اس پر اعتراض جائز نہیں ہے۔

بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ امام کے خلاف اس وقت تک خروج نہ کیا جائے جب تک تم اس میں کفر برآح نہ دیکھو، اور امام احمد اور امام ابن حبان نے حضرت جنادہ سے روایت کیا ہے: امام کی اس وقت تک مخالفت نہ کرو جب تک اس میں کھلی کھلی اللہ کی معصیت نہ دیکھو۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ان روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں: جس روایت میں یہ ہے کہ اس وقت تک مخالفت نہ کی جائے جب تک کفر برآح نہ ظاہر ہو وہ امام اور خلیفہ پر محمول ہے یعنی خلیفہ اور امام کی معصیت کے ظہور میں مخالفت نہ کی جائے، اہل اگر اس سے کفر برآح ظاہر ہو پھر اس کی مخالفت کی جائے اور معصیت کے ظہور میں اس کو نرمی اور ملائمت سے سمجھایا جائے بشرطیکہ اس پر قیادہ ہو، اور جس روایت میں ہے کہ اس وقت تک مخالفت نہ کرو جب تک تم اس میں کھلم کھلا اللہ کی معصیت نہ دیکھو۔ وہ خلیفہ اور امام سے کم درجہ کے حاکم پر محمول ہے مثلاً کسی صوبہ کا گورنر ہو یا کسی شہر کا کشتہ دار ہو۔

علامہ ابن اثیر نے علامہ داؤدی سے نقل کیا ہے کہ اگر ظالم حکام کو فتنہ اور ظلم کے بغیر ان کے منصب سے اتارنے پر قدرت ہو تو ان کو منصب سے اتارنا واجب ہے اور اگر اس پر قدرت نہ ہو تو پھر صبر کرنا واجب ہے، اور بعض علماء سے یہ منقول ہے کہ فاسق کو ابتداً امام بنانا جائز نہیں ہے۔ اور اگر وہ پہلے نیک تھا اور بعد میں اس نے ظلم کیا تو پھر اس کے خلاف خروج کرنے میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کے خلاف خروج کرنا جائز نہیں ہے، اہل اگر اس سے کفر برآح صادر ہو تو پھر اس کے خلاف خروج کرنا واجب ہے۔ لے

۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۲۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۳ ص ۸، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۳۸۱ھ

علامہ بدرالدین یعنی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا اس حدیث میں کفر سے مراد معصیت ہے، اور علامہ کرمانی نے کہا صحیح یہ ہے کہ یہاں کفر سے کفر ہی مراد ہے، اس کے بعد علامہ مینی نے علامہ داؤدی کی وہی عبارت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک امام اور خلیفہ سے کفر صادر نہ ہو اس وقت تک اس کے خلاف خروج جائز نہیں ہے۔ لہ

حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے خروج کا محمل | صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی

حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جب تک امام اور خلیفہ کا کفر قراح ثابت نہ ہو اس وقت تک اس کی خلافت کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے، اور اس حدیث کی بناء پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے یزید کی مخالفت کی، حالانکہ تمام صحابہ اس کی بیعت کر چکے تھے اور اس کی خلافت منعقد ہو چکی تھی اور اس کا کفر قراح ثابت نہیں ہوا تھا، پھر ان حضرات کی مخالفت کا کیا جواز تھا، علامہ عبدالعزیز پرہاروی نے اس سوال کے حسب ذیل جوابات بیان کیے ہیں:

۱۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ خلافت کے لیے اس شیعہ کی اطاعت کرنا غیر معقول تھا کیونکہ آپ فرزند رسول تھے، لیکن یہ جواب قواعد شرع کے مطابق نہیں ہے کیونکہ ارباب مل و عقد میں سے ایک شخص بھی بیعت کرے تو امامت منعقد ہو جاتی ہے اور امام عداہ ناسق ہو اس کی اطاعت کرنا واجب ہے۔

۲۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ خلافت کے حصول کے لیے نہیں گئے تھے بلکہ کوفہ میں رائے اختیار کرنے گئے تھے لیکن یہ جواب روایات صحیحہ کے خلاف ہے۔

۳۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ مجتہد تھے اور آپ کا اجتہاد یہ تھا کہ اس کی خلافت صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ کو اس شرط پر خلافت تفویض کی تھی کہ ان کے بعد یہ خلافت ان کی اولاد میں منتقل نہیں ہوگی بلکہ اس کو مسلمانوں کے مشورے پر چھوڑ دیا جائے گا، اگر یہ سوال ہو کہ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عہد شکنی کی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا وفات کے بعد یہ شرط ختم ہو گئی، اگر یہ کہا جائے کہ ہر چند کہ حضرت معاویہ کا یزید کو ولی عہد بنانا صحیح نہ تھا لیکن جب بشمول صحابہ سب لوگوں نے اس کی بیعت کر لی تو اس کی خلافت منعقد ہو گئی، اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ سے جبراً بیعت لی گئی تھی اور اگر انہوں نے اختیاراً بیعت کی تھی تب بھی اس کی خلافت ولی عہد بنانے کی صحت پر یقین تھا، جب ولی عہد بنانا صحیح نہیں تھا تو پھر خلافت کی بیعت بھی صحیح نہیں تھی، اسی وجہ سے (۲۴ ج ۱) اہل مدینہ کا یزید کی بیعت توڑنا صحیح تھا اور ان میں صحابہ اور فقہاء تابعین بھی تھے، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حدیث صحیحہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یزید کے خلاف خروج کرنے اور اس کی بیعت توڑنے سے منع کیا اور یہ فرمایا جو شخص یزید کی بیعت توڑے گا میں اس سے قطع تعلق کروں گا، (بخاری و مسلم) اس کا جواب یہ ہے کہ ایک مجتہد کا حکم دوسرے مجتہد پر لازم نہیں ہے، اگر یہ سوال ہو کہ اگر یزید کے خلاف خروج کرنا اجتہادی امر تھا تو حضرت حسین کے تابعین کی اس قدر خدمت

کے لئے کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انھوں نے کسی اجتہادی امر کی بنیاد پر حضرت حسین کو شیعہ نہیں کیا تھا بلکہ محض ہوائے نفسانہ کی بنیاد پر آپ کو شیعہ کیا اور آپ کی عزت و مجروح کی اور آپ کی ذریت کو نہایت بے حرمتی سے شام کی طرف لے گئے، نیز حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو تاکہ میں اس سے بیعت کر لوں (حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا ثابت نہیں ہے جیسا کہ ہم نے شرح صحیح مسلم جلد ثالث میں اس کی تحقیق کی ہے۔ سیدی غفرلہ) لیکن وہ شقی نہیں مانے اور آپ کو قتل کر دیا۔

۴۔ ہو سکتا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کا کفر ثابت ہو اس وجہ سے آپ نے اس کے خلاف خروج کیا ہو۔

۵۔ ہو سکتا ہے جس وقت حضرت معاویہ نے یزید کو خلیفہ بنایا تھا اس وقت وہ فاسقی ہو اس وجہ سے اس کی خلافت اصلاً منعقد نہیں ہوئی جیسا کہ بعض ائمہ کا مذہب ہے، (امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔) اور حضرت معاویہ نے اس امید سے اس کو دل عہد بنایا تھا کہ شاید اس کی اصلاح ہو جائے، کیونکہ روایت ہے انھوں نے یہ دعا کی ”اے اللہ! اگر یزید میرے گمان کے مطابق ہے تو فیہا ورنہ تو اس کو جلد ہلاک کر دینا“ حضرت معاویہ کی دعا قبول ہوئی اور اس کی خلافت زیادہ دیر نہ رہ سکی۔ لہٰذا علامہ ابو عبد اللہ دشتانی ابی مالکی اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں کفر سے مراد مباحی ہیں اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب تک خلفاء اور حکام سے ایسی بُرائی صادر نہ ہو جس کا مصیبت ہو نہ دلائل شرعیہ سے تم کو معلوم اور محقق ہو اس وقت تک تم ان کی مخالفت نہ کرو اور صحابہ کفر کو مباحی پر محمول کر دیا گیا تو حضرت حسین، حضرت ابن الزبیر اور اہل مدینہ کا یزید کی مخالفت کرنا اس کے حقوق کی وجہ سے تھا، کفر کی وجہ سے نہیں تھا۔ لہٰذا

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کے متعلق مصنف کی تحقیق | مصنف کے نزدیک علامہ دشتانی مالکی کا جواب زیادہ قوی ہے اور اس سے

یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جمہور صحابہ اور فقہاء تابعین نے یزید کے خلاف خروج میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ اس لیے نہیں دیا کہ ان کے نزدیک یہ حدیث اپنے ظاہری معنی میں کفر پر ہی محمول تھی بہر حال دونوں جانب مجتہد تھے اور ہر فریق نے حق نیت کے ساتھ اپنے اپنے اجتہاد پر چل گیا اور چونکہ ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کی اتباع لازم نہیں ہے اس لیے کسی فریق کو حلاوت نہیں کی جاسکتی۔ نیز اس جواب سے ایک اور اشکال کا جواب بھی واضح ہو گیا۔ وہ یہ ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت عذیرہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تمہارے پاس (بیعت کے لیے) آئے دو اُن کا لیکر تم سب ایک شخص (کی بیعت یا حکومت) پر متفق ہو چکے تھے اور وہ تمہاری (اتحاد کی) لائٹھی کو توڑنے کی کوشش کرے یا تمہاری جماعت کو متفرق کرنے کی کوشش کرے تو اس کو قتل کر دو۔ ان احادیث کی بنیاد پر

۱۔ مولانا عبد العزیز بریلوی دہلوی، نبراس ص ۵۴۱-۵۴۰، مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۳۹۷ھ بیروت

۲۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ دشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال الکمال المعلم ج ۵ ص ۱۸۱-۱۸۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ

۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف ترمذی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۲۸، مطبوعہ دار محمد صالح المطلقہ کراچی، ۱۳۷۵ھ

کفر بواح سے علانیہ معصیت مراد لی کیونکہ معصیت پر بھی کفر کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ دلائل سے ہم نے ابھی بیان کیا ہے اور نیز یہ چونکہ علانیہ معصیت کا ترکب تھا، اس لیے اس کی مخالفت کرنا اور اس کے خلاف خروج کرنا جائز قرار پایا، اور اب امام حسین پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ وہ ایک خلیفہ کے ہوتے ہوئے بیعت خلافت لینے کے لیے کوفہ کیوں گئے کیونکہ یہ اس وقت ناجائز ہے جب خلیفہ نادل ہو اور معصیت کا ترکب نہ ہو، اللہ العالمین جس طرح تو نے مجھے امام حسین رضی اللہ عنہ سے اعتراض دور کرنے کی سادت عطا کی ہے اسی طرح اپنے کرم سے قیامت کے دن امام حسین رضی اللہ عنہ کے جد محرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے مجھے ہر مند فرمانا تاکہ آپ کی شفاعت سے میرے سارے گناہ واصل جائیں، مجھے قیامت کے دن شرمندگی اور رسوائی سے بچالینا اور اپنے عفو و کرم سے مجھے مالا مال کر دینا آمین یا رب العالمین!

فاسق کی خلافت اور قضاء کے متعلق مذاہب ائمہ

فقہ اور ظلم سے امام معزول نہیں ہوتا، کیونکہ خلفاء راشدین کے بعد ائمہ اور اماموں سے فتنہ اور فحور ظاہر ہوا، اور سلف صالحین ان کی اطاعت کرتے رہے، اور ان کی اجازت و مجوزہ اور عید قائم کرتے رہے اور وہ ان کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے تھے، نیز امامت کے لیے عصمت ابتداء شرط نہیں ہے تو اس کا بقا و شرط نہ ہونا زیادہ لائق ہے، امام شافعی سے ایک روایت یہ ہے کہ فتنہ اور ظلم سے امام معزول ہو جاتا ہے اسی طرح ہر قاضی اور امیر فتنہ اور ظلم سے معزول ہو جاتا ہے، اصل مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک فاسق ولی بننے کا اہل نہیں ہے، کیونکہ وہ خود احکام شرع پر عمل نہیں کرتا تو کسی اور کو کیا عمل کرائے گا، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک فاسق ولی بننے کا اہل ہے حتیٰ کہ اگر باپ فاسق ہو تو وہ اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر سکتا ہے۔ (امام ابوحنیفہ کے نزدیک فاسق کو امام اور خلیفہ بنانا جائز نہیں ہے، اور اس کی امامت مستند نہیں ہوتی، جیسا کہ ہم منقریب بیان کریں گے اور باپ کی ولایت پر امام کی ولایت کو قیاس کرنا درست نہیں ہے، البتہ متاخرین فقہاء اخلاص نے یہ تصریح کی ہے کہ فاسق کی امامت مستند ہو جاتی ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور فقہاء شافعیہ کی کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ قاضی فتنہ سے معزول ہو جاتا ہے، اور امام فتنہ سے معزول نہیں ہوتا اور اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ امام کو معزول کر کے دوسرے شخص کو خلیفہ بنانے سے فتنہ، فساد اور خونریزی ہوگی کیونکہ امام کے پاس شوکت اور فوجی طاقت ہوتی ہے اس کے برعکس قاضی کے پاس کوئی فوجی طاقت نہیں ہوتی، اور نوادر میں علامہ ثلاثہ (امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر) سے یہ روایت ہے کہ فاسق کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے اور بعض مشائخ نے یہ کہا ہے کہ اگر ابتداء فاسق کو منصب ہو پ دیا تو صحیح ہے اور اگر منصب سوچتے وقت وہ عادل (صالح) تھا تو پھر وہ فتنہ کی وجہ سے معزول ہو جائے گا، کیونکہ منصب سوچنے والے نے اس کی صلاحیت پر اعتماد کیا تھا اور وہ فاسق کی قضاء پر راضی نہیں ہوگا اور قادی قاضی خان میں ہے کہ اگر قاضی نے رشوت لی تو اس کی قضاء نافذ نہیں ہوگی اور اگر قاضی نے قضاء کا منصب رشوت سے حاصل کیا تو وہ قاضی نہیں ہوگا اور اس کے فیصلے نافذ نہیں ہوں گے۔ لہ

فاسق کی خلافت کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

اور اس کی اطاعت لازم ہو جاتی ہے خواہ وہ شخص عادل ہو یا فاسق۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

علامہ یہ ہے کہ جس شخص کی امامت اور بیعت پر مسلمان متفق ہو جائیں، اس کی امامت ثابت ہو جاتی ہے اور اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے، اور اگر کوئی شخص امام کے خلاف خروج کرے اور امام اور تمام لوگوں پر غالب آجائے حتیٰ کہ سب اس کی بیعت کر لیں اور اس کی اطاعت کا اقرار کر لیں، تو وہ بھی امام ہو جاتا ہے اور اس سے جنگ کرنا اس کے خلاف خروج کرنا حرام ہو جاتا ہے، کیونکہ عبد الملک بن مروان نے حضرت ابن الزبیر کے خلاف خروج کر کے ان کو قتل کر دیا اور تمام شہروں اور اس کے باشندوں پر غالب ہو گیا حتیٰ کہ عروشی یا ناخوشی سے سب نے اس کی بیعت کر لی، تو پھر وہ امام ہو گیا اور اس کے خلاف خروج حرام ہو گیا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے خلاف خروج کرنے سے مسلمانوں کی جمیعت اور وحدت ٹوٹ جائے گی اور مسلمانوں کا خون بہے گا اور ان کا مال ضائع ہو گا، اور حدیث میں ہے جب میری امت کسی شخص پر متفق ہو پھر کوئی شخص اس کے خلاف خروج کرے تو اس کو قتل کر دو خواہ وہ کوئی شخص بھی ہو، لہذا جو شخص بھی کسی امام کے خلاف خروج کرے گا وہ باخنی ہو گا اور اس کو قتل کرنا واجب ہے۔ ۱

فاسق کی خلافت کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

اور صاحب تہ اور خلیفہ بننے کے بعد اس نے فسق اور ظلم کیا تو اب اس میں ان کا اختلاف ہے لیکن قول راجح یہ ہے کہ وہ فسق سے معزول نہیں ہو گا اور اس کے خلاف خروج جائز نہیں ہے۔

قاضی بیضاوی شافعی قال لا ینال عهد النظامین کا تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان الفاسق لا یصلح للامامة ۲

امام ملذی شافعی کہتے ہیں:

جمہور فقہاء اور متکلمین یہ کہتے ہیں: فاسق کو ابتداءً امام بنانا جائز نہیں ہے، اور اگر وہ بعد میں فاسق ہو جائے تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا اس کی امامت باطل ہوگی یا نہیں؟ جمہور نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ فاسق کو امام بنانا جائز نہیں ہے۔ ۳

علامہ فروی شافعی اور علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی کی جو عبارات ہم نے پہلے نقل کی ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء شافعیہ کا عقار یہ ہے کہ اگر خلیفہ پہلے عادل ہو تو پھر بعد کے فسق سے وہ معزول نہیں ہوتا اور اس کے خلاف خروج جائز نہیں ہے۔

۱۔ علامہ مرفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المنہج ج ۹ ص ۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۵۵ھ

۲۔ قاضی ابوالخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی شافعی متوفی ۶۸۵ھ، التلخیص فی الامش الخفا ج ۲ ص ۲۳۶، مطبوعہ دار صادر بیروت۔

۳۔ امام فخر الدین محمد بن فخر الدین ملذی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۶۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

فاسق کی خلافت کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ | علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

علامہ کی ایک جماعت نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ امام عادل اور صالح ہونا چاہیے اور اس کو ملک چلانے کی طاقت بھی ہو، اور ایسے ہی امام کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے جو شخص خلافت کا اہل ہو اس کی خلافت میں اختلاف اور نزاع نہ کیا جائے اور جو لوگ فاسق اور ظالم ہوں وہ خلافت کے اہل نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لایزال عہد فی الظالمین ”میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے“ اسی وجہ سے حضرت حسین اور حضرت ابن الزبیر نے خروج کیا اور عراق کے علماء اور اعیان نے حجاج بن یوسف کے خلاف خروج کیا اور اہل مدینہ نے یزید کے خلاف خروج کیا، اور اسی وجہ سے مسلم بن عقبہ کے باغیوں واقعہ حرہ برپا ہوا۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: تاہم اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ظالم امام کے خلاف خروج کرنے سے اس کی اطاعت کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ خروج کرنے میں امن کو غوث سے بدلنا ہے اور خون بہانا ہے اور زمین میں فتنہ اور فساد برپا کرنا ہے۔ اور پہلا قول معتزلہ اور خوارج کا مذہب ہے۔
علامہ دشتستانی ابی مالکی لکھتے ہیں:

قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ ابتداءً فاسق کی امامت منعقد نہیں ہوتی، اور اگر وہ بعد میں فاسق ہو جائے تو جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ اس کی بیعت نہ توڑی جائے اور اس کے خلاف خروج نہ کیا جائے، کیونکہ حدیث میں ہے:
اطعموا و ان اكلوا مالک و ضری بوا
ظہر لک ما اقاموا الصلوٰۃ صلوا خلف
کل بروفاجو۔
جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں ان کی اطاعت کرو، خواہ وہ تمہارا مال کھالیں یا تمہاری بیٹھ پر کھڑے ماریں۔
ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھو۔

بعض علماء یہ اشکال وارد کرتے ہیں کہ اگر خلیفہ کے فسق کے بعد اس کے خلاف خروج ناجائز ہوتا تو حضرت حسین اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم یزید کے خلاف خروج نہ کرتے، اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے اس مسئلہ میں مجتہدین کا اختلاف تھا لیکن بعد میں اس پر سب کا اجماع ہو گیا کہ خلیفہ فسق سے سزاوار نہیں ہوگا اور اس کے خلاف خروج کرنا ناجائز نہیں ہے۔
علامہ ابوبکر رازی حنفی لایزال عہد الظالمین۔

فاسق کی خلافت کے متعلق امام ابو حنیفہ کا نظریہ | کا تفسیر میں لکھتے ہیں:

جو شخص ظالم ہو وہ بھی ہو سکتا ہے نہ نبی کا خلیفہ ہو سکتا ہے نہ قاضی ہو سکتا ہے نہ مفتی ہو سکتا ہے نہ گواہ ہو سکتا ہے نہ حدیث بیان کر سکتا ہے کیونکہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ دین کے کسی شعبہ کی بھی امامت اور امارت ظالم اور فاسق کو نہیں دی جاسکتی، اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کی امامت بھی فاسق اور ظالم کو نہیں دی جاسکتی اور نماز کے امام کا بھی صالح ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر دینی منصب کی امامت کے لیے عدالت

۱۔ علامہ ابوعبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی مترنی ۶۸۵ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۰۹، مطبوعہ انتشارات نامہ محسن و ایران ۱۳۸۷ھ

۲۔ علامہ ابوعبد اللہ محمد بن خلفہ دشتستانی ابی مالکی مترنی ۸۲۸ھ، اکال اکال العلم ج ۵ ص ۱۸۱-۱۸۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

اور صالحیت ضروری ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ فتنۃ اللہ تعالیٰ کے ادامہ اور احکام کے امین نہیں ہیں اس لیے وہ دین کے امام نہیں بن سکتے، اس لیے اس آیت سے دلالت یہ ثابت ہوا کہ ناسق کی امامت باطل ہے اور وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا، اور اگر ناسق نے اپنے آپ کو اس منصب پر خود فائز کر لیا تو لوگوں پر اس کی اتباع اور اطاعت لازم نہیں ہوگی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خالق کی مصیبت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے نیز یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ناسق حاکم نہیں ہو سکتا اور اگر اس نے کسی منصب پر قبضہ کر لیا تو اس کے احکام نافذ نہیں ہوں گے، اور نہ اس کی شہادت قبول ہوگی اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قبول نہیں کی جائے گی نہ اس کا فتویٰ قبول کیا جائے گا اور نہ اس کو نماز کا امام بنایا جائے گا، اور اگر وہ امام بن گیا اور کسی نے اس کی اقتداء کی تو نماز مرد جائے گی، قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ اتقوا ممانی پر محیط ہے۔

بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب میں ناسق کی امامت اور خلافت جائز ہے اور وہ خلیفہ اور حاکم میں فرق کرتے ہیں کہ حاکم اگر ناسق ہو تو اس کا حکم نافذ نہیں ہوگا اور خلیفہ ناسق ہو تو اس کے احکام نافذ ہوں گے اور بعض متکلمین نے بھی امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب بیان کیا ہے (جیسا کہ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد میں بیان کیا ہے) حالانکہ یہ بالکل جھوٹ اور باطل ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک خلیفہ اور قاضی کے درمیان اس بات میں کوئی فرق نہیں ہے کہ ان کے نزدیک دونوں کے لیے عدالت شرط ہے اور ناسق خلیفہ ہو سکتا ہے نہ قاضی ہو سکتا ہے اور نہ حاکم ہو سکتا ہے، اسی طرح نہ اس کی شہادت قبول ہو سکتی ہے نہ حدیث قبول ہو سکتی ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کس طرح صحیح ہوگا کہ ان کے نزدیک ناسق کی خلافت اور حکومت جائز ہے، جبکہ بنو امیہ کے دور خلافت میں ان کو ابن، بصرہ نے عہدہ قضاہ قبول کرنے پر مجبور کیا اور ان کو کوڑے مارے لیکن انہوں نے عہدہ قضاہ قبول نہیں کیا، پھر ان کو قید کر لیا، ابن، بصرہ ہر روز ان کے پاس جاتا اور ان کو کوڑے مارتا اور جب ان کی جان کو خطرہ لاحق ہو گیا تو قہار نے ان سے کہا آپ کوئی اور کام قبول کر لیجئے تاکہ کوڑوں کی سزا کا یہ سلسلہ ختم ہو، تو پھر آپ نے مجبورہ کے گھٹنوں کو شمار کرنے کی ڈیوٹی قبول کر لی اس کے بعد ابن، بصرہ نے آپ کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد پھر خلیفہ منصور نے آپ کو عہدہ قضاہ قبول کرنے کی دعوت دی آپ نے پھر انکار کیا جس کے نتیجے میں منصور نے آپ کو قید کر لیا حتیٰ کہ پھر آپ نے اینٹیں گننے کے کام کو قبول کر لیا، امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب مشہور تھا کہ ظالم اور ناسق اللہ سے قتال کرنا چاہیے، اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ نے یہ کہا کہ ہم نے ابوحنیفہ کی ہر بات برداشت کی حتیٰ کہ وہ ظالم حکام سے قتال کے لیے تلوار سے کر آئے تو یہ بات ہم نے برداشت نہیں کی، امام ابوحنیفہ یہ فرماتے تھے کہ زبان سے نیکی کا حکم دینا اور بڑائی سے روکنا فرض ہے اور اگر اس کی بات نہ مانی جائے تو پھر تلوار سے جہاد کرنا فرض ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں روایت ہے، اہل خراسان کے فقہاء میں سے ابوہریرہ سے پوچھا گیا کہ نیکی کا کام کرنے اور بڑائی سے روکنے کا کیا حکم ہے تو انہوں نے کہا فرض ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب ہیں، اور وہ شخص ہے جس نے کسی ظالم حاکم کو نیکی کا حکم دیا اور بڑائی سے روکا تو اس کو شہید کر دیا گیا، ابوہریرہ ایک ظالم حاکم کے پاس گئے اس کو نیکی کا حکم دیا اور بڑائی سے روکا، اس حاکم نے کئی بار برداشت

کیا پھر بالآخر ان کو قتل کر دیا، اور زید بن علی کے خروج کے معاملہ میں امام ابوحنیفہ کا واقعہ مشہور ہے کہ آپ ان کے پاس مال پہنچاتے تھے اور حنفیہ طریقہ سے لوگوں کو یہ فتویٰ دیتے تھے کہ زید بن علی کا مدد کرنا اور ان کی رفاقت میں جنگ کرنا واجب ہے۔ زید بن علی، ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں خلافت کے مدعی تھے، ۱۲۲ھ میں انھوں نے کوفہ میں خروج کیا اور شکست کھائی اور قتل کر دیے گئے۔ اس طرح امام ابوحنیفہ نے عبداللہ بن حسن کے دو بیٹوں محمد اور ابراہیم کا ساتھ دیا۔ (یہ بھی خلافت کے مدعی تھے) ابواسمعیٰ خزازی (محدث) نے امام ابوحنیفہ سے کہا تم نے میرے بھائی کو ابراہیم کے ساتھ قتل کر خروج کرنے کا اشارہ کیا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا گیا، امام ابوحنیفہ نے کہا تمہارے بھائی کی نسبت تمہارے بھائی کا خروج مجھے زیادہ محبوب ہے، ابواسمعیٰ بصرہ کی طرف نکل گئے تھے، اس اعتراض کی وجہ یہ تھی کہ وہ محدثین امام ابوحنیفہ کی سیاسی رائے سے اختلاف کرتے تھے جو نیکی کا حکم دینے اور بُرائی سے روکنے کو کہو چکے تھے حتیٰ کہ ظالم حکام حکومت اسلامیہ پر غالب آ گئے، سو جس شخص کا نیکی کا حکم دینے اور بُرائی سے روکنے میں ایسا محسوس نظر یہ ہو وہ فاسق کی خلافت کو کس طرح جائز کہہ سکتا ہے، اس لیے فاسق کی امامت بیان کرنے کے سلسلہ میں کسی شخص نے امام ابوحنیفہ پر صراحت جھوٹ نہیں باندھا تو اس نے مزور مغالطہ کھایا ہے۔

عراقی فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اگر ظالم خلیفہ نے کسی عادل شخص کو قاضی مقرر کر دیا تو یہ تقریر صحیح ہے اور اس کے احکام اور فیصلے نافذ ہو جائیں گے، اور عقائد کے ظالم اور فاسق ہونے کے باوجود ان کے پیچھے ناز جائز ہے، یہ مذہب صحیح ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فاسق کی خلافت جائز ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قاضی فی نفسہ عادل اور صالح ہوگا اور وہ قاضی بن جائے گا تو اس کے پاس اقتدار ہوگا اور اپنے احکام نافذ کرنے کی قدرت ہوگی اور جو شخص اس کا حکم نہیں مانے گا وہ اپنے احکام کو اس سے جبراً منہا کرے گا، اور اس میں اس شخص کا کوئی اعتبار نہیں ہے جس نے اس کو قاضی بنایا ہے کیونکہ جس نے اس کو قاضی بنایا ہے وہ اس کے احوال اور انصار کے منزلہ میں ہے اور قاضی کے احوال اور انصار کے لیے عادل ہونا لازم نہیں ہے، اور اس کی مثال یہ ہے کہ فرض کیجئے کہ کسی شہر میں کوئی سلطان نہ ہو اور اس شہر کے لوگ ایک عادل شخص کو قاضی بنا دیں اور جو شخص اس قاضی کا حکم نہ مانے اس سے جبراً قاضی کے فیصلے پر عمل کرائیں سو اس قاضی کے فیصلے نافذ ہوں گے حالانکہ اس کو کسی سلطان یا خلیفہ نے قاضی مقرر نہیں کیا، اسی بنا پر شریح اور دیگر فقہاء تابعین نے نزاعیہ سے عقائد کا عہدہ قبول کیا، شریح، حجاج کے زمانہ میں کوفہ کے قاضی تھے اور تمام جزیرہ عرب میں عبدالملک بن مروان سے بڑا ظالم، محمد اور فاجر اور کوئی نہیں تھا اور اس کے حکام میں حجاج سے بڑا کوئی ظالم اور فاجر نہیں تھا، عبدالملک پہلا وہ شخص تھا جس نے نیکی کا حکم دینے اور بُرائی سے روکنے کی بنا پر لوگوں کی زبانیں کاٹ دیں، اس نے منبر پر چڑھ کر کہا بخدا! میں عثمان کی طرح کمر در خلیفہ ہوں نہ معاویہ کی طرح نرمی کرنے والا ہوں، تم لوگ مجھے

۱۳۵ھ میں عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب کے دو فرزندوں محمد اور ابراہیم نے خلیفہ منصور کے خلاف خروج کیا، منصور نے ان دونوں بھائیوں کو شکست دی اور ان کو قتل کر دیا، اور ان کے ساتھ بہت سے اہل بیت شہید کر دیے گئے، عباسیوں اور علویوں کے درمیان یہ پہلا عظیم تنازعہ تھا، منصور نے ان علماء کو بھی سخت آذیتیں پہنچائی، جنھوں نے محمد اور ابراہیم کی دعوت خروج میں تعاون کیا تھا، اور منصور کے خلاف خروج پر جواز کا فتویٰ دیا تھا، ان علماء میں امام ابوحنیفہ، امام عبدالحمید بن جعفر (بقیہ ماشیہ بر صغیر آئندہ)

نیکو کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، بخدا! آج کے بد شخص بھی مجھے اللہ سے ڈرنے کا حکم دے گا میں اس کی گردن اڑا دوں گا، یہ لوگ بیت المال سے مل کھاتے تھے، اور مختار کذاب حضرت ابن عباس، محمد بن حنفیہ اور حضرت ابن عمر کے پاس مال بھیجتا تھا اور وہ اس کو قبول کرتے تھے، عبدالعزیز بن مردان نے حضرت ابن عمر کو لکھ کر بھیجا آپ اپنی ضروریات بیان کیجئے تو حضرت ابن عمر نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اوپر والا ہاتھ نیچے داسے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے، میں تم سے کسی چیز کا سوال کروں گا نہ کسی ایسی چیز کو دالیں کروں گا جو اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ سے مجھے عطا کرے گا، والسلام۔ اور حسن بھری، سعید بن جبیر، شبی اور باقی فقہان تابعین ان ظالم حکام کے ہاتھوں سے عطا قبول کرتے تھے، اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان لوگوں نے ان کو غلیفہ مقرر کیا تھا اور نہ یہ وجہ تھی کہ وہ ان کی خلافت کو جائز سمجھتے تھے بلکہ وہ ان دظالفت کو اس وجہ سے ان سے قبول کرتے تھے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ دظالفت ان کے حقوق ہیں جو ان ظالموں کے قبضہ میں ہیں اور یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ ان سے محبت کی وجہ سے ان دظالفت کو لیتے تھے حالانکہ انہیں میں سے بیکے علاج کے چہرے پر تلوار ماری اور اختیار تابعین میں سے چار ہزار قراء اور فقہاء نے حجاج کے خلاف خروج کیا اور عبدالرحمن بن محمد بن اسحاق کی معیت میں احوال میں اس کے خلاف جنگ کی پھر بصرہ میں جنگ کی پھر دیرالبحاج میں پھر کوفہ کے قریب فرات کی جانب اس کے خلاف جنگ کی، ان لوگوں نے عبدالملک بن مروان کی بیعت توڑ دی تھی، اس کو لعنت کرتے تھے اور اس سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب حضرت معاویہ متقلب ہو گئے تو حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا بھی یہی طریقہ تھا وہ عطا یا اور دظالفت کو قبول کرتے تھے، اسی طرح اس زمانہ میں صحابہ بھی عطا یا قبول کرتے تھے، حالانکہ انہوں نے حضرت معاویہ کو غلیفہ نہیں بنایا تھا، بلکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریقے پر چلتے، مرنے ان سے بری تھے، لہذا ظالم حکام سے تقاضا کے منصب قبول کرنے اور ان سے عطا یا لینے میں یہ دلیل نہیں ہے کہ ان کی خلافت جائز ہے۔

علامہ ابوبکر حبیب اس کی اس طویل عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام کے لیے عادل اور صالح ہونا ضروری ہے اور جو شخص فاسق ہو اس کی خلافت اور امامت منفعہ نہیں ہوتی اس لیے اگر مسلمانوں کی قدرت میں ہو تو وہ فاسق خلیفہ کے خلاف جنگ کر کے کسی عادل اور صالح شخص کو خلیفہ اور امام مقرر کریں، اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ نے ظالم خلفاء کے خلاف جہاد میں حصہ لیا اور حبیب ہشام بن عبدالملک کی خلافت کے دور میں قید بن حسین بن علی بن ابی طالب نے ۱۲۲ھ میں کوفہ میں خروج کیا تو امام ابوحنیفہ نے اس کو پورا پورا ساتھ دیا لے اور ۱۴۵ھ میں جب عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب کے دور بیٹوں نے منصور کے خلاف خروج کیا تو امام ابوحنیفہ نے ان کا بھی پورا پورا ساتھ دیا اور اس کی پاداش میں امام ابوحنیفہ نے سخت تکلیفیں اور آذیتیں اٹھائیں اور بالآخر آپ کو زبردستی دہرہ بلایا گیا اور آپ ۵۰ھ میں شہید کر دیے گئے، اگر امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک فاسق کی امامت اور خلافت جائز ہوتی اور ظالم خلیفہ کے خلاف خروج

(حاشیہ صفحہ ۷۶) ابن عجلان اور امام مالک بن انس ہمیشہ ہمیش تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۶۱)۔

۱۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی حصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۱ ص ۷۲-۷۹، مطبوعہ سید الکبیری لاہور ۱۴۰۰ھ

۲۔ تاریخ طبری (مترجم) ج ۶ ص ۲۲۷، تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۱۹، طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۳۱۶

نا جائزہ مورتا تو آپ کبھی زید بن علی اور محمد اور ابراہیم کے غرور و جوں میں ان کا ساتھ نہ دیتے بلکہ ان کو ان خروجوں سے روکتے اور منع کرتے اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم ابوحنیفہ کا موقف حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے عین موافق تھا کہ فتح ہو یا شکست ظالم عقائد اور حکام کو معزول کرنے اور خلیفہ برحق کو مقرر کرنے کی مقدور بھر سہی اور جہاد کرنا چاہیے۔ اور امام ابوحنیفہ کی طرف یہ منسوب کرنا غلط ہے کہ ان کے نزدیک ناسق کی امامت اور خلافت جائز ہے جیسا کہ شرح عقائد اور بعض دوسری کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ امام ملائی نے بھی علامہ ابو بکر جصاص کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ناسق کی خلافت جائز نہیں اور اگر قدرت ہو تو اس کے خلاف جہاد کرنا چاہیے۔ لہٰذا علامہ شہاب الدین خفاجی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ ۱۷

ہم نے اس سلسلہ میں طویل بحث اس لیے کی ہے کہ ہمارے زمانے میں علامہ اور مشائخ میں یہ مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ناسق کی خلافت جائز ہے بلکہ میں نے بعض اساتذہ کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا ہے کہ یزید کو ہم اس لیے کافر کہتے ہیں اگر ہم اس کو ناسق مسلمان کہیں تو یہ لازم آئے گا کہ امام حسین کے نزدیک ناسق کی خلافت جائز نہ ہو۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ناسق کی خلافت جائز ہے اس طرح امام ابوحنیفہ کا مذہب امام حسین کے خلاف قرار پائے گا چنانچہ امام ابوحنیفہ کے مذہب کو امام حسین رضی اللہ عنہ کے موقف کے مطابق قرار دینے کے لیے ضروری ہے کہ یزید کو کافر مانا جائے۔ ان اساتذہ نے غور نہیں کیا کہ اس طرح امام حسین کے موقف اور امام ابوحنیفہ کے (خود ساختہ) مذہب میں تو مطابقت ہو گئی لیکن دوسری طرف یہ لازم آئے گا کہ جہور صحابہ نے ایک کافر کی بیعت پر قناعت کر لی! اصل ان مشائخ نے یہ مناطہ اس لیے کہا ہے کہ علامہ نقضانی نے شرح عقائد میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ناسق باپ اپنی نابالغ لڑکی کا دل بننے کا اہل ہے اور اس سے انہوں نے یہ استدلال کیا کہ پھر امام ابوحنیفہ کے نزدیک ناسق امامت اور خلافت کا بھی اہل ہے، حالانکہ ایک لڑکی پر ولایت اور چیز ہے اور تمام عالم اسلام کی ولایت اور چیز ہے، ان اکابرین کے مناطہ کی دوسری وجہ یہ ہے کہ متاخرین فقہاء احناف نے ہر چند کہ خلیفہ کو مقرر کرنے کے لیے عدالت اور صاحبیت کی شرط قائم کی ہے لیکن انہوں نے (امام اعظم کے موقف کے برخلاف) یہ تصریح کی ہے کہ فتنے سے خلیفہ معزول نہیں ہوگا، اور مالکی، شافعی اور حنبلی فقہاء کا بھی یہی طریقہ اور اب تقریباً اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

اسلام کے بعد امام کو نصب کرنے کی پانچ شرطیں ہیں (۱) مرد ہو (۲) عادل اور صالح ہو (۳) عالم ہو (۴) قادر ہو۔ (۵) قرشی ہو۔ ۱۸

علامہ کمال الدین ابن شدیف شافعی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن ہمام نے خلیفہ کے لیے عدالت کی شرط قائم کرنے میں حجت الاسلام امام غزالی کی اتباع کی ہے، امام غزالی

۱۷۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر ملائی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۶۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

۱۸۔ علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ، غایۃ النفاض ج ۲ ص ۲۳۵، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۳ھ

۱۹۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، مسائرہ ص ۳۱۹-۳۱۸، مطبوعہ مطبعة السعادة مصر،

جو شخص متعصب خلافت پر قابض ہوا، اگر اس میں علم اور عدالت نہ ہو، ایسی طور کہ جاہل یا فاسق فلیہ سے امام بن گیا ہو اور اس کو خلافت سے ہٹانے میں ایسے فتنے کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو جو لوگوں کی برداشت سے باہر ہو تو ہم اس کی امامت کے منقہ ہونے کا حکم نکالیں گے، اور اگر اس پر دوسرا فاسق غالب آگیا تو پہلا فاسق معزول ہو جائے گا، اور دوسرا فاسق امام ہو جائے گا۔ ۲

نیز علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

فقہاء احناف کے نزدیک عدالت صحت خلافت کا شرط نہیں ہے اس لیے ناسحق کو بھی کراہت کے ساتھ خلیفہ بنانا جائز ہے، اور اگر کسی عادل شخص کو خلیفہ بنایا گیا، اور وہ بعد میں ظالم اور ناسحق ہو گیا تو وہ معزول نہیں ہو گا، البتہ وہ معزول کیے جانے کا مستحق ہو گا بشرطیکہ اس کو معزول کرنے سے کوئی فتنہ پیدا نہ ہو، اس کو وعظ اور نصیحت کرنا واجب ہے لیکن اس کے خلاف خروج واجب نہیں ہے، امام ابوحنیفہ سے اسی طرح منقول ہے کیونکہ اس میں سب کا اتفاق ہے کہ صحابہ نے بعض بنو امیہ کے پیچھے نمازیں پڑھیں، اور ان سے عہدے قبول کیے (اس توجیہ پر یہ اعتراف ہے) لیکن یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے کہ (اکثر بنو امیہ) لوگ (بادشاہ) تھے اور جو شخص غلبہ سے حکومت پر قبضہ کرنے، اس کی امارت اور اس سے عہدہ قضا وغیرہ قبول کرنا ضرورت کی بناء پر صحیح ہے اور امام (خلیفہ) کے پیچھے نمازیں پڑھنے کی یہ شرط نہیں ہے کہ وہ عادل ہو، کیونکہ امام ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر امیر کے ساتھ جہاد کرنا تم پر واجب ہے عہدہ وہ نیک ہو یا بد، اور ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھنا تم پر واجب ہے عہدہ وہ نیک ہو یا بد، عہدہ وہ گناہ کبیرہ کرتا ہو یا عہدہ نیک کوئی شخص غلبہ سے خلافت پر قبضہ کر لے تو یہ فرض کیا جائے گا کہ کوئی عادل قرشی موجود نہیں تھا، یا موجود تھا لیکن ظالموں کے غلبہ کی وجہ سے اس کو خلیفہ نہیں بنایا جاسکا۔

علامہ کمال الدین ابن ابی شامہ نے شافعی اس کی شرح میں لکھتے ہیں :
قرشی یا عادل اور صالح خلیفہ نہ ہونے کی صورت میں غیر قرشی اور ناسخ کی حکومت کو ضرورت کی بناء پر صحیح قرار دیا جائیگا۔
ورنہ امت کا شیرازہ بکھر جائے گا کیونکہ مقتدات کا فیصلہ کرنے، نابالغ کا نکاح کرنے اور کفار سے جہاد کرنے کے لیے
لا محالہ کسی امیر اور حاکم کی ضرورت ہے۔
علامہ ابن ہمام کی مذکورہ عبارت سے علامہ ابن عابدین شامی نے بھی ناسخ کی خلافت کے حوالہ پر استدلال کیا ہے۔

١٤- علامه کمال الدین محمد بن ابی شریف شافعی متوفی ٩٠٦ هـ، مسامرح ١٢١٩، مطبوعه مطبعه السعاده مصر

٥٤ - علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۱۵۸۶ھ، مسائره ص ۳۲۸-۳۲۹، مطبوعہ مطبعۃ السعادة مصر

جے۔ " " مسٹر م ۳۲۳-۳۲۲ + " " "

٤٠٠ - علامہ کمال الدین محمد بن محمد ابن ابی شامہ یحییٰ شافعی متوفی ۹۰۲ھ، مسامرہ ص ۲۲۳، مطبوعہ مطبعۃ السعادة مصر

۵۵۔ ملا سید محمد امین ابن عابد بن شامی حنفی مقرر فی ۱۲۵۲ھ، رسد الحجاز ص ۵۱۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۲۲۴ھ

یہ بات واضح رہے کہ ناسق کی خلافت کا مستند ہونا امام ابوحنیفہ کا مسلک نہیں ہے، ان کا مسلک یہ ہے کہ ناسق کی خلافت میں جہاد کرنے کی جنگ و دو میں لگے رہنا چاہیے اور حسب مسلمان اس کے خلافت جنگ پر قادر ہوں انہیں اس کے خلافت اٹھ کھڑے ہونا چاہیے جیسے امام ابوحنیفہ نے ہشام بن عبدالملک کے خلافت خروج میں زید بن علی کے ساتھ تعاون کیا۔ اور پھر منصور کے خلافت خروج میں محمد بن عبداللہ بن حسن اور ابراہیم بن عبداللہ بن حسن کا ساتھ دیا اور خفیہ طریقے سے ناسق کے خلافت ان کی تحریکوں میں ساتھ دیتے رہے۔ البتہ متاخرین فقہا انہوں نے ظالم اور غیر قرشی کی خلافت کو ضرورت کی بناء پر صحیح قرار دیا ہے اور جمہور فقہاء مالکیہ، فقہاء شافعیہ اور امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ ہم ان کی تصانیف سے باحوالہ نقل کر چکے ہیں۔

ناسق کی خلافت میں اللہ اور فقہاء کے مذاہب بیان کرنے میں اور خصوصاً امام ابوحنیفہ کے نظریہ کو واضح کرنے میں میں نے بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے، کیونکہ میں نے دیکھا کہ یہ مسئلہ علماء پر مستتبہ ہو گیا حتیٰ کہ علامہ ابن ہمام ایسے محقق نے بھی امام ابوحنیفہ کا مسلک سمجھنے میں متلاطم کھایا اور میں نے اپنے زمانہ کے اکثر علماء کو اس مسئلہ میں غلط فہمی میں مبتلا دیا یا اس لیے میں نے حق واضح کرنے کی بھرپور سعی کی، اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو قبول فرمائے اور اس شرح کو دائمی اور ہمہ گیر مقبولیت عطا فرمائے، وَاخْرُجُوا اَنْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ اُولِ الشَّافِعِيْنَ وَالْمَشْغُوْبِيْنَ قَائِدِ الْغُرَرِ الْمَجْلِدِيْنَ وَاُولِ الْاَصْحَابِہِ وَاُولِ الْاَجَلِہِ وَاُولِ الْاَمَةِ وَعِلْمَاءِ

بَابُ الْاِمَامِ جُنَّةٍ

امام مسلمانوں کی ڈھال ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام (غلیفہ) ڈھال ہے اس کی پشت پناہی میں جنگ کی جاتی ہے، اور وہ ذلیلہ امان ہے، اگر امام اللہ عزوجل سے ڈرنے کا حکم دے اور عدل و انصاف سے کام لے تو اسے اس کا اجر ملے گا اور اگر اس نے اس کے خلافت کچھ کیا تو اس کا اس پر وبال ہوگا۔

۴۶۵۷۔ حَدَّثَنِي هَيْوَنُ بْنُ حَزْبٍ حَدَّثَنَا شَيْبَابَةُ حَدَّثَنِي وَثْقَاءُ عَنْ أَبِي الزُّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا أَلِإِمَامٌ جُنَّةٌ يُقَاتِلُ مِنْ وُجْهِهِ وَيُقَاتَى بِهِ فَإِنْ آمَرَهُ بِشَقْوَى اللَّهِ هَرَجَ وَجَلَّ وَهَدَى كَانَ لَكَ بِذَلِكَ أَجْرٌ وَإِنْ يَأْمُرُ بِغَيْرِهِ كَانَ عَلَيْكَ مِثْلُهُ۔

امام کے ڈھال ہونے کی وضاحت | اس باب کی حدیث میں ہے: امام ڈھال ہے، ڈھال حملہ سے بچانے کے آلہ کو کہتے ہیں اور امام (غلیفہ) دشمنوں کے حملہ سے مسلمانوں کو

محفوظ رکھتا ہے اور ملک کے داخلی اہل فساد سے لوگوں کو بچاتا ہے اور ملت، بیضاد کا حفاظت کرتا ہے اس لیے اس کو ڈھال سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کی پشت پناہی میں جنگ سے یہ مراد ہے کہ مسلمان فوجیں اس کی قیادت میں کفار باغیوں اور دیگر اہل فساد سے جنگ کرتی ہیں اور اس کے ذریعہ امان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ امام کی سیاسی تدبیروں کی وجہ سے مسلمان مفہموں اور غلاموں کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔

بَابُ وَجُوبِ الْوَفَاءِ بِبَيْعَةِ الْخَلِيفَةِ
الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ !

٣٦٥٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ
 بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قُرَاتٍ الْقُرَّاءِ أَرْعَثُ
 أَبِي حَارِثٍ قَالَ قَاعَدْتُ أَبَاهُ يُرَى كَحُمَسِ
 سِنِينَ فَسَمِعْتُ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ
 الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ
 بَعْدِي وَسَتَكُونُ خُلَفَاؤُكُمْ فَتَكْفُرُوا فَأَوْفُوا مَا تَمَرُّوا
 قَالَ فَوَإِذَا بَيْنُعِي الْأَوَّلِ فَأَلَا أَوَّلِ وَأَعْطَوْهُمْ
 حَقَّهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ سَأَلَهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ

٢٤٥٩- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ بَكَّادٍ الْأَشْعَرِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُرَاثٍ عَنْ أَبِيهِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِنْ حَدِّهِ -

٢٦٦٠ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا
أَبُو الْأَخْوَصِ وَوَكَيْعٌ وَحَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجَرُ
حَدَّثَنَا وَكَيْعٌ وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَابْنُ نُمَيْرٍ
كَانَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ
إِبْرَاهِيمَ وَعَلِيُّ بْنُ حُشَمٍ قَالَا أَخْبَرَنَا عِيسَى
بْنُ يُونُسَ كُلُّهُمُ عَنِ الْأَعْمَشِ وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ
بْنُ أَبِي شَيْبَةَ (وَاللَّفْظُ لَنَا) حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ
الْأَعْمَشِ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهَا
سَتَكُونُ بَعْدِي آثَرَةٌ وَأُمُورٌ تُذَكِّرُونَهَا
قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ تَأْمُرُ مِنْ أَمْرِكَ مِنَّا

جس شخص کی خلافت پر پہلے بیعت کر لی جائے

اس کو یوں کرنا واجب ہے

ابو حازم کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پانچ سال رہا، میں نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ جو اسرائیل کے انبیاءوں کا سیاسی انتظام کرتے تھے، جب ایک جہی کا دھماکا ہوتا تو دوسرا نبی اس کا خلیفہ ہو جاتا، اور بلاشبہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور عنقریب میرے بعد بجزرت غلفاء ہوں گے، صحابہ نے عرض کیا ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: جس شخص کے ہاتھ پر پہلے بیعت کر لو، اس بیعت کو پورا کرو، اور حکام کا حق ادا کرو، اور جو ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے حکام کے سپرد کی اس کے متعلق وہ خود ان سے سوال کرے گا۔

۱۷۔ ایک اور سند سے اس حدیث کی مثل روایت ہے۔

امام مسلم پانچ صدوں کے ساتھ حضرت عبداللہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب میرے بعد لوگوں کی (حق تلفیاں) ہوں گی، اور برائیوں کا ظہور ہوگا، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے جس شخص کو یہ حالات پیش آئیں اس کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا تم پر جو احکام کا حق ہے تم اس کو ادا کرنا اور تمہارے حقوق کے متعلق اللہ ان سے سوال کرے گا۔

ذَلِكَ قَالَ تَوَدُّونَ الْحَقَّ الَّذِي عَلَيْكُمْ وَ
تَسَاءَلُونَ اللَّهَ الَّذِي لَكُمْ -

۴۶۶۱ - حَدَّثَنَا هَيْوُ بْنُ حَرْبٍ وَاسْتَعْبَقَ
بْنُ إِسْرَاهِيْمَ قَالَ اسْتَحَقُّ الْخَبْرَنَا وَقَالَ مُرْ هَيْوُ
حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ
عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ رَبِّهِ الْكَعْبِيِّ قَالَ دَخَلْتُ
الْمَسْجِدَ فَإِذَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ وَبَيْنَ الْأَعْيُنِ جَالِسٌ
فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ وَالنَّاسُ مُجْتَمِعُونَ عَلَيْهِ
فَأَتَيْتُهُمْ فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ فَقَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَتَرَكْنَا مَنَزِلًا
فَمِثْمًا مَنْ يُصَلِّحُ بَعَاءَهُ وَمِثْمًا مَنْ يَلْتَصِلُ
وَمِثْمًا مَنْ هُوَ فِي جَشِيرِهِ إِذْ نَادَى مُنَادٍ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ
جَامِعَةً فَاجْتَمَعْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ بَنِي قَبْلِي
إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ يَدُلَّ أُمَّتَهُ عَلَى خَيْرٍ مَا
يَعْلَمُونَ لَهُمْ وَيُنْذِرَهُمْ شَرَّ مَا يَعْلَمُونَ لَهُمْ وَإِنْ أُمَّتُكُمْ
هَذِهِ جَعَلَ عَافِيَتَهَا فِي أَوَّلِهَا وَسَيُصِيبُ آخِرُهَا
بَلَاءٌ وَأُمُورٌ تُكْرَهُونَهَا وَتَجِيءُ فِتْنَةٌ كَبِيرَةٌ قُبْحُ
بَعْضِهَا بَعْضًا وَتَجِيءُ الْفِتْنَةُ فَيَقُولُ الْمُؤْمِنُ
هَذِهِ مُهْلِكَتِي ثُمَّ تَنْكَشِفُ وَتَجِيءُ الْفِتْنَةُ
فَيَقُولُ الْمُؤْمِنُ هَذِهِ هَذِهِ هَذِهِ قَمَنَ أَحَبُّ أَنْ يُزْخَرَ
عَلَى النَّارِ وَيَدْخُلَ الْجَنَّةَ فَلَتَأْتِيهِ مَنِيَّتُهُ وَهُوَ
يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَيَأْتِي إِلَى النَّاسِ
الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُؤْفَى إِلَيْهِ وَمَنْ بَايَعَ إِمَامًا
فَأَعْطَاهُ صَفْقَةً يَدًا وَثَمَرَةً قَلْبًا فَلْيَطِيعْهُ
إِنْ اسْتَطَاعَ فَإِنْ جَاءَ آخِرُ مَنَارِ عُمَا فَاضْرِبُوا
عُنُقَ الْآخِرِ فَدَنُوتُ مِنْهُ فَقُلْتُ لِمَا أُنْشِدُكُمْ
اللَّهُ أَنْتَ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عبدالرحمن بن عبد رب الكعبی کہتے ہیں کہ میں مسجد میں
گیا تو وہاں حضرت عبداللہ بن عمر بن عامر رضی اللہ عنہما کعبہ
کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے، اور لوگ ان کے گرد
جمعتے تھے، میں ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا، حضرت عبداللہ
بن عمر نے کہا ہم ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ سفر میں گئے، ہم نے ایک جگہ قیام کیا، بعض مسلمان
اپنا خیمہ درست کرنے لگے، بعض تیر اندازی کرنے لگے
اور بعض اپنے مویشیوں میں رہے، اتنے میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشانی نے آواز دی کہ نماز تیار ہے،
ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکٹھے ہوئے،
اپنے نے فرمایا بلا شہر مجھ سے پہلے ہر نبی پر یہ فرض تھا کہ وہ
اپنے علم کے مطابق اپنی امت کو فلاح اور خیر کی رہنمائی کرے
اور جو چیز اس کے علم میں بری ہو اس سے ڈلائے، اور
تمہاری اس امت کے سابقین میں عافیت ہے، اور
بعد کے لوگوں میں مصیبتیں، بلائیں اور برائیاں ہوں گی، اور
ایسے قتل کا ظہور ہو گا جن کے مقابلہ میں دوسرے فتنے
کم مسلم ہوں گے ایک فتنہ آئے گا تو مومن کہے گا اس
فتنہ میں تو میری تباہی ہے، پھر وہ فتنہ دور ہو جائے گا اور
ایک اور فتنہ آئے گا تو مومن کہے گا یہی اصل فتنہ ہے،
سو جو شخص جہنم سے دور ہو تا اور جنت میں داخل ہونا
چاہتا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ تاحیات اس پر قائم رہے
حتیٰ کہ جب اس کو موت آئے تو اللہ تعالیٰ اور یم آخرت
کے ایمان پر اس کا خاتمہ ہو، اور اس پر لازم ہے کہ جس
مسائل کو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہو وہی معاملہ دوسروں کے
ساتھ کرے، اور جو شخص ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر دل کی گہرائیوں
سے کسی امام کے ہاتھ پر بیعت کرے اس پر لازم ہے
کہ مقدور ہر اس کی اطاعت کرے اور اگر دوسرا شخص

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَهْوَى إِلَى أُذُنَيْهِ وَ قَلْبِهِ
يَسْتَدِيرُ وَقَالَ سَمِعْتُهُ أَذْنَايَ وَ عَاكَ
قَلْبِي فَقُلْتُ لَهُ هَذَا ابْنُ عَمِيلِكَ مُعَاوِيَةُ
يَأْمُرُنَا أَنْ نَأْكُلَ أَمْوَالَنَا بَيْنَنَا بِالْبَاطِلِ
وَنَقْتُلَ أَنْفُسَنَا وَ اللَّهُ يَقُولُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ
إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ
وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ
رَاحِمًا قَالَ فَسَكَتَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ
أَطِيعُوا فِي طَاعَةِ اللَّهِ وَ أَطِيعُوا فِي
مَعْصِيَةِ اللَّهِ -

اس کی امامت سے اختلاف کرے تو اس دوسرے کی گردن
اڑا دو، راوی کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو کے قریب
ہوا اور ان سے عرض کیا میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا
آپ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خرد سنی
ہے؟ حضرت عبداللہ نے اپنے کانوں اور دل کی طرف
اشارہ کیا اور فرمایا میں نے اپنے کانوں سے سنا اور اپنے
دل میں اس کو یاد رکھا، میں نے ان سے کہا: یہ تمہارے
عم ناد صابہ ہیں جو ہم کو حکم دیتے ہیں کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کا مال
ناجاہز طریقہ سے کھائیں اور ہم ایک دوسرے کو ناحق قتل کریں اور اللہ تعالیٰ یہ فرماتا
ہے (اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناجاہز طریقہ سے مت کھاؤ، ان باری
رضامندی سے تجارت مستثنیٰ ہے) اور تم ایک دوسرے
کو قتل نہ کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر رحیم ہے، راوی نے
کہا پھر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ ایک لمحہ خاموش
رہے، پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ان کی اطاعت کرو
اور اللہ تعالیٰ کی معصیت میں ان کی نافرمانی کرو۔
امام مسلم نے اس حدیث کی دو اور سندیں ذکر کی ہیں۔

۴۶۶۲ - وَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
وَ ابْنُ كَثِيرٍ قَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشْجَعِيُّ قَالَ قُلْنَا حَدَّثَنَا
وَكَيْفٌ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ
يَكْلَاهُمَا عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ -

۴۶۶۳ - وَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا
أَبُو الْمُثَنَّى رِثْمَةُ عَمِيلُ بْنُ عَمْرِو حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ
أَبِي إِسْحَاقَ الْهَمْدِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي
الْمَشَقَرِّ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ رَبِّ
الْكَعْبَةِ الْقَسَائِدِيُّ قَالَ رَأَيْتُ جَمَاعَةً
عِنْدَ الْكَعْبَةِ قَدْ كُتِبَتْ لَهُمْ نَحْوُ حَدِيثِ الْأَعْمَشِ

عبدالرحمن بن عبد رب کہتے ہیں میں نے ایک
جماعت کو کعبہ کے پاس دیکھا پھر حسب سابق حدیث بیان کی۔

اس باب کی حدیث نمبر ۴۶۵۹ میں ہے کہ نبراہر اہل کے انبیاء کی سیاسی انتظام
سیاست کی تعریف کرتے تھے۔

علامہ بیہقی نے لکھا ہے سیاست کا معنی ہے کسی چیز کی اصلاح کا انتظام کرنا۔ لہ

لہ۔ بیہقی محمد بن حنفی متوفی ۴۰۵ھ، تاج العروس ج ۲ ص ۱۶۹، المطبعة الخیرہ مصر، ۱۳۰۶ھ

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: سیاس کا معنی ہے اُمُر (حکم دیا) حدیث میں ہے نبی اسرائیل کے انبیاء ان کی سیاست کرتے تھے، یعنی ان کے معاملات کے متوال تھے، جن طرح امراء اور حکام رعیت کے معاملات کے متوال ہوتے ہیں سیاست کے معنی ہیں: کسی چیز کی اصلاح کے لیے اقدامات کرنا، سیاست سائنس کا فعل ہے، سائنس مویشیوں کی دیکھ بھال اور نگہبانی کرنے والے کو کہتے ہیں، والی اور حاکم بھی اپنی رعیت کا دیکھ بھال اور نگرانی کرتا ہے، سائنس کا معنی ہے کسی کے لیے کسی چیز کو مزین کرنا۔ ۱۷

اصطلاح میں سیاست کا معنی ہے: ملک کے داخلی اور خارجی استحکام کے لیے غور و فکر اور تدبیر کرنا، الجھے ہوئے اور پیچیدہ مسائل کا حل تلاش کرنا، قوم کے دکھ درد دور کرنے اور اس کی فلاح و بہبود کے لیے لائحہ عمل بنانا، لیکن ہمارے ملک میں ملکی سیاست یہ ہے کہ ہر جماعت اپنی جماعت کو مستحکم اور دوسری جماعت کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کرتی ہے اور جو جماعت بھی برسر اقتدار آتی ہے وہ ملک کے وسائل کو زیادہ سے زیادہ حاصل کر کے اپنی جماعت کے افراد تک پہنچانا چاہتی ہے، مختلف سیاسی جماعتوں میں یہی چیز ایک قدر مشترک ہے۔

دو خلیفوں کی بیعت کرنے کا حکم | اس حدیث میں ہے: جس شخص کے ہاتھ پر پہلے بیعت کر لو اس کو پورا کرو۔ علامہ ابی مائی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب ایک خلیفہ کے بعد دوسرے خلیفہ کی بیعت کا جانے تو پہلے خلیفہ کی بیعت صحیح ہے اور اس کو پورا کرنا واجب ہے اور دوسرے خلیفہ کی بیعت باطل ہے اور اس کو پورا کرنا حرام ہے، خواہ ان کو دوسرے امام کی بیعت کرتے وقت پہلے امام کی بیعت کا علم ہو یا نہ ہو، اور خواہ وہ دو امام الگ الگ شہروں میں ہوں یا ایک شہر میں ہوں۔

علامہ بازری مکی نے کہا ہے کہ ایک زمانہ میں دو اماموں کی بیعت کرنا واجب نہیں ہے اور بعض امریہین کا یہ مذہب ہے کہ جب دارالاسلام وسیع ہو جائے اور بعض دور دراز علاقوں میں امام کے احکام اور اس کی تدابیر نہ پہنچتی ہوں تو ان کے لیے دوسرا امام مقرر کرنا جائز ہے، علامہ نووی نے اس مذہب پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ یہ احادیث کے خلاف ہے اور علامہ متقدمین کے موقف کے بھی خلاف ہے۔

قاضی میاض مکی نے کہا ہے کہ اگر ایک وقت میں دو اماموں کے ہاتھ پر بیعت کی جائے تو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کون سا امام سابق ہے تو محققین کے نزدیک وہ زیادہ معتبر ہے اور اگر یہ معلوم نہ ہو سکے تو دونوں کی بیعت صحیح کر دی جائے، ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب اور باب حل و عقد پر چھوڑ دیا جائے، اور ایک قول یہ ہے کہ ان میں قرعہ اندازی کی جائے۔ ۱۸

تشویب کا ثبوت | حدیث نمبر ۴۶۶۱ میں ہے کہ: ایک سفر میں ہم لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے آواز دی "الصلوة جامعة"۔

۱۷۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۶ ص ۱۰۸، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران، ۱۳۵۱ھ و ۱۳۵۲ھ۔

۱۸۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ دمشقانی ابی مائی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال الکمال المکمل ج ۵ ص ۱۸۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔

(جماعت تیار ہے)، اس حدیث میں تشریب کا ثبوت ہے، علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں: آج کل موزن اذان دینے کے بعد دوبارہ لوگوں کو جماعت کھڑی کرنے پر متنبہ کرتے ہیں اور الصلوٰۃ جامعۃ یا الصلوٰۃ، الصلوٰۃ - کہتے ہیں اس کی اصل یہ حدیث ہے اور یہ بدعت نہیں ہے اس کے برخلاف تونس کے بعض علماء نے اس کو بدعت کہا ہے۔ ۱۷

علامہ قدوری حنفی لکھتے ہیں:

صبح کی اذان اور اقامت کے دوران تشریب کرنا (یعنی دوبارہ نواز کا اعلان کرنا اور لوگوں کو جماعت کا طرف بلانا) اور دوبارہ حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح کہنا مستحب ہے، کیونکہ یہ نیند اور غفلت کا وقت ہے۔ اس کی شرح میں المرینیانی لکھتے ہیں:

تشریب میں عرف اور عادت کے مطابق کلمات کہے جاتے ہیں، تشریب کو علامہ کوثر نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مہر کے بعد ایجاد کیا ہے، کیونکہ لوگوں کے احوال متغیر ہو گئے تھے، اور صبح کی تحفیں نیند اور غفلت کا وجہ سے کی جاتی ہیں، اور تاخرین نے تمام نمازوں میں تشریب کو مستحسن قرار دیا ہے، کیونکہ عبادات اور امور دینیہ میں لوگوں کی غفلت اور سستی زیادہ ہو گئی تھی، امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ موزن تمام نمازوں میں امیر سے یہ کہے کہ: السلام علیک ایہا الامیر ورحمۃ اللہ وبرکاتہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح الصلوٰۃ یوحی اللہ اور امام محمد نے اس کو مستحب قرار دیا ہے کیونکہ جماعت سے نماز پڑھنے میں تمام لوگ برابر ہیں، اور کھو امام ابو یوسف نے امر کی تحفیں اس لیے کی ہے کہ وہ مسلمانوں کے مسائل میں مشغول رہتے ہیں، اس لیے ان کو دوبارہ جماعت کی اطلاع دی جاتی ہے تاکہ ان کی جماعت نہ چھوٹ جائے، قاضی اور مفتی بھی چونکہ مسلمانوں کے امور میں مشغول رہتے ہیں اس وجہ سے ان کے لیے بھی پانچوں نمازوں میں تشریب کرنا مستحب ہے۔ ۱۸

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

علامہ کوثر نے اذان کے بعد تشریب (دوبارہ اعلان کرنے) کو لاحق کیا ہے، یعنی دوبارہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح۔ کہا جائے، ہر شہر کی تشریب اس کے عرف اور رواج کے مطابق ہوگی خواہ الصلوٰۃ، الصلوٰۃ کہا جائے یا قامت، قامت کہا جائے، تاخرین نے تمام نمازوں میں تشریب کو اس لیے مستحسن قرار دیا ہے کہ اب لوگوں میں سستی اور غفلت زیادہ ہو گئی ہے اور اذان سننے کے بعد بہت کم لوگ جماعت کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ ۱۹

فقہاء مالکیہ اور فقہاء حنفیہ کی ان تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ جس کام میں فی نفسہ خیر ہو اور وہ اصول اسلام سے متصادم نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے خواہ اس کام کا ثبوت عہد رسالت اور عہد صحابہ میں نہ ہو، تاہم اس کام کے

۱۷۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلعة دمشقی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المسلم ج ۵ ص ۱۸۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔

۱۸۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرینیانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اربعین ص ۷۲، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان۔

۱۹۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۱ ص ۲۱۵، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ مکہ۔

ساتھ فرض اور واجب کا معاملہ نہیں کرنا چاہیے اور کبھی کبھی اس کو ترک بھی کر دینا چاہیے۔ ہمارے زمانے میں لوگوں نے فرض اور واجبات کو ترک کر دیا ہے اور مستحبات اور بدعات حسنہ پر دائمی اور لازمی عمل کرتے ہیں فیہم للاسف

حضرت علی کی خلافت سے حضرت معاویہ کے اختلاف کی بحث | حدیث نمبر ۳۶۶۱ میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عامر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ تمہارے علم زاد معاویہ ہم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ ابھی میں ایک دوسرے کا ناجائز مال کھائیں اور ہم ایک دوسرے کو ناجائز قتل کریں۔ معاویہ ابی مالکی اس کی شرح میں لکھتے ہیں، سائل کا یہ اعتقاد تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو مال اپنے لشکر پر خرچ کرتے ہیں یہ مال ناجائز ہے اور ان کے لشکر والے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کو قتل کرتے ہیں وہ قتل بھی ناجائز ہے، سائل کا یہ اعتقاد تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق ہیں اور حضرت معاویہ کا ان کے مقابلہ میں خلافت کا دعویٰ کرنا باطل ہے اور حضرت معاویہ نے چونکہ حضرت علی کی بیعت نہیں کی بلکہ ان سے خلافت میں اختلاف کیا اور ان کے خلاف جنگ کی اس لیے اس حدیث کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کو برا کرنا اور حضرت معاویہ کو قتل کرنا واجب تھا کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عامر کی اس روایت میں ہے کہ جب ایک شخص کی بیعت کر لی جائے تو اس کی اطاعت کرو اور جو اس سے اختلاف کرے اس کی گردن اڑا دو، ابتداء میں اہل شام نے حضرت معاویہ کی بیعت نہیں کی تھی اور حضرت معاویہ نے صرف حضرت عثمان کے قاتلوں کا مطالبہ کیا تھا، اور حضرت معاویہ نے حضرت علی کی بیعت سے انکار کر دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ پہلے تم حضرت عثمان کے قاتلوں کو میرے حوالے کرو پھر میں تمہاری بیعت کروں گا، اس کے جواب میں حضرت علی نے حضرت جریر بن عبداللہ بخلی کے ہاتھ یہ خط روانہ کیا، حمد و کھلاۃ کے بعد واضح ہو کہ تم شام میں ہو اور اہل مدینہ نے میری بیعت کر لی ہے، اور یہ بیعت تم پر لازم ہو گئی ہے کیونکہ ان لوگوں نے میری بیعت کی ہے جنہوں نے میرے پیش رو (حضرت عثمان) کی بیعت کی تھی اس لیے اب حاضر کے لیے انتخاب کی گنجائش ہے نہ غائب کے لیے اس کو مسترد کرنے کا موقع ہے، یہ شوریٰ صرف ہمارے اور انصار میں منحصر ہے اگر وہ کسی شخص کو منتخب کر کے بالاتفاق امام مقرر کر دیں تو اس کی امامت لازم ہو جائے گی، سو جو شخص اس کی خلافت سے خروج کرے اس کو واپس لوٹنے پر مجبور کر دو، اور اگر وہ انکار کرے تو اس سے طریقہ مسلمانوں کی اتباع کرانے کے لیے جنگ کرو، لہذا تم بھی اس شخص کی خلافت کو مان لو جس کی امامت کو تمام مسلمانوں نے مان لیا ہے، تم نے قاتلین عثمان کو حوالے کرنے میں بہت مبالغہ کیا ہے اگر تم نے اپنی رائے واپس لے لی اور اپنے اختلافات سے رجوع کر لیا اور تمام مسلمانوں کے طریقہ کو اختیار کر لیا تو میں تمہارے اور تمہاری قوم کے ساتھ کتاب اللہ کے مطابق سلوک کروں گا اور اگر تم اپنی ہوائی نفس کی بجائے عقل سلیم سے غور کرو تو تم کو معلوم ہو گا کہ میں قریش میں سب سے زیادہ عین عثمان سے بری ہوں، اور تم یہ مجھ کو کہتم ان لفظوں میں سے جو میں نے اسے خلافت جائز نہیں ہے، اور میں نے تمہارے پاس جریر بن عبداللہ کو بھیجا ہے، یا اہل ایمان اور اہل ہجرت میں سے ہیں تم ان کے ہاتھ پر (میری) بیعت کر لو، اور اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر کسی کی استطاعت حاصل نہیں ہوتی۔

اب اسکا یہ ہے کہ واقعہ حکیم کے بعد اہل شام کا حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا کس طرح صحیح ہو گا جبکہ حضرت علی کی خلافت پہلے منعقد ہو چکی تھی اور اس کے بعد حضرت معاویہ نے اپنی خلافت پر بیعت لی اور حدیث میں

ہے جب ایک غلیفہ کی بیعت ہو جائے اور دوسرا شخص اس سے اختلاف کرے تو اس کو قتل کر دو، اس اشکال سے چھٹکارے کا اس کے سوا اور کوئی حل نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ حضرت سادہ رضی اللہ عنہ متاقلی اور مجتہد تھے۔ لہ

بَابُ ۳۳۲ الْأَمْرُ بِالصَّبْرِ عِنْدَ ظُلْمِ الْوَلَاةِ

وَأَسْتَنْثَارِهِمْ

۴۶۶۴ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَحُمَيْدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ خَلَا بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَسْتَعْمِلُنِي كَمَا اسْتَعْمَلْتَ فَلَدًا فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِي أَثَرَهُ فَأَصْبِرُوا حَتَّى تُلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ.

۴۶۶۵ - وَحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ

الْحَارِثِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ رِجْوَيْهِ أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ شُعْبَةَ بْنَ الْحَجَّاجِ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يُحَدِّثُ عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ خَلَا بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَيْلِهِ.

۴۶۶۶ - وَحَدَّثَنِيهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا

أَبُو حَدَّادٌ شُعْبَةُ بْنُ عَبْدِ الْأَسْتَادِ وَلَمْ يَقُلْ خَلَا بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

۴۶۶۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَحُمَيْدُ بْنُ

بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَيِّمٍ عَنْ حَرْبٍ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَاقِلٍ الْحَضَرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَأَلَ سَلَمَةَ بْنَ

حکام کے ظلم پر صبر کرنے کا حکم

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں عرض کیا، کیا آپ مجھے عامل نہیں بنائیں گے؟ جس طرح آپ نے فلاں شخص کو عامل بنایا ہے، آپ نے فرمایا میرے بعد تم کو اپنے اوپر ترجیح کا سامنا ہو گا، تم اس پر صبر کرنا محض کہ تمہاری مجھ سے حوض کوثر پر ملاقات ہو۔

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں عرض کیا: اس کے بعد سب سابقین حدیث ہے۔

ایک اور سند سے یہ حدیث مروی ہے اس میں راوی نے یہ نہیں کہا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں عرض کیا۔

علقہ بن وائل حضری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سلمیٰ بن یزید جعفی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! یہ بتلائیے کہ اگر ہم پر ایسے حاکم مسلط ہوں جو ہم سے اپنے حقوق کا مطالبہ

لہ۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن علیہ رضی اللہ عنہما نے اپنی ماہی مترقی ۸۲۸ھ، اکمال الکمال المسلم ج ۵ ص ۱۹۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔

کریں اور ہمارے حق ہمیں نہ دیں، تو اس صورت میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں، آپ نے اس سائل سے اعراض کیا، اس نے دوبارہ سوال کیا، آپ نے پھر اعراض کیا، پھر جب اس نے دوسری یا تیسری بار سوال کیا تو اس کو اشعث بن قیس نے کھینچ لیا، آپ نے فرمایا سنو اور اطاعت کرو، کیونکہ ان کا بلد ان پر ہے اور ہمارا بوجھ تم پر ہے۔

ایک اور سند سے یہ حدیث مروی ہے اس میں
 ہے اشعث بن قیس نے سائل کو پہنچایا اور رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو اور اطاعت کرو، ان پر
 حرف ان کا برجھ ہے اور تم پر تنہا راجہ ہے۔

فتوے کے وقت مسلمانوں کی جماعت
کے ساتھ رہنے کا حکم

حضرت مدنیہ بن بیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے متعلق سوال کرتے تھے، اور میں آپ سے شر کے متعلق سوال کرتا تھا، اس خوف سے کہ کہیں میں اس شر میں مبتلا نہ ہو، عواذ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ہم زمانہ جاہلیت میں شر میں تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس اس خیر کو لایا، کیا اس خیر کے بعد پھر شر ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں میں نے کہا کیا اس شر کے بعد پھر خیر ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں لیکن اس خیر میں کچھ کمورت ہوگی، میں نے عرض کیا وہ کمورت کیسی ہوگی؟ آپ نے فرمایا: لوگ میری سنت پر نہیں چلیں گے، اور میری ہدایت کے خلاف عمل کریں گے ان میں اچھی اور بُری دونوں باتیں ہوں گی، میں نے عرض کیا کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہوگا؟ آپ نے فرمایا:

يَزِيدُ الْجَعْفِيُّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَالَ يَا بَنِي اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِنْ قَامَتْ عَلَيْنَا أُمَمَانِ
يَسْأَلُونَا حَقَّهُمْ وَيَمْنَعُونَا حَقَّنَا فَمَا تَأْمُرُنَا
فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ سَأَلَهُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ سَأَلَهُ
فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الثَّالِثَةِ فَجَدَّ بَدَأُ الشَّعْثُ بَنُ
قَيْسٍ وَقَالَ اسْمِعُوا وَأَطِيعُوا فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا
حُمِلُوا وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِلْتُمْ.

٢٦٦٨ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ حَدَّادٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَمَاءَ ابْنَةِ
الْإِسْنَادِ وَمِثْلَهُ وَقَالَ فَحَدَّثَنَا أَبُو الْأَشْعَثِ بْنُ
قَيْسٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِسْمَعُوا وَأَطِيعُوا فَإِنَّمَا عَلَيْكُمْ مَا حُمِّلُوا وَ
عَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ -

بَابُ الْأَمْرِ بِزُومِ الْجَمَاعَةِ عِنْدَ ظُهُورِ
الْفِتَنِ وَتَحْيِي الدُّعَاةِ إِلَى الْكُفْرِ

٣٦٦٩ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا أَبُو يُونُسَ
بْنُ مَسْلُكٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ يُونُسَ بْنِ جَابِرٍ
حَدَّثَنِي بُشَيْرُ بْنُ عُبَيْدٍ أَنَّ اللَّهَ الْخَصْرَ مَوْلَى أَتْلَهَ سَمِعَهُ أَبَا
إِذْ رَأَى الْخَوْلَ فِي يَقُولُ سَمِعْتُ حَدَّثَ يَفْعَةُ بْنُ الْيَمَانِ
يَقُولُ كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ
عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةً أَنْ يَنْدِرَ بِي كَيْفَى فَقُلْتُ يَا رَسُولَ
اللَّهِ إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّتِنَا وَشَرٌّ فَجَاءَنَا اللَّهُ بِهَذَا
الْخَيْرِ فَقُلْ بَعْدَ هَذَا الْخَيْرِ كَثُرَ قَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ
هَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ قَالَ نَعَمْ وَفِيهِ دَخْلٌ
قُلْتُ وَمَا دَخْلُهُ قَالَ قَوْمٌ يَسْتَعْتُونَ بِغَيْرِ سَبْتِي
وَيَهْدُونَ بِغَيْرِ هَدْيِي تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ
فَقُلْتُ هَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ قَالَ نَعَمْ

دَعَا إِلَىٰ أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مِنْ آجَا بِهِمْ لِيَمْنَهَا
قَدْ قُوَّةَ فِيهَا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صِفْهُمْ لَنَا
قَالَ نَعَمْ قَوْمٌ مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا
قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَمَا تَرَىٰ إِنْ أَدْرَاكَ لِي ذَلِكِ
قَالَ تَلَرُّمْ جَمَاعَةً الْمُسْلِمِينَ وَإِمَانَهُمْ فَقُلْتُ
فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةً وَلَا إِمَانًا قَالُوا فَاعْتَرِلْ
بِكَ الْغِيَا قُلْ كُلُّهَا وَلَوْ أَنْ تَعَصَّ عَلَىٰ أَصْلٍ شَجَرَةٍ
حَتَّىٰ يَذْرَأَهُمُ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَىٰ ذَلِكِ

ہاں کچھ لوگ جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہوں گے اور لوگوں
کو بلائیں گے جو ان کی دعوت پر لبیک کہنے گا وہ اس کو
جہنم میں ڈال دیں گے! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان
کی صفت بیان کیجئے، آپ نے فرمایا ان لوگوں کا رنگ ہر
طرح ہوگا اور وہ ہماری زبان بولتے ہوں گے، میں نے
عرض کیا یا رسول اللہ! اگر میں ان کا زمانہ پاؤں تو میرے
لیے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا تم مسلمانوں کے امام اور مسلمانوں
کی جماعت کے ساتھ وابستہ رہنا، میں نے عرض کیا اگر اس
وقت مسلمانوں کی جماعت اور امام نہ ہو؟ آپ نے فرمایا
تم ان تمام فرقوں سے الگ رہنا خواہ تم کو تاحیات حیات
کی جڑیں چھانی پڑیں اور اسی حال میں تمہاری موت آنے

۴۶۰ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلٍ بْنُ عَسْكَرٍ
الْقُشَيْرِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ بْنُ حَسَّانٍ حَدَّثَنَا
عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ أَخْبَرَنَا يَحْيَىٰ
(وَهُوَ ابْنُ حَسَّانٍ) حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ رَيْغِي (ابْنُ
سَلَامٍ) حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ سَلَامٍ عَنْ أَبِي سَلَامٍ
قَالَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ الْيَمَانِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ
اللَّهِ إِنَّا كُنَّا بِكَرٍّ وَجَاءَ اللَّهُ بِخَيْرٍ فَخَنُّ فَيَسِّرَ
فَهَلْ مِنْ ذَمٍّ آءِ هَذَا الْخَيْرِ كَرٍّ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ
هَلْ وَآءِ ذَلِكِ الْكَرْ خَيْرٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ فَهَلْ
وَآءِ ذَلِكِ الْخَيْرِ كَرٍّ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ كَيْفَ قَالَ
يَكُونُ بَعْدِي أُمَّةٌ لَا يَهْتَدُونَ بِهَدَايَ وَلَا
يَسْتَمْتُونَ بِسُنَّتِي وَسَيَقُومُ فِيهِمْ رِجَالٌ
قُلُوبُهُمْ قُلُوبُ الشَّيَاطِينِ فِي جُثَمَانِ إِنْ
قَالَ قُلْتُ كَيْفَ أَصْنَعُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ
أَدْرَاكَ ذَلِكِ قَالَ لَسْمُهُ وَطَيْعُهُ لِلْأَمِيرِ وَإِنْ
ضُرِبَ ظَهْرُهُ وَأُخِذَ مَالُكَ فَأَمْنُهُ وَأَطْعَمَ

حضرت عبدالغنی بن بیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم شر میں مبتلا رہتے، پھر اللہ
تعالیٰ ہمارے پاس اس خیر کو لے آیا کیا اس خیر کے
بعد شر ہوگا، آپ نے فرمایا: ہاں، میں نے عرض کیا کیا اس
شر کے بعد خیر ہوگا، آپ نے فرمایا: ہاں، میں نے پوچھا
کیا اس خیر کے بعد شر ہوگا؟ فرمایا: ہاں! میں نے پوچھا
اس کی کیا کیفیت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: میرے بعد ایسے
اللہ ہوں گے جو میری ہدایت پر عمل نہیں کریں گے، اللہ
نہ میری سنت پر چلیں گے اور عنقریب ان میں ایسے
لوگ ہوں گے جن کے دل شیطانوں کی طرح اور بدن
انسانوں کی مانند ہوں گے، اداوی کہتے ہیں میں نے کہا
یا رسول اللہ! اگر میں ان کو پاؤں تو کیا کروں؟ آپ نے
فرمایا: امیر کے احکام سننا اور اس کی اطاعت کرنا، خواہ
تمہاری پیٹ پر کوڑے مارے جائیں اور تمہارا مال چھین
لیا جائے پھر بھی (احکام) سننا اور اطاعت کرنا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (حاکم کی)

۴۶۱ - حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا
جَرِيرٌ رِيعِي (ابْنُ حَارِثٍ) حَدَّثَنَا غِيلَانُ بْنُ جَرِيرٍ

اطاعت سے نکل جائے اور جماعت کو چھوڑ دے تو وہ جاہلیت کی موت مرا، اور جو شخص اندھی تقلید میں کسی کے جھنڈے تلے جنگ کرے یا کسی عصبیت کی بنا پر غضب ناک ہو یا عصبیت کی طرف دعوت دے، یا عصبیت کی خاطر جنگ کرے اور مارا جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا، اور جس شخص نے میری امت پر خروج کیا اور اچھول اور برہوں سب کو قتل کیا، کسی مومن کا لحاظ کیا نہ کسی سے کیا ہوا عہد پورا کیا وہ میرے دین پر نہیں ہے اور نہ میرا اس سے کوئی تعلق ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے اور اس میں لا یتحاشی من مؤمنہا۔ کے الفاظ ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جو شخص (امیر کی) اطاعت سے نکلا اللہ اس نے جماعت کو چھوڑ دیا پھر جنگ کی طرف جاہلیت کی موت مرے گا، اور جو شخص اندھی تقلید میں کسی کے جھنڈے تلے مارا جائے، عصبیت کی بنا پر غضب ناک ہو، اور عصبیت کی بنا پر جنگ کرے وہ میری امت میں سے نہیں ہے، اور میری امت میں سے جو شخص میری امت پر خروج کرے، نیک اور بد ہر شخص کو قتل کرے، مومن کا لحاظ کرے نہ ذمی کا عہد پورا کرے وہ میرے دین پر نہیں ہے۔

ایک اور سند سے یہ حدیث ہے ابن مسنی نے اپنی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں کیا، اور ابوبکر نے دوسروں کی روایت کی طرح کہا رسول اللہ

عَنْ أَبِي قَلَيْسٍ بْنِ رِيَّاحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ قَمَاتَ مَاتَ مَيِّتَةً جَاهِلِيَّةً وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عُتَيَّةٍ يَغْضِبُ لِعَصْبَةٍ أَوْ يَدْعُو إِلَى عَصْبَةٍ أَوْ يَنْصُرُ عَصْبَةً فَقَتِلَ فِقْتَلَهُ جَاهِلِيَّةٌ وَمَنْ خَرَجَ عَلَى أُمَّتِي يَضْرِبُ بَرْهَاً وَفَاجِرَهَا وَلَا يَتَحَاشَى مِنْ مُؤْمِنٍ مِنْهَا وَلَا يَفِي لِدِينِي عَهْدِي فَقَدْ كَفَى مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

۲۶۲- وَحَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ غِيلَانَ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ زِيَادِ بْنِ رِيَّاحٍ الْقَلْبِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنِي حَوَاشٍ بَنُو جَرِيرٍ وَقَالَ لَا يَتَحَاشَى مِنْ مُؤْمِنٍ مِنْهَا

۲۶۳- وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ عَنْ غِيلَانَ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ زِيَادِ بْنِ رِيَّاحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ ثُمَّ مَاتَ مَاتَ مَيِّتَةً جَاهِلِيَّةً وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عُتَيَّةٍ يَغْضِبُ لِعَصْبَةٍ وَيُقَاتِلُ لِعَصْبَةٍ فَلَيْسَ مِنْ أُمَّتِي وَمَنْ خَرَجَ مِنْ أُمَّتِي عَلَى أُمَّتِي يَضْرِبُ بَرْهَاً وَفَاجِرَهَا لَا يَتَحَاشَى مِنْ مُؤْمِنٍ مِنْهَا وَلَا يَفِي لِدِينِي عَهْدِي هَا كَلَيْسَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

۲۶۴- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ غِيلَانَ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ زِيَادِ بْنِ رِيَّاحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

قَالَ يَذْكُرُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَدِيثِ
وَأَمَّا ابْنُ بَشَّارٍ فَقَالَ فِي رَأْيِهِ قَالَ
رَأْسُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْحُو
حَدِيثُهُمْ -

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

۴۶۵ - حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا
حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنِ الْجَعْدِ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أَبِي
رَجَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَزِيدُ قَالَ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ
شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ فَإِنَّهُ مِنْ فِتْنَةِ الْجَمَاعَةِ
شَيْئًا فَمَاتَ فَمَيِّتُهُ جَاهِلِيَّةٌ -

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اپنے
امیر کی کوئی چیز ناگوار گذرے وہ صبر کرے کیونکہ جو شخص ایک
باشت برابر بھی جماعت سے الگ ہوگا وہ جاہلیت کی موت
مرے گا۔

۴۶۶ - وَحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخٍ حَدَّثَنَا
عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا الْجَعْدُ حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ
الْعُطَايَرِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَرِهَ مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا
فَلْيَصْبِرْ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ نَحَرَهُ
مِنَ الشَّيْطَانِ شَيْئًا فَمَاتَ عَلَيْهِ إِلَّا مَاتَ
مَيِّتَةً جَاهِلِيَّةً -

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اپنے
امیر کی کوئی بات ناگوار گذرے وہ اس پر صبر کرے کیونکہ
لوگوں میں سے جو شخص بھی سلطان کی اطاعت سے ایک
باشت بھی نکلا تو وہ زمانہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

۴۶۷ - حَدَّثَنَا هُرَيْرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَلَى
حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي جَحْلٍ
عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْبَجَلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ تَحْتَ دَائِيَةٍ
عُمَيْيَةٍ يَدْعُو عَصِيْبِيَّةً أَوْ يَنْصُرُ عَصِيْبِيَّةً
فَقَتَلَهُ جَاهِلِيَّةٌ -

حضرت جندب بن عبد اللہ بجلي روایت کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اندھی
تقلید میں کسی کے جھنڈے سے ملے مارا گیا، جو عصبيت
کا دعوت دیتا تھا اور عصبيت کی مدد کرتا تھا اس کی موت
جاہلیت کی موت ہے۔

۴۶۸ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ
حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ هُرَيْرٍ (وَهُوَ ابْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ
زَيْدٍ) عَنْ زَيْدِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ تَائِفٍ قَالَ جَاءَ
عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُطْعِمٍ حِينَ
كَانَ مِنْ أَمْوَالِ حَوْزَةٍ مَا كَانَ مِنْ زَيْدِ بْنِ
مُعَاوِيَةَ فَقَالَ لَطَرُ حَوْزَةِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ

نافع بیان کرتے ہیں کہ یزید بن معاویہ کے دور حکومت
میں جب واقعہ حرا ہوا تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما
عبد اللہ بن مطیع کے پاس گئے، اسی مطیع نے کہا حضرت
ابو عبد الرحمن (یہ حضرت ابن عمر کی کنیت تھی) کے لیے فائدہ
بجھاؤ حضرت ابن عمر نے فرمایا میں تمہارے پاس بیٹھنے
کے لیے نہیں آیا، میں تمہارے پاس صرف اس لیے آیا ہوں

وَسَادَةٌ فَقَالَ اِنِّي لَمَّا اَتَيْتُكَ لَاجْلِسَ اَتَيْتُكَ
لَا حِدَ ثَلَكَ حَدِيثًا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ
لِقِيَّ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَاحُجَّةَ لَهُ وَمَنْ مَاتَ
وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مَيْتَةً جَاهِلِيَّةً -

کہ تم کو ایک حدیث سناؤں جس کو میں نے خود رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا جس شخص نے (امام کی) اطاعت سے ہاتھ نکال
یا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا
کہ اس کے حق میں کوئی حجت نہیں ہوگی، اور جو شخص اس
حال میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہیں تھی وہ
جاہلیت کی مروت مرے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ
ابن مطیع کے پاس گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
حدیث روایت کی۔

۴۶۹ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ كَيْسَرٍ حَدَّثَنَا كَيْسَرٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ
بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ عَنْ يَكِيْبٍ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْأَشْجَعِ
عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ أَقْبَابَ بْنَ مَطِيْعٍ
قَدْ كَرِهَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَخْرُجًا -

ایک اور سند کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی
حدیث حضرت ابن عمر سے مروی ہے۔

۴۷۰ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا ابْنُ
مُهَذَّبٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو وَابْنُ جَبَلَةَ
حَدَّثَنَا يَشْرُبُونُ عُمَرَ قَالَ جَمِيعًا حَدَّثَنَا هِشَامُ
بْنُ سَعْدٍ عَنْ مَنْ يَدُونِ اسْلَمَ عَنْ أَبِي يَسِيدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ
عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَى حَدِيثِ
نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ -

خیر اور شر کے اعتبار سے ادوار امت کی تقسیم | اس باب کی حدیث نمبر ۴۶۹ میں ہے: زمانہ جاہلیت
خیر ہوگی لیکن اس میں کچھ میل ہوگا اور اس کے بعد پھر شر ہوگا، اس حدیث کی تشریح میں علامہ ابی ناکی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جو تین احوال بیان کیے گئے ہیں یہ خلافت کے تین احوال ہیں، پہلی قسم خیر محض ہے اور یہ خلفاء راشدین
کی خلافت ہے جو خلافت علی منہاج النبوت ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس کے متعلق آپ نے فرمایا اس خیر کے بعد
شر ہوگا، یہ لوگوں کا دور ہے جو خلافت راشدہ کے بعد عمر بن عبد العزیز تک رہا، تیسری قسم وہ ہے جس کے متعلق فرمایا
اس شر کے بعد خیر ہوگی لیکن اس میں میل کی آمیزش ہوگی اس کی تفسیر عمر بن عبد العزیز کے دور خلافت سے کی گئی ہے،
اس کے بعد جو لوگ اور سلاطین آئے ان کو آپ نے شر کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ لہ

یزید کی بیعت کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف | امام بخاری نافع سے نقل کرتے ہیں کہ جب اہل مدینہ

نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی اولاد اور اپنے آثار کو جمع کیا اور کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص کے لیے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، اور ہم نے اس شخص (یزید بن معاویہ) سے اللہ اور اس کے رسول کی بیعت پر بیعت کی ہے اور میں اس سے بڑھ کر کوئی اور بد عہدی اللہ عہد شکنی نہیں جانتا کہ کسی شخص سے اللہ اور اس کے رسول کی بیعت پر بیعت کی جائے اور پھر اس کے خلاف جنگ شروع کی جائے، اور مجھے جس شخص کے متعلق بھی یہ علم ہوا کہ اس نے یزید کی بیعت توڑ دی ہے یا اس معاملہ میں کسی کا ساتھ دیا ہے تو میرا اور اس کا تعلق منقطع ہو جائے گا۔ ۱۔

اور اس باب کی حدیث نمبر ۴۶۸ میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یزید کی بیعت توڑنے والوں کے پاس جا کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس شخص نے (امام کی) اطاعت سے امتزغال یا بد قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے بغیر حجت کے طاقات کرے گا، علامہ ابی مالکی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مسلک یہ تھا کہ اگر امام کی بیعت کے بعد اس میں فسق ظاہر ہو جائے تو اس کی بیعت توڑنا اور اس کے خلاف خروج کرنا جائز نہیں ہے اور یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اکثر بلکہ تمام فقہاء کا مسلک یہی ہے جیسا کہ ابن ماجہ نے ذکر کیا ہے، اور جو فقہاء ناسق امام کے خلاف اٹھنے اور خروج کرنا نہ سمجھتے ہیں وہ حضرت حسین اور حضرت ابن الزبیر کے خروج سے استدلال کرتے ہیں، اور جمہور فقہاء ان احادیث کی بنا پر اس کو منع کرتے ہیں نیز کبھی یہ قیام اور خروج زبردست فتنہ فساد اور خونریزی پر منتج ہوتا ہے، جیسا کہ واقعہ حرہ میں ہوا، اور ایک قول یہ ہے یہ اختلاف ابتداء میں تھا بعد میں سب کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ ناسق امام کے خلاف قیام اور خروج جائز نہیں ہے۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ اختلاف اس صورت میں ہے جب امام پہلے عادل ہو اور پھر ناسق ہو جائے، لیکن جو شخص انتفا امامت سے پہلے ہی ناسق ہو اور اس کی بیعت کر لی جائے تو اس کے متعلق اتفاق ہے کہ اس کی امامت منقذ نہیں ہوتی، اور یزید امامت کے منقذ ہونے سے پہلے ہی ناسق تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ابتداء ناسق ہو تو اس کی امامت منقذ نہیں ہوتی، لیکن اگر اس کی بیعت کر لی جائے تو پھر اس کی امامت منقذ ہو جاتی ہے اور وہ امام اس امام کے حکم میں ہو جاتا ہے جو پہلے عادل ہو اور بعد میں ناسق ہو جائے اور اس کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ابن مطیع کو یزید کی بیعت توڑنے سے باز رکھنے کی کوشش کرنا ہے۔ ۲۔

حافظ ابن حجر مستقانی شافعی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس امام کی بیعت منقذ ہو گئی اس کی اطاعت واجب ہے اور اس کے خلاف خروج جائز نہیں ہے خواہ وہ لوگوں پر ظلم کرے اور یہ کہ فسق سے امام مزل نہیں ہوتا۔ ۳۔

۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۳، مطبوعہ نور محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۲۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ دشتانی آبی مالکی متوفی ۸۴۸ھ، اکمال اکمال المسلم ج ۵ ص ۲۰۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر مستقانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۲ ص ۶۲، مطبوعہ دار نشر الکتب اسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

اس حدیث میں واقعہ مرتہ کا بھی ذکر ہے، واقعہ مرتہ کی تفصیل شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۰ میں ملاحظہ فرمائیں۔

باب ۳۳ حکم من فرق امر المسلمین وهو مجتہعہ مسلمانوں کی جماعت میں تفریق کرنے والے کا حکم

۲۶۸۱- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ أَبُو نَافِعٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ رَوَى عَنْهُ قَالَ ابْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَمْرَ قَجَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّكُمْ تَسْكُونُونَ هَنَاتٍ وَهَنَاتٍ فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَفْرُقَ أَمْرَهُنَّ إِلَّا مَتَى وَهِيَ جَمِيعَةٌ فَأَضْرِبُوهُ بِالسَّيْفِ كَأَنَّهُمَا مِنْ كَانٍ -

امام مسلم نے اس حدیث کی چار سندیں بیان کیں سب روایات میں "فاقتلوا" ہے۔

۲۶۸۲- وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَّاسٍ حَدَّثَنَا ثَعْلَبَةُ بْنُ زَكْرِيَّا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَوْسَى عَنْ كَثِيبَانَ حَدَّثَنَا اسْتَحْيُ بْنُ أَبِي رَافِعٍ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُنْكَدَمِ حَدَّثَنَا الْحُثُعِيُّ حَدَّثَنَا إِسْرَافِيلُ حَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ حَبَّابٍ حَدَّثَنَا عَارِمُ بْنُ الْقَصَلِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُنْكَدَمِ وَتَجِلُّ سَمَاءُ كُلُّهُمْ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ عَنْ عَمْرِو قَجَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِهِمْ جَمِيعًا فَأَقْتُلُوهُ -

۲۶۸۳- وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ أَبِي يَعْقُوبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَمْرِو قَجَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ أَوْ يَفْرُقَ جَمَاعَتَكُمْ فَأَقْتُلُوهُ -

حضرت عوف بن محمد رحمہ اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ جب تم ایک شخص کی امامت پر متفق ہو پھر کوئی شخص تمہارے استناد کی لاشیں کر تڑپنے کی کوشش کرے یا تمہاری جماعت میں تفریق کی کوشش کرے تو اس کو قتل کر دو۔

بَابُ إِذَا بُوِيعَ لِخَلِيفَتَيْنِ

۲۶۸۴ - وَحَدَّثَنِي وَهَبُ بْنُ بَقِيَّةَ
الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ الْجَرِيرِيِّ
عَنْ أَبِي نَصْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بُوِيعَ
لِخَلِيفَتَيْنِ فَاقْتُلُوا الْأَخَرَ مِنْهُمَا -

دو خلیفوں سے بیعت کا حکم

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دو خلیفوں
کی بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کر
دو۔

ف: اس حدیث کی شرح ہم نے کتاب الامارۃ کے مقدمہ میں بیان کر دی ہے، وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

بَابُ وَجُوبِ الْإِنْكَارِ عَلَى الْأُمَرَاءِ

فِيمَا يُخَالِفُ الشَّرْعَ وَتَرْكِ
قِتَالِهِمْ مَا صَلُّوا وَنَحْوُ ذَلِكَ

۲۶۸۵ - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ خَالِدٍ الْأَدَدِيُّ
حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ
الْحُسَيْنِ عَنْ صَبِيئَةَ بْنِ مَعْصِنٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَتَكُونُ
أُمَرَاءٌ فَتَعْرِضُونَ وَتُنْكِرُونَ فَمَنْ عَرَفَ بَرِيئًا
مَنْ أَنْكَرَ سَلِمَ وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ قَاتِلًا
أَفْلَا تُقَاتِلُهُمْ قَالَ لَا مَا صَلُّوا -

خلافت شرع امور میں حکام کا رد کرنا واجب
ہے اور جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں
ان کے خلاف جنگ کرنا ممنوع ہے

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب تم پر ایسے حاکم
مقرر ہوں گے جو اچھے اور برے کام کریں گے سرجس
نے برے کاموں کو پہچان لیا وہ بری ہو گیا، اور جس نے
برے کاموں کو مسترد کیا وہ سلامت رہا، البتہ جس شخص
نے برے کاموں کو پسند کیا اور ان کی پیروی کی (وہ سلامت
نہیں رہے گا) صحابہ نے عرض کیا: کیا ہم ان سے جنگ
نہ کریں؟ آپ نے فرمایا نہیں، جب تک کہ وہ نماز پڑھتے
رہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام المؤمنین ام
رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا تم پر ایسے امیر مقرر کیے جائیں گے جس سے تم انجان
بھی دیکھو گے اور برائیاں بھی، سرجو برے کام کو پسند
کرے گا وہ بری ہو جائے گا اور جو اس کو مسترد کرے گا
وہ سلامت رہے گا، البتہ جو شخص ان کو پسند کرے گا
اور ان کی اتباع کرے گا (وہ سلامت نہیں رہے گا)

۲۶۸۶ - وَحَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمُسَمَعِيُّ
وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ جَمِيعًا عَنْ مَعَاذٍ وَاللَّفْظُ لِأَبِي
غَسَّانَ (حَدَّثَنَا مَعَاذٌ (وَهُوَ ابْنُ هِشَامٍ الذَّمَّوَانِيُّ)
حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ عَنْ صَبِيئَةَ
بْنِ مَعْصِنٍ الْعَنَزِيِّ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ تَرْوِيهِ النَّجَاشِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِنَّمَا يُسْتَعْمَلُ
عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ فَتَعْرِضُونَ وَتُنْكِرُونَ فَمَنْ كَرِهَ

فَقَدْ بَرِحَ وَمَنْ أَنْكَرَ فَقَدْ سَلِمَ وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ لَا تَقْأَتِلَهُمْ قَالَتْ لَا مَا صَلَّوْا رَأَى مِنْ كِبَرَةٍ بِقَلْبِهِ وَأَنْكَرَ بِقَلْبِهِ

بری نہیں ہوگا صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم ان سے جہاد نہ کریں، آپ نے فرمایا نہیں جب تک وہ ناز پڑھتے رہیں، برا جاننے سے دل سے بُرا جانا اور مسترد کرنے سے دل سے مسترد کرنا مراد ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے، البتہ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں جس نے انکار کیا وہ بری ہوگا اور جس نے ناپسند کیا وہ سلامت رہا۔

۴۶۸۷ - وَحَدَّثَنِي أَبُو الزَّيْنِ بَيْعُ الْعَتَكِيِّ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ (رِيعِيُّ ابْنِ تَمِيمٍ) حَدَّثَنَا النُّعْمَانُ ابْنُ زِيَادٍ وَهَشَامُ عَنْ الْحَسَنِ عَنْ صَبِيَّةَ بِنْتِ مَحْصَنٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَحْوِيلِكَ غَيَّرَ أَثْنَا قَالَ فَمَنْ أَنْكَرَ فَقَدْ بَرِحَ وَمَنْ كَبَّرَ فَقَدْ سَلِمَ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔ البتہ اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں و لیکن من رضی وتابع۔

۴۶۸۸ - وَحَدَّثَنَا هُشَامُ عَنْ ابْنِ الزَّيْنِ بَيْعُ الْبَجَلِيِّ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ هَشَامٍ عَنْ الْحَسَنِ عَنْ صَبِيَّةَ بِنْتِ مَحْصَنٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كَرِهْتُكُمْ إِلَّا قَوْلَهُمَا وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ لَمْ يَذْكُرْهُ

حکام کے خلاف شرع کاموں پر عوام کی کیا ذمہ داری ہے؟ | حسب عوام ماکوں کے خلاف شرع کاموں کو دیکھیں تو اگر وہ ان بُرائیوں کی عملی اصلاح کر سکتے ہوں تو عملی اصلاح کریں ورنہ زبان سے ان کاموں کا رد کریں اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہوں تو دل سے ان کاموں کو بُرا جانیں۔

حدیث نمبر ۴۶۸۵ میں ہے فمن عرف فقد برحی اور ایک روایت میں ہے فمن كبر فقد برحی، دوسری روایت کی بناء پر معنی یہ ہے کہ جس نے بُرائی کو مکروہ جانا وہ اس کے مَذَاب سے بری ہو گیا، اور یہ اس کے حق میں ہے جو بُرائی کو اُتھ سے مٹا سکتا ہو نہ زبان سے اس کا انکار کر سکتا ہو تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ بُرائی کو دل سے بُرا جانے تاکہ وہ مَذَاب سے بری ہو جائے، اور پہلی روایت کی بناء پر معنی یہ ہے جس نے بُرائی کو پہچان لیا اور وہ اس پر مشتبہ نہیں ہوئی تو اس کو مَذَاب سے نجات کا طریقہ معلوم ہو جائے گا بایں طور کہ وہ اپنے اُتھ سے بُرائی کو بدلے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے اس کا انکار کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اس کو بُرا جانے اور جو شخص کسی بُرائی کو زائل کرنے سے عاجز ہو تو وہ اس پر معنی سکوت سے گتہ کار نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اس بُرائی کو دل سے پسند نہ کرے یا اس کی پیروی نہ کرے، جس طرح آپ نے ارشاد فرمایا: البتہ جس شخص نے بُرے کاموں کو پسند کیا اور ان کا پیروی کی۔

ظالم اور فاسق خلفاء کے خلاف خروج نہ کرنے کی دلیل | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے پوچھا کیا ہم ایسے ماکوں سے

جگہ نہ کریں؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب تک خلفاء قواعد اسلام میں کوئی تغیر نہ کریں ان کے خلاف خروج جائز نہیں ہے اور یہ کہ محض ظلم اور فسق سے خلفاء کے خلاف خروج کرنا جائز نہیں ہے۔

بَابُ خِيَارِ الْأَيْمَةِ وَشَرَارِهِمْ

۴۶۸۹ - حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ
الْحَنْظَلِيُّ أَخْبَرَنَا عَيْسَى بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ
عَنْ يَزِيدَ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ عَنْ ثَارِقِ بْنِ حَبِيبٍ عَنْ
مُسْلِمِ بْنِ قُرْظَةَ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ أَيْمَتِكُمْ
الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَ
تُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَشِرَارُ أَيْمَتِكُمُ الَّذِينَ
تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ وَتَلْعَنُونَهُمْ وَ
يَلْعَنُونَكُمْ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا تُنَادِينَا بِهِمْ
بِالسَّيِّئِ فَقَالَ لَا مَا أَقَامُوا فِيكُمْ الصَّلَاةَ
وَإِذَا مَا آيَتُكُمْ مِنْ وَلَا تِكُمْ شَيْئًا تَكْرَهُوهُ
فَأَكْرَهُوا عَمَلَهُ وَلَا تَنْزَعُوا يَدَ إِمْنٍ طَاعَتِهِ -

۴۶۹۰ - حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رَسِيْدٍ حَدَّثَنَا
الْوَلِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ
يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ أَخْبَرَنَا فِي مَوْلَى قَبِيْ قَزَارٍ وَهُوَ
رَبِيعُ بْنُ حَبِيبٍ أَنَّ سَمْعَةَ مَسْلَمَةَ بْنَ قُرْظَةَ
ابْنَ عَمِّ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ
عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ خِيَارُ أَيْمَتِكُمُ الَّذِينَ
تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّونَ
عَلَيْكُمْ وَشِرَارُ أَيْمَتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَ
يُبْغِضُونَكُمْ وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ
قَالُوا قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا تُنَادِينَا بِهِمْ عِنْدَ ذَلِكَ
قَالَ لَا مَا أَقَامُوا فِيكُمْ الصَّلَاةَ لَا مَا أَقَامُوا فِيكُمْ

اچھے اور بُرے حاکموں کا بیان

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے بہترین امام (خلیفہ) وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کے لیے دعا و مغفرت کرو اور وہ تمہارے لیے دعا و مغفرت کریں، اور تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں، تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ کیا ہم ان کو تلوار کے زور سے منزل نہ کریں؟ آپ نے فرمایا نہیں! جب تک کہ وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں، اور جب تم اپنے حکمرانوں کی کوئی برائی دیکھو تو ان کے اس عمل کو بُرا جانو اور ان کی اطاعت سے دستکش نہ ہو۔

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے بہترین امام وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کے لیے دعا و مغفرت کرو اور وہ تمہارے لیے دعا و مغفرت کریں اور تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں، اور تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں، صحابہ نے کہا ہم نے عرض کیا کہ کیا ہم ایسے مرتبے پر ان کو تلوار سے منزل نہ کر دیں، آپ نے فرمایا نہیں! جب تک کہ وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں، نہیں، جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں، سنو! جن لوگوں پر کسی شخص کو حاکم بنایا گیا پھر وہ لوگ اس حاکم کو اللہ کی کسی معصیت

الصَّلَاةَ الْأَمَنَ وَلِيَّ عَلَيْهِ وَإِلَ قَرَاهُ يَأْتِي مَشِيئًا
مِنْ مَعْصِيَةِ اللَّهِ فَلْيَكُزَّةَ مَا يَأْتِي مِنْ مَعْصِيَةِ
اللَّهِ وَلَا يَنْزِعَنَّ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ قَالَ ابْنُ جَابِرٍ
فَقُلْتُ (رَبِّعِي لِرَبِّعِي) حِينَ حَدَّثَنِي بِهَذَا
الْحَدِيثِ اللَّهُ يَا أَبَا الْمَعْدِ أَمْرًا لِحَدَّثَكَ بِهَذَا
أَوْ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ مُسْلِمِ بْنِ قَزَّةٍ يَقُولُ
سَمِعْتُ عَوْفًا يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجَشَى عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ
الْقِبْلَةَ فَقَالَ أَمَى وَاللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَسَمِعْتُ
مِنْ مُسْلِمِ بْنِ قَزَّةٍ يَقُولُ سَمِعْتُ عَوْفَ ابْنَ
مَالِكٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

میں مبتلا دیکھیں تو وہ اللہ کی اس معصیت کو برا جانیں اور
اس کی اطاعت سے دست کش نہ ہوں، ابن جابر بیان
کرتے ہیں کہ جب رزق بن حیان نے یہ حدیث مجھ سے
بیان کی تو میں نے کہا، ابو مخلم میں تم کو خدا کی قسم دے
کر یہ سوال کرتا ہوں آیاتم کو یہ حدیث کسی نے بیان
کی، یا تم نے مسلم بن قزطہ سے یہ حدیث خود سنی ہے،
جنہوں نے اس کو عوف سے سنا اور وہ کہتے ہیں کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، یہ سن
کر رزق بن گھنوں کے بل گہر گئے اور قبلہ کی طرف منہ کر
کے کہا: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے
لائق نہیں ہے، میں نے مسلم بن قزطہ سے یہ حدیث
سنی اور انہوں نے حضرت عوف بن مالک سے اور وہ
کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
یہ حدیث سنی ہے۔

امام مسلم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عوف
بن مالک کی اس روایت کی ایک اور سند ذکر کی ہے۔

۴۶۹۱ - وَحَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ
حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ جَابِرٍ بِهَذَا
الْإِسْنَادِ وَقَالَ زَيْدُ بْنُ مَوْزِيٍّ بَقِيَ قَوَارِئُهُ قَالَ مُسْلِمٌ
وَرَوَاهُ مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ مَيْبَعَةَ بْنِ يَزِيدَ
عَنْ مُسْلِمِ بْنِ قَزَّةٍ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ -

جنگ کے وقت مجاہدین سے بیعت
لینے کا استحباب اور بیعت رضوان کا
بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حدیث
کے دن ہم چورہ ہو رہے تھے، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی وہاں حابیکہ حضرت عمر رضی
اللہ عنہ ایک درخت کے نیچے آپ کا ہاتھ پکڑے

بَابُ اسْتِحْبَابِ مُبَايَعَةِ الْأِمَامِ الْجَبِيشِ
عِنْدَ إِرَادَةِ الْقِتَالِ وَبَيَانِ بَيْعَةِ
الرِّضْوَانِ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

۴۶۹۲ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثُ بْنُ
سَعْدٍ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ أَخْبَرَنَا الْكَلْبِيُّ
عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْيَةِ
الْقَارِئَةِ بَعْرًا وَهَاتِي فَبَايَعَنَاهُ وَعُمَرُ أَخَذَ بِمِصْرَةٍ

تَحْتَ الشَّجَرَةِ وَهِيَ سَمْرَةٌ وَقَالَ بَايَعْنَا عَلَى أَنْ لَا نَفَرًا وَلَمْ نَبَايَعْ عَلَى الْمَوْتِ -

۳۶۹۳ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ وَحْدَةَ ثَنَا ابْنُ مُثَرِّجٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الثَّوْبَانِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمْ نَبَايَعْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمَوْتِ إِنَّمَا بَايَعْنَا عَلَى أَنْ لَا نَفَرًا -

۳۶۹۴ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا حُجَّاجُ بْنُ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ سَمِعَ جَابِرًا يُسَالُ لَمْ كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَّةِ قَالَ كُنَّا أَرْبَعَةَ عَشَرَ مِائَةً فَبَايَعْنَا وَعُمَرُ أَخَذَ بِيَدِهِ تَحْتَ الشَّجَرَةِ وَهِيَ سَمْرَةٌ فَبَايَعْنَا غَيْرَ جَدِّ بْنِ قَيْسٍ الْأَنْصَارِيِّ اخْتِبَاءً تَحْتَ بَطْنِ بَعِيرٍ -

۳۶۹۵ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي هَيْمٍ بْنُ دِينَارٍ حَدَّثَنَا حُجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْأَعْمَرِيُّ مَوْلَى سُلَيْمَانَ بْنِ جَبَالٍ قَالَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ وَأَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّ سَمِعَ جَابِرًا يُسَالُ هَلْ بَايَعْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ فَقَالَ لَا وَلَكِنْ صَلَّى بِهَا وَلَمْ يَبَايَعْ عِنْدَ شَجَرَةٍ إِلَّا الشَّجَرَةَ الَّتِي بَالِحْدِ يَبِيتَةَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ وَأَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّ سَمِعَ جَابِرًا مِنْ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ دَعَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ الْحُدَيْبِيَّةِ -

۳۶۹۶ - وَحَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو وَالْأَشْعَثِيُّ وَسُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ وَابْنُ أَبِي هَيْمٍ وَأَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ (وَالْقَطَطُ لِسَعِيدٍ) قَالَ سَعِيدُ وَاسْحَقُ أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَّةِ أَلْفًا وَأَرْبَعَةَ مِائَةٍ فَقَالَ لَنَا

ہوئے تھے، ہم نے فراموش ہونے پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ کے ہاتھ پر موت کی بیعت نہیں کی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موت پر بیعت نہیں کی ہم نے آپ سے صرف اس بات پر بیعت کی تھی کہ ہم جاکیں گے نہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حدیبیہ کے دن آپ کی کتنی تعداد تھی؟ آپ نے فرمایا: ہم چودہ سو تھے، ہم نے آپ سے بیعت کی دس سالیکہ حضرت عمر ایک درخت کے نیچے آپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، (وہ درخت سمیرہ کا تھا) ہم نے آپ سے بیعت کی لیکن جہن قیس انصاری نے آپ سے بیعت نہیں کی، وہ اپنے اونٹ کے پیٹ کے نیچے چھپ گیا۔

ابو الزبیر کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں بیعت لی تھی؟ انھوں نے کہا نہیں، آپ نے دس سالیکہ پر تھی، اور حدیبیہ کے درخت کے سوا آپ نے کسی درخت کے نیچے بیعت نہیں لی، ابن جریر کہتے ہیں کہ انھیں ابو الزبیر نے یہ بتایا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما یہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے کنوئیں پر دعا کی تھی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن ہم ایک ہزار چار سو تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا اس وقت تم تمام روئے زمین کے بہترین افراد ہو، حضرت جابر نے کہا اگر میری بیٹائی ہوتی تو میں تم کو اس درخت کی جگہ دکھاتا۔

النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتُمْ الْيَوْمَ خَيْرُ
أَهْلِ الْأَرْضِ وَقَالَ جَابِرٌ لَوْ كُنْتُ أَبْصَرَ لَأَرَيْتُكُمْ
مَوْضِعَ الشَّجَرَةِ -

۴۶۹۷ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ
قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ
عَمْرِو بْنِ مَرْثَدَةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ قَالَ
سَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ فَقَالَ
لَوْ كُنَّا بِمِائَةِ أَلْفٍ لَكُنَّا الْفَاءُ وَخَمْسِمِائَةٍ -
۴۶۹۸ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَ
ابْنُ مَعِينٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ حَدَّثَنَا
يَرْفَاعَةُ بْنُ أَبِي هِنْدٍ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ يَحْيَى الطَّحَنَانُ
يَكْلَاهُمَا يَقُولُ عَنْ حُصَيْنِ بْنِ سَالِمٍ عَنْ أَبِي
الْجَعْدِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَوْ كُنَّا بِمِائَةِ أَلْفٍ لَكُنَّا
كُنَّا خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً -

۴۶۹۹ - وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَاسْتَحَقُّ
بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ اسْتَحَقُّ أَخْبَرَنَا وَقَالَ عُثْمَانُ
حَدَّثَنَا جَبْرِ بْنُ عَبْدِ الْعَمَشِ حَدَّثَنَا سَالِمُ بْنُ
أَبِي الْجَعْدِ قَالَ قُلْتُ لَجَابِرٍ كُنْتُمْ يَوْمَئِذٍ
قَالَ الْفَاءُ وَارْبَعِمِائَةٍ -

۴۷۰۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَعَادٍ حَدَّثَنَا
أَبُو حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَرْثَدَةَ
حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أَوْفَى قَالَ كَانَ أَصْحَابُ
الشَّجَرَةِ الْفَاءَ وَثَلَاثًا مِائَةً وَكَانَتْ أَسْكُمْ
ثُمَّ الْمُهَاجِرِينَ -

۴۷۰۱ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا
أَبُو أَوْفَى وَحَدَّثَنَا اسْتَحَقُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا
النَّضَرُ بْنُ شَمِيلٍ جَمِيعًا عَنْ شُعْبَةَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ
مِثْلَهُ -

۴۷۰۲ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا زَيْدٌ

سالم بن ابی الجعد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ
رضی اللہ عنہما سے اصحاب شجرہ (اصحاب بیت رضوان) کے
متعلق پوچھا انہوں نے کہا اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی
ہمیں کافی ہوتا لیکن ہم پندرہ سو تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگر ہم ایک
لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہوتا لیکن ہم پندرہ سو تھے

سالم بن ابی الجعد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر
سے پوچھا اس دلی تم کتنے تھے؟ انہوں نے کہا چودہ سو۔

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے
ہیں کہ اصحاب شجرہ تیرہ سو تھے اور قبیلہ اسلم کے لوگ
مہاجرین کا اٹھواں حصہ تھے۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند ذکر کی

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

میں نے بیعت رضوان کے دن دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں اور میں درخت کی شاخوں میں سے ایک شاخ کو آپ کے سر انور سے ہٹا رہا تھا، ہم اس وقت چودہ سو تھے، انہوں نے کہا ہم نے آپ سے موت پر بیعت نہیں کی، لیکن ہم نے یہ بیعت کی تھی کہ ہم بھاگیں گے نہیں۔
امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے:

سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ میرے والد بھی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی، انہوں نے کہا جب ہم اگلے سال حج کے لیے گئے تو ہم کو وہ جگہ نہیں مل سکی، اگر تم کو وہ جگہ معلوم ہو جائے تو تم زیادہ جانتے ہو۔

سعید بن مسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بیعت رضوان کے سال وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، پھر اگلے سال وہ اس درخت کو بھول گئے۔

سعید بن مسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اس درخت کو دیکھا تھا میں بدمیں پھر اس درخت کے پاس گیا تو اس درخت کو نہ پہچان سکا۔

حضرت سلم بن اکوع کے مولیٰ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمہ سے پوچھا کہ حدیبیہ کے دن تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کس چیز کی بیعت کی تھی؟ انہوں نے کہا موت پر۔

بُنْتُ رَافِعٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ الْحَكَمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْأَعْمَرِ عَنْ مَعْقِلِ بْنِ كَيْسٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنِي يَوْمَ الشَّجَرَةِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَا يَوْمَ النَّاسِ وَأَنَا رَافِعٌ غَضَضْنَا قُرْنًا أَغْصَانَهَا عَنْ رَأْسِهِ وَنَحْنُ أَرْبَعُ عَشَرَ مِائَةً قَالَ لَهُ نَبَأَ يَعْنِي عَلَى الْمَوْتِ وَلَكِنْ يَا بَعْدَنَا عَلَى أَنْ لَا نَفَرَّ -

۴۶۰۳ - وَحَدَّثَنَا كُثَيْبُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا عَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ يُونُسَ بْنِ الْإِسْنَادِ -

۴۶۰۴ - وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ طَارِقِ بْنِ سَعِيدٍ بْنِ السَّيِّبِ قَالَ كَانَ أَبِي مِمَّنْ بَايَعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الشَّجَرَةِ قَالَ فَأَنْطَلَقْنَا فِي قَابِلٍ حَاجَتَيْنِ فَخَفِيَ عَلَيْنَا مَكَانُهَا فَإِنْ كَانَتْ تَبَيَّنَتْ لَكُمْ فَأَنْتُمْ أَعْلَمُ -

۴۶۰۵ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ قَالَ وَقَدْ أَتَيْتُ عَلَى نَصْرِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِي أَحْمَدَ حَدَّثَنَا سَفْيَانُ عَنْ طَارِقِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الشَّجَرَةِ قَالَ فَكَسَوْهَا مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ -

۴۶۰۶ - وَحَدَّثَنِي حُجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ الشَّجَرَةَ ثُمَّ أَتَيْتُهَا بَعْدَ فَلَمْ أَعْرِفُهَا -

۴۶۰۷ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ (يَعْنِي ابْنَ إِسْمَاعِيلَ) عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ قُلْتُ لَسَلَمَةَ عَلَى أَبِي ثَعْلَبَةَ يَا بَعْدَكُمْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ

الْحَدِيثُ يَقْتَضِي قَالَ عَلَى الْمَوْتِ -

۴۶۰۸ - وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا

حَقَّادُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ بَحْلَبٍ -

۴۶۰۹ - وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا

السَّخَرِيُّ عَنْ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ حَكَّانٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى

عَنْ عَبَادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ تَرِيذٍ قَالَ

أَنَا لَا أَيْتُ فَقَالَ هَذَا الْاِبْنُ حَنْظَلَةُ يَبْتِغِي

النَّاسَ فَقَالَ عَلَى مَاذَا قَالَ عَلَى الْمَوْتِ قَالَ لِأَبَائِهِ

عَلَى هَذَا أَحَدُ أَتْبَاعِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی

حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی شخص

آیا اور کہنے لگا: ابن حنظلہ لوگوں سے بیعت سے رہے

میں؟ پوچھا کس چیز پر؟ کہا موت پر، کہا میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کے ہاتھ پر موت کی بیعت

نہیں کروں گا۔

حدیث میں صحابہ کی تعداد کے متعلق مختلف روایات میں تطبیق

کہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ صحابہ تھے، اور حدیث نمبر ۴۶۹۶ میں حضرت جابر سے روایت

ہے کہ اس دن پندرہ صحابہ تھے، اور حدیث نمبر ۴۶۹۹ میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

کہ تیرہ صحابہ تھے، علامہ نووی نے لکھا ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اکثر روایات میں چودہ صحابہ کا ذکر ہے اور

ان مختلف روایات میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ واقع میں چودہ سے کچھ زیادہ تھے، جس نے چودہ صحابہ کے اس

نے کسر کو ترک کر دیا، اور جس نے پندرہ سو کی روایت کی اس نے اس کسر کو تغلیظاً ایک سو قرار دیا اور جس نے تیرہ سو کی

روایت کی اس کے نزدیک یہ عدد متحقق نہیں تھا۔ علامہ ابی نے کہا ہے کہ اصل میں یہ ایک اندازہ تھا اور اندازہ سے اس کی اور بیشی ہو سکتی ہے۔

حدیث میں بیعت کے متعلق مختلف روایات میں تطبیق

حدیث نمبر ۴۶۹۱ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ

اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر فرار نہ ہونے کی بیعت کی تھی، حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت ہے اور حضرت

سلمہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ صحابہ نے حدیبیہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موت پر بیعت کی تھی،

اور مجاشع بن مسعود کی روایت ہے کہ صحابہ نے ہجرت پر بیعت کی اور اسلام اور جہاد پر بیعت کی اور حضرت ابن عمر اور حضرت

عبادہ کی روایت ہے کہ ہم نے سب اور طاعت پر بیعت کی اور اس پر بیعت کی کہ ہم کسی حاکم کی حکومت کے خلاف خروج

نہیں کریں گے، اور صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں یہ بھی ہے کہ ہم نے صبر پر بیعت کی۔ علامہ نووی لکھتے

ہیں کہ علماء نے بیان کیا ہے کہ ان تمام احادیث کا معنی واحد ہے اور ان نام روایات کا مقصد مشترک ہے۔ ہم فرار پر

بیعت کا معنی یہ ہے کہ ہم صبر کریں گے تاؤ فکیر ہم دشمن پر غلبہ پائیں یا پھر شہید ہو جائیں، اور یہی موت پر بیعت کرنے کا معنی ہے

یعنی ہم صبر کرتے رہیں گے اگرچہ اس سے ہماری موت واقع ہو جائے اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ موت فی نفسہ مقصود

ہے، اور جہاد اور صبر پر بیعت کرنے کا بھی یہی معنی ہے۔ ۱۰ (غاشیہ ۲۰ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو)۔

۱۰۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ دمشقی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعجم ج ۵ ص ۲۰۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دمن سے کنویں کے پانی کا زیادہ ہو جانا | حدیث نمبر ۴۶۹۶ میں ہے اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہو جاتا، لیکن ہم پندرہ سو تھے، علامہ فروی لکھتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب صحابہ حدیبیہ میں پہنچے تو اس کے کنویں کا پانی جوتی کے سیمہ جتنا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا لعاب دمن ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی تو وہ پانی جوشن کھانے لگا اور زیادہ ہو گیا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جابر سے سوال کرنے والا اصل حدیث کو تو جانتا تھا اور اس موقع پر پانی زیادہ ہونے کا اسے علم تھا، لیکن اس کو صحابہ کی تعداد کا علم نہیں تھا اس لیے حضرت جابر نے کہا ہر چند کہ ہم پندرہ سو تھے لیکن اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہوتا۔

بیعت رضوان والے درخت کے مخفی ہو جانے کی حکمت | حدیث نمبر ۴۷۰۲ میں ہے کہ جس درخت کے نیچے بیعت رضوان کی گئی تھی بدھ میں

صحابہ اس درخت کو شناخت نہیں کر سکے، علامہ نے لکھا ہے کہ اس کے مخفی ہونے میں یہ حکمت تھی کہ چونکہ اس درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی اور خیر و برکت اور سکینہ کا نزول ہوا، اور اگر یہ درخت اسی طرح معلوم اور متعین رہتا تو یہ قدرہ تھا کہ ناواقف اور دیہاتی لوگ اس کی تعظیم اور عبادت کرتے، پس اس درخت کا مخفی ہو جانا بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت تھا۔

ابن حنظلہ کے بیعت لینے کی وضاحت | حدیث نمبر ۴۷۰۹ میں عبد اللہ بن حنظلہ کی بیعت لینے کا ذکر ہے، جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی اور یزید کے بھتیجے ہرے لشکر سے لڑنے کی تیاری کی تو اس وقت ابن حنظلہ نے یزید کے خلاف لڑنے پر بیعت لی، ابن حنظلہ کی یہ بیعت، بیعت خلافت نہیں تھی۔ ۲۷

بَابُ تَحْرِيمِ رُجُوعِ الْمُهَاجِرِ إِلَى اسْتِطَانِ وَطَنِهِ، ہجرت کے بعد پھر اس جگہ کو وطن بنانے کی ممانعت

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ حجاج کے پاس گئے، اس نے کہا اے ابن الاکوع کیا تم دوبارہ اپنی پھلی روش کے مطابق جنگلوں میں رہنے لگے؟ انہوں نے کہا نہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگلوں میں رہنے کی اجازت دی تھی۔

۴۷۱۰ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ رَافِعِيُّ ابْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ ابْنِ الْأَكُوْعِ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى الْحَجَّاجِ فَقَالَ يَا ابْنَ الْأَكُوْعِ إِنْ قَدْ دَخَلْتَ عَلَى عَقِيْبِكَ تَعَوَّزْتُ قَالَ لَا وَلَكِنْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَدْنَى فِي الْبَدْوِ

۲۷۔ (ماثریہ سابقہ) علامہ یحییٰ بن شرف فروی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۲۹، مطبوعہ دار المسند اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۲۸۔ شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۰

۲۹۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن حنظلہ دشتانی آبی ماکی متوفی ۸۳۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۲۱۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

ہجرت کے بعد وطن لوٹنے کا حکم | قاضی عیاض نے کہل ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ مہاجر کا اپنی جائے ہجرت کو ترک کرنا اور واپس اپنے وطن کو مٹا حرام ہے اور یہ کہ مہاجر کا دوبارہ جنگوں اور دیہاتوں میں لوٹ جانا حرام ہے، عجاج بن یوسف نے اسی وجہ سے حضرت سلمہ پر اعتراض کیا تھا، اور حضرت سلمہ نے اس بات کی وضاحت کی کہ ان کا دوبارہ دیہات میں رہنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی اجازت کی بناء پر ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت سلمہ نے اپنے وطن کی بجائے کسی اور جگہ رکنش اختیار کی ہو، یا یہ کہ ہجرت کے بعد واپس وطن لوٹنے کی حرمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص تھی تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور آپ کی نفرت حاصل ہو سکے، یا پھر یہ ممانعت فتح مکہ سے پہلے تھی اور حبيب کہ فتح ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو تمام اویان پر غالب اور کفر کو مغلوب کر دیا اور مسلمانوں کو عزت اور سر بلندی حاصل ہو گئی تو پھر ہجرت کی فرضیت ساقط ہو گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے اور فرمایا اہل ہجرت کی ہجرت ختم ہو گئی، یعنی جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور نصرت اور دین کی نشر و اشاعت اور شریعت کی حفاظت اور اس کو منضبط کرنے کی خاطر ہجرت کی تھی، وہ ہجرت اب ختم ہو گئی، قاضی عیاض نے کہا کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ فتح مکہ سے پہلے اہل مکہ پر ہجرت فرض تھی اور دوسرے مسلمانوں کے متعلق اختلاف ہے، ابو عبید نے کتاب الاموال میں ذکر کیا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جو آپ کے پاس دفن تھے تھے آپ انہیں ہجرت کرنے کا حکم دیتے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ دوسرے مسلمانوں کے لیے ہجرت کرنا مستحب تھی، اور ایک قول یہ ہے کہ جس شہر کے تمام لوگ اسلام نہ لائے ہوں ان پر ہجرت فرض تھی تاکہ وہ کفار کی اطاعت پر مجبور نہ ہوں۔ لے

بَابُ الْمُبَايَعَةِ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ عَلَى الْإِسْلَامِ وَالْجِهَادِ وَالْخَيْرِ وَبَيَانُ مَهْنِي لَا هِجْرَةَ
فتح مکہ کے بعد اسلام، جہاد اور خیر پر بیعت کرنا اور فتح مکہ کے بعد ہجرت نہ ہونے

کی تاویل

حضرت مجاہد بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہجرت پر بیعت کرنے کے لیے آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل ہجرت کی ہجرت ختم ہو چکی ہے تاہم اسلام جہاد اور خیر پر بیعت کرو۔

بَعْدَ الْفَتْحِ

۴۱۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْقَبَائِرِ أَبُو جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ أَهْوَلٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ النَّهْدِيِّ حَدَّثَنَا مُجَافِرُ بْنُ سَمُرَةَ السَّكَنِيُّ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَايَعُهُ عَلَى الْهِجْرَةِ فَقَالَ إِنَّ الْهِجْرَةَ قَدْ مَضَتْ لَا هِجْرَةَ لَكُنْ عَلَى الْإِسْلَامِ وَالْجِهَادِ وَالْخَيْرِ -

۴۱۲۔ وَحَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ أَخْبَرَنِي مُجَاشِعُ بْنُ مَسْعُودٍ السَّلَمِيُّ قَالَ جِئْتُ بِأَبِي أَبِي مُعْبِدٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الْفَتْحِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ بَايَعِيَا عَلَى الْهِجْرَةِ قَالَ قَدْ مَضَتْ الْهِجْرَةُ يَا هَلِهَا قُلْتُ يَا نَبِيَّ مُحَمَّدٍ قَالَ عَلَى الْإِسْلَامِ وَالْجِهَادِ وَالْخَيْرِ قَالَ أَبُو عُثْمَانَ فَلَقِيتُ أَبَا مُعْبِدٍ فَأَخْبَرْتُهُ بِقَوْلِ مُجَاشِعٍ فَقَالَ صَدَقَ.

۴۱۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عَاصِمٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ قَالَ فَلَقِيتُ أَخَاهُ فَقَالَ صَدَقَ مُجَاشِعٌ وَلَمْ يَذْكُرْ أَبَا مُعْبِدٍ.

۴۱۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَا أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاشِدٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَتَحَ مَكَّةَ لَا هِجْرَةَ وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ فَإِذَا اسْتَنْفَرْتُمْ فَأَنْفِرُوا.

۴۱۵۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَابْنُ كُثَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ وَابْنُ مَعِينٍ أَفْهَمَ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَدَمَ حَدَّثَنَا مُعَافَاةُ بْنُ مَعْنٍ ابْنُ مَهْمَلٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ بَنِي حَمِيدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَوْسَى عَنْ أَنَسٍ أَعْلَى كَلَّمَ عَنْ مَنْصُورٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ صَلَاحًا.

۴۱۶۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ حَبِيبٍ عَنْ أَبِي قَابِيتٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَامِرَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْهِجْرَةِ فَقَالَ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ وَإِذَا اسْتَنْفَرْتُمْ فَأَنْفِرُوا.

مجاہد بن مسعود سلمی بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد میں اپنے بھائی ابو مصعب کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس سے ہجرت پر بیت لے لیجئے، آپ نے فرمایا: ہجرت دلوں کی ہجرت ختم ہو چکی ہے، میں نے عرض کیا پھر آپ کس چیز پر اس کی بیت الیں گے؟ آپ نے فرمایا: اسلام، جہاد اور خیر پر ابو عثمان کہتے ہیں میری حضرت ابو مصعب سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان کو حضرت مجاہد کی حدیث سنائی، انھوں نے کہا اس نے سچ کہا ہے۔

امام مسلم نے اس حدیث کا ایک اور سند ذکر کی ہے اس میں ہے میری حضرت مجاہد کے بھائی سے ملاقات ہوئی انھوں نے کہا اس نے سچ کہا اور ابو مصعب کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے وقت جس دن مکہ فتح ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب ہجرت نہیں ہے، لیکن جہاد اور نیت ہے اور عیب تم کو جہاد کے لیے بلایا جائے تو چلے آؤ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی تین اور سندیں ذکر کی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے، لیکن جہاد اور نیت ہے اور جب تم کو جہاد کے لیے بلایا جائے تو فوراً چل پڑو۔

۴۷۱۷۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا
الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَمْرِو بْنِ زَائِدٍ
حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ الزُّهْرِيُّ حَدَّثَنَا قُتَيْبٌ عَطَاءُ بْنُ
يَزِيدَ الْكُشَيْمِيُّ أَنَّهُ حَدَّثَهُمْ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو
سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ أَنَّ أُمَّ إِبْرَاهِيمَ سَأَلَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُهْجَرَةِ فَقَالَ وَيْحَكَ
إِنَّ شَتَانَ الْمُهْجَرَةِ لَشَدِيدٌ فَهَلْ تَكُنْ مِنْ إِبِلٍ
قَالَ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ تُؤْتِي صَدَقَتَهَا قَالَ نَعَمْ
قَالَ فَأَعْمَلْ مِنْ تَوَارِثِ الْبَحَائِرِ فَإِنَّ اللَّهَ لَنْ يَبْرِكَ
مِنْ عَمَلِكَ شَيْئًا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے
مستحق سوال کیا، آپ نے فرمایا: ہجرت تو بہت مشکل چیز
ہے، کیا تمہارے پاس کچھ اونٹ ہیں؟ اس نے کہا ہاں،
آپ نے فرمایا: کیا تم ان کی نرگاہ ادا کرتے ہو؟ اس نے
کہا ہاں! آپ نے فرمایا: سندر کے پار عمل کرتے رہو اللہ
تعالیٰ تمہارے کسی عمل کو ہرگز رائیگاں نہیں کرے گا۔

۴۷۱۸۔ وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ
الذَّارِقِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ عَنْ الْأَوْزَاعِيِّ
بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ اللَّهَ لَنْ يَبْرِكَ
مِنْ عَمَلِكَ شَيْئًا وَرَأَى الْحَدِيثَ قَالَ فَهَلْ
تَحْلِيئُهَا يَوْمَ رُدِّهَا قَالَ نَعَمْ

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے البتہ
اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے عمل میں سے کسی چیز
کو ضائع نہیں کرے گا اور یہ اضافہ ہے کہ اونٹنیاں
پانی پینے کے لیے رکھا یا چشمدہ پر جس دن آتی
ہیں تو کیا تم (لوگوں کو) ان کا دودھ دوسنے کی اجازت
دیتے ہو؟ اس نے کہا ہاں!

غیر اسلامی ملکوں میں رہنے کا حکم اور ہجرت کی تحقیق علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں:

فقہاء شافعیہ اور دیگر فقہاء نے یہ کہا ہے
کہ دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا قیامت تک باقی ہے اور اس باب کی حدیث میں ہے: فتح
کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ اس کی دو تاویلیں ہیں ایک تاویل یہ ہے کہ مکہ فتح ہونے کے بعد دارالاسلام ہو گیا، اس لیے اب
اس جگہ سے ہجرت کرنا مستحضر نہیں ہے، دوسری تاویل یہ ہے کہ جس ہجرت میں فیصلت تھی اور جو مقصود اور اہم تھی وہ
ہجرت مکہ فتح ہونے کے بعد منقطع ہو گئی اور جن مسلمانوں نے مدینہ ہجرت کی تھی وہ ہجرت ان پر ختم ہو گئی کیونکہ فتح مکہ کے
بعد اسلام قوی اور غالب ہو گیا۔

علامہ ابن قدامہ منبلی لکھتے ہیں:

ہجرت کی تعریف ہے ولدا کفر سے دارالاسلام کی طرف جانا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔
ان الذین توفاهم اللہ انکما ظالمی انفسہم۔
جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے (یعنی جنوں)

۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح صحیح مسلم ۲/۱۳۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین
فی الارض قالوا لہم تکن ارض اللہ واسعة
فتهاجروا فیہا فاولئک ما واعد جہنم
وماء مہم مصیرا۔

(نساء: ۹۷)

نے ہجرت نہیں کی تھی) جب فرشتوں نے ان کی روحوں کو
قبض کرتے وقت پوچھا: تم کیا کرتے رہے؟ انہوں
نے کہا ہم زمین میں کمزور اور بے بس تھے، فرشتوں
نے کہا: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے
ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ بُرا ٹھکانا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے انا بڑی من مسلم بین مشرکین لانزلناہما (ابوداؤد) میں اس
مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکوں کے درمیان رہتا ہے، ان دونوں کی آگ (ایک جگہ) دکھائی نہ دے، یعنی مسلمان
ایسی جگہ نہ رہیں جہاں سے ان کی آگ مشرکوں کو دکھائی دے اور مشرکوں کی آگ مسلمانوں کو دکھائی دے اس
موضوع کے متعلق کثرت احادیث ہیں، چہرہ فقہاء کے نزدیک قیامت تک ہجرت کا حکم باقی ہے اور بعض فقہاء کا یہ نظریہ
ہے کہ اب ہجرت منقطع ہو چکی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے“ نیز آپ
نے فرمایا ہجرت منقطع ہو چکی ہے اور جہاد اور نیت باقی ہے۔

روایت ہے کہ جب صفوان بن اُمیہ اسلام لائے تو ان سے کہا گیا کہ جو شخص ہجرت نہ کرے اس کا دین نہیں ہے
سورہ مدینہ آیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: اے ابو وہب تم یہاں کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا مجھے یہ بتایا
گیا ہے کہ جو ہجرت نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: اے ابو وہب مکہ کی وادیوں میں ٹوٹ باؤ
اور اپنے گھروں میں رہو کیونکہ اب ہجرت ختم ہو چکی ہے تاہم جہاد اور نیت باقی ہے۔
ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا
ہے ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک توبہ منقطع نہیں ہوگی، اور جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو
توبہ منقطع نہیں ہوگی، (ابوداؤد)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے جب تک جہاد ہے ہجرت منقطع نہیں ہوگی اس کے علاوہ قرآن مجید
کی آیات اور احادیث ہجرت کے عموم اور اطلاق پر دلالت کرتی ہیں، جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہجرت ہر زمانہ میں
مشروع ہے، اور جس حدیث میں یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شہر فتح
ہو گیا اس سے ہجرت نہیں ہے اور صفوان کی جس روایت میں ہے ہجرت منقطع ہو گئی، اس کا مطلب یہ ہے کہ
مکہ سے ہجرت منقطع ہو گئی، کیونکہ ہجرت کا معنی ہے کفار کے شہر سے نکلا اور حبیب کوئی شہر فتح ہو گیا تو پھر وہ کافروں
کا شہر نہیں رہا، اس لیے اب اس شہر سے ہجرت کا حکم باقی نہیں رہا، ہر شہر کا بھی حکم ہے اس لیے ہجرت کے اعتبار
سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) جو لوگ کفار کے شہر میں ہوں اور اس شہر سے ہجرت پر قادر ہوں، اور ان کے لیے ان کافروں کے ساتھ رہنے
ہوئے دین کا اظہار کرنا اور فرائض و واجبات کو ادا کرنا ممکن نہ ہو، ان لوگوں پر ہجرت کرنا واجب ہے کیونکہ
قرآن مجید میں ہے اللہ تکن ارض اللہ واسعة فتهاجروا فیہا فاولئک ما واعد جہنم وماء مہم مصیرا (نساء: ۹۷) کیا اللہ کی زمین
وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر لیتے، ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ بُرا ٹھکانا ہے، اور یہ بہت شدید وعید ہے

جو وجوب پر دلالت کرتی ہے نیز اس لیے کہ واجب کا مقدم واجب ہوتا ہے اور واجبات کی ادائیگی ہجرت پر موقوف ہو تو ہجرت واجب ہو جائے گی۔

(۲) جو شخص کفار کے ملک میں فرائض وغیرہ کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو اور کسی غلظت کی بناء پر ہجرت نہ کر سکا ہو مثلاً بیمار ہو، یا اس کو جبراً ٹھہرایا گیا ہو یا عورتوں اور بچوں کا ضعف ہو، اس پر ہجرت واجب نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

الا المستضعفين من الرجال والنساء والولدان لا يستطيعون حيلة ولا يفتنون سبيلا فادعوا الله عسى الله ان يعفو عنهم وكان الله عفوا غفورا۔ (نساء: ۹۹-۱۰۰)

اے! اجمود و عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہوں اور کفار کے شہروں سے نکلنے کا کوئی راستہ اور تدبیر نہیں پاتے، ان سے شاید اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑا مہربان کرنے والا اور بہت درگزر کرنے والا ہے۔

(۳) جو لوگ دارالکفر میں رہتے ہیں اور اس شہر سے ہجرت کرنے پر قادر ہوں لیکن وہ دارالکفر میں دین کے اظہار اور فرائض و واجبات کی ادائیگی بھی بخوبی کر سکتے ہوں، ان کے لیے ہجرت کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے، اور یہاں سحاب اس وجہ سے ہے کہ وہ دارالاسلام میں رہ کر مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شامل ہو سکیں گے، اور مسلمانوں کی افرادی قوت میں اضافہ کا سبب بنیں گے اور دیگر معاملات میں ان کے معاون ہوں گے اور کفار کے ساتھ اختلاط، ان کی عدوی قوت میں اضافہ اور ان کے فواحش اور منکرات کو دیکھنے سے بچے رہیں گے اور ان پر ہجرت کرنا واجب اس لیے نہیں ہے کہ وہ ہجرت کے بغیر بھی فرائض اور واجبات کو ادا کر سکتے ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے باوجود مکہ میں مقیم رہے اور دعائیت سے کہ حضرت نعیم خاتم نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی قوم (نجدی) ان کے پاس گئی اور کہا تم اپنے دین پر قائم رہو اور ہمارے پاس ٹھہرو اور جو شخص تمہیں ازیت پہنچائے گا ارادہ کرے گا ہم تم کو اس سے محفوظ رکھیں گے اور تم جو ہماری کفالت کیا کرتے تھے وہ کرتے رہنا۔ حضرت نعیم بن عدی کے قیام اور بیواؤں کی کفالت کرتے تھے، سو ایک مدت تک انہوں نے ہجرت نہیں کی اور کافی عرصہ کے بعد انہوں نے ہجرت کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تمہاری قوم میری قوم سے بہتر ہے، میری قوم نے مجھے وطن سے نکال دیا اور مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا، اور تمہاری قوم نے تمہاری حفاظت اور حمایت کی اور تمہیں جانے نہیں دیا، حضرت نعیم نے کہا یا رسول اللہ آپ کی قوم نے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دشمن کے خلاف جہاد کی طرف نکالا اور میری قوم نے مجھے ہجرت اور اللہ کی عبادت سے روک لیا۔ اے

علامہ ابن قدامہ نے جو ہجرت کی تعمیری قسم بیان کی ہے آج کل اس کا مصداق وہ مسلمان ہیں جو معاشی ضروریات کی بناء پر ترک وطن کر کے انگلینڈ، آسٹریلیا، امریکہ، المینڈ، مغربی جرمنی اور افریقہ وغیرہ میں سکونت اختیار کر چکے ہیں اور

۱۔ علامہ مفتی الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۷۲۰ ھ، المعنی ج ۹ ص ۲۳۷-۲۳۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ ھ

امام نے ان علاقوں کی مستقل شہریت اختیار کر لی ہے، کتاب الجہاد میں ہم نے اس مسئلہ کو زیادہ تفصیل اور تحقیق سے بیان کیا ہے۔

بَابُ كَيْفِيَّةِ بَيْعَةِ النِّسَاءِ

۴۱۹- حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرٍو
بْنُ شَيْخٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ ابْنُ
يَزِيدَ قَالَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ
الرَّبِيعِ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ مَعَ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا هَاجَرْنَا إِلَى رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُمَتِّحُنَّ يَقُولُ اللَّهُ
عَزَّ وَجَلَّ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ
يَبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسِرْنَ
وَلَا يُزْنِينَ إِلَى إِخْوِ الزَّيْنَةِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَنْ
أَقْرَبُ بِهَذَا مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ فَقَدْ أَقْرَبَ بِالْمُحَنَّةِ
وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقْرَبَ
بِذَلِكَ مِنْ قَوْلِهِنَّ قَالَ لَهُنَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَطْلِقْنَ قَدْ بَايَعْتُنَّ وَلَا وَاللَّهِ
مَا مَسَّتْ يَدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ
امْرَأَةٍ قَطُّ خَيْرَ آتٍ يَبَايِعُهُنَّ بِالْكَلَامِ
قَالَتْ عَائِشَةُ وَاللَّهِ مَا أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى النِّسَاءِ قَطُّ إِلَّا بِمَا أَمَرَهُ اللَّهُ
تَعَالَى وَمَا مَسَّتْ كَفَّ يَدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ كَفَّ امْرَأَةً قَطُّ وَكَانَ يَقُولُ لَهُنَّ إِذَا أَخَذَ
عَلَيْهِنَّ قَدْ بَايَعْتُنَّ كَلَامًا.

۴۲۰- وَحَدَّثَنِي هُرُوثُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ وَ
أَبُو الطَّاهِرِ قَالَ أَبُو الطَّاهِرِ أَخْبَرَنَا قَالَ هُرُوثُ
حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ
عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْ عَنْ بَيْعَةِ النِّسَاءِ
قَالَتْ مَا مَسَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ

عورتوں کو بیعت کرنے کا طریقہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
بیان کرتی ہیں کہ مسلمان عورتیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے پاس آئیں تو آپ اس آیت کی بناء پر ان کا امتحان
لیتے تھے، (ترجمہ:) اسے بھی جب آپ کے پاس
مسلمان عورتیں آئیں اور آپ سے اس پر بیعت کریں کہ
وہ اللہ کے سوا کسی کو شریک نہیں بنائیں گی، نہ چوری
کریں گی اور نہ زنا کریں گی، تو حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مسلمان
عورتوں میں سے جو عورت ان باتوں کا اقرار کر لیتی، اس کا
امتحان منعقد ہو جاتا اور جب وہ ان باتوں کا اقرار کر لیتی
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے: ہاؤ میں
تہیں بیعت کر چکا ہوں! بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا، ان! نبی صلی اللہ
علیہ وسلم ان کی زبان سے بیعت کرتے تھے، حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے ان سے انھی باتوں کا عہد یا عہد کا اللہ تعالیٰ
نے آپ کو مکم و یا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عقل
کبھی کسی عورت کی عقل سے کم نہیں ہوتی، آپ جب کبھی ان سے
بیعت لیتے تو زبانی فرماتے میں نے تم سے بیعت کر
لی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی بیعت
کے متعلق بتایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی عورت کو
اپنے ہاتھ سے نہیں چھوا البتہ آپ ان سے زبانی عہد
لیتے تھے اور جب وہ عہد کر لیتی تو آپ فرماتے ہاؤ میں
نے تم کو بیعت کر لیا۔

أَمْرًا قَطُّ إِلَّا أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهَا قَادًا اتَّخَذَ عَلَيْهَا
فَاعْطَتْهُ قَالَ أَوْ هِيَ فَقَدْ بَايَعْتُكَ .

ف: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عورت کا ہاتھ پکڑنے سے بیعت ضرورت کی بناء پر اس سے کلام کرنا جائز ہے اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ مردوں سے ہاتھ پکڑ کر بیعت کرنا چاہیے، اور یہ کہ ضرورت کے وقت اجنبی عورت کا کلام مستنا جائز ہے، اور یہ کہ ضرورت شرعی کے بیعت عورت کے بدن کو چھونا جائز نہیں ہے، اس میں علاج معالجہ کی ضروریات داخل ہیں۔

بَابُ الْبَيْعَةِ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ

حسب استطاعت احکام سننے اور

فِيمَا اسْتَطَاعَ

اطاعت کرنے پر بیعت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کرتے تھے، اور آپ ہم سے فرماتے تھے "جن کلاموں کی تم میں استطاعت ہو"

۴۶۲۱ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَ
ابْنُ حُجْرٍ (وَالْفُطَيْلِيُّ بْنُ أَيُّوبَ) قَالُوا حَدَّثَنَا
إِسْمَاعِيلُ (وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ) أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ
بْنُ دِينَارٍ أَنَّ سَمِيعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ يَقُولُ
كُنَّا نَبَايَعُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ يَقُولُ لَنَا فِيمَا
اسْتَطَعْتُمْ .

ف: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر انتہائی شفقت ہے کہ آپ بیعت کے وقت امت کو یہ تلقین فرماتے کہ جو جن کلاموں کی ہمیں استطاعت ہے تاکہ بیعت کے موم میں ایسی چیزیں نہ داخل ہوں جن کی استطاعت نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص کسی کو دیکھے کہ وہ اپنی قدرت اور طاقت سے زیادہ کسی چیز کا التزام کر رہا ہے تو اسے منع کرے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من الاعمال ما تطيقون وہ کام کرو جو ہمیشہ کر سکو۔

بَابُ بَيَانِ سِرِّ الْبُلُوغِ

سن بلوغ کا بیان

۴۶۲۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ لُمَيْزٍ
حَدَّثَنَا ابْنُ حُجْرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ تَائِفٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ
قَالَ عَرَضَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَوْمَ أُحُدٍ فِي الْقِتَالِ وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعِ عَشْرَةَ سَنَةً
قُلْتُ يُجَزُّنِي وَعَرَضَنِي يَوْمَ الْخَنْدَقِ وَأَنَا ابْنُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے غزوہ اُحُد میں اپنے آپ کو جہاد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا، وہ روزِ اُحُد وقت میری عمر چار دھال تھی، آپ نے مجھے اجازت نہیں دی۔ غزوہ خندق میں میری عمر پندرہ سال تھی اس وقت بلوغ

خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً فَأَجَانَرَنِي قَالَ نَا فِعْرٌ فَقَدِمْتُ
عَلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ يَخْلِيْفَةُ
فَحَدَّثَنِي هَذَا الْحَدِيثَ فَقَالَ إِنَّ هَذَا الْحَدِيثَ بَيْنَ
الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ فَكُتِبَ إِلَى عُمَالِهِمْ أَنْ يَفْرِضُوا
لِمَنْ كَانَ ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً وَمَنْ كَانَ دُونَ
ذَلِكَ فَاجْعَلُوهُ فِي الْيَتَامَى -

نے اپنے آپ کو پیش کیا تو آپ نے مجھے اجازت
دے دی، مانع کہتے ہیں جس زمانہ میں عمر بن عبدالعزیز
خلیفہ تھے میں نے ان کے پاس جا کر یہ حدیث بیان کی، تو
انہوں نے کہا یہ صغیر اور کبیر کے درمیان حد ہے پھر
انہوں نے اپنے مالوں کو یہ بکھ دیا کہ جو شخص پندرہ
سال کا ہو اس کا حصہ مقرر کریں اور جو اس سے کم کا ہو
اس کو بچوں میں شمار کریں۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی
ہے۔ اس میں ہے کہ جب میں چودہ سال کا تھا تو رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے صغیر سمجھا۔

۴۶۲۳ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا
عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ وَعَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ
وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمُوَهَّابِ
رَبِيعُ الثَّقَفِيِّ جَمِيعًا عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ
خَيْرَ أَنْ فِي حَدِيثِهِمْ وَأَنَا ابْنُ أُمِّ بَكْرٍ عَشْرَةَ سَنَةً
فَأَسْتَضَعِرَنِي -

علامہ ابی مالکی قاضی عیاض مالکی کے حوالے سے لکھتے ہیں:
امام شافعی، امام احمد اور فقہاء مالکیہ میں سے ابن وہب کا مسلک
یہ ہے کہ جب کسی لڑکے یا لڑکی کی عمر کے پندرہ سال مکمل ہو جائیں تو اس کو بالغ قرار دیا جائے گا خواہ لڑکے کو ابھی اختتام
نہ ہوا ہو، اور لڑکی کو حیض نہ آیا ہو، اور اسحاق نے یہ کہا ہے کہ پندرہ سال کی عمر میں داخل ہوتے ہی اس کو بالغ قرار
دیا جائے گا خواہ بلوغ کی علامات ظاہر نہ ہوئی ہوں، امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے اس سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے
کہ پندرہ سال کی عمر میں صرف جہاد میں قتال کی اجازت دی جائے گی اور مال غنیمت سے حصہ مقرر کیا جائے گا، ان کے نزدیک
اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں:

(۱) جہاد میں شرکت اور مال قیمت سے حصہ لینے کے لیے پندرہ سال کی عمر کا ہونا ضروری ہے۔
(۲) اگر علامات بلوغ ظاہر نہ ہوں تو امام مالک کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے احکام کا مکلف ہونے کے لیے سترہ سال عمر جو نا ضروری
ہے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک لڑکے کے لیے اٹارہ سال اور لڑکی کے لیے سترہ سال
عمر کا ہونا ضروری ہے۔

(۳) جگہ میں کافر کو قتل کرنے کے جواز کے لیے اس کا اتنی عمر کہ پہنچنا کافی ہے کہ اس کے زیر نفاذ بال نکل آئے
ہوں۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔

(۴) جس عمر میں اللہ اور بندے دونوں کے حقوق متعلق ہوتے ہیں جیسے عدو زنا، حد سترہ اور حد قذف وغیرہ، امام مالک
کا اس میں ایک قول یہ ہے کہ اس کے زیر نفاذ بال طامع طور پر آگئے ہوں کیونکہ اس پر ہم یہ تہمت لگا سکتے ہیں کہ وہ
حد ساقط کرنے کے لیے علامات بلوغ کو چھپا رہا ہے، اور زہری، عطاء اور امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ جس شخص کو

اختلام نہ ہوا ہو اس سے حد ساقط ہو جاتی ہے، امام مالک کا ایک قول یہ بھی ہے اور بعض فقہاء مالکیہ نے بھی اس قول کو اختیار کیا ہے۔

علامہ ابی مالک لکھتے ہیں کہ مذہب مختار یہ ہے کہ لڑکا اختلام سے بالغ ہوتا ہے یا مومن سے ویرانہ آجیل سے یا عمر سے اور عمر میں اختلاف ہے، ایک قول میں پندرہ سال ہے، ایک قول میں سترہ سال ہے اور ایک قول میں اٹھارہ سال ہے اور لڑکی میں بھی عمر کے متعلق یہی اقوال ہیں، باقی لڑکا حیض یا حاملہ ہونے سے بالغ ہوتی ہے۔ علامہ ابوالحسن مرغینانی صنفی لکھتے ہیں:

لڑکا اختلام سے یا کسی لڑکی کو حاملہ کر دینے سے یا دہلی کے بعد انزال سے بالغ ہوتا ہے، اور اگر ان علامات میں سے کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو اٹھارہ سال مکمل ہونے کے بعد بالغ ہوتا ہے، اور لڑکی حیض، اختلام اور حاملہ ہونے سے بالغ ہوتی ہے، اور اگر ان علامات میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو پھر وہ سترہ سال مکمل ہونے کے بعد بالغ ہوگی، یہ امام ابوحنیفہ کا نظریہ ہے، اور امام ابو یوسف اور امام محمد یہ کہتے ہیں کہ جب لڑکے اور لڑکی کے پندرہ سال مکمل ہو جائیں تو وہ بالغ ہو جاتے ہیں، امام ابوحنیفہ سے بھی اس قول کا ایک روایت ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے اور امام شافعی سے ایک روایت یہ ہے کہ لڑکا انیس سال کا عمر میں بالغ ہوتا ہے، اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ اٹھارہ سال مکمل ہونے کے بعد انیسویں سال میں شروع ہو، پھر امام شافعی کا امام ابوحنیفہ سے کوئی اختلاف نہیں رہتا، لڑکے کے لیے بالغ ہونے کی کم از کم مدت بارہ سال فرض کی گئی ہے اور لڑکی کے بالغ ہونے کی کم از کم حد نو سال فرض کی گئی ہے، امام ابوحنیفہ جو لڑکے کے بروج کے لیے اٹھارہ سال کی عمر کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے حتی یبلغ اشداً ۵۔ اور شدت اور تکلیف اٹھارہ سال کی عمر میں آتی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی تفسیر مروی ہے، اور لڑکیوں کی نشوونما لڑکوں کی بہ نسبت زیادہ سرعت سے ہوتی ہے اس لیے ہم نے ان کے حق میں ایک سال کم کر دیا۔ ۶۔ علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

اس باب کی حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پندرہ سال کی عمر بالغ ہونے کا حد ہے اور یہی امام شافعی، امام ابو حنیفہ، ابن وہب اور امام احمد کا مسلک ہے اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ پندرہ سال کی عمر پر ہی ہونے کے بعد انسان بالغ ہو جاتا ہے، غرض اس کو اختلام نہ ہوا ہو اس پر عبادات وغیرہ کے احکام جاری ہو جائیں گے، اور وہ مال غنیمت میں سے حصہ کا مستحق ہوگا، اور اگر اہل حرب کے ساتھ میدان جنگ میں ہوں تو قتل کر دیا جائے گا۔ ۷۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

لڑکے اور لڑکی کا بالغ ہونا تین چیزوں میں سے کسی چیز کے ثبوت سے متحقق ہوتا ہے، یہ تین علامتیں دونوں میں مشترک ہیں اور بروج کی دو علامتیں لڑکی کے ساتھ مخصوص ہیں، جو تین علامتیں لڑکے اور لڑکی میں مشترک ہیں

۱۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن مسلمہ دمشقی ابی مالک متوفی ۲۲۸ھ، اکمال الکمال المعلوم ج ۵ ص ۲۱۶-۲۱۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔

۲۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی صنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۳۵۸-۳۵۷، مطبوعہ مکتبہ علمیہ لبنان۔

۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۱، مطبوعہ نور محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ۔

وہ یہ ہیں:

(۱) شرمگاہ سے منی کا نکلنا (یعنی تیزی اور دھار سے وہ پانی نکلنا جس سے کچھ پیدا ہوتا ہے) خواہ وہ منی نیند میں نکلے یا بیداری میں؛ جماع سے نکلے یا احتلام سے یا اور کسی طریقہ سے بھی نکلے تو اس سے بجا بوجہ متحقق ہو جائے گی اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاذِنُوْا
کَمَا اسْتَاذِنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ -
(النور ۵۹)

اور جب تم میں سے لڑکے احتلام (بلوغت) کو پہنچ جائیں تو انہیں چاہیے کہ وہ (بھی) اسی طرح اجازت طلب کریں جس طرح ان سے پہلے (بالغ ہونے والے) مردوں نے اجازت طلب کی۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

رَفَعَ الْقَلَمَ عَنْ ثَلَاثٍ عَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ
الْحَدِیْثُ - (جامع ترمذی و سنن ابوداؤد)

تین شخصوں سے قلم تکلیف اٹھایا گیا ہے، بچہ سے حتیٰ کہ اسے احتلام ہو۔۔۔۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے فرمایا:

خُذْ مِنْ كُلِّ حَالٍ دِينَارًا
(سنن ابوداؤد)

ہر وہ شخص جس کو احتلام ہوتا ہو (یعنی بالغ ہو) اس سے ایک دینار لو۔

علامہ ابن منذر نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ فراتھن اور احکام اس شخص پر واجب ہوتے ہیں، جو عاقل اور محتمل ہو، اور عورت پر احکام اس وقت واجب ہوتے ہیں جب اس کو حیض آجائے۔

(۲) انبساط: اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد کے ذکر پر یا عورت کی فرج پر سخت بال آگ جائیں جن کو استر سے صاف کیا جاتا ہے۔ امام مالک نے بھی لڑکے اور لڑکی کی بلوغت میں اس علامت کا اعتبار کیا ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بشرکین کے بلوغ کی علامت ہے اور کیا مسلمانوں کے بلوغ کی بھی یہ علامت ہے؟ سو اس میں دو قول ہیں؛ امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ مرنے کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ یہ بدن کے اور بالوں کی طرح بال ہیں، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بنی قریظہ کو حکم بنایا تو انہوں نے کہا کہ ان کے جنگجو افراد کو قتل کیا جائے اور ان کے بچوں کو قید کر لیا جائے اور یہ حکم دیا کہ ان کے تہبند کھڑے جائیں، سو جس کے بال آگ آئے تھے اس کو جنگجو افراد میں شامل کیا اور جن کے بال نہیں آگے تھے ان کو بچوں میں شامل کیا، اور علیہ قریظہ کو مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا، لوگوں کو میری بلوغت کے متعلق شک تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ اس کے بال آگے ہیں یا نہیں؟ لوگوں نے دیکھا تو میرے بال ابھی نہیں آگے تھے سو مجھ کو بچوں میں شامل کر دیا گیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل کو یہ حکم دیا کہ صرف اس شخص سے جزیہ لو جو استرا استعمال کرتا ہو، نیز اس لیے کہ ان بالوں کا آگنا بلوغت کو لازم ہے، اور یہ علامت فکر اور کوشش دونوں کو لازم ہے سو یہ بھی احتلام کی طرح بلوغت کی علامت ہے اور اس لیے کہ ایک چیز خارج متصل ہے اور ایک چیز خارج منفصل ہے سو جب خارج منفصل بلوغت کی علامت

ہے قرعہ ج متقل کر بھی بلوغت کی علامت ہونا چاہیے، نیز جمہور پیشین کے حق میں بلوغت کی علامت ہے وہ مسلمانوں کے حق میں بھی بلوغت کی علامت ہونی چاہیے۔

(۳) مذکور اور حضرت میں بلوغت کی تیسری مشترک علامت عمر ہے اور لڑکا اور لڑکی دونوں جب پندرہ سال کے ہو جائیں تو وہ بالغ ہو جاتے ہیں، امام اوزاعی، امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد کا یہی قول ہے اور داؤد ظاہری نے یہ کہا ہے کہ بلوغت میں عمر کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تین شخصوں سے قلم تکلیف اٹھا بیگیا، بچے سے حتیٰ کہ اسے احتلام ہو جائے الحدیث۔ اس لیے بغیر احتلام کے بلوغت کا اعتبار کرنا حدیث کے خلاف ہے، یہ امام مالک کا قول ہے، اور فقہاء مالکیہ نے سترہ یا اٹھارہ سال کا اعتبار کیا ہے۔ لڑکے کے متعلق امام ابو حنیفہ سے دو روایتیں ہیں ایک سترہ سال کی ہے اور دوسری اٹھارہ سال کی ہے، اور لڑکی کے لیے ہر حال میں سترہ سال کا اعتبار کیا ہے، کیونکہ مدنیہ ترقیافت اور اتفاق کے ثابت نہیں ہوتی اور اس مسئلہ میں نہ کوئی نص وارد ہے اور نہ اتفاق ہے۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے چودہ سال کی عمر میں خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا، تو آپ نے مجھے جہاد میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دی اور جب میری عمر پندرہ سال تھی تو آپ نے اجازت دے دی، (صحیح بخاری و صحیح مسلم) حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب بچہ کے پندرہ سال پورے ہو جائیں تو اس پر احکام فرض ہو جاتے ہیں اور اس پر حدود نافذ ہو جاتی ہیں، نیز جس طرح انزال کی وجہ سے بلوغت میں مذکور اور حضرت برابر ہیں اس طرح عمر کے لحاظ سے بلوغت میں بھی دونوں کو مساوی ہونا چاہیے، ہم نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان سے اصحاب ابو حنیفہ کے دلائل کا جواب واضح ہو جاتا ہے اور جس حدیث سے داؤد ظاہری نے استدلال کر کے بلوغت میں عمر کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے، اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں دوسری علامتوں کی نفی نہیں ہے، اسکی وجہ سے مرنے پر نفات کا بلوغت میں اعتبار کیا گیا ہے حالانکہ اس حدیث میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

راجیعت تریہ بلوغت کی ایسی علامت ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ دو پڑکے بغیر حائضہ (بالغہ) کی ناز کر قبول نہیں کرتا، اور عمل بھی بلوغت کی علامت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ یہ ہے کہ وہ مرد اور عورت کے پانی کے بغیر بچہ کو پیدا نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۖ خُلِقَ مِنْ عَلَقٍ ۖ وَهُوَ دَافِقٌ ۚ
يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۚ
(طارق: ۵-۷)

اور احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان کیا ہے کہ جب لڑکی کا مادہ ہر جائے ترویج محل سے اس کی بلوغت کا حکم لگایا جائے گا۔ ۱۷

بَابُ الثَّمَنِ أَنْ يُسَافِرَ بِالصُّحُفِ إِلَى أَرْضِ
الْكَفَّارِ إِذَا خِيفَ وَقُوْعُهُ بِأَيْدِيهِمْ

کفار کے ہاتھ لگنے کا ذکر ہو تو قرآن مجید کو ارض
کفار میں لے جانے کی ممانعت

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کے ملک میں
قرآن مجید کو لے کر سفر کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۴۶۲۳ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ
عَلَى مَالِكٍ عَنْ تَائِفٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ
يُسَافَرَ بِالْقُرْآنِ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ -

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کی سر زمین میں قرآن مجید
کو لے کر سفر کرنے سے منع فرماتے تھے، اس خوف
سے کہ دشمن کے ہاتھ قرآن مجید لگ جائے گا۔

۴۶۲۵ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ
حَدَّثَنَا ابْنُ مَرْجٍ أَخْبَرَنَا الْكَلْبِيُّ عَنْ تَائِفٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ
بْنِ عُمَرَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ
كَانَ يَنْهَى أَنْ يُسَافَرَ بِالْقُرْآنِ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ وَخَافَهُ
أَنْ يَتَنَا لَهَ الْعَدُوُّ -

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کو لے کر سفر نہ کرو
کیونکہ میں اس سے بے خوف نہیں ہوں کہ وہ دشمن کے
ہاتھ پڑ جائے گا۔ راوی ایوب نے کہا قرآن مجید دشمن
کے ہاتھ لگ گیا تو وہ قرآن مجید کے ساتھ تم سے مقابلہ
کرے گا۔

۴۶۲۶ - وَحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الْعَمِّيُّ وَأَبُو
كَامِلٍ قَالَا حَدَّثَنَا أَحْمَدُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ تَائِفٍ
عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ لَا تُسَافِرُوا بِالْقُرْآنِ فَإِنِ فِائِي كَاهِنٌ أَوْ
يَتَنَا لَهَ الْعَدُوُّ قَالَ أَيُّوبُ فَقَدْ تَنَا لَهَ الْعَدُوُّ
وَخَاصَمُوهُ كُفْرًا -

امام مسلم نے اس حدیث کو تین سندیں بیان کیں، ایک
سند کے ساتھ حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا مجھے خوف ہے، اور ایک روایت
میں یہ الفاظ ہیں: دشمن کے ہاتھ لگنے کے خوف سے۔

۴۶۲۷ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ هِشَامٍ عَنْ حَرْبٍ حَدَّثَنَا
إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي حَلَيْثَةَ عَنْ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ
حَدَّثَنَا سُبَيْحَانُ وَالثَّقَفِيُّ كُلُّهُمَا عَنْ أَيُّوبَ عَنْ
حَدَّثَنَا ابْنُ تَائِفٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي هُدَيْكٍ أَخْبَرَنَا
الضَّحَّاكُ رِيعِي ابْنُ عُثْمَانَ (جَمِيعًا عَنْ تَائِفٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ وَالثَّقَفِيِّ
فِي أَخْفَى وَفِي حَدِيثِ سُبَيْحَانَ وَحَدِيثِ الضَّحَّاكِ بْنِ عُثْمَانَ مَخَافَةً أَنْ يَتَنَا لَهَ الْعَدُوُّ -

ارض کفار میں قرآن کے ساتھ سفر کرنے اور کفار کو خطوط میں آیات قرآن لکھنے کے متعلق
مذاہب فقہاء

اس حدیث میں قرآن مجید کو ارض کفار میں لے جانے سے منع فرمایا ہے، اور اس کی علت حدیث میں یہ بیان کی ہے کہ جو مسلمان ہے کہ قرآن مجید کفار کے ہاتھ لگ جائے اور وہ اس کی بے حرمتی کریں، اور جب یہ علت نہ ہو باقی طور کہ مسلمانوں کا لشکر غلبہ کے ساتھ ارض کفار میں داخل ہو تو پھر اس میں کوئی کراہت نہیں ہے اور علت نہ ہونے کی وجہ سے ممانعت نہیں ہے، یہی قول صحیح ہے، امام ابو حنیفہ، امام بخاری، اور دیگر فقہاء اور محدثین کا یہی قول ہے، امام مالک اور بعض فقہاء شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ یہ ممانعت مطلقاً ہے، اور ابن منذر نے امام ابو حنیفہ سے مطلقاً حجاز کی روایت نقل کی ہے، اور امام ابو حنیفہ کا صحیح قول وہی ہے جس کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ نیز فقہاء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ کفار کی طرف ایسا مکتوب روانہ نہ کرنا جائز ہے جس میں قرآن مجید کا چند آیات لکھی ہوئی ہوں، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قل کی طرف ایک مکتوب روانہ کیا تھا جس میں قرآن مجید کی آیات لکھی ہوئی تھیں، امام مالک اور دیگر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جن درہم اور دینار وغیرہ پر اللہ تعالیٰ کا نام یا اس کا ذکر لکھا ہوا ہو ان کا کفار کے ساتھ معاملہ کرنا مکروہ ہے۔ ۱۔
علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں:

”خاصی عیانی نے کہا ہے کہ قرآن مجید کو ساتھ لے کر سفر کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک اور ان کے قدیم اصحاب اس سے منع کرتے تھے، خواہ لشکر بڑا ہو، اس لیے کہ کبھی انسان بھول جاتا ہے اور کبھی مصحف کریم گر جاتا ہے، ابن منذر نے امام ابو حنیفہ سے مطلقاً حجاز کی روایت نقل کی ہے اور ان کا صحیح قول یہ ہے کہ بڑے لشکروں میں قرآن مجید کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے اور چھوٹے لشکروں میں قرآن مجید کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ بڑے لشکروں میں دشمن کے ہاتھ قرآن مجید کا لگ جانا، نادر الوقوع ہے سو یہ لائق توجہ نہیں ہے، فقہاء نے ان کی طرف خطوط میں قرآن مجید کی آیات لکھنے کو جائز کہا ہے، لہذا ان کو خطوط میں اسلام کی دعوت دی جاسکتی ہے البتہ امام مالک نے ان کو قرآن مجید کی تعلیم دینے سے منع کیا ہے، امام ابو حنیفہ نے اس کو جائز کہا ہے۔ امام شافعی کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، جو جائز کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ جو مسلمان کافر اس وجہ سے اسلام قبول کرے اور جو ناجائز کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ فی الحال کافر نجس ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی کتاب کا دشمن ہے اور کافر کو خط میں قرآن مجید کی آیات نہ لکھنا، ان آیات کو قرہین کے خط میں ڈالنا ہے، امام مالک کے نزدیک جن درہم اور دینار پر اللہ کا نام لکھا ہوا انھیں کفار کو دینا مکروہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اس طرح کے درہم اور دینار نہیں تھے۔ ۲۔“

علامہ بدر الدین عینی حنفی حدیث ہر قل کے تحت لکھتے ہیں:
علامہ خطاب نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ دشمن کی سرزمین میں سفر کرنے کی ممانعت مصحف یا بڑی سورتوں پر معمول ہے، ایک آیت یا دو آیتوں کو ارض کفار میں بھیجنا ممنوع نہیں ہے، علامہ ابن بطلان نے کہا

۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نسفی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۲۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلف دمشقی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال الکمال المسلم ج ۵ ص ۲۱۶، مطبوعہ مکتبہ علمیہ بیروت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء اسلام میں ہر قیل کی طرف خط لکھا تھا جس میں قرآن مجید کی آیات لکھی تھیں، کیونکہ اس وقت اسلام کی دعوت عام کو دنیا ضروری تھا، بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا اور علماء (ما لکبیں) نے کہا ہے کہ جن سکوت پر قرآن مجید کی آیات کندہ ہوں وہ مشرکین کو نہ دے جائیں، (علامہ عینی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ علامہ خطابی کا کلام زیادہ صحیح ہے، کیونکہ علامہ ابن بطال کے کلام سے نسخ لازم آتا ہے، اور اصرار کفار میں قرآن مجید کے ساتھ سفر کرنے کی حیانت اس صورت میں ہے جب یہ خطرہ ہو کہ قرآن مجید مشرکوں کے ہاتھ لگ جائے گا اور وہ اس کی بے حرمتی کریں گے۔ لہ

بَابُ الْمُسَابَقَةِ بَيْنَ الْخَيْلِ وَتَضْمِيرِهَا

۴۲۸- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ قَالَ قَوَّاتٌ عَلَى مَا لَكَ عَنْ تَأْفِيعِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَابَقَ بِالْخَيْلِ الَّتِي قَدْ أَضْمَرَتْ مِنَ الْحَفِيَاءِ وَكَانَ آمِدُّهَا فَنَيْتَهُ الْوَدَاعُ وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي لَمْ تَقْضَ مِنَ الْقَنَيْتِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي تَرْيَاقَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ فِيْهِمْ سَابِقًا بِهَا.

گھڑ دوڑ میں مقابلہ اور اس کی تیاری کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اضمار شدہ گھوڑوں میں حفیا سے غنیمہ الوداع تک دوڑ کا مقابلہ کرایا اور غیر اضمار شدہ گھوڑوں میں غنیمہ سے مسجد نوزیدی تک مقابلہ کرایا۔ حضرت ابن عمر نے بھی اس دوڑ میں حصہ لیا تھا۔

ف: اضمار کا معنی یہ ہے کہ گھوڑے کا پارہ کم کر کے اسے ایک گرم جھول پہنا کر کسی کوٹھری میں بند کر دیں تاکہ اس کو خوب پسینا آئے اس میں اگر شصت کم ہو اور وہ زیادہ تیز دوڑ سکے۔

۴۲۹- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمَيْحٍ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنِ الثَّيْتِ بْنِ سَعْدٍ ح وَحَدَّثَنَا خَلْفُ بْنُ هِشَامٍ وَأَبُو التَّزَنِّي وَابْنُ أَبِي قَالُو أَحَدًا ثَنَا حَقْمًا (وَهُوَ ابْنُ تَرْيَاقَ) عَنْ أَيُّوبَ ح وَحَدَّثَنَا إِسْرَافِيلُ بْنُ هَارُونَ عَنْ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو سَامَةَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَعَبِيدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ قَالَا حَدَّثَنَا

امام مسلم نے اس حدیث کی زوائد ذکر کیں، ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ میں آگے نکل گیا اور گھوڑا مجھے لے کر مسجد میں چڑھ گیا۔

يَعْنِي (أَدْمُو الْقَطَّانُ) جَمِيعًا عَنْ عَبْدِ اللَّهِ
وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ جُرَيْجٍ وَأَحْمَدُ بْنُ عُبَادَةَ وَابْنُ
رَجَاءٍ عَمَّا قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ
بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا
عَبْدُ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي مُوسَى
ابْنُ عُقْبَةَ وَحَدَّثَنَا هُرُوفُ بْنُ مَعِينٍ الْأَيْلِيُّ
حَدَّثَنَا ابْنُ وَهَبٍ أَخْبَرَنِي أَسَامَةُ بْنُ دِينَارٍ
زَيْدٌ (كُلُّ هَؤُلَاءِ عَنْ قَافِرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ بِمَعْنَى
حَدِيثِ مَالِكٍ عَنْ ثَابِتٍ وَهَذَا فِي حَدِيثِ أَبِي ثَوْبٍ
مِنْ رِوَايَةِ حَمَّادٍ وَابْنِ عُكَيْتَةَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ
فَنَجَّثَ سَابِقًا فَطَعَنَ فِي الْفَرَسِ الْمَسْجِدَ

علامہ یحییٰ بن شرف نردی لکھتے ہیں: | اس باب کی احادیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے اضمار شدہ اور غیر اضمار شدہ گھوڑوں کے درمیان دوڑ کا مقابلہ کرایا، ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑوں کے درمیان دوڑ کا مقابلہ کرنا جائز ہے اور گھوڑوں کو اضمار کرنا بھی جائز ہے، اضمار سے یہ مراد ہے کہ پہلے گھوڑوں کو کھلایا پلایا جائے، پھر ان کا کھانا بندریک کم کیا جائے یا ان کا چارہ کم کر کے ان کو ایک گوشہ میں رکھا جائے اور ان پر بھول ڈال دی جائے تاکہ ان کو خراب پسینہ آئے اور ان کے دوڑنے کی صلاحیت بڑھ جائے۔ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ گھوڑوں میں دوڑ کا مقابلہ کرنا مباح ہے یا مستحب ہے، ہمارے اصحاب (فقہاء شافعیہ) کا مذہب یہ ہے کہ مسابقت یعنی دوڑ کا مقابلہ کرنا مستحب ہے، اور فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ بلا عرض دوڑ کا مقابلہ کرنا گھوڑوں کی تمام اقسام میں جائز ہے خواہ ان کے درمیان کوئی تیسرا شخص ہو یا نہ ہو اور عرض کے بدلہ میں بھی مسابقت بالاجماع جائز ہے لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ مقابلہ کرنے والوں کے علاوہ کوئی تیسرا شخص عرض ادا کرے، اور اگر عرض مقابلہ کرنے والوں کے درمیان ہو تو پھر اس کے جواز کے لیے ان کے درمیان کسی تیسرے شخص کا بحیثیت محفل ہونا ضروری ہے۔ اس باب کی احادیث میں عرض کا ذکر نہیں ہے۔

علامہ دمشقانی ابی مالکی لکھتے ہیں: | دوڑ کا مقابلہ منع کرانے میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ | تمامی میان مالکی نے کہا ہے کہ مسابقت یہ ہے کہ ایک مقام مقرر کر دیا جائے پھر دو فریقوں میں سے ہر ایک اس مقام تک دوسرے سے پہلے پہنچنے کی کوشش کرے

۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نردی شافعی متونی ۶/۶۷، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۲، مطبوعہ نردی محمد امجد المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۲۔ محفل کی وضاحت فقہاء مالکیہ اور فقہاء احناف کے حوالوں میں آ رہی ہے۔ منہ

مسابقت گھوڑوں اور اونٹوں کے دوڑانے میں ہوتی ہے، کسی ہفت پر تیرے نشانہ لگانے میں ہوتی ہے، اور دو انسانوں کے دوڑنے میں بھی ہوتی ہے، پہلی تین چیزوں میں مسابقت کا ثبوت اس حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یسبق الا فی خف او حافر او نعل (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۸) مسابقت صرف اونٹوں میں یا گھوڑوں میں یا تیر اندازی میں ہے۔ اور انسانوں کے دوڑنے میں مسابقت کا ثبوت حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے (حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے ایک انصاری سے دوڑنے میں مقابلہ کیا اور جیت گئے، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۵، سعیدی غفرلہ) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو دوڑنے میں مقابلہ کیا تھا اس سے بھی جواز ثابت ہوتا ہے۔ امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن عائشۃ انہا کانت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر قالت فسابقت فسبقته علی، جلی فلما حملت اللحم سابقتہ فسبقتی فقال ہذا بتلک السبقۃ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یک سفر میں تھیں، وہ کہتی ہیں میں نے حضور سے دوڑنے میں مقابلہ کیا اور میں پہلے پہنچ گئی پھر جب میرا بدن فریب ہو گیا، تو میں نے پھر مقابلہ کیا اس دفعہ حضور مجھ پر سبقت لے گئے، آپ نے فرمایا یہ سبقت، اس سبقت کے جواب میں ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۸، مطبوعہ مطبعہ مجتہبی لاہور پاکستان۔)

اس حدیث سے انسانوں کے آپس میں دوڑ کے مقابلہ کا ثبوت ہے، بعض فقہاء شافعیہ نے مخپروں اور گدھوں میں بھی مسابقت کو جائز کہا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ دوڑ کے مقابلہ اور تیر اندازی کے مقابلہ میں کامیاب ہونے والے شخص کو انعام دینے میں اور اس پر شرط لگانے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (بشرطیکہ یہ شرط جانیں سے نہ ہو مثلاً ہر فریق اس کا اقرار کرے کہ غالب ہونے والے شخص کو مطلوب اتنی رقم ادا کرے گا، یہ قرار اور جواز ہے اور قرآن مجید کی نص قطعی سے حرام ہے، اور اگر ایک فریق دوسرے سے کہے کہ تم کو کامیاب ہو گئے تو میں تم کو یہ انعام دوں گا اور دوسرا فریق اس کے مقابلہ میں کسی چیز کا التزام نہ کرے تو پھر جائز ہے یا میرا شخص دوزں سے کہے تم میں سے جو بھی کامیاب ہو گیا میں اس کو یہ انعام دوں گا یہ بھی جائز ہے۔ سعیدی غفرلہ) امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک مسابقت اور تیر اندازی کے علاوہ اور کسی مقابلہ میں انعام کی شرط لگانا جائز نہیں ہے، کیونکہ سنن ابوداؤد کی جرح وایت گنجد مکی سے اس میں صرف اونٹوں یا گھوڑوں کی دوڑ اور تیر اندازی میں مسابقت کا اجماع بیان کیا گیا ہے، اور بعض فقہاء کے نزدیک انعام کی شرط رکھنے کا جواز صرف گھوڑوں کی دوڑ میں ہے، کیونکہ گھوڑوں کی دوڑ میں انعام رکھنا اہل عرب کا معروف طریقہ تھا۔ علاوہ اس کے کہ ہر چیز میں مسابقت جائز ہے، اور شاید ان کی مراد یہ ہے کہ انعام کی شرط کے بغیر ہر چیز میں مسابقت جائز ہے ورنہ جہود کے قول کے خلاف ہے، اور اس میں قرار اور جواز ہے، جس کی ممانعت ہے اور ناجائز طریقہ سے دوسرے کا مال کھانا ہے (علاوہ اُن مالکی کی یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ جواد تو ہر چیز میں ناجائز ہے، حتیٰ کہ گھوڑوں اور اونٹوں کی دوڑ کی مسابقت اور تیر اندازی کی مسابقت میں جانیں سے شرط لگانا قرار اور جواز ہے اور ناجائز اور حرام ہے، اہل اس میں ایک جانب سے شرط لگانا جائز ہے اسی طرح باقی چیزوں کی مسابقت میں بھی ایک جانب سے شرط لگانا ناجائز ہے

اور یہ قیاس نہیں ہے بلکہ اس میں ناجائز طریقہ سے دوسرے کا مال کھانا لازم آتا ہے۔ (مسجدی وغیرہ)
علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں: کہ مسابقت کی چار صورتیں ہیں، ایک صورت بالاتفاق جائز ہے اور ایک صورت بالاتفاق ممنوع ہے اور دوسری مختلف ہیں۔

(۱) جو شخص گھوڑا دوڑانے میں حصہ نہیں لے رہا وہ ایک انعام مقرر کرے اور یہ اعلان کر دے کہ جس شخص کا گھوڑا اول آگیا اس کو یہ انعام دیا جائے گا یا تین پوزیشنوں کے تین اعلان کر دے، اور اعلان کے مطابق انعام دیا جائے، اس صورت کے جواز میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کیونکہ اس میں قمار حصلاً نہیں ہے۔
(۲) گھوڑا دوڑانے والوں میں سے ہر شخص ایک انعام رکھے (مثلاً دس آدمیوں میں سے ہر شخص پانچ روپے انعام رکھے) اور جس کا گھوڑا اول آئے وہ سب کے انعام سمیٹ کر لے جائے، مثلاً اس صورت میں وہ پچاس روپے لے جائے) یہ صورت تمام فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ اس میں غرر اور خطر (دھوکا اور خطرہ، Risk) ہے اور یہ وہ قدر اندیس ہے جس کو قرآن مجید نے حرام کر دیا ہے۔

(۳) دو گھوڑا دوڑانے والے ایک تیسرے شخص کو اپنے درمیان داخل کر لیں، اس کو محفل کہتے ہیں، دو مقابلہ کرنے والے انعام کی شرط رکھیں، اور یہ شخص کوئی شرط نہ رکھے اور یہ طے کریں کہ اگر محفل کا گھوڑا اول آگیا تو وہ ان دونوں کے رکھے ہوئے انعام سے جائے گا اور اگر محفل کے علاوہ ان دونوں میں سے کسی کا گھوڑا اول آگیا تو وہ دونوں انعام لے جائے گا، ابی حسیب اور امام شافعی نے اس کو جائز کہا ہے اور امام مالک کے اس میں دو قول ہیں اور زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ یہ ممنوع ہے۔

(۴) گھوڑا دوڑانے والے مثلاً دو شخصوں میں سے ایک شخص ایک مسبین انعام کی شرط رکھے اور دوسرا شخص کوئی شرط نہ رکھے اور یہ طے کیا جائے کہ جس شخص کا گھوڑا اول آئے گا وہ انعام لے جائے گا خواہ یہ وہ شخص ہو جس نے انعام رکھا تھا یا دوسرا شخص ہو، اس کو امام شافعی اور امام ابو حنیفہ نے جائز کہا ہے اور امام مالک کے اس میں بھی دو قول ہیں۔ ۱۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

دوڑ کا مقابلہ منع کرانے میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ | مسابقت (یعنی گھوڑوں اور آدمیوں میں دوڑ کا مقابلہ کرنا)

سنت اور اجماع سے جائز ہے، سنت کے ثبوت میں علامہ ابن قدامہ نے صحیح مسلم کا وہ حدیث ذکر کی ہے جس کی ہم تشریح کر رہے ہیں، نیز لکھتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا مسابقت کے جواز پر اتفاق ہے، مسابقت کا دو قسمیں ہیں ایک عامی کے ساتھ اور ایک بلاعوض، جو مسابقت بلاعوض ہو وہ مطلقاً جائز ہے، خواہ انسانوں کا دوڑ میں مقابلہ ہو، یا گھوڑوں اور اونٹوں وغیرہ کا مقابلہ کر لیا جائے، یا کشتیوں وغیرہ کا مقابلہ ہو، یا پہلوانی میں مقابلہ ہو۔

جس مسابقت میں عوض ہو (یعنی اس پر کسی انعام کی شرط رکھی جائے) وہ گھوڑوں، اونٹوں اور غیر انسانی کے سوا اور کسی چیز میں جائز نہیں ہے، ان تین چیزوں میں عوض کو اس لیے جائز قرار دیا گیا ہے کہ یہ آلات جنگ میں سے ہیں اور

بیرت

۱۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن علی بن عثمان ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۲۱۸-۲۱۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ

جلد خامس

ان کو سیکھنے اور ان کی مشق حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور حبیب اللہ چیزوں پر انعام کی شرط رکھ کر ان میں مقابلہ کرایا جائے گا قرآن میں مشق اور مہارت حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کا جائے گی، اور شریعت میں ان کی مشق کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واعدوا لہما استطعتم من قوۃ ومن
رباط الخیل ترہبون بہ عدو اللہ
وعدوکم۔
(انفال: ۶۰)

جس قدر تم سے ہو سکے دشمن کے خلاف اس قدر
طاقت حاصل کرو اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو،
تاکہ اس کے ذریعہ اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو
غور سے کرو۔

لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الا ان القوۃ الرمی الا ان القوۃ الرمی۔

سناقت تیر اندازی میں ہے سناقت تیر اندازی میں ہے۔
امام احمد کے علاوہ نسیری اور امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے کہ ان تین چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں مسابقت
بالعین جائز نہیں ہے اور اہل عراق نے کہا ہے کہ انسانوں کے دوڑنے اور پہلوانی کے مقابلہ میں بھی انعام رکھ کر
مسابقت جائز ہے، کیونکہ ان دونوں کے متعلق بھی احادیث ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے
دوڑنے میں مسابقت کی، (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۴۸، سنن ابن ماجہ ص ۱۲۲، مسند احمد ج ۶ ص ۱۸۷، ۱۲۹، ۱۳۹، اسی طرح
حضرت سلمہ بن اکوع نے ایک انصاری سے دوڑنے میں مقابلہ کیا، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۵، سیدی غفرلہ) اور حضرت
رکابہ رضی اللہ عنہ نے کشتی میں مقابلہ کیا، فقہاء شافعیہ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، اسی طرح پزموں اور کشتیوں میں مسابقت
کے متعلق بھی ان کے دو قول ہیں۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا
ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیر اندازی، اونٹوں یا گھوڑوں کی دوڑ کے سوا کسی چیز میں مسابقت (جائز) نہیں ہے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین چیزوں کے سوا ہر چیز میں مسابقت کی نفی کر دی، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کا مراد یہ ہو
کہ انعام کی شرط کے ساتھ ان تین کے علاوہ اور کسی چیز میں مسابقت جائز نہیں ہے، اور چونکہ انعام کی شرط کے بغیر تمام
چیزوں میں مسابقت کے جائز پر اجماع ہے اس لیے یہ متین ہو گیا کہ حدیث میں انعام اور شرط کے ساتھ ان تین کے
علاوہ باقی چیزوں میں مسابقت کے (جائز) کی نفی کا ہے اور یہ ہمارے موقف پر واضح دلیل ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ان تینوں کے علاوہ باقی چیزوں کی جہاد میں ضرورت نہیں ہوتی (علامہ ابن قدامہ کے زمانے میں
ایسا ہی ہو گا لیکن اس زمانہ میں آلات جہاد کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے اور اس علت کی بناء پر مسابقت کا دائرہ بھی وسیع
ہو جائے گا، سیدی غفرلہ) فقہاء شافعیہ نے کہا ہے کہ ہر نوک دار ہتھیار میں مسابقت جائز ہے اور نیزہ اور تلوار میں ان
کے دو قول ہیں، اسی طرح گدھوں اور بچروں کی مسابقت میں بھی ان کے دو قول ہیں۔ لہ

دوڑ کا مقابلہ منعقد کرانے میں فقہاء احناف کا نظر علامہ علاؤ الدین حاکمی لکھتے ہیں:

قدوم کے ساتھ دوڑ نے میں ایک دوسرے پر سبقت سے جانے میں کوئی مفاد نہ نہیں ہے، کیونکہ یہ چیزیں جہاد کے اسباب سے ہیں، اس لیے ان میں مسابقت مستحب ہے، ملتجی اور محنت میں ہے کہ پھر اور گدھے میں بھی مسابقت مستحب ہے، مصنف نے یہاں تو اس کو جائز لکھا ہے اور مسائل ششی میں اس کے خلاف لکھا ہے (وہاں مسابقت کو صرف تیر اندازی، گھوڑے یا اونٹ یا قدموں کی مسابقت کے ساتھ مخصوص کیا ہے، یعنی ٹیڑھ اور گدھے میں مسابقت کو وہاں ناجائز لکھا ہے۔ شامی) امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک شرط لگانا کہ قدموں کے ساتھ مسابقت جائز نہیں ہے، اور بغیر شرط کے تمام کیلوں میں مسابقت جائز ہے، مسابقت میں شرط کے ذریعہ جو مال حاصل ہو وہ جائز ہے بشرطیکہ شرط ایک جانب سے ہو (مثلاً حامد محمود سے کہے اگر ٹیڑھ یا اونٹ تیار ہے گھوڑے یا اونٹ سے آگے نکل جائے تو حکم کو مجھے سورد پے دینے ہوں گے، اور اگر تیار گھوڑا یا اونٹ میرے گھوڑے یا اونٹ سے آگے نکل جائے تو مجھ پر کچھ لازم نہیں ہوگا، شامی) اور اگر مسابقت میں دونوں جانب سے شرط لگائی گئی تو یہ حرام ہے کیونکہ یہ قرار اور جوار ہے، ہاں اس صورت میں حرام نہیں ہے جب وہ دونوں میسرے شخص کو بطور محل اپنے درمیان داخل کر لیں بشرطیکہ اس کا گھوڑا دوڑنے میں ان کے گھوڑوں کے برابر ہو اور دوڑ میں آگے بڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہو غلام میں ہے کہ مسابقت کرنے والے دونوں شخص تیسرے شخص کو اس مقابلہ میں داخل کریں اور اس سے یہ کہیں کہ اگر تم دونوں پر سبقت کر جاؤ تو ہم دونوں کا مال تیار ہے اور اگر تم پر سبقت کر جائیں تو تم سے کچھ نہیں لیں گے، مالگیری میں ہے کہ جب دو شخص اپنے درمیان محل کو داخل کر لیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ شکار یا عروس یا کچھ پر سبقت کر جاؤ تو تم کو دس روپے دیں گا، اور اگر تم سے آگے نکل گیا تو تم سے دس روپے لے لوں گا، اور اگر تیسرا شخص یعنی محل آگے نکل گیا تو اس کو کچھ نہیں ملے گا، اس سے معلوم ہوا کہ محل کو داخل کرنے کی دو صورتیں ہیں، علامہ ذہبی نے کہا ہے کہ اس صورت کے جائز ہونے کا وجہ یہ ہے کہ تیسرے شخص یعنی محل کو کچھ ملنا لازمی اور یقینی نہیں ہے ہو سکتا ہے ملے یا نہ ملے اس وجہ سے یہ صورت قرار سے خارج ہوگئی (شامی) کشتی کرنا بدعت نہیں ہے لیکن اگر کشتی سے جہاد میں قوت حاصل کرنا ہو تو جائز ہے اور اگر اس سے محنت کھیل کو مقصود ہو تو مکروہ ہے، اور مال کی شرط کے بغیر ہر چیز میں مسابقت کرنا جائز ہے علامہ ابن عمر نے کہا پیچھے لڑنے اور پہیلیاں بوجھنے میں مسابقت جائز ہے، اسی طرح کسی ماہر اور تجربہ کار شخص کے لیے غلام کیل و کھانا بھی جائز ہے، مثلاً سانپ پکڑ کر دکھانا وغیرہ۔ ۱۵

سابقت کی اس بحث میں چونکہ قرار اور میسر (جوار) کا ذکر آگیا ہے اس لیے ہم یہاں اختصار کے ساتھ قرار اور میسر کا لغوی معنی اور شرعی معنی اور اس کے احکام ذکر کر دیں گے۔

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

جوتے کی تعریف

صاح میں قرار کا معنی یہ بیان کیا ہے: کسی شخص کا کھیل میں دوسرے شخص پر غالب آنا۔ ۱۶

۱۵۔ علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حاکمی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی امش روال متحد ج ۵ ص ۳۵۶-۳۵۵، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۴ھ

۱۶۔ علامہ سید محمد رفیع حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج الروض ج ۲ ص ۵۰۵، مطبوعہ المطبعة الخیرہ مصر، ۱۳۰۶ھ

یہ علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

میسر کا معنی ہے تیروں سے جوا رکھنا، میسر اس اونٹ کو کہتے ہیں جس پر عرب جوا رکھتے تھے، جب وہ لوگ جوا رکھنے کا ارادہ کرتے تو ایک اونٹ ادھار خریدتے اور اس کو ذبح کر کے اس کے دس یا اٹھائیس حصے کرتے، پھر تیروں سے فرما انگڑی کرتے جس شخص کے نام پر نشان زدہ تیر نکلتا وہ کامیاب ہوتا اور جس شخص کے نام پر بے نشان تیر نکلتا وہ ناکام قرار دیا جاتا اور اس کو اونٹ کی پوری قیمت دینی پڑتی، اونٹ کو میسر اس لیے کہتے تھے کہ وہ تقسیم کا عمل بنانا تھا، میسر چوپسر کو بھی کہتے ہیں، حضرت علی سے روایت ہے کہ شطرنجی عجیروں کا جوا ہے، ہر وہ چیز جس میں جوا ہو وہ میسر ہے حتیٰ کہ بچوں کا اخروٹ کے ساتھ کھیلنا بھی میسر ہے، بشرطیکہ اس کھیل میں یہ طے کیا جائے کہ ہارنے والا جیتنے والے کو فلاں چیز دے گا۔ سیدی غفرلہ

رئیس معلوم لکھتے ہیں: قمار ہر وہ کھیل ہے جس میں یہ شرط لگائی جائے کہ منسوب غالب کر، کوئی مبین چیز ادا کرے گا خواہ وہ چیز چاندی ہو یا کوئی اور چیز ہو۔ ۱۷

میر سید شریف جرجانی لکھتے ہیں:

قمار ہر وہ کھیل ہے جس میں یہ شرط لگائی جائے کہ منسوب کی کوئی چیز غالب کر دی جائے گی۔ ۱۸

جوئے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

يَشْلُونَكَ عَنْ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا
اِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنْفَعَةٌ لِلنَّاسِ وَاثْمُهُمَا
اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا۔

(بقرہ: ۲۱۹)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ
وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجَسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ
فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ۔ (مائتہ: ۹۰)
إِنَّمَا يَرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمْ
الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ
عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ
مَنْتَهُونَ (مائتہ: ۹۱)

لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ شراب اور جوئے
کا کیا حکم ہے؟ آپ کہیے ان دونوں چیزوں میں بڑا گناہ
ہے، ہر چند کہ ان میں لوگوں کے لیے (دنیاوی) منافع بھی
ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔
اے ایمان والو! شراب، حواہت اور پانے،
(فلان نکالنے والے تیر) یہ سب گندے شیطانی کام ہیں
ان سے بچو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔

شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے
ذریعہ تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور
تہین الشہ کے ذکر اور نماز سے روک دے، کیا تم ان چیزوں
سے باز آنے والے ہو۔

۱۔ علامہ سید محمد رفیع حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ص ۲۵۸-۲۶۰، مطبوعہ المطبعة الخیر، ۱۳۰۶ھ

۲۔ رئیس معلوف السمری، المنجد ص ۲۵۳، المطبعة الکاثولیکہ بیروت، الطبعة التاسعة العشرة، ۱۹۲۴م

۳۔ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ، کتاب التقریبات ص ۷۷، المطبعة الخیر، مصر، ۱۳۰۶ھ

جوئے کے متعلق احادیث | امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور کی شراب جوئے، طبل اور جوار کی شراب سے منع فرمایا۔

عن عبد اللہ بن عمر وإن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الخمر والمیسر والکویۃ والغبیۃ۔
امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شراب کو تین بار حلال کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لانے والے مایکہ وہ لوگ شراب پیتے تھے اور جوئے کا مال کھاتے تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی: یہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں آپ کیسے ان میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کا (دنیاوی) نفع بھی ہے اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال حرمت الخمر ثلاث مرات قدّم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ وهم یشرّبون الخمر دیا کلون المیسر فسالوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنہما فانزل اللہ علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیہما اثم کبیر ومنافع للناس واثمہما اکبر من نفعہما الحدیث۔

علامہ نسفی حنفی لکھتے ہیں:

جوئے کے حکم میں فقہاء اخاف کی رائے | گھوڑے سواری، شتر سواری، پیدل چلنے اور تیر اندازی میں مسابقت کا مقابلہ کرنا جائز ہے اور جائز نہیں ہے شرط مقرر کرنا حرام ہے اور ایک جانب سے شرط مقرر کرنا حرام نہیں ہے۔

علامہ ذہبی حنفی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

جائزین سے شرط مقرر کرنے کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے کہے اگر تمہارا گھوڑا آگے نکل گیا تو میں تم کو اتنے روپے دوں گا اور اگر میرا گھوڑا آگے نکل گیا تو تمہیں مجھ کو اتنے روپے دینے ہوں گے، یہ قرار ہے اس لیے جائز نہیں ہے، اور اگر ایک جانب سے شرط مقرر کیا نہیں ہے، مثلاً ایک شخص دوسرے سے کہے اگر تم مجھ سے آگے نکل گئے تو میں تم کو اتنے روپے دوں گا، اور اگر میں آگے نکل گیا تو تم پر کچھ لازم نہیں ہے، چونکہ اب نقصان اور فائدہ دونوں فریقوں میں لازم نہیں ہے، بلکہ ایک کو صرف فائدہ ہوگا اور دوسرے کو نقصان ہوگا (یا فائدہ نہیں ہوگا) اس لیے اب یہ مقامہ نہیں ہے، کیونکہ مقامہ باب مفاعلہ سے ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر دونوں فریقوں

۱۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث مترقی ۲، ۵، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۶۳، مطبوعہ مطبعہ مکتبائی پاکستان لاہور، ۱۳۰۵ھ

۲۔ امام احمد بن حنبل مترقی ۲، ۲۱، مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

۳۔ علامہ ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد بن محمد نسفی مترقی ۱، ۵، کنز الدقائق ص ۲۲، مطبوعہ محمد سعید انڈسٹریز کراچی

میں نفع اور نقصان دائر ہیں اور جب اس صورت میں قمار کا معنی نہیں پایا گیا تو یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے استحساناً جائز قرار پایا؛ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شرط (انعام) رکھ کر گھڑ دوڑ کا مقابلہ کر دیا، اور قیاس کے تقاضے سے یہ ناجائز ہے کیونکہ اس میں ٹھیک خطر (Risk) پر موقوف ہے، اس لیے ان چار (گھڑ دوڑ، شتر سواری، پیدل چلنے اور تیر اندازی) کے سوا اور کسی چیز میں ایک جانب سے شرط ہو کر بھی مسابقت جائز نہیں ہے۔
علامہ ابو بکر رازی جصاص حنفی لکھتے ہیں:

اہل علم کا قمار کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور باجم شرط لگانا بھی قمار ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: باجم شرط لگانا بھی قمار ہے، زمانہ جاہلیت میں لوگ پہلے اپنے مال اور بیوی کی شرط لگاتے تھے پہلے یہ مباح تھا بعد میں اس کی تحريم نازل ہو گئی، جب سورہ دوم نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر نے رعایوں کے ایرانیوں پر غلبہ کی شرط لگائی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرط میں زیادتی کرو اور مدت بڑھا دو، پھر بعد میں آپ نے اس سے منع فرمادیا، اور قمار کی حرمت نازل ہو گئی اور اس کے حرام ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، البتہ شتر سواری، گھڑ دوڑ اور نیزے بازی میں مسابقت کے مقابلہ پر شرط لگانے کی نصیحت ہے، جبکہ ایک شخص مستحق ہو اور سابق ہونے پر دوسرا شخص مستحق نہ ہو اور اگر یہ شرط لگائی کہ جو لگے نکل گیا وہ دے گا جو پیچھے رہ جائے گا وہ دے گا تو یہ شرط باطل ہے اور اگر ان دونوں نے درمیان میں کسی تیسرے شخص کو اس شرط سے داخل کر دیا کہ اگر وہ آگے نکل گیا تو انعام کا مستحق ہو گا اور اگر پیچھے رہ گیا تو اس پر کوئی جرمانہ نہیں ہو گا تو یہ امر جائز ہے اور اس تیسرے شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق فرمایا ہے۔

جوئے کے حکم میں فقہاء شافعیہ کی رائے | ایام رازی شافعی لکھتے ہیں:

میں بھی شرط لگائی جانے وہ میسر (جولہ) ہے، امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب شطرنج کے کھیل میں شرط نہ لگائی جائے اور نہ بخش و گنت گم کی جائے اور نہ ناز سے غفلت کی جائے تو وہ حرام نہیں ہے، اور میسر سے خارج ہے کیونکہ میسر مال دینے یا مال لینے کو واجب کرتا ہے، اس لیے شطرنج قمار ہے نہ میسر ہے۔

جوئے کے حکم میں فقہاء مالکیہ کی رائے | علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص اپنی بیوی اور مال کی شرط لگاتا تھا اور جو شخص اس شرط کو جیت لیتا وہ ہارنے والے کے مال اور اس کی بیوی کو دے جاتا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: یہ لوگ

۱۔ علامہ عثمان بن علی زمینی متوفی ۷۴۳ھ، تبیین الخلفاء ج ۶ ص ۲۲۷، مطبوعہ مکتبہ الاماریہ لبنان

۲۔ علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۱ ص ۳۲۹، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ

۳۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۷۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ

آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ ان سے کہتے ہیں کہ ان میں بڑا گناہ ہے (مقررہ: ۲۱۹)۔
نیز علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

امام مالک نے فرمایا: میسر کی دو قسمیں ہیں، میسر المحرم و میسر القمار، میسر المحرم میں زبرد و شرطیج اور تمام کھیل داخل ہیں، اور میسر القمار ہر وہ مقدمہ جس میں لوگ شرط لگائیں۔

جوئے کے حکم میں فقہاء حنبلیہ کی رائے علامہ موقوف الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں قمار ہو وہ حرام ہے، خواہ کسی قسم کا کھیل ہو اور یہ اس میں شرک داخل ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اجتناب کا حکم دیا ہے، اور جو شخص بار بار ایسا کھیل کھیلتے اس کی شہادت مردود ہے، اور قمار سے خالی وہ کھیل ہوتا ہے جس میں جابجائیں سے کوئی عوض ہو، کسی ایک جانب سے، ان میں سے بعض حرام ہیں اور بعض مباح ہیں، چوسر سے کھیلنا اہل حنفیہ اور اکثر فقہاء شافعیہ کے نزدیک حرام ہے، اور بعض فقہاء کے نزدیک یہ مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔

معممہ، لاٹری اور سٹہ کا شرعی حکم ہمارے زمانے میں معممہ اور لاٹری کا رواج ہے، معممہ میں یہ ہوتا ہے کہ ایک مقررہ فیس ادا کر کے لوگ اس معممے کو حل کر کے صاحب معممے کے پاس قسمت آزمائی کے لیے بھیج دیتے ہیں اور لاکھوں شرکاء کی فیسوں کے ذریعہ جو رقم جمع ہوتی ہے اس میں سے تین یا چار انعام مقرر کیے جاتے ہیں، علمی میٹھت سے تو اس معممے کے بہت سے حل صحیح ہو سکتے ہیں لیکن انعام اس شخص کو ملتا ہے جس کا حل کسی معقول کو شش کی بناء پر نہیں بلکہ محض اتفاق سے کپاڑے کے حل کے مطابق ہو، چونکہ معممے میں بھی ٹیک کا مدار خطر (RISKS) پر ہے اس لیے یہ بھی میسر اور قمار ہے اور شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

اسی طرح لاٹری بھی جواز ہے، لاٹری میں بڑے بڑے انعامات کا لالچ دے کر لاکھوں ٹکٹ فروخت کیے جاتے ہیں اور ٹکٹوں کے ذریعہ جو رقم جمع ہوتی ہے اس میں سے قریب اندازاً کے ذریعہ چند لاکھ روپے تقسیم کر دیے جاتے ہیں، ہمارے زمانہ میں ہلال احمر اور خاٹمہ فاؤنڈیشن کے ریفل ٹکٹ کا کاروبار عام ہے، یہ کاروبار خاص جواز ہے، اگر کوئی شخص تپ دق کے مریضوں کی مدد اور غریب بیماروں کے لیے خون متیا کرنا چاہتا ہے تو یہ ہے اور صاف طریقہ سے اگر ان اداروں میں عطیات جمع کرانے، لاٹری کے ٹکٹ خرید کر قسمت آزمائی کے راستہ سے غریب اور نادار مریضوں کے لیے جوئے کی رقم متیانہ کرے، اسی طرح وہ سارے کھیل اور کام جوئے میں داخل ہیں جن میں اشیاء کی تقسیم کا مدار حقوق اور خدمات اور عقلی فیصلوں پر رکھنے کے بجائے محض کسی اتفاقی امر پر رکھ دیا جائے، گھوڑ دوڑ کے مقابلوں میں اور بین الاقوامی کھیلوں میں ہرجیت پر جابجائیں سے شرط لگانا، اسی طرح بارش ہونے یا نہ ہونے

۱۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۸۵ھ، الجامع الاحکام القرآن، ج ۲ ص ۵۲، مطبوعہ انتشارات نامہ سر د ایران ۱۳۸۴ھ

۲۔ الجامع الاحکام القرآن ج ۵ ص ۵۴

۳۔ علامہ موقوف الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المتکلی ج ۱ ص ۱۰۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

پر یا کسی بھی اتفاقی اور پر جانیں سے شرط لگانا سراسر سٹہ اور جواز ہے اور ناجائز اور حرام ہے۔

بیمہ کیا چیز ہے؟ ہمارے دور میں بیمہ کا بہت رواج ہے اور اس پر بحث و تحقیق ہوتی رہتی ہے کہ کیا بیمہ میں قدر ہے یا نہیں؟ اور یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بیمہ کا شرعی جائزہ لینے سے پہلے یہ ضروری ہو گا کہ پہلے ہم یہ جان لیں کہ بیمہ کیا چیز ہے؟ بیمہ کے ذریعے کسی فرد یا ادارہ کو پیش آنے والے متوقع نقصان کی تلافی کی جاتی ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مثلاً بیمہ کمپنی زید کی زندگی کا بیمہ کرتی ہے اور یہ زید بیمہ کمپنی سے دس سال کے لیے دس ہزار کی پالیسی خریدتا ہے، اب چاہیے تھا کہ بیمہ کمپنی اس سے دس سال تک ہر سال ایک ہزار روپیہ بطور قسط وصول کرتی، لیکن دو ایک ہزار دو سو روپیہ سالانہ وصول کرتی ہے، اور یہ جو زائد دو سو روپیہ سالانہ ہیں ان میں سے ایک سو روپیہ اس کے دفتر اور اسٹاف کے اخراجات کے ہیں اور ایک سو روپیہ امدادی فنڈ میں داخل کر دیا جاتا ہے اس طرح ہر پالیسی ہولڈر ایک سو روپیہ سالانہ امدادی فنڈ میں داخل کرتا ہے اور اگر کوئی پالیسی ہولڈر اپنی میعاد پوری کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو اگر اس کی موت طبعی ہو تو اس کی پالیسی کی مساوی رقم اسی کے نامزد وارث کو دے دی جاتی ہے، اسی طرح اگر کسی بس، کارخانے یا جہاز کا بیمہ کیا جائے اور بس کسی حادثہ میں تباہ ہو جائے، یا کارخانے میں آگ لگ جائے، یا جہاز ڈوب جائے تو پہلے سے طے شدہ پالیسی کے مطابق رقم اس بس، کارخانے یا جہاز کے مالک کو دے دی جاتی ہے اور اس کے نقصان کی تلافی ہو جاتی ہے۔ پالیسی ہولڈر اپنی اقساط کے ذریعہ جو بیمہ بیمہ کمپنی میں داخل کرتے ہیں کمپنی اس پیسے کو بچھ نہیں دیتی بلکہ اس پیسے کو گردش میں رکھتی ہے، بڑی بڑی عمارتیں خرید کر یا بڑا کہ ان کو کرائے پر دیتی ہے، پالیسی ہولڈرز اور تجارتی اداروں کو سود پر قرضہ فراہم کرتی ہے اور ہوائی کمپنیوں اور صنعتی اور تجارتی اداروں کے حصص خریدتی ہے اور اس طریقہ سے جو اس کو نفع حاصل ہوتا ہے اس کو پالیسی ہولڈرز میں تقسیم کرتی ہے، اس نفع کی شرح ہر سال مختلف ہوتی رہتی ہے اور یہ رقم پالیسی ہولڈرز کے کھاتوں میں جمع کر دی جاتی ہے۔

بیمہ کی تاریخ اور ارتقاء بیمہ کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ابتداء میں اس کی زیادہ تر شکلوں میں باہمی تعاون کی روح کارفرما تھی، کسی بھی شعبہ میں نقصان کا اوسط معلوم کیے بغیر انسانی گروہوں نے ایسے خطرات کے مقابلے یا ایسی ضروریات کی تکمیل کے لیے جو آپس میں گروہ کے کسی فرد کو پیش آ سکتی ہیں یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ گروہ کا ہر فرد عام حالات میں ایک مشترکہ فنڈ میں کچھ رقم جمع کرتا رہے تاکہ گروہ کے کسی فرد کو اگر کوئی حادثہ پیش آ جائے تو بوقت ضرورت اس کا مدد کیا جاسکے، روہن دور حکومت میں اسی اصول پر چندہ کر کے تجزیہ و تکفین کی جاتی تھی، سترھویں صدی عیسوی میں انگلستان میں بیماروں کی امداد کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا گیا، اٹھارہویں صدی عیسوی میں تاجروں نے اپنی انجمنیں قائم کیں اور تاجر برادری کا جو فرد کسی حادثہ کا شکار ہو جاتا اس کی مشترکہ فنڈ سے مدد کی جاتی تاہم انگلستان سے متعلق قدیم ترین بحری انشورنس کی تاریخ ۱۵۴۷ء بتائی جاتی ہے۔

مجوزین بیمہ کے عقلی اور شرعی دلائل بیمہ کی ماہریت میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بازار میں کبھی کبھی کسی دکان میں لگ لگ جاتی ہے ایسے بازار بہت سے ہیں اور ان سب میں

یہ حادثہ پیش آتا رہتا ہے اگر بہت سے بازاروں میں آگ لگنے کے ایک طویل مدت کے واقعات کا جائزہ لے کر اوسط نکالا جائے تو معلوم کیا جاسکتا ہے کہ ایک سال میں ایک لاکھ دکانوں میں سے کتنی دکانیں آگ لگنے کے حادثے سے دوچار ہوتی ہیں اگر اس حادثہ سے محفوظ رہنے کے لیے کوئی غیر معمولی حفاظتی اور انسدادی تدابیر اختیار نہ کی جائیں تو آٹھ و چند ہزاروں کا تجربہ بتا دے گا کہ یہ اوسط کس حد تک درست ثابت ہوا۔

کسی ایک آدمی کی موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں، جو آدمی آج عمر کے اکیسویں سال میں داخل ہوا ہے وہ یہ سال پورا کر کے بائیسویں سال میں قدم رکھے گا یا نہیں اس سوال کا یقین کے ساتھ جواب نہیں دیا جاسکتا، مگر یہ بات تقریباً یقین کے ساتھ متعین کی جاسکتی ہے کہ اسی جیسے ایک لاکھ افراد جو عمر کے اکیسویں سال میں داخل ہو رہے ہیں ان میں سے کتنے افراد عمر کے بائیسویں سال میں قدم رکھنے کے لیے زمرہ رہیں گے، اس تعین کی بنیاد ماضی کا طویل تجربہ ہے، انسانوں کی بہت بڑی تعداد کے متعلقہ ریکارڈز کے مطالعہ سے عمر کے اکیسویں سال میں وفات کے امکان کی اور اس امکان میں غلطی کے امکان کی پیمائش کی جاسکتی ہے، مزید برآں اس پیمائش پر بعد کے تجربات کی روشنی میں نظر ثانی کی جاتی رہتی ہے۔ اس تعین کا عملی اہمیت یہ ہے کہ عمر کے اکیسویں سال میں وفات کے مالی عواقب سے عہدہ برا ہونا ان معلومات کی روشنی میں زیادہ آسان ہوجاتا ہے۔

مذکورہ بالا پیمائش سے یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ افراد گروہوں کی شکل میں چھوٹی چھوٹی رقمیں ادا کر کے مذکورہ بالا رقم کے قابل پیمائش خطرات کے لئے درست مالی عواقب سے عہدہ برآ ہونے کا اہتمام کر سکیں، مثلاً اگر بحری سفر میں غرقابی کا اوسط ہر دس ہزار جہازوں میں سے ایک جہاز فی سال ہے اور ایک بحری جہاز کی اوسط قیمت دس لاکھ ہے تو اگر ہر جہاز راں سو سو فی سالانہ ادا کرے تو سارے جہاز راں مل کر سال بھر میں ایک جہاز کی قیمت جمع کر سکتے ہیں جو راجی راجی نامے کے مطابق اس جہاز راں کو دی جاسکتی ہے جس کا جہاز ڈوب جائے یہ اہتمام پورے گروہ کے ہر فرد کو اس خطرے سے بے نیاز کر سکتا ہے کہ بحری سفر میں جہاز کے ڈوب جانے سے اسے دس لاکھ کا نقصان اٹھانا پڑ سکتا ہے یہ بے نیازی کسی فرد کے لیے کسی انفرادی کوشش کے ذریعہ ممکن نہیں ہو سکتی۔ یہ مذکورہ صدر اہتمام دس ہزار جہاز راں اجتماعی راجی نامے سے کریں، یا کوئی تیسرا دران کو یہ پیش کش کرے کہ اگر ان دس ہزار جہاز راںوں میں سے ہر شخص اس کو سو روپے ادا کرے تو وہ ڈوبنے والے جہاز کی قیمت ادا کر دیا کرے گا یا حکومت بطور عہد تمام جہاز راںوں کو اس کا پابند کرے کہ وہ سالانہ سو روپے ادا کریں اور ڈوبنے والے جہاز کی قیمت ادا کرنا اپنے ذمہ لے لے، تینوں صورتوں میں یہ نتیجہ یکساں طور پر حاصل ہوگا کہ ہر جہاز راں جہاز ڈوبنے کے اندیشہ اور اس سے وابستہ نقصان سے بے نیاز ہو کر جہاز راںی کر سکے گا یہی طریقہ انشورنس کہلاتا ہے، مکان یا دکان میں آگ لگنے، سامان چوری ہو جانے، موٹر کے حادثہ کا شکار ہو جانے وغیرہ دوسرے قابل پیمائش خطرات کے سلسلہ میں بھی اسی طرح انشورنس کر کے محفوظ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

جہاز راںی ایک مفید سماجی عمل ہے جس سے بہت سے انفرادی اور اجتماعی مفادات وابستہ ہیں مثلاً افراد کا بحری سفر کر کے ایک ملک سے دوسرے ملک جانا، تجارت خارجہ وغیرہ، اگر ہر جہاز راں کو ہر بحری سفر میں اس اندیشہ کا سامنا ہو کہ جہاز ڈوب سکتا ہے تو درست مالی نقصان کا یہ اندیشہ جہاز راںی کے عمل میں رکاوٹ بنے گا۔

اور اس کا بین الممالک مفرد تجارت پر بڑا پڑے گا، ایسی صورت میں اگر ہر جہاز ران ایک چھوٹی سی رقم ادا کر کے یہ اطمینان حاصل کر سکے کہ جہاز ٹوٹ جائے گی صورت میں اسے جہاز کی قیمت مل جائے گی تو یہ رکاوٹ دور ہو جائے گی، آمد و رفت سہولت کے ساتھ جاری رہے گی تجارت کو فروغ حاصل ہو گا اور ملک ترقی کرے گا، آگ لگنے کا خطرہ مول لے کر دکان کھولنے، حادثہ کا خطرہ مول لے کر موٹر چلانے، صنعتی حادثات کے خطرے کے باوجود صنعتی کارخانوں میں کام کرنے اور بیشتر دوسرے اقتصادی کاموں پر یہی وجہ صادق آتی ہے، حادثے کی صورت میں جو مال نقصان اٹھانا پڑتا ہے اگر اس کا سارا بوجھ اسی شخص پر ڈال دیا جائے جس کی دکان، کار، ہوائی جہاز، بحری جہاز یا جم و جان اس حادثے میں شکار ہوئے تو لوگ ان خطرات کو مول لے کر ان کاموں کو انجام دینے کی ہمت کم ہی کریں گے اور سماج کو اس قدر فراوانی کے ساتھ یہ اقتصادی خدمات میسر نہیں آسکیں گی اس کے برعکس اگر انشورنس کا طریقہ اختیار کر کے ہر فرد کو اس کا موقع دیا جائے کہ وہ مختصر سی لاگت برداشت کر کے ان خطرات کے مالی عواقب کی تکافی کا اہتمام کر سکے تو اس قسم کے کام کرنے والوں کو حوصلہ بڑھے گا اور دنیا دہانے ان کی خدمات سے بہرہ مند اور مستفید ہو سکیں گے۔

انشورنس کی شرعی نظیر کے سلسلہ میں مجتہدین دیت کا ذکر کرتے ہیں، اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو خطاؤ قتل کر دے تو اس پر دیت لازم آتی ہے دیت کی مقدار سواونٹ یا ایک ہزار مثقال ہونا ہے (۲۲۳۰۴ گرام) یا دس ہزار درہم چاندی (۲۰۶۱۸ گرام) ہے جو قاتل کی عاتقہ کو تین سال میں ادا کرنا ہوتی ہے، قتل تو ایک شخص کے کیا ہے لیکن چونکہ اس شخص پر ایک غیر معمولی بوجھ آ پڑا ہے اس لیے اسلام نے اس کے قبیلہ والوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس ناگہانی آفت میں اس کا اٹھ بٹائیں اور سب مل کر اس کی دیت ادا کریں، قتل خطا بھی دراصل ایک حادثہ ہے جس کے مالی عواقب کی تکافی کے لیے ایک بڑے گروہ کو ذمہ دار بنایا گیا ہے، اس طرح ایک فرد کو جس کے ہاتھوں یہ سانحہ طاقع ہوا زبردست مالی صدمہ سے بچایا گیا ہے اور اس گروہ کے دوسرے افراد کو اس بات کی ضمانت دی گئی ہے کہ اگر انہیں بھی کبھی اس صدمہ کا ہدف بننا پڑا تو ان کا بھی اسی طرح تحفظ کیا جائے گا البتہ اس تحفظ کے بدلے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ لاگت ادا کرنی ہوگی یعنی برقت ضرورت دیت کا متناسب حصہ اپنی جیب سے ادا کرنا ہوگا، اور مختصر سے فرق کے ساتھ انشورنس بھی اسی قیاس پر ہے۔

مجوزین بیمہ کی طرف سے بیمہ میں عنصر قمار اور سود کی وضاحت

قمار میں جو خرابی ہے وہ یہ ہے کہ جو اکیلے والے بازی لگا کر یا شرط بد کر اپنے لیے ایک ایسا خطرہ مول لیتا ہے جو پہلے سے موجود نہ تھا، یا اگر موجود تھا تو خود اس کی فائت سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ لائبرے کے ٹکٹ خریدنا، گھوڑوں کی دوڑ یا فٹ بال کے مقابلہ میں یا تاش شطرنج وغیرہ کے کھیلوں میں ہر حیثیت پر بازی لگانا اس کی عام مثالیں ہیں۔ قمار کی تمام ممکن شکلوں اور اس کی تمام مروجہ قسموں میں یہ بات مشترک ہے کہ وہ شخص جو بازی لگا کر ایک رقم ادا کر جائے گا غلو مول لیتا ہے اگر چاہتا تو بازی نہ لگانا اور اگر وہ بازی نہ لگانا یا شرط نہ بدتا تو اس کو اس رقم کے نقصان کا خطرہ پیش نہ آتا انشورنس کا مقابلہ اس سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ جس خطرے کے پیش نظر انشورنس کرنے والا انشورنس کرتا ہے، اس کا وجود، اور اس فرد سے اس کا تعلق اس کے انشورنس کرانے یا نہ کرانے پر منحصر نہیں ہے بلکہ ہر حال میں پایا

پایا جاتا ہے۔ یہ خطرہ زندگی کی کسی نارمل سرگرمی، اقتصادی عمل، پیشہ یا حرفہ سے لازمی طور پر وابستہ ہوتا ہے جس کا مکمل ازالہ انشورنس کے سوا کوئی اور سہاویہ اختیار کرنے سے نہیں ہو سکتا۔ ان تمام خطرات سے ملتی نقصان بھی وابستہ ہوتا ہے اس کی سب سے نمایاں مثال موت ہے جس کا خطرہ زندگی کے ساتھ لگا ہوا ہے اور جس سے ہمیشہ نہیں بچ سکتے، بالخصوص اگر متوفی جوان ہو، اس کے متعلقین کو مالی نقصان بھی ہوتا ہے۔ آدمی اس نقصان کی تلافی کے لیے انشورنس کرانے یا نہ کرانے اس نقصان کا اندیشہ بہر حال موجود رہتا ہے کیونکہ اس کا تعلق موت سے ہے جو تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود کسی وقت بھی واقع ہو سکتی ہے اور کبھی نہ کبھی ضرور واقع ہو کر رہتی ہے۔ اسی طرح موٹر کار، بحری جہاز، ہوائی جہاز اور دوسری سواریوں کے مالکوں کو کسی حادثے کے نتیجے میں ان سواریوں کی بربادی یا ان کی ٹوٹ پھوٹ کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے یہ اندیشہ ان کے استعمال کے ساتھ لازمی طور پر وابستہ ہے اور حادثے کی صورت میں مالی نقصان یقینی ہے۔ اسی طرح ہر مسافر کو جوان سواریوں کے ذریعہ سفر کرتا ہے، یہ خطرہ مول لینا پڑتا ہے کہ سواری کا حادثہ پیش آنے کی صورت میں اس کی جان چلی جائے یا وہ مجروح ہو جائے، جس سے اکثر حالات میں مالی نقصان وابستہ ہوتا ہے۔ مکان، دکان، سامان تجارت، کھیت، کارخانہ اور دوسری املاک کے ساتھ بھی آتش زدگی وغیرہ حادثات کے نتیجے کے طور پر بربادی کا اندیشہ وابستہ ہے یہ خلاف قرار باز کے مسافر، سواری کا مالک یا مکان وغیرہ کا مالک متعلقہ حادثے کا اور اس سے وابستہ مالی نقصان کا خطرہ جان بوجھ کر نہیں مول لیتے، سفر، سواری رکھنا اور اسے استعمال کرنا، مکان، کارخانہ، کھیت، سامان تجارت وغیرہ اثاثوں کی ملکیت اور ان کا استعمال، عام کاروباری زندگی کے ساتھ لگے ہوئے ہیں جن سے دستبرداری ممکن نہیں۔ صنعتی مزدور مشینوں کے درمیان نقل و حرکت کے لیے اور ایسے کارخانوں میں کام کرنے کے لیے مجبور ہیں جن میں آتش گیر مادے بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہ سرگرمی روزی کمانے کے لیے ضروری ہے مگر اس کے ساتھ یہ خطرہ بھی لگا ہوا ہے کہ شاید صنعتی حادثے کے نتیجے میں اعضاء مجروح ہو جائیں اور مزدوری کے سبب مدت العمر مالی نقصان اٹھانے پڑیں۔ ان تمام صورتوں میں خطرے کا اور اس سے وابستہ مالی صدمے کا احتمال بہر حال موجود ہوتا ہے، خواہ انشورنس کرایا جائے یا نہ کرایا جائے۔

جوتے بازی اور انشورنس کے درمیان دھڑا بنیادی فرق نفع کا اسید سے تسلیق رکھتا ہے، جوتے بازی کا مالی محرم اس مالی منتفعت کا حصول ہے جو بازی جیت جانے کی صورت میں ہوگا جبکہ انشورنس کرانے کا مالی محرم اس نقصان کی تلافی ہے جو متعلقہ خطرہ پیش آجائے کی صورت میں ہوگا۔ جس حادثے کے اندیشے سے انشورنس کرایا گیا ہے اگر وہ واقعتاً پیش آجائے تو مبادیہ سے کے مطابق انشورنس کرانے والے کو جو رقم ملے گی اس کی حیثیت کسی نفع کی نہیں ہے۔ یہ رقم صرف اس مالی نقصان کی تلافی کرتی ہے جو عملاً واقع ہو چکا۔ اس رقم کے ملنے سے حادثے کا شکار ہونے والے کی دولت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا بلکہ صرف اس کمی کی تلافی ہوتی ہے جو حادثے کے نتیجے میں واقع ہو چکی اس کے برعکس بازی جیتنے کی صورت میں جوئے باز کو جو رقم ملتی ہے وہ اس کی دولت میں اضافہ کرتی ہے۔ اس کے لیے اس رقم کی حیثیت خاص نفع کی ہے۔ جوئے باز اور انشورنس کرانے والے کے محرمات یکسر مختلف ہیں۔ اول الذکر کی فکر اس خاص نفع پر ہے۔ دوسرے کی نظر اس نقصان کی تلافی پر ہے جس کا اسے اندیشہ ہے۔ لاشری کا ٹکٹ خریدنے والا جو دس لاکھ روپے کا انعام پاتا ہے۔ اس کا مقابلہ بحری جہاز کے مالک سے کیجئے جس کی جہاز ڈوب جائے

کی صورت میں انشورنس کے معاہدے کے مطابق اس جہاز کی قیمت کے طور پر دس لاکھ روپے ملتے ہیں۔ جہاز کے مالک کی مالی حیثیت اب بھی وہی ہے جو جہاز ڈوبنے اور انشورنس کی رقم ملنے سے پہلے تھی وہ انشورنس سے ملنے والی رقم کے نتیجے میں پہلے سے زیادہ دولت مند نہیں ہو گیا ہے اس کے برعکس لائبریری میں انعام پانے والا اب پہلے سے زیادہ دولت مند ہے اس کی دولت میں دس لاکھ کا اضافہ ہو گیا ہے۔

اب معاملے کے دوسرے پہلو کا جائزہ لیجئے۔ جوئے باز بازی کر جاتا ہے تو اسے مالی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ لائبریری کے ٹکٹ کے دام ضائع جاتے ہیں، یا شرط کے مطابق بازی جیتنے والا اس سے ایک رقم وصول کرتا ہے۔ اس رقم کی ادائیگی ایک خاص نقصان ہے اس کے بالمقابل جوئے باز کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے مقابلے میں صرف اس امید کا ذکر کیا جاسکتا ہے کہ جوئے میں جیت بھی ہو سکتی تھی اور ایک رقم اٹھا سکتی تھی۔ مگر یہ امید سرورجی طور پر ہارنے اور خسارہ برداشت کرنے سے وابستہ نہیں ہے اس سے الگ وجود رکھتی ہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی جوئے باز عرصے تک بازی نہ مارے مسلسل جیتتا چلا جائے۔ انشورنس کرانے والا معاہدے کے مطابق ایک پریمیم ادا کرتا ہے۔ اس ادائیگی کے عوض اسے اس بات کی ضمانت حاصل ہوتی ہے کہ اگر متعلقہ حادثہ پیش آگیا تو اس کے نتیجے میں واقع ہونے والے مالی نقصان کی تلافی کی جائے گی۔ یہ تحفظ اسے معاہدہ کراتے ہی حاصل ہو جاتا ہے خواہ حادثہ واقع ہو نہ ہو۔ پریمیم اسی تحفظ کی لاگت ہے یہ تحفظ دور دراز اقتصادی اہمیت کا حامل ہے اور اس کی افادیت پر اس کا اثر نہیں پڑتا کہ حادثہ واقع ہوتا ہے اسے نقصان ہوتا ہے اور اس نقصان کی تلافی کے لیے اسے رقم ملتی ہے یا حادثہ واقع نہیں ہوتا۔ اقتصادی سرگرمیوں کی انجام دہی اور معاشی کارکردگی کی خاطر اس تحفظ کی اہمیت پریمیم ادا کرنے کی ایک معقول بنیاد ہے۔ پریمیم گھٹا نہیں لاگت ہے اس کے برعکس جوئے میں ہاری ہوئی رقم سراسر گھٹا ہے۔ پریمیم ادا کرنا ایک مجبوری کے تحت ہے، مجبوری یہ ہے کہ جن خطرات سے نقصان کا اندیشہ وابستہ ہے ان سے بچنے کے لیے نقصان سے تحفظ کی واحد صورت یہ ہے کہ پریمیم ادا کیا جائے۔ لائبریری کے ٹکٹ کے دام ادا کرنے یا بازی ہارنے کی صورت میں اسے نئی رقم ادا کرنے کے ساتھ ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے جوئے باز اپنے اختیار سے یہ گھٹا بھریں لیتا ہے۔

انشورنس کرانے والا اگر انشورنس نہ کرے تو اس کو وہ حادثہ جس کا خطرہ تھا واقع ہونے کی صورت میں زبردستی مالی نقصان کا اندیشہ لگا رہے گا یہ اندیشہ اس کے فیصلوں پر بہر حال اثر انداز ہو گا خواہ آئندہ وہ خطرہ واقع ہو یا نہ ہو کیونکہ فیصلہ کا وقت پہلے آتا ہے۔ بحری جہاز کا مالک اپنے جہاز کو بحری سفر پر بھیجے یا نہ بھیجے اس فیصلہ پر اس کا اندیشہ کا گہرا اثر پڑے گا کہ جہاز ڈوب سکتا ہے اور اس حادثے کے نتیجے میں دس لاکھ روپے کا نقصان ہو سکتا ہے۔ یہ بات کہ اس سفر میں یہ جہاز ڈوبایا نہیں ڈوبا، بعد میں معلوم ہوگی۔ یہی حال ان تمام اقتصادی اعمال اور عام سرگرمیوں کا ہے جن کے ساتھ خطر محض وابستہ ہو ان تمام صورتوں میں مالی نقصان کی تلافی کی ضمانت حاصل ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ پر گہرا اثر پڑتا لازمی ہے اور یہ اثر اس سے بے نیاز ہے کہ عملاً یہ نقصان واقع ہوتا ہے یا نہیں۔

اس حقیقت کی روشنی میں پر غور کیجئے کہ جوئے کی ہاری ہوئی بازی سے وابستہ مالی خسارہ اور حادثہ واقع نہ ہونے کی صورت میں ادا کیا جائے والا پریمیم ایک ہی نوعیت کے حامل ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ اگر انشورنس کرانے والے

کو مٹا دہ حادثہ پیش نہ آیا جس کا اندیشہ تھا، نہ کوئی مالی نقصان ہوا اور نہ اس کی تلافی میں کوئی رقم ملی تو اس نے جتنا پریم ادا کیا وہ اس کے لیے سراسر گھانا ہے اگر وہ انشورنس نہ کرتا تو پریم نہ ادا کرتا پڑتا اور بیگھانا نہ ہوتا۔ جس طرح جوئے باز اگر بازی نہ لگاتا تو نہ لڑنا اور اسے گھانا نہ ہوتا۔ اور پریم یہ واضح کر چکے ہیں کہ معاہدہ انشورنس سے یہ ضمانت حاصل ہوتی ہے کہ اگر نقصان ہوا تو اس کی تلافی کی جائے گی اور عموماً یہ ضمانت اقتصادی اعمال اور ان تمام سرگرمیوں کے لیے جن سے خطر محض وابستہ ہے ایک قدر قیمت رکھتی ہے۔ لاشی کے ٹکٹ کی قیمت یا جوئے میں ہاری ہوئی رقم کے ساتھ اس طرح کی کوئی قابل قدر چیز وابستہ نہیں ہے۔ انعام پانے یا بازی جیتنے کی امید اس سے وابستہ ہے وہ کسی اقتصادی فیصلہ پر کوئی اثر نہیں ڈالتی۔ دراصل اس کا کوئی تعلق کسی اقتصادی عمل یا سرگرمی سے نہیں، اگر یہ کہا جائے کہ بازی جیتنے کے بعد ملنے والی رقم سے جوئے باز کوئی مفید کاروبار کرنے کا خواہش مند ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خواہش کے باوجود وہ صرف امید کی بنا پر متعلقہ کاروباری فیصلے بازی لگانے وقت نہیں کر سکتا۔ انشورنس کا معاملہ بالکل مختلف ہے، یہاں فیصلہ کا موقع پہلے آتا ہے انشورنس کا سوال بعد میں پیدا ہوتا ہے اور انشورنس کرانے یا نہ کرانے کا اس فیصلے پر گہرا اثر پڑتا ہے جوئے میں بازی لگانے یا نہ لگانے کا اس کاروباری فیصلے پر کیا اثر پڑ سکتا ہے جس کی مالی بنیاد ابھی فراہم ہی نہیں ہو سکی ہے نہ اس کی فراہمی یقینی ہے، واقعہ یہ ہے کہ بازی جیتنے کی امید صرف بازی لگانے کے فیصلے پر اثر انداز ہو سکتی ہے اور اس کا محرک بن سکتی ہے۔ یہ امید کسی دوسرے فیصلے سے نہ کوئی تعلق رکھتی ہے نہ اسی پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔

انشورنس کو قرار دینے والوں کی غلط فہمی کا سبب بعض ایسی باتیں ہیں جو بظاہر دونوں معاملوں میں مشترک نظر آتی ہیں جوئے باز اور انشورنس کرانے والے دونوں کو بعض اوقات ایک بڑی رقم ملتی ہے جس کے مساوی کوئی معاوضہ ان کی طرف سے نہیں ادا کیا گیا ہے۔ بعض انشورنس کرانے والے مسلسل پریم ادا کرتے ہیں۔ مگر ان کو اس کے عوض کوئی بڑی رقم نہیں ملتی، جس طرح کہ بعض جوئے باز بازی لڑتے ہی چلے جاتے ہیں، یا ایک شخص لاشی کے متعدد ٹکٹ مسلسل خریدتا رہتا ہے مگر ختم نہیں پاتا۔ اور یہ کی بخت سے یہ غلط فہمی دوسرے جوئے باز سے۔ مزید اطمینان کے لیے ہم ان دونوں بظاہر یکساں امور کے سیاق میں انشورنس اور قرار کا جامع موازنہ بھی کریں گے، پہلے اس بڑی رقم کو لیجئے جو انشورنس کرانے والے کو پریم کے طور پر مختصری رقم ادا کرنے پر مل جاتی ہے۔ قطع نظر اس کے کہ یہ رقم واقع شدہ نقصان کی تلافی کرتی ہے اس طرح نقصانات کی تلافی کا طریقہ اختیار کرنے سے سماج میں اقتصادی اعمال کی انجام دہی کے لیے ایک محفوظ و مامون فضا برقرار رکھی جاتی ہے خطر محض بعض ایسے حوادث کا اندیشہ جن سے نقصان وابستہ ہے، اقتصادی سرگرمیوں کے لیے از حد ہمت شکن ہوتا ہے اس کا اقتصادی کردار اس کاروباری خطر سے یکسر مختلف ہے۔ جن کے ساتھ نقصان کا اندیشہ اور فتنے کی امید دونوں ہی وابستہ ہیں۔ سماج اپنے کارکنوں کو انشورنس کے ذریعے خطر محض کے مالی خدمات سے محفوظ کر کے ان خطرات کے سماج دشمن اور ہمت شکن نقصانات اثرات سے نجات حاصل کرتا ہے۔

خطر محض سے دالینہ نفقات سماج میں دولت اور آمدنی کی عادلانہ تقسیم کے دشمن ہیں اور اس میں خلل انداز ہوتے ہیں، کیونکہ ان کا تعلق غیر اختیاری اور بخت و اتفاق پر مبنی امور سے ہے جبکہ دولت اور آمدنی کی نارمل تقسیم محنت، صلاحیت و استعداد اور اختیاری اعمال پر مبنی ہوتی ہے انشورنس کے خودیہ خطر محض سے وابستہ مالی نقصانات

کی تلافی کا طریقہ اختیار کر کے سماج دولت اور آمدنی کی تقسیم میں اس خصل اندازی کا مقابلہ کرتا ہے اور تقریباً اسی تقسیم کو بحال کر دیتا ہے جو ان کے بنیائی جاتی۔

انہی دونوں باتوں کے نتیجے میں یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ اقتصادی اعمال اور سماجی خدمات جن میں بخت و اتفاق کے ذیل سے لاکھوں کو زبردست مالی خدمات سے دوچار ہونے کا احتمال ہے، تسلسل، استقلال اور اندیشہ مدد سے بچے ہو کر اطمینان کے ساتھ انجام پاسکیں۔

اس کے برعکس وہ بڑی رقم جو بازی جیتنے والے جوئے باز کو ملتی ہے نہ موت یا کسی واقعہ شدہ نقصان کی تلافی نہیں کرتی بلکہ کوئی بھی مفید سماجی یا اقتصادی عمل نہیں انجام دیتی۔ اس طرح بازی جیتنے پر رقم دینے کا طریقہ اختیار کرنے سے سماج میں محنت و منفعت اور خدمت و اجرت کا وہ عادلانہ نظام درہم برہم ہو جاتا ہے جو اقتصادی اعمال کی متوازن انجام دہی کے لیے ضروری ہے۔ اس طریقہ کے عام ہونے کی صورت میں سماج کے کارکنوں کی توجہ دولت حاصل کرنے کے لیے پیدا اور خدمات انجام دینے کی بجائے بازی لگانے اور بخت و اتفاق کا سہارا لینے کی طرف مبذول ہوتی ہے۔ اس طریقے کا رواج سماج کو اور اس کے نظام پیداوار دولت کو بہت سے لائق، باصلاحیت اور مال دار افراد کی خدمات سے محروم کر دیتا ہے، انسانی تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ محنت و صلاحیت کے سہارے کوئی بھری دولت کے برعکس جو دولت محض بخت و اتفاق کے طفیل ملے ہو وہ مفید پیداوار کاموں میں لگنے کے بجائے سٹ بازی، عیش کوشی اور اسراف و تبذیر کی نذر ہوتی ہے۔

بجائے اس پر کہا جاسکتا ہے کہ دولت کا اس طرح انتقال اور اس کی یہ نئی تقسیم جو جوئے میں ارجحیت کے نتیجے میں عمل میں آتی ہے عدل و انصاف کے منافی ایک اندھی تقسیم ہے انٹرنیشنل کرائے والے جن افراد کو پریمیم ادا کرنے کے عوض کوئی رقم اس لیے نہیں ملی کہ ان کے ساتھ متعلقہ حادثہ عملاً نہیں پیش آیا ان کی ادا کی ہوئی رقمیں ان انٹرنیشنل کرائے والوں کو منتقل ہو گئیں جن کے ساتھ حادثہ پیش آیا اور جنہیں مالی نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ سماج کو نہ ان حادثات سے منفعت نہ ان کے نتیجے میں واقع ہونے والے مالی نقصانات سے۔ پررے سماج کو مجموعی طور پر وہ مالی نقصانات بہر حال برداشت کرنے سے جو تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود آتش زدگی، غرقابی، صنعتی حادثات، سوار یوں کو پیش آنے والے حادثات اور عمر طبی سے پہلے موت کے نتیجے میں واقع ہوتے سوال صرف یہ تھا کہ ان نقصانات کا بار تمام تر عزت اہل افراد پر ڈالا جائے جو عملاً ان حادثات کا شکار ہوں یا ان کو برداشت کرنے میں وہ تمام لوگ شریک ہوں جن کے ساتھ ایسے حادثات پیش آسکتے تھے اور پیش آسکتے ہیں۔ دوسری راہ اختیار کرنے کے حق میں متعدد اخلاقی اور اقتصادی فوائد کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ دسین ہیمانے پر پریمیم جمع کر کے حادثات کا شکار ہونے والوں کے نقصان کی تلافی کر دینے کے جن فوائد پر روشنی ڈالی جا چکی ہے ان کے ماسوا بیباں ہمارے نزدیک اس کا وہ پہلو ہے جو سماجی عدل اور سماج میں دولت کی تقسیم سے متعلق ہے۔ حادثات کا شکار ہونے والوں سے حادثات کا شکار ہونے والوں کی طرف جو دولت منتقل ہوتی ہے اس کے نتیجے میں دولت کی کوئی نئی تقسیم نہیں عمل میں آتی بلکہ تقریباً وہ تقسیم بحال کی جاتی ہے جو حادثات رونما ہونے سے پہلے پائی جاتی تھی جن افراد کی دولت کا ایک حصہ ان کی کسی نالائقی، کوتاہی، غلط یا جرم کے بغیر اتفاقاً ضائع ہو گیا تھا ان کی یہ کمی پوری کر دی جاتی

سے انشورنس کے نتیجے میں کسی بھی فرد کو بغیر استحقاق مزید دولت حاصل نہیں ہوتی بلکہ جو دولت اسے کسی استحقاق کی بناء پر ملی تھی مگر حادثہ کے نتیجہ میں ضائع ہوگئی تھی وہی واپس مل جاتی ہے۔

تیار اور انشورنس کی ذمیت ان کے محرکات، ان کے وہ اثرات جو اقتصادی اثرات سرگرمیوں اور سماج میں دولت کی تقسیم پر پڑتے ہیں نیز دونوں کے نفسیاتی پس منظر اور اثرات کا جامع موازنہ اس کتبہ کے ازالہ کے لیے کافی ہونا چاہیے کہ دونوں یکساں ہیں یا انشورنس تیار کو مستلزم ہے، یا ان کے بعض پہلو ایک دوسرے کے متبادل ہیں حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں اعمال کے درمیان نہ کوئی اشتراک ہے نہ ممانعت اور اپنے سماجی اور اقتصادی کردار کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں۔

انشورنس اور سود | انشورنس کرانے والے جو پریمیم ادا کرتے ہیں ان سے انشورنس کمپنیوں کے پاس ایک کثیر سرمایہ جمع ہو جاتا ہے، یہ سرمایہ کسی متعین وقت پر اس رقم سے زیادہ ہوتا ہے جو ان انشورنس کرانے والوں کو نقصانات کی تلافی کے لیے کمپنی ادا کرتی ہے۔ اس کے خالص سبب تین ہیں، ایک سبب برابر بننے افراد کا انشورنس کرتے رہنا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ انشورنس کا پریمیم احتیاطاً اس کم سے کم رقم سے زیادہ رکھا جاتا ہے جو انشورنس کرانے والے افراد کے پورے گردہ کو پہنچنے والے نقصانات کی تلافی کے لیے درکار ہوتی ہے۔ ایک تیسرا سبب یہ بھی ہے کہ پریمیم کی رقمیں ایک معلوم و متعین حساب کے مطابق ہر سرمایہ پر آتی رہتی ہیں جبکہ ادا کی جانے والی رقموں کے بارے میں اوقات کی زیادہ پابندی نہیں ہوتی۔ انشورنس کمپنیاں اپنا فاضل سرمایہ اس طرح مشغول رکھنا چاہتی ہیں کہ نقصان کا اندیشہ کم سکے ہو اور اصل سرمایہ کے تحفظ کے ساتھ اس میں اضافہ ہوتا رہے۔ مزوجہ نظام میں اس کی عملی شکل سودی تسکات کی خریداری ہے۔ انشورنس کمپنیاں عام تجارتی حصص کی خریداری میں کم ہی متغفلکتی ہیں۔

چونکہ پریمیم سے حاصل ہونے والے سرمائے میں اس طرح اضافہ ہوتا رہتا ہے اس لیے انشورنس کرانے والوں کے لیے واجب الادا پریمیم کا حساب لگانے میں بھی اس اضافہ کی رعایت ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ پریمیم کی مقدار اس سے کم رکھی جاتی ہے جو پریمیم کے ذمے حاصل ہونے والے سرمائے کو مشغول کر کے اس میں اضافہ نہ کرنے بلکہ بیکار جمع رکھنے کی صورت میں رکھنی پڑتی۔ اس طرح پریمیم کا حساب لگانے میں بھی سود اور اس کی مروجہ شرحوں کا دخل ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر پریمیم سے حاصل ہونے والے سرمائے کو مشغول کر کے اس میں اضافہ کرنے کی کوئی ایسی صورت ممکن ہو جو سود سے پاک ہو تو انشورنس کا نظام سود سے پاک کیا جاسکتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جہاں تک خود طریقہ انشورنس کا تعلق ہے اسے اس طرح بھی اختیار کیا جاسکتا ہے کہ پریمیم حاصل ہونے والے سرمائے کو صرف جمع رکھا جائے، مشغول نہ کیا جائے مگر اس طرح انشورنس کرانے والوں کو زیادہ خطرہ میں پریمیم ادا کرنا ہوگا اور انشورنس کی لاگت بڑھ جائے گی۔ سرمائے کی ایک کثیر مقدار کو بیکار جمع رکھنا قومی وسائل کے ضیاع کا ہم معنی ہوگا۔ مختلف انفرادی اور اجتماعی مصالح کا تقاضا ہے کہ اس سرمایہ کو مزید سرمایہ کاری کے لیے استعمال کیا جائے تاکہ قومی دولت میں اضافہ ہو اور انشورنس کی لاگت بھی کم کی جاسکے۔ اس لیے انشورنس پریمیم سے

سے حاصل ہونے والے فاضل سرمائے کو مشغول کر کے اس میں اضافہ کرنا چاہیے۔
اصل سوال یہ ہے کہ غیر سودی نظام میں انشورنس کے سرمایہ کا نفع اور استعمال کس طرح عمل میں آنے کے متعلقہ فوائد حاصل کیے جاسکیں۔ اس سوال کے جواب پر غور کرتے وقت اس اہم حقیقت کو سامنے رکھنا چاہیے کہ یہ سوال جس صورت میں انشورنس کے نجی کاروباری اداروں کے لیے پیدا ہوتا ہے اس صورت میں ریاست کے ذریعہ تمام انشورنس میں نہیں پیدا ہوتا۔ ریاست کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ اس سرمایہ کو ایسے کاموں میں استعمال کرے جن کی پیداواری یقینی ہے اور سرمائے کے ڈوبنے یا اس میں نقصان اٹھانے کا سوال نہیں پیدا ہوتا جیسا کہ آئندہ واضح کیا جائے گا، ہماری تجویز یہ ہے کہ اسلامی نظام میں میشرک کے ایک وسیع دائرہ میں انشورنس کی تنظیم پوری طرح ریاست کے احکام میں ہو۔ اس دائرہ کی حد تک اس سوال کا جواب آسانی کے ساتھ ممکن ہے۔

جس چھٹے سے دائرہ میں نجی کاروبار کے طور پر انشورنس کی اجازت دی جائے گی اس کی حد تک، فاضل سرمائے کے نفع بخش استعمال کی نسبتاً محفوظ راہیں ایک غیر سودی میشت میں بھی میسر کیں گی۔
غیر سودی میشت میں انشورنس کے نجی کاروباری اداروں کے لیے یہ ممکن ہو گا کہ وہ اپنا فاضل سرمایہ حکومتی حصص شرکت یا اونچی ساکھ کے نجی کاروباری اداروں کے حصص خریدنے میں صرف کریں۔ جنکوں کے مضاربت کھاتہ میں رقم جمع کرنا بھی ان کے نفع اور استعمال کا ایک محفوظ شکل ہوگی کیونکہ ان کھاتوں سے وابستہ اندیشہ نقصان کو عملاً ختم کر دیا جائے گا۔ تجربے کی روشنی میں ان مختلف راہوں میں سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والی اوسط شرح نفع کا ایک قابل اعتماد اندازہ لگانا ممکن ہو گا جسے پریمیم کا حساب لگانے میں استعمال کیا جاسکے۔ یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ بازار میں سود کی شرح ایک متعین اور معلوم مقدار ہوتی ہے جب کہ غیر سودی نظام میں نفع کی شرح کے ایک مختلط اندازے کو مذکور بالا حساب کی بنیاد بنانا ہو گا۔ لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ بازار میں سود کی شرح بھی بدلتی رہتی ہے اور انشورنس کمپنیاں پریمیم کا حساب لگانے میں سود کی مروجہ شرح میں ممکن تبدیلیوں کے پیش نظر اس کے ایک مختلط اندازے کو بنیاد بناتی ہیں کیونکہ پریمیم کی مقدار بازار میں شرح سود کی ہر تبدیلی کے ساتھ تبدیلی نہیں کر جاسکتی۔

انشورنس کے سرمایہ کے نفع اور استعمال سے عملاً اس سے زیادہ نفع ہو سکتا ہے جس کو پریمیم کا حساب لگانے کی بنیاد بنایا گیا ہو۔ اس فاضل نفع سے ایک ایسا رییزرو فنڈ قائم کیا جاسکتا ہے جو سرمائے کے استعمال میں نقصان کے نظری اندیشہ سے تحفظ کا کام کر سکے جس سال عملاً نقصان سے دوچار ہونا پڑے، اس سال نقصان کی تلافی اس رییزرو فنڈ سے کی جاسکتی ہے تاکہ نقصان کے نتیجہ میں انشورنس کرائے والوں سے پریمیم کی مقدار بڑھانے کا مطالبہ نہ کرنا پڑے۔ اس طرح کے احتیاطی رییزرو موجودہ نظام میں بھی ضروری ہوتے ہیں۔ اس رییزرو کے ذریعہ عرصہ طویل میں پریمیم کی مقدار کو واقعی شرح نفع کے مطابق رکھنے کا کام کیا جاسکتا ہے۔

چونکہ انشورنس کا تعلق سود سے صرف ضمنی طور پر سرمایہ کے نفع اور استعمال میں قائم ہوتا ہے اس لیے یہ تعلق ایک ایسی میشت میں خود بخود ختم ہو جائے گا جس کی تنظیم سود کے بغیر کی گئی ہو، جہاں سرمایہ کے نفع اور استعمال کی غیر سودی راہیں لے۔ اب ہمارے ملک میں پاکستان میں تمام انشورنس کمپنیوں کو قومی تحویل میں لیا گیا ہے اور مجوزہ نظام اس میں جاری کرنا زیادہ

آسان ہے۔ سعیدی

میسر ہوں۔ مگر بعض اوقات یہ مانے بھی غلط ہو جاتی ہے کہ خود معاہدہ انشورنس رہا کو مستلزم ہے کہ چونکہ پریمیم ادا کرنے والے کو اس سے زیادہ رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا جاتا ہے جتنی وہ حادثہ کے وقوع کے وقت تک بالاقساط جمع کر چکا ہو۔ اس رائے کی بنیاد اس مفروضہ پر ہے کہ ہر اضافہ رہا ہے۔ یہ ایک بے بنیاد مفروضہ ہے۔ شریعت میں ہر اضافہ کو علی الاطلاق رہا نہیں قرار دیا گیا ہے۔ پریمیم کے طور پر ادا کی جانے والی رقم قرض نہیں ہے کہ اس کے بالمقابل زیادہ رقم کی ادائیگی کو اصل پر اضافہ کے ساتھ واپسی قرض قرار دے کر رہا کا حکم لگایا جاسکے۔ اپنی حقیقی ربح کے اعتبار سے پریمیم کی نوعیت نہ تعاون یا چندہ کا ہے جو ایک مفید اجتماعی خدمت کی فراہمی کے لیے دیا جاتا ہے۔ تعاونی انشورنس ... Mutual Insurance اور ریاست کے زیر اہتمام انشورنس میں اس کی یہ نوعیت بالکل واضح ہے۔ اگر ہم انشورنس کی نجی کاروباری تنظیم کو سامنے رکھ کر بھی غور کریں تو بھی پریمیم کو قرض نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اسے ایک ایسی خدمت کی قیمت سمجھا جاسکتا ہے جس کی انجام دہی اس کی ضرورت پڑنے پر موقوف ہے۔

یہ غلط عام سودی قرض کے انشورنس میں ملنے والی رقم کا انحصار نہ تو مدت کے طول پر ہوتا ہے نہ اس کی مقدار اس مجموعی رقم پر منحصر ہوتی ہے جو پریمیم ادا کرنے والے نے حادثہ واقع ہونے کے وقت تک مجموعی طور پر ادا کیا ہے۔ اس رقم کا انحصار اصلاً متعلقہ حادثہ کے نتیجے میں واقع ہونے والے مالی نقصان پر ہوتا ہے۔ انشورنس کی بعض شکلوں مثلاً آتش زدگی وغیرہ میں یہ رقم پہلے سے متعین نہیں ہوتی بلکہ نقصان واقع ہوجانے پر نقصان کے مطابق متعین کی جاتی ہے۔ بعض دوسری شکلوں میں اس کی پیشگی تعیین کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ نقصان واقع ہونے پر اس کی مالیت بھی پہلے سے معلوم ہوتی ہے مثلاً بحری جہاز کا ڈوب جانا۔

زندگی کے بجائے میں ایک مشکل سوال یہ سامنے آتا ہے کہ کسی خاص عمر میں کسی آدمی کی موت سے (اس کے اہل خانہ کو) مالی طور پر کتنا نقصان واقع ہوگا اس کا اندازہ کس طرح لگایا جائے۔ مال و املاک کے سلسلے میں مالیت کی تعیین معروضی بیانیوں کے مطابق آسانی سے ممکن ہے۔ مگر جان کے سلسلے میں تعیین کے معروضی بیانیے صرف جزئی طور پر ہی میسر ہیں۔ ایسی صورت میں ایک حد کے اندر رہتے ہوئے اس بات کا فیصلہ متعلق فرد یا افراد کی صواب دید پر چھوڑنا ضروری تھا کہ وہ اس نقصان کا کیا اندازہ قائم کرتے ہیں اور اس کے پیش نظر کس رقم کی پالیسی خریدنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں اس فرد یا افراد کی حال میں بچت کرنے کی صلاحیت اور اس پر آمدگی بھی اہمیت رکھتی ہے اور اس سوال کو بھی اس پر چھوڑا جاسکتا تھا، ان تمام باتوں پر نظر ثانی ممکن ہے، مگر ان کی موجودگی میں صرف یہ بات کہ بیمہ زندگی کرانے والے کو اپنی ادا کردہ رقم سے زیادہ رقم مل سکتی ہے۔ اس مزید رقم کو سود قرار دینے کی بنیاد نہیں بن سکتی۔ اگر انشورنس کی خانصہ شکل یعنی تعاونی معاہدہ ہر تنظیم کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو انشورنس کرانے والے افراد پر بیم کے طور پر مجموعی طور پر جو رقم ادا کرتے ہیں ان ہی رقم افراد کے اس گروہ کو مجموعی طور پر واپس دی جاتی ہے نہ کم نہ زیادہ۔ کیونکہ پریمیم کا حساب تقانون اعداد و کثیر اور تقانون اوسط کی روشنی میں، اس اصول پر مبنی ہے کہ وہ پورے گروہ کے نقصان کی تلافی کر سکے۔ اگرچہ کسی ایک فرد نے جو رقم ادا کی ہے اس میں اور اس فرد کو جو رقم ملتی ہے اس میں فرق ہوگا مگر ان تمام افراد پر مشترک عمل مجموعہ کے لیے دونوں رقموں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس وضاحت میں ہم نے عظیم انشورنس پر آنے والے انتظامی اخراجات اور انشورنس کے سرمائے کے نفع اور استعمال سے ہونے والے اضافہ دونوں کو نظر انداز کر دیا ہے تاکہ

مسئلہ کی اصل نوعیت کو سمجھنا آسان ہو جائے۔ مثلاً مذکورہ بالا اخراجات کے پیش نظر انشورنس کرانے والوں کی ادا کردہ رقم ان کو مجموعی طور پر دی جانے والی رقم سے زیادہ ہوں گی۔ مگر دوسری طرف سرمایہ کے نفع اور استعمال سے ہونے والے اضافہ کے پیش نظر ان کو دی جانے والی رقم ان سے لی جانے والی رقم سے زیادہ ہوگی۔ مثلاً اس اضافے کا پیشگی حساب کر کے اس نسبت سے انشورنس کرانے والوں سے (پریمیم کے طور پر) نسبتاً کم رقم کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ مسئلہ کی اس نوعیت پر غور کرنے سے واضح ہے کہ انشورنس کا معاملہ ربا سے یکسر مختلف ہے۔ سودی قرض میں قرض لینے والے کو انفرادی طور پر لی ہوئی رقم سے زیادہ رقم واپس دینی ہوتی ہے اور یہی صورت حال ان تمام افراد کے مجموعہ کے لیے بھی قائم رہتی ہے جو سودی قرض لیتے ہیں۔ انشورنس میں انشورنس کرانے والے افراد کو مجموعی طور پر اتنی ہی رقم واپس ملتی ہے جتنی انہوں نے ادا کی ہوتی ہے، اگرچہ انفرادی سطح پر صورت حال مختلف ہوتی ہے۔

انشورنس کے سلسلے میں دوسری خرابیوں کا احتمال یہ دیکھ لینے کے بعد کہ انشورنس اصلاً قمار اور ربا سے پاک ہے اور انشورنس کا نظام اس طور پر چلایا جاسکتا ہے کہ اس کی تفصیلات ان خرابیوں سے آزاد ہوں نہیں اس بات کا بھی اطمینان حاصل کرنا ہے کہ یہ طریقہ ان دوسری خرابیوں سے بھی پاک ہے جن سے شریعت عام معاملات زندگی، بالخصوص بین الدین کے معاملات کو پاک دیکھنا چاہتی ہے قمار اور ربا کے علاوہ دوسری خرابیاں یہ ہیں:

(۱) اکراہ۔

(۲) اضطراب سے بے باقائدہ اٹھانا۔

(۳) غش و غبن

(۴) غرر فاحش اور جہل مفضی الی النزاع

(۵) ضرر۔

کتاب اللہ یا سنت نبویؐ نے جن معاملات کو ممنوع قرار دیا ہے ان میں یہی خرابیاں پائی جاتی ہیں اور یہی ان کے ممنوع ہونے کا سبب ہیں۔ فقہ اسلامی میں معاملات کے جواز یا عدم جواز کا حکم اسی بنیاد پر لگایا گیا ہے کہ وہ ان خرابیوں سے پاک ہیں یا ان سے آزاد ہیں۔ جو معاملات ان خرابیوں سے پاک ہوں وہ مباح ہیں اگر وہ معتبر انسانی مصالح کے خادموں کو پسندیدہ اور مطلوب بھی ہیں۔ انشورنس کا بائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان تمام خرابیوں سے پاک ہے اور ساتھ ہی اہم انفرادی اور اجتماعی مصالح کا خادم بھی ہے۔

پہلی تین خرابیوں سے عام حالات میں انشورنس کا پاک ہونا کسی بحث کا محتاج نہیں معلوم ہوتا اگر کسی مخصوص معاہدہ میں ان میں سے کوئی خرابی پائی جائے تو قانون کی مداخلت سے اس کی اصلاح ممکن ہوگی اور اصلاح کے بعد بھی انشورنس کا طریقہ اختیار کیا جاسکے گا۔ انشورنس کے نجی کاروباری ادارے اگر معقول مقدار سے زیادہ پریم وصول کریں تو اسے غبن قرار دیا جاسکتا ہے، انشورنس کرانے والا فرد اپنی عمر، صحت، مالی حیثیت یا جن اہلک کا انشورنس کر لیا جا رہا ہو ان کی ملکیت کے بارے میں غلط بیانی سے کام لے کر غش کی ترغیب میں آئے گا، دلیہ۔

اسی طرح پانچویں خرابی، یعنی ضرر سے بھی انشورنس کا طریقہ پاک ہے۔ انشورنس کے معاہدے سے کسی تیسرے فریق کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا نہ اس طریقہ کو اختیار کرنے سے کوئی اجتماعی مفاد محروم ہوتا ہے، بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے شریعت کا منشاء یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ہر معاملہ میں فریقین متعلقہ امور سے پوری طرح آگاہ ہو کر معاہدہ کریں تاکہ وہ اپنے نفع نقصان یا حقوق و ذرائع کے بارے میں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں اور آئندہ آگاہی ہونے پر جھگڑے نہ کھڑے ہوں اور ایک دوسرے کے خلاف غم و غصہ نہ پیدا ہو۔ خرید و فروخت کے معاملات میں قیمت خریدی جانے والی چیز اور دوسرے متعلق امور کے بارے میں جب ایسا عدم علم پایا جائے جو آئندہ جھگڑے کی بنیاد بن سکتا ہو تو معاملہ کرنے سے روکا گیا ہے۔

غرض سے مراد وہو کہ ہے جس کی بنیاد عدم علم اور عدم تعین ہے۔ سنت میں ممنوع بیع غرر کی چند مثالیں یہ ہیں تالاب میں جتنی مچھلیاں ہوں، ان کی ایک متعین قیمت کے عوض فروخت، حاملہ اونٹنی کے بچہ جننے سے پہلے اس بچہ کی فروخت درخت پر برائے پران پھلوں کی فروخت جو ابھی تیار نہیں ہوئے ہیں۔ جب فروخت کی جانے والی چیز وصف اور مقدار سے معلوم اور متعین نہ ہو تو معاہدہ بیع میں غرر کا عنصر داخل سمجھا جائے گا۔ خدمات کی فروخت اور عین دین کے دوسرے معاملات میں بھی جب فریقین کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں اس نوع کے عدم تعین یا عدم علم کا شکار ہوں تو معاملہ غرر پر مبنی ہوگا۔

سنت میں غرر کی بنا پر ممنوع معاملات کے درمیان ایک قدر مشترک یہ بھی ہے کہ مقصد کا حصول غرر سے بچتے ہوئے بھی ممکن ہو۔ مثلاً مذکورہ بالا مثالوں میں یہ ممکن ہے کہ ادا کی جانے والی قیمت کی مقدار مچھلیوں کی اس مقدار پر منحصر ہو جو تالاب سے نکلیں۔ یا اونٹنی کے بچہ جننے کے بعد اس کو خرید لیا جائے، یا درختوں کے پھل تیار ہونے پر ان کی فروخت عمل میں آئے۔ ہمارے علم کی حد تک سنت میں غرر کی بنیاد پر کسی ایسے معاملے سے نہیں روکا گیا ہے جو کسی ضرورت کی تکمیل یا مصلحت کے حصول کے لیے ناگزیر ہو، مگر اسے غرر، یعنی عدم علم اور عدم تعین سے پاک کرنا کسی طرح ممکن نہ ہو، فقہاء نے عام طور پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ تمدنی ضرورت کے جن معاملات کو عدم علم سے پوری طرح پاک نہ کیا جاسکتا ہو، ان کی اجازت ہے اور ان کی ضرورت کے پیش نظر محض غرر کو گوارا کیا جائے گا۔ البتہ اگر غرر زیادہ ہے تو معاملہ سے روک دیا جائے گا ظاہر ہے کہ اس تصور سے اور بہت کی تعین میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا مثالوں میں سے پہلے انداز میں معاملہ کا عدم جواز محقق قیہ ہے اور متعدد فقہاء متعلقہ غرر کو قابل درگزر سمجھتے ہیں کیونکہ اس کا ازالہ زحمت طلب ہے۔

جہاں تک انشورنس کرنے والے ادارے کا تعلق ہے وہ رقم معلوم اور متعین ہوتی ہیں جو اسے انشورنس کرانے والے افراد کے مجموعہ سے ملیں گی اور انہیں ادا کرنی ہوگی۔ یہ علم اور تعین قانون اوسط، اور اس امر پر مبنی ہے کہ ہمہ گیر حساب اسی بنیاد پر لگایا جاتا ہے کہ پورے گروہ کو بحیثیت مجموعی کتنی ادائیگی کرنی، قانون اوسط کی روشنی میں لازم آئے گی۔ ان حسابات میں غلطی کی گنجائش کم ہے اور جو غلطی رہ جائے اس کی تلافی تعاون اور ریاستی انشورنس کی صورتوں میں آسانی ممکن ہے۔ انشورنس کرانے والے کسی ایک فرد کے اعتبار سے البتہ یہ بات معلوم اور متعین نہیں ہے کہ اسے کوئی رقم ملے گی یا نہیں، یا کتنی رقم ملے گی اور پریم کی صورت میں اسے مجموعی طور پر کتنی رقم ادا کرنی پڑے گی اس عدم علم اور عدم تعین کا سبب یہ ہے

کہ جس حادثے اور اس سے مالی نقصان کے پیش نظر انشورنس کرایا جاتا ہے اس کا وقوع کسی ایک فرد کے ساتھ معلوم و متعین نہیں ہے۔ یہ عدم علم اور عدم تعین کہ کسی فرد کو کوئی متعین حادثہ پیش آئے گا یا نہیں، انسانی زندگی سے دور کرنے ممکن نہیں ہے۔ انسان اس عدم علم اور عدم تعین کے سلسلے میں معذور ہے۔ یہی صورت حال انشورنس کا طریقہ اختیار کرنے کی دلیلی بنتی ہے۔ انفرادی سطح پر اس عدم علم اور عدم تعین کو اگر غرر قرار دیا جائے تو صحت اس کی بنیاد پر انشورنس کے طریقے کو ممنوع قرار دینا مناسب نہ ہوگا، کیونکہ اسے ممنوع قرار دینے کی صورت میں متعلقہ ضرورت کی تکمیل اور مصالح کا تحفظ کسی صورت ممکن نہ رہ جائے گا۔ مزید برآں یہ معاملہ اپنی مخصوص نوعیت رکھتا ہے۔ اس کی اجتماعی نوعیت کو نظر انداز کر کے صرف انفرادی سطح پر موجود غرر کا بنیاد پر اسے ممنوع نہیں قرار دینا چاہیے۔

انشورنس ایک نیا معاملہ ہے اس کی نوعیت کین دین کے دوسرے معاملات سے بالکل مختلف ہے۔ اس معاملہ میں عدم علم اور عدم تعین جہاں اور جس قدر پایا جاتا ہے اس کی نوعیت سادہ خرید و فروخت میں پائے جاسکتے والے اس عدم علم یا عدم تعین سے مختلف ہے جس کی مثالیں سنت میں ممنوع بیع غرر کے معاملات میں ملتی ہیں یہ معاملہ اجتماعی سطح پر معلوم و متعین اور انفرادی سطح پر غیر معلوم و غیر متعین ہے۔

انشورنس میں جس نوع کا عدم علم اور عدم تعین پایا جاتا ہے وہ آگے چل کر فریقین کے درمیان جھگڑے کی بنیاد نہیں بنتا کیونکہ انشورنس کرانے والا اس عدم علم اور عدم تعین سے پوری آگاہی کے ساتھ انشورنس کرتا ہے۔ اسے اس بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہوتی۔ وہ جانتا ہے کہ وہ ایک حادثے کے اندیشے کی بنیاد پر انشورنس کر رہا ہے اور صحت ممکن ہے کہ وہ حادثہ واقع نہ ہو۔ آگے چل کر اگر اسے وہ حادثہ پیش نہیں آتا جس کے اندیشے سے انشورنس کرایا گیا تھا تو یہ بات اس میں نا انشورنس کرنے والوں کے خلاف غم و غصہ پیدا کر سکتی ہے، نہ یہ احساس کو اس کے ساتھ دھوکہ کیا گیا یا اس کی لاعلمی سے بے جا فائدہ اٹھایا گیا۔

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، انشورنس کرنے والا فرد جو پریم ادا کرتا ہے اسے متعلقہ حادثے کے مالی نقصان سے تحفظ کی قیمت قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ تحفظ ایک معلوم اور متعین کمر ہے جس سے معاہدہ انشورنس کے تحت ہر صورت حاصل ہوتا ہے خواہ متعلقہ حادثہ پیش آئے یا نہ آئے۔ قطع نظر اس سے کہ کس فرد کو یہ تحفظ نقصان کی تلافی میں ملنے والی رقم سے حاصل ہوتا ہے اور کس فرد کو اس طور پر کہ اسے ہرے سے نقصان ہی نہیں ہوتا اور کس فرد کو پریم کی کتنی قسطیں عطا ادا کرنا پڑتی ہیں، اگر اس تحفظ کو غرر کہہ کر توجہ بنایا جائے تو اس معاملے میں انفرادی سطح پر بھی غرر کا وجود مشتبہ ہے معاملے کے دونوں فریقوں کے حقوق و فرائض بالکل معلوم اور متعین ہیں، البتہ ان کی مالی تعبیریں ایسے حوادث پر منحصر ہیں جو عدم علم اور عدم تعین کا شکار ہیں۔

جیسا کہ بعض معاصر اسلامی مفکرین نے اشارہ کیا ہے، سنت میں غرر کی بنیاد پر بعض معاملات سے اسی صورت میں روکا گیا ہے جب غرر بہت زیادہ ہو۔ نیز اس میں بیع غرر کی ممانعت آئی ہے نہ کہ مجرد غرر کی خواہ وہ زندگی کے کس

۱۔ مصطفیٰ احمد الزناد: عقائد التامین (السکرہ) و موقوف الشریعہ الاسلامیہ ص ۲۵، مطبوعہ جامعہ دمشق، ۱۹۶۲ء نیز ملاحظہ ہو ڈاکٹر محمد ابوبی: نظام التامین فی ہدی احکام الاسلام و ضروریات المجتمع المعاصر طبع قاہرہ، ۱۹۶۵ء

معاوضے میں پایا جائے بلکہ اگر جائزہ لیا جائے تو متعدد امور زندگی میں مشرعیات نے ایسے فیصلوں اور معاہدات کو رد رکھا ہے جو تمام متعلقہ باتوں کے پر سے علم پر مبنی نہیں ہوتے یا مبنی نہیں ہو سکتے، مثلاً عقد نکاح اجارہ، انتخاب امیر، حکم کے ذریعہ نزع امارت کا فیصلہ چارنا وغیرہ۔ ۱۷

بیمہ کے متعلق علامہ ابن عابدین حنفی شامی کی رائے | علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

کافر متاسی (پاسپورٹ سے کہ) اُسے تو اس کے ساتھ بھی سود اور قرار کا معاملہ جائز نہیں ہے، اس جواب سے بیمہ کا مسئلہ بھی واضح ہو گیا، جس کے متعلق ہمارے زمانہ میں بہ کثرت سوالات کیے جاتے ہیں کیونکہ اب لوگوں میں یہ معمول بن گیا ہے کہ تاجر جب کسی حربی سے کوئی جہاز کرائے پر لیتے ہیں تو اس کو کرایہ دینے کے علاوہ دارالحرب میں رہنے والے کسی باشندہ کو ایک مہینہ رقم اس شرط پر دیتے ہیں کہ اگر جہاز ڈوب گیا یا جل گیا یا اس کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا یا کسی اور ناگہانی آفت کا شکار ہو گیا تو یہ شخص اس رقم کے بدلہ میں اس نقصان کا ضامن ہوگا، اس رقم کو ”سوکروہ“ بیمہ کی رقم کہا جاتا ہے، اس حربی (انشورنس کمپنی کا مالک) کا ایک وکیل (ایجنٹ) سلطان اسلام کی اجازت سے ہمارے ملک کے ساحلی شہروں میں متاسی بن کر (پاسپورٹ کے ساتھ) رہتا ہے جو تاجروں سے بیمہ کی رقم وصول کرتا ہے اور اگر سمندر میں تاجر کا مال ضائع ہو جائے تو وہ تاجروں کو اس کا پورا پورا معاوضہ ادا کر دیتا ہے۔

علامہ شامی اس مسئلہ میں اپنی تحقیق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس مسئلہ میں مجھ پر جو چیز مشکف ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ تاجروں کے لیے اس متاسی وکیل سے اپنے نقصان کا بدلہ لینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ اس چیز کا التزام ہے جو اس پر لازم نہیں ہے، اگر یہ اعتراف کیا جائے کہ امانت رکھنے والا اگر امانت رکھنے کی اجرت لے تو امانت ضائع ہو جانے کی صورت میں اس پر امانت کا معاوضہ لازم ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ بیمہ کو امانت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، یہ مال بیمہ کرنے والے کی تحویل میں نہیں تھا، بلکہ جہاز والوں کی تحویل میں تھا، اللہ اگر بالفرض جہاز بھی بیمہ کمپنی کا موجب بھی مالی نقصان کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں بیمہ کمپنی اجیر مشترک مقصور ہوگی جس نے مال پہنچانے اور مال کی حفاظت کرنے دونوں کی اجرت لی ہے، اور غرقابی وغیرہ ناگہانی آفت سے مال تلف ہونے کی صورت میں امانت دار اور اجیر مشترک دونوں ضامن نہیں ہوتے، اگر یہ اعتراف کیا جائے کہ بار الکفالہ میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے یہ کہا کہ اس راستہ پر سفر کر و اس راستہ میں کوئی خطرہ نہیں ہے، اس شخص نے اس راستہ پر سفر کیا اور اس راستہ میں اس کا مال لوٹ لیا گیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا لیکن اگر اس نے یہ کہا کہ یہ راستہ بے خطر ہے اور اگر تھرا مال لوٹا گیا تو اس کا ضامن ہوں گا تو اس صورت میں اس کو ضمان قرار دیا جائے گا، علامہ محسبی صاحب درمختار نے ان دونوں صورتوں میں اس طرح فرق کیا ہے کہ دوسری صورت میں اس نے ضمانت کا التزام کر لیا ہے اور پہلی صورت میں اس نے ضمانت نہیں دی اور جامع الفصولین میں یہ فرق اس طرح بیان کیا ہے کہ دھوکا کھانے والا، دھوکا دینے والے سے اس وقت ضمان لے گا جب اس کو کسی عقد معاوضہ کے

۱۷۔ سید محمد صادق الحسینی الروحانی، المسائل المستحدثة، جلد ۱، ص ۷۲، دار الفکر، قم ایران، ۱۳۸۲ھ

۱۸۔ ڈاکٹر محمد نجیات الشہید حنفی، انشورنس اسلام میں، ص ۵۰-۵۱، مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز، لکھنؤ، اکتوبر ۱۹۸۲ء

ضمن میں دھوکا دیا جائے یا دھوکا دینے والا دھوکا کھانے والے شخص کے حق میں سلامتی کی ضمانت دے (جیسا کہ زیر بحث صورت میں ہے) عقد میں دھوکے کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی بچی کو دے کے پاس گندم پھرانے کے لیے لایا بچی دے نے اس شخص سے کہا کہ اس برتن میں ذال دور اتفاق سے اس برتن میں سوراخ تھا جس سے بچی کو ذال واقف تھا اور اس کے باوجود اس نے اس برتن میں گندم ڈالنے کے لیے کہا جس کی وجہ سے سب گندم ضائع ہو گئی تو اب بچی کا مالک اس نقصان کا ضامن ہوگا کیونکہ اس نے عقد اجارہ میں دھوکا دیا ہے جب کہ اس عقد کا تقاضا یہ تھا کہ اس مال کی حفاظت کی جائے (علامہ شامی کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ اس وقت ہے جب دھوکا دینے والا اس نقصان سے واقف ہو اور دھوکا کھانے والا اس نقصان سے واقف ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ بیمہ کمپنیوں کا مقصد ناجرور کو دھوکا دینا نہیں ہوتا اور نہ ان کو جواز کے ذریعے یا اس میں آگ لگنے کا علم ہوتا ہے بلکہ عام طور پر اس کا بیمہ کمپنی اور تاجر دونوں کو علم ہوتا ہے کیونکہ تاجر اسی وقت بیمہ کراتے ہیں جب ان کو خطرہ ہو اور نقصان کی تلافی کی امید ہو لہذا بیمہ کے مسئلہ پر بھی قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ علامہ شامی نے بیمہ کی جس صورت پر بحث کی ہے اب وہ صورت مراد نہیں ہے جس صورت سے علامہ شامی نے بحث کی ہے اس میں قرار ہونا بالکل نمایاں ہے کیونکہ بحری جہاز کا ہر مسافر بیمہ کمپنی کو ایک خاص رقم ادا کرتا ہے کہ اگر ایک یا چند مسافروں کا نقصان ہو گیا تو بیمہ کمپنی اس کی تلافی کر دے گی اور اگر نقصان نہیں ہوا تو بیمہ کمپنی ان تمام رقموں کی مالک ہو جائیگی اور چونکہ اس عقد میں جائیں کو نفع یا نقصان لازم ہے اور یہ کھلا ہوا قرار ہے اسی لیے علامہ شامی نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔

بیمہ زندگی کے متعلق علماء مصر کا نظریہ [علامہ مصر سے سوال کیا گیا کہ: ایک شخص نے کسی بیمہ کمپنی سے اپنی زندگی میں یہ عقد کیا کہ اگر وہ (انشائیہ) پوری کرنے سے پہلے مر جائے تو انہی رقم اس کی اولاد کو دے جائے تو اب اس کے مرنے کے بعد بیمہ کی اس رقم کو اس کی اولاد میں تقسیم کرنا صحیح ہے یا نہیں؟]

الجواب احکام شریعہ کا تقاضا یہ ہے کہ مذکور العودر عقد عقد شرعی نہ ہو، حتیٰ کہ بیمہ کی رقم کو اس کے ورثہ میں تقسیم کرنا صحیح ہو، بل متوفیٰ نے جس قدر اقساط جمع کر دی تھیں وہ اقساط اس کی جائز ملکیت ہیں وہ تمام اقساط بیمہ کمپنی سے واپس لے کر اس کے وارثوں میں تقسیم کر دی جائیں، اور جمع شدہ اقساط سے جو زائد رقم بیمہ کمپنی اپنی خوشی سے محض جبراً اور احساناً دیتی ہے اور ورثہ بھی اس کو قبول کرنے پر راضی ہوں تو فعلیت میں بطور احسان و تبرع کے کسی عطلہ لینے کی ضمانت نہیں ہے اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ بیمہ کمپنی جمع شدہ اقساط سے زائد جو رقم دیتی ہے اس کو تبرع اور احسان کے طور پر لینا جائز ہے اور اپنا حق سمجھ کر وصول کرنا جائز ہے جیسا کہ آج کل بیمہ کی رقم کو ملکیت کے ذریعہ جبراً وصول کیا جاتا ہے، اس جواب کی روشنی میں یہ طریقہ کار ناجائز نہیں ہے۔

آتش زنی اور دیگر ناگہانی آفات سے تحفظ کی خاطر بیمہ کرانے کے متعلق علماء مصر کا نظریہ
[علامہ مصر سے سوال کیا گیا کہ:

۱۔ علامہ سید محمد امین ابن مایہ شامی حنفی متروقی ۱۲۵۲ھ رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۵، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۴ھ
۲۔ الفتاویٰ الاسلامیہ من دارالافتاء المصریہ ج ۲ ص ۱۴۰-۱۳۹۹، مطبوعہ القاہرہ ۱۴۰۰ھ

بعض کمپنیاں آتش زنی سے تحفظ کے لیے بیمہ کرتی ہیں، ان کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ مثلاً کسی دکان کے مالک سے سالانہ ایک مہینہ قسط وصول کرتی ہیں، اور اس کے بدلہ میں وہ یہ ضمانت فراہم کرتی ہیں کہ اگر دکان میں آگ لگ گئی تو جس قدر نقصان ہوگا وہ اس کا معاوضہ ادا کریں گی بہت سے لوگ اپنی زمینوں کا بھی ان کمپنیوں میں بیمہ کراتے ہیں، یہ بتائیے کہ آیا اس قسم کا بیمہ احکام شرعیہ کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور یہ بتائیں کہ کسی وقف کا منزلی اوقات ملو کہ کا بیمہ کرا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب سوال مذکور میں بیمہ کمپنیوں کا جو طریقہ کار بیان کیا گیا ہے وہ شریعت اسلامیہ کے احکام کے مطابق نہیں ہے اور کسی شخص کے لیے اس قسم کا بیمہ کرانا جائز نہیں ہے خواہ وہ شخص کسی وقف کا منزلی ہو یا نہ ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کا قاعدہ یہ ہے کہ ضمانت صرف دو شکلوں میں ہوتی ہے۔ (۱) کوئی شخص کسی مقررہ من کے قرض کا ضامن ہوگا اگر اس نے قرض ادا نہیں کیا تو وہ اس رقم کو ادا کرے گا اس کو ضمان بطریق الکفالت کہتے ہیں (جب کوئی شخص تعدی یا تجاوز کر کے کسی شخص کی کوئی چیز تلف اور ضائع کر دے تو وہ اس بات کا ضامن ہوگا کہ وہ اس شخص کو اس چیز کے بدلہ میں اس جیسی چیز یا اس کی قیمت فراہم کرے اس کو ضمان بطریق التحدی والائتلاف کہتے ہیں۔ بیمہ کمپنی آتش زنی کے بعد جو رقم ادا کرتی ہے وہ ضمان الکفالت کے تحت بالکل نہیں آتی، کیونکہ کفالت میں یہ شرط ہے کہ مکفول بہ (جس چیز یا جس رقم کی ضمانت دی گئی ہے) دین (قرض یا واجب الادا حق مثلاً مہر یا غلو) صحیح ہو جو بجز ادا کرنے یا سنبھال کر دینے کے ساقط نہ ہو، یا کوئی ایسی چیز ہو جسے مکفول بہ (طالب حق) کے سپرد کرنا مکفول عنہ (مقرض یا جس پر کسی کا حق ادا کرنا لازم ہو) پر واجب ہو، (مثلاً کسی شخص سے عاریتہ کوئی چیز لی تو اس کو واپس کرنا مستقیم پر واجب ہے، یا بیع سلم میں بائع نے پیشگی قیمت لے کر کوئی چیز فروخت کر دی تو اس پر بیع کا ادا کرنا واجب ہے) اگر وہ چیز تلف ہوگئی تو مکفول عنہ اس کا ضامن ہوگا کہ اس چیز کی مثل مکفول بہ کو ادا کرے اور اگر اس کی مثل نہیں ہے تو اس کی قیمت ادا کرے مثلاً کوئی چیز بیع فاسد کے ساتھ فروخت کی گئی یا بدل خلع یا فلتی عہد میں بدل غنم، بدائع الصنائع اور دیگر فقہ کی معتبر سن بروں میں اس کی تصریح کی گئی ہے، اس قاعدہ کے مطابق عقد کفالت میں چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے، (۱) مکفول بہ، یعنی جس شخص پر کسی کی طرف سے کسی چیز کی ضمانت واجب ہو، (۲) مکفول بہ، یعنی جس شخص کے سپرد وہ مال کیا جائے جس کی ضمانت لی گئی تھی، (۳) مکفول عنہ، جس شخص پر اصلہ ضمانت شدہ مال کو سپرد کرنا واجب ہے، (۴) مکفول بہ، یہ وہ مال ہے جس کو طالب حق کے سپرد کرنا واجب ہے۔ ان چار اُمود کے بغیر عقد کفالت منقوض نہیں ہوتا، اور بیمہ کمپنیاں جو آتش زنی سے تحفظ کی خاطر دکان وغیرہ کا بیمہ کرتی ہیں اس میں یہ اُمود نہیں پائے جاتے اس لیے ان میں عقد کفالت متحقق نہیں ہوگا، کیونکہ بیمہ کرانے والا جس مال کو بیمہ کمپنی کی ضمانت میں دیتا ہے وہ اس کی ملکیت ہے خارج نہیں ہوا اور کسی شخص پر یہ واجب نہیں کہ وہ اس مال کو اس کے سپرد کرے اور نہ ہی کوئی چیز بنفسہ کسی کی ضمانت میں داخل ہوتی جیسا کہ مال کمپنی کی ضمانت میں نہیں ہے کیونکہ بیمہ کرانے والے کے مال کا بیمہ کمپنی پر کوئی حق نہیں ہے اور نہ کسی چیز کی ادائیگی کمپنی کے ذمہ ہے لہذا کمپنی بیمہ کرانے والے کی کسی چیز کی ضمانت نہیں ہوتی اور بغیر کسی ضمانت کے عقد کفالت کس طرح منقوض ہو سکتا ہے؟

اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ بیمہ کمپنی جو ادائیگی کرتی ہے وہ ضمان تعدی یا ضمان اتلاف کے تحت بھی داخل نہیں ہے کیونکہ جس مال کی انشورنس کی گئی ہے اس مال پر کمپنی والوں نے کوئی تعدی کی ہے نہ اس کو تلف کیا ہے بلکہ اس مال کو کوئی معمولی سا ضرر بھی نہیں پہنچایا، ان وہ مال قضا و قدر سے ضائع ہو رہا تھا ہے یا کسی اور تیسرے شخص

کی تصدی اور تجاویز کے نتیجے میں تلف ہو جاتا ہے، پھر بیمہ کمپنی کو اس مال کا ضامن کرنے کی وجہ سے ۹ اور کمپنی جو اس نقصان کے بدلہ میں پریم وصول کرتی ہے اس کے جواز کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے۔

بیمہ کمپنی جس عقد کے تحت بیمہ کی رقم ادا کرتی ہے اس کو عقد مضاربت بھی نہیں قرار دیا جاسکتا، کیونکہ عقد مضاربت میں یہ لازم ہے کہ رب المال کی جانب سے مال ہو اور مضارب کی جانب سے عمل ہو اور نفع پہلے سے طے شدہ شرائط کے مطابق تقسیم کیا جائے، اور بیمہ کمپنی دے بیمہ کی رقم کے عوض جو پریم وصول کرتے ہیں وہ اپنے لیے وصول کرتے ہیں اور اس رقم کو اپنے مصارف میں خرچ کرتے ہیں، اس میں بیمہ کرنے والوں کا کچھ حصہ نہیں ہوتا۔

ان دلائل سے یہ واضح ہو گیا کہ جس عقد کے تحت بیمہ کمپنی پالیسی خریدنے والوں کو بیمہ کی رقم ادا کرتی ہے وہ عقد فاسد ہے اور احکام شریعت کے مطابق نہیں ہے، اس لیے زمین، دکان یا کسی بھی چیز کا بیمہ کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ چیز وقف ہو یا نہ ہو، اور کسی مسلمان کو بیمہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ بیمہ کا مل خطر (Risk) پر مبنی ہے اور جس چیز کا بیمہ کرنا باگیا ہے کبھی اس کو ضرر اور نقصان لاحق ہوتا ہے اور کبھی لاحق نہیں ہوتا سو یہ عمل معنی فساد ہے اس لیے بھی بیمہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

معری علماء نے جن دلائل سے بیمہ کا غیر شرعی اور ناجائز ہونا بیان کیا ہے ان کا تہذیب اور مناسبت میں کوئی شک نہیں ہے اور جن نکات پر بحث کی ہے وہ قابلِ تحسین ہیں تاہم اس بحث میں انہوں نے یہ وضاحت نہیں کی کہ اگر بیمہ کمپنی دے بیمہ کی رقم کو بیمہ کرانے والے کا حق قرار دیں اس کو ضمان قرار دیں بلکہ نقص تبرع اور احسان کے طور پر دے رقم بیمہ کرانے والے کو ادا کر دیں تو پھر اس میں کیا حرج ہے بلکہ ان کے پہلے فتویٰ کی روشنی میں یہ جائز قرار پاتا ہے اب اس پر یہ سوال ہو گا کہ تبرع اور احسان کرنا واجب تو نہیں ہے بیمہ کمپنی چاہے تو نقصان کا معاوضہ ادا کرے اور چاہے نہ کرے حالانکہ بیمہ کی رقم کا ادائیگی کا وجوب اس نظام میں ریزرو کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اور اگر بیمہ کمپنی نقصان کی ادائیگی کا ذمہ نہ لے تو پھر کوئی شخص بیمہ نہیں کرانے کا اس حکمت پر ہم ان شاء اللہ اس بحث کے آخری حصہ میں گفتگو کریں گے

مسئلہ ۱۲، ۲۹ ربيع الاول شریف ۱۴۰۳ھ
بیمہ کے متعلق اعلیٰ حضرت کا نظریہ

و مختار سب کے سب نصرانی المذہب میں اُن کا اعلان ہے کہ جو شخص تیس برس کی عمر سے پینتالیس سال کی عمر تک یہی کامل چارہ سال تک ہر سال چھ سو روپے آٹھ آنے کمپنی کو دیا کرے تو پندرہ برس کی مدت گزرنے کے بعد اس کو کمپنی ایک ہزار روپے کی معاوضہ ہونے کے بعد مدت مبینہ ختم ہونے سے پہلے شکار دو بیسے یا دو سال یا چار سال کے بعد وہ شخص مر گیا تو کمپنی اس کے وارثوں کو پورے ایک ہزار روپے دے گی۔ رقم معینہ مذکورہ بالا کی تبدل کامل پندرہ سال کی عمر گیارہ سو سینتالیس روپے آٹھ آنے ہوتی ہے البتہ موت میں یہ بیمہ جمع کرنا اور کمپنی سے مذکورہ شرط کے ساتھ روپیہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب | یہ صورت قمار کی ہے اور میعاد عمر وہ رکھی ہے جس میں غالب حیات ہے حدیث میں ہے اعراض امتی ما بین الستین الى السبعین اور بحال حیات ظاہر ہے کہ ایک سو سینتالیس روپے آٹھ آنے کا نقصان ہے کافر کے ساتھ ایسا معاملہ میں میں غالب پہلے اپنے نقصان کا جو جائز نہیں کہا انص علیہ فی

فتح القدیر: دائرۃ تعالیٰ اعلم لہ

سوال: انشورنس کے مسئلے میں مجھے تردد لاحق ہے اور صحیح طور پر بیمہ کے متعلق سید مودودی کا نظریہ

سمجھ میں نہیں آسکا کہ آیا بیمہ کرنا اسلامی نقطہ نظر سے جائز ہے یا ناجائز اگر بیمے کا موجودہ کاروبار ناجائز ہو تو پھر اسے جائز بنانے کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں۔ اگر موجودہ حالات میں ہم اسے ترک کر دیں تو اس کے نتیجے میں معاشرے کے افراد بیت سے فائدے سے محروم ہو جائیں گے۔ دنیا بھر میں یہ کاروبار جاری ہے ہر قوم وسیع پیمانے پر انشورنس کی تعلیم کر چکی ہے اور اس سے مستفید ہو رہی ہے مگر ہمارے مل میں ابھی تک اس باب سے میں تامل اور تذبذب پایا جاتا ہے۔ آپ اگر اس معاملے میں صحیح صورت میں رہنمائی کریں تو ممنون ہوں گا۔

جواب: انشورنس کے بارے میں شرع اسلامی کی طرف سے تین اسلامی اعتراضات ہیں جن کی بناء پر اسے جائز نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

اول یہ کہ انشورنس کمپنیاں جو عیسویہ پریم (Premium) کی شکل میں وصول کرتی ہیں اس کے بہت بڑے حصے کو کوئی کاموں میں لگا کر غائدہ حاصل کرتی ہیں اور اس ناجائز کاروبار میں وہ لوگ آپ سے آپ حصہ دار بن جاتے ہیں جو کسی نہ کسی شکل میں اپنے آپ کو یا اپنی کسی چیز کو ان کے پاس انشور کراتے ہیں۔

دوم یہ کھوت یا حوادث یا نقصان کی صورت میں جو رقم دینے کی ذمہ داری کمپنیاں اپنے ذمہ لیتی ہیں اس کے اندر قمار کا اصول پایا جاتا ہے۔

سوم یہ کہ ایک آدمی کسے جانے کی صورت میں جو رقم ادا کی جاتی ہے، اسلامی شریعت کی روش سے اس کی حیثیت مرنے والے کے ترکے کی ہے جسے شرعی وارثوں میں تقسیم ہونا چاہیے۔ اگر یہ رقم ترکے کی حیثیت میں تقسیم نہیں کی جاتی بلکہ اس شخص یا ان اشخاص کو مل جاتی ہے جن کے لیے پالیسی ہو لڈرنے وصیت کی ہو۔ حالانکہ وارث کے حق میں شرعاً وصیت ہی نہیں کی جاسکتی۔

راہ سوال کہ انشورنس کے کاروبار کو اسلامی اصول پر کس طرح چلایا جاسکتا ہے اس کا جواب اتنا آسان نہیں جتنا یہ سوال آسان ہے اس کے لیے یہ ضرورت ہے کہ ماہرین کی ایک مجلس جو اسلامی اصول کو بھی جانتی ہو اور انشورنس کے معاملات کو بھی سمجھتی ہو اس پر سے مسئلہ کا جائزے اور اور انشورنس کے کاروبار میں ایسی اصلاحات تجویز کرے جن سے کاروبار بھی چل سکتا ہو اور شریعت کے اصولوں کی خلاف ورزی بھی نہ ہو۔ جب تک یہ نہیں ہوتا، ہمیں کم از کم یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ ہم ایک غلط کام کر رہے ہیں۔ غلطی کا احساس بھی اگر ہم میں باقی نہ رہے تو پھر اصلاح کی کوشش کا کوئی سوال ہی نہیں رہتا۔ بے شک موجودہ زمانے میں انشورنس کی بڑی اہمیت ہے اور ساری دنیا میں اس کا چلن ہے مگر نہ اس دلیل سے کوئی حرام چیز حلال ہو سکتی ہے اور نہ کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے وہ سب حلال ہے یا اسے اس بناء پر حلال ہونا چاہیے کہ دنیا میں اس کا چلن ہو گیا ہے۔ ایک مسلمان قوم ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم جائز و ناجائز میں فرق کریں اور اپنے معاملات کو جائز طریقوں سے چلانے پر اصرار کریں۔ (ترجمان القرآن، اگست ۱۹۶۲ء)

۱۔ امام احمد رضا خاں بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۵۱۔ ۵۰، مطبوعہ مدنیہ پبلشنگ کمپنی کراچی

۲۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۶۹ھ، رسائل در مسائل دینی، ج ۳ ص ۳۱۳۔ ۳۱۲، مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز لاہور

شیخ راجح اللہ نمین لکھتے ہیں:

بیمہ کے متعلق علماء شیعہ کا نظریہ | بیمہ ایک قرار داد اور عقد ہے جو بیمہ کرانے والے اور

موسس یا بیمہ کی کمپنی یا مسئول بیمہ کے درمیان ہوا کرتا ہے اور یہ عقد باقی تمام عقود کی طرح ایجاب و قبول کا محتاج ہے اور موجب و قابل عقد کے شرائط جو باقی عقود میں معتبر ہیں وہ اس میں بھی معتبر ہیں اور یہ عقد ہر زبان میں ہو سکتا ہے۔ (۲۸۵۹)

۱۔ مورد عمل بیمہ کا تعین کہ وہ فلاں شخص یا فلاں تجارت خانہ یا فلاں کشتی ہو یا ہوائی جہاز ہے۔

۲۔ عقد کرنے والے جانین کا تعین کہ وہ اشخاص ہیں یا ادارے یا کمپنیاں یا حکومت ہے۔

۳۔ رقم کا تعین جو کہ اس کو ادا کرنی ہے۔

۴۔ قسطوں کا تعین کہ جو دینی ہیں اور ان کے وقت کا تعین۔

۵۔ وقت بیمہ کا تعین کہ فلاں مہینے یا سال سے چند مہینوں یا سالوں تک۔

۶۔ وہ خطرے کہ جو نقصان کا سبب بنتے ہیں ان کا تعین مثلاً جل جانا، غرق ہونا، چوری ہو جانا یا مرنے کا یا مرض ہونا

اور وہ تمام افسوس جو نقصان کا باعث بنتی ہیں ان میں قرار داد میں داخل کیا جاسکتا ہے۔

(۲۸۶۰) یہ ضروری نہیں کہ قرار داد بیمہ میں میزان نقصان کو مقرر کیا جائے پس اگر یہ قرار داد ہو کہ جتنا نقصان ہو اس کا جبران کریں گے تو صحیح ہے۔

(۲۸۶۱) عقد بیمہ کی کمپنی ایک صورت میں ہے کہ ایک یہ ہے کہ بیمہ کرانے والا کچھ بیمہ سے ذمے اتنی رقم ہے کہ فلاں وقت تک ہر ماہ اتنی رقم ادا کر دے گا اور اس کے مقابلے میں جو نقصان بیمہ سے کارخانے کو جلنے یا چوری ہونے کا وجہ سے پہنچے تم اس کا جبران کرو گے اور یہ مقابل قبول کرے یا متبادل کہے کہ ہمارے اول سے کو جو نقصان پہنچے گا جلنے یا چوری ہونے سے تو وہ بیمہ سے ذمہ ہے اور اس کے مقابلے میں اتنی رقم تجھے ادا کرنی ہوگی اور تمام شرائط جو گذشتہ مسئلہ میں بیان ہو چکے ہیں وہ معلوم اور ان کے مطابق قرار داد ہونی چاہیے۔

(۲۸۶۲) ظاہر آئیے کہ تمام قسمیں ان شرائط کے ساتھ جو ذکر ہو چکی ہیں صحیح ہیں چاہے زندگی کا بیمہ ہو یا تجارتی کارخانوں کا یا مکانات کشتیوں اور ہوائی جہازوں کا یا حکومت اور اداروں میں کام کرنے والوں کا یا ایک بستی یا شہر کا بیمہ ہو۔ بیمہ ایک مستقل عہد ہے اور اسے دوسرے بعض عقود کے عنوان سے مثلاً صلح میں بھی اجراء کیا جاسکتا ہے۔

شیخ الباقا سم موسوی طوسی لکھتے ہیں:

(۲۸۷۹) اگر حکومت یا کسی بیمہ کمپنی اور یا ایسی ہولڈنگ کے درمیان یہ طے ہو جائے کہ وہ ہر ماہ یا ہر سال ایک خاص رقم دیتا رہے گا تاکہ اسے اگر کوئی نقصان پہنچے اور حکومت یا کمپنی اس کا تدارک کرے تو یہ بیمہ یا انشورنس کہلاتا ہے۔

کبھی بیمہ زندگی کا ہوتا ہے۔ کبھی مال کا، کبھی شخص گننے کا، کبھی ہوائی جہاز کا، کبھی کشتی وغیرہ کا۔ بیمہ کی دوسری اقسام بھی ہیں جن کا مدی حکم ہے جو اس کی مذکورہ اقسام کا ہے لہذا ان کا ذکر ضروری نہیں۔

۷۔ شیخ راجح اللہ نمین مرقی ۱۴۰۹ھ توضیح المسائل ص ۲۵۱۔ ۲۵۰ مطبوعہ سازمان تبلیغات اسلامی تہران ۱۴۰۲ھ

(۲۸۸۰) اس معاملے کے مندرجہ ذیل اجزاء ہیں :

(۱) - کمپنی کی پیش کش - (۲) پالیسی ہولڈر کا قبول کرنا - (۳) وہ چیز جس کا بیمہ کیا گیا ہو یعنی زندگی وغیرہ - (۴) اقساط واپسی ہولڈر ہر سال یا ہر ماہ ادا کرتا رہے گا۔

(۲۸۸۱) یہ ضروری ہے کہ جس چیز کا بیمہ کیا گیا ہو وہ متین ہو اور یہ بھی بیان کیا جانا چاہیے کہ حکومت یا بیمہ کمپنی کسی قسم کے نقصان کا تدارک کرنے کی ذمہ داری اٹھائے گی مثلاً فرق ہونا، آگ لگنا، چوری ہو جانا، سرخس ہو جانا وغیرہ اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ قسط کی کیا مقدار ہوگی۔ ساتھ ہی اجتہاد اور انتہا کے لحاظ سے بیمہ کی مدت بھی متین ہونی چاہئے۔ (۲۸۸۲) بیمہ کی تمام اقسام کو مشروط بخشش قرار دیا جاسکتا ہے یعنی پالیسی ہولڈر بیمہ کمپنی کو اس شرط پر اقساط کی صورت میں ایک متین رقم بخشش (پریمیم) کے طور پر ادا کرے گا کہ معاملہ کے ضمن میں مذکور نقصانات اگر پیش آئیں تو کمپنی ان کا تدارک کرے گی۔ اس صحت میں کمپنی پر واجب ہے کہ اس شرط پر عمل کرے۔ یہی بیمہ کا تمام اقسام ذکر نہ کرنا چاہیے۔ (۲۸۸۳) اگر حکومت یا بیمہ کمپنی شرط پر عمل نہ کرے تو پالیسی ہولڈر کو حق حاصل ہوگا کہ معاملے کو ختم کر کے اقساط واپس لے لے۔

(۲۸۸۴) اگر پالیسی ہولڈر اقساط پانہدی سے ادا نہ کرے تو بیمہ کمپنی کے لیے واجب نہیں ہے کہ وہ حادثے کی صحت میں اسے ہر جانہ ادا کرے اور نہ ہی پالیسی ہولڈر اپنی اقساط واپس لے سکتا ہے۔ (۲۸۸۵) عقد بیمہ کی صحت کے لیے کوئی خاص مدت معتبر نہیں ہے بلکہ بیمہ کمپنی اور پالیسی ہولڈر جتنی مدت پر متفق ہو جائی، درست ہے۔

(۲۸۸۶) اگر کمپنی کے حصے دار اس شرط پر کمپنی میں سرمایہ لگائیں کہ اگر ان میں سے کسی کو خاص نقصان پہنچا تو کمپنی اس کا تدارک کرے گی تو کمپنی پر لازم ہے کہ اس شرط پر عمل کرے۔ لہ

بیمہ کے متعلق مصنف کی تحقیق اور بحث و نظر مصنف کے نزدیک بیمہ کی اسکیم انسانی معاشرہ کے لیے مفید اور لائق عمل ہے اگر بیمہ کے نظام کو شریعت اسلامیہ کے احکام کے مطابق نافذ کیا جائے تو اس کی افادیت اور استحسان میں کوئی شبہ نہیں ہے بلکہ یہ عمل اسلامی اخوت اور مصلحت کے قریب تر ہے، لیکن بیمہ کا موجودہ نظام اور طریق کار مستفاد و جمعہ سے اسلامی احکام کے خلاف ہے اس لیے احکام شریعت کے مطابق اس نظام کی تطبیق اور اصلاح کی ضرورت ہے اس سلسلہ میں پہلے ہم بیمہ کے موجودہ نظام کی عریاں بیان کریں گے پھر اس نظام کی تطبیق اور اصلاح کے اصول اور احکام بیان کریں گے فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة بلیق۔

بیمہ کے موجودہ نظام کے شرعی مفاسد ۱۔ بیمہ کمپنی اپنے جس شدہ سرمایہ کو گردش میں رکھنے کے لیے دوسرے

صنعت اور تجارتی اداروں کو سود پر قرض فراہم کرتی ہے اور سود حرام قطعی ہے۔

(۲) - بیمہ کرائے والے کو اگر قرض لینا ہو تو بیمہ کمپنی اس کو بھی سود پر قرض دیتی ہے۔

(۳)۔ بیمہ کرانے والا اگر دو یا تین قسطیں دینے کے بعد باقی اقساط ادا نہ کرے تو اس کی رقم اس کو واپس نہیں دی جاتی اور یہ ظلم اور ناجائز عمل ہے۔

(۴)۔ بیمہ کمپنی مدت پوری ہونے کے بعد بیمہ کرانے والے کو اس کی اصل رقم مع سود کے لوٹاتی ہے، اور سود لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔

(۵)۔ مدت پوری ہونے سے پہلے اگر کوئی شخص طبعی موت مر جائے یا کسی حادثہ میں ہلاک ہو جائے تو اس کو پہلی صورت میں پوری مدت کی رقم اور دوسری صورت میں دگنی رقم دی جاتی ہے اب اس کو اس کی جمع شدہ اقساط سے زائد رقم جو دی جاتی ہے اس کو اگر شرط لازم قرار دیا جائے (جیسا کہ عملاً اسی طرح ہے) تو یہ عقد صحیح نہیں ہے اور اگر اس کو تبرع اور احسان قرار دیا جائے تو یہ واقع کے خلاف ہے۔

(۶)۔ زندگی کا بیمہ کرانے والا اپنے کسی وارث کے نام بیمہ کی رقم نامزد کر دیتا ہے اور وہ رقم مرنے کے بعد اس وارث کو ملتی ہے اور یہ نامزدگی وصیت ہے اور اسلام میں وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ورثہ کے حصص مقرر کر دیے ہیں، اور امام دارقطنی حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں لا وصیۃ لوالہات سلفہ وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔

کیا بیمہ قمار کو مستلزم ہے؟ اکثر علماء نے بیمہ کے ہم جہاد کی یہ وجہ بھی بیان کی ہے کہ بیمہ میں قمار کا دخل ہے، لیکن ہمارے نزدیک بیمہ میں قمار کا دخل نہیں ہے، قمار کی تعریف یہ ہے کہ جس کھیل یا عقد میں دو فریقوں میں سے کسی ایک فریق کو نفع اور دوسرے کو نقصان لازم ہو، ابتداء میں یہ نفع اور نقصان کا ہم ہو لیکن کھیل یا عقد کے اختتام پر نفع اور نقصان معلوم اندیشین ہو جائے اور بیمہ کا طریقہ کار یہ ہے کہ ہر شخص اپنی مقررہ پالیسی کا شلہ سالانہ پرییمیم ادا کرتا ہے اور مدت پوری ہونے کے بعد اس کو اپنی جمع کردہ اقساط کی مجموعی رقم مل جاتی ہے، یہ اس کو ابتداء معلوم ہوتا ہے اس میں کوئی نقصان ہے اور نہ خطبہ بیمہ کمپنی بیمہ کرانے والے سے ہر قسط پر ایک متین رقم بطور چندہ وصول کرتی ہے اور اس چندہ کو ایک امدادی فنڈ میں جمع کر دیا جاتا ہے اس فنڈ سے اس شخص کی مدد کی جاتی ہے جو اقساط کی مدت پوری ہونے سے پہلے فوت ہو جائے اور اس کے نامزد کردہ کو پالیسی کی پوری رقم سے دی جاتی ہے یا جس شخص کی شلہ دکان کسی ناگہانی حادثہ کا شکار ہو گئی تو اس کو بیمہ کی رقم اس فنڈ سے دی جاتی ہے، اب جب بیمہ کرانے والے نے اس فنڈ میں چندہ داخل کر دیا اور مدت پوری ہونے کے بعد اس کو اس کی دی ہوئی مجموعی رقم چندہ وضع کرنے کے بعد ملتی تو اس کو بیمہ کرانے والے کا نقصان نہیں کہا جائے گا اور نہ اس رقم سے بیمہ کمپنی کو کوئی فائدہ حاصل ہوا کیونکہ یہ رقم امدادی فنڈ میں داخل کر دی جاتی ہے، اسی طرح اگر کسی ناگہانی حادثہ کے شکار ہونے والے کو بیمہ کمپنی کوئی رقم ادا کرتی ہے تو اس سے بیمہ کمپنی کو کوئی نقصان نہیں ہوتا کیونکہ کمپنی اپنی جیب سے وہ رقم ادا نہیں کرتی بلکہ امدادی فنڈ سے ادا کرتی ہے اس لیے اس عمل پر قمار اور جوئے کی تعریف صادق نہیں آتی۔

بیمہ کے موجودہ نظام کے لیے قابل عمل اصلاحی ترامیم | یہاں تک کہ ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ بیمہ کے

اس کے بعد ہم یہ جائزہ لیتے ہیں کہ ان خرابیوں کو کس طرح دور کیا جاسکتا ہے۔

(۱)۔ پہلی خرابی ہم نے بزرگ کی تھی کہ بیمہ کمپنی اپنے سرمایہ کو گردش میں رکھنے کے لیے صنعتی اور تجارتی اداروں کو سود پر قرضہ فراہم کرتی ہے، اس کا حل یہ ہے کہ بیمہ کمپنی شریعت اور مضاربت کے اصول پر اپنا سرمایہ لگائے، منقالات سمیدی میں ہم نے بلا سود معیشت کے عنوان سے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے، اس کے علاوہ مختلف کاروباری اداروں کے حصص بھی خریدے جاسکتے ہیں، اور بڑی بڑی عمارتیں بنا کر ان کو کرائے پر دیا جاسکتا ہے۔

(۲)۔ بیمہ کرائے والے کو سود پر قرض نہ دیا جائے۔

(۳)۔ جو شخص دو یا تین قسطیں جمع کر کر باقی اقساط جمع نہ کرے اس کی رقم واپس کر دی جائے، البتہ اس سے دفتری اخراجات وضع کر لیے جائیں۔

(۴)۔ بیمہ کرائے والوں کو بیمہ کمپنی حصہ دار قرار دے اور ان کے سرمایہ کو حصص قرار دے اور ان کے حصص کا جس قدر اوسط منافع بنتا ہے وہ ان کو دے دیا جائے البتہ کمپنی اپنا کمیشن مقرر کر کے اس کو وضع کر سکتی ہے۔

(۵)۔ بیمہ کمپنیوں کو حکومت اپنی تحویل میں لے لے اور یہ جبری قانون بنا دے کہ بیمہ پالیسی پر اتنے فی صد امدادی فنڈ کی رقم کاٹی جائے گی اور اس جمع شدہ فنڈ سے ان بیمہ کرائے والوں کی مدد کی جائے گی جو کسی ناگہانی حادثہ کا شکار ہو جائیں یا کبھی پالیسی کی مدت پوری کرنے سے پہلے فوت ہو جائیں، لوگوں کی فلاح اور بہبود کے لیے حکومت ایسا قانون بنا سکتی ہے، کیونکہ امداد فنڈ میں چندہ دینا ہر چند کہ مستحب ہے اور فی نفسہ واجب نہیں لیکن قاعدہ یہ ہے کہ امام اگر کسی مباح کام کا بھی حکم دے تو وہ واجب ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں کی فلاح کے لیے حکومت کسی امر مباح کو واجب کر سکتی ہے | علامہ شامی لکھتے ہیں:

اذا امر الامام بالصيام في غير الايام المنهية وجب لما قدمناه في باب العيد من ان طاعة الامام فيما ليس بمعصية واجبة له

جب امام (اسلامی حکومت کا سربراہ) ایام منومہ کے علاوہ کسی دن میں روزہ رکھنے کا حکم دے تو اس دن روزہ رکھنا واجب ہے، کیونکہ ہم باب العید میں بیان کر چکے ہیں کہ غیر معصیت میں امام کی اطاعت واجب ہے۔

اور باب العید میں علامہ شامی لکھتے ہیں:

فوجب عليه متابعتهم وتولاه رأيهم برأي الامام لقوله عليه الصلوة والسلام انما جعل الامام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه فعملهم

نماز کے امام پر سربراہ مملکت کی اطاعت کرنا واجب ہے اس پر لازم ہے کہ وہ سربراہ مملکت کی رائے کے مقابلہ میں اپنے امام مجتہد کی رائے کو ترک کر دے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انما جعل الامام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه فعملهم"

یظہر خطئہ بیقین کان اتباعاً واجباً۔^۱

علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کسی شخص کو امام (سربراہ مملکت) اس لیے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے سو تم اس کی رائے سے اختلاف نہ کرو! لہذا جب تک سربراہ مملکت کی رائے کا یقینی طور پر غلط ہونا ظاہر نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی اتباع کرنا واجب ہے۔

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر الرضائی لکھتے ہیں:

واما النواصب فان لا مريد بهما ما يكون بحق ككوى النهر المشترك واجرا الحاء و المؤظف لتجهيز الجيش و فداء الامامى وغيرها جازات الكفالة بها على الاتفاق به

جائز اور صحیح کاموں کے لیے حکومت کا ہنگامی ٹیکس وصول کرنا بالاتفاق صحیح ہے مثلاً کسی مشترک نہر کو کھودنا مقصود ہو یا پولیس کو تنخواہیں دینا ہوں، یا لشکر تیار کرنے کے لیے فوج کو تنخواہیں دینا ہوں، یا مسلمان قیدیوں کو چھڑانا ہوا وغیرہ، ان ٹیکسوں کی ادائیگی میں ایک شخص کا دوسرے کی طرف سے ضامن بننا بالاتفاق صحیح ہے۔

علامہ باری اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

والضمان فيه جائز بالاتفاق لوجوب ادائه على كل مسلم اوجبه الامام عليه لوجوب طاعته فيما يجب النظر للمسلمين۔^۲

ان ٹیکسوں کی ادائیگی کی ضمانت دینا بالاتفاق جائز ہے، کیونکہ جن ٹیکسوں کا ادا کرنا امام (اسلامی حاکم) نے واجب قرار دیا ہوا اس کا ادا کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے، کیونکہ مسلمانوں کا خیر خواہی میں حکمران کی اطاعت کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

ابو حامد ابن ہمام لکھتے ہیں:

لانها واجبة على كل مسلم موسر بايجاب طاعة ولي الامر فيها فيه مصلحة للمسلمين۔^۳

کیونکہ ان ناگہانی ٹیکسوں کا ہر خوشحال مسلمان پر ادا کرنا واجب ہے کیونکہ جن کاموں میں مسلمانوں کی مصلحت ہو ان میں حکمران کی اطاعت کرنا واجب ہے۔

علامہ ابو الحسن الرضائی نے حکومت کے ٹیکس تین قسم کے بیان کیے ہیں، ایک وہ ٹیکس ہیں جو معمول کے مطابق ہوں، جن کو حکومت ہر ماہ یا ہر تین ماہ کے بعد وصول کرتی ہے اس کو ”قسمتہ“ کہتے ہیں دوسرے ”نواصب“ ہیں جو

۱۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار ج ۱ ص ۷۸۰، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

۲۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر الرضائی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ افیرین ص ۱۲۵، مطبوعہ شرکتہ علمیہ لبنان

۳۔ علامہ محمد بن محمود باری متوفی ۷۸۲ھ، عنایہ علی ایش فتح القدیر ج ۲ ص ۳۳۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۴۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۲ ص ۳۳۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

حکومت کسی جائز مقصد کے لیے ہنگامی بنیاد پر وصول کرتی ہے، ان دونوں ٹیکسوں کو ادا کرنا واجب ہے اور ایک وہ ٹیکس ہیں جن کو حکومت ظلماً وصول کرتی ہے ان کو مجایات کہتے ہیں مثلاً حکومت کسی مزدور کی اجرت پر ٹیکس عائد کر دے، ان کی ادائیگی کی ضمانت میں فقہاء کا اختلاف ہے، فقہ الاسلام امام بزدوی نے ان کی ادائیگی کی کفالت کو بھی صحیح قرار دیا ہے۔ ۱۔
بہ حال فقہاء احناف کی ان عبارات سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر حکومت مسلمانوں کی غیر خواہی کے لیے کوئی ٹیکس لگا۔ ۲۔
اس کا ادا کرنا واجب ہے اور اس کا غامن ہونا بالاتفاق صحیح ہے، علیٰ ہذا القیاس اگر حکومت یہ قانون بنائے کہ ہر ہجیرہ دار پر اپنی پالیسی کے تناسب سے اتنے فی صد رقم بطور چندہ امدادی فنڈ میں جمع کرنا واجب ہے اور اس فنڈ سے ان ہجیرہ داروں کی امداد کرنا واجب ہے جو کسی ناگہانی حادثہ کا شکار ہو گئے ہوں تو یہ قانون شریعت اسلام کی روشنی میں جائز اور صحیح ہو گا اور اب نقصان زدہ ہجیرہ دار کا ہجیرہ کی رقم حاصل کرنا تبرع اور احسان نہیں ہو گا بلکہ یہ اس کا قانونی حق ہو گا جس کو وہ عدالت کے ذریعہ بھی حاصل کر سکے گا۔

(۶)۔ زندگی کا ہجیرہ کرنے والا ہجیرہ کی رقم کی ملکیت کے لیے کسی شخص کو نامزد نہ کرے، بلکہ عدالت کے کسی جج یا درجہ اول کے مجسٹریٹ کو ہجیرہ کی رقم کی وصولیائی اور کے درمیان میں تقسیم کے لیے نامزد کرے، اور جب ہجیرہ کی رقم تمام وارثین میں تقسیم کی جائے گی تو ادب بہت سے جرائم اور خطرات کم ہو جائیں گے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس شخص کو ہجیرہ کی رقم کی ملکیت کے لیے نامزد کیا جاتا ہے وہی شخص بالآخر ہجیرہ کرنے والے کو ہلاک کر دیتا ہے تاکہ اس کے مرنے کے بعد وہ رقم اس کو مل جائے۔

بایمھی تعاون اور دوسروں کا بوجھ اٹھانے کی ہدایات سے ہجیرہ پر استدلال ناگہانی نقصان اٹھانے والے تاجروں کی مدد کی جاتی ہے، اور ایک ہجیرہ دار کے نقصان کے بار کو تمام ہجیرہ داروں پر اس طرح پھیلا دیا جاتا ہے کہ اس برادری کا ہر فرد ایک خفیت سی قربانی دے کر تمام شرکاء کے لیے مال تحفظ فراہم کرتا ہے، یہ مقصد قرآن اور سنت کی تعلیمات کے مین مطابق ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

بیکسی اور خدا غنی میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور سرکشی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

اور جو کچھ بھی ان کو دیا جائے وہ اپنے دلوں میں اس کی کوئی حاجت محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ ان کو خود سخت ضرورت ہو، اور جو لگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی علاج پانے والے ہیں۔

وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ (مائیدہ ۲)

ولا یجدون فی صدورهم حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة ط ومن یوق شحم نفسه فاولعق ہم المفلحون۔

(حشر ۹)

اہم بخاری روایت کرتے ہیں۔

حضرت البرہرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ

عليه وسلم انا اولي بالمؤمنين من انفسهم فمن
مات وترك مالا فماله لموالي العصابة
ومن ترك كالا او ضياعا فانا وليه
فلا دهر له . ر . ه

صل اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں پر ان کے نفوس سے زیادہ
میراثی ہے۔ سو جو شخص مال چھوڑ کر مرے گا وہ مال اس کے
وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ جو شخص نادار یتیم بچے اور
نفسان چھوڑ کر مرا تو اس کا ولی میں ہوں اس کے لیے مجھے
بلا یا جائے۔

اس حدیث میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ یتیم بچوں کی کفالت اور مرنے والے کے نفقہ کی تلافی کرنا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے اور کاروباری اور عوامی اور زندگی کا بچہ اس نفقہ کی تلافی اور کفالت کی ایک عملی صورت ہے۔ نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه
وسلم قال أنا أولى بالمؤمنين من أنفسهم
فمن مات وعليه دين ولوي ترك وفاء
فعلينا قصاء ٤ ومن ترك ما افلورثته ٥

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں پر اس کے نفوس سے زیادہ میرا حق ہے، سو جو شخص قرض چھوڑ کر مرا اعدا اس کو ادا کرنے کے لیے اس کے پاس مال نہیں تھا تو اس قرض کو ادا کرنا ہم پر لازم ہے اور جو شخص مال چھوڑ کر مرا وہ اس کے وارثوں کا ہے۔

شیخ عبدالحی کثافی لکھتے ہیں:

وفي سنن أبي داود والبيهقي عن عبد الله
 الهوناني قال لقيت بلالاً بحلب فقلت يا
 بلال حدثني كيف كانت نفقة رسول الله صلى
 الله عليه وسلم قال ما كان له شيء وكنت
 أنا الذي إلى ذلك منه منذ بعثه الله حتى
 توفي وكان عليه السلام إذا أتاه الإنسان
 مسلماً يراه عليه السلام يا مرفي فأنطلق فاستقرض
 فاشتري له البردة فأكسوه وأطعمه وروى
 ابن المنذر في الأشراف في كتاب النفقات
 بسنده عن مسروق عن عبد الله عن النبي
 صلى الله عليه وسلم قال انفق بلال ولا تخش

سنن ابوداؤد اور بیہقی میں عبداللہ ہوزنی سے روایت ہے کہ میری طلب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، میں نے کہا: اے بلال! یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات کی کیا کیفیت تھی؟ حضرت بلال نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز نہ تھی اور بعثت سے لے کر وفات تک آپ کے تمام اخراجات کی یہی نگرانی کرتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مسلمان کو برہنہ دیکھتے تو آپ مجھے حکم دیتے اور میں جا کر کسی شخص سے قرعہ لیتا پھر اس رقم سے کپڑے خرید کر اس کو پہناتا اور کھانا خرید کر اس کو کھلاتا اور ان مندر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ

۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۹-۹۹۸، مطبوعہ دار محمد صالح المنجد کراچی، ۱۳۸۱ھ

طے " " صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۷ " "

من ذی العرش اقلاداً رلہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا اسے بلال
خروج کرو اور عرش دانے پر بھروسہ کر کے تنگی سے نہ ڈرو۔

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

قال الثلث والثلث کثیرا لک ان تدع

در ثلث اغنیاء و خیر من ان تدعهم عالت
یتکفون الناس فی ایدیمہ۔ رلہ

تم نے اپنے دشمن کو خوشحال چھوڑا تو یہ اس سے بہتر ہے
کہ تم ان کو تنگ دست چھوڑو اور وہ لوگوں کے آگے آتے
پھیلاتے رہیں۔

مذکورہ صدر احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دوسرے تنگ دست اور مفلوک الحال مسلمانوں کی غیر گیری رکھنا یا ست
کا بھی ذمہ داری ہے اور عام مسلمانوں کا بھی فریضہ ہے اور ایک مسلمان پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنے پس ماندگان کو خوشحال
چھوڑنے کی تدبیر کرے اور بیمہ کی تمام صورتیں جو اعلیٰ و باہمی کے اصول پر مبنی ہیں ان کی اصل اور اساس یہی احادیث ہیں۔

قتل خطا کی دیت سے بیمہ کے جواز پر استدلال جیسا کہ ہم نے شروع میں لکھا تھا کہ اسلام میں دیت
کا حکم بیمہ کی اصل اور اساس ہے، اب ہم قرآن مجید

احادیث اور فقہاء اسلام کی عبارات کی روشنی میں دیت کے احکام بیان کریں گے جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ بیمہ کا نظریہ
دیت کے حکم سے انتہائی مماثل ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ومن قتل مؤمناً خطأ فتحريره رقبة مؤمنة
ودیۃ مسلمۃ الی اہلہ الا ان یصدقوا فان
کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن فتحريره
رقبة مؤمنة وان کان من قوم بینکم و
بینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اہلہ و
تحريره رقبۃ مؤمنۃ فمن لم يجد فصیام
شھر بن متینا بعین توبۃ من اللہ وکان
اللہ علیہما حکیمًا۔ (نساء: ۹۲)

اور جس شخص نے کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دیا، تو اس پر ایک
مسلمان گردن (غلام یا باندی) کا آزاد کرنا لازم ہے اور دیت کا ادا
کرنا لازم ہے جو اس کے وارثوں کو دی جائے گی، الا یہ کہ وہ معاف
کر دیں پھر اگر وہ قاتل اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے لہذا مختلف مسلمان ہونے
اس پر ایک مسلمان گردن کا آزاد کرنا لازم ہے یا وہ قاتل اس قوم سے ہو جس کے ساتھ قبائ
معاہدہ ہے تو اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے اور
ایک مسلمان گردن کو آزاد کیا جائے اور جس شخص کو (غلام
یا باندی) نہ ملے تو اس پر بطور توبہ مسلسل دو ماہ کے روزے
لازم ہیں اور اللہ بہت جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت میں قتل خطا پر دیت لازم کی ہے اور دیت کی مقدار کا بیان اس حدیث میں ہے:

دیت کی مقدار امام محمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

۱۔ شیخ عبدالحی کتانی السراجیب الاداریہ (تظام المحکمۃ النبویہ) ج ۱ ص ۴۲۲، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت

۲۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۳، مطبوعہ دار محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال
على اهل الورق من الدية عشرة آلاف درهم
وعلى اهل الذهب الف دينار وعلى اهل البقر
مائتا بقرة وعلى اهل الابل مائة من الابل
وعلى اهل الغنم الفاشاة وعلى اهل الحلل
مائتا حلة قال محمد وبغذا كله نأخذ
وكان ابو حنيفة يأخذ من ذلك بالابل
والدراهم والدنانير.

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا چاندی دلوں
پر دس ہزار درہم (۳۰۶۱۸ کلوگرام چاندی) دیت ہے اور
سونے والوں پر ایک ہزار دینار (۶۳۴۲ کلوگرام سونا) دیت
ہے اور گائے والوں پر دو سو گائیں دیت ہے اور اونٹ
والوں پر سو اونٹ دیت ہے اور بکریوں والوں پر دو ہزار
بکریاں دیت ہے اور حملے (ایک قسم کی دو چاندی)
والوں پر دو سو حملے دیت ہے، امام محمد کہتے ہیں ہمارے
نزدیک ان تمام اجناس سے دیت ہو سکتی ہے اور امام ابو حنیفہ
ان میں سے صرف اونٹ، درہم اور دینار کا دیت میں اعتبار
کرتے ہیں۔

اس حدیث میں دیت کی مقدار بیان کی گئی ہے اور دوسری احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دیت قاتل کی عاقلہ یعنی
عصبات (باپ کی طرف سے رشتہ داروں) پر لازم ہوتی ہے،
عاقلہ کا مصداق امام عبدالرزاق اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن المغيرة بن شعبه قال: قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم المرأة يعقلها عضبتها
ويورثها بنوها.

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی دیت
اس کے عصبات ادا کریں گے اور اس کی اولاد اس کی وارث
ہوگی۔

حافظ ابی ہشام طبرانی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

عن ابی المليح عن ابیہ قضی رسول الله
صلى الله عليه وسلم ان ميراث المرأة لزوجها
وولدها وان العقل على عصبة القاتل.

ابو الملیح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ عورت کی میراث
اس کے خاوند اور اس کی اولاد کو ملے گی اور قاتل کرنے والی
عورت کی دیت اس کے عصبات پر لازم ہے۔

اور بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کی ادائیگی کے امر کو پورے قبیلہ
اور گروہ پر پھیلا دیا ہے۔ امام ابن ابی شیبہ اپنے سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

۱۔ امام محمد بن حسن شیبانی مترقی ۱۸۹ء، کتاب الامتہ ص ۱۲۰، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۷ھ

۲۔ امام عبدالرزاق بن ہمام مترقی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۹ ص ۳۹۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

۳۔ حافظ زوالدین علی بن ابی بکر الہیثمی مترقی ۸۱۱ھ، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۰۰، مطبوعہ دار الکتب العربی، ۱۴۰۲ھ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے لیے ایک تحریر لکھوائی کہ مہاجرین اور انصار اپنی اپنی دیت ادا کریں اور دستور کے مطابق اپنے اپنے قیدی چھڑائیں اور مسلمانوں کا آپس میں صلح کرائیں۔

شعبی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی دیت قریش پر مقرر کی اور انصار کی دیت انصار پر مقرر کی۔

ابراہیم کہتے ہیں کہ بیت کا ادا کرنا ان پر لازم ہے جن کو بیت المال سے وظیفہ ملتا ہو۔

حکم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر پہلے وہ شخص تھے جنہوں نے عام لوگوں کی سبائے لڑنے والے سارے افراد پر دس دس حدیم حیات مقرر کی۔

ان احادیث اور آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ قتلِ خطا میں مقتول کی دہشتِ قاتل کی حاکمہ پر لازم آتی ہے اور حاکمہ میں قاتل کے عصبیات اس کے منشاد اور اس کی برادری اور گروہ کے تمام لوگ شامل ہیں جو اس اثر سے وقت میں اس کے کام آتے ہیں۔
علامہ المرغینانی حنفی لکھتے ہیں :

اگر قاتل اہل دیران میں سے ہو تو اس کی عاقبت اہل
دیران ہیں، ان کے وظیفوں میں سے تین سال میں دیت
کو وضع کیا جائے گا، اہل دیران وہ فرجی ہیں جن کو بھندے
دیے جاتے ہیں اور وظیفوں کے رجسٹروں میں ان کا نام
لکھا ہوا ہوتا ہے۔ یہ ہمارا موقت ہے، اور امام شافعی
کے نزدیک عاقبت قاتل کا قبیلہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی معمول تھا، اور اس کے بعد

۱۔ امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۹ ص ۲۱۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

المعروف " " " المعنف ج ١ ص ٢١٩ " " " "

٢٦١ ج ٩ ص ٢٦١ ، " . " " ،

[illegible]

بعده ولانہ صلتہ والاولیٰ بہا الاقارب
ولنا قضیۃ عمر رضی اللہ عنہ فانہ لما
دون الدواوین جعل العقل علی اہل الدیوان
وکان ذلک لمحضر من الصحابۃ رضی اللہ
عنہم من غیر نکیح منہم و لیس ذلک
بنفسہ بل هو تقریر معنی لان العقل
کان علی اہل النصرة وقد کانت بانواع
بالقرابة والحلف والولاء والعدو فی عہد
عمر رضی اللہ عنہ قد صارت بالدیوان
فجعلہ علی اہلہ اتباعاً للمعنی ولهذا
قالوا لو کان الیوم تناصرہم بالحرف
فما قلتہم اہل الحرفۃ وان کان بالحلف
فماہلہ والدیۃ صلتہ کما قال لکن
ایجابہا فیما ہو صلتہ وهو العطاء
اولیٰ منہ فی اصول اموالہم والتقدیر
بثلاث سنین مروی عن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم ومحکی عن عمر رضی اللہ عنہ
ولان الاخذ من العطاء للتخفیف
والعطاء ینخرج فی کل سنۃ مودۃ راع

یہ عمل منسوخ نہیں ہوا، نیز دیت کی ادائیگی صلہ رحمی ہے اور
اس کا تعلق رشتہ داروں سے زیادہ مناسب ہے اور
ہماری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ ہے کہ جب
انہوں نے رجسٹر کر کے قرضوں کے اہل دیوان پر دیت
مقرر کی، حضرت عمر نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے
یہ فیصلہ کیا اور کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا، اور یہ
مقررہ عہد رسالت کے لیے ناسخ نہیں ہے بلکہ اس کا مود
اور جو کہ ہے، کیونکہ دیت قاتل کی حمایت اور نصرت کرنے
والوں پر مقرر کی جاتی ہے اور حمایت اور نصرت رشتہ داروں
سے بھی ہوتی ہے، حلف اٹھانے سے بھی ہوتی ہے
ولاء سے بھی ہوتی ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے
عہد میں اہل دیوان آپس میں ایک دوسرے کی حمایت کرتے
تھے، اسی وجہ سے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اگر اس زمانہ
میں ہم پیشہ ہرنے کی وجہ سے حمایت اور نصرت کرنے
گئے تو پھر قاتل کی عاقبت اس کے ہم پیشہ لوگ ہوں گے۔
(جیسا کہ آج کل دہرائی، موچی اور گوالوں وغیرہ کو ایک برادری
سمجھا جاتا ہے) اور اگر حلف اٹھانے سے حمایت
اور نصرت ہو تو پھر حلف اٹھانے والے عاقلہ قرار پائیں گے
اور ہر چند کہ دیت صلہ رحمی ہے لیکن جو لوگ وظیفہ لیتے
ہوں ان پر دیت مقرر کرنے میں زیادہ صلہ رحمی ہے،
اور تین سال کی مدت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر
سے منقول ہے اور وظیفوں سے دیت کی رقم وضع
کرنے میں تخفیف ہے اور وظیفہ سال میں ایک بار
ملا ہے۔

عاقلہ پر دیت مقرر کرنے کی حکمت | مقتول کی دیت قاتل کی عاقبت پر مقرر کرنے کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے
علامہ شمس الامین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
محلک بن مالک بن نابذ روایت کرتے ہیں کہ دو عورتیں آپس میں لڑی ایک عورت نے دوسری عورت کے پیٹ

۱۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی کبیر رشتائی متوفی ۵۹۳ھ، دہلی اخیرین ص ۶۶۶-۶۶۵، مطبوعہ مکتبہ شریعت علیہ السلام

پرخیمہ کی چوب مادی جس سے اس کے پیٹ سے مردہ بچہ نکلا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مارنے والی عورت کے در ثامہ سے فرمایا اس بچہ کی دیت ادا کرو، الحمد سیف (علامہ غسی سمجھتے ہیں) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ دیت قاتل کی عاقلہ پر واجب ہے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ قاتل کسی شخص کو قتل کرنے کی جرأت اور ہمت اس وقت کرتا ہے جب اس کو یہ اعتماد ہو کہ اس کی پشت پر اس کے مددگار اور حمایتی موجود ہیں اور اس مدد اور حمایت کے کئی اسباب ہوتے ہیں ایک سبب یہ ہے کہ قاتل اہل دیوان کے گروہ کا ایک فرد ہوتا ہے، دوسرا سبب یہ ہے کہ قاتل ایک قبیلہ کا فرد ہوتا ہے تیسرا سبب یہ ہے کہ وہ ایک محلہ کا فرد ہوتا ہے چوتھا سبب یہ ہے کہ وہ اپنے ہم پیشہ لوگوں کا ایک فرد ہوتا ہے، اور قاتل کو یہ اعتماد ہوتا ہے کہ اس کی پشت پر اس کے اہل دیوان یا اس کا قبیلہ یا اس کا محلہ یا اس کے ہم پیشہ برادری کے لوگ موجود ہیں جو اس کی حمایت اور مدد کریں گے، اسی وجہ سے مال کی ادائیگی ان پر لازم کی گئی ہے تاکہ وہ اپنی برادری کے کسی احمق شخص کو اس حماقت سے باز رکھیں اور اگر وہ کسی کو قتل کرنے کا پروگرام بنائے تو اس کو روکیں، تاکہ قتل شبہ عمدہ اور قتل خطا کا از نکاب نہ ہو سکے، کیونکہ قتل ایسا عظیم جرم ہے پر وہابی سے یا بنیز ارادہ کے بہت کم ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں انسان لا پرواہی اسی وقت برتے گا جب اسے اپنی پشت پر کسی قوت کی مدد کا بھروسہ ہو، اور لا پرواہی کے نتیجے ہی میں قتل خطا کا تحقق ہوتا ہے، اور دیت ایک بہت بڑی مالی مقدار ہے اگر یہ تمام مقدار قاتل پر واجب کر دی جائے تو قاتل برباد ہو جائے گا۔ اس وجہ سے شریعت قاتل کی عاقلہ پر دیت واجب کی ہے تاکہ قاتل کو بربادی کے خطرے سے بچا یا جاسکے جس طرح صلہ رحمی کی وجہ سے رشتہ داروں پر ضرر کے وقت نفقہ واجب کیا ہے، اسی وجہ سے ان پر قتل مقدار میں قسط وار دیت واجب کی ہے تاکہ ہر شخص آسانی اور سہولت کے ساتھ وہ قسط ادا کر سکے، نیز ہر شخص اس بات سے ڈرے گا کہ اگر اس نے کسی شخص کو خطا قتل کر دیا تو اسے بھی اپنے رشتہ داروں کی مدد کی ضرورت ہوگی اس لیے اگر آج وہ کسی کی دیت ادا کرے گا تو کل کوئی اس کی دیت ادا کرے گا، اس لیے ہر شخص قاتل کو بربادی کے نقصان سے بچنے کے لیے مدد کرے گا اور قاتل کا عمل رائیگاں چلے جانے سے بچ جائے گا، اس سے یہ بھی معلوم کیا کہ عاقلہ پر دیت ڈالنا صلہ رحمی، اہل دیوان اور مصیبت میں ایک دوسرے کے کام آنے کی بناء پر ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک شخص کی غلطی کی سزا دوسرے شخص کو دی جائے یہ

بیمہ کے مسئلہ میں حرف آخر | دیت کے مسئلہ میں ہم نے جن نکات کو قرآن مجید، احادیث اور فقہاء اسلام کی عبارات کا روشنی میں بیان کیا ہے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

- (۱)۔ قتل خطا میں دیت لازم آتی ہے۔
- (۲)۔ دیت کی مقدار سوا دینار، ایک ہزار دینار (۳۷۴ ع ۴ کلو سونا) یا دس ہزار درہم (۳۰۲۶۱۸ کلو چاندی) ہے۔
- (۳)۔ دیت کو تین سال میں قسط وار ادا کرنا قاتل کی عاقلہ پر لازم ہے۔
- (۴)۔ عاقلہ سے مراد قاتل کے حمایتی اور مددگار ہیں، یہ اس کے اہل قبیلہ، اہل محلہ اور اہل صنعت و حرفت ہو سکتے ہیں۔
- (۵)۔ قاتل کی عاقلہ پر دیت کا وجوب صلہ رحمی، اہل دیوان اور مصیبت کے وقت ایک دوسرے کے کام آنے کی

بنیاد پر ہے تاکہ قابل کو بر باد ہونے کے خطر سے بچا یا جاسکے۔
 بالکل یہی صورت حال بیمہ میں بھی درپیش ہے ایک بیمہ کمپنی کے تمام بیمہ دار بمنزلہ عاقلہ ہیں اور جب کوئی بیمہ دار
 کسی حادثہ کا شکار ہو جائے مثلاً اس کا جہاز ڈوب جائے یا اس کی دکان جل جائے یا وہ کسی گاڑی کے نیچے آکر کام کاج
 کے قابل نہ رہے تو اس کو بر بادی کے خطر سے بچانے کے لیے تمام بیمہ دعوں کو مل کر امداد باہمی اور معیشت میں کسی
 کے کام آنے کے جذبہ سے اس کے نقصان کی تلافی کرنی چاہیے اسی جذبہ سے ہر بیمہ دار کو امدادی فنڈ میں چندہ جمع کرانا
 چاہیے تاکہ برکتِ خیریت سے کسی بیمہ دار کے ناگہانی نقصان کی تلافی کی جاسکے۔

ہم نے بیمہ کے جواز پر جو دلائل دیے ہیں وہ بیمہ کی اصولی بحث سے متعلق ہیں باقی رہا بیمہ کمپنیوں کا موجودہ نظام
 سودہ متعدد وجہ سے ناجائز اور فاسد ہے جیسا کہ ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس کی اصلاح کے لیے
 تجاویز بھی پیش کی ہیں۔ اللہ العالمین میں نے بیمہ کے متعلق یہ جو کچھ لکھا ہے اگر یہ حق و صواب ہے تو یہ آپ کی تائید و توثیق
 سے ہے اور آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر عنایت سے ہے اور اگر یہ غلط اور فاسد ہے تو یہ میرے
 مطالعہ کا نقص اور میری فہم کی کوتاہی ہے آپ اور آپ کا رسول اس سے بری ہیں۔ رب العالمین! مجھے اس کتاب کو مکمل
 کرنے کی رحمت اور توفیق دے، مجھے دین پر استقامت عطا فرما، اور اس کتاب کو قبول فرما، اور اس کو قبولیت عامہ
 اور بقاء و علم عطا فرما، اللہ العالمین ہمارا ایمان پر خاتمہ کلمہ آخرت میں اپنی رحمت اور بخشش اور اسے حبیب اکرم صلی
 اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے نواز۔ واخو معونا ان الحمد للہ رب العالمین والصلاة والسلام علی محمد خاتم النبیین
 المرسلین اول الشافعیین والمشفعین وعلیٰ الواصلین واصحابہ وازواجہ وذریئہ واولیاء امتہ وعلماہ صلتہ اجمعین۔

بَابُ الْحَيْلِ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

برکت مرکوز ہوتا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں
 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑوں کی پیشانیوں
 میں قیامت تک کے لیے برکت رکھ دی گئی ہے۔

امام مسلم نے اس حدیث کی پانچ سندیں ذکر کی ہیں۔

۳۷۳۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ
 عَلَى مَالِكٍ عَنْ ثَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحَيْلُ فِي نَوَاصِيهَا
 الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

۳۷۳۱۔ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ دُرَيْمٍ عَنِ
 اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
 حَدَّثَنَا هَرُونَ بْنُ مُسْهِرٍ وَعَبِيدُ اللَّهِ بْنُ مُنَبِّهٍ وَحَدَّثَنَا
 ابْنُ مُنَبِّهٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَزْمٍ وَحَدَّثَنَا هُبَيْرُ بْنُ
 سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ كَثْمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ
 هُرُونَ عَنْ سَعِيدِ الْأَيْمِيِّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ

حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أَسَامَةَ كُلُّهُمْ عَنْ تَائِفٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ
عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ
مَالِكٍ عَنْ تَائِفٍ -

۴۳۲ - وَحَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضِيُّ
وَصَلِحُ بْنُ حَاتِمٍ ابْنُ وَرْدَانَ جَمِيعًا عَنْ يَزِيدَ قَالَ
الْجَهْضِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَّارٍ حَدَّثَنَا يُونُسُ
بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عُمَرَ وَبْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي ثَرْوَةَ
عَنْ جَوْنٍ عَنْ جَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ
رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلُوحِي
نَاصِيَةً فَمِنْ يَأْصِغِيهِ وَهُوَ يَقُولُ الْخَيْلُ
مَعْقُودَةٌ يَنْوَأُ صَنِهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ
الْأَجْرُ وَالْمَغْنَمُ -

۴۳۳ - وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا
إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي
شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ كِلَاهُمَا عَنْ
يُونُسَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ -

۴۳۴ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ لُمَيْزٍ
حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا زَكْرِيَّا عَنْ عَامِرٍ عَنْ عُرْوَةَ
الْبَارِقِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
الْخَيْلُ مَعْقُودَةٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ
الْأَجْرُ وَالْمَغْنَمُ -

۴۳۵ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
حَدَّثَنَا ابْنُ فَضِيلٍ وَأَبْنُ إِدْرِيسَ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ
الشَّعْبِيِّ عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَيْرُ مَعْقُودٌ يَنْوَأُ صِي
الْخَيْلِ قَالَ فَقِيلَ لِمَا يَا رَسُولَ اللَّهِ بِهَذَا كَ
كَانَ الْأَجْرُ وَالْمَغْنَمُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ -

۴۳۶ - وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا
جَوْنُ بْنُ جَوْنٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَغَيْرُهُمَا قَالَ

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلیوں سے
گھوڑے کی پیشانی کے بال مل رہے تھے، اور فرماتے
تھے کہ خیر اور برکت قیامت تک کے لیے گھوڑے
کی پیشانی میں مرکوز ہے، یعنی اجر اور غنیمت۔

امام مسلم نے اس حدیث کی دو سندیں ذکر کیں۔

حضرت عروہ باریقی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر مرکوز ہے،
کی پیشانی میں مرکوز ہے، یعنی اجر اور غنیمت۔

حضرت عروہ باریقی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر مرکوز ہے،
آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ
نے فرمایا قیامت تک اجر اور غنیمت۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند ذکر کی ہے۔

عُرْوَةَ بْنِ الْجَعْدِ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَخَلْفُ بْنُ
مِشَاءٍ وَابْنُ بَكْرِ بْنِ أَبِي شَيْبَةَ جَمِيعًا عَنْ أَبِي
الْأَحْوَصِ ح وَحَدَّثَنَا اسْمَعِيلُ بْنُ إِسْرَاهِيمَ وَابْنُ
أَبِي عُمَرَ كِلَاهُمَا عَنْ سُفْيَانَ جَمِيعًا عَنْ شَيْبَةَ بْنِ
عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَذْكُرَا الْجَدَّ وَالْمَغْنَمَ وَفِي حَدِيثِ
سُفْيَانَ سَمِعَ عُرْوَةَ الْبَارِقِيَّ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

امام مسلم نے حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ کی نبی صلی اللہ
علیہ وسلم سے ایک اور روایت کی سند بیان کی۔

۴۴۲۸ - وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا
أَبِي ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا
مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ كِلَاهُمَا عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي
إِسْمَاعِيلَ عَنْ الْأَعْمَرِ بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ عُمَرَ وَكَانَ
الْجَعْدُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا
وَلَمْ يَذْكُرَا الْجَدَّ وَالْمَغْنَمَ -

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند ذکر کی اس میں
ابو اور غنیمت کا ذکر نہیں ہے۔

۴۴۳۹ - وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا
أَبِي ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا
حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ كِلَاهُمَا عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي
الْتَّيَّارِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَرَكَةُ فِي نَوَاصِي
الْخَيْلِ -

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برکت گھوڑوں کی
پیشانی میں ہے۔

۴۴۴۰ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ حَدَّثَنَا
عَالِدٌ (يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ) ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ
ابْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَا حَدَّثَنَا
شُعْبَةُ عَنْ أَبِي الْتَّيَّارِ سَمِعَ أَنَسًا يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ -

امام مسلم نے کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس
حدیث کی شکل مروی ہے۔

ف: ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام دین سے قتال اور جہاد کرنے کے لیے گھوڑوں کو رکھنا مستحب ہے اور
ان کی نفیست اور ان کی خیر اور ان کے ذریعہ جہاد قیامت تک باقی رہے گا، بعض احادیث میں ہے کہ کبھی گھوڑوں میں
محروست بھی ہوتی ہے اس سے وہ گھوڑے مراد ہیں جن کو جہاد کے لیے نہ رکھا ہو، بعض احادیث میں ہے کہ گھوڑے

کی تین اقسام ہیں ایک گھوڑا ابر ہوتا ہے، دوسرا ستر ہے اور تیسرا گناہ اور بوجھ ہوتا ہے، اس کی تشریح یہ ہے کہ جو گھوڑا جہاد کے لیے ہودہ ابر ہوتا ہے اور ہر اپنے آرام اور دنیاوی کاموں کے لیے ہودہ ستر ہوتا ہے اور جو گھوڑا اریا کلا اور نام و نمود کے لیے ہودہ گناہ کا باعث ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں گھوڑے سے مراد مطلقاً جہاد کی ساری ہر عواہ وہ گھوڑا ہو یا کوئی اور چیز، اس صورت میں فوجی ٹرک، فوجی جیپ، فوجی طیارے اور فوجی بحری جہاز وغیرہ بھی قیامت تک کے لیے خیر اور برکت کا مکمل قرار پائیں گے۔

بَابُ مَا يَكْرَهُ مِنْ صِفَاتِ الْخَيْلِ

گھوڑے کی بُری قسمیں کون سی ہیں؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشکل گھوڑے کو ناپسند کرتے تھے۔

۴۴۲۱ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَابُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ حَزْظٍ وَابُو كُرَيْبٍ وَكَانَ يَحْيَى أَخْبَرَنَا قَالَ الْأَعْمَرِيُّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ الْإِسْكَالَ مِنَ الْخَيْلِ.

عبدالرزاق بیان کرتے ہیں کہ جس گھوڑے کا داہنا پاؤں اور بائیں ہاتھ سفید ہو یا ہاتھ اور بائیں پاؤں سفید ہو وہ گھوڑا اشکل ہوتا ہے۔

۴۴۲۲ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُسَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبِي وَحَدَّثَنَا ثَعْلَبَةُ بْنُ يَسِيرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ جَمِيعًا عَنْ سُفْيَانَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ وَمَا أَذَى حَدِيثِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ وَالثَّعْلَبِيِّ أَنَّ يَكُونُ الْفَرَسُ فِي سِرْجِيلِهِ الْيَمْنِيِّ بَيَاضٌ وَفِي يَدِيهِ الْيَسْرَى أَوْ فِي سِرْجِيلِهِ الْيَمْنِيِّ وَفِي سِرْجِيلِهِ الْيَسْرَى.

ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل مروی ہے۔

۴۴۲۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رِيعٍ ابْنُ جَعْفَرٍ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا ثَعْلَبَةُ بْنُ يَسِيرٍ جَمِيعًا عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ الْإِسْكَالَ مِنَ الْخَيْلِ وَفِي سِرْجِيلِهِ الْيَمْنِيِّ بَيَاضٌ وَفِي يَدِيهِ الْيَسْرَى أَوْ فِي سِرْجِيلِهِ الْيَمْنِيِّ وَفِي سِرْجِيلِهِ الْيَسْرَى.

فتاویٰ قاضی عیاض نے بیان کیا ہے کہ اشکل گھوڑا وہی ہوتا جس کا حدیث میں ذکر ہے، ابن ہریرہ نے کہا ہے کہ جس گھوڑے کا ایک ہاتھ اور ایک پیر سفید ہو وہ اشکل ہوتا ہے، ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ جس گھوڑے کے تین پیروں میں سفیدی ہو اور ایک عام ہو، یا ایک پیر میں سفیدی ہو اور تین عام ہوں، مطرزی نے کہا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ جس

کے دو ہاتھ سفید ہوں، اور ایک قول ہے کہ جس کے دو پیر سفید ہوں وہ اشکل ہوتا ہے۔ علامہ خطابی نے کہا کہ اشکل گھوڑے کو ناپسند کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے پیروں میں موٹے کی زیادہ قوت نہیں ہوتی، اور اس ناپسندیدگی سے شرعی کراہت مراد نہیں ہے۔

بَابُ فَضْلِ الْجِهَادِ وَالْخُرُوجِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

۴۷۴۲۔ وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عُمَارَةَ (وَهُوَ ابْنُ الْقَعْقَاعِ) عَنْ أَبِي زُرَّاءَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَضَمَّنَ اللَّهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِهِ لَا يُغَرِّبُهُ إِلَّا جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَإِنَّمَا كَانِي وَتَضَدُّعًا يَوْمَ أُسُوفٍ فَمَوْعِدٌ مَعَكُمْ أَنْ أُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ أُرْسِلَ بِهِ إِلَى مَنْكِبِهِ الَّذِي عَرَبِيٌّ مِنْهُ فَأَيُّدًا مَا نَالَ مِنْ أَجْرِ أَوْ عَيْنِيَّةٍ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ مَا مِنْ كَلِمَةٍ يُكَلِّمُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِهَا كَهَيْئَتِهِمْ حِينَ يُكَلِّمُ كُلُّهُمْ كَلِمَةً لَوْ كُنْ دَرَجَةٌ وَرَبَّيْحَةٌ عَلَى نَفْسِكَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ لَدَانِ يَشْقَى عَلَى الْمُسْلِمِينَ مَا قَعَدْتُ بِتُحُلَافٍ سِرَّيْنِ تَغْتَرُّوْنِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَبَدًا وَلَكِنْ لَا أَجِدُ سَعَةً فَأَخْبِلُهُمْ وَلَا يَجِدُونَ سَعَةً وَيَشْقَى عَلَيْهِمْ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنِّي وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ دِدْتُ أَرَفِي أَعَزُّوْنِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَأُقْتَلَ ثُمَّ أَعَزُّوْا فَأُقْتَلَ ثُمَّ أَعَزُّوْا فَأُقْتَلَ -

اللہ کی راہ میں نکلنے اور جہاد کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں نکلے اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہو جاتا ہے، جو شخص موت میرے راستے میں جہاد کے لیے اور موت مجھ پر ایمان اور میرے رسول کی تعذیب کی وجہ سے نکلتا ہو تو میں اس بات کا ضامن ہو کہ اگر وہ شہید ہو گیا تو اس کو جنت میں داخل کروں گا، یا اس کو اجر اور غنیمت کے ساتھ اس کے گھر لوٹاؤں گا، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اللہ کی راہ میں جو زخم لگے گا قیامت کے دن وہ اسی حالت میں اٹھے گا جس حالت میں وہ زخم لگا تھا، اس کا رنگ خون کی طرح ہو گا اور اس کی خوشبو مشک کی طرح ہو گی، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر مسلمانوں پر دشمن نہ ہوتا تو میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے لشکر کا ساتھ کبھی نہ چھوڑتا، لیکن میرے پاس اتنی وسعت نہیں ہے کہ میں سب مسلمانوں کو سواریاں مہیا کر سکوں، اور نہ مسلمانوں کے پاس اتنی گناہیں ہیں، اور مسلمانوں کا میرے پیچھے رہ جانا ان کے لیے دشوار ہو گا، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے مجھے یہ پسند ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل کیا جاؤں پھر جہاد کروں اور پھر قتل کیا جاؤں اور پھر جہاد کروں اور پھر قتل کیا جاؤں۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند ذکر کی ہے۔

۴۷۴۵۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَابُو كُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ فَضِيلٍ عَنْ عُمَارَةَ

بِهَذَا الرَّسَائِدِ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا الْمُبَرِّقُ
بُنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْجَزَّاعِيُّ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ
عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَكْفُلُ اللَّهُ لِمَنْ جَاهَدَ
فِي سَبِيلِهِ لَا يُخْرِجُهُ مِنْ بَيْتِهِ إِلَّا جِهَادًا فِي
سَبِيلِهِ وَتَضِدُّ يَدَا كُلِّمَتِهِمْ بِأَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ
أَوْ يُزَيِّجَهُمَا إِلَى مَسْكِنِهِ الَّذِي تَخْرُجُ مِنْهُ مَعَ مَا
نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ -

۴۴۴ - حَدَّثَنَا عَنْهُمُ النَّاقِدُ وَرُفَاهُ
بُنْ خَرِيبٌ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي
الزُّبَيْرِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُكَلِّمُ أَحَدًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكَلِّمُ فِي سَبِيلِهِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ وَجُوهٌ يَتَغَبَّبُ الْكُفْرَ لَوْ كُنْ دِمٌ وَ
الرَّيْحُ بِرَأْسِهِمْ

۴۴۸ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا
عَبْدُ الرَّزَّاقِ إِذْ حَدَّثَنَا سَعْدُ عَنْ هِشَامِ بْنِ مُسَبِّحٍ
قَالَ هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَا كَرَّ أَحَادِيثُ مِنْهَا وَقَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ كَلِمَةٍ
يُكَلِّمُ الْمُسْلِمَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ تَكُونُ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ كَهَيْئَتِهَا إِذَا طُعِنَتْ تَنْجَعُ وَمَا الْكُفْرُ
لَوْ كُنْ دِمٌ وَاعْرِضْ عَنِ الْهَيْئَةِ وَقَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ
فِي يَدِهِ لَوْ لَا أَنْ أَشَقَّ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ مَا قَعَدْتُ
تَحْتَ سَرِيَّةٍ تَغْرُؤُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَكِنْ لَا أَجِدُ
سَعَةً فَأَحْمِلُهُمْ وَلَا يَجِدُونَ سَعَةً فَيَتَّبِعُونِي
وَلَا يَطِيبُ أَنْ تَقْعُدُوا يَوْمَ يَحْدِثُ -

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرے
وہ اس کا حلیہ اس کا گھر سے نکلتا صرف اللہ کی راہ میں جہاد
اور اس کے دین کی تصدیق کی خاطر ہو تو اللہ اس کے لیے
اس بات کا خاص امر جاتا ہے کہ اگر وہ شہید ہو گیا تو اس
کو جنت میں داخل کرے گا یا اجر اور غنیمت کے ساتھ اس
کو اس کے مسکن میں واپس کر دے گا جہاں سے وہ روانہ
ہوا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہوتا ہے
اللہ اللہ کو خوب علم ہے کہ اس کی راہ میں کون زخمی ہو رہا ہے
وہ قیامت کے دن اس حال میں اٹھے گا کہ اس کا زخم بہہ
رہا ہوگا اس کا رنگ خون کی طرح ہوگا اور اس کی خوشبو مشک
کی طرح ہوگی۔

ہمام بن منبہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی احادیث روایت کیں،
ان میں سے ایک حدیث یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا: مسلمان کو اللہ کے راستہ میں جو زخم بھی لگے گا قیامت
کے دن وہ زخم اسی حال پر ہوگا جیسا کہ زخم لگنے کے وقت
تھا، اس سے خون ابل رہا ہوگا اس کا رنگ خون کی طرح ہوگا
اور خوشبو مشک کی طرح ہوگی، اس بات کی قسم جس کے قبضہ و
قدت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر مسلمان
پر دشوار نہ ہو تا تو میں اللہ کی راہ میں لڑنے والے کسی لشکر
سے پیچھے نہ رہتا، لیکن میرے پاس اتنی وسعت نہیں ہے
کہ میں سب مسلمانوں کو سواروں پر سوار کر سکوں اور نہ سب
مسلمانوں کے پاس ساریاں ہیں کہ وہ میرے ساتھ جا
سکیں اور وہ میرے پیچھے نہ جانے پر بھی خوش نہیں ہوں۔

۴۴۹ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الثَّوَالِبِ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كَذَلِكَ أَنْ أَشَقَى عَلَى الْمُؤْمِنِينَ مَا قَعَدْتُ خِلَافَ سَيِّئَةٍ يَبْغِلُ حَيَاتِيهِمْ وَيَهْدِي الْأَسَادَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ كَوَدُّتُ أَنْ أَقْتُلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ أَلْحِي بِمِغْلٍ حَيَاتِيثِ أَبِي مُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ -

۴۵۰ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ يَزِيدَ (الْقَلْبِيُّ) حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو مَعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ كُلُّهُمْ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَلِكَ أَنْ أَشَقَى عَلَى أُمَّتِي لَا حَبِيبُ أَنْ لَا أَتَخَلَّفَ خَلْفَ سَيِّئَةٍ تَحُورُ حَيَاتِيهِمْ -

۴۵۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ هَبِيبٍ حَدَّثَنَا حَرْبٌ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ سَهِيلٍ عَنْ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقَضَّتْ اللَّهُ لِمَنْ حَرَجَ فِي سَبِيلِهِ إِلَى قَوْلِهِ مَا تَخَلَّفْتُ خِلَافَ سَيِّئَةٍ تَغْرُؤُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَعَالَى -

اللہ تعالیٰ پر جنت عطا کرنے کے وجوب کا محمل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں نکلتا ہے اللہ اس کے لیے ضمان ہے (اس کے بعد یہاں تک فرمایا) جو لشکر اللہ کی راہ میں لڑنے کے لیے نکلے میں اس سے پیچھے نہ رہتا۔

اس باب کی حدیث نمبر ۴۴۹ میں ہے: اللہ تعالیٰ نے راہ خدا میں جہاد کرنے والوں کو جنت کی ضمانت دے دی ہے اور جس چیز کو دینے کی ضمانت دے دی جائے اس کا دینا واجب ہو جاتا ہے، اس لیے اب اللہ تعالیٰ پر ان کو جنت کا دینا واجب ہو گیا، اسی طرح قرآن مجید میں ہے: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ

بِاَنْ لَهُمُ الْجَنَّةَ (توبہ، ۱۱) اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا اور خریدنے والے پر مومن کا ادا کرنا واجب ہوتا ہے، لہذا اس آیت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ مومنوں کو جنت دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے، لیکن یہ وجوب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی بناء پر ہے، بندوں کے عمل اور ان کے استحقاق کی بناء پر نہیں ہے اور اہل سنت اور معتزلہ کے درمیان یہی فرق ہے، معتزلہ کہتے ہیں کہ بندے کے ایمان اور اعمال صالحہ

کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر اس کو جنت میں داخل کرنا واجب ہے، اور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ بندے کے عمل کا کوئی دخل اور استحقاق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے چونکہ جنت کا وعدہ کر لیا ہے اس لیے جنت واجب ہوگئی کیونکہ کریم جب کسی کو کچھ دینے کا وعدہ کر لے تو وہ اس کے خلاف نہیں کرتا۔

جنت کی بشارت میں شہداء کا عام مسلمانوں سے امتیاز | اس حدیث میں ہے کہ راہ خدا میں جہاد کرنے والے مومن کو اللہ تعالیٰ نے جنت کی ضمانت

دے دی ہے، اس پر یہ سوال ہے کہ عام مومنوں سے بھی اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے پھر شہداء کی اس میں کیا تخصیص ہے؟ قاضی عیاض نے اس کے جواب دیے ہیں ایک جواب یہ ہے کہ راہ خدا میں لڑنے والے کو اللہ تعالیٰ مرتبہ جنت میں داخل کر دے گا جیسا کہ شہداء کے متعلق ارشاد ہے: جب کہ دوسرے مسلمان قیامت کے دن حساب و کتاب کے بعد جنت میں داخل ہوں گے، دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن سب سے پہلے جنت میں داخل ہونگے، اور ان سے کوئی حساب و کتاب نہیں ہوگا اور شہادت کی وجہ سے ان کے گناہوں کو مٹا دیا جائے گا۔

میکسی یا بدی پر مرنے والوں کا حشر | اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ شہید قیامت کے دن اسی حال میں

طرح خون بہہ رہا ہوگا، شہید کو اسی حال میں اٹھانا اس کی عزت افزائی کے لیے ہوگا تاکہ قیامت کے دن سب لوگ شہداء کو پہچان لیں۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ ایک شخص ایام حج میں احرام باندھے ہوئے اونٹنی سے گر کر فوت ہو گیا، آپ نے فرمایا یہ قیامت کے دن اسی طرح تبلیغ کہتے ہوئے اٹھے گا (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۸۲) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کو کوئی نیکی کرتے ہوئے یا عبادت کرتے ہوئے موت آئے وہ اس نیکی اور عبادت کے حال میں قیامت کے دن اٹھائے، اے اللہ ہمیں بھی حسن خاتمہ عطا فرما اور نیکی اور عبادت کے حال میں ہماری روح قبض کرنا (آمین) باقی رہا یہ کہ جو شخص کسی برائی کا ارتکاب کرتے ہوئے فوت ہوا تو کیا اس کا حشر اس برائی کے ساتھ ہوگا؟ یہ چیز تحقیق طلب ہے بہر حال اللہ تعالیٰ کریم ہے اور امید ہے کہ وہ ستر فرمائے گا، پھر اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ نیکی کا اجر دے گا بڑھا دیتا ہے سات سو گنا کر دیتا ہے پھر اس کو بھی دو گنا کر دیتا ہے، بعض اوقات بے حساب اجر بھی دیتا ہے، لیکن برائی کی سزا میں کوئی اضافہ نہیں کرتا اور ایسا اوقات معاف فرما دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ اسلوب کے پیش نظر یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ نیکی پر مرنے والوں کا اسی نیکی میں حشر فرمائے گا اور برائی پر مرنے والوں سے درگزر فرمائے گا۔

موت کی تمنا کی ممانعت کے باوجود شہادت کی تمنا کیوں جائز ہے؟ | اس حدیث میں یہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل کیا جاؤں، پھر جہاد کروں اور قتل کیا جاؤں اور پھر جہاد کروں اور قتل کیا جاؤں۔ اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود موت کی تمنا کیوں کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیاوی معائب اور مشکلات سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنا ایسا ہے لیکن اللہ کے دین کی سر بلندی کے

یہ جان دینے اور نفاذ الہی کے اشتیاق میں موت کی تمنا کرنا اور موت کو بصورت شہادت طلب کرنا مستحسن اور مستحب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اسے اللہ اپنے دین کے راستہ میں ہمیں شہادت کی موت عطا فرما (آمین)۔

بَابُ فَضْلِ الشَّهَادَةِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَعَالَى

اللہ کی راہ میں شہید ہونے کی فضیلت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ شخص جو فوت ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے ان اس کا اچھا اجر ہو وہ دنیا میں واپس جائے کو پسند نہیں کرتا اور نہ دنیا و ما فیہا کو پسند کرتا ہے البتہ شہید جب شہادت کی فضیلت کو دیکھے گا تو صرف وہ بیتنا کرے گا کہ وہ پھر دنیا میں واپس جائے اور اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ شخص جو جنت میں داخل ہو گا وہ دنیا میں واپس مانا پسند نہیں کرے گا خواہ اس کو روئے زمین کی تمام چیزیں مل جائیں، البتہ شہید جب اپنی عزت اور دجاہمت دیکھے گا تو صرف وہ بیتنا کرے گا کہ وہ پھر دنیا میں جائے اور دس بارہ خدا میں قتل کیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کے برابر بھی کوئی عبادت ہے، آپ نے فرمایا تم اس عبادت کی استطاعت نہیں رکھتے، حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ صحابہ نے سوال پھر دہرایا یا نہیں بار پوچھا آپ نے ہر بار فرمایا تم اس کی طاقت نہیں رکھتے، تیسری بار فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا جہاد سے واپس تک اس شخص کی طرح ہے جو روزہ دار ہو، قیام کرنے والا ہو، اللہ کی آیات پر عمل کرنے والا ہو، روزے اور نماز سے ٹھکنا یا اکتانہ ہو۔

۴۵۲۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ وَحُمَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَفْسٍ تَمُوتُ لَهَا عِنْدَ اللَّهِ عَهِدٌ كَيْسَرُ مَا أَنَهَا تُرْجَعُ إِلَى الدُّنْيَا وَلَا أَنْ لَهَا الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا إِلَّا الشَّهِيدُ فَإِذَا تَمَتَّى أَنْ يُرْجَعَ فَيُقْتَلَ فِي الدُّنْيَا لِمَا تَزِي مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ۔

۴۵۳۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ أَنْ يُرْجَعَ إِلَى الدُّنْيَا وَلَا أَنْ لَهَا مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عَمِلُوا لِشَهِيدٍ فَإِذَا تَمَتَّى أَنْ يُرْجَعَ فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا تَزِي مِنَ الْكَرَامَةِ۔

۴۵۴۔ وَحَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْوَاسِطِيُّ عَنْ سَهْمِ بْنِ أَبِي مَرْثَدٍ عَنْ أَبِي بَكْرٍ عَنِ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قِيلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَعْدِلُ الْجَهَادَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ لَا تَسْتَطِيعُونَ، قَالَ فَأَعَادُوا عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا كُلُّ ذَلِكَ يَقُولُ لَا تَسْتَطِيعُونَ، وَقَالَ فِي الثَّلَاثَةِ مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَلْهُو مِنْ صِيَامِهِ وَلَا

امام مسلم نے اس حدیث کی دو اور سندیں ذکر کی ہیں۔

۴۷۵۵ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ رَوَى عَنْ ثَنِي رَهَيْرِ بْنِ حَزْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ رَوَى عَنْ ثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ كُلُّهُمْ عَنْ سَهْلٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

۴۷۵۶ - حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلَوَانِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو قَتَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَامٍ عَنْ تَرِيدِ بْنِ سَلَامٍ أَنَّ سَمِعَ أَبَا سَلَامٍ قَالَ حَدَّثَنَا الثَّعْمَانُ بْنُ بَشِيرٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ مَنِبَرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَجَلِّ مَا أَبَا لِي أَنْ لَا أَعْمَلَ عَمَلًا بَعْدَ الْإِسْلَامِ إِلَّا أَنْ أُسْقَى الْحَاجَرَةَ وَقَالَ اخْرُ مَا أَبَا لِي أَنْ لَا أَعْمَلَ عَمَلًا بَعْدَ الْإِسْلَامِ إِلَّا أَنْ أَعْمَلَ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَقَالَ اخْرُ الْجَهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَفْضَلُ مِمَّا قُلْتُمْ فَزَجَرَهُمْ عُمَرُ وَقَالَ لَا تَرْكَعُوا أَصَوَاتَكُمْ عِنْدَ مَنِبَرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَلَكِنْ إِذَا صَلَّيْتُ الْجُمُعَةَ دَخَلْتُ فَاسْتَقَيْتُهُ فِيمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ فَإِنَّ زُلَّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجَرَةِ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ الْآيَةَ إِلَى آخِرِهَا.

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس تھا، ایک شخص نے کہا اسلام لانے کے بعد اگر میں صرف حجاج کو پانی پلاؤں اور کوئی عمل نہ کروں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے، دوسرے شخص نے کہا اگر اسلام لانے کے بعد میں صرف مسجد حرام کو آباد کروں اور اس کے سوا اور کوئی عمل نہ کروں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے، تیسرے نے کہا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا تمہاری کوئی عبادتوں سے افضل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس آواز اونچی نہ کرو، اس دن جمعہ تھا، میں جمعہ کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جس مسئلہ میں تمہارا اختلاف تھا اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: کیا تم حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد کرنے کو اس شخص کے عمل کے برابر قرار دیتے ہو؟ اللہ تعالیٰ اے یوم آخرت پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس بیٹھا تھا، اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔

۴۷۵۷ - وَحَدَّثَنَا ثَنِيهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ أَخْبَرَنِي تَرِيدُ بْنُ سَلَامٍ أَنَّ سَمِعَ أَبَا سَلَامٍ قَالَ حَدَّثَنَا الثَّعْمَانُ بْنُ كَيْغِبَرٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ

مُنْبَرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ
أَبِي تَوْبَةَ -

اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے کو شہید کہنے کی وجوہات

اس باب کی ہمارے میں شہادت کی بہت عظیم فضیلت بیان کی گئی ہے

کہ شہادت کا اجر و ثواب دیکھ کر شہید کے سوا اور کوئی شخص دوبارہ دنیا میں واپس جانے کی تمنا نہیں کرے گا۔
اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے کو شہید کہنے کی علماء کرام نے متعدد وجوہ بیان کی ہیں، نصر بن شمیل نے کہا ہے کہ
ان کو شہید اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ زندہ ہوتے ہیں اور ان کی ارواح اسی وقت جنت میں شاہد (حاضر) ہو جاتی ہیں، اس
کے برخلاف، دوسرے مسلمانوں کی ارواح قیامت کے دن جنت میں شاہد ہوں گی، ابن الانباری نے کہا ان کو شہید اس
لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان کے حق میں جنت کی شہادت دیتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ان کے
بدن سے روح نکلتے ہی ان کی روح اس عزت اور اجر و ثواب پر شاہد (حاضر) ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے
تیار کر رکھا ہے، ایک قول یہ ہے موت کے وقت ان کے پاس ملائکہ شاہد (حاضر) ہوتے ہیں اور ان کی روح کو
لے جاتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ان کا ظاہر حال ان کے ایمان اور خاتمہ بالخیر پر شہادت دیتا ہے، ایک قول یہ
ہے کہ قیامت کے دن یہی لوگ سابقہ امتوں کے سامنے یہ گواہی دیں گے کہ ان کے انبیاء علیہم السلام نے انکو تبلیغ کر دی تھی، لیکن یہ وصف شہاد کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

صبح یا شام کو راہِ خدا میں نکلنے کی فضیلت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح یا شام اللہ کی راہ
میں نکلنا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔

بَابُ فَضْلِ الْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

۴۵۸ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ

حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ

مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ

سَلَّمَ لَغَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ

مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا -

۴۵۹ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا

عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ مَرَّ عَنِ ابْنِ أَبِي سَهْلٍ

بْنِ سَعْدٍ الشَّاعِدِيِّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالْغَدْوَةُ وَالرَّوْحَةُ هَا الْعَبْدُ

فِي سَبِيلِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا -

۴۶۰ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ

بْنُ حَرْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ

أَبِي حَازِمٍ مَرَّ عَنِ ابْنِ سَعْدٍ الشَّاعِدِيِّ عَنْ

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح کے وقت
بندے کا خدا کی راہ میں نکلنا دنیا اور ما فیہا سے بہتر ہے۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح یا شام
کو اللہ کی راہ میں نکلنا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔

النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ غَدُ وَغَدًا أَوْ
مَرُّوْحَةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَ
مَا فِيهَا -

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میری امت میں ایسے لگ
نہ ہوتے۔۔۔ اس کے بعد فرمایا اللہ کی راہ میں قبیح کرنا
یا شام کرنا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔

۴۷۱۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا مُرْوَانُ
بْنُ مُعَاوِيَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ ذَكْوَانَ
بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا أَنْ رَأَى جَالِدِينَ
أُمِّيَّ وَسَاقِ الْحَدِيثِ وَقَالَ فِيهِ وَلَكِنْ خَيْرٌ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ غَدُ وَغَدًا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا
فِيهَا -

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں صبح یا شام کو
نکلنا ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع ہوتا
ہے یا غروب ہوتا ہے۔

۴۷۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَاسْتَعْنَى
بْنُ إِسْرَافِيلَ وَنُفَيْرُ بْنُ خُوَيْبٍ رَوَاهُ الْفَقْهَ لَدِي بَكْرِ
وَاسْتَعْنَى قَالَ اسْتَعْنَى أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْأَخْرَافِ
حَدَّثَنَا اسْتَعْنَى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ عَنْ سَعِيدِ
بْنِ أَبِي أَيُّوبَ حَدَّثَنِي شُرَيْبُ بْنُ شَرِيكٍ
الْمَعَاظِرِيُّ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعُبَلِيِّ قَالَ
سَمِعْتُ أَبَا أَيُّوبَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدُ وَغَدًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مَرُّوْحَةً
خَيْرٌ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ وَغَرَبَتْ -

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے بعد شمل
سابق حدیث ہے۔

۴۷۳۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ ابْنُ
قَهْرٍ أَدَّ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ
بْنِ الْمُبَارَكِ أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ وَخُوَيْبُ
بْنُ شَرِيحٍ قَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حَدَّثَنِي شُرَيْبُ بْنُ
شَرِيكٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعُبَلِيِّ أَنَّ
سَمِعَ أَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ سَوَاءٌ -

بَابُ بَيَانِ مَا أَعَدَّ اللَّهُ تَعَالَى لِلْمُجَاهِدِ
فِي الْجَنَّةِ مِنَ الدَّرَجَاتِ

جنت میں مجاہد کے درجات کا بیان

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

۴۷۴۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا

عَبْدُ اللَّهِ بْنِ وَهَبٍ حَدَّثَنَا أَبُو هَارٍ فِي الْخَرَلَانِي
عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحُبَلِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ
الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَانَ يَا أَبَا سَعِيدٍ مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ تَرَبُّاً وَبِالْإِسْلَامِ
وَبِنَاوٍ وَمُحَمَّدٍ نَبِيًّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ فَعَجِبَ
لَهَا أَبُو سَعِيدٍ فَقَالَ أَعِدْهَا عَلَيَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ
فَفَعَلَ ثُمَّ قَالَ وَآخَرِي يُرَدُّ بِهَا الْعَبْدُ بِثَلَاثَةِ
دَرَجَاتٍ فِي الْجَنَّةِ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ قَالَ وَمَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ
الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے البرسید! جو
شخص اللہ کے رب ہونے پر راضی ہو گیا اور اسلام کے دین
اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہو گیا،
اس کے لیے جنت واجب ہو گئی، حضرت البرسید گریہ بات
اچھی لگی تو کہنے لگے یا رسول اللہ! اس بات کو دوبارہ فرمائیے
آپ نے دوبارہ اسی طرح فرمایا پھر فرمایا: ایک بات اور بھی ہے
جس کی وجہ سے بندے کے سورت جات بلند ہوتے ہیں اور
ہر دور جہاد میں زمین اور آسمان جتنا فاصلہ ہے، میرے
عرض کیا یا رسول اللہ وہ درجہ جس چیز سے ملتا ہے؟ آپ
نے فرمایا جہاد فی سبیل اللہ جہاد فی سبیل اللہ۔

ف: تاضی عیاض نے کہا یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے اور درجات سے مراد منازل ہیں جو بعض، بعض سے بلند
ہیں اور جنت کی ایسی ہی صفت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے جنتی اپنے بالا خانوں سے چمکتے، مہرے ستاروں کی طرح
نظر آئیں گے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ بندہ سے یہاں یہ مراد ہو کہ ان کو اتنی کثیر اور عظیم نعمتیں ملیں گی جن کا کوئی انسان تصور
کر سکتا ہے نہ بیان کر سکتا ہے اور ان کو عزت و کرامت کی اس قدر انواع و اقسام حاصل ہوں گی جن کی بہت زیادہ فضیلت ہوگی
یاد رہے کہ ان کی فضیلت کا ہر درجہ اتنا بڑا ہوگا جتنا زمین اور آسمان میں فاصلہ ہے۔

بَابُ مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَفَرَتْ

خَطَايَاهُ إِلَّا الدِّينُ قَرْضُ كَسُوَاتِمَامٍ لَنَا مَعَاتٍ مَوْجَلَاتٍ هِيَ

۴۶۵ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا
لَيْثٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ
بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ اللَّهَ سَمِعَهُ يُحَدِّثُ
عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَامَ
فِيهِمْ كَذَلِكَ لَقَدْ رَأَى الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَالْإِيمَانَ بِاللَّهِ أَفْضَلَ الْأَعْمَالِ قَقَامَ رَجُلٍ
فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمَا آيَةُ أَنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ تَكْفَرُ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ أَنْ قُتِلْتَ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقِيلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام میں کھڑے ہو کر یہ ذکر کیا کہ
اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا تمام اعمال میں
افضل ہے، ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ!
یہ نبلا ہے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں تو کیا اس
سے میرے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے اس سے فرمایا: ہاں اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کیے
جاؤ تو اس کا ایک تم صبر کرنے والے ہو، یعنی تم کو مقابلہ کرنے
والے ہیں، ثواب کی بہت رکھنے والے ہو، پیچھے ہٹنے
والے نہ ہو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم

نے کیا کہا تھا اس نے عرض کیا میں نے کہا تھا کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں تو کیا اس سے میرے گناہوں کی معافی ہو جائے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، دراصل مالیکہ تم صبر کرنے والے ہو اور ثواب کی نیت رکھنے والے ہو اگے بڑھ کر حملہ کرنے والے ہو اور پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو، تو قرض کے سوا تمہارے باقی گناہ معاف کر دیے جائیں گے، کیونکہ (حضرت) جبرائیل علیہ السلام نے مجھے یہ ابھی بتایا ہے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر کہا مجھے یہ بتائیے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے کچھ کمی اور زیادتی کے ساتھ یہ روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا وہاں مالیکہ آپ منبر پر تھے اس نے کہا مجھے یہ بتائیے کہ اگر میں اپنی تلوار سے مارا جاؤں پھر حسب سابق ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرض کے سوا شہید کا ہر گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔

ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ قُلْتُ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَنْتَ وَمَعِيَ خَطَايَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ إِلَّا الدَّيْنَ فَإِنْ جَبِرَ مِيلٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِي ذَلِكَ -

۴۶۶- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَهَمْدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَا حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هُرُونَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى (يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ) عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَمَعِيَ حَدِيثُ الْكَلْبِ -

۴۶۷- وَحَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عُمَرَ بْنِ دِينَارٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسٍ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلْدَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ أَحَدَهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ أَنْ رَجُلًا آتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ ضَرَبْتَ بِسَيْفٍ يَمَعِيَ حَدِيثُ الْكَلْبِ -

۴۶۸- حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ الْمِصْرِيُّ حَدَّثَنَا الْمُغَفَّلُ (يَعْنِي ابْنَ قُضَالَةَ) عَنْ عَيَّاشٍ (وَهُوَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْقَتَبَانِيُّ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدٍ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحُبُلِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَغْفَرُ لِلشَّهِيدِ

کُلِّ ذَنْبٌ إِلَّا الذَّنْبَ

۲۴۶۹ - وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا
عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ الْهَمَزِيُّ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي
أَيُّوبَ حَدَّثَنَا عِيَّاشُ بْنُ عَبَّاسٍ الْقُتَيْبِيُّ عَنْ
أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحُبَلِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو
بْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
الْقَتْلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُكَفِّرُ كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا الذَّنْبَ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عامر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں قتل کیا جانا قرآن کے سوا تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید کے گناہوں کی معافی سے قرآن کو جو شہنشاہی کیا ہے اس پر یہ تنبیہ ہے کہ جہاد و شہادت اور دوسرے نیک اعمال صرف حق تعالیٰ کا کفارہ ہو سکتے ہیں، بندوں کے حقوق کا کفارہ نہیں ہو سکتے۔

بَابُ فِي بَيَانِ أَنَّ أَرْوَاحَ الشُّهَدَاءِ فِي الْجَنَّةِ
وَأَنَّهُمْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْمَوْنَ قُونَ

۲۴۷۰ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَابْنُ أَبِي
شَيْبَةَ كِلَاهُمَا عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا سُحُبُ
بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ وَعِيسَى بْنُ يُونُسَ جَمِيعًا
عَنِ الْأَعْمَشِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ
كُمَيْلٍ (وَالْقَوْلُ لَهُ) حَدَّثَنَا أَسْبَاطُ وَابْنُ مُعَاوِيَةَ
قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُرَّةٍ عَنْ
مُسْرُوقٍ قَالَ سَأَلْنَا عَبْدَ اللَّهِ عَنْ هَذِهِ الْأَيَّةِ
وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ
أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْمَوْنَ قُونَ قَالَ أَمَّا أَنَا فَقَدْ
سَأَلْنَا عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ أَرَادُوا أَنَّهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُصِرَتْهَا
فَنَادَوْا بِمَعْلَقَتِهِمَا بِالْعَرِيشِ نَسْرُوسٌ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ
شَاءَتْ ثُمَّ تَأَوُّدَى إِلَى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ فَأَظْلَعَهُ
إِلَيْهِمْ فَأَبْهَمُوا أَظْلَاعَهُ فَقَالَ هَلْ تَشْتَهُونَ
شَيْئًا قَالُوا لَا شَيْءٌ لَنَشْتَهُي وَهَنٌ نَسْرُوسٌ مِنَ
الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْنَا فَفَعَلَ ذَلِكَ بِهِمْ ثَلَاثَ
مَرَّاتٍ فَلَمَّا مَرَّ أَوَّلَهُمْ لَمْ يُكْرَهُوا مِنْ أَنْ يُسْأَلُوا
قَالَ يَا رَبِّ كَرِهْنَا أَنْ تَرُدَّ أَرْوَاحَنَا فِي أَجْسَادِنَا

شہداء کی ارواح جنت میں ہوتی ہیں اور شہداء
زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔

مسروق بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں ان کو مردہ گمان مت کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا ہم نے بھی اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا، آپ نے فرمایا ان کی رگوں میں سبز پزندوں کے پوٹوں میں سرخ ہیں ان کے لیے عرش میں تندہیں ملتی ہوتی ہیں وہ جنت میں جہاں چاہیں چرتی پھرتی ہیں پھر ان قندیلوں کی طرف لڑتے آتی ہیں، ان کا رب ان کی طرف مطلع ہو کر فرماتا ہے: کیا تم کو کسی چیز کی خواہش ہے؟ وہ کہتے ہیں: ہم کو کس چیز کی خواہش ہر شئی ہے! ہم یہاں چلنے پر جنت میں چرتے پھرتے ہیں، ان سے زمین پر اللہ تعالیٰ یہ دنیا فرماتا ہے، پھر جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کو سوال کے بغیر نہیں چھوڑا جا رہا تو وہ کہتے ہیں: اے ہمارے لب! ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری رگوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دیا جائے حتیٰ کہ ہم دوبارہ تیری راہ میں قتل کیے جاویں، پھر جب اللہ تعالیٰ

حَقِّ نَفْتَلْ فِي سَبِيلِكَ مَوَآءَ الْآخِرَىٰ فَلَمَّا سَأَىٰ
أَنْ لَيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ شَرُّوْا۔
یہ دیکھے گا کہ ان کو کوئی حاجت نہیں ہے تو پھر ان کو چھوڑ دیا
جائے گا۔

ارواح شہداء کے سبز پرندوں میں متمثل ہونے کی تحقیق | اس باب کی حدیث میں ہے: شہداء کی

روحیں سبز پرندوں کے پوتوں میں ہوتی ہیں، علامہ نووی لکھتے ہیں: سبز پرندوں میں رہتی ہیں، موطا میں ہے: مومن کی روح پرندے میں ہوتی ہے، ایک اور حدیث میں حضرت قتادہ سے روایت ہے۔ شہید کی روح سفید پرندے کی صورت میں ہوتی ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ روح پرندہ ہوتی ہے یا پرندے کی صورت میں ہوتی ہے، اکثر روایات سے یہی ثابت ہے خصوصاً جب کہ روایات میں یہ بھی ہے کہ روحیں عرش کے نیچے قندیلوں میں آکر ٹھہرتی ہیں، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ بعض علماء نے اس امر کو مستبعد قرار دیا ہے اور بعض دھڑلے سے اس کا انکار نہیں کیا اور نہ اس میں کوئی چیز لائق انکار ہے، اور دونوں حدیثوں میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ جس روایت میں پرندے یا پرندے کے پیٹ کا ذکر ہے وہ از روئے معنی کے زیادہ صحیح ہے اور اس امر میں قباس اور عقل کا کوئی دخل نہیں ہے اور یہ تمام ائمہ جاتر ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ مومن یا شہید کی روح کو قندیلوں میں یا پرندوں کے پیٹوں میں کرنا چاہتا ہے تو کر دیتا ہے اور یہ کوئی بعید از قیاس نہیں ہے خصوصاً ان لوگوں کے نزدیک جو ارواح کو اجسام مانتے ہیں، قاضی عیاض یہ کہتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ جب جسم سے روح نکلنے سے تو وہ جسم کے ایک جز میں باقی رہتی ہے اور اس جز کو درد یا عذاب ہوتا ہے اور وہی جز لذت اور ثواب حاصل کرتا ہے اور وہی جز یہ کہتا ہے کہ اے رب مجھے دنیا میں فاس بھیج دے اور وہی جز جنت کے درختوں میں چرتا ہے، اور یہ کوئی محال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جز کو زندہ بنا دے یا پرندے کے پیٹ میں رکھے یا عرش کے نیچے قندیلوں میں رکھے یا جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ان کو رکھے۔

سبز پرندوں میں ارواح شہداء کے منتقل ہونے پر تنازع کے اشکال کا جواب | بعض محدثین

میں تنازع پر استدلال کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اچھے انسان کی روح مرنے کے بعد خوب صورت جسموں میں منتقل ہو جاتی ہے اور بُرے لوگوں کی روح مرنے کے بعد بُری صورتوں میں منتقل ہو جاتی ہے اور یہی ثواب اور عقاب ہے اور یہ لوگ جنت اور دوزخ اور آخرت کا انکار کرتے ہیں، ہندوؤں کا بھی یہی عقیدہ ہے وہ اس کو آواگون سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن ان حدیثوں سے ان کے موقف پر استدلال نہیں ہو سکتا، کیونکہ تنازع اور آواگون کا حاصل یہ ہے کہ مرنے کے بعد روح کسی اور جسم میں آ جاتی ہے اور وہ اس جسم کی حیات کا سبب ہوتی ہے اور جسم میں ایسے ہی سرایت کر جاتی ہے جیسے پہلے جسم میں سرایت کیے ہوئے تھے۔ اس کے برخلاف جن احادیث میں ہے کہ شہداء کی روحیں پرندوں میں ہوتی ہیں ان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ان پرندوں میں سرایت کر جاتی ہیں اور ان پرندوں کی حیات ان روحوں

کے سبب سے ہوتی ہے بلکہ وہ روحیں ان پرندوں میں بمنزلہ سوار اور مسافر ہیں اور وہ پرندے بمنزلہ سواری ہیں اور ان پرندوں کی اپنی الگ روح ہوتی ہے جس سے ان کی حیات ہوتی ہے جیسے لوگ ہوائی جہاز میں اڑتے ہیں، اسی طرح ارواح شہداء پرندوں میں اڑتی ہیں اور جن احادیث میں ہے کہ اللہ ان روحوں کو پرندوں کی شکل میں منتقل کر دیتا ہے بچاؤ وہ روح سبز پرندہ بن جاتی ہے ان پر کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ تناسخ تب ہوتا جب روح الگ ہوتی اور پرندہ کا جسم الگ ہوتا اور وہ روح اس جسم میں سرایت کر جاتی اور اس روح سے اس جسم کی حیات ہوتی اور یہاں اس طرح نہیں ہے بلکہ ہنہ اس روح کو سبز پرندہ بنا دیا جاتا ہے لہذا یہ تناسخ نہیں ہے تاثر ہے۔

میرے شیخ حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ امر وہم میں ان کے زمانہ تعلیم میں ان کا ایک ہندو مناظر پنڈت رام چند سے مناظرہ ہوا اس نے کہا قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو ہندو اور خنزیر بنا دیا اور یہ تناسخ ہے حضرت نے فرمایا تناسخ تب ہوتا کہ وہ بنی اسرائیل مڑ جاتے اور مرنے کے بعد ان کی ارواح کو ہندو اور خنزیروں میں منتقل کیا جاتا حالانکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ ان بنی اسرائیل کی اسی حالت حیات میں شکل تبدیل کر دی اور ان کی صورت ہندو اور خنزیر کی صورت سے بدل دی ہو سو یہ تناسخ نہیں ہے۔ یعنی ان کی صورتیں مسخ کر دیں، وہ کہنے لگا، میں آئندہ سال اگر پھر اسی جگہ مناظرہ کروں گا، حضرت نے فرمایا مورت، اور زندگی کا کوئی اعتبار نہیں اگر تم درمیان سال میں مڑ گئے تو کس صورت اور کس جگہ میں اگر مناظرہ کر دیگے؟ وہ آپ کی اس حاضر جوابی سے بہت خوش ہوا اور اپنی گھڑی آند کر انعام میں دے گیا، اس واقعہ کو اس سے زیادہ تفصیل سے ہم نے مقالات سعیدی میں بیان کیا ہے۔

روح کی ماہیت میں فقہاء اسلام کے نظریات | اس باب کی حدیث میں شہداء کی ارواح کا ذکر ہے، علامہ نووی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں،

قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ علماء کا روح کی ماہیت میں بہت زیادہ اختلاف ہے جس کو ضبط اور صبر کے ساتھ بیان کرنا مشکل ہے، یہ حال اس سلسلہ میں چند اقوال کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) جمہور علماء اور متکلمین نے یہ کہا ہے کہ روح کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں اور اس کا بیان کرنا صحیح نہیں ہے ان کا استدلال اس آیت سے ہے قل الروح من امر ربی۔ ”آپ کہیے کہ روح آپ کے رب کے امر سے ہے“ فلاسفر نے اس میں بہت فکر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ روح نہیں ہے۔

(۲) جمہور اطباء نے کہا ہے کہ روح ایک لطیف بخار (سٹیم) ہے جو بدن میں سرایت کیے ہوئے ہے۔

(۳) ہمارے اکثر شیوخ نے کہا ہے کہ روح حیوۃ ہے۔

(۴) بعض علماء نے کہا کہ روح ایک جسم لطیف ہے جو اس جسم عنصری کے مشابہ ہے اس کی حیات سے یہ جسم زندہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاریہ ہے کہ جب یہ جسم لطیف اس جسم عنصری سے نکل جاتا ہے تو اس کی صورت واقع ہو جاتی ہے۔

(۵) بعض علماء نے کہا کہ روح ایک جسم ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ روح نکل گئی، اس کو قبض کر لیا وہ حلقوم تک پہنچ گئی اور یہ جسم کی صفات ہیں معانی کی نہیں۔

(۶) ہمارے بعض متقدمین ائمہ نے کہا ہے کہ روح انسانی صورت پر ایک جسم لطیف ہے جو اسی جسم عنصری میں داخل ہے۔

(۷) بعض علماء نے کہا روح خون ہے۔ یہ قاضی عیاض کے بیان کردہ اقوال ہیں۔
 (۸) علامہ نووی شافعی کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک روح ایک جسم لطیف ہے جو بدن میں سرایت کیے ہوئے ہے اور اس کے الگ ہونے سے انسان مر جاتا ہے۔
 قاضی عیاض نے کہا ہے کہ روح اور نفس میں بھی اختلاف ہے بعض علماء نے کہا یہ دو لفظ ہیں اور ان کا معنی ایک ہے، بعض نے کہا نفس آنے جانے والے ماس کو کہتے ہیں، بعض نے کہا نفس حیات کو کہتے ہیں بعض نے کہا نفس خون کو کہتے ہیں۔ لے

علامہ ہدالہ بن عینی حنفی نے روح کی بحث میں حسب ذیل اقوال بیان کیے ہیں:
 (۱) علامہ مازری مالکی کہتے ہیں کہ روح کے مباحث بہت دقیق ہیں اور اس میں بکثرت کتابیں لکھی گئی ہیں اس سلسلہ میں امام اشعری کا مشہور قول یہ ہے کہ روح وہ ماس ہے جو آہل اہل جبار ہے۔
 (۲) قاضی ابوبکر نے کہا ہے کہ روح ماس اور حیات کے درمیان ایک امر متردد ہے۔
 (۳) ایک قول یہ ہے کہ روح اجسام ظاہرہ اور اعضاء ظاہرہ میں ایک امر مشترک ہے۔
 (۴) ایک قول یہ ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے جس کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے پیدا کیا اور اللہ سبحانہ کی یہ عادت جاری ہے کہ وہ اس جسم لطیف کے بغیر جسم عنصری میں حیات جاری نہیں کرتا، اور یہ روح اس عالم میں بھی مورتی ہے اور سبز پرندوں کے پرندوں میں بھی ہوتی ہے۔

(۵) اس میں بھی اختلاف ہے کہ روح اور نفس ایک چیز ہیں یا الگ الگ حقیقتیں ہیں و زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ متضاد ہیں کیونکہ نفس انسانی وہ حقیقت ہے جس کو ہر شخص "میں" سے تعبیر کرتا ہے، اکثر فلاسفہ نے نفس اور روح میں فرق نہیں کیا انہوں نے کہا نفس وہ لطیف بخار ہے جو حیات جس اور حرکت الارادہ کا حامل ہے اور یہ جوہر ہے اس کو وہ روح حیوانی کہتے ہیں اور یہ قلب یعنی نفس ناطقہ اور بدن کے درمیان واسطہ ہے۔

(۶) امام غزالی نے کہا کہ نفس مجرد ہے یعنی جسم اور جسمانیات سے نہیں ہے اور روح وہ جوہر ہے جو ہنفس قائم ہے غیر متغیر ہے، جسم میں داخل ہے نہ جسم سے خارج ہے، متصل ہے نہ منفصل ہے۔
 (۷) ایک قول یہ ہے کہ روح عرض ہے، کیونکہ اگر وہ جوہر ہو تو تمام جسامہ مادی میں پھیر لازم آئے گا کہ اس جوہر کے لیے بھی ایک روح ہو۔

(۸) ایک قول یہ ہے کہ وہ جوہر فرد ہے (یعنی جزلا تجزئ) وہ جسم حیوانی کی حیات کے غلات ہے اور صفات منسوبہ کا حامل ہے۔

(۹) ایک قول یہ ہے کہ وہ جسم کی صورت لطیفہ کے مطابق ایک صورت لطیف ہے اس کی مدد نکلیں ہیں دو کان ہیں، دو آنکھ ہیں، دو پیر ہیں اور جسم کے ہر عضو کے مقابلہ میں اس کا ایک عضو ہے۔

(۱۰) جمہور متکلمین اہل سنت کا یہ نظریہ ہے کہ روح ایک جسم طیف ہے جس کا بدن میں اس طرح حلول ہے جس طرح پانی کا بھول میں حلول ہوتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اکثر علماء اہل سنت کا یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کے علم کو مبہم رکھا ہے اور اس کو کسی پر ظاہر نہیں فرمایا حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی روح کا علم نہیں ہے (علامہ عینی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب اور سید خلق ہیں اور آپ کا منقلب اس بات سے بہت بلند ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو، آپ کو روح کا علم کیسے نہیں ہوگا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ احسان فرمایا ہے وعلیک مالہ تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیماً۔ آپ جو کچھ بھی نہیں جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا علم دے دیا اور یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔ لہ

قاضی میاض اور دوسرے علماء نے روح کی تشریف ہی جو اقوال نقل کیے ہیں۔ علامہ دشتستانی مالک ان پر علامہ خطابی کا مختصر نقل کرتے ہیں:

یہ تمام اقوال ہیں اور لوگوں کے ملنے جلتے گمان ہیں، جن کو لوگوں نے بغیر کسی بصیرت کے بیان کیا ہے، وہ حقیقت، روح کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قل الروح من امر ربی۔ اور تحقیق یہ ہے کہ روح ایک امر ہے جس کو جسم میں پھونک دیا جاتا ہے اور اس کو جسم سے قبض کر لیا جاتا ہے، اور یہ روح مومن بھی ہوتی ہے اور کافر بھی ہوتی ہے، عالم بھی ہوتی ہے اور جاہل بھی ہوتی ہے، خوش بھی ہوتی ہے اور غمگین بھی ہوتی ہے اس کو لذت بھی حاصل ہوتی ہے اور ایک اذیت بھی ہوتی ہے، اور یہ تو واضح ہے کہ یہ عرض نہیں ہے کیونکہ انسانی کا عرض کے ساتھ قیام محال ہے، اس لیے ضروری ہے کہ یہ ایک ایسا امر ہو جو قائم بغیر ہوا و انسان اور عرض اور صفات کا محل اور مقابل ہو، پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ جو امر متخیرہ سے ہے یا غیر متخیرہ سے، لیکن ہم متخیرہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا خاصا ہے اس لیے صحیح یہی ہے کہ یہ جو امر متخیرہ سے ہے نیز اہل تحقیق کا اسی پر اتفاق ہے کہ روح حادث ہے کیونکہ ارواح متغیر ہوتی ہیں اور ہر متغیر حادث ہوتا ہے اور قدیم صرف اللہ عزوجل کی ذات اور صفات ہیں۔ لہ

علامہ سید ابوی حنفی روح کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ غفاجی نے یہ کہا ہے کہ روح کی کوئی ممکن ہے برخلات اللہ عزوجل کی کنتہ کے، اور کشف میں ہے کہ روح کو جاننے کی سبیل یہ ہے کہ دل کی آنکھوں میں اللہ عزوجل کے کلام کا سرمہ لگا کر اس ناواقفیت کے پردے ہٹا دیے جائیں مومن کے دلوں کی آنکھوں میں یہ سرمہ ہے ان کے لیے روح علی اللہ واضح ہے، اور جو اس سے محروم ہیں ان کے لیے روح مخفی ہے، لیکن اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھایا گیا اور آپ کو روح کا علم نہیں تھا اس کی تائید یہ ہے کہ ہر

لہ۔ علامہ بدرالدین ابو نعیم محمد بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۰۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعة النیریہ مصر ۱۳۲۸ھ

لہ۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن حلقہ دشتستانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال الکمال العلم ج ۵ ص ۲۳۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ کے نزدیک روح کا علم متعین ہو ورنہ ہر وہ چیز جس کا علم ممکن ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال اس حصول کے بعد ہوا ہے جیسا کہ امام احمد اور ترمذی نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک رات کو میں اٹھا اور جبرائیل میرے مندر میں تھی وہ میں نے پڑھی پھر مجھے ناز میں نیندا گئی اور جب (میری پلکیں) بڑھیں برگشیں ترمیں نے اپنے رب عزوجل کو بہت حسین صورت میں دیکھا، میرے رب نے فرمایا ملا اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں، میں نے کہا اے میرے رب، میں نہیں جانتا پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست اقدس میرے شانوں کے درمیان رکھا حتیٰ کہ میں نے اس کی پردوں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی و تجلی فی کل شیء و معرفت - پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہو گئی اور میں نے اس کو جان لیا۔ ۱۷

حیات شہداء کے حیات حقیقی ہونے پر امام رازی کے دلائل | اس باب کی حدیث میں حیات شہداء کا بھی ذکر ہے اور اس سلسلے میں قرآن مجید کی اس آیت کو بیان کیا گیا ہے:

ولا تحصین الذین قتلوا فی سبیل اللہ
امواتاً بل احياء عند ربهم یرزقون
فرحین بما آتاهم اللہ من فضله و
یستبشرون بالذین لم یلحقوا بہم من
خلفہما لا خوف علیہم ولا هم
یحزنون۔ (آل عمران: ۱۶۹-۱۷۰)

امام رازی شافعی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے یہ معلوم ہو گیا کہ شہداء زندہ ہیں، معتزلہ نے یہ کہا ہے کہ یہ حیات مجازی ہے یعنی وہ آخرت میں زندہ ہوں گے لیکن ان کا یہ قول بالکل بطلی ہے کیونکہ اس آیت کا ظاہر یہ ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت راہ خدا میں قتل ہونے والے زندہ تھے، دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے اغرقوا فادخلوا ناراً ۱۷۱۔ "قوم نوح غرق کی گئی اور فوراً آگ میں داخل کر دی گئی" نیز قرآن مجید میں ہے النار یحرقون علیہا عند فاعشیاء ۱۷۲۔ "آگ نمرود کو صبح اور شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے" یعنی اللہ تعالیٰ کفار کو مرنے کے بعد قیامت سے پہلے زندہ کر کے ان کو عذاب دیتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل عذاب اور عقاب پر راجح ہے، اور جب وہ اہل عذاب کو قیامت سے پہلے زندہ کر کے عذاب دیتا ہے تو قیامت سے پہلے اہل ثواب کو زندہ کرنا اس کے فضل اور احسان کے زیادہ لائق ہے تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر اس آیت سے یہ مراد ہو کہ شہداء قیامت میں زندہ ہوں گے تو پھر یہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی کہ ان کو مردہ گمان نہ کر دو کیونکہ قیامت کی زندگی کے بارے میں تو کسی مسلمان کو کوئی تردید نہیں تھی نیز قیامت کی حیات میں شہداء کی کیا تخصیص ہے وہ تو سب مسلمانوں کو حاصل ہوگی! چوتھی دلیل یہ ہے کہ اس آیت

۱۷۔ علامہ ابو الفضل شہاب الدین سید محمود اوسى متوفى ۱۲۵۰ھ، روح المعانی ج ۵ ص ۱۹۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

میں ہے کہ ان شہداء کے بعد میں آنے والے لوگ جو ابھی فوت نہیں ہوئے ان کے متعلق بشارت پاکر شہداء خوش ہوتے ہیں اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو یہ خوشی اس دنیا میں قیامت سے پہلے حاصل ہو، کیونکہ قیامت میں نورو لوگ مگر شہداء کو لاحق ہو چکے ہوں گے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ابھی وہ ان کو لاحق نہیں ہوئے اس لیے ضروری ہے کہ یہ خوشی ان کو اس دنیا میں قیامت سے پہلے حاصل ہو اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ شہداء زندہ ہوں۔ لہ

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

شہداء جنت میں زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے ہر چند کہ وہ نیت ہو گئے اور ان کے اجسام مٹی میں دفن ہو گئے، لیکن ان کی ارواح باقی مومنوں کی ارواح کی طرح زندہ ہوتی ہیں، اور ان کو رزق کے وقت سے لے کر تاحیات رزق کی فضیلت دی جاتی ہے۔

شہداء کی حیات میں علماء کا اختلاف ہے لیکن جمہور علماء کا وہی نظریہ ہے جس کو ہم نے بیان کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ شہداء کی حیات حقیقی ہے، پھر بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ شہداء کی قبروں میں ان کی رگوں میں نوٹا دی جاتی ہیں اور وہ ثواب حاصل کرتے ہیں جس طرح کفار کی قبروں میں زندہ کر کے عذاب دیا جاتا ہے، عمار نے کہا ہے کہ انہیں جنت کے پھل دیے جاتے ہیں یعنی وہ ان پھلوں کی خوشبو سونگھتے ہیں، اور بعض علماء نے کہا یہ محض ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ شہداء اللہ تعالیٰ کے نزدیک جنت کی نعمتوں کے مستحق ہیں، جیسے کہا جاتا ہے فلاں شخص مرا نہیں یعنی اس کا ذکر زندہ ہے، یعنی شہداء کو نیک نامی اور ثناء جمیل کا رزق دیا جاتا ہے، اور بعض علماء نے کہا کہ شہداء کی ارواح ہر پندرہ دنوں کے بیٹوں میں ہوتی ہیں اور انہیں جنت میں رزق دیا جاتا ہے وہ وہاں کھاتے ہیں اور ننسیں پاتے ہیں، اور یہی صحیح قول ہے کیونکہ یہ احادیث کے مطابق ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ شہداء کی ارواح قیامت تک عرش کے نیچے رکھے اور سجود کرتی رہتی ہیں جس طرح ان زندہ مسلمانوں کی رگوں میں جو ضرور کے سوتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ شہداء کا جسم قبر میں برسیدہ نہیں ہوتا اور نہ اس کو زمین کھاتی ہے اور ہم نے ”تذکرۃ“ میں لکھا ہے کہ انبیاء، شہداء، علماء ثواب کے لیے اذان دینے والوں اور قرآن کے حافظوں کے اجسام کو قبر نہیں کھاتی، اللہم اجعلنی منہم۔ امین

علامہ ابن جریر منبلی لکھتے ہیں:

شہداء زندہ ہوتے ہیں اور ان کی رگوں میں سب پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں اور جنت میں چرتی ہیں، سو شہداء اس اعتبار سے زندہ ہوتے ہیں، اگرچہ روح لکھنے کے لحاظ سے وہ مردہ ہوتے ہیں، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس طرح کی حیات تو ہر مسلمان کو مرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے اور ان کو ثواب ہوتا ہے پھر اس میں شہداء کی کیا تخصیص ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شہداء کی دوسرے مسلمانوں پر یہ فضیلت ہے کہ شہداء کو جنت کے کافروں کے رزق دیا جاتا ہے اسی کے برخلاف دوسرے مسلمانوں کو دوسری انواع کا ثواب دیا جاتا ہے۔ لہ

۱۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۵۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

۲۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۸۵ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ

۳۔ علامہ ابو العزیز عبد الرحمن بن علی بن محمد جزیری منبلی متوفی ۵۹۷ھ، نداء السیر ج ۱ ص ۱۶۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت۔

حیات شہداء کی کیفیت میں فقہاء اسلام کے منظرِ حیات

علامہ اکوسی حنفی لکھتے ہیں: شہداء کی حیات کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے، اکثر متقدمین نے یہ کہا ہے کہ شہداء کی حیات حقیقی ہے اور جسم اور روح کے ساتھ ہے لیکن ہم اس زندگی میں اس کا ادراک نہیں کر سکتے، ان کا استدلال اس آیت سے ہے عندنا جہنم یومنا قوت۔ انہیں ان کے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے۔ نیز صرف روحانی حیات میں شہداء کی کوئی تخصیص نہیں ہے کیونکہ یہ حیات تو عام مسلمانوں بلکہ کفار کے بھی مرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے پھر ان کا دوسروں سے کیا امتیاز ہوگا؟ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ شہداء کی حیات صرف روحانی ہوتی ہے اور ان کو رزق دیا جاتا اس کے منافی نہیں ہے، کیونکہ حسن سے مروی ہے کہ شہداء اللہ تعالیٰ کے پاس زندہ ہوتے ہیں اور ان کی رُوحوں کو رزق ہمیشہ کیا جاتا ہے جس سے ان کو فرحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے، جس طرح آل فرعون پر صبح و شام آگ پیش کی جاتی ہے جس سے ان کو تکلیف اور اذیت ہوتی ہے، سو رزق سے مراد یہ فرحت اور مسرت ہے، اور شہداء کا ہائی مسلمان رُوحوں سے صرف حیات میں امتیاز نہیں ہے بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کا جو خصوصی قرب حاصل ہے اور جو ان کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں خصوصی عزت اور وجاہت حاصل ہوگی اس سے ان کا باقی مسلمانوں سے امتیاز ہوگا۔

مجلس نے شہداء کی حیات کا مطلقاً انکار کیا ہے اور اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ شہداء کو قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا اور ان کو ابھی جزا دی جائے گی اور بعض متقدم نے یہ کہا ہے کہ حیات سے مراد یہ ہے کہ ان کا ذکر زندہ رہے گا اور دنیا میں ان کی تعریف ہوتی رہے گی اور اہم سے منقول ہے کہ حیات سے مراد ہدایت اور مسرت سے مراد گمراہی ہے یعنی یہ نہ کہو کہ شہداء گمراہ ہیں بلکہ وہ ہدایت پر ہیں، لیکن یہ تمام اقوال نہایت ضعیف ہیں بلکہ باطل ہیں اور شہداء کی حیات جہانی کا قول ہی صحیح ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، مجاہد، حسن، عمرو بن عبیدہ، داصل بن عطاء، جہانی، ربیع اور مسرورین کی ایک جماعت کا یہی مختار ہے۔

جو علماء شہداء کی جہانی حیات کے قائل ہیں ان کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا ان کا وہی جسم زندہ ہوتا ہے جس کو قتل کیا گیا تھا یا وہ کسی اور جسم کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں، جو علماء اس کے قائل ہیں کہ وہ اسی جسم کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں جس کو قتل کیا گیا تھا وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس قتل شدہ جسم میں ایسی حیات پیدا کر دے جس کی وجہ سے ان کو احساس اور ادراک حاصل ہو جائے اگرچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے اجسام زمین میں مدفون ہیں اور کوئی تعریف نہیں کر رہے اور ان میں زندہ جسموں کی کوئی علامت نہیں پائی جاتی، کیونکہ حدیث میں ہے کہ انتہاء بقرن تک مومن کی قبر میں وسعت کر دی جاتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ تم دلہن کی طرح سو جاؤ حالانکہ ہم اس کا مشاہدہ نہیں کرتے کیونکہ برزخ کے متحدہ واقعات ہمارے ذہنوں اور ادراک و شعور سے بہت دور ہیں۔

جہانی حیات کے بعض قائلین نے کہا کہ شہداء کی حیات ایک اور جسم کے ساتھ ہوتی ہے جو پرندوں کی صورت پر ہوتا ہے اور ان کی روح اس جسم کے ساتھ متعلق ہوتی ہے ان کی دلیل اس حدیث سے ہے، امام عبد الرزاق، عبد اللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہداء کی رُوحیں سبز پرندوں کی صورت میں جنت کی قندیلوں پر معلق رہتی ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان

کو۔۔۔ نوٹا دے گا۔ اگر یہ سوال ہو کہ اس حدیث کے معارض یہ حدیث ہے کہ امام مالک، امام احمد، امام ترمذی، امام شافعی اور امام ابن ماجہ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہداء کی جلیں سبز پرندوں کے پیڑوں میں ہوتی ہیں اور جنت کے پھلوں یا درختوں پر ملتی رہتی ہیں اور امام مسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہداء کی رومیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سبز پرندوں کے پیڑوں میں ہیں اور جنت میں جہاں چاہیں چرتی ہیں پھر عرش کے نیچے قدیلوں میں بٹھرتی ہیں، کیونکہ پرندوں کے پیڑوں میں یا ان کے پیڑوں میں ہونے کا یہی مطلب ہے کہ وہ پرندوں کی صورت پر ہوتی ہیں کیونکہ دیکھنے والا ان کو مرنے پرندوں کی صورتوں میں دیکھتا ہے۔

بعض امامیہ کا یہ مسلک ہے کہ شہداء اپنے دنیاوی جسم کی صورت پر ایک اور جسم کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں (یعنی جسم مثالی کے ساتھ) حتیٰ کہ اگر ان کو کوئی شخص دیکھ لے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو دیکھا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ ابو جعفر یونس بن علیان سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں ابو عبد اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو انھوں نے کہا مومنین کی ارواح کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ عرش کے نیچے سبز پرندوں کے پیڑوں میں ہوں گی، ابو عبد اللہ نے کہا سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی روح کو سبز پرندے کے پوٹے میں رکھے، اللہ تعالیٰ جب مومن کی روح کو قبض کر لیتا ہے تو وہ اس روح کو ایسے قالب (جسم) میں رکھتا ہے جو اس کے دنیاوی قالب کی مثل ہوتا ہے پھر وہ کھلتے پیتے رہتے ہیں پھر جب ان کے پاس کوئی شخص آتا ہے تو وہ اس کو ان کی اسی دنیاوی صورت میں پہچان لیتا ہے یہ اگر اس حدیث میں مومنوں سے مراد شہداء ہوں پھر وجہ استدلال بالکل ظاہر ہے، اور اگر اس سے مراد عام مومن ہو تو پھر شہید کا حال اس سے بطریق اولیٰ معلوم ہو گا۔

شہید اپنے دنیاوی جسم کے ساتھ زندہ ہوتا ہے یا جسم مثالی کے ساتھ یا سبز پرندوں کے جسم کے ساتھ؟

علامہ آکوسی کہتے ہیں میرے نزدیک ہر مرنے والے کے لیے برزخ میں حیات ثابت ہے خواہ وہ شہید ہو یا نہ ہو، اور اس بات سے کوئی مانع نہیں ہے کہ اس دنیاوی بدن کے علاوہ کسی اور برزخی بدن کے ساتھ اس کی روح کا تعلق ہو اور ارواح شہداء کا بھی برزخی ابدان کے ساتھ اس طرح تعلق ہوتا ہے جس سے وہ دوسروں سے ممتاز رہتے ہیں اور علاوہ ازیں ان کو ایسی فرحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے اور ایسی نعمتیں اور ثواب حاصل ہوتا ہے جو ان کے مقام کے لائق ہے اور ان برزخی ابدان لطیفہ کی دنیاوی اجسام کشیفہ کے ساتھ مکمل مشابہت ہوتی ہے

۱۔ شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ، الفروع من الکافی ج ۳ ص ۲۲۵، مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ طہران، ۱۳۹۱ھ
۲۔ علامہ آکوسی ایسے متعصب سنی عالم کا احادیث اہل سنت کے خلاف امامیہ کی روایت سے استدلال کرنا باعث حیرت ہے۔ سعیدی غفرلہ۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ امارت میں شہداء کے لیے جو سبز پزندوں کا ذکر ہے وہ بر باد تشبیہ ہو، یعنی یہ اجسام برزخیہ اس قدر صفت کے ساتھ حرکت کرتے ہیں کہ ان کو سبز پزندوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، اور صورت کا معنی صفت ہو جیسا کہ اس حدیث میں ہے خلق آدم علی صورۃ الزحمان "آدم صورت زحمان پر پیدا کیا گیا ہے" یعنی زحمان کی صفت پر پیدا کیا گیا ہے، اور حضرت ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے جو موت کی روح کے سبز پزندوں کے پوٹوں میں رہنے کو مستند قرار دیا وہ اس کے ظاہری معنی کے اعتبار سے تھا اور ہم نے جو بیان کیا ہے کہ سبز پزندوں سے مراد ان کے تیزی سے اڑنے کی صفت ہے اس بناء پر یہ اشکال لازم نہیں آئے گا کہ ایک جسم کے ساتھ دو روحیں متعلق ہو گئیں ایک پزندہ کی روح اور ایک شہید کی روح، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شہید کی روح بنفسہ پزندہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے، کیونکہ ارواح انتہائی لطیف ہوتی ہے اور ان میں کسی جسم کی صورت اختیار کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت جبرائیل نے حضرت وحیہ کلبی کی شکل اختیار کر لی تھی، رہا یہ کہنا کہ دنیاوی جسم جو بوسیدہ ہو جاتا ہے جس کے اجزاء بکھر جاتے ہیں اور جس کی ہیئت تبدیل ہو جاتی ہے، شہید کا یہی جسم زندہ رہتا ہے تو ہر چند کہ اس جسم کا زندہ رکھنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں ہے لیکن اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے اور نہ اس میں شہید کی کوئی فضیلت اور عظمت ہے، بلکہ اس کی وجہ سے ضعیف الایمان مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں، اور یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص اتنے سال پہلے شہید ہوا تھا اور اس کے جسم کے زخم اب بھی تروتازہ ہیں اور اس کے زخم سے پٹی ہٹائی تو اسی طرح خون بہہ رہا تھا تو یہ محض قصہ کہانیاں اور خرافات ہیں۔

شہداء کی حیات جنمانی میں مصنف کا موقف اور بحث و نظر

اس رائے سے اختلاف ہے کیونکہ یہ ام تسلسل اور تواتر سے منقول ہے کہ کسی وجہ سے بعض شہداء کی قبریں ایک بڑے عرصہ کے بعد کھل گئیں اور ان کے اجسام اسی طرح تروتازہ پائے گئے اور ان کے زخموں سے اسی طرح خون ریں رہا تھا، علامہ قاری کہتے ہیں:

امام مالک بیان کرتے ہیں کہ انھیں عبد الرحمن بن عبد اللہ بن مسعود سے یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمرو بن الجحوم انصاری اور حضرت عبد اللہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہما ان دونوں کی قبروں تک سیلاب کا پانی پہنچ گیا تھا، یہ دونوں جنگ احد میں شہید ہوئے تھے اور ایک قبر میں مدفون تھے ان کی قبر کھودی گئی تاکہ ان کی قبر کی جگہ تبدیل کی جاسکے، جب ان کی قبر سے نکالا گیا تو ان کے جسم بالکل متغیر

عن مالک عن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن مسعود انہ بلغه ان عمرو بن الجحوم وعبد اللہ بن عمرو الانصاریین کانا قد حضرا السیل قبرھما وکان قبرھما ممایلی السیل وکانا فی قبر واحد وھما ممایلی استشهدا یوم احد فحفر عنھما لیغیرا من مکانھما فوجد المد یتغیرا کانما ماتا

لے۔ علامہ ابن الفضل شہاب الدین سید محمود اُرسی متوفی ۱۲۶۰ھ روض المعانی ج ۲ ص ۲۲۔ ۲۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

نیز امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوہ احد کے دن میرے والد کے ساتھ ایک شخص کو دفن کیا گیا، میں اس سے عرض نہیں ہوا حتیٰ کہ میں نے اپنے والد کو اس قبر سے نکال کر علیحدہ دفن کیا۔ حضرت جابر کہتے ہیں میں نے اپنے والد کو چھ ماہ بعد نکالا تھا اور ان کے کان کے سوا ان کا پورا جسم اسی طرح تر و تازہ تھا جیسے ابھی دفن کیا ہو۔

عن جابر بن عبد الله قال دفن مع أبي
رجل يوم أحد فلم تطب نفسى حتى أخرجته
ودفنته على حدة وعن جابر قال فاستخرجته
بعد ستة أشهر ما ذاهو كيوم وضعت هنية
عبد الله ^ع

ایک اور سند سے امام بیہقی روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد کے ساتھ ایک شخص کو دفن کیا گیا، اس سے میرے دل میں کچھ بات تھی پھر میں نے چھ ماہ کے بعد اپنے والد کے جسم کو نکالا تو ان کی ڈاڑھی کے چند بالوں کے سوا جو زمین کے ساتھ لگے ہوئے تھے، باقی پر راجم اسی طرح تازہ تھا۔

عن جابر قال دفن ابي معرجل فكان
في نفسى من ذلك حاجة فاخرجته بعد
ستة اشهر فما انكرت منه شيئا الا
شعيرات كن في لحيته مما يلي الارض^٣

خیال رہے کہ حضرت جابر کے والد، حضرت عبداللہ غزوہ اُحُد میں شہید ہو گئے تھے۔
ان قوی آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ بسا اوقات شہداء کے یہی دنیاوی اجسام باقی رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان اجسام کو زندہ رکھتا ہے اور گلے سرنے سے محفوظ رکھتا ہے اور مرد زمانہ کے باوجود یہ اجسام اسی طرح تروتازہ رہتے ہیں اور ان کے زخم اسی طرح خون آلود رہتے ہیں البتہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں جو مسلمان قتل کیے جاتے

لے۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات ج ۲ ص ۷۲، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ

۵۲۔ امام ابو بکر احمد بن حنبل بیہقی متوفی ۲۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۲ ص ۵۸-۵۷، مطبوعہ نشر السنۃ عمان

سنن کبری ج ۴ ص ۵۸

ہیں کچھ عرصہ کے بعد ان کے اجسام پھول جاتے ہیں اور پھٹ جاتے ہیں اور ان سے بدبو آنے لگتی ہے، ان کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی حیات جسمانی اس دنیاوی جسم کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیاوی جسم کے بدلہ ان کو کوئی اور جسم دے دیا ہے جو ان کے دنیاوی جسم کی شکل ہے۔

شہداء کی حیات جسمانی کے سلسلہ میں تمام احادیث اور آثار کو سامنے رکھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہداء کے درجات اور مراتب کے اعتبار سے شہداء کی حیات جسمانی کے متعدد اعتبار ہوتے ہیں، صحابہ کرام اور دوسرے مقررین اور صالحین اگر شہید ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اسی جسم کے ساتھ زندہ رکھتا ہے، اور بعض شہداء کو جسم مثالی عطا فرماتا ہے کیونکہ جو مسلمان اللہ کی راہ میں ایک چیز خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی دس مثلیں عطا فرماتا ہے تو اس لیے ہو سکتا ہے کہ جب شہداء اللہ کی راہ میں اپنے جسم کو خرچ کریں اور وہ جسم نقل کے بعد بوسیدہ اور مٹی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اس جیسے کئی اجسام مثالیہ عطا فرمادے، اور بعض شہداء کی رُوحوں کو اللہ تعالیٰ سبز پندوں کی صورت میں متمثل فرمادیتا ہے جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی صراحت ہے اور بعض شہداء کی رُوحیں سبز پندوں کے پوٹوں میں اترتی پھرتی ہیں، جنت کی کاریوں میں چرتی ہیں اور عرش کے نیچے قندیلوں میں گھمتی رہتی ہیں اور اس سلسلہ میں بکثرت احادیث ہیں۔
والحمد لله رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد سید المرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ واذا واجدنا ولیاء امتہ وعلما ملتہ اجمعین۔

سردوں پر پیرہ دینے اور جہاد کی فضیلت

بَابُ فَضْلِ الْجِهَادِ وَالزَّيَّاطِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر یہ سوال کیا کہ لوگوں میں سے کون سا شخص افضل ہے؟ آپ نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرتا ہے، اس نے پوچھا اس کے بعد پھر کون افضل ہے؟ آپ نے فرمایا پھر وہ مومن افضل ہے جو پہاڑ کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں رہتا ہو وہ لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے اور اپنے رب عزوجل کی عبادت کرے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے زیادہ کون افضل ہے؟ آپ نے فرمایا وہ مومن جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرے، اس

۴۷۱۔ حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ أَبِي مَرْجٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْرَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْوَلِيدِ الزُّمَيْدِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَعْلَى النَّاسِ أَفْضَلُ فَقَالَ رَجُلٌ يَتَجَاهَدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِمَالِهِ وَنَفْسِهِ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ مُؤْمِنٌ فِي شَعْبٍ مِنَ الطُّعَاةِ يَعْبُدُ اللَّهَ مَا بَدَأَ يَدُ النَّاسِ مِنْ شَرِّهِ۔

۴۷۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الزُّمَارِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْلَى النَّاسِ أَفْضَلُ يَأْمُرُ سَوْلَ اللَّهِ قَالَ

مُؤْمِنٍ يُجَاهِدُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ ثُمَّ مَنْ
قَالَ ثُمَّ رَجُلٌ مُقْتَرِلٌ فِي هَيْبٍ مِنَ الشَّعَابِ
يَعْبُدُ رَبَّهُ وَيَدْعُو النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ -
۴۴۳- وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ
الدَّائِمِيُّ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ عَنْ الْأَوْزَاعِيِّ
عَنِ ابْنِ شِهَابٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ فَقَالَ وَرَجُلٌ فِي
شُعْبٍ وَكُلُّهُ يَحْتَلِ ثُمَّ رَجُلٌ -

۴۴۴- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى الشَّجَوِيُّ
حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَارِثٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ
بَعْجَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ خَيْرُ مَعَايِشِ النَّاسِ
لَهُمْ رَجُلٌ مُمِيسِكٌ عَنَانٍ قَرِيبٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
يَطِيرُ عَلَى مَتْنِهِ كُلَّمَا سَمِعَ هَيْعَةً أَوْ فَرَعَةً طَارَ
عَلَيْهِ يَبْتَغِي الْقَتْلَ وَالْمَوْتَ مَطَانَّةً أَوْ رَجُلٌ فِي
عَنِيمَةٍ فِي رَأْسِ شَعْفَةٍ مِنْ هَذِهِ الشَّعْفِ أَوْ بَطْنِ
وَادٍ مِنْ هَذِهِ الْأَوْدِيَةِ يُقِيمُ الصَّلَاةَ وَيُعْطِي الزَّكَاةَ
وَيُعْبُدُ رَبَّهُ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْيَقِينُ كَيْسَ مِنَ النَّاسِ
إِلَّا فِي خَيْرٍ -

۴۴۵- وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ
عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي حَارِثٍ وَيَعْقُوبُ بْنُ رَافِعٍ ابْنِ
عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْقَائِمِيُّ كِلَاهُمَا عَنْ أَبِي حَارِثٍ
بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ وَقَالَ عَنْ بَعْجَةَ بِنِ عَبْدِ اللَّهِ
بْنِ بَدْرٍ وَقَالَ فِي شُعْبَةٍ مِنْ هَذِهِ الشَّعَابِ خِلَافَ
رِوَايَةِ يَحْيَى -

۴۴۶- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
وَأَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَوْ أَحَدَنَا وَكُنْهُ
عَنْ أَسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنْ بَعْجَةَ بِنِ عَبْدِ اللَّهِ
الْجُمَيْيَةِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ بِمَعْنَى حَدِيثِ أَبِي حَارِثٍ مِنْ بَعْجَةَ وَقَالَ

نے پچھا کہ پھر کوئی افضل ہے؟ آپ نے فرمایا پھر وہ شخص ہے جو
پہاڑ کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں تنہا بیٹھ کر اللہ کو یاد
کرے اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے۔
ایک اور سند سے بھی یہ روایت ہے اس میں ہے
درجل فی شعب ثور رجل - نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کی بہترین زندگی
کا طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص گھوڑے کی نگاہ پکڑ کر اللہ کی
راہ میں نکل جائے وہ اس کی پشت پر اڑا جا رہا ہو جس طرف
دشمن کی آہٹ یا خوف محسوس کرے اسی طرف گھوڑے
کا رخ کر دے اور قتل یا موت کی تلاش میں نکل جائے
یا اس آدمی کی زندگی بہتر ہے جو چند بکریاں لے کر پہاڑ
کی کسی چوٹی یا کسی وادی میں نکل جائے وہاں نماز پڑھے
زکوٰۃ ادا کرے اور اپنے رب کی عبادت کرے حتیٰ کہ
اسی حال میں اس کو موت آئے اور بھلائی کے سوا وہ
لوگوں کے کسی معاملہ میں نہ پڑے۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت ہے اور اس
میں من ہذا الشعاب کا لفظ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بھی حسب سابق ہے اور
اس میں فی شعب من الشعاب کے الفاظ ہیں۔

فِي شُعَيْبٍ مِنَ الْقَتَابِ -

شہر میں رہ کر اجتماعی اور تمدنی زندگی گزارنا افضل ہے یا پہاڑ کے دامنوں گھاٹیوں اور
وادیوں میں خلوت گزینی افضل ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس باب کی احادیث میں شہروں کی اجتماعی اور تمدنی زندگی پر جنگوں اور پہاڑوں کے
دامنوں اور گھاٹیوں میں زندگی گزارنے کی فضیلت کا بیان ہے، اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف مشہور ہے، امام شافعی
اور جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اجتماعی اور تمدنی زندگی خلوت گزینی سے افضل ہے، بشرطیکہ شہروں کی اجتماعی زندگی
میں فتنوں سے سلامت رہنے کی امید ہو، ان احادیث کی بناء پر بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ خلوت گزینی افضل ہے،
جمہور علماء ان احادیث کو جنگ اور فتنوں کے زمانہ پر محمول کرتے ہیں (جیسا کہ یزید کے دور میں واقعہ حرہ کا فتنہ
تھا، مسلم بن عقیبہ مدنی ہر شخص کے سر پر تلوار لے کر کھڑا ہو جاتا کہ میرے ہاتھ پر یزید کی بیعت کرو کہ تم یزید
کے غلام ہو، عداہ دہ تم کو قتل کر دے یا بیچ ڈالے اور جو شخص یہ بیعت نہ کرتا اس کو قتل کر دیتا، اس وقت بہت
سے صحابہ اور انبیاء تابعین پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے۔ سیدی غفرلہ) انبیاء علیہم السلام، جمہور صحابہ اور فضلاء تابعین
علماء اور علماء و لوگوں سے علیٰ جبل کر رہتے تھے اور تمدنی زندگی کے فوائد حاصل کرتے تھے، مثلاً پانچ وقت کی نماز
کا جماعت سے پڑھنا، جمعہ اور عید اور کرنا، نماز جنازہ پڑھنا، مریضوں کی عیادت کرنا، ذکر و فکر کے حلقے قائم کرنا،
علم پڑھنا اور پڑھانا، دینی کتب کی تصانیف اور اشاعت کرنا، مظلوموں کے حقوق کے لیے دادرسی کا انتظام کرنا،
حدود و تعزیرات کا نظام، زکوٰۃ کا نظام اور حج اور عمرہ کا بندوبست، اسلام کے یہ تمام احکام شہر میں اجتماعی اور تمدنی
زندگی کا تقاضا کرتے ہیں اور بغیر کسی ناگزیر وجہ کے اسلام میں خلوت گزینی کی اجازت نہیں ہے۔ ۱۷

بَابُ بَيَانِ الرَّجُلَيْنِ يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا قَاتِلٌ أَوْ مَقْتُولٌ كَيْفَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ

کا بیان

الْأَخَرَيَيْنِ خُلَا فِي الْجَنَّةِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ دو آدمیوں
کی طرف دیکھ کر منتنا ہے، کیونکہ ایک آدمی دوسرے
کو قتل کرے گا اور یہ دونوں جنت میں داخل ہو جائیں
گے، صحابہ کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ کیسے ہوگا؟
آپ نے فرمایا ایک شخص راہِ خدا میں شہید کیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ

۴۷۷۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ
حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الثَّوَالِجِ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ
أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ يَنْظُرُ إِلَيْنَا إِلَيْنِ رَجُلَيْنِ يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا
الْأُخَرَ يَلَا هُمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ فَقَالُوا كَيْفَ
يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ يَقَاتِلُ هَذَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

۱۷۔ علامہ یحییٰ بن شریف نوری متوفی ۶۷۲ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۶، مطبوعہ دار محمد صالح المطابع کراچی ۱۳۰۶ھ

جلد خامس

عَزَّ وَجَلَّ فَيُسْتَشْهَدُ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَى الْقَاتِلِ
فَيُسَلِّمُ فَيَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ
فَيُسْتَشْهَدُ

اس کے قاتل کو توبہ کی توفیق دے گا، وہ اسلام قبول کر
کے اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرے گا اور شہید ہو جائے گا،
جیسا کہ حضرت حمزہ اور وحشی رضی اللہ عنہما۔
ایک اور سند سے بھی یہ روایت اسی طرح منقول
ہے۔

۴۷۷۸- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ

بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالُوا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ يَحْيَىٰ ابْنِ إِسْمَاعِيلَ

۴۷۷۹- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا

عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ

قَالَ هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا وَقَالَ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْحَبُ اللَّهُ

لِرَجُلَيْنِ يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ كِلَاهُمَا يَدْخُلُ

الْجَنَّةَ قَالُوا كَيْفَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ يَقْتُلُ هَذَا

فَيَلْبِسُ الْجَنَّةَ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَى الْآخَرِ فَيَقْتُلُهُ

إِلَى الْإِسْلَامِ ثُمَّ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُسْتَشْهَدُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ دو شخصوں
کی طرف دیکھ کر منہ ستا ہے ان میں سے ایک شخص دوسرے
کو قتل کرے گا اور وہ دونوں جنت میں داخل ہوں گے
صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ کس طرح ہوگا؟ آپ
نے فرمایا یہ شخص قتل کیا جائے گا اور وہ جنت میں داخل ہوگا
پھر اللہ تعالیٰ اس دوسرے شخص کو اسلام کی ہدایت دے گا
وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا اور شہید کر دیا جائے گا۔

ف! اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ہنسنے سے مراد انسانوں کی منہ نہ ہنسی نہیں ہے کیونکہ اس ہنسی کا محل اجسام
ہوتے ہیں اور وہ چیزیں ہوتی ہیں جن میں تغیر رہ پاسکے، یہاں ہنسی سے مراد ہے، ان دو بندوں کے فعل پر اللہ تعالیٰ
کا راضی ہونا، ان کو ثواب عطا کرنا، ان کی تعریف و تحسین کرنا اور اللہ کے رسولوں کی ان سے محبت کے ساتھ ملاقات
کرنا، نیز یہ بھی ہو سکتا ہے اللہ کی ہنسی سے مراد یہاں پر فرشتوں کی ہنسی ہو۔ کیونکہ بعض اوقات فرشتوں کے افعال
کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی جاتی ہے۔

بَابُ مَنْ قَتَلَ كَافِرًا ثُمَّ سَدَّ

کافر کو قتل کرنے کے بعد نیک عمل پر قائم
رہنا۔

۴۷۸۰- حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَ

عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالُوا حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (يَعْنُونَ

ابْنَ جَعْفَرٍ) عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا

يُجْتَمِعُ كَافِرٌ وَقَاتِلُهُ فِي النَّارِ أَبَدًا۔

۴۷۸۱- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَوْنٍ الْبَهْلَاءِيُّ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کافر اور اس
کو قتل کرنے والا مسلمان جہنم میں کبھی بھی جمع نہیں رہیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو شخص جہنم میں اس طرح جمع نہیں ہوں گے کہ ایک شخص دوسرے کو ضرر پہنچائے، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا: مومن جو کسی کافر کو قتل کرنے کے بعد نیکی پر قائم رہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو اسْحَقَ الْفَرَارِيُّ ابْنُ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِي صَالِحٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَنِ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي النَّارِ اَجْتِمَاعًا يَصُتُّ أَحَدُهُمَا اِلَّا خَرَقَ قَيْلٌ مِّنْ هُمَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ مُؤْمِنٌ قَتَلَ كَافِرًا اَشْرَكَ دَ.

ف: اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ جو مومن کسی کافر کو قتل کرنے کے بعد نیکی پر قائم رہے گا وہ جہنم میں داخل ہی نہیں ہوگا پھر جہنم میں ان کے اجتماع کی نفی سے کیا مراد ہے! اس کا جواب یہ ہے کہ نیکی پر قیام سے مراد ہے ایمان پر قائم رہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے ایمان پر قائم رہنے کے بعد اور گناہ کیے ہوں تو اس لیے اس کو ان گناہوں کی سزا دی جائے گی لیکن وہ ایک دوسرے کو نہیں پہنچائیں گے اور ایمان پر قائم رہنے والا مسلمان جہنم میں عارضی طور پر رہے گا اور بالآخر اس کو جہنم سے نجات حاصل ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرنے کی فضیلت

بَابُ فَضْلِ الصَّدَقَةِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص ادھنی کی مہار کپڑ کر لایا اور کہنے لگا یہ اللہ کی راہ میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں اس کے بدلہ قیامت کے دن سات سو ادھنی ملیں گی اور ان سب کے ٹیکل ڈلی ہوگی۔

۴۸۲ - حَدَّثَنَا اسْحَقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الْخَطَطِيُّ أَخْبَرَنَا جَرِيْدُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ اَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ عَنْ اَبِي مَسْعُوْدٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ بِنَاقَتٍ مَّخْطُوْمَةٍ فَقَالَ هِيَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعِمِائَةِ نَاقَةٍ كُلُّهَا مَخْطُوْمَةٌ.

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

۴۸۳ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو سَامَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ وَحْدَةَ كَعْبِيِّ بْنِ مَسْرُودٍ عَنْ اَبِيهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَعْنَى ابْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ كِلَاهُمَا عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ.

غازی اور محب اہد کی سواری وغیرہ کے ساتھ مدد کرنے کی فضیلت

بَابُ فَضْلِ إِعَانَةِ الْغَازِي فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِمَرْكُوبٍ وَغَيْرِهِ

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ

۴۸۴ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَابْنُ كُرَيْبٍ وَابْنُ عَمْرٍو وَاللَّفْظُ لِابْنِ كُرَيْبٍ قَالُوا

کر عرض کیا، یا رسول اللہ میرا جانور ضائع ہو گیا، آپ مجھے کسی جانور پر سوار کر دیجئے، آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی سوار ہی نہیں ہے، ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ میں آپ کو ایسا شخص بتاتا ہوں جو اس کو سوار کر دے گا، آپ نے فرمایا جو شخص کسی نیکی کا راستہ بتائے گا، اس کو بھی نیکی کرنے والے کا اجر ملے گا۔

امام مسلم نے اس حدیث کی دو سندیں ذکر کی ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے اگر عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا جہاد کرنے کا ارادہ ہے اور میرے پاس جہاد کا سامان نہیں ہے، آپ نے فرمایا: فلاں شخص کے پاس جہاد کا سامان ہے جہاد کا سامان تیار کیا تھا لیکن وہ بیمار ہو گیا، وہ آدمی اس شخص کے پاس گیا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے تم مجھ کو وہ سامان دے دو جو تم نے تیار کیا ہے اور اس میں سے کوئی چیز اپنے پاس نہ رکھو۔ انھوں نے کہا اے غلامی! اس کو وہ چیز دے دو جو میں نے تیار کی ہے اور اس سے کچھ مت روکو۔ بھلا! اگر تم نے اس میں سے کوئی چیز بھی اپنے پاس رکھی تو اس میں برکت نہیں ہوگی۔

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ کے راستہ میں کسی غازی کو سامان بتایا گیا اس نے بھی جہاد کیا اور جس شخص نے غازی کے گھر کی اچھی طرح دیکھ بھال کی تو اس نے بھی جہاد کیا۔

حَدَّثَنَا أَبُو مَعَاذٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي عَمْرٍو النَّبِيِّ عَنِ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ جَاءَهُ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي أَبَدُ عَرَفِي فَأَحْمِلْنِي فَقَالَ مَا عِنْدِي فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا أَذْكَ لَكَ عَلَى مَنْ يَحْمِلُكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ۔

۴۸۵۔ وَحَدَّثَنَا اسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ ح وَحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ خَالِدٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ كُلُّهُمُ عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ۔

۴۸۶۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ح وَحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ رَوَى اللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا بَهْزُ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ فَتًى مِّنْ أَسْلَمَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أُرِيدُ الْغَزَا وَلَيْسَ مَعِيَ مَا أَتَجَهَّرُ قَالَ أَتَيْتَ فُلَانًا فَإِنَّهُ قَدْ كَانَ تَجَهَّرَ فَمَرَضَ فَأَتَاهُ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ لَكَ السَّلَامَ وَيَقُولُ أَعْطِنِي الَّذِي تَجَهَّرْتَ بِهِ فَقَالَ يَا فُلَانُ أَعْطِنِيهِ الَّذِي تَجَهَّرْتَ بِهِ وَلَوْ تَحْسِبُنِي عَنْهُ شَيْئًا خَوَّاهُ اللَّهُ لَا تَحْسِبُنِي مِنْهُ شَيْئًا فَيَسَاءَ لَكَ ذَلِكَ فَيُر۔

۴۸۷۔ وَحَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَأَبُو الطَّاهِرِ قَالَ أَبُو الطَّاهِرِ أَخْبَرَنَا أَبُو وَهَبٍ وَقَالَ سَعِيدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهَبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ بَكْرِ بْنِ الْأَشْجَثِ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ رَسُولِ

اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَا تَلَّہُ قَالَ مَنْ جَہَنَ
غَاۓِرَیَا فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ فَقَدْ غَنَّا وَمَنْ خَلَفَ فِی
اٰہِلِہِ یَحْزِنُ فَقَدْ غَنَّا۔

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس
شخص نے کسی مجاہد کے لیے سامان مہیا کیا اور جس نے
مجاہد کے گھر کو دیکھ بھال رکھی اس نے بھی جہاد کیا۔

۴۷۸۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِیعِ الرَّزَّازُ اِنْی حَدَّثَنَا
یَزِیدُ رِیْعَی ابْنُ رَیْعٍ (حَدَّثَنَا حُسَیْنُ السَّعْلَمِ
حَدَّثَنَا یَحْیٰی بْنُ اَبِی کَثِیْرٍ عَنْ اَبِی سَلَمَۃَ بْنِ
عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِی بَسْرٍ عَنْ سَعِیدِ بْنِ زَیْدٍ عَنْ
خَالِدِ الْجَہْمِیِّ قَالَ قَالَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَا مَنْ جَہَنَ غَاۓِرَیَا فَقَدْ غَنَّا وَمَنْ خَلَفَ
غَاۓِرَیَا فِی اٰہِلِہِ فَقَدْ غَنَّا۔

حضرت البرسید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو لیحان (یہ ہذیل
کی ایک شاخ ہے) کی طرف ایک لشکر روانہ کیا اور فرمایا
ہر گھر کے دو مردوں میں سے ایک مرد نکلے اور قراب
دونوں کر ملے گا۔

۴۷۸۹۔ وَحَدَّثَنَا ذَہَبُ بْنُ حَزْبٍ حَدَّثَنَا
اِسْمَاعِیْلُ بْنُ عُلَیَّةَ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَلْمُبَارَکِ اِنْی حَدَّثَنَا
یَحْیٰی بْنُ اَبِی کَثِیْرٍ حَدَّثَنَا اَبُو سَعِیدٍ مَوْلٰی اَلْمَهْرِیِّ
عَنْ اَبِی سَعِیدٍ اَلْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَا بَعَثَ اِلٰی بَنِی لَیْحَانَ مِنْ هٰذِلِ
فَقَالَ لَیْسَ بَعِثْ مِنْ کُلِّ رَجُلَیْنِ اَحَدٌ مِّمَّا وَاَلَا جُرَّ
بَیْتَهُمَا۔

حضرت البرسید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا، اس
کے بعد حسب سابق ہے۔

۴۷۹۰۔ وَحَدَّثَنِیْہُ اِسْمٰحُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَخْبَرَنَا
عَبْدُ الصَّمَدِ رِیْعَی ابْنُ عَبْدِ اَنُوَارِیْثَ) قَالَ سَمِعْتُ
اَبِی یَحْیٰی حَدَّثَنَا اَلْحُسَیْنَ عَنْ یَحْیٰی حَدَّثَنَا
اَبُو سَعِیدٍ مَوْلٰی اَلْمَهْرِیِّ حَدَّثَنَا اَبُو سَعِیدٍ اَلْخُدْرِیُّ
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَا بَعَثَ بَعَثًا
بِغَنَآءٍ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند ذکر کی ہے۔

۴۷۹۱۔ وَحَدَّثَنِیْ اِسْمٰحُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَخْبَرَنَا
عَبِیْدُ اللّٰہِ رِیْعَی ابْنُ مُوْسٰی) عَنْ شَیْبَانَ عَنْ یَحْیٰی
بِہٰذَا الْاِسْتِنَادِ مِثْلَہُ۔

حضرت البرسید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو لیحان کی طرف ایک
لشکر روانہ کیا اور فرمایا ہر دو آدمیوں میں سے ایک آدمی

۴۷۹۲۔ وَحَدَّثَنَا سَعِیْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا
عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ وَهَبٍ اَخْبَرَنِیْ عَنْ عَمْرِو بْنِ اَلْحَارِثِ
عَنْ یَزِیدِ بْنِ اَبِی حَبِیْبٍ عَنْ یَزِیدِ بْنِ اَبِی سَعِیدٍ

جائے اور فرمایا تم میں سے جو شخص بھی (جہاد پر) جانے
وائے کے اہل دیال کی دیکھ بھال کے لیے اور اس کے گھر اور اس کے
مال کی نگہبانی کے لیے بیٹھے گا، اس کو جہاد کے لیے جانے
وائے شخص کا آدھا اجر ملے گا۔

مَوْلَى الْمُهْرَبِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ إِلَى بَنِي
لُحْيَانَ لِيُخْرِجَهُ مِنْ كُلِّ رَجُلَيْنِ رَجُلٌ ثُمَّ قَالَ
لِلْقَاعِدِ أَتَيْكُمْ خَلْفَ النُّعَيْرِ بَرٌّ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ
يُخْبِرُكُمْ كَأَنَّهُ مِثْلُ نَصِيفِ أَجْرِ النُّعَيْرِ بَرٍّ.

مجاہدین کی عورتوں کی عزت اور ان میں نجاست
کا گناہ

بَابُ حُرْمَةِ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِينَ وَائْتِمَانِ
مَنْ خَانَ فِيهِنَّ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھروں میں بیٹھنے والوں
پر مجاہدین کی عورتوں کی عزت ان کی ماؤں کی عزت کی
طرح ہے اور گھروں میں بیٹھنے والوں میں سے جو شخص
مجاہدین کے گھر بار کی دیکھ بھال رکھے اور پھر اس میں
نجاست کرے تو اس کو قیامت کے دن کھڑا کیا جائے
گا اور مجاہد اس کے عمل میں سے جو چاہے گا اسے لے گا
اب تمہارا کیا خیال ہے؟

۴۹۳ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا
وَكَيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عُلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ
سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُرْمَةُ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِينَ
عَلَى الْقَاعِدِينَ كَحُرْمَةِ أُمَّهَاتِهِمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ
مِنَ الْقَاعِدِينَ يَخْلُفُ رَجُلًا مِنَ الْمُجَاهِدِينَ فِي
أَهْلِهِ فَيُخَوِّنُهُ فِيهِمْ إِلَّا وَقِفَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
كَيْفَ أَخَذَ مِنْ عَمَلِهِ مَا شَاءَ فَمَا ظَنُّكُمْ؟

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بعد حسب سابق
ہے۔

۴۹۴ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مَرْثَدٍ حَدَّثَنَا
يَحْيَى بْنُ أَدَمَ حَدَّثَنَا مُسْعِمٌ عَنْ عُلْقَمَةَ بِنْتِ
مَرْثَدٍ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ
رَبِيعُ الثَّيْبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَى

ایک اور سند سے یہ روایت ہے اس میں ہے
مجاہد سے کہا جائے گا کہ تم اس کی بیٹیوں میں سے جو
چاہو لے لو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اب تمہارا کیا خیال ہے؟

حَدِيثِ الثَّوْرِيِّ - ۴۹۵ - وَحَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا
سُفْيَانُ عَنْ قَعْبٍ عَنْ عُلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ بِهَذَا
الْإِسْنَادِ فَقَالَ لَحْدٌ مِنْ حَسَنَاتِهِ مَا شِئْتُمْ فَالْتَفَتَ
إِلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فَمَا
ظَنُّكُمْ؟

معدوروں سے فرضیت جہاد کا ساقط ہونا

بَابُ سُقُوطِ فَرَضِ الْجِهَادِ عَنِ الْمَعْدُورِينَ

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیت کریمہ

۴۹۶ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ النَّسَائِيِّ وَمُحَمَّدُ بْنُ

(ترجمہ:) گھر بیٹھنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مسلمان برابر نہیں ہیں کی تفسیر میں حضرت برادر رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت کو یہ حکم دیا کہ وہ ایک شانہ کی ہڈی لے کر آئیں اور اس پر یہ آیت لکھ دیں، اس موقع پر حضرت ابن ام مکتوم نے اپنی نابینائی کی شکایت کی، تب اس آیت کے بعد غیاثی الضمرہ "ماسوا ممدوروں کے" یہ الفاظ نازل ہوئے، ایک اور سند کے ساتھ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی اس آیت کی تفسیر میں اسی کا مثل مروی ہے، حضرت زید بن ثابت سے ایک اور سند سے بھی یہی روایت ہے۔

حضرت برادر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ "گھر بیٹھنے والے مسلمان جہاد کرنے والے مسلمانوں کے برابر نہیں ہیں" تو حضرت ابن ام مکتوم نے آپ سے گفتگو کی، تب غیاثی الضمرہ "ماسوا ممدوروں کے" یہ الفاظ نازل ہوئے۔

ف: اس باب کی احادیث میں یہ ثبوت ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ عہد رسالت میں جہاد فرض عین تھا اور اب فرض کفایہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ جہاد جب سے مشروع ہوا ہے فرض کفایہ ہے۔

شہید کے لیے جنت کا ثبوت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو میرا کہاں ٹھکانا ہوگا؟ فرمایا جنت میں! اس شخص کے ہاتھ میں جو کھجوریں تھیں اس نے ان کو چھینکا اور پھر لڑنا شروع کر دیا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گیا اور سید کی روایت میں یہ ہے کہ اس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوہ احد میں یہ سوال کیا تھا۔

بَقَا (وَالْفُظُّ لَا بَيْنَ الْمَشَقِّ) قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ أَنَّهُ سَمِعَ الْبَرَاءَ يَقُولُ فِي هَذِهِ الْأَيَّةِ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَا فَجَاءَ يَكْتَفِي يَكْتَفِيهَا فَشَكَا إِلَيْهِ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ ضَرَارَتَهُ فَتَوَلَّى لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرَ أُولِي الضَّرَرِ قَالَ شُعْبَةُ وَاجْتَبَى سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ فِي هَذِهِ الْأَيَّةِ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ يَبْثُلُ حَدِيثُ الْبَرَاءِ وَقَالَ ابْنُ بَقَا فِي رِوَايَتِهِ سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ -

۴۹۷- وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ بِشِيرٍ عَنْ مِسْعَرٍ حَدَّثَنَا أَبُو شَيْخٍ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ لَمَّا تَوَلَّى لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ كَلَّمَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَتَوَلَّى غَيْرَ أُولِي الضَّرَرِ -

بَابُ ثُبُوتِ الْجَنَّةِ لِلشَّهِيدِ

۴۹۸- حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو وَالْأَشْعَثِيُّ وَسُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ (وَالْفُظُّ لِسَعِيدٍ) أَخْبَرَنَا سَفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ سَمِيعٍ جَابِرًا يَقُولُ قَالَ رَجُلٌ أَيْنَ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ قُتِلْتُ قَالَ فِي الْجَنَّةِ فَأَلْقَى تَمْرَاتٍ كُنَّ فِي يَدِهِ ثُمَّ قَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ وَفِي حَدِيثِ سُوَيْدٍ قَالِي حَاجِلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ -

حضرت برادر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے ایک قبیلہ بنو ہبیت سے ایک شخص معنی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور بلاشبہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، پھر میدان میں آگے بڑھ کر اس نے بڑا ناشروع کر دیا حتیٰ کہ وہ قتل کر دیا گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص نے عمل کم کیا اور اس کو اجر زیادہ دیا گیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیان کی خبر لانے کے لیے بیسہ کر جاسوس بنا کر بھیجا، جس وقت وہ واپس آیا تو گھر میں میرے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی نہیں تھا، (راوی کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ حضرت انس نے آپ کی اندراج میں سے کسی کا استثناء کیا تھا، حضرت انس کہتے ہیں کہ اس جاسوس نے اگر اپنی رپورٹ پیش کی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا: ہمیں ایک چیز کی طلب ہے جو جس کے پاس سولی ہے وہ ہمارے ساتھ سوار ہو کر چلے کچھ لوگوں نے مدینہ کی چڑھاؤں سے اپنی سواریاں لانے کی اجازت طلب کی آپ نے فرمایا: ہمیں مرنے والی لوگ ساتھ چلیں جن کی سواریاں یہاں موجود ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اودا کے اصحاب چل پڑے اور مشرکین سے پہلے بدرہ پر پہنچ گئے، اور مشرکین بھی آ پیچھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک میں نہ کہوں تم میں سے کوئی شخص کسی چیز پر پیش قدمی نہ کرے، جب مشرکین قریب آگئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس جنت کی طرف بڑھو جس کی پہنائی آسمان اور زمین ہیں۔ حضرت عمر

۴۹۹ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو سَامَةَ عَنْ زَكَرِيَّا عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي النَّبِيتِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنَابٍ أَيْضًا بِصِيحَةٍ حَدَّثَنَا عِيسَى (يَعْنِي ابْنَ يُونُسَ) عَنْ زَكَرِيَّا عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي النَّبِيتِ قَبِيلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّكَ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تَقَدَّمَ فَقَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمِلَ هَذَا كَيْدًا وَاجِدَ كَثِيرًا -

۴۹۸ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ النَّضْرِ عَنْ وَهْرُونَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَالْفَاظِلُ عَنْ مُتْقَارِبَةٍ قَالُوا حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ (وَهُوَ ابْنُ الْمَيْمُونِ) عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُسَيْسَةَ عَيْنًا يَنْظُرُ مَا صَنَعَتْ عَيْرُ أَبِي سُفْيَانَ فَجَاءَ وَكَانَ فِي الْبَيْتِ أَحَدًا غَيْرِي وَغَيْرِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَأَذِيرَ بِمَا اسْتَعَثَنِي بَعْضُ نِسَائِهِ وَكَانَ فَحَدَّثَهُ الْحَدِيثُ قَالَ فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَكَلَّمَ فَقَالَ إِنَّا لَنَا طَلِبَةٌ فَمَنْ كَانَ ظَهْرُهُ حَاضِرًا فَلْيَرْكَبْ مَعَنَا فَجَعَلَ رِجَالٌ يَسْتَأْذِنُونَهُ فِي ظَهْرِهِمْ فِي عُلُوِّ الْمَدِينَةِ فَقَالَ لَوْلَا مَنْ كَانَ ظَهْرُهُ حَاضِرًا أَفَأَنْتُمْ تَطْلُقُونَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابَهُ حَتَّى سَبَقُوا الْمَشْرُكِينَ إِلَى الْبَدْرِ وَجَاءَ الْمَشْرُكُونَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْدِرُ مِنْ أَحَدٍ مِنْكُمْ إِلَى شَيْءٍ حَتَّى أَكُونَ أَنَا دُونَهُ فَكَانَ الْمَشْرُكُونَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بن حمام انصاری نے کہا: یا رسول اللہ! جنت کا عرض آسمان اور زمین ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں؟ اس نے کہا: آفرین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اس کلمہ کی تحسین کہنے کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھ میں نے یہ کلمہ اس امید سے کہا ہے کہ میں جنت کا اہل ہو جاؤں! آپ نے فرمایا: بلاشبہ تم اہل جنت میں سے ہو، حضرت عبید بن جریح نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکال کر انھیں کھانا شروع کیا، پھر کہا: اگر میں ان کھجوروں کو ختم کرنے تک زندہ رہا تو زندگی بڑی لمبی ہو جائے گی (یعنی جنت ملنے میں دیر ہو جائے گی) پھر اس نے ان کھجوروں کو بھینکا اور لٹا فی میں گھس گیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔

ف: سبحان اللہ! اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم تھا کہ کون جنتی ہے اور کون نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ دشمن کے سامنے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ جنت کے دروازے تمہارے کے سامنے کھلے ہیں، یہ سن کر ایک خستہ مال شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا: اے ابو موسیٰ! کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود یہ حدیث سنی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، یہ سن کر وہ شخص اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہنے لگا میں تم کو اسلام ملے گا، پھر اس نے اپنی تلوار کی نایم توڑ کر پھینک دی اور اپنی تلوار کے گرد دشمنوں میں گھس گیا حتیٰ کہ قتل کر دیا گیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہمارے ساتھ چند آدمی بیچ دیئے جو

قَوْمُوا إِلَى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ حَتَّى قَالُوا عَمِيرُ بْنُ الْحَتَّامِ الْأَنْصَارِيُّ يَا رَسُولَ اللَّهِ جَنَّةٌ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ قَالَ نَعَمْ قَالَ بَعْزُ بَعْزٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَحْمِلُكَ عَلَى قَوْلِكَ بَعْزُ بَعْزٍ قَالَ لَا وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِلَّا رَجَاءُ أَنِ أَكُونَ مِنَ أَهْلِهَا قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ أَهْلِهَا فَأَخْرَجَ كَمَرَاتٍ مِنْ قَرْنِهِ فَجَعَلَ يَأْكُلُ مِنْهُنَّ ثُمَّ قَالَ لِيْنِ أَنَا حَيِّتُ حَتَّى أَكُلَ تَمَرَاتِي هَذِهِ إِنَّهَا حَيَوَةٌ طَوِيلَةٌ قَالَ قَوْلِي بِمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ التَّمَرِ ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتَّى قُتِلَ -

۴۸۰۱ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ وَفُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ (وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى) قَالَ قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا قَالَ يَحْيَى أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي عُمَرَ أَنَّ الْجَوْفِيَّ عَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي وَهُوَ يَحْصُرُ الْعَدُوَّ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلِّ الشَّوْبِ فَقَامَ رَجُلٌ رَدَّ الْهَيْئَةَ فَقَالَ يَا أَبَا مُوسَى أَهْلَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ هَذَا أَقَالَ نَعَمْ قَالَ فَرَجَعَهُ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ أَهْرَأُ عَلَيْكُمُ السَّلَامَ ثُمَّ كَسَرَ جَنْفَنَ سَيْفِهِ فَأَلْقَاهُ ثُمَّ مَشَى بِسَيْفِهِ إِلَى الْعَدُوِّ فَضَرَبَ بِهِ حَتَّى قُتِلَ -

۴۸۰۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا عَفَّانٌ حَدَّثَنَا عَقَادٌ أَخْبَرَنَا قَابُوسُ بْنُ أَنَسٍ قَالَ قَالَ جَاءَنَا مَنْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فَقَالُوا اِنْ اُبْعَثَ مَعَنَا بِجَالٍ يَعْلَمُونَ
الْقُرْآنَ وَالسُّنَّةَ فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ سَبْعِينَ رَجُلًا
مِنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُمُ الْقُرْآنُ آمُرُ بِهِمْ خَالِي حَرَامٌ
يُقْرَأُونَ الْقُرْآنَ وَيَتَدَارِسُونَ بِاللَّيْلِ يَتَعَلَّمُونَ
وَكَانُوا بِاللَّهَارِ يَجِيئُونَ بِالْمَاءِ فَيَضَعُونَهُ فِي
الْمَسْجِدِ وَيَحْتَضِبُونَ فَيُذِيعُونَهُ وَيَشْتَرُونَ بِهِ
الطَّعَامَ لِأَهْلِ الصُّفَّةِ وَالْفَقَرِ آءُ فَبَعَثَهُمُ النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ فَعَرَضُوا لَهُمْ فَقَتَلُوهُمْ
قَبْلَ أَنْ يَبْلُغُوا الْمَكَانَ فَقَالَ اللَّهُمَّ بَدِّعْنَا
نَبِيَّنَا أَتَاكَدُّ لِقَيْنَا لَقَدْ ضَيَّنَا عَنْكَ وَرَأَيْتُ
عَنَّا قَالَ وَآفِي رَجُلٌ حَرَامًا خَالٍ أَكْسَى مِّنْ
خَلْفِهِ فَطَعَنَهُ بِرُمَحٍ حَتَّى انْقَدَا فَقَالَ
حَرَامٌ قُرْتُ وَرَأَيْتُ الْكَعْبَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا ضَعَاءَ بِهِ إِنْ إِخْوَانَكُمْ
قَدْ قَتَلُوا وَإِنَّهُمْ قَالُوا اللَّهُمَّ بَدِّعْنَا نَبِيَّنَا
أَتَاكَدُّ لِقَيْنَا لَقَدْ ضَيَّنَا عَنْكَ وَرَأَيْتُ
عَنَّا

ہم کو کسراں اور سنت کی تعلیم دی، سو آپ نے ان کے ساتھ
ستر انصاری بھیجے جن کو قرآن کہا جاتا تھا، ان میں میرے مہم
حضرت حرام بھی تھے، انصار کے یہ لوگ قرآن مجید پڑھتے تھے
یہ لوگ رات قرآن مجید کے درس تدریس اور تعلیم میں گزار
اور دن میں مسجد میں پانی لا کر رکھتے اور جنگل سے لکڑیاں
لا کر فروخت کرتے اور اس کے عمن اصحاب صفہ اور
فقراء کے لیے کھانا خریدتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
انہیں کفار کی طرف بھیجا اور کفار نے منزل مقصود تک
پہنچنے سے پہلے ہی ان پر حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا،
اس وقت انہوں نے کہا: اے اللہ! ہماری طرف سے
ہمارے نبی کو یہ پیغام پہنچا دے کہ ہم نے تجھ سے
ملاقات کر لی ہے اور تم تجھ سے راضی ہو گئے ہیں اور
تو ہم سے راضی ہو گیا ہے۔ اس سانحہ میں ایک شخص نے
یہ بھی سے اگر میرے مہم کے اس طرح نیزہ مارا کہ وہ
آر پار ہو گیا اور میرے مہم نے کہا رب کعبہ کی قسم میں
کامیاب ہو گیا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے اسے اصحاب سے فرمایا: تمہارے بھائی قتل کر
دیے گئے اور انہوں نے کہا: اے اللہ! ہمارے نبی
کو یہ پیغام پہنچا دے کہ ہم نے تجھ سے ملاقات
کر لی سو تم تجھ سے راضی ہو گئے اور تو ہم سے راضی
ہو گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے
وہ چچا جن کے نام پر میرا نام رکھا گیا ہے وہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ بدر میں حاضر نہیں
تھے، اور یہ غیر عاضری ان پر بہت شاق گزری تھی،
انہوں نے کہا یہ پہلا معرکہ تھا جس میں رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم تھے اور میں نہیں تھا، خیر اس کے بعد
اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ کوئی معرکہ دکھایا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو دکھا دے گا

۴۸۰۳ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا
بَهْرٌ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ عَنْ ثَابِتٍ
قَالَ قَالَ أَكْسَى عَيْيَ الَّذِي سَمِعْتُ بِهِ لَمْ يَشْهَدْ
مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْرَأُ قَالَ
فَشَقَى عَلَيْهِ قَالَ أَكُلْ مَشْهَدٌ شَهِدَكَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُيَيْتُ عَنْهُ
وَإِنْ أَرَأَيْتَ اللَّهُ مَشْهَدًا أَيْتِمًا بَعْدَ مَعَ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبْرًا فِي اللَّهِ مَا أَصْنَعُ

کہ میں کیا کرتا ہوں، وہ ان کلمات کے علاوہ کوئی اور بات کہنے سے ڈرے، پھر غزوہ اُحُد میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھے، ان کے سامنے سے حضرت سعد بن معاذ آ رہے تھے، حضرت انس (میرے چچا) نے کہا اسے ابو عمرو کہاں جا رہے ہو مجھے تو اُحد پہاڑ کی جانب سے جنت کی خوشبو آرہی ہے، پھر وہ کفار کے خلاف لڑائی میں گھس گئے حتیٰ کہ شہید ہو گئے، ان کی لاش پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے اُتھ سے زیادہ زخم تھے، پھر میری بھوپھی حضرت ربیع بنت نضر نے کہا میں نے اپنے بھائی کی لاش کو مرنے کی پوری سے پہچانا تھا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ) "مسلمانوں میں سے بعض ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا، ان میں سے کوئی (جہاد میں شہید ہو کر) اپنی نذر پوری کر چکا اور ان میں سے کوئی (ہزوں) منتظر ہے اور ان لوگوں نے اپنے دعوے میں) کوئی رد و بدل نہیں کیا" (احزاب: ۲۳: ۲۳) صحابہ کرام کا یہ خیال تھا کہ یہ آیت حضرت انس اور ان کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

ف: اس باب کی احادیث میں شہداء کے لیے جنت کا ثبوت ہے، کسب حلال کی اور علم دین کے طلب پر صدقہ کرنے کی نصیحت ہے، اصحاب صفہ کا ذکر ہے، یہ وہ فقراء اور غربائے جو مسجد میں نبوی میں رہتے تھے اور ان کے لیے مسجد کے آخر میں ایک چوڑا بنا دیا گیا تھا جو مسجد سے علیحدہ تھا اس میں ایک ساٹھان ڈال دیا گیا تھا، یہ لوگ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اس چوڑے میں رہتے تھے، یہ اسلام میں پہلا دیہی مدرسہ تھا، باقی ستر قاریوں کی شہادت کی تفصیل اور تحقیق اور اس کے تمام مباحث ہم شرح صحیح مسلم جلد ثانی میں بیان کر چکے ہیں، اس باب کی احادیث میں کفار کے خلاف جاسری کرنے کا بھی ثبوت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا بیان ہے کہ کون شخص شہید ہو گا اور کون جنتی ہو گا اور مسجد میں طلباء کے لیے کمانے پینے کے لیے صدقات لانے کا بیان ہے۔

جو شخص دین کی سر بلندی کے لیے جہاد کرے اسی کا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔
حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے

قَالَ قَهَابٌ اَنْ يَقُولَ غَيْرَهَا قَالَ فَشَهِدَ مَعَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ قَالَ فَاَسْتَقْبَلَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فَقَالَ لَهُ اَكُنْ يَا اَبَا عَمْرٍ اَيَّتَ فَعَالَ وَاهَا لِرَبِّهِ الْجَنَّةِ اِحْدَهُ دُونَ اُحُدٍ قَالَ فَقَاتَلَهُمْ حَتَّى قُتِلَ فَتَالَ فَوُجِدَ فِي جَسَدِهِ بِضْعَةٌ وَكُنَّا نَوْنُ مِنْ بَيْنِ ضَرْبَةٍ وَطَعْنَةٍ وَرَمِيَةٍ قَالَ فَقَالَتْ اُخْتُ عَمَّتِي الزُّبَيْرِ بِنْتُ النَّضْرِ فَمَا عَرَفْتُ اَخِي اِلَّا بِبَنَانِهِ وَتَوَلَّيْتُ هَذِهِ الْاَيَةَ رَا جَالًا صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهُ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَجْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَلُوا قَبْدِيلاً قَالَ فَكَانُوا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ تَوَلَّيْتُ فِيهِ وَفِي اصْحَابِهِ۔

بَابُ مَنْ قَاتَلَ لِيَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
۴۸۰۲ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ

رَدَّ اللَّفْظُ لَا بَنَ الْمُتَّقَى (قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَرْثَدَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا رَافِعٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ أَنَّ رَجُلًا أَعْرَابِيًّا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيَدُ كَرَوِ الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُورِيَ مَكَانَهُ كَمَنْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَاتَلَ لِيَتَكُونَ كَلِمَةً اللَّهُ أَعْلَى فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ -

ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی نے آکر کہا: یا رسول اللہ! ایک شخص مال غنیمت کی خاطر لڑتا ہے، ایک شخص نام اُورسی کے لیے لڑتا ہے، اور ایک شخص اظہار شجاعت کے لیے لڑتا ہے، ان میں سے اللہ کے لیے لڑنے والا کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے جہاد کرے وہی درحقیقت اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے۔

۳۸۰۵ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَابْنُ لُمَيْزٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْآخَرُونَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَيْبَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يُقَاتِلُ شَجَاعَةً وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً وَيُقَاتِلُ رِيَاءً أَوْ فِي ذَلِكَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَاتَلَ لِيَتَكُونَ كَلِمَةً اللَّهُ هِيَ الْعُلَى فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ -

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص شجاعت کے لیے لڑتا ہے، ایک شخص تنصب کی وجہ سے لڑتا ہے اور ایک شخص نمود و نمائش کے لیے لڑتا ہے، ان میں سے اللہ کی راہ میں لڑنے والا کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے لڑے درحقیقت وہی اللہ کے لیے لڑنے والا ہے۔

۳۸۰۶ - وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ شَيْبَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ الرَّجُلُ يُقَاتِلُ مِنَّا شَجَاعَةً قَدْ كَرَّ مِثْلَهُ -

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ایک شخص اظہار شجاعت کے لیے لڑتا ہے۔ اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔

۳۸۰۷ - وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي مُوسَى

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ

الْأَشْعَرِيَّ أَنَّ رَجُلًا مَالَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْقِتَالِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فَقَالَ الرَّجُلُ يُقَاتِلُ عَضْبًا وَيُقَاتِلُ حِمِيَّةً قَالَ فَرَفَعَهُمَا أَمْسًا إِلَيْهِ وَمَا فَعَرَّ رَأْسَهُ إِلَيْهِ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ قَاتِلُهُمَا فَقَالَ مَنْ قَاتِلٌ لَتَكُونَ كَلِمَةً اللَّهُ هِيَ الْعُلْيَا فَمُوتَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ -

کہا کہ میں جنگ کرنے کے متعلق سوال کیا اور کہا کہ ایک شخص غضب کی وجہ سے جنگ کرتا ہے، اور ایک شخص تعصب کی وجہ سے جنگ کرتا ہے، آپ نے اس شخص کی طرف سر اٹھا کر دیکھا، آپ نے مرنے پر اس لیے سر اٹھا کر دیکھا کہ وہ شخص کفر اختیار کیا، آپ نے فرمایا جو شخص اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے جنگ کرتا ہے وہی در حقیقت اللہ کی راہ میں جنگ کرتا ہے۔

بَابُ مَنْ قَاتَلَ لِلرِّيَاءِ وَالسُّمْعَةِ إِسْتَحَقَّ النَّارَ

۲۸۰۸ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ يُونُسَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ كَفَرَتْ النَّاسُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَالَ لَهُ تَأْتِلُ أَهْلُ الْقَامِ أَيُّهَا الشَّيْخُ حَدَّثَنَا حَدِيثًا سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ رَجُلٌ اسْتَشْهَدَ فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتُ فِيهَا قَالَ قَاتَلْتُ فِيكَ حَتَّى اسْتَشْهَدْتُ قَالَ كَذَبْتَ وَلَئِكَ لَكِ قَاتَلْتُ لِأَنَّ يُقَالُ جَرِيٌّ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُيِّبَ عَلَى وَجْهِهِ حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ وَ رَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَهَلَمَّهُ وَفَرَأَ الْقُرْآنَ فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتُ فِيهَا قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ وَفَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ قَالَ كَذَبْتَ وَلَئِكَ لَكِ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ لِيُقَالَ عَالِمٌ وَفَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ

دکھا دے اور نام و نمود کی خاطر جہاد کرنے والا جہنمی ہے۔

سليمان بن يسار کہتے ہیں کہ جب لوگ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے چھٹ گئے تو اہل شام میں سے ناٹکی نامی ایک شخص نے کہا: اے شیخ آپ مجھے وہ حدیث سنائیے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، آپ نے فرمایا: ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے قیامت کے دن سب سے پہلے جس شخص کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا وہ شہید ہوگا، اس کو بلایا جائے گا اور اسے اس کی نعمتیں دکھائی جائیں گی، جب وہ ان نعمتوں کو پہچانے گا تو (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا، وہ کہے گا میں نے تیری راہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے، بلکہ تو نے اس لیے قتال کیا تھا تاکہ تو بہادر کہلائے سو تجھے بہادری کہا گیا، پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا، حتیٰ کہ اُسے جہنم ہی ڈال دیا جائے گا، اور ایک شخص نے علم حاصل کیا اور لوگوں کو تعلیم دی اور قرآن مجید پڑھا اس کو بلایا جائے گا اور اس کو اس کی نعمتیں دکھائی جائیں گی، جب وہ ان نعمتوں کو پہچانے گا تو (اللہ تعالیٰ) اس سے فرمائے گا تو نے ان نعمتوں سے

هُوَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى
وَجْهِهِ حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ وَشَّعَ اللَّهُ
عَلَيْهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْأَنْبَالِ كُلِّهَا فَأَتَى بِهِ
فَعَرَفَهُ نَعَمَهُ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا
قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ أَنْ يَتَّبِعَ فِيهَا
إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ وَلَكِنَّكَ فَعَلْتَ
لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ
عَلَى وَجْهِهِ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ -

کیا کام لیا؟ وہ کہے گا میں نے علم حاصل کیا اور اس علم کو
سکھلایا اور تبرے لیے قرآن مجید پڑھا، اللہ تعالیٰ فرمائیے
گا تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے اس لیے علم حاصل کیا تھا تاکہ
تو عالم کہلائے اور تو نے قرآن پڑھا تاکہ تو قاری کہلائے
سو تجھے (عالم اور قاری) کہا گیا پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں
ڈالنے کا حکم دیا جائے گا، حتیٰ کہ اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا
اور ایک شخص پر اللہ نے وسعت کی اور اس کو ہر قسم کا مال عطا
کیا اس کو قیامت کے دن بلایا جائے گا اور وہ نعمتیں دکھائی
جائیں گی اور حجب وہ ان نعمتوں کو پہچان نہ سکے گا تو
اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے ان نعمتوں سے کیا
کام لیا؟ وہ کہے گا میں نے ہر اس راستہ میں خرچ کیا جس پر سنہ
میں مال خرچ کرنا تجھ کو پسند ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو
جھوٹ بولتا ہے، تو نے یہ کام اس لیے کیے تاکہ تجھ کو
سختی کہا جائے تو تجھ کو سختی کہا گیا پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں
ڈالنے کا حکم دیا جائے گا، اور پھر اس کو آگ میں ڈال دیا
جائے گا۔

۴۸۰۹ - وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَظَمَةَ مِمَّا أَخْبَرَنَا
الْحَبَّاحُ (يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ) عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ حَدَّثَنَا
يُوسُفُ بْنُ يُونُسَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بَسَّامٍ قَالَ
تَقَرَّبَ النَّاسُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَالَ لَهُ نَاسِلُ
النَّاسِ وَأَقْتَصَصَ الْحَدِيثَ بِمِثْلِ حَدِيثِ خَالِدِ
بْنِ الْحَارِثِ -

سلمان بن یسار کہتے ہیں کہ جب لوگ حضرت ابو ہریرہ
کے پاس سے چھٹ گئے تو شام کے ایک نائل نامی
شخص نے کہا، اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔

قیامت کے دن کن لوگوں کا سب سے پہلے فیصلہ ہوگا؟ اس باب کی حدیث نمبر ۴۸۰۸ میں ہے :

سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ شہید ہوگا، اور ایک اور حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے عبد مسلم کے قتل سے ناز
کا حساب کیا جائے گا، اور ایک اور حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے قتل کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا، یہاں پر یہ اشکال
ہے کہ جس چیز کے متعلق سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ تو ایک ہی چیز ہوگی، اور احادیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے
اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اولیت اضافی ہے اور ہر چیز کی اولیت اس کی نوع کے اعتبار سے ہے، جن اعمال کو شہرت
اور نام آوری کے لیے کیا جاتا رہا ان میں سب سے پہلے شہید، عالم اور مالدار کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا، اور ارکان

دین میں سے جس رکن کا سب سے پہلے حساب ہو گا وہ نماز ہے، اور ظلم میں سے جس ظلم کا سب سے پہلے حساب کیا جائے گا وہ قتل ہے۔

کیا قیامت کے دن بھی جھوٹ بولنا ممکن ہے؟ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب مثلاً شہید یہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے جھوٹ بولا اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کذب معصیت ہے اور قیامت کے دن کوئی دوسرہ ڈالنے والا نہیں ہو گا اور اس دن کوئی معصیت نہیں کرے گا، پھر اس شخص کا قول جھوٹ کیسے ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہو گا کہ جھوٹ کا صدور کبھی دانستہ ہوتا ہے اور کبھی غرت اور دہشت کی وجہ سے اور اس جھوٹ کا صدور خوف اور دہشت کی وجہ سے ہو گا۔

کیا نیکی کرنے والا اپنی نیکی پر خوشی یا تعریف کی خواہش کر سکتا ہے؟ اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کے کار خیر پر کوئی مدح کی گئی تو اس کا رخیر کرنے والے کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور اگر یہی معاملہ ہونے پھر کوئی مسلمان جہنم میں جانے سے نہیں بچ سکے گا، کیونکہ ہر نیک کام کرنے والے کی کوئی نہ کوئی تعریف کرتا ہے، اور یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنی تعریف پر خوش ہوتا ہے، اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جس نے کسی نیک کام کو شخص فخر اور دنیا کاری کی وجہ سے کیا ہو اور اس کام سے اس کی غرض صرف شہرت کو حاصل کرنا ہو، لیکن جس شخص کی کسی کام سے غرض نمائش اور نام و نمود نہیں تھی بلکہ اس کی نیکی صرف اللہ کے لیے تھی، اور اس کے قصد اور ارادے کے بغیر لوگوں نے اس نیکی کی جو تعریف کی اور اس تعریف سے اس کو فطری خوشی حاصل ہوئی تو وہ شخص اس وعید میں داخل نہیں ہے، اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کے حکم کی تعمیل کے قصد سے نیک کام کرنے میں لگا رہے اور اگر اس کے دل میں یہ خطرات اور دوسرے پیدا ہوں کہ لوگ اس کے نیک کاموں کی تعریف کرتے ہیں اور اس سے اس کو خوشی ہوتی ہے اور لوگوں کی تعریف و توصیف کی وجہ سے اس کے کام میں ذوق و شوق بڑھتا ہے تو اس دوسرہ کی وجہ سے اس نیک کام کرنے کو ترک نہ کرے بلکہ اپنی نیت میں رضا الہی کی پھر سے تجدید کرے۔ جو شخص محض رضا الہی کے لیے کوئی نیک کام کرتا ہے اور لوگ دنیا میں اس کی نیکی کی تعریف کرنے لگتے ہیں تو اس کی تعریف سے گھبراتا نہیں چاہیے یہ دراصل اس کی انہی کیوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں صلہ ہے اور اخروی جزا کی بشارت ہے امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:-

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا: یہ بتلائیے کہ ایک شخص نیک عمل کرتا ہے اور لوگ اس نیکی پر اس کی تعریف کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ یمن کی دنیا میں بشارت ہے

عن ابی ذر قال قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اریتم الرجل یعمل العمل من النحیر ویمجدہ الناس علیہ قال تلک عاجل بشری المؤمن

۱۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۲، مطبوعہ دارالحدیث کراچی، ۱۳۷۵ھ

یعنی لوگوں کی یہ تعریف دنیا میں اس کے لیے آخرت کی خیر کی بشارت ہے اور یہ دنیاوی بشارت اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے اور اس سے محبت کرتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کر دی ہے اور وہ اس کی تعریف و توصیف کرتے ہیں، اس معنی کا تفصیلی تفسیر آن مجید کی اس آیت میں ہے:

ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات سیجعل
لہم الرحمن وداۓ (مرید: ۹۶)
بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام
کیے عنقریب رحمن ان کے لیے (اپنے بندوں کے دلوں
میں) محبت پیدا کر دے گا۔

اس آیت کی تفسیر اور تائید صحیح مسلم کا اس روایت سے ہوتی ہے:

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ان اللہ اذا احب عبداً اذعاً جبرائیل
علیہ السلام فقال انا احب فلاناً فاحبہ قال
فیحبہ جبرائیل ثم ینادی فی السماء فیقول
ان اللہ یحب فلاناً فاحبوا فیحبہ اهل السماء
قال ثم یوضع لہ القبول فی الارض الحدیث
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے
سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے:
”میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے
محبت کرو“، پھر جبرائیل اس سے محبت کرتا ہے، پھر
جبرائیل آسمان میں ندا کر کے کہتا ہے: ”اللہ تعالیٰ فلاں شخص
سے محبت کرتا ہے تم اس سے محبت کرو، پھر آسمان
وہ اس شخص سے محبت کرتے ہیں پھر زمین والوں
(کے دلوں) میں اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔

اس لیے جس شخص کے نیک کاموں کی اہل زمین تعریف کرتے ہیں تو یہ اس کا دلیل ہے کہ آسمان کے فرشتے،
حضرت جبرائیل علیہ السلام اور اللہ عزوجل سب اس سے محبت کرتے ہیں، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے: انتہ شہداء اللہ فی الارض ثم ینزل فی الارض
نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ
الرجل یعمل الخیر فیسر لا فاذا اطلع علیہ
اعجبہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لہ اجران اجر السرا واجر العلانیۃ
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! ایک آدمی نیک کام کرتا
ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے اور جب اس نیکی
کی (لوگوں کو) اطلاع ہو جاتی ہے تو اس کو اچھا لگتا ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو دو اجر
میں گے، ایک اجر اخفاء کا اور ایک اجر اظہار کا۔

۱۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۱، مطبوعہ نور محمد راج المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
۲۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۸۳، مطبوعہ نور محمد راج المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
۳۔ امام ابو یوسف محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۲۲، مطبوعہ نور محمد راج المطابع کراچی

نیز قرآن مجید میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ - (اسے اللہ) میرے بعد آنے والوں میں میرا ذکر

(الشعر ۱۷۱: ۸۳) جمیل جلدی رکھ!

امام رازی شافعی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس سے کیا غرض تھی کہ ان کی شانہ اور مدح کی جائے تو اس کے دو جواب ہیں۔ (۱) جب ایک انسان کی بہت سے لوگ تعریف کریں تو ان کی تعریفیں اس کے کمال کی زیادتی کا سبب بن جاتی ہیں (۲) جو شخص اپنے فضائل کی وجہ سے لوگوں میں ممدوح ہو تو اس کی مدح اور شہرت لوگوں کے دلوں میں ان فضائل کے حصول کا سبب اور محرک بن جاتی ہے۔ لہ

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

امام مالک نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کسی شخص کو یہ خواہش ہو کہ اس کی نیکی کی تعریف کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جب کہ وہ اس نیکی کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کرتا ہو۔ لہ

علامہ اکوسی حنفی لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص اس نیت سے اپنی نیکی کی شہرت چاہے کہ اس وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اس نیکی کی رغبت ہو اور وہ بھی اس نیک کام کو کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیوں کہ حدیث میں ہے جس شخص نے کسی نیک کام کی ابتداء کی تو اسے اس نیکی کا اجر ملے گا اور قیامت تک جو لوگ اس نیکی کو کرتے رہیں گے ان کی نیکیوں کا اجر بھی اس کے ملے گا۔ لیکن یہ بات مخفی نہ رہے کہ ہر کام میں کام کرنے والے کی نیت اور قصد کا اعتبار ہوتا ہے۔ لہ

جس غازی کو غنیمت ملی اور جس کو غنیمت نہیں

ملی، دونوں کے فرق کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لشکر اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاتا ہے اور مال غنیمت حاصل کر لیتا ہے، اسے اجر آخرت کا دو تہائی حصہ مل جاتا ہے اور اس کا صرف ایک تہائی حصہ اجر رہ جاتا ہے اور اگر ان کو مال غنیمت نہ ملے تو ان کا مکمل اجر ہوتا ہے۔

بَابُ بَيَانِ قَدْ رَأَى ثَوَابَ مَنْ خَرَا

فَعَنَّمْ وَمَنْ لَمْ يَغْنَمْ

۴۸۱۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْجٍ عَنْ أَبِي هَارِيٍّ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحُبَالِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ غَارِيَةٍ تَخْرُؤُا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُصِيبُونَ الْغَنِيمَةَ

۱۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۸۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

۲۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۸۵ھ، تفسیر الجامع لاحکام القرآن ج ۳، مطبوعہ انشاد ناشر خیرات، ۱۳۸۴ھ

۳۔ علامہ ابو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۱۹ ص ۹۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

الَّا تَعَجَّلُوا ثَلَاثِيْ اَجْرَهُمْ مِّنَ الْاٰخِرَةِ وَبِئْسَ
لَهُمُ الثَّلَاثُ وَاِنْ كُمْ يُصِيبُوا غَنِيْمَةً سَمَّ
لَهُمْ اَجْرَهُمْ

۲۸۱۱۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مُزَيْمٍ اَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ يَزِيْدٍ
حَدَّثَنَا اَبُو هَارِثٍ حَدَّثَنَا اَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ
الْحَبَلِيُّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ غَارِيْبَةٍ اَوْ سَرِيَّةٍ
تَغْزُوْا فَتَغْنَمُ وَتُسَلِّمُ اِلَّا كَانُوا قَدْ
تَعَجَّلُوا ثَلَاثِيْ اَجْرِهِمْ وَمَا مِنْ غَارِيْبَةٍ اَوْ
سَرِيَّةٍ تُخَفِقُ وَتُصَابُ اِلَّا تَمَّ اَجْرُهُمْ

بَابُ قَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا الْاَعْمَالُ
بِالنِّيَّةِ وَاِنَّهٗ يَدْخُلُ فِيهَا الْغَزْوُ وَغَيْرُهُ
مِنَ الْاَعْمَالِ

۲۸۱۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ
حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ
اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاسٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ
الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اِنَّهَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَ اِنَّهَا لَا مَرِيءَ مَّا تَوَى
فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ اِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَهَاجَرْتُمْ
اِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا
يُصِيبُهَا اَوْ اَمْرٍ اَوْ يَنْتَرِجُهَا فَهَاجَرْتُمْ اِلَى مَا
هَاجَرْتُمْ اِلَيْهِ

۲۸۱۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ دُرُجِّ بْنِ الْمُهَاجِرِ
اَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ وَحْدَةَ ابْنِ أَبِي الرَّيْثِ الْعَتَكِيِّ
حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ وَحْدَةَ ابْنِ الْحَمْدِ بْنِ
الْمُسْتَنِي حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ (يَعْنِي الثَّقَفِيَّ)
عَنْ وَحْدَةَ ابْنِ اسْحَقَ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ اَخْبَرَنَا اَبُو حَالِدٍ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس غزوہ یا لشکر کے
لوگ جہاد کریں اور مال غنیمت حاصل کر کے سلامتی سے لوٹ
آئیں تو وہ دنیا میں ہی اپنے اجر کا دو تہائی حصہ حاصل کر
لیتے ہیں، اور جس غزوہ یا لشکر کے لوگ غالی لوٹیں اور
نقصان اٹھائیں ان کو آخرت میں پورا اجر ملے گا۔

اعمال کا مدار نیت پر ہے، ان اعمال میں
جہاد بھی شامل ہے

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعمال کا مدار
نیت پر ہے، ہر شخص کے عمل پر اس کی نیت کا پھل
مقام ہے، جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول
کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف
ہی مستتر ہے، اور جس شخص کی ہجرت دنیا حاصل کرنے
کے لیے یا کسی عدوت سے نکاح کرنے کے لیے ہو
تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف مستتر ہوگی جس کی طرف
اس نے ہجرت کی ہے۔

امام مسلم نے اس حدیث کی چھ سندیں ذکر کی۔
یہ بعض اسامیل سے یہ روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب
رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم
سے یہ حدیث روایت کی۔

الْأَحْمَرُ سُلَيْمَانُ بْنُ حَيَّانٍ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ
عَبْدِ اللَّهِ بْنُ كَثِيرٍ حَدَّثَنَا حَفْصُ (يَعْنِي ابْنَ عِيَّانَ)
وَيَزِيدُ بْنُ هَارُونَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ
الْعَلَاءِ الْقَهْمَدَانِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ ح وَ
حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ كُلُّهُمَا
عَنْ يَحْيَى ابْنِ سَعِيدٍ بِإِسْنَادٍ مَعْلُومٍ وَمَعْنَى
حَدِيثِهِ وَفِي حَدِيثِ سُفْيَانَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ
الْخَطَّابِ عَلَى الْمُنْبَرِ يُخْبِرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

علامہ نووی کہتے ہیں:

حدیث "انما الاعمال بالنیات" کی اہمیت اور عظمت

اور عظمت پر اجماع اور اتفاق ہے، اور اس کے فوائد بہت زیادہ ہیں، فقہاء اسلام نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث ثلاث اسلام ہے، امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث میں فقر کے ستر ابواب ہیں، بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث بریلج اسلام ہے، عبد الرحمن بن مہدی وغیرہ نے کہا ہے کہ جو شخص کوئی کتاب تصنیف کرے وہ اس حدیث سے اپنی کتاب کی ابتدا کرے تاکہ اس کی نیت صحیح ہو، علامہ خطابی نے اس قول کو مطلقاً اللہ سے نقل کیا ہے، امام بخاری اور دیگر ائمہ نے اسی وجہ سے اس حدیث سے اپنی اپنی تصانیف کی ابتدا کی ہے، امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو سات مقامات پر ذکر کیا ہے، حفاظ حدیث نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث کے دوسو سے زیادہ راوی ہیں اور ان میں اکثریت ائمہ حدیث کی ہے البتہ فرغ میں اس کے صرف ایک راوی ہیں اور وہ حضرت عمر ہیں اور ان سے صرف علامہ نے روایت کیا، اسی بناء پر اس حدیث کو متواتر نہیں قرار دیا گیا، ہر چند کہ یہ عوام اور خواص میں مشہور ہے۔

آیا نیت کرنا عمل کی صحت کے لیے ضروری ہے یا عمل کی فضیلت کے لیے؟ شافعی سمجھتے

ہیں:۔۔۔ نیت کا سہی قصد اور ارادہ سے کسی کام کو مبین کرنا، اس حدیث میں آپ کا یہ ارشاد ہے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے، اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ اعمال کے تحقق اور ثبوت کا مدار نیت پر ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کا شرعاً معتبر ہونا نیت پر موقوف ہے، اور کسی فعل سے پہلے اس کی نیت نہ ہو تو وہ شرعاً معتبر نہیں ہوگا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ وضو، غسل، تیمم، نماز، روزہ، حج، امساکات اور تمام عبادات نیت کے بغیر صحیح نہیں ہوتیں، باقی نجاست کا زائل ہونا ہمارے نزدیک نیت پر موقوف نہیں ہے، کیونکہ وہ باب ترک سے ہے اور ترک میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی، اور اس پر فقہاء شافعیہ کا اجماع ہے، طلاق، عراق اور قذف میں بھی نیت کا دخل ہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کایہ طلاق دی تو اس میں نیت کا دخل ہے اور طلاق صریح میں نیت کا دخل نہیں ہے، اگر کسی شخص نے

طلاق صریح دی پھر کہا اس سے میری نیت کچھ اور تھی تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ لہ
علامہ دمشقانی ابی مالکی لکھتے ہیں:

قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ان طوائف کا تذکرہ ہے جو طہارت اور بعض دیگر عبادات کو بغیر نیت کے
جائز قرار دیتے ہیں، اور یہ بات اپنے مقام پر بادل لکھی بیان کی جا چکی ہے کہ جس شخص نے وضو نہ کیا یا وضو نہ کیا
یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے وضو کیا درآں عابکہ اس فعل سے رفع حدث (طہارت حاصل کرنا) اس کا مقصد نہیں
تھا، تو اس کی عبادات کے لیے یہ وضو کافی نہیں ہے اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ قسم، طلاق اور عتاق وغیرہ
کے الفاظ بغیر نیت کے معتبر نہیں ہوتے، علامہ کا اس مسئلہ میں بہت اختلاف ہے، ہمارے نزدیک حقوق
العباد میں طلاق اور عتاق کے الفاظ میں ظاہری معنی کا اعتبار ہوگا اور اگر کوئی شخص صریح طلاق اور عتاق کے الفاظ
بول کر یہ کہے یہی مراد اس سے طلاق دینا یا آزاد کرنا نہیں تھی، تو اس کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اس کے
صریح الفاظ سے جو معنی ظاہر ہوگا اس کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔ لہ
علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ نے وضو اور غسل میں نیت کے وجوب پر استدلال کیا ہے، وہ اس حدیث
کا یہ معنی کرتے ہیں کہ اعمال کی صحت کا مدار نیت پر ہے، اور اس میں الف لام استعراق کا ہے یعنی نماز، روزہ،
حج، زکوٰۃ اور تمام عبادات میں نیت مطلوب ہے، اسی طرح طلاق اور عتاق میں بھی نیت ضروری ہے۔

اس کے برخلاف امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کے نزدیک وضو اور غسل میں نیت ضروری
نہیں ہے، ایک روایت میں امام مالک کا بھی یہی قول ہے، فقہاء اخلاف کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ
اعمال کا کمال ہونا یا ان کا ثواب بیاں پر موقوف ہے، کیونکہ نیت نہ ہونے سے اصل عمل باطل نہیں ہوتا اور
اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا ہے: ولکل امرأ ما نسوتی۔ ہر شخص کو اس کی نیت کا پھل ملتا
ہے۔ اور اسے ثواب ہی مراد ہے، نیز اگر اس سے مراد صحت کی گئی یعنی بغیر نیت کے عمل صحیح نہیں ہوتا تو لامحالہ
بعض عبادات میں تخصیص کرنی پڑے گی، کیونکہ قرآن کا ادا کرنا، امانتوں کا واپس کرنا، اذان دینا، تلاوت کرنا، وعظ
و نصیحت کرنا، راستہ دکھانا، راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا، یہ سب کام عبادات ہیں اور اس پر اجماع ہے کہ یہ
تمام کام بغیر نیت کے صحیح ہوتے ہیں، لہذا وضو اور غسل بھی بغیر نیت کے صحیح ہونے چاہئیں۔

تحقیق یہ ہے کہ یہ بات تو عقلاً باطل ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہو کہ ہر عمل کا شرعاً صحیح ہونا نیت پر موقوف
ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اعمال بغیر نیت کے شرعاً صحیح ہوتے ہیں، جیسا کہ بیع، شراہ، اجارہ، نکاح،
طلاق وغیرہ، اس لیے لامحالہ اس حدیث کو کمال اور ثواب پر موقوف کرنا ہوگا، یعنی ہر عمل کا کمال اور ثواب نیت پر
موقوف ہے۔ لہ

- لہ۔ علامہ یحییٰ بن شرف نوروی متوفی ۶۷۲ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۲۱، مطبوعہ نور محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
لہ۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ دمشقانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال العلم ج ۵ ص ۲۵۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
لہ۔ علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدة القاری ج ۱ ص ۳۱-۳۲، مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية مصر ۱۳۲۸ھ

اگر نیت کیے بغیر عبادات بجالائے تو ان عبادات پر ثواب ہوگا یا نہیں؟ ابن سمان نے یہ کہا

ہے کہ جو اعمال عبادات سے خارج ہیں اگر ان میں بھی عبادات کی نیت کر لی جائے تو ان پر بھی ثواب ملتا ہے، مثلاً کوئی شخص کھانے پینے سے عبادت میں تقویت حاصل کرے کی نیت کرے، اور مومن نے میں یہ نیت کرے کہ اس کی تھکاوٹ نائل ہو جائے اور اس کو مزید عبادت کے لیے قرآنی حاصل ہو، اور عبادت میں یہ نیت کرے تاکہ وہ گناہ اور بے حیائی کے کاموں سے بچا رہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے "تم میں سے ہر شخص کی شرمگاہ میں بھی صدقہ ہے" بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ جو افعال عبادات محضہ ہیں جب کوئی شخص ان کو عادت کرے اور ان میں عبادت کی نیت نہ کرے تو ہر چند کہ وہ افعال شرعاً صحیح ہیں لیکن ان پر ثواب نہیں ملتا، یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کو ہر جائز اور صحیح کام پر اجر ملتا ہے خواہ وہ اس کام میں عبادت کی نیت کرے یا نہ کرے، امام احمد روایت کرتے ہیں:

عن ابی ذر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی مباذنتک اھلک صدقتہ فقال ابو ذر ایؤجر احدنا فی شہوتہ قال ارایت لو وضعتہ فی غیر حل اکان علیک و نذر قال نعم قال افتحتسبون بالشر ولا تحتسبون بالخیر۔ ۱۰

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا اپنی بیویوں سے جماع کرنا بھی صدقہ ہے، حضرت ابو ذر نے پوچھا اگر ہم محض شہوت سے یہ کام کریں کیا پھر بھی یہ صدقہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اگر تم حرام طریقہ سے یہ کام کرتے تو تم گناہ کے مستحق ہوتے، انھوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا تو کیا تمہارا صرف شر پر حساب ہوگا اور خیر پر تمہارا حساب نہیں ہوگا۔

اس حدیث کو امام مسلم نے کتاب الزکوٰۃ میں اور امام ابو داؤد نے کتاب النکاح اور کتاب الادب میں بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ مسلمان کو ہر جائز اور صحیح کام پر اجر ملتا ہے خواہ وہ اس کام میں عبادت کی نیت کرے یا نہ کرے، کیونکہ مسلمان کا ناجائز اور حرام کام کو ترک کر کے جائز اور صحیح کام کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف سے حرام کام سے بچ کر حلال اور جائز کام کر رہا ہے اور یہ اس کے صدق نیت اور اخلاص کی علامت ہے، ہاں اگر وہ اس کام میں اطاعت اور عبادت کی نیت کرے گا تو اس کو اضافی اجر ملے گا۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے: سو جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہے، اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کرے گا تو اس کو ہجرت کا اجر و ثواب ملے گا، اور جو شخص دنیا کی کسی چیز یا کسی عورت کی خاطر ہجرت کرے گا تو اس کو دنیا میں

اپنا حصہ لیا اور آخرت میں اس کا اس ہجرت کی وجہ سے کوئی اجر نہیں ہوگا۔
اس حدیث میں دنیا کے ساتھ عورت کا ذکر دو وجہ سے کیا گیا ہے، ایک وجہ تو یہ ہے کہ ایک شخص نے ام قیس نامی ایک عورت سے شادی کرنے کے لیے ہجرت کی تھی اس وجہ سے اس شخص کو مہاجر ام قیس کہا جاتا تھا، دوسری وجہ عورت کے فتنہ پر خصوصی تنبیہ کرنا ہے تاکہ لوگ عورتوں کے فتنوں سے محفوظ رہیں، ہجرت پر مفصل بحث ہم اس کتاب میں باب "لا ہجرت بعد الفتنہ" کے تحت بیان کر چکے ہیں، ہجرت کے مباحث کرواں دیکھ لیا جائے۔

اگر ایک عمل میں متعدد اعمال کی نیات کر لی جائیں تو اس ایک عمل سے ان تمام اعمال کا ثواب مل جاتا ہے۔

اس حدیث میں ہے انما لامرأ ما فوی "مرد کو وہی پھل ملتا ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے" اس حدیث کی تشریح میں فقہاء اسلام نے یہ بیان کیا ہے کہ مسلمان اگر ایک کام میں متعدد چیزوں کی نیت کرے تو اس کو ان متعدد چیزوں کا اجر اور ثواب مل جاتا ہے مثلاً مسلمان مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جاتا ہے یہ ایک عمل ہے وہ اس میں یہ نیت کرے کہ (۱) مجھے راستہ میں جو مسلمان ملے گا اس کو سلام کروں گا (۲) اگر کسی نے سلام کیا تو اس کے سلام کا جواب دوں گا، (۳) اگر کوئی ضرورت مند شخص نظر آیا تو اس کی مدد کروں گا (۴) کسی نابینا کو سرک پار کا دوں گا (۵) کسی سائل کو حسب استطاعت حیرات دوں گا (۶) اگر کسی شخص کو بلا کام کرتے دیکھوں گا تو اس کو منہ کر دوں گا (۷) حسب توفیق نیکی کا حکم دوں گا (۸) اگر راستہ میں کوئی تکلیف دہ چیز پڑی لی تو اٹھا کر ایک طرف رکھ دوں گا (۹) راستہ میں اگر عورتیں نظر آئیں تو نیچی نظر کر کے گزروں گا، (۱۰) کسی مسلمان سے بات کرنی پڑی تو ناشائستگی اور ملاحت سے بات کروں گا (۱۱) کسی مسلمان کو چھینک آئی اور اس نے الحمد للہ کہا تو اس کو برحکم اللہ کہوں گا (۱۲) اگر راستہ میں کوئی جنازہ ملا تو اس کی تعظیم کے لیے سواری سے اتر جاؤں گا یا کھڑا ہوں گا (۱۳) اگر کوئی بیمار ملا تو اس کی عیادت کروں گا (۱۴) اگر کہیں سے میوہ رک کی آواز آئی تو وہاں سے جلدی گزرجاؤں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کانوں میں انگلیاں دے کر گزروں گا (۱۵) مسجد میں جانے کے لیے طویل مسافت کی راہ اختیار کروں گا تاکہ زیادہ چلنے کی وجہ سے زیادہ اجر و ثواب ملے (۱۶) مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پیر رکھوں گا، (۱۷) داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھوں گا اللھم افتح لی ابواب رحمتک " (۱۸) مسجد میں جتنی دیر ٹھہروں گا اتنی کاف کی نیت سے ٹھہروں گا، (۱۹) ایک روایت میں ہے کہ مسجد اللہ کا گھر ہے اور جو شخص مسجد میں آتا ہے وہ اللہ کی زیارت کرنے اور اس سے ملاقات کے لیے آتا ہے، اور اپنے جہانوں کی ضیافت کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے سو وہ یہ نیت کرے کہ وہ اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ضیافت حاصل کرے گا (۲۰) جو شخص نماز باجماعت کے انتظار میں جتنی دیر مسجد میں بیٹھا رہتا ہے اس کا شمار نمازیں ہوتا ہے سو وہ یہ نیت کرے کہ میں مسجد میں جا کر جماعت کے انتظار میں بیٹھوں گا، (۲۱) جب تک کوئی مسلمان مسجد میں با وضو رہتا ہے فرشتے اس کے لیے رحمت اور مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں، سو وہ فرشتوں کی دعا کے حصول کی نیت کرے (۲۲) قرآن مجید میں ہے: یا ایہا الذین امنوا اصبروا و صابروا و صابروا و صابروا " اے ایمان والو! صبر کرو، دوسروں کو صبر کی تلقین کرو اور

اسلام کی سرحدوں کی حفاظت کرو، بعض مفسرین نے درابطہ اس کی تفسیر انتظار نماز سے کی ہے کیونکہ نماز کا انتظار کرنا بھی شیطان سے مدافعت جنگ اور اسلام کی حفاظت ہے۔ (۲۳) ایک حدیث میں ہے کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا، خطاؤں کے مٹنے، گناہوں کے مٹانے اور درجات بلند ہونے کا موجب ہے، (۲۴) ایک حدیث میں ہے فذلک الرباط فذلک الرباط نماز کا انتظار کرنا ہی سرحد اسلام کی حفاظت کرنا ہے، (۲۵) یہ نیت کرے کہ جتنی دیر مسجد میں بیٹھا رہوں گا تمام ممنوعات شرعیہ اور حواس اور مشاعر کے گناہوں سے بچا رہوں گا مثلاً کوئی بڑی چیز دیکھوں گا نہ کوئی بڑی بات سنوں گا، (۲۶) مسجد میں داخل ہوتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام عرض کر دے گا، (۲۷) خلوت میں بیٹھ کر یاد خدا میں مشغول رہوں گا، (۲۸) قرآن مجید کی تلاوت کر دے گا، (۲۹) اگر مسجد میں وعظ ہو رہا ہو گا تو وعظ سنوں گا، (۳۰) حدیث میں ہے جو شخص دھڑکے مسجد میں جائے اور نماز ادا کرے اس کو حج اور عمرہ کا ثواب مل جاتا ہے، اس کی نیت کرے، (۳۱) سنت الوضو پڑھنے کی نیت کرے، (۳۲) تحیۃ المسجد پڑھنے کی نیت کرے، (۳۳) علمی افتادہ اور استفادہ کی نیت کرے، (۳۴) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی نیت کرے، (۳۵) مسلمان بھائیوں کی زیارت اور حسب استطاعت ان کی مدد کی نیت کرے، (۳۶) مسجد میں موجود مسلمانوں کو سلام کرے اور دعا دینے کی نیت کرے، (۳۷) مسجد میں بیٹھ کر اُمید آخرت میں خود و فکر اور توبہ و استغفار کرنے کی نیت کرے، (۳۸) جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی نیت کرے، (۳۹) مسجد سے جاتے وقت پہلے یا ایاں پیر باہر نکالے، (۴۰) مسجد سے جاتے وقت یہ دعا کرے ”اللہم افی امثلک من فضلك“

اسی طرح خوشبو لگانا ایک عمل ہے اس میں یہ نیت کرے کہ (۱) آپ خوشبو پسند کرتے تھے اس لیے خوشبو لگاتا ہوں۔ (۲) خوشبو لگانے سے مسجد کی تعظیم کا اظہار ہو۔ (۳) مسجد میں بیٹھنے والوں کو اس کے جسم سے بڑی برد آئے، (۴) اگر اس کے جسم سے بڑی بُری بو آئی تو نمازیوں کو تکلیف ہوگی اور ممکن ہے کہ وہ اس کی غیبت کر کے گناہ میں پڑ جائیں، (۵) نمازیوں اور فرشتوں کو خوشبو سے راحت ہو، (۶) خوشبو سے دماغ کو راحت پہنچتی ہے اور فکر و فکر میں تقویت حاصل ہوتی ہے اور اس کے علاوہ بھی خوشبو کی اچھی وجہات تلاش کر کے ان کی نیت کرے۔

بَابُ اسْتِحْبَابِ طَلَبِ الشَّهَادَةِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ تَعَالٰی

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صدق دین سے شہادت کا طالب ہو، اس کو شہادت کا اجتماع دیا جاتا ہے خواہ وہ شہید نہ ہو۔

سہل بن حنیف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صدق دل سے شہادت کا سوال کرے اس کو اللہ تعالیٰ شہادہ کے مرتبہ پر

۴۸۱۴۔ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الشَّهَادَةَ صَادِقًا أُعْطِيَهَا وَلَوْ لَمْ تُصْبِهِ

۴۸۱۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْقَاسِمِ وَأَبُو حَزْمَةَ بْنُ يَحْيَى (وَاللَّفْظُ لِأَبِي حَزْمَةَ) قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ أَخْبَرَنَا وَقَالَ حَزْمَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهَبٍ حَدَّثَنَا

أَبُو قُرَيْبٍ أَنَّ سَهْلَ بْنَ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ
بْنِ حَنِيْفٍ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ
النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَأَلَ اللَّهَ
الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَغَهُ اللَّهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ
وَمَنْ مَاتَ عَلَى فِرَاشِهِمْ وَكَوْنَهُمْ أَهْلُ الظَّاهِرِ
فِي حَدِيثِهِ بِصِدْقٍ

پہنچا دیتا ہے، خواہ وہ اپنے بستر پر فوت ہو، ابو الطاہر
نے اپنی روایت میں صدق کا ذکر نہیں کیا۔

اس سوال کا جواب کہ شہادت کی دعا تو کافر کے ہاتھوں مسلمان کے مرنے کی دعا ہے۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ سے شہادت کے حصول کی دعا کا ثبوت ہے، اب سے تقریباً پندرہ سال پہلے
کی بات ہے میں لاہور میں لال کمرہ کی مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیتا تھا، وہاں ایک بزرگ نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ شہادت
کا مفہوم یہ ہے کہ کافر مسلمان پر غلبہ پا کر اس کو قتل کر دے تو شہادت کی دعا کرنے کا یہ مطلب ہوا کہ ہم کافر کے ہاتھوں
مسلمانوں کے مرنے اور کفر کے غلبہ کی دعا کرتے ہیں، میں نے اس کا یہ جواب دیا کہ جب اعلام کلمۃ اللہ اور اسلام کی
سر بلندی کے لیے مسلم افواج کافروں سے جنگ کریں گی تو عداوت محال ہے کہ کسی ایک مسلمان کے بھی مرے بغیر مسلمان
کافروں کو شکست دے دیں اس لیے اس جنگ میں ہر محالہ کچھ مسلمان بھی راہ حق میں قتل کیے جائیں گے اور مسلمانوں کو
اجتماعی اور آخری فتح حاصل کرنے کے لیے چند افراد کی لڑنا قربانی دینا ہوگی اور جو لوگ اس قربانی کے لیے تیار ہو کر
میدان جہاد میں اتریں گے اور قضاۃ الہی سے راہ حق میں مارے جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ان کا بہت
بڑا مرتبہ اور نہایت عظیم اجر و عطا فرمایا ہے، اس لیے شہادت کی دعا کا حاصل یہ ہے کہ "اعلام کلمۃ اللہ اور اسلام
کی سر بلندی کے لیے اگر جان کا نذرانہ دینا پڑے تو اسے خدا اس راہ میں میری جان کا نذرانہ قبول فرماتا اور مسلمانوں کی
اجتماعی فتح اور غلبہ اسلام کے لیے جس انفرادی قربانی کی ضرورت ہے اس انفرادی قربانی کے لیے مجھے چن لینا اور
آخرت میں مجھے شہادت کا عظیم عطا فرمانا، شہادت قبیح لذاتہ اور حسن لغیرہ ہے جسے وضو کرنا، فاتحہ پانی مناجات کرنا
ہے لیکن چونکہ یہ عمل نیاز کا وسیلہ ہے اس لیے حسن لغیرہ ہے اسی طرح شہادت میں فی نفسہ مسلمان کا کافر کے
ہاتھوں مرنے اور یہ قبیح لذاتہ ہے لیکن چونکہ یہ انفرادی قربانی مسلمانوں کی اجتماعی فلاح اور غلبہ اسلام کا وسیلہ اور
وسیلہ ہے اس لیے یہ حسن لغیرہ ہے اور ہم جو شہادت کی دعا کرتے ہیں تو وہ اس کے حسن لغیرہ کے اعتبار سے کرتے
ہیں یا آخرت میں جو شہادت کا عظیم اجر ہے، اس پر نظر رکھتے ہوئے شہادت کی دعا کرتے ہیں، اور پھر جان تو بہر حال
جاتی ہے اور اگر یہ جان راہ حق میں جانے تو اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی بالہ العالمین، ہمیں وہ جزائے بہت
اور حوصلہ عطا فرما جو شہادت کا بنیادی عنصر ہے اور راہ حق میں شہادت عطا فرما! آمین یا مہدی العلماءین بجا کا
حبیبک سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وامنہم الف الف صلوات و تحیات و تسلیعات۔

بَابُ ذَمِّ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ
يُحَدِّثْ نَفْسَهُ بِالْغَزْوِ

اس شخص کی مذمت کا بیان جو جہاد یا اس کی تمنا
کیے بغیر مر گیا

۴۸۱۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ
بْنِ سَهْمٍ الْأَنْطَلَقِيُّ أَحْبَبَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ
الْمُبَارَكِ عَنْ وَهْبِ بْنِ الْمَكِيِّ عَنْ عُمَرَ بْنِ
مُحَمَّدٍ بْنِ الْمُثَنَّى عَنْ سُلَيْمِ بْنِ أَبِي
صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ
يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ مَاتَ عَلَى
شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ قَالَ ابْنُ سَهْلٍ قَالَ
عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ فَكُنِيَ أَنَّ ذَلِكَ
كَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نہ لڑا نہ خود کو لڑنے کا ارادہ کیا نہ اس
نے جہاد کیا نہ جہاد کی تمنا کی نہ اس کی موت نفاق کے ایک
شعبہ پر ہوگی، عبد اللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ ہمارے خیال
میں یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ
خاص تھا۔

جہاد یا اس تمنا کیے بغیر مرنے والے کا حکم | علامہ نووی لکھتے ہیں: یہ عبد اللہ بن المبارک کا قول ہے اور
دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ جو شخص جہاد اور اس کی تمنا کیے
بغیر گیا وہ ان منافقوں کے مشابہ ہے جو یہاں کے جہاد سے پیچھے رہ جاتے ہیں، اس حدیث سے یہ بھی معلوم
ہوتا ہے کہ جس شخص نے کسی فعل کی نیت کی اور اس فعل کو کرنے سے پہلے مر گیا تو اس شخص کی ایسی مذمت نہیں ہوگی جیسی
اس شخص کی ہوتی ہے جو اس فعل کی نیت کیے بغیر مر گیا ہو۔

نیت کے باوجود فعل کیے بغیر مرنے والے کا حکم | فقہاء شافعیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ایک شخص
اول وقت میں نماز پر قادر تھا، پھر اس نے اس نیت
سے نماز کو مؤخر کر دیا کہ وہ اس نماز کو میان یا اگر وقت میں پڑھ لے گا، یا وہ اس سال حج کرنے پر قادر تھا اور اس نے
اگلے سال تک حج کو مؤخر کر دیا اور وہ نماز پڑھنے یا حج کرنے سے پہلے فوت ہو گیا، آیا وہ شخص گنہگار ہو گا یا نہیں اور
زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ حج مؤخر کرنے کا وجہ سے گنہگار ہو گا اور نماز مؤخر کرنے کی وجہ سے گنہگار نہیں ہو گا، کیونکہ
نماز کی مدت قریب اند کم ہے اس لیے اس میں تاخیر تفصیر نہیں ہوگی، اس کے برخلاف حج میں تاخیر کی مدت زیادہ ہے،
اس لیے اس میں تاخیر کرنا تفصیر میں شمار ہو گا، ایک قول یہ ہے کہ دونوں کی تاخیر میں گنہگار ہو گا، ایک قول یہ ہے کہ دونوں
کی تاخیر میں گنہگار نہیں ہو گا، اور ایک قول یہ ہے کہ حج کی تاخیر کرنے میں جو شخص گنہگار ہو گا اور جو ان شخص گنہگار نہیں
ہو گا، لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (ماشیہ صفحہ ۹۲۷ صفحہ ۹۲۸ پر ملاحظہ ہو)

امام مالک اور جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی کا گمان یہ ہو کہ وہ نماز کے آخر وقت تک زندہ نہیں رہے گا اور پھر نماز میں پریمی تو گنہگار ہوگا اور اگر اس کو نماز کے آخر وقت تک مرے گا گمان نہ ہو اور اس نے نماز میں تاخیر کی اور قضاء کر لیا تو گنہگار نہیں ہوگا اور اگر حج میں ایک سال کی تاخیر کی اور قضاء کر لیا تو گنہگار ہوگا، امام ابو حنیفہ کا بھی یہی نظر یہ ہے۔ (اکمال الکمال المسلم ج ۵ ص ۲۵۹)

بَابُ ثَوَابِ مَنْ حَبَسَهُ عَنِ الْغَزْوِ
وَمَرِضٍ أَوْ عَذْرًا آخَرَ

۲۸۱۷ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ تَحْقِيقًا
بِهِ رِوَايَةُ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُوَيْبٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ
كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزَاةٍ
فَقَالَ إِنَّ يَأْمِدُ نِيَّةَ كَرِّحَالٍ مَا سَرْتُمْ مَسِيرًا وَلَا
قَطَعْتُمْ وَادِيًا إِلَّا كَانُوا مَعَكُمْ حَبَسَهُمُ الْمَرَضُ
۱۸۱۸ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا أَبُو
مُعَاوِيَةَ سَمِعَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو
سَعِيدٍ الْأَدْبِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ سَمِعَ حَدَّثَنَا
إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ كَلَّمَ
عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ
وَكِيعٍ إِلَّا شَرَّ كُوكُمُ فِي الْأَجْرِ

جو شخص بیماری یا کسی اور عذر کی وجہ سے جہاد
نہ کر سکے اس کے ثواب کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک غزوہ
میں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، آپ نے فرمایا
میرے میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ تم جس جگہ سے گزرتے ہو
یا جس وادی سے گزرتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتے
ہیں کیونکہ وہ اپنے مرض کی وجہ سے ساتھ نہیں جا سکے۔
امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند ذکر کی اس میں
ہے وہ تمہارے ساتھ ثواب میں شریک ہوتے ہیں۔

عبادات کے چھوٹ جانے پر حزن و ملال کا مرتبہ اور مقام | اس حدیث میں نیک کام میں نیت کرنے

نے جہاد کرنے یا کسی اور عبادت کی نیت کی پھر اس کو ایسا عذر لاحق ہو گیا جس کے سبب سے وہ اس عبادت کو نہیں کر سکا
تو اس کو اپنی نیت کی وجہ سے اس عبادت کا اجر مل جائے گا، اور اس شخص کو اس جہاد میں شریک ہونے کا یا اس عبادت
کے نہ کرنے کا جس قدر زیادہ افسوس ہوگا اور جتنی بیاہ اس جہاد میں شرکت کی یا اس عبادت کی تنہا کرے گا اس کا اجر
و ثواب اس قدر زیادہ ہوگا، عبادت کے کرنے کا شوق اور اس کی تنہا کرنا اور کسی عبادت کے چھوٹ جانے پر رنج
و ملال کرنا یہی وہ وصف ہے جو انسان میں ہے اور فرشتوں میں نہیں ہے یہی انسان کا مابہ الاقبات ہے اور اسی
وصف پر ہے شریعت انسانیت ہے۔ اسے اللہ ہمیں اپنی راہ میں جہاد کرنے اور دیگر عبادات کا فوق و شوق اور محبت
عطا فرما اور کسی اطاعت کے نہ جانے یا کسی عذر کی وجہ سے عبادت کے چھوٹ جانے پر تاسف اور حزن و ملال عطا
فرما، لیکن ترہم نہ دے گی میں اپنے نقصانات پر آنسو بہاتے رہتے ہیں، لیکن کسی عبادت کے چھوٹ جانے پر آنسو بہانے کا

کچھ اور مقام ہے اس طاعی کی امام، ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں جب مناسک حج کے دوران آپ کو حرمین آگیا اور اس وجہ سے آپ عائد کعبہ کا طواف نہ کر سکیں تو بے اختیار دوسری عتیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو تسلیاں دے رہے تھے!

بَابُ فَضْلِ الْغَزْوِ فِي الْبَحْرِ

۴۸۱۹ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ إِدْرِيسَ طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْخُلُ عَلَى أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مَلْحَانَ فَتُطْعِمُهُ وَكَانَتْ أُمُّ حَرَامٍ تَحْتُ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ فَدَخَلَ عَلَيْهِمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَاطْعَمَتْهُ ثُمَّ جَلَسَتْ تَقْلِي رَأْسَهُ فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَسِيَ قَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ قَالَتْ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غَزَاةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَرْكَبُونَ كَبَبَ هَذَا الْبَحْرِ مُلَوًّا عَلَى الْأَسَافَةِ أَوْ مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسَافَةِ (يُشْكُ أَيُّهَا قَالَ قَالَتْ) فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَ لِي مِنْهُمْ قَدْ عَالَمْتُ ثُمَّ وَضَعُ رَأْسَهُ فَنَامَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ قَالَتْ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غَزَاةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَا قَالَ فِي الْأَوَّلِي قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَ لِي مِنْهُمْ قَالَتْ أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ فَرَكِبْتُ أُمُّ حَرَامٍ بِنْتُ مَلْحَانَ الْبَحْرَ فِي نَارٍ مِنْ مُعَاوِيَةَ فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتَيْهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ -

سمندر پار کر کے جہاد کرنے کی فضیلت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ام حرام بنت ملحان (یہ جنود کی رضاعی خالہ تھیں اور آپ کی محرم عتیں) کے پاس تشریف لے جاتے، اور وہ آپ کو طعام پیش کرتی تھیں، حضرت عبادہ بن صامت کے نکاح میں تھیں، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے انھوں نے آپ کو کھانا پیش کیا اور پھر آپ کے سر میں جو میں دیکھنے لگیں (ایک کاسہ سرخوڑوں سے پاک تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے، پھر آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، حضرت ام حرام کہتی ہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کس چیز کے باعث تبسم فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھے خواب (میں) میری امت کے کچھ مجاہدین دکھائے گئے جو اللہ کی راہ میں سمندر میں بادشاہوں کے تختوں کی مثل سواری پر سوار ہو کر بارہے تھے، حضرت ام حرام کہتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے بھی ان مجاہدین میں شامل کر دے، آپ نے ان کے لیے دعا کی اور پھر اپنا سر رکھ کر سو گئے، پھر آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کس چیز کے باعث ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا مجھے خواب (میں) اپنی امت کے کچھ لوگ راہ خدا میں جہاد کرتے ہوئے دکھائے گئے جس طرح پہلے فرمایا تھا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل کر دے! آپ نے فرمایا تم پہلے گروہی سے ہو، پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت

ام حرام بنت ملحان سند کے جہان میں ہمارے وہی اور حبیب مسند سے نکلیں تو سواری سے گر ہو کر ہلاک ہو گئیں۔

حضرت انس بن مالک کی خالہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے اور قیلولہ فرمایا

پھر آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فطمہوں! آپ کس وجہ سے ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا مجھے (خواب میں)

میری امت کا ایک گروہ دکھایا گیا جو بادشاہوں کے تختوں کی مثل پر مسند میں سواری کر رہا تھا، میں نے عرض کیا: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی

ان میں شامل کر دے! آپ نے فرمایا تم بھی انھی میں سے ہو، حضرت ام حرام کہتی ہیں کہ آپ پھر سو گئے اور دوبارہ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے اور میں نے پھر آپ سے سوال کیا اور

آپ نے پہلے کی طرح جواب دیا، میں نے عرض کیا: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل کر دے! آپ نے فرمایا تم پہلے گروہ میں سے ہو، پھر اس کے بعد

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا، انھوں نے مسند کے راستہ جہاد کیا اور حضرت ام حرام کو اپنے ساتھ لے گئے، جب وہ واپس لوٹیں تو

ان کے پاس ایک نچر لایا گیا وہ اس پر سوار ہوئیں مگر نچر نے ان کو گرا دیا جس سے ان کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں

کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے قریب سو گئے پھر آپ مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ آپ

نے فرمایا: مجھے (خواب میں) میری امت کے کچھ لوگ دکھائے گئے جو اس سبز مسند پر سوار ہو کر جا رہے تھے اس کے بعد حسب سابق روایت ہے۔

۴۸۲۰ - حَدَّثَنَا خَلْفُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أُمِّ حَرَامٍ وَهِيَ خَالَتُهُ أَنَسٍ قَالَتْ أَتَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ عِنْدَنَا قَاسِطٌ يَنْقُطُ وَهُوَ يَضْحَكُ فَقُلْتُ مَا يَضْحَكُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ يَا بَنِي أَنْتَ دَأْبِي قَالَ أَرَيْتُ قَوْمًا مِنْ أُمَّتِي يَرْكَبُونَ ظَهْرَ الْبَحْرِ كَالْمَلُوكِ عَلَى الْأَسْرَةِ فَعُلْتُ ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَ لِي مِنْهُمْ قَالَ قَالَتْ مِنْهُمْ قَالَتْ ثُمَّ تَأَمَّ قَاسِطٌ يَنْقُطُ آيُضًا وَهُوَ يَضْحَكُ فَمَا لُتَهُ فَقَالَ مِثْلَ مَا لَيْتُهُ فَقُلْتُ ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَ لِي مِنْهُمْ قَالَ أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ قَالَ فَتَرَوُجَهَا عِبَادَةُ بَنِي الصَّامِتِ بَعْدَ فَعَزَا فِي الْبَحْرِ فَحَمَلَهَا مَعَهُ فَلَمَّا أَجَى جَاءَتْ قُرَيْبَتٌ لَهَا بَغْلَةً فَوَكَبَتْهَا فَصَرَعَتْهَا فَأَذَقَتْ عُنُقَهَا.

۴۸۲۱ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أُمِّ حَرَامٍ وَهِيَ خَالَتُهُ أَنَسٍ قَالَتْ أَتَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَكَبَّرَ بَيْنَا مِثْلَ قَاسِطٍ يَنْقُطُ يَضْحَكُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا يَضْحَكُكَ قَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عَرَضُوا عَلَيَّ

بَرْكِيُونَ ظَهَرَ هَذَا الْبَحْرُ الْأَخْضَرُ ثُمَّ ذَكَرَ كُنُوزَ
حَدِيثِ حَمَّادِ بْنِ سَائِدٍ -

۲۸۲۰ - وَحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ وَفَتَيْبَةُ
وَأَبْنُ جُرَّاجٍ قَالُوا حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (وَهُوَ ابْنُ
جَعْفَرٍ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ مِمَّةَ
أَنْسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ أَقْبَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَةً مِلْحَانَ خَالَتِ أَنْسَ
فَوَصَّعَتْهَا أَسْمًا عِنْدَهَا وَسَاقَ الْحَدِيثُ بِمَعْنَى
حَدِيثِ الشَّحَقِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ وَمُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى
بْنِ حَبَّانٍ -

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خالہ بنت ملحان کے
پاس تشریف لے گئے، اور ان کے پاس سر رکھ کر سو
گئے، اس کے بعد حسب سابق روایت ہے۔

حضرت ام حرام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا رشتہ تھا؟ | اس باب کی حدیث نمبر ۲۸۱۹ میں ہے:

ام حرام بنت ملحان کے پاس جایا کرتے تھے، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ علامہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محرم تھیں، لیکن اس کی کیفیت میں اختلاف ہے، علامہ ابن عبد البر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ یہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہوں میں سے ایک رضاعی خالہ تھیں اور بعض علامہ نے یہ کہا ہے کہ یہ آپ کے والد
یا دادا کی طرف سے خالہ تھیں کیونکہ حضرت عبد المطلب کی والدہ بنو نجار سے تھیں۔ ۱۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غریب کی خبریں دینا | علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ

نے یہ غریب کی خبر دی کہ آپ کے بعد آپ کی امت باقی رہے گی، اور ان کو کثرت اور اقتدار حاصل ہوگا، اور وہ سمندر کے
راستہ جہاد کریں گے، اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اس وقت تک زندہ رہیں گی اور وہ مجاہدین کے پہلے گروہ میں شامل
ہوں گی اور الحمد للہ آپ کی دعا ہونے خبروں میں سے ہر چیز اسی طرح واقع ہوئی جس طرح آپ نے خبر دی تھی۔

سمندری سفر کے حکم میں مذاہب فقہاء | علامہ کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ام حرام نے سمندری سفر کب

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سمندری سفر کیا اور سواری سے گر کر فوت ہو گئیں، قاضی سیامی نے یہ کہا ہے کہ
اکثر مؤرخین نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں ہوا، اور اس موقع پر حضرت ام حرام
اپنے خافند کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوئیں اور اس سے گر کر ہلاک ہوئیں اور اس کا جگہ دفن کر دی گئیں، اس بناء پر
حدیث میں جو حضرت معاویہ کا ذکر ہے اس سے مراد حضرت معاویہ کے ایام جہاد ہیں نہ کہ حضرت معاویہ کے

ایام خلافت مراد ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہی ظہور پذیر ہوا، اور یہی قول زیادہ ظاہر ہے، اس حدیث سے مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے مندری سفر کا جواز ثابت ہوتا ہے، جمہور فقہاء کا یہی قول ہے، امام مالک نے عورتوں کے مندری سفر سے منع کیا ہے کیونکہ اس سفر میں مردوں کے لیے اپنی نگاہیں نیچی رکھنا اور عورتوں کا اپنی زینت کو چھپانا بہت دشوار ہے، کاظمی میاں نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب اور عمر بن عبد العزیز سے یہ روایت ہے کہ وہ مندری سفر سے منع کرتے تھے، اور ایک قول یہ ہے کہ وہ تجارت اور طلب دنیا کے لیے بحری سفر سے منع کرتے تھے عبادات کے لیے بحری سفر سے منع نہیں کرتے تھے، اور حضرت عبداللہ بن عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا ہے کہ آپ نے حج، عمرہ اور جہاد کے سوا بحری سفر سے منع فرمایا ہے، لیکن امام ابو داؤد نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کے راوی مجہول ہیں۔

اللہ کے راستہ میں مرنایا قتل کیا جانا دونوں شہادت ہیں بعض علماء نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جانا اور اللہ کی راہ میں

موت کا جانا، اجر و ثواب میں دونوں مساوی ہیں کیونکہ حضرت ام حرام فوت ہوئی عتق اور قتل نہیں کی گئی عتق، لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گروہ کے متعلق یہ نہیں فرمایا تھا کہ یہ شہداء ہیں بلکہ یہ فرمایا تھا کہ یہ مجاہد ہیں، البتہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا وہ مجی شہید ہے اور جو شخص اللہ کے راستہ میں مر گیا وہ بھی شہید ہے، اور یہ حدیث قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہے:

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مَهْجُورًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ
شَرِيدًا، كَمَا الْعَمَلُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ - (نساء: ۱۰۰)

جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکلتا ہے اور پھر اس کو موت آتی ہے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔

پہلی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام حرام کے گھر گئے تو اس وقت وہ عمرت عبادہ بن صامت کے نکاح میں عتق اور دوسری روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے بعد میں حضرت عبادہ سے نکاح کیا، اس لیے پہلی روایت کو دوسری روایت پر محمول کیا جائے گا بایں طور کہ راوی نے بعد میں ہونے والے نکاح کی پہلے خبر دے دی تھی۔

نکاح کے راستہ میں پہرہ کی فضیلت

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دن اور ایک رات سرحد پر پہرہ دینا ایک ماہ کے روزوں اور قیام سے بہتر ہے اور اگر وہ مر گیا تو اس کا وہ عمل جاری رہے گا۔

بَابُ فَضْلِ الرِّبَاطِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ

۲۸۲۳ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ بَهْرٍ أَمَّ الدَّارِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّلَبِيُّ السَّيِّئِيُّ حَدَّثَنَا كَيْسُ بْنُ رَيْغِي (ابْنُ سَعْدٍ) عَنْ أَبِي ثَوْبٍ عَنْ مَوْسَى عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ شُرَّاحِبِيلَ بْنِ السَّمِطِ عَنْ

اس کا رزق جاری کیا جائے گا اور اس کو قبر کے فتوں سے محفوظ رکھا جائے گا۔

سَلَمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَا بَاطِلُ يَوْمٍ وَكِيلَةٍ خَيْرٌ مِنْ صِيَامٍ فَسَهْرٍ وَ قِيَامِهِ وَإِنْ مَاتَ جَرَى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِي كَانَ يَعْمَلُهُ وَأُجْرِي عَلَيْهِ رِزْقُهُ وَأَمْرُهُ
الْفُتَّانَ۔

حضرت سلمان خیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی ایک روایت کی ہے۔

۴۸۲۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ شَرِيحٍ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِي هَبَيْدَةَ عَنْ بَنِي عُقْبَةَ عَنْ شَرِّ حَبِيلٍ بْنِ السَّمُوطِ عَنْ سَلَمَانَ الْخَيْمِيِّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَى حَدِيثِ الْكَلْبِيِّ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى۔

ف: اس حدیث میں اسلام کی سرحدوں پر سپرد دینے والوں کی ظاہر فضیلت ہے، کیونکہ ان کی موت کے بعد بھی ان کا عمل جاری رہتا ہے، اس فضیلت میں ان کا کوئی اور شریک نہیں ہے اور صحیح مسلم کے علاوہ دوسری روایات میں مزاحمت ہے سرحد پر سپرد دینے والے کے سوا ہر شخص کا عمل موت کے بعد قطع ہو جاتا ہے، اندر ہی محافظ کا عمل قیامت تک برقرار رہتا ہے۔

بَابُ بَيَانِ الشَّهَادَةِ

شہیدوں کا بیان

۴۸۲۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ وَجَدَ غَضَنَ رَسُولٍ عَلَى الطَّرِيقِ فَأَعْرَضَ فَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ تَعَفُّرًا لَمَّا قَالَ الشَّهَادَةُ خَمْسَةً الْمَطْعُونَ وَالْمَبْطُونُونَ وَالْغَرَقُوصُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِيدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص کہیں جا رہا تھا اس نے راستہ میں ایک خاردار شاخ دیکھی تو اس کو راستہ سے ایک طرف ہٹا دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو قبول کر لیا اور اس کو بخش دیا، پھر آپ نے فرمایا: پانچ شخص شہید ہیں، (۱) طاعون کی بیماری میں مرنے والا، (۲) پیٹ کی بیماری میں مرنے والا، (۳) ڈوبنے والا، (۴) کسی چیز کے نیچے دب کر مرنے والا، (۵) اور جو شخص اللہ عزوجل کی راہ میں شہید ہو۔

۴۸۲۶۔ وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ سَهْلٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَعْدُونَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم شہید کس کو سمجھتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جو شخص اللہ عزوجل

الشَّهِيدَ فَبِكُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ قُتِلَ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ قَالَ إِنْ شَهِدَ آءُ
أُمَّتِي ۚ ذَا الْقَلِيلِ قَالُوا فَمَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ
قَالَ مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ
مَاتَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ مَاتَ
فِي الطَّاعُونَ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ مَاتَ فِي الْبَطْنِ
فَهُوَ شَهِيدٌ قَالَ أَجَبٌ مَقْسَمٌ أَشْهَدُ عَلَى أَبِيكَ
فِي هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّكَ قَاتِلٌ وَالْعَرَنِيُّ شَهِيدٌ

کی راہ میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، آپ نے فرمایا
پھر تو میری امت کے شہداء بہت کم ہوں گے، صحابہ نے
عرض کیا یا رسول اللہ! پھر وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا جو شخص
اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، اور جو شخص
اللہ کی راہ میں مرجائے وہ شہید ہے، جو شخص طاعون میں
مرے وہ شہید ہے، جو شخص پیٹ کی بیماری میں مرے
وہ شہید ہے، ابن مقسم نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ
تمہارے باپ نے یہ بھی کہا تھا کہ جو ڈوب جائے وہ
شہید ہے۔

عبد اللہ بن مقسم نے کہا کہ میں تیرے بھائی پر گواہی
دیتا ہوں اور اس حدیث میں یہ زیادہ ہے کہ جو غرق ہو جائے
وہ شہید ہے۔

۴۸۲۷۔ وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الْحَمِيدُ بْنُ يَسَارٍ
الْوَسِطِيُّ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَهْلٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ
مُكْمَلُهُ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِهِ قَالَ سَهْلٌ قَالَ
عَبِيدُ اللَّهِ بْنُ مَقْسَمٍ أَشْهَدُ عَلَى أَخِيكَ أَنَّكَ
تَرَادَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ وَمَنْ هَرَقَ فَهُوَ
شَهِيدٌ

امام مسلم نے ایک اور سند بیان کی ہے اس میں
ہے کہ جو شخص غرق ہو جائے وہ شہید ہے۔

۴۸۲۸۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا
بَهْرٌ حَدَّثَنَا وَهَبُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا سَهْلٌ بِهَذَا
الْإِسْنَادِ وَفِي حَدِيثِهِ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ
بْنُ مَقْسَمٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ وَرَأَى فِيهِ كَالْعَرَنِيِّ
شَهِيدٌ

مفسدیت سیرین کہتی ہیں کہ مجھے سے حضرت انس
بن مالک نے پوچھا کہ یحییٰ بن ابی عمرہ کس سبب سے
فوت ہوئے تھے؟ میں نے کہا طاعون سے، انہوں
نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طاعون
ہر مسلمان کی شہادت ہے۔

۴۸۲۹۔ حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ الْبَكْرِيُّ
حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ رِيعِيُّ بْنُ يَزِيدٍ حَدَّثَنَا
عَاصِمٌ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ قَالَتْ قَالَ
لِي أَسُّ بْنُ مَالِكٍ يَوْمَ مَاتَ يَحْيَى بْنُ أَبِي عَمْرَةَ
قَالَتْ قُلْتُ يَا طَّاعُونُ قَالَتْ قَالَتْ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطَّاعُونُ شَهَادَةٌ لِكُلِّ مُسْلِمٍ

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی

۴۸۳۰۔ وَحَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ شَبَّاعٍ
حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ عَاصِمٍ فِي هَذَا الْإِسْنَادِ

بیشلیہ۔

علامہ سیوطی کے متبع سے حکمی شہداء کی تعداد کا بیان | علامہ شامی لکھتے ہیں کہ علامہ سیوطی نے کتاب

پہنچایا ہے انہوں نے کہا: (۱) جو شخص پیٹ کی بیماری (خواہ اسہال ہو یا استسقاء) میں فوت ہو جائے (۲) ڈوب جائے (۳) کسی چیز کے نیچے دب جائے (۴) غوریہ ہو جائے (۵) عورت دردِ زہ میں مر جائے (۶) بھیڑیوں کی بیماری ہو (۷) سفر ہو (۸) مرگ ہو (۹) بخار ہو (۱۰) اہل کی حفاظت کر رہا ہو (۱۱) مال کی حفاظت کر رہا ہو (۱۲) جان کی حفاظت کر رہا ہو (۱۳) مظلوم ہو یعنی ظلماً مارا جائے (۱۴) کسی سے عشتی ہو اور اس کو غنمی رکھے اور حرام سے بچے (۱۵) جس شخص کے گلے میں پانی وغیرہ کا پھنسا گئے سے اچھو ہو اور اس سے مر جائے (۱۶) دندے سے چاڑ کھایا ہو (۱۷) بادشاہ نے ظلماً قید کیا ہو (۱۸) یا زبردستی پٹوایا ہو۔ (۱۹) بادشاہ کے خوف سے روپوشی میں مر گیا ہو، (۲۰) سانپ بچھو وغیرہ نے کاٹا ہو (۲۱) علم شرعی کی طلب میں مر ا ہو (۲۲) ثواب کی نیت سے افغان دیتا ہو (۲۳) سچا تاجر (۲۴) جو شخص اپنے اہل، اولاد اور دیگر ماتحت لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم جاری کرتا ہو اور ان کو حلال کماٹی کھلاتا ہو (۲۵) جہاز میں متکی اور قے سے مر جائے (۲۶) جو عورت سوکن یا کسی دوسری عورت سے غیرت پر صبر کر کے مرے (۲۷) جو شخص ہر روز پچیس بار یہ دعا مانگے اللہم یا ربی لا لی فی الموت و فیما بعد الموت (۲۸) جو شخص نمازِ چاشت پڑھے، ہر ماہ تین روزے رکھے اور سفر حضر میں بھی ذکر کو ترک نہ کرے (۲۹) جو شخص امت کے فساد کے وقت سنت نبوی پر مضبوطی سے قائم رہے، (۳۰) جو شخص اپنے مرضِ موت میں چالیس بار کہے لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین

بعض مالکی علماء اور علامہ شامی کے متبع۔ سے حکمی شہداء کی تعداد کا بیان | بعض مالکی علماء نے اس

تعداد پر چند شہداء کا مزید اضافہ کیا ہے، (۱) جو شخص جل کر مر جائے (۲) جو شخص گھوڑا تیار کر کے جہاد کا منتظر رہے (۳) جو شخص ہر شب سورۃ یسین پڑھے (۴) جو شخص سواری سے گر کر مر جائے (۵) جو رات کو یا دنوں میں اور اس کو با وضو موت آئے (۶) جو شخص تمام زندگی لوگوں کی خاطر مدارات کرتا رہے (۷) جو شخص ہر روز سو بار درود شریف پڑھے (۸) جو شخص صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے کی دعا کیا کرے (۹) جو شخص ضرورت کے وقت مسلمانوں کے کسی شہر میں غلہ پہنچانے کا انتظام کرے (۱۰) جو شخص جمعہ کے دن وفات پائے (۱۱) جو شخص صبح کو تین بار پڑھے: اعوذ باللہ السميع العليم من الشیطان الرجیم اور سورۃ ہشر کی آخری تین آیتیں پڑھے اور اسی دن وفات پائے، ان کے علاوہ بھی علامہ شامی نے دو قسمیں ذکر کی ہیں، (۱) جو طاعون کی جگہ پر صبر کر کے ٹھیرا رہے، (۲) عورت نفاس میں مر جائے یہ خلاصہ ہے کہ علامہ سیوطی نے حکمی شہداء کی تعداد میں بیان کی، بعض مالکی علماء نے ان پر مزید گیارہ کا اضافہ کیا اور علامہ شامی نے بھی ان کے علاوہ دو قسمیں بیان کیں اور یہ کل تینتالیس اقسام ہو گئیں، لیکن علامہ شامی نے ان میں سے صرف دو تین قسموں کے ثبوت میں امارت پیش کی ہیں اور باقی تمام اقسام کے متعلق امارت پیش نہیں کیں اور فرمایا

لے علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی مترونی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۱ ص ۸۵۳-۸۵۲، مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۴ھ

کہ ہم نے اقتصار کی وجہ سے دلائل کو حذف کر دیا ہے۔
ہم نے اس سلسلہ میں احادیث اور آثار سے متبع کر کے حکمی شہداء کی تعداد پینچالیس تک پہنچا دی ہے اور ان تمام اقسام کو ہم نے جن احادیث اور آثار سے تلاش کیا ہے ان کو اب ہم بارہ پیش کر رہے ہیں، فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانتہ یلیق۔

مصنف کے متبع سے حکمی شہداء کی تعداد کا احادیث اور آثار کے حوالوں سے بیان

ایک حدیث میں پانچ شہداء کا بیان ہے؛ طاعون میں مرنے والا، پیٹ کی بیماری میں مرنے والا، ڈوبنے والا، دب کر مرنے والا اور اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا۔
امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشہداء خمسۃ المطعون والمبطون والغرق وصاحب الہدم والشمید فی سبیل اللہ رلہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہداء پانچ ہیں، طاعون زدہ، پیٹ کی بیماری والا، ڈوبنے والا، دب کر مرنے والا اور شہید فی سبیل اللہ۔

اس حدیث میں پانچ شخصوں پر شہید کا اطلاق کیا گیا ہے اور سنن ابوداؤد کی روایت میں تین اور شخصوں کا اضافہ ہے اور اٹھ شخصوں پر شہید کا اطلاق کیا گیا ہے، وہ روایت یہ ہے:
امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن جابر بن عتیك ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وما تعدون الشہادۃ؟ قالوا القتل فی سبیل اللہ تعالیٰ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشہادۃ سبع سوی القتل فی سبیل اللہ المطعون شہید، والغرق شہید، وصاحب ذات الجنب شہید، والمبطون شہید، وصاحب الحریق شہید، والذی یموت تحت الہدم شہید، والمرأۃ تموت بجسمہ شہید۔ رلہ

حضرت جابر بن عتیك بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا: تم لوگ کس چیز کو شہادت شمار کرتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ عز وجل کی راہ میں قتل ہونے کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قتل فی سبیل اللہ کے سوا شہاد کی سات قسمیں اور ہیں، طاعون میں مرنے والا شہید ہے، غرق ہونے والا شہید ہے، نوبہ میں مرنے والا شہید ہے، پیٹ کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے، جل کر مرنے والا شہید ہے، کئی چیز کے نیچے دب کر مرنے والا شہید ہے اور اگر (حاملہ) عورت درودہ میں مبتلا ہو کر مر جائے تو شہید ہے۔

۱۔ امام مسلم بن حجاج قشیری مترقی ۲۶۱ ص ۲، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۲، مطبوعہ دار محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۵۵ھ
۲۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی مترقی ۲۵۵ ص ۲، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۸۷، مطبوعہ مطبع مجتہد پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

ان آٹھ قسموں کے علاوہ امام بخاری نے ایک اور قسم بیان کی ہے:

عن عبد الله بن عمر وقَالَ سمعت رسول الله
صلى الله عليه وسلم يقول من قتل دون ماله
فهو شهيد - ۱۷

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے
سنا ہے جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل
کیا گیا وہ شہید ہے۔

اس مفہوم کی حدیث امام مسلم نے بھی حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے۔ ۱۷
امام ترمذی نے مال کے علاوہ جان کی حفاظت، بیوی بچوں کی حفاظت اور دین کی حفاظت میں قتل کیے جانے
والے شخص کے متعلق بھی حدیث روایت کی ہے، اس طرح بارہ قسمیں ہو گئیں۔
امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن سعيد بن زيد قال سمعت رسول الله
صلى الله عليه وسلم يقول من قتل دون ماله
فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد
ومن قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل
دون اهله فهو شهيد - ۱۸

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے
سنا ہے ”جو شخص مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا گیا
وہ شہید ہے، جو اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے
قتل کیا گیا وہ شہید ہے، جو دین کی حفاظت کرنے
ہوئے قتل کیا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے بیوی اور
بچوں کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا گیا وہ شہید ہے۔“
امام احمد نے ایک روایت بیان کی ہے اس میں سولہی سے گرنے والے کو بھی حضور نے شہید فرمایا ہے،
اس طرح تیرہ اقسام ہو گئیں۔

امام احمد روایت کرتے ہیں:

عن ابی هريرة قال سمعت رسول الله صلى
الله عليه وسلم يقول ما تعدون الشهيد قالوا
الذي يقاتل في سبيل الله حتى يقتل قال
ان الشهيد في امتي اذا القليل القليل في سبيل
الله شهيد، والطعين في سبيل الله شهيد
والغريق في سبيل الله شهيد، والخمار
من قتل في سبيل الله شهيد - ۱۹

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:
تم لو کہ کسی شخص کو شہید شمار کرتے ہو، صحابہ نے عرض
کیا جو شخص اللہ کی راہ میں جگ کرے حتیٰ کہ قتل ہو جائے
آپ نے فرمایا پھر ترمیمی امت میں شہید بہت کم ہوں گے
اللہ کی راہ میں قتل ہونے والا شہید ہے، طاعون میں
مرنے والا شہید ہے، جو شخص اللہ کی راہ میں غرق ہوا وہ —

۱۷۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۳۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۱۸۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۱۹۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۲۲۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

عن دابته فی سبیل اللہ شہید والعجنوب فی سبیل اللہ شہید۔
 شہید ہے، جو شخص اللہ کی راہ میں سولاری سے لڑ کر مرادہ شہید ہے اور جو شخص اللہ کی راہ میں نونیر سے مرادہ شہید ہے۔
 ایک حدیث میں ہے جو شخص اللہ کے راستہ میں مر گیا وہ شہید ہے، اللہ کے راستہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص علم دین پڑھتے ہوئے یا پڑھاتے ہوئے مر گیا یا نماز کو جاتے ہوئے راستہ میں مر گیا، یا حج کو جاتے ہوئے یا دیہی کتب کی تصنیف و تالیف کے دوران مر گیا یا اللہ کی رضا جوئی میں کسی بھی نیک کام کو جاتے ہوئے یا نیک کام کرتے ہوئے مر گیا تو وہ شہید ہے، اس طرح چودہ اقسام ہو گئیں اور یہ چودہ اقسام کو متضمن ہے۔
 امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

عن عبد اللہ بن نوفل قال: قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المیت فی سبیل اللہ شہید۔
 حضرت عبد اللہ بن نوفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اللہ کی راہ میں مرنے والا شہید ہے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے:
 عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات فی سبیل اللہ فهو شہید۔
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کے راستہ میں مر جائے وہ شہید ہے۔

ایک روایت میں پیار سے لڑ کر مرنے والے اور جس کو دند سے کھالیں اس کو بھی شہید فرمایا ہے، اس طرح سولہ اقسام ہو گئیں۔
 امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

عن ابن مسعود قال ان من یتردی من رؤوس الجبال و تاكله السباع، ویغرق فی البحر یشہد عند اللہ۔
 حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص پیار کی چوٹیوں سے لڑ کر مر جائے اور جس کو دند سے کھالیں اور جو سمندر میں ڈوب جائے وہ سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہید ہیں۔

ایک روایت میں حالت نفاس میں مرنے والی عورت کو بھی شہید فرمایا ہے اس طرح سترہ اقسام ہو گئیں۔
 امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

عن ابی ہریرۃ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یتردی من رؤوس الجبال و تاكله السباع، ویغرق فی البحر یشہد عند اللہ۔
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

- ۱۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ
- ۲۔ امام عبد الرزاق بن ہمام صنفی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۵ ص ۲۶۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ
- ۳۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۲، مطبوعہ دار محمد امجد المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
- ۴۔ امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۵ ص ۲۶۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

ایک حدیث میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے صدق دل کے ساتھ شہادت کی دعا کرے تو اس کو بھی شہادت کا مرتبہ ملتا ہے اور یہ اکیسویں قسم ہے۔

امام حاکم نیشاپوری روایت کرتے ہیں:

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال، من سأل اللہ القتل فی سبیل اللہ صادقاً ثم مات اعطاه اللہ اجر شہید۔

امام دارمی روایت کرتے ہیں:

عن سهل بن حنیف ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال، من سأل اللہ الشہادۃ صادقاً من قلبہ بلغہ اللہ منازل الشہداء و ان مات علی فراشہ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے صدق دل سے اللہ کی راہ میں قتل ہونے کا سوال کیا اور پھر مر گیا تو اللہ تعالیٰ اس کو شہید کا اجر عطا فرمائے گا۔

حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے صدق دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے شہادت کو طلب کیا، اللہ تعالیٰ اس کو شہداء کے درجات پر پہنچائے گا خواہ وہ شخص بستر پر فوت ہو۔

صحیح مسلم کی حدیث نمبر ۴۸۱۵ میں بھی یہی ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ پھیپھڑوں کی بیماری (شکاتہ دق) اور سفر میں مرنے والا بھی شہید ہے، ان دو کو ملا کر تیس قسمیں ہوں گی۔ حافظ البیہقی بیان کرتے ہیں:

عن عبد الملک بن ہارون بن عنترة عن ابيه عن جده قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قتل فی سبیل اللہ فهو شہید والمتردی شہید، والنفساء شہید والغرق شہید، واد الحلوانی والبل شہید والحویق شہید والغریب شہید۔

عبد الملک بن ہارون اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، پہاڑ سے گر کر مرنے والا شہید ہے، نفاس میں مرنے والی عورت شہید ہے، ادب کر مرنے والا شہید ہے، علوانے نے یہ اضافہ کیا ہے کہ پھیپھڑوں کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے، جل کر مرنے والا شہید ہے، اور سفر میں مرنے والا شہید ہے۔

ایک حدیث میں ہے جو شخص دن میں پچیس بار یہ دعا کرے اللہ باریک دیکھ کر فیما بعد الموت پھر وہ فوت ہو اللہ تعالیٰ اس کو شہید کا اجر عطا فرمائے گا، اس کے ساتھ چوبیس قسمیں ہوں گی۔

عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۲ ص ۷۷، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ

۲۔ امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ، مسند دارمی ج ۲ ص ۱۲۵، مطبوعہ نشر السنۃ لمطان

۳۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی متوفی ۸۰۰ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۰۱، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۲ھ

عليه وسلم من قال في يوم خمسا وعشرين
مئة اللهم بارك في الموت وفيها بعد الموت
ثم مات على فراشه اعطاه الله اجر شهيد
ايك حديث مي ہے کہ نیزہ کی ضرب سے مرنا بھی شہادت ہے ، اور یہ پچیس قسمیں ہوں گیں۔
الم علی متقی ابن تالیف کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

عن ربع الانصار، الطعن والطاعون و
المهدم واكل السبع والغرق والمخرق والبطن وذات
الجنب شهاده رتبه
ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی پر عاشق ہو گیا اور حرام سے بچا وہ بھی شہید ہے، اور یہ چھبیس قسمیں ہوں گی۔
علامہ علی متقی بیان کرتے ہیں:

عن عائشة من عشق فحف ثمرات مات شهيداً ۱۰۴

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جو شخص کسی مرد عاشق ہو گیا اور اس سے نکاح نہ کیا تو وہ کفر کا مرتکب ہے۔

ایک حدیث میں ہے جو شخص بخار کی بیماری میں مرے وہ شہید ہے اور یہ ستائیس اقسام ہوں گیں۔
امام علی متقی بیان کرتے ہیں:

عن انس الحمصی شہادۃ - ۴۷

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص سرحد کی حفاظت کرتے ہوئے مر جائے وہ شہید ہے، اب اٹھائیس قسمیں ہو گئیں۔
امام علی متقی سنن ابن ماجہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

عن ابی ہریرۃ من مات موابطاً مات شہیداً۔
ایک روایت میں ہے جو شخص کسی گڑھے میں گر کر مر گیا وہ شہید ہے اب انہیں قسمیں ہو گئیں۔
امام علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

عن عبید اللہ بن جبیر وما تعدون الشهادة

١٤- حافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي متوفى ٨٠٤هـ، مجمع الزوائد ج ٥، ص ١٠١، مطبوعه دار الكتب العربيه ١٣٠٢هـ

۹۵. امام علی متقی بن حسام الدین ہندی بران پوری متوفی ۹۵۰ھ، کنز العمال ج ۲ ص ۴۱۴، مطبوعہ مؤسستہ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۵ھ

کنز العمال ج ۴، ص ۴۱۶، " " " " " "

کنز العمال ج ۲، ص ۴۱۶

کتابخانه العامة، ج ۲، ص ۴۱۸،

الامن قتل في سبيل الله ؟ ان شهداء كرام اذا
لقليل ؟ القتل في سبيل الله شهادة ، والبطن
شهادة ، والحرق شهادة ، والغرق شهادة ، و
المخوم يعني الهدم شهادة ، والمحقور شهادة ،
والمرأة تموت بجمع شهادة .

اس کو شہید سمجھتے ہو جو اللہ کے راستہ میں قتل کیا جائے، پھر ترنہا کے شہداء بہت کم ہوں گے، اللہ کی راہ میں قتل کیا جانا شہادت ہے، پیٹ کی بیماری میں مرنا شہادت ہے، بل کر مرنا شہادت ہے، ڈوب کر مرنا شہادت ہے، کسی چیز کے نیچے دب کر مرنا شہادت ہے، اگر عے میں گر کر مرنا شہادت ہے، عورت کا دروازہ میں مرنا شہادت ہے۔

ایک حدیث میں ہے جس شخص کو غلاماً قتل کیا جائے وہ شہید ہے اور یہ تیسویں قسم ہے۔

امام علیؑ مستحق مسند احمد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

عن ابن عمر وما من مسلم يظلم مظلمة

فیقاتل الاقتل شهیداً - ۳۰

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جس شخص

پز ظلم کیا جانے وہ لڑے اور مارا جانے تو وہ شہید ہے۔

ایک مدرسہ میں ہے جو شخص اپنے حق کی حفاظت کرتے ہوئے ملا جائے وہ شہید ہے اور یہ اکتیسویں قسم ہے۔
امام علی متقی بیان کرتے ہیں!

عن سويد بن مقرن من قتل دون مظلومه

فہوشہید رگہ

حضرت سید بن مقرر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

جو شخص اپنے حق کی خاطر مارا جاگئے وہ شہید ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں بستر پر فوت ہو وہ بھی شہید ہے اور جس کو سانپ یا بچھو ڈسے وہ بھی شہید ہے، جو اچھو سے مر جائے وہ شہید ہے، اس طرح چوبیس قسمیں ہو گئیں۔
امام علی مرتضیٰ، طبرانی کے حوالے سے روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَقْتُولُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ شَهِيدٌ وَ

المروع يموت على فراشه في سبيل الله شهيداً

والمطون شهيد، والمملد، وغر شهيد، والغروق

شهادته، والشهادة، والشهد، والذي يفتريه

السيد شهيد والخامس من دايته شهيد وصاحب

الذين هم من أصحاب ذات العنب شهيد،

الهدم سهل وسريع وحسب ذلك الجهد المبذول في البناء

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں قتل کیا جانے

والا شہید ہے، جو شخص اللہ کی راہ میں بستر پر مرے وہ شہید ہے

سانس الجھڑے ڈسامانے والا شہید ہے، ڈوبنے

والا شہید ہے، اجڑے مرنے والا شہید ہے، جس کو زندہ

عجاز کا شوق وہ شہید ہے، حق سوا رہی سے گر جانے وہ شہید ہے

خود کو مر جائے وہ شہید ہے اور نونہر سے مر جائے وہ

شہداء اور عورت نفاس میں مرائے اس کا بیکہ اس

ع. امام علی متقی بن حسام الدین هندی برهان پوری متوفی ۹۵۵ ه. اکثر العالی ج ۲ ص ۴۱۹، مطبوعه مؤسسه الرساله بیروت ۱۴۰۵ ه.

کنز العمال ج ۲ ص ۲۲۰

۵۳- " " " " کهنه سال ج ۲ ص ۴۲، " " " "

کو اپنی ناف سے گھسیٹ کر جنت میں لے جائے گا۔

امام علی مرتضیٰ ابن نجار کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

عن ابن عباس من قتل دون أهله ظلمًا
فهو شهيد، ومن قتل دون ماله ظلمًا فهو شهيد
ومن قتل دون جاهه ظلمًا فهو شهيد، ومن
قتل في ذات الله فهو شهيد، عنه

امام علی متقی ابن عساکر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

عن علي قال قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم الغريق شهيد، والحريق شهيد، والغريب شهيد، والمعدوم شهيد، والمبتلون شهيد، ومن يقر عليه البيت فهو شهيد، ومن يقر من فوق البيت فتتدق رجله أو عنقه فيموت فهو شهيد، ومن تقرر عليه الصخرة فهو شهيد والغريق على نهر وجهاً كالجهاد في سبيل الله فلها أجر شهيد، ومن قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل من نفسه فهو شهيد، ومن قتل دون أخيه فهو شهيد، ومن قتل دون جاره فهو شهيد، والامر بالمعروف والنهي عن المنكر شهيد.

" " " " " کسز السال ج ۲ ص ۴۳۵ " " "

۵- کتب و رسائل چاپ شده در سال ۱۳۲۵

جو شخص نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے روکے وہ شہید ہے۔
 ایک حدیث میں ہے جو شخص اللہ کی راہ میں ہو اور اس کو ساری گزاردے وہ شہید ہے (اس میں ٹریپلک کے ہر قسم کے
 حادثات شامل ہیں اور اللہ کی راہ میں ہونا اس سے عام ہے کہ وہ جہاد کے لیے جانے یا رزق کمانے کے لیے یا کسی عبادت
 کے لیے یا کسی بھی نیک کام کے لیے) یا اس کو حشرات الارض میں سے کوئی ڈس لے یا اس کو کسی بھی طرح موت آجانے وہ
 شہید ہے یہ تینا نہیں اقسام ہو گئیں۔
 امام ابو داؤد در روایت کرتے ہیں:

عن ابی مائلک الاشعری قال سمعت
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من فصل
 فی سبیل اللہ عن وجہل فمات او قتل فهو
 شہید او قصہ فرس او بعیر او ولد غتہ
 ہامة او مات علی فراشہ وبای حتف
 شاء اللہ فانہ شہید وان له الجنة رلہ

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
 کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے
 سنا ہے کہ جو شخص اللہ عز و جل کے راستہ میں نکلا پھر مر گیا یا
 قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے یا جس شخص کو گھوڑے یا اونٹ
 نے گرا دیا یا جس شخص کو حشرات الارض میں سے کسی نے
 ڈس دیا یا جو شخص (اس کی راہ میں) بستر پر مر گیا یا جو طرح
 بھی اللہ نے چاہا اس کو موت آگئی تو وہ شہید ہے اور
 اس کے لیے جنت ہے۔

ایک حدیث میں ہے جو شخص طاعون کی جگہ سے نہ بھاگے اس کو شہید کا اجر ملے گا، اور یہ چوالیسویں قسم ہے۔
 امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عائشۃ انها سألت رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم عن الطاعون فقال کانت
 عذابا یبعثہ اللہ علی من یشاء فجعلہ
 اللہ رحمۃ للمؤمنین ما من عبد یکون فی
 بلدۃ یکون فیہ ویمکت فیہ لا یخرج
 من البلدۃ صابرا محتسبا یعلم انہ لا
 یصیبہ الا ما کتب اللہ لہ الا کان لہ
 مثل اجر شہید۔ ۴

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انھوں
 نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق سوال
 کیا، آپ نے فرمایا طاعون ایک غلاب ہے جسے اللہ تعالیٰ
 جس قوم پر چاہتا ہے بھیج دیتا ہے، اور مسلمانوں کے
 لیے اللہ تعالیٰ نے طاعون کو رحمت بنا دیا، سو جو مسلمان
 کسی ایسے شہر میں ہو جس میں طاعون پھیلنا ہوا ہو وہ اسی
 شہر میں ٹھہر رہے اور صبر اور ثواب کی نیت کر کے اس
 شہر سے نہ نکلے اور اس پر یقین رکھے کہ جو چیز اللہ نے
 اس کے لیے مقرر کر دی ہے وہ ہو کر رہے گی تو اس کو شہید
 کا اجر ملے گا۔

۱۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۳۸، مطبوعہ مطبعۃ مجتہدائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ
 ۲۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۹، مطبوعہ دار محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ

ایک اور حدیث میں ہے جو شخص کسی بھی بیماری میں فوت ہوا وہ شہید ہے اور اب شہداء کی میتیں قبریں ہر گز نہیں
امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات مریضاً مات شہیداً
دوق فتنۃ القبر وعندی وسایح علیہ یوماً من الجنۃ۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیماری میں مرادہ شہید ہو کر مرا اس کو قبر کے فتنہ سے محفوظ رکھا جائے گا اور اس کو صبح و شام جنت سے رزق دیا جائے گا۔

میں نے بعض حواشی میں پڑھا تھا کہ علامہ سیوطی نے حکمی شہداء کی تعداد میں ایک رسالہ لکھا ہے اور اس سلسلہ میں احادیث اور آثار سے تیس حکمی شہداء کا بیان کیا ہے، مجھے وہ رسالہ دستیاب نہیں ہو سکا تاہم میں نے تو کلاً علی اللہ کتب احادیث میں ایسی احادیث کو تلاش کیا جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص عمل پر شہادت کی بشارت دی ہو، اور من جودہد کے مصداق الحمد للہ مجھے ایسی صریح احادیث مل گئیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پینتالیس مختلف عملوں پر شہادت کی بشارت دی ہے، اس سے پہلے میرے علم میں ایسی کوئی تصنیف نہیں ہے جس میں احادیث کے حوالوں سے حکمی شہداء کی تعداد کو بیان کیا گیا ہو، روایات میں علامہ سیوطی کی نظر بہت وسیع ہے لیکن انہوں نے بھی بقول علامہ شامی احادیث کے حوالوں سے تیس شہداء کا بیان کیا ہے اور میں ان کے سامنے طفل مکنت اور بالکل تہی دامن ہوں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مجھے احادیث کے حوالوں سے پینتالیس شہداء کا بیان کرنے کی توفیق دی، ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

ہر مومن کامل شہید ہے

حکمی شہداء کی تعداد کے سلسلہ میں تتبع اور چھان بین کرتے ہوئے مجھ پر یہ متکشف ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر مومن کامل شہید ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

والذین آمنوا باللہ ورسولہ اولئک ہم الصدیقون والشہداء عند ربہم لہم اجرہم ونورہم۔ (المحید، ۱۹)
جو لوگ اللہ اور اس رسول پر (کامل) ایمان لائے، وہی اللہ کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں اور ان کے رب کے پاس ان کا اجر اور ان کا نور ہے۔

فقہ تالیفین میں سے حضرت مجاہد کا قول یہ ہے کہ ہر مومن شہید ہے۔
امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن مجاہد کل مؤمن شہید ثم تلا والذین آمنوا باللہ ورسولہ اولئک ہم الصدیقون والشہداء۔
مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ہر مومن شہید ہے پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی (ترجمہ) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر (کامل) ایمان لائے، وہی اللہ کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔

۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۱۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی،
۲۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۵ ص ۲۶۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

علامہ آنوسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ لوگ اپنے رب عزوجل کے نزدیک یعنی اس کے علم اور اس کے حکم میں صدیق اور شہید ہیں، اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے درجات اور مقامات کی بلند پوئی میں صدیقین اور شہداء کے درجہ میں ہیں، بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں شہداء سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ لوگ دوسری امتوں اور انبیاء علیہم السلام کے متعلق گواہی دیں گے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ لیکن پہلی تفسیر کی تائید میں بکثرت احادیث اور آثار مروی ہیں، اس لیے وہی تفسیر راجح ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت برادر بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت کے مومن شہداء ہیں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ يَتَّبِعُ الْمُؤْمِنِينَ جولوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر (کامل) ایمان لائے وہی لوگ اللہ کے نزدیک صدیق اور شہداء ہیں۔ اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ ایک دن حضرت ابوہریرہؓ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا ”تم میں سے ہر شخص صدیق اور شہید ہے“ کہا گیا اے ابوہریرہؓ آپ کیا کہہ رہے ہیں، حضرت ابوہریرہؓ نے کہا قرآن مجید کی یہ آیت پڑھو وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ (الایۃ) اور امام عبدالرزاق نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ہر مومن شہید ہے اور اس پر انھوں نے اس آیت سے استدلال کیا، عبد بن حمید نے عمرو بن میمون سے اس کی مثل روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے عمرو بن مرہ جہنی سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آکر عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بتلائیے کہ اگر میں یہ گواہی دوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اللہ کے رسول برحق ہیں اور پانچ نازیں پڑھوں زکوٰۃ ادا کروں اور رمضان کے روزے رکھوں اور رمضان میں قیام کروں تو پھر میں کن لوگوں میں سے ہوں گا؟ آپ نے فرمایا صدیقین اور شہداء میں سے۔

علامہ آنوسی فرماتے ہیں: مناسب یہ ہے کہ اس آیت میں مومن سے مراد وہ شخص ہو جس کا ایمان کامل اور قابل شمار ہو اور یہ وہی شخص ہو گا جو اللہ تعالیٰ کی قابل ذکر عبادت کرتا ہو ورنہ یہ بات بہت بعید ہے کہ جو شخص فضائی تقاضوں اور شہادت میں ڈوبا ہوا ہو اور اللہ تعالیٰ کی عبادات سے غافل ہو وہ قیامت کے دن صدیقین اور شہداء کے درجہ میں ہو! اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا یہ بتاؤ کہ جو شخص لوگوں کی عزت و ناموس کی پردہ دہی کرتا ہو تم اس کی مذمت کیوں نہیں کرتے، لوگوں نے کہا ہم اس کی مذمت نہیں کرتے، حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو قیامت کے دن ان امتوں کے خلاف گواہی دیں گے جنہوں نے اپنے انبیاء کی تکذیب کی تھی! اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللعائن لا یكونون شہداء۔ ”لعنت کرنے والے گواہی نہیں دیں گے“ اور امام ابن مرددیه حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنی جان اور اپنے دین پر فتنہ کے خوف سے اپنے دین کو بچانے کے لیے ایک ملاقات سے دوسرے ملاقات کی طرف بھاگا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو صدیق نہ لکھا جائے گا اور جب وہ مر جائے تو اللہ تعالیٰ شہید کی طرح اس کی روح کو قبض کرتا ہے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ يَتَّبِعُ الْمُؤْمِنِينَ فرمایا وہ شخص ان میں داخل ہے، پھر آپ نے فرمایا جو لوگ اپنے دین کو بچانے کے لیے ایک ملاقات سے دوسرے ملاقات کی طرف بھاگتے ہیں وہ قیامت کے دن جنت میں

حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کے درجہ میں ہوں گے، علامہ آکوسی لکھتے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے جو فرمایا ہے کہ وہ شخص ان صدیقین کے شہیدوں میں داخل ہے، اس سے مراد ہو کہ وہ ان میں سب سے پہلے داخل ہوگا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درجہ سے مراد اس حبیبِ ارحم ہے۔

ضحاک سے ایک یہ روایت بھی منقول ہے کہ یہ آیت ابتدائاً اسلام میں سبقت کرنے والے اٹھ صحابہ کے حق میں نازل ہوئی وہ یہ ہیں: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت حمزہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم، لیکن اہل علم پر بحثی نہیں ہے مگر ان خصوصیت کے مقابلہ میں الفاظ کے عموم کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

بعض مفسرین نے کہا اولئك هم الصديقون۔ تک ایک جملہ پڑھا ہو گیا اور والشهداء عند ربهم لہم اجرهم دونہم۔ سے نیا جملہ شروع ہے پھر اس تقدیر پر یہ بھی اختلاف ہے کہ شہداء سے مراد شہداء فی سبیل اللہ ہیں یا انبیاء مراد ہیں جو قیامت کے دن شہادت دیں گے، علامہ ابوالخیر اندلسی نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، (علامہ آکوسی فرماتے ہیں) جو شخص انصاف سے کام لے گا اس کو اس پر یقین ہوگا کہ ہم نے امارت اور آثار کی روشنی میں جو پہلی تفسیر بیان کی ہے وہی صحیح تفسیر ہے۔

شہداء کی تعداد کے بیان کے سلسلہ میں میں نے کافی محنت کی ہے اور اس سلسلہ میں بہت تفصیل اور تحقیق کی ہے، اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو قبول فرمائے اور مجھے بھی درجہ شہادت پر فائز فرمائے، آمین یا رب العالمین بحرمۃ نبینک محمد خاتم النبیین سید المرسلین صلوات اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریۃ اجمعین۔

شہید کی وجہ تسمیہ علامہ نووی لکھتے ہیں: نصر بن شعیب نے کہا ہے کہ اللہ کی راہ قتل کیے جانے والے کو شہید اس لیے کہتے ہیں کہ وہ زندہ ہوتا ہے اور اس کی روح جنت میں شاہد اور موجود ہوتی ہے اس کے برخلاف دوسرے مسلمانوں کی ارواح صرف قیامت کے دن جنت میں شاہد اور موجود ہوں گی، اور ابن الانباری نے کہا کہ اس کو شہید اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے اس کے حق میں جنت کی شہادت دیتے ہیں سو یہاں پر شہید مشہور و بالجنۃ کے معنی میں ہے، ایک قول یہ ہے اس کو اس لیے شہید کہتے ہیں کہ اس کی روح جسم سے نکلنے ہی اس اجر و ثواب پر شاہد اور موجود ہو جاتی ہے جو اس کے لیے مقدر کیا گیا ہے ایک قول یہ ہے کہ شہادت کے وقت رحمت کے فرشتے اس کے پاس شاہد اور موجود ہوتے ہیں اور وہ اس کی روح لے جاتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس کا شہید ہونا اس کے ایمان اور خاتمہ بالآخر کی شہادت دیتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کے شہید ہونے پر اس کا خون اللہ کے رحم و شہاد اور گواہ ہوتے ہیں، ازہری وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ یہ قیامت کے دن دوسری امتوں پر شہادت اور گواہی دے گا لیکن یہ چیز صرف شہید کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

حقیقی اور حکمی شہید کے غسل، نماز جنازہ اور دیگر احکام میں فقہاء و شافعیہ کا مسلک علامہ نووی شافعی لکھتے

۱۔ علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آکوسی، بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۲۷ ص ۱۸۲-۱۸۳، مطبوعہ دار الایمان والتران العربی بیروت۔
۲۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۲ھ، شرح مسلم ج ۱ ص ۸۱، مطبوعہ دار محمد اصح المطابع المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

ہیں، شہید کی تین قسمیں ہیں: (۱) جو شخص کفار کے خلاف جنگ میں کسی بھی سبب سے قتل کیا جائے، یہ شخص شہید الدنیا والآخرۃ ہے۔ اخروی شہاد کا ثمرہ اجر و ثواب اور عزت و کرامت ہے اور دنیاوی شہادت کا ثمرہ یہ ہے کہ اس کو غسل دیا جائے گا نہ اس کی ناز جنازہ پڑھی جائے گی۔

(۲) جو شخص پیٹ کی بیماری یا طاعون میں مر جائے یا دب کو مر جائے یا اپنے مال وغیرہ کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے یا اور کسی ایسی وجہ سے مارا جائے جس کو امارت میں شہید فرمایا گیا ہے، یہ صرف اخروی ثواب کے اعتبار سے شہید ہے دنیاوی احکام کے اعتبار سے شہید نہیں ہے، اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور اس کی ناز جنازہ بھی پڑھی جائے گی اور آخرت میں اس کا اجر و ثواب پہلی قسم کے شہید سے کم ہوگا۔

(۳) جس شخص نے مال غنیمت میں نجاست کی یا اور کوئی ایسا کام کیا جس کی بناء پر احادیث میں اس کو شہید کہنے سے منع فرمایا ہے ایسا شخص جب کفار کے خلاف جنگ میں قتل کیا جائے تو یہ صرف دنیاوی احکام کے اعتبار سے شہید ہے یعنی اس کو غسل دیا جائے گا نہ اس کی ناز جنازہ پڑھی جائے گی، اور اخروی احکام کے اعتبار سے شہید نہیں اور اس کو شہاد کا کامل ثواب نہیں ملے گا۔ ۱۔

حقیقی اور حکمی شہید کے غسل، نماز جنازہ اور دیگر احکام میں فقہاء مالکیہ کا مسلک

امام مالک اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کو غسل دیا گیا، کفن پہنایا گیا اور وہ اللہ کی رحمت سے شہید تھے۔ امام مالک یہ فرماتے ہیں کہ اہل علم سے ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ جو مسلمان اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جائیں، ان کو غسل دیا جائے گا نہ اس میں سے کسی کی ناز جنازہ پڑھی جائے گی، اور جن کپڑوں میں وہ قتل کیے گئے ہیں ان میں ان کو دفن کر دیا جائے گا، امام مالک فرماتے ہیں جو مسلمان میدان کارزار میں قتل کر دیا جائے اور موت تک اس کا پتہ نہ چلے اس کے بارے میں یہی سنت ہے، لیکن جس شخص کو میدان جنگ سے اٹھا کر لایا گیا اور جب تک اللہ نے چاہا وہ زندہ رہا تو اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور اس کی ناز جنازہ بھی پڑھی جائے گی، جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ ۲۔

علامہ ابوالولید باجی مالکی لکھتے ہیں: شہادت ایک ایسی فضیلت ہے جس کی بناء پر غسل میت کی فرضیت، اس کو نئے کفن پہنانے کا حکم اور اس کی نماز جنازہ کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے، امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے اور امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا لیکن اس کی ناز جنازہ پڑھی جائے گی۔ علامہ باجی فرماتے ہیں یہ حکم اس مقتول کے بارے میں ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلا ہو، لیکن جس شخص نے اپنے گھر کے اندر کسی دشمن سے مدافعت میں جنگ کی اور وہ

۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۱ ص ۸۱، مطبوعہ دار محمد صالح المنجد کراچی، ۱۴۲۵ھ

۲۔ امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۲۴۹ھ، شرح امام مالک ص ۲۴۹-۲۵۰، مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور

قتل کر دیا گیا تو ابن قاسم یہ کہتے ہیں کہ اس کو غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، اور ابن دہب اور اشہب یہ کہتے ہیں کہ اس کو غسل دیا جائے گا نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، یہ اختلاف اس وقت ہے جب اس نے اپنی ممانعت میں جگہ کی ہر اور اگر اس نے ممانعت نہیں کی اور دشمن نے بغیر مزاحمت کے اس کو قتل کر دیا، مثلاً اچانک دشمن اگر اس پر ٹوٹ پڑے یا اس کو سستے میں قتل کر دیا یا قید کرنے کے بعد قتل کر دیا تو اشہب کہتے ہیں کہ اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی اور اصمغیہ کہتے ہیں کہ اس کو غسل دیا جائے گا نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی حال تھا ان کو جگہ میں نہیں بلکہ غفلت میں قتل کیا گیا تھا اور اس قتل میں ان کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں تھی اور ان کو غسل بھی دیا گیا اور ان کی نماز جنازہ بھی پڑھی گئی اور یہ عمل تمام صحابہ کے سامنے ہوا اس پر اجماع ہو گیا۔ (علامہ ابوالولید نے امام سخون اور اصمغیہ کی طرف سے جو دلیل پیش کی ہے وہ ان کے قول کے بالکل برعکس ہے۔ سیدی عفری) لے

حقیقی اور حکمی شہید کے غسل نماز جنازہ اور دیگر احکام میں فقہاء حنبلیہ کا مسلک | علامہ ابن قدامہ حنبلی

لکھتے ہیں:

شہید جب میدان جہاد میں قتل کیا گیا ہو تو اس کو غسل دیا جائے گا نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، غسل کے مسائل میں تمام اہل علم کا اتفاق ہے، البتہ حسن بصری اور سید بن مسیب کا قول یہ ہے کہ شہید کو غسل دیا جائے گا کیونکہ ہر میت موت کے وقت جنبی ہوتا ہے، تمام شہید کو غسل نہ دینے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی اقتداء کو زیادہ لائق ہے۔ شہید کی نماز جنازہ کے متعلق صحیح قول یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، امام مالک، امام شافعی اور اسحاق کا یہی قول ہے اور امام احمد دوسری روایت یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، اس قول کو حلال نے اختیار کیا ہے اور ابی ثوری اور امام ابو حنیفہ کا قول ہے امام احمد کے اس قول کی تشریح یہ ہے کہ شہید کی نماز جنازہ مستحب ہے واجب نہیں ہے، ایک جگہ امام احمد نے کہا اگر شہید کی نماز جنازہ پڑھ لی تو کوئی حرج نہیں۔ اور ایک جگہ کہا کہ شہید پر نماز جنازہ پڑھنا اچھا ہے اور اگر نہیں پڑھی تو بھی ٹھیک ہے، ان دونوں روایتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امام احمد کے نزدیک شہید کی نماز جنازہ مستحب ہے واجب نہیں ہے، استحباب کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم احد کی طرف تشریف لے گئے اور شہداء احد پر اس طرح نماز پڑھی جس طرح میت پر نماز پڑھی جاتی ہے، پھر منبر پر ٹوٹ اُٹھے (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھی۔

(علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں) ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ شہداء احد کو ان کے نعون کے ساتھ دفن کر دیا جائے، آپ نے ان کو غسل دیا نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی، اور حضرت عقبہ کی حدیث شہداء احد کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ آپ نے انھیں سال بعد ان کی قبروں پر نماز پڑھی تھی حالانکہ ان کی قبروں پر

جب کسی شہید (مسلمان شخص) کو میدان جنگ میں قتل کر دیا جائے تو ہمارے نزدیک اس کو غسل نہیں دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، حسن بھری یہ کہتے ہیں کہ شہید کو غسل بھی دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی، ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء اہل مدینہ کے متعلق فرمایا: "انہیں ان کے خون کے ساتھ کپڑوں میں لپیٹ دو اور ان کو غسل مدت دو کیونکہ جو شخص بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہوتا ہے وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کی رگوں سے خون بہ رہا ہو گا اس کا رنگ خون کی طرح ہو گا اور خوشبو مشک کی طرح ہو گی۔"

امام شافعی رحمی اللہ عنہ نے (اسی طرح امام مالک کا مذہب ہے اور امام احمد کا ایک قول ہے) کہا ہے کہ شہید کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء اہل مدینہ میں سے کسی کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، نیز شہداء شہادت کا بناء پرگنا ہوں سے پاک ہو گئے اور نماز جنازہ میت کے لیے دعا اور شفاعت ہے اور وہ اس دعا اور شفاعت سے اس طرح مستغنی ہیں جس طرح غسل سے مستغنی ہیں نیز اللہ تعالیٰ نے شہداء کو زندہ قرار دیا ہے اور نماز جنازہ مردے کی پڑھی جاتی ہے زندہ کی نہیں پڑھی جاتی۔

(علامہ سرحدی فرماتے ہیں:) ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء اہل مدینہ کی نماز جنازہ پڑھی، حتیٰ کہ روایت ہے کہ آپ نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی ستر مرتبہ نماز جنازہ پڑھی، اور اس کی تاویل یہ ہے کہ حضرت حمزہ کا جسد آپ کے سامنے رکھا ہوا تھا، آپ کے سامنے ایک ایک کر کے شہید کو لایا جاتا اور آپ اس کی نماز جنازہ پڑھتے اس سے روایت لے یہ گمان کر لیا کہ آپ نے حضرت حمزہ کی ستر مرتبہ نماز جنازہ پڑھی ہے، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جود روایت ہے کہ شہداء اہل مدینہ میں سے کسی کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی سو یہ ضعیف روایت ہے، اور اس کی یہ بھی تاویل ہے کہ حضرت جابر اس دن بہت مشغول تھے کیونکہ ان کے والد، ان کے بھائی اور ان کے ماموں سب شہید ہو گئے تھے اس لیے وہ مدینہ واپس چلے گئے تھے کہ ان لاشوں کو مدینہ لے جانے کی تدبیر کریں، سو جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء اہل مدینہ کی نماز جنازہ پڑھی وہ اس وقت حاضر نہ تھے، اس وجہ سے انھوں نے نماز پڑھنے کی روایت کی اور جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھنے کا مشاہدہ کیا تو انھوں نے یہ حدیث روایت کی کہ آپ نے شہداء اہل مدینہ کی نماز جنازہ پڑھی (اھتقاد یہ ہے کہ جب کسی واقعہ کے متعلق نفی اور اثبات کی روایات متعارض ہوں تو اثبات کو ترجیح دی جاتی ہے۔ سیدی غفرلہ) اور یہ بھی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء اہل مدینہ کی نماز جنازہ پڑھ لی، پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی سے یہ سنا: "جس جگہ لاشیں گری ہیں ان کو اسی جگہ دفن کیا جائے" پھر حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ آپ نے والد، بھائی اور ماموں کو اہل مدینہ میں دفن کر دیا، نیز نماز جنازہ میت کے اعزاز اور اکرام کے لیے وضع کی گئی ہے اسی وجہ سے یہ مسلمانوں کے لیے خاص ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور اسباب کرامت کے ساتھ متعصّف ہونے کے شہید زیادہ لائق ہے اور بندے کے گناہ ہر چند کہ شہادت سے وصل جاتے ہیں لیکن وہ کسی وجہ میں بھی دعا سے مستغنی نہیں ہوتا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ شہداء کے درجہ سے بہت زیادہ ہے، باقی رہا شہید کا زندہ ہونا سورہ احکام آخرت میں زندہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بل احياء عند ربہم۔ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، اور احکام دنیا میں شہید مردہ ہوتا ہے، اس کی میراث تقسیم کی جاتی ہے اور

عدت وفات پوری کرنے کے بعد اس کی عورت دوسری جگہ شادی کر سکتی ہے اور ناز جنازہ کی فرضیت دنیاوی احکام کے اعتبار سے ہے اور اس اعتبار سے شہید مردہ ہے اس لیے اس کی ناز جنازہ پڑھی جائے گی۔

شہید کو اسی کے کپڑوں میں دفن کیا جائے گا (یعنی الگ سے کفن نہیں پہنایا جائے گا) کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو ان کے خون اور غمخوں میں لپیٹ دو، اور جو شخص میدان جہاد سے زندہ اٹھا کر لایا گیا پھر وہ لوگوں کے ہاتھوں میں یا گھر آ کر مر گیا تو اس کو غسل دیا جائے گا کیونکہ اب وہ مرث ہے (یعنی ایسا زخمی ہے جس میں موت حیات باقی ہے) اور جو شخص میدان جنگ سے اٹھا کر مردہ لایا گیا وہاں جا کر اس کے جسم پر قتل کیے جانے کا کوئی اثر نہیں ہے اس کو بھی غسل دیا جائے گا۔

جس شخص کو ڈاکوؤں نے قتل کر دیا اس کو بھی غسل نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس نے اپنے مال سے مدافعت کی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو شخص اپنے مال کے پاس مارا گیا وہ شہید ہے“ اس لیے اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

جس شخص کو شہر میں کسی ہتھیار سے ظلماً قتل کر دیا گیا (جیسا کہ ہمارے زمانہ میں تخریب کار موٹر سائیکل سوار ملے چلتے مسلمانوں کو گولی مار کر ہلاک کر دیتے ہیں) ہمارے نزدیک اس کو بھی غسل نہیں دیا جائے گا، امام شافعی کے نزدیک اس کو غسل دیا جائے گا، ان کے نزدیک قتل عمد دیت کا موجب ہے اور جب اس کی جان کے بدلہ میں مال ہوا کرنا واجب ہے تو اس کو غسل دیا جائے گا ہمارے نزدیک قتل عمد مال کو واجب نہیں کرتا اور یہ شخص ظلماً قتل کیا گیا ہے اور اس کا کوئی مالی عوض واجب نہیں ہے (مالی غرض یعنی دیت قتل خطا میں واجب ہے) لہذا یہ شہید ہے اور قصاص بدل محض نہیں ہے بلکہ ایک طرح کی سزا ہے اور ہمارا اعتقاد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث پر ہے، حضرت عثمان کو شہر میں قتل کیا گیا تھا (یعنی میدان جہاد میں نہیں قتل کیا گیا تھا) اور آپ شہید تھے اور آپ کو غسل نہیں دیا گیا تھا اور اگر کسی شخص کو شہر میں کسی ہتھیار کے بغیر قتل کیا گیا تو اس کو غسل دیا جائے گا کیونکہ یہ قتل خطا ہے اور اس میں دیت واجب ہے، امام حمادی نے ذکر کیا ہے کہ اگر کسی شخص کو پتھر یا بڑی لاشی سے مار کر قتل کیا گیا تو صاحبین کے نزدیک وہ ہتھیار سے قتل کرنے کے برابر ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس صورت میں غسل دیا جائے گا، اس کا منہا یہ ہے کہ پتھر اور لاشی سے قتل کرنے میں امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا وجوب قصاص میں اختلاف ہے، صاحبین کے نزدیک اس صورت میں قصاص ہے اور امام اعظم کے نزدیک اس میں دیت ہے۔

اگر کسی شخص کو قصاص میں قتل کیا گیا یا رجم کیا گیا تو اس کو غسل دیا جائے گا کیونکہ روایت ہے کہ جب حضرت بلعزہ رجم کیا گیا تو ان کے چار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ماعز کو کتے کی طرح قتل کر دیا گیا اب آپ اس کے متعلق مجھے کیا حکم دیتے ہیں آپ نے فرمایا ایسا نہ کہو ماعز نے اتنی عظیم توبہ کی ہے کہ اگر اس کو تمام روئے زمین پر تقسیم کر دیا جائے تو کافی ہو جائے گا، جہاں اس کو غسل دو، کفن پہناؤ اور اس کی ناز جنازہ پڑھو، نیز اس لیے کہ شہید اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان خرچ کرتا ہے اور یہ بات حد اور قصاص میں قتل کیے جانے والے میں نہیں پائی جاتی، کیونکہ اس کو دوسروں کے حق کی بنیاد پر قتل کیا جاتا ہے۔

جس مسلمان کو دندوں نے چاٹ کھایا، یا جراگ میں جل گیا، یا پہاڑ سے گر کر مر گیا یا دیلر یا چھت کے نیچے

اگر مر گیا یا ڈوب گیا (تو ہر چند کہ یہ لوگ حکماً شہید ہیں لیکن) ان کو دوسرے مردوں کی طرح غسل دیا جائے گا کیونکہ یہ امور احکام دنیا میں شرعاً معتبر نہیں ہیں، اس طرح مرنے والے اور طبعی موت سے مرنے والے برابر ہیں، اسی طرح جو شخص محلہ میں مقتول پایا گیا اور اس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ اس کو کسی نے قتل کیا ہے، اسے غسل دیا جائے گا کیونکہ وہ اپنی جان کے عوض مالی بدل کا مستحق ہے اور قسامت اور اس کی دیت اہل محلہ پر واجب ہے۔ ۱۷

معصیت کے دوران اسباب شہادت سے مرنے اور معصیت کے سبب سے مرنے کا فرق اور مصنف کی بحث و نظر

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

علامہ اجموری نے ”عارضۃ“ میں لکھا ہے جو شخص ڈاکہ ڈالنے گیا اور پانی میں ڈوب گیا وہ شہید ہے اور اس پر اس معصیت کا گناہ ہوگا، اور ہر وہ شخص جو کسی معصیت کے سبب سے مر جائے وہ شہید نہیں ہوگا (مثلاً ایک شخص نے مسافروں پر ڈاکہ ڈالا مسافروں نے مقابلہ کیا اور مقابلہ میں ڈاکو مارا گیا تو وہ شہید نہیں ہے۔ سییدی غفرلہ) اور اگر معصیت کے دوران کوئی شخص شہادت کے اسباب میں سے کسی سبب سے مر جائے تو پھر وہ شہید ہے مثلاً کوئی شخص کسی کا گھوڑا غصب کر کے جہاد کے لیے گیا اور مارا گیا، یا کچھ لوگ کسی معصیت کا ارتکاب کر رہے تھے کہ اچانک جھٹ گری اور وہ لوگ مر گئے تو وہ شہید ہوں گے، اور اپنی معصیت کی وجہ سے یہ لوگ عذاب کے مستحق ہوں گے، پھر علامہ اجموری نے اس مسئلہ میں بحث کی ہے کہ اگر کسی شخص کو شراب پیتے ہوئے اچھو ہو گیا اور وہ اس اچھوتے مر گیا تو پھر وہ شہید ہے یا نہیں، بعض مشائخ نے کہا کہ وہ شہید ہے کیونکہ وہ معصیت کے دوران مرا ہے معصیت کے سبب سے نہیں ملا لیکن علامہ اجموری نے کہا وہ مطلقاً اچھو گئے سے نہیں مرا بلکہ خاص شراب کے اچھو گئے سے مرا ہے اس لیے شہید نہیں ہوگا اسی طرح اس مسئلہ میں بھی بحث کی ہے کہ ایک عورت کے اہل رونا سے بچہ پیدا ہوا اور وہ ولادت میں مر گئی، آیا وہ شہید ہو گی یا نہیں؟ علامہ رملی نے کہا اس کی موت کا سبب ولادت ہے اس لیے شہید ہو گی اور علامہ اجموری نے کہا کہ اس ولادت کا سبب زنا ہے اور سبب کا سبب بھی سبب ہوتا ہے اس لیے وہ عورت معصیت کے سبب سے مرے ہے، علامہ رملی شامی نے اس مسئلہ کو اس پر قیاس کیا ہے کہ کوئی شخص کسی کی معصیت کے لیے سمندر میں سفر کرے اور ڈوب جائے یا کوئی عورت اپنے خاوند کی نافرمانی کر کے کسی سفر میں جائے اور ہلاک ہو جائے تو اس کو شہید قرار دیا جاتا ہے علامہ شامی نے علامہ رملی کے جواب میں یہ کہا ہے کہ سمندر میں ڈوبنے سے یا سفر میں مرنے سے اس وقت شہید ہوگا جب وہ سفر معصیت کے لیے نہ ہو۔ ۱۸

علامہ شامی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ پھر معصیت کے دوران مرنے اور معصیت کے سبب سے مرنے

۱۷۔ شمس الامۃ محمد بن احمد بن حسن متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲ ص ۵۲-۵۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ

۱۸۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۱ ص ۸۵۴، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

میں کوئی فرق نہیں ہوگا، اس لیے یا تو اس قاعدہ کا انکار کیا جائے ورنہ اس قاعدہ کے اعتبار سے یہ لازم ہے کہ جو شخص شراب کا اچھو گئے سہرا یا زنا سے ولادت میں عورت مرگئی یا سفر مصیبت میں کوئی شخص ڈوب گیا یا مر گیا تو یہ سب بھی شہید قرار پائیں گے اور ان پر ان کی مصیبت کا وبال ہوگا، مصیبت کے سبب سے مرنے کی ایک مثال ہم نے ڈاکہ کی دی ہے دوسری مثال یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے نسلی یا لسانی تعصب کی بنا پر لڑ رہا تھا اور لڑائی میں مارا گیا تو یہ مصیبت کے سبب سے مرنا اس لیے شہید نہیں ہوگا جو لوگ اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے مارے جائیں تو یہ لوگ مصیبت کے سبب سے مرے ہیں اس لیے شہید نہیں ہوں گے یا جو مسلمان کا فول کی فرج میں بھرتی ہو کر مسلمان ملک کے خلاف جنگ کریں اور مارے جائیں تو یہ مصیبت کے سبب سے مرے ہیں، شہید نہیں ہوں گے، اسی طرح اگر کوئی شخص خودکشی کی نیت سے سمندر میں چھلانگ لگائے اور ڈوب کر مر جائے یا کوئی شخص خودکشی کی نیت سے اپنے آپ کو آگ میں جلا دے، یا پاؤں کی چوٹی سے یا چھت سے گرا دے تو یہ سب لوگ مصیبت کے سبب سے مرے ہیں اس لیے شہید نہیں ہوں گے، دراصل مصیبت کے سبب سے مرنے اور مصیبت کے دوران مرنے میں بہت باریک فرق ہے، علامہ شامی بہت باریک بین اور نکتہ رس فقیہ ہیں اس کے باوجود وہ اس جگہ یہ فرق نہیں کر سکے حالانکہ اس بحث کے شروع میں خود انہوں نے علامہ اجموری سے یہ نقل کیا ہے کہ جو شخص ڈاکہ ڈالنے گیا اور پانی میں ڈوب گیا تو وہ شہید ہے، اگر سفر میں شہادت کے لیے یہ قید ضروری ہو کہ وہ سفر مصیبت کا نہ ہو تو پھر یہ ڈاکہ کیسے شہید ہوگا؟

اس جگہ تحقیق طلب بات یہ ہے کہ سبب سے کیا مراد ہے؟ سبب عام اور اغلب یا جو چیز فی الجملہ سبب ہو (یعنی اس پر کبھی کبھی اثر مرتب ہوتا ہو) اگر سبب سے مراد عام اور اغلب ہے تو شراب کے اچھو گئے سے مرنے والے کو شہادت سے نکالنا صحیح نہیں ہوگا کیونکہ یہ بات لازم یا اکثری نہیں ہے کہ انسان کو جب بھی شراب پینے میں اچھو گئے تو وہ مر جائے لہذا اس موت کو مصیبت کا سبب قرار دینا صحیح نہیں ہوگا، اسی طرح جس عورت کے ہاں زنا سے بچہ پیدا ہو اور وہ عورت ولادت میں مرگئی تو ولادت کی وجہ سے مرنے کو موت کا سبب قرار دینا صحیح نہیں ہوگا کیونکہ یہ بات لازم اور اکثری نہیں ہے کہ جب بھی عورت کے ہاں ولادت ہو تو وہ عورت مر جائے، لہذا ولادت سے زانیہ کی موت کو مصیبت کا سبب قرار دینا صحیح نہیں ہے اور نہ اس کی موت کو شہادت سے خارج کرنا صحیح ہے اسی طرح جو عورت حادثہ کا نافرمانی کر کے سفر کرے اور اس سفر میں مر جائے یا کوئی شخص سفر مصیبت میں دبیامیں ڈوب جائے تو یہ سفر بھی موت کا سبب عام یا سبب اغلب نہیں ہے لہذا ان کو بھی شہادت سے نکالنا صحیح نہیں ہوگا، اور اگر سبب سے فی الجملہ سبب مراد ہے (یعنی جس کی طرف فعل کی نسبت صحیح ہو اور کبھی کبھار اس پر فعل مرتب ہوتا ہو خواہ اکثر نہ ہوتا ہو) تو جس شخص نے کسی کا گھوڑا غصب کر کے جہاد کیا اور مارا گیا تو یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ اس غصب شدہ گھوڑے کی وجہ سے مارا گیا اس لیے اس کی موت کو شہادت نہیں کہنا چاہیے، اسی طرح جو شخص ڈاکہ ڈالنے گیا اور ڈوب کر مر گیا تو کہا جاسکتا ہے کہ اگر وہ ڈاکہ ڈالنے نہ جاتا تو نہ ڈوبتا لہذا اس کی موت کو بھی شہادت نہیں کہنا چاہیے حالانکہ علامہ شامی اور علامہ اجموری ان دونوں نے یہ کہا ہے کہ یہ مصیبت میں موت ہے مصیبت کے سبب سے موت نہیں ہے، اور اس موت کو شہادت قرار دیا ہے۔

شہید حقیقی اور شہید علی کی اقسام اور ان کے احکام کو میں نے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے، اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے اور مجھے درج شہادت پر فائز فرمائے۔ اس کتاب کو لوگوں کے لیے نافع کر دے اس کو عام کر دے اور اس کو قبولیت عامہ عطا فرمائے وأخرو عواناً ان الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی خاتمة النبیین افضل المرسلین وعلى آله واصحابہ واولیاء امتہ وعلماہ ملتہ اجمعین۔

بَابُ فَضْلِ الرَّمِيِّ

تیر اندازی کی فضیلت

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: واعدوا لله ما استطعتم من قوتہ۔ "کفار کے خلاف زیادہ سے زیادہ قوت حاصل کرو" سنو قوت تیر اندازی ہے، سنو قوت تیر اندازی ہے، سنو قوت تیر اندازی ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: منقریب تم کو فتوحات حاصل ہوں گی اور تمہارے لیے اللہ کافی ہے، سو تم میں سے کوئی شخص تیر اندازی کی مشق سے غافل نہ ہو۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کی مثل روایت کرتے ہیں۔

عبد الرحمن بن شماسہ بیان کرتے ہیں کہ فقیم لخمی نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے یہ کہا آپ بڑے ہونے کے باوجود ان دونوں افراد کے درمیان آتے جاتے ہیں یہ چیز آپ پر دشوار ہوگی! حضرت عقبہ بن عامر نے کہا اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث نہ سنی ہوتی تو میں یہ مشقت نہ اٹھاتا: حارث کہتے ہیں میں نے ابن ثمالہ

۲۸۳۱۔ حَدَّثَنَا هُرُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ أَبِي عَیْنٍ كُثَامَةَ بْنِ كُفَيْفٍ أَنَّهُ سَمِعَ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْيَتَبَرِ يَقُولُ: وَاعِدُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمِيَّ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمِيَّ الرَّمِيَّ۔

۲۸۳۲۔ وَحَدَّثَنَا هُرُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ أَبِي عَیْنٍ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ سَمِعْتُهُ عَلَى كُفَيْفٍ أَمْرًا صَوْنًا وَيَكْفِيكُمْ اللَّهُ فَلَا يَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يُلْهِمَ بِأَسْهُمِهِ۔

۲۸۳۳۔ وَحَدَّثَنَا لَدَاؤُ بْنُ رَاشِدٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ عَنْ بَكْرِ بْنِ مَصْرَعٍ عَنْ عَمْرُو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِي عَیْنٍ الْهَمْدَانِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ۔

۲۸۳۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمَيْحٍ بْنُ الْهَاجِرِ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ يَعْقُوبَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ شِمَاسَةَ أَنَّ فَقِيمًا لَخْمِيًّا قَالَ لِعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ تَخْتَلِفُ بَيْنَ هَذَيْنِ الْفَرَصَيْنِ وَأَنْتَ كَبِيرٌ يَشُقُّ عَلَيْكَ قَالَ عُقْبَةُ كَوَلَا كَلَامٌ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَعَدَا عَائِدِهِ، قَالَ الْحَارِثُ فَقُلْتُ لِابْنِ شُمَّاسَةَ
وَمَا ذَاكَ قَالَ إِنَّهُ قَالَ مَنْ عَلِمَ التَّوْفِيقَ لَمْ يَكُنْ كَوْنًا
فَلَيْسَ مِنَّا أَوْ قَدْ عَصَى.

سے پوچھا: وہ کیا حدیث ہے؟ انہوں نے کہا آپ نے فرمایا:
جو شخص تیر اندازی سیکھنے کے بعد اس کو ترک کر دے وہ ہم
میں سے نہیں ہے یا فرمایا اس نے نافرمانی کی۔

ف: ان احادیث میں تیر اندازی سیکھنے اور اس میں مشق اور مہارت حاصل کرنے کی ترغیب اور فضیلت ہے، اور تیر اندازی
سیکھنے کے بعد اس کے بدلانے پر وعید ہے سرب مکروہ تحریمی ہے، اور یہ جو فرمایا ہے کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے اس کا مطلب
وہ ہمارے طریقہ کا علم پر نہیں ہے تیر اندازی سے مراد ہر اس اسلحہ اور ہتھیاروں کی مشق ہے جن کا اس دور میں رواج ہو اس لیے اس
دور کے مسلمانوں پر جدید فوجی تکنیک کر سیکھنا اور اس کی مشق کرنا ضروری ہے جس طرح پہلے تیر اندازی کا سیکھنا ضروری تھا۔

بَابُ قَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ
طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ
لَا يَضُرُّهُمْ مَن خَالَفَهُمْ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ: میری
امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا
اسے کسی کی مخالفت نقصان نہیں ہوگا۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ
حق پر قائم رہے گا، جو شخص ان کو رسوا کرنا چاہے گا وہ ان
کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا وہ اسی حال پر رہیں گے حتیٰ کہ
قیامت آجائے گی۔

۴۸۳۵ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَأَبُو الزَّبْيَعِ
الْعَمَكِيُّ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا حَمَّادُ
(وَهُوَ ابْنُ نَرِيذٍ) عَنْ أَبِي ثَوْبَانَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ
أَبِي إِسْمَاعِيلَ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي
ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَن خَالَفَهُمْ
حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَذَلِكَ وَكَيْسٌ فِي
حَدِيثِ قُتَيْبَةَ وَهُمْ كَذَلِكَ.

حضرت منیر بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے
”میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ لوگوں پر غالب رہے
گا حتیٰ کہ قیامت آجائے گی وہ اس حال میں رہیں گے۔“

۴۸۳۶ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا
وَكَيْفٌ وَحَدَّثَنَا ابْنُ كَمَيْلٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَعَبْدَةُ
بَنَ كَلْبَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ
أَبِي عَمْرٍ (وَالْفُظُّ لَهُ) حَدَّثَنَا مَرْوَانُ (يَعْنِي
الْفَرَّارِي) عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسِ بْنِ كَمَيْلٍ عَنْ
قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ
لَنْ يَزَالَ قَوْمٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى النَّاسِ حَتَّى
يَأْتِيَهُمُ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ.

حضرت منیر بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

۴۸۳۷ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي حَفْصَةَ حَدَّثَنَا

أَبُو سَامَةَ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ عَنْ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ
الْمُعْتَمِدَ بْنَ شُعْبَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بِمِثْلِ حَدِيثِ مَرْوَانَ
سَوَاءً -

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے
سنا..... اس کے بعد حسب سابق ہے۔

۲۸۳۸ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَحُمَدُ
بْنُ كَثِيرٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا
شُعْبَةُ عَنْ سِمَالِ بْنِ كُزَيْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ
عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَنْ
يُتَبَرَّحَ هَذَا الدِّينَ قَائِمًا يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عَصَابَهُ
مِنَ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ -

حضرت جابر بن سمور رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا
اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس دین کی خاطر قیامت تک جنگ
کر رہے گی۔

۲۸۳۹ - حَدَّثَنِي هُرُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ وَ
حَجَّابُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَا حَدَّثَنَا حَجَّابُ بْنُ مُحَمَّدٍ
قَالَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ
سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ
مِّنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى
يَوْمِ الْقِيَامَةِ -

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں
کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے
سنا ہے میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کی خاطر جنگ
کر رہے گا وہ ہمیشہ لوگوں پر غالب رہیں گے حتیٰ کہ
قیامت آجائے گی۔

۲۸۴۰ - حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ أَبِي مَرْجٍ حَدَّثَنَا
يَحْيَى بْنُ خَمْرَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ
جَابِرِ بْنِ عَمِيرَةَ عَنْ هَارِيٍّ حَدَّثَهُ قَالَ سَمِعْتُ
مُعَاوِيَةَ عَلَى الْمَنَبَرِ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ
مِّنْ أُمَّتِي قَائِمَةً بِأَمْرِ اللَّهِ لَا يَضُرُّهُمْ هَذَا لَمْ
أَوْحَا لَهُمْ حَقِّي يَأْتِي أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ
عَلَى النَّاسِ -

میر بن ابی کثیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ رضی
اللہ عنہ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کا
ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا جو شخص ان کو رسوا
کرنا چاہے گا یا ان کی مخالفت کرے گا وہ ان کو نقصان
نہیں پہنچا سکے گا وہ ہمیشہ لوگوں پر غالب رہیں گے
حتیٰ کہ قیامت آجائے گی۔

۲۸۴۱ - وَحَدَّثَنِي اسْحَقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا
كَثِيرُ بْنُ هَخَامٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ (وَهُوَ ابْنُ بُرْقَانَ)
حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ الْأَصْبَحِ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ
بْنَ أَبِي سُفْيَانَ ذَكَرَ حَدِيثًا وَآدَعِينَ

یزید بن اہم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ
بن سفیان رضی اللہ عنہما کو ایک حدیث بیان کرتے
ہوئے سنا جو میں نے کسی اور سے منبر پر نہیں سنی، کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس شخص

کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سچو عطا فرمادیتا ہے، مسلمانوں کا ایک گروہ ہمیشہ حق کی خاطر جنگ کرتا رہے گا اور اپنے مخالفین پر قیامت تک غالب رہے گا۔

عبدالرحمن بن شماسہ مہری بیان کرتے ہیں کہ میں مسلم بن علقمہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور ان کی مجلس میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص بیٹھے تھے، حضرت عبداللہ نے کہا قیامت ہر بدترین مخلوق پر قائم ہوگی جو زمانہ جاہلیت کے لوگوں سے بھی بدتر ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ سے جس چیز کی بھی دعا کریں گے اللہ تعالیٰ اس کو رزق کر دے گا، اسی اثنا گفتگو میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بھی آگئے مسلمہ نے کہا اے عقبہ بنیے عبداللہ کیا بیان کر رہے ہیں، حضرت عقبہ نے کہا وہ زیاد جانتے ہیں لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم کی خاطر لڑتا رہے گا اور اپنے دشمنوں پر غالب رہے گا اور دشمنوں کی مخالفت ان کو مضر نہیں دے گی، وہ ہمیشہ اسی حال پر رہیں گے حتیٰ کہ قیامت آجائے گی، حضرت عبداللہ نے کہا ہاں، اللہ تعالیٰ ایک ایسی ہوا بھیجے گا جس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی اور چھوڑنے میں ریشم کی طرح ہوگی اور جس شخص کے دل میں لافنی کے دانہ کے برابر عجب ایمان ہوگا وہ ہوا اس ایمان کو قبض کر لے گی، پھر بدترین لوگ رہ جائیں گے اور انہیں پر قیامت قائم ہوگی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل عرب ہمیشہ حق پر قائم رہیں گے حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ أَسْمَعْهُ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَذْبُوحٍ حَدِيثًا غَيْرُهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَلَا تَزَالُ عَصَابَةٌ مِنْ الْمُسْلِمِينَ يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ عَلَى مَنْ نَافَاهُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

۳۸۴۲ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ وَهْبٍ حَدَّثَنَا عَيْتِيُّ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنَا عَنْهُ وَبْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ قُتَيْبَةَ الْمَهْرِيُّ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ مُسْلِمَةَ بِنْتِ مُخَلَّدٍ وَعِنْدَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلَى شَرِّ أُمَّةٍ أُنْشِئَتْ مِنْ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَدْعُونَ اللَّهَ بِشَيْءٍ إِلَّا رَدَّ عَلَيْهِمْ فَيَنْتَهِمُ عَلَى ذَلِكَ أَقْبَلَ عُقْبَةُ ابْنُ عَامِرٍ فَقَالَ لَهُ مُسْلِمَةُ يَا عُقْبَةُ سَمِعَ مَا يَقُولُ عَبْدُ اللَّهِ فَقَالَ عُقْبَةُ هُوَ أَعْلَمُ وَأَمَّا أَنَا فَسَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَزَالُ عَصَابَةٌ مِنْ أُمَّةٍ يُقَاتِلُونَ عَلَى أَمْرِ اللَّهِ ظَاهِرِينَ لِعَدُوِّهِمْ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ وَهُمْ عَلَى ذَلِكَ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ أَجَلُ ثُمَّ يَبْعَثُ اللَّهُ رَجُلًا كَرِيمًا يُسَلِّكُ مَسْجِدًا مَشْرِيقًا فَلا تَنُوكُ نَفْسًا فِي قَلْبِهِ وَيُقَاتِلُ حَبْلَهُ مِنَ الْإِيمَانِ لَا يَبْضُتُهُ ثُمَّ يَبْغِي شَرَّ النَّاسِ عَلَيْهِمْ تَقُومُ السَّاعَةُ.

۳۸۴۳ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ أَهْلُ الْغَرْبِ ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ.

قیامت تک حق پر قائم رہنے والا کون سا گروہ ہے؟ اس باب کی احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ: مسلمانوں کا ایک گروہ

ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اور حق کی خاطر جنگ کرتا رہے گا، امام بخاری نے کہا اس سے اہل علم کا گروہ مراد ہے اللہ تعالیٰ احمد بن حنبل نے کہا اگر اس سے محدثین کا گروہ مراد نہیں ہے تو پھر میں نہیں جانتا کہ اس سے کون کون مراد ہیں، قاضی عیاض نے کہا اس سے اہل سنت و جماعت اور محدثین مراد ہیں۔

علامہ نووی فرماتے ہیں: مسلمانوں کے اس گروہ کی کئی اقسام ہیں، ان میں بہادری والے ہیں، فقہاء ہیں محدثین ہیں زیادہ ہیں کئی کا حکم دینے والے اور بُرائی سے روکنے والے ہیں، اسی طرح نیکی اور خیر کے اور متقدم و متنبہوں کے لوگ ہیں، اور یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ تمام اقسام کسی ایک جگہ جمع ہوں بلکہ یہ تمام اقسام دوسرے زمین کے مختلف حصوں میں رہیں گی، کہیں محدث ہوں گے، کہیں فقہاء ہوں گے کہیں قرآن کے قاری ہوں گے کہیں واعظ ہوں گے اور کہیں اولیاء ہوں گے، اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بالکل ظاہر ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر یہ وصف آج تک قائم ہے۔

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اجماع محبت ہے اور محبت اجماع پر اس حدیث سے استدلال کرنا زیادہ صحیح ہے کیونکہ حدیث لا تجتمع امتی علی الضلالة دوسری اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی، ضعیف ہے علم فقہ کی فضیلت حدیث نمبر ۲۸۳۱ میں ہے: جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کر لیتا ہے اس کو دین کی فقہ (سمجھ) عطا فرمادیتا ہے اس میں علوم دین کے ماہرین اور فقہاء کے لیے بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں خیر کا ارادہ کر لیا ہے۔

فقہ کا معنی معنی ہے فہم، اور عرف میں فقہ احکام شرعیہ فرمید کے اس علم کو کہتے ہیں جو فروع کے دلائل تفصیلیہ سے حاصل کیا گیا ہو مثلاً اللہ تعالیٰ نے نماز کا قطعی حکم دیا کہ نہ نماز اور قیوموا الصلوٰۃ اللہ جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے قطعی حکم دیا ہو وہ فرض ہے معلوم ہوا کہ نماز فرض ہے اللہ عزوجل کا قول قیوموا الصلوٰۃ دلیل تفصیلی ہے جس سے فرضیت نماز کا حکم حاصل کیا گیا ہے، حسن بدی نے کہا جو شخص دنیا میں ظاہراً صافرت کی طرف راغب دین کی بعیرت رکھتا ہو اور دائمی عبادت کرتا ہو وہ فقہ ہے، امام ابو حنیفہ نے فرمایا فقہ وہ علم ہے جس کے وسیع انسان یہ جان لے کہ کیا چیز اس کے لیے نامزد مند ہے اور کیا چیز نقصان دہ ہے۔

اس حدیث میں علم فقہ کی فضیلت ہے کیونکہ فقہ کی وجہ سے انسان میں خدا کا خوف پیدا ہوتا ہے اور وہ عبادت الہی کی کوشش کرتا ہے اور لوگوں کو حلال اور حرام کے مسائل بتاتا ہے، لوگ اس کی وجہ سے حلال کام کرتے ہیں اور حرام سے بچتے ہیں۔

بَابُ مَرَاعَاةِ مَصْلَحَةِ الدَّوْلِ فِي
السَّيْرِ وَالنَّهْيِ عَنِ التَّعَرُّيسِ فِي الطَّرِيقِ
سفر میں جانوروں کی رعایت کرنا اور اخیر
شب کو راستہ میں اترنے کی ممانعت

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۲ھ شرح مسلم ج ۲ ص ۱۲۳، مطبوعہ فرد محمد صالح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۴۸۴۴ - حَدَّثَنَا مُهَيَّبُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ سَهْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَأَلْتُمْ فِي الْخَصْبِ فَأَعْطُوا إِلَّا بِلَ حَظِّهَا مِنَ الْأَرْضِ وَإِذَا سَأَلْتُمْ فِي السَّنَةِ فَأَسْرِعُوا عَلَيْهَا السَّيْرَ وَإِذَا أَعْرَضْتُمْ بِاللَّيْلِ فَاجْتَنِبُوا الظُّلُمَاتِ فَإِنَّهَا مَأْوَى النَّمُورِ وَاللَّيْلِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم ہریالی میں سفر کرو تو زمین سے اونٹوں کو ان کا حصہ دو اور جب تم خشک سالی (یا قحط) کے موسم میں سفر کرو تو زمین سے جلدی گذرو اور جب تم اخیر شب میں آؤ تو راستہ سے ہٹنا کیونکہ رات کو وہ جگہ حشرات الارض کا ٹھکانہ ہے۔

۴۸۴۵ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ (يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ) عَنْ سَهْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا سَأَلْتُمْ فِي الْخَصْبِ فَأَعْطُوا إِلَّا بِلَ حَظِّهَا مِنَ الْأَرْضِ وَإِذَا سَأَلْتُمْ فِي السَّنَةِ فَبَادِرُوا بِهَا نَفْسَهَا وَإِذَا أَعْرَضْتُمْ فَاجْتَنِبُوا الظُّلُمَاتِ فَإِنَّهَا مَأْوَى الدَّوَابِّ وَمَأْوَى النَّمُورِ وَاللَّيْلِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم ہریالی (یعنی جب زمین میں ہر طرت سبزہ اگسا ہوا ہو) میں سفر کرو تو زمین سے اونٹوں کو ان کا حصہ دو اور جب تم خشک سالی میں سفر کرو تو زمین سے جلدی کرو ورنہ ہرجاشیں اور جب تم اخیر شب میں قیام کرو تو راستہ میں ٹھہرنے سے احتراز کرنا کیونکہ رات کے وقت وہ جگہ جانوروں اور حشرات الارض کی آماجگاہ ہوتی ہے۔

ت: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کرنے کے اور سفر میں قیام کرنے کے آداب بتائے ہیں، کیونکہ حشرات الارض نہ ہر لیے کھڑے ہوتے ہیں اور نہ رات کو دندے بھی پھرتے ہیں اس لیے آپ نے رات کے وقت جنگل کے راستہ میں قیام کرنے سے منع فرمایا۔

سفر عذاب کا ٹکڑا ہے اور فراغت کے بعد جلد گھر لوٹے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے وہ تم کو سونے اور کھانے پینے سے روک دیتا ہے جب تم میں سے کسی شخص کا کام پورا ہو جائے تو وہ اپنے گھر آنے میں جلدی کرے۔

بَابُ السَّفَرِ قُطْعَةُ مِنَ الْعَذَابِ وَاسْتِجَابُ تَحْيِيلِ الْمُسَافِرِ إِلَى أَهْلِهِ بَعْدَ قَضَاءِ شَغْلِهِ ۴۸۴۶ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ جَبْرِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أُوَيْسٍ وَأَبُو مُصْعِبٍ الطُّهْرِيُّ وَابْنُ أَبِي مَرْجٍ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا مَالِكٌ سَمِعَ مُحَمَّدَ بْنَ يَحْيَى الْقَيْمِيَّ (وَالْقُفْظَلَةَ) قَالَ قُلْتُ لِمَالِكٍ حَدَّثَكَ عَنْ أَبِي سَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّفَرُ قُطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ يَنْتَعِزُ أَحَدُكُمْ نَوْمَهُ وَطَعَامَهُ وَشَرَابَهُ فَإِذَا أَقْضَى

أَحَدُكُمْ نَهَمَتْهُ مِنْ وَجْهِهِ فَلْيَعَجِلْ إِلَى أَهْلِهِ
قَالَ نَعَمْ

رات کے وقت گھر واپس لوٹنے کی کراہت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اپنے گھر نہیں آتے
تھے، آپ صبح یا شام کو تشریف لاتے تھے۔

ایک اور سند سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ
عنہ سے اس روایت کی مثل مروی ہے البتہ اس میں
لا یطرق کا جگہ لا یدخل ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے
ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
ہمراہ تھے، جب ہم مدینہ پہنچے تو ہم شہر میں جانے لگے آپ
نے فرمایا کچھ توقف کرو حتیٰ کہ ہم رات کے وقت یہی عشاء
کے وقت جاؤں تاکہ جس عورت کے بال بکھرے ہوئے
ہیں وہ اپنے بال درست کرے اور جس عورت کا شوہر
غائب تھا وہ اب اپنے مورے زیر نانات مان کرے۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص
رات کو گھر واپس آئے تو رات کو (اچانک) جا کر گھر کا دروازہ
نہ کھٹکھٹائے (بلکہ اتنی دیر توقف کرے) کہ جس عورت
کا شوہر غائب تھا وہ اپنے مورے زیر نانات مان کر
رے اور جس کے بال پرانہ ہوں وہ اپنے بال ٹھیک
کر لے۔

بَابُ كَرَاهَةِ الظُّرُوقِ وَهُوَ الدُّخُولُ لَيْلًا

۴۸۴۷ - حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا
يَزِيدُ بْنُ هُرُونَ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ
بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَطْرُقُ أَهْلَهُ لَيْلًا
وَكَانَ يَأْتِيهِمْ غَدَاةً أَوْ عَشِيَّةً

۴۸۴۸ - وَحَدَّثَنِيهِ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا
عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا
إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ
عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ عُنَيْنِ
قَالَ كَانَ لَا يَدْخُلُ

۴۸۴۹ - حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ سَالِمٍ حَدَّثَنَا
هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا سَيَّارٌ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى
(وَالْفُطَيْمِيُّ) حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ سَيَّارٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ
عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزَاةٍ فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ
ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ فَقَالَ أَفْهَلُوا حَتَّى نَدْخُلَ لَيْلًا
أَوْ عِشَاءً لِي تَمْتَشِطَ الشَّعْبَةُ وَتَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ
۴۸۵۰ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ حَدَّثَنَا
عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَيَّارٍ عَنْ عَامِرٍ
عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ إِذَا قَدِمَ أَحَدُكُمْ لَيْلًا فَلَا يَأْتِيَنَّ
أَهْلَهُ طُرُوقًا حَتَّى تَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ وَ
تَمْتَشِطَ الشَّعْبَةُ

۲۸۵۱۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ حَدَّثَنَا
رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا سَيَّارٌ
بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

۲۸۵۲۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا
مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ
عَاصِمِ بْنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ
نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا طَالَ
الرَّجُلُ الْغَيْبَةَ أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ طُرُوقًا۔

۲۸۵۳۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ حَدَّثَنَا
رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ۔

۲۸۵۴۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ
حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَابِرٍ
قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ
يَطْرُقَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ لِيَذَّيْحَهُمْ أَوْ يَلْتَمِسَ عَثَرَاتِهِمْ۔

۲۸۵۵۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا
عَبْدُ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ قَالَ
عَبْدُ الرَّحْمَنِ قَالَ سُفْيَانُ لَا أَذِیْنِ هَذَا فِي الْحَدِيثِ
أَمْ لَا يَعْنِي أَنْ يَتَخَوَّنَهُمْ أَوْ يَلْتَمِسَ عَثَرَاتِهِمْ۔

۲۸۵۶۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا
مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا
أَبُو قَالَةَ جَمِيعًا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ
جَابِرٍ عَنِ النَّجَّيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَاهُ
الطَّرُوقَ وَلَمْ يَذْكُرْ يَتَخَوَّنَهُمْ وَ يَلْتَمِسْ عَثَرَاتِهِمْ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں
کہ جب کسی انسان کی گھر سے غیر ماضی طویل ہو جائے تو وہ
(اچانک) رات کو اپنے گھر نہ جائے۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ انسان رات
کو (اچانک) گھر جا پہنچے اور گھر کے حالات کا تجسس کرے
اور گھر والوں کی کمزوریوں پر مطلع ہو۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث ہے اس میں راوی نے
یہ کہا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ گھر کے حالات کا تجسس
کسے اور گھر والوں کی کمزوریوں پر مطلع ہو، یہ الفاظ حدیث
میں ہیں یا نہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (اچانک)
رات کو گھر آنے کی کراہت نقل کرتے ہیں، اور اس حدیث
میں یہ محمول نہیں ہے، گھر کے حالات کا تجسس کرے اور
گھر والوں کی کمزوریوں پر مطلع ہو۔

سفر سے رات کو گھر واپس آنے کی ممانعت کا محمل
علاؤ نووی لکھتے ہیں: ان تمام روایات کا خلاصہ یہ
ہے کہ جو شخص کسی لیے سفر پر جائے وہ رات
کو اچانک گھر واپس نہ آئے، لیکن جو شخص کسی قریب کی جگہ گیا ہو اور اس کی بیوی کو رات میں اس کے واپس آنے کی توقع ہو
اس کے رات کو گھر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ حدیث نمبر ۲۸۵۲ میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ
جب کسی انسان کی غیر ماضی طویل ہو جائے تو وہ (اچانک) رات کو اپنے گھر نہ جائے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ
اگر اس کی غیر ماضی طویل نہ ہو تو پھر رات کو اس کی واپسی میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر وہ کسی بڑے قافلہ یا بڑے

ظن کر کے ساتھ گیا ہو اور ان کے آنے اور پہنچنے کی شہرت ہو جائے اور اس کی بیوی اور اس کے گھر والوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ اب آنے والے ہیں تو پھر اگر وہ رات کو آئے تو کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اب وہ علت نہیں رہی جس کی بناء پر رات کو آنے سے منع فرمایا تھا، کیونکہ اس ممانعت سے مقصد یہ تھا کہ گھر والے اس کے استقبال کے لیے ذمہ داری طور پر تیار ہوں اور جب اس کے آنے کی پہلے خبر مل جائے گی تو یہ مقصد حاصل ہو گیا، اور اس کی تائید حدیث نمبر ۲۸۳۹ سے ہوتی ہے جس میں مدینہ پہنچنے کے بعد آپ نے صحابہ کو اپنے گھر میں جانے سے منع کیا اور فرمایا کہ شام تک توقف کرو حتیٰ کہ جس کے بال بکھرے ہوئے ہوں وہ اپنے بال سفارے اور جس عورت نے اپنے زیر ناط بالوں کو صاف کرنا ہو وہ ان بالوں کو صاف کر لے اور اس روایت میں یہ فرض کیا گیا ہے کہ صحابہ دن کے اوائل میں گھروں کو جانا چاہتے تھے لیکن آپ نے یہ حکم دیا کہ وہ شام ہونے تک مبرا اور انتظار کریں۔ لہ

ہمارے زمانہ میں جب کہ ابلاغ اور مواصلات کے ذرائع بہت وسیع ہو گئے ہیں تو لوگوں کے لیے اس حکم پر عمل کرنے میں بہت سہولت ہو گئی ہے، وہ براہ راست ٹیلی فون کر کے اپنے آنے کی خبر دے سکتے ہیں، تاہم پہلے کے ذریعہ اطلاع دے سکتے ہیں، کسی آنے والے شخص کے ہاتھ پیغام بھجوا سکتے ہیں، یہ حال کسی سب سے سفر سے رات کو گھر لوٹنا مطلقاً مکروہ نہیں ہے اگر اپنے آنے کی پیشگی اطلاع دی ہو تو اس میں کوئی گراہت نہیں ہے اور اگر گھر قریب ہو اور گھر والوں کو توقع ہو کہ وہ رات کو کسی وقت واپس آجائے گا تو اس میں بھی کوئی گراہت نہیں ہے۔



اختتامی کلمات

شرح صحیح مسلم کی جلد خامس، میں نے ۱۹ رمضان ۱۴۰۹ھ بمطابق ۲۶ اپریل ۱۹۸۹ء کو شروع کی تھی اور الحمد للہ علی احسانہ آج ۲۰ رمضان ۱۴۱۰ھ بمطابق ۱۲ اپریل ۱۹۹۰ء کو یہ جلد اختتام کو پہنچ گئی، دارالعلوم نعیمیہ کراچی میں آنے کے بعد جب سے شرح صحیح مسلم کے کام کی نشاۃ ثانیہ ہوئی ہے، جلد ثانی سے اب تک یہی معمول رہا ہے کہ ہر جلد رمضان المبارک کی کسی مبارک شب میں ختم ہوتی اور اگلی جلد شروع کرنے کی سادت بھی رمضان المبارک ہی میں حاصل ہوتی، چونکہ مجھے ہائی بلڈ پریشر اور شوگر کا ماراضہ ہے اس لیے درمیان میں ایام فترت بھی آتے ہیں جب تکلیف بڑھ جانے کی وجہ سے کام منقطع ہو جاتا ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ غیب سے مدد فرماتا ہے اور میری خواہش کے مطابق رمضان المبارک ہی میں وہ جلد ختم ہو جاتی ہے، کوشش کروں گا کہ اس کے بعد دو جلدوں میں شرح صحیح مسلم مکمل ہو جائے، اس کے بعد ان شاء اللہ جلد اول کو دوبارہ لکھنے کا پروگرام ہے، بہت سے احباب کی خواہش ہے کہ شرح صحیح مسلم کے بعد قرآن مجید

لہ۔ علامہ یحییٰ بن شرف نوادی متوفی ۶۷۶ھ شرح مسلم ج ۲ ص ۱۴۵-۱۴۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعة الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

کی تفسیر پر بھی کام شروع کر دوں، میں سائنس کا رخیر کی نیت کر لی ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے یہ کام میرے لیے مقدر کر دیا ہے تو پھر ان شاء اللہ یہ کام ہو جائے گا، اور اگر کسی وجہ سے یہ کام نہ ہو سکا تو اللہ تعالیٰ مجھے حسن نیت کا ثواب عطا فرمائے گا۔

اس جلد میں میں نے ویسے تو تمام مباحث ہی میں بہت محنت اور جانفشانی سے کام لیا ہے، لیکن غاص طرد پر پردہ، فذک اور عودت کی شہادت پر بہت محنت اور غور و غوض سے کام لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اس محنت اور کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول اور مشکور فرمائے، اور جس طرح مجھے یہ پانچ جلدیں لکھنے کی توفیق دی ہے، اسی طرح شرح صحیح مسلم کی باقی ماندہ جلدیں لکھنے کی توفیق عطا فرمائے، بار اللہ مجھے اس شرح میں وہی توفیق لکھنے کی توفیق دے جو حق و صواب ہوں، اور میری تحریر میں اثر آخر بخیر کر، اور اس کتاب کو تا دیر باقی رکھ اور اس کے فیض کو زیادہ سے زیادہ مسلمانوں تک پہنچا دے، اللہ العالمین اس کتاب کو اپنی اور اپنے رسول کی بارگاہ میں مقبول فرما اور اس کو میرے لیے صدقہ جاریہ بنا دے، اللہ العالمین میری مغفرت فرما، میرے والدین، میرے اساتذہ اور مشائخ اور میرے احباب اور متعلقین کی مغفرت فرما۔ اس کتاب کے قارئین، معاونین، اس کے ناشر، کاتب اور مصحح کی مغفرت فرما، اللہ العالمین دارين کی خیر، سعادت اور فلاح کو ہم سب کا مقدر بنا دے، ہمیں دنیا اور آخرت کی ہر تکلیف اور پریشانی سے محفوظ اور مامون رکھ، ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ریت اور آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما، رب العالمین تمام مسلمانان عالم پر دنیا اور آخرت میں رحم فرما، و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد سید الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین قائد الخیر المحجلین اول الشافعیین و المشفعین و علی الطیبین الطاہرین و علی اصحابہ الکاملین الراشدین و علی ائمتہ واجہ امہات المؤمنین و علی اولیاء امتہ و علماء ملتہ من المفسرین والمحدثین والفقہاء والمجتہدین اجمعین۔

بیت اسلام

WWW.NAFISISLAM.COM

ماخذ و مراجع

کتب الہیہ

- ۱۔ قرآن مجید
- ۲۔ تورات
- ۳۔ انجیل

کتب احادیث

- ۴۔ صحیح بخاری، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ، امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ
- ۵۔ صحیح مسلم، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ، امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ
- ۶۔ جامع ترمذی، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ
- ۷۔ سنن ابی داؤد، مطبوعہ مطبع مجتہبی، پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ، امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ
- ۸۔ سنن نسائی، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، امام ابو عبد الرحمن احمد بن شیبہ نسائی متوفی ۳۰۳ھ
- ۹۔ سنن ابن ماجہ، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ
- ۱۰۔ صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۹۵ھ، امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ متوفی ۳۱۱ھ
- ۱۱۔ مؤطا امام مالک، مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان، لاہور، امام مالک بن انس اصبحی، متوفی ۱۷۹ھ
- ۱۲۔ مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سید ابیدہ سنہ کراچی، امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ
- ۱۳۔ مؤطا امام محمد، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ
- ۱۴۔ کتاب الآثار، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۷ھ، امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ
- ۱۵۔ کتاب الآثار، مطبوعہ مکتبۃ اثریہ ساکنگل، امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ
- ۱۶۔ مصنف عبدالرزاق، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ، امام عبدالرزاق بن ہمام صنفانی متوفی ۲۱۱ھ
- ۱۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۲ھ، امام ابو عبد اللہ محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ
- ۱۸۔ مسند احمد بن حنبل، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۹۸ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ

- ۱۹- منہد دارمی، مطبوعہ مطبع نظامی، کانپور، ۱۳۸۳ھ، امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ
- ۲۰- سنن دار قطنی، مطبوعہ نشر السنۃ، عمان، امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۲۸۵ھ
- ۲۱- شمائل ترمذی، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۴۹ھ
- ۲۲- شرح صفائی الآثار، مطبوعہ حقیقی، پاکستان لاہور، ۱۴۰۲ھ، امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ
- ۲۳- سنن کبریٰ، مطبوعہ نشر السنۃ، عمان، امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ
- ۲۴- کشف الاستار عن زوائد البزار، مطبوعہ مکتبۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۲ھ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی متوفی ۸۰۰ھ
- ۲۵- مجمع الزوائد، مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۰۲ھ، حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی متوفی ۸۰۰ھ
- ۲۶- شرح السنۃ، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۰ھ، امام حسین بن مسعود بخاری متوفی ۵۱۲ھ
- ۲۷- الادب المفرد، مطبوعہ مکتبۃ اشرفیہ، ساکنگلی، امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ
- ۲۸- المستدرک، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ، امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ
- ۲۹- جامع الصغیر، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۹۱ھ، علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ
- ۳۰- مر اسبیل ابی داؤد، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث، متوفی ۲۴۵ھ
- ۳۱- فردوس الاخبار، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، حافظ شیردہ بن شہر دار الدین متوفی ۵۰۹ھ
- ۳۲- تلخیص المستدرک، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ، علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۸۴۸ھ
- ۳۳- خصائص کبریٰ، مطبوعہ مکتبۃ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ
- ۳۴- الجوہر النقی، مطبوعہ نشر السنۃ، عمان، علامہ علاؤ الدین بن علی بن عثمان مارونی ترکمانی متوفی ۸۴۵ھ
- ۳۵- نصب الراية، مطبوعہ مجلس علمی، سورت ہند، ۱۳۵۷ھ، حافظ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف ذہبی متوفی ۷۶۲ھ
- ۳۶- مشکوٰۃ، مطبوعہ اصح المطابع دہلی، شیخ ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ھ
- ۳۷- اعلام السنن، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، شیخ ظہر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۲ھ
- ۳۸- کنز العمال، مطبوعہ مکتبۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۵ھ، علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی بریل پوری متوفی ۹۰۵ھ
- ۳۹- الاحسان بترتیب صحیح ابن ماجہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۷ھ، امیر علاؤ الدین علی بن بلال فارسی متوفی ۷۲۹ھ
- ۴۰- مسند طحاوی، مطبوعہ ہند، امام طحیانی بن داؤد بن جارود طحاوی متوفی ۲۰۳ھ
- ۴۱- جامع الاموال فی احادیث الرسول، مطبوعہ مطبعۃ اصلاح بیروت، ۱۳۹۰ھ، امام محمد الدین ابو السعادات مبارک بن محمد بن اثیر ہمدانی متوفی ۶۰۶ھ
- ۴۲- المسند مطبوعہ عالم الکتب بیروت، حافظ عبد اللہ بن زبیر عینی متوفی ۲۱۹ھ
- ۴۳- مسند ابویعلیٰ المرسل، مطبوعہ دار الامون تراث بیروت ۱۴۰۲ھ، حافظ احمد بن علی المتقی التتبی متوفی ۳۰۷ھ

کتاب تفسیر

- ۴۴- احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ، علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی، متوفی ۳۷۰ھ
- ۴۵- تفسیر کبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ، امام فخر الدین محمد بن جیاد الدین بن عمر رازی، متوفی ۶۰۶ھ

- ۲۷- الجوامع لاحكام القرآن، مطبوعه انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ هـ علامه ابو عبد الله محمد بن احمد ماکي قرطبي متوفی ۲۶۸ هـ
- ۲۸- تفسیر خازن، مطبوعه دارالکتب العربیه بیروت، علامه علی بن محمد خازن شافعی، متوفی ۷۲۵ هـ
- ۲۹- غایة القاضی، مطبوعه دار صادر بیروت، ۱۲۸۳ هـ، علامه احمد شهاب الدین خفاجی مصری صنفی، متوفی ۱۰۲۹ هـ
- ۳۰- تفسیر ابوسعود، مطبوعه دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ هـ، علامه ابو السعود محمد بن محمد عبادی سکیبی، متوفی ۹۸۲ هـ
- ۳۱- روح البیان، مطبوعه مکتبه اسلامیه کوثر، علامه اسماعیل حقی حنفی، متوفی ۱۱۳۷ هـ
- ۳۲- تفسیر مظہری، مطبوعه بلوچستان بک ڈپو کوثر، قاضی شامہ اللہ پانی پتی، متوفی ۱۲۲۵ هـ
- ۳۳- تفسیر عزیزی، مطبوعه مطبع فاروقی دہلی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، متوفی ۱۲۳۹ هـ
- ۳۴- روح المعانی، مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت، علامه ابو الفضل شهاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی حنفی، متوفی ۱۲۷۰ هـ
- ۳۵- فتح القدیر، مطبوعه دار المعرفه بیروت، شیخ محمد بن علی شرنکائی، متوفی ۱۲۵۰ هـ
- ۳۶- جامع البیان، مطبوعه شرکت مکتبه و مطبعه مصطفیٰ البابی مصر، الطبعة الثالثة ۱۳۷۳ هـ، ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ هـ
- ۳۷- التبیان فی تفسیر القرآن، مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت، شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، ۳۸۵ هـ
- ۳۸- روض البیان، مطبوعه عالم الکتب بیروت، علامه محمد امین بن محمد مختار حکیمی شفقطنی
- ۳۹- البحر فی تفسیر القرآن، مطبوعه مکتبه اسلامیه کوثر، علامه علیم شیخ طنطاوی حمیری
- ۴۰- تفسیر المنار، مطبوعه دار المعرفه بیروت، علامه محمد رشید رضا، متوفی ۱۳۵۴ هـ
- ۴۱- تفسیر المرامی، مطبوعه دار اسرار التراث العربی بیروت، ۱۳۹۲ هـ، علامه احمد مصطفیٰ مراغی
- ۴۲- تفسیر نیشاپوری، مطبوعه مصطفیٰ البابی و اولاده مصر، علامه نظام الدین حسن بن محمد قمی نیشاپوری، متوفی ۷۲۸ هـ
- ۴۳- تفسیر اسماعیلین، مطبوعه قدیمی کتب خانہ لاہور، علامه جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ هـ
- ۴۴- افکار التنزیلی، مطبوعه دار صادر بیروت، قاضی ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شیرازی، متوفی ۶۸۵ هـ
- ۴۵- الفتوحات الاولیئہ، مطبوعه مطبعۃ البهیة مصر، ۱۳۰۳ هـ، شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالبحل، متوفی ۱۲۰۴ هـ
- ۴۶- الدر المنثور، مطبوعه مطبعہ مینہ مصر، ۱۳۱۴ هـ، علامه جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ هـ
- ۴۷- تفسیر ابن کثیر، مطبوعه اداره ندیس بیروت، ۱۳۸۵ هـ، حافظ ابو الفداء علاء الدین ابن کثیر، متوفی ۷۷۴ هـ
- ۴۸- فتح البیان، مطبوعه کبریٰ امیریہ بلاق مصر، ۱۳۰۱ هـ، خواب مسدیدی حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ هـ
- ۴۹- خزائن العرفان، تاج کینی لاہور، صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ هـ
- ۵۰- بیان القرآن، مطبوعه تاج کینی لاہور، شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ هـ
- ۵۱- حاشیہ القرآن، مطبوعه تاج کینی لاہور، شیخ محمود احسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ هـ و شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ هـ
- ۵۲- معارف القرآن، مطبوعه اداره المعارف کراچی، ۱۳۹۷ هـ، مفتی محمد شفیع دیوبندی، متوفی ۱۳۹۶ هـ
- ۵۳- مدارک التنزیل، مطبوعه دارالکتب العربیه بیروت، علامه ابو الزکات احمد بن محمد نسفی، متوفی ۷۱۰ هـ
- ۵۴- البحر المحیط، مطبوعه دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ هـ، علامه ابو الحیاء محمد بن یوسف اندلسی غرناطی متوفی ۷۵۳ هـ
- ۵۵- فی ظلال القرآن، مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۸۶ هـ، سید محمد قطب شہید مصری

- ۷۵۔ احکام القرآن، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی، متوفی ۵۴۳ھ
 ۷۶۔ زاد المسیر، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی ۵۹۷ھ
 ۷۷۔ تفہیم القرآن، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، سید ابوالاعلیٰ مودودی، متوفی ۱۳۹۹ھ
 ۷۸۔ قرآن کریم، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ کجرات، مفتی احمد یار خان نعیمی، متوفی ۱۳۹۱ھ
 ۷۹۔ ضیاء القرآن، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، حبش پیر محمد کرم شاہ الاذہری،
 ۸۰۔ مفہوم القرآن، مطبوعہ ادارہ طبع اسلام لاہور، غلام احمد پرویز

علوم قرآن

- ۸۱۔ البرہان فی علوم القرآن، مطبوعہ دار الفکر بیروت، علامہ بدر الدین محمد بن عبداللہ زکشی، متوفی ۷۹۴ھ
 ۸۲۔ الاتقان فی علوم القرآن، سہیل الہدی لاہور، علامہ عبداللہ بن سید طی، متوفی ۹۱۱ھ

کتب شرح حدیث

- ۸۳۔ تحقیق الکواکب الدراری شرح البخاری، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۰ھ، علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ
 ۸۴۔ عمدۃ القاری، مطبوعہ ادارۃ الطبائۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ، علامہ بدر الدین ابوعبد محمد بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ
 ۸۵۔ فتح الباری، مطبوعہ دار النشر لکنت الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، علامہ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ
 ۸۶۔ انشاؤ الساری مطبوعہ مطبعہ ممیزہ مصر، ۱۳۰۶ھ، علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۱۱ھ
 ۸۷۔ فیض الباری، مطبوعہ مطبعہ حجازی مصر، ۱۳۵۷ھ، شیخ ابو شاہ کشمیری، متوفی ۱۳۵۲ھ
 ۸۸۔ فیوض ابائی، مطبوعہ مکتبہ رضوان لاہور، ۱۹۸۶ھ، علامہ محمود احمد رضوی، لاہور
 ۸۹۔ تفہیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فیصل آباد، مولانا غلام رسول رضوی، فیصل آباد
 ۹۰۔ شرح مسلم، مطبوعہ ندر محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ، علامہ یحییٰ بن شرف النووی، متوفی ۶۷۶ھ
 ۹۱۔ اکمال اکمال المتکم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلف وشتانی ابی مالکی، متوفی ۸۲۸ھ
 ۹۲۔ مکمل اکمال المتکم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی، متوفی ۸۹۵ھ
 ۹۳۔ الرراج الدراج، مطبوعہ مطبعہ صدیقی جوہال، ۱۳۰۲ھ، قلاب صدیق حسن خان جوہالی، متوفی ۱۳۰۷ھ
 ۹۴۔ فتح الملہم، مطبوعہ مکتبہ الحجاز، کراچی، شیخ شبیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۶۹ھ
 ۹۵۔ تمکد فتح الملہم، مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۱۴۰۷ھ، شیخ محمد تقی عثمانی کراچی
 ۹۶۔ تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ نشر السنۃ عمان، شیخ عبدالرحمن مبارکپوری، متوفی ۱۳۲۵ھ
 ۹۷۔ بذل الجہود، مطبوعہ مکتبہ فاسیہ عمان، شیخ خلیل احمد سہارنپوری، متوفی ۱۳۴۶ھ
 ۹۸۔ عون المعبود، مطبوعہ نشر السنۃ عمان، شیخ شمس الحق عظیم آبادی، متوفی ۱۳۲۹ھ
 ۹۹۔ تمہید، مطبوعہ مکتبۃ القدوسیہ لاہور، ۱۴۰۴ھ، حافظ ابو عمرو ابن عبدالبر مالکی، متوفی ۴۶۳ھ

- ۱۰۰ - مرقات، مطبوعہ مکتبۂ اعدایہ ملتان، ۱۳۹۰ھ، مؤلف علی بن سلطان محمد القسری، متوفی ۱۰۱۳ھ
- ۱۰۱ - اشعة اللمعات، مطبوعہ مطبع تیج کار، کھنؤ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ
- ۱۰۲ - منتقى، مطبوعہ مطبع السعادة، مصر، ۱۳۳۲ھ، علامہ ابوالرئیس سلیمان بن خلف باجی مالکی المدنی، متوفی ۳۶۴ھ
- ۱۰۳ - شرح الموطأ، مطبوعہ المطبعة الخيرية، مصر، علامہ محمد باقی زرقانی، متوفی ۱۱۲۲ھ
- ۱۰۴ - فیض القدير، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۱ھ، علامہ عبد الرؤوف منادی
- ۱۰۵ - شرح منہاج الامم اعظم، مطبوعہ مطبع محمدی لاہور، مؤلف علی بن سلطان محمد القسری، متوفی ۱۰۱۳ھ
- ۱۰۶ - التلخیص المفی، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان، شیخ محمد غمسل الحق عظیم آبادی، متوفی ۱۳۲۹ھ
- ۱۰۷ - التلخیص المجید، مطبوعہ نور محمد امجد المطالع کراچی، مولانا عبدالحق کھنؤی، متوفی ۱۳۴۳ھ
- ۱۰۸ - تقریرات ترمذی، مطبوعہ نور محمد کارخانۂ تجارت کتب کراچی، شیخ محمود الحسن دیوبندی، ۱۳۳۹ھ

اسماء رجال

- ۱۰۹ - تاریخ بغداد، مطبوعہ مکتبۂ سلفیہ مدینہ منورہ، حافظ ابوبکر علی بن احمد خطیب بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ
- ۱۱۰ - تہذیب التہذیب، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن، ۱۳۴۶ھ، حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ
- ۱۱۱ - سان المیزان، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن، ۱۳۴۶ھ، حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ
- ۱۱۲ - خلاصۃ تدجیب التہذیب الکمال، مطبوعہ مکتبۂ اثریہ سانگلہ علی، شیخ صفی الدین احمد بن عبد اللہ خزرجمی
- ۱۱۳ - الاکمال فی اسامہ الرجال، مطبوعہ امجد المطالع، دہلی، شیخ ولی الدین تبریزی، متوفی ۷۴۲ھ
- ۱۱۴ - کتاب الثقات، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۱ھ، حافظ محمد ابن جہان تمیمی، متوفی ۳۵۴ھ
- ۱۱۵ - کتاب المخرج والتقدیل، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۷۱ھ، حافظ عبدالرحمن بن ابی حاتم رازی، متوفی ۳۲۷ھ
- ۱۱۶ - میزان الاعتدال، مطبوعہ مطبع محمدی، کھنؤ، حافظ قسّم الدین ذہبی، متوفی ۷۵۴ھ
- ۱۱۷ - التاج المحسن، مطبوعہ مکتبۃ النخاعی، مصر، ۱۳۷۵ھ، ابوالخیر شمس الدین محمد بن عبد الرحمن سخاوی متوفی ۹۰۲ھ
- ۱۱۸ - موضوعات کبیر، مطبوعہ مطبع مجتبیٰ دہلی، مؤلف علی بن سلطان محمد القسری، متوفی ۱۰۱۳ھ
- ۱۱۹ - اسئل التتائیم، مطبوعہ مکتبۂ اثریہ فیصل آباد، ۱۴۰۱ھ، علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی الجوزی، متوفی ۵۹۷ھ
- ۱۲۰ - کشف الاحوال فی نقد الرجال، مطبوعہ مطبع ملوی، ۱۳۰۳ھ، شیخ عبدالوہاب بن مولوی محمد غوث مدلسی

لغت

- ۱۲۱ - المفردات، مطبوعہ المکتبۃ النعشریہ ایران، ۱۳۴۲ھ، علامہ حسین بن محمد رافعی اصفہانی، متوفی ۵۰۲ھ
- ۱۲۲ - نہایہ، مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعات ایران، ۱۳۶۴ھ، علامہ محمد بن اشیر الجندی، متوفی ۶۰۲ھ
- ۱۲۳ - تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، علامہ یحییٰ بن شرف تروی، متوفی ۶۷۲ھ
- ۱۲۴ - تاج المونس، مطبوعہ مطبع منشور الکشتور کھنؤ، علامہ عبد الدین فیروز آبادی -

- ۱۲۵- لسان العرب، مطبوعہ، نشر ادب الحرفۃ، قم، ایران، ۱۴۰۵ھ، علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی، متوفی ۷۱۱ھ
- ۱۲۶- تاج العروس شرح القاموس، مطبوعہ المطبعة الخیر، مصر، ۱۳۰۶ھ، سید محمد رفیع حسینی، زبیدی حنفی، متوفی ۱۳۰۵ھ
- ۱۲۷- المنجد، مطبوعہ المطبعة الفارسیہ، بیروت، ۱۹۲۷ء، نویس معلوف البیرونی
- ۱۲۸- المنجد مترجم، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی، نویس معلوف البیرونی
- ۱۲۹- مجمع البحار الافراد، مطبوعہ مطبع منشئ نو کشتور لکھنؤ، علامہ محمد طاہر پٹنئی، متوفی ۹۸۶ھ
- ۱۳۰- ثلث المحدث، مطبوعہ قرعہ محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، شیخ وحید الزمان، متوفی ۱۳۳۸ھ
- ۱۳۱- انسائیکلو پیڈیا آف برنائیکا، ۱۹۵۰ء
- ۱۳۲- دائرة المعارف، القرن العشرين، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، ۱۹۷۱ء، علامہ محمد فرید دہدی
- ۱۳۳- الصحاح، مطبوعہ دارالعلم بیروت، ۱۴۰۲ھ، علامہ اسماعیل بن حماد الجوزیری، متوفی ۳۹۸ھ
- ۱۳۴- فقہ المسلمین، مطبوعہ مکتبۃ دارالقبلة للثقافت الاسلامیۃ مدینہ، علامہ سید سابق
- ۱۳۵- معجم البلدان، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۹۹ھ، شیخ شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ حموی رومی ہند دی متوفی ۶۲۶ھ
- ۱۳۶- مفتی الادب، مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ لاہور، ۱۳۴۲ھ، عبدالرحیم بن عبدالکیم صفی پوری
- ۱۳۷- معجم متن اللغة، مطبوعہ دارمکتبۃ الحیاة، بیروت، ۱۹۸۵ء، شیخ احمد رضا، متوفی ۱۹۴۸ء
- ۱۳۸- لاروس، مطبوعہ مکتبۃ لاروس بالیس (پیرس)، ڈاکٹر خلیل المبر
- ۱۳۹- کتاب الیمن، مطبوعہ دارالہجرت، قم، ایران، ۱۴۰۵ھ، امام ابو عبد الرحمن الخلیل بن احمد فراہندی، متوفی ۱۷۵ھ
- ۱۴۰- اقرب الموارد، مطبوعہ منشورات مکتبۃ آیت اللہ العظمیٰ، ایران، ۱۴۰۳ھ، علامہ سعید خوری شرتوق لبنانی

فضائل و سیرت

- ۱۴۱- شفاء، مطبوعہ عبدالنزاب اکیڈمی ملتان، قاضی عیاض بن موسیٰ ماکھی، متوفی ۵۴۲ھ
- ۱۴۲- نسیم الریاض، مطبوعہ دارالفکر بیروت، علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی، متوفی ۱۰۶۹ھ
- ۱۴۳- شرح الشفاء، مطبوعہ دارالفکر بیروت، علی بن سلطان محمد القادی حنفی، متوفی ۱۰۱۲ھ
- ۱۴۴- سادات الدارین، مطبوعہ مطبعۃ بیروت، بیروت، ۱۳۱۲ھ، علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی متوفی ۱۳۵۰ھ
- ۱۴۵- مدارج النبوت، مطبوعہ مکتبۃ نور و ضیاء کھڑ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ
- ۱۴۶- الزناد باحوال المصطفیٰ، مطبوعہ مکتبۃ نور و ضیاء فیصل آباد، علامہ عبدالرحمن ابن جوزی، متوفی ۵۹۷ھ
- ۱۴۷- زاد المسار، مطبوعہ مطبع المصطفیٰ البابی دادلادہ مصر، ۱۳۶۹ھ، علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر متوفی ۷۵۱ھ
- المعروف بابن قیم جوزی، ۱
- ۱۴۸- الموابب اللدنیہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۱۱ھ
- ۱۴۹- شرح الموابب اللدنیہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۳۹۳ھ، علامہ محمد عبدالباقی زرقانی، متوفی ۱۱۲۲ھ

- ۱۵۰۔ البدایہ والنہایہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۲ھ، حافظ ساد الدین ابو الغدار ابن کثیر، متوفی ۷۷۴ھ
- ۱۵۱۔ انسان الیوم، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر، ۱۳۸۴ھ، علامہ علی بن برہان الدین علی، متوفی ۱۰۴۲ھ
- ۱۵۲۔ ازالۃ الخفاء، مطبوعہ سہیل اکبر علی لاہور، ۱۳۹۶ھ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، متوفی ۱۱۷۶ھ
- ۱۵۳۔ حجت الشریعہ علی العالمین، مطبوعہ مکتبہ ترویج رضویہ لاہور، علامہ یوسف بن اسماعیل، نہانی، متوفی ۱۳۵۰ھ
- ۱۵۴۔ نشر الطیب، مطبوعہ تاج کتبیں لمیٹڈ، کراچی، شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۳ھ
- ۱۵۵۔ دلائل النبوت، مطبوعہ دار النفائس، امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی، متوفی ۴۳۰ھ
- ۱۵۶۔ مطالع المسرات، مطبوعہ مکتبہ ترویج رضویہ لاہور، علامہ محمد مہدی بن احمد بن علی بن یوسف فاسی
- ۱۵۷۔ السیرۃ النبویہ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، حافظ ابو الغدار اسماعیل بن کثیر، متوفی ۷۷۴ھ
- ۱۵۸۔ الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ، امام محمد بن سعد، متوفی ۲۴۰ھ
- ۱۵۹۔ استیعاب، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ، حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد الباقی، متوفی ۴۶۳ھ
- ۱۶۰۔ اصحاب، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ، حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ
- ۱۶۱۔ اسد الغابہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، علامہ ابراہیم بن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۷۴۰ھ
- ۱۶۲۔ تاریخ یعقوبی، مطبوعہ مرکز انتشارات علمی ایران، شیخ احمد بن ابی یعقوب، متوفی ۲۸۷ھ
- ۱۶۳۔ تاریخ الخلفاء، مطبوعہ مؤسسۃ شہان بیروت، ۱۳۸۳ھ، علامہ حسین بن محمد دیار کبری
- ۱۶۴۔ الرضی الانف، مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ لبنان، علامہ ابراہیم القاسم عبدالرحمان بن عبد اللہ سہیل، متوفی ۵۸۱ھ
- ۱۶۵۔ مختصر سیرت الرسول، مطبوعہ المطبعة العربیہ، ۱۳۹۹ھ، شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی، ۱۱۴۲ھ
- ۱۶۶۔ سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، مطبوعہ مجلس اعلیٰ قاہرہ، ۱۳۵۲ھ، علامہ محمد بن یوسف شامی مالکی، متوفی ۹۴۲ھ
- ۱۶۷۔ المدخل، مطبوعہ مصر، علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد المشہور بابن الحاج، متوفی ۷۲۷ھ
- ۱۶۸۔ اکمال فی تاریخ، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت، ۱۴۰۰ھ، علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۷۴۰ھ
- ۱۶۹۔ تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ دار الفکر بیروت، علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ
- ۱۷۰۔ تاریخ ابن خلدون، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلیٰ للطبعات، بیروت، ۱۳۹۰ھ، علامہ عبدالرحمن ابن خلدون، متوفی ۸۰۸ھ
- ۱۷۱۔ تاریخ الخلفاء، مطبوعہ فرید محمد اصح الطابع، کراچی، علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ
- ۱۷۲۔ مرآۃ الجنان، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلیٰ، بیروت، علامہ عبد اللہ بن اسحاق بن علی یافعی، متوفی ۷۶۸ھ
- ۱۷۳۔ وفاء الوفاء، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ، علامہ نور الدین علی بن احمد مہودی، متوفی ۹۱۱ھ
- ۱۷۴۔ الجوہر المنظم، مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۴۰۵ھ، علامہ احمد بن حجر مکی شافعی، ۹۷۴ھ
- ۱۷۵۔ الجواهر البیضاء، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر، ۱۳۷۹ھ، علامہ یوسف بن اسماعیل نہانی، متوفی ۱۳۵۰ھ
- ۱۷۶۔ کتاب الاذکار، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر، علامہ یحییٰ بن شہر بن لودی، متوفی ۶۷۶ھ
- ۱۷۷۔ انصار المسلمین، مطبوعہ نشر السنۃ لبنان، شیخ ابو البکاس تقی الدین ابن تیمیہ حرانی، متوفی ۷۲۸ھ
- ۱۷۸۔ تاریخ الامم والقہر، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر، علامہ عبدالوہاب شترانی، متوفی ۹۷۳ھ

- ملفوظات

- ۲۳۵- بیار شریعت، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی، مولانا امجد علی متوفی ۱۳۶۰ھ
- ۲۳۶- فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی، شیخ عزیز الرحمن مفتی محمد شفیع دیوبندی، متوفی ۱۳۹۲ھ
- ۲۳۷- شرح النقایہ، مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سید اینڈ کمپنی، لاہور، سلطان محمد انصاری، متوفی ۱۰۱۳ھ
- ۲۳۸- حاشیہ ابی السعود، علی لامسکین، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ، مصر، ۱۲۸۷ھ، علامہ ابی السعود محمد بن محمد عیسیٰ، متوفی ۹۸۲ھ
- ۲۳۹- فتاویٰ مسعودی، مطبوعہ سرحد پبلیکیشنز کراچی، ۱۳۰۷ھ، شاہ محمد مسعود دہلوی، متوفی ۱۳۹۲ھ
- ۲۴۰- جامع الفتاویٰ، مطبوعہ مطبع اسلامی پریس شاہ جہاں پور، ۱۳۲۲ھ، مولانا ریاست علی خاں
- ۲۴۱- فتاویٰ عزیزی، مطبوعہ مطبع مہتمائی، دہلی، ۱۳۱۱ھ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، متوفی ۱۲۲۹ھ
- ۲۴۲- امداد الفتاویٰ، مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی، شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۳ھ
- ۲۴۳- کتاب الاشباہ والنظائر، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت
- ۲۴۴- غرر حیرن البصائر، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت، سید احمد بن محمد مفتی حموی
- ۲۴۵- انسانی اعضا کی پیوندکاری، مطبوعہ مجلس مسائل تحقیقی حاضر، کراچی، مفتی محمد شفیع دیوبندی، متوفی ۱۳۹۲ھ
- ۲۴۶- برادینٹل فنڈ پر سود اور زکوٰۃ کا مسئلہ، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی، " " "
- ۲۴۷- اوزان شرعیہ، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی، مفتی محمد شفیع دیوبندی، متوفی ۱۳۹۲ھ
- ۲۴۸- رسائل و مسائل، مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، سید ابوالاعلیٰ مودودی، متوفی ۱۳۹۹ھ
- ۲۴۹- ۵- اسے ذیلدار پارک (اُردو مجاہد سید مودودی)، مطبوعہ ابدیر پبلیکیشنز، ۱۹۷۵ء، سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ
- ۲۵۰- برجندی علی شروح و تباہ، مطبوعہ مطبع مفتی نرگشور کھنور، ۱۳۲۲ھ، علامہ عبدالعلی برجنیدی
- ۲۵۱- حقوق الزوجین، مطبوعہ ادارۃ ترجمان القرآن لاہور، سید ابوالاعلیٰ مودودی، متوفی ۱۳۹۹ھ
- ۲۵۲- مقالات کوثری، مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سید اینڈ کمپنی، کراچی، علامہ زاہد الکوثری، متوفی ۱۳۷۱ھ
- ۲۵۳- کنز الدقائق، مطبوعہ محمد سید اینڈ سنز، کراچی، علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی، متوفی ۷۱۰ھ

کتب فقہ شافعی

- ۲۵۴- کتاب الام، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، ۱۳۹۳ھ، امام محمد بن احمد سی شافعی، متوفی ۲۰۴ھ
- ۲۵۵- المہذب، مطبوعہ داراللمک بیروت، شیخ ابواسحاق شیرازی، متوفی ۴۵۵ھ
- ۲۵۶- شرح المہذب، مطبوعہ داراللمک بیروت، علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ
- ۲۵۷- مکملہ شرح المہذب، مطبوعہ داراللمک بیروت، علامہ تقی الدین سبکی، متوفی ۷۵۶ھ
- ۲۵۸- فتح العزیز شرح الوجیز، مطبوعہ داراللمک بیروت، علامہ ابوالقاسم قحطانی، متوفی ۶۲۳ھ
- ۲۵۹- منی المحتاج، مطبوعہ داراجیاد التراث العربی بیروت، علامہ محمد الخطیب من قرن السامی
- ۲۶۰- اجیائے علوم الدین، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ
- ۲۶۱- الحادی للفتاویٰ، مطبوعہ مکتبہ قدیریہ رضویہ نعیم آباد، علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ

۲۶۲۔ فقہ السنۃ، مطبوعہ مدرسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۱ھ، ڈاکٹر یوسف قرضاوی

۲۶۵۔ المدد فی الکبریٰ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۶ھ، امام سحنون بن سعید ترمذی مالکی، متوفی ۲۵۲ھ

۲۶۷۔ الشرح الصغير على اقرب المسالك، مطبوعه دارالعلماء مصر ۱۳۲۸ھ، ملا عبد البرکات احمد بن محمد الدرویر مابکی، متوفی ۱۱۹۷ھ

٢٤٨- التاج والاكمل شرح مختصر تفصيل، مطبوع دار الفكر بيروت ١٣٩٨ هـ، علامه ابو عبد الله محمد بن يوسف بن ابى القاسم العبيدى، الكائن متوفى ٨٩٦ هـ

۲۶۹۔ الشرح الکبیر، مطبعہ دار الفکر بیروت، علامہ البریلوات سیدی احمد درویش مکی، متوفی ۱۱۹۷ھ

۲۷۔ حاشیہ الدسوتی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، شیخ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوتی مالکی، متوفی ۱۲۱۹ھ

٢٤٠ - حاشية الصاوي على الشرح الصغير للدردير، مطبوعه دار المعارف مصر، ١٩٣٤م، علامه احمد بن محمد صاوي مالكي، متوفى ١٢٢٣هـ

٢٤٢- مواهب الجليل، مطبوعه والاعمال بيروت، ١٣٩٨ هـ. علامه ابو عبد الله محمد بن محمد الخطاب المغربي، متوفى ٩٥٢ هـ

٢٤٣- المتفق، مطبوع دار الفكر بيروت، ١٣٠٥ هـ، علامه ابو القاسم عمر بن الحسين بن عبد الله بن احمد الخرقى، متوفى ٣٣٢ هـ

٢٤٢ - المنفى ، " " ، ١٣٠٥ هـ ، علامه مصطفیٰ الدین ابو محمد عبد الباقی احمد بن قدامہ منبلی ، متوفی ٦٢٠ هـ

٢٥- السنن مع الشرح الكبير، مطبوع دار الفكر بيروت، ١٣٠٢ هـ، علامه مرفی الدین ابو محمد عبد الشرح احمد بن قدامة حنبلي، متوفی ٧٢٠ هـ

۲۰۲- الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۰۲ھ علامہ شمس الدین عبدالرحمن بن ابی عمر محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۸۲ھ

۲۷۷- انصاف، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۷۶ھ، علامہ ابوالحسن علی بن سلیمان سرمدی، متوفی ۸۸۵ھ

٢٨٨ - مجموع الفتاوى، مطبوعه دار نهج بن عبد العزيز، كل سعود، شيخ البر العباس تقى الدين احمد ابن تيميه حنبل، منزى ٢٨، ح

٢٤٩- كتاب الفروع، مطبوعه عالم الكتب بيروت، ١٣٨٨ هـ، علامه شمس الدين مقدسى البرقعي رحمه الله بن مفتاح جنبل، متوفى ٤٢٣ هـ

٢٨٠ - تصحيح الفروع، مطبوعه " " ١٣٨٨ هـ، علامه ابراهيم حسن علي بن سليمان مرعاشي، متوفى ٨٨٥ هـ

۲۸۱- کشف القناع، " " " " علامہ منصور بن یونس بن ادریس کجوری متوفی ۱۰۵۱ھ

٢٨٣- المجلد مطبوعه ادارة المطبعة النورية بمصر، ١٣٣٩هـ، شيخ علي بن احمد بن حزم اندلسي، متوفى ٤٥٦ هـ

۲۸۳۔ نیل الاوطار، مطبوعہ اکیلیات الازرق، ۱۳۹۸ھ، شیخ محمد بن علی شوقانی، مترقی، ۱۲۵۰ھ

۲۸۴- مسک الحقام، نواب صدیق حسن خان جویاں، متوفی ۱۳۰۷ھ

۲۸۶۔ کتاب الاموال، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، امام ابو عبیدہ قاسم بن سلام، متوفی ۲۲۴ھ

۲۸۷- میزان الشعرية الكبرى، مطبوعه مطبع مصطفیٰ البابي واولاده مصر، ۱۳۵۹ھ علامہ عبدالکبیر شرفی، مترقی ۹۷۳ھ

٢٨٩ - الفتاوى الإسلامية دار الافتاء المصرية القاهرة ، ١٣٧٠ هـ

۲۹۰۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ، ڈاکٹر وحیدہ غیبی۔

٢٩١- التشریع الجنائی، مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت، علامہ عبد القادر عیسیٰ

۲۹۲۔ الاصل من الکافی مطبوعه دارالکتب الاسلامیه، تهران، شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلمینی، مترقی ۲۲۹ و

٢٩٣ - الفروع من الكافي مطبوعه " ١٣٩١ هـ " " " " "

۲۹۴۔ من لا یحضرہ الفقیہ، مطبوعہ۔

۲۹۵۔ تہذیب الاحکام، مطبوعہ " " شیخ ابوسعید محمد بن حسن طوسی، متوفی ۴۶۰ھ

۲۹۶- الاستبصار، مطبوعه دارالکتب الاسلامیه، تهران

۲۹- توضیح المسائل، مطبوعه سازمان تبلیغات اسلامی ایران، ۱۴۰۲ هـ، شیخ روح الله خمینی، مترقی ۱۴۰۹ هـ

۲۹۔ ترویج المسائل، مطبوعہ جامعہ تعلیمات اسلامی، کراچی، شیخ البراق اسم الخوفی،

۲۹۹- احتجاج، مطبوعه دارالاسلامان ایران، شیخ البرصصور احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی، متوفی ۷۲۰ هـ

۳۰۔ حق الیقین، مطبوعہ نجیابان، ناصر خسرو ایران، ۱۳۴۷ھ، مؤلف باقر بن محمد تقی مجلسی، ستونی ۱۱۱۰ھ

۳۰۔ جلال الدین (مترجم)، مطبوعہ انصاف پریس لاہور، قباقر بن محمد تقی مجلس، متوفی ۱۱۱۰ھ

۲۰۔ حیات القلوب (مترجم) مطبوعہ حمایت اہل بیت وقف لاہور، ملا باقر بن محمد تقی مجلس، متوفی ۱۱۱۰ھ

۳۰۱۔ تاریخ یعقوبی، مطبوعہ مرکز انتشارات علمی و فرهنگی ایران، ۱۳۶۲ء، شیخ احمد بن ابی یعقوب، مقتوفی ۳۷۰۔

۳۰- کشف الاسرار، مطبوعه انتشارات آزادی قم ایران، شیخ روح الله عمیدین موسوی، متوفی ۱۲۰۹ هـ

۳۰۔ مجمع البیان، مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ، ایران، ۱۳۸۰ھ، شیخ ابوعلی فضل بن حسن طبرسی، متوفی ۵۲۸ھ

۳- المیزان، مطبوعه دارالکتب الاسلامیه، ایران، ۱۳۶۲، شیخ محمد حسین الجبائی، متوفی ۱۲۹۳ هـ

۳۰۔ فقہ الامام حمزہ الصادق، مطبوعہ دارالعلم بیروت، شیخ محمد حماد منقہ،

۳- تاریخ التواریخ، مکتوبه کتاب فروشی اسلامیہ ایران، ۱۳۶۳ء، میرزا محمد تقی مؤرخ شہید، متوفی ۱۲۹۶ھ

٢٠- تفسيره، مطبوعه مطبعة النجف، ١٣٨٤ هـ، شيخ الاسلام علي بن ابي ابيم حمي، متوفى ٣٢٩ هـ

- ۳۱۰- بحار الانوار، مطبوعہ المطبعة الاسلامیہ، طبرستان، ۱۳۹۲ھ، ملا محمد باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ
 ۳۱۱- تفسیر منیر، مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ ایران، ۱۳۴۳ھ، جسے ازغولیندگان،
 ۳۱۲- فہرست، مطبوعہ کتاب خانہ چہل ستون، جامع تبران، ۱۳۹۸ھ، فقیر سید محمد حسن قزوینی
 ۳۱۳- شرح پنج البلاغہ، مطبوعہ ترجمان القرآن، ۱۳۸۷ھ، شیخ کمال الدین سیثم بن علی بن میثم البجرائی، متوفی ۶۸۹ھ

کتاب عقائد و کلام

- ۳۱۴- شرح عقائد نفسی، مطبوعہ ترجمان الصحیح المطابع، کراچی، علامہ سعد الدین مسعود بن عمر نقاش زانی، متوفی ۷۶۱ھ
 ۳۱۵- شرح مواقف، مطبوعہ مطبعہ نقشبندیہ، میر سید شریف علی بن محمد مجربانی، متوفی ۸۱۲ھ
 ۳۱۶- شرح فقہ اکبر، مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابي واولادہ مصر، ۱۳۷۵ھ، ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۲ھ
 ۳۱۷- حاشیہ الفیال، مطبوعہ عبدالحکیم اینڈ سنز پشاور، علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی، متوفی ۸۷۰ھ
 ۳۱۸- المنقذ من الضلال، مطبوعہ مکتبۃ الاوقاف لاہور، ۱۴۰۵ھ، علامہ محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ
 ۳۱۹- الیواقیت والحواسر، مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابي واولادہ مصر، ۱۳۷۸ھ، علامہ عبدالباق شہرانی، متوفی ۹۷۲ھ
 ۳۲۰- نبیاس، مطبوعہ مکتبۃ قادریہ لاہور، ۱۳۹۷ھ، مولانا عبدالحق بن پیر باری
 ۳۲۱- حاشیہ عبدالحکیم سیاکوٹی مع مجموعہ حواشی البصیر، مطبوعہ مکتبۃ اسلامیہ کوئٹہ، ۱۳۹۷ھ، مولانا عبدالحکیم سیاکوٹی، متوفی ۱۰۶۷ھ
 ۳۲۲- شرح المقام، مطبوعہ دارالمعارف الشافعیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ، علامہ سعد الدین مسعود بن عمر نقاش زانی، متوفی ۷۶۱ھ
 ۳۲۳- الاحکام السلطانیہ، مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابي واولادہ مصر، ۱۳۹۳ھ، علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عیوبہ الماسعودی، متوفی ۴۵۰ھ
 ۳۲۴- مسائر، مطبوعہ مطبعۃ السادۃ مصر، علامہ کمال الدین ابن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ
 ۳۲۵- سامرہ، مطبوعہ مطبعۃ السادۃ مصر، علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی شریف القدسی شافعی، متوفی ۹۰۶ھ
 ۳۲۶- کتاب التمام، مطبوعہ تاجدار پبلشنگ کمپنی کراچی، مولانا قاضی مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ

کتاب اصول حدیث

- ۳۲۷- الکفایہ فی علم الروایہ، مطبوعہ مکتبۃ علمیہ مدینہ منورہ، حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت غلیب بھٹوی، متوفی ۶۶۳ھ
 ۳۲۸- لفظ الدرر، مطبوعہ مطبعہ شریکۃ مصطفیٰ البابي علی واولادہ مصر، ۱۳۵۶ھ، علامہ عبدالحق بن حسین خاطر
 ۳۲۹- شرح تہذیب الکف، مطبوعہ مکتبۃ اسلامیہ کوئٹہ، ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۲ھ
 ۳۳۰- احسان النظر، مطبوعہ اکادمی شاہ ولی اللہ، حیدرآباد سندھ، قاضی عبدالکرم سندھی
 ۳۳۱- تدرب الراوی، مطبوعہ مکتبۃ علمیہ مدینہ منورہ، ۱۳۹۲ھ، علامہ مولانا ابوالحسن سید علی، متوفی ۹۱۱ھ

کتاب اصول فقہ

- ۳۳۲- مستصفیٰ، مطبوعہ امیر کبریٰ بلاق مصر، ۱۳۹۵ھ، امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ

- ۳۲۳۔ فاتح الرحمن، مطبوعہ مطبعہ امیر کبریٰ بڑلاق مصر ۱۲۹۲ھ، بحر العلوم عبدالحی بن نظام الدین متوفی ۱۲۲۵ھ
 ۳۲۴۔ الرسالة، مطبوعہ مطبعہ امیر کبریٰ بڑلاق مصر ۱۳۱۲ھ، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ
 ۳۲۵۔ الاحکام فی اصول الاحکام، مطبوعہ مطبعہ محمد علی واولادہ مصر ۱۳۴۰ھ، علامہ سعید الدین علی بن علی آمدی متوفی ۶۳۱ھ
 ۳۲۶۔ اصول بزودی، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجاربت کتب کراچی، فخر الاسلام علی بن محمد بزودی متوفی ۲۸۲ھ
 ۳۳۰۔ ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاموال، مکتبہ اثریہ سانگلہ ہلی، شیخ محمد بن علی شرکانی متوفی ۱۲۵۰ھ

متفرقات

- ۳۳۸۔ کتاب التقریفات، مطبوعہ المطبعة الخیر مصر ۱۳۰۲ھ، میر سید شریف علی بن محمد حیدر جانی، متوفی ۸۱۶ھ
 ۳۳۹۔ الجانح الطیف، محمد جبار انظر، متوفی ۹۸۵ھ
 ۳۴۰۔ فتاویٰ حدیثیہ، مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۶ھ، علامہ ابن حجر مکی، متوفی ۹۲۰ھ
 ۳۴۱۔ سبابة النکر، مولانا عبدالحی کھنوی، متوفی ۱۳۰۲ھ
 ۳۴۲۔ الکبریٰ الامر، مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۷۸ھ، علامہ عبدالباق شرانی، متوفی ۹۷۳ھ
 ۳۴۳۔ الامتصاف، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، علامہ ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی، متوفی ۷۹۰ھ
 ۳۴۴۔ برادر الزادہ، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۳۳ء، شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ
 ۳۴۵۔ براہین قاطعہ، مطبوعہ مطبعہ بلالی، ڈھونڈ، شیخ غلیل احمد اینیشوی، متوفی ۱۳۲۶ھ
 ۳۴۶۔ اسلام اور موسیقی، مطبوعہ ادارۃ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۶۸ء، شاہ محمد جعفر بھلوی
 ۳۴۷۔ المہند علی المنہد، مطبوعہ کتب خانہ دیوبند، شیخ غلیل احمد اینیشوی، متوفی ۱۳۲۶ھ
 ۳۴۸۔ دو اسلام، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، ڈاکٹر غلام حیلانی برق
 ۳۴۹۔ مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ مدینہ بے شک گپنی، کراچی، ۱۹۷۰ء، حضرت مجدد الف ثانی، متوفی ۱۰۳۲ھ
 ۳۵۰۔ حیوۃ الہیوان الکبریٰ، مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۰۵ھ، علامہ محمد بن موسیٰ الدمیری متوفی ۸۰۸ھ
 ۳۵۱۔ عجائب المخلوقات، مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۰۵ھ، علامہ ذکیہ بن محمد بن محمود
 ۳۵۲۔ الماخذ، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور، امام احمد رضا قادری متوفی ۱۲۲۰ھ
 ۳۵۳۔ تکمیل الایمان، مطبوعہ نغمہ المطابع کھنوی، ۱۹۱۲ء، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، متوفی ۱۲۵۲ھ
 ۳۵۴۔ منہاج السنۃ، مطبوعہ مطبعہ امیر کبریٰ بڑلاق مصر، شیخ تقی الدین ابوالعباس احمد بن تیمیہ حرانی، متوفی ۷۲۸ھ
 ۳۵۵۔ تقویت الایمان، مطبوعہ مطبعہ علمی لاہور، شیخ اسماعیل دہلوی، متوفی ۱۲۲۶ھ
 ۳۵۶۔ تحقیق الفتویٰ، مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۳۹۹ھ، علامہ فضل حق غیر آبادی، متوفی ۱۸۶۱ء
 ۳۵۷۔ ماخبات السنۃ، مطبوعہ ادارۃ نعیمیہ رضویہ لاہور، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ
 ۳۵۸۔ شائم اعدادیہ، مطبوعہ نوری کتب خانہ ملتان، ۱۴۰۵ھ، حاجی امداد اللہ ہاجر مکی، متوفی ۱۳۱۷ھ
 ۳۵۹۔ امداد الشائق، مکتبہ اسلامیہ لاہور، شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ

- ۳۶۰۔ فیصلہ مفت مسئلہ، مطبوعہ مدنی کتب خانہ لاہور، ۱۳۱۷ھ، متوفی ۱۳۱۷ھ۔
- ۳۶۱۔ المورد الری فی المراد النبوی، مطبوعہ المدینۃ المنورۃ، ۱۳۰۰ھ، مؤلف علی بن سلطان محمد القاری، ۱۰۱۴ھ۔
- ۳۶۲۔ ابجد العلوم، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۱۳۰۳ھ، نواب صدیق حسن خان صاحب پالی، متوفی ۱۳۰۷ھ۔
- ۳۶۳۔ اللہ الکامنت، مطبوعہ دار الحقیق بیروت، حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ۔
- ۳۶۴۔ روزنامہ جنگ کراچی، میر فیصلی الرحمن (مدیر اعلیٰ)۔
- ۳۶۵۔ جہرۃ انساب العرب، مطبوعہ دار اکتب الخلیفہ بیروت، ۱۳۰۳ھ، ابو محمد علی بن حزم اندلسی، متوفی ۴۵۶ھ۔
- ۳۶۶۔ التلخیص الجبر، حافظ ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ۔
- ۳۶۷۔ ما ہمار ضیائے حرم، لاہور، جسٹس میر محمد کرم شاہ الازہری۔
- ۳۶۸۔ الملیۃ الناجزۃ، مطبوعہ دار الاشارات کراچی، ۱۹۸۷ء، شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۴ھ۔
- ۳۶۹۔ احسن الفتاویٰ، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی، ۱۳۰۷ھ، مفتی رشید احمد۔
- ۳۷۰۔ ابریز من کلام سیدی عبدالعزیز، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر، ۱۳۸۰ھ، سیدی احمد بن عبدالبارک۔
- ۳۷۱۔ تھذیر الناس، مطبوعہ کتب خانہ اعدایہ دیوبند، ۱۳۹۵ھ، شیخ محمد قاسم نافقوری، متوفی ۱۲۹۷ھ۔
- ۳۷۲۔ ازاحة العیب بسیف النیب، مطبوعہ رفوی کتب خانہ لاہور، ۱۳۳۰ھ، امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ۔
- ۳۷۳۔ صراط مستقیم، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور، شیخ اسماعیل دہلوی، متوفی ۱۳۴۶ھ۔
- ۳۷۴۔ میری داستان حیات، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی، ڈاکٹر غلام جیلانی برق۔
- ۳۷۵۔ رمزیان، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی، ڈاکٹر غلام جیلانی برق۔
- ۳۷۶۔ فتاویٰ رشیدیہ کامل، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی، شیخ رشید احمد گنگوہی، متوفی ۱۳۲۳ھ۔
- ۳۷۷۔ الترتیب الاداریہ (نظام الحکومت النبویہ)، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، علامہ عبدالحمن اکتافی۔
- ۳۷۸۔ انشورس اسلامی معیشت میں، مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز ٹیڈ لاہور، ۱۹۸۲ء، ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی۔
- ۳۷۹۔ شرح جامی، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، مولانا عبدالرحمن جامی۔
- ۳۸۰۔ افاتہ الطالین، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، علامہ سید ابی بکر المعروف باسید البکری۔
- ۳۸۱۔ محققہ الثانی، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی، علامہ سعد الدین مسعود بن عمر نقضانی، متوفی ۷۹۲ھ۔
- ۳۸۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب لاہور، ۱۳۹۷ھ۔
- ۳۸۳۔ مقالات کاظمی، مطبوعہ مکتبہ قریریہ ساہیوال، ۱۳۹۷ھ، علامہ سید احمد سعید کاظمی، متوفی ۱۳۰۶ھ۔
- ۳۸۴۔ ہدایۃ النحو، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی، کراچی، علامہ ابراہیم انیس، متوفی ۷۵۴ھ۔
- ۳۸۵۔ المرأة فی فکر الاسلامی، مطبوعہ مطالع جامعۃ الموصل بغداد، ۱۹۸۲ء، علامہ جمال محمد فتی رسول الباجوری۔
- ۳۸۶۔ اعلام الموقنین، مطبوعہ حارۃ حرکت لبنان، علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن القیم الجوزیہ متوفی ۷۵۱ھ۔
- ۳۸۷۔ اتحاف سادۃ المتقین، مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر، ۱۳۱۱ھ، علامہ سید محمد بن محمد رفیع حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ۔

شرح صحیح مسلم

از رشتحات قلم
علامہ غلام رسول سعیدی
شرح صحیح مسلم کی خصوصیات

- ۱۔ احادیث کا آسان اور جامع اردو ترجمہ۔
- ۲۔ متقدمین کی شرح کی روشنی میں ہر باب کی احادیث کی مختصر اور واضح تشریح۔
- ۳۔ علم اصول حدیث کی روشنی میں احادیث پر فنی گفتگو۔
- ۴۔ اندر اور بیرونی اقبات کتب سے ان کے مذاہب کا مع دلائل بیان۔
- ۵۔ فقہ حنفی کی ترجیح کا بیان۔
- ۶۔ منکرین حدیث کے شبہات کے جوابات اور حجیت حدیث پر دلائل کا انبار۔
- ۷۔ اعتقادی مسائل پر مہذب علمی گفتگو۔
- ۸۔ مسائل حاضرہ مثلاً فوٹو گراف، ریڈیو، ٹی۔ وی، ڈویو، ریل اور ہوائی جہاز میں نماز، پرسٹ مارٹم، ایمر پنجنگ ادویہ، انتقال خون، اعضا کی پیوند کاری، استقامت حمل، ضبط تولید، میٹ ٹیوب سے بی، رویت بالکسمی کے احکام، پاکستان اور دیگر بعید ممالک میں اختلاف رویت، بول کے اثر سے مختلف احکام، پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ، میادی قرضوں کی ادائیگی پر زکوٰۃ، قطبین میں روزے اور نماز کے احکام، ٹیلیفون پر نکاح، بیہ اسلام میں کنو کی حیثیت، ایک مجلس میں تین ملائیں، عدالتی طلاق، نف، سود اور عید و تقرب، انعامی بانڈز، جگ نوٹ، انفرافونڈ کی پیچیدگیاں، مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات اور دوسرے بہت سے مسائل پر محققانہ بحث۔
- ۹۔ مصنف نے ہر مسئلہ میں سرمدی بحث کی ہے۔ قرآن مجید، احادیث، آثار، اقوال تابعین، جسد فقہاء اسلام اور فقہاء احناف کے ارشادات کی روشنی میں ہر مسئلہ کو سمجھا ہے، کسی گمراہی فکر کے تابع ہو کر نہیں لکھا۔
- ۱۰۔ اس شرح میں شانستہ نگار کو ملحوظ رکھی گیا ہے کسی کے خلاف مبتذل لہجہ اختیار نہیں کیا گیا۔

ملنے کا پتہ : فرید بک سٹال - ۳۸ - اردو بازار لاہور

علامہ غلام رسول سعیدی کی تصانیف

۱	حیات اُستاد العلماء
۲	فاضل بریلوی کا فقہی مقام
۳	توضیح البیان
۴	ذکر بالجہر
۵	ضیائے کمر الایمان
۶	تذکرۃ المحدثین
۷	مقالات سعیدی
۸	مقام ولایت و نبوت
۹	معاشرے کے ناسور
۱۰	نقطہ خدا کی تحقیق
۱۱	نظام مصطفیٰ کی شرعی حیثیت، ضرورت اور اہمیت
۱۲	شرح صحیح مسلم